نعم الباری فی شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دارالعلوم نعیمیہ کراچی

شرح صحیح البخاری کے نام ''**نِعم الباری**'' کی توجیہ

میں نے 18 رجنوری 2006ء کو اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی 256ھ کی مشہور زمانہ کتاب ''المسند الصحیح الجامع المعروف بہ صحیح البخاری'' کی شرح لکھنے کا آغاز کیا، میں نے ابتداءً اس کا نام انعام الباری رکھا تھا، بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ شیخ محمد تقی عثمانی بھی اس نام سے صحیح البخاری کی شرح لکھ رہے ہیں اور اس وقت تک انعام الباری کی چار جلدیں ہو چکی تھیں، اس لیے میں نے اس کا نام بدل کر نعمۃ الباری رکھ دیا اور فرید بک اسٹال لاہور سے اس کی سات جلدیں لکھنے کا معاہدہ کیا اور 14 ستمبر 2010ء کو میں نے نعمۃ الباری کی ساتویں جلد مکمل کر کے سید محسن اعجاز شاہ صاحب کے حوالہ کر دی اور یوں میری حد تک اس معاہدہ کی تکمیل ہو گئی۔

بعد ازاں میرا رابطہ ادارہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز سے ہوا اور میں نے محترم محمد حفیظ البرکات شاہ صاحب سے شرح صحیح البخاری لکھنے کا معاہدہ طے کیا اور اب آٹھویں جلد سے میں نے اس کا نام نعمۃ الباری کے بجائے ''**نِعم الباری**'' رکھ دیا ہے تاکہ معاندین اور مفسدین کے لیے کسی شرعی گنجائش نہ رہے اور وہ یہ نہ کہیں کہ نعمۃ الباری کا معاہدہ تو ہم سے تھا اب یہ ضیاء القرآن اس کو کیوں شائع کر رہا ہے۔ اس لیے میں نے اس کا نام ہی بدل دیا ہے اور بجائے نعمۃ الباری کے اس کا نام ''**نِعم الباری**'' رکھ دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ میرا اور ضیاء القرآن پبلی کیشنز کا حافظ اور ناصر ہو اور ہمیں معاندین اور مفسدین کے شر اور فساد سے محفوظ اور مامون رکھے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین علیہ وعلیٰ الہ واصحابہ وازواجہ وذریتہ الف الف صلوات وتسلیمات دائما ابدا۔

غلام رسول سعیدی

خادم الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی 38

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم ۳۴)

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری

تصنیف

علامہ غلام رسول سعیدی

شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی۔ ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری

علامہ غلام رسول سعیدی

الجزء العاشر

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرو تو شمار نہ کر سکو گے (ابراہیم: ۳۴)

نِعَمُ الباری فی شرح صحیح البُخاری

جلد عاشر (۱۰)

الاحادیث: ۵۳۵۰ ـــ ۵۴۷۳

کتاب الخلع، کتاب العدت

تصنیف

علامہ غُلام رسُول سعیدی

شیخُ الحدیث دارُالعلوم نعیمیہ، کراچی ۳۸

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی

نام کتاب	نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد عاشر (۱۰)
تصنیف	علامہ غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم العالیہ شیخ الحدیث دار العلوم نعیمیہ، کراچی
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، کراچی
سال اشاعت	بار اول نومبر 2012ء بار دوم ستمبر 2013ء
تعداد	ایک ہزار
کمپیوٹر کوڈ	HS23

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔ 021-32212011-32630411 فیکس:۔ 021-32210212
e-mail:- info@zia-ul-quran.com
ziaulquranpublications@gmail.com
Website:- www.ziaulquran.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری (جلد عاشر)

افتتاحیہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الحمد لله ربّ العالمین، الّذی جعلنا من المسلمین، ووصفنا بخیر امّة من الأمم الماضین، و انعم علینا بتنزیل القرآن الکریم و هدانا به الی الصراط المستقیم، و الصلوٰة والسّلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین قائد الغرّ المحجّلین، الذی شرح الفرقان با حادیثه و بیانه القویم، و کشف عن اسراره و غوامضه لهدایة الناس اجمعین، و انقذنا بحسن سیرته من الظلمات والضلال المبین، و علی اله الطیبین واصحابه الطاهرین الذین قاموا باشاعة الدین المتین مع کمال الخلوص والجهد العظیم، و علی ازواجه الطّاهرات امهات المؤمنین، و علی جمیع الائمة التابعین من المفسرین والمحدثین المخلصین الکاملین الی یوم الدّین۔

و بعد فیقول العبد الفقیر الی مولاه القدیر غلام رسول السعیدی دائم الاحتیاج الی کرم ربه السرمدی انّی بعد الفراغ من التفسیر قد شرعت فی شرح الصحیح للامام البخاری (علیه نعمة الباری) توکّلا علی رحمة الله و فضله العمیم۔ ولا یکون تحریره و تقریره و تکمیله الّا نعمته العظمیٰ۔ فلذا سمّیته بنعمة الباری فی شرح الصحیح للبخاری۔ (تقبّله الله بلطفه و تغمدنی بغفرانه بمحض فضله)

اشهد ان لا اله الّا الله وحده لا شریك له و اشهد انّ سیّدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله۔ اعوذ بالله من شرور نفسی و من سیئات اعمالی۔ من یهده الله فلا مضلّ له و من یّضلله فلا هادی له۔ اللهم ارنی الحق حقاً وارزقنی اتباعه۔ اللهم ارنی الباطل باطلاً وارزقنی اجتنابه۔ اللهم اجعلنی فی تصنیف هذا الکتاب علی صراط مستقیم واجعله موافقاً باسمه واحفظه من شرور الاشرار و الحاسدین۔ اللهم اجعله خالصا لوجهك الکریم و مقبولاً عندك و عند رسولك الرؤف الرحیم واجعله شائعاً و مستفیضاً و مفیضاً و مرغوباً فی اطراف العالمین الی یوم الدین واجعله لی ولجمیع من انتسب الی من المسلمین صدقة جاریة الی یوم القیامة وارزقنی زیارة النبیّ الکریم ﷺ فی الدنیا و شفاعته فی الاخرة واحینی علی الاسلام بالسلامة و امتنی علی الایمان بالکرامة۔ اللهم انت ربّی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدك وانا علی عهدك ووعدك ما استطعت۔ اعوذ بك من شرّ ما صنعت ابؤ لك بنعمتك علیّ وابؤ لك بذنبی فاغفر لی فانه لا یغفر الذنوب الا انت۔ ربّ اوزعنی ان اشکر نعمتك التی انعمت علیّ و علی والدیّ وان اعمل صالحاً ترضٰه۔ آمین یا ربّ العالمین بجاه سید المرسلین ﷺ۔

ترجمہ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے مخصوص ہیں، جس نے ہمیں مسلمان بنایا اور سب سے بہترین امت کا لقب عطا فرمایا، قرآن کریم نازل فرما کر ہم پر احسان کیا اور اس کتاب کے ذریعہ ہمیں سیدھی راہ دکھائی۔ حمد کے بعد سب سے افضل اور بلند رتبہ پیغمبر آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام ہو، جو سفید رو اور سفید ہاتھ پیروں والوں کے قائد ہیں، جنہوں نے اپنی احادیث اور مستحکم بیان سے قرآن مجید کی تشریح فرمائی اور تمام لوگوں کی ہدایت کے لیے اس کے اسرار و رموز سے پردہ اٹھایا اور ہمیں اپنا بہترین نمونہ عمل عطا کر کے ظلمت و گمراہی سے نجات بخشی۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد پاک اور صحابہ کرام پر رحمتوں کا نزول ہو جو پورے اخلاص اور محنت کے ساتھ اشاعت دین میں مصروف رہے، اور آپ کی ازواج مطہرات پر رحمتوں کا نزول ہو جو مسلمانوں کی مائیں ہیں اور ان سب کے بعد تا قیام قیامت آنے والے مخلص اور با کمال ائمہ مفسرین اور محدثین پر رحمتیں نازل ہوں۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد رب کائنات کے دائمی کرم کا بندۂ محتاج غلام رسول سعیدی غفرلہٗ عرض پرداز ہے کہ میں تفسیر تبیان القرآن سے فارغ ہونے کے بعد اللہ عزوجل کی رحمت اور اس کی عنایت پر بھروسا کرتے ہوئے صحیح بخاری کی شرح کا آغاز کر چکا ہوں۔ چونکہ ظاہری قویٰ اس عظیم کام کے متحمل نہیں ہیں اس لیے تصنیف کے جملہ مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچنے تک اس شرح کا مکمل دارومدار صرف اور صرف اللہ عزوجل کی خصوصی نعمت اور احسان پر ہے۔ اسی لیے میں نے اس شرح کا نام ''نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری'' رکھا ہے۔ (اللہ تعالیٰ اپنے لطف و عنایت سے اس تصنیف کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اپنی بخشش میں ڈھانپ لے)۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اپنے نفس کے شر اور بداعمالیوں سے اللہ عزوجل کی پناہ میں آتا ہوں۔ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ گمراہی پر چھوڑ دے اس کو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا۔ اے اللہ! مجھ پر حق واضح فرما اور مجھے اس کی اتباع عطا فرما اور باطل کو مجھ پر منکشف فرما اور اس سے بچنے کی توفیق مرحمت فرما۔ اے اللہ! مجھے اس شرح کی تصنیف میں صراط مستقیم پر گامزن فرما اور اس شرح کو اسم بہ مسمّٰی کر دے اور اسے شریروں کے شر اور حاسدوں کے حسد سے محفوظ فرما۔ اے اللہ! اس تصنیف میں صرف اپنی رضا مقدر فرما دے اور اس کو اپنی اور اپنے مہربان رسول (سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں مقبول بنا دے، اور صبح قیامت تک اس کو اکناف عالم میں مشہور و مقبول، مرغوب و محبوب اور اثر آفرین بنا دے، اس کو میرے لیے اور میرے جملہ مسلمان متعلقین کے لیے قیامت تک صدقۂ جاریہ بنا۔ مجھے دنیا میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قیامت میں آپ کی شفاعت سے بہرہ مند فرما۔ مجھے سلامتی کے ساتھ اسلام پر زندگی اور عزت کے ساتھ ایمان پر خاتمہ نصیب فرما۔ اے اللہ! تو میرا رب ہے، تیرے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور تجھ سے کیے ہوئے وعدہ پر اپنی طاقت کے مطابق قائم ہوں۔ میں اپنی بداعمالیوں کے شر سے تیری پناہ میں آتا ہوں، تیرے مجھ پر جو انعامات ہیں ان کا میں اقرار کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ میری بخشش فرما، کیونکہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں ہے، پروردگارا! تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر جو انعامات فرمائے ہیں ان پر مجھے ہمیشہ شکر ادا کرنے کی توفیق عطا فرما اور مجھے ایسے نیک اعمال کی توفیق دے جو تجھے محبوب اور پسند ہوں۔ آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

۱۲۔ بَابُ: الْخُلْعِ وَكَيْفَ الطَّلَاقُ فِيْهِ

خلع کا بیان اور خلع میں طلاق کس طرح ہوگی

وَقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ (البقرۃ:۲۲۹)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہارے لیے اس (مہر یا ہبہ) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں جو تم ان کو دے چکے ہو، مگر جب دونوں فریقوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ (البقرۃ:۲۲۹)

خلع کا لغوی اور شرعی معنی اور عرب میں پہلے خلع کا ذکر

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

لفظ الخلع میں خاء پر پیش ہے اور لام پر جزم ہے، لغت میں اس کا معنی ہے: مال کے عوض بیوی کو چھوڑ دینا اور یہ خَلَعَ الثوب سے ماخوذ ہے، کیونکہ بیوی مرد کا معناً لباس ہے اور اس سے شوہر اور بیوی کے درمیان حسی اور معنوی تفرقہ ہو جاتا ہے۔

ابوبکر بن ورید نے اپنی امالی میں لکھا ہے کہ دنیا میں پہلا خلع جو ہوا تھا وہ یہ تھا کہ عامر بن ظرب نے اپنی بیٹی کا نکاح اپنے بھتیجے عامر بن الحارث بن الظرب سے کر دیا، پس جب اس کی بیوی اس کے پاس داخل ہوئی تو وہ اس سے متنفر ہوئی اور اس نے اپنے باپ سے عامر بن الحارث کی شکایت کی، سو اس کے باپ نے عامر بن الحارث سے کہا: میں تم پر تمہارے اہل اور مال کے فراق کو جمع نہیں کروں گا اور میں تم سے اس مال کے عوض جو تم نے مجھے دیا ہے خلع کرتا ہوں، ابوبکر بن ورید نے کہا کہ پس علماء کا یہ دعویٰ ہے کہ یہ پہلا خلع تھا، جو عرب میں واقع ہوا۔

اور رہا اسلام میں پہلا خلع تو اس کا ذکر عنقریب آئے گا (پس یہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کا خلع تھا)۔

(سعیدی غفرلہ)

اور اس کا نام فدیہ اور افتداء بھی رکھا گیا ہے، علماء کا خلع کی مشروعیت پر اجماع ہے مگر بکر بن عبد اللہ المزنی التابعی المشہور نے کہا ہے کہ مرد کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑنے کے عوض کوئی رقم یا مال لے اور ان کا استدلال درج ذیل آیت سے ہے:

علامہ مزنی شافعی کا خلع کے عدم جواز پر قرآن مجید سے استدلال

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝

اور اگر تم ایک بیوی کے بدلہ دوسری بیوی لانا چاہو اور ان میں سے ایک کو تم ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس مال میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اس مال کو بہتان باندھ کر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے واپس لو گے ۝ اور تم وہ مال کیسے لو گے جب کہ تم ایک

(النساء:۲۰-۲۱) دوسرے کے ساتھ (خلوت میں) مل چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں O

جمہور علماء کا خلع کے جواز پر قرآن مجید سے استدلال اور علامہ مزنی کی دلیل کا جواب

جمہور علماء نے خلع کے جواز پر درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

وَلَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْـًٔا اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ (البقرہ:۲۲۹)

اور تمہارے لئے اس (مہر یا ہبہ) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے جو تم اس کو دے چکے ہو مگر جب دونوں فریقوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدلِ خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور جمہور فقہاء کا یہ دعویٰ ہے کہ البقرہ:۲۲۹ سے النساء:۲۰ منسوخ ہو گئی ہے۔

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اور دیگر محدثین نے کہا ہے کہ النساء:۲۰، البقرہ:۲۲۹ سے منسوخ ہو چکی ہے لیکن امام ابن ابی شیبہ کی یہ روایت شاذ ہے، تاہم درج ذیل آیات بھی النساء:۲۰ کے خلاف ہیں:

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ○ (النساء:۴)

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے ادا کرو، پھر اگر وہ خوشی سے اس (مہر) میں سے کچھ تم کو دیں تو اس کو مزے مزے سے کھاؤ O

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَآ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَیْرٌ ؕ (النساء:۱۲۸)

اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند سے زیادتی یا بے رغبتی کا خدشہ ہو تو ان دونوں پر کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ آپس میں صلح کر لیں اور صلح کرنا بہتر ہے۔

جمہور کا استدلال ان آیات سے بھی ہے اور خلع سے متعلق احادیث سے بھی ہے اور گویا کہ علامہ مزنی کے نزدیک یہ آیات ثابت نہیں تھیں اور جواز خلع کی احادیث ان تک نہیں پہنچی تھیں اور ان کے بعد خلع کے جواز پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور یہ کہ النساء:۲۰، البقرہ:۲۲۹ سے منسوخ ہو چکی ہے اور سورۃ النساء کی مؤخر الذکر دو آیتوں سے بھی سورۃ النساء:۲۰، کا منسوخ ہونا ظاہر ہو چکا ہے۔

الخلع کا شرعی ضابطہ

الخلع کا شرعی ضابطہ یہ ہے کہ مرد عورت سے کچھ معاوضہ لے کر عورت کو چھوڑ دے اور خلع عام حالات میں مکروہ ہے اور صرف اس حالت میں جائز ہے جب شوہر اور بیوی میں سے ہر ایک کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے اور اس سے مرد اور عورت کے درمیان حُسنِ معاشرت ناپسندیدہ ہو گی یا اس وجہ سے کہ مرد کی صورت عورت کے نزدیک ناپسندیدہ ہو یا اس کے اخلاق عورت کے نزدیک ناپسندیدہ ہوں، اسی طرح اس وقت بھی الخلع میں کراہیت نہیں ہو گی جب شوہر اور بیوی دونوں کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۷۶، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری نے اس عنوان میں یہ لکھا ہے: اور خلع میں طلاق کس طرح واقع ہوگی؟

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی کیا محض شوہر کے بیوی کو اتنا کہنے سے کہ میں نے تم سے خلع کر لیا طلاق واقع ہو جائے گی یا نہیں؟ یا اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ صراحتاً طلاق کا لفظ کہے،''خواہ نیت کے ساتھ کہے'' اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب اس نے صرف خلع کا لفظ کہا اور تین طلاق کی نیت کی، اس مسئلہ میں امام شافعی کے کئی اقوال ہیں۔

لفظ خلع سے طلاق کے وقوع یا عدم وقوع کے متعلق امام شافعی اور جمہور فقہاء کا موقف

(۱) امام شافعی کی اکثر کتب جدیدہ میں یہ مذکور ہے کہ لفظ خلع طلاق ہے اور یہی جمہور فقہاء کا قول ہے، پس جب شوہر نے لفظ خلع کہا اور اس میں عدد کی مقدار کا کوئی ذکر نہیں کیا اور اسی طرح جب اس نے لفظاً الخلع نہیں کہا اور اس کی طلاق کی نیت تھی، اور امام شافعی نے ''الاملاء'' میں یہ تصریح کی ہے کہ یہ صریح طلاق ہے اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ خلع خواہ کم مال کے عوض ہو یا زیادہ مال کے عوض ہو وہ جائز ہے، اس سے معلوم ہوا کہ خلع طلاق ہے۔

(۲) اور یہ امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا قدیم قول ہے جس کو انہوں نے احکام القرآن میں ذکر کیا ہے اور قولِ جدید یہ ہے کہ خلع فسخِ نکاح ہے اور طلاق نہیں ہے اور یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ کی صحیح حدیث سے ثابت ہے جس کی امام عبد الرزاق متوفی ۲۱۱ھ نے روایت کی ہے اور یہ قول حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے بھی ثابت ہے اور یہ قول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ سے بھی مروی ہے اور عکرمہ سے اور طاؤس سے بھی مروی ہے اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے اور میں عنقریب اس باب کی حدیث کی شرح میں ان چیزوں کا ذکر کروں گا جن سے اس قول کی تقویت ہوگی۔

علامہ اسماعیل القاضی نے اس قول پر یہ اشکال وارد کیا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ جس مرد نے عورت کے نکاح کا معاملہ اس کے ہاتھ اور اختیار میں دے دیا اور طلاق کی نیت کی اور عورت نے اپنے نفس پر طلاق واقع کر دی تو اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی، اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ محل اختلاف یہ ہے کہ جب خلع میں نہ طلاق کا لفظ بولا جائے اور نہ طلاق کی نیت ہو اور صرف لفظ خلع یا اس کا قائم مقام صراحتاً نیت طلاق کے ساتھ ہو، پس اس صورت میں خلع فسخ نکاح نہیں ہوگا جس سے شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق ہو اور نہ اس سے طلاق واقع ہوگی، اور فقہاء شافعیہ کا اس میں اختلاف ہے کہ جب وہ لفظ خلع سے طلاق کی نیت کرے، اور ہم نے اس پر یہ متفرع کیا ہے کہ یہ فسخِ نکاح ہے اور کیا اس سے طلاق واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ لفظ خلع کے باب میں صریح ہے یا جو خلع کے قائم مقام الفاظ نیت کے ساتھ ہیں تو یہ خلع ایسا فسخ نکاح نہیں ہوگا جس سے شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق واقع ہو جائے اور طلاق واقع نہ ہو۔

جب شوہر لفظ خلع کہے اور اس سے طلاق کی نیت کرے تو آیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

فقہاء شافعیہ کا اس میں اختلاف ہے کہ جب مرد نے خلع کیا اور اس سے طلاق کی نیت کی اور ہم نے یہ تفریع کی ہے کہ یہ فسخِ نکاح ہے تو آیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اور امام شافعی نے اس کو ترجیح دی ہے کہ اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی اور ان کا استدلال یہ ہے کہ یہ لفظ خلع کے باب میں صریح ہے اور یہ اپنے محل میں نافذ ہے، پس یہ نیت کی وجہ سے غیر خلع کی طرف راجح نہیں ہوگا اور علامہ ابو حامد نے یہ تصریح کی ہے کہ اکثر کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی اور علامہ الخوارزمی نے امام شافعی کی نص قدیم نقل کی ہے کہ یہ فسخ نکاح ہے، اس میں طلاق کا عدد کم نہیں ہوگا، سوا اس کے کہ وہ طلاق کی نیت کرے اور امام الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے کہ جب مرد نے خلع کیا اور اس سے طلاق کی نیت کی تو طلاق واقع ہو جائے گی اور اختلاف اس صورت میں ہے کہ جب اس نے طلاق کی تصریح نہ کی ہو اور نہ طلاق کی نیت کی ہو۔

شوہر اگر لفظ خلع سے طلاق کی نیت نہ کرے تو اس کے متعلق امام شافعی کا آخری قول

(۳) جب شوہر نے لفظ خلع سے طلاق کی نیت نہ کی ہو تو اس سے اصلاً تفریق نہیں ہوگی، امام شافعی نے ''کتاب الام'' میں اس کی تصریح کی ہے اور متاخرین شافعیہ میں سے علامہ تاج الدین السبکی الشافعی المتوفی ۷۷۱ھ نے اس کو تقویت پہنچائی اور علامہ محمد بن نصر المروزی نے ''کتاب اختلاف العلماء'' میں لکھا ہے کہ یہ امام شافعی المتوفی ۲۰۴ھ کے دو قولوں میں سے آخری قول ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۷۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ کی صحیح البخاری، کتاب الطلاق کے باب: ۱۲ کے عنوان کا پہلا جز

الخلع کا لغوی معنی

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ''باب الخلع و کیف الطلاق فیہ'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب الخُلع کے بیان میں ہے (خا پر پیش اور لام پر جزم) یہ لفظ خلع الثوب والنعل (اس نے کپڑا اتارا اور جوتی اتاری) سے ماخوذ ہے کیونکہ عورت مرد کے لیے لباس ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ (البقرہ: ۱۸۷) وہ بیویاں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو۔

الخلع میں لفظ خا پر پیش ہے تاکہ جسمانی خلع اور معنوی خلع میں فرق ہو، جسمانی خلع زبر کے ساتھ ہے یعنی خَلْعٌ، کہا جاتا ہے: خَلَعَ ثوبه ونعله خَلْعًا، یعنی اس نے اپنا کپڑا اور جوتا اتارا، اور معنوی خلع میں کہا جاتا ہے: خَلَعَ امراته خُلعاً وَخُلعَةً یعنی اس نے اپنی بیوی سے علیحدگی کر لی اور خلع کر لیا۔

الخلع کا شرعی معنی

اصطلاح شرع میں الخلع کا معنی ہے: معاوضہ وصول کر کے مرد کا اپنی بیوی سے فراق اور علیحدہ ہونا، اسی طرح ہمارے شیخ زین الدین نے شرح ترمذی میں لکھا ہے اور کہا ہے کہ یہی صحیح ہے۔ اور اکثر فقہاء نے یہ کہا ہے کہ خلع کی تعریف ہے: مال کے عوض مرد کی اپنی بیوی سے مفارقت اور یہ تعریف عمدہ نہیں ہے، کیونکہ خلع کے معاوضہ میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ مال ہو بلکہ مرد نے اپنی بیوی

سے قرض کے عوض خلع کیا یا قصاص کے عوض خلع کیا (یعنی مرد نے بیوی کا قرض دینا تھا تو بیوی یہ کہے کہ تم مجھ سے خلع کرلو تو میں تم کو قرض معاف کردوں گی یا بیوی نے اپنے شوہر سے قصاص لینا تھا تو بیوی یہ کہے کہ تم مجھے خلع دے دو تو میں تم سے قصاص نہیں لوں گی) تب بھی یہ خلع صحیح ہے خواہ شوہر بیوی سے کوئی چیز نہ لے، اس لیے خلع کی تعریف میں وصول کرنے کا لفظ ہے لینے کا لفظ نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: ہمارے اصحاب احناف نے کہا ہے کہ خلع کی تعریف ہے: مال کے عوض زوجیت کو زائل کرنا۔

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی متوفی ۷۱۰ھ نے کہا ہے کہ خلع کی تعریف ہے: خلع کے لفظ کے ساتھ مال لے کر نکاح سے منفصل ہونا اور اس کی وہی شرط ہے جو طلاق کی شرط ہے اور اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس سے طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے اور یہ ایک جہت سے قسم ہے اور دوسری جہت سے معاوضہ ہے۔

خُلع پر اجماع اور بکر بن عبداللہ کے قول کا بطلان

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ خُلع جائز اور مشروع ہے مگر بکر بن عبد اللہ المزنی التابعی نے کہا کہ خُلع جائز نہیں ہے، اس قول کی حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے التمہید میں روایت کی ہے، عقبہ بن ابی الصہباء نے کہا کہ میں نے بکر بن عبد اللہ سے اس مرد کے متعلق پوچھا کہ وہ اپنی بیوی سے الگ ہونا چاہتا ہے تو انہوں نے کہا: اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اس کا کوئی معاوضہ لے، میں نے پوچھا: تو آپ اس آیت کا کیا جواب دیں گے؟

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ (البقرہ: ۲۲۹)

سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

تو بکر بن عبد اللہ المزنی نے یہ جواب دیا کہ یہ آیت منسوخ ہے، میں نے پوچھا کہ اس آیت کی ناسخ کون سی آیت ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ اس کی ناسخ یہ آیت ہے:

وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۝ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ۝ (النساء: ۲۰-۲۱)

اور اگر تم ایک بیوی کے بدلہ دوسری بیوی لانا چاہو اور ان میں سے ایک کو تم ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس مال میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اس مال کو بہتان باندھ کر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے واپس لو گے ۝ اور تم وہ مال کیونکر لو گے جب کہ تم ایک دوسرے کے ساتھ (خلوت میں) مل چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں ۝

حافظ ابو عمر یوسف بن عبدالبر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ بکر بن عبد اللہ المزنی کا یہ قول اس سنت ثابتہ کے خلاف ہے جو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ متوفی ۱۲ھ اور ان کی بیوی حضرت حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا کے قصہ سے ثابت ہے، کیونکہ حضرت حبیبہ بنت سہل نے اپنے باغ کے عوض حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے خُلع کر لیا تھا اور یہ اسلام میں پہلا خلع تھا۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۴۳۱، سنن ابوداؤد: ۲۲۲۷، سنن نسائی: ۳۴۶۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۴)

اور بکر بن عبد اللہ نے حجاز، عراق اور شام کے علماء کی اس مسئلہ میں مخالفت کی ہے۔

علامہ ابوقلابہ کے اس قول کا بطلان کہ خُلع صرف بیوی کی بے حیائی کے ارتکاب کی صورت میں جائز ہے

علامہ محمد بن سیرین اور علامہ ابوقلابہ نے کہا ہے کہ خلع اس وقت جائز ہے جب بیوی کسی فاحشہ کا ارتکاب کرے یعنی زنا کا، سو وہ دونوں کہتے ہیں کہ شوہر کے لئے بیوی سے خلع اور مفارقت جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ تنہائی میں بیوی کے پاس کسی اجنبی مرد کو پائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ (الطلاق:۱)

تم اپنی بیویوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ از خود نکلیں، سوا اس صورت کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں اور یہ اللہ کی حدود ہیں، اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

ابوقلابہ نے کہا: جب بیوی کھلی بے حیائی یعنی زنا کا ارتکاب کرے تو شوہر کے لیے جائز ہے کہ اس کو ضرر پہنچائے اور اس پر سختی کرے حتیٰ کہ وہ اس سے خلع لے لے۔

حافظ ابو عمر ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے: ابوقلابہ کی یہ دلیل لغو ہے کیونکہ شوہر کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ ایسی بیوی کو طلاق دے دے یا اس سے لعان کرے، رہا یہ کہ وہ اس سے مال وصول کرنے کے لیے اس کو ضرر پہنچائے تاکہ وہ عورت اس سے خلع کرلے تو یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام ابوعبد اللہ بخاری متوفی ۲۵۶ھ کے باب مذکور کا دوسرا جز اور خلع میں کس طرح طلاق ہوگی

لفظ خلع سے طلاق کے وقوع یا عدم وقوع اور طلاق کے وقوع کی تقدیر پر اس کی صفت کے متعلق اختلاف فقہاء

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ باب مذکور کے دوسرے جز کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی آیا صرف لفظ خلع سے طلاق واقع ہوجائے گی یا طلاق واقع نہیں ہوگی حتیٰ کہ وہ لفظوں میں طلاق کا ذکر کرے گا یا دل میں طلاق کی نیت کرے گا، اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہے، سو ہمارے اصحاب احناف کا مذہب یہ ہے کہ لفظ خلع سے طلاق واقع ہوجائے گی اور مال کے عوض جو طلاق واقع ہوگی وہ طلاق بائن ہوگی اور امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے اور طلاق نہیں ہے، اس مسئلہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول مروی ہے کہ حتیٰ کہ اگر مرد نے اپنی بیوی سے متعدد مرتبہ خلع کیا تو ان کے درمیان نکاح فسخ ہوجائے گا اور اس کے لیے دوسرے مرد سے نکاح کی ضرورت نہیں ہوگی اور یہی امام احمد کا بھی قول ہے اور امام شافعی کا جدید قول یہ ہے کہ خُلع طلاق رجعی ہے اور ان کا دوسرا جدید قول یہ ہے اور وہی زیادہ صحیح قول ہے کہ خلع طلاق بائن ہے جس طرح ہمارے اصحاب احناف کا مذہب ہے جیسا کہ حدیث میں ہے:

امام ابوبکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ از مغیرہ روایت کرتے ہیں:

ابراہیم نخعی نے کہا کہ الخلع طلاق بائن ہے اور الخلع سر کے جوڑے کو باندھنے کے دھاگہ سے کم میں بھی ہوجاتا ہے اور عورت اپنے مال کے بعض حصہ سے الخلع کرسکتی ہے۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۱۷۶۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۱-۱۲۳)

نیز امام عبدالرزاق اپنی سند کے ساتھ طلحہ بن مُصَرِف سے روایت کرتے ہیں کہ ابراہیم نے کہا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ صرف خُلع یا ایلاء کو طلاق بائن قرار دیتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۷۹۷، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی یہ قول مروی ہے۔

اور امام شافعی کی ''الاملاء'' میں یہ تصریح کی ہے کہ لفظ خلع صریح طلاقوں میں سے ہے۔

لفظ الخلع سے طلاق بائن کے وقوع میں اختلاف فقہاء

نیز علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں: علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے ''کتاب التوضیح'' میں لکھا ہے:

فقہاء کے لفظ خلع سے طلاق بائن کے وقوع کے متعلق دو قول ہیں:

(۱) الخلع طلاق بائن ہے، یہ قول حضرت عثمان متوفی ۳۵ھ، حضرت علی متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود متوفی ۳۲ھ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، سوا اس صورت کے کہ عورت نے تین طلاقوں کا نام لیا ہو، پھر یہ تین طلاقیں ہیں، امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، الثوری، الاوزاعی، فقہاء کوفہ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا بھی ایک یہی قول ہے۔

(۲) خلع فسخ نکاح ہے اور طلاق نہیں ہے سوا اس صورت کے کہ مرد طلاق کی نیت کرے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، طاؤس اور عکرمہ کا بھی یہی قول ہے، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، اسحاق اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے اور یہی امام شافعی کا دوسرا قول ہے (علامہ ابن ملقن شافعی کی عبارت ختم ہوئی) علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: جس حدیث سے ہمارے اصحاب احناف نے استدلال کیا ہے اس حدیث کا محدثین شافعیہ نے بھی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی امام علی بن عمر دارقطنی شافعی متوفی ۳۸۵ھ اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی متوفی ۴۵۸ھ نے اپنی کتابوں میں روایت کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''الخلع کو طلاق بائن قرار دیا''۔

(سنن دارقطنی: ۳۹۵۸، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۲ھ)

میں (سعیدی غفرلہ) کہتا ہوں: یہ روایات درج ذیل ہیں:

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ''خلع کو طلاق بائن قرار دیا''۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۶ نشر السنہ ملتان)

امام عبداللہ بن عدی الجرجانی الشافعی المتوفی ۳۶۵ھ نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۵ ص ۵۴۱، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

اور اس حدیث کو عباد بن کثیر الثقفی کی وجہ سے معلل قرار دیا ہے اور امام بخاری نے کہا کہ محدثین نے اس حدیث کو ترک کر دیا اور امام نسائی نے عباد بن کثیر کو متروک الحدیث قرار دیا اور شعبہ نے کہا کہ اس کی روایت سے احتراز کرو اور امام الدارقطنی نے اس کی حدیث سے سکوت کیا مگر انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی حدیث کی روایت کی ہے اور طاؤس نے اس کی روایت کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ الخلع تفریق ہے اور طلاق نہیں ہے اور امام عبدالرزاق الصنعانی متوفی ۲۱۱ھ نے المصنف: ۱۱۷۹۶، ۱۱۷۹۷، میں سعید بن المسیب سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الخلع کو طلاق قرار دیا اور اسی طرح امام ابن ابی شیبہ نے

المصنف ج ۴ ص ۱۲۱-۱۲۳ میں یہی روایت کی ہے۔

اس عنوان کے بعد امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے درج ذیل آیت کا ذکر کیا ہے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْــًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ (البقرہ:۲۲۹)

اور تمہارے لئے اس (مہر یا ہبہ) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے جو تم اس کو دے چکے ہو مگر جب دونوں فریقوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدلِ خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ اللہ کی حدود ہیں، سو تم اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرو اور جنہوں نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا تو وہی لوگ ظالم ہیں ○

البقرہ:۲۲۹ کی تفسیر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس آیت کو ذکر کیا ہے کیونکہ یہ آیت حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ متوفی ۱۲ھ کی بیوی حضرت حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا کے قصہ کے متعلق نازل ہوئی ہے، جنہوں نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے خلع لیا تھا اور یہ اسلام میں پہلا خلع تھا اور اس آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ خلع میں کیا کرنا چاہیے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا ۔۔(الآیہ) یعنی تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم ان پر معیشت اور معاشرت کو تنگ اور سخت کر دو تا کہ تم ان کو جو کچھ مہر میں دے چکے ہو یا اس کا کچھ حصہ وہ تم کو واپس کر دیں۔

علامہ محمود بن عمر زمخشری معتزلی متوفی ۵۳۸ھ نے کہا ہے: اگر تم یہ کہو کہ اس آیت میں بیوی کے شوہر سے خطاب ہے تو پھر یہ آیت اس کے موافق نہیں ہوگی:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ (الآیہ)

سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود قائم نہ رکھ سکیں گے۔

اور اگر تم کہو کہ آیت کے اس حصہ میں ائمہ اور حکام سے خطاب ہے تو وہ لوگ بدلِ خلع کو لینے والے نہیں ہیں، پھر علامہ زمخشری نے یہ جواب دیا ہے کہ یہ دونوں امر جائز ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس آیت کے پہلے حصہ میں بیویوں کے شوہروں سے خطاب ہو اور اس آیت کے دوسرے حصہ میں ائمہ اور حکام سے خطاب ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس پوری آیت میں ائمہ اور حکام سے خطاب ہو کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کو جھگڑے کے وقت شوہروں سے خلع وصول کرنے اور اسے بیویوں کو ادا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، پس گویا کہ ائمہ اور حکام ہی بدل خلع وصول کرنے والے ہیں اور وہی ادا کرنے والے ہیں۔

اس آیت میں فرمایا: کہ جب تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے یعنی جب بیوی بد مزاج ہو اور شوہر

کی نافرمانی کرے اور وہ دونوں ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کریں، اس کے بعد فرمایا:

تو عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں: یعنی عورت کے بدل خلع دینے اور مرد کے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جب عورت کا کوئی عذر نہ ہو اور وہ مرد سے خلع کا مطالبہ کرے تو وہ اس وعید میں داخل ہے۔

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی متوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس عورت نے بغیر عذر کے اپنے شوہر سے طلاق کا سوال کیا تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے''۔ (سنن ترمذی: ۱۱۸۷، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۳ھ، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۷، مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ)

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۷۱-۳۷۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس تفسیر میں حضرت ثابت بن قیس کا ذکر ہے، ان کا تذکرہ درج ذیل ہے:

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت ثابت بن قیس بن شمّاس الانصاری الخزرجی الخطیب یہ کبار صحابہ میں سے ہیں اور صحیح مسلم میں ان کے متعلق بشارت ہے کہ یہ اہل جنت میں سے ہیں۔ (میں کہتا ہوں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ ''جہیر الصوت'' تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی اونچی آواز سے باتیں کرتے تھے، انہوں نے کہا کہ میرے عمل ضائع ہو گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے ان کے لئے یہ عظیم بشارت دی اور فرمایا: جاؤ اور ان سے جا کر کہو کہ تم اہل دوزخ سے نہیں ہو بلکہ تم اہل جنت سے ہو۔ (صحیح البخاری: ۴۸۴۶، صحیح مسلم: ۳۱۴، مسند احمد: ۱۲۳۹۹)۔۔۔۔سعیدی غفرلہ)

امام بخاری نے ان سے صرف ایک حدیث روایت کی ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ثابت بن قیس غزوہ احد اور اس کے بعد کے غزوات میں حاضر ہوئے اور ۱۲ھ میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔

(خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۱ ص ۱۶۶، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ھ، تہذیب الکمال ج ۴ ص ۳۶۸، تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۱۲، تقریب التہذیب ج ۲ ص ۱۲)

باب مذکور میں امام بخاری کی پہلی تعلیق

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سلطان یا حاکم کے بغیر بھی خلع دینے کی اجازت دی ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۸۱۱۰، سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۳۴۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۰)

حاکم یا قاضی کی اجازت کے بغیر خلع کرنے کا جواز

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس پہلی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی سلطان اور حاکم کی اجازت کے بغیر بھی شوہر کو اپنی بیوی کو خلع دینے کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دی ہے، حدیث میں ہے: امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

خیثمہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں: بشر بن مروان کے پاس ایک مرد اور عورت کے درمیان خلع کا مقدمہ لایا گیا تو انہوں نے اس کی اجازت دے دی تھی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی متوفی ۲۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہمیں یونس نے خبر دی از الحسن البصری، انہوں نے کہا کہ سلطان یا حاکم کے بغیر شوہر کا بیوی کو خلع دینا جائز نہیں ہے (سنن سعید بن منصور: ۱۴۱۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت)

اور حماد بن زید نے کہا از یحییٰ بن عتیق از محمد بن سیرین، انہوں نے کہا کہ وہ کہتے تھے، پس اس حدیث کی مثل ذکر کی اور امام ابو عبید نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، اور درج ذیل آیات سے استدلال کیا ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ (البقرہ: ۲۲۹)

سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، تو عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا ۚ (النساء: ۳۵)

اور (اے مسلمانو!) اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا خوف ہو تو ایک منصف مرد کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف عورت کی طرف سے مقرر کرو۔

پس امام ابو عبید الہروی المتوفی ۲۱۴ھ نے اس خوف کی نسبت شوہر اور بیوی کے علاوہ دیگر مسلمانوں کی طرف کی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر شوہر اور بیوی کو خوف ہو بلکہ یہ فرمایا ہے: اے مسلمانو! اگر تم کو یہ خوف ہو، اور مسلمانوں سے مراد ہے: حکمران یعنی سلطان اور قاضی۔

اور علامہ النحاس نے امام ابو عبید کی اس تفسیر کو رد کر دیا ہے، کیونکہ یہ تفسیر نہ قرآن کے اعراب کے موافق ہے نہ قرآن کے الفاظ ومعانی کے موافق ہے، اور امام ابو جعفر طحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے بھی اس تفسیر کو مسترد کر دیا ہے کیونکہ یہ تفسیر شاذ ہے اور علماء کے جم غفیر کے مخالف ہے، اور عقلی طور پر بھی اس تفسیر کو مسترد کر دیا ہے، کیونکہ حاکم کے بغیر طلاق دینا جائز ہے، سو اسی طرح حاکم کی اجازت کے بغیر خلع کرنا جائز ہے۔

پھر امام ابو عبید متوفی ۲۱۴ھ کا مذہب اس پر مبنی ہے کہ خلع کے تحقق میں خاوند اور بیوی کے درمیان اختلاف اور جھگڑا ضروری ہے، اور جمہور کا قول اس کے خلاف ہے، اور جمہور فقہاء نے اس آیت کی یہ توجیہ کی ہے کہ یہ آیت اکثر اور غالب واقعات پر مبنی ہے کیونکہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ جب شوہر اور بیوی کے درمیان جھگڑا ہو تو وہ اس مقدمہ کو حاکم کے پاس لے جاتے ہیں اور حسن بصری نے جو کہا ہے کہ سلطان یا قاضی کی اجازت کے بغیر خلع کرنا جائز نہیں ہے تو قتادہ نے حسن بصری کے اس قول کو رد کیا ہے اور امام سعید بن ابو عروبہ نے کتاب النکاح میں از قتادہ از حسن بصری اس روایت کا ذکر کیا ہے، پس کہا ہے: قتادہ نے کہا کہ حسن بصری نے اس کی روایت صرف زیاد سے کی ہے، یعنی جب زیاد بن ابوسفیان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متوفی ۶۰ھ کی طرف سے عراق کے گورنر مقرر تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ زیاد بن ابوسفیان اس لائق نہیں تھا کہ اس کی اقتداء کی جاتی۔ (فتح الباری ج ۶

ص ۴۶۸، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حاکم کی اجازت کے بغیر خلع کرنے کے جواز پر متعدد احادیث سے استدلال

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ باب مذکور کی اس پہلی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے سلطان یا حاکم کے سامنے حاضر ہونے کے بغیر بھی خلع کرنے کو جائز قرار دیا ہے، امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے از وکیع از شعبہ از الحکم از خیثمہ روایت کی ہے کہ بشر بن مروان کے پاس ایک مرد اور ایک عورت کے خلع کا مقدمہ لایا گیا تو انہوں نے اس کی اجازت نہیں دی تو بشر بن مروان سے عبداللہ بن شہاب نے کہا کہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کے پاس حاضر تھا، ان کے پاس ایک مرد اور اس کی بیوی کے خلع کا مقدمہ لایا گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی اجازت دی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۰)

نیز امام ابن ابی شیبہ نے اس حدیث کی از ابن سیرین، از الشعبی، از محمد بن شہاب اور از یحییٰ بن سعید بھی روایت کی ہے اور الحسن البصری نے کہا ہے کہ سلطان کی اجازت کے بغیر خلع نہیں ہوتا، اس حدیث کی امام سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ نے از ہشیم از یونس روایت کی ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۱۴، دارالکتب العلمیہ بیروت)، (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۷۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور میں امام بخاری کی دوسری تعلیق

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر بیوی اپنے تمام مال کو بدلِ خلع کر دے اور صرف بالوں کا جوڑا باندھنے کا دھاگا رہنے دے تب بھی خلع کرنا صحیح ہے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۱۵، نشر السنہ ملتان)

ایک دھاگہ کے عوض خلع کرنے کا جواز

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں ''العقاص'' کا لفظ ہے، یہ لفظ ''العقیصہ'' کی جمع ہے اور یہ اس دھاگہ کو کہتے ہیں جس کے ساتھ سر کے بالوں کا جوڑا بنا کر باندھا جاتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مذکور الصدر ''اثر'' ''امالی ابی القاسم بن بشران'' میں سندِ موصول کے ساتھ از شریک از عبداللہ بن محمد بن عقیل از الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا مروی ہے، وہ بیان کرتی ہیں میں نے اپنے سر کے بالوں کے جوڑے کے دھاگہ کے عوض اپنے شوہر کے ساتھ خلع کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو جائز قرار دیا۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۵)

اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے از روح بن القاسم از ابن عقیل ایک طویل روایت کی ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ میں نے اپنے شوہر کو اپنا تمام مال دے دیا سوائے اپنے سر کے بالوں کے جوڑے یا گچھے کے دھاگہ کے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدیث مذکور میں لفظ دون کا معنیٰ ''کم'' نہیں ہے بلکہ ''سوائے'' ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۸)

اور امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی متوفی ۲۲۷ھ از ہشام از مغیرہ از ابراہیم روایت کرتے ہیں کہ سر کے بالوں کے جوڑے کے دھاگہ سے کم مالیت کی چیز کے عوض بھی خلع کرنا جائز ہے اور از سفیان از ابن ابی نجیح از مجاہد روایت کی ہے کہ شوہر خلع

کرنے والی عورت سے اس کے سر کے بالوں کے جوڑے کے دھاگہ کے سوا بدل خلع میں اس کا تمام مال واپس لے سکتا ہے۔اور ازقبیصہ بن ذویب روایت کی ہے کہ جب شوہر بیوی سے خلع کرے تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس نے بیوی کو جتنا مال دیا ہے اس سے زیادہ بدلِ خلع میں لے لے، پھر انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ (البقرہ:۲۲۹) سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، تو عورت نے جو بدل خلع لیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۸، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے بدلِ خلع کے متعلق متضاد اور متعارض روایات نقل کی ہیں، سنن بیہقی: ج ۷ ص ۳۱۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر بدلِ خلع میں سر کے جوڑے کو باندھنے کے دھاگہ سے زیادہ مال نہیں لے سکتا اور اس کے بعد جو روایات نقل کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ شوہر نے بیوی کو مہر میں جتنا مال دیا ہے بدلِ خلع میں وہ سارا مال بیوی سے واپس لے سکتا ہے۔

بدلِ خلع میں سر کے بالوں کے جوڑے کے دھاگہ سے کم لینے کے متعلق روایات

(۱) از ہشیم از مغیرہ از ابراہیم روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ کہا جاتا تھا کہ سر کے بالوں کے جوڑے کے دھاگہ سے کم میں بھی خلع لیا جا سکتا ہے۔(سنن سعید بن منصور: ۱۴۲۴)

(۲) اور امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ از الثوری از مغیرہ روایت کرتے ہیں کہ عورت اپنا بعض مال بدلِ خلع کے طور پر دیتی تھی۔(مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۱۶، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

(۳) امام سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ نے از سفیان از ابن ابی نجیح از مجاہد روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ شوہر خلع کرنے والی عورت سے اس کا سارا مال لے سکتا ہے حتیٰ کہ اس کے سر کے بالوں کے جوڑے کو باندھنے کا دھاگہ بھی۔(سنن سعید بن منصور: ۱۴۲۵)

امام عبدالرزاق بن ہمام نے اس اثر کی از ابن عیینہ از ابن ابی نجیح روایت کی ہے۔(مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۲۱)

بدلِ خلع میں بیوی کو دیئے ہوئے مال سے زیادہ مال لینے کے متعلق روایات

(۴) امام سعید بن منصور نے از ہشیم از یونس از حسن بصری روایت کی ہے، وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ مرد بدلِ خلع میں بیوی سے اس سے زیادہ مال لے لے جو اس نے بیوی کو دیا ہے۔(سنن سعید بن منصور: ۱۴۲۶)

(۵) امام سعید بن منصور نے از ہشیم از حمید الطویل از جابر بن حیوۃ از قبیصہ بن ذویب روایت کی ہے، وہ اس میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے کہ شوہر بدلِ خلع میں بیوی سے اس سے زیادہ مال لے لے جتنا اس نے بیوی کو عطا کیا ہے اور وہ اس آیت کی تلاوت کرتے تھے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ (البقرہ:۲۹۹) سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدلِ خلع لیا ہے اس میں کوئی

حرج نہیں ہے۔

(سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۳۳۴، دارالکتب العلمیہ بیروت)

نیز میں کہتا ہوں: امام سعید بن منصور الخراسانی المتوفی ۲۲۷ھ نے ان آثار کے مخالف آثار کی بھی روایات کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

بدلِ خلع میں شوہر کے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لینے اور زیادہ نہ لینے کے متعلق روایات

(۱) امام سعید بن منصور از سفیان از ابن ابی نجیح از عطاء روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شوہر خلع کرنے والی عورت سے اس سے زیادہ مال نہ لے جتنا اس نے اپنی بیوی کو عطا کیا ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۲۸)

شیخ علی بن احمد بن حزم الاندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے اس اثر کے متعلق لکھا ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے، لہٰذا اس سے استدلال کرنا ساقط الاعتبار ہے۔ (المحلیٰ ج ۱۰ ص ۲۴۱)

(۲) امام سعید بن منصور از سفیان از ایک مرد از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ المختلعہ (خلع لینے والی عورت) سے بدلِ خلع میں اس سے زیادہ نہ لے جتنا اس نے اپنی بیوی کو دیا ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۲۹)

شیخ ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے اس اثر کی از وکیع از امام ابوحنیفہ از عمار بن عمران از والدِ خود روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کو مکروہ قرار دیتے تھے کہ شوہر بیوی سے بدل خلع میں اس سے زیادہ لے جتنا اس نے اپنی بیوی کو دیا ہے۔ (المحلیٰ ج ۱۰ ص ۲۴۰)

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۰ھ کا یہی مذہب ہے کیونکہ فتاویٰ ہندیہ (فتاویٰ عالمگیری) میں غایۃ البیان سے منقول ہے کہ اگر بیوی نے نافرمانی کی ہو تو ہمارے نزدیک یہ مکروہ ہے کہ شوہر بیوی سے بدلِ خلع میں اس سے زیادہ لے جتنا وہ مہر میں بیوی کو ادا کر چکا ہے، لیکن اس کے باوجود اگر قاضی مہر کی رقم سے زیادہ بدلِ خلع میں لینے کا فیصلہ کر دے تو پھر یہ جائز ہے۔

(حاشیہ سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۳۳۵، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۳) امام سعید بن منصور خراسانی از ہشیم از یحییٰ بن سعید از عمرہ بنت عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں کہ حضرت حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ متوفی ۱۲ھ کے نکاح میں تھیں، ان کو حضرت ثابت بن قیس کے اخلاق پسند نہیں تھے، سو وہ منہ اندھیرے صبح کے وقت آئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر بیٹھ گئیں، انہوں نے کہا کہ میں ثابت بن قیس کے ساتھ نہیں رہوں گی، آپ نے حضرت ثابت بن قیس کی مدح وثنا کی تو ان کی بیوی حبیبہ بنت سہل نے کہا ٹھیک ہے وہ ایسے ہی ہیں، لیکن میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی، اتنے میں حضرت ثابت بن قیس بھی آ گئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی سے فرمایا: یہ تمہارا باغ لے لے گا، ان کی بیوی نے کہا: لے لے، اور وہ باغ حضرت ثابت بن قیس نے اپنی بیوی کو ان کے مہر میں دیا تھا، سو انہوں نے اپنا باغ واپس لے لیا اور ان کی بیوی حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا اپنے گھر والوں کے پاس جا کر بیٹھ گئیں۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۳۱)

(یہ حدیث سنن ابوداؤد: ۲۲۲۷، سنن نسائی: ۳۴۶۲، میں بھی مذکور ہے، نیز امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی اس روایت کو تین سندوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۴، نشر السنۃ ملتان)

(۴) امام سعید بن منصور خراسانی از سفیان از یحییٰ بن سعید از عمرہ بنت عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں کہ حضرت حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا جو

حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں ثابت بن قیس کے ساتھ نہیں رہوں گی اور انہوں نے حضرت ثابت کی کچھ شکایات کیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت سے فرمایا: تم اس سے اپنا باغ لے لو تو حضرت ثابت نے اپنی بیوی کو مہر میں دیا ہوا باغ ان سے واپس لے لیا اور وہ اپنے گھر والوں کے پاس جا کر بیٹھ گئیں۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۳۱)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی اس حدیث کی اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

(سنن کبریٰ ج ۷ ص ۳۱۳ نشر السنہ ملتان)

(۵) امام سعید بن منصور خراسانی از ہشیم از ایوب بن ابی مسکین از الحکم بن عتیبہ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی جس نے اپنے خاوند کی نافرمانی کی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو نصیحت کی اور اس کو حکم دیا کہ وہ اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے، اس عورت نے کہا: اگر آپ نے مجھے اس کی طرف لوٹا دیا تو میں خودکشی کرلوں گی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ اس کو جانوروں کے اصطبل میں قید کردو، وہ عورت تین دن اس اصطبل میں رہی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو بلوایا اور پوچھا کہ جس جگہ میں تم رہی تھیں، اس کو تم نے کیسا پایا؟ اس عورت نے کہا: میں نے جو دن اس اصطبل میں گزارے ان دنوں میں، میں نے اپنے خاوند کے پاس گزارے ہوئے ایام کی بہ نسبت زیادہ راحت پائی، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے خاوند سے فرمایا: تم اس عورت کو خلع دے دو اور اس کے سر کے بالوں کے جوڑے کے دھاگہ کے سوا سب کچھ لے لو، چونکہ اس جوڑے کے دھاگہ میں تمہارے لیے کوئی خیر نہیں ہے۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۴۳۲، نیز اس روایت کو امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے بھی ذکر کیا ہے۔ سنن بیہقی: ج ۷ ص ۳۱۵ نشر السنہ ملتان)

(۶) امام سعید بن منصور خراسانی از ہشیم از جویبر از الضحاک روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر کہنے لگی کہ میرے اور میرے خاوند کے درمیان تفریق کر دیجئے، حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس نے تم کو اپنا مال دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب سے تم کو حلال کیا ہے، اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! آپ ضرور میرے اور اس کے درمیان تفریق کر دیں ورنہ میں اس کو قتل کر دوں گی، حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا سے ڈر، اس عورت نے کہا: میں خدا سے ڈرتی ہوں، مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: خدا سے ڈر، اس عورت نے کہا: میں خدا سے ڈرتی ہوں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے خاوند سے فرمایا: اس عورت کو خلع دے دو اور اس کے سر کے بالوں کے جوڑے کے باندھنے کے دھاگہ کے سوا اس کا سارا مال لے لو، کیونکہ اس دھاگہ میں تمہارے لیے کوئی خیر نہیں ہے، جویبر نے کہا: میں نے الضحاک سے پوچھا: کیا خاوند اس عورت سے اس سے زیادہ لے سکتا ہے، جتنا اس نے اس عورت کو مہر میں دیا تھا؟ ضحاک نے کہا: ہاں! خواہ اس کے خاوند نے اس کو ایک لاکھ درہم دیے ہوں، کیونکہ اس عورت نے خود اپنے نفس کو خریدا ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۳۳)

امام سعید بن منصور خراسانی از سعید از ہشیم از اسماعیل بن سالم از الشعبی روایت کرتے ہیں کہ شعبی اس کو مکروہ قرار دیتے تھے کہ خاوند بیوی سے بدلِ خلع میں اس سے زیادہ لے جو اس نے اپنی بیوی کو دیا ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۳۴)

امام سعید بن منصور خراسانی از سعید از عبد الملک از عطاء روایت کرتے ہیں کہ عطاء اس کو مکروہ قرار دیتے تھے کہ خاوند بیوی سے بدلِ خلع میں اس سے زیادہ مال لے جو اس نے اپنی بیوی کو دیا ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۳۵)

امام سعید بن منصور اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ الشعبی یہ کہتے تھے کہ جب خاوند کی طرف سے مخالفت ہو اور وہ بیوی سے بدل خلع میں کوئی چیز لے تو یہ مردار خون اور خنزیر کے گوشت کی مثل ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۳۷) امام سعید بن منصور از یونس بیان کرتے ہیں کہ حسن بصری نے کہا کہ جب بیوی خاوند کی نافرمانی کرے تو خاوند اس کو نصیحت کرے، اگر بیوی خاوند کی بات مان لے تو فبہا اور اگر نہ مانے تو بستر میں اس کے ساتھ نہ سوئے، پھر اگر وہ رجوع کر لے تو فبہا اور اگر رجوع نہ کرے تو اس کو اس طرح مارے کہ مار کے نشان ظاہر نہ ہوں اور اگر وہ رجوع کر لے تو فبہا ورنہ اس کے لیے جائز ہے کہ بیوی سے اپنا دیا ہوا سامان واپس لے لے اور اس کا راستہ چھوڑ دے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۴۲) (سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۳۳۵-۳۳۸، دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ کی طویل روایت

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے امام بیہقی کی از روح از عبد اللہ محمد بن عقیل ایک روایت کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ پوری روایت نقل نہیں کی اور اس کا صرف آخری جملہ نقل کیا ہے، ہم سنن بیہقی سے یہ پوری روایت ذکر کر رہے ہیں:

امام بخاری از روح از عبد اللہ بن محمد بن عقیل از حضرت الربیع بنت معوذ بن عفراء روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں: میں نے اپنے عم زاد سے نکاح کیا، اس نے میرے ساتھ بدسلوکی کی اور میں نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی، اس نے مجھ سے الگ ہونے کا ارادہ کیا اور میں نے بھی اس سے الگ ہونے کا ارادہ کیا اور میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے مقدمہ پیش کیا کہ میں نے اس پر ظلم کی نسبت کی ہے اور اس نے میری طرف ظلم کی نسبت کی ہے اور اس نے میری طرف زیادتی کی نسبت کی ہے اور میں نے بھی اس کی طرف زیادتی کی نسبت کی ہے اور میں اس سے الگ ہونے پر اپنے تمام مال کو فدیہ میں دیتی ہوں، اس نے کہا: میں نے اس مال کو قبول کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس مرد سے فرمایا: اس سے وہ مال لے لو، حضرت الربیع بنت معوذ نے کہا: پس میں گئی اور اس کو اپنا تمام متاع دے دیا، سوا اپنے کپڑوں کے اور اپنے بستر کے اور میرے عم زاد نے مجھ سے کہا کہ میں راضی نہیں ہوں، اور اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے مقدمہ پیش کیا، پس جب ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو میرے عم زاد نے کہا: اے امیر المومنین! شرط کو پورا کرنا ضروری ہے، حضرت عثمان نے کہا: کیوں نہیں، سو تم اس کا کل متاع لے لو حتیٰ کہ اس کے سر کے بالوں کے جوڑے کو باندھنے کا دھاگہ بھی لے لو، حضرت الربیع بنت معوذ نے بیان کیا: پس میں گئی اور میں نے اپنے عم زاد کو ہر چیز دے دی حتیٰ کہ میں نے اس کو اپنے دروازے سے دور کر دیا۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۵ نشر السنہ ملتان)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی مذکور الصدر شرح کا تتمہ

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا اثر دوسرے الفاظ کے ساتھ پایا جس کی امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے حضرت الربیع بنت معوذ کے تذکرہ میں طبقات النساء میں روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا از یحییٰ بن عباد از فلیح بن سلیمان از عبد اللہ بن محمد بن عقیل از حضرت الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ میرے اور میرے عم زاد کے درمیان کچھ جھگڑا تھا اور وہ ان کے خاوند تھے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے خاوند سے کہا: تم میرا مال لے لو اور مجھ کو چھوڑ دو، میرے خاوند نے کہا کہ میں نے ایسا کر لیا، سو اللہ کی قسم! اس نے ہر چیز لے لی حتیٰ کہ میرا بستر بھی لے لیا، پھر میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور وہ اس وقت اپنے مکان میں

محصور تھے، حضرت عثمان نے فرمایا: شرط کو پورا کرنا زیادہ ضروری ہے، اور میرے خاوند سے فرمایا: تم اس کی ہر چیز لے لو حتی کہ اس کے سر کے بالوں کے جوڑا باندھنے کا دھاگہ بھی لے لو۔

(میں کہتا ہوں: امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے اس روایت کو الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۴۴۷-۴۴۸، دار صادر بیروت ۱۳۸۸ھ میں ذکر کیا ہے، اور الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۳۲۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ، میں بھی مذکور ہے، نیز یہ روایت اسد الغابہ: ۶۹۱۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، میں بھی مذکور ہے۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن بطال متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مرد کے لئے جائز ہے کہ وہ بدلِ خلع میں بیوی سے اس سے زیادہ مال لے لے، جتنا مال اس نے بیوی کو دیا تھا اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ میں نے کسی ایسے فقیہ کو نہیں دیکھا جس کی اقتداء کی جاتی ہو اور وہ اس سے منع کرتا ہو لیکن بدل خلع میں بیوی سے اس سے زیادہ مال لینا جتنا بیوی کو دیا ہے، یہ مکارم اخلاق میں سے نہیں ہے اور عنقریب ان فقہاء کے دلائل کا ذکر آئے گا جو کہتے ہیں کہ اپنے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۸، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

بدلِ خلع کے متعلق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ کا فیصلہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے عورت کے سر کے بالوں کے جوڑے کے دھاگہ سے کم مالیت میں بھی خلع کرنے کی اجازت دی ہے، ''العقاص''، ''العقصہ'' یا ''انعقیصہ'' کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے: سر کے بالوں کی مینڈھی، دوسرا قول یہ ہے کہ ''العقیصہ'' اس دھاگہ کو کہتے ہیں جس کے ساتھ مینڈھیوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے۔

علامہ ابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نے کہا ہے کہ پہلا معنی راجح ہے۔

''عقیصۃ'' کے معنی کی تحقیق اور ''العقیصہ'' سے متعلق احادیث

میں کہتا ہوں: علامہ المبارک بن محمد الجزری المتوفی ۶۰۶ھ ''العقیصہ'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''العقیصہ'' بالوں کی مینڈھیوں کے جوڑے کو کہتے ہیں، ''اَلْعَقْص'' کا معنی ہے: لپیٹنا اور بالوں کے سروں کو ان کی جڑوں میں داخل کرنا اور اس لفظ کے متعلق حسب ذیل احادیث ہیں:

(۱) حضرت ضِمام کی حدیث میں ہے: اگر دو عقیصوں والوں نے سچ کہا تو وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۲۵۰)

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: جس نے اپنے بالوں کو گوند سے چپکایا یا عقیصہ (بالوں کا جوڑا) بنایا تو اس پر سر کو مونڈنا لازم ہے۔ (الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۸۷۰، دار الفکر بیروت)، یعنی حج کے دوران جس نے سر کے بالوں کو گوند سے چپکایا یا سر کے بالوں کا جوڑا بنایا تو اس پر سر کا مونڈنا لازم ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ حاجی کے حال کے مناسب یہ ہے کہ اس کے سر کے بال بکھرے رہیں، پس جب وہ اپنے بالوں کی حفاظت کا ارادہ کرے گا اور ان کو گوند سے چپکائے گا تو پھر اس پر لازم ہے کہ وہ سر کے بالوں کو مونڈائے۔

(۳) حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کی حدیث میں ہے کہ اس عورت نے اپنے عقاص سے مکتوب نکالا، یعنی اپنی مینڈھیوں سے۔

(صحیح البخاری: ۳۰۰۷، صحیح مسلم: ۲۴۰۱، مسند احمد: ۶۰۰) عقاص کا لفظ عقیصہ یا عقصہ کی جمع ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ عقیصہ و

دھاگا ہے جس سے مینڈھیوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے اور پہلا معنی یعنی مینڈھیاں راجح ہے۔

(النہایہ فی غریب الحدیث والاثر ج ۳ ص ۲۴۹-۲۵۰، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۸ھ)

صاحب التلویح یعنی امام الحافظ علاء الدین مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ نے لکھا ہے:

یہ عبارت یعنی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ''عورت کے سر کے بالوں کے جوڑے کو باندھنے کے دھاگہ سے کم مالیت میں خلع کرنے کی اجازت دی'' میں نے یہ روایت صرف حضرت امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی دیکھی ہے۔ حدیث میں ہے: ابوبکر، عفان سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مطر نے حدیث بیان کی از ثابت از حضرت عبداللہ بن رباح، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس عورت سے عقاص کم میں خلع کرلو اور دوسری روایت میں مذکور ہے کہ اس عورت سے خلع کرلو خواہ اس کے کانوں کی بالی کے عوض خلع کرو۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے حتیٰ کہ اس کے عقاص کے عوض خلع کرلو یعنی سر کے بالوں کے جوڑے کو باندھنے کے دھاگہ کے عوض اس سے خلع کرلو۔

اور صاحب التلویح یعنی علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ نے کہا:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مذکور الصدر اثر مجھے مستحضر نہیں ہے، ہاں! امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے اس اثر کی از عفان روایت کی ہے جس طرح صاحب التلویح یعنی علامہ علاؤ الدین مغلطائی الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ نے کہا ہے۔

(میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اور علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ان دونوں کے استاذ علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ ہیں اور علامہ ابن ملقن شافعی کے استاذ علامہ علاء الدین مغلطائی الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ ہیں۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

علامہ عینی لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے اس تعلیق کی شرح میں لکھا ہے:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مذکور الصدر اثر ''امالی ابی القاسم بن بشران'' میں سند موصول کے ساتھ از شریک از عبداللہ بن محمد بن عقیل از الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا مروی ہے، وہ بیان کرتی ہیں، میں نے اپنے سر کے بالوں کے جوڑے کے دھاگہ کے عوض اپنے شوہر کے ساتھ خلع کیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو جائز قرار دیا۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۵)

اور امام ابوبکر محمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے از روح بن القاسم از ابن عقیل ایک طویل روایت کی ہے اور اس کے آخر میں لکھا ہے کہ میں نے اپنے شوہر کو اپنا تمام مال دے دیا، سوائے اپنے سر کے بالوں کے جوڑے یا گچھے کے دھاگہ کے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حدیث مذکور میں لفظ ''دون'' کا معنی ''کم'' نہیں بلکہ ''سوائے'' ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۶۸ ۴، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی مذکور الصدر عبارت پر علامہ عینی حنفی کا اعتراض

علامہ عینی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ قول جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے، وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ مرد بدل خلع میں اپنی بیوی کے سر کے بالوں کا عقاص لے لے، اور یہ وہ دھاگہ ہے جس سے مینڈھوں کے سروں کو باندھا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔

اور علامہ ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مرد کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بیوی کی ملکیت کے تمام مال کو لے لے،

خواہ وہ مال قلیل ہو یا کثیر ہو اور عورت کے لیے سوائے اس کے بالوں کے عقاص کے اور کوئی چیز نہ چھوڑے، مجاہد اور ابراہیم کا بھی یہی قول ہے، اور علامہ ابن المنذر الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ کا بھی یہی قول ہے، اور اسی کی مثل حضرت ابن عمر اور حضرت عثمان بن عفان، ضحاک اور عکرمہ کا قول ہے اور یہی امام شافعی اور داؤد ظاہری کا مذہب ہے۔

امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی شیعی متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

الحکم بن عتبہ نے بیان کیا کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مرد بیوی سے بدل خلع میں اس سے زیادہ نہ لے جتنا مرد نے اس کو عطا کیا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۸۸۸، مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۸۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ علی بن احمد اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کی سند میں اللیث ہے، اور اس کی وجہ سے یہ منقطع ہے، اس حدیث کا ذکر امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے از عطاء، طاؤس، عکرمہ، الحسن البصری، محمد بن شہاب الزہری، عمرو بن شعیب، الحکم، حماد اور قبیصہ بن ذوئیب نے کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا علامہ عینی حنفی کے اس اعتراض سے لا جواب ہونا

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے علامہ عینی حنفی کے اس اعتراض کا اپنی کتاب انتقاض الاعتراض ج ۲ ص ۳۰۶، میں ذکر کیا ہے لیکن اس کا کوئی جواب نہیں لکھا۔

بدل خلع میں بیوی سے معاوضہ لینے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ تعلیق مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ امام مالک، اللیث، امام شافعی اور ابوثور کا مذہب ہے اور امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کا بھی یہی مختار ہے اور امام ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز المتوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ اگر بیوی کو ضرر پہنچانا خاوند کی طرف سے ہو تو خاوند کے لیے بدلِ خلع میں بیوی سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے، اور اگر اس نے لے لیا تو قاضی کے فیصلہ سے یہ جائز ہوگا۔

علامہ علاؤالدین مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ صاحب التلویح نے لکھا ہے:

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت قدس سرہ العزیز متوفی ۱۵۰ھ نے فرمایا: اگر خاوند نے بدل خلع میں اس سے زیادہ لیا جتنا اس نے بیوی کو دیا تھا تو وہ اس زیادہ رقم کا صدقہ کرے، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام ابوعبید اور اسحاق نے کہا: خاوند کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بدل خلع میں اپنی دی ہوئی رقم سے زیادہ وصول کرے اور میمون بن مہران نے کہا: اگر اس نے اپنی دی ہوئی رقم سے زیادہ وصول کی ہے تو اس نے اپنی بیوی کو حُسن سلوک کے ساتھ رخصت نہیں کیا اور ''تسریح باحسان'' پر عمل نہیں کیا اور عبدالملک الجزری نے کہا ہے کہ میں اس کو پسند نہیں کرتا کہ وہ اپنی ہر دی ہوئی چیز کو بدل خلع میں بیوی سے واپس لے لے حتیٰ کہ بیوی کے لیے صرف اتنی مقدار چھوڑے جس سے وہ بہ مشکل گزارا کر سکے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۳-۳۰۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور میں امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ کی تیسری تعلیق

اور طاؤس نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں کہا:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ (البقرہ:۲۲۹) سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں ان پر کوئی حرج نہیں ہے۔

زوجین میں سے ہر ایک کے دوسرے کے اوپر جو معاشرت اور رہن سہن میں حقوق ہیں، ان کے متعلق جو احکام فرض ہیں، ان کے بیان میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اور جاہلوں کا یہ قول نقل نہیں کیا جو کہتے ہیں کہ یہ عورت مجھ پر حلال نہیں ہے حتیٰ کہ وہ یہ کہے: ''میں تیرے لئے غسل جنابت نہیں کروں گی''۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۸۱۷، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۶)

جب شوہر اور بیوی دونوں کو یہ خطرہ ہو کہ وہ ایک دوسرے کے حقوق اور فرائض ادا نہیں کر سکیں گے تو ان کے خلع کرنے کا جواز

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تیسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس تعلیق کی اختصار سے روایت کی ہے، اس حدیث کی امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ نے سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ مجھے ابن جُریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ابن طاؤس نے خبر دی اور میں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے والد بدلِ خلع کے متعلق کیا کہتے تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ وہ وہی کہتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ (البقرہ:۲۲۹) سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور وہ جاہلوں کی طرح یہ نہیں کہتے تھے کہ بیوی اس وقت تک حلال نہیں ہوگی حتیٰ کہ بیوی یہ کہے کہ میں تمہارے لئے غسل جنابت نہیں کروں گی لیکن وہ یہ کہتے تھے کہ اگر وہ دونوں میاں بیوی کو یہ خطرہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے معاشرت میں ان میں سے ہر ایک کے اوپر جو دوسرے کے حقوق فرض کئے ہیں، وہ ان حقوق کو ادا نہیں کر سکیں گے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۸۱۷، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ امام بخاری کے ظاہر کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جو یہ کہا ہے کہ ''طاؤس نے یہ نہیں کہا'' امام بخاری نے یہ کلام ابن جریج سے نقل کیا ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ یہ چیز ابن جُریج پر منکشف ہوئی ہو۔

امام سعید بن منصور خراسانی متوفی ۲۲۷ھ نے از ھشیم از اسماعیل بن ابی خالد از الشعبی روایت کی ہے کہ ایک عورت نے اپنے خاوند سے کہا کہ میں تمہاری اطاعت نہیں کروں گی اور نہ تمہاری قسم کو پورا کروں گی اور نہ میں تمہارے لئے غسل جنابت کروں گی، الشعبی نے کہا: جب عورت اس کو ناپسند کرے تو اس کو چاہئے کہ وہ خاوند سے معاوضہ لے اور خاوند کو چاہیے کہ وہ اس عورت کو خود سے علیحدہ کر لے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۴۱۷، دارالکتب العلمیہ بیروت)، (فتح الباری ج ۱۰ ص ۴۶۸-۴۶۹، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مطالبہ خلع کی مذمت میں احادیث

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

امام ابن المنذر النیشاپوری اپنی سند کے ساتھ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت نے اپنے خاوند سے بغیر خطرۂ ضرر کے طلاق کا سوال کیا تو اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

(سنن ابو داؤد: ۲۲۲۱، سنن ترمذی: ۱۱۸۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۵، مسند احمد ج ۵ ص ۲۷۷، ۲۸۳، صحیح ابن حبان: ۴۱۸۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۶، الاوسط: ۷۷۸۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خلع کرنے والی عورتیں اور نکاح کو فسخ کرانے والی عورتیں منافقات ہیں۔ (سنن نسائی: ۵۶۵۵، مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۴، الاوسط: ۷۷۸۸)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۳۱۵، دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

۵۲۷۳۔ حَدَّثَنَا أَزْهَرُ بْنُ جَمِيلٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ امْرَأَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ أَتَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا أَعْتِبُ عَلَيْهِ فِي خُلُقٍ وَلَا دِينٍ وَلٰكِنِّي أَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم اقْبَلِ الْحَدِيقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيقَةً قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ لَا يُتَابَعُ فِيهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ۔

(سنن نسائی: ۳۴۶۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۳، الاوسط: ۷۷۲۹)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ازہر بن جمیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوہاب ثقفی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئیں، سو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں ثابت بن قیس کے اخلاق اور ان کی دین داری کے متعلق کوئی عیب نہیں لگاتی، لیکن میں اسلام کے بعد کفر میں داخل ہونے کو ناپسند کرتی ہوں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تم ان کے دیئے ہوئے باغ کو واپس کر دو گی؟ انہوں نے عرض کیا: جی ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ثابت بن قیس سے) فرمایا: ''تم اس باغ کو قبول کر لو اور اس کو ایک طلاق دے دو''۔ امام ابو عبد اللہ البخاری نے کہا اس حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا کوئی متابع نہیں ہے۔

۵۲۷۴۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ أُخْتَ عَبْدِ اللهِ بْنِ أُبَيٍّ بِهٰذَا وَقَالَ تَرُدِّينَ حَدِيقَتَهُ قَالَتْ نَعَمْ فَرَدَّتْهَا وَأَمَرَهُ يُطَلِّقْهَا وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم وَطَلِّقْهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسحاق الواسطی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از خالد الحذاء از عکرمہ کہ عبد اللہ بن اُبی کی بہن نے اس حدیث کی روایت کی، اس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا تم اس کے دیئے ہوئے باغ کو واپس کرو گی''؟، (حضرت ثابت بن

قیس کی بیوی نے کہا: جی ہاں!) پس ان کی بیوی نے حضرت ثابت کو وہ باغ واپس کر دیا اور آپ نے حضرت ثابت کو یہ حکم دیا کہ آپ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں اور ابراہیم بن طہمان نے کہا از خالد از عکرمہ از نبی صلی اللہ علیہ وسلم: اور اسے طلاق دے دو۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو صحیح البخاری: ۵۲۷۳، کی تخریج ہے۔

۵۲۷۵۔ وَعَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةُ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي لَا أَعْتِبُ عَلَى ثَابِتٍ فِي دِينٍ وَلَا خُلُقٍ وَلٰكِنِّي لَا أُطِيقُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ قَالَتْ نَعَمْ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: اور از ایوب بن ابی تمیمہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، سو انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ثابت بن قیس کی دین داری اور ان کے اخلاق پر کوئی تہمت نہیں لگاتی لیکن میں اس کے ساتھ رہنے کی طاقت نہیں رکھتی، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا تم ان کے دیئے ہوئے باغ کو واپس کر دو گی''؟ انہوں نے کہا: جی ہاں!

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو صحیح البخاری: ۵۲۷۳ کی تخریج ہے۔

۵۲۷۶۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْمُبَارَكِ الْمُخَرِّمِيُّ حَدَّثَنَا قُرَادٌ أَبُو نُوحٍ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ جَاءَتْ امْرَأَةُ ثَابِتِ بْنِ قَيْسِ بْنِ شَمَّاسٍ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ مَا أَنْقِمُ عَلَى ثَابِتٍ فِي دِينٍ وَلَا خُلُقٍ إِلَّا أَنِّي أَخَافُ الْكُفْرَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَتَرُدِّينَ عَلَيْهِ حَدِيقَتَهُ فَقَالَتْ نَعَمْ فَرَدَّتْ عَلَيْهِ وَأَمَرَهُ فَفَارَقَهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن عبد اللہ بن المبارک المخرمی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں قراد ابو نوح نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جریر بن حازم نے حدیث بیان کی، از ایوب از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، سو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ثابت کی دین داری اور اس کے اخلاق پر کوئی تہمت نہیں لگاتی مگر میں کفر سے ڈرتی ہوں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیا تم اس کے دیئے ہوئے باغ کو واپس کر دو گی''؟ انہوں نے کہا: جی ہاں!، پھر انہوں نے حضرت ثابت کا دیا ہوا باغ واپس کر دیا، اور آپ نے حضرت ثابت کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں، سو انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو صحیح البخاری: ۵۲۷۳ کی تخریج ہے۔

۵۲۷۷۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ حَدَّثَنَا حَمَّادٌ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ أَنَّ جَمِيلَةَ فَذَكَرَ الْحَدِيثَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد نے حدیث بیان کی، از ایوب از عکرمہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا (نے خلع کو طلب کیا تھا) پس عکرمہ نے پوری حدیث بیان کی۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو صحیح البخاری: ۵۲۷۳ کی تخریج ہے۔

بدلِ خُلع میں بیوی سے مال لینے کی ممانعت کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن منذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تمام اہل علم نے خاوند کو بدلِ خلع میں بیوی کے مال میں سے کوئی چیز لینے سے منع کیا ہے، سوا اس صورت کے کہ بیوی کی طرف سے کوئی نافرمانی ہو۔ درج ذیل کُتب احادیث میں بھی اس کی مثل مذکور ہے:

(سنن سعید بن منصور ج ۱ ص ۳۷۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۴۸۰، مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ، المحلی بالآثار ج ۱۰ ص ۲۳۵، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء، مجاہد، شعبی، النخعی، ابن سیرین، القاسم بن محمد، عمرو بن دینار، عمرو بن شعیب، عروہ بن الزبیر، الزہری، حمید بن عبد الرحمٰن، قتادہ نے بھی اسی طرح کہا ہے، اور سفیان الثوری کا بھی یہی قول ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (المدونہ ج ۲ ص ۲۴۱، داراحیاء التراث العربی، بیروت) اور اسحاق کا بھی یہی مذہب ہے۔ (مسائل احمد واسحاق: ۱۳۴۷) اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے۔

علامہ ابن منذر کا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کو رد کرنا کہ بدل خلع میں شوہر کا بیوی سے مال لینا جائز ہے

امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ:

جب ظلم اور نافرمانی شوہر کی جانب سے ہو پھر بیوی شوہر سے خلع کا مطالبہ کرے تو یہ جائز ہے اور خلع نافذ ہوگا اور اس کا شوہر گناہ گار ہوگا اور شوہر نے جو کچھ کیا ہے وہ جائز نہیں ہے اور شوہر نے بدلِ خلع میں جو کچھ لیا ہے اس کے واپس کرنے پر اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔ (المبسوط ج ۶ ص ۲۰۰)

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا یہ قول کتاب اللہ کے بھی خلاف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت احادیث کے بھی خلاف ہے اور تمام اہل علم کے اجماع کے بھی خلاف ہے، قرآن مجید میں تصریح ہے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا (البقرہ: ۲۲۹)

اور تمہارے لئے (اس مہر یا ہبہ) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے جو تم ان کو دے چکے ہو۔

پس اللہ تعالیٰ نے خاوند پر اس چیز کو حرام فرما دیا ہے کہ اس نے بیوی کو جو کچھ دیا تھا اس میں سے کچھ بھی واپس لے اور کسی کہنے والے نے یہ کہا کہ جب شوہر کے لئے یہ جائز ہے کہ بیوی اس کو اپنی خوشی سے جو مال دے بغیر طلاق کے معاوضہ کے تو وہ اس کو لے سکتا ہے تو پھر اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ بیوی اس کو طلاق کے معاوضہ کے طور پر جو مال دے وہ اس کو بھی لے سکتا ہے، سو یہ اس قائل کی بہت بڑی غلطی ہے اور اس استدلال میں بہت شدید غلطت ہے کیونکہ اس نے ابواب معاوضات کو ان ابواب عطایا اور ھدایا پر قیاس کیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مباح فرما دیا ہے، اور یہ قائل اس سے حیاء نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے سود اور زنا وغیرہ کو جو اپنی کتاب میں حرام فرمایا ہے وہ ان کو بھی عطایا اور ھدایا پر قیاس کرے جن کو اللہ تعالیٰ نے مباح فرما دیا ہے، سو وہ یہ کہے کہ جب بغیر معاوضہ کے مال کو عطا کرنا اور ہبہ کرنا جائز ہے تو پھر سود کو بھی بہ طور معاوضہ کے لینا جائز ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝ (النساء:۴)

تو پھر اگر وہ خوشی سے اس (مہر) میں سے تم کو کچھ دے دیں تو تم ان کو مزے مزے سے کھاؤ ۝

اور یہ قائل اس آیت پر اس کو قیاس کر رہا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں حرام فرما دیا ہے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ (البقرہ:۲۲۹)

اور تمہارے لیے اس (مہر یا ہبہ) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے جو تم اس کو دے چکے ہو مگر جب دونوں فریقوں کو یہ خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔

اور یہ وہ حکم ہے جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں اور اگر کوئی قائل یہ کہے کہ اگر شوہر اور بیوی دونوں اس پر راضی ہوں کہ شوہر بیوی سے بہ طور بدلِ خلع کے اپنا دیا ہوا مال واپس لے لے تو پھر یہ النساء:۴ کی روشنی میں جائز ہونا چاہیے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حرام فرما دیا ہے کہ شوہر بیوی سے اپنا دیا ہوا مال واپس لے جیسا کہ البقرہ:۲۲۹، میں اس کی تصریح ہے، تو اگر بیوی اپنی خوشی سے بدلِ خلع میں شوہر کا دیا ہوا مال واپس کر دے تو پھر اس کو جائز قرار دینا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ کوئی شخص اپنی خوشی سے سود لے یا کوئی شخص اپنی خوشی سے زنا کی اجرت دے تو یہ جائز ہے اور جب یہ جائز نہیں ہے تو اگر بیوی اپنی خوشی سے بدلِ خلع میں شوہر کا دیا ہوا مال شوہر کو واپس کر دے تو پھر شوہر کے لئے اس کو لینا بھی حرام ہونا چاہیے کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے سود اور زنا کی اجرت کو حرام قرار دیا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے شوہر پر بیوی کو دیئے ہوئے مال کو واپس لینا بھی حرام قرار دیا ہے۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، ج۹ ص ۳۱۷-۳۱۹، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

امام ابوحنیفہ پر علامہ ابن المنذر کے اعتراض کا مصنف کی طرف سے جواب

میں کہتا ہوں: علامہ ابن المنذر شافعی متوفی ۳۱۸ھ نے امام ابوحنیفہ پر رد کرنے کے جوش میں البقرہ:۲۲۹ میں مذکور استثناء کی طرف توجہ نہیں کی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شوہر پر دیئے ہوئے مال میں سے کچھ واپس لینے کو مطلقاً حرام قرار نہیں دیا بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جب شوہر اور بیوی دونوں کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو پھر شوہر اور بیوی دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت بدلِ خلع میں شوہر کا دیا ہوا مال واپس کر دے، علامہ ابن المنذر نے اپنے استدلال میں البقرہ:۲۲۹ کا وہ حصہ ذکر کیا ہے جو استثناء سے پہلے مذکور ہے اور اس آیت کا وہ حصہ چھوڑ دیا ہے جو البقرہ:۲۲۹ میں استثناء کے بعد مذکور ہے، پوری آیت درج ذیل ہے:

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ (البقرہ:۲۲۹)

اور تمہارے لئے اس (مہر یا ہبہ) سے کچھ بھی لینا جائز نہیں ہے) جو تم اس کو دے چکے ہو، مگر جب دونوں فریقوں کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے سو (اے مسلمانو!) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، تو عورت نے جو بدل خلع دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پس علامہ ابن المنذر شافعی کا امام ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز پر یہ طعن کرنا کہ طلاق کے معاوضہ میں شوہر کا اپنے دیئے ہوئے مال کو بیوی کی خوشی سے واپس لینا ایسا ہے جیسے کوئی مرد اپنی خوشی سے زنا کی اجرت دے یا جیسے کوئی شخص اپنی خوشی سے کسی کو سود کی رقم ادا کرے، سو علامہ ابن المنذر کا یہ طعن امام اعظم ابوحنیفہ کے خلاف تعصب اور عناد کے سوا کچھ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سود کو اور زنا کی اجرت کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے اور اس میں کوئی استثناء نہیں ہے کہ اگر سود کا لین دین کرنے والے یا زنا کرنے والوں کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو پھر ان کے لئے سود کا لین دین جائز ہے اور اجرت زنا لینا جائز ہے، اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے شوہر پر مطلقاً حرام قرار نہیں دیا کہ وہ بیوی کو دیئے ہوئے مال سے واپس لے لیکن جب شوہر اور بیوی دونوں کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو پھر شوہر اور بیوی پر اس میں کوئی حرج اور گناہ نہیں ہے کہ شوہر طلاق دینے کے عوض بیوی کو دیئے ہوئے مال میں سے سب یا کچھ واپس لے لے، حیرت ہے کہ علامہ ابن المنذر شافعی نے البقرہ:۲۲۹، میں مذکورہ استثناء سے پہلے حصہ سے استدلال کیا ہے اور استثناء کے بعد آیت میں مذکور حصہ کو ترک کر دیا:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرہ:۸۵)

کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان لاتے ہو اور بعض حصہ کا کفر کرتے ہو؟ سو تم میں سے جو لوگ یہ کام کریں، ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہوگی کہ وہ دنیا کی زندگی میں رسوا ہوں اور قیامت کے دن وہ زیادہ شدید عذاب کی طرف لوٹائے جائیں اور اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے ۝

علامہ ابن المنذر شافعی متوفی ۳۱۸ھ نے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر رد کرنے کے لئے البقرہ:۲۲۹، میں استثناء سے پہلے مذکور حصہ سے استدلال کیا ہے اور استثناء کے بعد مذکور حصہ کو چھوڑ دیا، اس کی نظیر وہ بھی ہے جو درج ذیل حدیث میں مذکور ہے:

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی مرد اور عورت کو لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہود کے پاس تشریف لے گئے، آپ نے فرمایا: ''جو شخص زنا کرے اس کے متعلق تمہارے نزدیک تورات میں کیا حکم ہے؟''، انہوں نے کہا: ہم ان کا منہ کالا کر کے ان کو سواری پر بٹھاتے ہیں، اور دونوں کے چہرے مخالف جانب میں کرتے ہیں، پھر ان کا چکر لگایا جاتا ہے، آپ نے فرمایا: ''اگر تم سچے ہو تو تورات لاؤ'' وہ تورات لے کر آئے اور پیچھے سے پڑھا اور جب وہ رجم کی آیت سے گزرے تو پڑھنے والے نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس کے آگے اور پیچھے سے پڑھا، حضرت

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، انہوں نے کہا: آپ اس سے فرمائیں کہ اپنا ہاتھ اٹھائے، جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو اس کے نیچے رجم کی آیت تھی۔

(صحیح مسلم: ۱۶۹۹، الرقم المسلسل: ۴۳۵۷، صحیح البخاری: ۶۸۴۱، ۳۶۳۵، ۷۵۴۳، سنن ابوداؤد: ۴۴۴۶، سنن ترمذی: ۱۴۳۱، صحیح ابن حبان: ۴۴۳۵، مصنف عبدالرزاق: ۱۳۳۳۲، ۱۳۳۳۱، سنن دارمی: ۲۳۲۱، شرح السنہ للبغوی: ۲۵۸۳، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۸ ص ۲۱۴)

بے شک ہم نے علامہ ابن المنذر شافعی المتوفی ۳۱۸ھ پر جو رد کیا ہے وہ کافی سخت ہے لیکن اس سے زیادہ سخت نہیں ہے کہ انہوں نے بدلِ خلع میں امام ابوحنیفہ کے استدلال کو سود اور اُجرتِ زنا کو حلال کرنے کی مثل قرار دیا ہے۔

خلع کے جواز کے متعلق احادیث اور جوازِ خلع کے متعلق امام مالک کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

البقرہ: ۲۲۹، کے موافق وہ حدیث ہے جس کی قتادہ نے از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا جو حضرت ثابت بن قیس کی بیوی تھیں، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں ثابت بن قیس کے دین اور اس کے اخلاق پر کوئی تہمت نہیں لگا سکتی، لیکن میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں اور میں بغض کی وجہ سے اس کے ساتھ رہنے کو ناپسند کرتی ہوں۔

از معتمر بن سلیمان از فُضیل از ابن جریر از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ عبداللہ بن اُبی کی بہن نے اسلام میں سب سے پہلا خلع کیا تھا، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر کہا: یارسول اللہ! میرا سر اس کے سر کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا، میں نے خیمہ کی ایک جانب کو اٹھایا، میں نے دیکھا کہ وہ چند لوگوں کے ساتھ آ رہا تھا، سو وہ سب سے زیادہ کالا تھا اور اس کا سب سے چھوٹا قد تھا اور سب سے زیادہ بدشکل تھا، آپ نے پوچھا: کیا تم اس کا دیا ہوا باغ واپس کر دو گی؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! اور اگر وہ چاہے تو میں اس کو اس باغ سے زیادہ بھی دوں گی، سو آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی۔

یہ حدیث جواز الخلع کی اصل ہے اور یہی جمہور فقہاء کا مسلک ہے، امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا: میں ہمیشہ اہل علم سے جواز خلع کو سنتا رہا ہوں اور ہمارے نزدیک اس پر اجماع ہے کہ جب مرد عورت کو ضرر نہ پہنچائے اور نہ اس کے ساتھ بدسلوکی کرے اور عورت اس سے علیحدگی کو پسند کرتی ہو تو مرد کے لئے جائز ہے کہ عورت طلاق کے معاوضہ میں اس کو جو کچھ دے، وہ اس سے لے لے جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں فیصلہ فرمایا اور اگر مرد کی جانب سے اللہ کے حکم کی نافرمانی ہو، بایں طور کہ وہ اپنی بیوی کو ضرر پہنچائے اور اس پر معیشت کو تنگ کر دے تو اس صورت میں اس نے بیوی سے جو کچھ لیا ہے وہ اس کو واپس کر دے۔ یہ حکم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عام متقدمین سے منقول ہے، الثوری، اسحاق اور ابوثور کا قول بھی یہی ہے۔

اس پر دلائل کہ اگر مرد کی جانب سے زیادتی ہو تو اس کے لئے خلع کے عوض بیوی سے مال لینا جائز نہیں ہے

امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ اگر مرد کی جانب سے نافرمانی ہو تو مرد کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیوی سے اس مال کو واپس لے جو وہ اپنی بیوی کو عطا کر چکا ہے اور اگر اس نے اپنی بیوی سے مال لے لیا ہے تو بہ طور قضاء یہ جائز ہے۔ ابن القاسم نے امام مالک سے بھی اس قول کی مثل روایت کی ہے، اور یہ قول کتاب اللہ کے ظاہر کے خلاف ہے اور حضرت ثابت رضی اللہ عنہ کی بیوی کے قصہ کے بھی خلاف ہے، جو حدیث (۵۲۷۳) میں مذکور ہے۔ اس حدیث میں یہ ہے کہ جو بیوی اپنے شوہر کی نافرمانی کرتی ہو

، یا شوہر کو ناپسند کرتی ہو تو وہ شوہر کے دیئے ہوئے مال کو واپس کر دے لیکن اگر مرد کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی ہو تو پھر مرد کے لئے بدلِ خلع میں بیوی سے کچھ بھی مال لینا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (النساء:۲۰)

اور اگر تم ایک بیوی کے بدلہ دوسری بیوی لانا چاہو اور ان میں سے ایک کو تم ڈھیروں مال دے چکے ہو تو اس مال میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اس مال کو بہتان باندھ کر اور کھلے گناہ کا ارتکاب کر کے واپس لو گے O

مرد کے لئے بدلِ خلع لینے کا جواز

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ان لوگوں کی دلیل ہے جنہوں نے یہ کہا کہ مرد کے لئے بیوی سے بدلِ خلع لینا جائز نہیں ہے، ان کا یہ قول فاسد ہے۔

علامہ طبری نے کہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس شکایت کرتی ہوئی آئیں، انہوں نے کہا کہ میں اور ثابت بن قیس ایک ساتھ نہیں رہ سکتے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا تم ثابت بن قیس کا دیا ہوا باغ واپس کر دو گی؟ اور حضرت ثابت سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا تم بھی اپنی بیوی کو اسی طرح ناپسند کرتے ہو جس طرح وہ تم کو ناپسند کرتی ہے؟

اگر کوئی شخص یہ گمان کرے کہ (البقرہ:۲۲۹) اس پر دلالت کرتی ہے کہ خاوند کے لئے بدل خلع کو لینا جائز ہے جب زوجین کو یہ خطرہ ہو کہ وہ حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکیں گے، تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ اس آیت میں تمام مومنین سے خطاب ہے اور یہ معلوم ہے کہ جب عورت اپنے خاوند سے بغض کو ظاہر کرے اور اسے یہ خطرہ ہو کہ خاوند اس کے حقوق میں کمی کرے گا اور جب اس طرح ہو گا تو خاوند بھی اس سے مامون نہیں ہو گا کہ اس کی بیوی اس کے حقوق میں کمی کرے گی اور ابن سیرین نے کہا ہے کہ مرد کے لئے بیوی سے اس وقت تک خلع کرنا جائز نہیں ہے حتیٰ کہ وہ تنہائی میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو دیکھے۔

بدل خلع میں اپنے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لینے میں فقہاء کا اختلاف

خاوند بدلِ خلع میں اپنے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے:

عطاء اور طاؤس نے کہا ہے کہ خاوند نے بیوی کو مہر میں جتنا مال دیا ہے اس سے زیادہ لینا جائز نہیں ہے اور ابن المسیب اور الشعبی اور حکم نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور الاوزاعی نے کہا ہے کہ قضاۃ بیوی کو دیئے ہوئے مال سے زیادہ مال کو لینے کو بدلِ خلع میں جائز قرار نہیں دیتے، امام احمد اور اسحاق کا یہی قول ہے، انہوں نے کہا: حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ ان کی بیوی نے ان کو فقط ان کا دیا ہوا باغ واپس کیا تھا۔

اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، قبیصہ اور النخعی کا مذہب یہ ہے کہ خاوند بدلِ خلع میں اپنے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لے سکتا ہے، امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ابوثور کا یہی قول ہے۔ اور امام مالک نے کہا کہ خاوند کے لئے بدلِ خلع میں اپنے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لینا جائز ہے لیکن یہ مکارمِ اخلاق سے نہیں ہے اور جن ائمہ کی اقتداء کی جاتی ہے میں نے نہیں دیکھا کہ ان میں سے کسی نے اس کو مکروہ کہا ہو، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ (البقرہ:۲۲۹) تو عورت نے جو بدلِ خلع دیا ہے اس میں ان پر کوئی حرج نہیں۔

یعنی اگر عورت نے بدلِ خلع میں اس سے زیادہ مال دیا جتنا اس کے خاوند نے اس کو دیا تھا۔

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس باب کی تعلیق میں کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ اجازت دی ہے کہ عورت بدلِ خلع میں اپنے سر کے بالوں کے جوڑے کو باندھنے کے دھاگہ سے کم مالیت کو بھی دے سکتی ہے۔

یعنی عورت کا خاوند خلع کے عوض اپنی بیوی کے سر کے بالوں کو کھول دے اور اس کی مینڈھیوں کے باندھنے کا دھاگہ بھی لے لے تو یہ اس کے لئے جائز ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اپنی بیوی سے خلع کرلو خواہ اس کے کانوں کی بالیوں کے عوض۔

فقہاء کا اس کے متعلق اختلاف کہ آیا خلع طلاق ہے یا نہیں

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے کہا کہ "باب الخلع اور خلع میں طلاق کیسے ہوگی"۔ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ خلع کے ذریعہ علیحدگی کی کیا کیفیت ہے؟ حضرت عثمان متوفی ۳۵ھ، حضرت علی متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود متوفی ۳۲ھ رضی اللہ عنہم کا مذہب یہ ہے کہ خلع طلاق بائن ہے مگر یہ کہ مرد تین طلاقوں کا نام لے تو پھر یہ تین طلاقیں ہوں گی اور یہ امام مالک، الثوری، فقہاء احناف اور اوزاعی کا مذہب ہے اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے بھی ایک قول یہی ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور طاؤس اور عکرمہ نے یہ کہا کہ خلع فسخ نکاح ہے اور طلاق نہیں ہے الّا یہ کہ خاوند لفظ خلع سے طلاق کی نیت کرے، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور اسحاق اور ابو ثور کا بھی یہی قول ہے اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا بھی یہی قول ہے۔

جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ خلع طلاق بائن نہیں ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ خلع میں عدت پوری ہونے سے پہلے عقد ثانی کرنے کی اجازت ہے جب کہ طلاق میں عدت پوری ہونے سے پہلے عقد ثانی کرنے کی اجازت نہیں ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد ثانی) سے روکے رکھیں۔ (البقرہ:۲۲۸)

اور جن فقہاء نے کہا ہے کہ خلع طلاق بائن ہے، اُن کی دلیل صحیح البخاری کی ان احادیث میں مذکور ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کی بیوی نے حضرت ثابت کا دیا ہوا باغ واپس کر دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی سے الگ ہو جائیں، اس سے واضح ہو گیا کہ خلع سے علیحدگی طلاق ہے۔

امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی متوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے کہ حضرت عمر متوفی ۲۴ھ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما متوفی ۴۰ھ نے فرمایا ہے کہ خلع طلاق ہے اور حضرت عثمان متوفی ۳۵ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم متوفی ۶۸ھ نے کہا ہے کہ خلع طلاق نہیں ہے، امام طحاوی نے کہا کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ اگر کسی مرد نے لفظ خلع سے طلاق کی نیت کی تو یہ طلاق ہو گی اور جب کہ بغیر نیت کے لفظِ خلع سے علیحدگی نہیں ہوتی تو اس سے معلوم ہوا کہ خلع کنایاتِ طلاق میں سے نہیں ہے جس میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خلع طلاق ہے۔

قاضی یا سلطان کی اجازت کے بغیر خلع کرنے کا جواز

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ نے سلطان اور قاضی کی اجازت کے بغیر بھی خلع کرنے کی اجازت دی ہے اور یہی جمہور کا قول ہے اور اس میں حسن بصری اور ابن سیرین کا اختلاف ہے ان دونوں نے کہا کہ سلطان یا قاضی کی اجازت کے بغیر خلع کرنا جائز نہیں ہے۔

امام طحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت عبداللہ بن عمر متوفی ۷۳ھ رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ سلطان اور قاضی کی اجازت کے بغیر بھی خلع کرنا جائز ہے کیونکہ جس طرح سلطان اور قاضی کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا اور طلاق دینا جائز ہے، اسی طرح سلطان یا قاضی کی اجازت کے بغیر خلع کرنا بھی جائز ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۴۳-۴۴۳ ملخصا، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

حضرت ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی کے نام کے متعلق تین روایات

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری کی حدیث: ۵۲۷۳، تا ۵۲۷۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کا نام جمیلہ لکھا ہے اور صحیح یہ ہے کہ ان کا نام حبیبہ ہے اور ان کے نام کے متعلق تیسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام سھلہ بنت حبیب ہے۔

امام عبدالرحمن بن الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ نے لکھا ہے کہ امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے کہا ہے کہ جمیلہ بنت عبداللہ بن اُبی ابن سلول حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، اور جب حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو ان کے بعد ان سے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا اور ان سے محمد نام کے بیٹے پیدا ہوئے جن کو جنگ حرّہ میں شہید کر دیا گیا تھا اور امام محمد بن سعد نے کہا کہ جمیلہ حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن اُبی کی سگی بہن تھیں۔ (الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۳۸۲، دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ)

پھر امام محمد بن سعد نے ذکر کیا کہ حضرت حبیبہ بنت سہل النجار یہی وہ خاتون ہیں جنھوں نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے خلع لیا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کرنے کا ارادہ کیا تھا اور یہ اس وقت کنواری لڑکی تھیں، پھر آپ کو انصار کی غیرت یاد آئی تو آپ نے انصار کو رنجیدہ کرنا پسند نہیں کیا، پھر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا اور حضرت ثابت نے ان کو تکلیف پہنچائی تو وہ منہ اندھیرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ثابت کی شکایت کرنے کے لیے پہنچیں۔ الحدیث۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۴۴۵-۴۴۶، دار صادر بیروت، ۱۳۸۸ھ)

حافظ ابوعمر یوسف بن عبدالبر مالکی قرطبی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

بصریوں کی روایت ہے کہ جس خاتون نے خلع کیا تھا ان کا نام جمیلہ بنت اُبی ہے اور اہلِ مدینہ کی روایت ہے کہ ان کا نام حبیبہ بنت سہل بن ثعلبہ الانصاری ہے اور ہو سکتا ہے کہ حبیبہ اور جمیلہ دونوں عبداللہ بن ابی کی بیٹیاں ہوں جنھوں نے حضرت ثابت سے نکاح کیا تھا۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۴ ص ۳۶۴-۳۷۰، دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن مندہ نے ذکر کیا کہ جب جمیلہ بنت عبداللہ بن اُبی کے خاوند حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ شہید کر دیے گئے تو ان

سے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے نکاح کرلیا اوران کے بعدان سے حضرت مالک بن الدخشم نے نکاح کیا اور جنہوں نے خلع کیا تھا وہ حضرت جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی تھیں۔ امام ابونعیم الحافظ متوفی ۴۳۰ھ نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

(معرفۃ الصحابہ ج ۶ ص ۳۲۰۸۶-۳۲۰۸۶، الرقم: ۳۸۱۴)

علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

جس خاتون نے خلع کیا تھا وہ ابی کی بیٹی تھی نہ کہ عبداللہ کی بیٹی تھی اور یہی صحیح ہے۔

(اسدالغابہ ج ۷ ص ۵۴، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ الدمیاطی نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ان کا نام جمیلہ بنت عبداللہ ہے اور یہ صحیح نہیں ہے کہ یہ عبداللہ بن عبداللہ کی بہن ہیں جیسا کہ صحیح البخاری میں ہے لیکن حافظ الدمیاطی کا یہ قول صحیح نہیں ہے، پس صحیح یہ ہے کہ یہ عبداللہ بن عبداللہ کی بہن اور عبداللہ بن ابی ابن سلول کی بیٹی ہیں، کیونکہ سنن نسائی میں مذکور ہے کہ حضرت جمیلہ کے بھائی حضرت عبداللہ آئے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی شکایت کی۔ (سنن نسائی ج ۶ ص ۱۸۶)

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی متوفی ۲۷۳ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جمیلہ بنت سلول نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی۔۔ الحدیث۔۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۶، دارالفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ نے بیان کیا کہ خلع کرنے والی کی عدت ایک حیض ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمیلہ بنت سلول کے متعلق اس کا فیصلہ کیا تھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۴۷۵، دارالکتب العلمیہ بیروت: ۱۴۱۶ھ)

امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی متوفی ۳۶۰ھ نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔

(المعجم الکبیر: ۱۱۸۳۴، داراحیاء التراث العربی بیروت)

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی کے نام کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) جمیلہ بنت سلول (۲) حبیبہ بنت سہل (۳) سہلہ بنت حبیب

بیوی سے بدل خلع لینے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

جب یہ مقرر ہو گیا تو رب (جل جلالہ) نے خاوند پر بدلِ خلع میں اس مال کو لینا حرام کر دیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کی بیوی کو عطا کیا، مگر صرف اس صورت میں بیوی سے بدلِ خلع لینے کو جائز قرار دیا ہے جب شوہر اور بیوی کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے، پھر اللہ تعالیٰ نے سخت وعید کے ساتھ اس کو مؤکد کر کے فرمایا:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا (البقرہ: ۲۲۹) یہ اللہ کی حدود ہیں، سو تم اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرو۔

اور اس معنی کے موافق حضرت جمیلہ مذکورہ کی حدیث ہے:

از قتادہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہے کہ حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں حضرت ثابت بن قیس بن شماس سے بغض کی وجہ سے ان کے ساتھ رہنے کی طاقت نہیں رکھتی۔ (سنن ابن ماجہ:۲۰۵۶، المعجم الکبیر ج ۲۴ ص ۲۱۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۱۳)

امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا کہ میں نے ہمیشہ اہل علم سے سنا ہے اور اسی پر اجماع ہے کہ جب خاوند بیوی کو ضرر نہ پہنچائے اور نہ اس کے ساتھ بُرا سلوک کرے اور بیوی اس سے علیحدگی کو پسند کرے تو پھر خاوند کے لئے جائز ہے کہ وہ بیوی سے فدیہ لے کر اس کو طلاق دے دے، جیسا کہ شارع علیہ السلام نے حضرت جمیلہ کے معاملہ میں فیصلہ کیا تھا اور اگر خاوند کی جانب سے نافرمانی اور زیادتی ہو بایں طور کہ وہ بیوی کو مارے اور اس پر معیشت کو تنگ کر دے تو اس نے بدل خلع میں جو کچھ بیوی سے لیا ہے وہ اس کو واپس کر دے۔ (مؤطا امام مالک ص ۳۴۹)، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عام متقدمین کا یہی مذہب ہے اور الثوری، اسحٰق اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نے یہ کہا ہے کہ اگر نافرمانی اور زیادتی شوہر کی جانب سے ہو تو شوہر کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ بیوی سے بدل خلع میں وہ مال لے جو مال وہ اس کو دے چکا ہے اور اگر اس نے قاضی کی قضاء سے وہ مال لے لیا تو پھر وہ مال جائز ہے۔
(مختصر الطحاوی ص ۱۹۱)

ابن القاسم نے بھی امام مالک سے اسی قسم کی روایت کی ہے۔ (الاستذکار ج ۱۷ ص ۱۸۰، موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

یہ قول کتاب اللہ کے ظاہر کے خلاف ہے اور حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۵ ص ۳۰۶-۳۱۰ ملخصاً، وزارۃ الاوقاف، قطر ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی کا امام ابوحنیفہ پر اعتراض اور مصنف کا جواب

میں کہتا ہوں: علامہ ابن ملقن نے امام ابوحنیفہ پر اسی اعتراض کو نقل کیا ہے جو در اصل علامہ ابن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ کا امام ابوحنیفہ پر اعتراض ہے، جس کا ہم تفصیل سے جواب لکھ چکے ہیں کہ خاوند کا بیوی سے بدل خلع لینا مطلقاً ممنوع نہیں ہے بلکہ جب شوہر اور بیوی کو یہ خطرہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو پھر بیوی، شوہر سے طلاق لینے کے لئے جو مال بہ طور فدیہ دے وہ جائز ہے اور البقرہ: ۲۲۹ میں یہ استثناء مذکور ہے جس کو علامہ ابن المنذر الشافعی نے اور پھر ان کی اتباع میں علامہ ابن الملقن شافعی نے محض امام ابوحنیفہ سے تعصب کے سبب نظر انداز کر دیا تھا۔

اس کے بعد علامہ ابن ملقن شافعی نے ان احادیث کی شرح میں علامہ ابن بطال کی پوری عبارت نقل کر دی ہے جس کو ہم تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے نام کے متعلق مزید تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری کی احادیث مذکورہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے متعلق دو مزید قول ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام حضرت مریم المغالیہ ہے، حدیث میں ہے:

امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ اور امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے محمد بن اسحاق سے روایت کی ہے کہ مجھے عبادہ بن الولید بن عبادہ بن الصامت نے حدیث بیان کی از الربیع بنت معوذ، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے اپنے خاوند سے خلع لیا، پھر انہوں نے قصہ ذکر کیا

جس میں مذکور ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ کی اتباع کی جو آپ نے حضرت مریم المغالیہ کے متعلق فیصلہ کیا تھا، اور یہ حضرت ثابت بن قیس کے نکاح میں تھیں، پھر انہوں نے حضرت ثابت سے خلع لیا۔ اس حدیث کی سند جید ہے۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ نے کہا ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے نام کے متعلق حدیث میں اضطراب ہے اور یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ثابت سے متعدد بار خلع کیا گیا ہو، امام بیہقی کی عبارت ختم ہوئی۔ حضرت ثابت بن قیس شماس کی بیوی کا نام جو مریم ہے، اس کو پہلے نام کی طرف لوٹانا ممکن ہے، کیونکہ مُغالیہ میں مُغالہ کی طرف نسبت ہے اور یہ قبیلہ خزرج کی ایک عورت تھی جن سے عمرو بن مالک بن نجار کی اولاد ہوئیں اور ان کا بیٹا عدی تھا، پس عدی بن النجار کے تمام بیٹے بنو مغالہ کے نام سے معروف تھے اور ان ہی میں سے عبداللہ بن اُبی، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور خزرج کی ایک جماعت تھی، پس جب کہ عبداللہ بن ابی کی آل بنو مغالہ میں سے تھی تو حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کے نام میں وہم ہو گیا یا پھر مریم ان کا تیسرا نام ہے، یا یہ نام ان کا لقب ہے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے نام کے متعلق دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا نام حبیبہ بنت سہل ہے:

امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے الموطا میں از یحییٰ بن سعید الانصاری از عمرو بن عبدالرحمٰن از حبیبہ بنت سہل روایت کی ہے کہ وہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت گھر سے باہر نکلے تو دیکھا کہ حضرت حبیبہ منہ اندھیرے آپ کے گھر کے دروازے پر تھیں اور آپ نے پوچھا: ''تم کون ہو؟'' تو انہوں نے کہا کہ میں حبیبہ بنت سہل ہوں، تو انہوں نے کہا کہ میں ثابت بن قیس کے ساتھ نہیں رہ سکتی، اس حدیث کی اصحاب سنن ثلاثہ (امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام نسائی) نے روایت کی ہے اور امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبان نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

امام ابوداؤد نے از عبداللہ بن ابی بکر بن حزم از عمرہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ حضرت حبیبہ بنت سہل حضرت ثابت کے نکاح میں تھیں۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے نام میں اختلاف ہے، پس بصریوں نے ذکر کیا کہ ان کا نام جمیلہ بنتِ اُبی ہے اور مدنیوں نے ان کا نام ذکر کیا کہ ان کا نام حبیبہ بنت سہل ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی فرماتے ہیں: جو چیز مجھ پر منکشف ہوئی ہے، یہ دو قصے ہیں جو دو مختلف عورتوں کے متعلق ہیں، کیونکہ ان کی خبر مشہور ہے اور ان کی سند صحیح ہے اور اختلاف صرف ان کے نام میں ہے، اور اس تعدد کی تقدیر کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت ثابت نے حضرت جمیلہ کے ساتھ نکاح سے پہلے حضرت حبیبہ سے نکاح کیا تھا۔

تنبیہ!

علامہ عبدالرحمٰن بن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ نے اپنی تنقیح میں لکھا ہے کہ ان کا نام سہلہ بنت حبیب ہے، پس میرا یہی گمان ہے کہ انہوں نے الٹ گمان کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ ان کا نام حبیبہ بنت سہل ہے، اور امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، اور حضرت ثابت بن قیس بہت تیز مزاج تھے اور امام محمد بن

سعد نے اس کے آخر میں یہ اضافہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حبیبہ بنت سہل رضی اللہ عنہا سے نکاح کا ارادہ کیا تھا، پھر آپ کو انصار کی غیرت یاد آئی تو آپ نے اس کو ناپسند کیا کہ آپ انصار کو تکلیف پہنچائیں اور آپ نے نکاح کا ارادہ ترک کر دیا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۹-۴۷۰ ملخصاً دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کے ناموں میں زینب نام کی تحقیق

علامہ بدر الدین محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رہا یہ کہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کی بیوی کا نام زینب ہو تو یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں حافظ ابو عمر بن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے مریم نام کا ذکر نہیں کیا، اس کا ذکر حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے کیا ہے: انہوں نے کہا کہ مریم الانصاریہ المغالیہ بنو مغالہ کے قبیلہ سے تھیں، وہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، پھر انہوں نے حضرت الربیع کی حدیث کا ذکر کیا اور حضرت ثابت بن قیس بن شماس بن مالک بن امرؤ القیس الخزرجی، انصار کے خطیب تھے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خطیب کہا جاتا تھا، جس طرح حضرت حسان بن ثابت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شاعر کہا جاتا تھا، یہ غزوہ احد اور اس کے بعد کے غزوات میں حاضر رہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے تھے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۷۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کے خلع لینے کا سبب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

معمر نے کہا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کی بیوی نے کہا: یا رسول اللہ! آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں کتنی حسین و جمیل عورت ہوں، اور ثابت بدشکل مرد ہے اور معتمر بن سلیمان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ اسلام میں پہلا خلع وہ تھا جو حضرت ثابت بن قیس کی بیوی نے کیا تھا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، پس کہا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا سر اور ثابت کا سر کبھی بھی جمع نہیں ہوگا، میں نے خیمہ کی ایک طرف کو اٹھایا تو ثابت بن قیس چند لوگوں کے ساتھ آ رہے تھے اور وہ ان میں سب سے زیادہ سیاہ رنگ کے تھے اور ان کا قد ان سب میں سب سے چھوٹا تھا، اور ان کا چہرہ سب سے زیادہ بدشکل تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا تم ان کا دیا ہوا باغ واپس کر دو گی؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! انہوں نے کہا: اگر وہ چاہیں تو اور زیادہ دوں گی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۱۸۰۳)

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے کلام میں کفر کی توجیہ

حضرت ثابت بن قیس کی بیوی نے کہا: میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں۔ (صحیح البخاری: ۵۲۷۳)

اس جگہ یہ اشکال ہے کہ حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کا حضرت ثابت بن قیس کی شکل کو ناپسند کرنا کفر تو نہیں ہے، پھر انہوں نے یہ کیوں کہا کہ میں اسلام میں کفر کو ناپسند کرتی ہوں؟

علامہ شرف الدین حسین محمد الطیبی الشافعی المتوفی ۷۴۳ھ نے اس کے جواب میں لکھا ہے:

ان کے اس قول کا معنی یہ ہے کہ میں اسلام میں ایسی چیز کو ناپسند کرتی ہوں جو اسلام کے حکم کے منافی ہو کہ میں اپنے خاوند کی نافرمانی کروں، اس کی اطاعت نہ کروں، اس کی خدمت اور تیمارداری نہ کروں، کیونکہ کسی حسین عورت کے لئے یہ مشکل ہے کہ وہ کسی بدصورت مرد کی اطاعت اور خدمت کرے، سوانہوں نے اسلام کے تقاضے کے منافی چیز پر کفر کا اطلاق کیا، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان کے کلام میں کچھ عبارت مقدر ہو یعنی میں کفر کے لوازم کو ناپسند کرتی ہوں، کہ میں اپنے خاوند سے عداوت رکھوں اور ان سے جھگڑا کرتی رہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو جو طلاق دینے کا حکم دیا تھا، یہ وجوبی حکم نہیں تھا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت ثابت بن قیس سے) فرمایا: ''تم اس باغ کو قبول کرلو اور اس کو ایک طلاق دے دو''، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم بہ طور ارشاد اور اصلاح تھا، بہ طور فرض اور وجوب نہیں تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو طلاق دے دو'' یعنی اس باغ کے عوض اس کو طلاق دے دو، امام ابوداؤد اور امام ترمذی کی روایات میں مذکور ہے کہ یہ خلع تھا۔

صحیح البخاری: ۵۲۷۳، کے مسائل مستنبطہ، نکات شریفہ اور فوائد کثیرہ کے مباحث

(۱) جب فقط بیوی کی طرف سے جھگڑا ہو پھر بھی بدل خلع لینے کا جواز

جب شوہر اور بیوی کے درمیان جھگڑا صرف بیوی کی طرف سے ہو تو پھر خلع لینا اور فدیہ دینا جائز ہے اور اس میں یہ قید نہیں ہے کہ دونوں کی طرف سے جھگڑا ہو، اور خلع اس وقت مشروع ہے جب عورت مرد کے ساتھ زندگی گزارنے کو ناپسند کرتی ہو خواہ ایسی چیز معلوم نہ ہو جو ان کے درمیان فراق کا تقاضا کرتی ہو اور ابوقلابہ اور محمد بن سیرین نے کہا: مرد کے لئے عورت سے فدیہ لینا جائز نہیں ہے، سوا اس صورت کے کہ وہ عورت کے پاس علیحدگی میں کسی اجنبی مرد کو دیکھے، اس حدیث کی امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے اور گویا کہ ابوقلابہ اور محمد بن سیرین کو صحیح البخاری: ۵۲۷۳ نہیں پہنچی، کیونکہ اس حدیث میں اس کے بغیر خلع کا ذکر ہے۔ محمد بن سیرین نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ۚ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ (النساء:۱۹)

اے ایمان والو! تمہارے لئے یہ جائز نہیں کہ تم زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور نہ تم ان کو اس لیے روکو کہ تم ان کو دیے ہوئے (مہر) میں سے کچھ واپس لو، سوا اس صورت کے کہ وہ کھلم کھلا بے حیائی کا ارتکاب کریں اور تم ان کے ساتھ نیک سلوک کرو۔

اور ان کے اس استدلال پر یہ اعتراض ہے کہ البقرہ: ۲۲۹، نے اس آیت کی تفسیر کردی ہے اور اس سے معلوم ہوگیا کہ بغیر اس کے کہ بیوی بے حیائی کا ارتکاب کرے پھر بھی مرد کا بیوی سے بدل خلع لینا جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں: پھر مجھ پر محمد بن سیرین کے کلام کی توجیہ منکشف ہوئی اور وہ یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو ناپسند کرتا ہو اور اس کی بیوی اس کو ناپسند نہ کرتی ہو تو مرد بیوی کو بستر میں چھوڑے رکھے اور اس پر تنگی کرے تا کہ اس کی بیوی اس کو

بدل خلع دے کر اپنی جان چھڑا لے، تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ جب تک مرد بیوی کو کسی اجنبی مرد کے ساتھ خلوت میں بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہوئے نہ دیکھے اور جب تک اس پر کوئی گواہ نہ پائے اور وہ اس کو رسوا کرنا بھی نہ چاہتا ہو تو اس وقت اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی سے بدلِ خلع لے کر اس کو چھوڑ دے اور جس قدر مال پر وہ دونوں راضی ہو جائیں اس قدر مال لے کر وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اس توجیہ کی صورت میں محمد بن سیرین کے کلام کی صحیح البخاری: ۵۲۷۳ سے مخالفت نہیں ہوگی کیونکہ یہ حدیث اس مسئلہ میں وارد ہے جب فقط بیوی اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہو۔ اور امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے:

مختار یہ ہے کہ اس وقت تک خلع جائز نہیں ہے جب تک کہ شوہر اور بیوی دونوں کے درمیان جھگڑا نہ ہو اور اگر ان میں سے کسی ایک کے درمیان جھگڑا ہو تو پھر نکاح ساقط نہیں ہوگا اور ان کا یہ قول قوی ہے جو النساء: ۱۹ اور النساء: ۲۲۹ دونوں آیتوں کے ظاہر کے موافق ہے اور صحیح البخاری: ۵۲۷۳ کے بھی مخالف نہیں ہے اور طاؤس اور شعبی اور تابعین کی ایک جماعت نے بھی اسی کے موافق کہا ہے۔

امام محمد بن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ھ اور دوسرے مفسرین نے اس ظاہر آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ جب عورت خاوند کے ان حقوق کو ادا نہ کرے جن کی ادائیگی کا انہیں حکم دیا گیا ہے تو یہ بالعموم شوہر کی اپنی بیوی سے نفرت کا سبب ہوتا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی بیوی سے بغض رکھے اور انہوں نے صحیح البخاری: ۵۲۷۳ کا یہ جواب دیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے یہ دریافت نہیں فرمایا: ”تم بھی اپنی بیوی کو اسی طرح ناپسند کرتے ہو، جس طرح وہ تمہیں ناپسند کرتی ہے؟“۔

(۲) فقہاء کا اس میں اختلاف کہ آیا خلع طلاق ہے یا نہیں

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بیوی اپنے شوہر سے مال کے عوض طلاق کا سوال کرے، سو وہ اس کو طلاق دے دے، تو طلاق واقع ہو جائے گی، اور اگر شوہر اس کو صراحتاً طلاق نہ دے اور نہ وہ طلاق کی نیت کرے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے اس قصے میں یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کو یہ حکم دیا کہ وہ ایک حیض عدت گزاریں۔

امام ابوداؤد متوفی ۲۷۹ھ اور امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ اور امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے حضرت الربیع بنت معوذ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کی بیوی کو حکم دیا کہ وہ ایک حیض عدت گزاریں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فیصلہ کی اتباع کی ہے جو آپ نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے متعلق فیصلہ کیا تھا۔

امام احمد بن شعیب النسائی المتوفی ۳۰۳ھ اور امام محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے حضرت الربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو مارا، پھر اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے ان کو ناپسند کیا اور پورا قصہ ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اس کا باغ لے لو اور اس کا راستہ چھوڑ دو، انہوں نے کہا: جی ہاں! پھر آپ نے ان کی بیوی کو یہ حکم دیا کہ وہ ایک حیض عدت گزاریں اور اپنے گھر والوں کے پاس چلی جائیں۔ علامہ حمد بن محمد الخطابی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے:

اس حدیث میں ان فقہاء کی قوی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ خلع فسخ نکاح ہے اور طلاق نہیں ہے، کیونکہ اگر خلع طلاق ہوتا تو اس میں ایک حیض عدت کے لیے کافی نہ ہوتا (الیٰ آخرہ)۔

اور یہی امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا ہے کہ خلع فسخ نکاح ہے اور انہوں نے دوسری روایت میں کہا ہے کہ جس عورت نے خلع کیا ہے وہ دوسرے شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی، جب تک کہ وہ تین حیض عدت نہ گزارے۔

(۳) بدلِ خلع میں کسی معین چیز کے لینے کا جواز اور اس میں فقہاء کا اختلاف کہ خاوند مہر سے زیادہ بدل خلع لے سکتا ہے یا نہیں؟

اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ بدلِ خلع کوئی معین چیز ہونی چاہیے یا اس کے مطابق قیمت ہونی چاہیے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کی بیوی سے فرمایا: کیا تم اس کا باغ اسے واپس کردو گی؟ اور سنن ابن ماجہ اور سنن بیہقی کی روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت ثابت بن قیس سے فرمایا کہ تم وہ باغ اپنی بیوی سے واپس لے لو اور اس سے زیادہ کوئی چیز نہ لینا، اور مصنف عبدالرزاق میں حضرت علی کی روایت سے مذکور ہے کہ تم نے جو کچھ اس کو دیا ہے اس سے زیادہ نہ لینا اور عطاء، طاؤس اور زہری سے بھی اس کی مثل مروی ہے اور یہی امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا مذہب ہے اور اسماعیل بن اسحاق نے میمون بن مہران سے روایت کی ہے جس نے بدلِ خلع میں اپنی بیوی سے اپنے دیئے ہوئے مال سے زیادہ لیا، اس نے اپنی بیوی کو نیکی کے ساتھ رخصت نہیں کیا اور اس کے مقابلہ میں امام عبدالرزاق نے سند صحیح کے ساتھ سعید بن المسیب سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ خاوند بیوی کو دیا ہوا تمام مال لے لے اور اس کے لئے کوئی معمولی چیز چھوڑ دے۔

اور امام مالک نے کہا ہے کہ بدلِ خلع میں مہر اور اس سے زیادہ لینا جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۭ (البقرہ:۲۲۹) تو عورت نے جو بدلِ خلع میں دیا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

پس جب عورت کی طرف سے نافرمانی ہو تو خاوند کے لیے جائز ہے کہ بیوی سے اس کی مرضی کے مطابق بدلِ خلع وصول کر لے اور اگر نافرمانی خاوند کی طرف سے ہو تو پھر اس کے لئے بدلِ خلع میں کوئی چیز لینا جائز نہیں ہے اور جو کچھ اس نے لیا ہے وہ اس کو واپس کردے اور ان کے درمیان علیحدگی ہو جائے گی۔

اور امام شافعی نے کہا ہے: جب بیوی شوہر کا حق ادا نہ کر رہی ہو اور شوہر کو ناپسند کرتی ہو تو شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ بدلِ خلع وصول کرلے، کیونکہ اگر اس کی بیوی اس کو بغیر کسی سبب کے اپنی خوشی سے اپنا مال دے تو شوہر کے لیے اس مال کو لینا جائز ہے تو جب وہ کسی سبب کی وجہ سے اس کو اپنا مال دے تو پھر شوہر کے لیے اس مال کو لینا بہ طریق اولیٰ جائز ہوگا۔

(۴) حالتِ حیض میں خلع کا جواز

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوی کی حالتِ حیض میں بھی خلع جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کی بیوی سے یہ نہیں پوچھا کہ آیا وہ حائض ہیں یا نہیں، لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ آپ نے ان سے اس لیے یہ سوال نہ کیا ہو، کیونکہ آپ کو پہلے سے معلوم تھا کہ وہ حائضہ نہیں ہیں، لہٰذا اس حدیث میں ان فقہاء کی کوئی دلیل نہیں ہے جو خلع کو حالتِ طہر کے ساتھ خاص کرتے ہیں اور

یہ تفریع اس تقدیر پر ہے کہ خلع طلاق ہو۔

(۵) طلاق کے مطالبہ پر وعید اس پر محمول ہے جب وہ مطالبہ بلا سبب ہو

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جن احادیث میں عورتوں کو طلاق کے مطالبہ سے ڈرایا گیا ہے، وہ احادیث اسی صورت پر محمول ہیں کہ جب عورتوں کا مطالبہ طلاق کسی سبب کے بغیر ہو کیونکہ حدیث میں ہے:

امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ، امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ، امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ، امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ، امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ متوفی ۳۱۱ھ، اور امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی التوفی ۳۵۴ھ نے اپنی اپنی اسانید کے ساتھ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت نے اپنے خاوند سے طلاق کا سوال کیا، اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے اور بعض روایات میں یہ اضافہ ہے جس نے بغیر کسی خطرہ کے طلاق کا سوال کیا۔ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورتیں نکاح کو سلب کرنے والی ہیں اور خلع کرنے والی ہیں وہ منافقات ہیں، تاہم اس حدیث کی سند کی صحت پر اعتراض ہے کیونکہ یہ حدیث حسن بصری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کی ہے اور اکثر محدثین کے نزدیک حسن بصری کا حضرت ابو ہریرہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔

(۶) جب صحابی کا فتویٰ اس کی روایت کے خلاف ہو تو آیا اس کے فتویٰ کا اعتبار ہوگا یا اس کی روایت کا؟

جب صحابی اپنی روایت کے خلاف فتویٰ دے تو اس کی روایت کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کے اجتہاد کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی کے قصہ کی روایت کی ہے جس میں یہ دلیل ہے کہ خلع طلاق ہے اور خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ فتویٰ دیتے تھے کہ خلع طلاق نہیں ہے لیکن حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے دعویٰ کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس فتوے کی روایت شاذ ہے، کیونکہ طاؤس کے سوا کسی نے بھی حضرت ابن عباس سے یہ نقل نہیں کیا کہ خلع فسخِ نکاح ہے اور طلاق نہیں ہے لیکن حافظ ابن عبدالبر مالکی کے اس دعوے پر اعتراض ہے، کیونکہ طاؤس ثقہ، حافظ اور فقیہ ہیں، لہٰذا ان کا تفرد ان کی روایت میں مُضر نہیں ہے اور بہت علماء نے اس روایت کو قبول کیا ہے اور میرے علم کے مطابق جنہوں نے بھی اس مسئلہ میں فقہاء کے اختلاف کا ذکر کیا ہے، انہوں نے وثوق کے ساتھ کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما خلع کو فسخ نکاح قرار دیتے تھے، ہاں! اسماعیل قاضی نے سند صحیح کے ساتھ ابن ابی نجیح سے روایت کی ہے کہ جب طاؤس نے کہا کہ خلع طلاق نہیں ہے تو اس پر تمام اہل مکہ نے انکار کیا، اس وقت طاؤس نے یہ عذر پیش کیا کہ میں اپنی رائے سے یہ نہیں کہتا بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ بیان کر رہا ہوں، اسماعیل قاضی نے کہا کہ ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ طاؤس کے علاوہ کسی اور نے یہ کہا ہو کہ خلع فسخ نکاح ہے، تاہم تحقیق یہ ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے قصہ میں اس پر صریح دلیل ہے کہ خلع طلاق ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۶۹-۴۷۳، ملخصاً، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

خلع کی تعریف اور اس میں فقہاء کا اختلاف کہ آیا خلع طلاق ہے یا نہیں؟

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی التوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلع کی تعریف یہ ہے کہ خاوند کوئی معاوضہ لے کر بیوی سے الگ ہو جائے خواہ وہ معاوضہ کوئی معین چیز ہو یا منفعت ہو اور اس معاوضہ کو خواہ بیوی ادا کرے یا اس کا ولی ادا کرے یا اس کا کوئی دوست ادا کرے۔

آیا خلع طلاق ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، بعض فقہاء نے کہا کہ خلع کسی حال میں بھی طلاق نہیں ہے اور بعض فقہاء نے کہا کہ خلع ہر حال میں طلاق ہے اور بعض فقہاء نے تفصیل کی کہ اگر خلع لفظ طلاق کے ساتھ ہو تو وہ طلاق ہے ورنہ وہ فسخ نکاح ہے۔

آیا خاوند کا بیوی کو طلاق دینا بیوی پر ظلم ہے یا نہیں؟

مسئلہ: جب بیوی خاوند کے حقوق ادا نہ کر سکے تو کیا شوہر پر لازم ہے کہ وہ بیوی کو طلاق دے اور کیا یہ خاوند کا بیوی پر ظلم ہوگا خصوصاً جب کہ خاوند تنگ دست ہو اور وہ دوسرا نکاح کرنے کی طاقت نہ رکھے۔

الجواب: جب خاوند اور بیوی کے درمیان جھگڑا اس نوبت پر پہنچ جائے کہ ان کے درمیان نکاح کو قائم رکھنا ممکن نہ ہو تو اب خاوند پر لازم ہے کہ وہ بیوی کو طلاق دے دے، تاہم اگر ان کے درمیان اصلاح ممکن ہو خواہ مال خرچ کرنے سے، تو پھر ان کے درمیان اصلاح کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۳۹-۴۶ ملخصاً مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

خلع کی تعریف اور حدیقہ کا معنی

الشیخ محمد علی الصابونی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلع کی تعریف یہ ہے کہ بیوی شوہر کو مال دے کر اس سے اپنا نفس چھڑا لے تا کہ وہ اس کو طلاق دے دے اور اس کی دلیل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِمَا فِیْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ (البقرہ: ۲۲۹) اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ یہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو عورت نے جو بدلِ خلع دیا ہے اس میں ان پر کوئی حرج نہیں ہے۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی جمیلہ نے حضرت ثابت بن قیس سے جو خلع لیا تھا یہ زمانہ اسلام میں سب سے پہلا خلع تھا۔ صحیح البخاری: ۵۲۷۳، میں حدیقہ کا لفظ ہے، آپ نے حضرت جمیلہ سے فرمایا: کیا تم ثابت بن قیس کا دیا ہوا حدیقہ واپس کرو گی؟ حدیقہ اس باغ کو کہتے ہیں جس میں کھجوروں کے درخت ہوں اور دیگر پھلوں کے درخت ہوں۔

صحیح البخاری: ۵۲۷۳، کے فوائد

(۱) جب زوجین کے درمیان مخالفت ہو اور ان کے درمیان تفریق مستحکم ہو جائے تو پھر طلاق اور فراق جائز ہے تا کہ ایسی صورت حال پیدا نہ ہو جس کی سختی کی بیوی طاقت نہ رکھے۔

(۲) خلع مال کے عوض ہے یا خاوند کے دیئے ہوئے مہر کے عوض ہے، کیونکہ خلع کا مطالبہ بیوی کی طرف سے ہوتا ہے، سو اسلام نے جانبین کے حقوق کی رعایت کی ہے، پس اگر طلاق کا سبب شوہر ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ مکمل مسئولیت کو برداشت کرے اور بیوی کے تمام حقوق مالیہ اور اس کے اخراجات کو ادا کرے اور اگر طلاق کا سبب بیوی کی شوہر سے کراہیت اور بغض ہو تو پھر اس پر لازم

ہے کہ وہ شوہر کا دیا ہوا مہر واپس کر دے۔

(۴) خلع سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے اور اس طلاق کے بعد وہ بغیر نکاح جدید کے عورت سے رجوع نہیں کر سکتا۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۲۶-۱۲۷، المکتبۃ العصریہ، لبنان، ۱۴۳۲ھ)

خلع کے لغوی معنی کی شرعی معنی کے ساتھ مناسبت

مشہور غیر مقلد عالم شیخ صدیق حسن خان بھوپالی المتوفی ۱۳۰۷ھ صحیح البخاری: ۵۲۷۳، کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلع کا لغوی معنی ہے: مال لے کر بیوی سے علیحدہ ہونا اور یہ لفظ خلع الثوب سے ماخوذ ہے، یعنی کپڑا اتارنا، کیونکہ بیوی خاوند کا لباس ہے اور جب خاوند نے بیوی سے خلع کر لیا تو گویا اپنا لباس اتار لیا اور بکر بن عبد اللہ المزنی کے سوا تمام علماء کا خلع کے جواز پر اجماع ہے اور اسلام میں پہلا خلع وہ ہے جس کا اس باب کی حدیث میں مذکور ہے۔

(عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری ج ۵ ص ۴۵۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۹ھ)

خلع کے متعلق اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی تحقیق

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

فتح القدیر میں ہے اور پھر رد المحتار میں کہ اگر خاوند نے بیوی کو کہا کہ تو مجھے ان تمام حقوق سے بری کر دے جو بیوی کے لئے خاوند کے ذمہ ہوتے ہیں اور بیوی نے ایسا کر دیا تو اس کے ساتھ متصل فوراً خاوند نے کہہ دیا کہ میں نے تجھے طلاق دی، بیوی اگر مدخولہ ہو تو یہ طلاق بائنہ ہوگی کیونکہ یہ طلاق بالعوض ہے اور ذخیرہ، خانیہ وغیرہما اور رد المحتار میں بھی ان دونوں سے منقول ہے کہ یہ طلاق بائنہ ہوگی، کیونکہ یہ طلاق بالعوض ہے اور حقوق سے بری کرنا دلالۃً معاوضہ ہے۔

(رد المحتار بہ حوالہ فتح القدیر ج ۵ ص ۴۳، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۳ ص ۲۶۴، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ۱۴۱۸ھ)

نیز اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز تحریر فرماتے ہیں:

خلع شرع میں اسے کہتے ہیں کہ شوہر بہ رضاء خود مہر وغیرہ مال کے عوض عورت کو نکاح سے جدا کر دے تنہا زوجہ کے کئے نہیں ہو سکتا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۱۳ ص ۲۶۴، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ۱۴۱۸ھ)

نیز اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

اور یہ کہ طلاق بہ طریق خلع واقع ہوئی تھی، بائنہ تھی تو زید پر لازم ہے کہ عدت پوری ہونے تک اپنے ہی مکان میں جگہ دے، تا زوال نکاح اس سے پردہ کرے اور اگر زید ظلماً اپنے گھر میں نہ رہنے دے تو کوئی اور مکان بتائے جس میں وہ عدت پوری کرے اور اگر وہ مکان کرائے کا ہو تو اختتام عدت تک کرایہ زید کے ذمہ ہے اور جب زید اپنے مکان میں رہنے دے یا دوسرا مکان اس کے لئے بنائے تو ہندہ پر لازم ہے کہ وہ فوراً اس مکان میں چلی جائے اور ختم عدت تک ہرگز اس سے باہر نہ آئے۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۳ ص ۳۱۱، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ۱۴۱۸ھ)

خلع کے مسائل کے متعلق صدر الشریعہ مولانا امجد علی کی تحقیق

صدر الشریعہ بدر الطریقۃ علامہ امجد علی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۷ھ تحریر فرماتے ہیں:

مسئلہ ۱: مال کے بدلے میں نکاح زائل کرنے کو خلع کہتے ہیں، عورت کا قبول کرنا شرط ہے، بغیر اس کے قبول کیے خلع نہیں ہوسکتا اور اس کے الفاظ معین ہیں ان کے علاوہ اور لفظوں سے نہ ہوگا۔

مسئلہ ۲: اگر زوج و زوجہ میں نا اتفاقی رہتی ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ احکامِ شرعیہ کی پابندی نہ کرسکیں تو خلع میں مضائقہ نہیں اور جب خلع کرلیں تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور جو مال ٹھہرا ہے عورت پر اس کا دینا لازم ہے۔ (الہدایہ، کتاب الطلاق باب الخلع ج ۲ ص ۲۶۱)

مسئلہ ۳: اگر شوہر کی طرف سے زیادتی ہو تو خلع پر مطلقاً عوض لینا مکروہ ہے اور اگر عورت کی طرف سے زیادتی ہو تو جتنا مہر میں دیا ہے اس سے زیادہ لینا مکروہ پھر بھی اگر زیادہ لے لے گا تو قضاءً جائز ہے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثامن فی الخلع و مافی حکمہ الفصل الاول ج ۱ ص ۴۸۸)

مسئلہ ۴: جو چیز مہر ہوسکتی ہے وہ بدلِ خلع بھی ہوسکتی ہے اور جو چیز مہر نہیں ہوسکتی وہ بھی بدلِ خلع ہوسکتی ہے مثلاً دس درہم سے کم کو بدلِ خلع کرسکتے ہیں مگر مہر نہیں کرسکتے۔ (الدر المختار کتاب الطلاق باب الخلع ج ۵ ص ۸۹)

مسئلہ ۵: خلع شوہر کے حق میں طلاق کو عورت کے قبول کرنے پر معلق کرنا ہے کہ عورت نے اگر مال دینا قبول کرلیا تو طلاقِ بائن ہو جائے گی، لہٰذا اگر شوہر نے خلع کے الفاظ کہے اور عورت نے ابھی قبول نہیں کیا تو شوہر کو رجوع کا اختیار نہیں نہ شوہر کو شرط خیار حاصل اور نہ شوہر کی مجلس بدلنے سے خلع باطل۔ (الفتاوی الخانیہ، کتاب الطلاق باب الخلع ج ۱ ص ۲۵۶)

مسئلہ ۶: خلع عورت کی جانب میں اپنے نفس کو مال کے بدلے میں چھڑانا ہے تو اگر عورت کی جانب سے ابتداء ہوگی مگر ابھی شوہر نے قبول نہیں کیا تو عورت قبول کرسکتی ہے اور اپنے لیے اختیار بھی لے سکتی ہے اور یہاں تین دن سے زیادہ کا بھی اختیار لے سکتی ہے۔ (الفتاوی الخانیہ کتاب الطلاق باب الخلع ج ۱ ص ۲۵۶)

مسئلہ ۷: خلع چونکہ معاوضہ ہے، لہٰذا یہ شرط ہے کہ عورت کا قبول اس لفظ کا معنی سمجھ کر ہو بغیر معنی سمجھے محض لفظ بول دے گی تو خلع نہ ہوگا۔ (الدر المختار کتاب الطلاق باب الخلع ج ۵ ص ۹۱)

مسئلہ ۸: چونکہ شوہر کی جانب سے خلع طلاق ہے، لہٰذا شوہر کا عاقل، بالغ ہونا شرط ہے، نابالغ یا مجنون خلع نہیں کرسکتا کہ اہلِ طلاق نہیں اور یہ بھی شرط نہیں کہ عورت محلِ طلاق ہو، لہٰذا اگر عورت کو طلاقِ بائن دے دی تو اگرچہ عدت میں ہو اس سے خلع نہیں ہوسکتا، یوں ہی اگر نکاحِ فاسد ہوا ہے یا عورت مرتدہ ہوگئی جب بھی خلع نہیں ہوسکتا کہ نکاح ہی نہیں ہے خلع کس چیز کا ہوگا اور رجعی کی عدت میں ہے تو خلع ہوسکتا ہے۔ (الدر المختار ورد المحتار کتاب الطلاق باب الخلع ج ۵ ص ۸۵-۸۹)

مسئلہ ۹: شوہر نے کہا کہ میں نے تجھ سے خلع کیا اور مال کا ذکر نہیں کیا تو یہ خلع نہیں بلکہ طلاق ہے اور عورت کے قبول کرنے پر موقوف نہیں۔ (بدائع الصنائع کتاب الطلاق فصل رکن الخلع ج ۳ ص ۲۲۹)

مسئلہ ۱۰: شوہر نے کہا: میں نے تجھ سے اتنے پر خلع کیا، عورت نے جواب میں کہا: ہاں، تو اس سے کچھ نہیں ہوگا جب تک یہ نہ کہے کہ میں راضی ہوئی یا جائز کہا، یہ کہا تو صحیح ہوگا، یوں ہی اگر عورت نے کہا: مجھے ہزار روپیہ کے بدلے میں طلاق دے دے، شوہر نے

کہا: ہاں! تو یہ بھی کچھ نہیں اور اگر عورت نے کہا کہ مجھ کو ہزار روپیہ کے بدلے میں طلاق ہے شوہر نے کہا: ہاں تو طلاق ہو گی۔

(الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثامن فی الخلع و مافی حکمہ، الفصل الاول ج ۱ ص ۴۸۸)

مسئلہ ۱۲: خلع کسی مقدار معین پر ہوا اور عورت مدخولہ ہے اور مہر پر عورت نے قبضہ کر لیا ہے جو ٹھہرا ہے شوہر کو دے اور اس کے علاوہ شوہر کچھ نہیں لے سکتا، اور مہر عورت کو نہیں ملا ہے تو اب عورت مہر کا مطالبہ نہیں کر سکتی اور جو ٹھہرا ہے شوہر کو دے۔

(الفتاویٰ الہندیہ کتاب الطلاق الباب الثامن فی الخلع و مافی حکمہ، الفصل الاول ج ۱ ص ۴۸۸-۴۹۰)

مسئلہ ۱۴: جو مہر عورت کا شوہر پر ہے اس کے بدلے میں خلع ہوا یا طلاق اور شوہر کو معلوم ہے کہ اس کا مجھ پر کچھ نہیں تو اس سے کچھ نہیں لے سکتا، خلع کی صورت میں طلاق بائن ہو گی اور طلاق کی صورت میں رجعی۔

(الفتاویٰ الخانیہ کتاب الطلاق، باب الخلع ج ۱ ص ۲۵۷)

مسئلہ ۱۵: یوں خلع ہوا کہ جو کچھ شوہر سے لیا ہے واپس کرے اور عورت نے جو کچھ لیا تھا فروخت کر ڈالا یا ہبہ کر کے قبضہ دلا دیا کہ وہ چیز شوہر کو واپس نہیں کر سکتی تو وہ چیز اگر قیمتی ہے تو وہ چیز دے گی اور اگر مثلی ہے تو اس کی مثل۔

(الفتاویٰ الخانیہ کتاب الطلاق، باب الخلع ج ۱ ص ۲۵۸)

مسئلہ ۱۹: شراب و خنزیر و مردار وغیرہ ایسی چیز پر خلع ہوا جو مال نہیں تو طلاق بائن پڑ گئی اور عورت پر کچھ واجب نہیں اور اگر ان چیزوں کے بدلے میں طلاق دی تو رجعی واقع ہو گی۔ (الدر المختار کتاب الطلاق باب الخلع ج ۵ ص ۹۶)

مسئلہ ۲۲: کوئی جانور، گھوڑا، خچر، بیل وغیرہ بدل خلع قرار دیا اور اس کی صفت بھی بیان کر دی تو اوسط درجہ کا دینا واجب آئے گا اور عورت کو بھی یہ اختیار ہے کہ اس کی قیمت دے دے اور جانور کی صفت بیان نہ کی ہو تو جو کچھ مہر میں لے چکی ہے وہ واپس کرے۔ (الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثامن فی الخلع و مافی حکمہ الفصل الثانی ج ۱ ص ۴۹۵)

مسئلہ ۲۳: عورت سے کہا: میں نے تجھ سے خلع کیا، عورت نے کہا: میں نے قبول کیا تو اگر وہ لفظ شوہر نے بہ نیت طلاق کہا تھا طلاق بائن واقع ہو گئی اور مہر ساقط نہ ہو گا، بلکہ اگر عورت نے قبول نہ کیا ہو جب بھی یہی حکم ہے اور اگر شوہر یہ کہتا ہے کہ میں نے طلاق کی نیت سے نہ کیا تھا تو طلاق واقع نہ ہو گی جب تک عورت قبول نہ کرے اور اگر یہ کہا تھا کہ فلاں چیز کے بدلے میں نے، تجھ سے خلع کیا تو جب تک عورت قبول نہ کرے گی طلاق واقع نہ ہو گی اور عورت کے قبول کرنے کے بعد اگر شوہر کہے: میری مراد طلاق نہ تھی تو اس کی بات نہ مانی جائے گی۔ (الفتاویٰ الخانیہ، کتاب الطلاق باب الخلع ج ۱ ص ۲۵۷)

مسئلہ ۲۶: عورت کہتی ہے: میں نے سو روپے میں طلاق دینے کو کہا تھا، شوہر کہتا ہے: نہیں، بلکہ ہزار کے بدلے تو عورت کا قول معتبر ہے اور دونوں نے گواہ پیش کیے تو شوہر کے گواہ قبول کیے جائیں، یوں ہی اگر عورت کہتی ہے: بغیر کسی بدلے کے خلع ہوا اور شوہر کہتا ہے: نہیں، بلکہ ہزار روپے کے بدلہ میں تو عورت کا قول معتبر ہے اور گواہ شوہر کے مقبول۔

(الفتاویٰ الہندیہ کتاب الطلاق، الباب الثامن فی الخلع و مافی حکمہ، الفصل الثالث ج ۱ ص ۴۹۹)

مسئلہ ۵۷: نابالغہ نے اپنا خلع خود کرایا اور سمجھ والی ہے تو طلاق واقع ہو جائے گی مگر مال واجب نہ ہو گا اور اگر مال کے بدلے طلاق دلوائی تو طلاق رجعی ہو گی۔ (الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثامن فی الخلع و مافی حکمہ ج ۱ ص ۵۰۴)

مسئلہ ۵۸: نابالغ لڑکا نہ خود خلع کر سکتا ہے اور نہ اس کی طرف سے اس کا باپ۔

(ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب الخلع مطلب فی خلع الصغیرۃ، ج ۵ ص ۱۱۳)

(بہارِ شریعت حصہ ۸ ص ۱۹۴-۲۰۵، مکتبۃ المدینہ، ۱۴۳۰ھ)

۱۳۔ بَابُ: الشِّقَاقِ وَهَلْ يُشِيرُ بِالْخُلْعِ عِنْدَ الضَّرُورَةِ

شوہر اور بیوی کے درمیان نا اتفاقی کا بیان، اور کیا ضرورت کے وقت خلع کی طرف اشارہ کرے؟

باب کے عنوان کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جب شوہر اور بیوی کے درمیان نا اتفاقی ہو اور اختلاف ہو یا جھگڑا ہو اور کوئی قرینۂ حالیہ یا مقالیہ اس نزاع پر دلالت کرتا ہو تو اس وقت شوہر اور بیوی میں سے کوئی ایک یا ان کا ولی حاکم کے سامنے ان کا مقدمہ پیش کرے، پھر اگر ضرورت ہو یا بیوی کو شوہر سے ضرر پہنچنے کا خطرہ ہو تو کیا بیوی کے لئے جائز ہے کہ وہ شوہر سے خلع حاصل کرلے؟ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾ (النساء:۳۵)

اور (اے مسلمانو!) اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف عورت کی طرف سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں منصف صلح کرانے کا ارادہ کریں تو اللہ ان دونوں زن و شوہر کے درمیان اتفاق پیدا کر دے گا، بے شک اللہ بے حد جاننے والا بہت خبر رکھنے والا ہے O

آیتِ مذکورہ کی تفصیل

اس آیت میں حکام سے خطاب ہے اور دو منصفوں میں سے ایک منصف مرد کی طرف سے ہوگا یعنی شوہر کی طرف سے اور دوسرا منصف بیوی کی طرف سے ہوگا اور اگر ان دونوں منصفوں کا کسی فیصلہ پر اتفاق ہو تو ان کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا اور اگر ان کا فیصلہ میں اختلاف ہو تو پھر ان کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔

منصفوں کے فیصلہ کے نفاذ کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ عینی فرماتے ہیں:

جب دونوں منصف اس پر اتفاق کرلیں کہ شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق کر دی جائے تو اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور الاوزاعی اور اسحاق نے کہا ہے کہ کسی وکیل کے اور زوجین کی اجازت کے بغیر ان کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا، اور فقہاءِ احناف اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا ہے کہ اس فیصلہ کے نفاذ میں اجازت کی ضرورت ہے کیونکہ نکاح کی گرہ خاوند کے ہاتھ میں ہے، پس اگر خاوند نے طلاق کی اجازت دے دی تو فبہا ورنہ حاکم طلاق نافذ کر دے گا۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: دو منصفوں کے

سبب سے اللہ تعالیٰ شوہر اور بیوی کو جمع کرتا ہے اور ان ہی کے سبب سے ان کے درمیان تفریق کرتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۹۹)

اور الشعبی نے کہا: دو منصف جو فیصلہ کریں وہ جائز ہے، اور ابو سلمہ نے کہا: دو منصف اگر چاہیں تو شوہر اور بیوی کو جمع کر دیں اور اگر وہ چاہیں تو ان کے درمیان تفریق کر دیں، اور مجاہد نے بھی اس کی مثل کہا ہے اور حسن بصری سے روایت ہے کہ جب دو منصفوں کا باہم اختلاف ہو تو وہ اس کا فیصلہ کسی اور کے حوالہ کر دیں اور اگر ان کے درمیان اتفاق ہو تو ان کا فیصلہ جائز ہے۔

عامر سے سوال کیا گیا کہ ایک شوہر اور اس کی بیوی نے کسی مرد کو منصف بنایا، پھر ان کی رائے یہ ہوئی کہ وہ اس سے رجوع کر لیں تو عامر نے کہا: یہ ان کے اختیار میں ہے جب تک کہ وہ منصف کلام نہ کریں اور جب انہوں نے کلام کر لیا تو ان کے لئے اس منصف سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔

اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا کہ جب دو منصف شوہر اور بیوی کے درمیان تین طلاقیں واقع کر دیں تو انہوں نے کہا: یہ تین طلاقیں نافذ نہیں ہوں گی اور منصفوں کو ایک طلاقِ بائن سے زیادہ طلاق دینے کا اختیار نہیں ہے۔

اور ابن القاسم مالکی نے کہا کہ اگر دونوں منصف تین طلاق پر متفق ہو جائیں تو تین طلاقیں واقع ہوں گی اور المغیرہ، اشعب، ابن الماجشون اور اصبغ نے بیان کیا کہ ابن المواز نے کہا ہے کہ اگر ایک منصف ایک طلاق کا فیصلہ کرے اور دوسرا منصف تین طلاقوں کا فیصلہ کرے تو یہ ایک طلاق ہوگی اور ابن حبیب نے اصبغ سے روایت کی ہے کہ یہ فیصلہ کچھ بھی نہیں ہے۔

(میں کہتا ہوں: یہ سب مالکی فقہاء ہیں۔ سعیدی غفرلہ) (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۷۷، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

دو منصف مقرر کرنے کے ثبوت میں احادیث، آثار اور اقوالِ فقہاء

علامہ ابو بکر محمد بن ابراہیم المنذر الشافعی النیشاپوری متوفی ۳۱۸ھ دو منصفوں کے متعلق لکھتے ہیں:

اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ امام یا سربراہِ ملک زوجین کے درمیان اختلاف کی صورت میں ایک منصف بیوی کی طرف سے مقرر کرے اور ایک منصف شوہر کی طرف سے مقرر کرے، پھر فقہاء کی ایک جماعت نے یہ کہا کہ اس کا فیصلہ دو منصفوں کی طرف مفوض ہے، اگر ان دونوں کی رائے یہ ہو کہ ان کو اکٹھا کر دیا جائے تو زوجین کو اکٹھا کر دیا جائے گا اور اگر ان کی رائے یہ ہو کہ ان کے درمیان تفریق کر دی جائے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے کہ ان کے پاس ایک مرد اور اس کی بیوی آئی اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ لوگوں کی جماعت تھی تو حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ ایک منصف شوہر کی طرف سے مقرر کریں اور ایک منصف بیوی کی طرف سے مقرر کریں، سو انہوں نے ایسا کر لیا، پھر حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے ان دونوں منصفوں کو بلا کر فرمایا: کیا تم کو معلوم ہے کہ تم پر کیا ذمہ داری ہے؟ اگر تمہاری رائے یہ ہو کہ ان کے درمیان صلح کرانے کے بعد ان کو اکٹھا کر دیا جائے تو ان کو اکٹھا کر دو، اور اگر تمہاری رائے یہ ہو کہ ان کے درمیان تفریق کر دی جائے تو تم ان کے درمیان تفریق کر دو، بیوی نے کہا: میں اللہ عزوجل کی کتاب کے فیصلہ پر راضی ہوں خواہ وہ فیصلہ میرے حق میں ہو یا میرے خلاف ہو، پس شوہر نے کہا: رہی تفریق تو میں اس پر راضی نہیں، تب حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا حتیٰ کہ تم اس پر راضی ہو جاؤ جس پر تمہاری بیوی راضی ہوئی ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۸۸۳، مسند الشافعی ج ۲ ص ۴۰۰، تفسیر طبری ج ۴ ص ۴۷، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۰۵، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۰۵)

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: مجھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متوفی ۶۰ھ کو منصف مقرر کیا گیا، پس ہم سے یہ کہا گیا کہ اگر تمہاری رائے یہ ہو کہ شوہر اور بیوی کو صلح کرانے کے بعد اکٹھا کر دیا جائے تو ان کو اکٹھا کر دو اور اگر تمہاری رائے یہ ہو کہ ان کے درمیان تفریق کر دی جائے تو تم ان کے درمیان تفریق کر دو۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۸۸۵، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

نیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ دو منصف جو بھی فیصلہ کریں وہ جائز ہے۔

اور اسی طرح الشعبی نے کہا اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن، اور سعید بن جبیر نے بیان کیا ابراہیم النخعی نے کہا کہ دو منصف خواہ ایک طلاق واقع کریں یا دو طلاق واقع کریں یا تین طلاق واقع کریں تو یہ جائز ہے۔

اور امام مالک نے کہا: بہترین بات وہ ہے جو میں نے اہل علم سے سنی کہ دو منصف خواہ شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق کا فیصلہ کریں یا اجتماع کا فیصلہ کریں تو ان کا فیصلہ جائز ہے اور انہوں نے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کی مذکور الصدر حدیث سے استدلال کیا ہے۔

(شرح الزرقانی علی موطا امام مالک، للامام محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المالکی المصری المتوفی ۱۱۲۲ھ ج ۳ ص ۲۷۵، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۱۷ھ)

امام الاوزاعی نے کہا کہ شوہر اور بیوی پر ان کے اختلاف کی صورت میں منصفوں کا فیصلہ جائز ہے، اس فیصلہ کو حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جائز قرار دیا ہے اور یہی اسحاق بن راہویہ کا قول ہے۔ (مسائل احمد و اسحاق: ۱۰۱۳)

علامہ ابن المنذر الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ فرماتے ہیں: ہم بھی یہی کہتے ہیں، کیونکہ یہ قول قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ کے موافق ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝ (النساء: ۳۵)

اور (اے مسلمانو!) اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف عورت کی طرف سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں منصف صلح کرانے کا ارادہ کریں تو اللہ ان دونوں (زن و شوہر) کے درمیان اتفاق پیدا کر دے گا، بیشک اللہ بے حد جاننے والا بہت خبر رکھنے والا ہے ۝

سو اس آیت میں حکام سے خطاب فرمایا ہے اور جب یہ مقدمہ حکام کی طرف مفوض ہے تو اس میں یہ دلیل کہ زن و شوہر کے درمیان تفریق کرنا بھی ان کی رائے کی طرف مفوض ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان منصفوں کے تقرر کا کوئی فائدہ نہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کی حدیث اس قول کی صحت پر دلیل ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ علم قرآن کے بہت بڑے عالم ہیں اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔

اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ دو منصف شوہر اور بیوی کے درمیان اس وقت تک تفریق نہ کریں جب تک کہ ان کو تفریق کا اختیار نہ دیا جائے، عطاء نے بھی اسی طرح کہا ہے۔

اور الحسن البصری نے کہا ہے کہ دو منصفوں کو اس لیے مقرر کیا گیا ہے تا کہ وہ ظالم کے ظلم کی شہادت دیں، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ خاوند کی اجازت کے بغیر دو منصف ان کے درمیان تفریق نہ کریں۔

(کتاب الام ج ۵ ص ۲۷۶، دارالفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۳۴۱-۳۴۳، دارالفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اس عنوان کی شرح میں وہی کچھ لکھا ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۲ھ اور علامہ ابن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں۔

۵۲۷۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ الزُّهْرِيِّ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ إِنَّ بَنِي الْمُغِيرَةِ اسْتَأْذَنُوانِي أَنْ يَنْكِحَ عَلِيٌّ ابْنَتَهُمْ فَلَا آذَنُ۔

(صحیح البخاری: ۵۲۳۰، صحیح مسلم: ۲۴۴۹، سنن ابوداؤد: ۲۰۷۱، سنن ابن ماجہ ۱۹۹۸، مسند احمد: ۱۸۴۴۷)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از ابن ابی ملیکہ از حضرت المسور بن مخرمہ الزہری، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک بنی المغیرہ نے مجھ سے اجازت طلب کی ہے کہ علی ان کی بیٹی سے نکاح کرلیں، پس میں اجازت نہیں دیتا۔

یہ حدیث زیادہ تفصیل کے ساتھ درج ذیل ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ متوفی ۶۴ھ بیان کرتے ہیں: میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر فرما رہے تھے کہ بنی ہشام بن المغیرہ نے اس بات کی اجازت طلب کی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی بن ابی طالب سے کر دیں، میں اجازت نہیں دیتا، پھر میں اجازت نہیں دیتا، پھر میں اجازت نہیں دیتا سوا اس کے کہ ابوطالب کا بیٹا میری بیٹی کو طلاق دے دے اور ان کی بیٹی سے نکاح کر لے، کیونکہ میری بیٹی میرے جسم کا حصہ ہے، جو چیز اس کو رنج پہنچاتی ہے وہ مجھے رنج پہنچاتی ہے اور مجھے وہ چیز ایذاء پہنچاتی ہے جو اس کو ایذاء پہنچاتی ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۲۳۰)

علامہ ابن بطال مالکی کا امام بخاری پر اعتراض

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ امام بخاری نے حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ متوفی ۶۴ھ کی حدیث کو اس باب میں داخل کرنے سے یہ ارادہ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''میں علی کو ان کی بیٹی سے نکاح کرنے کی اجازت نہیں دیتا''، اس ارشاد کو خلع قرار دیا گیا ہے اور امام بخاری کا یہ استدلال قوی نہیں ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اس حدیث میں ارشاد ہے کہ میں اس صورت میں اجازت دوں گا جب ابوطالب کا بیٹا میری بیٹی کو طلاق دے دے۔ پس یہ حدیث طلاق پر دلیل ہے نہ کہ خلع پر اور اگر امام بخاری کا یہ ارادہ ہو کہ وہ طلاق کی دلیل سے خلع پر استدلال کریں تو یہ ایک دلیل سے دوسری دلیل پر استدلال ہے اور یہ استدلال ضعیف ہے۔ اس حدیث سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب شوہر اور بیوی کے درمیان نزاع ہو اور اس نزاع کے خوف

کی وجہ سے طلاق کی طرف اشارہ ہے اور اس حدیث میں قطع ذرائع سے حکم لگانا ہے کیونکہ جب شوہر اور بیوی کے درمیان اختلاف زیادہ ہو جائے تو اس اختلاف کو ختم کرنے کے لیے طلاق دینا ناگزیر ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شوہر اور بیوی کے درمیان اختلاف کی صورت میں دو منصفوں کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ۝ (النساء:۳۵)

اور (اے مسلمانو!) اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہو تو ایک منصف مرد کی طرف سے مقرر کرو اور ایک منصف عورت کی طرف سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں منصف صلح کرانے کا ارادہ کریں تو اللہ ان دونوں زن و شوہر کے درمیان اتفاق پیدا کردے گا، بیشک اللہ بے حد جاننے والا بہت خبر رکھنے والا ہے ۝

اور ان دو منصفوں میں سے ایک منصف مرد کے اہل کی طرف سے ہوگا اور دوسرا منصف عورت کے اہل کی طرف سے ہوگا اور جب ان کا فیصلہ میں اختلاف ہو تو ان کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا اور ان کا فیصلہ اسی وقت نافذ ہوگا جب ان کا فیصلہ میں اتفاق ہو۔

منصفوں کے دائرہ اختیار کے متعلق مذاہب فقہاء

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب منصف تفریق کا فیصلہ کریں تو آیا زوجین کی طرف سے کسی کو وکیل بنا کر بھیجنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ سو امام مالک، الاوزاعی اور اسحاق نے کہا کہ خواہ منصف تفریق کا فیصلہ کریں یا اجتماع کا فیصلہ کریں تو اس میں زوجین کی طرف سے کسی کو وکیل بنانے کی ضرورت نہیں ہے نہ ان کی اجازت کی ضرورت ہے۔ حضرت عثمان متوفی ۳۵ھ حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم متوفی ۶۸ھ سے اسی طرح روایت ہے، اور الشعبی اور النخعی سے بھی اسی طرح روایت ہے اور فقہاء احناف اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ منصفوں کے لئے تفریق کا فیصلہ کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ خاوند منصفوں کو تفریق کا اختیار نہ دے دے اور عطاء، الحسن البصری اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کے قول سے شوہر کے لئے استدلال کیا ہے کہ زوجین کے درمیان زوج کی مرضی کے بغیر تفریق نہ کی جائے، انہوں نے کہا کہ متفقہ قاعدہ یہ ہے کہ طلاق دینا شوہر کے اختیار میں ہے۔ اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ دو منصف تین طلاقیں دیں تو ایک طلاق واقع ہوگی اور ان کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ ایک طلاق بائن سے زیادہ طلاقیں دیں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۲۸-۴۲۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن بطال مالکی کے اعتراض کا علامہ ابن المنیر کی طرف سے جواب

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری: ۵۲۷۸ کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ امام بخاری نے اس باب میں اس حدیث کو وارد کرکے اس پر استدلال کیا ہے کہ یہ حدیث بھی خلع کے باب سے ہے لیکن یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ صحیح البخاری:

۵۲۳۰، میں یہ تصریح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں علی بن ابی طالب کو بنی مغیرہ کی بیٹی کے ساتھ نکاح کی اجازت نہیں دیتا، الایہ کہ وہ میری بیٹی کو طلاق دے دیں" اس سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں طلاق پر دلالت ہے نہ کہ خلع پر۔

علامہ ابن المنیر نے کہا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا: میں بنو مغیرہ کو اجازت نہیں دیتا" اس سے آپ نے یہ اشارہ فرمایا کہ حضرت مولیٰ علی بنو مغیرہ کی بیٹی سے نکاح نہیں کر سکتے اور آپ نے مولا علی رضی اللہ عنہ کو یہ اجازت اس لئے نہیں دی تاکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دل میں جو طبعی غیرت ہے اس کی حفاظت کی جائے اور جب یہ ثابت ہو گیا تو معلوم ہوا کہ مصلحت کی وجہ سے نکاح کو منقطع کیا جا سکتا ہے اور یہی خلع کا معنی ہے۔ (المتواری ص ۲۹۳-۲۹۴)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۲۷، وزارۃ الاوقاف قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن بطال مالکی کے اعتراض کا علامہ کرمانی کی طرف سے جواب اور حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری: ۵۲۷۸ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں منصفوں کے دائرہ اختیار کے بارے میں لکھا ہے جس کو ہم مختلف حوالوں سے بیان کر چکے ہیں، پھر علامہ ابن بطال کے امام بخاری پر اعتراض اور علامہ ابن المنیر کے جواب کو لکھا ہے، پھر اس کے بعد لکھا ہے:

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ علامہ ابن بطال مالکی کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس حیثیت سے ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنو مغیرہ کی بیٹی سے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے نکاح پر راضی نہیں تھیں، اس وجہ سے حضرت مولیٰ علی اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان نزاع اور شقاق کا خطرہ تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نزاع اور شقاق کو دور کرنے کا ارادہ کیا بایں طور کہ حضرت مولیٰ علی کو بنو مغیرہ کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرما دیا اور یہ مناسبت جیدہ ہے۔ (الکواکب الدراری جز ۱۹ ص ۲۰۰، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۴۰۱ھ)

اور النساء: ۳۵ اور صحیح البخاری ۵۲۷۸ سے یہ معلوم ہوا کہ سدِ ذرائع پر عمل کرنا چاہیے یعنی حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا بنو مغیرہ کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا ان کے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے درمیان نزاع اور شقاق کا سبب تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نزاع اور شقاق کو روکنے کے لیے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو بنو مغیرہ کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنے سے منع فرما دیا۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دو منصفوں کو مقرر کرنے کا حکم دیا ہے تاکہ شوہر اور بیوی کے درمیان جھگڑے سے پہلے اس کا سدِ باب ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں جو فرمایا ہے: اور (اے مسلمانو!) اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان جھگڑے کا خطرہ ہو۔ (النساء: ۳۵) اس خوف اور خطرہ سے مراد نزاع اور شقاق کی علامات ہیں جن کی وجہ شوہر اور بیوی کے درمیان بدمزگی ہو اور وہ ایک دوسرے کے حقوق ادا نہ کریں۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۷۳، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۲۷۸، حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس لیے ہم ان کا تعارف اور تذکرہ پیش کر رہے ہیں:

حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا تعارف اور تذکرہ

حافظ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت المسور بن مخرمہ بن نوفل القرشی ابو عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما، ہجرت کے دو سال بعد مکہ میں پیدا ہوئے اور ان کے والدان کو

ذی الحجہ ۸ ھ میں مدینہ منورہ لے کر آئے، یہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے چار ماہ چھوٹے تھے اور جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت حضرت مسور کی عمر آٹھ (۸) سال تھی، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث کو سنا اور ان کو یاد رکھا اور انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف اور حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہم سے احادیث روایت کی ہیں۔ یہ فقیہ تھے، صاحب فضیلت تھے اور متقی اور پرہیز گار تھے اور یہ ہمیشہ اپنے ماموں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ مشورہ میں شریک رہتے تھے اور یہ مدینہ میں ہی رہے حتیٰ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا گیا، پھر یہ مکہ مکرمہ واپس چلے گئے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک مکہ میں رہے حتیٰ کہ جب یزید نے الحصین بن نمیر کو مکہ میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ ھ کے خلاف قتال کے لیے روانہ کیا اور یہ واقعہ محرم کے آخر یا صفر کے شروع کا ہے، اس نے مکہ کا محاصرہ کر لیا، اس محاصرے اور جنگ کے درمیان حضرت المسور بن مخرمہ کو المنجنیق سے مارے ہوئے پتھر آ کر لگے، اس وقت حضرت المسور حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے اور ان پتھروں نے ان کو شہید کر دیا، یہ یکم ربیع الاول چونسٹھ (۶۴) ھ کا واقعہ ہے، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے مقام الحجون میں ان کی نماز جنازہ پڑھائی، جس وقت ان کی وفات ہوئی اس وقت ان کی عمر بہتر (۷۲) سال تھی۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۳ ص ۴۵۵-۴۵۶، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ ھ)

حافظ صفی الدین احمد بن عبد اللہ الخزرجی المتوفی ۹۲۳ ھ لکھتے ہیں:

حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما کی والدہ کا نام الشفاء ہے جو حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بہن تھیں، ان سے بائیس (۲۲) احادیث کی روایت کی گئی جن میں سے دو حدیثوں پر امام بخاری اور امام مسلم دونوں متفق ہیں اور چار (۴) حدیثوں کے ساتھ امام بخاری منفرد ہیں اور ایک حدیث کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں، حضرت المسور بن مخرمہ سے حضرت علی بن حسین اور عروہ اور ایک جماعت نے احادیث کی روایت کی ہے، جس وقت حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کیا گیا تھا تو اس وقت یہ حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے تو منجنیق سے پھینکے گئے پتھر آ کر ان پر لگے اور یہ پانچ دن کے بعد چونسٹھ (۶۴) ہجری میں وفات پا گئے۔

(خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۳ ص ۹۸-۹۹، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۲ ھ، تہذیب الکمال ج ۲۷ ص ۸۵، تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۵۱)۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے لکھا ہے کہ حضرت المسور اور ان کے والد دونوں صحابی ہیں۔ (تقریب التہذیب: ۶۶۹۴)

۱۴۔ بَابٌ: لَا يَكُونُ بَيْعُ الْأَمَةِ طَلَاقًا

اس کا بیان کہ باندی کو فروخت کرنا اس کی طلاق نہیں ہے

۵۲۷۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللهِ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنْ عَائِشَةَ رضي الله عنها زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ كَانَ فِي بَرِيرَةَ ثَلَاثُ سُنَنٍ إِحْدَى السُّنَنِ أَنَّهَا أُعْتِقَتْ فَخُيِّرَتْ فِي زَوْجِهَا وَقَالَ رَسُولُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی از ربیعہ بن ابو عبد الرحمٰن از القاسم بن محمد از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا میں تین خصلتیں تھیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب ان کو آزاد

اللّٰہ ﷺ الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ وَدَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ وَالْبُرْمَةُ تَفُورُ بِلَحْمٍ فَقُرِّبَ إِلَيْهِ خُبْزٌ وَأُدُمٌ مِنْ أُدُمِ الْبَيْتِ فَقَالَ أَلَمْ أَرَ الْبُرْمَةَ فِيهَا لَحْمٌ قَالُوا بَلَى وَلٰكِنْ ذٰلِكَ لَحْمٌ تُصُدِّقَ بِهِ عَلَى بَرِيرَةَ وَأَنْتَ لَا تَأْكُلُ الصَّدَقَةَ قَالَ عَلَيْهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ۔

(صحیح البخاری: ۵۰۹۷، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۲۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹، مسند احمد: ۲۴۵۲۲)

کیا گیا تو انہیں ان کے خاوند کے متعلق اختیار دیا گیا (کہ وہ ان کے نکاح میں برقرار رہیں یا نہ رہیں) دوسری خصلت یہ تھی کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے فرمایا: الولاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے اور تیسری خصلت یہ تھی کہ رسول اللّٰہ ﷺ گھر میں تشریف لائے، اس وقت دیگچی میں گوشت ابل رہا تھا، پس آپ کے پاس روٹی اور گھر کے سالنوں میں سے کوئی سالن پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا: کیا میں نہیں دیکھ رہا کہ دیگچی میں گوشت پک رہا ہے، گھر والوں نے کہا: کیوں نہیں لیکن اس گوشت کو بریرہ پر صدقہ کیا گیا ہے اور آپ صدقہ نہیں کھاتے، آپ نے فرمایا: یہ اس پر صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے۔

حدیث مذکور کے باب کے عنوان کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ شادی شدہ باندی کو فروخت کرنا اس کی طلاق نہیں ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ متوفی ۳۱ھ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ھ اور تمام فقہاء کا یہی مذہب ہے اور دوسرے فقہا نے کہا ہے کہ باندی کو فروخت کرنا اس کی طلاق ہے اور یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۲ھ یا ۳۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور ابن المسیب، حسن بصری اور مجاہد کا مذہب ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ کا مختار یہ ہے کہ اس شادی شدہ باندی کو خیار عتق دیا جاتا ہے جس کا خاوند غلام ہو۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس عنوان میں ان فقہاء کے قول کو ترجیح دی ہے جنہوں نے کہا ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند غلام تھے اور امام بخاری نے اوائل نکاح میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ کی روایت سے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا قصہ اس عنوان سے بیان کیا ہے ''باب الحرۃ تحت العبد'' یعنی جو آزاد عورت غلام کے نکاح میں ہو، اور اس عنوان میں بھی امام بخاری نے اس پر وثوق کیا ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند غلام تھے اور اس کی تفصیل اس باب میں آئے گی جو اس کے بعد آ رہا ہے۔

علامہ ابن المنیر نے یہاں پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس باب کی حدیث میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند غلام تھے اور حضرت بریرہ کو خیار عتق دینا اس پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ مخالف کا یہ دعویٰ ہے کہ باندی کو خیار عتق دینے میں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام ہو اور اس کا یہ جواب کہ امام بخاری کا یہ عنوان ان کی عادت کے مطابق جاری ہے

کہ وہ اس چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ان کی وارد کی ہوئی بعض احادیث میں مذکور ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا قصہ متعدد نہیں ہے اور امام بخاری کے نزدیک راجح یہ ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند غلام تھے اسی لیے انہوں نے اس عنوان میں لکھا "اس باندی کو اختیار دینا جو غلام کے نکاح میں ہو" اور اس باب کے عنوان کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جب باندی آزاد مرد کے نکاح میں ہو پھر اس کو آزاد کر دیا جائے تو اس کے لئے خیار عتق نہیں ہوگا اور فقہاء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کے متعلق محدثین کا اختلاف کہ آیا وہ آزاد مرد تھے یا غلام تھے؟

جمہور محدثین کا یہی موقف ہے کہ باندی کو خیار عتق دیا جاتا ہے (یعنی آزاد ہونے کے بعد باندی کو اختیار ہے کہ وہ سابق شوہر کے نکاح کو برقرار رکھے یا اس کو مسترد کر دے) اور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ جس باندی کو آزاد کر دیا جائے اس کو خیارِ عتق دیا جاتا ہے خواہ وہ اس سے پہلے کسی آزاد مرد کے نکاح میں ہو یا کسی غلام کے نکاح میں ہو، ان کا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

حضرت الاسود بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ ھ نے بتایا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر آزاد تھے (اس حدیث کے راوی میں اختلاف ہے آیا یہ حضرت اسود کا قول ہے یا حضرت عائشہ کا قول ہے یا کسی اور کا قول ہے جیسا کہ عنقریب میں بیان کروں گا) ابراہیم بن ابی طالب نے کہا جو حفاظ حدیث میں سے ایک ہیں اور وہ امام مسلم متوفی ۲۶۱ ھ کے معاصر ہیں جیسا کہ امام بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ نے ان سے روایت کی ہے کہ حضرت اسود نے حضرت بریرہ کے خاوند کے متعلق لوگوں کی مخالفت کی ہے۔

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند آزاد مرد تھے جیسا کہ فقط اسود سے روایت ہے اور ان کے علاوہ دوسروں کی جو روایت ہے وہ اس درجہ کی نہیں ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ سے اور دوسروں سے صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند غلام تھے اور اس کی علماء مدینہ نے روایت کی ہے اور جب علماء مدینہ کسی حدیث کی روایت کریں اور اس کے موافق عمل کریں تو وہ صحیح ترین حدیث ہوتی ہے۔

اور جب اس باندی کو آزاد کیا جائے جو کسی غلام کے نکاح میں ہو تو اس کا وہ عقد جس کی صحت پر اتفاق ہو کسی ایسے امر سے فسخ نہیں کیا جائے گا جس میں اختلاف ہو اور دو ابواب کے بعد اس کی مزید تفصیل آئے گی۔

دو مختلف روایتوں میں تطبیق دینے کا ضابطہ

بعض فقہاء احناف نے ان کی روایت کو ترجیح دینے کا ارادہ کیا جس میں مذکور ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند آزاد مرد تھے، انہوں نے اس روایت کو ان کی روایت پر ترجیح دی ہے کہ جس میں مذکور ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند غلام مرد تھے، پس انہوں نے کہا کہ غلام کو آزاد کیا جاتا ہے نہ کہ آزاد کو غلام بنایا جاتا ہے اور ان کا قول درست ہے لیکن احادیث میں اس وقت تطبیق دی جاتی ہے جب وہ احادیث قوت میں مساوی درجہ کی ہوں لیکن جب ایک حدیث قوی ہو اور دوسری حدیث منفرد اور شاذ ہو تو شاذ روایت مردود ہوتی ہے، اسی وجہ سے حضرت بریرہ کے خاوند کے آزاد اور غلام ہونے کی دو مختلف روایتوں کے درمیان جمہور نے تطبیق نہیں دی حالانکہ وہ کہتے ہیں: جب دو مختلف روایتوں میں تطبیق ممکن ہو تو ایک روایت کو دوسری روایت پر ترجیح نہیں دی جاتی۔

اور محققین کے کلام کا خلاصہ یہ ہے جس کو امام شافعی اور ان کے متبعین نے بھی اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ دو مختلف روایتوں کو اس وقت جمع کیا جاتا ہے جب ان میں سے کوئی ایک روایت غلط نہ ہو اور بعض نے یہ کہا ہے کہ جب دو مختلف روایتیں قوت میں مساوی ہوں تو ان میں تطبیق دی جاتی ہے۔

اس روایت کو ترجیح جس میں مذکور ہے کہ شادی شدہ باندی جب غلام کے نکاح میں ہو تو آزاد ہونے کے بعد اس کو خیارِ عتق حاصل ہوگا اور اس کا نکاح سابق کو مسترد کرنا آیا طلاق ہے یا فسخِ نکاح؟

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ نے کہا ہے کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب شادی شدہ باندی جو کسی غلام کے نکاح میں ہو پھر اس کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو خیارِ عتق دیا جاتا ہے تو وہ چاہے تو اپنے سابق شوہر کے نکاح میں رہے اور چاہے تو نہ رہے اور اس کا معنی ظاہر ہے کیونکہ غلام اکثر احکام میں آزاد عورت کا کفو نہیں ہے، پس جب شادی شدہ باندی آزاد کی جائے گی تو اس کے لیے خیارِ عتق ثابت ہوگا، پس وہ چاہے تو اس غلام کے ساتھ نکاح کو برقرار رکھے اور اگر چاہے تو اس نکاح کو مسترد کر دے کیونکہ وہ باندی عقدِ نکاح کے وقت اہلِ اختیار میں سے نہیں تھی، اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ باندی کے لئے خیارِ عتق ہوتا ہے خواہ وہ آزاد مرد کے نکاح میں ہو کیونکہ عقدِ تزویج کے وقت اس باندی کی رائے کا اعتبار نہیں تھا اس لئے کہ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ باندی کے مالک کو یہ اختیار ہے کہ وہ اس کا نکاح اس کی رضامندی کے بغیر کر دے، پس جب اس باندی کو آزاد کر دیا گیا تو اب اس کو وہ صفت حاصل ہوگئی جو اس سے پہلے حاصل نہیں تھی اور دوسرے فقہاء نے اس پر معارضہ کیا ہے کہ اگر یہ چیز موثر ہو تو آزاد نابالغہ کنواری لڑکی کے لئے بھی موثر ہوگی کیونکہ جب کنواری نابالغہ لڑکی کا نکاح اس کے والد نے کر دیا پھر وہ بالغہ ہوگئی تو پھر اس کو بھی خیارِ بلوغ ملنا چاہیے کہ اگر وہ چاہے تو بالغہ ہونے کے بعد اپنے باپ کے کیے ہوئے نکاح کو مسترد کر دے، پس اسی طرح وہ باندی جو کسی آزاد مرد کے نکاح میں ہے تو اس کو آزاد کر دینے سے ایسی صفت حاصل نہیں ہوگی کہ وہ آزاد مرد سے کیے ہوئے نکاح کو مسترد کر دے، سو وہ باندی اس کتابیہ عورت کی طرح ہوگی جو مسلمان ہو جائے اور کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور اس میں اختلاف ہے کہ جب شادی شدہ باندی اپنے شوہر سے علیحدگی کو اختیار کر لے تو آیا اس علیحدگی کو طلاق قرار دیا جائے گا یا فسخِ نکاح قرار دیا جائے گا، سو امام مالک، الاوزاعی اور اللیث نے کہا ہے کہ یہ علیحدگی طلاقِ بائنہ ہے اور الحسن البصری اور محمد بن سیرین کا قول بھی اس کی مثل ہے، امام ابوبکر بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ ھ نے اس کے موافق حدیث ذکر کی ہے اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ یہ علیحدگی فسخِ نکاح ہے طلاق نہیں ہے۔

شادی شدہ باندی کو فروخت کرنا یا اس کو آزاد کرنا آیا اس کو طلاق ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ صحیح البخاری: ۵۲۷۹، کی شرح میں لکھتے ہیں:

سلف صالحین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا باندی کو فروخت کرنا اور اس کو آزاد کرنا اس کو طلاق دینا ہے یا نہیں؟

سو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ متوفی ۳۱ ھ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ ھ سے روایت ہے کہ یہ اس کو طلاق نہیں ہے اور یہی تمام فقہاء کا مذہب ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۰۶)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ ھ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۲ ھ اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن المسیب، الحسن البصری اور مجاہد کا قول یہ ہے کہ شادی شدہ باندی کو فروخت کرنا اور اس کو آزاد کرنا اس کو

طلاق ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۰۵-۱۰۶، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ) اور ان کا استدلال قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے ہے:

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ (النساء: ۲۴)

اور تم پر وہ عورتیں حرام کی گئی ہیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں سوا کافروں کی ان عورتوں کے جن کے تم مالک بن جاؤ، یعنی جو تمہاری باندیاں ہوں۔

پس اللہ تعالیٰ نے ہم پر شادی شدہ عورتوں کے ساتھ نکاح کو حرام کر دیا ہے، مگر جو عورتیں ہماری باندیاں ہوں، وہ ہمارے لئے حلال ہیں، کیونکہ ان کو فروخت کرنا ان میں ایک نئی ملکیت کو ایجاد کرنا ہے، سو واجب ہے کہ ان سے نکاح کی حرمت کا حکم مرتفع ہو جائے اور ان کی یہ دلیل اس قیدی باندی سے باطل ہو جاتی ہے جو خاوند والی ہو۔

اور جمہور فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ شادی شدہ باندی کو فروخت کرنا اس کو طلاق نہیں ہے کیونکہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا گیا، پھر ان کو ان کے شوہر کے متعلق اختیار دیا گیا، پس اگر شادی شدہ باندی کو فروخت کرنا اس کو طلاق ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو آزاد کرنے کے بعد ان کو خیارِ عتق نہ دیتے اور ان سے یہ نہ فرماتے کہ تم چاہو تو اپنے خاوند کے نکاح میں رہو اور نیز یہ منفعت پر عقد ہے، سو واجب ہے کہ گردن کو فروخت کرنا اس عقد کو باطل نہ کرے، اس کی دلیل یہ ہے کہ جب بیع سے اجارہ باطل نہیں ہوتا تو اسی طرح بیع سے نکاح بھی باطل نہیں ہوگا، کیونکہ نکاح بھی اجارہ کی مثل ہے۔

حدیث مذکور کے دیگر فوائد

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں صحابہ ایک دوسرے کو کھانے، پینے کی چیزوں کا ہدیہ پیش کرتے تھے اور معمولی چیز کا بھی ہدیہ پیش کرتے تھے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر مجھے بکری کے اگلے پائے یا پچھلے پائے کی دعوت کی جائے تو میں ضرور اس کو قبول کروں گا۔ (صحیح البخاری: ۲۵۶۸، مسند احمد: ۱۰۲۱۲)

اسی وجہ سے جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے گوشت کا ہدیہ کیا گیا تو اس پر کسی نے انکار نہیں کیا اور نہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قبول کرنے پر کسی نے انکار کیا۔

(۲) جس شخص کو کوئی ہدیہ پیش کیا جائے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ ہو تو وہ اس ہدیہ کو مسترد نہ کرے، پس اگر وہ اس ہدیہ کے بدلہ میں کوئی ہدیہ پیش کر سکتا ہو تو وہ پیش کرے اور اگر وہ اس کے جواب میں ہدیہ نہ پیش کر سکتا ہو تو ہدیہ دینے والے کی تحسین کرے اور اس کا شکریہ ادا کرے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح مروی ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ کو قبول فرماتے تھے اور اس کے جواب میں ہدیہ دیتے تھے۔

(صحیح البخاری: ۲۵۸۵، مسند احمد: ۲۴۵۹۱، سنن ابوداؤد: ۳۵۳۶، سنن ترمذی: ۱۹۵۳، سنن نسائی: ۳۹۵۰، السنن الکبریٰ للنسائی: ۱۰۷۵۳، عمل الیوم واللیلہ للنسائی: ۹۱۷، صحیح ابن حبان: ۹۹۳) (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۵۰-۳۵۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی

متوفی ۴۴۹ھ کی شرح کو من وعن نقل کر دیا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۳۰-۳۳۲، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

شادی شدہ باندی کی عدت کے متعلق مختلف روایات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری: ۵۲۷۹ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ سے روایت کی ہے:

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو حکم دیا گیا کہ وہ تین حیض عدت گزاریں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے روایت ہے کہ وہ آزاد عورت کی عدت گزاریں، اور امام ابویعلیٰ شافعی متوفی ۳۰۷ھ اور امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی عدت مطلقہ کی عدت قرار دی ہے اور امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے اسانید صحیحہ کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ سے روایت کی ہے اور دوسروں نے کہا ہے کہ جو باندی کسی غلام کے نکاح میں ہو جب اس کو آزاد کر دیا جائے تو اس کی طلاق وہ ہے جو غلام کی طلاق ہوتی ہے اور اس کی عدت وہ ہے جو آزاد عورت کی عدت ہوتی ہے۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر گوشت کے صدقہ کے متعلق متعدد روایات

نیز صحیح البخاری: ۵۲۷۹، میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ولاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرتا ہے''۔ یہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی دوسری خصلت ہے، اس کے سبب کا بیان ''کتاب العتق'' اور ''کتاب الشروط'' میں گزر چکا ہے، نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''یہ گوشت بریرہ پر صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے''۔ اور یہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی تیسری خصلت ہے اور ان کی وجہ سے یہ تیسرا مسئلہ معلوم ہوا کہ ملک بدلنے سے عین بدل جاتا ہے۔

''کتاب الزکوٰۃ'' میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا تو گھر والوں نے کہا کہ اس گوشت کا بریرہ پر صدقہ کیا گیا ہے، اسی طرح ''کتاب الہبہ'' میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس گوشت کے متعلق پوچھا تو آپ کو یہ بتایا گیا۔

اور امام احمد متوفی ۲۴۱ھ اور امام مسلم متوفی ۲۶۱ھ نے اپنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ لوگ حضرت بریرہ پر صدقہ کرتے تھے اور وہ اس صدقہ کو ہم پر بہ طور ہدیہ پیش کرتی تھیں۔

بعض شروح میں مذکور ہے کہ یہ گائے کا گوشت تھا، حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں: اس شرح پر یہ اعتراض ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ منقول ہے کہ وہ فرماتی ہیں: میری ایک باندی پر بکری کو صدقہ کیا گیا تھا، سو اس روایت کو قبول کرنا زیادہ مناسب ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۷۴-۴۷۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا تعارف اور تذکرہ

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن عبد البر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما متوفاۃ ۵۷ھ کی باندی تھیں، یہ پہلے بنو ہلال کی باندی تھیں، انہوں

ان کو مکاتب کر دیا یعنی اگر تم نے اتنی رقم ادا کر دی تو تم آزاد ہو جاؤ گی، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ کو ان سے خرید لیا اور ان کے متعلق صحیح البخاری: ۵۲۷۹ میں مذکور ہے کہ ''ولاء اس کے لیے ہوتی ہے جو آزاد کرے''، ولاء کا معنی یہ ہے کہ اگر غلام کو آزاد کر دیا جائے اور وہ آزاد ہونے کے بعد مال کمائے تو اس کے مرنے کے بعد وہ مال اس کے وارثوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور اگر اس کا کوئی وارث نہ ہو تو پھر وہ مال اس کے آزاد کرنے والے کو دیا جاتا ہے۔ جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا گیا تو وہ ایک مرد کے نکاح میں تھیں، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خیارِ عتق دیا یعنی اگر وہ چاہیں تو اپنے نکاح سابق کو برقرار رکھیں اور اگر چاہیں تو اس نکاح کو مسترد کر دیں، پس حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے خیارِ عتق کی سنت ثابت ہوئی، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کے متعلق اختلاف ہے کہ آیا یہ غلام تھے یا آزاد تھے؟ سو اہل مدینہ کی روایت ہے کہ ان کے خاوند غلام تھے اور ان کا نام مغیث تھا اور اہلِ عراق کی روایت ہے کہ ان کے خاوند آزاد مرد تھے اور ہم نے ''کتاب التمہید'' میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے۔ (الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۴ ص ۳۵۷-۳۵۸، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ)

حافظ صفی الدین احمد بن عبداللہ الخزرجی الشافعی المتوفی ۹۲۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باندی تھیں ان سے صرف ایک حدیث مروی ہے جس کی عروہ نے ان سے روایت کی ہے۔ (خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال ج ۳ ص ۳۸۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۲ھ)

نوٹ: حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا سن وفات اسماء الرجال کی کتابوں میں مذکور نہیں ہے۔

۱۵۔ بَابُ: خِيَارِ الْأَمَةِ تَحْتَ الْعَبْدِ

اس بیان میں کہ جب باندی کسی غلام کے نکاح میں ہو تو اس کو آزاد کرنے کے بعد اسے یہ اختیار دیا جائے کہ وہ نکاحِ سابق میں رہے یا نہ رہے

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کے غلام ہونے کی تحقیق اور بحث ونظر

علامہ بدرالدین محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس بات کے بیان میں ہے کہ جب کوئی باندی کسی غلام کے نکاح میں ہو اور اس کو آزاد کر دیا جائے، یہ عنوان اس پر دلالت کرتا ہے کہ امام بخاری کے نزدیک ان فقہاء کا قول راجح ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند غلام تھے۔

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس باب میں یہ حدیث مذکور نہیں ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند غلام تھے اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ امام بخاری کی یہ عادت ہے کہ وہ کسی حدیث کی اس روایت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کو امام بخاری وارد کرتے ہیں اور حضرت بریرہ کا قصہ متعدد نہیں ہے، پس امام بخاری کے نزدیک راجح یہ ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند سیاہ فام غلام تھے۔

امام مسلم کے علاوہ باقی محدثین نے روایت کی ہے از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند سیاہ فام غلام تھے، سو امام بخاری نے اس باب میں اس حدیث کی اپنی سند سے روایت کی ہے اور امام ابوداؤد نے ''کتاب الطلاق'' میں اس حدیث کی روایت کی ہے اور امام ترمذی نے ''کتاب الرضاع'' میں ایوب، قتادہ اور عکرمہ سے اس

کی روایت کی ہے اور امام نسائی نے ''کتاب القضاء'' میں خالد الحذاء سے اس کی روایت کی ہے اور امام ابن ماجہ نے ''کتاب الطلاق'' میں از خالد الحذاء اس کی روایت کی ہے اور امام دارقطنی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو یہ حکم دیا کہ وہ آزاد عورت کی عدت گزاریں اور اسی طرح امام عبدالحق نے اپنی کتاب ''کتاب الاحکام'' میں امام دارقطنی سے اس اضافہ کی روایت کی ہے اور میں نے اس اضافہ کو نہیں پایا، سو اس کی تحقیق کرنی چاہیے لیکن سنن ابن ماجہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت ہے کہ آپ نے حضرت بریرہ کو یہ حکم دیا کہ وہ تین حیض عدت گزاریں، عطاء بن ابی رباح، سعید بن المسیب، حسن بصری، ابن ابی لیلیٰ، اوزاعی، زہری، اللیث بن سعد، امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور اسحاق کا یہی مذہب ہے اور انہوں نے امام مسلم اور امام ابوداؤد کی درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے۔

از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے قصہ میں بیان کرتی ہیں کہ حضرت بریرہ کے خاوند غلام تھے، سو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ کو خیارِ عتق دیا تو حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا اور اگر ان کے خاوند آزاد مرد ہوتے تو آپ حضرت بریرہ کو خیارِ عتق نہ دیتے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۳۳، صحیح البخاری: ۲۵۶۳، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۱۵۴، سنن نسائی: ۳۴۴۸)

اس حدیث پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس کا آخری جملہ قطعی طور پر عُروہ کا کلام ہے اور اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ صحیح مسلم (الرقم المسلسل: ۳۶۷۱) میں یہ روایت قَال کے لفظ کے ساتھ مروی ہے اور قَال مذکر کا صیغہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس کا فاعل عُروہ ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہیں ہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ امام نسائی کی روایت میں یہ تصریح ہے ''قال عُروۃ ولو کان حُرا ما خیرھا'' عُروہ نے کہا: اگر بریرہ کے خاوند آزاد مرد ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بریرہ کو خیارِ عتق نہ دیتے۔ (سنن نسائی: ۳۴۴۸، دار الفکر بیروت ۱۴۲۱ھ)

اور اسی طرح امام ابن حبان متوفی ۳۵۴ھ نے اپنی صحیح میں سنن نسائی کے الفاظ سے روایت کی ہے۔

امام ابوجعفر الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے: یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آخری جملہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آخری جملہ عُروہ کا قول ہو، سو پہلے احتمال کی بناء پر اس سے قطعی دلیل قائم نہیں ہوگی اور اگر ہم یہ مان لیں کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے، سو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت متعارض ہے، کیونکہ اسود نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند آزاد مرد تھے، پس اگر تم یہ کہو کہ اسود کی روایت ان کی روایت کے معارض ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس زیادہ اٹھنے بیٹھنے والے تھے، کیونکہ القاسم بن محمد اور العروہ بن زبیر دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ کا خاوند غلام تھا اور اسود کوفی ہیں، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پردے کے پیچھے سے حدیث کو سنا اور عروہ اور قاسم دونوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس حدیث کو بلا حجاب سنا، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عروہ کی خالہ ہیں اور قاسم کی پھوپھی ہیں، پس وہ اسود کی بہ نسبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس زیادہ بیٹھنے والے تھے۔

علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: ان دونوں سندوں کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس عُروہ کی زیادہ نشست و برخاست کا ہونا تعارض کے منافی نہیں ہے۔

اور دوسری جماعت نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند آزاد مرد تھے کیونکہ امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے از ابراہیم از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند آزاد مرد تھے، جب ان کو آزاد کر دیا گیا اور ان کو اختیار دیا گیا اور اسی طرح امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ اور امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ کی روایت ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند آزاد مرد تھے۔ (سنن ترمذی:۱۱۵۵، سنن ابن ماجہ:۲۰۷۴، سنن نسائی:۳۴۴۷، مسند احمد ج۶ ص ۴۲)

میں کہتا ہوں: خلاصہ یہ ہے کہ اسود نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت کی ہے اس میں مذکور ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند آزاد مرد تھے اور عُروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے جو روایت کی ہے اس میں مذکور ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند غلام تھے، علامہ عینی حنفی نے یہ فرمایا ہے: عروہ کی روایت کو ترجیح ہے کیونکہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے تھے اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پردہ کی اوٹ سے یہ حدیث سنی تھی، اس لیے عروہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس روایت کو ترجیح ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند غلام تھے۔ (سعیدی غفرلہ)

نیز علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں:

اور محدثین کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کے آزاد ہونے کی روایت وَھم ہے، الشعبی، النخعی ، الثوری، محمد بن سیرین، طاؤس، مجاہد، ابوثور اور امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد اور دیگر محدثین نے بھی یہی کہا ہے لیکن انہوں نے کہا ہے کہ باندی کو جب آزاد کیا جائے تو اس کے لیے خیارِ عتق فی نفسھا ثابت ہوتا ہے خواہ اس کا خاوند آزاد ہو یا غلام ہو، غیر مقلدین کا بھی یہی مذہب ہے اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اگر باندی کا خاوند غلام ہو تو اس کے لیے خیارِ عتق ثابت ہوگا اور اگر اس کا خاوند آزاد ہو تو اس کے لیے خیارِ عتق ثابت نہیں ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۷۹-۳۸۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۸۰ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ وَهَمَّامٌ عَنْ قَتَادَةَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَأَيْتُهُ عَبْدًا يَعْنِي زَوْجَ بَرِيرَةَ۔

(سنن ترمذی:۱۱۵۶، سنن نسائی:۵۴۱۷، سنن ابو داؤد:۲۲۳۲، سنن ابن ماجہ:۲۰۷۵، مسند احمد:۲۵۳۸)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں ابوالولید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ اور ہمام نے حدیث بیان کی از قتادہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس کو دیکھا وہ غلام تھا یعنی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند۔

۵۲۸۱ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ ذَاكَ مُغِيثٌ عَبْدُ بَنِي فُلَانٍ يَعْنِي زَوْجَ بَرِيرَةَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَتْبَعُهَا فِي سِكَكِ الْمَدِينَةِ يَبْكِي عَلَيْهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد الاعلیٰ بن حماد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں وہیب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ایوب نے از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ مُغیث تھا جو بنو فلاں کا غلام تھا یعنی حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا خاوند، گویا کہ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے پیچھے مدینہ کی گلیوں میں پھر رہا تھا اور ان کے فراق میں رو رہا تھا۔

اس کی تخریج وہی ہے جو: ۵۲۸۰ کی ہے۔

۵۲۸۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی الله عنهما قَالَ كَانَ زَوْجُ بَرِيرَةَ عَبْدًا أَسْوَدَ يُقَالُ لَهُ مُغِيثٌ عَبْدًا لِبَنِي فُلَانٍ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَطُوفُ وَرَائَهَا فِي سِكَكِ الْمَدِينَةِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے حدیث بیان کی از ایوب از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند سیاہ فام غلام تھے، ان کو مغیث کہا جاتا تھا، وہ بنی فلاں کے غلام تھے گویا کہ میں ان کی طرف دیکھ رہا تھا، وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے پیچھے مدینہ کی گلیوں میں چکر لگا رہے تھے۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو: ۵۲۸۰ کی تخریج ہے۔

اس پر دلائل کہ جب باندی کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو خیارِ عتق ہوتا ہے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ جو باندی کسی غلام کے نکاح میں ہو، جب اس کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو خیارِ عتق ہوتا ہے، خواہ وہ اپنے پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کو برقرار رکھے یا اس کو مسترد کر دے اور غلام جب کہ اپنی حرمت اور حدود میں اور تمام احکام میں آزاد عورت کا کفو نہیں ہے تو واجب ہے کہ جب اس کی بیوی آزاد کر دی جائے تو اس کو نکاح کو قائم رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار دیا جائے، کیونکہ جس وقت اس کا نکاح ہوا تھا، اس وقت اسے اپنے نفس پر اختیار نہیں تھا اور اب جب وہ آزاد کر دی گئی ہے تو اس کو اس کے نفس کے متعلق اختیار دیا گیا ہے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس اصول کی دلیل درج ذیل آیت مبارکہ ہے:

وَ مَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ (النساء:۲۵)

اور تم میں سے جو شخص آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی مالی طاقت نہ رکھے تو وہ مسلمان کی مملوکہ مسلمان باندیوں سے (نکاح کرے) اور اللہ تمہارے ایمان کو بہت زیادہ جاننے والا ہے، تم باہم ایک دوسرے کی جنس سے ہو تم ان (باندیوں) سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرو اور دستور کے مطابق ان کے مہر ادا کرو، درآں حالیکہ وہ (باندیاں) قلعہ نکاح کی حفاظت میں آنے والیاں ہوں بدکارنہ ہوں اور نہ غیروں سے آشنائی کرنے والی ہوں۔

سو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آزاد مردوں کے باندیوں کے ساتھ نکاح کی یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہ رکھیں، لہٰذا اس کی مثل غلام میں بھی واجب ہے کہ وہ آزاد عورت کے ساتھ نکاح کی طاقت نہ رکھے تب وہ باندیوں سے نکاح کر سکتا ہے جب کہ آزاد عورت اپنی مرضی سے کسی آزاد مرد کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔

جب باندی کو مسئلہ کا علم نہ ہو تو اس کے خیارِ عتق کے متعلق فقہاء کا اختلاف

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب باندی کو آزاد کرنے کے بعد خیارِ عتق دیا جائے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے، پس حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور ان کی ہمشیر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۴۱ھ سے روایت ہے:

جب تک اس کے خاوند نے اس سے مقاربت نہ کی ہو اس کے لیے خیارِ عتق ہوتا ہے اور یہی امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا قول ہے، خواہ اس باندی کو اس مسئلہ کا علم ہو یا نہ ہو۔

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ اگر باندی مسئلہ سے جہالت کا دعویٰ کرے تو اس کو خیارِ عتق ہوگا۔

باندی کے خیارِ عتق کا مجلس پر موقوف نہ ہونا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باندی کا خیارِ عتق مجلس پر موقوف نہیں ہوتا کیونکہ حضرت بریرہ کے مدینہ میں پھرنے سے ان کا خیارِ عتق باطل نہیں ہوا، اور قتادہ اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں ضرور دیکھ رہا تھا کہ حضرت بریرہ کے خاوند مدینہ کی گلیوں میں پھر رہے تھے اور ان کے آنسوان کی ڈاڑھی پر گر رہے تھے اور وہ حضرت بریرہ کے پیچھے جا رہے تھے اور ان کو راضی کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ وہ ان کو اختیار کر لیں۔

اور حضرت بریرہ کی حدیث میں ان فقہاء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ جب کوئی باندی کسی آزاد مرد کے نکاح میں ہو اور اس کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو خیارِ عتق نہیں ہوتا کیونکہ اس کو خیارِ عتق شوہر کے غلام ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے اور اہلِ عراق نے از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند آزاد مرد تھے۔

(سنن ترمذی: ۱۱۵۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۷۴، سنن نسائی: ۳۴۴۷، مسند احمد: ج ۶ ص ۴۲)

جب باندی کسی آزاد مرد کے نکاح میں ہو تو اس کو خیارِ عتق ہوگا یا نہیں؟

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب باندی کسی آزاد مرد کے نکاح میں ہو اور اس کو آزاد کر دیا جائے تو آیا اس کو خیارِ عتق ہوتا ہے یا نہیں، سو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ اس کے لئے خیارِ عتق نہیں ہوتا اور عطاء، سعید بن المسیب، حسن بصری، اور ابن ابی لیلیٰ کا بھی یہی قول ہے اور امام مالک، الاوزاعی، اللیث، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔

اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ باندی کے لئے خیارِ عتق ہوتا ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام، الشعبی، النخعی، ابن سیرین سے اسی طرح روایت ہے اور یہی الثوری، فقہاء احناف اور ابوثور کا قول ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے:

الاسود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ کے شوہر آزاد مرد تھے اور انہوں نے کہا کہ باندی کی اپنے مولیٰ کے نکاح کرنے میں کوئی رائے نہیں ہوتی کیونکہ اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ باندی کا مولیٰ اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر سکتا ہے، پس جب باندی کو آزاد کر دیا جائے گا تو اس کو وہ اختیار مل جائے گا جو اس کو اس کی غلامی کی حالت میں نہیں تھا۔

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند کے آزاد مرد ہونے پر بحث و نظر

اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جب باندی آزاد مرد کے نکاح میں ہو تو اس کے لیے خیارِ عتق نہیں ہوتا، ان کی دلیل یہ ہے کہ اس

باندی کے اوپر ایسا حال نہیں آیا کہ جس حال کی وجہ سے وہ آزاد مرد سے مفارقت کرے، پس گویا کہ وہ باندی اور اس کا شوہر دونوں آزاد ہیں اور اس کے خاوند کا حال اس کی بیوی سے کم نہیں ہے اور نہ اس کے خاوند میں کوئی عیب ہے، تو اس کی بیوی جب آزاد ہو چکی ہے تو اس کے لیے شوہر سے مفارقت کا کوئی اختیار نہیں ہوگا اور اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ نامرد کی بیوی کے لئے اس وقت مفارقت کا کوئی اختیار نہیں ہوتا جب اس کے شوہر سے نامردی کی بیماری دور ہو جائے اور رہی الاسود کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت تو اس کے معارض ان کی روایت ہے جو الاسود کی بہ نسبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے زیادہ قریب تھے اور وہ القاسم بن محمد اور عروہ بن زبیر ہیں اور وہ دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت بریرہ کے شوہر غلام تھے اور الاسود کوفی ہیں، انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حجاب کی اوٹ سے حدیث سنی ہے اور عروہ اور القاسم دونوں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بلا حجاب حدیث کا سماع کرتے تھے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا عروہ کی خالہ ہیں اور القاسم بن محمد کی پھوپھی ہیں، پس یہ دونوں الاسود کی بہ نسبت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں زیادہ حاضر ہونے والے تھے۔

اور علامہ ابن المنذر شافعی نے کہا ہے کہ دو کی روایتیں ایک کی روایت کی بہ نسبت راجح ہوتی ہیں کیونکہ القاسم اور العروہ سے روایت ہے کہ حضرت بریرہ کے خاوند غلام تھے اور صرف اسود کی روایت ہے کہ ان کے خاوند آزاد تھے اور سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر غلام تھے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۵۱-۳۵۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابو الحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ نے علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح کو من وعن نقل کر دیا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۳۳-۳۳۶، وزارة الاوقاف قطر، ۱۴۲۹ھ)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے ان احادیث کی شرح میں وہی کچھ لکھا ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۷۶-۴۷۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کے متعلق ان کے غلام اور آزاد ہونے کی دو مختلف روایتوں میں محاکمہ اور امام ابوحنیفہ کے اس قول پر دلائل کہ جب کسی باندی کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو خیارِ عتق ہوتا ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام، اور باقی تمام شارحین کا رد

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا کہ میں نے حضرت بریرہ کے شوہر کو دیکھا کہ وہ غلام تھے۔

(صحیح البخاری: ۵۲۸۰)

علامہ عینی فرماتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول اس پر دلالت نہیں کرتا کہ جس وقت حضرت بریرہ کو آزاد کیا گیا اس وقت ان کے شوہر غلام تھے، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ خبر دے رہے ہیں کہ ان کے شوہر پہلے غلام تھے، لہٰذا اس حدیث سے استدلال

کامل نہیں ہے۔

اور اس مسئلہ میں تحقیق یہ ہے کہ حضرت بریرہ کے شوہر کے متعلق ایسی دو صفتوں میں اختلاف ہے جو ایک حالت میں جمع نہیں ہو سکتیں، لہٰذا ہم ان دو صفتوں کو مختلف دو حالتوں پر محمول کرتے ہیں، بایں طور کہ وہ ایک حالت میں غلام تھے اور دوسری حالت میں آزاد تھے، پس بالبداہت ایک حالت دوسری حالت سے متاخر ہوگی اور یہ بات معلوم ہے کہ غلامی کے بعد آزادی حاصل ہوتی ہے اور آزادی کے بعد غلامی طاری نہیں ہوتی اور اس چیز میں کسی کا نزاع نہیں ہے، پس جب اس طرح ہے تو ہم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کی غلامی کی صفت کو مقدم قرار دیا اور آزادی کی صفت کو مؤخر قرار دیا، سو اس طریقہ سے معلوم ہو گیا کہ جس وقت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا گیا، اس وقت وہ آزاد تھے اور اس سے پہلے وہ غلام تھے، سو جن احادیث میں یہ مذکور ہے کہ وہ غلام تھے تو وہ ان کی پہلی حالت پر محمول ہیں اور جن احادیث میں یہ مذکور ہے کہ وہ آزاد تھے تو وہ ان کی بعد کی حالت پر محمول ہیں۔ پس اب ان دو حدیثوں میں تعارض نہیں رہے گا اور ان فقہاء اور محدثین کا قول ثابت ہوگا کہ جنہوں نے یہ کہا ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر آزاد تھے، لہٰذا خیار عتق کا حکم اس پر معلق ہوگا۔ اور اگر ہم یہ مان لیں کہ تمام روایات میں یہ خبر دی گئی ہے کہ حضرت بریرہ کے شوہر غلام تھے تو ان احادیث میں اس کی تصریح نہیں ہے کہ جب باندی کا شوہر آزاد ہو پھر اس باندی کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو خیار عتق نہیں ہوتا کیونکہ ان روایات میں اس کی تصریح نہیں اور اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی حدیث مروی نہیں ہے جس میں آپ نے یہ فرمایا ہو کہ میں نے بریرہ کو اس لئے خیار عتق دیا کہ ان کے خاوند غلام تھے اور یہ چیز اصلاً احادیث اور آثار میں موجود نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو اس لئے اختیار دیا کہ ان کو آزاد کیا گیا تھا، پس جب کسی باندی کو آزاد کیا جائے تو اس کو خیار عتق نہیں دیا جائے گا خواہ اس کا شوہر پہلے آزاد ہو یا غلام۔ اور ہماری اس تقریر سے علامہ ابن ملقن شافعی صاحب التوضیح کی اس شرح کا رد ہو گیا جس میں انہوں نے کہا ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو اس لئے خیار عتق دیا گیا تھا کیونکہ ان کے شوہر غلام تھے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۳۵، قطر)

اور اگر علامہ ابن ملقن شافعی ہماری اس تحقیق پر مطلع ہوتے تو وہ یہ غلط شرح نہ کرتے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۰-۳۸۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کا تعارف اور تذکرہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، حضرت مغیث کے تعارف میں لکھتے ہیں:

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر حضرت مغیث کو حضرت ابن عبد البر المالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے صحابہ میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ وہ بعض بنی مطیع کے غلام تھے اور امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے یہ روایت کی ہے کہ وہ ابن المغیرہ کے سیاہ فام غلام تھے۔

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

حضرت بریرہ کے شوہر بنو مغیرہ کے سیاہ فام غلام تھے، جس دن حضرت بریرہ کو آزاد کیا گیا اور اللہ کی قسم! گویا کہ میں ان کو مدینہ کی گلیوں اور اس کے اطراف میں دیکھ رہا ہوں اور ان کے آنسوان کی ڈاڑھی پر بہہ رہے تھے، وہ حضرت بریرہ کو راضی کر رہے تھے کہ وہ ان کو اختیار کر لیں لیکن حضرت بریرہ نے ایسا نہیں کیا۔ (سنن ترمذی: ۱۱۵۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۳ھ، مسند احمد ج ۱ ص

۲۱۵، مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

اور امام سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ نے ہشیم سے روایت کی ہے کہ حضرت بریرہ کے شوہر بنو مخزوم سے آلِ بنی مغیرہ کے غلام تھے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۲۵۷، ج ۱ ص ۲۹۹، دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور ابن مندہ نے کتاب المعرفہ میں لکھا ہے کہ حضرت مغیث بن احمد بن جحش کے آزاد کردہ غلام تھے اور امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ کی روایت میں ہے کہ حضرت بریرہ کے شوہر آلِ ابی احمد کے غلام تھے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۳۶)

ابن مندہ نے کہا ہے کہ مغیث ابن احمد کے غلام تھے اور امام ابوداؤد نے کہا ہے کہ وہ آلِ ابو احمد کے غلام تھے، علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: ان دو مختلف روایتوں میں تطبیق دینا بعید ہے سوا اس کے کہ یہ کہا جائے کہ حضرت مغیث ان دونوں کے مشترک غلام تھے۔

اس حدیث میں ''سِکَکُ المدینہ'' کا ذکر ہے، سِکَہ اصل میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کھجور کے درختوں کی صفیں ہوں، اس وجہ سے گلیوں اور کوچوں کو بھی سکک کہا جاتا ہے کیونکہ گلیوں اور کوچوں میں گھروں کی صفیں ہوتی ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۱، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن عبدالبر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کا نام مغیث ہے، وہ بعض بنی مطیع کے غلام تھے، ان کے نکاح میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خیارِ عتق دیا، سو انہوں نے اپنے نفس کو اختیار کرلیا تو جس وقت حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کیا گیا اور ان کو خیارِ عتق دیا گیا اس دن وہ حجازیہ کے قول کے مطابق غلام تھے اور کوفیین کے قول کے مطابق وہ اس دن آزاد تھے اور پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۴ ص ۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۵ھ، الاصابہ: رقم: ۸۱۹۰، اسد الغابہ: ۵۰۶۲، المؤتلف والمختلف ص ۱۱۹، المؤتلف للدارقطنی ص ۲۰۶۹)

خیارِ عتق کی بحث کا تتمہ اور فقہاءِ احناف کے مذہب کی تائید میں مزید احادیث

امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ، امام ابو یوسف متوفی ۱۸۳ھ، امام محمد بن حسن الشیبانی متوفی ۱۸۹ھ کا مذہب یہ ہے کہ جب باندی کو آزاد کیا جائے تو اس کو خیارِ عتق دیا جاتا ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام ہو اور اس کی تائید میں حسبِ ذیل احادیث ہیں:

امام سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

از سعید از ہشیم از مغیرہ از ابراہیم، انہوں نے کہا کہ باندی کے لئے خیارِ عتق ہوگا خواہ اس کا شوہر غلام ہو یا آزاد ہو، ہشیم نے کہا کہ یہی قول معتمد ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۲۵۳، ج ۱ ص ۲۹۸، دار الکتب العلمیہ بیروت)

از سعید از ہشیم از عبداللہ بن شبرمہ الہمدانی، انہوں نے کہا کہ میں نے شعبی سے سنا، وہ کہتے تھے کہ باندی کے لئے خیارِ عتق ہوگا، خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۲۵۴، ج ۱ ص ۲۹۸، دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا کہ جب باندی کو آزاد کر دیا جائے اور اس کا خاوند آزاد ہو تو اس کے لئے خیارِ عتق نہیں ہوتا اور

ہمارے نزدیک اس کے لئے خیار عتق ہوتا ہے۔

(الجامع الکبیر ص ۹۹-۹۸، ۱۰۴، المبسوط: ج ۵ ص ۹۹، البنایہ ج ۴ ص ۲۹۲، مغنی المحتاج ج ۳ ص ۲۱۰، کتاب الام ج ۵ ص ۱۲۲)

ہماری دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خیار عتق دیا، جس وقت ان کو آزاد کیا گیا تھا اور اس وقت ان کے خاوند آزاد تھے اور اس لئے کہ خیارِ عتق اس لئے ثابت ہوتا ہے تا کہ باندی کے آزاد ہونے کے سبب سے اس پر سے زیادہ ملکیت کو دور کیا جا سکے اور یہ وجہ اس صورت میں بھی موجود ہے، اس وجہ سے اس کے لئے خیار عتق ثابت ہوگا۔

(صحیح البخاری: ۶۷۵۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۳۵، سنن نسائی: ۳۴۴۹،۳۴۴۶، سنن ابن ماجہ: ۲۰۷۴، مسند احمد: ۲۴۲۰۵، سنن ترمذی: ۱۱۵۵)

(فتاوی ابی اللیث السمر قندی ج ۲ ص ۹۳۳-۹۳۴، مکتبہ محمدیہ کراچی، ۱۴۳۲ھ)

۱۶۔ بَابُ: شَفَاعَةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِي زَوْجِ بَرِيرَةَ

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کی شفاعت فرمانا

حاکم کا کسی ایک فریق کی دوسرے فریق کے متعلق شفاعت کرنے کا جواز

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے ان کے خاوند کی شکایت کی تا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا ان سے رجوع کر لیں اور اس حدیث کے عنوان سے یہ ثابت ہوا کہ حاکم کی کسی مقدمہ میں اس کے کسی فریق کی شفاعت کرنا جائز ہے تا کہ وہ فریق اپنا حق ترک کر دے یا اپنے حق کو کم کر دے یا اپنے دعویٰ کو چھوڑ دے اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے قصہ میں یہ مذکور نہیں ہے کہ حضرت بریرہ اور ان کے خاوند دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس مقدمہ کو پیش کیا تھا۔ علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ اعتراض ساقط ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا ''کاش! تم اس سے رجوع کر لیتیں'' اور یہ ارشاد اسی وقت متصور ہو سکتا ہے جب دونوں نے اپنا معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۱-۳۸۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۸۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا خَالِدٌ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ زَوْجَ بَرِيرَةَ كَانَ عَبْدًا يُقَالُ لَهُ مُغِيثٌ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَطُوفُ خَلْفَهَا يَبْكِي وَدُمُوعُهُ تَسِيلُ عَلَى لِحْيَتِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِعَبَّاسٍ يَا عَبَّاسُ أَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِيثٍ بَرِيرَةَ وَمِنْ بُغْضِ بَرِيرَةَ مُغِيثًا فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَوْ رَاجَعْتِهِ قَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ تَأْمُرُنِي قَالَ إِنَّمَا أَنَا أَشْفَعُ قَالَتْ لَا حَاجَةَ لِي فِيهِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالوہاب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں خالد نے حدیث بیان کی از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند غلام تھے جن کو مغیث کہا جاتا تھا گویا کہ میں ان کی طرف دیکھ رہا ہوں اور وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے گھوم رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عباس! کیا تم کو مغیث کی بریرہ سے محبت پر اور بریرہ کے مغیث سے بغض پر

تعجب نہیں ہوتا؟ پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کاش! تم اس سے رجوع کر لیتیں، تو حضرت بریرہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا آپ مجھے حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں تو صرف سفارش کر رہا ہوں، حضرت بریرہ نے کہا: مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس حدیث کی تخریج وہی ہے جو صحیح البخاری: ۵۲۰۸ کی تخریج ہے۔

عالم اور سربراہ ملک کا لوگوں کی ضروریات میں سفارش کرنے کا جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ عالم اور سربراہ کے لئے لوگوں کی ضروریات مین سفارش کرنا اور لوگوں کو ان کی بیویوں کی طرف رغبت دلانا اور سائل کی مراد پوری کرنے کے لئے سفارش کرنا جائز ہے اور مکارمِ اخلاق میں سے ہے، حدیث میں ہے:

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جب کوئی سائل آتا یا آپ سے کوئی حاجت طلب کی جاتی تو آپ فرماتے: ''تم (اس کی) سفارش کرو تم اجر پاؤ گے'' اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان پر جو چاہتا ہے وہ فیصلہ فرماتا ہے۔

(صحیح البخاری: ۱۴۳۲، صحیح مسلم: ۲۶۲۷، سنن نسائی: ۲۵۵۶، سنن ابوداؤد: ۵۱۳۱، مسند احمد: ۱۹۰۸۷)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ خواہ سائل کی حاجت پوری نہ ہو مگر اس سلسلہ میں کوشش کرنے والے کو اجر ملے گا۔

حاکم کا حق دار سے دوسرے کے لئے تخفیف کی سفارش کرنے کا جواز

نیز اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ سربراہِ ملک اور حاکم پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ جب اس کے پاس دو فریق اپنے حق کو ثابت کرنے کے لئے مقدمہ پیش کریں اور ان میں سے کسی ایک کا حق ثابت ہو تو حاکم اس سے سوال کرے۔ جس کا حق ثابت ہو چکا ہے کہ وہ اپنے حق کو وصول کرنے کو مؤخر کر دے یا اس کو معاف کر دے اور وہ اس کے متعلق صاحبِ حق سے سفارش کرے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے سفارش کی جب کہ آپ ان کو خیارِ عتق دے چکے تھے اور ان کو بتا چکے تھے اور ان کو خیارِ عتق حاصل ہے، سو آپ نے فرمایا: ''کاش! تم اس سے رجوع کر لیتیں''۔

کسی معزز شخص کی سفارش کو اگر مسترد کر دیا جائے تو اس کے ملول خاطر نہ ہونے کا استحباب

نیز اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جس شخص سے کسی ایسے کام کا سوال کیا گیا جس کا کرنا اس پر واجب نہیں ہے تو اس شخص کے لیے جائز ہے کہ وہ سائل کے سوال کو مسترد کر دے اور اس کی حاجت پوری کرنے سے انکار کر دے، خواہ سفارش کرنے والا سربراہ ہو یا عالم ہو یا کوئی معزز شخص ہو کیونکہ جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفارش کو مسترد کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس پر رنجیدہ نہیں ہوئے اور مخلوق میں سے کسی شخص کا بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑا مرتبہ نہیں ہے، یعنی آپ کے علاوہ جس شخص کی سفارش کو اس کا کوئی چھوٹا

مسترد کر دے تو اس کو کوئی ملول خاطر نہیں ہونا چاہیے۔

کسی خوب صورت عورت کے لئے بدشکل خاوند کو پسند کرنے کا جواز

اور اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ کسی مسلمان مرد کا دوسرے مسلمان مرد کے قُرب کو ناپسند کرنا کوئی گناہ نہیں ہے، جب کہ وہ اس سے دشمنی نہ رکھتا ہو، کیونکہ وہ اس مسلمان مرد سے دوری کو اس کی بد خلقی اور ناپسندیدہ معاشرت کی وجہ سے اور اس کے ظلم کی وجہ سے یا کسی ایسی وجہ سے جس سے لوگ ایک دوسرے کو ناپسند کرتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے جیسا کہ اس سے پہلے صحیح البخاری: ۵۲۷۵، میں گزر چکا ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی جمیلہ ان کے بدصورت ہونے کی وجہ سے ان کو ناپسند کرتی تھیں اور انہوں نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے خلع کو طلب کیا تھا جب کہ ان کی بیوی ان کے تقویٰ اور پرہیزگاری کا اعتراف کرتی تھیں لیکن وہ ان کے بدصورت اور بدمزاج ہونے کی وجہ سے ان سے خلع طلب کرتی تھیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی، اور حضرت جمیلہ رضی اللہ عنہا کے اس فعل کو ناجائز اور گناہ قرار نہیں دیا بلکہ ان کو معذور قرار دیا اور ان کے لیے اپنے شوہر حضرت ثابت بن قیس سے نجات کی راہ نکال دی اور حضرت جمیلہ کے اپنے شوہر سے بغض کی وجہ سے ان کی مذمت نہیں کی کیونکہ یہ عورتوں کی فطرت ہے اور کوئی خوبصورت عورت کسی بدشکل مرد کو پسند نہیں کرتی، سو اس طرح حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے بھی حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کو پسند نہیں کیا۔

جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اس کی طرف دیکھنے کا جواز

اور اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جو مرد کسی عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس میں رغبت کے اظہار کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کا اس عورت کو دیکھنا جائز ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کی اس پر مذمت نہیں کی کہ وہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے کیوں گھومتے تھے اور ان کے فراق میں کیوں روتے تھے حالانکہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا خیارِ عتق کو استعمال کر کے ان سے بائنہ ہو چکی تھیں اور اب وہ ان کی زوجہ نہیں رہی تھیں۔

خیارِ عتق کو استعمال کرنے کے بعد بغیر نکاحِ جدید کے پہلے شوہر کی طرف رجوع کا عدم جواز

مسلمانوں کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ جب باندی کو آزاد کر دیا جائے اور وہ کسی شوہر کے نکاح میں ہو پھر وہ اپنے نفس کو اختیار کر لے اور اس سے بائنہ ہو جائے تو اب اس کا پہلے شوہر کی طرف بغیر نکاحِ جدید کے رجوع کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''کاش! تم اس سے رجوع کر لیتیں'' اور اگر بغیر نکاحِ جدید کے ان کا پہلے شوہر کی طرف رجوع کرنا جائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے رجوع کرنے کی سفارش نہ فرماتے۔

جو عورت اپنے شوہر سے بائنہ ہو چکی ہو تو اس کے سابق شوہر کا اسے عدت کے اندر پیغام نکاح دینے کا جواز

نیز اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس مرد کی بیوی خلع کر کے یا کسی اور سبب سے اس سے بائنہ ہو چکی ہو تو عدت کے اندر شوہر کا اس عورت کو پیغامِ نکاح دینا جائز ہے اور اس عورت کا عدت کے اندر اس پیغامِ نکاح کو قبول کرنا بھی جائز ہے کیونکہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا جو اپنے شوہر مغیث سے بائنہ ہو چکی تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حضرت مغیث کے نکاح کا پیغام دیا اور فرمایا: "کاش! تم اس سے رجوع کر لیتیں" اور اگر پیغام دینے والا ان کے سابق شوہر کے علاوہ کوئی اور مرد ہوتا تو پھر اس کے لئے عدت کے اندر نکاح کا پیغام دینا جائز نہ ہوتا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۵۳-۵۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابوالحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی عبارت من وعن نقل کر دی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۳۰-۳۴۰، وزارۃ الاوقاف قطر، ۱۴۲۹ھ)

حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خیارِ عتق کے قصہ کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت کے قصہ سے متاخر ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے عباس! کیا تم کو تعجب نہیں ہوتا؟ اور اس حدیث کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ ان کے والد گرامی ہیں۔

سو اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا یہ قصہ نو (۹) ہجری یا دس (۱۰) ہجری کا ہے کیونکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس قصہ کا مشاہدہ کیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ غزوۂ طائف سے رجوع کرنے کے بعد آٹھ (۸) ہجری کے اواخر میں مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہوئے تھے، نیز اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس قصہ کا مشاہدہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور وہ اپنے والدین کے ساتھ مدینہ میں آئے تھے۔ اس کے برخلاف بعض علماء کا یہ گمان ہے کہ یہ قصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگنے سے پہلے کا ہے کیونکہ اس زمانہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کم سن تھیں، پس ان امور کا اس دور میں واقع ہونا بہت بعید ہے، نیز جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ عرض کیا کہ وہ بدلِ کتابت ادا کرنے میں ان کی مدد کریں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر تمہارے مالکوں کو یہ منظور ہو تو میں تم سے یہ وعدہ کر لیتی ہوں، کیونکہ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عام مسلمانوں پر تنگی کا زمانہ تھا، پھر فتح مکہ کے بعد ان پر کشادگی ہوئی اور ان تمام دلائل سے ان علماء کا رد ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا خیارِ عتق کا قصہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے تہمت لگنے سے پہلے کا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۷۷-۴۷۸، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح کو جمع کر دیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۲-۳۸۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر اور علامہ عینی کا مناقشہ اور مصنف کا محاکمہ

اس حدیث میں مذکور ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''لو راجعتہ'' یعنی کاش! تم اس سے رجوع کرلیتیں'، حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے کہا کہ سنن ابن ماجہ میں مذکور ہے ''لو راجعتیہ'' (اس میں یا کا اضافہ ہے)۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۰۷۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں: یہ لغتِ ضعیفہ ہے اور سنن ابن ماجہ میں یہ اضافہ ہے کہ مغیث تمہارے بیٹے کا باپ ہے، اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا حضرت مغیث رضی اللہ عنہ سے بیٹا بھی ہو چکا تھا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۷۸، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی پر اعتراض

علامہ عینی حنفی لکھتے ہیں: اگر سنن ابن ماجہ میں یہ ثابت ہے کہ راوی نے یہ الفاظ ادا کئے ہیں ''لو راجعتیہ'' تو یہ لغتِ ضعیفہ نہیں ہے بلکہ لغتِ فصیحہ ہے کیونکہ اس حدیث کا راوی تمام مخلوق سے زیادہ فصیح ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں:

یہ روایت صحیح نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا کہ سنن ابن ماجہ کی روایت کو دوسری احادیث صحیحہ پر ترجیح دی جائے۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۳۰۷، مکتبۃ الرشد ریاض ۱۴۱۸ھ)

مصنف کا محاکمہ

میں کہتا ہوں: سنن ابن ماجہ: ۲۰۷۵ کے راوی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور ان کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا یہ گمان درست نہیں کہ انہوں نے لغتِ ضعیفہ کو نقل کیا ہو اس لئے علامہ عینی کا یہ کہنا درست ہے کہ یہ لغتِ ضعیفہ نہیں بلکہ لغتِ فصیحہ ہے باقی رہا یہ کہ دوسری کتبِ صحاح میں لَو راجعتہٖ بغیر یاء کے مذکور ہے تو اس سے لازم آئے گا کہ سنن ابن ماجہ کی روایت دیگر احادیث صحیحہ پر راجح ہو تو حافظ ابن حجر عسقلانی کا یہ جواب درست نہیں ہے اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ لو راجعتہٖ بغیر یاء کے اور لو راجعتِیہٖ یاء کے ساتھ دونوں لغتِ فصیحہ ہوں۔

زوجین کے درمیان حاکم کی صلح کرانے اور کسی ایک فریق کی شفاعت کرنے کا جواز

شیخ الاسلام ابو یحییٰ زکریا الانصاری المصری الشافعی المتوفی ۹۲۶ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن جماعہ نے لکھا ہے: اس حدیث سے یہ مقصود ہے کہ حاکم زوجین کے درمیان صلح کے لئے شفاعت کرے یا ایک فریق کے حق میں دوسرے سے شفاعت کرے تو یہ جائز ہے اور اس کو حاکم کی جانب سے کسی ایک کی طرف میلان قرار نہیں دیا جائے گا۔

(منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری ج ۸ ص ۴۶۴، مکتبۃ الرشد ریاض، ۱۴۲۶ھ)

فقہاءِ حنبلیہ کے نزدیک باندی کے لئے خیارِ عتق اس وقت ہوگا جب اس کا شوہر غلام ہو

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن باز الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۱۸ھ لکھتے ہیں:

جس باندی کا خاوند غلام ہو اور اس کو آزاد کر دیا جائے تو اس باندی کو آزاد ہونے کے بعد خیارِ عتق ہوتا ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے ایک باندی کو خریدا جس کو بریرہ کہا جاتا تھا اور انہوں نے اس باندی کو آزاد کر دیا اور اس باندی کا شوہر غلام تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی کو خیارِ عتق دیا۔ (صحیح البخاری: ۲۰۹۷، صحیح مسلم: ۱۵۰۴)

(مجموع فتاوی ومقالات متنوعہ ج ۲۰ ص ۲۶۴، مکتبۃ المورد، ریاض، ۱۴۲۷ھ)

فقہاءِ احناف کے نزدیک باندی کے لئے خیارِ عتق ثابت ہوگا خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام

قاضی القضاۃ ابوالحسن علی بن حسین بن محمد السعدی الحنفی المتوفی ۴۶۱ھ لکھتے ہیں:

رہا خیارِ عتق تو جب باندی کا مالک اس کا نکاح کسی آزاد مرد سے کر دے یا کسی غلام سے کر دے پھر وہ اس باندی کو آزاد کر دے تو اس باندی کے لئے خیارِ عتق ثابت ہوگا، اگر باندی شوہر کے بجائے اپنے نفس کو اختیار کرے تو ان کے درمیان حاکم کی تفریق کے بغیر فرقت ہو جائے گی اور اگر باندی کو اس مسئلہ کا علم نہ ہو کہ اس کے لئے خیارِ عتق ہوتا ہے تو جب بھی اس کو اس مسئلہ کا علم ہوگا اس کے لئے خیارِ عتق ثابت ہو جائے گا، اس پر سب کا اتفاق ہے اور امام شافعی کے نزدیک اگر اس کا خاوند آزاد ہو تو اس کے لیے خیارِ عتق ثابت نہیں ہوگا۔ (النتف فی الفتاوی ص ۱۹۷، مکتبہ عثمانیہ کوئٹہ)

۱۷۔ بَابٌ:

علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کا ذکر بغیر کسی عنوان کے کیا ہے کیونکہ یہ اس سے پہلے عنوان کے لئے بہ منزلہ فصل ہے اور یہ امام بخاری کی عادت ہے کہ جس طرح فقہاء کتاب یا باب کے بعد فصل کو لکھتے ہیں تو امام بخاری بلاعنوان باب کو لکھ دیتے ہیں اور وہ بہ منزلہ فصل ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۵۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۸۴۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ رَجَاءٍ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ أَنَّ عَائِشَةَ أَرَادَتْ أَنْ تَشْتَرِيَ بَرِيرَةَ فَأَبَى مَوَالِيهَا إِلَّا أَنْ يَشْتَرِطُوا الْوَلَاءَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ اشْتَرِيهَا وَأَعْتِقِيهَا فَإِنَّمَا الْوَلَاءُ لِمَنْ أَعْتَقَ وَأُتِيَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم بِلَحْمٍ فَقِيلَ إِنَّ هٰذَا مَا تُصُدِّقَ بِهِ عَلٰى بَرِيرَةَ فَقَالَ هُوَ لَهَا صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ وَزَادَ فَخُيِّرَتْ مِنْ زَوْجِهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن رجاء نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از الحکم از ابراہیم از الاسود، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنے کا ارادہ کیا، سو ان کے مالکوں نے اس کے بغیر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو فروخت کرنے سے انکار کر دیا کہ الولاء ان کے لیے ہوگی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی اس شرط کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: "آپ ان کو خرید کر آزاد کر دیں کیونکہ وَلاء اس کے لیے ہوتی ہے جو غلام کو آزاد کرتا ہے"

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گوشت لایا گیا تو آپ کو بتایا گیا کہ اس گوشت کا حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پر صدقہ کیا گیا ہے، تو آپ نے فرمایا: ''یہ ان کے لیے صدقہ ہے اور ہمارے لیے ہدیہ ہے''، ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے یہ اضافہ کیا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو ان کے شوہر سے اختیار دیا گیا۔

(صحیح البخاری: ۱۴۹۳، ۲۱۵۵، ۲۱۶۸، ۲۵۳۶، ۲۵۶۰، ۲۵۶۱، ۲۵۶۳، ۲۵۶۴، ۲۵۶۵، ۲۵۷۸، ۲۷۱۷، ۲۷۲۶، ۲۷۲۹، ۲۷۳۵، ۵۰۹۷، ۵۰۷۹، ۵۲۷۹، ۵۲۸۴، ۵۴۳۰، ۶۷۱۷، ۶۷۵۱، ۶۷۵۴، ۶۷۵۸، ۶۷۵۸، ۶۷۶۰، صحیح مسلم: ۱۵۰۴، سنن ترمذی: ۱۲۵۶، سنن ابوداؤد: ۳۹۲۹، موطا امام مالک: ۱۵۱۹)

کتاب الزکوٰۃ میں اس تعلیق کو ذکر نہ کرنے کی توجیہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

آدم نے شعبہ سے روایت کی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو ان کے خاوند سے اختیار دیا گیا، امام بخاری نے اس حدیث کی کتاب الزکوٰۃ میں روایت کی ہے لیکن وہاں پر یہ اضافہ مذکور نہیں ہے اور امام بیہقی نے ایک اور سند کے ساتھ اس حدیث کی امام بخاری کے شیخ آدم بن ابی ایاس سے روایت کی ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ حَکَم نے بتایا کہ ابراہیم نے کہا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند آزاد تھے تو ان کو ان کے خاوند سے اختیار دیا گیا، پس معلوم ہوا کہ یہ اضافہ مُدرَج ہے اس لئے امام بخاری نے اس کو کتاب الزکوٰۃ میں ذکر نہیں کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر کے نزدیک تعلیق مذکور کا مُدرج ہونا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کا قصہ از عبداللہ بن رجاء از شعبہ از الحکم بن عتیبہ از ابراہیم النخعی از الاسود بن یزید از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو خریدنے کا ارادہ کیا اور یہاں اس قصہ کو اختصار کے ساتھ صورت ارسال میں ذکر کیا ہے، لیکن انہوں نے اس حدیث کو کفارات الایمان میں اختصار کے ساتھ از سلیمان بن الحرب از شعبہ روایت کیا ہے، اس میں یہ روایت از الاسود از عائشہ رضی اللہ عنہا مذکور ہے اور اسی طرح انہوں نے اس حدیث کو الفرائض میں از حفص بن عمر از شعبہ روایت کیا ہے اور اس کے آخر میں یہ اضافہ کیا ہے کہ حکم نے بیان کیا کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند آزاد مرد تھے، پھر اس کے بعد انہوں نے اس حدیث کو از منصور از ابراہیم از الاسود روایت کیا ہے اور اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو اختیار دیا گیا تو انہوں نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا اور کہا: اگر مجھے اتنا اور مال دیا جائے تب بھی میں اس کے ساتھ نہیں رہوں گی، اسود نے کہا: اور ان کے خاوند آزاد تھے، امام بخاری نے کہا کہ اسود کا یہ قول منقطع ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کو غلام دیکھا تھا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول زیادہ

صحیح ہے، امام بخاری نے عبداللہ بن رجآء کی اس روایت کے بعد از آدم از شعبہ تعلیق ذکر کی ہے، امام بخاری نے اس تعلیق کو کتاب الزکوٰۃ میں ذکر نہیں کیا لیکن امام بیہقی نے امام بخاری کے شیخ آدم سے اس تعلیق کو ذکر کیا ہے اور اس میں مذکور ہے کہ حکم نے بتایا کہ ابراہیم نے کہا کہ ان کے خاوند آزاد تھے اور حضرت بریرہ کو اپنے خاوند سے اختیار دیا گیا، پس معلوم ہوا کہ یہ اضافہ مدرجہ ہے اس لئے امام بخاری نے اس اضافہ کو کتاب الزکوٰۃ میں پیش نہیں کیا (الی اخرہٖ) (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کے نزدیک امام بخاری کی اس روایت کو مدرج قرار دینے اور کتاب الزکوٰۃ میں ذکر نہ کرنے کا سبب

میں کہتا ہوں: جس روایت میں اسود کا اور حکم کا یہ قول مذکور ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند آزاد مرد تھے اور یہ روایت امام بخاری اور شوافع کے نظریہ کے خلاف ہے، اس لئے امام بخاری نے اس تعلیق کو کتاب الزکوٰۃ میں ذکر نہیں کیا اور اس اضافہ کو مدرج قرار دیا لیکن فقہاء احناف کے نزدیک یہ تعلیق اور یہ اضافہ صحیح ہے، کیونکہ ان کے نزدیک جب باندی کو آزاد کر دیا جائے تو اس کو خیارِ عتق دیا جاتا ہے، خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔

۱۸۔ باب: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ (البقرہ:۲۲۱)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں، اور مسلمان باندی (آزاد) مشرک عورت سے بہتر ہے، خواہ وہ تم کو اچھی لگتی ہو۔ (البقرہ:۲۲۱)

مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کا ناجائز ہونا اور اہلِ کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح کا جائز ہونا

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس آیت کریمہ: البقرہ:۲۲۱، کو اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ یہ آیت ان احادیث کی تمہید ہو جن کو امام بخاری نے اس باب میں ذکر کیا ہے، اور اس کے بعد دو بابوں میں ان حدیثوں کا ذکر کیا ہے۔

امام بخاری نے اس باب کا کوئی عنوان قائم کر کے اپنے مقصود پر متنبہ نہیں کیا کیونکہ مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے میں صحابہ اور بعد کے فقہاء کا اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو مکروہ قرار دیتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہ طریق عموم فرمایا ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ (البقرہ:۲۲۱) اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔

اور امام بخاری نے اس باب میں ایک اور حدیث کو وارد کر کے اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عورتوں کو مستثنیٰ فرمایا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدہ:۵) اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال ہیں)

اس لئے البقرہ:۲۲۱، میں جو بالعموم مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح سے منع فرمایا ہے، اس کا عموم المائدہ:۵، سے منسوخ ہے

کیونکہ المائدہ:۵، میں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے، حالانکہ وہ بھی مشرکات ہیں کیونکہ وہ عورتیں یہودی ہیں، تو وہ اس لئے مشرک ہیں کہ وہ حضرت عزیر کو ابن اللہ مانتی ہیں اور وہ عورتیں عیسائی ہیں تو وہ اس لئے مشرک ہیں کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ابن اللہ مانتی ہیں، جیسا کہ درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ (التوبہ:۳۰) اور یہودیوں نے کہا کہ عزیر اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

جمہور صحابہ اور تابعین کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی مخالفت کی ہے۔

امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی شافعی متوفی ۳۲۷ھ، البقرہ:۲۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمانوں نے اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کیا اور صحابہ کی ایک جماعت نے نصرانی عورتوں کے ساتھ نکاح کیا اور انہوں نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

امام ابوعبید القاسم بن سلام الہروی الشافعی المتوفی ۲۲۴ھ لکھتے ہیں:

اس کے موافق آثار وارد ہیں اور صحابہ اور تابعین اور ان کے بعد کے اہل علم سے مروی ہے کہ کتابیات کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہے اور یہی امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، اور الاوزاعی، الثوری، فقہاء احناف اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کا مذہب ہے اور یہی عامۃ الفقہاء کا قول ہے۔

اور دوسروں نے کہا: اس میں صرف حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کا اختلاف ہے، اور ان کا قول صحابہ اور تابعین کی جماعت کے خلاف ہے اور شاذ ہے اور وہ یہودیہ اور نصرانیہ کے ساتھ نکاح کرنے کو جائز نہیں قرار دیتے اور انہوں نے اس آیت کی مخالفت کی ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِينَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدہ:۵) اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال ہیں)۔

اور فقہاء میں سے کسی نے بھی ان کے قول کی طرف التفات نہیں کیا۔

اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کے ثبوت میں آثار صحابہ

اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ نے نائلہ بنت الفرافصہ الکلبیہ سے نکاح کیا اور وہ نصرانی عورت تھی، انہوں نے اپنی ازواج کے اوپر اس سے نکاح کیا، اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ متوفی ۳۷ھ نے ایک یہودی عورت سے نکاح کیا اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۶ھ نے ایک یہودی عورت سے نکاح کیا اور اس وقت ان کے نکاح میں دو مسلمان عورتیں تھیں اور حضرت حذیفہ سے مجوسی عورت کے ساتھ نکاح کا جواز بھی منقول ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ (البقرہ:۲۲۱) اور مسلمان باندی (آزاد) مشرک عورت سے بہتر ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی یہ تاویل کی کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مجوسی عورت کے ساتھ نکاح کو حرام قرار نہیں دیا اوران کی دوسری تاویل یہ تھی کہ مجوس بھی اہل کتاب ہیں۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابوبکر بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ نے از عبداللہ بن ادریس الصلت بن شقیق سلمہ روایت کی ہے کہ حضرت حذیفہ نے ایک یہودی عورت سے نکاح کیا تھا۔

اور امام ابن ابی شیبہ سے دوسری روایت ہے کہ حضرت حذیفہ کے نکاح میں دو عربی مسلمان عورتیں تھیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف مکتوب لکھا کہ تم اس یہودی عورت کا راستہ چھوڑ دو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۱۵۷، ۱۶۱۶۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کی طرف مکتوب لکھ کر پوچھا: کیا یہودی عورت سے نکاح کرنا حرام ہے؟ تو حضرت رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف جواب لکھا: نہیں! لیکن مجھے یہ خطرہ ہے کہ ان میں سے زانیہ عورتیں مسلمان پاک دامن عورتوں کے ساتھ گھل مل کر رہیں گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۱۵۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

اور امام ابوعبید القاسم بن سلام الہروی الشافعی المتوفی ۲۲۴ھ نے کہا ہے: کہ اب مسلمان اس پر متفق ہیں کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی رخصت ہے اوران کی رائے یہ ہے کہ المائدہ: ۵ کی تحلیل، البقرہ: ۲۲۱ کی تحریم کے لئے ناسخ ہے، یعنی

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (المائدہ: ۵) اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لیے حلال ہیں)۔

اس آیت نے اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو حلال قرار دیا ہے اور البقرہ: ۲۲۱ میں ارشاد ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ (البقرہ: ۲۲۱) اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔

پس اس آیت میں جو بالعموم مشرکات کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے، سو اس آیت کا عمومی حکم المائدہ: ۵ سے منسوخ ہو گیا اور صرف ان مشرکات کے ساتھ نکاح حرام ہے جو کتابیہ نہ ہوں۔

البقرہ: ۲۲۱، میں مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کی ممانعت کے دو محمل

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: آیت البقرہ: ۲۲۱، آیت المائدہ: ۵ سے منسوخ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ البقرہ: ۲۲۱، میں مشرکات سے مراد بت پرست عورتیں ہیں۔

اور حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے المائدہ: ۵ میں اَلْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس سے مراد آزاد عورتیں ہیں جو باندیاں نہ ہوں اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ المحصنٰت سے مراد وہ عورتیں ہیں جو زنا سے باز رہنے والیاں ہوں، جیسا کہ دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ (النساء: ۲۵) وہ قلعہ نکاح کی حفاظت میں آنے والیاں بدکار نہ ہوں اور نہ غیروں سے آشنائی کرنے والیاں ہوں۔

پھر مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا المائدہ:۵ کی رخصت ہر کتابیہ پاک دامن عورت کو شامل ہے، عام ازیں کہ وہ آزاد ہو یا باندی ہو، پس ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد آزاد پاک دامن عورتیں ہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہر پاک دامن عورت ہے خواہ وہ آزاد عورت ہو یا باندی ہو اور ایک قول یہ ہے کہ اہل کتاب سے یہاں مراد اسرائیلیات ہیں اور یہ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا مذہب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ذمی عورتیں ہیں نہ کہ حربی عورتیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۳-۳۸۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث پر حافظ ابن حجر کا تبصرہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ البقرہ:۲۲۱ میں مشرکات سے نکاح کی ممانعت اپنے عموم پر ہے اور المائدہ:۵ سے اس عموم کی تخصیص کی گئی ہے اور اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کی رخصت دی گئی ہے۔

علامہ ابن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ بعض متقدمین سے منقول ہے کہ البقرہ:۲۲۱ میں جن مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت ہے اس سے مراد بت پرست عورتیں ہیں اور مجوس کی عورتیں ہیں۔

امام بخاری نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی یہ روایت بیان کی ہے کہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اہل کتاب کی عورتیں یہ کہتی ہیں کہ ان کے رب حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے تھے اور میرے نزدیک اس سے بڑا اور کوئی شرک نہیں ہے کہ کوئی شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا رب مانے۔ (صحیح البخاری: ۵۲۸۵) اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک البقرہ:۲۲۱، میں مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت اپنے عموم پر باقی ہے اور حضرت ابن عمر متوفی ۷۳ھ کی رائے یہ تھی کہ المائدہ:۵ میں جو اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی رخصت دی گئی ہے وہ البقرہ:۲۲۱ سے منسوخ ہے، النحاس نے حضرت ابن عمر کے اس قول کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ ان کی یہ تفسیر ان کے تقویٰ پر محمول ہے۔

اور جمہور صحابہ اور فقہاء تابعین کا مذہب یہ ہے کہ البقرہ:۲۲۱، میں جو بالعموم مشرک عورتوں سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے اس کا عموم المائدہ:۵ سے مخصوص ہے یعنی اہل کتاب کی عورتوں کے سوا باقی مشرک عورتوں سے نکاح کرنا حرام ہے، پس باقی مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا اپنی اصل کے مطابق حرام ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ مطلقاً فرماتے تھے کہ البقرہ:۲۲۱، المائدہ:۵ سے منسوخ ہے، جس میں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی رخصت دی گئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول بھی شاذ ہے۔

علامہ ابوبکر بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ:

متقدمین میں سے کسی کا بھی یہ قول محفوظ نہیں ہے کہ جس نے یہ کہا ہو کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے لیکن امام ابن ابی شیبہ نے سند حسن کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ عطاء یہودیات اور نصرانیات کے ساتھ نکاح کو مکروہ قرار دیتے تھے، انہوں نے کہا کہ اس وقت مسلمان عورتیں بہت کم تھیں اور اس سے معلوم ہوا کہ ایک حالت میں اہل کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح جائز تھا اور دوسری حالت میں ناجائز تھا۔

امام ابوعبید القاسم بن سلام الہروی الشافعی المتوفی ۲۲۴ھ نے کہا ہے:

اب مسلمانوں کا عمل اس پر ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی رخصت ہے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے روایت ہے کہ وہ یہ حکم دیتے تھے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے اجتناب کیا جائے لیکن وہ اس کے ساتھ نکاح کو حرام نہیں قرار دیتے تھے اور ابن المرابط نے النحاس کی متابعت میں یہ کہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جو اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کو حرام قرار دیتے تھے، ان کی بھی یہی مراد ہے لیکن یہ ظاہر سیاق کے خلاف ہے۔

اور حضرت حذیفہ بن یمان متوفی ۳۶ھ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک مجوسی عورت کو اپنی باندی بنالیا تھا، لیکن قرآن مجید سے ظاہر یہ ہے کہ مجوس اہل کتاب سے نہیں ہیں لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس پر جزیہ مقرر کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ اہل کتاب ہیں تو پھر قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان پر بھی اہل کتاب کے احکام جاری کئے جائیں لیکن اس دلیل کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ مجوس سے جزیہ لینا اس وجہ سے ہے کہ اس کے متعلق حدیث وارد ہے اور اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے متعلق کوئی حدیث وارد نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۴، ۴۸۳، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اہل کتاب کی مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کے متعلق فقہاء کے نظریات

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے متعلق لکھتے ہیں:

اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کو حرام فرمادیا ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ (البقرہ:۲۲۱)

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں اور مسلمان باندی (آزاد) مشرک عورت سے بہتر ہے خواہ وہ تم کو اچھی لگتی ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت میں اہل کتاب کی مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدہ:۵)

اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں۔

المروزی اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ:

انہوں نے البقرہ:۲۲۱ کی تفسیر میں فرمایا: اس آیت کو المائدہ:۵ نے منسوخ کردیا ہے، سو اہل کتاب کی مشرک عورتیں مسلمانوں کے لئے حلال ہوگئیں۔ (السنہ: ۳۲۷، جامع البیان: ۴۲۱۵، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ، الاوسط ج ۸ ص ۴۰۷، دارالفلاح ۱۴۳۰ھ)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کی تفسیر

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ ان دونوں آیتوں میں نہ کوئی آیت ناسخ ہے اور نہ دوسری منسوخ، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ البقرہ:۲۲۱ میں اہل کتاب کی مشرک عورتوں کے سوا باقی تمام مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہے اور سعید بن جبیر نے کہا، البقرہ:۲۲۱ میں بت پرستوں اور مجوس کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا

ہے۔(جامع البیان ج ۲ ص ۴۷۷، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی الحنفی المتوفی ۳۳۳ھ کی تفسیر

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

اہل کتاب کا اس آیت کی تفسیر میں اختلاف ہے، بعض مفسرین نے کہا کہ ہر مشرک مرد اور ہر مشرک عورت کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے، خواہ وہ اہل کتاب میں سے ہو یا غیر اہل کتاب میں سے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ (البقرہ:۲۲۱)

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں اور مسلمان باندی (آزاد) مشرک عورت سے بہتر ہے خواہ وہ تم کو اچھی لگتی ہو اور مشرک مردوں سے نکاح نہ کرو حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں اور مسلمان غلام (آزاد) مشرک مرد سے بہتر ہے خواہ وہ تم کو اچھا لگتا ہو، یہ (مشرکین) دوزخ کی آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے اذن سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور لوگوں کے لئے اپنی آیات بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت قبول کریں ۝

پھر اللہ تعالیٰ نے البقرہ:۲۲۱ کے عموم کو درج ذیل آیت سے منسوخ فرمادیا:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدہ:۵)

اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں۔

سو مشرکہ باندیوں کے ساتھ نکاح کی ممانعت البقرہ:۲۲۱ کے عموم سے قائم رہی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کو مستثنیٰ فرمایا ہے نہ کہ مشرکہ باندیوں کے ساتھ نکاح کو مستثنیٰ فرمایا ہے۔

عکرمہ اور حسن بصری سے بھی اسی طرح منقول ہے (جامع البیان:۴۲۱۶) اور مجاہد سے بھی اسی طرح منقول ہے (جامع البیان: ۴۲۱۷، ۴۲۱۸) اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے لکھا ہے۔(الدر المنثور ج ۱ ص ۴۵۸)

علامہ ماتریدی حنفی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

اور دوسرے فقہاء نے کہا کہ البقرہ:۲۲۱ سے صرف مشرکات کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے نہ کہ کتابیات کے ساتھ نکاح کا جواز المائدہ:۵ سے مستثنیٰ ہے خواہ وہ آزاد عورتیں ہوں یا باندیاں، اس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ (النساء:۲۴)

اور تم پر وہ عورتیں حرام کی گئی ہیں جو دوسروں کے نکاح میں ہوں مگر (کافروں کی) جن عورتوں کے تم مالک بن جاؤ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکہ باندیوں کے ساتھ نکاح کی حرمت کو شادی شدہ مسلمان عورتوں کے ساتھ نکاح کی تحریم کو مستثنیٰ فرمادیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی نکاح کے جواز کے حکم میں داخل ہیں، نیز اس پر اجماع ہے کہ مشرکہ قیدی عورتیں ہمارے لئے حلال ہیں، پس جب ہمارے لیے مشرکہ قیدی عورتوں کے ساتھ نکاح کو حلال کر دیا ہے تو وہ بھی آزاد عورتوں کی مثل

ہیں، پس اس سے ثابت ہوا کہ اہل کتاب کی مشرکہ باندیوں کے ساتھ بھی نکاح حلال ہے اور ان کا قول باطل ہو گیا جنہوں نے اہل کتاب کی مشرکہ باندیوں کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے اور صرف اہل کتاب کی آزاد عورتوں کے ساتھ نکاح کی اجازت کو مخصوص قرار دیا ہے۔ (تاویلات اھل السنہ ج ۲ ص ۱۲۲-۱۲۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صدر الا فاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر

علامہ صدر الا فاضل سید محمد نعیم الدین مراد آبادی متوفی ۱۳۶۷ھ البقرہ: ۲۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ایک روز حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ متوفی ۸ھ نے کسی خطاء پر اپنی باندی کو طمانچہ مارا، پھر خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس کا ذکر کیا، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حال دریافت فرمایا، عرض کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دیتی ہے اور رمضان کے روزے بھی رکھتی ہے، خوب وضوء کرتی ہے اور نماز پڑھتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مومنہ ہے، انہوں نے عرض کیا: اس کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر مبعوث فرمایا! میں اس کو آزاد کر کے اس کے ساتھ نکاح کروں گا اور انہوں نے ایسا ہی کیا، اس پر لوگوں نے طعنہ دیا کہ آپ نے ایک سیاہ فام باندی کے ساتھ نکاح کیا ہے حالانکہ فلاں مشرکہ آزاد عورت آپ کے لئے حاضر ہے وہ حسین بھی ہے اور مال دار بھی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ولامة مومنة، یعنی مسلمان باندی مشرکہ سے بہتر ہے خواہ مشرکہ آزاد ہو اور حسن و جمال کی وجہ سے اچھی معلوم ہوتی ہو۔ (خزائن العرفان فی تفسیر القرآن ص ۴۳، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تفسیر

پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۹۸ء البقرہ: ۲۲۱ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان کفار سے رشتہ لیا بھی کرتے تھے اور دیا بھی کرتے تھے لیکن اب انہیں اس بات سے روک دیا گیا کہ مانا کوئی مشرک عورت اپنے مال و دولت، حسن و جمال، فضل و کمال میں بڑھی ہوئی ہے لیکن اس کے شرک کے عیب نے اس کے تمام حسن و کمال کو بدنما بنا کر رکھ دیا ہے اور مومنہ پر ایمان کے نور کا جو ہالہ ہے اس نے اس کی دوسری جملہ خامیوں کی کسر نکال دی ہے اور یہی فرق مومن مرد اور مشرک مرد کا ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب میاں اور بیوی کے عقائد بالکل متضاد ہوں گے، ایک اللہ وحدہ لاشریک کا بندہ اور دوسرا ہزاروں بتوں کا پرستار ہو گا تو ان کی کب نبھ سکے گی، لامحالہ آج نہیں تو کل یہ کشتی کسی چٹان سے ٹکرائے گی اور پاش پاش ہو جائے گی، نیز وہ دو قومیں جو ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں، ان کے افراد کو ایک دوسرے پر کب اعتماد ہو گا اور وہ شادی جہاں باہمی اعتماد نہ ہو جذبات اور امنگیں ایک دوسرے سے بالکل متضاد ہوں، وہ زیادہ دیر پا نہیں ہو سکتی، اس لئے تم جذبات کی رو میں نہ بہہ جاؤ اور اپنے مستقبل کو برباد نہ کرو۔

سابقہ حکم کی حکمت بیان کی جا رہی ہے یعنی اگر مشرک عورت سے شادی رچائی تو وہ اپنی پوری کوشش کرے گی کہ وہ تمہیں اسلام سے روگرداں کر دے اور عورت کے دام فریب میں تو بڑے بڑے سورماؤں کو پھڑکتے دیکھا ہے اور اگر تم نے اپنی بیٹی کسی مشرک سے بیاہ دی تو ممکن ہے اس کی ہیبت کا کوئی جھونکا تمہاری بیٹی کے ایمان کی شمع بجھا دے تم خود سوچو یہ کتنا ناقابل اعتبار خسارہ ہے۔

(ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۵۱-۱۵۲، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۲۰۱۱ء)

نیز پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۹۹۸ء المائدہ: ۵ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

محصنٰت کا معنی ہے: پاک دامن، یہاں مسلمانوں کو ترغیب دلائی جارہی ہے کہ اگر تم شادی کرنا چاہتے ہو تو حسن و دولت کی وجہ سے شادی نہ کرو بلکہ عفت اور پاک دامنی کی وجہ سے جو مزین ہو اس کے ساتھ شادی کرو، یہی ایک ایسی محکم بنیاد ہے جس پر گھر کی جو عمارت اٹھائی جائے گی وہ زندگی میں پیش آنے والے سارے حادثات اور طوفانوں کا مقابلہ کر سکے گی۔

پہلے یہ بتایا کہ اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے، اب یہ بتایا جارہا ہے کہ ان کی نیک عورتوں سے بھی تم شادی کر سکتے ہو، بعض علماء کے نزدیک صرف ان کتابی عورتوں سے شادی کی اجازت ہے جو مملکتِ اسلامیہ کی رعایا ہوں، دارالحرب میں رہنے والی کتابی عورتوں سے اجازت نہیں، احناف کے نزدیک حرام تو نہیں لیکن مکروہ ضرور ہے، لیکن بعض علماء نے ہر کتابی عورت سے نکاح کی اجازت دی، خواہ وہ مملکتِ اسلامیہ کی رعایا ہو یا دارالحرب کی باشندہ ہو، یہاں یہ بات یاد رہے کہ قرآن نے جو حلال فرمایا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی عورت کا صرف یہودی یا نصرانی ہونا اس کی حرمت کا باعث نہیں لیکن اگر اس کی وجہ سے اور خرابیاں رونما پذیر ہوتی ہوں تو پھر یہ حرمت لغیرہ ثابت ہو جائے گی۔ یہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں نے ایسی عورتوں سے شادی کی ان کے گھروں میں وہی طرز معاشرت داخل ہو گئی، وہی بے پردگی، وہی غیر مردوں سے عام اختلاط، اسلامی عبادات سے بے رغبتی اور اخلاق و آداب سے بے رُخی اور پھر یہی اثر ان کی اولاد میں بھی چلا جاتا ہے۔

تاریخ میں ایسی مثالیں بہ کثرت ملتی ہیں کہ یہودی اور نصرانی عورتوں نے مسلمانوں کے ایسے ایسے راز اپنی قوم تک پہنچائے جس سے مسلمانوں کو سخت مشکلات سے دوچار ہونا پڑا، اس لئے ان وجوہات کے باعث ایسی عورتوں سے نکاح کرنے پر پابندی لگا دی جائے تو عین حکمت ہے۔ (ضیاء القرآن ج ا ص ۴۴۲-۴۴۳، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۲۰۱۱ء)

مصنف کی تفسیر

مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کے ساتھ مسلمانوں کے نکاح کا عدم جواز

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے یتیم کے ساتھ مخالطت کا جواز بیان فرمایا تھا، جس کا تقاضا یہ تھا کہ یتیم کے مال کے ساتھ اپنا مال بھی مخلوط کرنا جائز ہے اور یتیم لڑکے اور یتیم لڑکی کے ساتھ اپنا یا اپنی اولاد کا نکاح کرنا بھی جائز ہے، تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بعض مسائل بیان فرمائے کہ مشرک مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کا اور مشرک عورتوں کے ساتھ مسلمان مردوں کا نکاح جائز نہیں ہے، کیونکہ نکاح کی وجہ سے شوہر اور بیوی کے ساتھ جو جسمانی اور ذہنی قرب ہوتا ہے اس سے دونوں ایک دوسرے کے عقائد نظریات، افکار اور خیالات سے متاثر ہوتے ہیں، اس لئے یہ خدشہ ہے کہ مشرک شوہر کے عقائد سے مسلمان بیوی متاثر ہو یا مشرک عورت کے نظریات سے مسلمان شوہر متاثر ہو جائے، لیکن جب کوئی چیز نفع اور نقصان کے درمیان دائر ہو تو نقصان سے بچنے کو نفع کے حصول پر مقدم کیا جاتا ہے، اس لئے اسلام نے مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مناکحت کا معاملہ کلیۃً منقطع کر دیا، یہاں شرک سے مراد کفر ہے، اس لئے ملحد، مجوسی، بت پرست اور کسی قسم کے بھی کافر سے نکاح جائز نہیں ہے مسلمان مرد کا نہ مسلمان عورت کا۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق لکھتے ہیں:

امام ابن ابی حاتم اور امام ابن المنذر نے مقاتل بن حیان سے روایت کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو مرثد غنوی کے متعلق نازل ہوئی ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ عناق نامی ایک مشرکہ عورت سے نکاح کر لیں جو نہایت حسین و جمیل عورت تھی

اور حضرت ابو مرشد مسلمان ہو چکے تھے، انہوں نے کہا: یارسول اللہ! وہ عورت مجھے بہت اچھی لگتی ہے، تب یہ آیت نازل ہوئی: اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ الآیہ۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۶ مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی ایران)

اس آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ آزاد مشرک کی بہ نسبت مسلمان غلام بہتر ہے اور کسی آزاد مسلمان عورت کا نکاح مسلمان غلام سے کر دینا اللہ کے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ اس کا نکاح آزاد مشرک سے کیا جائے، حالانکہ غلام آزاد کا کفو نہیں ہے، سو غیر کفو میں نکاح کے جواز کے لئے یہ آیت صریح جزیہ ہے۔

مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کے باوجود اہل کتاب سے نکاح کے جواز کی توجیہ

اسلام میں یہ جائز ہے کہ اہل کتاب عورتوں کے ساتھ مسلمان مرد نکاح کر لیں لیکن اہل کتاب مردوں کے ساتھ مسلمان عورتوں کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے، قرآن مجید نے مشرکہ عورتوں سے نکاح کی ممانعت کے باوجود کتابیہ یعنی یہودی یا عیسائی عورت کے ساتھ نکاح کی اجازت دی ہے:

وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۖ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۗ (المائدہ:۵)

اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے اور (تمہاری) آزاد پاک دامن مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (تمہارے لیے حلال ہیں) جب کہ تم ان سے نکاح کر کے ان کا مہر ادا کرو، نہ ان سے ظاہراً بدکاری کرو اور نہ خفیہ آشنائی کرو۔

اب یہ سوال ہے کہ جب اللہ عزوجل نے مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کر دی تھی تو پھر کتابیہ سے نکاح کی اجازت کیوں دی، جب کہ اہل کتاب یہودی اور عیسائی بھی مشرک ہیں، قرآن مجید میں ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۗ (التوبہ:۳۰)

اور یہود نے کہا: عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا: مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ یہود و نصاریٰ دونوں مشرک ہیں لیکن قرآن مجید کی اصطلاح ہے کہ اس نے بت پرستوں پر مشرکین کا اطلاق کیا ہے اور یہود و نصاریٰ پر اہل کتاب کا، قرآن مجید میں ہے:

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ (البقرہ:۱۰۵)

کافروں میں سے اہل کتاب اور مشرکین یہ پسند نہیں کرتے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ (البینہ:۱)

کافر اہل کتاب اور مشرکین بغیر واضح دلیل کے اپنے دین کو چھوڑنے والے نہ تھے ۝

دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ مشرک عورتوں میں اہل کتاب عورتیں بھی داخل تھیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے مشرکات کے عموم سے اہل کتاب عورتوں کو مستثنیٰ فرما لیا، اور یہ اصطلاح میں عام مخصوص عنہ البعض ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں:

امام ابن جریر، امام ابن المنذر، امام ابن ابی حاتم، اور امام بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے "وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ" (البقرہ:۲۲۱) کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے اہل کتاب کی عورتوں کو مستثنیٰ کرلیا ہے اور دلیل استثناء یہ آیت ہے:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (تمہارے لئے حلال ہیں)۔ (المائدہ:۵)

(الدر المنثور ج ۱ ص ۲۵۶، مکتبہ آیۃ اللہ العظمی، ایران)

باقی رہی یہ بحث کہ خالص مشرک عورتوں اور اہل کتاب میں نکاح کے جواز کا فرق کرنے کی وجہ کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مشرک نہ خدا کو مانتا ہے نہ کتاب کو، نہ رسول کو نہ قیامت کو اور جزاء اور سزاء کو، نہ حلال اور حرام کا قائل ہوتا ہے، اس کے برعکس اہل کتاب ان تمام امور کو مانتے ہیں، ان کے کفر کی صرف یہ وجہ ہے کہ انہوں نے غلو محبت میں اپنے اپنے رسول کو خدا اور خدا کا بیٹا کہہ دیا۔

دوسری بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں کا اہل کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا ہے، اور مسلمان عورتوں کا اہل کتاب مردوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں کیا، اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عائلی اور گھریلو زندگی میں مرد حاکم ہوتا ہے اور اس کا گھر میں قبضہ اور اقتدار ہوتا ہے اور عورت فطرتاً منفعل مزاج اور گھر میں محکوم ہوتی ہے، اگر کسی یہودی یا عیسائی مرد کے ساتھ مسلمان عورت کا نکاح جائز ہوتا تو عین ممکن تھا کہ وہ مسلمان عورت اپنے کافر شوہر کے معتقدات اور خیالات سے متاثر ہو جاتی اور اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جاتی، اس کے برعکس جب شوہر مسلمان ہو اور بیوی یہودی یا عیسائی ہو تو چونکہ گھر میں حاکم اور مقتدر شوہر ہوتا ہے، اس لئے گھر میں اسلامی ماحول اور لٹریچر فراہم ہوگا اور مسلمان خاندان سے میل جول اور ربط وضبط کی وجہ سے اس کے اسلام قبول کرنے کے بہت ذرائع میسر ہوں گے اور وہ جلد یا بہ دیر مسلمان ہو جائے گی، اور اگر بالفرض وہ مسلمان نہ بھی ہو تو بچے بہرحال باپ کے تابع رہیں گے، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ تمام مواقع دار الاسلام میں ہی میسر ہوتے ہیں، اس لئے ہمارے فقہاء نے لکھا ہے کہ دار الحرب میں اہل کتاب عورت کے ساتھ نکاح کرنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ وہاں کفر کا غلبہ ہوتا ہے اور جس حکمت کی وجہ سے اہل کتاب عورت کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا گیا ہے، اس کے پورے ہونے کے مواقع میسر نہیں ہیں۔

(تبیان القرآن ج ۱ ص ۷۸۴۔ ۷۸۲، فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۳۰ھ)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اہل کتاب عورتوں کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دینا

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ زید بن وہب الجہنی سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ نے ہماری طرف مکتوب لکھا کہ مسلمان مرد کا نصرانی عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اور نصرانی مرد کا مسلمان عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۱۷۲، نشر السنہ ملتان، مصنف عبد الرزاق: ۱۰۰۵۸، بیروت)

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ محمد بن جبیر بن مطعم سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ نے نائلہ بنت الفرافصہ سے نکاح کیا جب کہ وہ نصرانی تھیں۔ (السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۱۷۲، نشر السنہ ملتان)

امام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ خمیرہ بنت مریم سے روایت کرتے ہیں:

حضرت طلحہ بن عبید اللہ متوفی ۳۷ھ، نے یہودی عورت سے نکاح کیا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰۰۶۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ ابوالزبیر سے روایت کرتے ہیں: انہوں نے کہا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما متوفی ۷۸ھ سے سوال کیا گیا کہ آیا مسلمان مرد یہودیہ یا نصرانیہ سے نکاح کر سکتا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے فتح مکہ کے زمانہ میں ان کے ساتھ کوفہ میں نکاح کیا اور ہمارے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ھ بھی تھے اور اس وقت ہمیں مسلمان عورتیں زیادہ دستیاب نہیں تھیں، پس جب ہم واپس لوٹے تو ہم نے ان کو طلاق دے دی، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اہل کتاب کی عورتیں ہمارے لئے حلال ہیں اور ہماری عورتیں ان پر حرام ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۲۶۷۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

فقہاء تابعین، ائمہ مجتہدین اور دیگر کا اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو کراہت کے ساتھ جائز قرار دینا

جن فقہاء تابعین وغیرھم نے اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا ہے ان کی روایات درج ذیل ہیں:

(۱) عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، (مصنف عبدالرزاق: ۱۲۶۶۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۲) طاؤس متوفی ۱۰۶، (مصنف عبدالرزاق: ۱۲۶۷۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۳) سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۷)

(۴) الحسن البصری متوفی ۱۱۰ھ، (سنن سعید بن منصور: ۷۱۹، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۵) محمد بن مسلم بن شہاب الزہری متوفی ۱۵۲ھ (مصنف عبدالرزاق: ۱۲۶۷۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۸، بیروت)

(۶) الثوری متوفی ۱۶۱ھ، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ (کتاب الام ج ۵ ص ۸، دارالفکر بیروت ۱۴۰۳ھ)

(۷) امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ: (مسائل احمد واسحاق: ۸۸۶)

(۸) عام اہل مدینہ: (المدونہ ج ۲ ص ۲۱۸، داراحیاء التراث العربی بیروت)

(۹) عام فقہاء احناف: (المبسوط ج ۵ ص ۴۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۱۰) امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی المتوفی ۴۵۸ھ اپنی سند کے ساتھ علی بن حسن متوفی ۶۷ھ سے روایت کرتے ہیں:

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۶ھ نے ایک یہودی عورت سے نکاح کیا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف مکتوب لکھا کہ وہ اس سے الگ ہو جائیں، اور فرمایا: مجھے یہ خطرہ ہے کہ تم مسلمان عورتوں کو چھوڑ دو گے اور فاحشہ عورتوں سے نکاح کرو گے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۷۲، نشر السنہ بیروت)

(۱۱) امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ نافع سے روایت کرتے ہیں:

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اس کو مکروہ قرار دیتے تھے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کیا جائے اور وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مسلمان عورتیں زیادہ تعداد میں پیدا کی ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۹۷، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

بعض صحابہ کے اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو مکروہ قرار دینے کی توجیہ

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ، اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اَلْیَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ ؕ وَ طَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَ طَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۪ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ ۔الآیہ (المائدہ:۵)

آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے اور آزاد پاک دامن مسلمان عورتیں اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں۔

علامہ ابوبکر ابن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا: سو اس آیت مبارکہ کے ظاہر سے اہل کتاب کی عورتیں مباح ہیں، رہا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ المتوفی ۲۴ھ کا ان کے ساتھ نکاح کا ناپسند فرمانا تو یہ اس وجہ سے نہیں تھا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیتے تھے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس چیز کو ناپسند فرماتے تھے کہ مسلمان عورتوں کو چھوڑ کر فاحشہ عورتوں سے نکاح کیا جائے جیسا کہ ابھی سنن بیہقی ج ۷ ص ۱۷۲ کے حوالہ سے گزر چکا ہے، اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کا قول بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مسلمان عورتیں بہت زیادہ پیدا کی ہیں، کیونکہ اگر ان کے نزدیک اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح حرام ہوتا تو وہ ہر حال میں حرام ہوتا، خواہ مسلمان عورتوں کی تعداد کم ہو یا زیادہ۔

دار الحرب میں اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے جواز میں فقہاء کا اختلاف

اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا دار الحرب میں اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے یا نہیں؟

سو بعض فقہاء نے ان کے ساتھ نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے اور جنہوں نے ان کے ساتھ نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے ان میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، مجاہد اور ابو عیاض ہیں۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۷۳۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۴۹۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

- امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ مجاہد سے روایت کرتے ہیں: کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: جب مسلمان دار الحرب میں کافروں کے ساتھ برسر جنگ ہوں تو پھر اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

حکم نے کہا: میں نے ابراہیم نخعی کو یہ حدیث بیان کی تو انہوں نے اس حدیث کو بہت پسند کیا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۴۹۸، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

سفیان ثوری کا بھی یہی قول ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کہتے تھے کہ جب مسلمان دار الحرب میں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کریں اور ان مسلمانوں کو یہ اجازت ہو کہ وہ اپنی بیویوں اور اپنے بچوں کو سرزمین اسلام کی طرف لے جائیں تو پھر اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر انہیں یہ خطرہ ہو کہ وہ ان کی بیویوں اور بچوں کو سرزمین اسلام کی طرف نہیں جانے دیں گے تو پھر مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی بیویوں اور بچوں کو سرزمین کفر میں چھوڑے

رکھیں۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۱۸، دار احیاء التراث العربی بیروت)

مجوس کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم المنذر النیشا پوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

اہل علم کا مجوس کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے جواز میں اختلاف ہے۔

حافظ ابوعمر یوسف بن عبد البر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے لکھا ہے:

اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ مجوسیات کے ساتھ مسلمانوں کا نکاح کرنا حرام ہے۔ (التمہید ج ۲ ص ۱۲۸)

الحسن البصری، الزہری، الاوزاعی، اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ مسلمان مرد مجوسیہ کے ساتھ نکاح نہ کرے۔

(المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۱۴، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور اہل مدینہ، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے موافقین نے بھی مسلمان مرد کے مجوسی عورتوں کے ساتھ نکاح کو ناجائز کہا ہے۔ (المبسوط للسرخسی ج ۵ ص ۲۴۴، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ)

امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے بھی مسلمان مرد کے مجوسیہ کے ساتھ نکاح کو ناجائز قرار دیا ہے۔

(کتاب الام ج ۵ ص ۲۴۴، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ)

امام اسحاق بن راہویہ نے بھی مجوسیہ کے ساتھ نکاح کو ناجائز کہا ہے۔ (مسائل احمد واسحاق: ۸۸۶)

امام شافعی نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۶ھ کی بیوی مجوسیہ تھی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ نے ان سے کہا کہ اس کو طلاق دے دو، تو حضرت حذیفہ نے کہا: کیا مجوس اہل کتاب نہیں ہیں؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سختی سے کہا کہ تم اس کو طلاق دے دو۔ (المحلی بالآثار لابن حزم ج ۹ ص ۴۴۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اس اثر کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۹ ص ۱۹۲)

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ اپنی سند کے ساتھ ابن ابزیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجوس اہل کتاب ہیں، سو ان میں وہ احکام جاری کرو جو تم اہل کتاب کے متعلق احکام جاری کرتے ہو۔

(جامع البیان للطبری ج ۳۰ ص ۱۳۲، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے بھی اس اثر کی روایت کی ہے۔

(المحلی بالآثار ج ۹ ص ۴۴۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اس حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۶۱)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۸ ص ۴۶-۴۷۷، دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

۵۲۸۵۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا سُئِلَ عَنْ نِكَاحِ النَّصْرَانِيَّةِ وَالْيَهُودِيَّةِ قَالَ إِنَّ اللهَ حَرَّمَ الْمُشْرِكَاتِ عَلَى

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از نافع، وہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نصرانی عورت اور

الْمُؤْمِنِينَ وَلَا أَعْلَمُ مِنَ الْإِشْرَاكِ شَيْئًا أَكْبَرَ مِنْ أَنْ تَقُولَ الْمَرْأَةُ رَبُّهَا عِيسَى وَهُوَ عَبْدٌ مِنْ عِبَادِ اللهِ۔ (تحفۃ الاشراف: ۵۳۰۵)

یہودی عورت کے ساتھ نکاح کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ فرماتے: بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین پر مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کو حرام فرمادیا ہے اور میرے علم میں اس سے بڑا کوئی شرک نہیں ہے کہ کوئی عورت یہ کہے کہ میرا رب عیسیٰ ہے، حالانکہ وہ اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے ہیں۔

اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے جواز کے متعلق صحابہ کرام، فقہاء تابعین، ائمہ مجتہدین اور جمہور مسلمین کا نظریہ

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کو حرام فرمادیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ (البقرہ: ۲۲۱) اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو، حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کو ان مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کا استثناء فرمادیا، پس درج ذیل آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ نکاح کو حلال فرمادیا:

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدہ: ۵) اور تم سے پہلے اہل کتاب کی آزاد پاک دامن عورتیں (بھی تمہارے لئے حلال ہیں)۔

اور باقی تمام مشرک عورتیں اصل تحریم پر باقی رہیں۔

امام ابوعبید القاسم بن سلام الہروی المتوفی ۲۲۴ھ لکھتے ہیں:

یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے مروی ہے اور دیگر صحابہ اور تابعین کے آثار بھی مروی ہیں اور ان کے بعد اہل علم کا بھی یہی مختار ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، الاوزاعی، الثوری اور فقہاء احناف اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور عامۃ الفقہاء کا یہی مذہب ہے، اور سوائے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی اور ان کا قول جماعت صحابہ اور فقہاء تابعین کے مقابلہ میں شاذ ہے، انہوں نے یہودی اور نصرانی عورت کے ساتھ نکاح کو جائز قرار نہیں دیا اور المائدہ: ۵ کی مخالفت کی اور فقہاء میں سے کسی نے ان کے قول کی طرف التفات نہیں کیا۔

امام ابوعبید القاسم بن سلام الہروی المتوفی ۲۲۴ھ نے کہا ہے: اس دور میں تمام مسلمان اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کی رخصت دیتے ہیں اور ان کی رائے یہ ہے کہ المائدہ: ۵ کی تحلیل البقرہ: ۲۲۱ کی تحریم کے لئے ناسخ ہے، کیونکہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ نے نائلہ بنت الفرافصہ الکلبیہ کے ساتھ نکاح کیا تھا اور وہ نصرانی خاتون تھیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی مسلمان بیویوں کے باوجود ان سے نکاح کیا تھا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ متوفی ۳۷ھ نے ایک یہودی خاتون سے نکاح کیا تھا اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۶ھ نے بھی ایک یہودی خاتون سے نکاح کیا تھا اور اس وقت ان کے نکاح میں دو مسلمان

آزاد عورتیں موجود تھیں اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح سے اجتناب کا حکم دیتے تھے لیکن وہ اس نکاح کو حرام نہیں کہتے تھے۔

اور ابوثور نے جماعت فقہاء کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ مجوس کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۵۵-۳۵۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المتوفی ۸۰۴ھ نے اس باب اور اس حدیث کی شرح میں وہی لکھا ہے جس کو ہم علامہ ابن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کے حوالوں سے نقل کر چکے ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۴۲-۳۴۶، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

عیسائیوں کے اس عقیدہ کا بُطلان کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام رب ہیں اور تین میں کے تیسرے ہیں

کیونکہ رب عزوجل اور خدا کیلئے ضروری ہے کہ وہ واجب اور قدیم ہو، کیونکہ جو ممکن اور حادث ہو وہ رب اور خدا نہیں ہوسکتا اس لئے کہ جو ممکن اور حادث ہو وہ اپنے وجود میں کسی موجد اور محدث کا محتاج ہوگا اور جو محتاج ہو وہ خدا نہیں ہوگا، سو ضروری ہوا کہ رب اور خدا وہی ہوگا جو واجب اور قدیم ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے بطن سے پیدا ہوئے اور پیدا ہونے سے پہلے وہ موجود نہیں تھے، سو وہ حادث اور ممکن قرار پائے اور جو حادث اور ممکن ہو وہ رب اور خدا نہیں ہوسکتا، نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہلے مہد اور پنگوڑہ میں نومولود بچہ تھے، پھر وہ بالغ ہوئے، پھر جوان ہوئے، پھر وہ ادھیڑ عمر کو پہنچے یعنی کُھول ہوئے، پھر جب یہود نے ان کو اپنے عقیدے کے مطابق صلیب پر چڑھایا تو یہودیوں اور عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق ان کو قتل کر دیا گیا، سو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ تغیرات عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق وارد ہوئے اور جس پر تغیرات وارد ہوں وہ ممکن اور حادث ہوتا ہے اور جو ممکن اور حادث ہو وہ رب اور خدا نہیں ہوسکتا، سو حضرت عیسیٰ علیہ السلام رب اور خدا نہیں ہیں۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے:

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْهِ وَ جَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۵۹﴾ (الزخرف:۵۹)

ابن مریم محض ہمارے (مقدس) بندے ہیں، ہم نے ان پر انعام فرمایا اور ہم نے ان کو بنی اسرائیل کے لئے اپنی قدرت کی نشانی بنایا ہے ○

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تم میرے متعلق ایسا غلو نہ کرو جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کے متعلق غلو کیا، سو میں صرف اللہ کا بندہ ہوں، پس تم میرے متعلق کہو کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ (صحیح البخاری: ۳۴۴۵، مسند احمد: ۱۵۵، سنن دارمی: ۲۷۸۴)

اور نصرانیہ عورت یہ کہتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے رب ہیں اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ نصرانی عورت کے ساتھ نکاح اس وقت حلال ہے کہ جب وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حقیقی دین کے اوپر قائم ہو جس میں شرک نہیں تھا، پس دین مسیحی

ہے جس میں شرک بالکل نہ ہو۔

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۚ (المائدہ:۱۷)
بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا: یقیناً مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ (التوبہ:۳۰)
اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ محض ان کے منہ سے کہی ہوئی (بے سروپا) باتیں ہیں، یہ اپنے سے پہلے کافروں کی کہی ہوئی باتوں کی مشابہت کرتے ہیں، ان پر اللہ کی پھٹکار یہ کہاں اوندھے جارہے ہیں O

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ (المائدہ:۷۳)
بے شک وہ لوگ کافر ہوئے جنہوں نے کہا: بلاشبہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے۔

تاہم صحیح مذہب جمہور فقہاء کا ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۵۳، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے اگرچہ مکروہ تنزیہی ہے، جو عورت کسی نبی مرسل پر ایمان رکھتی ہو اور کسی نازل شدہ کتاب کا اقرار کرتی ہو، اگرچہ ان لوگوں کا یہ اعتقاد ہو کہ حضرت مسیح معبود ہیں اور اسی طرح ہمارے مذہب کے مطابق ان کا ذبیحہ کھانا بھی جائز ہے (البحر الرائق) اور معتزلہ کی عورتوں کے ساتھ نکاح بھی جائز ہے، کیونکہ ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۴ ص ۱۰۱-۱۰۲، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

علامہ محمد امین بن عمر بن عبد العزیز عابدین الدمشقی الشامی الحنفی المتوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

فتح القدیر میں مذکور ہے کہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ یہ نکاح نہ کیا جائے اور بغیر ضرورت کے ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے اور اہل کتاب کی جو عورت دار الحرب میں ہو اس کے ساتھ نکاح کرنا اجماعاً مکروہ (تحریمی) ہے کیونکہ اس سے فتنہ کا دروازہ کھلتا ہے اور اپنی اولاد کو کفار کے اخلاق کے ساتھ متخلق کرنے کا سبب ہے۔

جو شخص کسی آسمانی دین کا اعتقاد رکھتا ہو اور اس کے پاس کوئی نازل شدہ کتاب ہو جیسے صحائف ابراہیم اور صحائف شیث اور زبور داؤد، سو وہ اہل کتاب میں سے ہیں تو ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا اور ان کا ذبیحہ کھانا جائز ہے اور شیخ الاسلام کی مبسوط میں مذکور ہے کہ جب وہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کی الوہیت کا اعتقاد رکھیں یا حضرت عزیر علیہ السلام کی الوہیت کا اعتقاد رکھیں تو پھر واجب ہے کہ ان کا ذبیحہ نہ کھایا جائے اور نہ ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کیا جائے، ایک قول یہ ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے لیکن دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا ذبیحہ کھایا جائے اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کیا جائے۔

البحر الرائق میں مذکور ہے کہ خلاصہ یہ ہے کہ مذہب یہ ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا مطلقاً حلال ہے کیونکہ شمس الائمہ سرخسی نے المبسوط میں ذکر کیا ہے کہ نصرانی کا ذبیحہ مطلقاً حلال ہے خواہ وہ یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ حضرت مسیح علیہ السلام تین میں کے تیسرے ہیں، کیونکہ قرآن مجید نے ان عورتوں کے ساتھ نکاح کو مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔

(ردالمحتار ج ۴ ص ۱۰۱-۱۰۲، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اہل کتاب کی خواتین کے ساتھ مسلمانوں کے نکاح کے متعلق اعلیٰ حضرت کی تحقیق

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت، مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خان قادری فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

نصاریٰ باعتبار حقیقت لغویہ از انجا کہ قیام مبدء مستلزم صدق مشتق ہے، بلاشبہ مشرکین ہیں کہ وہ بالقطع قائل بہ تثلیث وبُنوت ہیں، اسی طرح وہ یہود جو الوہیت وابنیتِ عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائل تھے، مگر کلام اس میں ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ نے کتب آسمانی کا اجلال فرما کر یہود ونصاریٰ کے احکام کو احکامِ مشرکین سے جدا کیا اور ان کا نام اہل کتاب رکھا اور ان کے نساء اور ذبائح کو حلال ومباح ٹھہرایا، آیا نصاریٰ زمانہ بھی کہ الوہیت عبد اللہ مسیح بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی علی الاعلان تصریح اور وہ یہود جو مثل بعض طوائف ماضیہ الوہیت بندۂ خدا عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قائل ہوں انہیں میں داخل اور اس تفرقہ کے مستحق ہیں یا ان پر شرعاً یہی احکام مشرکین جاری ہوں گے اور ان کی نساء سے تزوج اور ذبائح کا تناول ناروا ہوگا۔ کلمات علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم اس بارے میں مختلف، بہت مشائخ نے قولِ اخیر کی طرف میل فرمایا، بعض علماء نے تصریح کی کہ اسی پر فتویٰ ہے۔

مستصفے میں ہے: علماء نے فرمایا کہ ان کا ذبیحہ تب حلال ہوگا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ نہ مانتے ہوں، لیکن اگر وہ ان کو الٰہ مانتے ہوں تو پھر حلال نہ ہوگا اور شیخ الاسلام کی مبسوط میں ہے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ اس صورت میں نہ کھائیں جب وہ مسیح علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کو الٰہ مانتے ہوں اور اندریں صورت ان کی عورتوں سے بھی نکاح نہ کریں۔ اسی پر فتویٰ کہا گیا ہے۔

(فتح القدیر بحوالہ المستصفی ج ۳ ص ۱۳۵، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

ان علماء کا استدلال درج ذیل آیت کریمہ سے ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ۖ (التوبہ: ۳۰)

یہود نے کہا: عزیر ابن اللہ ہیں اور نصاریٰ نے کہا مسیح ابن اللہ ہیں۔

اس کے آخر میں ارشاد فرمایا:

سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (التوبہ: ۳۱)

وہ پاک ذات ہے اور جو انہوں نے اس کا شریک بنایا اللہ تعالیٰ اس سے بلند وبالا ہے ۝

دیکھو اول ان کے اقوالِ خبیثہ یاد فرما کر آخر ان کے شرک سے اپنی نزاہت وتبری بیان فرمائی تو معلوم ہوا کہ یہ قائلینِ بُنوت مشرکین ہیں مگر ظاہر الروایہ میں ان پر علی الاطلاق حکم کتابیت دیا اور ان کے ذبائح ونساء کو حلال ٹھہرایا۔

دُرِمختار میں ہے: کتابیہ عورت سے نکاح صحیح ہے اگر چہ مکروہ تنزیہی ہے بہ شرطیکہ وہ عورت کسی مرسل نبی پر ایمان رکھتی ہو اور کسی منزل من اللہ کتاب کا اقرار کرتی ہو اگر چہ عمومی طور پر وہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ مانتے ہوں، یونہی ان کا ذبیحہ بھی مذہب میں حلال

ہے۔(درمختار ج ۱ ص ۱۸۹، مطبع مجتبائی دہلی)

نیز ردالمحتار میں البحرالرائق سے منقول ہے: حاصل یہ ہے کہ مذہب میں اطلاق ہے، کیونکہ شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں ذکر کیا ہے کہ نصرانی کا ذبیحہ مطلقاً حلال ہے خواہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ثالث ثلٰثہ کا قول کریں یا نہ کریں، کیونکہ کتاب اللہ کا یہاں اطلاق ہے اور یہی دلیل ہے، اس کو فتح القدیر میں ترجیح ہے۔(ردالمحتار ج ۲ ص ۲۸۹، دراحیاء التراث العربی بیروت)

مستصفیٰ میں عبارت مذکورہ کے بعد مبسوط سے منقول ہے: لیکن دلائل کو دیکھتے ہوئے یہی مناسب قول ہے کہ ان کا ذبیحہ کھانا اور ان کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔(فتح القدیر بہ حوالہ المستصفیٰ ج ۳ ص ۱۳۵، مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

فتاویٰ حامدیہ میں ہے: دلائل کا مقتضیٰ یہی ہے کہ جائز ہے جیسا کہ اسے تمرتاشی نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے۔

(العقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ ج ۲ ص ۲۳۲، ارگ بازار قندھار افغانستان)

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۴ ص ۱۳۶-۱۱۷، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، ۱۴۱۹ھ)

اہل کتاب کی خواتین کے ساتھ مسلمانوں کے نکاح کے متعلق صدر الشریعہ کے ذکر کردہ احکام

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

مسئلہ: مسلمان کا نکاح مجوسیہ، بت پرست، آفتاب پرست، ستارہ پرست، عورت سے نہیں ہو سکتا خواہ یہ عورتیں حُرہ ہوں یا باندیاں ہوں، غرض کتابیہ کے سوا کسی کافرہ عورت سے نکاح نہیں ہو سکتا۔(فتح القدیر ج ۳ ص ۱۳۶-۱۳۸، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات)

مسئلہ: یہودیہ اور نصرانیہ سے مسلمان کا نکاح ہو سکتا ہے مگر چاہئے نہیں کہ اس سے بہت زیادہ مفاسد کا دروازہ کھلتا ہے۔

(عالمگیری وغیرہ)(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۲۸۱، کتاب النکاح، الباب الثالث فی بیان المحرمات)

مگر یہ جواز اسی وقت تک ہے جب کہ اپنے اسی مذہب یہودیت یا نصرانیت پر ہوں اور اگر صرف نام کی یہودی، نصرانی ہوں اور حقیقۃً نیچری اور دہریہ مذہب رکھتی ہو، جیسے آج کل کے عموماً نصاریٰ کا کوئی مذہب ہی نہیں تو ان سے نکاح نہیں ہو سکتا، نہ ان کا ذبیحہ جائز بلکہ ان کے یہاں تو ذبیحہ ہوتا بھی نہیں۔

مسئلہ: کتابیہ سے دارالحرب میں نکاح کر کے دارالاسلام میں لایا تو نکاح باقی رہے گا اور خود چلا آیا اسے وہیں چھوڑ دیا تو نکاح ٹوٹ گیا۔(عالمگیری)(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۲۸۱، کتاب النکاح الباب الثالث فی بیان المحرمات)

مسئلہ: مسلمان نے کتابیہ سے نکاح کیا تھا، پھر وہ مجوسیہ ہو گئی تو نکاح فسخ ہو گیا اور مرد پر حرام ہو گئی اور اگر یہودیہ تھی اب نصرانیہ ہو گئی یا نصرانیہ تھی یہودیہ ہو گئی تو نکاح باطل نہ ہوا۔(عالمگیری)(الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص ۲۸۱، کتاب النکاح الباب الثالث فی بیان المحرمات)

مسئلہ: مسلمان عورت کا نکاح مسلمان مرد کے سوا کسی مذہب والے سے نہیں ہو سکتا اور مسلمان کے نکاح میں کتابیہ ہے، اس کے بعد مسلمان عورت سے نکاح کیا یا مسلمان عورت نکاح میں تھی اس کے ہوتے ہوئے کتابیہ سے نکاح صحیح ہے۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص ۲۸۲، کتاب النکاح الباب الثالث فی بیان المحرمات، القسم الثامن)

(بہار شریعت حصہ ہفتم (۷) ص ۳۱-۳۲، مکتبۃ المدینہ، کراچی ۱۴۳۰ھ)

١٩۔ بابُ: نِكَاحِ مَنْ أَسْلَمَ مِنَ الْمُشْرِكَاتِ وَعِدَّتِهِنَّ
مشرک عورتوں میں سے جو اسلام قبول کر لیں ان کے ساتھ نکاح اور ان کی عدت کا بیان

فقہاءِ اسلام کا اس میں اختلاف کہ مشرکہ عورت کے اسلام قبول کرنے کے بعد اس پر عِدت واجب ہے یا صرف استبراءِ رحم واجب ہے

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی مشرک عورت اسلام قبول کر لے اور مسلمانوں کی طرف ہجرت کر لے تو اس عورت کے اسلام کے سبب سے اس کے پہلے کافر خاوند اور اس کے درمیان تفریق ہو جائے گی، یہ فقہاء کی ایک جماعت کا موقف ہے، اور تین حیض کے ساتھ اس کا استبراء رحم کرنا واجب ہے (تا کہ معلوم ہو جائے کہ وہ حاملہ نہیں ہے) پھر وہ دیگر شوہروں کے لئے حلال ہو جائے گی اور یہ امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، اللیث، الاوزاعی اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ کا مذہب ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے، اس مشرکہ عورت پر اسلام اور ہجرت کے بعد کوئی عدت نہیں ہے، اس پر صرف ایک حیض کے ساتھ استبراءِ رحم کرنا واجب ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ عدت صرف طلاق سے واقع ہوتی ہے اور مشرکہ عورت کے اسلام قبول کرنے سے اس کا نکاح سابق فسخ ہوتا ہے اور وہ اس کی طلاق نہیں ہے، لہٰذا اس پر عدت بھی نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

جمہور کا موقف یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد مشرکہ عورت پر آزاد عورت کی عدت واجب ہے اور امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ اس کے لئے ایک حیض سے استبراءِ رحم کرنا کافی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۴، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اسلام اور ہجرت کے بعد مشرکہ کے استبراءِ رحم کی مدت میں مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب کوئی مشرک عورت اسلام قبول کرے اور مسلمانوں کی طرف ہجرت کر لے تو فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک اس کے اسلام کے سبب سے اس کے درمیان اور اس کے کافر خاوند کے درمیان تفریق ہو جائے گی اور تین حیض کے ساتھ استبراء کرنا واجب ہے، پھر وہ دیگر شوہروں کے لئے حلال ہو جائے گی، یہ امام انس بن مالک رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۷۹، اللیث، الاوزاعی، امام ابو یوسف متوفی ۱۸۳ھ، امام محمد متوفی ۱۸۹ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا مذہب ہے۔

امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے درمیان استبراءِ رحم کی مدت میں اختلاف اور طرفین کے دلائل

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے: جب کوئی حربی عورت اسلام قبول کر کے ہماری طرف ہجرت کرے اور دارالحرب میں اس کا کافر خاوند موجود ہو تو ان دونوں کے درمیان تفریق واقع ہو گئی اور اس پر عدت واجب نہیں ہے، اس پر

صرف ایک حیض کے ساتھ استبراء رحم واجب ہے، امام ابوحنیفہ نے یہ دلیل پیش کی ہے کہ عدت صرف طلاق سے ہوتی ہے اور مشرکہ کے اسلام قبول کرنے سے اس کا نکاح سابق فسخ ہوتا ہے اور یہ طلاق نہیں ہے، انہوں نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ کی حدیث میں مذکور ہے کہ جب کوئی عورت دارالحرب سے ہجرت کرے تو اس کو اس وقت تک نکاح کا پیغام نہیں دیا جائے گا حتیٰ کہ اس کا ایک حیض گزر جائے اور وہ پاک ہو جائے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے مراد استبراء رحم ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور ان کے موافقین نے جو کہا ہے: اس پر تین حیض کے ساتھ استبراء کرنا واجب ہے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ جب اس نے ہجرت کر لی تو وہ عورت آزاد مسلمان عورتوں کے حکم میں داخل ہو گئی اور کسی آزاد عورت کا استبراء تین حیض سے کم میں نہیں ہوتا اور اکثر علماء اس پر متفق ہیں کہ جب مشرکہ عورت کا خاوند اس کی عدت گزرنے سے پہلے اسلام قبول کر کے ہجرت کرے تو وہ اپنی بیوی سے نکاح کرنے کا زیادہ حق دار ہے اور عنقریب اس باب میں ان کے اختلاف کا ذکر آئے گا اور اس پر اتفاق ہے کہ جب کسی باندی کو قید کر کے دارالاسلام میں لایا جائے تو اس کا استبراء رحم ایک حیض سے ہو جاتا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۵۶-۳۵۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا مصنف کی طرف سے جواب

میں کہتا ہوں: امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ صرف ہجرت کرنے سے کوئی مشرک عورت مسلمان عورت کے حکم میں نہیں ہوتی اس لئے جس مشرک عورت نے صرف ہجرت کی ہے اور اسلام قبول نہیں کیا تو وہ مسلمان عورت کے حکم میں نہیں ہوگی تاوقتیکہ وہ اسلام قبول نہ کر لے، نیز اگر وہ اسلام قبول بھی کر لے تب بھی اس کی کافر خاوند سے تفریق کو طلاق قرار نہیں دیا جائے گا کیونکہ طلاق نکاح کی فرع ہے، اور صرف ہجرت اور اسلام سے اس کا نکاح ثابت نہیں ہوا اور طلاق تو نکاح کی فرع ہے اور تین حیض کی مدت صرف طلاق کی عدت ہے، لہٰذا جب اس مشرکہ عورت کے اسلام اور ہجرت کے بعد کسی مسلمان مرد سے نکاح نہیں ہوا تو اس کی طلاق کیسے واقع ہوگی اور تین حیض کی مدت تو صرف طلاق کی عدت ہے، لہٰذا امام ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز کا یہ قول درست ہے کہ ایسی عورت کا استبراء رحم صرف ایک حیض سے ہوگا نہ کہ تین حیض سے، نیز استبراء رحم سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ عورت سابق خاوند سے حاملہ تو نہیں ہے اور جب اس کو ایک حیض آ گیا تو یہ مقصود پورا ہو گیا۔

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ نے اس باب کی شرح میں من وعن وہی لکھا ہے جس کو ان سے پہلے علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ لکھ چکے ہیں، جس کو ہم نے ان کے حوالہ سے ابھی لکھ دیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۴۹-۳۵۰، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۲۸۶- حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ-

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن موسیٰ نے حدیث بیان کی: انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی از ابن جریج۔

۵۲۸۷- وَقَالَ عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَ الْمُشْرِكُونَ عَلَى مَنْزِلَتَيْنِ مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم

اور عطاء نے کہا از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے دور میں مشرکین کی دو قسمیں تھیں، مشرکین کی ایک قسم

وَالْمُؤْمِنِينَ كَانُوا مُشْرِكِي أَهْلِ حَرْبٍ يُقَاتِلُهُمْ وَيُقَاتِلُونَهُ وَمُشْرِكِي أَهْلِ عَهْدٍ لَا يُقَاتِلُهُمْ وَلَا يُقَاتِلُونَهُ وَكَانَ إِذَا هَاجَرَتْ امْرَأَةٌ مِنْ أَهْلِ الْحَرْبِ لَمْ تُخْطَبْ حَتَّى تَحِيضَ وَتَطْهُرَ فَإِذَا طَهُرَتْ حَلَّ لَهَا النِّكَاحُ فَإِنْ هَاجَرَ زَوْجُهَا قَبْلَ أَنْ تَنْكِحَ رُدَّتْ إِلَيْهِ وَإِنْ هَاجَرَ عَبْدٌ مِنْهُمْ أَوْ أَمَةٌ فَهُمَا حُرَّانِ وَلَهُمَا مَا لِلْمُهَاجِرِينَ ثُمَّ ذَكَرَ مِنْ أَهْلِ الْعَهْدِ مِثْلَ حَدِيثِ مُجَاهِدٍ وَإِنْ هَاجَرَ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ لِلْمُشْرِكِينَ أَهْلِ الْعَهْدِ لَمْ يُرَدُّوا وَرُدَّتْ أَثْمَانُهُمْ وَقَالَ عَطَاءٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَانَتْ قَرِيبَةُ بِنْتُ أَبِي أُمَيَّةَ عِنْدَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَطَلَّقَهَا فَتَزَوَّجَهَا مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ وَكَانَتْ أُمُّ الْحَكَمِ بِنْتُ أَبِي سُفْيَانَ تَحْتَ عِيَاضِ بْنِ غَنْمٍ الْفِهْرِيِّ فَطَلَّقَهَا فَتَزَوَّجَهَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عُثْمَانَ الثَّقَفِيُّ۔

وہ تھی جو اہل حرب تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے قتال کرتے تھے اور وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قتال کرتے تھے اور مشرکین کی دوسری قسم وہ تھی جن کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ تھا، نہ آپ ان سے قتال کرتے تھے اور نہ وہ آپ سے قتال کرتے تھے، اور جب اہل حرب کی کوئی عورت ہجرت کر کے مسلمانوں کے پاس آجاتی تو اس کو اس وقت تک نکاح کا پیغام نہ دیا جاتا حتیٰ کہ وہ ایک حیض گزرنے کے بعد پاک ہو جاتی، پس جب اس کا ایک حیض گزر جاتا تو اس سے نکاح کرنا حلال ہو جاتا، پس اگر اس کا سابق خاوند اس کے نکاح کرنے سے پہلے ہجرت کر لیتا تو وہ عورت اس کو واپس کر دی جاتی اور اگر اہل حرب میں سے کوئی غلام ہجرت کرتا یا کوئی باندی ہجرت کرتی تو وہ دونوں آزاد قرار دیئے جاتے اور ان کے لئے وہی حقوق ہوتے جو مہاجرین کے حقوق ہیں۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے معاہدین کا ذکر کیا جو مجاہد کی حدیث کی مثل ہے، اگر ان مشرکین کا کوئی غلام یا ان کی کوئی باندی ہجرت کرتی جس سے مسلمانوں کا معاہدہ تھا تو اس غلام اور باندی کو ان مشرکین کی طرف واپس نہیں کیا جاتا اور ان کی قیمت واپس کر دی جاتی۔

اور عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قریبہ بنت ابی امیہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی، پھر حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے ان سے نکاح کر لیا اور ام الحکم بنت ابوسفیان حضرت عیاض بن الغنم الفہری رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، پس انہوں نے اس کو طلاق دے دی، پھر اس سے حضرت عبداللہ بن عثمان الثقفی رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا۔

(تحفۃ الاشراف: ۵۹۲۴، الجمع بین الصحیحین للحمیدی متوفی ۴۸۸ھ، ج ۲ ص ۸۴، رقم الحدیث: ۱۱۰۷، دارابن حزم ۱۴۲۳ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی کا امام بخاری پر اعتراض

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اس حدیث کی روایت میں منفرد ہیں، صحاح ستہ کے باقی مؤلفین نے اس حدیث کی

روایت نہیں کی۔

ابومسعود دمشقی نے کہا ہے کہ یہ حدیث امام ابن جریج کی تفسیر میں از عطاء الخراسانی از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مذکور ہے اور امام بخاری نے اس عطاء کے متعلق یہ گمان کیا کہ یہ عطاء بن ابی رباح ہے۔ (کیونکہ امام بخاری نے بیان کیا کہ عطاء نے کہا از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صرف عطاء بن ابی رباح روایت کرتے ہیں نہ کہ عطاء خراسانی، اس لئے امام بخاری کا یہ گمان ہے کہ اس عطاء سے مراد عطاء بن ابی رباح ہیں۔ سعیدی غفرلہ) اور امام ابن جریج نے عطاء خراسانی سے تفسیر نہیں سنی، عطاء خراسانی کے بیٹے نے امام ابن جریج کی تفسیر لی اور اس کو دیکھا، اور علی بن عبداللہ المدینی نے کہا: میں نے ہشام بن یونس سے سنا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے ابن جُریج نے بیان کیا کہ میں نے عطاء سے سورۃ البقرہ سے لے کر سورہ آلِ عمران کی تفسیر تک کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: مجھے اس سے معاف کر دو۔

ہشام نے اس کے بعد بتایا کہ جب عطاء کہتا ہے از ابن عباس رضی اللہ عنہما تو وہ عطاء خراسانی ہے۔ پس ہشام نے کہا: ہم نے لکھا جو لکھا، پھر ہم لکھتے لکھتے اُکتا گئے، ابن المدینی نے کہا: یعنی ہم نے جو لکھا سو لکھا کہ یہ عطاء الخراسانی ہیں، پھر ہم لکھتے لکھتے اُکتا گئے، ابن المدینی نے کہا: یعنی ہم نے جو لکھا سو لکھا کہ یہ عطاء الخراسانی ہیں، پھر ہم لکھتے لکھتے اُکتا گئے یا تھک گئے تو عطاء خراسانی کی بجائے صرف عطاء لکھنے لگے اور بعد میں ان لوگوں نے یہ گمان کیا کہ اس عطاء سے مراد عطاء بن ابی رباح ہیں، سو اسی طرح امام بخاری نے بھی عطاء سے عطاء بن ابی رباح کو مراد لیا ہے اور لکھا ہے کہ عطاء نے کہا: از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حالانکہ عطاء بن ابی رباح کی امام ابن جُریج سے کوئی روایت نہیں ہے اور امام ابن جُریج نے یہ روایت صرف عطاء خراسانی سے لی ہے۔

(تہذیب الکمال ج ۲۰ ص ۱۱۷، ۱۱۵، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی لکھتے ہیں:

اس عطاء سے کون سا عطاء مراد ہے؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ سمجھا ہے کہ اس سے عطاء بن ابی رباح مراد ہے، لیکن محدثین فرماتے ہیں کہ اس سے عطاء خراسانی مراد ہے، اور ابن جریج نے عطاء خراسانی سے براہِ راست سماع نہیں کیا، اس لئے یہ سند ضعیف اور امام بخاری کی ان سندوں میں سے ہے جن پر تنقید کی گئی ہے، کتاب التفسیر میں سورۂ نوح کے تحت ''تنبیہ'' کے عنوان سے اس پر بحث گزر چکی ہے۔ (کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب الطلاق ص ۴۹۱، مکتبہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی کراچی، ۱۴۲۶ھ)

قریبہ بنت ابی اُمیہ کا تعارف اور تذکرہ

صحیح البخاری: ۵۲۸۷، میں قریبہ بنت ابی امیہ کا ذکر ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں (اور وہ اس وقت مشرکہ تھیں)۔

علامہ ابن الملقن شافعی نے لکھا ہے کہ یہ لفظ قُریبہ ہے (یعنی قاف پر پیش اور راء پر زبر) اور حافظ الدمیاطی نے لکھا ہے کہ یہ لفظ قَرِیبہ ہے (یعنی قاف پر زبر اور راء کے نیچے زیر)، اور حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے کہا ہے کہ میں نے نہیں دیکھا کہ کسی نے یہ کہا ہو کہ لفظ قُریبہ پیش کے ساتھ ہے اور القاموس میں مذکور ہے کہ یہ لفظ پیش کے ساتھ جُہینہ کی طرح ہے اور کبھی اس پر زبر بھی پڑھی جاتی ہے۔ (القاموس المحیط للفیروز آبادی، متوفی ۸۱۷ھ ص ۱۲۳، داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

اور قریبہ، حضرت ام المومنین ام سلمہ بنت ابی امیہ بن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں، میں نے ان کا صحابیات میں ذکر کیا اور میں نے ام الحکم کا بھی صحابیات میں ذکر کیا اور یہ فتح مکہ کے دن اسلام لائی تھیں، اور یہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۴۴ھ اور حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما متوفی ۶۰ھ کی باپ شریک بہن تھیں۔ (ان کا باقی تعارف اور تذکرہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح میں عنقریب آئے گا۔ سعیدی غفرلہ) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۵ ص ۳۴۸-۳۴۹، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

جب کوئی غلام یا باندی ہجرت کر کے دار الاسلام میں آجائے تو اس کا شرعی حکم

نیز علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے یہ فرمایا: اور اگر اہل حرب میں سے کوئی غلام ہجرت کر کے آجائے یا کوئی باندی ہجرت کر کے آجائے تو وہ دونوں آزاد ہوں گے اور رہے اہل عہد تو ان کی طرف اس غلام یا باندی کی قیمت کو اس غلام یا باندی کے عوض لوٹا دیا جائے گا کیونکہ مشرکین کے لئے مسلمانوں کا مالک بننا جائز نہیں ہے اور ان کو قیمت دینا ایسا ہے جیسے مسلمان قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑایا جاتا ہے۔

اور جب کوئی غلام یا باندی مسلمان ہو کر ہجرت کر لے تو ان کو غلام بنانا اس لئے جائز نہیں ہے کیونکہ صرف کافروں کو غلام بنایا جاتا ہے، پس جب وہ گرفتار اور مغلوب ہونے سے پہلے اسلام قبول کر کے ہمارے پاس آگئے تو ان کا حکم ان لوگوں کے حکم کی مثل ہوگا جو مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آگئے اور وہ اسلام اور حریت پر برقرار رہے۔

جو مسلمان عورتیں ہجرت کر کے دار الاسلام میں آجائیں اور ان کے شوہر ان کے بعد آئیں تو ان مسلمان عورتوں کو ان کے خاوندوں کی طرف لوٹانے کی تفصیل

علامہ ابن المرابط نے کہا ہے کہ جو عورتیں ہجرت کر کے آئیں اور ان کے شوہر ان کی عدت کے درمیان اسلام قبول کر لیں تو ان مسلمان مہاجر عورتوں کو ان کے شوہروں کی طرف لوٹا دیا جائے گا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۸ھ کو ان کے خاوند حضرت ابو العاص بن الربیع متوفی ۱۲ھ کی طرف ان کے نکاحِ اول کے سبب سے لوٹا دیا تھا اور ان کا نیا مہر مقرر نہیں کیا تھا، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور اہل علم کی ایک جماعت کا یہی موقف ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ نکاح منعقد ہونے کے بعد ختم نہیں ہوتا سوا اس صورت کے کہ کتاب، سنت یا اجماع سے اس نکاح کا فسخ ہونا ثابت ہو جائے۔

اور اس پر اجماع ہے کہ مشرکین کا باہم نکاح منعقد ہوتا ہے اور اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر مشرک شوہر اور اس کی بیوی اکٹھے اسلام قبول کر لیں تو ان کو ان کے نکاحِ سابق پر برقرار رکھا جائے گا۔ (التمہید لابن عبد البر ج ۱۲ ص ۲۳)

اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب مرد، عورت میں سے کوئی ایک دوسرے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو آیا ان کا نکاح برقرار رہے گا یا نہیں؟ ابو العاص بن الربیع المتوفی ۱۲ھ کا حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۸ھ سے اس وقت نکاح ہوا تھا جب وہ مشرک تھے اور یہ نکاح اس وقت ہوا جب مشرک مردوں سے مسلمان خاتون کے نکاح کی ممانعت نازل نہیں ہوئی تھی۔

امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے کہ قتادہ نے بیان کیا ہے کہ یہ نکاح سورۃ البراءۃ (سورۃ التوبہ) کے

نزول سے پہلے ہوا تھا، اس سورت میں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان کیے ہوئے معاہدے کو منسوخ کرنے کا حکم نازل ہوا تھا۔

(شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۶۰)

اور عمرو بن شعیب نے از والد خود از جد خود روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۸ ھ کو حضرت ابوالعاص بن الربیع المتوفی ۱۲ ھ کی طرف نکاحِ جدید سے لوٹایا تھا یعنی دوبارہ نکاح کروایا۔

(سنن ترمذی: ۱۱۴۲، سنن ابن ماجہ: ۲۰۱۰)

امام ترمذی متوفی ۲۷۹ ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں مقال ہے۔ اور اسی طرح امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ نے کہا: اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب کسی عورت کی عدت پوری ہو جائے تو اسے اس کے پہلے خاوند کی طرف نکاحِ جدید کے سوا لوٹانا جائز نہیں ہے۔

سو اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو حضرت ابوالعاص بن الربیع کی طرف نکاح اول کے سبب سے لوٹایا تھا تو اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس روایت کی توجیہ یہ ہے کہ اس روایت میں نکاحِ اول سے مراد ہے مہر اول، یعنی جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا ہجرت کر کے مکہ سے مدینۃ المنورہ آ گئیں اور حضرت ابوالعاص بن الربیع نے بعد میں ہجرت کی اور اسلام قبول کیا تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب کا حضرت ابوالعاص سے دوبارہ نکاح اسی مہر کے ساتھ کیا جو پہلے نکاح کے وقت مقرر ہوا تھا یعنی اگر حضرتِ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت صحیح ہے تو اس روایت میں نکاحِ اول سے مراد مہر اول ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۴۰، سنن ترمذی: ۱۱۴۳)

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں: امام ترمذی متوفی ۲۷۹ ھ اور امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ ھ کی وہ روایت صحیح ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نکاحِ جدید کے ساتھ یعنی دوبارہ نکاح کر کے حضرت ابوالعاص بن الربیع کی طرف دوبارہ لوٹایا تھا۔ اور محمد بن عمرو نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو چھ سال کے بعد حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹایا تھا اور حسن بصری نے کہا ہے کہ آپ نے ان کو دو سال کے بعد حضرت ابوالعاص کی طرف لوٹایا تھا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۴۰)

امام حاکم اور دوسرے محدثین نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کو عمرو بن شعیب کی روایت پر ترجیح دی ہے۔

(المستدرک ج ۳ ص ۶۳۹)

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ ھ کے مذہب کی تائید

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ جب کوئی عورت حیض سے پاک ہو جائے تو اس کا کسی سے نکاح کرنا حلال ہو جاتا ہے۔ سو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۰ ھ کے مذہب پر دلیل ہے کہ مطلقہ عورت کی عدت حیض ہے نہ کہ طہر۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۵۰-۳۵۲، وزارۃ الاوقاف قطر، ۱۴۲۹ ھ)

علامہ ابن ملقن کے اعتراض کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۵۲۸۷، میں جو سند مذکور ہے اس سند میں وہ علت خفیہ قادحہ ہے جس کا ذکر سورۂ نوح کی تفسیر میں کیا جا چکا ہے اور

میں اس کا جواب بھی لکھ چکا ہوں۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ابو مسعود دمشقی اور ان کے متبعین نے وثوق سے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں امام بخاری نے جس عطاء کا ذکر کیا ہے وہ عطاء خراسانی ہے اور ابن جُریج نے عطاء خراسانی سے تفسیر کو نہیں سنا، انہوں نے ان کے والد عثمان سے اس تفسیر کو سنا ہے اور عثمان ضعیف ہے اور عطاء خراسانی نے خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ سے سماع نہیں کیا (یعنی امام بخاری کی سند سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ عطاء بن ابی رباح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے)۔

اس اعتراض کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث ابن جُریج کے پاس دو سندوں سے مروی ہو، ایک سند وہ ہے جس کا معترض نے ذکر کیا ہے کہ عطاء خراسانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی اور دوسری سند وہ ہے جس کا امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ عطاء بن ابی رباح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی، کیونکہ عطاء خراسانی کا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سماع نہیں ہے، اس بناء پر یہ حدیث متصل نہیں رہے گی اور منقطع ہو جائے گی اور امام بخاری پر یہ چیز مخفی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اتصال کی شرط میں بہت متشدد ہیں، علاوہ ازیں اس علت خفیہ پر امام بخاری کے مشہور شیخ علی بن مدینی نے متنبہ کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

اس اعتراض کا علامہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ ھ نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۴۸، وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ ھ)

حافظ ابن حجر نے یہاں پر اسی اعتراض کا جواب لکھا ہے اور علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ نے بھی اس اعتراض اور جواب کو نقل کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کے جواب کو علامہ عینی کا مسترد کرنا

میں کہتا ہوں: علامہ عینی حنفی نے سورۂ نوح کی تفسیر میں حافظ ابن حجر کے اس جواب کو مسترد کر دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ امام بخاری کا اتصال کی شرط میں تشدد اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ ان پر یہ مخفی نہ رہا ہو کہ عطاء خراسانی کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نہیں ہے، پس سبحان ہے وہ ذات جس پر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی اور عطاء خراسانی سے روایت کرنے میں صرف امام مسلم منفرد ہیں اور امام بخاری کی عطاء خراسانی سے روایت نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۳۷۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

قریبہ کے تذکرہ کا تتمہ اور یہ بیان کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قریبہ سے اس وقت نکاح کیا جب وہ مشرکہ تھی، پھر الممتحنہ: ۱۰ کے نزول کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی اور ان کے اسلام لانے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے نکاح کر لیا۔

حضرت قریبہ ابنۃ ابی امیہ یعنی ابن المغیرہ بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم، حضرت ام سلمہ زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بہن ہیں اور حضرت قریبہ نے اس وقت اسلام قبول نہیں کیا تھا اور یہ عمرۂ حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصہ کا واقعہ ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ اس پر اعتراض ہے، کیونکہ امام نسائی متوفی ۳۰۳ ھ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے اس قصہ کی روایت کی ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ نکاح کیا تھا اور اس قصہ میں یہ مذکور ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی بیٹی زینب کو دودھ پلاتی تھیں، پس حضرت عمار آئے اور زینب کو پکڑ کر لے گئے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ

نے پوچھا: زینب کہاں ہے، تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ قریبہ بنت ابی امیہ کی ان سے ملاقات ہوئی تو ان کو حضرت عمار پکڑ کر لے گئے، الحدیث۔

پس اس حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت قریبہ نے زمانہ قدیم میں ہجرت کی تھی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے غزوہ احد کے بعد اور غزوہ حدیبیہ سے تین سال پہلے نکاح کیا تھا، لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے مدینہ آئی ہوں تا کہ اپنی بہن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات کریں یا وہ اپنے خاوند حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مقیم ہوں اور اپنے دین پر قائم ہوں اور اس وقت تک سورۃ البقرہ: ۲۲۱ نازل نہ ہوئی ہو، جس میں مشرکات کے ساتھ نکاح کی ممانعت ہے اور جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اس وقت حضرت قریبہ اپنی بہن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس موجود تھیں، یہ اسی وقت اسلام لائیں۔

لیکن اس احتمال کو یہ چیز رد کرتی ہے کہ امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ نے از معمر از الزہری روایت کی ہے کہ درج ذیل آیت نازل ہوئی:

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوا مَا اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوا مَا اَنْفَقُوا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (الممتحنہ: ۱۰)

اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں، یہ اللہ کا حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ بہت علم والا، حکمت والا ہے ۝

پھر امام عبد الرزاق متوفی ۲۱۱ھ نے اس قصہ کا ذکر کیا اور اس قصہ میں مذکور ہے کہ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ نے اپنی ان دو بیویوں کو طلاق دے دی جو مکہ میں تھیں، سو اس قصہ سے اس بات کا رد ہو جاتا ہے کہ حضرت قریبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس مقیم تھیں اور اس کا رد نہیں ہوتا کہ وہ اپنی بہن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی زیارت کے لیے آئی تھیں۔

اور ہو سکتا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی دو بہنیں ہوں اور ان میں سے ہر ایک کا نام قریبہ ہو اور ان میں سے کسی ایک کا اسلام مقدم ہو اور یہ وہی تھیں جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت حاضر تھیں اور دوسری قریبہ کا اسلام لانا، موخر ہو اور یہ وہی ہیں جن کا یہاں ذکر کیا گیا ہے، جن سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت نکاح کیا تھا جب وہ مشرکہ تھیں۔

اور اس میں دوسرے احتمال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے ''الطبقات الکبریٰ'' میں یہ بیان کیا ہے کہ قریبہ الصغریٰ بنت ابی امیہ، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بہن ہیں جن سے حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما متوفی ۵۳ھ نے نکاح کیا تھا، سو ان سے عبد اللہ، حفصہ اور ام حکیم پیدا ہوئے اور امام محمد بن سعد نے سند صحیح کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ حضرت قریبہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ متوفی ۵۳ھ سے کہا اور حضرت عبد الرحمٰن کے مزاج میں شدت اور تیزی تھی، انہوں نے حضرت عبد الرحمٰن سے کہا کہ مجھے لوگوں نے آپ کے ساتھ رہنے سے ڈرایا ہے تو حضرت عبد الرحمٰن نے کہا کہ تمہارے نکاح کا معاملہ تمہارے اختیار میں ہے، تو حضرت قریبہ نے کہا: میں صدیق کے بیٹے پر کسی اور کو ترجیح نہیں دوں گی، سو حضرت عبد الرحمٰن نے حضرت قریبہ کو اپنے نکاح میں برقرار رکھا۔

اور ''کتاب الشروط'' میں ایک اور سند کے ساتھ اس قصہ کے آخر میں از زہری از عروہ از مروان والمسور یہ حدیث مذکور ہے جس میں ہے کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ان دو بیویوں کو طلاق دی جو مشرکہ تھیں، ان میں سے ایک قریبہ تھیں اور دوسری ابنۃ ابی جرول تھیں، پھر قریبہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متوفی ۶۰ ھ نے نکاح کر لیا اور دوسری سے حضرت ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا اور یہ اس قصہ کے مطابق ہے جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اور اس قصہ پر زائد ہے، اور اس سے پہلے ایک اور سند کے ساتھ بھی اس کی مثل منقول ہے لیکن اس میں یہ مذکور ہے کہ دوسری سے حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ المتوفی ۴۲ ھ نے نکاح کیا تھا پس ان دو روایتوں میں اس طرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ دوسرے سے پہلے ابوجہم نے نکاح کیا ہو اور بعد میں صفوان نے نکاح کیا ہو یا اس کے برعکس ہو۔ رہی بنت ابی جرول تو امام ابن اسحاق کی ''المغازی الکبریٰ'' میں مذکور ہے از زہری از عروہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ام کلثوم بنت عمرو بن جرول ہیں، پس گویا کہ ان کے والد نے ان کی کنیت اپنے والد کے نام پر رکھی۔

اور امام عبد الرحمٰن بن ادریس الشافعی متوفی ۲۷ ۳ ھ نے اپنی تفسیر میں سند حسن کے ساتھ از موسیٰ بن طلحہ از والد خود یہ روایت کی ہے کہ جب الممتحنہ: ۱۰ نازل ہوئی:

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوا مَآ اَنْفَقُوا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (الممتحنہ: ۱۰)

اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں، یہ اللہ کا حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ بہت علم والا، حکمت والا ہے ۝

تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ متوفی ۳۶ ھ نے اپنی بیوی اروی بنت ربیعہ بن الحارث بن عبد المطلب کو طلاق دے دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ نے اپنی بیوی قریبہ اور ام کلثوم بنت جرول کو طلاق دے دی۔

اور امام ابوجعفر محمد بن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ ھ نے از محمد بن اسحاق روایت کی ہے کہ الزہری نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قریبہ اور ام کلثوم کو طلاق دے دی اور حضرت طلحہ نے اروی بنت ربیعہ کو طلاق دے دی، سو اسلام نے ان کے درمیان تفریق کر دی حتیٰ کہ: وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (الممتحنہ: ۱۰) نازل ہو گئی، پھر قریبہ کے اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ متوفی ۱۳ ھ نے ان سے نکاح کیا۔

اس کی توجیہ کہ صلح حدیبیہ کے معاہدہ میں یہ شق موجود تھی کہ مشرکین کی طرف سے جو ہجرت کر کے مسلمانوں کی طرف جائے گا تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اس کو مشرکین کی طرف واپس کر دیں، پھر جن عورتوں نے مسلمان ہو کر مسلمانوں کی طرف ہجرت کی ان کو مشرکین کی طرف واپس کیوں نہیں بھیجا گیا

صلح حدیبیہ میں مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان اس پر صلح ہوئی تھی کہ مشرکین میں سے جو شخص مسلمانوں کی طرف آئے گا مسلمان اس کو مشرکین کی طرف واپس کر دیں گے اور مسلمانوں میں سے جو شخص مشرکین کی طرف جائے گا تو وہ لوگ اسے مسلمانوں

کی طرف واپس نہیں کریں گے، اس کے باوجود مسلمانوں کی طرف آنے والی عورتوں کو اہل مکہ کی طرف واپس نہیں کیا گیا تو اس کے سبب میں علماء کا اختلاف ہے، آیا ان عورتوں کے متعلق معاہدہ کی یہ شق منسوخ ہو گئی تھی، سو مسلمانوں نے ان کے پاس آنے والی عورتوں کو مشرکین کی طرف واپس نہیں کیا یا عورتوں کو واپس کرنے کی شق اصل معاہدہ صلح میں داخل نہیں تھی یا یہ شق عام تھی اور اس سے بالخصوص عورتوں کو واپس نہ کرنے کا ارادہ کیا گیا اور اس آیت کے نزول نے اس کو بیان کر دیا۔

اور جن علماء نے یہ کہا ہے کہ ان عورتوں کو واپس کرنے کی شق اصل معاہدہ میں داخل نہیں تھی، انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ بعض سندوں کے ساتھ معاہدہ کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ آپ کے پاس ہماری طرف سے جو مرد آئے گا'' آپ کو اسے لازم واپس کرنا ہوگا'' اس روایت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ عورتوں کو واپس کرنے کا حکم اس معاہدہ میں داخل نہیں ہے۔

امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے: مقاتل بن حیان روایت کرتے ہیں کہ مشرکین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہماری عورتوں میں سے جو آپ کی طرف ہجرت کر کے آئی ہیں، آپ انہیں ہماری طرف واپس کر دیں، کیونکہ ہماری شرط یہ تھی کہ ہماری طرف سے جو بھی آپ کی طرف آئے گا آپ اسے ہماری طرف واپس کر دیں گے تو آپ نے فرمایا: یہ شرط مردوں کے متعلق تھی اور عورتوں کے متعلق نہیں تھی، حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: اگر یہ حدیث ثابت ہو تو پھر اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف اور نزاع ختم ہو جاتا ہے، لیکن پہلے اور تیسرے قول کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط رضی اللہ عنہا نے جب ہجرت کی تو ان کے گھر والے آپ کے پاس آئے اور آپ سے سوال کیا کہ آپ ان کو واپس کر دیں، اور آپ نے ان کو واپس نہیں کیا کیونکہ یہ آیت نازل ہو چکی تھی:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ (الممتحنہ:۱۰)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزما لیا کرو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ، نہ وہ مومنات کفار کے لئے حلال ہیں، اور نہ وہ کفار مومنات کے لیے حلال ہیں۔

اور ابن طلاع نے ذکر کیا ہے کہ حضرت سبیعہ الاسلمیہ رضی اللہ عنہا نے مسلمانوں کی طرف ہجرت کی تو ان کا شوہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا مطالبہ کرنے کے لیے آیا تو (الممتحنہ:۱۰) نازل ہو گئی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مشرک خاوند کو ان کا مہر واپس کر دیا، کیونکہ الممتحنہ میں ارشاد ہے:

وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ (الممتحنہ:۱۰)

اور تم کافروں کو وہ مال دے دو، جو انہوں نے مومنات پر خرچ کیا ہے اور ان مومنات سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، جب کہ تم ان کے مہر ادا کر دو۔

ایک اشکال کا جواب

یہاں پر یہ اشکال ہے کہ حدیث میں وارد ہے کہ حضرت سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے خاوند حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ متوفی ۷ھ جو کہ

بدری صحابی تھے، حجۃ الوداع کے سال فوت ہو گئے، اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت سُبیعہ اور ان کے خاوند دونوں کی ہجرت مقدم ہے اور اس میں تطبیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سبیعہ اسلمیہ سے ان کی ہجرت کے بعد نکاح کیا تھا اور ان کے وہ خاوند جوان کی طلب میں آئے تھے اور جن کی طرف حضرت سُبیعہ رضی اللہ عنہا کو واپس نہیں کیا گیا تھا وہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور میں نے ''کتاب الشروط'' کے اول میں ان متعدد کفار کی بیویوں کے ناموں کا ذکر کیا ہے، جنہوں نے ہجرت کر لی تھی۔ (فتح الباری ج ٦ ص ٤٨٦-٤٨٥، دار المعرفہ بیروت، ١٤٢٦ھ)

علامہ بدر الدین عینی حنفی کی شرح میں قُریبہ، اُم الحکم اور عیاض بن غنم الفہری کا تذکرہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ قریبہ بنت ابی امیہ کے تذکرہ اور تعارف میں لکھتے ہیں:

الکشمینی کی روایت میں مذکور ہے کہ قریبہ بنت ابی امیہ حضرت ام سلمہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں اور حضرت ام سلمہ کا نام ہند ہے اور قریبہ کا ذکر صحابیات میں کیا گیا ہے، اس کا ذکر امام ذہبی متوفی ٧٤٨ھ نے بھی صحابیات میں کیا ہے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی بہن حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تھا تو یہ اس موقع پر حاضر تھیں، اور ام الحکم فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائی تھیں۔ (حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے لکھا ہے کہ جب الممتحنہ: ١٠، نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ٢٤ھ نے قریبہ کو طلاق دے دی کیونکہ وہ اس وقت مشرکہ تھی، یہ سات (٧) ہجری کا واقعہ ہے، اس کے بعد وہ مسلمان ہوئیں، پھر ان سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ متوفی ٦٠ھ نے نکاح کر لیا۔ سعیدی غفرلہ)

اور ام الحکم حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی باپ شریک بہن تھیں۔

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ٤٦٣ھ نے لکھا ہے کہ جس وقت الممتحنہ: ١٠، نازل ہوئی اس وقت ام الحکم عیاض بن غنم الفہری رضی اللہ عنہ متوفی ٢٠ھ کے نکاح میں تھیں، سوانہوں نے ام الحکم کو طلاق دے دی، پھر ان سے عبد اللہ بن عثمان الثقفی نے نکاح کر لیا۔

حافظ ابوعمر یوسف بن عبد البر مالکی متوفی ٤٦٣ھ نے لکھا ہے: میرے علم کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت عیاض بن غنم الفہری ہی وہ صحابی ہیں جنہوں نے عامہ بلاد جزیرہ کو اور رقہ کو فتح کیا تھا اور وہاں کے باشندوں سے صلح کی تھی اور وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے روم کی طرف سفر کیا تھا اور وہ اپنی قوم میں سردار تھے۔ بیس (٢٠) ہجری میں ان کی شام میں وفات ہوئی اور اس وقت ان کی عمر ساٹھ (٦٠) سال تھی۔ (الاستیعاب ج ٣ ص ٣٠٣) (عمدۃ القاری ج ٢٠ ص ٣٨٦، دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤٢١ھ)

٢٠- بَابٌ: إِذَا أَسْلَمَتِ الْمُشْرِكَةُ أَوِ النَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الذِّمِّيِّ أَوِ الْحَرْبِيِّ

اس امر کا بیان کہ جب مشرکہ یا نصرانیہ کسی ذمی یا حربی کے نکاح میں ہو، پس وہ اسلام قبول کر لے (تو پھر کیا حکم ہے؟) اور اس باب کے عنوان میں صرف نصرانیہ کے ذکر کا قید احترازی نہ ہونا

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ٨٥٥ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کوئی مشرکہ یا نصرانیہ اسلام قبول کر لے تو پھر اس کا کیا شرعی حکم ہے؟

علامہ عینی کا امام بخاری پر اعتراض

امام بخاری نے اس عنوان میں صرف نصرانیہ کے ذکر پر اقتصار کیا ہے اور یہ قید احترازی نہیں ہے، کیونکہ یہودی عورت بھی اسی کی مثل ہے اور اگر امام بخاری کہتے کہ جب مشرکہ یا ذمیہ اسلام قبول کرلیں تو زیادہ بہتر ہے اور زیادہ شامل ہوتا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۶-۳۸۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

عنوان میں صرف نصرانیہ کا ذکر کرنے اور کتابیہ کا ذکر نہ کرنے کی توجیہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں صرف نصرانیہ کے ذکر پر اقتصار کیا ہے اور انہوں نے نصرانیہ کا بہ طور مثال ذکر کیا ہے، ورنہ یہودیہ کا حکم بھی اسی طرح ہے اور اگر امام بخاری نصرانیہ کی بجائے کتابیہ کا لفظ لکھتے تو یہ زیادہ شامل ہوتا اور گویا کہ امام بخاری نے اس عبارت میں اس اثر کی رعایت کی ہے جو اس مسئلہ میں منقول ہے اور امام بخاری نے وثوق کے ساتھ اس کا حکم نہیں بیان کیا کیونکہ اس میں اشکال ہے بلکہ عنوان کو فقط سوال کی صورت میں ذکر کیا ہے اور امام بخاری کی عادت ہے کہ جب کسی حکم کی دلیل میں کوئی احتمال ہو تو وہ وثوق کے ساتھ اس کا حکم بیان نہیں کرتے اور اس عنوان سے مراد یہ ہے کہ آیا جو عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کرلے تو کیا فقط اس عورت کے اسلام کی وجہ سے اس عورت اور اس کے خاوند کے درمیان تفریق کردی جائے گی یا اس عورت کے لیے نکاح کو برقرار رکھنے کا اختیار ہوگا یا اس کی عدت میں توقف کیا جائے گا، اگر عدت کے اندر اس کا شوہر مسلمان ہوگیا تو نکاح برقرار رہے گا ورنہ ان دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی؟ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف مشہور ہے اور اس کی کافی مفصل شرح ہے اور امام بخاری کا رجحان اس طرف ہے کہ فقط اس عورت کے اسلام قبول کرنے سے اس عورت اور اس کے خاوند کے درمیان تفریق کردی جائے گی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۶، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی کی بیان کردہ توجیہ درست نہیں ہے، کیونکہ جب امام بخاری کے نزدیک اس مسئلہ کا حکم مشکل تھا تو پھر اس کا عنوان قائم کرنے کا کیا فائدہ تھا؟ بلکہ اس کی توجیہ یہ ہے کہ امام بخاری کی عادت یہ ہے کہ وہ اکثر ابواب کے تراجم مطلقاً ذکر کرتے ہیں اور اس ترجمہ میں اس مسئلہ کا حکم بیان نہیں کرتے، کیونکہ ان کے نزدیک اس مسئلہ کا حکم اس باب میں مذکور احادیث سے معلوم ہوجائے گا، اس لئے امام بخاری اس باب میں مذکور احادیث پر اکتفاء کرلیتے ہیں، اور از خود اس مسئلہ یا اس عنوان کا حکم بیان نہیں کرتے، اور امام بخاری نے جو عنوان قائم کیا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جب کوئی عورت اپنے شوہر سے پہلے اسلام قبول کرلے تو آیا فقط اس کے اسلام قبول کرنے سے ان کے درمیان تفریق کردی جائے گی یا عورت کے لئے نکاح کو برقرار رکھنے کا اختیار ثابت ہوگا یا اس کی عدت میں توقف کیا جائے گا؟ پھر اگر اس کا شوہر مسلمان ہوگیا تو ان کا نکاح برقرار رہوگا ورنہ اس عورت اور اس کے شوہر کے درمیان تفریق کردی جائے گی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اعتراضِ مذکور کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:
میں نے اس عبارت کے متصل یہ کہا ہے کہ امام بخاری کی یہ عادت ہے کہ جب حکم کی دلیل میں کوئی احتمال ہو تو پھر امام بخاری وثوق کے ساتھ اس مسئلہ کا حکم بیان نہیں کرتے۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۳۰۷، مکتبۃ الرشد ریاض ۱۴۱۸ھ)

علامہ عینی حنفی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کے درمیان مصنف کا محاکمہ

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی کے جواب سے علامہ عینی کا اعتراض ساقط نہیں ہوتا، کیونکہ علامہ عینی نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے امام بخاری کے حکم بیان نہ کرنے کی یہ توجیہ کی ہے کہ اس مسئلہ کا حکم مشکل ہے، سو علامہ عینی نے فرمایا: اگر اس مسئلہ کا حکم مشکل تھا تو پھر اس مسئلہ کو باب کے عنوان میں ذکر کرنے کا کیا فائدہ تھا؟ اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ جب حکم کی دلیل میں کوئی احتمال ہو تو پھر امام بخاری اس حکم کو بیان نہیں کرتے، اسی لئے امام بخاری نے اس عنوان میں مذکور مسئلہ کا حکم بیان نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں: اس کی صحیح توجیہ وہی ہے جس کو علامہ عینی نے بیان کیا ہے چونکہ وہ حکم بعد میں مذکور احادیث سے معلوم ہو جاتا ہے اس لئے امام بخاری نے اس عنوان میں یہ مسئلہ تو ذکر کیا لیکن اس کا حکم بیان نہیں کیا۔

اگر نصرانی عورت اسلام قبول کر لے اور اس کا شوہر اسلام کو قبول نہ کرے تو ان کے نکاح کے متعلق اختلاف فقہاء

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:
اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف مشہور ہے: علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ کا مذہب یہ ہے کہ جب کوئی نصرانی عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کر لے تو ان کا نکاح منسوخ ہو جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بہ طور عموم فرمایا ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ (الممتحنہ: ۱۰) نہ وہ مومنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مومنات کے لیے حلال ہیں۔

لہٰذا جب نصرانی عورت مسلمان ہو گئی تو پھر وہ اپنے نصرانی شوہر کے لیے حلال نہیں ہو گی اور اس آیت میں وقت عدت کی تخصیص نہیں ہے، اور اس کی مثل حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور یہی طاؤس بن کیسان الیمانی المتوفی ۱۰۶ھ اور ابو ثور کا قول ہے۔
اور فقہاء کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ جب شوہر عدت میں اسلام کو قبول کر لے تو پھر وہ اس عورت سے نکاح کر لے، اور مجاہد اور قتادہ کا یہی قول ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، امام اوزاعی، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور امام ابو عبید القاسم بن سلام الھروی متوفی ۲۲۴ھ کا بھی یہی قول ہے۔
اور فقہاء کی ایک دوسری جماعت نے کہا ہے کہ جب نصرانی عورت اور اس کا شوہر دونوں دار الاسلام میں ہوں اور نصرانی عورت اسلام قبول کر لے تو اس کے شوہر پر اسلام کو پیش کیا جائے گا اور اگر اس نے اسلام کو قبول کر لیا تو وہ دونوں اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے اور اگر اس کا شوہر اسلام قبول کرنے سے انکار کرے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور یہی ثوری اور امام

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۰ھ کا قول ہے، اور جب نصرانی عورت اور اس کا خاوند دونوں دارالحرب میں ہوں، پھر جب نصرانی عورت اسلام کو قبول کر لے اور ہماری طرف یعنی دارالاسلام میں آ جائے تو پھر وہ عورت اپنے نصرانی شوہر سے اختلاف دارین کی وجہ سے بائنہ ہو جائے گی، اور اس مسئلہ میں ایک اور قول بھی ہے جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے منقول ہے، وہ یہ ہے کہ جب کوئی نصرانی عورت اسلام قبول کر لے اور اس کا شوہر بدستور نصرانی رہے تو پھر اس عورت کو اختیار دیا جائے گا، تو اگر وہ چاہے تو اپنے شوہر سے علیحدگی اختیار کر لے اور اگر چاہے تو اس کے نکاح میں برقرار رہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی حنفی نے علامہ ابن بطال کی مکمل عبارت ذکر نہیں کی، اب ہم علامہ ابن بطال مالکی کی مکمل عبارت ذکر کر رہے ہیں:

اس مسئلہ کا بیان کہ کسی نصرانی عورت نے اسلام قبول کر لیا اور اس کے شوہر نے اسلام قبول نہیں کیا تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں:

مجاہد نے کہا ہے کہ جس نصرانی عورت نے اسلام کو قبول کر لیا اور اس کے شوہر نے اسلام کو قبول نہیں کیا تو جب اس کے شوہر نے عدت کے دوران اسلام قبول کر لیا تو وہ اس صورت میں عورت سے نکاح کر سکتا ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ (الممتحنۃ: ۱۰) نہ وہ مومنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مومنات کے لیے حلال ہیں۔

اور الحسن البصری المتوفی ۱۱۰ھ اور قتادہ نے مجوسی شوہر اور بیوی کے متعلق کہا ہے کہ جب وہ دونوں بہ یک وقت مسلمان ہو گئے تو وہ دونوں اپنے نکاحِ سابق پر برقرار رہیں گے اور جب ان میں سے کسی ایک نے دوسرے سے پہلے اسلام کو قبول کیا اور دوسرے نے انکار کر دیا تو وہ عورت اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے گی اور اس کے شوہر کی اس عورت کے اوپر کوئی راہ نہیں ہو گی، اور ابن جریج نے بیان کیا کہ میں نے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ سے پوچھا کہ مشرکین کی طرف سے ایک عورت مسلمانوں کی طرف آئی تو کیا اس عورت کے شوہر کو اس عورت کے مہر کا معاوضہ ادا کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۗ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۗ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (الممتحنۃ: ۱۰) اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے، وہ تم سے طلب کر لیں، یہ اللہ کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ بہت علم والا، حکمت والا ہے ۝

عطاء نے جواب دیا: نہیں! یہ حکم صرف نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے درمیان تھا، جن کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدہ کیا تھا، اور مجاہد نے کہا: یہ تمام احکام نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان قریش کے درمیان ہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدہ کیا تھا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۵۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

باب مذکور میں امام بخاری کی پہلی تعلیق

وَقَالَ عَبْدُ الْوَارِثِ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ إِذَا أَسْلَمَتِ النَّصْرَانِيَّةُ قَبْلَ زَوْجِهَا بِسَاعَةٍ حَرُمَتْ عَلَيْهِ۔

اور عبد الوارث نے کہا از خالد از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، جب نصرانی عورت اپنے شوہر سے ایک ساعت پہلے اسلام قبول کرلے تو وہ اس پر حرام ہو جاتی ہے۔

(ہم کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ کے اس قول کا حوالہ نہیں مل سکا)۔(فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۶)

صحیح البخاری کی پہلی تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ

اس تعلیق کی سند یہ ہے: از خالد الحذاء از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ حدیث مجھ کو سند موصول کے ساتھ از عبد الوارث نہیں ملی، لیکن امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے اس حدیث کی از عباد بن العوام از خالد الحذاء اس کی مثل روایت کی ہے۔

زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام قبول کرنے سے تفریق کا وقوع

جب نصرانی عورت اپنے خاوند سے ایک ساعت پہلے اسلام قبول کرلے تو وہ اپنے خاوند پر حرام ہو جائے گی: اس تعلیق میں نصرانی عورت سے مراد عام ہے وہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ ہو، لیکن اس تعلیق میں جو کہا ہے کہ وہ اپنے خاوند پر حرام ہو جائے گی اس کی مراد کی صراحت نہیں ہے، اور امام ابن ابی شیبہ کی روایت میں مذکور ہے کہ وہ اپنے نفس کی زیادہ مختار ہے۔

اور امام ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے روایت کی ہے کہ جو یہودی عورت یا نصرانی عورت، یہودی یا نصرانی مرد کے نکاح میں ہو پھر وہ اسلام قبول کرلے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اسلام ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا، اسلام غالب ہوتا ہے اور مغلوب نہیں ہوتا۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے۔(فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ

اس تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، اس تعلیق میں جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول مذکور ہے، اس کی روایت میں امام بخاری منفرد ہیں اور اس تعلیق میں جس نصرانی عورت کا ذکر کیا گیا ہے وہ اس سے عام ہے کہ وہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ ہو۔(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور میں امام بخاری کی دوسری تعلیق

وَقَالَ دَاوُدُ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الصَّائِغِ سُئِلَ عَطَاءٌ عَنِ امْرَأَةٍ مِنْ أَهْلِ الْعَهْدِ أَسْلَمَتْ ثُمَّ أَسْلَمَ زَوْجُهَا فِي الْعِدَّةِ أَهِيَ امْرَأَتُهُ قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَشَاءَ هِيَ بِنِكَاحٍ جَدِيدٍ وَصَدَاقٍ۔

اور داؤد نے کہا از ابراہیم الصائغ عطاء سے اہل العہد کی اس عورت کے متعلق سوال کیا گیا کہ جس نے اسلام قبول کرلیا، پھر اس کے خاوند نے عدت کے دوران اسلام قبول کرلیا تو کیا وہ عورت اس کی بیوی رہے گی یا نہیں؟ پس عطاء نے کہا: نہیں! مگر وہ عورت چاہے

تو نکاحِ جدید اور مہرِ جدید کے ساتھ اس سے رجوع کر لے گی۔

ہمیں اس تعلیق کا حوالہ نہیں مل سکا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۶)

صحیح البخاری کی دوسری تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ

اور داؤد نے کہا: یہ ابن ابی الفرات ہے، اور ابو الفرات کا نام عمرو بن الفرات ہے، انہوں نے از ابراہیم الصائغ روایت کی ہے اور یہ ابن میمون ہیں۔

عطاء سے سوال کیا گیا: یہ عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ ہیں۔

زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام سے بغیر انتظارِ عدت کے طلاق کا وقوع

عطاء سے اہل العہد (ذمیین) کی عورت کے متعلق سوال کیا گیا کہ جس کے خاوند نے عدت کے دوران اسلام قبول کر لیا تو کیا وہ عورت اس کی بیوی رہے گی یا نہیں؟ پس عطاء نے کہا: نہیں، مگر وہ عورت چاہے تو نکاحِ جدید اور مہرِ جدید کے ساتھ اس سے رجوع کرلے گی۔ اس حدیث کی امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے ایک اور سند کے ساتھ عطاء سے اسی کی مثل روایت کی ہے اور اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام سے ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور عدت کے مکمل ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۷-۴۸۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ

اس تعلیق کی داؤد بن ابی الفرات نے اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے اور ان کا نام عمرو بن الفرات ہے، از ابراہیم بن میمون الصائغ المروزی، ان کو ایک سو اکتیس (۱۳۱) ھ میں شہید کر دیا گیا تھا اور عطاء سے مراد عطاء بن ابی رباح ہیں۔

اھل العھد: اس سے مراد اہل ذمہ ہیں، امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے از عبادہ بن العوام از حجاج از عطاء روایت کی ہے کہ جو نصرانی عورت اپنے خاوند کے نکاح میں ہو پھر وہ مسلمان ہو جائے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

غیر مقلدین کے نزدیک زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام لانے سے عدت پوری ہونے تک نکاح فسخ نہ ہوگا

غیر مقلد عالم شیخ وحید الزماں متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

یعنی مجرد اسلام سے نکاح فسخ ہو جائے گا، اگرچہ ایک گھڑی کا تقدم اور تاخر ہو، امام ابوحنیفہ اور اہل کوفہ کا یہی قول ہے اور امام بخاری کا میلان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے لیکن اہلِ حدیث کا قول یہ ہے کہ عدت پوری ہونے تک نکاح فسخ نہ ہوگا۔ اگر عدت کے اندر خاوند بھی مسلمان ہو جائے تو نکاح باقی رہے گا، امام مالک اور امام شافعی اور ہمارے امام احمد بن حنبل نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی قول صحیح ہے، اس لئے کہ بہت صحابہ کی عورتیں ان سے پہلے مسلمان ہو گئیں، جیسے حضرت حکیم بن حزام اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ لیکن آپ نے ان کو نئے سرے سے نکاح کرنے کا حکم نہیں دیا اور ایک جماعت اہل حدیث اور ابراہیم نخعی اور حماد بن ابی سلیمان کا جو امام ابوحنیفہ کے استاد تھے یہ قول ہے کہ جب تک وہ عورت دوسرا نکاح نہ کر لے اپنے اگلے خاوند کی عورت رہے گی

خواہ عدت گزر گئی ہو اور دلیل ان کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زینب (رضی اللہ عنہا) کو حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے نکاح میں رکھا حالانکہ وہ اپنے خاوند سے چھ یا تین یا دو برس پہلے مسلمان ہو گئی تھیں۔ مخالفین یہ جواب دیتے ہیں کہ ایک روایت میں یہ ہے کہ آپ نے نکاح اور نیا مہر مقرر کر کے ان کو ابوالعاص کی زوجیت میں دیا، مگر یہ حدیث ضعیف ہے، بعضوں نے یوں جواب دیا ہے کہ شاید حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی عدت اس وقت تک نہ گزری ہو کیونکہ کبھی حیض رک جاتا ہے مگر یہ عادت کے خلاف ہے اور بعید از قیاس ہے۔ (تیسیر الباری ترجمہ و تشریح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۱۹، ۲۱۸، نعمانی کتب خانہ لاہور ۱۹۹۰ء)

غیر مقلدین کا رد اور شیخ وحید الزماں کے شبہات کا جواب اور شیخ وحید الزماں کا امام بخاری اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے قول کو مرجوح قرار دینا

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ اور دیگر فقہاء احناف کا مذہب صحیح البخاری کی ان احادیث کے مطابق ہے جس کو امام بخاری نے اس دوسری تعلیق میں ذکر کیا ہے کہ جیسے ہی کوئی کتابیہ عورت مسلمان ہو اسی وقت اس کی اپنے شوہر سے تفریق ہو جائے گی، خواہ پوری عدت گزرے یا نہ گزرے اور ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین نے جو اس مسئلہ کو اس کے ساتھ مقید کیا ہے کہ ''اگر عدت کے اندر خاوند بھی مسلمان ہو جائے تو نکاح باقی رہے گا اور عدت پوری ہونے تک نکاح فسخ نہ ہوگا'' یہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔ اور شیخ وحید الزمان نے جو حضرت حکیم بن حزام اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہما کے آثار نقل کیے ہیں، ان کی روایات امام بخاری کی صحیح حدیث کے پایہ کی نہیں ہیں۔

ویسے تو غیر مقلدین صحیح البخاری کو آسمانِ عقیدت پر بٹھاتے ہیں لیکن اس مسئلہ میں امام بخاری کی روایت ان کے قول کے خلاف تھی تو انہوں نے امام بخاری کو ترک کر دیا اور دوسری مبہم اور مجہول روایات کے آثار کو امام بخاری کی روایت کے مقابلہ میں راجح قرار دیا۔

وہ تیرگی جو میرے نامۂ سیاہ میں تھی جو ان کی زلف میں پہنچی تو حُسن کہلائی

جس طرح غیر مقلدین امام بخاری کے پرستار ہیں، اسی طرح وہ حافظ ابن حجر عسقلانی کے بھی بہت مداح ہیں اور ان کو صحیح البخاری کے تمام شارحین پر فوقیت دیتے ہیں اور ہم حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام لانے سے نکاح فسخ ہو جائے گا اور عدت پوری ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۴۸۶-۴۸۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

اور شیخ وحید الزمان نے اس مسئلہ میں امام بخاری اور حافظ ابن حجر عسقلانی دونوں کی مخالفت کی ہے

خرد کو جنوں کہہ دیا اور جنوں کو خرد جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

باب مذکور میں امام بخاری کی تیسری تعلیق

وَقَالَ مُجَاهِدٌ إِذَا أَسْلَمَ فِي الْعِدَّةِ يَتَزَوَّجُهَا

اور مجاہد نے کہا جب کوئی مرد دورانِ عدت اسلام قبول کر لے تو وہ اس عورت سے نکاح قبول کر سکتا ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے مجاہد کے اس قول کی ابن ابی نجیح کی سند سے روایت کی ہے۔

وَقَالَ اللهُ تَعَالَى لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ (الممتحنہ:۱۰) اور اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: نہ وہ مومنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفاران مومنات کے لئے حلال ہیں۔

امام بخاری کا عطاء کے اس قول سے استدلال کرنا کہ جب کوئی نصرانی عورت اسلام قبول کرلے تو وہ اسی وقت بائنہ ہوجائے گی اور دورانِ عدت اس کے شوہر کے قبول اسلام کا انتظار نہیں کیا جائے گا

صحیح البخاری کی تیسری تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ

اس تعلیق سے بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری نے الممتحنہ:۱۰ کو ذکر کر کے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ کے اس قول کی تائید کی ہے کہ نصرانی عورت اسلام قبول کرتے ہی اپنے خاوند سے بائنہ ہوگی لیکن یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ کی اس روایت کے معارض ہے جو اس سے پہلے باب میں مذکور ہے جس میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ارشاد ہے کہ اس عورت کو نکاح کا پیغام نہ دیا جائے حتیٰ کہ اس کو ایک حیض آئے اور وہ پاک ہوجائے۔ (صحیح البخاری:۵۲۸۷)

اور ان میں اس طرح تطبیق ہوسکتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جو یہ فرمایا کہ اس نصرانی عورت کو نکاح کا پیغام نہ دیا جائے حتیٰ کہ اسے حیض آئے اور وہ حیض سے پاک ہوجائے، اس سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مراد یہ ہے کہ اس عورت کے خاوند کے اسلام قبول کرنے کا انتظار کیا جائے جب تک کہ وہ عدت میں ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پیغامِ نکاح کو اس لئے موخر کیا جائے کہ کسی عورت کو اس وقت تک نکاح کا پیغام نہیں دیا جاتا جب تک کہ وہ عدت میں ہو، اور اس دوسری تطبیق کی صورت میں ان دو حدیثوں کے درمیان تعارض نہیں رہے گا۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس ظاہر قول کے مطابق عطاء بن ابی رباح، طاؤس، ثوری اور فقہاء کوفہ کا مذہب ہے اور ابوثور نے بھی ان کی موافقت کی ہے اور علامہ ابوبکر بن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے اور امام بخاری کا بھی اسی طرف میلان ہے۔

فقہاء احناف اور ان کے موافقین نے یہ شرط عائد کی ہے کہ اس عورت کے خاوند کے اوپر اس کی عدت میں اسلام کو پیش کیا جائے۔

ائمہ ثلاثہ وغیرہم کا مجاہد کے قول سے استدلال کہ اس صورت میں اگر اس کے شوہر نے دورانِ عدت اسلام قبول کرلیا تو اس کی بیوی اس کو واپس کردی جائے گی

اور مجاہد کے قول کے مطابق یعنی جب نصرانی عورت کا خاوند دورانِ عدت اسلام قبول کرلے تو وہ اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے، سو اس قول کے مطابق قتادہ، امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور امام ابوعبید متوفی ۲۲۴ھ کا مذہب ہے۔

اور امام شافعی نے اس مذہب پر اس سے استدلال کیا ہے کہ جب حضرت ابوسفیان نے فتح مکہ کے سال مرالظہر ان میں اس رات کو اسلام قبول کیا جس رات مسلمان مکہ پر حملہ آور ہوئے تھے، پس حضرت ابوسفیان مکہ میں داخل ہوئے تو ان کی بیوی ہند

بنت عتبہ نے ان کی ڈاڑھی کو پکڑلیا اوران کے اسلام پر انکار کیا تو حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ان کو اسلام قبول کرنے کی تلقین کی تو وہ بعد میں اسلام لائیں اوران کے درمیان تفریق نہیں کی گئی اور نہ یہ ذکر ہے کہ ان کا عقدِ جدید کیا گیا، اسی طرح کا واقعہ متعدد صحابہ کرام کے ساتھ ہوا ہے جن کی بیویاں ان سے پہلے مسلمان ہوگئیں، جیسے حکیم بن حزام اور عکرمہ بن ابی جہل وغیرھما اور یہ منقول نہیں ہے کہ ان کے نکاح کا عقدِ جدید کیا گیا اور یہ واقعات اہل مغازی کے نزدیک مشہور ہیں اوران کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے لیکن اکثر کے نزدیک یہ اس پر محمول ہے کہ مرد کا اسلام قبول کرنا عورت کی عدت کے ختم ہونے سے پہلے واقع ہوا تھا۔

امام مالک نے الموطا میں زہری سے یہ روایت کی ہے کہ امام مالک نے کہا کہ ہم تک یہ حدیث نہیں پہنچی کہ کسی عورت نے ہجرت کی ہو اور اس کا خاوند دارالحرب میں مقیم ہو تو اس کی ہجرت سے اس عورت اور اس کے خاوند کے درمیان تفریق ہو جائے گی۔

اور حماد بن سلمہ اور امام عبدالرزاق نے اپنی اپنی مصنف میں سند صحیح کے ساتھ حضرت عبداللہ بن یزید الخطمی الانصاری سے روایت کی ہے کہ ایک نصرانی کی بیوی نے اسلام قبول کرلیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو اختیار دیا کہ اگر وہ چاہے تو اپنے شوہر کے ساتھ رہے اور اگر چاہے تو اس سے الگ ہو جائے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۷، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

جب کوئی نصرانی عورت اسلام قبول کرلے اور اس کا شوہر بھی دورانِ عدت اسلام قبول کرلے تو وہ عورت نکاح جدید اور مہرِ جدید کے ساتھ اپنے خاوند کی طرف لوٹائی جائے گی

صحیح البخاری کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ

امام بخاری نے اس تعلیق کی بھی مجاہد سے روایت کی ہے کہ جب کوئی ذمی اپنی عورت کی عدت میں اسلام قبول کرلے یعنی اس کی بیوی نے اسلام قبول کرلیا پھر اس نے عدت کے دوران اسلام قبول کرلیا تو وہ اس عورت سے نکاح کرسکتا ہے، اس تعلیق کو امام طبری نے سند موصول کے ساتھ ابن ابی نجیح سے روایت کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ (الممتحنۃ:۱۰) نہ وہ مومنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مومنات کے لئے خلال ہیں۔

امام بخاری نے اس آیت کو عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ کے مذکور الصدر قول کی تقویت پر استدلال کے لئے پیش کیا ہے اور امام بخاری نے اس قول کو اختیار کیا ہے کہ نصرانیہ جب اسلام قبول کرلے پھر اس کے خاوند نے بھی عدت کے دوران اسلام قبول کرلیا تو وہ عورت اپنے خاوند کے لئے بغیر نکاح جدید اور بغیر مہر جدید کے حلال نہیں ہوگی۔

پس اگر تم یہ سوال کرو کہ اس باب سے پہلے باب میں عطاء بن ابی رباح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ جب کوئی عورت اہل حرب سے ہجرت کرلے تو اس کو پیغامِ نکاح نہ دیا جائے حتیٰ کہ اس کا ایک حیض گزر جائے اور وہ پاک ہو جائے، پس جب وہ پاک ہو جائے گی تو اس کے ساتھ نکاح حلال ہو جائے گا، پس اگر اس کے خاوند نے اس عورت کے نکاح کرنے سے پہلے مسلمانوں کی طرف ہجرت کرلی تو اس عورت کو اس کے خاوند کے حوالہ کر دیا جائے گا تو میں اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ حضرت ابن عباس نے جو کہا کہ اس عورت کو اس وقت تک پیغام نکاح نہ دیا جائے حتیٰ کہ اس کا ایک حیض گزر جائے اور وہ پاک ہو جائے تو

ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عباس کی اس قول سے مراد یہ ہو کہ جب تک وہ عورت عدت میں ہے تو اس کے خاوند کے اسلام قبول کرنے کا انتظار کیا جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی مراد یہ ہو کہ اس عورت کو پیغام نکاح نہ دیا جائے کیونکہ جب تک کوئی عورت عدت کے اندر ہو تو اس کو نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۷-۳۸۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور میں امام بخاری کی چوتھی تعلیق

وَقَالَ الْحَسَنُ وَقَتَادَةُ فِي مَجُوسِيَّيْنِ أَسْلَمَا هُمَا عَلَى نِكَاحِهِمَا وَإِذَا سَبَقَ أَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ وَأَبَى الْآخَرُ بَانَتْ لَا سَبِيلَ لَهُ عَلَيْهَا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حسن بصری اور قتادہ نے کہا: مجوسی مرد اور مجوسی عورت اسلام قبول کر لیں تو وہ اپنے نکاح پر باقی رہیں گے اور جب ان میں سے کسی ایک کا اسلام اپنے صاحب پر سابق ہو اور دوسرا اسلام قبول کرنے سے انکار کرے تو وہ مسلمان عورت اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے گی اور شوہر کی اس کے اوپر کوئی راہ نہیں ہوگی۔

جب مجوسی مرد اور عورت میں سے کوئی ایک دوسرے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو ان کے درمیان جو نکاح تھا وہ منقطع ہو جائے گا۔

صحیح البخاری کی چوتھی تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ

رہا حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کا اثر تو اس کی امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے سند صحیح کے ساتھ اس عبارت سے روایت کی ہے:

''اگر شوہر اور بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو ان کے درمیان جو نکاح تھا وہ منقطع ہو گیا''۔

اور دوسری تعلیق کے سند صحیح کے ساتھ یہ الفاظ ہیں کہ وہ عورت اپنے شوہر سے بائنہ ہو جائے گی اور رہا قتادہ کا اثر تو اس کی بھی امام ابن ابی شیبہ نے سندِ صحیح کے ساتھ اس عبارت کے ساتھ روایت کی ہے: پس جب شوہر اور بیوی میں سے کسی ایک کا اسلام اپنے صاحب پر سابق ہو تو شوہر کی اپنی بیوی پر کوئی راہ نہیں ہے، سوا اس کے کہ وہ اس کو نکاح کا پیغام دے اور امام ابن ابی شیبہ نے از عکرمہ عمر بن عبدالعزیز متوفی ۱۰۱ھ کا مکتوب اس کی مثل بیان کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۷، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

باب مذکور میں امام بخاری کی پانچویں تعلیق

وَقَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ قُلْتُ لِعَطَاءٍ امْرَأَةٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ جَاءَتْ إِلَى الْمُسْلِمِينَ أَيُعَاوَضُ زَوْجُهَا مِنْهَا لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَآتُوهُمْ مَا أَنْفَقُوا (الممتحنہ:۱۰) قَالَ لَا إِنَّمَا كَانَ ذَاكَ بَيْنَ النَّبِيِّ ﷺ وَبَيْنَ أَهْلِ الْعَهْدِ

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۷۰۷)

اور ابن جریج نے کہا کہ میں نے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ سے پوچھا کہ مشرکین کی طرف سے ایک عورت مسلمانوں کی طرف آئی تو کیا اس کے شوہر کو اس عورت کے مہر کا معاوضہ دیا جائے گا؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور انہیں دو جو انہوں نے خرچ کیا۔

تو عطاء بن ابی رباح نے کہا: یہ حکم اس وقت تھا جب نبی ﷺ اور مشرکین کے درمیان معاہدہ تھا۔

الممتحنہ: ۱۰ میں مذکور مشرک شوہر کو معاوضہ دینے کے حکم کا منسوخ ہونا

صحیح البخاری کی پانچویں تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ

امام عبدالرزاق متوفی ۲۱۱ھ نے اپنی سند کے ساتھ ابن جریج سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ سے پوچھا: یہ بتایئے کہ اب مشرکین کی طرف سے کوئی عورت مسلمانوں کی طرف آجائے تو کیا اس کے شوہر کو اس کے مہر کا معاوضہ دیا جائے گا، تو عطاء نے جواب دیا کہ فتحِ مکہ کے دن یہ حکم منسوخ ہو گیا، اب اس کے شوہر کو کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۷۸۴، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری کی پانچویں تعلیق کی شرح از علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ

یعنی عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج نے یہ بیان کیا کہ میں نے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ سے پوچھا کہ جب مشرکین کی طرف سے کوئی عورت مسلمانوں کی طرف آجائے تو کیا اس کے مشرک خاوند کو اس کے مہر کا کوئی معاوضہ دیا جائے گا؟ تو عطاء بن ابی رباح نے جواب دیا کہ اب اس کے مشرک شوہر کو کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا، کیونکہ الممتحنہ: ۱۰، میں ان کے مشرک شوہروں کو معاوضہ دینے کا حکم ہے، یہ حکم اس وقت تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان معاہدہ تھا اور ان کے درمیان اس شرط پر صلح ہوئی تھی لیکن اب اگر کوئی عورت مشرکین کی طرف سے مسلمانوں کی طرف آجائے تو اس کے مشرک شوہر کو کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا جیسا کہ امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ نے اپنی سند سے روایت کی ہے کہ اب اس کے مشرک شوہر کو کوئی معاوضہ نہیں دیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور میں امام بخاری کی چھٹی تعلیق

وَقَالَ مُجَاهِدٌ هٰذَا كُلُّهُ فِي صُلْحٍ بَيْنَ النَّبِيِّ ﷺ وَبَيْنَ قُرَيْشٍ۔ (جامع البیان للطبری متوفی ۳۱۰ھ ج ۱۲ ص ۷۰)

اور مجاہد نے کہا: یہ کُل حکم اس وقت تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مکہ کے درمیان معاہدہ تھا۔

اس مسئلہ کا بیان کہ جب مسلمانوں کی بیویاں کافروں کی طرف چلی جائیں، پھر بعد میں مسلمان ان کافروں پر غلبہ پا کر مالِ غنیمت حاصل کریں تو اس مالِ غنیمت میں سے ان مسلمانوں کو دیا جائے جن کی بیویاں کافروں کے پاس چلی گئی تھیں

صحیح البخاری کی چھٹی تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ (الممتحنہ: ۱۰)

اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں، یہ اللہ

کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے۔

مجاہد نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ مسلمانوں کی جو بیویاں کفار کی طرف چلی جائیں تو چاہیے کہ کفار ان عورتوں کو ان کے مہر کا معاوضہ دیں اور ان عورتوں کو اپنے پاس رکھیں اور کتاب الشروط کے اخیر میں یہ اضافہ ہے کہ الزہری بیان کرتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ کفار جب اس معاوضہ کو دینے سے انکار کریں یعنی الممتحنہ: ۱۰، میں جو حکم مذکور ہے اس پر عمل کرنے سے انکار کریں اور وہ حکم یہ ہے کہ جب مشرکین کی طرف سے کوئی عورت مسلمان ہو کر مسلمانوں کی طرف آئے تو مسلمان اس عورت کو اس کے مشرک خاوند کی طرف واپس نہ کریں بلکہ اس مشرک خاوند نے اس عورت پر جو مہر کو خرچ کیا ہے، وہ اس کو واپس کر دیں، اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

وَ اِنْ فَاتَكُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ اِلَى الْكُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَهَبَتْ اَزْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○ (الممتحنہ: ۱۱)

اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی چھوٹ کر کافروں کی طرف چلی جائے، پھر (تم کفار سے) مال غنیمت حاصل کر لو تو (مالِ غنیمت میں سے) ان مسلمانوں کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے ان بیویوں پر خرچ کیا تھا جو کافروں کی طرف چلی گئی ہیں، اور اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لا چکے ہو ○

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الممتحنہ: ۱۱ کی تفسیر از علامہ ابو منصور محمد بن محمود الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ

اگر کوئی مسلمان عورت دار الحرب جا کر کافروں سے مل جائے اور تمہارا ان کافروں کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ ہو تو تم نے اس مسلمان عورت پر جو خرچ کیا ہے، پس جب ان کفار پر فتح پانے کے بعد ان سے مالِ غنیمت حاصل کرو تو اس مالِ غنیمت میں سے اس مسلمان کو اتنی رقم دے دو جتنی رقم اس نے اپنی بیوی پر خرچ کی تھی جو اس کو چھوڑ کر کافروں کے پاس دار الحرب میں چلی گئی تھی۔

زہری بیان کرتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں سے یہ ہے کہ مسلمان کفار سے یہ سوال کریں کہ جو مسلمان عورت ان کی طرف دار الحرب میں چلی گئی ہے تو وہ اس عورت کا مہر مسلمانوں کو ادا کریں اور مشرکین کی جو عورت مسلمان ہو کر مسلمانوں کے پاس آ گئی ہے تو مسلمان اس عورت کا مہر مشرکین کو ادا کریں۔

اور اس کی اصل یہ ہے کہ تم نے جو اپنی بیویوں پر خرچ کیا ہے وہ تم کو نہیں ملا، پھر تمہارا دشمنوں پر تسلط اور غلبہ ہوا اور تم نے مالِ غنیمت حاصل کر لیا، پس اب جن مسلمانوں کی بیویاں کفار کی طرف چلی گئی تھیں تو تم مالِ غنیمت میں سے ان مسلمانوں کو رقم ادا کرو جن کی بیویاں مسلمانوں کو چھوڑ کر دار الحرب میں چلی گئی تھیں۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۹ ص ۶۱۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الممتحنہ: ۱۱ کی تفسیر از پیر محمد کرم شاہ الازہری المتوفی ۱۹۹۸ء

پہلے فرمایا تھا: جو عورتیں مسلمان ہو کر ہجرت کر کے دار الاسلام میں چلی جائیں ان کے کافر خاوندوں کو مہر ادا کر دیا جائے، اب فرمایا جا رہا ہے کہ تمہاری بیویاں جو دار الکفر میں رہ گئیں تم نے ان کو جو مہر دیا تھا اس کا مطالبہ تم ان سے کر سکتے ہو، یہ اللہ کا حکم ہے جو

علیم اور حکیم ہے اور حال و مستقبل پر نظر رکھتا ہے، اس کا ہر فرمان حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام لا کر ہجرت کر جائے اور اس کی بیوی کفر کی حالت میں وہیں رہ جائے تو قاعدہ کے مطابق ان کفار کو چاہیے کہ وہ اس عورت کا مہر اس کے مسلمان خاوند کو واپس کر دیں کیونکہ اب ان کے درمیان رشتہ ازدواج منقطع ہو گیا ہے، لیکن اگر کفار ایسا نہ کریں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ مالِ غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے اس مسلمان خاوند کو مہر کی رقم ادا کریں۔ اس کے بعد بقیہ مالِ غنیمت حسبِ قانون تقسیم کریں۔ بعض علماء کے نزدیک یہ مہر مالِ فئے سے بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو مسلمان ہو کر آنے والی مہاجر عورتوں کا مہر جو مسلمانوں کے ذمہ ہے اسے کفار کی طرف نہ لوٹایا جائے بلکہ اس طرح جو رقم جمع ہو اس سے ایسے لوگوں کو ان کی بیویوں کا مہر ادا کیا جائے جو دار الحرب میں کفر کی حالت میں رہ گئیں۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۰۳، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۱ء)

الممتحنہ: ۱۱ کی تفسیر از مصنف

الممتحنہ: ۱۱ میں فرمایا: اور اگر تمہاری بیویوں میں سے کوئی بیوی چھوٹ کر کافروں کی طرف چلی جائے پھر (تم کفار سے) مالِ غنیمت حاصل کر لو تو (مالِ غنیمت میں سے) ان مسلمانوں کو اتنا مال دے دو جتنا انہوں نے ان بیویوں پر خرچ کیا تھا جو کفار کی طرف چلی گئیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ چھ مسلم اور مہاجر خواتین کفار کے پاس چلی گئی تھیں:

(۱) ام الحکم بنت ابوسفیان، یہ حضرت عیاض بن غنم الفہری کے نکاح میں تھی (۲) فاطمہ بنت ابی امیہ، یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی (۳) بروع بنتِ عقبہ، یہ حضرت شماس بن عثمان کے نکاح میں تھی (۴) عزہ بنت العزیز، یہ حضرت عمرو بن عبدود کے نکاح میں تھی (۵) ہند بنت ابی جہل، یہ حضرت ہشام بن العاص بن وائل کے نکاح میں تھی (۶) ام کلثوم بنت جرول، یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھی۔ (معالم التنزیل ج ۵ ص ۷۵، الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۹ ص ۶۲)

یہ سب عورتیں اس وقت تک اسلام نہیں لائی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مسلمان شوہروں کو مالِ غنیمت سے ان عورتوں کے مہر پر خرچ ہونے والی رقوم ادا کر دی تھی۔ اس میں اختلاف ہے کہ ان عورتوں کے سابق شوہروں کو ان کے مہر کی رقم واپس کرنا اب بھی واجب ہے یا نہیں؟ بعض علماء نے کہا کہ اب یہ حکم واجب نہیں ہے، منسوخ ہو چکا ہے اور بعض علماء نے کہا کہ یہ حکم غیر منسوخ ہے اور اب بھی واجب العمل ہے۔ امام ابوبکر رازی حنفی متوفی ۳۷۰ھ نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ حکم اب منسوخ ہو چکا ہے اور اس حکم کی ناسخ یہ آیت ہے:

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرہ: ۱۸۸) اور تم ایک دوسرے کا مال ناحق ذریعہ سے نہ کھاؤ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی اس کے لئے ناسخ ہے: کسی مسلمان شخص کا مال اس کی مرضی کے بغیر لینا حلال نہیں ہے۔
(مسند احمد: ۲۳۶۰۵، مسند احمد: ۲۴۲۴۸، عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۹ھ)
(احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۴۴۱، سہیل اکیڈمی لاہور، معالم التنزیل ج ۵ ص ۷۲-۷۵، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۰ھ)
(تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۸۵۵، فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۲۷ھ)

۵۲۸۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ عُقَيْلٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از عقیل

حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ حَدَّثَنِي يُونُسُ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ رضى الله عنها زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ كَانَتِ الْمُؤْمِنَاتُ إِذَا هَاجَرْنَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ يَمْتَحِنُهُنَّ بِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ الْآيَةَ﴾ (الممتحنۃ:١٠) قَالَتْ عَائِشَةُ فَمَنْ أَقَرَّ بِهَذَا الشَّرْطِ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ فَقَدْ أَقَرَّ بِالْمِحْنَةِ فَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا أَقْرَرْنَ بِذَلِكَ مِنْ قَوْلِهِنَّ قَالَ لَهُنَّ رَسُولُ اللهِ ﷺ انْطَلِقْنَ فَقَدْ بَايَعْتُكُنَّ لَا وَاللهِ مَا مَسَّتْ يَدُ رَسُولِ اللهِ ﷺ يَدَ امْرَأَةٍ قَطُّ غَيْرَ أَنَّهُ بَايَعَهُنَّ بِالْكَلَامِ وَاللهِ مَا أَخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى النِّسَاءِ إِلَّا بِمَا أَمَرَهُ اللهُ يَقُولُ لَهُنَّ إِذَا أَخَذَ عَلَيْهِنَّ قَدْ بَايَعْتُكُنَّ كَلَامًا

از ابن شہاب ح اور ابراہیم بن المنذر نے کہا: مجھے ابن وہب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ابن شہاب نے بیان کیا کہ مجھے عروہ بن الزبیر نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ مسلمان عورتیں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وجہ سے ان کا امتحان لیتے تھے: اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزما لیا کرو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: پس مسلمان عورتوں میں سے جو عورت اس شرط کا اقرار کرتی تو وہ آزمائش کا اقرار کر لیتی، پھر جب مسلمان عورتیں اپنے قول سے اس کا اقرار کر لیتیں تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: اب تم جاؤ میں نے تم کو بیعت کر لیا (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتایا) اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا، البتہ آپ ان سے اپنے کلام کے ساتھ بیعت کرتے اور اللہ کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت سے صرف اسی طرح بیعت کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا اور آپ جب ان عورتوں سے عہد لیتے تو فرماتے "میں نے تم کو اپنے کلام سے بیعت کر لیا"۔

(صحیح البخاری: ۲۷۱۳، ۲۷۳۳، ۴۱۸۲، ۴۸۹۱، ۵۲۸۸، ۷۲۱۴، صحیح مسلم: ۱۸۶۶، سنن ابوداؤد: ۲۹۴۱، سنن ابن ماجہ: ۲۸۷۵، مسند احمد: ۲۵۷۹۴)

الممتحنۃ: ۱۰ میں مذکور عورتوں کی آزمائش کی تفسیر از علامہ ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ

اس آیت میں مومنات سے مراد وہ عورتیں ہیں جو خود کو مومنات کہتی ہوں۔

علامہ ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں:

ہمارے نزدیک اس آیت میں المومنات کا معنی یہ ہے کہ جب تمہارے پاس ایسی عورتیں آئیں جو زبان سے یہ کہتی ہوں کہ ہم مسلمان عورتیں ہیں تو تم ان کی آزمائش کر لیا کرو، کیونکہ اگر مومنات سے مراد یہ ہو کہ وہ حقیقت میں مومن عورتیں ہیں تو پھر ان کے ایمان کی آزمائش کا کوئی معنی نہ ہوتا، اس کی نظیر یہ آیت کریمہ ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ (النحل:۱۰۶)

جس نے اللہ پر ایمان لانے کے بعد کفر کیا سوا اس کے جس کو کفر پر مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔

اس آیت میں بھی کفر سے مراد حقیقتِ کفر نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس مرد کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کیا گیا مثلاً اس سے کہا گیا کہ تم کہو: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے ہیں ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے (یا اس سے کہا گیا کہ تم کہو کہ مرزا غلام احمد قادیانی اللہ کا سچا نبی ہے ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے یا اس سے کہا گیا کہ تم کہو کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کافر تھے ورنہ ہم تم کو قتل کر دیں گے۔ سعیدی غفرلہ) اور اس نے مجبوری کی حالت میں جان بچانے کے یہ کلماتِ کفر کہے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا تو وہ اس آیت میں مذکور وعید کا مصداق نہیں ہوگا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (النحل:۱۰۶)

ہاں وہ لوگ جو کھلے دل کے ساتھ کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے ۝

امتحان کی کیفیت

مفسرین نے ان مسلمان عورتوں کے امتحان کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے کہ وہ عورتیں اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ انہوں نے اپنے شوہروں سے بغض کی وجہ سے دار الحرب سے ہجرت نہیں کی یا وہ قسم کھا کر یہ کہیں کہ وہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ میں صرف اس لئے ہجرت کر کے آئی ہیں کہ ان کا مطلوب اسلام ہے، علامہ ماتریدی فرماتے ہیں: یہ تاویل فاسد ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے اسلام قبول کر لیا تو اس پر دین کا حق یہ ہے کہ وہ اپنے کافر خاوند سے بغض رکھے، جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے:

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَ مَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَيْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ (الممتحنہ:۴)

تمہارے لئے ابراہیم اور ان کے اصحاب میں بہترین نمونہ ہے، جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: ہم تم سے بے زار ہیں اور ان سے جن کی تم اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو، ہم نے تم سب کا انکار کیا اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی اور بغض ظاہر ہو گیا حتیٰ کہ تم اللہ واحد پر ایمان لے آؤ مگر ابراہیم کا اپنے (عرفی) باپ سے یہ کہنا میں تمہارے لئے ضرور مغفرت طلب کروں گا اور میں اللہ کے مقابلہ میں تمہارے لئے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، اے ہمارے رب! ہم نے تجھ پر ہی توکل کیا اور تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے ۝

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد کافر رشتہ داروں سے بغض رکھا جائے، پس یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کے امتحان کی یہ صفت ہو کہ انہوں نے اپنے کافر خاوند سے بغض کی وجہ سے ہجرت نہیں کی، اس لئے ہم نے کہا کہ جن مفسرین نے ان کے امتحان کی یہ صفت بیان کی ہے، وہ فاسد ہے۔

اور یہ ہو سکتا ہے کہ ان کے امتحان کی تاویل دو طرح سے ہو:

(۱) ان سے ایمان کی صفت پوچھی جائے کہ ایمان کس کو کہتے ہیں اور جب وہ ایمان کی تعریف کر دیں تو معلوم ہو جائے گا کہ وہ حقیقتاً مومن ہے (اور ایمان کی تعریف یہ ہے: اللہ وحدہ لاشریک ہے اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے آخری رسول ہیں اور قرآن مجید اللہ کا برحق کلام ہے، اور تمام رسول برحق ہیں اور تمام فرشتے برحق ہیں، اور تقدیر برحق ہے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے اور قیامت برحق ہے اور حساب و کتاب برحق ہے اور جنت و دوزخ برحق ہے)۔

(۲) یا امتحان سے مراد وہ ہے جو درج ذیل آیت میں مذکور ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الممتحنہ: ۱۲)

اے نبی (مکرم!) جب آپ کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں تو وہ آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی، اور نہ چوری کریں گی، اور نہ زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے کوئی بہتان گھڑیں گی، اور نہ دستور کے مطابق کسی کام میں آپ کی نافرمانی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیا کریں، اور آپ ان کے لئے اللہ سے مغفرت طلب کریں بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مومنین کو اس کا مکلف کیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کے ایمان کی آزمائش کریں، کیونکہ وہ عورتوں کے صرف ظاہری ایمان کو جانتے ہیں اور ان کے ایمان کی حقیقت کو صرف اللہ رب العالمین ہی جانتا ہے اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ علم کی دو قسمیں ہیں (۱) علم العمل (۲) علم الشہادات، پس علم العمل وہ ہے جس کے موافق لوگ ظاہر میں عمل کرتے ہیں اور علم الشہادۃ وہ ہے جس کی وجہ سے کسی کے متعلق یہ شہادت دی جاتی ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لانے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ (الممتحنہ: ۱۰)

پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ۔

اس کا قصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے سال مشرکین اہل مکہ سے اس پر صلح کی کہ اہل مکہ میں سے جو مرد ان کے پاس آئے گا تو مسلمان اس کو واپس بھیج دیں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے جو مکہ جائے گا تو وہ مشرکین کے پاس رہے گا اور حدیبیہ میں یہ معاہدہ لکھ دیا گیا تھا، معاہدہ سے فراغت کے بعد اہل مکہ میں سے حضرت سُبیعہ رضی اللہ عنہا حالتِ اسلام میں مسلمانوں کے پاس آئیں، پھر ان کا مشرک خاوند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا تو اس نے کہا: یا رسول اللہ! میری بیوی مجھے واپس کر دیں اور آپ یہ شرط مان چکے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور اس کے آخر میں ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ (الممتحنہ: ۱۰)

نہ وہ مومنات کفار کے لیے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مومنات کے لئے حلال ہیں۔

سو ایسی عورتوں کو ان کے کافر خاوندوں کی طرف واپس نہیں کیا گیا۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۹ ص ۶۱۷، ۶۱۶، دار الکتب العلمیہ

بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الممتحنہ: ۱۰ میں مذکور عورتوں کی آزمائش کی تفسیر از علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری الحنفی المتوفی ۱۹۹۸ء لکھتے ہیں:

جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور دھڑا دھڑ لوگ حضور کی بیعت کر کے مشرف باسلام ہونے لگے تو مکہ کی عورتیں بھی بیعت کے لئے حاضر ہوئیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو عورتوں کی بیعت لینے پر مقرر فرمایا اور جن باتوں کا اس آیت میں ذکر ہے ان پر عمل کرنے کا ان سے پختہ وعدہ لیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عورتوں سے کئی بار بیعت لی لیکن کسی عورت سے بیعت لیتے وقت مصافحہ نہیں کیا، کبھی تو زبانی ان امور کی پابندی کا وعدہ لیا، کبھی پانی سے بھرے ہوئے پیالہ میں اپنا دستِ مبارک ڈالا اور اس کے بعد بیعت کرنے والی عورتوں کو اپنا ہاتھ رکھنے کا حکم دیا، کبھی کپڑا دست مبارک میں لے کر عورتوں سے بیعت لی۔

جن امور میں بیعت لی گئی ان میں سرفہرست یہ ہے کہ وہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی، دوسری بات یہ ہے کہ وہ چوری نہیں کریں گی، تیسری بات یہ ہے کہ وہ بدکاری نہیں کریں گی، چوتھی بات یہ ہے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی، کیونکہ عرب معاشرہ میں اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دینا وجہ عزت وفخر تھا، نیز کئی لوگ بھوک سے تنگ آ کر بھی اپنی اولاد کو مار ڈالا کرتے تھے۔ اسی میں اسقاط حمل بھی داخل ہے، جب اس میں جان پڑ چکی ہو، جائز اور ناجائز دونوں حملوں کے اسقاط کا ایک ہی حکم ہے، شریعت مطہرہ میں اس کو قتل شمار کیا جاتا ہے، پانچویں چیز جس سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورتیں اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے آگے کوئی الزام اور بہتان تراشی نہ کریں۔

اس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں:

کسی کے نوزائد بچے کو اچک کر اپنی گود میں ڈال لینا اور پھر یہ دعویٰ کرنا کہ یہ میرا بچہ ہے، اسی طرح بدکاری سے جو حمل قرار پائے اسے اپنے خاوند کی طرف منسوب کر دینا، نیز کسی دوسری عورت پر بدفعلی کا الزام لگانا یہ تمام صورتیں اس آیت میں داخل ہیں اور اسلام نے ان تمام مذموم حرکتوں سے باز رہنے کا تاکیدی حکم فرمایا ہے، چھٹی بات یہ ہے کہ جس کی پابندی کا ان سے وعدہ لیا گیا ہے کہ ہر نیک کام جس کا حضور حکم دیں گے وہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

فقہاءِ اسلام نے فی معروفٍ کی قید سے یہ قانون اخذ کیا ہے کہ حاکم وقت کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ شریعتِ اسلامیہ کے خلاف کسی قانون کے خلاف کوئی حکم صادر کرے، اسی طرح کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی حاکم کی فرمانبرداری میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا مرتکب ہو، وہ فرماتے ہیں کہ فی معروفٍ کی قید یہاں اس لئے ذکر نہیں کی گئی کہ حضور غیر معروف کا بھی حکم دے سکتے ہیں، حضور کا تو جو ارشاد ہوگا وہ حق ہوگا، وہ سچ ہوگا، اللہ تعالیٰ کی مشیت کے عین مطابق ہوگا، یہ ممکن ہی نہیں کہ حضور کسی غیر معروف کا حکم دیں۔ یہ قید اس لئے ذکر کی گئی ہے کہ جب اللہ کے رسول کی اطاعت کے لئے معروف شرط ہے جہاں غیر معروف کا احتمال ہی نہیں تو اور کون ہے جس کو یہ حق پہنچے کہ وہ شریعت اسلامیہ کے خلاف غیر معروف قانون سازی کرے اور اس پر عمل کرنے کا لوگوں کو حکم دے۔

امام ابوبکر جصاص لکھتے ہیں: یعنی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کا نبی مکرم معروف کے بغیر کسی اور چیز کا حکم نہیں دیتا، لیکن یہاں

معروف کی شرط اس لئے لگائی تا کہ کوئی شخص بادشاہوں کے ان احکام کی اطاعت کا جواز بھی نہ نکال لے جن میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پائی جاتی ہے۔ (کتاب الاحکام)

جب افضل البشر کی اطاعت کے لئے معروف شرط ہے تو اور کون اس سے مستثنیٰ ہوسکتا ہے۔

نیز اس سے یہ بھی آشکارا ہوجاتا ہے کہ اسلامی مملکت میں قانون کی بالادستی ہوگی، ہر چھوٹے اور بڑے کو قانون کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہوگا، کسی بڑے سے بڑے حاکم کو بھی اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ دھاندلیاں کرتا رہے اور پھر قانون سازی سے ان کے لئے وجہ جواز مہیا کرتا رہے۔

اسی مقام پر مفسرین نے ہندہ زوجہ ابوسفیان کا دلچسپ واقعہ لکھا ہے، آپ بھی سماعت فرمائیے کہ جب عورتیں بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوئیں تو ہندہ بھی بھیس بدل کر منہ کو چھپائے حاضر ہوئی، اسے یہ خوف تھا کہ حضور اسے پہچان نہ لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں سے فرمایا: میں تمہیں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ تم وعدہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ گی، ہندہ چپ نہ رہ سکی۔ کہنے لگی: جس شرط کے بغیر مردوں کی بیعت قبول نہیں، اس کے بغیر ہماری بیعت کیسے قبول ہوسکتی ہے، یعنی شرک سے اجتناب کی شرط واضح اور بین ہے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دوسری شرط یہ ہے کہ تم چوری نہیں کرو گی، ہندہ پھر بولی: میں ابوسفیان کے مال سے کچھ لے لیا کرتی تھی، معلوم نہیں وہ میرے لئے حلال ہے یا نہیں؟ ابوسفیان پاس کھڑے تھے، انہوں نے کہا: آج تک تم نے جو لیا ہے وہ تمہارے لئے حلال ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر ہنس پڑے اور اس کو پہچان لیا، فرمایا: تو ہندہ دختر عتبہ ہے؟ کہنے لگی: نعم فاعف عما سلف یا نبی اللہ عفی اللہ عنك، میں ہندہ ہی ہوں جو گزر چکا ہے اے اللہ کے نبی! اسے معاف کر دیجئے، اللہ تعالیٰ آپ سے درگزر فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیسری شرط یہ ہے کہ تم زنا نہیں کرو گی، ہندہ بولی: کیا آزاد عورتیں بھی ایسا کرتی ہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چوتھی شرط یہ ہے کہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کرو گی، ہندہ کی رگ ظرافت پھر پھڑکی، کہنے لگی کہ ان کے باپوں کو تو آپ نے قتل کر دیا، اب ان کے بچوں کے لئے آپ ہم کو نصیحت کر رہے ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگئے اور حضور کے لب مبارک بھی تبسم آشنا ہوئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانچویں بات یہ ہے کہ تم کسی پر جھوٹا بہتان نہیں باندھو گی، اس نے کہا: بے شک بہتان تراشی قبیح چیز ہے، اور اللہ تعالیٰ ہدایت اور مکارم اخلاق کے بغیر اور کسی چیز کا حکم نہیں دیتا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ وعدہ کرو کہ جس نیک کام کا میں حکم دوں گا تم اس کو بجالاؤ گی، ہندہ بولی، ہم آپ کے قدموں میں حاضر بیٹھی ہیں اور ہمارے دل میں قطعاً یہ خیال نہیں کہ ہم حضور کے کسی حکم کی سرتابی کریں گی، یہ واقعہ لکھنے کے بعد علامہ آلوسی فرماتے ہیں: کہ ہندہ کے کلام میں یہ شوخی اس وجہ سے تھی کہ وہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی والدہ تھی، نیز اس کی ساری زندگی جہالت کی گود میں گزری تھی، ابھی ابھی اس نے اسلام قبول کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کو حکم دیتے ہیں جو عورتیں ان شرائط کو قبول کرلیں اور ان باتوں کی پابندی پر آمادہ ہوجائیں تو آپ ان کو بیعت فرمالیں اور انہیں بیعت فرمانے کے بعد ان کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں، بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے، جب آپ کے ہاتھ اٹھیں گے تو انہیں خالی نہیں لوٹایا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے ان کے عمر بھر کے گناہوں کو جن میں کفر و شرک سرفہرست ہیں بخش دے گا اور ان کے لیے ہی اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا۔

آخر میں پھر اسی حکم کا اعادہ کر دیا: ارشاد فرمایا، اے ایمان والو! وہ لوگ جو اسلام کی عداوت میں پیش پیش ہیں، جنہوں نے اپنی آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ رکھی ہے اور ان کی پیہم سرکشی کے باعث ان پر خدا کا عذاب نازل ہو چکا ہے ان کو اپنا دوست مت بناؤ، آخرت میں انہیں کسی ثواب اور کسی خیر کی امید نہیں، وہ بالکل مایوس ہو چکے ہیں جس طرح قبروں میں پڑے ہوئے کفار اپنی بخشش سے مایوس اور نا امید ہیں۔ (ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۰۴-۲۰۶، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۱۱ء)

نوٹ: حضرت پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ہند متوفی ۱۴ھ کے جس مکالمہ کا ذکر کیا ہے اس کو حافظ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے امام ابن مردویہ کی تفسیر سے نقل کیا ہے۔ (الدر المنثور ج ۸ ص ۱۳۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

الممتحنہ: ۱۰ میں مذکور عورتوں کی آزمائش کی تفسیر از مصنف

صلح حدیبیہ کے تقاضے سے صرف مہاجر مسلمانوں کا کفار کی طرف واپس کرنا واجب تھا۔۔۔نہ کہ مہاجر خواتین کا بھی

امام الحسین بن مسعود الفراء البغوی المتوفی ۵۱۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مروان اور مسور بن مخرمہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے روایت کرتے ہیں کہ سہیل بن عمرو نے حدیبیہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح نامہ میں یہ شرط لکھوائی تھی کہ جو شخص بھی مشرکین میں سے آپ کے پاس آئے گا، خواہ وہ آپ کے دین پر ہو اسے آپ کو ہماری طرف واپس کرنا ہوگا، اسی شرط کے مطابق اس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کو ان کے باپ سہیل بن عمرو کی طرف واپس کر دیا اور مومنات بھی ہجرت کر کے آپ کے پاس آئیں اور حضرت ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط بھی ان خواتین میں سے تھیں جو ہجرت کر کے آپ کے پاس آئیں، تب ان کے گھر والے آپ کے پاس گئے اور آپ سے سوال کیا کہ آپ حضرت ام کلثوم کو ان کی طرف واپس کر دیں، آپ نے حضرت ام کلثوم کو ان کی طرف واپس نہیں کیا، کیونکہ یہ آیت نازل ہو چکی تھی کہ اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزما لیا کرو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹاؤ۔ الآیہ (الممتحنہ: ۱۰)

اس جگہ پر یہ اعتراض نہ کیا جائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے، کیونکہ معاہدہ میں یہ مذکور نہیں تھا کہ آپ کے پاس مکہ سے جو بھی آئے گا خواہ مرد ہو یا عورت آپ کو اسے واپس کرنا ہے بلکہ معاہدہ میں مردوں کی واپسی کی شرط تھی، عورتوں کی واپسی کی شرط نہیں تھی، معاہدہ کے الفاظ یہ تھے:

فقال سہیل وعلی انہ لا یاتیک منا رجل وان کان علی دینک الا رددتہ الینا (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۳۲)

سہیل نے کہا: اور شرط یہ ہے کہ آپ کے پاس ہمارا جو بھی مرد آئے خواہ وہ آپ کے دین پر ہو، آپ کو اسے ہمیں واپس کرنا ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کرنے جا رہے تھے، جب آپ حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تو مشرکین مکہ نے آپ سے اس پر صلح کر لی کہ اہل مکہ میں سے جو آپ کے پاس آیا، آپ اس کو واپس کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے جو ان کے پاس جائے گا وہ اس کو واپس نہیں کریں گے، اس پر صلح نامہ لکھا جا چکا تھا، لکھنے کے بعد حضرت سبیعہ

بنت الحارث الاسلمیہ، مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئیں، پھر ان کے خاوند مسافر بن مخزوم (یا صیفی یا بن الراہب) آئے اور ان کو طلب کیا اور کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! میری بیوی کو واپس کر دو، کیونکہ تم یہ شرط مان چکے ہو کہ ہمارے پاس سے جو بھی تمہارے پاس آئے گا تم اس کو واپس کر دو گے اور ابھی تو اس صلح نامہ کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی ہے، تب اللہ عزوجل نے یہ آیت (الممتحنہ:۱۰) نازل فرمائی۔ یعنی یہ شرط مردوں کے متعلق تھی خواتین اس میں داخل نہیں ہیں، لہٰذا پوری مدتِ معاہدہ میں مسلمان ہو کر آنے والے مردوں کو تو مشرکین کی طرف واپس کر دیا گیا مگر جو خواتین مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئیں ان کو آپ نے واپس نہیں فرمایا۔

مہاجر خواتین سے امتحان لینے کی کیفیت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آزمانے کی کیفیت یہ تھی کہ جو مسلمان خاتون مسلمان ہو کر آپ کے پاس آتی تھی، آپ اس سے اس پر حلف لیتے کہ وہ اپنے خاوند سے بغض کی وجہ سے نہیں آئی ہے یا مدینہ کے کسی مسلمان کے ساتھ عشق اور محبت کی وجہ سے نہیں آئی ہے اور نہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف منتقل ہونے اور آب و ہوا کی تبدیلی کی وجہ سے آئی ہے اور نہ کسی آفت اور مصیبت کی وجہ سے آئی ہے اور نہ دنیا کی طلب میں آئی ہے، بلکہ وہ صرف اسلام کی طرف رغبت کی وجہ سے آئی ہے اور اللہ اور اس کے رسول سے محبت کی وجہ سے آپ کے پاس آئی ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سبیعہ بنت الحارث سے اس پر حلف لیا اور جب انہوں نے اس پر حلف اٹھالیا تو پھر آپ نے ان کو واپس نہیں کیا، اور ان کے مشرک خاوند کو اس کا دیا ہوا مہر جو اس کا ان پر خرچ کیا ہوا تھا وہ دے دیا، پھر ان سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے نکاح کر لیا اور مکہ سے جو مرد آپ کے پاس آتے تھے آپ ان کو واپس کر دیتے تھے اور جو خواتین آتی تھیں، ان کا امتحان لینے کے بعد ان کو روک لیتے تھے اور ان کے کافر شوہر کو ان کا دیا ہوا مہر واپس کر دیتے تھے۔

مسلم خواتین ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں یا مدینہ سے مسلم عورتیں مرتد ہو کر کفار کی طرف جائیں، اختلاف دارین سے نکاح سابق منقطع ہو جائے گا

نیز اس آیت میں فرمایا: اور ان مومنات سے نکاح کرنے میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے جب کہ تم ان کے مہر انہیں ادا کر دو۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان ہجرت کرنے والی مسلمان خواتین سے تمہارا نکاح مباح کر دیا ہے، خواہ ان کے سابقہ شوہر دارالکفر میں ہوں، کیونکہ اسلام نے ان کے اور ان کے کافر شوہروں کے درمیان تفریق کر دی۔

اس کے بعد فرمایا: ''ولا تمسکوا بعصم الکوافر''، ''ولا تمسکوا'' مت روکو اور ''العصم، العصمت'' کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: جو عقدِ نکاح یا نسب کے رشتہ کی وجہ سے محفوظ ہو اور ''الکوافر، کافرۃ'' کی جمع ہے اور اس جملہ کا معنی ہے: اور تم نکاح شدہ کافر عورتوں کو مت روکے رکھو اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس سے منع کر دیا کہ وہ کافرہ کے ساتھ نکاح پر قائم رہیں، یعنی جس مسلمان کا مکہ میں کسی کافرہ کے ساتھ نکاح تھا اور وہ مسلمان اب ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ چکا ہے، تو اس مسلمان کا نکاح بھی اس کافرہ سے اختلافِ دارین کی وجہ سے اسی طرح منقطع ہو گیا جس طرح مسلمہ مہاجرہ کا نکاح مکہ میں رہنے والے کافر سے منقطع ہو گیا۔

(تبیان القرآن ج ۱۱ ص ۵۳-۵۴، فرید بک اسٹال لاہور، ۱۴۲۷ھ)

جب مرد اور عورت مشرک (غیر کتابی) ہوں اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو ان کے نکاح کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، صحیح البخاری: ۵۲۸۸ کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جب کوئی عورت اسلام قبول کر لے تو اس کے خاوند پر اسلام کو پیش کیا جائے گا، اگر اس کے خاوند نے اسلام قبول کر لیا تو وہ دونوں اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے اور اگر اس کے خاوند نے اسلام کو قبول کرنے سے انکار کیا تو سربراہِ ملک ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا، یہ الزہری اور الثوری کا قول ہے اور اسی کے موافق امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ ھ نے کہا ہے۔

یہ اس صورت میں ہے جب وہ دارالاسلام میں ہوں لیکن جب وہ دونوں دارالحرب میں ہوں، پھر عورت اسلام قبول کر لے پھر وہ دارالاسلام کی طرف ہجرت کر لے تو وہ اپنے خاوند سے افتراق الدارین کی وجہ سے بائنہ ہو جائے گی۔

اور اس مسئلہ میں ایک دوسرا قول بھی ہے جو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ سے منقول ہے کہ ایک نصرانی عورت نے اسلام قبول کر لیا اور اس کا خاوند نصرانی تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر وہ نصرانی عورت چاہے تو وہ اپنے نصرانی شوہر سے الگ ہو جائے اور اگر چاہے تو اس کے ساتھ رہے۔

علامہ ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ ھ نے کہا ہے: میرے نزدیک پہلا قول تمام اقوال کی بہ نسبت زیادہ صحیح ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ فرماتے ہیں: امام بخاری نے بھی اسی قول کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ (الممتحنہ: ۱۰)	نہ وہ مومنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مومنات کے لئے حلال ہیں

جب مرد اور عورت نصرانی ہوں اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو ان کے نکاح کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابراہیم بن المنذر الشافعی المتوفی ۳۱۸ ھ نے کہا ہے:

عام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ دو نصرانیوں میں سے جب خاوند اپنی بیویوں سے پہلے اسلام کو قبول کر لے تو وہ دونوں اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے، کیونکہ یہ جائز ہے کہ کوئی مسلمان ابتداءً نصرانیہ عورت سے نکاح کرے اور اسی طرح اس پر اجماع ہے کہ اگر وہ دونوں بہ یک وقت اسلام قبول کر لیں تو وہ دونوں اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے۔

اور رہا حسن بصری متوفی ۱۱۰ ھ اور قتادہ کا یہ قول کہ دو بت پرست جب دونوں بہ یک وقت اسلام کو قبول کریں تو وہ دونوں بہ یک وقت اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے۔ اس پر بھی علماء کا اجماع ہے۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ جب ان دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے سے پہلے اسلام کو قبول کر لے تو فقہاء کی ایک جماعت

نے کہا ہے کہ ان دونوں میں سے جس نے اسلام قبول کر لیا تو اس کے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کے علاوہ قتادہ، عکرمہ، طاؤس، عطاء اور مجاہد کا بھی یہی قول ہے۔

الزہری، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور اسحاق بن راہویہ نے کہا ہے کہ جس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اس نے عورت کی عدت پوری ہونے سے پہلے اسلام قبول کر لیا تو وہ اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے، انہوں نے ایک فریق کی اسلام میں سبقت کا اعتبار نہیں کیا جب کہ عدت میں ان دونوں کا اسلام مجتمع ہو گیا کیونکہ حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ متوفی ۴۲ھ اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۳ھ اپنی بیویوں کے زیادہ حق دار قرار پائے جب ان دونوں نے اپنی بیویوں کی عدت میں اسلام قبول کر لیا۔

اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ متوفی ۳۳ھ نے اپنی بیوی ہند رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۱۴ھ سے پہلے اسلام قبول کیا، اور حضرت ابوسفیان نے مرالظہر ان میں اسلام قبول کیا تھا پھر وہ مکہ کی طرف لوٹ آئے اور ہند اس وقت کافرہ تھی، پھر کئی دنوں کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا، پس ان دونوں کو ان کے زمانہ شرک میں کئے ہوئے نکاح پر برقرار رکھا گیا کیونکہ حضرت ہند متوفاۃ ۱۴ھ کی عدت اس وقت تک پوری نہیں ہوئی تھی اور اسی طرح حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ھ نے اپنی بیوی سے پہلے اسلام قبول کیا تھا، پھر ان کی بیوی نے ان کے بعد اسلام کو قبول کیا تھا، پس ان دونوں کو ان کے نکاح پر برقرار رکھا گیا۔

اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ جب ان دونوں میں سے مرد اپنی بیوی سے پہلے اسلام قبول کر لے اور بیوی پر اسلام کو پیش کیا جائے اور وہ اسلام کو قبول نہ کرے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

مجوسیہ کے ساتھ نکاح کے عدم جواز کے متعلق امام مالک کے دلائل

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (الممتحنہ:۱۰)

اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں، یہ اللہ کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے اور اللہ بہت علم والا، حکمت والا ہے ۝

اس لئے مجوسیہ کو اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کافر عورتوں سے اہل کتاب کی عورتوں کا ارادہ نہیں فرمایا، کیونکہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے، پس جب کہ مجوسی عورت کے ساتھ ابتداءً نکاح کرنا جائز نہیں ہے، سو اسی طرح اس کو نکاح میں روکے رکھنا بھی جائز نہیں ہے کیونکہ جس کے ساتھ ابتداءً عقد نکاح جائز نہ ہو تو اس کو نکاح میں روکے رکھنا بھی جائز نہیں ہے اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جب بت پرست عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کر لے پھر اس کا خاوند اس کی عدت کے دوران اسلام قبول کر لے تو وہ اپنی بیوی کے ساتھ نکاح کرنے کا زیادہ حق دار ہے اور فقہاء احناف

کے نزدیک اسی وقت اس کے خاوند پر اسلام کو پیش کیا جائے گا، جب اس کی عورت نے اسلام قبول کیا ہو اور وہ یعنی فقہاء احناف اس عورت کی عدت گزرنے کی رعایت نہیں کرتے۔

اگر عورت نے اسلام قبول کر لیا اور مرد نے اسلام قبول نہیں کیا، پھر عدت کے دوران مرد نے اسلام قبول کر لیا تو امام مالک کے نزدیک ان کا نکاح برقرار رہے گا

اور امام مالک جو کہتے ہیں کہ جب عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کر لے تو اس عورت کی عدت کا اعتبار کیا جائے گا کہ اگر عدت کے اندر اس کا خاوند اسلام قبول کر لے تو وہ اپنی بیوی کا زیادہ حق دار ہوگا، ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

امام مالک المؤطا میں ابن شہاب سے روایت کرتے ہیں: انہوں نے کہا: ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ جس عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی اور اس کا خاوند کافر تھا اور دار الحرب میں مقیم تھا مگر اس کی ہجرت نے اس عورت اور اس کے خاوند کے درمیان تفریق کر دی، سوا اس صورت کے کہ اس کا خاوند اپنی بیوی کی عدت پوری ہونے سے پہلے ہجرت کر کے دار الاسلام میں آجائے۔

(الموطا ج ۲ ص ۶۴، المکتبۃ التوفیقیہ)

مصنف کی طرف سے امام مالک کے موقف پر دلائل

میں کہتا ہوں: علامہ ابن بطال نے امام مالک بن انس کی مکمل روایات اور پوری عبارت نقل نہیں کی جس سے ان کے موقف پر ان کی دلیل واضح ہوتی ہے، ہم امام مالک کی مکمل روایات اور پوری عبارت نقل کر رہے ہیں:

امام مالک از ابن شہاب روایت کرتے ہیں کہ ان کو یہ خبر پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں چند عورتوں نے اپنے علاقہ میں اسلام کو قبول کر لیا تھا اور انہوں نے ہجرت نہیں کی تھی اور جس وقت انہوں نے اسلام کو قبول کیا تو ان کے خاوند کافر تھے، ان عورتوں میں سے الولید بن المغیرہ کی بیٹی تھی جو صفوان بن امیہ کے نکاح میں تھی، فتح مکہ کے دن اس نے اسلام قبول کر لیا اور اس کا خاوند صفوان بن امیہ اسلام قبول کرنے سے بھاگ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیچھے اس کے عم زاد وہب بن عمیر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر دے کر بھیجا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا کہ وہ آپ کے پاس آئے اور فرمایا کہ اگر صفوان اس پر راضی ہو تو اس بات کو قبول کرنا ورنہ اس کو دو ماہ کی مہلت دینا، پس جب صفوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کی چادر لے کر آئے تو صفوان نے لوگوں کے سامنے کہا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! یہ وہب بن عمیر میرے پاس آپ کی چادر لے کر آیا ہے اور یہ کہتا ہے کہ آپ نے مجھے اپنے پاس آنے کی دعوت دی ہے اور یہ کہتا ہے کہ اگر میں آپ کی بات مان لوں تو ٹھیک ہے ورنہ اس کو دو ماہ کی مہلت دینا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابو وہب! تم یہاں ٹھہرو، تو صفوان نے کہا: میں اس وقت تک نہیں ٹھہروں گا حتیٰ کہ آپ اس مدت میں توسیع کریں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ تمہیں چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوازن پر حملہ کرنے کے لئے حنین کی طرف نکلے، پھر آپ نے صفوان بن امیہ سے عاریۃً ہتھیار طلب کئے تو صفوان نے پوچھا: آپ مجھ سے یہ ہتھیار بہ طور خوشی طلب کر رہے ہیں یا جبراً؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلکہ خوشی سے طلب کر رہا ہوں، پھر صفوان کے پاس جو آلات حرب اور ہتھیار تھے وہ اس نے آپ کو عاریۃً دیئے اور اس وقت صفوان کافر تھے، پھر صفوان حنین اور طائف میں آپ کے ساتھ حاضر رہے اور وہ اس وقت بھی کافر تھے اور ان کی بیوی مسلمان تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان اور

اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی حتیٰ کہ صفوان نے اسلام قبول کرلیا اوران کی بیوی اسی نکاح کے ساتھ ان کے پاس رہی۔

(موطا امام مالک، رقم:۴۴)

(علامہ ابن عبد البر المالکی نے کہا ہے کہ میرے علم میں اس حدیث کی کوئی سند صحیح نہیں ہے، لیکن یہ حدیث مشہور ہے اور اہل سیر کے نزدیک معروف ہے اور اس حدیث کی شہرت اس کی سند کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہے۔)

اور امام مالک نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ صفوان کے اسلام اوران کی بیوی کے اسلام کے درمیان دو ماہ کی مدت تھی، ابن شہاب نے کہا کہ ہم کو یہ خبر نہیں پہنچی کہ کسی عورت نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کی ہو اور اس کا خاوند کافر ہو اور دار الحرب میں مقیم ہو مگر اس عورت کی ہجرت نے اس کے اور اس کے خاوند کے درمیان تفریق کر دی، سوا اس صورت کے کہ اس عورت کا خاوند اپنی بیوی کی عدت پوری ہونے سے پہلے ہجرت کرلے۔ (الموطا:۴۵)

امام مالک از ابن شہاب روایت کرتے ہیں کہ ام حکیم بنت الحارث بن ہشام عکرمہ بن ابی جہل کے نکاح میں تھی، سو انہوں نے فتح مکہ کے دن اسلام قبول کرلیا اور ان کے خاوند عکرمہ بن ابی جہل اسلام سے بھاگ کر یمن چلے گئے تو ام حکیم سفر کر کے ان کے پاس یمن پہنچی اور ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے اسلام قبول کرلیا اور فتح مکہ کے سال عکرمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھا تو آپ بہت زیادہ خوش ہوئے اور اس وقت آپ کے اوپر چادر نہیں تھی، سو وہ دونوں اپنے اسی نکاح پر باقی رہے۔ (الموطا: رقم:۴۶)

اس حدیث کی روایت میں امام مالک منفرد ہیں۔

(الموطا امام مالک ج ۲ ص ۶۴-۶۵، المکتبۃ التوفیقیہ، عراق، الموطا ج ۲ ص ۹۳-۹۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

میں کہتا ہوں: ان احادیث میں اس پر واضح دلیل ہے کہ اگر کوئی عورت اسلام قبول کرلے اور اس کا شوہر اسلام قبول نہ کرے اور عدت کے دوران اس کا شوہر اسلام قبول کرلے تو وہ دونوں اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے۔ (سعیدی غفرلہ)

امام مالک کے موقف پر قیاس سے استدلال

علامہ ابن بطال مالکی فرماتے ہیں: قیاس کی جہت سے دلیل یہ ہے کہ شوہر کا اسلام قبول کرنا اس طرح ہے جیسے شوہر طلاق دے کر اس سے رجوع کرلے، کیونکہ رجوع کرنا بھی ایک فعل ہے اور اسلام کو قبول کرنا بھی ایک فعل ہے، سو جس طرح رجوع کرنے سے عورت اس کے نکاح میں واپس آجاتی ہے، اسی طرح سے اسلام قبول کرنے سے بھی عورت اس کے نکاح میں واپس آجائے گی۔

اور فقہاء احناف کے نزدیک عدت میں اسلام قبول کرنے کی رعایت واجب نہیں ہے، کیونکہ عدت صرف طلاق میں ہوتی ہے۔ کفر نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی تھی اور ان دونوں کے نکاح کو فسخ کر دیا تھا اور ان کا خاوند مرتد کی مثل تھا اور فقہاء احناف کو ان آثار کا علم نہیں جو اہل مدینہ کے نزدیک عدت کے اعتبار میں ثابت ہیں۔

فقہاء احناف کے دلائل

علامہ ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے: فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک جب اسلام قبول کرلے تو ان کا نکاح فسخ ہوجاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (الممتحنہ:۱۰)

اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کرلو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کرلیں، یہ اللہ کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے، اور اللہ بہت علم والا، حکمت والا ہے ۝

انہوں نے کہا ہے کہ ہر وہ عورت جس کا مسلمان کے ساتھ ابتداءً نکاح جائز نہیں ہے تو اس عورت کو اس نکاح کے ساتھ رکھنا بھی جائز نہ ہوگا اور مرد نکاح جدید کے بغیر اس عورت کی طرف رجوع نہیں کرے گا خواہ عدت میں یا غیر عدت میں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر مسلمان عورتوں کے ساتھ نکاح کو حرام کر دیا ہے اور مسلمانوں کو مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح سے منع فرمادیا ہے، سو جب یہ ابتداءً ناجائز ہے تو بعد میں بھی ناجائز ہوگا۔

اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور مجاہد کا قول یہ ہے کہ جب مشرکین کی طرف سے کوئی عورت مسلمانوں کی طرف آجائے تو اس کے مشرک خاوند کو اس عورت کے مہر کا معاوضہ نہیں دیا جائے گا کیونکہ یہ اس وقت تھا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان معاہدہ تھا اور الشعبی نے بھی اسی طرح کہا ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۵۹-۳۶۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

جب نصرانی عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کرلے تو ان کے نکاح کی بقاء کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری: ۵۲۸۸ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ کا مذہب یہ ہے کہ جب نصرانی عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کرلے تو اس کا نکاح فسخ ہوجائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بالعموم فرمایا ہے:

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ (الممتحنہ:۱۰) نہ وہ مومنات کفار کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کفار ان مومنات کے لئے حلال ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ تخصیص نہیں کی کہ اگر خاوند عدت کے دوران اسلام قبول کرلے تو اس پر اس کی بیوی حلال ہوجائے گی، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا ہے: اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا اور نصرانی مسلمان عورت پر غالب نہیں ہوسکتا۔ (شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۵۷، مصنف عبدالرزاق: ۱۰۰۸۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور فقہاء کی ایک دوسری جماعت نے کہا ہے کہ جب شوہر عدت کے دوران اسلام قبول کرلے تو وہ اپنی بیوی سے نکاح کرلے گا اور یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے، اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، الاوزاعی، امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور امام ابوعبید متوفی ۲۲۴ھ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور فقہاء کی ایک اور جماعت نے یہ کہا ہے کہ جب عورت نے اسلام قبول کرلیا تو اس کے خاوند کے اوپر اسلام کو پیش کیا جائے گا، پس اگر اس نے اسلام قبول کرلیا تو وہ دونوں اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے اور اگر اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا تو ان دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی۔

یہ ثوری اور زہری کا قول ہے اور امام ابوحنیفہ کا بھی یہی قول ہے کہ جب مرد اور عورت دونوں دارالاسلام میں ہوں لیکن جب وہ دونوں دارالحرب میں ہوں، پس عورت اسلام قبول کر لے اور ہماری طرف یعنی دارالاسلام میں آ جائے تو اب اختلاف دارین کی وجہ سے عورت مرد سے بائنہ ہو جائے گا اور یہاں پر ایک اور قول بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس نصرانی عورت نے اسلام قبول کر لیا اور اس کا خاوند نصرانی تھا تو اگر وہ عورت چاہے تو اپنے خاوند سے الگ ہو جائے اور اگر چاہے تو اس کے ساتھ رہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰۰۸۳، دارالکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ میرے نزدیک پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔

(مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۳۳۵-۳۳۸، المغنی ج ۱۰ ص ۸)

علامہ ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ جب نصرانی اپنی بیوی سے پہلے اسلام قبول کر لے تو وہ دونوں اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے، کیونکہ مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی کتابیہ سے نکاح کر لے اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ اگر وہ دونوں بہ یک وقت اسلام قبول کر لیں تو وہ اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے۔ (الاشراف: ج ۱ ص ۱۸۷)

جب بت پرست عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کر لے تو ان کے نکاح کی بقاء کے متعلق مذاہب فقہاء

رہا حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور قتادہ کا یہ قول کہ دو بت پرست جب بہ یک وقت اسلام قبول کریں تو وہ اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے تو اس پر علماء کا اجماع ہے اور جب ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ قتادہ، عکرمہ، طاؤس اور مجاہد نے یہ کہا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کے اسلام قبول کرنے سے ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ (المغنی ج ۱۰ ص ۸)

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے یہ کہا ہے کہ جب زوجین میں سے دوسرا بیوی کی عدت ختم ہونے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو وہ اپنے نکاح پر برقرار رہیں گے، یہ ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا قول ہے۔ (الاستذکار ج ۱۶ ص ۳۲۳، کتاب الام ج ۵ ص ۳۹، المغنی ج ۱۰ ص ۸)

ان فقہاء نے اس کی رعایت نہیں کی کہ کون پہلے اسلام لایا جب کہ عدت کے دوران دونوں اسلام پر مجتمع ہوں جیسا کہ حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ متوفی ۴۲ھ اور حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۳ھ ان کو اپنی بیویوں کے ساتھ نکاح پر برقرار رکھا گیا جب کہ انہوں نے اپنی بیوی کی عدت میں اسلام قبول کر لیا تھا۔

اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت ابوسفیان بن حرب متوفی ۳۳ھ نے اپنی بیوی حضرت ہند رضی اللہ عنہا متوفی ۱۴ھ سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا، یہ مرالظہر ان میں اسلام لائے تھے پھر یہ مکہ کی طرف واپس گئے اور ہند کافرہ تھیں پھر انہوں نے چند دنوں بعد اسلام قبول کیا تو ان دونوں کو ان کے زمانہ شرک پر کیے گئے نکاح پر برقرار رکھا گیا، اور اسی طرح حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ھ نے بھی اپنی بیوی سے پہلے اسلام قبول کیا تھا اور ان کی بیوی نے کافی عرصہ کے بعد اسلام کو قبول کیا، پس ان دونوں کو ان کے نکاح پر برقرار رکھا گیا۔ (کتاب الام للامام الشافعی ج ۵ ص ۳۹، دارالفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ)

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ جب دونوں میں سے مرد اپنی بیوی سے پہلے اسلام قبول کر لے

اور بیوی پر اسلام پیش کیا جائے اور وہ اسلام کو قبول نہ کرے تو اسی وقت ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور امام مالک نے درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوا مَا اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوا مَا اَنْفَقُوا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (الممتحنہ:۱۰)

اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں، یہ اللہ کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے، اور اللہ بہت علم والا، حکمت والا ہے O

لہٰذا مجوسی عورت کو نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کفار سے اہل کتاب کی عورتوں کو مراد نہیں لیا، کیونکہ اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ نکاح جائز ہے اور جب مجوسیہ کے ساتھ ابتداءً عقد نکاح جائز نہیں ہے تو اس کو بعد میں بھی اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے، اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ جب بت پرست عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کر لے اور اس کا شوہر اس کی عدت گزرنے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو وہ اپنی بیوی کا زیادہ حق دار ہے۔

(الاستذکار ج ۱۶ ص ۳۲۳، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

اور فقہاء احناف کے نزدیک اس صورت میں اس وقت خاوند پر اسلام پیش کیا جائے گا جب اس کی بیوی نے اسلام قبول کیا ہو اور انہوں نے اس عورت کی عدت ختم ہونے کی رعایت نہیں کی۔

(مختصر اختلاف العلماء للجصاص المتوفی ۳۷۰ھ ج ۲ ص ۳۲۵-۳۲۶، ۱۴۱۷ھ)

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اس صورت میں عورت کی عدت پوری ہونے کا اعتبار کرتے ہیں جب عورت نے اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کیا ہو کیونکہ ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ جس عورت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کی ہو اور اس کا خاوند کافر ہو اور دارالحرب میں مقیم ہو مگر اس کی ہجرت ان کے درمیان نکاح کو منقطع کر دیتی ہے سوا اس صورت کے کہ اس کا خاوند اس کی عدت پوری ہونے سے پہلے ہجرت کر لے۔ (الموطا ج ۲ ص ۶۴، المکتبۃ التوفیقیہ)

فقہاء احناف کے نزدیک جب عورت خاوند سے پہلے اسلام قبول کر لے تو خاوند کے نکاح کو باقی رکھنے کے لئے عدت کا اعتبار نہ کرنے پر دلیل

اور فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کے اسلام قبول کرنے سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْئَلُوا مَا اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوا مَا اَنْفَقُوا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (الممتحنہ:۱۰)

اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کر لو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کر لیں، یہ اللہ

کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے، اور اللہ بہت علم والا، حکمت والا ہے O

پس ہر وہ عورت جس کے ساتھ مسلمان کے لئے ابتداءً عقدِ نکاح جائز نہیں ہے تو اس عورت کو اس نکاح کے ساتھ رکھنا بھی جائز نہیں ہے اور وہ عورت خاوند کی طرف رجوع نہیں کرے گی خواہ عدت کے اندر ہو یا عدت کے بغیر سوا اس صورت کے کہ اس عورت کے ساتھ دوبارہ عقدِ نکاح کیا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مشرکین پر مسلمان عورتوں کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے اسی طرح مسلمان مردوں پر مشرک عورتوں کے ساتھ نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۶-۳۶۰-۳، وزارۃ الاوقاف قطر، ۱۴۲۹ھ)

جب کوئی حربی عورت اسلام قبول کر لے اور اس کا خاوند دار الحرب میں اپنے کفر پر قائم ہو تو ان کے نکاح کی بقاء کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ ان مسائل کے متعلق لکھتے ہیں:

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت المتوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ جو حربی عورت اسلام قبول کر کے ہماری طرف دار الاسلام میں آ جائے اور اس کا خاوند دار الحرب میں اپنے کفر پر قائم ہو تو اس عورت کی کوئی عدت نہیں ہے اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ نے کہا ہے کہ اس عورت پر عدت لازم ہے، پھر اگر اس کا خاوند اسلام قبول کر لے تو بغیر مستقل نکاح کے وہ عورت اپنے خاوند پر حلال نہیں ہوگی اور الثوری کا بھی یہی قول ہے۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور الاوزاعی، اللیث، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ جب خاوند اس عورت کے تین حیض گزرنے سے پہلے اسلام قبول کر لے تو وہ عورت اس کی بیوی رہے گی اور اگر اس کا خاوند اسلام قبول نہ کرے حتیٰ کہ اس عورت کے تین حیض گزر جائیں تو پھر ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

اور امام شافعی کے نزدیک دار الحرب اور دار الاسلام کے درمیان اس صورت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

امام مالک نے الزہری سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہمیں یہ خبر نہیں پہنچی کہ جب کوئی عورت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرے اور اس کا خاوند دار الحرب میں اپنے کفر پر مقیم ہو تو اس عورت کی ہجرت اس کے خاوند کے ساتھ نکاح کو منقطع کر دیتی ہے، مگر جب اس کا خاوند اپنی بیوی کی عدت ختم ہونے سے پہلے ہجرت کر لے تو پھر ان کا نکاح باقی رہے گا۔ (الموطا ج ۲ ص ۶۴)

امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے امام مالک کی اس دلیل کے جواب کے متعلق کہا ہے:

اس حدیث کی سند منقطع ہے، لہٰذا اس سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے اور عدت ارتفاع نکاح کے بعد واجب ہوتی ہے اور نکاح کی بقاء کے ساتھ عدت واجب نہیں ہوتی۔ (مختصر اختلاف العلماء، ج ۲ ص ۳۳۵، ۳۳۴، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

جب شوہر اور بیوی دونوں ذمی ہوں اور عورت اسلام قبول کر لے تو ان کے نکاح کی بقاء کے متعلق مذاہب فقہاء

ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ جب شوہر اور بیوی دونوں ذمی ہوں اور عورت اسلام کو قبول کر لے تو اس کے خاوند پر اسلام کو

پیش کیا جائے گا، پس اگر اس نے اسلام کو قبول کرلیا تو فبھا ورنہ ان کے درمیان تفریق کردی جائے گی اور اگر دونوں حربی ہوں تو وہ اس کی بیوی رہے گی حتیٰ کہ تین حیض گزر جائیں، لہٰذا اگر وہ اسلام کو قبول نہ کرے تو تفریق کردی جائے گی۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ جب عورت اسلام قبول کرلے اور اس کا خاوند کافر ہو پھر اس کا خاوند بھی اسلام قبول کرلے تو وہ خاوند دورانِ عدت اپنی بیوی کا زیادہ حق دار ہے اور اگر اس کی بیوی کی عدت پوری ہوجائے تو پھر خاوند کی اس عورت کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے اور یہ تفریق طلاق نہیں ہے۔

اور امام مالک نے کہا ہے کہ جو نصرانی عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام کو قبول کرلے اور اس کا خاوند نصرانی ہو اور عدت پوری ہونے سے پہلے وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کی طلاق اس عورت پر واقع نہیں ہوگی۔

اور امام مالک نے کہا کہ جب شوہر اور بیوی اہل کتاب سے نہ ہوں اور شوہر بیوی سے پہلے اسلام قبول کرلے تو اس کی بیوی پر اسلام کو پیش کیا جائے گا اور اس کی بیوی اسلام کو قبول نہ کرے تو ان کے درمیان تفریق کردی جائے گی۔

جب نصرانی عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کرلے تو ان کے نکاح کے متعلق مذاہب فقہاء اور حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے قصہ سے معارضہ کا جواب

اور عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے روایت کی ہے کہ جب نصرانی عورت اپنے خاوند سے پہلے اسلام قبول کرلے اور اس کا خاوند نصرانی ہو تو ان کے درمیان تفریق کردی جائے گی، انہوں نے کہا کہ اسلام غالب ہوتا ہے اور مغلوب نہیں ہوتا۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۸۳، ج ۷ ص ۱۷۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۴۰، سنن ترمذی: ۱۱۴۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۹)

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا (بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) متوفاۃ ۸ھ کو ان کے خاوند ابوالعاص بن ربیع متوفی ۱۲ھ کو اسی نکاح اول کے ساتھ تین سال بعد واپس کردیا تھا۔

علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم المعروف بابن الاثیر متوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں:

لہٰذا ابوالعاص بن الربیع نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واقعہ بدر کے بعد بھیجا تھا اور واقعہ بدر ہجرت کے دوسرے (۲ھ) سال ہوا تھا اور حضرت ابوالعاص بن الربیع فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے تھے، یعنی ۸ ہجری کی ابتداء میں تو گویا حضرت زینب سے مفارقت کے چھ (۶) سال بعد، حضرت زینب کو حضرت ابوالعاص کی طرف لوٹایا گیا۔

(اسد الغابہ ج ۶ ص ۱۸۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوالعاص کا قصہ منسوخ ہے کیونکہ قتادہ نے روایت کی ہے کہ یہ واقعہ سورۂ توبہ کے نزول سے پہلے کا ہے اور الزہری نے کہا ہے کہ یہ واقعہ فرائض کے نزول سے پہلے کا ہے۔

اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ واقعہ درج ذیل آیت سے منسوخ ہے:

وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْـَٔلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (الممتحنہ: ۱۰)

اور (اے مسلمانو!) تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکے رکھو اور جو تم نے ان کے مہر میں خرچ کیا ہے وہ کافروں سے طلب کرلو اور کافروں نے جو خرچ کیا ہے وہ تم سے طلب کرلیں، یہ اللہ

کا وہ حکم ہے جس کا وہ تمہارے درمیان فیصلہ فرماتا ہے، اور اللہ
بہت علم والا، حکمت والا ہے O

اور یہ آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ نکاح کی بقاء میں عورت کی عدت پوری ہونے کا اعتبار نہیں ہے۔

اور عمرو بن شعیب از والد خود از جد خود روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا متوفاة ۸ ھ کو حضرت ابو العاص بن الربیع متوفی ۱۲ ھ کی طرف دوبارہ نکاح کر کے لوٹایا تھا۔ (سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۴۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۱۰، سنن ترمذی: ۱۴۴)

امام ترمذی نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ متوفی ۶۸ ھ کی حدیث کی سند بہت جید ہے اور عمل عمرو بن شعیب کی روایت پر ہے۔

سفیان بن حسین نے از الزہری متوفی ۱۵۲ ھ روایت کی ہے کہ حضرت ابو العاص بن الربیع کو غزوہ بدر میں قید کر لیا گیا تھا پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو ان کی طرف لوٹا دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب آپ نے حضرت زینب کو انکی طرف لوٹایا تو اس وقت وہ کافر تھے کیونکہ حضرت ابو العاص ۸ ھ کی ابتداء میں اسلام لائے تھے۔

اور شعبہ نے از حماد و مغیرہ از ابراہیم روایت کی ہے کہ جس نصرانی کے نکاح میں نصرانیہ عورت ہو پس نصرانی عورت اسلام قبول کرلے اور اس کا خاوند اسلام قبول کرنے سے انکار کرے تو ابراہیم نخعی نے کہا کہ وہ عورت اس نصرانی مرد کے نکاح میں برقرار رہے گی اور ابراہیم نخعی سے دوسری روایت یہ ہے کہ ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور یہ تفریق ان کے درمیان طلاقِ بائنہ ہوگی۔
(الموطا للامام محمد متوفی ۱۸۹ ھ ص ۲۰۵، المحلی ج ۷ ص ۳۱۳)

امام ابو جعفر الطحاوی متوفی ۳۲۱ ھ نے کہا کہ یہ قول شاذ ہے اور ہمارے علم کے مطابق اس قول کی کسی نے موافقت نہیں کی۔
(مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۳۳۵-۳۳۸، دار البشائر الاسلامیہ بیروت ۱۴۱۷ ھ)

''مُهٰجِرٰت'' کا معنی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ صحیح البخاری: ۵۲۸۸ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ (الممتحنہ: ۱۰)

اے ایمان والو! جب تمہارے پاس ایمان والی عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو آزمالیا کرو، اللہ ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے، پھر اگر تم کو ان کے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر ان کو کفار کی طرف مت لوٹانا۔

اس آیت میں مُهٰجِرٰتٍ کا لفظ ہے اور یہ لفظ ہجرت سے ماخوذ ہے، الازہری نے کہا ہے کہ ہجرت کا لغوی معنی ہے: دیہاتی کا گاؤں سے نکل کر شہر کی طرف جانا اور شہر میں مقیم ہونا اور اس آیت میں مراد ہے کہ مکہ کی عورتوں کا اسلام قبول کر کے مدینہ کی طرف جانا۔

ہجرت کرنے والی عورتوں کے امتحان کی کیفیت

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ سے روایت کی ہے کہ ان عورتوں سے

اس طرح امتحان لیا گیا کہ وہ یہ شہادت دیتی تھیں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور بے شک (سیدنا) محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔

اور امام احمد عمرو بن عبد الخالق بزار متوفی ۲۹۲ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ آپ ان عورتوں سے اس طرح امتحان لیتے تھے کہ وہ قسم کھا کر کہتیں: اللہ کی قسم! میں اپنے خاوند سے بغض کی وجہ سے نہیں نکلی اور اللہ کی قسم میں ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف جانے کی رغبت سے نہیں نکلی اور اللہ کی قسم! میں دنیا کی طلب میں نہیں نکلی اور اللہ کی قسم میں صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت کی وجہ سے نکلی ہوں۔

اور امام ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کی ہے: پس ان عورتوں سے سوال کیا جاتا کہ تم اپنے خاوندوں کی طرف لوٹ جاؤ، اور قتادہ نے روایت کی ہے کہ ان کا امتحان یہ تھا کہ وہ حلف اٹھا کر بتاتیں کہ وہ اپنے خاوند کی نافرمانی کی وجہ سے نہیں نکلیں، وہ صرف اسلام کی محبت کی وجہ سے نکلی ہیں، اگر وہ اس طرح کہتیں تو ان کا قول قبول کر لیا جاتا۔

نبی ﷺ کے ان عورتوں کو بیعت کرنے کی کیفیت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی ﷺ نے ان عورتوں سے صرف کلام کے ساتھ بیعت کی یعنی معروف طریقہ یہ ہے کہ بیعت کے وقت اپنا ہاتھ دوسرے کے ہاتھ پر مارا جائے جیسا کہ مردوں کو بیعت کیا جاتا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس کی وضاحت میں فرمایا ہے کہ نبی ﷺ کے ہاتھ نے کسی عورت کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔

اس میں اختلاف ہے کہ آیا مہاجر (ہجرت کرنے والی) عورتوں سے امتحان لینے کا حکم اب بھی باقی ہے یا نہیں؟ اور صحیح یہ ہے کہ اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ اب یہ حکم منسوخ ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۹-۴۹۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

الممتحنہ: ۱۰ کی تفسیر، تشریح اور اس آیت میں مذکور مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، صحیح البخاری: ۵۲۸۸ کی شرح میں لکھتے ہیں:

مومنات جب ہجرت کرتیں: یعنی فتح مکہ کے سال جب مومن عورتوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

نبی ﷺ ان کا امتحان لیتے تھے: یعنی اگرچہ ان عورتوں کا ظاہر حال یہ تھا کہ وہ مومنات ہیں لیکن ان کے دلوں کی کیفیت پر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مطلع نہیں ہے، جیسا کہ الممتحنہ: ۱۰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ان عورتوں کے ایمان کو بہت زیادہ جاننے والا ہے۔

والمومنٰت: اس آیت میں ان عورتوں کو مومنات فرمایا ہے، کیونکہ وہ اپنی زبان سے توحید اور رسالت کی تصدیق کرتی تھیں اور اس کی گواہی دیتی تھیں اور اس کے منافی کوئی بات ان سے ظاہر نہیں ہوئی تھی۔

سو تم ان کا امتحان لو: یعنی ان سے حلف طلب کرو اور ان علامات میں غور و فکر کرو جس سے یہ ظاہر ہو جائے کہ یہ عورتیں اپنے دعویٰ ایمان میں صادق ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے روایت ہے کہ ان عورتوں سے یہ حلف لیا جاتا تھا کہ انہوں نے اپنے شوہروں سے بغض کی وجہ سے ہجرت نہیں کی اور نہ ایک علاقہ سے دوسرے علاقہ کی طرف جانے کی رغبت کی وجہ سے ہجرت کی ہے اور انہوں نے صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کی وجہ سے ہجرت کی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ان عورتوں کے ایمان کو خوب جاننے والا ہے: یعنی تمہارے پاس ایسا علم نہیں ہے جس سے تمہارے دل ان کے ایمان کے متعلق مطمئن ہو سکیں، خواہ تم ان سے حلف لے لو اور اللہ تعالیٰ کے پاس حقیقتِ علم ہے، پس اگر تم کو یقین ہو جائے کہ یہ مومنات ہیں اور یہ یقین ان کے حلف لینے سے ظنِ غالب کی بناء پر ہوگا تو پھر تم ان عورتوں کو ان کے کافر خاوندوں کی طرف واپس نہ کرو، نہ یہ عورتیں ان خاوندوں پر حلال ہیں، نہ ان کے خاوند ان پر حلال ہیں، یعنی مومنہ عورت مشرک مرد پر حلال نہیں ہے اور ان کے کافر خاوندوں کو وہ مہر ادا کر دو جو انہوں نے ان عورتوں کو دیا ہے اور جب تم ان عورتوں کا مہر ادا کر دو پھر تم ان عورتوں سے نکاح کر دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، خواہ ان عورتوں کے کافر خاوند دار الحرب میں مقیم ہوں، کیونکہ اسلام نے ان کے درمیان تفریق کر دی ہے۔

اور تم بھی کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روکو! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یعنی تم کافر عورتوں کے ساتھ عقدِ نکاح نہ کرو، پس جس شخص کی کافر بیوی مکہ میں ہو تو وہ اس کو نکاح میں برقرار نہ رکھے کیونکہ اس مرد اور اس کی کافرہ بیوی کے درمیان عصمتِ نکاح منقطع ہو چکی ہے اور وہ اب اس کی بیوی نہیں ہے اور اگر اہلِ مکہ میں سے کوئی عورت مسلمانوں کی طرف آئے اور مکہ میں اس کا کوئی کافر خاوند ہو تو وہ بھی اس نکاح کا شمار نہ کرے کیونکہ اس عورت کی اپنے کافر خاوند سے عصمتِ نکاح منقطع ہو چکی ہے۔

اور عِصَم کا لفظ عصمة کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ حفاظت ہے جو عقدِ نکاح سے حاصل ہوتی ہے۔

''وسئلوا ما انفقتم'': یعنی اے وہ مومنو! جن کی بیویاں دار الاسلام سے نکل کر مشرکین کے ساتھ مل گئیں، تم ان مشرکین سے اس کا سوال کرو جو تم ان بیویوں کے مہر کے اوپر خرچ کر چکے ہو۔

''ولیسئلوا ما انفقوا'': یعنی جن مشرکین کی بیویاں اسلام قبول کر کے تمہارے ساتھ دار الاسلام میں آ کر مل گئی ہیں ان مشرکین نے ان بیویوں پر جو مہر خرچ کیا تھا اس کا وہ مسلمانوں سے سوال کریں۔

''ذٰلکم'': اس میں ان تمام احکام کی طرف اشارہ ہے جو اس آیت میں ذکر کئے گئے ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۸۹-۳۹۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۲۸۸ کی شرح از شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی صحیح البخاری: ۵۲۸۸ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث میں ہے کہ مومن عورتیں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہجرت کر کے آتی تھیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم الممتحنہ: ۱۰ کی بناء پر ان سے امتحان لیتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مومن عورتوں میں سے جو اس کا اقرار کر لیتیں تو وہ اس آزمائش میں پوری سمجھی جاتیں، جب وہ عورتیں اس کا اپنے قول سے اقرار کر لیتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: جاؤ، میں تم لوگوں سے بیعت لے چکا، حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب ''اذا اسلمت المشرکۃ'' سے واضح ہے۔

(کشف الباری، کتاب الطلاق ص ۴۹۶، مکتبہ فاروقیہ کراچی، ۱۴۲۶ھ)

مصنف کا شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی کی شرح کو رد کرنا

میں کہتا ہوں: اس باب کا عنوان ہے ''جب کوئی مشرکہ یا نصرانیہ جو کسی ذمی یا حربی کے نکاح میں ہو وہ اسلام قبول کر لے'' اور امام بخاری نے اس باب میں جو حدیث: ۵۲۸۸ ذکر کی ہے اس میں کسی مشرکہ یا ذمیہ کے اسلام قبول کرنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ

اسلام قبول کرنے کے بعد دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ہے اور امام بخاری نے اس حدیث میں الممتحنہ: ۱۰ کا ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ جب مسلمان عورتیں دارالحرب سے دارالاسلام کی طرف ہجرت کریں تو پھر ان کا امتحان لیا کرو تا کہ واضح ہو جائے کہ وہ صرف زبانی، کلامی ایمان کا دعویٰ کرنے والی نہیں ہیں بلکہ حقیقتِ اسلام کو جانتی ہیں، اور جب وہ اس امتحان میں پوری اتر گئیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے کلام سے بیعت فرمالیا، ہماری اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اس حدیث کی اس باب کے عنوان کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہے۔

ایلاء کے مباحث

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ (البقرہ: ۲۲۶-۲۲۸)

جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے، اگر انہوں نے (اس مدت میں) رجوع کر لیا تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے O اور اگر انہوں نے طلاق ہی کا ارادہ کر لیا ہے تو بے شک اللہ خوب سننے والا بہت جاننے والا ہے O اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد) ثانی سے روکے رکھیں۔

ایلاء کا لغوی معنی

لغت میں ایلاء کا معنی ہے: مطلقاً قسم کھانا، خواہ اپنی بیوی سے ترکِ جماع پر قسم کھائی جائے یا کسی اور چیز پر قسم کھائی جائے، یہ لفظ "آلیٰ علی کذا، یولی ایلاء الیۃ" سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی مرد کسی کام کو کرنے یا اس کو ترک کرنے کی قسم کھائے۔

زمانہ جاہلیت میں جب کوئی مرد اپنی بیوی سے ناراض ہوتا تو یہ قسم کھاتا کہ وہ اس سے ایک سال یا دو سال تک جماع نہیں کرے گا یا کبھی جماع نہیں کرے گا اور اس کی بیوی تمام عمر المعلقہ کی طرح گزارتی، یعنی وہ اس کی بیوی ہوتی اور نہ حقوقِ زوجیت کو حاصل کرتی اور نہ وہ مطلقہ ہوتی اور کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کی طاقت رکھتی، پھر جب اسلام آیا تو اس نے عورت کے ساتھ انصاف کیا اور ایلاء کے احکام مقرر کئے اور عورت کے ضرر میں تخفیف کی اور ایلاء کرنے والے مرد کے لئے چار مہینے کی حد مقرر کی اور مرد پر لازم کیا کہ وہ بیوی کے ساتھ حُسن معاشرت کرتے ہوئے اس قسم سے رجوع کر لے یا پھر اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔

(لسان العرب لابن منظور افریقی المتوفی ۷۱۱ھ ج۱ ص ۱۴۲، دار صادر بیروت الطبعۃ الثانیہ ۲۰۰۳ء، القاموس المحیط لمحمد بن یعقوب الفیروزآبادی المتوفی ۸۱۷ھ ص ۱۲۶۶، موسسۃ الرسالہ بیروت، النہایہ لابن اثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ ج۱ ص ۶۳-۶۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ، الصحاح للجوہری المتوفی ۳۹۸ھ، ج۶ ص ۲۲۷۱، ۲۲۷۰، دار العلم للملایین ۱۴۰۴ھ، تاج العروس للزبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ، ج۱۰ ص ۲۰، المطبعۃ الخیریہ مصر، المفردات للاصفہانی ج۱ ص ۲۷، مکتبہ نزار مصطفی الباز ۱۴۱۸ھ، مجمع بحار الانوار للطاہر پٹنی المتوفی ۹۸۶ھ ج۱ ص ۹۵، مکتبہ دار الایمان، مدینہ منورہ ۱۴۱۵ھ)

ائمہ اربعہ کے نزدیک ایلاء کا اصطلاحی معنی

فقہاء احناف کے نزدیک ایلاء کا معنی یہ ہے کہ مرد اللہ تعالیٰ کی یا اس کی کسی صفت کی قسم کھا کر کہے کہ وہ چار ماہ یا اس سے زیادہ

مدت تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا یا اپنی بیوی سے کہے کہ اگر میں نے تم سے جماع کیا تو مجھ پر ایک ماہ کے روزے لازم ہیں یا حج کرنا لازم ہے یا بیس (۲۰) مسکینوں کو کھانا کھلانا لازم ہے۔

فقہاء مالکیہ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے اپنے قول جدید میں اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے ایک روایت میں فقہاء احناف کی موافقت کی ہے اور کہا ہے کہ ایلاء صرف اللہ تعالیٰ کی قسم کھانے سے ہوگا اور عبادات کو معلق کرنے سے ہوگا اور انہوں نے کہا کہ اگر اس مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں نے تم سے جماع کیا تو مجھ پر لازم ہے کہ میں تم کو طلاق دوں یا میں غلام آزاد کروں تو اس سے ایلاء نہیں ہوگا۔

(بدائع الصنائع للکاسانی الحنفی ج ۳ ص ۱۷۱، حاشیۃ الدسوقی لمحمد بن عرفہ الدسوقی المالکی المتوفی ۱۲۱۹ھ ج ۲ ص ۴۲۷، مغنی المحتاج للشربینی الشافعی ج ۳ ص ۳۴۴، المغنی لابن قدامہ الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ ج ۷ ص ۲۹۸)

ایلاء کی حکمت

بیوی سے جماع کو ترک کرنا کبھی بیوی کو سزا دینے کے لئے اور اس کی اصلاح کے لئے ہوتا ہے، مثلاً جب کبھی بیوی گھر کے انتظامی معاملہ میں ناروا کام کرے یا شوہر کے حقوق ادا نہ کرے اور سمجھانے سے اپنی روش کو ترک نہ کرے تو ان صورتوں میں اس کی اصلاح یا تادیب کی ضرورت ہوتی ہے کہ مرد اپنی بیوی کی اصلاح کے لئے اس سے ترک جماع کا عزم کرلے اور اس سے مقصود بیوی کی اصلاح ہو تو ایسی صورتوں میں اسلام نے ایلاء کو جائز قرار دیا ہے۔

آیۃ الایلاء کی تفسیر از علامہ ماتریدی

علامہ ابومنصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ البقرہ: ۲۲۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ بات معلوم ہے کہ ایلاء کا لغوی معنی قسم ہے، اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے ایلاء کی تفسیر میں فرمایا: جو لوگ اپنی بیویوں کے متعلق قسم کھاتے ہیں۔

(مصنف عبد الرزاق: سنن سعید بن منصور، بحوالہ الدر المنثور ج ۱ ص ۶۱۱، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

پھر ایلاء کے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے حسب ذیل اختلافات ہیں:

(۱) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے کہا ہے: ایلاء فقط ایک دن کا ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں قسم کی مدت ذکر نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے صرف یہ فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں سے ترک جماع کی قسم کھاتے ہیں، وہ چار مہینے انتظار کریں۔

(۲) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: ایلاء دائماً ترک جماع کی قسم ہے۔

(۳) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ سے ایک مرد نے سوال کیا کہ اس نے یہ قسم کھائی ہے کہ وہ دو سال تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا تو مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ ایلاء ہے اور جب چار ماہ گزر جائیں گے تو اس کی بیوی اس سے بائنہ ہو جائے گی، اس مرد نے کہا: میں نے تو یہ قسم اس لئے کھائی تھی تاکہ میرے مزید بچے نہ ہوں، تب مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر یہ ایلاء نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ایلاء اس وقت ہوتا ہے جب مرد عورت کی نافرمانی کی وجہ سے ترک جماع کی قسم کھائے۔

(۴) ہمارے اصحاب احناف رحمہم اللہ نے کہا ہے: جب چار ماہ کی عدت گزر جائے گی تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی، اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد توقف کیا جائے گا، یا تو مرد اپنی قسم سے رجوع کر لے یا پھر اپنی بیوی کو طلاق دے دے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاة ۵۷ھ اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ نے فرمایا ہے کہ جب چار ماہ کی مدت گزر جائے تو ایلاء کرنے والا اپنی قسم سے رجوع کر لے، یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔

اور ہمارے اصحاب احناف کے نزدیک جب چار ماہ کی عدت گزر جائے گی تو اس کی بیوی اس سے بائنہ ہو جائے گی، کیونکہ سات (۷) یا آٹھ (۸) صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے، انہوں نے کہا ہے کہ جب چار ماہ گزر جائیں گے تو اس کی بیوی اس سے بائنہ ہو جائے گی ان سب صحابہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ متوفی ۶۸ھ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ شامل ہیں۔ (از مصنف عبد الرزاق، تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم، سنن بیہقی بہ حوالہ الدر المنثور ج ا ص ۴۸۶)

پھر طلاق کی کیفیت میں اختلاف ہے، اہل مدینہ نے کہا کہ یہ طلاق رجعی ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہما متوفی ۲۲ھ سے منقول ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد اس عورت پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۲ ص ۱۴۶-۱۵۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

آیۃ الایلاء کی تفسیر از علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری

پیر محمد کرم شاہ الازہری الحنفی التوفی ۱۹۹۸ء لکھتے ہیں:

بعض لوگ اپنی عورتوں کو ستانے کے لئے قسم اٹھالیا کرتے تھے کہ ہم ان سے ہم بستری نہ کریں گے، اسی طرح عورت نکاح میں بھی رہتی اور حقوقِ زوجیت سے بھی محروم ہو جاتی، قرآن نے اس ظلم کا بھی خاتمہ کر دیا اور فرمایا: اگر چار ماہ کے اندر تم نے اپنی یہ قسم توڑ دی تو عورت تمہارے نکاح میں رہے گی اور تمہیں صرف کفارہ ادا کرنا ہوگا اور اگر تم نے چار ماہ گزرنے پر بھی اپنی قسم نہ توڑی تو نکاح ٹوٹ جائے گا اور عورت کو حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم عورت کو اپنے نکاح میں بھی جکڑ بند رکھو اور اس کے حقوقِ زوجیت بھی ادا نہ کرو، ہاں اگر وہ خوشی سے اس خاوند سے نکاح کرنا چاہیں تو کر سکتی ہیں۔

(ضیاء القرآن ج ا ص ۱۵۵، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

آیۃ الایلاء کی تفسیر از مصنف

ایلاء کا لغوی معنی ہے: قسم کھانا، اور فقہاء احناف کے نزدیک اس کا شرعی معنی ہے: مدت مخصوصہ تک اپنی منکوحہ سے جماع نہ کرنے کی قسم کھانا اور زیادہ صحیح تعریف یہ ہے کہ چار مہینے تک اپنی منکوحہ سے جماع نہ کرنے کی قسم کھانا۔

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے: اللہ کی قسم! میں تم سے مقاربت نہیں کروں گا، یا کہے: اللہ کی قسم! میں تم سے چار مہینے تک مقاربت نہیں کروں گا تو وہ ایلاء کرنے والا ہے، کیونکہ قرآن مجید میں ہے: جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا لیتے

ہیں، ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے، اگر انہوں نے (اس مدت میں) رجوع کرلیا تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا بردبار ہے، اور اگر انہوں نے طلاق ہی کا ارادہ کرلیا ہے تو بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔ (البقرہ:۲۲۶-۲۲۷)

اور اگر اس نے چار مہینے کے اندر اپنی بیوی سے مباشرت کرلی تو اس کی قسم ٹوٹ جائے گی اور اس پر کفارہ لازم ہوگا اور ایلاء ساقط ہوجائے گا اور اگر اس نے چار مہینے اپنی بیوی سے مقاربت نہیں کی تو اس کی بیوی پر از خود طلاقِ بائنہ واقع ہوجائے گی۔

امام شافعی نے کہا ہے کہ قاضی کی تفریق کرنے سے طلاق بائنہ واقع ہوگی جیسا کہ مقطوع الذکر اور نامرد کے مسئلہ میں قاضی کی تفریق سے طلاقِ بائنہ واقع ہوتی ہے، ہماری دلیل یہ ہے کہ مرد نے عورت کے حق کو اس سے سلب کرکے اس پر ظلم کیا ہے، اس لئے شریعت نے اس کو یہ سزا دی ہے کہ اس مدت کے پوری ہونے پر نکاح کی نعمت اس سے زائل ہوجائے گی، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ، حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ، حضرت عبداللہ بن مسعود متوفی ۳۲ھ، حضرت عبداللہ بن عمر متوفی ۷۳ھ، حضرت عبداللہ بن عباس متوفی ۶۸ھ اور حضرت زید بن ثابت متوفی ۴۵ھ رضی اللہ عنہم سے اسی طرح منقول ہے اور ان کی اقتداء کرنی ہمارے لئے کافی ہے اور اس لئے کہ زمانہ جاہلیت میں قسم کھاتے ہی فوراً طلاق واقع ہوجاتی تھی اور شریعت اسلامیہ نے وقوعِ طلاق کے لئے مدت پوری ہونے کی حد مقرر کردی۔

اگر اس نے چار ماہ تک مقاربت نہ کرنے کی قسم کھائی تو چار ماہ کے بعد قسم ساقط ہوجائے گی اور اگر اس نے یہ قسم کھائی تھی کہ میں کبھی بھی اس سے مقاربت نہ کروں گا تو چار ماہ بعد اس کی بیوی کو طلاق بائنہ ہوجائے گی اور قسم باقی رہے گی، پھر اگر اس نے اس سے دوبارہ نکاح کرلیا اور اس کے بعد مقاربت کرلی تو فبہا اور اسے اس قسم کے توڑنے کا کفارہ دینا ہوگا اور اگر اس نے پھر چار ماہ تک مقاربت نہیں کی تو اس کی بیوی پر دوبارہ طلاق بائنہ پڑ جائے گی اور اگر اس نے اس سے پھر تیسری بار نکاح کرلیا تو پھر اسی طرح ہوگا یعنی اگر اس نے مقاربت کرلی تو فبہا ورنہ چار ماہ بعد پھر اس کی بیوی پر طلاقِ بائنہ پڑ جائے گی اور اس کے بعد حلالہ شرعیہ کے بغیر وہ اس سے چوتھی بار نکاح نہیں کرسکتا اور چوتھی بار نکاح کرنے کے بعد پھر اسی طرح ہوگا۔

اور اگر اس نے چار ماہ سے کم کی قسم کھائی ہے تو یہ ایلاء نہیں ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: چار ماہ سے کم میں ایلاء نہیں ہے، کیونکہ جس شخص نے ایک ماہ مقاربت نہ کرنے کی قسم کھائی اور پھر چار ماہ تک مقاربت نہیں کی تو بقیہ تین ماہ کے عرصہ میں اس نے بغیر قسم کے مقاربت نہیں کی اور جو بغیر قسم کے تین ماہ بلکہ اس سے زائد عرصہ تک مقاربت نہ کرے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (ہدایہ اولین ص ۴۰۲-۴۰۱، مطبوعہ شرکتِ علمیہ، ملتان)

علامہ المرغینانی نے امام شافعی کا جو یہ مذہب نقل کیا ہے کہ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد قاضی کی تفریق سے طلاق بائن ہوگی، یہ نقل صحیح نہیں ہے، بلکہ امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ مدت گزرنے کے بعد شوہر کو اختیار ہے، چاہے تو رجوع کرلے اور چاہے تو طلاق دے دے۔

ایلاء کے بعد وقوعِ طلاق میں ائمہ ثلاثہ کا مذہب اور دلائل اور فقہاء احناف کی طرف سے جوابات

علامہ ماوردی شافعی لکھتے ہیں:

چار ماہ گزرنے کے بعد وقوعِ طلاق کے متعلق دو قول ہیں، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن زید، حضرت زید بن ثابت،

حضرت ابن مسعود متوفی ۳۲ھ، حضرت ابن عمر متوفی ۷۴ھ، اور حضرت ابن عباس متوفی ۶۸ھ رضی اللہ عنہم کا قول ہے کہ اس مدت کے گزرنے کے بعد طلاق بائنہ واقع ہو جاتی ہے، اور حضرت عمر متوفی ۲۴ھ اور حضرت علی متوفی ۴۰ھ کا دوسرا قول اور ایک روایت میں حضرت عثمان متوفی ۳۵ھ کا دوسرا قول یہ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد شوہر کو اختیار ہے خواہ رجوع کر لے، خواہ طلاق دے دے، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور اہل مدینہ کا یہی مذہب ہے۔ (النکت والعیون ج ۱ ص ۲۸۹-۲۹۰، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ ابن جوزی حنبلی متوفی ۵۹۷ھ نے موخر الذکر قول نقل کیا ہے، اس کے بعد لکھتے ہیں:

ابو صالح نے بیان کیا کہ بارہ صحابہ سے یہی (موخر الذکر) قول منقول ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد متوفی ۲۴۱ھ کا یہی مذہب ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد از خود طلاق واقع ہو جائے گی، اور یہ طلاق بائن ہوگی، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابن عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہم سے یہی منقول ہے۔ (زاد المسیر ج ۱ ص ۲۵۷، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

قاضی ابوبکر ابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ (البقرہ: ۲۲۷) ''پس اگر وہ طلاق کا ارادہ کریں''، اس میں یہ دلیل ہے کہ عدت گزرنے سے از خود طلاق واقع نہیں ہوتی بلکہ طلاق اس وقت واقع ہوگی جب شوہر طلاق دینے کا قصد کرے گا، امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ چار ماہ تک اس کا رجوع نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا عزم طلاق ہے، ہمارے علماء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ چار ماہ تک رجوع نہ کرنا اس کا ماضی ہے اور ماضی پر عزم کرنا محال ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ چار ماہ گزرنے کے بعد اگر وہ طلاق کا عزم کریں، اس سے معلوم ہوا کہ چار ماہ گزرنے کے بعد اس کے طلاق دینے سے طلاق واقع ہوگی۔ (احکام القرآن ج ۱ ص ۲۴۷، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۰۸ھ)

قاضی ابوبکر بن العربی کا یہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے: اگر وہ طلاق کا عزم کریں، یہ نہیں فرمایا کہ وہ زبان سے طلاق دیں، جب کہ ائمہ ثلاثہ کا یہ مذہب ہے کہ شوہر جب زبان سے طلاق دے گا تو طلاق واقع ہوگی اور قرآن مجید میں زبان سے طلاق دینے کا ذکر نہیں ہے بلکہ طلاق کے عزم کا ذکر ہے اور اس کا چار ماہ تک رجوع نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا عزم طلاق دینا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پس اگر وہ طلاق کا عزم کریں، اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ اس مدت کے بعد وہ عزم کریں بلکہ اس کا معنی ہے: اگر وہ طلاق کے عزم پر مستمر اور برقرار رہیں تو اللہ خوب سننے والا ہے، بہت جاننے والا ہے، یعنی ان کے دل کی بات کو سننے والا ہے اور ان کی نیت کو جاننے والا ہے، سننے کا تعلق صرف کلام لفظی سے نہیں ہوتا بلکہ کلام نفسی سے بھی ہوتا ہے۔ (تبیان القرآن ج ۱ ص ۷۹۵-۷۹۷، فرید بک اسٹال لاہور، ۱۴۲۰ھ)

ایلاء کے متعلق آثار صحابہ اور اقوال فقہاء تابعین

امام سعید بن منصور بن شعبہ الخراسانی المکی المتوفی ۲۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

منصور بیان کرتے ہیں کہ ابراہیم نخعی سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا، پس چار ماہ گزر گئے اور وہ عورت اس سے الگ ہو گئی پھر اس مرد نے اپنی بیوی سے اس کی عدت کے دوران نکاح کر لیا پھر دخول سے پہلے اس کو طلاق دے دی تو

ابراہیم نخعی نے کہا: اس کی بیوی کے لئے پورا مہر ہوگا اور وہ عدت دوبارہ گزارے گی اور وہ اپنی بقیہ عدت کو پورا کرے گی، حماد بن زید بیان کرتے ہیں کہ میں نے منصور سے پوچھا کہ ابراہیم نخعی اور حسن اور عامر ان دونوں کے اقوال میں سے تمہیں کس کا قول پسند ہے تو انہوں نے بتایا کہ مجھے حسن اور عامر کا قول زیادہ پسند ہے۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۴۵۸، ج ۱ ص ۳۴۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، سنن بیہقی: ج ۷ ص ۴۴۰ نشر السنہ ملتان)

میں کہتا ہوں کہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ کا بھی یہی قول ہے۔

الفتاویٰ الہندیہ میں مذکور ہے:

جب کسی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور اس کے ساتھ دخول کیا، پھر اس مرد نے اس عورت کو طلاق بائن دے دی، پھر اس سے دوبارہ عدت میں نکاح کر لیا پھر نکاحِ ثانی میں دخول سے پہلے اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس پر نکاحِ اول کے سبب سے مہر واجب ہوگا اور نکاحِ ثانی کے سبب سے پورا مہر واجب ہوگا، یہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے اور اس عورت پر ازسرِ نو عدت لازم ہے۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص ۳۲۵، الفصل الثالث العشر فی تکرار المہر مطبعہ امیریہ کبریٰ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ)

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے بھی اسی کی مثل کہا ہے۔ (المحلی بالآثار ج ۱۰ ص ۲۶۲)

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عطاء الخراسانی المتوفی ۱۵۳ھ از ابوسلمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ دونوں نے ایلاء کے متعلق کہا کہ جب چار ماہ کی عدت گزر جائے تو اس عورت پر طلاق بائن واقع ہوگی اور اس کی بیوی کو اپنے نفس پر زیادہ اختیار ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۶۲، مجلس علمی بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے فرمایا: جب چار ماہ کی مدت گزر جائے گی تو عورت پر طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۶۳، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، ان دونوں نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے ترکِ جماع کی قسم کھائی پھر رجوع نہیں کیا، حتیٰ کہ چار ماہ کی مدت گزر گئی تو یہ طلاق بائن ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۶۵، مجلس علمی بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ نے فرمایا: جب چار ماہ کی مدت گزر گئی تو یہ طلاق بائن ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۶۸، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

قبیصہ نے کہا: جب چار ماہ کی مدت گزر گئی تو یہ طلاق بائن ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۶۹، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲۹، دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابراہیم النخعی نے کہا جب چار ماہ کی مدت گزر گئی تو یہ طلاق بائن ہے اور اس عورت کو اپنے نفس پر اختیار ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۷۱، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

مسروق نے کہا: کہ جب ایلاء میں چار ماہ کی مدت گزر جائے تو یہ طلاق بائن ہے، شریح کا بھی یہی قول ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۷۲، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ بیروت)

حسن بصری اور ابن سیرین نے کہا کہ جب چار ماہ گزر گئے تو یہ طلاق بائن ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۷۳، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۰)

عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ نے کہا: جب چار ماہ کی مدت گزر گئی تو یہ طلاق بائن ہے اور اس کا خاوند اس کو عدت کے دوران پیغام نکاح دے سکتا ہے اور دوسرا شخص اس کو عدت کے دوران پیغام نکاح نہیں دے سکتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۷۸، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

میں کہتا ہوں: یہ تمام آثار صحابہ اور اقوال فقہاء تابعین امام ابو حنیفہ قدس سرہ العزیز کے مذہب کی تائید میں ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

ایلاء کے بعد توقف کرنے کے متعلق آثار صحابہ

امام ابو بکر بن عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد توقف کرتے تھے حتیٰ کہ اس کا خاوند رجوع کرلے یا طلاق واقع کردے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۷۹، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اہل مدینہ کے قول کے موافق توقف کرنے کا حکم دیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۸۳، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

سلیمان بن یسار نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دس سے زائد اصحاب سے روایت کی ہے جو اس صورت میں توقف کرنے کا حکم دیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۸۴، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ نے فرمایا: ایلاء کرنے والے کو توقف کرنے کا حکم دیا جائے گا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۹۰، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

حنظلہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے القاسم بن محمد سے سنا اور ان سے ایلاء کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ اس میں توقف کیا جائے گا اور ایلاء کرنے والے سے سوال کیا جائے گا: کیا تم نے طلاق دی ہے؟ اس نے کہا: نہیں لیکن امام اس سے کہے گا کہ تم اپنی قسم سے رجوع کرو اور یا پھر اس عورت کو طلاق دے دو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۹۶، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ یہ آثار اور اقوال تابعین امام مالک متوفی ۱۷۹ھ کے مذہب کے موافق ہیں۔

ایلاء سے متعلق طلاق رجعی واقع ہونے کے متعلق آثار

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن المسیب اور عبد الرحمٰن بن الحارث بن ہشام ان دونوں نے کہا کہ جب ایلاء میں چار ماہ کی مدت گزر جائے تو یہ طلاق ہے اور مرد اس طلاق سے رجوع کرنے کا زیادہ حق دار ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۷۴، مجلس علمی بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی

شیبہ ج ۵ ص ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

مکحول نے کہا جب چار مہینے کی مدت گزر جائے تو پھر مرد کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا اختیار ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸۷۵، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے ان آثار کے متعلق یہ کہا ہے کہ ایلاء سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

جس نے چار ماہ سے کم کی مدت میں ترکِ جماع کی قسم کھائی تو وہ ایلاء نہیں ہے۔

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے کہا: جس مرد نے اپنی بیوی سے ایک ماہ یا دو ماہ یا تین ماہ تک ترکِ جماع کی قسم کھائی تو وہ ایلاء نہیں ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۰۸، مجلس علمی بیروت، ۱۴۲۷ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ نے کہا: جس نے چار ماہ سے کم مدت کے لیے ترک جماع سے قسم کھائی تو وہ ایلاء نہیں ہے، ایلاء تب ہوگا جب وہ چار ماہ کی مدت تک ترکِ جماع کی قسم کھائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۰۹، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۶)

محمد بن زید اور سعید بن جبیر نے کہا کہ جب کسی مرد نے چار ماہ سے کم مدت کے لئے ترک جماع کی قسم کھائی تو وہ ایلاء نہیں ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۱۰، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۶ھ)

ایلاء کے لئے قسم کا ضروری ہونا

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: بغیر حلف کے ایلاء منعقد نہیں ہوتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۵۲، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴۲، دار الکتب العلمیہ بیروت)

عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ نے کہا: ترکِ جماع کی قسم کھائے بغیر ایلاء نہیں ہوتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۵۳، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴۲، دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابی حرہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ سے سوال کیا کہ ایک مرد نے سات ماہ تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا تو انہوں نے کہا: یہ بہت لمبی مدت ہے، میں نے پوچھا: کیا یہ ایلاء ہے؟ انہوں نے پوچھا: کیا اس نے قسم کھائی تھی؟ میں نے کہا: نہیں، تو انہوں نے کہا کہ بغیر قسم کے ایلاء نہیں ہوتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۵۴، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴۲، دار الکتب العلمیہ بیروت)

ابراہیم نخعی نے کہا کہ ایلاء اس وقت ہوگا کہ جب مرد ترکِ جماع کی قسم کھائے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۵۵، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴۲، دار الکتب العلمیہ بیروت)

ایلاء سے رجوع کرنے کی متعدد صورتیں

امام ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ الکوفی المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:
ابراہیم نخعی نے کہا: جب کوئی مرد اپنی بیوی سے ترکِ جماع کی قسم کھائے، پھر وہ کسی مرض کی وجہ سے جماع نہ کر سکے یا کسی شغل یا عذر کی وجہ سے جماع نہ کر سکے اور وہ اپنے رجوع کرنے پر گواہ قائم کر لے تو یہ اس کے رجوع کے لیے کافی ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۱۸، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۷، دارالکتب العلمیہ بیروت)

ابی قلابہ نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی زبان کے ساتھ ایلاء سے رجوع کر لیا تو یہ اس کا رجوع ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۱۹، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۷، دارالکتب العلمیہ بیروت)

الزہری نے کہا: جب ایلاء کرنے والا بیمار ہو یا مسافر ہو یا اس کی بیوی حائض ہو تو وہ اپنے رجوع پر گواہ قائم کر لے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۲۰، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۸، دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: جب چار ماہ پورے ہو جائیں تو طلاق واقع ہو جائے گی اور رجوع صرف جماع سے ہوتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۲۴، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۸، دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے کہا کہ ایلاء سے رجوع صرف جماع سے ہوتا ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر وہ بڑھاپے کی وجہ سے جماع نہ کر سکے یا مرض کی وجہ سے جماع نہ کر سکے یا قید کی وجہ سے جماع نہ کر سکے تو اس کا رجوع یہ ہے کہ وہ دل سے اور زبان سے رجوع کر لے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۹۳۰، مجلس علمی بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳۹، دارالکتب العلمیہ بیروت)

ایلاء شرعی کی مدت کے تعین میں مذاہب اربعہ

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر الشافعی النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:
اہلِ علم کا اس میں اختلاف ہے کہ جب مرد اپنی بیوی سے ایلاء کرے اور چار ماہ یا اس سے کم مدت کے لئے ترکِ جماع کی قسم کھائے تو فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ اس وقت تک ایلاء نہیں ہوگا جب تک کہ وہ یہ قسم نہ کھائے کہ وہ کبھی بھی اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۶۰۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا ہے کہ ایلاء اس وقت ہوگا جب وہ چار ماہ کی مدت سے زیادہ تک ترکِ جماع کی قسم کھائے۔
(المدونہ ج ۲ ص ۳۳۶، کتاب الام ج ۵ ص ۳۸۴، مسائل احمد: ۱۳۳۶)

اور تیسرا قول یہ ہے کہ ایلاء اس وقت ہوگا جب وہ چار ماہ یا اس سے زائد مدت تک ترکِ جماع کی قسم کھائے، یہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا قول ہے۔ (المبسوط ج ۷ ص ۲۱)

امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا کہ چار ماہ سے کم مدت کے لئے ترکِ جماع کی قسم ایلاء نہیں ہے۔

(المدونہ ج ۲ ص ۳۳۶، کتاب الام ج ۵ ص ۳۸۴، مسائل احمد واسحاق: ۱۰۰۳، المبسوط ج ۷ ص ۲۱، الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۳۴۵-۳۴۷، دار الفلاح، ریاض ۱۴۳۰ھ)

حالتِ غضب یا حالتِ رضا میں ایلاء کا انعقاد

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کوئی مرد غیر حالتِ غضب میں اپنی بیوی سے ترکِ جماع کی قسم کھائے تو آیا وہ ایلاء ہے یا نہیں؟

حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ نے فرمایا: اگر کوئی مرد اصلاح کی غرض سے اپنی بیوی کے ساتھ ترکِ جماع کرے تو یہ ایلاء نہیں ہے۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۸۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: ایلاء صرف غضب میں ہوتا ہے۔ (المحلیٰ ج ۱۰ ص ۴۵)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے فرمایا: کہ غضب اور رضا دونوں حالتوں میں ایلاء ہوتا ہے، جس طرح غضب اور رضا دونوں حالتوں میں قسم ہوتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۰۴)

فقہاء احناف کا بھی یہی مذہب ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۱۷۲)، امام شافعی اور ان کے اصحاب کا بھی یہی مذہب ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۳۸۶) امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مذہب ہے۔ (مسائل احمد: ۱۰۰۲)

امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایلاء کا مطلقاً ذکر فرمایا ہے اور اس کو حالت غضب یا رضا کے ساتھ مقید نہیں فرمایا، علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم المنذر النیشاپوری نے کہا: ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۳۴۸، ۳۴۷، دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

حالتِ عذر میں رجوع کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (البقرہ: ۲۲۶) اگر انہوں نے (اس مدت میں) رجوع کر لیا تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے O

یعنی جس مرد نے اپنی بیوی سے چار مہینے تک ترک جماع کی قسم کھائی، پھر اس نے چار ماہ گزرنے سے پہلے رجوع کر لیا اور کفارہ قسم ادا کر دیا تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: رجوع کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی سے جماع کر لے، اسی طرح حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ کا قول ہے اور فقہاء تابعین میں سے مسروق، الشعبی، سعید بن جبیر، عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، ابراہیم نخعی، الاوزاعی، سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، ابوعبید متوفی ۲۲۴ھ کا بھی یہی قول ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۶۷۴، سنن سعید بن منصور: ۱۸۹۴، ۱۸۹۵)

فقہاء احناف نے بھی کہا ہے کہ اگر مرد کو کوئی عذر نہ ہو تو اس کا ایلاء سے رجوع تب ہوگا جب وہ چار ماہ کی عدت گزرنے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کرلے۔ (المبسوط للسرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ، ج ۷ ص ۳۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جو مرد جماع پر قادر نہ ہو تو اس کا رجوع کس طرح ہوگا؟

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا: جب اس نے اپنی زبان اور دل سے رجوع کرلیا تو اس کا رجوع متحقق ہو گیا، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے فرمایا کہ رجوع جماع سے ہوگا، پس اگر وہ بوڑھا ہو یا بیمار ہو یا قید میں ہو تو وہ زبان یا دل سے رجوع کرلے۔

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ جب اس نے اپنے رجوع کرنے پر کوئی گواہ بنالیا تو اس کا رجوع ہو گیا اور علقمہ، الاسود اور حضرت ابن مسعود کے اصحاب نے کہا کہ جو مرد جماع پر قادر نہ ہو، وہ شخص اپنے رجوع پر کسی کو گواہ بنالے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۴۶۲-۴۶۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۰۲، سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۵۳، جامع البیان للطبری المتوفی ۳۱۰ھ ج ۲ ص ۴۳۶)

امام ابوحنیفہ النعمان بن ثابت المتوفی ۱۵۰ھ نے کہا کہ جو مرد کسی عذر کی وجہ سے جماع پر قادر نہ ہو تو اس کا رجوع یہ ہے کہ وہ رجوع پر راضی ہو، وہ یوں کہے کہ میں نے اپنی بیوی کی طرف رجوع کرلیا اور اگر اسی حال میں چار ماہ گزر گئے تو یہ رجوع ثابت ہوگا اور ایلاء ساقط ہو جائے گا اور اگر وہ چار ماہ کے اندر جماع پر قادر تھا اور اس نے جماع نہیں کیا تو پھر اس کا رجوع باطل ہو جائے گا۔

(المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۳۰ (باب الایلاء)، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ)

سعید بن جبیر نے کہا ہے کہ رجوع صرف جماع سے ہوتا ہے خواہ عذر ہو یا نہ ہو، خواہ وہ سفر میں ہو یا قید خانہ میں۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۶۷۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۳۵۵-۳۵۷، دارالفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک ایلا کا معنی، اس کی تعریف، اس کی شرائط اور اس کے احکام

علامہ موفق الدین ابومحمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ ایلاء کی بحث میں لکھتے ہیں:

لغت میں ایلاء کا معنی ہے: حلف اور قسم۔ (لسان العرب ج ۱۴ ص ۴۰)

حدیث میں المتالی کا لفظ ہے جس کا معنی ہے: قسم کھانے والا۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے پر بلند آواز سے لوگوں کے لڑنے کی آواز سنی، ان میں سے ایک شخص دوسرے سے قرض میں کمی کرنے کے لئے اور نرمی کرنے کے لئے کہہ رہا تھا اور دوسرا شخص کہہ رہا تھا: اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور آپ نے فرمایا:

این المتالی علی اللہ لایفعل المعروف؟ وہ شخص کہاں ہے جو اللہ کی قسم کھا کر کہہ رہا ہے کہ میں نیکی نہیں کروں گا۔

تب اس مرد نے کہا: یارسول اللہ! یہ میں ہوں اور میرا خصم (فریق) جتنی تخفیف چاہے میں کردوں گا۔ (صحیح البخاری: ۲۷۰۵، صحیح

مسلم: ۳۹۸۳)

اور ایلاء کا شرعی معنی یہ ہے کہ مرد یہ قسم کھائے کہ وہ اپنی بیوی سے جماع کو ترک کر دے گا اور اس کی اصل میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں، ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ (البقرہ: ۲۲۶)

اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۲ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ ''یولون'' کی تفسیر میں فرماتے تھے: یقسمون، یعنی جو لوگ قسمیں کھاتے ہیں۔ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی المالکی المتوفی ۶۶۸ھ ج ۲ ص ۹۱۰)

۱۲۹۸۔ مسئلہ: ایلاء کرنے والا اللہ عزوجل کی قسم کھائے کہ وہ چار ماہ سے زیادہ مدت تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا۔

ایلاء کی چار شرائط ہیں:

ایلاء کی پہلی شرط

ایلاء کی پہلی شرط یہ ہے کہ ایلاء کرنے والا اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی کسی صفت کی قسم کھائے لیکن اگر اس نے اس کی ذات وصفات کے بغیر کسی چیز کی قسم کھائی مثلاً اس نے یہ قسم کھائی کہ اگر اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا تو اس کی بیوی کو طلاق یا قسم کھائی کہ اگر اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا تو اس کا غلام آزاد یا اس نے قسم کھائی کہ اگر اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا تو اس پر صدقہ کرنا لازم ہے تو اس صورت میں امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سے دو روایات منقول ہیں:

(۱) وہ اس صورت میں ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا بھی قدیم قول یہی ہے۔

(۲) وہ اس صورت میں ایلاء کرنے والا ہے کیونکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: ہر وہ قسم جو بیوی کے ساتھ جماع سے منع کرے تو وہ ایلاء ہے۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۸۱)

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام ابوعبید متوفی ۲۲۴ھ وغیرہم کا بھی یہی مذہب ہے کیونکہ یہ ایسی قسم ہے جو بیوی کے ساتھ جماع کرنے سے منع کرتی ہے، لہٰذا یہ ایلاء ہے، سو یہ ایسا ہے جیسے کوئی اللہ تعالیٰ کی ذات کی قسم کھا کر کہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ جماع نہیں کرے گا۔

ایلاء کی دوسری شرط

ایلاء کی دوسری شرط یہ ہے کہ مرد یہ قسم کھائے کہ وہ چار ماہ سے زیادہ مدت تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، طاؤس، سعید بن جبیر، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، الاوزاعی، امام شافعی متوفی ۱۷۹ھ، ابوثور اور امام ابوعبید کا یہی قول ہے اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، الثوری اور فقہاء احناف نے کہا کہ جب مرد نے چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت تک ترک جماع کی قسم کھائی تو یہ ایلاء ہے، قاضی ابوالحسین نے کہا ہے کہ امام احمد بن حنبل سے بھی ایک روایت یہی ہے کیونکہ وہ اس قسم کی وجہ سے جماع سے چار مہینے تک ممتنع ہو گیا، لہٰذا یہ ایلاء ہے، اور ابراہیم نخعی، قتادہ، حماد، ابن ابی لیلیٰ اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے یہ کہا ہے کہ جس مرد نے یہ قسم کھائی کہ وہ قلیل وقت میں یا کثیر وقت میں جماع نہیں کرے گا اور اس نے

چار ماہ تک جماع نہیں کیا تو وہ ایلاء کرنے والا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآىٕهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں، ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ (البقرہ:۲۲۶)

ایلاء کی تیسری شرط

ایلاء کی تیسری شرط یہ ہے کہ وہ یہ قسم کھائے کہ وہ بیوی کی فرج میں دخول نہیں کرے گا اور اگر اس نے یہ قسم کھائی کہ وہ بیوی کی دُبر میں دخول نہیں کرے گا تو پھر یہ ایلاء نہیں ہے۔

ایلاء کی چوتھی شرط

ایلاء کی چوتھی شرط یہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ چار ماہ کی مدت تک جماع نہیں کرے گا اور اگر اس نے کسی اجنبی عورت سے چار ماہ تک ترک جماع کی قسم کھائی تو یہ ایلاء نہیں ہے۔

ایلاء کے متعدد مسائل

مرد کا اس کی ہر بیوی سے ایلاء صحیح ہے، خواہ اس کی بیوی مسلمان ہو یا ذمیہ ہو یا آزاد ہو یا باندی ہو کیونکہ البقرہ:۲۲۶، میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے: جو لوگ اپنی بیویوں سے ترک جماع کی قسم کھاتے ہیں۔

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ وغیرہم کا یہی قول ہے، ہر وہ خاوند جو مکلف ہو اور جماع پر قادر ہو اس کا ایلاء کرنا صحیح ہے، رہا بچہ اور مجنون تو ان کا ایلاء صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ دونوں مرفوع القلم ہیں اور غیر مکلف ہیں۔ اور جو مرد جماع سے عاجز ہو اگر اس کا سبب کوئی ایسا مرض ہو جس کا ازالہ متوقع ہو تو اس کا ایلاء صحیح ہے اور اگر اس کا ازالہ متوقع نہ ہو مثلاً وہ مقطوع الذکر ہو یا اس کو فالج ہو تو پھر اس کا ایلاء صحیح نہیں ہے۔

ذمی کا ایلاء کرنا صحیح ہے، یہ امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا قول ہے، اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا: اگر ذمی نے اسلام قبول کر لیا تو اس کی قسم کا حکم ساقط ہو جائے گا اور امام ابو یوسف متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد متوفی ۱۸۹ھ نے کہا: اگر ذمی نے اللہ کی قسم کھا کر ایلاء کیا تو اس کا ایلاء صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ غیر مکلف ہے اور اگر اس نے کہا کہ اگر میں نے جماع کیا تو میری بیوی کو طلاق یا میرا غلام آزاد تو پھر اس کا ایلاء صحیح ہے، ایلاء میں یہ شرط نہیں ہے کہ مرد بیوی پر ناراضگی کی وجہ سے ترک جماع کی قسم کھالے اور نہ یہ شرط ہے کہ وہ بیوی کو تنگ کرنے کی وجہ سے ترک جماع کی قسم کھائے، کیونکہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ نے فرمایا کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کی اصلاح کی غرض سے ترک جماع کی قسم کھائے تو وہ ایلاء نہیں ہے۔

(سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۸۱-۳۸۲، سنن سعید بن منصور: ۱۸۷۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: ایلاء صرف ناراضگی کی صورت میں ہوتا ہے۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ فرماتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ البقرہ:۲۲۶ میں مطلقاً ایلاء کا ذکر فرمایا ہے اور اس کو رضا یا غضب کے ساتھ مقید نہیں فرمایا اور اس لئے کہ طلاق، ظہار، اور تمام قسمیں منعقد ہو جاتی ہیں، خواہ ان امور کو حالتِ غضب میں واقع کیا جائے یا حالتِ رضا میں۔ (المغنی و شرح الکبیر ج ۱۰ ص ۳۹۴، ملخصاً و مخرجاً، دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

۲۱۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ (البقرہ:۲۲۶-۲۲۷)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: جو لوگ اپنی عورتوں سے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھا لیتے ہیں، ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے، اگر انہوں نے (اس مدت میں) رجوع کر لیا تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے O اور اگر انہوں نے طلاق ہی کا ارادہ کر لیا ہے تو بے شک اللہ خوب سننے والا، بہت جاننے والا ہے O

(البقرہ:۲۲۶-۲۲۷)

ایلاء کا لغوی معنی اور البقرہ:۲۲۶-۲۲۷ کی تفسیر

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں ''الایلاء'' کا بیان ہے، ایلاء کا لغوی معنی ہے: حلف اٹھانا اور قسم کھانا، کہا جاتا ہے: آلی یولی ایلاء، یعنی اس نے حلف اٹھایا۔

للذین یولون: یعنی جو لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ جماع کو ترک کرنے کی قسم کھاتے ہیں، وہ حلف کے وقت سے چار (۴) ماہ انتظار کریں، اور ان سے یہ مطالبہ کیا جائے گا کہ یا تو وہ اپنی قسم سے رجوع کر لیں یا پھر اپنی بیویوں کو طلاق دے دیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''فان فاء وا''، یعنی انہوں نے جو ترک جماع کی قسم کھائی تھی، اس سے رجوع کر لیں، امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اس تفسیر کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مسروق، الشعبی، سعید بن جبیر اور متعدد تابعین سے نقل کیا ہے۔

''فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾'' (البقرہ:۲۲۶): یعنی ان ایلاء کرنے والوں نے اپنی بیویوں سے ترکِ جماع کرنے کی جو قسم کھائی ہے اور اپنی بیویوں کے حقوق کی ادائیگی میں تقصیر کی ہے، سو اگر وہ اپنی اس قسم سے رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بہت بخشنے والا، بے حد مہربان ہے۔

اس مقام پر چھ (۶) مباحث ہیں:

ایلاء کی تعریف

البقرہ:۲۲۶، میں جس ایلاء کا ذکر کیا گیا ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ مرد قسم کھائے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ چار مہینہ یا اس سے زیادہ تک جماع نہیں کرے گا، مثلاً مرد اپنی بیوی سے کہے کہ میں تجھ سے مقاربت نہیں کروں گا، یہ ثوری اور امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب کا قول ہے، اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ سے بھی اسی طرح روایت ہے، علامہ ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ اکثر اہل علم کا موقف یہ ہے کہ ایلاء چار ماہ سے کم مدت کا نہیں ہوتا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے کہا ہے کہ اہل جاہلیت ایک سال اور دو سال اور اس سے زیادہ کا ایلاء کرتے تھے، پھر مسلمانوں کے لئے چار ماہ کی مدت

مقرر کر دی گئی اور جس چیز کا ایلاء چار ماہ سے کم ہوگا تو وہ ایلاء شرعی نہیں ہوگا اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جب کسی مرد نے حلف اٹھایا کہ وہ اپنی بیوی سے ایک ماہ سے زائد مقاربت نہیں کرے گا یا چار ماہ سے کم مدت تک مقاربت نہیں کرے گا، تو یہ ایلاء شرعی نہیں ہے۔

اور فقہاء کی ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ جب مرد نے قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی سے ایک دن مقاربت نہیں کرے گا یا ایک دن سے کم یا ایک دن سے زیادہ مقاربت نہیں کرے گا، پھر اس نے چار ماہ تک اپنی بیوی کے ساتھ مقاربت نہیں کی تو ایلاء کی وجہ سے اس کی بیوی بائنہ ہو جائے گی، یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ، ابراہیم النخعی، ابن ابی لیلیٰ اور حکم کا موقف ہے اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور ابو ثور کا مذہب یہ ہے کہ ایلاء کی تعریف یہ ہے کہ مرد یہ قسم کھائے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ چار مہینہ سے زیادہ تک جماع نہیں کرے گا، پس اگر اس نے چار مہینہ تک یا اس سے کم مدت تک جماع نہ کرنے کی قسم کھائی تو پھر یہ شرعی ایلاء نہیں ہے اور یہ ان کے نزدیک مخفی ایک قسم ہے اور اگر اس نے اس قسم کے دوران اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو پھر اس پر کفارہ قسم لازم ہوگا اور اگر اس نے اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا حتیٰ کہ قسم کی مدت پوری ہو گئی تو اس پر کوئی تاوان نہیں ہوگا جیسا کہ تمام قسموں میں ہوتا ہے، اور علامہ ابن المنذر شافعی نے کہا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مرد اس وقت تک ایلاء شرعی کا مصداق نہیں ہوگا جب تک کہ وہ یہ قسم نہ کھائے کہ وہ اپنی بیوی سے کبھی بھی جماع نہیں کرے گا۔

ایلاء کا شرعی حکم

ایلاء کا حکم یہ ہے کہ اگر شوہر نے چار مہینوں کے اندر اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو وہ کفارہ قسم ادا کرے گا، کیونکہ وہ اپنی قسم میں حانث ہو گیا (یعنی اس نے اپنی قسم توڑ لی) اور اگر اس نے اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا حتیٰ کہ چار مہینہ گزر گئے تو اس کی بیوی اس سے بائنہ ہو جائے گی اور اس پر ایک طلاق بائنہ ہو جائے گی اور یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کا قول ہے اور فقہاء تابعین میں سے ابن سیرین، مسروق، القاسم، القاضی، سالم، الحسن البصری، قتادہ، شریح القاضی، قبیصہ بن ذویب اور الحسن بن صالح کا قول ہے۔

اور یہی امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت قدس سرہ العزیز متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔

اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ، مکحول، ربیعہ، محمد بن شہاب الزہری متوفی ۱۵۲ھ، اور مروان بن الحکم کے نزدیک اس صورت میں طلاق رجعی واقع ہوگی۔

اور امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایلاء کرنے والے پر توقف کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ طلاق دے دے، اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا: ہمارے نزدیک بھی یہی حکم ہے، اللیث، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ابو ثور نے کہا ہے کہ اگر اس نے طلاق دی تو یہ ایک طلاق رجعی ہوگی مگر امام مالک نے یہ کہا ہے کہ اس کا رجوع کرنا صحیح نہیں ہے، حتیٰ کہ وہ عدت کے اندر جماع کر

لے اور امام مالک کے علاوہ اور کسی نے یہ نہیں کہا۔

ایلاء میں قسم کھانے کا طریقہ اور اس کے متعلق مذاہب اربعہ

ایلاء میں جو قسم کھائی جاتی ہے، وہ قسم صرف اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ صحیح ہوگی یا اس اسم کے ساتھ صحیح ہوگی جس سے قسم متحقق ہوتی ہے، مثلاً وہ قسم کھا کر اپنی بیوی سے کہے کہ اگر میں تم سے جماع کروں تو مجھ پر حج کرنا لازم ہے یا کہے کہ اگر میں تم سے جماع کروں تو مجھ پر ایک ماہ کے روزے رکھنا لازم ہے یا کہے: اگر میں تم سے جماع کروں تو مجھ پر غلام کو آزاد کرنا لازم ہے یا کہے: اگر میں تم سے جماع کروں تو مجھ پر (۱۰۰) دینار کو صدقہ کرنا لازم ہے، سو جب اس نے اس طرح قسم کھالی تو وہ امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ کے نزدیک وہ ایلاء کرنے والا ہوگا، اس کے برخلاف اگر اس نے یہ قسم کھائی کہ اگر میں نے تم سے جماع کیا تو مجھ پر نماز پڑھنا لازم ہے یا جہاد کرنا لازم ہے تو اس صورت میں ایلاء نہیں ہوگا اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ کے نزدیک اس صورت میں بھی ایلاء ہوگا کیونکہ نماز اور جہاد بھی عبادت ہے امام ابو یوسف کا بھی پہلے یہی قول تھا۔ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے کہ جس شخص نے یہ قسم کھائی کہ میں نے تم سے جماع کیا تو تم کو طلاق یا میرا غلام آزاد یا مجھ پر روزے یا مجھ پر صدقہ ہے تو یہ ایلاء نہیں ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے کتاب الروضہ میں لکھا ہے کہ آیا ایلاء اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی صفات کی قسم کے ساتھ مخصوص ہے؟ اس مسئلہ میں امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کے دو قول ہیں، قولِ قدیم یہ ہے کہ ہاں اور قولِ جدید یہ ہے کہ نہیں، اور یہ زیادہ ظاہر ہے بلکہ جب اس نے اپنی بیوی سے کہا: اگر میں نے تم سے جماع کیا تو مجھ پر روزہ رکھنا لازم ہوگا یا نماز پڑھنا لازم ہے یا مجھ پر حج کرنا لازم ہے یا میرا غلام آزاد ہے یا کہا: اگر میں نے تم سے جماع کیا تو تم کو طلاق یا تمہاری سوکن کو طلاق یا اس طرح کی کوئی اور بات کہی تو وہ ایلاء کرنے والا ہوگا۔

اور فقہاء مالکیہ نے کتاب الجواہر میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھائی جائے گی یا اللہ تعالیٰ کی صفات نفسیہ معنویہ میں سے کسی صفت کی قسم کھائی جائے گی یا وہ قسم کھا کر کسی عبادت کا التزام کرے، مثلاً وہ غلام آزاد کرے گا یا کہے: اگر میں نے تم سے جماع کیا تو تم کو طلاق یا مجھ پر صدقہ لازم ہے یا روزہ لازم ہے تو ان تمام صورتوں میں ایلاء ہوگا۔

اور فقہاء حنبلیہ نے الحاوی میں لکھا ہے کہ ایلاء اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم سے ہوگا یا اس کی صفت کی قسم سے ہوگا، پس اگر اس نے غلام کو آزاد کرنے کی قسم کھائی یا طلاق دینے کی قسم کھائی یا نذر مانی یا ظہار کی قسم کھائی یا کسی مباح کام کو حرام کرنے کی قسم کھائی تو امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کے اس میں دو قول ہیں اور ان سے یہ روایت ہے کہ جب تک وہ ایسی قسم نہ کھائے جس میں کفارہ لازم ہوتا ہے اس وقت تک ایلاء نہیں ہوگا۔

ذمیین کے ایلاء کے متعلق مذاہب فقہاء

چونکہ مملکتِ پاکستان میں رہنے والے غیر مسلموں کی جان، مال اور عزت وآبرو کی حفاظت حکومت پاکستان نے لی ہوئی ہے، اور وہ بھی حکومت کو ٹیکس ادا کرتے ہیں اور ان پر عام شہریوں کے قوانین کا اطلاق ہوتا ہے اور اگر وہ کسی کو ناحق قتل کر دیں تو انہیں قصاص ادا کرنا ہوگا اور اگر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن مجید کی توہین کریں تو ان کو سزائے موت دی جائے گی اور دیگر جرائم کی ان کو سزا دی

جائے گی ،اور اگر کوئی ان کے حقوق کو تلف کرے تو عدالت سے ان کے حقوق دلوائے جائیں گے اور ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کی جائے گی اور ان کو اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی آزادی ہے اور اپنے مذہبی تہوار منانے کی آزادی ہے اور اگر وہ دیگر جرائم کریں تو ان کو پاکستان کے قانون کے مطابق سزا دی جائے گی اور وہ اپنے مذہب کے مطابق نکاح کریں گے اور طلاق دیں گے ،سو پاکستان میں رہنے والے غیر مسلم لوگ ذمیوں کے حکم میں ہیں ،فقہاء اسلام نے ذمیوں کے ایلاء کے بھی مسائل بیان کئے ہیں جن کو ہم سطور ذیل میں تحریر کر رہے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت قدس سرہ العزیز متوفی ۱۵۰ھ کے نزدیک ذمی کا ایلاء منعقد ہو جاتا ہے اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی حنفی متوفی ۱۸۹ھ کا اس مسئلہ میں امام اعظم سے اختلاف ہے ،اسی طرح امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا بھی اختلاف ہے۔

امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا ہے کہ غلام اور کافر وغیرہ کا ایلاء کرنا صحیح ہے اور کافر کے اسلام قبول کرنے سے اس کا ایلاء ختم نہیں ہوتا ،جب دو ذمی ہمارے پاس مقدمہ پیش کریں اور مرد نے ایلاء کیا ہو تو ہم پر اس کا فیصلہ کرنا واجب ہے اور حاکم ذمی مرد کو ایلاء سے رجوع کرنے یا اپنی بیوی کو طلاق دینے پر مجبور نہیں کرے گا اور نہ اس پر خود طلاق واقع کرے گا بلکہ طلاق میں اس کی رضا ضروری ہے۔

اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سے الخلال نے یہ حکایت کی ہے اور امام ابن شہاب الزہری المتوفی ۱۵۲ھ نے یہ روایت کی ہے:

غلام کا ایلاء دو مہینے کے لئے ہوتا ہے یعنی غلام یہ قسم کھائے گا کہ وہ دو ماہ تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا۔

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے کہ عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ سے صحیح روایت ہے کہ مالک کی اجازت کے بغیر غلام کا ایلاء کرنا صحیح نہیں ہے اور اس کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہے۔

اور الاوزاعی ،اللیث ،امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا بھی یہی قول ہے۔

اور فقہاء کی ایک جماعت کا یہ قول ہے کہ اگر غلام کی بیوی باندی ہو تو اس کا خاوند خواہ آزاد ہو یا غلام ہو اس کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہے ،ابراہیم نخعی ،قتادہ ،حسن بصری ،الحکم ،الشعبی ،الضحاک ،الثوری ،اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب کا یہی مذہب ہے۔

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ غلام اور آزاد خواہ ان کی بیوی آزاد عورت ہو یا باندی ہو ان کے ایلاء کی مدت چار ماہ ہے اور یہی محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ ،ابوثور ،ابوسلیمان اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے۔

جس عورت سے ایلاء کیا گیا اس کی عدت کے متعلق مذاہب فقہاء

مسروق ،شریح اور عطاء بن ابی رباح نے کہا ہے کہ جس عورت سے ایلاء کیا گیا اور اس پر طلاق واقع ہو گئی تو وہ تین حیض عدت گزارے گی۔

حافظ ابوعمر یوسف بن عبد البر القرطبی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ میرے علم کے مطابق تمام فقہاء یہ کہتے ہیں کہ وہ عورت طلاق کے بعد المطلقہ کی عدت گزارے گی ،سوائے جابر بن زید کے ،وہ یہ کہتے ہیں کہ وہ عدت نہیں گزارے گی یعنی جب

چار مہینوں میں اس کو تین حیض آ گئے تو وہ عدت نہیں گزارے گی، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا بھی قدیم قول یہی تھا، پھر انہوں نے اس قول سے رجوع کر لیا۔

جو مرد کسی سبب سے جماع سے عاجز ہو تو اس کے ایلاء سے رجوع کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

ہمارے اصحاب احناف نے یہ کہا ہے کہ اگر ایلاء کرنے والا مرد اپنے مرض کے سبب سے یا اپنی بیوی کے مرض کے سبب سے جماع کرنے سے عاجز ہو تو اس کا ایلاء سے رجوع اس طرح ہوگا کہ وہ زبان سے کہہ دے کہ میں نے ایلاء سے رجوع کر لیا۔ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ اس کا زبان سے رجوع کرنا اصلاً صحیح نہیں ہے، امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی المتوفی ۳۲۱ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا مذہب بھی یہی ہے، اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ اگر مرد کا جماع سے مانع طبعی ہو مثلاً وہ بیمار ہو تو پھر وہ زبان سے ایلاء سے رجوع کر لے اور قسم کا کفارہ دے اور اگر اس کا جماع سے مانع شرعی ہو مثلاً اس نے روزے رکھے ہوں یا حج کا احرام باندھا ہو تو عورت کو اس سے جماع کے مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۹۰-۳۹۳، ملخصاً ومخرجاً، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

''الایلاء'' اور ''الفیء'' کی متعدد تعریفات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ کتاب الایلاء کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے کہا: ''فَاِنْ فَآءُوْا: رَجَعُوا'' یعنی اگر ایلاء کرنے والے ترکِ جماع کی قسم سے رجوع کر لیں، امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ ''الفیء'' کا معنی ہے: زبان سے رُجوع کرنا، اور سعید بن المسیب، حسن بصری اور عکرمہ نے کہا ہے: جو شخص جماع نہ کر سکے وہ دل اور زبان سے ترکِ جماع کی قسم سے رجوع کر لے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے کہا ہے: ''الفیء'' سے مراد جماع کرنا ہے اور مسروق اور سعید بن جُبیر اور شعبی سے بھی اس کی مثل مروی ہے، اور ان تمام روایات کی اسانید قوی ہیں، امام طبری نے کہا ہے: ان کا ''الفیء'' کی تفسیر میں اختلاف ایلاء کی تعریف میں اختلاف پر مبنی ہے، پس جنہوں نے کہا کہ ایلاء کی تعریف ہے: ترکِ جماع کی قسم کھانا تو انہوں نے کہا: ''الفیء'' یعنی ایلاء سے رجوع صرف جماع کرنے سے ہوگا اور جنہوں نے کہا کہ ایلاء سے مراد ہے: بیوی سے ترکِ کلام کی قسم کھانا تو انہوں نے کہا: ایلاء سے رجوع میں جماع کی شرط نہیں لگائی۔

حضرت علی متوفی ۴۰ھ، حضرت ابن عباس متوفی ۶۸ھ، رضی اللہ عنہم اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ سے مروی ہے کہ ایلاء صرف بیوی پر غضب کی صورت میں ہوتا ہے، پس اگر اس نے اس وجہ سے ترک جماع کی قسم کھائی کہ اس کا بچہ دودھ پی رہا ہے اور اس نے اس حالت میں اگر بیوی سے جماع کیا تو اس کے بچے کو نقصان ہوگا تو یہ ایلاء نہیں ہے، اور شعبی نے کہا: ہر وہ قسم جو جماع سے مانع ہو، وہ ایلاء ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۰-۴۹۱، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

ایلاء کے متعلق اعلیٰ حضرت کی تحقیق

امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت امام الشاہ احمد رضا خان قادری بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ درج ذیل سوال کے جواب

میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایلاء کسے کہتے ہیں اور اس کا کیا حکم ہے اور اس سے طلاق مغلظہ پڑتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: ایلاء کے یہ معنی کہ (۱) مرد اپنی عورت سے ترک جماع کی قسم کھالے یا تعلیق کرے یعنی یوں کہے کہ اس سے جماع کروں تو مجھ پر یہ جزا لازم ہے اور (۲) یہ قسم و تعلیق یا تو مطلق ہوگی مثلاً واللہ! میں تجھ سے جماع نہ کروں گا، یا تجھ سے جماع کروں تو مجھ پر روزہ لازم ہے یا موبد یعنی صراحۃً ہمیشہ کے لئے ہوں مثلاً خدا کی قسم! میں تجھ سے کبھی صحبت نہ کروں گا یا تجھ سے کبھی صحبت کروں تو مجھ پر حج واجب ہو یا کسی خاص مدت کے لئے ہوں تو وہ مدت چار مہینہ سے کم نہ ہو مثلاً مجھے قسم ہے! چار مہینے تک تیرے پاس نہ جاؤں گا یا پانچ مہینے تک تجھ سے وطی کروں تو مجھ پر سو (۱۰۰) رکعت نماز لازم اور (۳) تعلیق کی صورت میں بھی ضرور کہ وہ امر جس کا لازم آنا کہے اس میں مشقت ہو جیسے امثلہ مذکورہ یا یہ کہ میرا غلام آزاد ہے یا تجھ پر طلاق ہے یا میرا مال خیرات ہے یا مجھ پر قسم کا کفارہ ہو وغیر ذالک اور (۴) وہ شرعاً تعلیق کہے سے بھی لازم آسکتا ہو، جیسے نماز، روزہ، حج، صدقہ، اعتکاف، عمرہ، عتق، طلاق، کفارہ وغیرہا نہ مثلِ وضوء و غسل و تلاوت قرآن و سجدہ تلاوت و اتباع جنازہ وغیرہ کہ یہ چیزیں نذر و تعلیق سے لازم نہیں ہوجاتیں اور (۵) یہ قسم تعلیق ایسے طور پر واقع ہو کہ بے کسی چیز کے لازم آئے اصلاً مفر نہ رہے، ایسی صورت نہ نکل سکے کہ یہ اس عورت سے جماع کرے اور کچھ لازم نہ آئے، جب یہ پانچوں باتیں جمع ہوں گی تو ایلاء ہوگا اور ایک بھی کم ہوئی تو نہیں مثلاً نہ قسم کھائی نہ تعلیق خالی عہد کرلیا کہ عمر بھر تیرے پاس نہ جاؤں گا یہ کچھ بھی نہیں کہ خالی عہد سے کچھ نہیں ہوتا، یا قسم و تعلیق تو ذکر کی مگر مدت چار مہینے سے کم رکھی اگرچہ ایک ہی ساعت کم، یہ ایلاء نہ ہوا، جتنی مدت کی قید لگائی ہے اس کے اندر جماع کیا تو بصورت قسم خاص کفارہ اور بصورت تعلیق روزہ وغیرہ جو کچھ لازم آنا کہا تھا خواہ مثل قسم کفارہ لازم آئے گا کہ یہ حکم تو اس قسم و تعلیق کا ہے، مگر مدت بے جماع گزر گئی تو عورت نکاح سے نہ نکلے گی جو خاص حکم ایلاء ہے، یونہی اگر تعلیق میں دو رکعت نماز لازم آنی کہی تو ایلاء نہیں کہ دو رکعت میں کچھ مشقت نہیں، اگر مدت کے اندر پاس گیا تو دو رکعتیں پڑھنی ہوں گی اور مدت خالی گزر گئی تو کچھ نہیں اور اگر تعلیق میں قرآن وغیرہ اشیائے غیر لازمہ ذکر کیں تو محض مہمل، نہ مدت گزرنے پر طلاق پڑی نہ مدت کے اندر صحبت کرنے سے کچھ لازم، اسی طرح اگر یوں کہا کہ واللہ! میں اس گھر میں تجھ سے وطی نہ کروں گا یا اس شہر میں تجھے کبھی ہاتھ لگاؤں تو مجھ پر سو (۱۰۰) حج لازم، یہ بھی ایلاء نہیں کہ جب اس گھر یا شہر کی تخصیص ہے تو بغیر کچھ لازم آئے مفر موجود ہے، جب چاہے اس گھر یا شہر سے باہر لے جاکر جماع کرسکتا ہے کچھ بھی لازم نہ آئے گا، بس بے جماع چار مہینے نہیں کتنی ہی مدت گزر جائے طلاق نہ ہوگی، ہاں! وہ قسم یا طلاق جھوٹی کی تو اس کا جرمانہ اسی طرح دینا ہوگا کہ قسم میں خاص کفارہ اور تعلیق میں اختیار چاہے وہ چیز بجالائے تو لازم مانی تھی چاہے قسم کی مثل دے لے۔ علی ہذا القیاس، جس جس صورت میں بغیر کچھ لازم آئے مفر ملتی ہو ایلاء نہیں، ان سب قیود و احکام کی تصریح و تفصیل درمختار اور ردالمحتار میں ہے: من شآء فلیراجعهما (جس کا جی چاہے ان کی طرف رجوع کرے) پھر جب ایلاء متحقق ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ چار مہینے کے اندر اس عورت سے جماع کیا تو بتفصیل معلوم قسم کا کفارہ یا وہی امر شاق جس کا لازم آنا کہا تھا لازم آئے گا اور چار مہینے گزر گئے کہ اس سے جماع نہ کیا یا جماع بوجہ مرض یا حبس یا دوری مسافت کہ مدت کے اندر عورت کی طرف رجوع کی یا اپنے اس کہنے سے

پھر گیا یا میں نے ایلاء باطل کر دیا تو اس صورت میں عورت پر ایک طلاق بائن پڑ جائے گی، جس سے وہ خود مختار ہو جائے گی۔

دُر میں ہے کہ ایلاء کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم پر قائم رہا اور وطی نہ کی تو طلاق بائنہ ہو جائے گی اور جماع کرنے پر کفارہ لازم ہوگا یا اگر کسی چیز کو معلق کیا تھا تو جماع کرنے پر وہ جزا لازم ہوگی۔ (درمختار ج ۱ ص ۲۴۲، باب الایلاء، مطبع مجتبائی دہلی)

ردالمحتار میں اس پر فرمایا کہ ماتن کا قول "ولم یطا" (اور وطی نہ کی) عطف تفسیری ہے اور وطی سے حقیقی جماع مراد ہے اگر قدرت ہو، اگر قدرت نہ ہو تو جماع کے قائم مقام مثلاً یہ کہنا کہ میں نے بیوی سے رجوع کر لیا، کہے، اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنی قسم پر قائم نہ رہے اور قسم کو پورا نہ کرے تو کفارہ لازم آئے گا۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۵۴۶، باب الایلاء دراحیاء التراث العربی بیروت)

اور دُر میں ہے: "عاجز ہو جائے" سے مراد حقیقی عجز ہے حکمی عجز نہیں، جیسا کہ احرام کی حالت میں ہونا عجز حکمی ہے کیونکہ یہ عجز اختیاری ہے، بیوی سے وطی کے عجز کا مطلب یہ ہے کہ خاوند یا بیوی کو مرض لاحق ہو یا بیوی صغیرہ ہو یا خاوند نامرد یا آلہ سے محروم ہو یا اتنی دور مسافت ہے کہ قسم کی مدت میں اس کو طے کرنا، قدرت میں نہیں ہے یا ناحق قید میں ہے تو ان صورتوں میں بیوی سے رجوع زبانی کر لے اور یوں کہے کہ میں نے بیوی سے رجوع کر لیا ہے یا میں نے ایلاء یعنی قسم کو باطل کر دیا ہے یا کہے کہ میں نے جو قسم کھائی، اس سے میں نے رجوع کر لیا ہے یا اس کی مثل الفاظ کہہ دے۔ (درمختار ج ۱ ص ۲۴۳، باب الایلاء، مطبع مجتبائی دہلی)

مگر ایلاء طلاق مغلظہ نہیں کہ حلالہ کی ضرورت ہو، عدت میں خواہ بعد عدت جب چاہیں باہم نکاح کر سکتے ہیں، ہاں اس سے پہلے کبھی دو طلاقیں دے چکا تھا تو آپ ہی حلالہ درکار ہوگا کہ اب یہ تیسری مل کر تین طلاقیں ہو گئیں، یہ جدا بات ہے، یا اگر (مدت) کی قید نہ تھی بلکہ مطلق یا صراحۃً موبد تھا اور چار مہینے بے رجوع گزر گئے کہ ایک طلاق بائن پڑی پھر اس سے نکاح کر لیا اور پھر چار مہینے خالی گزر گئے تو دوسری پڑے گی پھر نکاح کر لیا اور یونہی چار مہینے گزر گئے تو تین طلاقیں ہو جائیں گی، اور اب بے حلالہ نکاح میں نہ لا سکے گا۔

تنویر میں ہے: ایلاء میں اگر اللہ کی قسم کہا تو اس سے رجوع کرنے پر کفارہ لازم ہوگا اور اگر کوئی شرط رکھی تھی تو وہ جزاء لازم آئے گی اور ایلاء ساقط ہو جائے گا ورنہ قسم کو پورا کرنے پر بیوی ایک طلاق سے بائنہ ہو جائے گی اور حلف مقررہ وقت کے لئے ہو تو ختم ہو جائے گا اور اگر حلف ابدی ہو تو ختم نہ ہوگا، لہٰذا دوبارہ اور سہ بارہ نکاح کرنے پر ایلاء کی مدت پورا ہونے اور رجوع نہ کرنے پر دوسری اور تیسری طلاق سے بائنہ ہوتی رہے گی اور قسم کی عدت کا اعتبار نکاح کے وقت سے ہوگا، لہٰذا اگر بیوی حلالہ کے بعد واپس اس کے نکاح میں آئے تو طلاق نہ ہوگی تاہم وطی کرنے پر کفارہ ضرور لازم ہوگا کیونکہ قسم ابدی ہونے کی وجہ سے باقی ہے۔

(درمختار ج ۱ ص ۲۴۳۔ ۲۴۲، باب الایلاء، مطبع مجتبائی دہلی)

نیز اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے کتاب میں دیکھا ہے کوئی شخص حنفی مذہب کے موافق اپنی عورت سے کسی معاملہ میں ان بن ہو گئی اور چہار حیض تک کچھ تعلق نہ رہا تو ایک طلاق واقع ہو گی، پھر اس ایک اور حیض گزرنے سے دوسری طلاق ہو گی پھر ایک اور حیض گزرنے سے تیسری طلاق ہو گی، یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ محض بے اصل ہے، اس کا پتا نہ مذہب حنفی میں ہے نہ کسی مذہب میں، اصل حکم جو ہے کہ یہ شخص اپنی عورت سے قربت کی

قسم کھائے، رب عزوجل نے اسے چار مہینے کی مہلت دی ہے، اگر چار مہینے کے اندر قربت کرے گا تو عورت نکاح سے نہ نکلے گی اور کفارہ دینا ہوگا اور اگر چار مہینے کامل گزر جائیں گے تو ایک طلاق بائن ہو جائے گی، عورت نکاح سے نکل جائے گی، پھر دوسرے یا تیسرے مہینے کوئی طلاق نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾ (البقرہ: ۲۲۶-۲۲۷)

وہ لوگ جو بیویوں سے ایلاء کرتے ہیں، ان کی قسم کی مدت چار ماہ ہے، اگر اس دوران رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے ○ اور اگر وہ (رجوع نہ کر کے) طلاق کا عزم کیے ہوں تو اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ○

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۳ ص ۲۵۷-۲۶۱، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، ۱۴۱۸ھ)

ایلاء کے متعلق صدر الشریعہ کی تحقیق

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۳۶۷ھ ایلاء کے مسائل کے متعلق لکھتے ہیں:

مسئلہ (۱): ایلاء کے معنی یہ ہیں کہ شوہر نے یہ قسم کھائی کہ عورت سے قربت نہ کرے گا یا چار مہینے قربت نہ کرے گا، عورت باندی ہے تو اس کے ایلاء کی مدت دو ماہ ہے۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص ۴۷۶، کتاب الطلاق، الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۲): قسم کی دو صورت ہے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ یا اس کے ان صفات کی قسم کھائی جن کی قسم کھائی جاتی ہے مثلاً اس کی عظمت وجلال کی قسم، اس کی کبریائی کی قسم، قرآن کی قسم، کلام اللہ کی قسم، دوسری تعلیق مثلاً یہ کہ اگر اس سے وطی کروں تو میرا غلام آزاد ہے یا میری عورت کو طلاق ہے یا مجھ پر اتنے دنوں کا روزہ یا حج ہے۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص ۴۷۶، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۳): ایلاء دو قسم کا ہے، ایک موقت یعنی چار مہینے کا، دوسرا موبد یعنی چار مہینے کی قید اس میں نہ ہو، بہر حال اگر عورت سے چار ماہ کے اندر جماع کیا تو قسم ٹوٹ گئی، اگرچہ مجنون ہو اور کفارہ لازم جب کہ اللہ تعالیٰ یا اس کے ان صفات کی قسم کھائی ہو اور جماع سے پہلے کفارہ دے چکا ہے تو اس کا اعتبار نہیں بلکہ پھر کفارہ دے۔ اور اگر تعلیق تھی تو جس بار پر تھی وہ ہو جائے گی مثلاً یہ کہا کہ اگر اس سے صحبت کروں تو غلام آزاد ہے اور چار مہینے کے اندر جماع کیا تو غلام آزاد ہو گیا اور قربت نہ کی یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے تو طلاق بائن ہو گی۔ پھر اگر ایلاء موقت تھا یعنی چار ماہ کا تو یمین ساقط ہو گئی، یعنی اگر اس عورت سے پھر نکاح کیا تو اس کا کچھ اثر نہیں، اور اگر موبد تھا یعنی ہمیشہ اس میں قید تھی مثلاً خدا کی قسم! تجھ سے کبھی قربت نہ کروں گا یا اس میں کچھ قید نہ تھی مثلاً خدا کی قسم! تجھ سے قربت نہ کروں گا تو ان صورتوں میں ایک طلاق بائن پڑ گئی، پھر بھی قسم بدستور باقی ہے یعنی اگر اس عورت سے پھر نکاح کیا تو پھر ایلاء بدستور آ گیا، اگر وقت نکاح سے چار ماہ کے اندر جماع کر لیا تو قسم کا کفارہ دے اور تعلیق تھی تو جزا واقع ہو جائے گی اور اگر چار مہینے گزر گئے اور قربت نہ کی تو ایک طلاق بائن واقع ہو گی مگر یمین بدستور باقی ہے، سہ بارہ نکاح کیا تو پھر ایلاء آ گیا اب بھی جماع نہ کرے تو چار ماہ گزرنے پر تیسری طلاق پڑ جائے گی اور اب بے حلالہ نکاح نہیں کر سکتا، اگر حلالہ کے بعد پھر نکاح کیا تو اب ایلاء نہیں یعنی چار مہینے بغیر قربت گزرنے پر طلاق نہ ہو گی مگر قسم باقی ہے اگر جماع کرے گا، کفارہ واجب ہوگا اور اگر پہلی یا دوسری طلاق کے بعد عورت نے کسی اور سے نکاح کیا اس کے بعد پھر اس سے نکاح کیا تو مستقل طور پر اب سے تین طلاق کا مالک ہوگا مگر

ایلاء رہے گا یعنی قربت نہ کرنے پر طلاق ہو جائے گی، پھر نکاح کیا پھر وہی حکم ہے پھر ایک یا دو طلاق کے بعد کسی سے نکاح کیا پھر اس سے نکاح کیا پھر وہی حکم ہے یعنی جب تک تین طلاق کے بعد دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے ایلاء بدستور باقی رہے گا۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ا ص ۴۷٦، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۴): ذمی نے ذات وصفات کی قسم کے ساتھ ایلاء کیا یا طلاق وعتاق پر تعلیق کی تو ایلاء ہے اور حج وروزہ ودیگر عبادات پر تعلیق کی تو ایلاء نہ ہوا اور جہاں ایلاء صحیح ہے وہاں مسلمان کے حکم میں ہے، مگر صحبت کرنے پر کفارہ واجب نہیں۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ا ص ۴۷٦، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۵): یوں ایلاء کیا کہ اگر میں قربت کروں تو میرا فلاں غلام آزاد، اس کے بعد غلام مر گیا تو ایلاء ساقط ہو جائے گا یونہی اگر اس غلام کو بیچ ڈالا جب بھی ساقط ہے مگر وہ غلام اگر قربت سے پہلے پھر اس کی ملک میں آ گیا تو ایلاء کا حکم لوٹ آئے گا۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ٦۲، کتاب الطلاق، باب الایلاء)

مسئلہ (٦): ایلاء صرف منکوحہ سے ہوتا ہے یا مطلقہ رجعی سے کہ وہ بھی منکوحہ ہی کے حکم میں ہے، اجنبیہ سے اور جسے بائن طلاق دی ہے اس سے ابتداءً نہیں ہو سکتا، یونہی اپنی لونڈی سے بھی نہیں ہو سکتا ہاں دوسرے کی کنیز اس کے نکاح میں ہے، تو ایلاء کر سکتا ہے، یونہی اجنبیہ کا ایلاء اگر نکاح پر معلق کیا تو ہو جائے گا مثلاً اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو خدا کی قسم تجھ سے قربت نہ کروں گا۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ٦۲، کتاب الطلاق، باب الایلاء)

مسئلہ (۷): ایلاء کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ شوہر اہل طلاق ہو یعنی وہ طلاق دے سکتا ہو لہٰذا مجنون و نابالغ کا ایلاء صحیح نہیں ہے کہ یہ اہل طلاق نہیں۔ (الدر المختار ج ۵ ص ٦۲، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۸): غلام نے اگر قسم کے ساتھ ایلاء کیا مثلاً خدا کی قسم! میں تجھ سے قربت نہ کروں گا یا ایسی چیز پر معلق کیا جسے مال سے تعلق نہیں مثلاً اگر میں تجھ سے قربت کروں تو مجھ پر اتنے دنوں کا روزہ ہے یا حج یا عمرہ ہے یا میری عورت کو طلاق ہے تو ایلاء صحیح ہے اور اگر مال سے تعلق ہے تو صحیح نہیں ہے، مثلاً مجھ پر ایک غلام آزاد کرنا یا اتنا صدقہ دینا لازم ہے تو ایلاء نہ ہوا کہ وہ مال کا ہی مالک نہ ہوا۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ٦۲، کتاب الطلاق، باب الایلاء)

مسئلہ (۹): یہ بھی شرط ہے کہ چار مہینے کی مدت سے کم نہ ہو اور زوجہ کنیز ہے تو دو ماہ سے کم کی نہ ہو اور زیادہ کی کوئی حد نہیں، اور زوجہ کنیز تھی، اس کے شوہر نے ایلاء کیا تھا اور مدت پوری نہ ہوئی تھی کہ آزاد ہو گئی تو اب اس کی مدت آزاد عورتوں کی ہے، اور یہ بھی شرط ہے کہ جگہ معین نہ کرے اگر جگہ معین کی مثلاً واللہ فلاں جگہ تجھ سے قربت نہ کروں گا اور یہ کہ بعض مدت کا استثناء نہ ہو مثلاً چار مہینے تجھ سے قربت نہ کروں گا مگر ایک دن اور یہ کہ قربت کے ساتھ کسی اور چیز کو نہ ملائے، مثلاً اگر میں تجھ سے قربت کروں یا تجھے اپنے بچھونے پر بلاؤں تو تجھ کو طلاق ہے تو یہ ایلاء نہیں۔ (الفتاویٰ الخانیہ ج ا ص ۲٦٦-۲٦۵، الدرالمختار وردالمحتار ج ۵ ص ٦۴)

مسئلہ (۱۰): اس کے الفاظ بعض صریح ہے بعض کنایہ، صریح وہ الفاظ ہیں جن سے ذہن معنی جماع کی طرف سبقت کرتا ہو اس معنی میں بکثرت استعمال کیا جاتا ہو، اس میں نیت درکار نہیں، بغیر نیت بھی ایلاء ہے اور اگر صریح لفظ میں یہ کہے کہ میں نے معنی جماع کا ارادہ نہ کیا تھا تو قضاءً اس کا قول معتبر نہیں دیانۃً معتبر ہے۔ کنایہ وہ ہے جس سے معنی جماع متبادر نہ ہو، دوسرے معنی کا بھی احتمال ہو،

اس میں بغیر نیت ایلا نہیں اور دوسرے معنی مراد ہونا بتاتا ہے تو قضاءً بھی اس کا قول مان لیا جائے گا۔
(ردالمحتار ج ۵ ص ۶۵، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۱۱): صریح کے بعض الفاظ یہ ہیں، واللہ میں تجھ سے جماع نہ کروں گا، قربت نہ کروں گا، صحبت نہ کروں گا، وطی نہ کروں گا اور اردو میں بعض اور الفاظ بھی ہیں جو خاص جماع ہی کے لئے بولے جاتے ہیں ان کے ذکر کی حاجت نہیں، ہر شخص اردو داں جانتا ہے، علامہ شامی نے اس لفظ کو کہ میں تیرے ساتھ نہ سوؤں گا، صریح کہا ہے اور اصل یہ ہے کہ مدار عرف پر ہے، عرفاً جس لفظ سے معنی جماع متبادر ہو، صریح ہے: اگرچہ یہ معنی مجازی ہوں، کنایہ کے بعض الفاظ یہ ہیں تیرے بچھونے کے قریب نہ جاؤں گا، تیرے ساتھ نہ لیٹوں گا، تیرے بدن سے میرا بدن نہ ملے گا، تیرے پاس نہ رہوں گا، وغیرہا۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۶۵-۶۷، کتاب الطلاق، باب الایلاء)

مسئلہ (۱۲): ایسی بات کی قسم کھائی کہ بغیر جماع کئے قسم ٹوٹ جائے تو ایلاء نہیں مثلاً اگر میں تجھ کو چھوؤں تو ایسا ہے کہ محض بدن پر ہاتھ رکھتے ہی قسم ٹوٹ جائے گی۔ (الفتاوی الھندیہ ج ۱ ص ۴۷۷، کتاب الطلاق، الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۱۳): اگر کہا: میں نے تجھ سے ایلاء کیا ہے اب کہتا ہے کہ میں نے ایک جھوٹی خبر دی تھی تو قضاءً ایلا ہے اور دیانۃً اس کا قول مان لیا جائے گا اور اگر یہ کہے کہ اس لفظ سے ایلاء کرنا مقصود تھا تو قضاءً و دیانۃً ہر طرح ایلاء ہے۔
(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۷۷، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۱۴): یہ کہا کہ واللہ تجھ سے قربت نہ کروں گا جب تک تو یہ کام نہ کرے اور وہ کام چار مہینے کے اندر کر سکتی ہے تو ایلاء نہ ہوا اگرچہ چار مہینے سے زیادہ کرے۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۶۶، کتاب الطلاق، باب الایلاء)

مسئلہ (۱۵): ایلاء اگر تعلیق ہے تو ضرور ہے کہ جماع پر کسی ایسے فعل کو معلق کرے جس میں مشقت ہو، لہٰذا اگر یہ کہا کہ اگر میں قربت کروں تو مجھ پر دو رکعت نفل ہے تو ایلاء نہ ہوا اور اگر کہا کہ مجھ پر سو رکعتیں نفل کی ہیں تو ایلاء ہو گیا اور اگر وہ چیز ایسی ہے جس کی منت نہیں جب بھی ایلاء نہ ہوا مثلاً تلاوت قرآن، نماز جنازہ، تکفین میت، سجدہ تلاوت، بیت المقدس میں نماز۔
(الدرالمختار و ردالمحتار ج ۵ ص ۶۷، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۱۶): اگر میں تجھ سے قربت کروں تو مجھ پر فلاں مہینے کا روزہ ہے، اگر وہ مہینہ چار مہینے پورے ہونے سے پہلے پورا ہو جائے تو ایلاء نہیں، ورنہ ہے۔ (الفتاوی الھندیہ ج ۱ ص ۴۷۸، کتاب الطلاق، باب الایلاء)

مسئلہ (۱۷): اگر میں تجھ سے قربت کروں تو مجھ پر ایک مسکین کا کھانا ہے یا ایک دن کا روزہ تو ایلاء ہو گیا یا کہا: خدا کی قسم! تجھ سے قربت نہ کروں گا جب تک اپنے غلام کو آزاد نہ کروں یا اپنی فلاں عورت کو طلاق نہ دوں یا ایک مہینے کا روزہ نہ رکھ لوں تو ان سب صورتوں میں ایلاء ہے۔ (الفتاوی الھندیہ ج ۱ ص ۴۷۸، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۱۸): تو مجھ پر ویسی ہے جیسے فلاں کی عورت اور اس نے ایلاء کیا ہے اور اس نے بھی ایلاء کی نیت کی ہے تو ایلاء ہے ورنہ نہیں، یہ کہا کہ اگر میں تجھ سے قربت کروں تو مجھ پر حرام ہے اور نیت ایلا کی ہے تو ہو گیا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۷۸، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۱۹): ایک عورت سے ایلاء کیا پھر دوسری سے کہا: تجھے میں نے اس کے ساتھ شریک کر دیا تو دوسری سے ایلاء نہ ہوا۔
(الفتاویٰ الہندیہ ج ۱ ص ۴۷۸، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۲۰): دو عورتوں سے کہا: واللہ! میں تم دونوں سے قربت نہ کروں گا تو دونوں سے ایلاء ہو گیا اب اگر چار مہینے گزر گئے اور دونوں سے قربت نہ کی تو دونوں بائن ہو گئیں، اور اگر ایک سے چار مہینے کے اندر جماع کر لیا تو اس کا ایلاء باطل ہو گیا اور دوسری کا باقی ہے، مگر کفارہ واجب نہیں اور اگر مدت کے اندر ایک مر گئی تو دونوں کا ایلاء باطل ہے اور کفارہ نہیں اور اگر ایک کو طلاق دی تو ایلاء باطل نہیں اور اگر مدت میں دونوں سے جماع کیا تو دونوں کا ایلاء باطل ہو گیا اور ایک کا کفارہ واجب ہے۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ا ص ۴۷۹، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۲۱): اپنی چار عورتوں سے کہا: خدا کی قسم! میں تم سے قربت نہ کروں گا مگر فلانی یا فلانی سے تو ان دونوں سے ایلاء نہ ہوا۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ا ص ۴۷۹، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۲۲): اپنی دو عورتوں کو مخاطب کر کے کہا: خدا کی قسم! تم میں سے ایک سے قربت نہ کروں گا تو ایک سے ایلاء ہوا پھر اگر ایک سے وطی کر لی ایلاء باطل ہو گیا اور کفارہ واجب ہے اور اگر ایک مر گئی یا مرتدہ ہو گئی یا اس کو تین طلاقیں دے دیں تو دوسری ایلاء کے لئے معین ہے اور اگر کسی سے وطی نہ کی یہاں تک کہ مدت گزر گئی تو ایک کو طلاق بائن پڑ گئی اسے اختیار ہے جسے چاہے اس کے لئے معین کر دے، اور اگر چار مہینے کے اندر ایک کو معین کرنا چاہتا ہے تو اس کا اسے اختیار نہیں اگر معین کر بھی دے جب بھی معین نہ ہوئی، مدت کے بعد معین کرنے کا اسے اختیار ہے، اگر ایک سے جماع نہ کیا اور چار مہینے اور گزر گئے تو دونوں بائن ہو گئے، اس کے بعد اگر پھر دونوں سے نکاح کیا ایک ساتھ یا آگے پیچھے تو پھر ایک سے ایلاء ہے مگر غیر معین اور دونوں مدتیں گزرنے پر دونوں بائن ہو جائیں گی۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ا ص ۴۷۹، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۲۳): اگر کہا: تم دونوں میں سے کسی سے قربت نہ کروں گا تو دونوں سے ایلاء ہے، چار مہینے گزر گئے اور کسی سے قربت نہ کی تو دونوں کو طلاق بائن ہو گئی اور ایک سے وطی کر لی تو ایلاء باطل ہے اور کفارہ واجب۔

(الفتاویٰ الہندیہ ج ا ص ۴۷۹، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۲۴): اپنی عورت اور باندی سے کہا: تم میں سے ایک سے قربت نہ کروں گا تو ایلاء نہیں، ہاں اگر عورت مراد ہے تو ہے اور ان میں سے ایک سے وطی کی تو قسم ٹوٹ گئی، کفارہ دے، پھر اگر لونڈی کو آزاد کر کے اس سے نکاح کیا جب بھی ایلاء نہیں اور اگر دو زوجہ ہوں تو ایک حرہ، دوسری باندی اور کہا: تم دونوں سے قربت نہ کروں گا تو دونوں سے ایلاء ہے دو مہینے گزر گئے اور کسی سے قربت نہ کی تو باندی کو طلاق بائن ہو گئی اس کے بعد دو مہینے اور گزر گئے تو حرہ بھی بائن۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ا ص ۴۷۹، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۲۵): اپنی دو عورتوں سے کہا کہ اگر تم میں ایک سے قربت کروں تو دوسری کو طلاق ہے اور چار مہینے گزر گئے مگر کسی سے وطی نہ کی تو ایک بائن ہو گئی اور شوہر کو اختیار ہے جس کو چاہے طلاق کے لیے معین کرے اور اب دوسری سے ایلاء ہے، اگر پھر چار مہینے گزر گئے اور ہنوز پہلی عدت میں ہے تو دوسری بھی بائن ہو گئی ورنہ نہیں اور اگر معین نہ کیا یہاں تک کہ اور چار مہینے گزر گئے تو دونوں بائن ہو گئیں۔ (الفتاویٰ الہندیہ ج ا ص ۴۸۰، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۲۶): جس عورت کو طلاق بائن دی ہے اس سے ایلاء نہیں ہو سکتا اور رجعی دی ہے تو عدت میں ہو سکتا ہے مگر وقت ایلاء سے چار مہینے پورے نہ ہوئے تھے کہ عدت ختم ہو گئی تو ایلاء ساقط ہو گیا اور اگر ایلاء کرنے کے بعد طلاق بائن دی تو طلاق ہو گئی اور وقت

ایلاء سے چار مہینے گزر رے اور ہنوز طلاق کی عدت پوری نہ ہوئی تو دوسری طلاق پھر پڑی اور اگر عدت پوری ہونے پر ایلاء کی مدت پوری ہوئی تو اب ایلاء کی وجہ سے طلاق نہ پڑے گی، اور اگر ایلاء کے بعد طلاق دی اور عدت کے اندر اس سے پھر نکاح کر لیا تو ایلاء بدستور باقی ہے یعنی وقت ایلاء سے چار مہینے گزرنے پر طلاق واقع ہو جائے گی اور عدت پوری ہونے کے بعد نکاح کیا جب بھی ایلاء ہے مگر وقت نکاح ثانی سے چار ماہ گزرنے پر طلاق ہوگی۔ (الفتاوی الخانیہ ج ا ص ۲۶۶-۲۶۷، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۲۷): یہ کہا: خدا کی قسم! تجھ سے قربت نہ کروں گا دو مہینے اور دو مہینے تو ایلاء ہو گیا، اور اگر یہ کہا: واللہ! دو مہینے تجھ سے قربت نہ کروں گا پھر ایک دن بعد بلکہ تھوڑی دیر بعد کہا: واللہ! ان دو مہینوں کے بعد دو مہینے قربت نہ کروں گا تو ایلاء نہ ہوا مگر اسی مدت میں جماع کرے گا تو قسم کا کفارہ لازم ہے، اور اگر کہا: قسم خدا کی! تجھ سے چار مہینے تک قربت نہ کروں گا مگر ایک دن پھر فوراً کہا: واللہ! اس دن بھی قربت نہ کروں گا تو ایلاء ہو گیا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۴۸۱-۴۸۲، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۲۸): اگر عورت سے کہا: تجھ کو طلاق ہے قبل اس کے کہ تجھ سے قربت کروں تو ایلاء ہو گیا اگر قربت کی تو فوراً طلاق ہو گئی اور چار مہینے تک نہ کی تو ایلاء کی وجہ سے بائن ہو گئی۔ (الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۴۸۲، کتاب الطلاق باب فی الایلاء)

مسئلہ (۲۹): یہ کہا کہ اگر میں تجھ سے قربت کروں تو مجھ پر اپنے لڑکے کو قربانی کر دینا واجب ہے تو ایلاء ہو گیا۔

(الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۴۸۲، کتاب الطلاق باب فی الایلاء)

مسئلہ (۳۰): یہ کہا کہ اگر میں تجھ سے قربت کروں تو میرا یہ غلام آزاد ہے، چار مہینے گزر گئے اب عورت نے قاضی کے یہاں دعویٰ کیا، قاضی نے تفریق کر دی پھر اس غلام نے دعویٰ کیا کہ میں غلام نہیں بلکہ اصلی آزاد ہوں اور گواہ بھی پیش کر دیئے، قاضی فیصلہ کرے گا کہ وہ آزاد ہے اور ایلاء باطل ہو جائے گا اور عورت واپس ملے گی کہ ایلاء تھا ہی نہیں۔

(الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۴۸۲، کتاب الطلاق باب فی الایلاء)

مسئلہ (۳۱): اپنی عورت سے کہا: خدا کی قسم! تجھ سے قربت نہ کروں گا ایک دن پھر یہی کہا ایک دن اور گزرا پھر یہی کہا تو یہ تین ایلاء ہوئے اور تین قسمیں، چار مہینے گزرنے پر ایک طلاق بائن پڑی، پھر ایک دن اور گزرا تو ایک اور پڑی اور تیسرے دن پھر ایک اور پڑی، اب بغیر حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی، حلالہ کے بعد اگر نکاح اور قربت کی تو تین کفارے ادا کرے اور اگر ایک ہی مجلس میں یہ لفظ تین بار کہے اور نیت تاکید کی ہے تو ایک ہی ایلاء ہے اور ایک ہی قسم! اور اگر کچھ نیت نہ ہو یا بار بار قسم کھانا تشدد کی نیت سے ہو تو ایلاء ایک ہے مگر قسم تین، لہٰذا اگر قربت نہ کرے تو مدت گزرنے پر ایک طلاق واقع ہوگی۔

(الدر المختار ج ۵ ص ۷۰، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۳۲): خدا کی قسم! میں تجھ سے ایک سال تک قربت نہ کروں گا مگر ایک دن یا ایک گھنٹا تو فی الحال ایلاء نہیں مگر جب کہ سال میں کسی دن جماع کر لیا اور ابھی سال پورا ہونے میں چار ماہ یا زیادہ باقی ہیں تو اب ایلا ہو گیا اور اگر جماع کرنے کے بعد سال میں چار مہینے سے کم باقی ہے یا اس سال قربت ہی نہ کی تو اب بھی ایلاء نہ ہوا اور اگر صورت مذکورہ میں ایک دن کی جگہ ایک بار کہا: جب بھی یہی حکم ہے فرق صرف اتنا ہے کہ اگر ایک دن کہا ہے تو جس دن جماع کیا ہے اس دن آفتاب ڈوبنے کے بعد سے اگر چار مہینے باقی ہیں تو ایلاء ہے ورنہ نہیں، اگر چہ وقت جماع سے چار مہینے ہوں اور اگر ایک بار کا لفظ کہا تو جماع سے فارغ ہونے سے چار ماہ

باقی ہیں تو ایلاء ہو گیا اور اگر یوں کہا کہ میں ایک سال تک جماع نہ کروں گا مگر ایک دن یعنی سال کا لفظ نہ کہا تو جب کبھی جماع کرے گا اس وقت سے ایلاء ہے۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۷۰، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۳۳): عورت دوسرے شہر یا دوسرے گاؤں میں ہے، شوہر نے قسم کھائی کہ میں وہاں نہیں جاؤں گا تو ایلاء نہ ہوا اگر چہ وہاں تک چار مہینے یا زیادہ کی راہ ہو۔ (الدر المختار ورد المحتار ج ۵ ص ۷۰، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۳۴): جماع کرنے کو ایسی چیز پر موقوف کیا جس کی نسبت یہ امید نہیں ہے کہ چار مہینے کے اندر ہو جائے تو ایلاء ہو گیا مثلاً رجب کے مہینے میں کہے: واللہ! میں تجھ سے قربت نہ کروں گا جب تک محرم کا روزہ نہ رکھ لوں یا میں تجھ سے جماع نہ کروں گا مگر فلاں جگہ اور وہاں تک چار مہینے سے کم میں نہیں پہنچ سکتا یا جب تک بچہ کے دودھ چھڑانے کا وقت نہ آئے اور ابھی دو برس پورے ہونے میں چار ماہ یا زیادہ باقی ہے تو ان سب صورتوں میں ایلاء ہے، یونہی اگر وہ کام مدت کے اندر تو ہو سکتا ہے مگر یوں کہے: نکاح نہ رہے گا جب بھی ایلاء ہے مثلاً قربت نہ کروں گا یہاں تک کہ تو مر جائے یا میں مر جاؤں یا تو قتل کی جائے یا میں مار ڈالا جاؤں یا تو مجھے مار ڈالے یا میں تجھے مار ڈالوں یا میں تجھے تین طلاقیں دے دوں۔ (الجوہرۃ النیرہ الجزء الثانی ص ۷۱، کتاب الایلاء)

مسئلہ (۳۵): یہ کہا کہ تجھ سے قیامت تک قربت نہ کروں گا یہاں تک کہ آفتاب مغرب سے طلوع کرے یا دجال لعین کا خروج ہو یا دابۃ الارض ظاہر ہو یا اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے چلا جائے یہ سب ایلاء موبد ہے۔ (الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۷۱ وغیرہا کتاب الایلاء)

مسئلہ (۳۶): عورت نابالغہ ہے۔ اس سے قسم کھا کر کہا کہ تجھ سے قربت نہ کروں گا جب تک تجھے حیض نہ آ جائے، اگر معلوم ہے کہ چار مہینے تک نہ آئے گا تو ایلاء ہے، یونہی اگر آئسہ ہے اس سے کہا: جب بھی ایلاء ہے۔

(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۸۵، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۳۷): قسم کھا کر کہا: تجھ سے قربت نہ کروں گا، جب تک تو میری عورت ہے، پھر اسے بائن طلاق دے کر نکاح کیا تو ایلاء نہیں اور اب قربت کرے گا تو کفارہ بھی نہیں۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۸۵)

مسئلہ (۳۹): صحت کی حالت میں ایلاء کیا تھا اور مدت کے اندر وطی کی مگر اس وقت مجنون ہے تو قسم ٹوٹ گئی اور ایلاء ساقط۔

(فتح القدیر ج ۴ ص ۵۷، کتاب الطلاق، باب الایلاء)

مسئلہ (۴۰): ایلاء کیا اور مدت کے اندر قسم توڑنا چاہتا ہے مگر وطی کرنے سے عاجز ہے کہ وہ خود بیمار ہے یا عورت بیمار ہے یا عورت صغیرسن ہے یا عورت کا مقام بند ہے کہ وطی ہو نہیں سکتی یا یہی نامرد ہے یا اس کا عضو کاٹ ڈالا گیا ہے یا عورت اتنے فاصلہ پر ہے کہ چار مہینے میں وہاں تک نہیں پہنچ سکتا، یا خود قید ہے اور قید خانہ میں وطی نہیں کر سکتا اور قید بھی ظلماً ہو یا عورت جماع نہیں کرنے دیتی یا کہیں ایسی جگہ ہے کہ اس کا پتا نہیں تو ایسی صورتوں میں زبان سے رجوع کے الفاظ کہہ لے مثلاً میں نے تجھ سے رجوع کر لیا یا ایلاء باطل کر دیا یا میں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا یا واپس لیا تو ایلاء جاتا رہے گا یعنی مدت پوری ہونے پر طلاق واقع نہ ہو گی اور احتیاط یہ ہے کہ گواہوں کے سامنے کہے مگر قسم اگر مطلق ہے یا موبد تو وہ بحالہ باقی ہے جب وطی کرے گا کفارہ لازم آئے گا اور اگر چار مہینے کی تھی اور چار مہینے کے بعد وطی کی تو کفارہ نہیں مگر زبان سے رجوع کرنے کے لئے یہ شرط ہے کہ مدت کے اندر یہ عجز قائم رہے اور اگر مدت کے اندر زبانی رجوع کے بعد وطی پر قادر ہو گیا تو زبانی رجوع ناکافی ہے، وطی ضروری ہے۔ (الدر المختار ج ۵ ص

۷۴-۷۶، کتاب الطلاق، باب الایلاء، الجوہرۃ النیرہ، جز ثانی ص ۷۵)

مسئلہ (۴۱): اگر کسی عذر شرعی کی وجہ سے وطی نہیں کر سکتا مثلاً خود یا عورت نے حج کا احرام باندھا ہے اور ابھی حج پورے ہونے میں چار مہینے کا عرصہ ہے تو زبان سے رجوع نہیں کر سکتا، یونہی اگر کسی کے حق کی وجہ سے قید ہے تو زبانی رجوع کافی نہیں کہ یہ عاجز نہیں ہے کہ حق ادا کر کے قید سے رہائی پا سکتا ہے اور اگر جہاں عورت ہے وہاں تک چار مہینے سے کم میں پہنچے گا مگر دشمن یا بادشاہ جانے نہیں دیتا تو یہ عذر نہیں۔ (الدر المختار ورد المحتار ج ۵ ص ۷۴، کتاب الطلاق، باب الایلاء)

مسئلہ (۴۲): وطی سے عاجز نے دل سے رجوع کر لیا مگر زبان سے کچھ نہ کہا تو رجوع نہیں۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۷۵، کتاب الطلاق، باب الایلاء)

مسئلہ (۴۳): جس وقت ایلاء کیا تھا اس وقت عاجز نہ تھا، پھر عاجز ہو گیا تو زبانی رجوع کافی نہیں مثلاً تندرست نے ایلاء کیا پھر بیمار ہو گیا تو اب رجوع کے لئے وطی ضروری ہے، مگر جب ایلاء کرتے ہی بیمار ہو گیا اتنا وقت نہ ملا کہ وطی کرتا تو زبان سے کہہ لینا کافی ہے اور اگر مریض نے ایلاء کیا تھا اور ابھی اچھا نہ ہوا تھا کہ عورت بیمار ہو گئی، اب یہ اچھا ہو گیا تو زبانی رجوع کرنا ناکافی ہے۔

(الدر المختار ورد المحتار ج ۵ ص ۷۶-۷۷، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۴۴): زبان سے رجوع کے لئے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وقت رجوع نکاح باقی ہو اور اگر بائن طلاق دے دی تو رجوع نہیں کر سکتا، یہاں تک کہ اگر مدت کے اندر نکاح کر لیا، پھر مدت پوری ہوئی تو طلاق بائن واقع ہو گی۔

(الدر المختار ورد المحتار ج ۵ ص ۷۶-۷۷، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۴۵): شہوت کے ساتھ بوسہ لینا یا چھونا یا اس کی شرمگاہ کی طرف نظر کرنا یا آگے کے مقام کے علاوہ کسی اور جگہ وطی کرنا رجوع نہیں ہے۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۸۵، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۴۶): اگر حیض میں جماع کر لیا تو اگرچہ یہ بہت سخت حرام ہے مگر ایلاء جاتا رہا۔

(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۸۶، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۴۷): اگر ایلاء کسی شرط پر معلق تھا اور جس وقت شرط پائی گئی اس وقت عاجز ہے تو زبانی رجوع کافی ہے ورنہ تعلیق کے وقت کا لحاظ نہیں۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۸۶، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۴۸): کسی مریض نے ایلاء کیا پھر دس دن کے بعد دوبارہ ایلاء کے الفاظ کہے تو دو ایلاء ہیں، اور دو قسمیں اور دونوں کی دو مدتیں، اگر دونوں مدتیں پوری ہونے سے پہلے زبانی رجوع کر لیا اور دونوں مدتیں پوری ہونے تک بیمار رہا تو زبانی رجوع صحیح ہے، دونوں ایلاء جاتے رہے اور اگر پہلی مدت پوری ہونے سے پہلے اچھا ہو گیا تو وہ رجوع کرنا بیکار گیا اور اگر زبانی رجوع نہ کیا تھا تو دونوں مدتیں پوری ہونے پر دو طلاقیں واقع ہوں گی اور اگر جماع کرے گا تو دونوں قسمیں ٹوٹ جائیں گی اور دو کفارے لازم اور اگر پہلی مدت پوری ہونے سے پہلے زبانی رجوع کیا اور مدت پوری ہونے پر اچھا ہو گیا تو اب دوسرے کے لئے وہ کافی نہیں بلکہ جماع ضرور ہے۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۸۵، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

مسئلہ (۴۹): مدت میں اگر زوج وزوجہ کا اختلاف ہو تو شوہر کا قول معتبر ہے، مگر عورت کو جب اس کا جھوٹا ہونا معلوم ہو تو اسے

اجازت نہیں کہ اس کے ساتھ رہے جس طرح ہو سکے مال وغیرہ دے کر اس سے علیحدہ ہو جائے اور اگر مدت کے اندر جماع کرنا بتاتا ہو تو شوہر کا قول معتبر ہے اور پوری ہونے کے بعد کہتا ہے کہ اثناء مدت میں جماع کیا ہے تو جب تک عورت اس کی تصدیق نہ کرے اس کا قول نہ مانیں۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۸۷، الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۷۵)

مسئلہ (۵۰): عورت سے کہا: اگر تو چاہے تو خدا کی قسم! تجھ سے قربت نہ کروں گا، اسی مجلس میں عورت نے کہا: میں نے چاہا تو ایلاء ہوگیا، یونہی اگر اور کسی کے چاہنے پر ایلاء معلق کیا تو مجلس میں اس کے چاہنے سے ایلاء ہو جائے گا۔

(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۸۷، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۵۱): عورت سے کہا: تو مجھ پر حرام ہے، اس لفظ سے ایلاء کی نیت کی تو ایلاء ہے اور ظہار کی، تو ظہار، ورنہ طلاق بائن اور تین کی نیت کی تو تین اور اگر عورت نے کہا کہ میں تجھ پر حرام ہوں تو یمین ہے، شوہر نے زبردستی یا اس کی خوشی سے جماع کیا تو عورت پر کفارہ لازم ہے۔ (الدرالمختار وردالمحتار ج ۵ ص ۷۷-۸۱، کتاب الطلاق باب الایلاء)

مسئلہ (۵۲): اگر شوہر نے کہا تو مجھ پر مثل مردار یا گوشتِ خنزیر یا خون یا شراب کے ہے اگر اس سے جھوٹ مقصود ہے تو جھوٹ ہے اور حرام کرنا مقصود ہے تو ایلاء ہے اور طلاق کی نیت ہے تو طلاق۔ (الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۷۶، کتاب الایلاء)

مسئلہ (۵۳): عورت کو کہا: تو میری ماں ہے اور نیت تحریم کی ہے تو حرام نہ ہوگی بلکہ یہ جھوٹ ہے۔

(الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۷۶، کتاب الایلاء)

مسئلہ (۵۴): اپنی دو عورتوں سے کہا: تم دونوں مجھ پر حرام ہو اور ایک میں طلاق کی نیت کی ہے اور دوسری میں ایلاء کی، یا ایک میں طلاق کی نیت کی اور دوسری میں تین کی تو جیسی نیت کی، اس کے موافق حکم دیا جائے گا۔

(الدرالمختار ج ۵ ص ۸۵، کتاب الطلاق، باب الایلاء، الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۴۸۷، کتاب الطلاق الباب السابع فی الایلاء)

(بہار شریعت حصہ ۸ ص ۱۸۲-۱۹۳، مکتبۃ المدینہ، کراچی ۱۴۳۰ھ)

۵۲۸۹۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ عَنْ أَخِيهِ عَنْ سُلَيْمَانَ عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ آلَى رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ نِسَائِهِ وَكَانَتْ انْفَكَّتْ رِجْلُهُ فَأَقَامَ فِي مَشْرُبَةٍ لَهُ تِسْعًا وَعِشْرِينَ ثُمَّ نَزَلَ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ آلَيْتَ شَهْرًا فَقَالَ الشَّهْرُ تِسْعٌ وَعِشْرُونَ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل بن ابی اویس نے حدیث بیان کی، از برادرِ خود از سلیمان از حمید الطویل، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات سے ایلاء کیا (یعنی ترکِ جماع کی قسم کھائی) پھر آپ کی پنڈلی میں چوٹ لگ گئی یا آپ کے پیر میں موچ آ گئی تو آپ اپنے مچان میں انتیس (۲۹) راتوں تک قیام پذیر رہے، پھر آپ مچان سے اتر آئے، پس لوگوں نے کہا: یارسول اللہ! آپ نے تو ایک ماہ کی قسم کھائی تھی، پس آپ نے فرمایا: ''مہینہ انتیس (۲۹) دن کا بھی ہوتا ہے''۔

(صحیح البخاری: ۳۷۸، ۶۸۹، ۷۳۲، ۷۳۳، ۸۰۵، ۱۱۱۴، ۱۹۱۱، ۲۴۶۹، ۵۲۰۱، ۵۲۸۹، ۶۶۸۴، صحیح مسلم: ۴۱۱، سنن ترمذی: ۳۶۱، سنن

نسائی: ۳۴۹۷، سنن ابوداؤد: ۲۰۶۱، سنن ابن ماجہ: ۱۲۳۸، مسند احمد: ۱۲۶۵۸، موطا امام مالک: ۳۰۶، سنن دارمی: ۱۲۵۶)

ایلاء کے متعلق متعدد احادیث

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ایلا کیا یعنی ترک جماع کی قسم کھائی، پھر آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ کے پاس داخل ہوئے، سوانہوں نے کہا کہ آپ نے تو ایک ماہ کی قسم کھائی تھی، پس آپ نے فرمایا: (بعض مرتبہ) جب مہینے کے انتیس دن گزر جائیں تو وہ مہینہ پورا ہو جاتا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۵۷۷)

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ نے کہا: جب ایلا کے بعد چار ماہ گزر جائیں تو عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۵۳۶)

حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ یہی قول صحیح ہے۔

(الاستذکار (شرح الموطا) ج ۱۷ ص ۸۶، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ ایلاء کیا (یعنی ان کے ساتھ ترکِ جماع کی قسم کھائی) اور ان کے ساتھ جماع کرنے سے رک گئے پھر آپ نے ان کے ساتھ قسم کو حلال کرنے کا معاملہ کیا اور قسم کا کفارہ ادا کیا۔ (سنن ترمذی: ۱۲۰۱، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۳ھ، سنن ابن ماجہ: ۲۰۷۲، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث کی روایت کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں: ایلاء کا معنی یہ ہے کہ مرد یہ قسم کھائے کہ وہ چار ماہ یا اس سے زیادہ تک اپنی بیوی سے مقاربت نہیں کرے گا۔

ایلاء کی مدت میں اہل علم کا اختلاف ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اہل علم اور بعد کے فقہاء تابعین نے یہ کہا ہے کہ جب چار ماہ گزر جائیں تو توقف کیا جائے گا، پس مرد یا تو اپنی قسم سے رجوع کرلے یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور یہ امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا قول ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے بعض اہل علم اور دیگر کا قول یہ ہے کہ جب قسم کھانے کے بعد چار ماہ گزر جائیں تو یہ طلاق بائن ہے اور یہ سفیان ثوری اور اہل کوفہ یعنی فقہاء احناف کا قول ہے۔ (سنن ترمذی: ص ۸۰۵، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۳ھ)

نیز حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج مطہرات سے ایک ماہ کے لئے ایلاء کیا پس جب انتیس دن گزر گئے تو آپ صبح یا شام ان کے پاس گئے، آپ کو بتایا گیا: یارسول اللہ! ابھی تو صرف انتیس دن گزر رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: مہینہ انتیس (۲۹) دن کا بھی ہوتا ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۹۱۰، صحیح مسلم: ۱۰۸۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۱، مسند احمد: ۲۶۷۴۵)

چار ماہ سے کم مدت کے لئے ترک جماع کی قسم کا ایلاء شرعی نہ ہونا

حافظ ابوعمر یوسف بن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں:

جب کسی مرد نے یہ قسم کھائی کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ ایک دن یا زیادہ دنوں تک مقاربت نہیں کرے گا اور اس نے چار ماہ تک

اپنی بیوی کے ساتھ مقاربت نہیں کی تو اس کی بیوی بائنہ ہو جائے گی۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ ھ کا قول ہے اور فقہاء تابعین میں سے ابراہیم نخعی، ابن ابی لیلیٰ، الحکم اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ ھ کا قول ہے۔

(الاستذکار ج ۱۷ ص ۱۰۴-۱۰۵، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

علامہ ابراہیم بن المنذر الشافعی النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ ھ نے کہا ہے کہ اکثر اہل علم نے اس قول کا انکار کیا ہے اور انہوں نے کہا کہ چار ماہ سے کم مدت میں ترک جماع کی قسم کھانے سے ایلاء نہیں ہوتا۔ (الاشراف ج ۱ ص ۲۰۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ نے فرمایا: زمانہ جاہلیت میں ایلاء ایک سال، دو سال اور زیادہ مدت تک ہوتا تھا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے چار ماہ کی مدت مقرر فرما دی، پس جو چار ماہ سے کم ترک جماع کی قسم کھائے تو وہ ایلاء نہیں ہے۔

(سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۲۰۷، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۱ ص ۱۵۸-۱۵۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۸۱)

اور سفیان ثوری نے کہا ہے: جب ایلاء کرنے والے کا عذر ہو اور وہ جماع کرنے پر قادر نہ ہو مثلاً وہ بیمار یا بہت بوڑھا ہو یا قید میں ہو یا اس کی بیوی حائض ہو یا نفساء (نفاس والی) ہو تو اس کا رجوع زبان سے ہوگا۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۶۳، ۳۶۳، ملخصاً وزارۃ الاوقاف قطر ۱۴۲۹ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ماہ تک ترک جماع کی قسم کھانا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ صحیح البخاری: ۵۲۸۹ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ایک ماہ کے لئے ایلاء کیا یعنی ترکِ جماع کی قسم کھائی اور اس کا قصہ مشہور ہے، جس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑی سے گر گئے تھے اور آپ نے اپنے اصحاب کو بیٹھ کر نماز پڑھائی اور اس کی شرح بھی گزر چکی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ماہ تک جماع کی قسم کھانے کا سبب

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے جس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ درج ذیل ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑی پر سوار ہوئے، سو آپ اس سے گر گئے، پس آپ کی پنڈلی یا آپ کا کندھا چھل گیا، اور آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات سے ایک ماہ کے لئے ایلاء کیا یعنی ایک ماہ تک ترکِ جماع کی قسم کھائی، پھر آپ اپنے مچان میں جا کر بیٹھ گئے جس کی سیڑھیاں کھجور کے تنے کی بنی ہوئی تھیں، پس آپ کے اصحاب آپ کی عیادت کرنے کے لئے آتے اور آپ ان کو بیٹھ کر نماز پڑھاتے، اور وہ کھڑے ہوتے تھے، پس جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا: امام صرف اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے، پس جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم اللہ اکبر کہو، اور جب وہ رکوع کرے تو تم رکوع کرو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم سجدہ کرو اور اگر وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم انتیس (۲۹) دن کے بعد مچان سے اتر کر آ گئے، صحابہ کرام نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے ایک ماہ کی قسم کھائی تھی؟ تو آپ نے فرمایا: ''مہینہ انتیس (۲۹) دن کا بھی ہوتا ہے''۔

(صحیح البخاری: ۳۷۸، صحیح مسلم: ۴۱۱، سنن ترمذی: ۳۶۱، سنن نسائی: ۷۹۴، سنن ابوداؤد: ۶۰۱، سنن ابن ماجہ: ۱۲۳۸، مسند احمد: ۹۱۲۶۵۸)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اگر امام کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو، اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، شیخ ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ اور غیر مقلدین کا یہی موقف ہے کہ اگر امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نمازیں پڑھیں، خواہ ان کو کوئی عذر نہ ہو اور امام مالک نے کہا ہے کہ جو شخص قیام پر قادر ہو وہ بیٹھنے والے امام کے پیچھے نماز نہ پڑھے، کھڑے ہو کر نہ بیٹھ کر، اور امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور جمہور سلف نے یہ کہا ہے کہ جو شخص قیام پر قادر ہو، وہ بیٹھنے والے کے پیچھے کھڑے ہو کر ہی نماز پڑھے گا، اس میں فرض اور نفل دونوں برابر ہیں، کیونکہ قیام فرض ہے، امام سے یہ فرض اس کے عذر کی وجہ سے ساقط ہو گیا اور مقتدی کے لئے بغیر عذر کے فرض کو ترک کرنا جائز نہیں ہے اور باب مذکور کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ:

یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کی ناسخ وہ حدیث ہے جس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں بیٹھ کر نماز پڑھی اور آپ کے پیچھے صحابہ نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی اور حضرت ابوبکر کھڑے ہو کر مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے افعال کی خبر دے رہے تھے۔

امام ابوعبداللہ (بخاری) نے بیان کیا: الحمیدی نے کہا کہ آپ نے جو فرمایا ہے: جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو، یہ آپ نے اپنے پہلے مرض میں فرمایا تھا، پھر اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور صحابہ نے آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھی، آپ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور جو آخری فعل ہو اس پر عمل کیا جاتا ہے اور آخری فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہے کہ آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ کے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کو آپ نے مقرر رکھا۔

(صحیح البخاری: ۶۸۹، جامع المسانید: ۴۵۹، مکتبۃ الرشد ریاض، ۱۴۲۶ھ)

ایک ماہ تک ترک جماع کی قسم کے ایلاء ہونے یا نہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ ایلاء کی تعریف یہ ہے کہ چار ماہ سے زیادہ مدت تک ترکِ جماع کی قسم کھائے، پس اگر اس نے چار ماہ سے کم مدت تک ترک جماع کی قسم کھائی تو وہ ایلاء شرعی نہیں ہے، ایلاء لغوی ہے اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے کہ اگر اس نے یہ قسم کھائی کہ وہ ایک دن یا اس سے زیادہ تک ترک جماع کرے گا حتیٰ کہ چار ماہ گزر گئے تو یہ ایلاء شرعی ہے اور بعض فقہاء تابعین سے اس کی مثل منقول ہے اور اکثر فقہاء تابعین نے اس کا انکار کیا ہے اور امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ پھر امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور کی جو ایلاء کے باب میں ذکر کیا ہے، وہ امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کے قول کی موافقت کا تقاضا کرتا ہے، اور ان ائمہ نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد: تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ (البقرہ: ۲۲۶) "یعنی ترک جماع کی قسم کھانے والے چار ماہ تک اپنے آپ کو جماع سے روکیں" سے استدلال کیا ہے، انہوں نے اس کو ایلاء کی مدت پر محمول کیا ہے جو ایلاء کرنے والے کے لئے مقرر کی جاتی ہے، پس اگر اس مدت کے بعد اس نے جماع کر کے رجوع کر لیا تو فبہا ورنہ اس پر طلاق بائن لازم کر دی جائے گی۔

ایک ماہ تک ترک جماع کی قسم نہ ہونے کے متعلق متعدد روایات

اور امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ سے روایت کی ہے کہ جب کسی مرد نے یہ قسم کھائی کہ وہ

اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا خواہ اس نے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو، پس اگر چار ماہ گزر گئے تو اس پر ایلاء کا حکم لازم کر دیا جائے گا۔

اور امام سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ نے حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ سے روایت کی ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی کے متعلق کہا: اللہ کی قسم! میں آج رات اس سے جماع نہیں کروں گا، پھر اس نے اپنی اس قسم کی وجہ سے چار ماہ تک اس سے جماع نہیں کیا تو یہ ایلاء شرعی ہے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے روایت کی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ ایک سال یا دو سال تک ترک جماع کی قسم کھاتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے چار ماہ کی مدت مقرر کر دی، پس جس نے چار ماہ سے کم مدت تک ترکِ جماع کی قسم کھائی تو یہ ایلاء شرعی نہیں ہے، ایلاء لغوی ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۱-۴۹۳، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری پر یہ اعتراض کہ ایلاء کرنا تو حرام ہے، پھر امام بخاری نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایلاء کو اس باب میں کیوں ذکر کیا؟ اس اعتراض کا علامہ عینی حنفی کی طرف سے جواب

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، صحیح البخاری: ۵۲۸۹، کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ایلاء کرنا حرام ہے اور ایلاء کرنے والا گناہ گار ہو گا تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ایلاء کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ ایلا کیا یعنی اپنی ازواج کے ساتھ جماع کو حرام کر دیا، پھر آپ نے اس حرام کو حلال کر دیا، پھر قسم کا کفارہ ادا کیا۔ (سنن ترمذی: ۱۲۱۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۷۲)

علامہ عینی فرماتے ہیں: ہمارے شیخ زین الدین نے شرح ترمذی میں اس اشکال کا یہ جواب لکھا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو حدیث عائشہ میں مذکور ہے کہ آپ نے جماع کو حرام کر دیا، اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے جماع نہ کرنے کی قسم کھائی کیونکہ کسی مباح کام کو حرام کرنا قسم ہے، پھر حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے حرام کو حلال کیا یعنی آپ نے قسم سے رجوع کر کے اس کا کفارہ دیا، اور یہ ایلاء شرعی نہیں ہے جس کا البقرہ: ۲۲۶ میں ذکر ہے، بلکہ یہ ایلاء لغوی ہے اور امام بخاری نے جو اس حدیث کو باب الایلاء میں ذکر کیا ہے تو اس سے مراد بھی ایلاء لغوی ہے کیونکہ لغوی معنی شرعی معنی سے الگ نہیں ہوتا۔ (یعنی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو ایلاء کیا تھا وہ ایلاء لغوی تھا اور وہ گناہ نہیں ہے، گناہ تو ایلاء شرعی ہے)۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۹۳-۳۹۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ سلیم اللہ خان کی شرح پر مصنف کا تعاقب

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی لکھتے ہیں: البتہ سعید بن المسیب کے نزدیک یہ شرعی ایلاء ہے کیونکہ ان کے نزدیک شرعی ایلاء کے لیے چار ماہ کی قید نہیں ہے۔ (کشف الباری، کتاب الطلاق ص ۴۹۹، مکتبہ فاروقیہ کراچی ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے غلط لکھا ہے، دراصل یہ امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا مذہب ہے، انہوں نے کہا اگر کسی مرد نے یہ قسم کھائی کہ وہ ایک دن یا اس سے زیادہ تک جماع نہیں کرے گا حتیٰ کہ چار ماہ گزر گئے تو یہ ایلاء ہے اور بعض فقہاء تابعین نے بھی اس کی مثل کہا ہے اور اکثر فقہاء تابعین نے اس قول کا انکار کیا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ) (فتح الباری ج ۶ ص

۴۹۲، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۵۲۹۰ ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما كَانَ يَقُولُ فِي الْإِيلَاءِ الَّذِي سَمَّى اللهُ لَا يَحِلُّ لِأَحَدٍ بَعْدَ الْأَجَلِ إِلَّا أَنْ يُمْسِكَ بِالْمَعْرُوفِ أَوْ يَعْزِمَ بِالطَّلَاقِ كَمَا أَمَرَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ۔

(الموطا:۱۱۸۵)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از نافع، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس ایلاء کی تفسیر میں فرماتے تھے، جس کا اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمایا ہے کہ اس مدت گزرنے کے بعد کسی مرد کے لئے یہ جائز نہیں ہے، مگر صرف یہ کہ یا تو وہ دستور کے مطابق اپنی بیوی کو رکھ لے یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے، جیسا کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے۔

اس باب کی حدیث کے موافق چار ماہ کے بعد بھی رجوع کی گنجائش اور اس حدیث سے فقہاء احناف کا رد کرنا

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

جمہور کا قول یہ ہے کہ جب چار ماہ کی مدت گزر جائے تو قسم کھانے والے کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ اپنی قسم سے رجوع کرلے اور یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔

فقہاء احناف کا مذہب یہ ہے کہ اگر مرد نے چار ماہ کی مدت گزرنے سے پہلے اپنی بیوی کے ساتھ جماع کر کے اپنی بیوی سے رجوع کرلیا تو اس کی بیوی بہ دستور اس کے نکاح میں رہے گی اور اگر چار ماہ کی مدت گزر گئی تو مدت گزرتے ہی اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ اس مدت کے گزرنے کے بعد عورت کو مزید روکنا مشروع نہیں ہے جیسا کہ عدت میں ہوتا ہے اور اس پر یہ رد کیا گیا ہے کہ ظاہر قرآن میں ایلاء کے بعد چار ماہ تک اپنے آپ کو روکنے کا حکم ہے یا اس ایلاء سے رجوع کرنے کا ذکر ہے اور فقہاء احناف نے جو چار ماہ ٹھہرنے کی مدت کو عدت پر قیاس کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے کیونکہ عدت مطلقہ کے لئے مشروع کی گئی ہے یا بیوہ کے لئے، اور دوسرا یہ کہ عدت اس لئے مقرر کی گئی ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ رحم نطفہ سے بری ہوا ہے یا نہیں۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور دوسری معتبر سند کے ساتھ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ سے روایت کی ہے کہ اگر چار ماہ کی مدت گزر گئی اور مرد نے اپنی قسم سے رجوع نہیں کیا تو اس کی بیوی پر طلاقِ بائنہ واقع ہو جائے گی اور دوسری سندِ حسن کے ساتھ حضرت علی اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما متوفی ۴۵ھ سے اس کی مثل روایت کی ہے اور تابعین مثلاً ابن الحنفیہ اور قبیصہ بن ذویب اور عطاء اور حسن بصری اور ابن سیرین سے بھی اس کی مثل مروی ہے، اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ، ابوبکر بن عبد الرحمٰن، ربیعہ، مکحول اور زہری متوفی ۱۵۲ھ اور الاوزاعی سے روایت ہے کہ اس صورت میں طلاقِ رجعی ہوگی۔

امام سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ نے حضرت جابر بن زید سے روایت کی ہے کہ جب ایک مرد نے ایلاء کیا، پھر چار ماہ گزر گئے تو اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اس کی کوئی عدت نہیں ہے، اور اسماعیل القاضی نے احکام القرآن میں سند صحیح کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے اس کی مثل روایت ہے۔

امام سعید بن منصور خراسانی متوفی ۲۲۷ھ نے مسروق سے روایت کی ہے کہ جب چار ماہ گزر گئے تو عورت پر طلاق بائنہ واقع ہوجائے گی، اور وہ عورت تین حیض عدت گزارے گی، اور اسماعیل نے دوسری سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے اس کی مثل روایت کی ہے۔

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے سند صحیح کے ساتھ ابوقلابہ سے روایت کی ہے کہ حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما متوفی ۶۴ھ نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے فرمایا: جب چار ماہ گزر جائیں گے تو تمہاری بیوی ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہوجائے گی۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۲، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد قسم سے رجوع کرنے کا عدم جواز اور فقہاء احناف کے مذہب کی تائید میں احادیث

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور فقہاء کی ایک جماعت نے یہ استدلال کیا ہے کہ جب چار ماہ کی مدت گزر جائے تو ایلاء کرنے والے کو اختیار دیا جاتا ہے یا تو وہ اپنی قسم سے رجوع کرلے یا اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور ہمارے اصحاب احناف نے یہ کہا ہے کہ اگر ایلاء کرنے والے نے چار ماہ کی مدت گزرنے سے پہلے اپنی قسم سے رجوع کرلیا تو اس کی بیوی بہ دستور اس کے نکاح میں رہے گی اور اگر چار ماہ کی مدت گزر گئی تو اس مدت کے گزرتے ہی اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی، اور ہمارا استدلال درج ذیل حدیث سے ہے:

امام عبدالرزاق الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ از معمر از عطاء الخراسانی از ابوسلمہ بن عبدالرحمن روایت کرتے ہیں کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ دونوں ایلاء کے متعلق کہتے تھے کہ جب چار ماہ کی عدت گزر جائے گی تو اس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہوجائے گی اور اسے اس کے نفس پر اختیار دیا جائے گا اور وہ مطلقہ کی عدت گزارے گی۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۶۸۲، مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۴۵۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام عبدالرزاق نے کہا: ہمیں معمر نے خبر دی از قتادہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ ان سب نے کہا ہے کہ جب چار ماہ کی عدت گزر جائے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی اور وہ اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے اور وہ مطلقہ کی عدت گزارے گی۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۶۸۵، ۱۱۶۸۹، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

پس اگر تم یہ اعتراض کرو کہ اس کے خلاف حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کی یہ روایت ہے:

امام مالک از جعفر بن محمد از والد خود از حضرت مولیٰ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: وہ فرماتے تھے: جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا تو اس کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوگی، پس اگر چار ماہ گزر گئے تو توقف کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے یا اپنی قسم سے رجوع کرلے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۵۵۳، ۱۸۵۵۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ نے بھی اس باب کی حدیث کے خلاف حدیث روایت کی ہے جو کہ درج

ذیل ہے:

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ہمیں ابومعاویہ نے حدیث بیان کی از الاعمش از حبیب از سعید بن جبیر از حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم ان دونوں نے کہا کہ جب کسی مرد نے ایلاء کیا اور اپنی قسم سے رجوع نہیں کیا حتیٰ کہ چار ماہ گزر گئے تو اس کی بیوی پر طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۵۳۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ ھ)، (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۹۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

مصنف کا امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ ھ کے مذہب کو دلائل سے راجح قرار دینا

میں کہتا ہوں: امام بخاری متوفی ۲۵۶ ھ نے اس باب میں جو حدیث روایت کی ہے اس سے یہ ثابت ہے کہ چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد بھی ایلاء کرنے والا اپنی قسم سے رجوع کر سکتا ہے، اور یہی امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ کا مذہب ہے جس کو حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ نے بیان کیا ہے، اور امام عبد الرزاق نے جو متعدد صحابہ کرام سے روایات کی ہیں اور امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت کی ہیں ان سے واضح ہوتا ہے کہ چار ماہ مدت گزرنے کے بعد لامحالہ طلاق واقع ہو جائے گی اور رجوع کرنے کی گنجائش صرف چار ماہ سے پہلے ہے اور یہی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۰ ھ کا مذہب ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ ایک روایت سے کسی کام کی اباحت ثابت ہو اور دوسری روایت سے اس کام کی تحریم ثابت ہو تو تحریم کی روایت کو اباحت کی روایت پر ترجیح دی جاتی ہے، سو امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ نے اباحت کی روایت پر عمل کیا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تحریم کی روایت پر عمل کیا ہے اور اصول اور قاعدہ کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کو ترجیح ہے۔

امام بخاری کی پہلی تعلیق

۵۲۹۱۔ وَقَالَ لِي إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ إِذَا مَضَتْ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ يُوقَفُ حَتَّى يُطَلِّقَ وَلَا يَقَعُ عَلَيْهِ الطَّلَاقُ حَتَّى يُطَلِّقَ۔

اور مجھ سے اسماعیل نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، انہوں نے فرمایا: جب چار ماہ گزر جائیں تو توقف کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ خود طلاق دے دے۔ اور اس پر طلاق واقع نہیں ہوگی یہاں تک کہ وہ طلاق دے۔

امام بخاری کی دوسری تعلیق

وَيُذْكَرُ ذٰلِكَ عَنْ عُثْمَانَ

یہ قول حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

(مسند الشافعی: ۱۲۲۲، مصنف عبد الرزاق: ۱۱۶۶۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۷۷)

امام بخاری کی تیسری تعلیق

وَعَلِيٍّ

یہ قول حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(موطا امام مالک ج ۲ الرقم المسلسل: ۵۵۶، مسند الشافعی: ۱۲۲۰، مصنف عبد الرزاق: ۱۱۶۵۷، سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۳۱، مسند ابن الجعد: ۲۴۶۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۲۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۷۷)

امام بخاری کی چوتھی تعلیق

وَأَبِي الدَّرْدَاءِ — یہ قول حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۶۵۸، سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۳۲، تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۴۴۰، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۷۸)

امام بخاری کی پانچویں تعلیق

وَعَائِشَةَ — یہ قول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۶۵۸، سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۳۲)

امام بخاری کی چھٹی تعلیق

وَاثْنَیْ عَشَرَ رَجُلًا مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم — یہ قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ (۱۲) اصحاب سے مروی ہے۔

(التاریخ الکبیر للبخاری ج ۲ ص ۱۲۶، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۷۶)

مذکور الصدر فقہاء کے قول کی ترجیح

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ پہلی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کی الاسماعیلی نے از معن بن عیسیٰ از امام مالک روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ جس مرد نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا، پس جب چار ماہ گزر جائیں تو توقف کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ طلاق دیں یا اپنی قسم سے رجوع کرلیں اور اس پر طلاق واقع نہیں کی جائے گی، اسی طرح امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ سے روایت کی ہے اور یہ البقرہ: ۲۲۶ کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کی تفسیر ہے اور صحابہ کی تفسیر حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے۔ اسی طرح امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے لکھا ہے کہ امام بخاری اور امام مسلم کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ صحابہ کا قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے، لہٰذا اس تعلیق سے ان فقہاء کے قول کی ترجیح ہوگی جنہوں نے کہا ہے کہ ایلاء میں چار ماہ کے بعد توقف کیا جائے گا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ کی تعلیق پر علامہ عینی حنفی کا تبصرہ

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۲ھ ان تعلیقات کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جب ایلاء کرنے والا چار ماہ کی عدت پوری ہونے کے بعد از خود طلاق نہ دے اور قسم سے رجوع بھی نہ کرے تو اس کو قید کرلیا جائے گا حتیٰ کہ وہ خود طلاق دے۔

امام بخاری نے صیغہ تمریض کے ساتھ لکھا ہے "وَیُذْکَر" یعنی حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابوالدرداء، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اور بارہ (۱۲) اصحاب سے یہ قول نقل کیا جاتا ہے اور یہ صیغہ مجہول ہے اور صیغہ مجہول سے روایت ضعیف ہوتی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف جو روایت منسوب ہے اس کو امام ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ از طاؤس از عثمان روایت کیا ہے، امام ابو حاتم رازی نے کہا کہ طاؤس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا تھا۔

علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ سے اس قول کے خلاف مروی ہے اور ہم نے اس کا

ذکرا بھی امام عبدالرزاق کے حوالہ سے کیا ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ ھ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ ھ دونوں ایلاء کے متعلق کہتے تھے کہ جب چار ماہ کی مدت گزر جائے گی تو اس کی بیوی پر ایک طلاق واقع ہو جائے گی اور اسے اس کے نفس پر اختیار دیا جائے گا اور وہ مطلقہ کی عدت گزارے گی۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۶۸۲، مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۴۵۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

اور امام ابوحاتم رازی نے جو کہا ہے کہ طاؤس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ پایا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اس قول کو سنا بھی ہو۔

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ کی تعلیق پر علامہ عینی حنفی کا تبصرہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ کی اس تعلیق کی بھی امام ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے اور ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام عبدالرزاق نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف روایت کی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ ان سب نے کہا ہے کہ جب چار ماہ کی مدت گزر جائے تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ اپنے نفس کی زیادہ حق دار ہے اور مطلقہ کی عدت گزارے گی۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۶۸۵، ۱۱۶۸۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ ھ کی تعلیق پر علامہ عینی کا تبصرہ

اس تعلیق کی بھی امام ابن ابی شیبہ نے از سعید بن المسیب روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ چار ماہ گزرنے کے بعد ایلاء میں توقف کیا جائے گا حتیٰ کہ وہ طلاق دے یا اپنی قسم سے رجوع کر لے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۵۶۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: سعید بن المسیب متوفی ۹۰ ھ کا حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ ھ سے سماع ثابت نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ ھ کی تعلیق پر علامہ عینی کا تبصرہ

اس روایت کی سعید بن منصور نے سند صحیح کے ساتھ ان الفاظ سے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایلاء کا اعتبار نہیں فرماتی تھیں حتیٰ کہ اس میں توقف کیا جائے۔

بارہ (۱۲) اصحاب کی تعلیق پر علامہ عینی حنفی کا تبصرہ

امام بخاری نے تاریخ کبیر میں اپنی سند کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ صحابہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ ایلاء طلاق نہیں ہے حتیٰ کہ توقف کیا جائے اور امام شافعی نے بھی اپنی مسند میں اس سند کے ساتھ روایت کی ہے اور اس میں کہا کہ دس (۱۰) سے زیادہ اصحاب نے کہا۔

اور اسماعیل قاضی نے اپنی سند کے ساتھ سلیمان بن یسار سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے دس (۱۰) سے زائد مردوں سے سنا وہ کہتے تھے کہ ایلاء طلاق نہیں ہے حتیٰ کہ توقف کیا جائے۔

امام الدارقطنی متوفی ۳۸۵ ھ نے اپنی سند کے ساتھ ابوصالح سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے صحابہ میں سے بارہ

مردوں کو پایا ان سے اس مرد کے متعلق پوچھا گیا جس نے ایلاء کیا تھا تو انہوں نے کہا کہ اس کا ایلاء لغو ہے، حتیٰ کہ چار ماہ گزر جائیں پھر توقف کیا جائے، پس اگر اس نے رجوع کر لیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (سنن الدارقطنی ج ۳ ص ۴۰۲، دارالمعرفہ بیروت)

علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: مُعتین صحابہ کی جماعت سے اس قول کے خلاف ثابت ہے اور یہ ان بارہ (۱۲) صحابہ کے اجمالاً ذکر سے زیادہ قوی ہے اور ان صحابہ میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ، حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ شامل ہیں اور ہم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سوا ان تمام صحابہ کی روایات کا ذکر کیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی روایت، مصنف عبد الرزاق: ۱۱۶۸۲، میں ہے اور حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت بھی مصنف عبد الرزاق: ۱۱۶۸۵، ۱۱۶۸۹، میں ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۵۳۹، میں ہے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت، مصنف عبد الرزاق: ۱۱۶۸۲ میں ہے، اور رہے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ تو ان کے قول کی روایت ہم اب ذکر کر رہے ہیں:

امام دارقطنی متوفی ۲۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ سعید بن المسیب اور ابو بکر بن عبد الرحمٰن سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: جب چار ماہ کی مدت گزر جائے تو عورت پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۹۵-۳۹۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری کی تعلیقات اور حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: علامہ عینی حنفی نے امام بخاری کی ان تمام تعلیقات کو رد کر دیا ہے جن کو انہوں نے اس بات کے ثبوت میں پیش کیا تھا کہ ایلاء میں مدت گزرنے کے بعد عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی، اسی طرح حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی اس شرح کا بھی رد ہو گیا جس میں انہوں نے کہا کہ ان تعلیقات سے ان فقہاء کے قول کی ترجیح ہوتی ہے کہ جنہوں نے کہا کہ ایلاء کی مدت گزرنے کے بعد توقف کیا جائے گا اور عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی۔

دراصل ان سب لوگوں نے تعصب کی بناء پر امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہے اور علامہ عینی نے ان سب کا رد کر دیا ہے۔

۲۲- بَابُ: حُكْمِ الْمَفْقُودِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ جس عورت کا خاوند لا پتا ہو اور اس کی کوئی خبر معلوم نہ ہو تو اس کی بیوی اور اس کے مال کا شرعی حکم کیا ہے؟

علامہ بدرالدین محمد بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں امام بخاری نے اس عورت کا شرعی حکم بیان کیا ہے جس کا شوہر "مفقود الخبر" ہو، یعنی لا پتا ہو اور اس کی کوئی خبر نہ ہو، اس مسئلہ کا "ابواب الطلاق" سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن امام بخاری نے اس کو یہاں پر تبعاً ذکر کیا ہے، پھر امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں "مفقود الخبر" کی بیوی کا شرعی حکم بیان نہیں کیا کیونکہ امام بخاری کی عادت ہے کہ وہ عنوان کے حکم کو مذکور احادیث اور آثار کی طرف مُفوض کر دیتے ہیں، سو یہاں پر بھی امام بخاری نے اسی طرح بیان کیا ہے، امام بخاری نے اس باب میں چار (۴)

تعلیقات کوذکر کیا ہے اور ایک (۱) حدیث کی روایت کی ہے۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق

وَقَالَ ابْنُ الْمُسَيَّبِ إِذَا فُقِدَ فِي الصَّفِّ عِنْدَ الْقِتَالِ تَرَبَّصُ امْرَأَتُهُ سَنَةً۔

اور ابن المسیب متوفی ۹۰ ھ نے کہا: جب کوئی مرد میدانِ جنگ میں لڑتے ہوئے کسی صف میں گم ہو جائے تو اس کی بیوی ایک سال تک اپنے نکاح میں ٹھہری رہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ نے ابن المسیب کا مکمل قول ذکر نہیں کیا، ان کا مکمل قول حسب ذیل ہے:

امام عبد الرزاق از ثوری از داؤد از ابن المسیب روایت کرتے ہیں: انہوں نے کہا کہ جب کوئی مرد قتال کی صف میں گم ہو جائے تو اس کی بیوی ایک سال تک انتظار کرے اور جب اس کا مرد قتال کی صف کے علاوہ مفقود الخبر ہو جائے تو پھر اس کی بیوی چار سال تک اس کے نکاح میں ٹھہری رہے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۲۳۴۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ ھ، مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۸۸، مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۰ ھ)

امام بخاری کی پہلی تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اور مفقود الخبر کے متعلق امام مالک کا مذہب

امام عبد الرزاق متوفی ۲۱۱ ھ نے اس اثر کو امام بخاری متوفی ۲۵۶ ھ کی بہ نسبت زیادہ مکمل بیان کیا ہے، سعید بن المسیب متوفی ۹۰ ھ نے کہا کہ جب کوئی مرد قتال کی صف میں گم ہو جائے تو اس کی بیوی ایک سال تک اس کے نکاح میں ٹھہرے اور جب اس کے علاوہ مفقود الخبر ہو تو وہ چار سال تک اس کے نکاح میں ٹھہرے اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ ھ کے قول کے مطابق امام مالک کا مذہب ہے لیکن انہوں نے تفصیل کی کہ وہ دار الحرب کے قتال میں مفقود الخبر ہو یا دار الاسلام کے قتال میں مفقود الخبر ہو۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

امام بخاری کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی اور مفقود الخبر کے متعلق مذاہب فقہاء

یعنی اس کی بیوی ایک سال کی مدت تک اس کا انتظار کرے اور اشہب نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ اس کی بیوی کے لئے ایک سال کی مدت مقرر کی جائے گی خواہ اس کا خاوند مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہوئے صف میں گم ہوا ہو یا مشرکین کے خلاف صف میں لڑتے ہوئے گم ہوا ہو۔

اور عیسیٰ نے از ابن القاسم از امام مالک روایت کی ہے کہ جب کوئی مرد میدان جنگ میں مفقود الخبر ہو جائے یا مسلمانوں کی آپس کی جنگ میں مفقود الخبر ہو جائے تو اس کا اتنی دیر انتظار کیا جائے جتنی مدت میں ایک لشکر شکست کھا جائے، پھر اس کی بیوی عدت گزارے گی اور اس کا مال تقسیم کر دیا جائے گا۔

اور ابن القاسم نے از امام مالک متوفی ۱۷۹ ھ روایت کی ہے کہ جو مرد مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں میں مفقود الخبر ہو جائے تو اس کی بیوی ایک سال تک انتظار کرے پھر وہ عقد ثانی کر لے۔

اور فقہاء احناف کثر ہم اللہ نے کہا ہے کہ جو مرد قتال کی دو صفوں کے درمیان گم ہو جائے اس کا وہی حکم ہے جو مفقود الخبر کا حکم ہے اور ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور فقہاء احناف یہ کہتے ہیں کہ اس کے مال کو تقسیم نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ اس کے ہم

ہونے کے بعد اتنی مدت گزر جائے جتنی مدت میں اس مرد کی مثل کوئی زندہ نہ رہا ہو اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ اس کے مال کو تقسیم نہیں کیا جائے گا حتیٰ کہ اس مرد کی موت کا یقین ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۹۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور میں امام بخاری کی دوسری تعلیق

وَاشْتَرَى ابْنُ مَسْعُودٍ جَارِيَةً وَالْتَمَسَ صَاحِبَهَا سَنَةً فَلَمْ يَجِدْهُ وَفُقِدَ فَأَخَذَ يُعْطِي الدِّرْهَمَ وَالدِّرْهَمَيْنِ وَقَالَ اللَّهُمَّ عَنْ فُلَانٍ فَإِنْ أَتَى فُلَانٌ فَلِي وَعَلَيَّ وَقَالَ هٰكَذَا فَافْعَلُوا بِاللُّقَطَةِ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَحْوَهُ۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے ایک باندی کو خریدا اور اس کے مالک کو ایک سال تک تلاش کیا، پس اس کے مالک کو نہ پایا اور وہ مفقود الخبر ہو گیا تو وہ اس کے مالک کی طرف سے ایک ایک درہم اور دو دو درہم صدقہ کرتے رہے اور یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! یہ فلاں کی طرف سے قبول فرما ''وعلیّ'' (جو مجھ پر ہے) اور انہوں نے کہا کہ لقطہ کے متعلق بھی اسی طرح کیا کرو۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اسی طرح کہا۔

میں کہتا ہوں کہ لقطہ کے متعلق درج ذیل حدیث ہے:

حضرت زید بن خالد الجہنی المتوفی ۶۸ھ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لقطہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا: ''تم ایک سال تک اس کا اعلان کرو، پھر اس ظرف اور اس کے مادہ کو یاد رکھو، پھر تم اس کو اپنے اوپر خرچ کر لو، پس اگر اس کا مالک آ جائے تو وہ اس کی طرف ادا کر دو''۔

(صحیح البخاری: ۲۴۲۹، صحیح مسلم: ۱۷۲۲، سنن ابوداؤد: ۱۷۰۴، ۱۷۰۵، ۱۷۰۸، سنن ترمذی: ۱۳۷۲، سنن ابن ماجہ: ۲۵۰۴، مسند احمد: ۱۷۰۴۹)

امام بخاری کی دوسری تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی اور ان کا مفقود الخبر کو لقطہ پر قیاس کرنا

اس حدیث کو امام سعید بن منصور الخراسانی المتوفی ۲۲۷ھ نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے ایک باندی سات سو (۷۰۰) درہم میں خریدی، پھر اس کا مالک غائب ہو گیا یا اس نے اس باندی کو چھوڑ دیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک سال تک یہ اعلان کیا کہ اس کا مالک آ کر اپنے سات سو (۷۰۰) درہم لے لے مگر وہ نہیں آیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے دروازے پر مسکینوں کو وہ درہم دیتے رہے اور یہ کہتے تھے کہ اے اللہ! یہ درہم اس باندی کے مالک کی طرف سے ہیں، پھر اگر وہ آ گیا تو مجھ پر لازم ہے کہ میں اس کو اس باندی کی قیمت ادا کروں گا، اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لقطہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جائے گا، امام طبرانی نے بھی اس قصہ کو اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے حضرت ابن مسعود کے اس قصہ کی پوری سند بیان کی ہے۔

(تغلیق التعلیق ج ۴ ص ۴۶۹، مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر کی تحقیق از مصنف

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ اس طرح روایت کی ہے:

ابووائل شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے ایک باندی چھ سو (۶۰۰) یا نو سو (۹۰۰) درہم میں خریدی، پھر ایک سال تک اس کے مالک کا انتظار کرتے رہے، سو اس کو نہ پایا پھر وہ اس کی قیمت کو لے کر اپنے دروازے پر آئے اور اس کے مالک کی طرف سے ایک ایک درہم اور دو دو درہم صدقہ کرتے رہے، پھر اگر اس کا مالک آ گیا تو وہ اس کو اختیار دیتے، اگر وہ چاہتا تو اس کو اس کی قیمت دے دیتے ورنہ اس صدقہ کے اجر کو اختیار کرتے تھے، ابن مسعود نے فرمایا: لُقطہ کے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ کیا کرو۔ (المعجم الکبیر للطبرانی رقم المسلسل: ۹۷۲۱، دار احیاء التراث العربی بیروت)

حافظ نورالدین علی بن بکر الہیثمی متوفی ۸۰۷ھ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث کی امام طبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے المعجم الکبیر میں روایت کی ہے، اور اس حدیث کی سند کے ایک راوی عامر بن شقیق ہیں، امام ابن حبان اور امام نسائی نے اس کی توثیق کی ہے اور ابن معین وغیرہ نے ان کو ضعیف کہا ہے۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۴ ص ۱۶۸، دار الکتاب العربی بیروت، ۱۴۰۲ھ، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

نیز اس حدیث کی امام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ نے بھی اپنی سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۱۹۳۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبد الرزاق ج ۱۰ ص ۱۳۸-۱۳۹، مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ) نیز یہ حدیث مسند احمد ج ۲ ص ۲۰۳-۱۸۰ میں بھی مذکور ہے، اور سنن ابوداؤد: ۱۷۰۷، سنن نسائی: ۵۲۲۶، المستدرک ج ۴ ص ۳۸۱، سنن بیہقی ج ۴ ص ۱۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس روایت کو سنن سعید بن منصور کے حوالہ سے لکھا ہے لیکن سنن سعید بن منصور میں ہمیں یہ روایت نہیں ملی۔

امام بخاری کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی حنفی

اس تعلیق کی سفیان بن عیینہ نے اپنی جامع میں سند موصول سے روایت کی ہے، نیز امام سعید بن منصور خراسانی متوفی ۲۲۷ھ نے بھی سند جید کے ساتھ اس کی روایت کی ہے اور امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے بھی سند صحیح کے ساتھ شقیق بن ابی وائل سے روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اس باندی کے مالک کو تلاش کرتے رہے تاکہ اس باندی کی قیمت اسے ادا کریں تو وہ مالک نہیں ملا، پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود اس باندی کی قیمت میں سے ایک ایک درہم اور دو دو درہم صدقہ کرتے رہے اور وہ کہتے تھے کہ اگر اس کا مالک صدقہ کرنے کے بعد آ گیا اور اس نے اس باندی کی قیمت کو طلب کیا تو وہ اس کو ادا کر دیں گے اور حضرت عبد اللہ بن مسعود یہ دعا کرتے تھے: اے اللہ! فلاں کی طرف سے یعنی اس باندی کے مالک کی طرف سے اس کو قبول فرما، پس اگر وہ آ گیا تو انہوں نے کہا ”فلی وعلی“ یعنی اس صدقہ کا ثواب میرے لئے ہوگا اور اس کی قیمت کا تاوان میں اس کے مالک کو ادا کر دوں گا، یعنی جب وہ میرے صدقہ کرنے کے بعد آ گیا اور اس نے اپنی باندی کی قیمت کو طلب کیا تو میں اس کی قیمت کو ادا کر دوں گا۔

علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: اس جملہ کا معنی یہ ہے کہ اگر اس باندی کا مالک انکار کرے تو ثواب اور عذاب دونوں میرے ساتھ متلبس ہوں گے یا ثواب میرے لئے ہوگا یا مجھ پر اس کی قیمت کا قرض ہوگا۔

(الکواکب الدراری، ج ۱۸ ص ۲۰۸، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۱ھ)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لقطہ کے ساتھ بھی اسی طرح معاملہ کرو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۹۶-۳۹۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی سے حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا مناقشہ

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو فرمایا ہے کہ ''لقطہ میں بھی اسی طرح کا معاملہ کرو'' اس قول سے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ اشارہ کیا کہ ان کے اس فعل سے لُقطہ کا حکم معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو جو کوئی گری پڑی چیز مل جائے وہ اس کا ایک سال تک اعلان کرے اور وہ ایک سال کے بعد اس چیز میں تصرف کرے، پھر اگر اس کا مالک آ جائے تو وہ اس تاوان میں اس جیسی چیز کو یا اس کی قیمت کو دے دے تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اس نے اس چیز میں جو تصرف کیا ہے اس کو صدقہ کر دے، پھر اگر اس کا مالک آ کر اس صدقہ کو جائز قرار دے دے تو اس کے مالک کو اس کا اجر ملے گا اور اگر وہ اس کو جائز قرار نہ دے تو صدقہ کرنے والے کو اس کا اجر ملے گا اور وہ مالک کو اس چیز کا تاوان ادا کرے گا۔ اور اسی کی طرف حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے: فلی وعلی، یعنی وہ چیز میرے لئے ہوگی یا اس کا تاوان مجھ پر ہوگا یعنی اس چیز کا ثواب میرے لئے ہوگا یا اس کی قیمت کا تاوان مجھ پر ہوگا اور بعض شارحین اس نکتہ سے غافل رہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول فلی وعلی، کا یہ معنی ہے پس انہوں نے کہا: میرے لئے اس کا ثواب ہے یا مجھ پر اس کا عذاب ہے، یعنی اس کا ثواب اور عذاب ان کے اپنے کسب سے ہے اور جو میں نے بیان کیا ہے وہ اولیٰ ہے کیونکہ ابن عُیینہ نے اس حدیث کی تفسیر میں اسی طرح کہا ہے اور باب کی روایت میں انہوں نے کہا ہے کہ ''فَلِی'' کا معنی ہے کہ اس صدقہ کا ثواب میرے لئے ہے اور انہوں نے اس کو حذف کر دیا کیونکہ یہ سب کو معلوم ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۴، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی کا اعتراض

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں: غافل ابن حجر ہیں نہ کہ علامہ کرمانی، کیونکہ علامہ کرمانی نے جو تفسیر کی ہے وہ ابن عیینہ کی تفسیر کے مخالف نہیں ہے بلکہ ابن حجر کی تفسیر سے زیادہ دقیق ہے جو غور وفکر اور تامل سے معلوم ہوتی ہے۔

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت ابن مسعود نے کہا: اس طرح ''لقطہ کے ساتھ معاملہ کرو'' اور لُقطہ کا حکم اپنے مقام پر فروع میں مذکور ہے۔

اور حافظ ابن حجر نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے فعل سے لُقطہ کا حکم معلوم ہو گیا کہ کسی کو جب کوئی گری پڑی چیز مل جائے تو وہ ایک سال تک اس کا اعلان کرے اور اس میں تصرف کرے پھر اگر اس کا مالک آ جائے تو وہ اس چیز کا تاوان ادا کرے، پس

حضرت ابن مسعود نے اس سے یہ مستنبط کیا کہ اس کا یہ تصرف کرنا صدقہ ہے، اگر بعد میں اس کے مالک نے اس تصرف کو جائز قرار دیا تو اس کو اس کا اجر ملے گا اور اگر اس کے مالک نے جائز قرار نہ دیا تو اس کا اجر صدقہ کرنے والے کے لیے ہوگا اور اس پر لازم ہوگا کہ اس کی قیمت بہ طور تاوان اس کے مالک کو ادا کرے اور اسی کی طرف حضرت ابن مسعود نے اپنے قول "فلی وعلی" سے اشارہ کیا ہے۔(فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۴، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: کیونکہ لقطہ کا حکم ان کو معلوم تھا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قصہ ان کو معلوم نہیں تھا اس لئے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لقطہ کے ساتھ بھی اسی کی مثل کرو، یعنی میرے اس معاملہ کی مثل جب تمہارے ساتھ پیش آئے تو تم اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرو جو تم لقطہ میں کرتے ہو، یعنی ایک سال تک اس چیز کا اعلان کرو اور پھر اس میں تصرف کرو جس طرح لقطہ کے باب میں کتب فقہ میں لکھا ہوا ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۹۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا جواب اور مصنف کا محاکمہ

حافظ ابن حجر نے اس بحث میں اپنی اور علامہ عینی کی عبارت نقل کی ہے اور علامہ عینی کے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں لکھا کہ غفلت علامہ کرمانی سے نہیں ہوئی بلکہ حافظ ابن حجر سے ہوئی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ حافظ ابن حجر اس بحث میں لاجواب ہو گئے ہیں۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۴۰۸، مکتبۃ الرشد ریاض ۱۴۱۸ھ)

باب مذکور میں امام بخاری کی تیسری تعلیق

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ فِي الْأَسِيرِ يُعْلَمُ مَكَانُهُ لَا تَتَزَوَّجُ امْرَأَتُهُ وَلَا يُقْسَمُ مَالُهُ فَإِذَا انْقَطَعَ خَبَرُهُ فَسُنَّتُهُ سُنَّةُ الْمَفْقُودِ۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۴۴۸)

اور الزہری (المتوفی ۱۵۲ھ) نے اس قیدی کے متعلق کہا جس کی (قید کی) جگہ معلوم ہو: اس کی بیوی نکاح نہ کرے، نہ اس کا مال تقسیم کیا جائے، پس جب اس کی خبر منقطع ہو جائے تو اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو مفقود الخبر کے معاملہ میں کیا جاتا ہے۔

امام بخاری کی تیسری تعلیق کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی اور مفقود الخبر کی بیوی کے انتظار کی مدت میں صحابہ اور فقہاء کے متعدد اقوال اور اس کے متعلق احادیث

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ نے اس اثر کو سند موصول کے ساتھ اوزاعی سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا: میں نے ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ سے اس قیدی کے متعلق سوال کیا جو دشمن کی زمین میں ہو کہ اس کی بیوی کب نکاح کرے گی؟ تو انہوں نے جواب دیا: جب تک یہ معلوم ہو کہ وہ قیدی زندہ ہے تو اس کی بیوی نکاح نہیں کرے گی۔

پھر ابن شہاب زہری نے دوسری سند کے ساتھ یہ روایت کی ہے کہ قیدی کے مال اور اس کی بیوی کے متعلق توقف کیا جائے گا حتی کہ وہ دار الاسلام میں واپس آ جائیں یا مر جائیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۸ ۳۲۸، ۱۷ ۳۲۸، ج ۶ ص ۴۵۱-۴۵۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۳۴۹۹، ۳۳۴۹۸، ج ۱۷ ص ۴۶۱، المجلس العلمی بیروت، ۱۴۲۷ھ)

رہا الزہری کا یہ قول کہ اس قیدی کے ساتھ مفقود الخبر کا معاملہ کیا جائے گا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق الزہری کا یہ مذہب ہے کہ وہ چار سال تک انتظار کرے گی اور امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ اور امام سعید بن منصور خراسانی متوفی ۲۲۷ھ اور امام ابوبکر ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے اپنی اپنی اسانید صحیحہ کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، ان روایات میں سے امام عبد الرزاق نے الزہری از سعید بن المسیب روایت کی ہے کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے اسی طرح فیصلہ کیا۔

اور امام سعید بن منصور نے سند صحیح کے ساتھ از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ ان دونوں نے کہا کہ مفقود الخبر کی بیوی چار سال تک انتظار کرے۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے بھی اسی طرح ثابت ہے اور ایک روایت میں ہے کہ فقہاء تابعین کی ایک جماعت مثلاً ابراہیم نخعی، عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، الزہری متوفی ۱۵۲ھ، مکحول اور الشعبی اور ان میں سے اکثر اس پر متفق ہیں کہ انتظار کرنے کی مدت اس وقت شروع ہوگی جب وہ عورت اپنا مقدمہ حاکم کے پاس پیش کرے گی اور اس پر متفق ہیں کہ وہ عورت چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد عدت وفات گزارے گی، نیز ان کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ اگر اس نے چار ماہ کے گزرنے اور عدت وفات گزرنے کے بعد نکاح کر لیا پھر اس کا پہلا خاوند واپس آ گیا تو پھر اس کو اختیار دیا جائے گا کہ یا تو اپنی بیوی کو واپس لے لے یا اس کو دیا ہوا مہر واپس لے لے اور ان میں سے اکثر نے یہ کہا ہے کہ جب پہلا خاوند مہر کو اختیار کرے تو اس کا دوسرا خاوند اس مہر کا تاوان ادا کرے۔

اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے یہ فرق کیا ہے کہ جو مسلمان دار الحرب میں مفقود ہو جائے تو اس کی بیوی چار سال کی عدت گزارے گی اور جو شخص دار الحرب کے علاوہ کسی اور جگہ مفقود ہو جائے تو اس کی بیوی چار سال (۴) تک انتظار کی مدت نہیں گزارے گی بلکہ وہ اپنے شوہر کی عمر کا انتظار کرے گی حتیٰ کہ اس کو ظن غالب ہو جائے کہ اتنی مدت سے زیادہ وہ زندہ نہیں رہے گا۔

اور امام احمد متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے کہ جو مرد اپنی بیوی سے غائب ہو اور اس کی خبر معلوم نہ ہو تو اس کی بیوی کے انتظار کی کوئی مدت نہیں ہے، مدت صرف اس کیلئے مقرر کی جاتی ہے جو دار الحرب میں مفقود الخبر ہو یا سمندری سفر میں مفقود الخبر ہو یا اس کی مثل میں مفقود الخبر ہو۔

اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ نے کہا ہے: جب کسی عورت کا خاوند مفقود الخبر ہو جائے تو وہ نکاح نہ کرے حتیٰ کہ اس کا خاوند آ جائے یا مر جائے، اس حدیث کی امام ابوعبید ہروی متوفی ۲۲۴ھ نے کتاب النکاح میں روایت کی ہے۔

امام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی متوفی ۲۱۱ھ نے کہا: مجھے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے یہ خبر پہنچی ہے کہ انہوں نے مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی موافقت کی ہے کہ اس کی بیوی ہمیشہ انتظار کرے گی اور امام ابوعبید الہروی المتوفی ۲۲۴ھ نے بھی سند حسن کے ساتھ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اگر اس کی بیوی نے نکاح کر لیا تو وہ پہلے خاوند کی بیوی قرار پائے گی خواہ دوسرے خاوند نے اس کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو، اور امام سعید بن منصور الخراسانی المتوفی ۲۲۷ھ نے روایت کی ہے کہ جب مفقود الخبر کی بیوی نے نکاح کر لیا اور اس کا پہلا خاوند آ گیا تو اس عورت اور اس کے دوسرے خاوند کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور وہ اس کی عدت گزارے گی، پس اگر پہلا خاوند مر گیا تو اس کی عدت بھی گزارے گی اور اس کی وارثہ ہوگی۔

اور ابراہیم النخعی کی سند سے روایت کی ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی نکاح نہ کرے حتیٰ کہ اس کے خاوند کا معاملہ منکشف ہو جائے اور فقہاء احناف اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا اور بعض محدثین کا یہی قول ہے۔ اور علامہ ابراہیم بن المنذر متوفی ۳۱۸ھ کا بھی یہی مختار ہے، کیونکہ پانچ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ واللہ اعلم (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۴-۴۹۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی حنفی

امام مالک کے نزدیک مفقود الخبر کی بیوی دوسرے نکاح کیلئے چار سال تک انتظار کرے گی اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک مفقود الخبر کی بیوی اس وقت تک انتظار کرے گی جب تک اس کے خاوند کی موت کا یقین نہ ہو جائے۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق امام زہری متوفی ۱۵۲ھ کا قول یہ ہے کہ وہ چار سال تک انتظار کرے گی اور علامہ ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ قیدی کی بیوی نکاح نہیں کرے گی حتیٰ کہ اس کے خاوند کی موت کا یقین ہو جائے جب تک کہ وہ اسلام پر قائم ہو، اور یہی ابراہیم النخعی، الزہری، مکحول اور یحییٰ الانصاری کا قول ہے اور یہی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اور ابوثور اور امام ابوعبید الہروی المتوفی ۲۲۴ھ کا قول ہے اور یہی ہمارا قول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۹۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے انتظار کی مدت میں فقہاء کا اختلاف اور ان کے دلائل

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ ان تعلیقات کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء کا مفقود الخبر کے متعلق اختلاف ہے، جب اس کی جگہ معلوم نہ ہو اور اس کی خبر معلوم نہ ہو تو فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ جب کوئی اپنے گھر سے نکل جائے اور اس کی خبر معلوم نہ ہو تو اس کی بیوی کبھی بھی نکاح نہیں کرے گی اور مفقود الخبر اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی حتیٰ کہ اس کی موت کا یقین ہو جائے اور اس کی عمر کے تمام لوگ مر جائیں اور جو اس کی بیوی کا حکم ہے وہی اس کے مال کا حکم ہے، حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا یہی مذہب ہے اور امام بخاری کا بھی یہی مذہب ہے کیونکہ امام بخاری نے باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے کہ جو اپنے اہل اور مال میں مفقود ہو اور اس باب میں اللقطہ اور گمشدہ کی حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس سے وجہ استدلال یہ ہے کہ جب کوئی گم شدہ چیز پائی جائے اور اس کے مالک کا علم نہ ہو تو وہ گم شدہ چیز مفقود الخبر کے حکم میں ہے، کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ وہ کون ہے، وہ کہاں ہے، اور اس کی جگہ اور ملکیت سے ناواقفیت اور جہالت قائم رہتی ہے اور وہ چیز اس کے حق میں محبوس رہتی ہے، پس اسی طرح واجب ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق اس کے خاوند کی ملکیت قائم رہے اور اس کی بیوی کے لئے کسی دوسرے سے نکاح کرنا حلال نہ ہو حتیٰ کہ اس کی موت کا یقین ہو جائے یا اس کی عمر کے سب لوگ مر جائیں اور اس کی بیوی کا اپنے شوہر سے نکاح کتاب، سنت اور اجماع سے ثابت ہے اور اس کا کسی اور سے نکاح کرنا اس وقت تک جائز نہ ہوگا جب تک کہ ایسے ہی دلائل سے اس کا جواز ثابت نہ ہو جائے۔

ان فقہاء کے دلائل جو کہتے ہیں کہ مفقود الخبر کی بیوی چار سال تک انتظار کرے، پھر دوسرا نکاح کر سکتی ہے

فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی چار سال انتظار کرے، پھر وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے، پھر اس کا نکاح کرنا جائز ہوگا، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ، حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ متوفی ۶۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور فقہاء تابعین میں سے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ کا یہی موقف ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور اہل مدینہ کا یہی مذہب ہے، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا بھی یہی مذہب ہے۔

علامہ ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ نے ان صحابہ اور فقہاء تابعین کے موقف پر یہ استدلال کیا ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ اصحاب ہیں اور ان کی اتباع اولیٰ ہے اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے ان کے قول کے خلاف جو روایات حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہیں ان کو رد کر دیا ہے اور کہا ہے کہ ان روایات کے راوی امام ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی متوفی ۳۱۶ھ ہیں اور ان کا کوئی متابع نہیں ہے، پس جس طرح عنین (نامرد) کی مدت کی تعیین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ کی تقلید واجب ہے، پس اسی طرح مفقود الخبر کی بیوی کی مدت میں ان صحابہ کی تقلید کرنا واجب ہے، کیونکہ ان میں سے چار خلفاء راشدین ہیں اور حدیث میں ہے:

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما ہوئے اور ہم کو بہت بلیغ نصیحت فرمائی جس سے ہمارے دل خوف زدہ ہو گئے اور ہماری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، پس عرض کیا گیا: آپ نے ہم کو ایسی نصیحت کی ہے جیسے آپ ہم سے الوداع ہو رہے ہوں، تو آپ ہم سے عہد لیجئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اللہ کے ڈر کو لازم کرلو اور حاکم کے حکم کو سننے اور اس کی اطاعت کو لازم کرلو، خواہ تمہارا حاکم حبشی غلام ہو اور تم عنقریب میرے بعد شدید اختلاف دیکھو گے، سو تم پر میری سنت پر عمل کرنا لازم ہے اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت پر عمل کرنا لازم ہے تم اس سنت کو داڑھوں کے ساتھ پکڑلو اور تم اپنے آپ کو نئی نئی بدعات (سیئہ) سے بچاؤ کیونکہ ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ۴۲، دارالفکر بیروت ۱۴۲۱ھ، مسند احمد: ۱۷۱۴۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۹ھ)

نیز امام ابن ماجہ کی دوسری روایت ہے:

پس تم پر لازم ہے کہ تم اس پر عمل کرو جس کو تم میری سنت سے جانتے ہو اور خلفاء راشدین مہدیین کی سنت سے جانتے ہو، (الحدیث) (سنن ابوداؤد: ۴۶۰۷، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ، سنن ترمذی: ۲۶۸۵، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۲ھ، سنن ابن ماجہ: ۴۳، دارالفکر بیروت ۱۴۲۱ھ، مسند احمد: ۱۷۱۴۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۹ھ)

جب کوئی مرد میدان جنگ میں مفقود الخبر ہو جائے تو اس کی بیوی کے انتظار کی مدت میں اقوال فقہاء

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کوئی مرد قتال کی صف میں مفقود الخبر ہو جائے تو اس کے متعلق ابن المسیب متوفی ۹۰ھ نے کہا ہے کہ اس کی بیوی ایک سال تک انتظار کرے گی، اشہب مالکی نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ اس کی بیوی کے لئے اس کے مقدمہ کو پیش کرنے کے بعد ایک سال کی مدت مقرر کی جائے گی اور یہ مدت اس دن سے شمار نہیں ہوگی جس دن سے اس کا خاوند

مفقود الخبر ہوا تھا، خواہ وہ مسلمانوں کی صف میں لڑتے ہوئے ہوا ہو یا مشرکین سے قتال کرتے ہوئے مفقود الخبر ہوا ہو اور ابن القاسم نے امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ سے روایت کی ہے کہ جب وہ میدان جنگ میں مفقود الخبر ہوا ہو یا مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں میں مفقود الخبر ہوا ہو تو وہ اتنی مدت انتظار کرے گی جتنی مدت میں ایک فریق کو شکست ہوئی ہو، پھر اس کے بعد اس کی عدت گزارے گی اور اس کا ترکہ تقسیم کیا جائے گا۔

اور ابن القاسم مالکی نے امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ سے روایت کی ہے کہ جو مرد مسلمانوں کی باہمی لڑائیوں میں مفقود الخبر ہوا ہو تو اس کی بیوی ایک سال تک اس کا انتظار کرے گی، پھر وہ نکاح کر سکتی ہے اور المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے اس قول پر لقطہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں گم شدہ چیز کے لئے ایک سال تک انتظار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

اور فقہاء احناف، الثوری اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے لکھا ہے کہ جو دو صفوں کے درمیان مفقود ہو جائے تو اس کا وہی حکم ہے جو مفقود الخبر کا حکم ہے، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور امام مالک بن انس، فقہاء احناف اور امام شافعی نے اس قیدی کے متعلق لکھا ہے کہ جس کی موت معلوم نہ ہو کہ اس کے درمیان اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی، اور اس کے مال کی تقسیم میں توقف کیا جائے گا اور اس کے مال سے اس کی بیوی پر خرچ کیا جائے گا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۶۴-۳۶۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری، الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ نے اس بحث میں علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۳۸۷-۳۸۶، وزارۃ الاوقاف، قطر ۱۴۲۹ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے تاحیات انتظار کرنے کے متعلق احادیث اور آثار

امام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

از محمد بن عبد اللہ العرزمی از الحکم بن عتیبہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ نے مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق فرمایا کہ وہ اپنے شوہر کی بیوی ہی رہے گی، اس کو چاہیے کہ وہ انتظار کرے حتیٰ کہ اس کے پاس اس کے شوہر کی موت کی خبر آ جائے یا اس کے طلاق دینے کی خبر آ جائے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۲۳۳۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۸۹، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از الثوری از منصور بن الحکم از حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ، انہوں نے فرمایا: مفقود الخبر کی بیوی انتظار کرے حتیٰ کہ اسے معلوم ہو جائے کہ آیا اس کا خاوند زندہ ہے یا مر گیا۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۲۳۳۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۸۹، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از معمر از ابن ابی لیلیٰ از الحکم، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ نے فرمایا کہ مفقود الخبر کی بیوی کو صبر کرنا چاہیے حتیٰ کہ اس کے پاس اس کے خاوند کی موت کی خبر آ جائے یا اس کو طلاق دینے کی خبر آ جائے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۲۳۸۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۸۹، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از ابن جریج، انہوں نے بیان کیا کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی

۴۰ھ کی اس فیصلہ میں موافقت کی ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی دائماً انتظار کرے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۸۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۹۰، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ از حماد از ابراہیم نخعی، انہوں نے کہا کہ مفقود الخبر کی بیوی کو چاہیے کہ صبر کرے حتیٰ کہ اس کے پاس اس کے خاوند کی موت کی خبر آ جائے یا اس کے طلاق دینے کی خبر آ جائے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۸۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۹۰، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از الثوری از مغیرہ از ابراہیم نخعی، انہوں نے کہا کہ مفقود الخبر کی بیوی انتظار کرے حتیٰ کہ اس کو یقین ہو جائے کہ آیا اس کا خاوند زندہ ہے یا مر چکا ہے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۸۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۹۰، مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

امام سعید بن منصور بن شعبہ الخراسانی المکی المتوفی ۲۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

از سعید از ابوعوانہ از منصور از المنہال بن عمرو، از عباد از حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ، آپ نے مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق فرمایا کہ وہ اسی کی بیوی قرار پائے گی۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۷۵۷، ج ۱ ص ۴۰۲، دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان)

از سعید بن جریر از عبد الحمید از منصور الحکم، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مفقود الخبر کی بیوی انتظار کرے حتیٰ کہ اس کے خاوند کا معاملہ منکشف ہو جائے کہ آیا وہ زندہ ہے یا مر گیا۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۷۵۸، ج ۱ ص ۴۰۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

از سعید از ہشیم از مغیرہ از ابراہیم، انہوں نے کہا کہ مفقود الخبر کی بیوی صبر کرے حتیٰ کہ اس کو کسی یقینی بات کا علم ہو جائے۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۷۶۰، ج ۱ ص ۴۰۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، لبنان)

مفقود الخبر کی بیوی کے چار سال تک انتظار کرنے کے متعلق احادیث اور آثار

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجھے یحییٰ نے حدیث بیان کی از مالک از یحییٰ بن سعید از سعید بن المسیب کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس عورت کا خاوند مفقود الخبر ہو گیا، پس اس عورت کو پتا نہیں چلا کہ اس کا خاوند کہاں ہے؟ پھر وہ چار سال انتظار کرے گی، پھر وہ چار ماہ دس دن تک عدت گزارے گی، پھر اس کے لئے دوسرا نکاح حلال ہوگا۔

(موطا امام مالک: ۱۲۴۹، ج ۲ ص ۱۱۹-۱۲۰، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(امام مالک اس روایت کے ساتھ منفرد ہیں)۔

امام ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

از معمر از الزہری از ابن المسیب وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ دونوں نے مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ اس کی بیوی چار سال انتظار کرے پھر چار ماہ دس دن انتظار کرے پھر اگر اس کا پہلا خاوند واپس آ جائے تو اسے اختیار دیا جائے گا خواہ وہ اپنی بیوی کو دیا ہوا مہر وصول کر لے یا اپنی بیوی کو واپس لے لے۔

(مصنف عبدالرزاق:۱۲۳۶۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۸۴، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از ابن جریج، انہوں نے کہا: مجھے عطاء خراسانی متوفی ۱۵۳ھ نے خبر دی کہ ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے خبر دی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ، ان دونوں نے مفقود الخبر کی میراث اور اس کی بیوی کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ وہ چار سال انتظار کرے گی، پھر دوبارہ چار ماہ دس دن عدت گزارے گی۔

(مصنف عبدالرزاق:۱۲۳۶۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۸۵، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از الثوری از یونس بن خباب از مجاہد از الفقید، انہوں نے بیان کیا کہ میں کسی گھاٹی میں داخل ہوا، پس جنات مجھے بھگا کر لے گئے تو میری بیوی نے چار سال انتظار کیا، پھر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ چار سال اس وقت سے انتظار کرے جب اس نے اپنا مقدمہ حضرت عمر کو پیش کیا تھا، پھر آپ نے اس کے ولی کو بلایا، سو آپ نے اس کو چھوڑ دیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے، الفقید نے کہا: پھر اس کے بعد میں اس وقت آیا جب میری بیوی دوسری جگہ نکاح کر چکی تھی، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے اختیار دیا، خواہ میں اپنی بیوی واپس لے لوں یا اپنا دیا ہوا مال اس سے وصول کرلوں۔

(مصنف عبدالرزاق:۱۲۳۶۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۷ ص ۸۵، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از معمر از ثابت البنانی از عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت کا خاوند مفقود الخبر ہو گیا، سو وہ چار سال تک ٹھہری رہیں، پھر اس نے اپنا مقدمہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا، تو حضرت عمر بن الخطاب نے اس کو حکم دیا کہ جب اس نے ان کے پاس مقدمہ پیش کیا تھا اس کے بعد مزید چار سال انتظار کرے، پھر اگر اس کا خاوند آ گیا تو فبہا ورنہ وہ نکاح کر لے، پھر اس نے چار سال کے بعد نکاح کر لیا اور اس نے اپنے خاوند کی کوئی خبر نہیں سنی، پھر اس کے بعد اچانک اس کا خاوند آ گیا اور اس نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کو کسی نے بتایا کہ تمہاری بیوی نے تمہارے بعد دوسرا نکاح کر لیا ہے تو وہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، پس اس نے بتایا کہ جس نے میری بیوی کو چھین لیا ہے، اس سے میری بیوی کو واپس دلائیے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر گھبرا گئے اور پوچھا: یہ کون ہے؟ اس نے پوچھا: آپ امیر المومنین ہیں؟ حضرت عمر نے پوچھا: کیا ہوا؟ اس نے کہا: مجھے جنات اٹھا کر لے گئے، اس کے بعد جب میں وطن پہنچا تو میری بیوی نکاح کر کے جا چکی تھی اور مجھے لوگوں نے بتایا کہ آپ نے اسے نکاح کرنے کا حکم دیا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا: اگر تم چاہو تو ہم تمہاری بیوی تمہاری طرف واپس لوٹا دیں اور اگر تم چاہو تو ہم تمہارا کسی اور عورت سے نکاح کر دیں، اس نے کہا: بلکہ آپ میرا کسی اور عورت سے نکاح کر دیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس سے جنات کے متعلق سوال کرتے رہے اور وہ ان کو جواب دیتا رہا۔

(مصنف عبدالرزاق:۱۲۳۶۹، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۸۶، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از ابن جریج، انہوں نے کہا: مجھے داؤد بن ابی ہند نے خبر دی از ایک مرد از عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ، از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک مرد اپنی قوم کی مسجد کی طرف عشاء کی نماز پڑھنے گیا تو اس کو جنات اٹھا کر لے گئے، تب اس کی بیوی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی قوم کو بلایا اور اس سے اس واقعہ کے متعلق سوال کیا اور انہوں نے اس عورت کی تصدیق کی تو آپ نے اس عورت کو یہ حکم دیا کہ وہ چار سال تک انتظار کرے

، پھر وہ چار سال پورے ہونے کے بعد آئی تو آپ نے اس کو نکاح کرنے کا حکم دیا، سو اس نے نکاح کر لیا، پھر اس کا خاوند واپس آ گیا اور اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کیا، میری بیوی! نہ میں مرا ہوں اور نہ ہی میں نے اسے طلاق دی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یہ کون ہے؟ تو لوگوں نے بتایا کہ یہ وہ مرد ہیں جن کے ساتھ ایسا ایسا ہوا تھا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مرد کو یہ اختیار دیا کہ خواہ وہ اپنی بیوی کو واپس لے لے یا اس سے اپنا مہر وصول کر لے، پھر اس مرد سے سوال کیا: تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا تھا، تو اس نے بتایا کہ مجھے کفار جن اٹھا کر لے گئے تھے اور میں ان کے درمیان میں رہا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: تمہارا ان کے ہاں کھانا کیسا ہوتا تھا؟ اس نے کہا: جس ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا جاتا، اس کو وہ کھاتے تھے حتیٰ کہ مسلمان جنات نے ان کے خلاف جہاد کیا، پس ان کو شکست دے دی اور انہوں نے کہا: اگر آپ چاہیں تو ہمارے پاس رہیں اور اگر آپ چاہیں تو ہم آپ کو آپ کی قوم کی طرف لوٹا دیں، تو میں نے کہا کہ مجھے میری قوم کی طرف لوٹا دیں تو انہوں نے میرے ساتھ اپنی ایک جماعت کو بھیجا، اور رات کو وہ مجھ سے باتیں کرتے اور میں ان سے باتیں کرتا اور ان کے اندر آندھیاں چلتیں حتیٰ کہ میں آپ کے پاس پہنچ گیا۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۰۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۸۷، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از معمر از ایوب، وہ بیان کرتے ہیں کہ ولید نے حجاج کی طرف مکتوب لکھا کہ آپ اپنے سے پہلے لوگوں سے مفقود الخبر کے متعلق سوال کریں جب وہ آ جائے اور اس کی بیوی نکاح کر چکی ہو تو حجاج نے ابوملیح بن اسامہ سے سوال کیا تو ابوملیح نے کہا: مجھے حضرت سُہیمہ بنت عمیر شیبانیہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی ہے کہ انہوں نے کسی غزوہ میں جہاد کیا تھا، جس میں ان کے خاوند مفقود الخبر ہو گئے اور یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ شہید ہو گئے یا نہیں، پس میں نے چار سال تک انتظار کیا، پھر میں نے نکاح کر لیا، پھر میرا پہلا خاوند آ گیا، حالانکہ میں نکاح کر چکی تھی، ابوملیح نے بیان کیا کہ حضرت سُہیمہ کا پہلا خاوند اور دوسرا خاوند دونوں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ کے پاس سوار ہو کر گئے، اس وقت باغیوں نے ان کو محصور کیا ہوا تھا، اور دونوں نے سوال کئے اور دونوں نے اپنا اپنا واقعہ ذکر کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ پہلے خاوند کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ چاہے تو اپنی بیوی کو قبول کر لے یا چاہے تو اس سے اپنا مہر وصول کر لے۔ ابوملیح نے کہا: پھر تھوڑا عرصہ گزرا تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ کو شہید کر دیا گیا، پھر وہ دونوں سوار ہو کر حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کے پاس کوفہ میں گئے اور ان دونوں نے آپ سے سوال کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: کیا یہی صورت واقعہ ہے؟ تو ان دونوں نے کہا کہ آپ خود دیکھ رہے ہیں اور اس میں آپ کا فتویٰ ضروری ہے اور ان دونوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کی خبر دی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میری رائے بھی وہی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا فیصلہ تھا تو پہلے خاوند نے مہر کو اختیار کر لیا، تو حضرت سُہیمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ میں نے اپنے دوسرے خاوند کی دو ہزار (۲۰۰۰) درہم کے ساتھ مدد کی اور کل مہر چار ہزار (۴۰۰۰) درہم تھا۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۷۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۸۸، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

از ثوری از داؤد بن ابی ہند از ابن المسیب، بیان کرتے ہیں کہ جب کسی عورت کا خاوند لڑائی کی صف میں مفقود الخبر ہو جائے تو ایک سال انتظار کرے اور جب لڑائی کی صف کے علاوہ مفقود الخبر ہو تو پھر چار سال تک انتظار کرے۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۳۷۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۸۸، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

امام سعید بن منصور الخراسانی المتوفی ۲۲۷ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

از سعید از ہشیم از یحییٰ بن سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ از حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ، انہوں نے فرمایا: مفقود الخبر کی بیوی چار سال انتظار کرے گی، پھر اپنے خاوند کی عدت وفات گزارے گی، پھر اگر وہ چاہے تو نکاح کر سکتی ہے۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۷۵۳، ج ۱ ص ۴۰۰، دار الکتب العلمیہ بیروت)

از سعید از سفیان از عمرو بن دینار از یحییٰ بن جعدہ کہ ایک مرد کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جنات اٹھا کر لے گئے، پس جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا وہ وہاں ٹھہرا رہا، پھر اس کی بیوی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی تو آپ نے اس کو حکم دیا کہ وہ چار سال تک انتظار کرے، پھر جب وہ نہیں آیا تو آپ نے اس کے خاوند کے ولی کو حکم دیا کہ وہ اس عورت کو طلاق دے دے، پھر اس عورت کو حکم دیا کہ وہ عدت گزارے، پھر جب اس کی عدت گزر گئی اور اس کا خاوند آ گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے خاوند کو اختیار دیا کہ وہ چاہے تو اپنی بیوی کو قبول کر لے اور اگر چاہے تو اپنا مہر وصول کر لے۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۷۵۴، ج ۱ ص ۴۰۱، دار الکتب العلمیہ بیروت)

از سعید از ابی عوانہ از ابی بشر از عمرو بن ھرم از جابر بن زید از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ، ان دونوں نے بیان کیا کہ مفقود الخبر کی بیوی چار سال انتظار کرے گی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان چار سالوں میں خاوند کے مال سے خرچ کیا جائے گا، کیونکہ اس عورت نے اپنے نفس کو اپنے خاوند کے لئے روکے رکھا تھا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب اس سے وارثوں کو نقصان ہو تو وہ عورت قرض حاصل کرے گی اگر اس کا خاوند آ گیا تو وہ اس کے مال سے وصول کرے گی اور اگر وہ غائب رہا تو وہ میراث میں سے اپنا حصہ وصول کرے گی، اور ان دونوں نے کہا کہ چار ماہ دس دن تک اس کے جمیع مال سے اس عورت پر خرچ کیا جائے گا۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۷۵۶، ج ۱ ص ۴۰۲، دار الکتب العلمیہ بیروت)

مفقود الخبر کی بیوی کے نکاح سے رُکے رہنے کی مدت کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

شمس الائمہ ابو بکر محمد بن احمد بن علی بن ابی سہیل السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ھ لکھتے ہیں:

شریعت میں مفقود الخبر کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کے حق میں زندہ ہے حتیٰ کہ اس کے وارثوں کے درمیان اس کا مال تقسیم نہیں کیا جائے گا اور دوسروں کے حق میں وہ مردہ ہے حتیٰ کہ اس کے رشتہ داروں میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اس کا وارث نہیں ہوگا کیونکہ اس کی حیات کا ثبوت استصحاب حال سے ہے (اس کا معنی یہ ہے کہ جس طرح وہ پہلے زندہ تھا، اسی طرح اس کو اب بھی زندہ فرض کیا جائے گا) کیونکہ استصحاب حال سے اس کی حیات معلوم ہے تو جب تک اس کی موت کا ثبوت نہ ہو تو اس کو زندہ ہی فرض کیا جائے گا، اسی وجہ سے اس کی بیوی ہمارے نزدیک نکاح نہیں کرے گی اور یہی حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کا مذہب ہے، کیونکہ انہوں نے فرمایا کہ وہ عورت آزمائش میں مبتلاء ہے، سو اس کو چاہیے کہ وہ صبر کرے حتیٰ کہ اس کے خاوند کی موت ظاہر ہو جائے یا اس کی طلاق ظاہر ہو جائے اور ابراہیم نخعی بھی اسی پر فتویٰ دیتے تھے۔

اور ہم نے سنا ہے کہ اس کی بیوی چار سال تک انتظار کرے اور یہ قول غلط ہے اور چار سال انتظار کرنے کا قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کا ابتداء میں تھا، پھر انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کے قول پر عمل کرتے ہیں، پس وہ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ چار سال کی مدت کے بعد اگر وہ زندہ ہوتا تو اس کا علم ہو جاتا اور جس چیز کا علم نہ ہو اس کو ظاہر پر مبنی کرنا واجب ہے، خصوصاً ضرورت کے وقت تاکہ اس کی بیوی سے ضرر کو دور کیا جا سکے اور اس کی بیوی سے ضرر کو دور کرنا ضروری ہے تاکہ وہ معلقہ نہ رہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ عنین (نامرد) اور اس کی بیوی کے درمیان ایک سال کی مدت کے بعد تفریق کر دی جاتی ہے تاکہ عنین کی بیوی سے ضرر کو دور کیا جا سکے اور ایلاء کرنے والے اور اس کی بیوی کے درمیان چار ماہ کی مدت کے بعد تفریق کر دی جاتی ہے تاکہ اس کی بیوی سے ضرر کو دور کیا جا سکے، لیکن مفقود الخبر کا عذر ایلاء کرنے والے مرد اور نامرد کے عذر سے زیادہ ظاہر ہے، لہٰذا مفقود الخبر کی بیوی کے حق میں انتظار کرنے کی دونوں مدتوں کا اعتبار کیا جائے گا اور یہ اس طرح ہوگا کہ مہینوں کو سالوں کے قائم مقام قرار دیا جائے، لہٰذا مفقود الخبر کی بیوی کو چار سال کی مدت تک انتظار کا حکم دیا جائے گا۔

ہم امام مالک کے اس قول پر عمل نہیں کرتے، کیونکہ مفقود الخبر کا نکاح اس کے حق میں قائم ہے اور وہ زندہ ہے اور اگر ہم اس کی بیوی کو نکاح کرنے کی اجازت دے دیں تو اس مفقود الخبر کو مردہ قرار دیا جائے گا کیونکہ ایک عورت ایک حالت میں دو مردوں کے لئے حلال نہیں ہوتی، پھر اس کے مال کی تقسیم بھی واجب ہوگی اور اس کے مال کی تقسیم کرنا اس وقت تک جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کی موت کے اوپر کوئی دلیل قائم نہ ہو جائے۔

اور ایلاء کرنے والے اور عنین (نامرد) کے حق میں مدت کا اندازہ اس کی بیوی سے معلقہ ہونے کے ظلم کو دور کرنے کے لئے ہے اور مفقود الخبر کی بیوی کے حق میں ظلم کا معنی ثابت نہیں ہے اس لیے ہم کہتے ہیں کہ وہ اس کی بیوی ہے جو آزمائش میں مبتلاء ہو گئی ہے کہ اس کو چاہیے کہ وہ صبر کرے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کو اس سے بڑی مصیبت میں مبتلاء فرما دیتا۔

پس جب مفقود الخبر کی کوئی یقینی اطلاع معلوم نہ ہو تو ظاہر مذہب یہ ہے کہ جب اس کے معاصرین میں سے کوئی ایک بھی زندہ نہیں رہے گا تو پھر اس کی موت کا حکم لگا دیا جائے گا کیونکہ شریعت میں طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کی معرفت حاصل نہ ہو تو اس کے امثال کی معرفت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جیسے جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا جائے تو اس کی مثل عورتوں کے مہر کی طرف رجوع کیا جاتا ہے یا جیسے مُحرِم کسی جانور کا شکار کرلے تو اس جانور کی مثل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے یا جیسے کوئی شخص کسی کی کوئی معین چیز ضائع کر دے تو اس کے تاوان میں اس معین چیز کی مثل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور جب مفقود الخبر کے تمام معاصرین مر جائیں تو پھر اس کا زندہ رہنا بہت نادر ہے اور احکام شرعیہ ظاہر پر مبنی ہوتے ہیں نادر پر مبنی نہیں ہوتے۔

اور حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ یہ کہتے تھے کہ جب مفقود الخبر کی پیدائش کے بعد ایک سو بیس (۱۲۰) سال مکمل ہو جائیں تو پھر اس کی موت کا حکم لگا دیا جائے گا اور یہ قول نجومیوں اور فلسفیوں کے قول پر مبنی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ کوئی شخص ایک سو بیس (۱۲۰) سال سے زیادہ زندہ نہیں رہتا لیکن ان کا یہ قول غلط ہے کیونکہ اس سے زیادہ لمبی عمر کا نصوص صریحہ سے ثبوت ہے، جیسے حضرت سیدنا نوح صلاۃ اللہ وسلامہ کی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال سے زیادہ تھی اور اسی طرح حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بھی عمر ایک سو بیس (۱۲۰) سال سے زیادہ تھی۔

امام ابو یوسف کا مذہب اور مولود کی ولادت سے لے کر موت تک کے مراحل

امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے:
جب مفقود الخبر کی پیدائش سے لے کر ایک سو سال گزر جائیں تو اس کی موت کا حکم لگا دیا جائے گا، کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ ہمارے زمانے میں کوئی شخص ایک سو (۱۰۰) سال سے زیادہ زندہ نہیں رہتا۔
اور حکایت ہے کہ جب امام ابو یوسف سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: میں تم کو محسوس طریقہ سے بتاتا ہوں، کیونکہ جب بچہ دس (۱۰) سال کا ہو جاتا ہے تو وہ اپنے ماں باپ کے گرد گھومتا رہتا ہے اور انہوں نے دس کا عقد بنایا اور جب وہ بیس (۲۰) سال کا ہو جاتا ہے تو وہ بچپن اور جوانی کے درمیان ہوتا ہے اور انہوں نے بیس کا عقد بنایا، اور جب وہ تیس (۳۰) سال کا ہو جاتا ہے تو وہ اس طرح مستوی ہو جاتا ہے پھر انہوں نے تیس (۳۰) کا عقد بنایا، اور جب وہ چالیس (۴۰) سال کا ہو جاتا ہے تو اس پر ذمہ داریوں کا بوجھ لا د اجاتا ہے اور انہوں نے چالیس کا عقد بنایا، اور جب وہ پچاس (۵۰) سال کا ہو جاتا ہے تو کاموں اور ذمہ داریوں کے بوجھ سے اس کی کمر ٹیڑھی ہو جاتی ہے، پھر انہوں نے پچاس کا عقد بنایا اور جب وہ ساٹھ (۶۰) سال کا ہو جاتا ہے تو اس کا جسم بڑھاپے کی وجہ سے سکڑنے لگتا ہے اور انہوں نے ساٹھ کا عقد بنایا، پھر جب وہ ستر (۷۰) سال کا ہو جاتا ہے تو پھر وہ لاٹھی ٹیک کر چلتا ہے، پھر انہوں نے ستر (۷۰) کا عقد بنایا، پھر جب وہ اسی (۸۰) سال کا ہو جاتا ہے تو پھر وہ بستر پر اس طرح لیٹ جاتا ہے جس طرح لاٹھی انہوں نے بستر پر ڈال دی، پھر انہوں نے اسی کا عقد بنایا، پھر جب وہ نوے (۹۰) سال کا ہو جاتا ہے تو اس کی انتڑیاں آپس میں مل جاتی ہیں، پھر انہوں نے نوے کا عقد بنایا، پھر جب وہ سو سال کا ہو جاتا ہے تو وہ دنیا سے عقبیٰ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے جیسا کہ حساب دائیں سے بائیں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔
اور محمد بن سلمہ مفقود الخبر کے متعلق امام ابو یوسف متوفی ۱۸۳ھ کے قول کے مطابق فتویٰ دیتے تھے حتیٰ کہ ان پر امام ابو یوسف کے قول کی خطاء منکشف ہوئی کیونکہ وہ ایک سو سات سال (۱۰۷) تک زندہ رہے، پس زیادہ مناسب یہ ہے کہ مفقود الخبر کی عمر کے متعلق کوئی اندازہ نہ کیا جائے کیونکہ یہ تمام اندازے آراء پر مبنی ہیں اور ان کے متعلق کوئی نص صریح نہیں ہے لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ جب مفقود الخبر کے معاصرین میں سے ایک آدمی بھی زندہ نہیں رہے گا تو اس کی موت کا حکم لگا دیا جائے گا۔

جنات کے بنو آدم پر تصرف کرنے کے متعلق احادیث اور آثار سے دلائل

اور عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ نے ذکر کیا ہے کہ میری خود ایک مفقود الخبر سے ملاقات ہوئی، اس نے بتایا کہ میں گھر سے باہر نکلا تو مجھے جنات کے گروہ نے پکڑ لیا، سو میں ان کے ساتھ ایک مدت تک رہا، سو ان کو مجھے آزاد کرنے کا خیال آیا تو انہوں نے مجھے آزاد کر دیا، پھر وہ جنات مجھے ایک شہر کے قریب لائے اور کہا: کیا تم ان کھجوروں کے باغ کو پہچانتے ہو؟ پھر انہوں نے مجھے چھوڑ دیا، ادھر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ نے چار سال کے بعد میری بیوی پر طلاق بائنہ واقع کر دی تھی اور وہ حائضہ ہوگئی اور اس کی عدت پوری ہوگئی اور اس نے نکاح کر لیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے اختیار دیا کہ اگر میں چاہوں تو وہ میری بیوی مجھے واپس لوٹا دیں اور اگر میں چاہوں تو اس کا مہر قبول کر لوں۔ (نصب الرایہ للزیلعی الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ ج ۴ ص ۴۷۱۔۴۷۲، مجلس علمی سورۃ ہند ۱۳۵۷ھ)
اور اس حدیث میں اہل السنۃ والجماعۃ کے اس مذہب پر یہ دلیل ہے کہ جنات بنو آدم پر تسلط اور تصرف کرتے ہیں اور مبتدعین

اس کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جنات کا آدمی میں دخول محال ہے، کیونکہ ایک شخص میں دوروحوں کا جمع ہونا ثابت نہیں ہے اور جنات کا بنو آدم میں تصرف اس کے بغیر ہوتا ہے کہ جنات بنو آدم کے اجسام میں داخل ہوں اور بعض منکرین یہ کہتے ہیں کہ جنات اجسام لطیفہ ہیں اور یہ متصور نہیں ہوسکتا کہ وہ جسم کثیف کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لے جائیں لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ ان کے اس نظریہ کے خلاف احادیث وارد ہیں۔

حضرت ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''شیطان بنو آدم کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے''۔
(صحیح البخاری: ۲۰۳۹، سنن ابوداؤد: ۲۴۷۰، سنن ابن ماجہ: ۱۷۷۹، سنن دارمی: ۲۷۸۲، مسند احمد: ۱۲۵۹۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شیطان انسان کے سر میں داخل ہو جاتا ہے اور اس کے سر کے پیچھے گدی پر بیٹھ جاتا ہے اور اس کی گدی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ پھونک دیتا ہے کہ رات لمبی ہے تو سوتا رہ، پھر اگر وہ بیدار ہو کر اللہ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، پھر اگر وہ تہجد کی نماز پڑھ لے تو دوسری گرہ بھی کھل جاتی ہے، پھر جب وہ صبح کو اٹھے تو اس کا نفس پاکیزہ اور شاداب ہوتا ہے ورنہ جب وہ صبح کو اٹھتا ہے تو خبیث النفس ہوتا ہے اور سستی کا مارا ہوا ہوتا ہے (منحوس ہوتا ہے)۔
(صحیح البخاری: ۱۱۴۲، صحیح مسلم: ۷۷۶، سنن نسائی: ۱۶۰۷، سنن ابوداؤد: ۱۳۰۶، سنن ابن ماجہ: ۱۳۲۹، مسند احمد: ۷۲۶۶، موطا امام مالک: ۴۲۶)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس مرد کا ذکر کیا گیا جو رات بھر سوتا رہتا ہے حتیٰ کہ صبح ہو جاتی ہے اور وہ نماز پڑھنے کے لئے نہیں اٹھتا، آپ نے فرمایا: ''شیطان اس کے کان میں پیشاب کر دیتا ہے''۔
(صحیح البخاری: ۱۱۴۴، صحیح مسلم: ۷۷۴، سنن نسائی: ۱۶۰۸، سنن ابن ماجہ: ۱۳۳۰، مسند احمد: ۴۰۴۹)

ان احادیث میں ہماری یہ دلیل ہے کہ شیطان انسان کے جسم کے اوپر تصرف کرتا ہے اور ہم اس کی کیفیت کے بیان میں مشغول نہیں ہوتے۔ (تاہم تحقیق یہ ہے کہ جنات کا بنو آدم کے اعضاء اور حواس کو معطل کر کے پھر ان پر تصرف کرنا محال ہے مثلاً زبان آدمی کی ہو اور کلام جن کرے یا ہاتھ آدمی کا ہو اور اس سے ضرب جن لگائے۔ اس کی تحقیق سورۂ ابراہیم: ۲۲ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔ سعیدی غفرلہٗ)، (تبیان القرآن ج ۶ ص ۱۷۵-۱۷۷، فرید بک سٹال، لاہور)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو چار سال انتظار کے بعد مفقود الخبر کو نکاح کی اجازت دی تھی اس سے ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کرنا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی وجہ ترجیح

رہا مفقود الخبر کو یہ اختیار دینا کہ وہ چاہے تو اس کی بیوی کو اس کی طرف لوٹا دیا جائے اور چاہے تو اس کو مہر واپس دیا جائے تو یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کے مذہب پر مبنی ہے کہ جس عورت کو اس کے مفقود الخبر خاوند کی موت کی خبر دی جائے، پھر وہ اس کی عدت گزار کر نکاح کرے اور پھر وہ پہلا خاوند زندہ آ جائے تو اس پہلے خاوند یعنی مفقود الخبر کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ چاہے تو اس کو اس کی بیوی دے دی جائے اور چاہے تو اس کو اس کا مہر دے دیا جائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنے اس قول سے رجوع کر کے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کے قول کو اختیار کرنا دلائل صحیحہ سے ثابت ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ فرماتے تھے کہ پہلے خاوند یعنی مفقود الخبر کو اس کی بیوی کی طرف لوٹایا جائے گا اور اس عورت اور اس کے دوسرے خاوند کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور دوسرے شوہر نے اس

عورت کی فرج کے ساتھ جو حلال کا معاملہ کیا ہے اس کے معاوضہ میں اس عورت کو مہر ادا کیا جائے گا اور اس کا پہلا خاوند یعنی مفقود الخبر اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا حتیٰ کہ دوسرے شوہر کی عدت پوری ہو جائے ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی پر عمل کرتے تھے اور وہ کہتے تھے کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ کا قول میرے نزدیک حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ کے قول سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

(علامہ سرخسی حنفی متوفی ۴۸۳ ھ فرماتے ہیں:) ہم بھی اسی پر عمل کرتے ہیں کیونکہ یہ واضح ہو گیا کہ جب مفقود الخبر کی بیوی نے دوسرے مرد سے نکاح کیا تو اس وقت وہ مفقود الخبر کی منکوحہ تھی اور منکوحۃ الغیر دوسرے مرد کے لئے حلال نہیں ہے بلکہ وہ تمام لوگوں کے لئے محرمات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ (النساء: ۲۴) اور (تم پر حرام کی گئی ہیں) وہ عورتیں جو دوسروں کے نکاح میں ہیں۔

پس مفقود الخبر کی بیوی کا دوسرے شوہر سے نکاح کرنا کیونکر جائز ہوگا! (المبسوط ج ۱۱ ص ۳۶-۴۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے نکاح سے رکے رہنے کی مدت کے متعلق فقہاء شافعیہ کی تصریحات

امام ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ ھ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مفقود الخبر جس طرح بھی غائب ہو اس کی عورت عدت نہیں گزارے گی اور وہ کبھی بھی نکاح نہیں کرے گی حتیٰ کہ اس کے خاوند کی موت کی یقینی خبر آ جائے۔

علامہ الماوردی نے کہا ہے کہ یہ قول صحیح ہے اور مرد کے اپنی بیوی سے غائب ہونے کی درج ذیل دو صورتیں ہیں:

(۱) متصل خبروں سے معلوم ہو کہ وہ مرد زندہ ہے تو اس کی بیوی کا کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا محال ہے، اگرچہ اس کے غائب ہونے کی مدت طویل ہو خواہ اس نے اپنی بیوی کے خرچ کے لئے مال چھوڑا ہو یا نہ چھوڑا ہو تو اس کے لئے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

(۲) اس مرد کے متعلق خبریں منقطع ہوں اور ان کا زندہ ہونا نا معلوم ہو تو اس کا حکم اس کے مختلف احوال پر مبنی ہے، آیا اس نے ایک سفر کیا ہے یا وہ ایک شہر میں ٹھہرا اور وہاں سے دوسرے شہر میں چلا گیا اور آیا اس کا سفر خشکی میں تھا یا سمندر میں تھا خواہ اس کی کشتی سلامت رہی یا ٹوٹ گئی یا وہ جنگ کی صفوں کے درمیان گم ہو گیا تو وہ ان تمام صورتوں میں مفقود الخبر ہے اور اس کا مال موقوف ہے جس میں اس کے وکلاء تصرف کریں گے اور اس کے وارثوں میں اس کا مال تقسیم نہیں کیا جائے گا اور جب اس کو غائب ہوئے کافی مدت گزر جائے اور اس کی خبر نا معلوم ہو تو اس کے متعلق درج ذیل دو قول ہیں:

مفقود الخبر کی بیوی کے انتظار کی مدت کے متعلق دیگر فقہاء کے اقوال

(۱) مفقود الخبر کی بیوی حاکم کے حکم سے چار سال انتظار کرے گی، پھر حاکم مفقود الخبر کی بیوی کے حق میں مفقود الخبر کی موت کا فیصلہ کر دے گا، پھر مفقود الخبر کی بیوی چار مہینہ دس دن عدت وفات گزارے گی، پھر جب اس کی عدت پوری ہو جائے گی تو اس کا نکاح کرنا جائز ہوگا، یہ امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ کا قدیم قول ہے اور اسی قول کے مطابق حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ ھ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ ھ نے فیصلہ کیا ہے، اور فقہاء تابعین میں امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ ھ کا

نظریہ ہے، مگر امام مالک نے مفقود الخبر کے رات میں نکلنے اور دن میں نکلنے کے متعلق فرق کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر وہ رات میں نکلا ہے تو پھر وہ مفقود الخبر ہے اور اگر دن میں نکلا ہے تو پھر مفقود الخبر نہیں ہے، ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ (البقرہ: ۲۳۱) اور ان کی بیویوں کو ضرر پہنچانے کے لئے نہ روکے رکھو تا کہ تم ان پر زیادتی کرو۔

اور اس حال میں مفقود الخبر کی بیوی کو اس کے نکاح میں روکے رکھنا اس پر ضرر اور عدوان ہے۔

(میں کہتا ہوں: اگر اس کی بیوی کا خاوند دن میں غائب ہو گیا ہو اور اس کی خبر کا مدت تک پتا نہ ہو تو پھر وہ مفقود الخبر کیوں نہ ہوگا اور اس کی بیوی کو اس کے نکاح میں دائماً روکے رکھنا اس پر ظلم اور عدوان کیوں نہ ہوگا؟ میرے نزدیک علامہ الماوردی متوفی ۴۵۰ھ کی امام مالک متوفی ۱۷۹ھ سے یہ نقل صحیح نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

مفقود الخبر کو جنات کا اٹھا کر لے جانا

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کے پاس آئی، سو اس نے کہا کہ اس کا خاوند اپنے محلہ کی مسجد کی طرف نکلا اور غائب ہو گیا اور اس کی خبر نہیں آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ عورت چار سال تک انتظار کرے، سو اس عورت نے چار سال تک انتظار کیا۔ اس کے بعد وہ پھر آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ تم اس کی چار ماہ دس دن عدت وفات گزارو، سو اس عورت نے وہ عدت گزار لی، پھر وہ لوٹ آئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اب تمہارا نکاح کرنا جائز ہے اور حلال ہے، سو اس نے نکاح کر لیا، پھر اس کا خاوند لوٹ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ اس کی بیوی نے نکاح کر لیا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اس کا سبب کیا ہے؟ تو اس نے بتایا کہ میں چار سال غائب رہا تو آپ نے میری بیوی کا نکاح کر دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم بغیر کسی جہاد کے اور بغیر کسی تجارت کے چار سال تک غائب رہے، پھر تم میرے پاس آکر کہتے ہو کہ آپ نے میری بیوی کا نکاح کر دیا؟ تو اس نے بتایا کہ میں اپنے محلہ کی مسجد کی طرف گیا تو جنات مجھے چھین کر لے گئے اور میں ان کے پاس رہا، پھر مسلمان جنات نے ان پر حملہ کیا تو انہوں نے دیکھا کہ میں ان کے پاس قید ہوں، انہوں نے پوچھا: تمہارا دین کیا ہے؟ میں نے کہا کہ میرا دین اسلام ہے، تو انہوں نے مجھے یہ اختیار دیا کہ اگر میں چاہوں تو ان کے پاس رہوں اور اگر چاہوں تو اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤں، تو میں نے اپنے گھر والوں کی طرف لوٹنے کو اختیار کر لیا، تو انہوں نے مجھے ایسی قوم کے سپرد کیا کہ میں رات کو مردوں کا کلام سنتا تھا اور دن میں غبار کی مثل دیکھتا تھا، پھر میں ان کے پیچھے چلتا رہا حتیٰ کہ میں آپ لوگوں کے پاس پہنچ گیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے یہ اختیار دیا کہ اگر میں چاہوں تو اپنی بیوی کو اختیار کر لوں اور اگر چاہوں تو اپنا دیا ہوا مہر واپس لے لوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے (سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۴۶) اور امام سعید بن منصور خراسانی متوفی ۲۲۷ھ نے بھی اس اثر کی اپنی مسند میں روایت کی ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۷۵۵)

یہ قصہ صحابہ کرام کے درمیان مشہور ہو گیا اور صحابہ کرام نے اس کے مطابق فیصلہ کیا تو یہ حجت ہو گیا اور اس لیے بھی کہ کسی عورت کا شوہر نامرد ہو تو اس کا نکاح فسخ کر دیا جاتا ہے، اور اگر کوئی مرد اپنی بیوی کو خرچ دینے سے عاجز ہو تو تب بھی نکاح فسخ کر دیا جاتا

ہے تو جب کسی عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو اور وہ اپنی بیوی سے جماع کرنے سے بھی قاصر ہو اور اس کا خرچ دینے سے بھی قاصر ہو تو اس عورت کا نکاح فسخ کرنا زیادہ اولیٰ ہے۔

مفقود الخبر کی موت کی یقینی خبر کے بغیر اس کی بیوی کا کسی دوسرے مرد سے نکاح کا جائز نہ ہونا

(۲) مفقود الخبر کی بیوی اس کے نکاح پر باقی رہے گی اور جب تک اس کا خاوند نہیں آتا وہ اس کے نکاح میں مقید رہے گی، خواہ اس کے غائب رہنے کی مدت طویل ہو جائے، جب تک کہ اس کے خاوند کے موت کی یقینی خبر نہ آجائے اور یہ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا جدید قول ہے اور یہ قول حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کے قول کے مطابق ہے اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا قول ہے اور فقہاء عراق کا قول ہے اور اس کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

سوار بن مصعب از محمد بن شرحبیل از حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۰ھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ مفقود الخبر کی بیوی اسی کی بیوی رہے گی حتیٰ کہ اس کی بیوی کے پاس کوئی یقینی خبر آجائے۔

اس حدیث کی امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے ج ۷ ص ۴۴۵ میں روایت کی ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث کا راوی سوار بن مصعب ضعیف ہے، اور امام علی بن عمر دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ نے اس حدیث کی سنن دار قطنی ج ۳ ص ۳۱۲ میں روایت کی ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس کی مثل مروی ہے اور اگر یہ حدیث ثابت ہو تو یہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے مذہب پر نص صریح ہے اور عقلی دلیل یہ ہے کہ جس کی موت نامعلوم ہو تو اس کی موت کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا اور اس لئے بھی کہ اگر کسی کی بیوی غائب ہو جائے حتیٰ کہ اس کی خبر نہ ملے تو اس کی موت کا فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے تاکہ اس کا خاوند اپنی بیوی کی بہن سے نکاح نہ کرلے یا اس کے سوا دیگر چار عورتوں سے نکاح نہ کرلے۔ رہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث تو یہ ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے اس فیصلہ سے رجوع کر لیا تھا، اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ نے بھی اپنے اپنے فیصلوں سے رجوع کر لیا تھا، تو ان کے اختلاف کے بعد اس پر اجماع ہو گیا تھا اور نامرد اور شوہر کے خرچ نہ دینے کی عورت میں نکاح کی تفریق پر قیاس کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ نامرد کی خلقت میں نقص ہے اور شوہر کا خرچ نہ دینا اس پر ظلم ہے اور مفقود الخبر میں یہ دونوں علتیں موجود نہیں ہیں، کیونکہ اس کی خلقت کامل ہے اور وہ اپنی بیوی کو خرچ دینے کا ضامن ہے جو اس کے مال سے اس کی بیوی کو دیا جائے گا۔ (الحاوی الکبیر ج ۱۴ ص ۳۶۵-۳۶۷، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

فقہاء شافعیہ کے موقف پر امام ابواسحاق شیرازی کے دلائل

امام ابواسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الشیرازی متوفی ۴۵۵ھ نے کہا ہے کہ جب کسی عورت کا خاوند غائب ہو جائے تو اس کے متعلق دو قول ہیں، امام شافعی کا قول قدیم یہ ہے کہ اس عورت کے لئے اپنے نکاح کو فسخ کرا کر دوسرا نکاح کر لینا جائز ہے اور امام شافعی کا قول جدید یہ ہے اور یہی قول صحیح ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی کے لئے اپنے نکاح کو فسخ کرانا جائز نہیں ہے، کیونکہ جب مفقود الخبر کے مال کی تقسیم کے لئے مفقود الخبر کی موت کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے تو اس کی بیوی کے نکاح کے لئے بھی اس کی موت کا حکم لگانا صحیح نہیں ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کے معارض حضرت علی علیہ السلام کا قول ہے، انہوں نے فرمایا کہ مفقود الخبر کی بیوی کو انتظار کرنا چاہیے حتیٰ کہ اس کی بیوی کو اس کی موت کا یقینی علم ہو جائے۔ (المہذب فی فقہ الامام الشافعی ج ۲ ص ۱۴۶)

الشیخ عادل احمد عبدالموجود اور دیگر علماء شافعیہ المہذب کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت علی علیہ السلام کے قول کی روایت امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے مسند الشافعی: ۲۰۷ میں کی ہے اور امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: مفقود الخبر کی بیوی نکاح نہیں کرے گی۔

(سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۴۴، نشر السنہ ملتان)، (تکملۃ المجموع شرح المہذب ج ۲۱ ص ۸۱۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے نکاح سے رکے رہنے کی مدت کے متعلق فقہاء حنبلیہ کی تصریحات

امام موفق الدین ابو محمد عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ الدمشقی الحنبلی المتوفی ۶۲۰ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

جب کوئی مرد اپنی بیوی سے غائب ہو جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) کسی عورت کا خاوند غائب ہو جائے اور اس کی خبر معلوم ہو اور اس کا خط بیوی کے پاس آتا ہو تو اس عورت کے لئے نکاح جائز نہیں ہے۔ یہ تمام فقہاء کا قول ہے جن میں امام ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام ابو عبید متوفی ۲۲۴ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور دیگر فقہاء شامل ہیں۔

(۲) کوئی مرد غائب ہو جائے اور اس کی خبر منقطع ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کس جگہ ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں:

(پہلی صورت) اس کا غائب ہونا کسی سلامتی کے سفر میں ہو مثلاً وہ تجارت کے سفر میں گیا ہو جس میں ہلاکت نہیں ہوتی یا طلب علم کے لئے گیا ہو یا سیر و سیاحت کے لئے گیا ہو، اس صورت میں اس کی بیوی کا اس کے ساتھ نکاح قائم رہے گا حتیٰ کہ اس کی موت کا ثبوت ہو جائے، یہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کی روایت ہے اور اسی کے موافق امام ابو حنیفہ متوفی ۱۵۰ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا قول جدید ہے اور امام مالک اور امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ اس کی بیوی چار سال تک انتظار کرے گی اور پھر چار ماہ دس دن تک عدت گزارے گی، اس کے بعد اس کا نکاح کرنا جائز ہوگا۔

(دوسری صورت) کوئی مرد ایسی صورت میں غائب ہو جس میں بہ ظاہر مرد ہلاک ہو جاتا ہے مثلاً وہ صبح نماز پڑھنے کے لئے گیا اور واپس نہیں آیا یا کسی کام سے قریبی جگہ پر گیا اور واپس نہیں آیا یا جنگ کی صفوں میں سے وہ غائب ہو گیا یا سمندری سفر میں اس کی کشتی یا جہاز غرق ہو گیا یا اور پھر اس کی خبر نہیں آئی، اس صورت میں امام احمد کا ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس کی بیوی چار سال یا زیادہ مدت تک انتظار کرے گی اور اس کے بعد حاکم اس کی موت کا فیصلہ کر دے گا، پھر اس کی بیوی عدت وفات گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

(المغنی ج ۱۱ ص ۶۵-۶۷ ملخصاً، دار الحدیث قاہرہ، ۱۴۲۵ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق شیخ عبدالعزیز بن باز کا فتویٰ

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابن باز حنبلی المتوفی ۱۴۲۰ھ، اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

رہا مفقود تو یہ وہ مرد ہے جس کی خبر مخفی ہے اور یہ معلوم نہ ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا، وہ کسی کی قید میں تھا یا سفر میں تھا، سو اس کی دو حالتیں ہیں، ایک حالت یہ ہے جس میں ظن غالب یہ ہوتا ہے کہ وہ سلامت رہے گا مثلاً وہ تجارت کے سفر میں گیا یا سیر و سیاحت کے لئے گیا تو اس کی بیوی اس وقت تک انتظار کرے گی جب تک اس کی ولادت سے لے کر ننانوے (۹۹) سال نہ گزر جائیں، دوسری حالت یہ ہے کہ جس میں ظن غالب یہ ہو کہ وہ مر گیا ہو مثلاً اس نے جس بحری جہاز میں سفر کیا تھا وہ غرق ہو گیا، جس میں بعض لوگ تو بچ

کر نکل گئے اور بعض لوگ مفقود ہو گئے تو اس صورت میں اس کی بیوی چار سال تک انتظار کرے گی، پھر اس کے بعد اس کا مال اس کے زندہ وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ (مجموع فتاویٰ و مقالات متنوعہ ج ۲۰ ص ۱۷۱-۱۷۲، ملخصاً، مکتبۃ المورد، الطبع الرابع ۱۴۲۶ھ، ۲۰۰۶ء)

شیخ عثیمین حنبلی کا فتویٰ

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کیونکہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اگر ہم کسی مرد کو ایک ماہ تک غائب پائیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ وہ مرد موجود ہے، کیونکہ وہ مرد مشہور اور معروف ہوگا اور اگر وہ مرد مخفی ہو اور وہ دس سال یا زیادہ سالوں تک مخفی رہے اور لوگوں کو معلوم نہ ہو کہ آیا وہ زندہ ہے یا مر چکا ہے تو اگر اس کے غائب ہونے کی مدت سال دو سال ہو تو ہم اس پر موت کا حکم نہیں لگاتے اور اگر اس کے غائب ہونے کی مدت بہت طویل ہو تو ہم اس پر موت کا حکم لگا دیتے ہیں، اور جب حاکم مفقود الخبر کی موت کا حکم لگا دے تو پھر اس کی بیوی عدت وفات گزارنے کے بعد نکاح کر سکتی ہے۔ (شرح صحیح بخاری ج ۵ ص ۶۰، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے نکاح سے رکے رہنے کی مدت کے متعلق فقہاء مالکیہ کی تصریحات

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

مجھے یحییٰ نے حدیث بیان کی از مالک از یحییٰ بن سعید از سعید بن المسیب کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس عورت کا خاوند مفقود الخبر ہو گیا، پس اس عورت کو پتا نہیں چلا کہ اس کا خاوند کہاں ہے؟ تو وہ چار سال تک انتظار کرے گی، پھر وہ چار ماہ دس دن تک عدت گزارے گی، پھر اس کے لیے دوسرا نکاح کرنا حلال ہوگا۔

(موطا امام مالک: ۱۲۴۹، ج ۲ ص ۱۱۹-۱۲۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(امام مالک اس روایت میں منفرد ہیں)۔

مسئلہ (۱): امام مالک نے کہا کہ اگر مفقود الخبر کی بیوی نے عدت پوری ہونے کے بعد نکاح کر لیا تو پھر اس کے دوسرے خاوند نے اس کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو تو پہلے خاوند کی اس کی طرف کوئی راہ نہیں ہے۔

مسئلہ (۲): امام مالک نے کہا: ہمارے نزدیک بھی یہی حکم ہے اگر مفقود الخبر کی بیوی کو اس کے پہلے خاوند نے اس کے نکاح کرنے سے پہلے پا لیا تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے۔

مسئلہ (۳): امام مالک نے کہا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب مفقود الخبر کی بیوی کا پہلا خاوند آ جائے تو اس کو اختیار دیا جائے گا چاہے تو وہ اپنی بیوی کو دیا ہوا مہر وصول کر لے اور چاہے تو اپنی بیوی کو واپس لے لے۔

(موطا امام مالک ج ۲ ص ۱۲۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

حافظ ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر الاندلسی المالکی المتوفی ۴۶۳ھ موطا امام مالک کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ مفقود الخبر کے متعلق یہ فرماتے تھے کہ اس کی بیوی سلطان سے شکایت کرنے کے بعد چار سال تک انتظار کرے گی، پھر چار مہینہ دس دن عدت وفات گزارے گی، پھر اگر چاہے تو وہ نکاح کر سکتی ہے۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۴۷)

امام مالک کا مذہب حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے قول پر مبنی ہے۔

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ سے بھی حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے قول کی مثل مروی ہے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اکثر روایات اس کے خلاف ہیں اور وہ یہ ہیں کہ مفقود الخبر کی بیوی نکاح نہیں کر سکتی، حتیٰ کہ اس کے شوہر کی موت کا یقین ہو جائے۔

(سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۴۴، معرفۃ السنن والآثار: ۱۵۳۶۹)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول پر امام شافعی اور امام ابوحنیفہ اور علماء کی ایک جماعت کا مذہب مبنی ہے۔

(الاستذکار ج ۱۷ ص ۳۰۳-۳۰۴، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۴ ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے نکاح سے رکے رہنے کی مدت کے متعلق شیوخ غیر مقلدین کا موقف

شیخ سید نذیر حسین غیر مقلد متوفی ۱۳۲۰ ھ لکھتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین ابقاہم اللہ الی یوم الدین اس صورت میں کہ اس زمانہ میں ابتلائے عام ہے کہ اکثر آدمی اپنی عورتوں کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور مفقود الخبر ہو جاتے ہیں اور خرچ بھی نہیں بھیجتے اور قرض کا ملنا بھی دشوار ہے، اس سبب سے خوف ارتکاب فحش اور بدکاری کا ہے، عورات کے حق میں اور نیز گزارہ عورتوں کا بدون دینے نان ونفقہ زوج وغیرہ کے بھی نہایت دشوار ہے، تو اگر قاضی بوجہ ان ضرورتوں کے موافق مذہب امام مالک یا امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے عمل کرے اور اجازت نکاح کے واسطے زوجہ مفقود کے دے دے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا و توجروا

الجواب: درصورت مرقومہ زن مفقود بعد انتظار چار برس بروقت ضرورت کے نکاح دوسرا بعد گزرنے اونے عدت چار مہینے دس دن کے کسی شخص سے کر لے موافق مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے، کیونکہ مذہب امام ممدوح کا یہ ہے کہ زن مفقود کی بعد گزرنے چار برس اور چار مہینے دس دن عدت موت کے گزار کر نکاح دوسرا بلا ریب کر لے مطابق فتوے حضرت عمر فاروق و عثمان و عبد اللہ بن عباس وغیرہ رضی اللہ عنہم کے، چنانچہ فتح الباری اور تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الامام الرافعی وغیرہ میں بوجہ بسط و تفصیل مذکور ہے، اسی نظر سے جامع الرموز شرح مختصر الوقایہ، اور طحطاوی اور ردالمحتار حواشی درمختار اور فتاویٰ حسب المفتین حنفی مذہب میں بھی بروقت ضرورت کے دوسرا نکاح کرنے کا زن مفقود کے واسطے فتویٰ دیا ہے اور قول امام مالک کا معمول یہ لکھا ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا تھا، ایلاء میں چونکہ عورت کے حقوق پورے نہیں ہوتے، للہٰذا ان میں تفریق کر دی جاتی ہے اور یہاں غیبت کی وجہ سے اس کے حقوق پورے نہیں ہو رہے ہیں اور نامرد کو ایک سال کی مدت دی گئی ہے، اس کے بعد تفریق ہے، کیونکہ اس میں بھی عورت کے حقوق پورے نہیں ہوتے، اگر ضرورت کے مقام پر ایسا فتویٰ دیا جائے تو جائز ہے۔ سعید بن المسیب نے صحیح سند سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر و عثمان نے یہی فیصلہ کیا تھا، عبد الرزاق نے زہری کے طریق سے اسے روایت کیا ہے، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ مفقود کی عورت چار سال تک انتظار کرے، ایک روایت میں ابن مسعود سے بھی یہی منقول ہے، تابعین میں سے نخعی، زہری، مکحول، عطاء، شعبی اسی کے قائل ہیں۔ تلخیص میں ہے کہ عمر، عثمان، ابن عباس کہتے ہیں: مفقود کی بیوی چار سال تک انتظار کرے، پھر وفات کی عدت گزارے، پھر نکاح کرے۔ شیخ الاسلام عطاء بن حمزہ سے سوال کیا گیا کہ باپ نے چھوٹی لڑکی کا نکاح چھوٹے لڑکے سے کیا، اور لڑکے کے باپ نے اس کو قبول کر لیا، پھر بچے بڑے ہو گئے اور ایک دوسرے سے غائب رہے اور نکاح

فاسقوں کے شہادت سے ہوا، کیا قاضی ایسے نکاح کے مقدمہ کو شافعی المذہب کے پاس نکاح باطل کرنے کے لئے بھیج دے؟ اس نے کہا ہاں، اور حنفی قاضی بھی اس مسلک کو اختیار کر کے نکاح فسخ کر دے، اگرچہ اس کا اپنا مذہب ایسا نہ ہو، بحر میں ہے کہ اگر مقلد اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کر دے، تو وہ نافذ ہوگا، اور نہایہ میں ہے: اگر قاضی مجتہد نہ ہو اور اپنے مذہب کے خلاف فتویٰ پر فیصلہ کر دے، تو کوئی دوسرا قاضی اس کے فیصلے کو توڑ نہیں سکتا۔

ہماری دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ مفقود کی بیوی اسی کی عورت ہے، جب تک اسے صحیح اطلاع نہ ملے اور حضرت علی کا قول وہ ایک عورت ہے جو آزمائش میں پڑ گئی ہے وہ صبر کرے جب تک کہ اسے خاوند کی موت کی اطلاع نہ ملے یا طلاق نہ ہو۔

ان میں سے جو حدیث مرفوع بیان کی گئی ہے، وہ ضعیف ہے، اس کی سند میں محمد بن شرحبیل متروک الحدیث ہے، وہ مغیرہ سے منکر اور باطل روایتیں بیان کرتا ہے، ابن قطان نے کہا: اس کا راوی سوار بن مصعب مشہور متروک ہے، اس کے بعد صالح بن مالک ہے، وہ مجہول ہے اور اس کے بعد محمد بن فضل ہے، اس کا حال بھی معلوم نہیں ہے۔

حضرت علی کے قول کے معارض میں حضرت عمر، عثمان، ابن عباس، ابن مسعود، ابن عمر تو ان سب کے مقابلہ میں حضرت علی کے قول کو کیسے ترجیح ہو سکتی ہے؟ اور اگر بالفرض اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو پھر بھی یہ حنفی مذہب کے مطابق نہیں ہے، کیونکہ امام صاحب نوے سال انتظار کرنے کا حکم دیتے ہیں اور ابو یوسف سو سال کا اور امام حسن ایک سو بیس سال کا اور ظاہر روایت میں ہے کہ اس کے شہر کے تمام ہم عمر فوت ہو جائیں اور اگر ان سب اقوال کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی یقینی طور پر اس کی موت تو معلوم نہ ہوگی، پھر اس اندازہ کا کیا فائدہ۔

عامی کا مذہب اپنے مفتی کا فتویٰ ہے بغیر کسی مذہب کی تقیید کے۔

مفقود کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں ہے، یا تو وہ مر چکا ہے، اس صورت میں اس کی عورت پر عدت وفات ہے، اور یا پھر وہ زندہ ہوگا جس نے اپنی عورت کو بھلے طریقہ سے نہیں رکھا تو اس کے لئے تفریق لازم ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کو اچھے طریقہ سے رکھو، اگر واجب کے ادا کرنے میں کوتاہی ہو تو قاضی اس کی طرف سے نائب ہو کر فیصلہ کر سکتا ہے تو ایسی صورت میں ہم نے اس پر دو عدتیں واجب کی ہیں اور مطلقہ کے لئے جو شریعت میں سب سے زیادہ دور کی عدت تھی، وہ اس کے لئے مقرر کر دی، اور بقول شافعی رحمہ اللہ علیہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت چار سال ہے، اس کے بعد ہم نے وفات کی عدت مقرر کی اور چار سال کی مدت کو ہم نے بمنزلہ حکم تفریق کے مقرر کیا، اور قیاس مذکور کا جواب یہ ہے کہ نکاح اور دیگر معاملات میں بڑا فرق ہے، تنگ دست یا نامرد یا عیب دار کی بیوی کو علیحدگی کا اختیار ہے، لیکن لونڈیوں، امہات الاولاد کو اختیار نہیں ہے اور وارث مورث سے میراث کا مطالبہ نہیں کر سکتے کیونکہ میراث تو مورث کے بعد ایک اضطراری ملک ہے اور بیوی خرچ، رہائش اور مجامعت کا مرد سے مطالبہ کر سکتی ہے تو ان دونوں صورتوں میں فرق صاف واضح ہے۔ (المسویٰ شرح الموطا للشاہ ولی اللہ)

مفقود الخبر کی بیوی کے نکاح سے رکے رہنے کی مدت کے متعلق شیوخ دیو بند کا موقف

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی لکھتے ہیں:

مفقود اس شخص کو کہتے ہیں جو لاپتہ ہو جائے اور اس کے بارے میں کسی کو کوئی علم نہ ہو، اس کے اہل اور مال کے حکم میں ائمہ کا

اختلاف ہے۔

(۱) امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک اس کے اہل اور مال دونوں میں اس وقت تک تصرف موقوف رہے گا جب تک اس کی وفات کا علم نہ ہو جائے یا یہ کہ اس کے ہم عمر اور اقران مر جائیں، اس کے بعد تصرف کی اجازت دی جائے گی، جب تک اس کے ہم عمر لوگ زندہ ہیں اس وقت تک اس کی بیوی کسی اور سے شادی نہیں کر سکتی، انتظار کرتی رہے گی۔

(مختصر اختلاف العلماء للطحاوی ج ۲ ص ۳۳۰-۳۲۹)

(۲) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اہل اور مال میں تفصیل ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جو آدمی مفقود ہو جائے اس کے معاملے کو حاکم کے سامنے پیش کیا جائے گا، حاکم اس کی تلاش کرائے گا اور نہ ملنے کی صورت میں اس کی بیوی چار سال تک انتظار کرے گی، چار سال کے بعد عورت کے لیے متوفی عنہا زوجہا ہونے کا فیصلہ کر دیا جائے گا، چنانچہ عورت چار سال کے بعد عدت وفات یعنی چار ماہ دس دن گزار کر کسی دوسرے سے شادی کر سکتی ہے، البتہ یہ چار سال عدالت میں مقدمہ پیش ہونے کے بعد سے شمار کیے جائیں گے اور مال کی صورت میں مالکیہ فرماتے ہیں کہ اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی تا آنکہ اتنی مدت نہ گزر جائے جس میں مفقود کے مر جانے کا یقین ہو جائے، یہ مدت کتنی ہونی چاہیے؟ اس میں ستر سال، اسی سال، نوے سال، سو سال کے مختلف اقوال ہیں۔

(مالکیہ کے مذہب کی مذکورہ تشریح کے لئے دیکھیے: بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۴۶-۴۵)

(۳) امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک میدان جنگ اور سمندری سفر میں گم ہونے والے کے لیے مدت مقرر کی جائے گی (مثلاً مالکیہ کی طرح چار سال) لیکن اس کے علاوہ عام مفقود کے لیے مدت مقرر نہیں کی جائے گی، اور اس کے اہل و مال میں اس وقت تصرف نہیں ہوگا جب تک اس کی وفات کا یقین نہ ہو جائے۔ (الابواب والتراجم ج ۲ ص ۸۱)

شوافع اور حنفیہ کا مسلک چونکہ اس سلسلے میں بہت سخت ہے، اس لیے فقہائے احناف مالکیہ کے مسلک پر فتویٰ دیتے ہیں اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں مستقل ایک رسالہ ''الحیلۃ الناجزۃ'' کے نام سے تصنیف کرایا ہے، اس میں علمائے مالکیہ کے فتاویٰ اور اس مسئلے کے متعلق ان کے مذہب میں شرائط اور تفصیلات کو جمع کیا ہے۔

باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سعید بن مسیب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس اور امام زہری کے مختلف آثار نقل کیے ہیں۔

حضرت سعید بن المسیب نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص صف قتال میں جہاد کے موقع پر گم ہو جاتا ہے تو اس کی بیوی ایک سال تک انتظار کرے گی، تربص امراتہ سنۃ، اصل میں تتربص ہے، ایک تاء کو تخفیفاً حذف کر دیا، اس تعلیق کو عبدالرزاق نے موصولاً نقل کیا ہے اور وہ زیادہ مکمل اور تام ہے ''اذا فقد فی الصف تربصت امراتہ سنۃ، واذا فقد فی غیر الصف فاربع سنین''۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۷۰۳)

دوسری تعلیق حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے، انہوں نے ایک باندی خریدی، ابھی اس کی قیمت ادا نہیں کی تھی کہ باندی کا مالک غائب ہو گیا، ایک سال تک حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو تلاش کیا لیکن وہ نہیں ملا تو انہوں نے باندی کے ثمن کو ایک ایک درہم اور دو دو درہم کر کے صدقہ کرنا شروع کیا، صدقہ کرتے ہوئے فرماتے: اللھم عن فلان، فان اتی فلان فلی وعلی،

یعنی اے اللہ! یہ فلاں شخص کی طرف سے صدقہ ہے، اگر وہ شخص آ گیا تو یہ صدقہ میری طرف سے ہوگا میرے لیے اس کا ثواب ہوگا اور اس کا ثمن میرے ذمہ ہوگا۔ (فلی وعلی) ای فلی الثواب۔۔۔ وعلی الغرامہ۔ اس کے بعد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ لقطہ (گم شدہ چیز) کے بارے میں بھی اسی طرح کر لیا کرو (کہ ایک سال تک اس کا تعارف اور تشہیر کرو اور سال کے بعد اس کو صدقہ کر دو، صدقہ کے بعد اگر مالک آ گیا تو اس کا تاوان ادا کر دینا، صدقہ کا ثواب تمہیں ملے گا)۔

سعید بن منصور نے اس تعلیق کو موصولاً نقل کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۳۷)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح کا اثر منقول ہے، ان کے اثر کو بھی سعید بن منصور نے موصولاً نقل کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۳۷)

چوتھی تعلیق حضرت زہری کی ہے، انہوں نے اس قیدی کے بارے میں جس کی جگہ معلوم ہو فرمایا کہ اس کی بیوی شادی نہیں کر سکتی اور نہ ہی اس کا مال تقسیم کیا جائے گا، ہاں جب اس کی خبر منقطع ہو جائے اور اس کے متعلق کچھ پتہ نہ چلے تب اس قیدی کے ساتھ مفقود والا معاملہ اختیار کیا جائے' (مفقود کے بارے میں امام زہری کا مذہب یہاں بیان نہیں کیا گیا، ان کا مذہب یہ ہے کہ اس کی بیوی چار سال تک انتظار کرے گی اور پھر اس کو شادی کی اجازت ہو گی)۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۳۸)

ابن ابی شیبہ نے اس تعلیق کو موصولاً نقل کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۳۸)

(کشف الباری، کتاب الطلاق ص ۵۰۰-۵۰۲، مکتبہ فاروقیہ کراچی ۱۴۲۶ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے نکاح سے رکے رہنے کے متعلق علماء اہل سنت کا موقف

امام اہل سنت، مجدد دین وملت احمد رضا خان قادری بریلوی حنفی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

جس عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو اور مرد و عورت ہر دو حنفی مذہب کے ہیں تو عورت دوسرے شخص سے نکاح کرنے کا کس قدر مدت تک انتظار کرے؟ علماء مذہب حنفیہ کے اس میں کیا حکم دیتے ہیں؟

الجواب: اتنی مدت کہ مرد کی عمر سے ستر (۷۰) برس گزر جائیں، یعنی اگر اب تک زندہ ہو تو ستر (۷۰) برس کا ہو، مثلاً تیس (۳۰) سال کی عمر میں مفقود ہوا تو عورت چالیس (۴۰) برس انتظار کرے، اس مدت گزرنے پر قاضی اس کی موت کا حکم کرے، بعد حکم عورت چار مہینے دس دن عدت بیٹھے، عدت گزار کر جس سے چاہے نکاح کر لے، فتح القدیر میں ہے:

عندی الاحسن سبعون لقوله علیه الصلوٰۃ والسلام اعمار امتی مابین الستین الی السبعین فکانت المنتهی غالبا۔	میرے نزدیک ستر (۷۰) بہتر ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''میری امت کی عمر ساٹھ اور ستر کے درمیان ہے'' تو آخری حد غالباً معتبر ہے۔

(فتح القدیر ج ۵ ص ۳۷۲، کتاب المفقود، نوریہ رضویہ سکھر)

جواہر اخلاطی میں ہے: انه احوط واقیس (یہی احتیاط اور قیاس کے زیادہ موافق ہے) اسی میں ہے، وعلیه الفتوی (اسی پر فتویٰ ہے۔ (جواہر اخلاطی، ص ۱۲۲، قلمی نسخہ ہے)

درمختار میں ہے:

فی واقعات المفتین لقدری افندی معزیا للقنیة انه انما یحکم بموته بقضاء لانه امر محتمل فما لم ینضم الیه القضاء لا یکون حجة۔

(درمختار ج ا ص ۳۶۹، کتاب المفقود، مطبع مجتبائی، دہلی)

واقعات المفتین میں ہے کہ قنیہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے آفندی نے کہا کہ موت کا حکم قاضی کے ذریعہ ہوگا، کیونکہ احتمالی معاملہ ہے تو جب تک قاضی کا فیصلہ نہ مل جائے اس وقت تک محض مدت کا گزارنا حجت نہ ہوگا۔

تنویر میں ہے:

بعدہ یحکم بموته فتعتد عرسه للموت (ملخصا)

(درمختار شرح تنویر الابصار ج ا ص ۳۶۹ کتاب المفقود، مطبع مجتبائی، دہلی)

مدت گزرنے کے بعد خاوند کی موت کا حکم دیا جائے گا، لہٰذا یہ عورت موت والی عدت پوری کرے گی۔ ملخصاً

ردالمحتار میں ہے: ای عدة الوفاة (یعنی وفات والی عدت مراد ہے)، بہت سن رسیدہ مرد نو عمر عورتوں سے نکاح کرتے ہیں وہاں ایسی صورتیں واقع ہوتی ہیں کہ مرد ستر (۷۰) برس کا اور عورت جوان ہو، مثلاً پچاس پچپن برس کی عمر میں پندرہ برس کی عورت سے نکاح کیا اور مفقود ہو گیا تو جب اس کی عمر سے ستر برس گزریں گے عورت تیس پینتیس برس کی ہوگی، اسی عمر کی عورت بیشک نکاح کے قابل ہے اور نہ ہو تو حکم شرع کے لیے ہے نہ کہ اپنی خواہشِ نفس کے لیے، قرآن عظیم صاف فرما رہا ہے: "وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ (النساء: ۲۴) شادی شدہ عورتوں میں سے"، پھر اس کے خلاف کی طرف راہ کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۳۳۱-۳۳۲، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ۱۴۱۸ھ)

مسئلہ (۲۴۳): زید نہایت بدچلن تھا، اب وہ مفقود الخبر ہے اور زید کی عورت کو گزراوقات کرنا دشوار ہے اور زید کے باپ نے اس عورت کو نظرِ بد سے دیکھا اور زنا کیا، اس صورت میں وہ اپنا نکاح کرنا چاہتی ہے تاکہ اپنی گزر اوقات کرے اور حرام سے بچے، اس صورت میں شرع شریف کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: معاذ اللہ اگر یہ زنا ثابت ہو اور اس کا ثابت ہونا بہت دشوار ہے تو عورت اپنے شوہر پر ضرور ہمیشہ ہمیشہ حرام ہوگئی مگر نکاح سے نہ نکلی جب تک شوہر اپنی زبان سے اسے چھوڑنے کا کوئی لفظ نہ کہے۔ درمختار میں ہے:

بحرمة المصاهرة لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لها التزوج الا بعد المتارکة وانقضاء العدة والوطء بها لا یکون زنا۔

(درمختار ج ا ص ۱۸۸، باب فی المحرمات، مطبع مجتبائی دہلی)

حرمتِ مصاہرت سے نکاح ختم نہیں ہوتا اور عورت دوسرے کو اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک متارکہ اور اس کی عدت پوری نہ ہو جائے، اس دوران وطی کو زنا نہیں قرار دیا جائے گا۔

اسی میں ہے:

تجب العدة بعد الوطء لا الخلوة للطلاق لا للموت من وقت التفریق او متارکة الزوج وان لم تعلم المراة بالمتارکة فی الاصح۔

(درمختار ج ا ص ۲۰۱، مطبع مجتبائی دہلی)

نکاح فاسد میں وقتِ تفریق یا متارکہ سے عورت پر وطی سے طلاق والی عدت ہوگی محض خلوت سے یہ عدت واجب نہ ہوگی اور نہ ہی خاوند کی موت سے موت کی عدت ہوگی۔ عورت کو متارکہ کا علم نہ بھی ہو تب بھی خاوند کے متارکہ سے عدت لازم ہوگی۔

قال الشامی خص الشارح المتارکة بالزوج کما فعل الزیلعی لان ظاهر کلمهم انها لاتکون من المراة اصلا مع ان فسخ هذا النکاح یصح من کل منهما بمحضر الاخر اتفاقا والفرق بین المتارکة والفسخ بعید کذا فی البحر وفرق فی النهر بان المتارکة فی معنی الطلاق فیختص به الزوج اما الفسخ فرفع العقد فلا یختص به وان کان فی معنی المتارکة وردہ الخیر الرملی بان الطلاق لایتحقق فی الفاسد فکیف یقال ان المتارکة فی معنی الطلاق فالحق عدم الفرق ولذا جزم به المقدسی فی شرح نظم الکنز الخ وتمامه فیما علقناہ علی البحر۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۳۵۲، داراحیاء التراث العربی بیروت)

شامی نے کہا کہ شارح نے متارکہ کو خاوند کے ساتھ مختص کیا جیسا کہ امام زیلعی نے کیا ہے کیونکہ ظاہر کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ متارکہ کا حق عورت کو نہیں ہے، حالانکہ اس نکاح کا فسخ مرد اور عورت دونوں کو ایک دوسرے کی موجودگی میں بالاتفاق جائز ہے اور متارکہ اور فسخ میں فرق بعید ہے۔ بحر میں یوں ہی ہے جب کہ نہر میں فرق بتایا گیا ہے کہ متارکہ طلاق کی طرح ہے اس لیے طلاق کی طرح خاوند ہی متارکہ کر سکتا ہے اور فسخ نکاح کو کالعدم قرار دینے کا نام ہے اس لیے یہ خاوند سے مختص نہ ہوگا اگرچہ متارکہ کا معنی پایا جاتا ہے۔ اس کو خیر الدین رملی نے رد کر دیا اور کہا کہ فاسد نکاح میں طلاق کی ضرورت نہیں ہوتی تو وہاں متارکہ، طلاق کے معنیٰ میں کیسے کہا جاسکتا ہے، للہٰذا حق یہی ہے کہ متارکہ اور فسخ میں کوئی فرق نہیں اسی لیے مقدسی نے نظم الکنز کی شرح میں اس پر جزم کا اظہار کیا ہے۔

اور یہ تمام بحث بحر پر ہمارے حاشیہ میں ہے۔

ذکر فیه استناد الرملی بما لیس له بل علیه کمابینه فی منحة الخالق وبالجملة فلا یثبت من کلامهم الا اختصاص الزوج بالمتارکة ثم لا یشم خلافه اصلا اقول وقول النهران المتارکة فی معنی الطلاق معناہ ان المتارکة فی الفاسد فی معنی الطلاق فی الصحیح فلا یمسه ما ذکر الرملی واید ہ الشامی واما الاستشکال بقولهم کما فی الدر یثبت لکل واحد منهما فسخه ولو بغیر محضر من صاحبه دخل بها اولا فی الاصح خروجا عن المعصیة فلا ینافی وجوبه بل یجب علی القاضی التفریق بینهما۔ (درمختار ج ا ص ۲۰۱ مجتبائی دہلی)

وہاں شامی نے خیر الدین رملی کی جو دلیل ذکر کی وہ ان کے حق میں نہیں بلکہ ان کے خلاف ہے، جیسا کہ انہوں نے منحۃ الخالق میں اس کو ذکر کیا ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ ۶ فقہاء کرام کے کلام سے متارکہ کا خاوند کے ساتھ خاص ہونا ہی ثابت ہوتا ہے، اور اس کے خلاف کی بو تک محسوس نہیں ہوتی۔

اقول۔ نہر کے قول میں کہ متارکہ، طلاق کے معنیٰ میں ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ فاسد نکاح میں متارکہ طلاق کے قائم مقام ہے، صحیح قول میں، للہٰذا رملی کا اعتراض بے جا ہے، اس کی تائید علامہ شامی نے کی ہے۔ باقی رہا وہ اشکال جو فقہاء کی اس عبارت سے پیدا ہوتا ہے جس کو در میں اختیار کیا ہے کہ مرد اور عورت دونوں کو فسخ کا اختیار ہے اگرچہ ایک دوسرے کی غیر حاضری میں ہو، خول ہوا ہو یا نہ، تا کہ گناہ سے اجتناب ہو سکے، اور یہ آپس کا متارکہ قاضی پر تفریق کے وجوب کے منافی نہیں ہے بلکہ قاضی دونوں میں تفریق کا حکم دے گا۔

فاقول یتراای لی واللہ تعالٰی اعلم ان ھذا فیما اذا وقع فاسد کما اذا انکحھا بلا شھود او بعد ما مس امھا وذالک لانہ لم یثبت لہ الید الشرعیۃ علیھا اصلا وکان لکل منھما فسخہ ازالۃ للمعصیۃ وما ذکروا ھھنا من تخصیص المتارکۃ بالزوج فھو فیما اذا طرء الفساد فھم لاتتفرد بالفسخ لانہ لیس دفعا بل رفع ید شرعیۃ ثبتت للزوج فلابد من متارکتہ

فاقول واللہ تعالیٰ اعلم۔ مجھے جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ کہ مرد اور عورت دونوں کو بہرصورت فسخ کا اختیار اس صورت میں ہے جب کہ نکاح ابتداءً ہی فاسد منعقد ہوا ہو، جیسے بغیر گواہوں کے نکاح یا منکوحہ کی ماں کو پہلے شہوت سے چھو چکا ہو، کیونکہ اس صورت میں خاوند کا بیوی پر شرعی حق ثابت ہی نہیں ہوتا اس لیے دونوں کو ایک دوسرے سے متارکہ کا حق ہے تاکہ گناہ کا ازالہ ہو جائے اور فقہاء کرام نے جو یہ کہا ہے کہ متارکہ خاوند کا ہی حق ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ ابتداءً نکاح صحیح ہوا ہو اور بعد میں فساد اس پر طاری ہوا ہو، تو اس صورت میں اکیلی عورت کو فسخ کا حق نہیں کیونکہ یہ گناہ کا دفاع نہیں بلکہ ثابت شدہ شرعی حق کا خاتمہ ہے اس لیے خاوند کی طرف سے متارکہ ضروری ہے اور اس کی حکمت یہ ہے کہ اگر اس صورت میں عورت کو مستقل طور پر فسخ کا حق دیا جائے تو فتنہ برپا ہوگا کہ جب بھی عورت اپنے خاوند سے علیحدگی چاہے تو وہ مثلاً خاوند کے بیٹے کا شہوت سے بوسہ لے لے اور خود نکاح کو فاسد کر کے جہاں چاہے نکاح کرتی پھرے، تو اس فتنہ کا سدِ باب ضروری ہے۔

یہاں کہ شوہر مفقود ہے اور حرمت موجود ہے، عورت پر لازم کہ حاکمِ شرع کے حضور مرافعہ کرے اور وہ ثبوت لے، اگر دو گواہانِ عادل سے پدرِ زید کا زوجۂ زید کے ساتھ فعلِ بد کا ارتکاب ثابت ہو "لان ھذا ھو نصاب ثبوت حرمۃ المصاھرۃ وان لم یثبت بہ الزنا فی حق الحد (کیونکہ یہ حرمتِ مصاہرہ کے ثبوت کے لیے نصاب ہے اگرچہ اس سے حد کے معیار پر زنا ثابت نہیں ہوتا۔ تو ان دونوں مرد و زن میں تفریق کر دے، روزِ تفریق سے عورت تین حیض کی عدت کرے اس کے بعد نکاح ثانی جائز ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ رضویہ ج ۱۱ ص ۴۴۸-۴۵۱، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ لاہور ۱۴۱۸ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق سید دیدار علی شاہ کا فتویٰ

مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری متوفی ۱۳۵۴ھ لکھتے ہیں:

دس برس سے خاوند مفقود ہے اور عورت جوان عمر ہے۔ کوئی صورتِ گزارہ نہیں۔ احتمالِ زنا بھی ہے، لہٰذا وہ شرعاً نکاح کر سکتی ہے؟

سائل: پابند شریعت مسماۃ عرب بیگم بنت میر علی، (پانی جوکی آگرہ، ۱۴ اپریل ۱۹۱۶ء)

الجواب ھو المصوب: ایسی صورت میں جب کہ مجبوری انتہا درجہ کی ہو تو حنفیہ کو بتقلیدِ شافعی و مالکی بعد اس قدر مدت مدید کے نکاح جائز ہے۔ جامع الرموز میں ہے:

قال مالک والاوزاعی الی اربع سنین فینکح عرسہ

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ چار سال تک

بعدہ کما فی النظم لفوافتی به فی موضع الضرورة ینبغی ان لاباس به علی مانحن۔ (جامع الرموز)

خاوند کو تلاش کیا جائے، اس کے بعد اس کی بیوی نکاح کرے، جیسا کہ النظم میں ہے اگر کوئی مفتی ضرورت کے مقام پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دے تو ہمارے موقف کے مطابق اس میں کوئی حرج نہ ہونا چاہیے۔

ردالمحتار میں ہے:

لوافتی به فی موضع الضرورة لاباس به علی ما اظن۔ (ردالمحتار جلد ۳ ص ۳۶۲ مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اگر ضرورت کے موقع پر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دے تو میرا خیال یہ ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

مگر بدرجۂ احتیاط حاکم کو بھی اطلاع کر دی جائے۔ فقط

کتبہ: المفتی السید محمد اعظم شاہ غفرلہ

نوٹ: فقہاء شافعیہ کا مذہب وہی ہے جو فقہاء احناف کا مذہب ہے (سعیدی غفرلہ)

مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق صدر الافاضل سید نعیم الدین مراد آبادی کا فتویٰ

صدر الافاضل علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ زوجہ مفقود الخبر کے نکاح ثانی کرنے کے بارے میں خلاصۃ المسائل میں جو مسئلہ خبر میں ہے کہ زوجۂ مفقود الخبر کی بعد انتظاری چار سال مہینہ کے نکاح ثانی کر سکتی ہے جس کے صحیح ہونے میں تقریباً تیس مولویوں کے دستخط درج ہیں تو ہمارے حنفی المذہب کے علماء کی کیا رائے ہے حنفی مذہب کے سب علماء اس مسئلہ میں متفق ہیں یا مختلف اور یہ مسئلہ کس مذہب کا ہے، حنفی اس مسئلہ پر عمل کر سکتے ہیں یا نہیں، مفصل تحریر فرمائیں، بینوا وتوجروا

المستفتی ارشاد حسین۔ رامپور۔ ۵ جمادی الاول ۱۳۴۷ھ

الجواب بعون الملک الوہاب: مفقود الخبر کی زوجہ اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتی جب تک کہ قاضی اس کی موت کا حکم نہ کرے اور وہ موت کی عدت نہ گزارے، عینی شرح کنز میں ہے: "وتعتد امراة وورث منه ای من المفقود حینئذ ای حین حکم بموته لایکون حجة"، اب رہی یہ بات کہ قاضی کب حکم کرے، ظاہر الروایۃ میں یہ ہے کہ اس کی موت کا اندازہ اس کے ہم وطن اقران کی موت سے کیا جائے گا، جب وہاں اس کے ہم عمر مر چکیں تو قاضی اس کی موت کا حکم کر سکتا ہے۔ علامہ شیخ مصطفی شرح کنز میں فرماتے ہیں: "وفی ظاهر الرواية بقدر بموت اقرانه من اهل بلدة علی المذهب"، قرآن کی موت کتنے عرصہ میں ہوتی ہے، اس میں فقہاء کے مختلف اقوال ہیں، ایک قول تو یہ ہے کہ نوے سال کی عمر ہونے تک ایک سو تیس برس (۱۳۰) ہونے تک متاخرین نے ساٹھ برس اختیار کئے۔ امام ابن ہمام نے ستر برس (۷۰) کو مختار فرمایا۔ تو علمائے حنفیہ کا مسلک ہے حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار سال گزرنے پر قاضی ان دونوں میں تفریق کر دے اور عورت کی عدت گزار کر چاہے تو نکاح کر لے۔ عینی شرح کنز میں ہے:

"قال مالك اذا مضی اربع سنین یفرق بینهما وتعتد عدة الوفاة ثم تتزوج ان شاءت"۔ اگر ضرورت شدیدہ ہو اور

تفریق نہ کرنے سے کسی فتنۂ قویہ کا اندیشہ ہو تو حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے پر عمل کیا جائے۔ رد المحتار میں ہے: لکن قدمنا ان الکلام عند تحقق الضرورۃ حیث لم یوجد مالکی یحکم بہ واللہ سبحٰنہ اعلم

کتبہ المعتصم بحبل اللہ المتین

سید محمد نعیم الدین عفا عنہ المعین

۱۵ جمادی الآخر، ۱۳۴۷

(فتاویٰ صدر الافاضل ص ۵۱۹-۵۲۰، مکتبہ غوثیہ کراچی)

مفقود الخبر کی بیوی کے متعلق صدر الشریعہ کا فتویٰ

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا محمد امجد علی اعظمی حنفی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

مفقود اسے کہتے ہیں جس کا کوئی پتا نہ ہو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مر گیا۔ (الدر المختار ج ۶ ص ۴۳۸)

مسئلہ (۱): مفقود خود اپنے حق میں زندہ قرار پائے گا، لہٰذا اس کا مال تقسیم نہ کیا جائے اور اس کی عورت نکاح نہیں کر سکتی اور اس کا اجارہ فسخ نہ ہوگا اور قاضی کسی شخص کو وکیل مقرر کر دے گا کہ اس کے اموال کی حفاظت کرے اور اس کی جائداد کی آمدنی وصول کرے اور جن دیون کا قرضداروں نے خود اقرار کیا ہے انہیں وصول کرے اور اگر وہ شخص اپنی موجودگی میں کسی شخص کو ان امور کے لیے مقرر کر گیا ہے تو یہی وکیل سب کچھ کرے گا قاضی کو بلا ضرورت دوسرا وکیل مقرر کرنے کی حاجت نہیں۔

(الدر المختار ج ۶ ص ۴۴۸، کتاب المفقود)

مسئلہ (۲): قاضی نے جسے وکیل کیا ہے اس کا صرف اتنا ہی کام ہے کہ قبض کرے اور حفاظت میں رکھے مقدمات کی پیروی نہیں کر سکتا، یعنی اگر مفقود پر کسی نے دَین یا ودیعت کا دعویٰ کیا یا اس کی کسی چیز میں شرکت کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ وکیل جوابدہی نہیں کر سکتا اور نہ خود کسی پر دعویٰ کر سکتا ہے، ہاں اگر ایسا دَین ہو جو اس کے عقد سے لازم ہوا ہو تو اس کا دعویٰ کر سکتا ہے۔

(الدر المختار ج ۶ ص ۴۵۰، الہدایہ ج ۱ ص ۴۲۳، کتاب المفقود)

مسئلہ (۳): مفقود کا مال جس کے پاس امانت ہے یا جس پر دَین ہے یہ دونوں خود بغیر حکم قاضی ادا نہیں کر سکتے، اگر امین نے خود دے دیا تو تاوان دینا پڑے گا اور مدیون نے دیا تو دَین سے بری نہ ہوا بلکہ پھر دینا پڑے گا۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۷۴-۲۷۶)

مسئلہ (۴): مفقود پر جن لوگوں کا نفقہ واجب ہے یعنی اس کی زوجہ اور اصول و فروع ان کو نفقہ اس کے مال سے دیا جائے گا یعنی روپیہ اور اشرفی یا سونا یا چاندی جو کچھ گھر میں ہے یا کسی کے پاس امانت یا دَین ہے ان سے نفقہ دیا جائے اور نفقہ کے لیے جائداد منقولہ یا غیر منقولہ بیچی نہ جائے، ہاں اگر کوئی ایسی چیز ہے جس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہے تو قاضی اسے بیچ کر ثمن محفوظ رکھے گا اور اب اس میں سے نفقہ بھی دیا جا سکتا ہے۔ (الفتاویٰ الھندیہ ج ۲ ص ۳۰۰، الدر المختار و رد المحتار ج ۶ ص ۴۵۱)

مسئلہ (۵): مفقود اور اس کی زوجہ میں تفریق اس وقت کی جائے گی کہ جب ظن غالب یہ ہو جائے کہ وہ مر گیا ہوگا اور اس کی مقدار یہ ہے کہ اس کی عمر سے (۷۰) ستر برس گزر جائیں، اب قاضی اس کی موت کا حکم دے گا اور عورت عدتِ وفات گزار کر اگر نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے اور جو کچھ املاک ہیں ان لوگوں پر تقسیم ہوں گے جو اس وقت موجود ہیں۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۳۷۴، کتاب المفقود)

مسئلہ(۶): دوسروں کے حق میں مفقود مردہ ہے یعنی اس زمانہ میں کسی کا وارث نہیں ہوگا مثلاً ایک شخص کی دو لڑکیاں ہیں اور ایک لڑکا اور اس کے بھی بیٹے اور بیٹیاں ہیں لڑکا مفقود ہو گیا۔ اس کے بعد وہ شخص مرا تو آدھا مال لڑکیوں کو دیا جائے اور آدھا محفوظ رکھا جائے، اگر مفقود آ جائے تو یہ نصف اس کا ہے ورنہ حکمِ موت کے بعد اس نصف کی ایک تہائی مفقود کی بہنوں کو دیں اور دو تہائیاں مفقود کی اولاد پر تقسیم کریں۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۳۴۷، کتاب المفقود)

یعنی دوسروں کے اموال لینے کے لیے مفقود مردہ تصور کیا جائے، مورث کی موت کے وقت جو لوگ زندہ تھے وہی وارث ہوں گے، مفقود کو وارث قرار دے کر اس کے ورثہ کو وہ اموال نہیں ملیں گے۔ (الدر المختار ج ۶ ص ۴۵۶) یہ اس وقت ہے کہ جب سے گم ہوا ہے، اس کا اب تک کوئی پتہ نہ چلا ہو اور اگر درمیان میں کبھی اس کی زندگی کا علم ہوا ہے تو اس وقت سے پہلے جو لوگ مرے ہیں ان کا وارث ہے بعد میں جو مریں گے ان کا وارث نہیں ہوگا۔ (بحر الرائق ج ۵ ص ۲۷۸)

مسئلہ(۷): مفقود کے لیے کوئی شخص وصیت کر کے مر گیا تو مالِ وصیت محفوظ رکھا جائے اگر آ گیا تو اسے دے دیں ورنہ موصی کے ورثہ کو دیں گے اس کے وارث کو نہیں ملے گا۔ (بحر الرائق ج ۶ ص ۴۵۳)

مسئلہ(۸): مفقود اگر کسی وارث کا حاجب ہو تو اس محجوب کو کچھ نہ دیں گے بلکہ محفوظ رکھیں گے مثلاً مفقود کا باپ مرا تو مفقود کے بیٹے محجوب ہیں اور اگر مفقود کی وجہ سے کسی کے حصہ میں کمی ہوتی ہے تو مفقود کو زندہ فرض کر کے سہام نکالیں پھر مردہ فرض کر کے نکالیں، دونوں میں جو کم ہو وہ موجود کو دیا جائے اور باقی محفوظ رکھا جائے۔ (الدر المختار ج ۶ ص ۴۵۶)

(بہارِ شریعت حصہ ۱۰ ص ۴۸۵-۴۸۷، مکتبۃ المدینہ کراچی، ۱۴۳۰ھ)

مفقود الخبر کی بیوی کے نکاح سے رکے رہنے کے متعلق مصنف کی تحقیق

چار سال یا ایک سال بعد مفقود کو مردہ قرار دینے کے ثبوت میں آثارِ صحابہ و تابعین

حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں:

عن سعید بن المسیب ان عمر بن الخطاب وعثمان بن عفان قالا فی امراۃ المفقود تربص اربع سنین وتعتد اربعۃ اشھر وعشرا۔

سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عثمان بن عفان نے فرمایا: مفقود کی عورت چار سال ٹھہرے اور اس کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات گزارے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۷۱۱، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

عن سعید بن المسیب فی الفقید بین الصفین تربص امراتہ سنۃ۔

جو شخص صفوں کے درمیان گم ہو جائے اس کی بیوی کو سعید بن المسیب ایک سال ٹھہرنے کا حکم دیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۶۷۱۵، دار الکتب العلمیہ بیروت)

ھولاء حکما من الناس وھولاء حکما فقال علی للحکمین: اتدریان ما علیکما؟ ان رایتما ان

ایک فریق نے اپنا حَکَم (منصف) مقرر کیا اور دوسرے فریق نے بھی اپنا حَکَم مقرر کیا، حضرت علی نے دونوں حَکَموں سے کہا: اگر

تفرقا فرقتما وان رایتما ان تجمعا جمعتما، فقال الزوج: اما الفرقة فلا فقال علی کذبت، واللہ لا تبرح حتی ترضی بکتاب اللہ لک وعلیک فقالت المرأة رضیت بکتاب اللہ لی وعلی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۵۱۲، ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

تمہاری رائے میں ان کی علیحدگی درست ہو تو ان کو علیحدہ کر دینا اور اگر تمہاری رائے میں ان کا ساتھ رہنا درست ہو تو ان کو ساتھ رہنے کا حکم دینا، خاوند نے کہا: علیحدگی کا فیصلہ مت کرنا! حضرت علی نے فرمایا تم جھوٹ بولتے ہو بخدا تم اس وقت تک نہیں جا سکتے جب تک کہ کتاب اللہ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو جاؤ خواہ وہ تمہارے حق میں ہو یا خلاف! عورت نے کہا: میں کتاب اللہ کے فیصلے پر راضی ہوں، خواہ میرے حق میں ہو یا خلاف!

عن ابن عباس قال: بعثت انا ومعاویة حکمین فقیل لنا: ان رایتما ان تجمعا جمعتما وان رایتما ان تفرقا فرقتما قال معمر وبلغنی ان الذی بعثهما عثمان .

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۵۱۶، ادارۃ القرآن ۱۴۰۶ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مجھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حکم بنا کر بھیجا گیا اور ہمیں یہ ہدایت دی گئی کہ اگر تمہاری رائے میں ان کا اجتماع درست ہو تو ان کو مجتمع کر دو اور اگر تمہاری رائے میں ان کی تفریق درست ہو تو ان میں تفریق کر دو، معمر کہتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی کہ انکو بھیجنے والے حضرت عثمان تھے۔

عن الشعبی قال: ان شآء الحکمان فرقا وان شاء اجمعا (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۵۱۱)

شعبی بیان کرتے ہیں کہ دونوں حکم اگر چاہیں تو جمع کریں اور اگر چاہیں تو تفریق کر دیں۔

عن ابی سلمة ان شاء الحکمان ان یفرقا فرقا وان شاء ان یجمعا جمعا۔

ابوسلمہ بیان کرتے ہیں کہ اگر دونوں حکم تفریق کرنا چاہیں تو تفریق کر دیں اور اگر جمع کرنا چاہیں تو جمع کر دیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۵۱۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن ۱۴۰۶ھ)

مفتی المالکیہ شیخ الجامع الازہر نے عدم نفقہ، مفقود، ظلم وضرر کی دس صورتوں میں مذہب مالکیہ کے مطابق قاضی کے طلاق نافذ کرنے اور حکمین کی تفریق کا جو جواز بیان کیا تھا ہم نے اس کے ثبوت میں قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ وتابعین سے متعدد حوالے بیان کر دیے تاکہ کسی شخص کو یہ خیال نہ ہو کہ ان صورتوں میں صرف امام مالک کے اقوال پر فسخ ہے۔

علاوہ ازیں ائمہ احناف نے ضرورت کے مواقع پر دوسرے ائمہ کے اقوال اور خصوصاً امام مالک کے قول پر فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے کو جائز قرار دیا ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذہب غیر پر فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے بارے میں ہم یہاں فقہاء احناف کی آراء نقل کر دیں۔

مذہب غیر پر افتاء اور قضاء کے بارے میں فقہاء احناف کی آراء

مذہب غیر پر فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے کے بارے میں بحث کرتے ہوئے علامہ محمد امین بن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

ان الحكم ثلاثة انواع منه مالا يصح اصلا وان نفذه الف قاض وهو ما خالف كتابا اوسنة مشهورا او اجماعا ومنه ما ثبت فيه الخلاف قبل الحكم ويرتفع بالحكم حتى لو رفع الى قاض اخر لا يراه امضاه ومنه ما ثبت الخلاف بعد الحكم اى وقع الخلاف فى صحة الحكم به فهذا ان رفع الى قاض اخر فان كان لايراه ابطله وان كان يراه امضاه۔ (ردالمحتار ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

قاضی کے حکم کی تین قسمیں ہیں، پہلی قسم وہ ہے جس میں اس کا حکم بالکل صحیح نہیں ہے خواہ ہزار قاضی اس حکم کی توثیق کر دیں، یہ وہ حکم ہے جو کتاب اللہ، سنت مشہورہ یا اجماع کے خلاف ہو، دوسری قسم وہ ہے جس میں قاضی کے حکم سے پہلے مجتہدین کا اختلاف ہو، ایسا حکم جب دوسرے قاضی کے پاس جائے تو وہ اس کو نافذ کر دے، خواہ اس دوسرے قاضی کے نزدیک (یعنی اس کے مذہب میں) وہ حکم صحیح نہ ہو، تیسری قسم وہ ہے جس میں قاضی کے حکم کے بعد اختلاف پیدا ہوا ہو ایسا حکم جب دوسرے قاضی کے پاس جائے تو اگر وہ اس کو جائز سمجھتا ہو تو نافذ کر دے اور اگر ناجائز سمجھتا ہو تو اس حکم کو باطل کر دے۔

علامہ سید محمد امین بن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

علامہ شامی نے دوسری قسم کی ایک اور جگہ اسی بحث میں یہ مثال دی ہے کہ ایک شافعی قاضی توبہ کے بعد محدودین کی شہادت پر فیصلہ کر دے اور یہ فیصلہ حنفی قاضی کے پاس آئے تو وہ اس کو نافذ کر دے ہر چند کہ یہ فیصلہ حنفی قاضی کے مذہب کے خلاف ہے۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۵۲، مطبوعہ عثمانیہ استنبول ۱۳۲۷ھ)

مذہب غیر پر قضاء کی دوسری شکل یہ ہے کہ قاضی مجتہد ہو اور دوسرے امام اور مجتہد کی رائے اس کے اجتہاد کے موافق ہو اور اس کا اجتہاد اپنے مذہب کے خلاف ہو۔ اس صورت میں اگر وہ دوسرے امام کے مذہب کے مطابق فیصلہ کر دے تو اس کا فیصلہ صحیح ہے اور نافذ ہو جائے گا یہ اس سے عام ہے کہ اس مسئلہ میں ضرورت ہو یا نہ ہو۔

علامہ محمد امین بن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

يشترط لصحة القضاء ان يكون موافقا لرايه اى لمذهبه مجتهدا كان او مقلدا فلو قضى بخلافه لا ينفذ لكن فى البدائع انه اذا كان مجتهدا ينبغى ان يصح ويحمل على انه اجتهد فاراه اجتهاده الى مذهب الغير ويؤيده ما قدمناه رسالة العلامة قاسم مستدلا بمافى السير الكبير۔

(ردالمحتار ج ۴ ص ۴۶۴، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ)

قاضی کے فیصلہ کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ فیصلہ اس کے مذہب کے موافق ہو، اگر وہ فیصلہ اس کے مذہب کے خلاف ہے تو نافذ نہیں ہوگا، خواہ قاضی مجتہد ہو یا مقلد، لیکن بدائع الصنائع میں یہ ہے کہ اگر قاضی مجتہد ہو تو اس کا یہ فیصلہ صحیح ہوگا اور اس پر محمول ہوگا کہ اس کا اجتہاد مذہب غیر کے موافق ہوا ہے، اس کی تائید علامہ قاسم کے اس رسالہ سے بھی ہوتی ہے جس میں انہوں نے اس مسئلہ پر سیر کبیر سے استدلال کیا ہے جس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

مذہب غیر پر قضاء اور افتاء کی تیسری صورت یہ ہے کہ قاضی اور مفتی کے نزدیک پیش آمدہ مسئلہ میں ہر چند کہ صحیح مذہب وہی ہو جو اس کے امام کا ہے لیکن اس کے امام کے قول پر مسئلہ حل نہیں ہوتا، اس وجہ سے بر بناء مصلحت و ضرورت وہ دوسرے امام کے قول

پر فتویٰ دیتا ہے یا قضاء کرتا ہے تو اس ضرورت اور مصلحت کی وجہ سے اس کی قضاء اور فتویٰ صحیح ہے۔

ائمہ احناف کے نزدیک جو شخص غائب ہو اس کے حق میں یا اس کے خلاف فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے اور امام شافعی اور دوسرے ائمہ کے نزدیک غائب کے بارے میں فیصلہ کرنا جائز ہے۔

علامہ محمد امین بن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

لو برهن على الغائب وغلب على ظن القاضى انه حق لاتزوير ولاحيلة فيه فينبغى ان يحكم عليه وله وكذا للمفتى ان يفتى بجوازه دفعا للحرج والضرورات وصيانة للحقوق عن الضياع مع انه مجتهد فيه ذهب اليه الائمة الثلاثة وفيه روايتان عن اصحابنا وينبغى ان ينصب عن الغائب وكيل يعرف انه يراعى جانب الغائب ولا يفرط فى حقه واقره فى نور العين قلت يويده ما ياتى قريبا فى المسخر وكذا مافى الفتح من باب المفقود لايجوز القضاء على الغائب الا اذا راى القاضى مصلحة فى الحكم له وعليه فانه ينفذ لانه مجتهد فيه قلت وظاهره ولو كان القاضى حنفيا ولو فى زماننا ولاينافى ما مر لان تجويز هٰذا للمصلحة والضرورة۔

(ردالمحتار ج ۴ ص ۴۰۷-۴۰۶، مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ)

اگر غائب کے خلاف دلیل قائم کر دی گئی اور قاضی کا گمان غالب یہ ہے کہ یہ حق ہے جھوٹ نہیں ہے، اور نہ اس میں کوئی حیلہ ہے تو غائب کے خلاف یا اس کے حق میں فیصلہ کر دینا چاہیے، اسی طرح مفتی بھی یہ فتویٰ دے سکتا ہے تا کہ حرج نہ ہو اور لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہوں اور اس میں ضرورت ہے، علاوہ اس کے یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے، ائمہ ثلاثہ کا یہی مذہب ہے اور ہمارے اصحاب کے بھی اس میں دو قول ہیں۔ اور مناسب یہ ہے کہ غائب کی طرف سے ایک وکیل کر لیا جائے جس کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ وہ غائب کی رعایت کرے گا اور اس کے حق میں کمی نہیں کرے گا، نور العین میں اس کو برقرار رکھا ہے، اور عنقریب مسخر میں اس کا ذکر ہوگا، اس طرح فتح القدیر میں مفقود کی بحث میں ہے، جب قاضی غائب کے خلاف یا اس کے حق میں کوئی مصلحت دیکھے تو اس کے مطابق فیصلہ کر دے اور اس کا حکم نافذ ہو جائے گا کیونکہ وہ مجتہد فیہ ہے۔ (علامہ شامی کہتے ہیں:) میں کہتا ہوں کہ خواہ قاضی حنفی ہو اور خواہ ہمارے زمانہ میں ہو اور یہ قاعدہ پہلے قاعدہ کے خلاف نہیں ہے کیونکہ اس قاعدہ کو ضرورت اور مصلحت کی بناء پر جائز قرار دیا گیا ہے۔

بلا ضرورت مذہب غیر پر قضاء صحیح نہ ہونے کی وجہ

علامہ شامی بدائع الصنائع کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ اگر قاضی کا اجتہاد مذہب غیر کے موافق ہو تو مذہب غیر کے مطابق اس کا فیصلہ صحیح ہے، پھر اس کا کیا سبب ہے کہ وہ جگہ جگہ یہ قید لگاتے ہیں کہ ضرورت اور مصلحت کے وقت مذہب غیر پر قاضی کا فیصلہ صحیح ہے ورنہ نہیں، اس کی وجہ علامہ شامی نے یہ بیان کی ہے کہ ہمارے زمانہ میں سلطان اس شرط پر کسی شخص کو قاضی مقرر کرتا ہے کہ وہ ہمارے مذہب صحیح کے مطابق فیصلہ کرے گا۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

بخلاف الحنفى فانه وان صح حكمه بغير مذهبه على احد القولين لكنه فى زماننا لا يصح اتفاقا

ہر چند کہ ایک قول کے مطابق حنفی قاضی کا مذہب غیر پر فیصلہ کرنا صحیح ہے، لیکن ہمارے زمانہ میں یہ بالاتفاق صحیح نہیں ہے، کیونکہ اب

لتقييد السلطان قضاته بالحكم بالصحيح من مذهبنا فلا ينفذ حكمه بالضعيف فضلا عن مذهب الغير فافهم۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۱۷۷، مطبوعہ استنبول)

سلطان اس شرط پر قاضی کا تقرر کرتا ہے کہ وہ ہمارے مذہب کے صحیح قول کے مطابق فیصلہ کرے گا، اس لیے اگر اس نے قول ضعیف پر بھی فیصلہ کیا تو وہ بالاتفاق نافذ نہیں ہوگا چہ جائیکہ اس کا فیصلہ مذہب غیر پر ہو، فافہم۔

یہ علامہ شامی اپنے زمانہ کے عرف کی بات کر رہے ہیں اور ہمارے زمانہ کا عرف یہ ہے کہ قاضی کے تقرر کے وقت یہ شرط نہیں لگائی جاتی اس لیے اب حنفی قاضی کا فیصلہ مذہب غیر پر مطلقاً صحیح ہوگا اور ضرورت اور مصلحت کے وقت بطریق اولیٰ صحیح ہوگا۔

بالخصوص امام مالک کے اقوال پر افتاء اور قضاء کے بارے میں تصریحات

ضرورت اور مصلحت کی بناء پر مذہب غیر پر افتاء اور قضاء کی بحث میں علامہ شامی لکھتے ہیں:

لقول القهستاني لو افتى به في موضع الضرورة لا باس به على ما اظن قلت ونظيرهذه المسئلة عدة ممتدة الطهر التي بلغت برؤية الدم ثلاثة ايام ثم امتد طهرها فانها تبقى في العدة الى ان تحيض ثلاث حيض وعند مالك تنقضي عدتها بتسعة اشهر وقد قال في البزازيه الفتوى في زماننا على قول مالك وقال الزاهدي كان اصحابنا يفتون به للضرورة واعترضه في النهر بانه لا داعي الى الافتاء بمذهب الغير لا مكان الترافع الى مالكي يحكم بمذهبه وعلى ذالك ذهب ابن وهبان في منظومته هناك لكن قدمناه ان الكلام عند تحقق الضرورة حيث لم يوجد مالكي يحكم به

(ردالمحتار ج ۳ ص ۴۵٦)

علامہ قہستانی نے کہا ہے کہ اگر ضرورت کی بناء پر امام مالک کے قول پر فتویٰ دیا تو جائز ہے (علامہ شامی فرماتے ہیں:) میں کہتا ہوں: اس مسئلہ کی نظیر یہ ہے کہ جو عورت تین دن کے حیض سے بالغ ہوئی ہو اور پھر اس کا طہر ہمیشہ جاری رہے تو احناف کے نزدیک اس کی عدت تین حیض ہی ہے اور امام مالک کے نزدیک اس کی عدت نو ماہ ہے اور فتاویٰ بزازیہ میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ میں فتویٰ امام مالک کے قول پر ہے اور فقیہ زاہدی نے لکھا ہے کہ ہمارے اصحاب ضرورت کی بناء پر امام مالک کے قول پر فتویٰ دیتے ہیں، اس پر نہر میں یہ اعتراض ہے کہ مذہب غیر پر فتویٰ دینے کی کیا ضرورت ہے، کسی مالکی عالم سے فتویٰ لیا جائے جو اپنے مذہب کے مطابق فتویٰ دے، ابن وہبان نے بھی اپنے منظومہ میں اسی کے موافق کہا ہے، (علامہ شامی کہتے ہیں:) لیکن ہم اس مسئلہ سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مذہب غیر پر فتویٰ دینے کا جواز ضرورت کی بناء پر ہے اور ضرورت اس جگہ ہوگی جہاں مالکی عالم موجود نہ ہو۔

علامہ شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی المتوفی ۹۶۲ھ لکھتے ہیں:

قال مالك والاوزاعي الى اربع سنين فينكح عرسه بعدها كما في النظم فلوافتي به في موضع الضرورة ينبغي ان لا باس به على ما اظن۔

امام مالک اور اوزاعی نے کہا کہ مفقود کی عورت چار سال تک ٹھہرے، اس کے بعد اس کا نکاح کر دیا جائے جیسا کہ نظم میں ہے، پس اگر ضرورت کی وجہ سے اس قول پر فتویٰ دیا جائے تو کوئی

(جامع الرموز ج ۳ ص ۴۶۹، مطبوعہ منشی نولکشور ۱۲۱۹) حرج نہیں ہے۔

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

نعم مذهب مالك والقديم من مذهب الشافعي تقديره باربع سنين لكن في حق عرسه لا غير فتنكح بعدها كما في النظم فلو افتى به في موضع الضرورة ينبغي ان لا باس به كذا في القهستاني

(الدر المنتقی علی ملتقی الابحر ج ۱ ص ۷۱۳-۷۱۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی)

ہاں امام مالک کا مذہب اور امام شافعی کا قدیم مذہب یہ ہے کہ مفقود کو چار سال بعد مردہ قرار دیا جائے گا لیکن یہ صرف اس کی بیوی کے معاملہ میں ہے، پس چار سال بعد اس کا نکاح کیا جا سکتا ہے جیسا کہ نظم میں ہے اور اگر ضرورت کے مواقع پر اس قول کے مطابق فتویٰ دیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ قہستانی میں اسی طرح ہے۔

علامہ احمد بن محمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ نے بھی ضرورت کی وجہ سے امام مالک کے قول پر فتویٰ کو جائز قرار دیا ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار ج ۲ ص ۵۰۹، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۳۹۵ھ)

علامہ شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی المتوفی ۹۶۲ھ لکھتے ہیں:

لانه كالتلميذ لابي حنيفة ولذا مال اصحابنا الى بعض اقواله ضرورة كما في ديباجة المصفي

(جامع الرموز (شرح وقایۃ الروایۃ) ج ۲ ص ۲۳۶، مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنو ۱۲۹۱ھ)

امام مالک، امام ابوحنیفہ کے بمنزلہ شاگرد ہیں، مصفّٰی کے دیباچہ میں لکھا ہے: اسی وجہ سے ہمارے اصحاب نے ضرورت کے وقت امام مالک کے اقوال کی طرف میلان کیا ہے۔

علامہ شامی، علامہ قہستانی کے حوالے سے اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وفي حاشية الفتال وذكر الفقيه ابو الليث في تاسيس النظائر انه اذا لم يوجد في مذهب الامام قول في مسئلة يرجع الى مذاهب مالك لانه اقرب المذاهب اليه

(رد المحتار ج ۲ ص ۴۰، مطبوعہ عثمانیہ استنبول، ۱۳۲۷ھ)

حاشیۃ الفتال میں لکھا ہے کہ فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے تاسیس النظائر میں کہا ہے کہ جب کسی مسئلہ میں امام اعظم کا قول نہ ملے تو امام مالک کے مذہب کی طرف رجوع کیا جائے، کیونکہ وہ باقی مذاہب کی بہ نسبت امام اعظم کے زیادہ قریب ہیں۔

ضرورت کی وجہ سے مذہب غیر کے مطابق فتویٰ دینے یا قضاء پر بحث ونظر

بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ چار برس کی مہلت کے بعد مفقود کی بیوی کو نکاح کی اجازت دینا صرف امام مالک کا مذہب ہے اور جمہور ائمہ اس کے مخالف ہیں، نیز قرآن مجید نے منکوحہ غیر کو صاف حرام کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ، ''منکوحہ غیر تم پر حرام ہے''۔ اور منکوحہ غیر کا مفقود کے نکاح میں ہونا یقیناً معلوم ہے اور چار برس کے بعد اس کی موت مشکوک بلکہ موہوم ہے اور تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ یقین شک سے زائل نہیں ہوتا اور چار برس کی مہلت صرف حضرت عمر کی تقلید ہے، اس پر کوئی فقہی دلیل نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ چار برس کی مہلت کے بعد نکاح کی اجازت دینا جمہور کا مسلک ہے، صرف امام اعظم ابوحنیفہ کا اس میں اختلاف ہے، امام مالک کے علاوہ امام شافعی کا قول قدیم یہی ہے اور فقہاء شافعیہ اسی پر فتویٰ دیتے ہیں اور امام احمد کا موقف بھی یہی ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور'' وَّالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ ''، آیت کریمہ اس پر محمول ہے کہ جب منکوحہ غیر کا کسی شرعی دلیل سے نکاح فسخ نہ کر دیا گیا ہو، تو وہ غیر پر حرام ہے ورنہ عنین کی صورت میں جب ایک سال کی مہلت کے بعد قاضی منکوحہ غیر کا نکاح فسخ کر دیتا ہے تو اس کا غیر سے نکاح کس طرح جائز ہو جاتا ہے؟ حالانکہ وہ بھی منکوحہ غیر ہے، جس طرح یہاں قاضی کی تفریق'' وَّالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ '' کے معارض نہیں ہے، اسی طرح مسئلہ مفقود میں بھی قاضی کا فیصلہ'' وَّالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ '' کے معارض نہیں ہے۔

بعض فقہاء نے عنین اور مفقود میں یہ فرق بیان کیا ہے کہ مفقود میں خاوند کے مل جانے کی امید ہے اور عنین میں اس کے ٹھیک ہونے کی امید نہیں ہے، لیکن یہ فرق باطل ہے کیونکہ ایک سال علاج کی مہلت کے بعد اگر عنین ٹھیک نہ ہو تو قاضی تفریق کر دیتا ہے حالانکہ ایک سال کے بعد اس کے ٹھیک نہ ہونے کی کوئی وحی نہیں اتری بلکہ اس کے بعد بھی ٹھیک ہونے کی امید ہے۔

اسی طرح لعان میں بھی احناف کے نزدیک قاضی کی تفریق کے بعد عورت غیر سے نکاح کر سکتی ہے اور جمہور کے نزدیک نفس لعان سے تفریق ہو جاتی ہے اور دونوں صورتوں میں بغیر شوہر کی طلاق کے عورت غیر سے نکاح کر سکتی ہے اور یہ'' وَّالۡمُحۡصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ '' کے خلاف ہے، باقی رہا یہ کہنا کہ نکاح یقینی تھا اور موت کا شک ہے اور شک یقین سے زائل نہیں ہوتا، اس کا جواب یہ ہے کہ مفقود کی بیوی کو نکاح کی اجازت موت کے شک کی بناء پر نہیں دی گئی، قاضی کے فیصلہ کی بناء پر دی گئی ہے، جیسا کہ لعان، ایلاء اور عنین کے مسائل میں ہے۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے کہ اس مسئلہ میں صرف حضرت عمر کی تقلید کی گئی ہے۔ حضرت عمر اور حضرت عثمان نے تمام صحابہ کے سامنے یہ فیصلہ کیا تھا اور کسی صحابی نے ان سے اختلاف نہیں کیا، اس لیے یہ مسئلہ اجماع صحابہ سے ثابت ہے اور اس کے خلاف جو دارقطنی کی روایت پیش کی جاتی ہے، اس کی سند ضعیف ہے جس کو ہم اس سے پہلے علامہ ابن ہمام کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں۔

(حضرت عمر کے رجوع کی حکایت صحیح نہیں ہے۔)

نان نفقہ، کپڑے اور رہائش وغیرہ میسر نہ ہونے کی صورت میں ہم نے جو ضرورت کی بناء پر امام مالک یا دوسرے ائمہ کے قول پر فتویٰ دینے کا ذکر کیا ہے، اس میں وجہ ضرورت پر گفتگو کرتے ہوئے بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ: رہا دعویٰ ضرورت، اس کا حال یوں کھلتا ہے کہ ہندوستان کی نوجوان عورتیں جو بیوہ ہو جاتی ہیں، باآنکہ انہیں شرعاً نکاح ثانیہ کی اجازت ہے، اپنی ایک جھوٹی رسم کی پیروی سے عمر بھر بیٹھی رہتی ہیں، اس وقت نہ انہیں ضرورت سوجھتی ہے نہ یہی خیال آتا ہے کہ جوانی کیونکر کٹے گی نہ یہ کہ نان ونفقہ کہاں سے ملے گا، مگر خاوند مفقود ہو تو یہ سب دعویٰ ہجوم کرتے ہیں، اگر ضرورت کا دعویٰ سچا ہے تو وہاں کیونکر صبر ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہندوستان کی تمام بیوہ عورتوں کے بارے میں یہ دعویٰ کرنا صحیح نہیں ہے کہ وہ جھوٹی رسم کی خاطر عمر بھر نکاح نہیں کرتیں۔ ہو سکتا ہے کہ جن بعض عورتوں نے نکاح نہ کیا ہو ان کے لیے نان ونفقہ کے دوسرے ذرائع موجود ہوں، یا وہ عمر رسیدہ خواتین ہوں، اور ان کو اپنی عزت اور عصمت پر کسی اسیر پنجہ ہوس کے حملہ کا خطرہ نہ ہو، لیکن اگر مفقود کی ایک نوجوان عورت کے پاس نان ونفقہ کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اور وہ اس پر فتن دور میں اپنی عصمت کو محفوظ رکھتے ہوئے کسب معاش نہیں کر سکتی اور وہ

آپ سے پوچھتی ہے کہ اسلام میں اس کے اس مسئلہ کا حل کیا ہے؟ تو کیا آپ اس کو یہ بتلائیں گے کہ نوے سال تک تم بے سایہ دیوار بھوکی پیاسی بیٹھی رہو اور نوے سال گزرنے کے بعد جب تم بوڑھی فرتوت ہو جاؤ تو کسی مرد سے شادی کر لینا۔۔!

قرآن مجید کے مطالعہ سے اس مسئلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کا نظریہ ہی صحیح معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے چار بیویوں کی اجازت دینے کے ساتھ ہی یہ حکم دیا ہے: فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ (النساء:۱۲۹) ''ایک بیوی کی طرف بالکل اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری بیوی کو معلق چھوڑ دو'' اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی بیوی کو معلق چھوڑ دینا ازروئے قرآن ممنوع ہے، اور جب شوہر کی موجودگی میں عورت کو معلق چھوڑ دینے سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہے تو شوہر کے مفقود ہونے کی صورت میں عورت کو معلق چھوڑ دینا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک کب پسندیدہ ہو سکتا ہے!

نیز اللہ تعالیٰ نے ایلاء میں زیادہ سے زیادہ چار ماہ مدت مقرر کی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ'' (البقرہ:۲۲۶) ''جو لوگ اپنی عورتوں سے دور رہنے کی قسم کھالیں، وہ چار ماہ تک ٹھہر سکتے ہیں''۔ چنانچہ فقہاء احناف اس آیت کی روشنی میں کہتے ہیں کہ اگر ایلاء کرنے والے نے چار ماہ کے اندر رجوع نہیں کیا تو چار ماہ پورے ہونے کے بعد عورت پر از خود طلاق بائنہ واقع ہو جائے گی۔ غور کیجئے! خاوند موجود ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو چار ماہ سے زیادہ بیوی سے دور رہنے کے التزام کی اجازت نہیں دیتا کہ اتنے عرصہ عورت اپنے شوہر کی مقاربت سے محروم ہونے کی وجہ سے ضرر میں مبتلا ہو جائے یا کہیں وہ عورت حدود اللہ سے تجاوز کے خطرہ میں نہ پڑ جائے، تو خاوند کے مفقود ہونے کی شکل میں اسے نوے سال یا مدت العمر تک بغیر خاوند کے رکھنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کب جائز ہوگا، نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا (بقرہ:۲۳۱) ''جس کا منشاء صاف طور پر یہ ہے کہ رشتہ ازدواج میں ضرار نہیں ہونا چاہیے، اور ظاہر ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی کو نوے سال یا مدت العمر تک انتظار کا حکم دینے میں انتہا درجہ کا ضرار ہے، نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ (البقرہ:۲۲۹)

اگر بیوی اور شوہر کو یہ خوف ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے، پس اگر عورت خلع کر کے علیحدہ ہو جائے تو دونوں پر کچھ حرج نہیں''۔

اس آیت میں حدود اللہ کی حفاظت کو رشتہ ازدواج کے قیام پر مقدم رکھا گیا ہے اور اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جس عورت کا شوہر برسوں سے مفقود ہو اس کے لیے حدود اللہ پر قائم رہنا نہایت دشوار ہے، ان تمام آیات میں جو اصول بیان کئے گئے ہیں، ان کے مقاصد پر غور کرنے سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مفقود الخبر کی بیوی کو نوے سال یا ایک غیر معلوم مدت تک انتظار کرنے کا حکم دینا ایک ناعاقبت اندیشانہ اقدام ہے اور یہ احکام قرآن کی رو سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے اور اس مسئلہ میں صحیح حکم وہی ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے اور حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد کا مسلک ہے اور یہی حضرت امام شافعی کا قدیم قول ہے اور اکثر فقہاء شافعیہ اور فقہائے حنفیہ کا مختار بھی ہے۔

ضرورت کی بناء پر دوسرے ائمہ کے مذاہب پر فسخ نکاح کی صورتوں کا خلاصہ

ضرورت کی بناء پر ہم نے خاوند اور بیوی کے درمیان تفریق کی صورتیں بیان کی ہیں، ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) اگر کوئی شخص افلاس کی بناء پر بیوی کو نفقہ نہیں دے رہا اور اس کو طلاق بھی نہیں دیتا تو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک عورت کو فسخِ نکاح کے مطالبہ کا حق ہے اور قاضی تفریق کر سکتا ہے۔

(۲) اگر کسی عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو گیا تو وہ قاضی کے ہاں مقدمہ کرے اور قاضی اس کے مفقود الخبر ہونے کا اطمینان کرنے کے بعد اسے چار سال انتظار کا حکم دے، پھر عدت وفات کے بعد وہ دوبارہ نکاح کر سکتی ہے، امام مالک، امام احمد اور امام شافعی کا قولِ قدیم یہی ہے، اسی پر فقہائے شافعیہ کا فتویٰ ہے۔

(۳) اگر شوہر مفقود الخبر ہو اور عورت کے گزارنے کے لیے بالکل خرچ نہ ہو تو عورت کے مطالبہ پر امام مالک کے نزدیک قاضی فی الفور تفریق کر دے گا، امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔

(۴) اگر شادی کے بعد خاوند کسی طویل المیعاد بیماری میں مبتلاء ہو گیا اور عورت کے لیے خرچ کی کوئی سبیل نہیں تو عورت کے مطالبہ پر قاضی فی الفور تفریق کر دے گا، یہ بھی امام مالک کا مذہب ہے۔

(۵) اگر خاوند کو لمبی مدت کے لیے سزا ہو گئی اور عورت کے لیے خرچ کی کوئی سبیل نہیں ہے تب بھی امام مالک کے نزدیک عورت کے مطالبہ پر قاضی فی الفور طلاق نافذ کر دے گا۔

(۶) خاوند غائب ہو، اس کا پتا معلوم ہو اور اس سے ڈاک کا رابطہ بھی ہو اور وہ خوشحال بھی لیکن تنگ کرنے کے لیے عورت کا خرچ نہ دے اور نہ اس کو طلاق دے، تو امام مالک اور امام احمد کے نزدیک قاضی اس پر طلاق نافذ کر سکتا ہے، امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے۔

(۷) خاوند حاضر اور موجود ہو، اور وہ مالدار بھی ہو لیکن عورت کو نفقہ نہ دیتا ہو، نہ طلاق دیتا ہو تو امام مالک کے نزدیک عورت کے مطالبہ پر قاضی طلاق نافذ کر دے گا۔

(۸) عورت یہ ثابت کر دے کہ خاوند اس پر ظلم کرتا ہے مثلاً بلا وجہ مار پیٹ یا گالم گلوچ کرتا ہے تو عورت کے مطالبہ پر امام مالک کے مذہب میں قاضی تفریق کر سکتا ہے۔

(۹) نا چاقی کی صورت میں جب صلح کا امکان نہ رہے تو امام مالک کے نزدیک دو حکم مقرر کیے جائیں، اور وہ اپنی صواب دید سے زوجین میں تفریق کر سکتے ہیں۔

(۱۰) مفقود الخبر جنگی صفوں کے درمیان سے غائب ہوا ہے، تو امام مالک کے نزدیک حاکم اس کو ایک سال بعد نکاح کی اجازت دے دے گا، اس میں عدت وفات نہیں ہے۔

ان تمام صورتوں کا ہم نے ائمہ مذاہب کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور قرآن مجید، احادیث اور آثار صحابہ و تابعین سے اس پر دلائل قائم کیے ہیں۔

مذہب غیر پر عدالت کی طلاق کا حکم

امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کے مذاہب پر ہم نے جن دس صورتوں میں عورت کے مطالبہ پر قاضی کے طلاق دینے اور نکاح فسخ کرنے کا حق بیان کیا ہے، ان صورتوں میں اگر پاکستان یا کسی اور اسلامی ملک کی عدالتوں میں سے کسی عدالت نے طلاق نافذ کر دی یا نکاح فسخ کر دیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور نکاح فسخ ہو جائے گا۔ اس پر تمام فقہاء کا اجماع ہے۔

ملک العلماء علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

فاما اذا کان من اهل الاجتهاد ینبغی ان یصح قضاءه فی الحکم بالاجماع ولا یکون لقاضی اخر ان یبطله لانه لا یصدق علی النسیان بل یحمل علی انه اجتهد فادی اجتهاده الی مذهب خصمه فقضی به فیکون قضاءه باجتهاده فیصح فی حادثة وهی محل الاجتهاد برایه (الی قوله) لاتفاق اهل الاجتهاد علی ان للقاضی ان یقضی فی محل الاجتهاد بما یودی الیه اجتهاده فکان هذا متفقا علی صحته۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۵ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۱۴۰۰ھ)

جب قاضی مجتہد ہو اور وہ اپنے امام کے علاوہ کسی اور امام کے مذہب کے مطابق کسی مقدمہ میں فیصلہ کر دے تو اس کا یہ فیصلہ بالاجماع صحیح ہے اور دوسرے قاضی کو اس فیصلہ کے مسترد کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے بھول کر یہ فیصلہ کیا ہے بلکہ قاضی نے اس مسئلہ میں اجتہاد (غور وفکر) کیا اور اس کا اجتہاد، دوسرے امام کے مذہب کے مطابق ہو گیا اور اس نے اپنے اجتہاد سے یہ فیصلہ کیا، لہٰذا جو مسائل محل اجتہاد ہیں، ان میں اس کا یہ فیصلہ صحیح ہے، کیونکہ مجتہدین کا اس پر اتفاق ہے کہ قاضی محل اجتہاد میں اپنے اجتہاد کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے، لہٰذا اس فیصلہ کی صحت پر اتفاق ہے۔

خاوند کے پیش نہ ہونے پر عدالت کی طلاق کا حکم

اگر ان دس صورتوں میں سے کسی صورت میں عورت قاضی کے ہاں فسخ نکاح کا دعویٰ کرے اور خاوند عدالت میں پیش نہ ہو تو مناسب یہ ہے کہ خاوند کی طرف سے وکیل کر لیا جائے اور اگر وکیل نہیں کیا گیا اور عدالت نے عورت کے حق میں فیصلہ کر کے طلاق نافذ کر دی یا طلاق دے دی تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک چونکہ قضاء للغائب صحیح ہے اس لیے نکاح فسخ ہو جائے گا اور چونکہ فقہاء احناف کے نزدیک ضرورت کی بناء پر مذہب غیر پر عمل جائز ہے اور ان دس صورتوں کا تعلق ضرورت سے ہی ہے اس لیے احناف کے نزدیک بھی یہ طلاق واقع ہو جائے گی، اور نکاح فسخ ہو جائے گا۔

علامہ کمال الدین بن ہمام حنفی متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں:

اذا رای القاضی المصلحة فی الحکم للغائب وعلیه فحکمه ینفذ لانه مجتهد فیه۔

(فتح القدیر ج ۵ ص ۳۶۸-۳۶۹ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

جب قاضی غائب کے حق میں یا غائب کے خلاف فیصلہ کرنے میں مصلحت دیکھے اور اس کے مطابق فیصلہ کرے تو اس کا فیصلہ نافذ ہو جائے گا، کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے۔

میں نے اس مسئلہ میں کافی تفصیل سے گفتگو کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں ان مسائل میں جو عورتیں اور ان کے متعلقین پریشان پھرتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ بتلایئے جب خاوند عورت کو نہ آباد کرے نہ طلاق دے تو وہ کیا کرے؟ اسلام میں اس کا کیا حل ہے، یا ایک جوان عورت کا شوہر مفقود الخبر ہو گیا ہو یا پاگل ہو گیا یا کسی اور لاعلاج مرض میں مبتلا ہو گیا یا کسی جرم کی وجہ سے اس کو عمر قید کی سزا ہو گئی اور اس کی بیوی کے خرچ کی کوئی سبیل نہیں، شوہر طلاق دینے کا اہل نہیں یا دیتا نہیں، اور اس پرفتن دور میں وہ عورت عزت وآبرو کے ساتھ کسب معاش نہیں کر سکتی، بتلایئے وہ عورت کیا کرے؟ اسلام میں اس کا کیا حل ہے؟ تو ہمارے زمانے کے مفتی یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ وہ اسی شوہر کے نکاح میں بیٹھی رہے جب تک وہ طلاق نہیں دیتا وہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی،

فقہ حنفی کا یہی حکم ہے اور اگر وہ عورت عدالت میں چلی جائے اور شوہر پیش نہ ہو اور عدالت طلاق دے دے تو ہمارے زمانے کے فقہاء اس کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ غیر اسلامی طلاق ہے، اس وجہ سے میرے دل میں مدت سے یہ تڑپ تھی کہ میں اس مسئلہ کا حل پیش کروں، صحیح مسلم میں نان ونفقہ سے متعلق حدیث کے تحت اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے میں نے یہ واضح کر دیا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے اقوال میں بے شک اس مسئلہ کا حل نہیں ہے لیکن امام اعظم کے اقوال سے ہی فقہاء حنفیہ نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ ضرورت کے وقت مذہب غیر پر فتویٰ دینا، قضاء کرنا اور عمل کرنا جائز ہے، سو اس قاعدہ کی روشنی میں میں نے ائمہ ثلاثہ خصوصاً امام مالک اور امام احمد کے اقوال کے مطابق ان مسائل کا حل بیان کیا ہے، اور میں نے صرف ان اقوال پر اکتفاء نہیں کی بلکہ قرآن مجید، احادیث مبارکہ، آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے ان مسائل کو ثابت کیا ہے، میری یہ کاوش صرف اس لیے ہے کہ کوئی شخص اسلام کو ناقابل عمل دین نہ سمجھے بلکہ یہ یقین رکھے کہ اسلام میں ہر پیش آمدہ مشکل کا حل موجود ہے، اگر ہم اس حل کو تلاش نہیں کر سکے تو یہ ہماری فہم اور مطالعہ کی کمی ہے، اسلام میں کوئی کمی نہیں ہے۔ اے اللہ! اس مقالہ کو نافع بنا، اسے قبول عام عطا فرما، اس کے مصنف، قاری اور معاون کی خطاؤں سے درگزر کر اور ان کے لیے دارین کی خیر اور سعادت کو مقدر کر دے۔ والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی محمد خاتم النبیین سید المرسلین قائد غر المحجلین وعلی الہ واصحابہ وازواجہ واولیاء امتہ وعلماءِ ملتہ اجمعین۔ (شرح صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۱۱۰-۱۱۲۱، مرکز اہل سنت برکات رضا گجرات، ۱۴۲۳ھ)

عدالت کے فسخ نکاح پر اعتراضات کے جوابات

کسی مظلوم اور نان ونفقہ سے محروم عورت کے حق میں جب عدالت فسخ نکاح کر دیتی ہے اور اس کو دوسری جگہ نکاح کرنے کی اجازت دے دیتی ہے تو اس پر بعض علماء کرام یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر عدالت کے فیصلہ کی بناء پر اس نکاح کے جواز کا دروازہ کھول دیا جائے تو جو عورت بھی اپنے خاوند سے نجات حاصل کرنا چاہے گی، وہ عدالت میں جھوٹا دعویٰ دائر کر کے اپنے حق میں فیصلہ کرا لے گی۔ اس اعتراض کے جواب میں پہلے یہ حدیث ملاحظہ فرمائیں:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرہ کے دروازہ پر کچھ لوگوں کے جھگڑنے کی آواز سنی، آپ ان کے پاس باہر گئے اور فرمایا: میں صرف بشر ہوں (خدا نہیں ہوں) میرے پاس لوگ اپنے جھگڑے لے کر آتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اپنا موقف زیادہ وضاحت سے پیش کرے اور میں اس کو سچا گمان کر کے اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، سو (بہ فرض محال) اگر میں کسی شخص کو کسی مسلمان کا حق دے دوں تو وہ صرف آگ کا ٹکڑا ہے وہ اس کو لے یا ترک کر دے۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۲۴۵۸، ۷۱۸۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۱۳)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی میں (از خود) غیب اور مخفی امور کو نہیں جانتا جیسا کہ حالت بشریہ کا تقاضا ہے اور آپ صرف ظاہر کے مطابق فیصلہ فرماتے تھے اور مخفی چیزیں اللہ کی ولایت میں تھیں، اور اگر اللہ چاہتا تو آپ کو مخفی امور پر مطلع فرما دیتا حتیٰ کہ آپ (صورت واقعیہ کے مطابق) یقین کے ساتھ فیصلہ فرماتے لیکن اللہ نے آپ کی امت کو آپ کی اقتداء کا حکم دیا اس لئے آپ نے ظاہر صورت حال کے

مطابق فیصلہ فرمایا تاکہ امت کو آپ کی اتباع کرنے میں آسانی اور اطمینان ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۱۳ ص ۵)

اسی طرح حافظ ابن حجر شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۷۵)

اس حدیث اور اس کی شرح سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی عورت خاوند کے خلاف جھوٹے گواہ پیش کر کے اپنے حق میں فیصلہ کرالیتی ہے تو عدالت تو بہر حال ظاہر صورت حال کے مطابق فیصلہ کرے گی لیکن اس جھوٹ کا وبال اس عورت کے سر پر ہوگا۔ ظاہر صورت حال کے مطابق فیصلہ کرنے کے متعلق ایک اور حدیث یہ ہے: جو لوگ غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں گئے تھے اور آپ نے واپس آکر ان سے باز پرس کی تو اسی (۸۰) سے کچھ زیادہ لوگ (منافقین) آئے، انہوں نے مختلف بہانے کیے اور قسمیں کھائیں، سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ظاہر کردہ بہانوں کو قبول کرلیا اور ان سے بیعت لی اور ان کے لئے استغفار کیا اور ان کے باطنی امور کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۴۴۱۸)

دوسرا جواب یہ ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک صرف حجت ظاہریہ کا اعتبار ہے۔

علامہ محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

جھوٹے گواہوں کے ساتھ ظاهراً و باطناً عقود اور فسوخ میں قضا نافذ ہو جاتی ہے، بہ شرطیکہ قضا کے محل میں اس قضا کی صلاحیت ہو اور قاضی کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم نہ ہو۔ (درمختار علی ھامش ردالمحتار ج ۴ ص ۳۳۳)

علامہ سید محمد امین بن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

فسوخ سے مراد ایسا فیصلہ ہے جو عقد کے حکم کو فسخ کر دے، لہٰذا یہ طلاق کو بھی شامل ہے اور اس کی فروع میں سے یہ ہے کہ ایک عورت نے دعویٰ کیا کہ اس کے خاوند نے اس کو تین طلاقیں دے دی ہیں اور خاوند اس کا منکر ہو اور اس عورت نے اپنے دعویٰ پر دو جھوٹے گواہ پیش کر دیئے اور قاضی نے ان میں علیحدگی کا فیصلہ کر دیا، اس عورت نے عدت کے بعد کسی اور شخص سے نکاح کرلیا، تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس شخص کا اس عورت سے مباشرت کرنا جائز ہے خواہ اس کو حقیقتِ حال کا علم ہو اور ان دو گواہوں میں سے بھی اگر کوئی اس عورت سے نکاح کرے تو عدت کے بعد اس عورت سے نکاح اور مباشرت کرنا جائز ہے اور اس کے پہلے خاوند کا اس عورت سے مباشرت کرنا جائز نہیں ہے اور اس عورت کے لئے بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اس کو وطی کرنے کا موقع دے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار ج ۴ ص ۳۳۳، دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ جس عورت پر اس کا خاوند ظلم کرے اس کو نہ گھر میں رکھے اور نہ کھانے پینے اور کپڑوں کا خرچ دے اور نہ اس کو طلاق دے اور وہ عورت جوان ہو وہ اپنے معاش کے حصول کے لیے محنت مزدوری یا ملازمت کرے تو اس کو اپنی عزت اور عفت کے لٹ جانے کا بھی خطرہ ہو (اور ایسے واقعات ہمارے ہاں ہوتے رہتے ہیں) تو ایسی صورت حال کے مطابق اگر عدالت اس کے فسخ نکاح کا فیصلہ کر دے تو یہ ائمہ ثلاثہ کے مطابق ایک جائز عمل ہے، اب اگر کوئی عورت اس قانون سے فائدہ اٹھا کر جھوٹے گواہوں کے ذریعہ شوہر کو آباد نہ کرنے کی فرضی داستان سنا کر اپنے حق میں فسخ نکاح کا فیصلہ کرالے تو اس کا وبال اس عورت کے سر ہوگا اور اس کے اس جھوٹ کی وجہ سے اس جائز طریقہ کو ترک نہیں کیا جائے گا، اس کی نظیر یہ ہے:

علامہ سید محمد امین بن عابدین شامی لکھتے ہیں:

علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ زیارت قبور کو اس لئے ترک نہیں کیا جائے گا کہ زیارت قبور میں بہت سے منکرات اور فاسد (ناجائز اور برے کام) مثلاً مردوں اور عورتوں کا اختلاط اور دوسرے امور (مثلاً قبروں پر سجدہ کرنا) داخل ہو گئے ہیں، کیونکہ عبادات کو ان کاموں کی وجہ سے ترک نہیں کیا جائے گا بلکہ انسان پر لازم ہے کہ ان عبادات کو بجالائے اور ان غلط کاموں کا رد کرے اور حسب استطاعت ان بدعات کو زائل کردے۔ (ردالمحتار ج ۱ ص ۶۰۴، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

ثانیاً یہ کہ جھوٹے گواہ پیش کر کے اپنے حق میں عدالت سے فیصلہ کرانا صرف فسخ نکاح کے عقد کے ساتھ تو مخصوص نہیں ہے۔ ہر قسم کے دیوانی اور فوجداری مقدمات میں پیشہ ور جھوٹے گواہ عدالت کے باہر مل جاتے ہیں، اور ان کی بناء پر بہت سے مقدمات میں ظاہری شہادت کی بناء پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے، تو اب اگر کسی مقدمہ میں ظاہری شہادت کی بناء پر عدالت کے فیصلہ کو اس لئے معتبر نہ مانا جائے کہ یہ شہادت فی الواقع جھوٹی تھی تو پھر عدالت کا کوئی بھی فیصلہ معتبر نہیں رہے گا، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ فیصلہ جھوٹی گواہی کی بناء پر ہو اور اس کا حل یہی ہے کہ عدالت کا کام ظاہری شہادت کی بناء پر فیصلہ کرنا ہے، اگر کسی فریق نے جھوٹے شواہد پیش کئے ہیں تو اس کا گناہ اس کے ذمہ ہوگا اور حقیقت کا علم اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں ہے۔

''قضاء علی الغائب'' کے متعلق مذاہب ائمہ

قاضی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد مالکی متوفی ۵۹۵ھ لکھتے ہیں:

امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک غائب کے خلاف فیصلہ کرنا جائز ہے، انہوں نے کہا: جو دور دراز غائب ہو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ غائب کے خلاف مطلقاً فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔

(بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۳۵۳، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ یحییٰ بن شرف الدین نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ لکھتے ہیں:

جس طرح حاضر کے خلاف ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے، اسی طرح غائب کے خلاف بھی ایک گواہ اور قسم سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ (روضۃ الطالبین ج ۸ ص ۱۵۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ)

امام ابواسحٰق ابراہیم بن علی فیروز آبادی شافعی متوفی ۴۵۵ھ لکھتے ہیں:

اگر ایک شخص قاضی کے سامنے پیش ہو اور شہر سے غائب شخص کے خلاف دعویٰ کرے یا شہر میں حاضر ہو لیکن بھاگ جائے یا شہر میں حاضر ہو اور چھپ جائے اور اس کو حاضر کرنا مشکل ہو تو اگر مدعی کے پاس اس غائب کے خلاف گواہ نہ ہوں تو اس کا دعویٰ نہیں سنا جائے گا، کیونکہ اس کا دعویٰ سننا غیر مفید ہے، اور اگر مدعی کے پاس اس غائب کے خلاف گواہ ہوں تو اس کا دعویٰ سنا جائے گا اور اس کے گواہوں کو بھی سنا جائے گا کیونکہ اگر ہم اس کے دعویٰ کو نہ سنیں تو اس مدعیٰ علیہ کا غائب ہونا یا شہر میں چھپ جانا لوگوں کے حقوق ساقط کرنے کا سبب ہوگا جب کہ ان حقوق کی حفاظت کے لئے حاکم کو نصب کیا جاتا ہے۔

(المہذب ج ۲ ص ۳۰۳، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، شرح المہذب ج ۲۰ ص ۱۶۱، مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

جس غائب شخص کے خلاف کوئی حق ثابت ہو جائے تو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا (الی قولہ) غائب کے خلاف صرف

آدمیوں کے حقوق میں فیصلہ کیا جائے گا، البتہ اللہ تعالیٰ کی حدود میں اس کے خلاف فیصلہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ حدود میں اسقاط کی گنجائش ہے، اگر کسی غائب شخص کے چوری کرنے پر گواہ قائم ہوں تو اس سے مال واپس لینے کا حکم دیا جائے گا اور اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ (المغنی ج ۱۰ ص ۱۳۸، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)۔

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ کی تحقیق یہ ہے کہ جو شخص مجلس عدالت سے غائب ہو یا اس شہر سے غائب ہو اور اس کے خلاف گواہ قائم ہوں تو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا خواہ اس مقدمہ کا تعلق آدمیوں کے حقوق سے ہو یا اللہ تعالیٰ کی حدود سے۔ (محلی ابن حزم ج ۹ ص ۳۶۶)

''قضاء علی الغائب'' کے متعلق احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہند نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ابوسفیان ایک کم خرچ کرنے والے انسان ہیں اور مجھے ان کے مال سے خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کے مال سے اتنی مقدار لے لو جو تمہیں اور تمہاری اولاد کے لئے دستور کے مطابق کافی ہو۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: ۷۱۸۰، صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۷۱۴)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس مجلس سے غائب تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فیصلہ فرمایا، امام بخاری نے اس حدیث کا عنوان ہی یہ قائم کیا ہے: باب القضاء علی الغائب۔ اس حدیث میں مالی معاملات میں غائب کے متعلق فیصلہ کیا گیا ہے اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے فسخ نکاح میں غائب کے خلاف فیصلہ کیا ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے:

امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں:

ابن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما نے مفقود (لاپتہ) شخص کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ اس کی بیوی چار سال انتظار کرے اور اس کے بعد چار ماہ دس دن (عدت وفات گزارے) پھر اگر اس کا پہلا خاوند آ جائے تو اس کو اپنے دیئے ہوئے مہر اور بیوی کے درمیان اختیار دیا جائے گا۔ (المصنف، رقم الحدیث: ۱۲۳۱۷)

امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن المسیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس عورت کا خاوند لاپتہ ہو جائے اور اس کو معلوم نہ ہو کہ وہ کہاں ہے تو وہ چار سال انتظار کرے، پھر چار ماہ دس دن عدت گزارے، پھر وہ حلال ہو جائے گی۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ جب اس نے عدت کے بعد دوسری جگہ نکاح کر لیا تو پہلے خاوند کا اس پر کوئی حق نہیں رہا۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دے دی اور وہ غائب ہو گیا اور اس حال میں اس نے اس طلاق سے رجوع کر لیا، عورت کو طلاق کی خبر پہنچی اور اس کے رجوع کی خبر نہیں پہنچی اور اس نے دوسری جگہ شادی کر لی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ فرمایا: جب اس عورت نے نکاح کر لیا تو اب پہلے خاوند کا اس پر کوئی حق نہیں رہا، خواہ دوسرے خاوند نے اس سے دخول کیا ہو یا نہیں۔ (موطا امام مالک، رقم الحدیث: ۱۲۱۹)

ان دو حدیثوں میں فسخ نکاح اور طلاق کے معاملہ میں قضاء علی الغائب کا ثبوت ہے۔

امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کے نزدیک قضاء علی الغائب جائز ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک قضاء علی الغائب جائز نہیں ہے لیکن فقہاء احناف نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر ضرورت کی بناء پر کوئی حنفی قاضی یا مفتی ائمہ ثلاثہ کے اس قول پر فتویٰ دے تو یہ جائز ہے اور جس عورت کو اس کا خاوند تنگ کرنے کے لئے نہ خرچ دیتا ہو نہ طلاق دیتا ہو اور اپنی عزت اور عصمت کی حفاظت کے ساتھ ملازمت کر کے اس کے لئے روٹی کمانا مشکل اور دشوار ہو اور اندریں صورت وہ عدالت میں اپنا کیس پیش کرے، خاوند حاضر نہ ہو اور عدالت خاوند کے خلاف یک طرفہ ڈگری دے کر خلع کر دے (یعنی نکاح فسخ کر دے) تو یہ فیصلہ صحیح ہے اور عدت کے بعد اس عورت کا دوسری جگہ نکاح کرنا صحیح ہے۔

۵۲۹۲ ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سُئِلَ عَنْ ضَالَّةِ الْغَنَمِ فَقَالَ خُذْهَا فَإِنَّمَا هِيَ لَكَ أَوْ لِأَخِيكَ أَوْ لِلذِّئْبِ وَسُئِلَ عَنْ ضَالَّةِ الْإِبِلِ فَغَضِبَ وَاحْمَرَّتْ وَجْنَتَاهُ وَقَالَ مَا لَكَ وَلَهَا مَعَهَا الْحِذَاءُ وَالسِّقَاءُ تَشْرَبُ الْمَاءَ وَتَأْكُلُ الشَّجَرَ حَتَّى يَلْقَاهَا رَبُّهَا وَسُئِلَ عَنِ اللُّقَطَةِ فَقَالَ اعْرِفْ وِكَاءَهَا وَعِفَاصَهَا وَعَرِّفْهَا سَنَةً فَإِنْ جَاءَ مَنْ يَعْرِفُهَا وَإِلَّا فَاخْلِطْهَا بِمَالِكَ قَالَ سُفْيَانُ فَلَقِيتُ رَبِيعَةَ بْنَ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ قَالَ سُفْيَانُ وَلَمْ أَحْفَظْ عَنْهُ شَيْئًا غَيْرَ هَذَا فَقُلْتُ أَرَأَيْتَ حَدِيثَ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ فِي أَمْرِ الضَّالَّةِ هُوَ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ يَحْيَى وَيَقُولُ رَبِيعَةُ عَنْ يَزِيدَ مَوْلَى الْمُنْبَعِثِ عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سُفْيَانُ فَلَقِيتُ رَبِيعَةَ فَقُلْتُ لَهُ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبد اللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید از یزید مولی المنبعث، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ سے گم شدہ بکری کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اس کو پکڑ لو، وہ تمہارے لئے ہے یا تمہارے بھائی کے لئے ہے، یا بھیڑیے کے لیے ہے، اور آپ سے گم شدہ اونٹ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ناراض ہو گئے اور آپ کے دونوں رخسار سرخ ہو گئے اور آپ نے فرمایا: تمہارا اس کے ساتھ کیا تعلق ہے اور اس کے ساتھ اس کی جوتیاں ہیں اور اس کے پانی کی مشک ہے، وہ پانی پیئے گا اور درخت کے پتے کھائے گا حتیٰ کہ اس کا مالک اس سے ملاقات کرلے گا اور آپ سے لُقطہ (گری پڑی چیز) کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: اس کے ظرف کو پہچان کر یاد رکھو اور اس کے ظرف کے مادہ کو یاد رکھو اور ایک سال تک اس کا اعلان کرو، پس اگر وہ مرد آجائے جو اس کو پہچانتا ہو تو فبہا ورنہ تم اس چیز کو اپنے مال کے ساتھ ملا لو، سفیان نے کہا: میری ربیعہ بن عبد الرحمٰن سے ملاقات ہوئی، سفیان نے کہا: مجھے اس کے سوا اس حدیث کی اور کوئی چیز یاد نہیں۔ (علی بن عبد اللہ نے کہا:) میں نے پوچھا: آپ یہ بتائیں کہ یزید مولی المنبعث کی حدیث گم شدہ چیز کے متعلق ہے آیا وہ زید بن خالد سے روایت ہے؟ سفیان نے کہا: ہاں! یحییٰ بن سعید بیان کرتے ہیں کہ ربیعہ از یزید مولی المنبعث از زید بن خالد روایت کرتے ہیں کہ میری ربیعہ

سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے کہا۔

(صحیح البخاری:۹۱،صحیح مسلم:۱۷۲۲،سنن ترمذی:۱۳۷۲،سنن ابوداؤد:۱۷۰۴،سنن ابن ماجہ:۲۵۰۴،مسند احمد:۱۶۵۸۹،موطا امام مالک:۱۴۸۲)

اس باب کی حدیث میں مذکور تعلیق کا خلاصہ اور تفصیل

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کے آخر میں جو تعلیق مذکور ہے اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ یحییٰ بن سعید انصاری نے اس حدیث کی یزید سے روایت کی ہے، لیکن یہ حدیث مرسلاً روایت کی ہے موصولاً روایت نہیں کی، یزید تابعی ہیں، ان کی سند میں یزید کے بعد حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ متوفی ۶۸ھ کا واسطہ نہیں ہے، یحییٰ بن سعید نے اپنے شاگرد سفیان سے پوچھا: کیا آپ اس حدیث کو موصولاً نقل کرتے ہیں یعنی از یزید از حضرت زید بن خالد الجھنی روایت کرتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا: جی ہاں!

حدیث میں مذکور مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اونٹ کے ساتھ اس کے جوتے ہیں: اس سے مراد ہے کہ اونٹ اپنے کھر یا اپنے پاؤں کے ساتھ چلتا ہے اور الحذاء کا معنی جوتا ہے۔

لُقطہ: اصطلاحِ فقہ میں لُقطہ اس چیز کو کہتے ہیں جو مالک کی غفلت کی وجہ سے اس سے گر گئی ہو، سو کوئی شخص اس کو اٹھالے۔

الوکاء: یہ وہ چیز ہے جس کے ساتھ تھیلی کے منہ کو باندھا جاتا ہے یعنی دھاگا۔

العفاص: یہ وہ چیز ہے جس میں خرچ کی چیزیں ہوتی ہیں۔

سو تم اس کو اپنے مال کے ساتھ ملالو: داؤد ظاہری متوفی ۲۷۰ھ نے اس حدیث کے ظاہر پر عمل کیا ہے کہ لقطہ کو پانے والا اس لقطہ کا مالک ہو جائے گا اور تمام شہروں کے فقہاء نے اس کی مخالفت کی اور اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ تم اس لُقطہ کو اپنے مال کے ساتھ اس اعتبار سے ملالو کہ تم اس کے ضامن ہوگے کیونکہ دوسری روایت میں یہ تصریح ہے کہ اگر کسی دن اس لقطہ کا مالک آیا تو تم اس کو وہ ادا کر دینا۔ (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۹۸-۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور میں بھیڑیے کا ذکر بہ طور تمثیل ہونا

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ بکری یا تمہارے لئے ہوگی یا بھیڑیے کے لیے ہوگی، اس حدیث میں بھیڑیے کا لفظ بہ طور مثال ہے، بہ طور حصر نہیں ہے، کیونکہ بکری کو کبھی شیر کھا جاتا ہے اور کبھی گیدڑ کھا جاتا ہے۔

حدیث مذکور سے مستنبط مسائل

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عالم کا حالتِ غضب میں بھی فتویٰ دینا جائز ہے، کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور شدت غضب سے آپ کے رخسار مبارک سرخ ہو گئے اس کے باوجود آپ نے سائل کے سوال کا جواب دیا یعنی اگر تم اونٹ کو جنگل میں پاؤ تو تم اس کو نہیں پکڑو گے بلکہ چھوڑ دو گے کیونکہ اس کے پاؤں ہیں جس سے وہ چلتا رہے گا

اس کو تھکاوٹ نہیں ہوگی نہ اس کو کانٹے چبھیں گے نہ اس کو کنکر چبھیں گے اور وہ چلتے چلتے پانی کے گھاٹ پر پہنچ جائے گا اور کئی کئی دن کے لئے اپنے پیٹ میں پانی بھر لے گا، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹ اپنی خود حفاظت کر لیتا ہے، اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ گدھا بکریوں کی جنس سے ہے، اس لئے کہ وہ خود بھیڑیئے سے اپنی حفاظت نہیں کر سکتا اس لئے گم شدہ گدھے کو بھی بکری کی طرح پکڑ لیا جائے گا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۶۱، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور کی کتاب المفقود کے ساتھ مناسبت

امام بخاری نے اس حدیث کی کتاب المفقود میں روایت کی ہے، کیونکہ جس طرح لُقطہ یعنی گم شدہ چیز سے اس کے مالک کی ملکیت زائل نہیں ہوتی، اسی طرح مفقود الخبر سے اس کی بیوی کا نکاح زائل نہیں ہوتا اور جب تک مفقود الخبر کی موت کی یقینی خبر نہ آ جائے اس وقت تک اس کی بیوی کے لئے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

عالم یا استاذ کا غضب میں آ کر سائل یا بچوں کو مارنے اور زدوکوب کرنے کی ممانعت

اس حدیث میں مذکور ہے کہ سائل نے نامناسب سوال کیا کہ بکری کا کیا حکم ہے تو آپ اس لیے ناراض ہوئے کہ بکری کوئی گری پڑی چیز نہیں ہے، جو لقطہ ہو اس کو تم پکڑ کر لے جاؤ گے یا بھیڑیا پکڑ کر لے جائے گا لیکن آپ نے اس نامناسب سوال کے باوجود اس کو نہ ڈانٹا اور نہ اس کو مارا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر شاگرد کوئی نامناسب بات کرے یا نامناسب حرکت کرے تو اس کو ڈانٹنا یا مارنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کی سیرت کے خلاف ہے۔

ہمارے زمانہ میں قاری اور حافظ جو بچوں کو حفظ قرآن کی تعلیم دیتے ہیں وہ ان کو سبق یاد نہ ہونے پر نہایت سفا کی اور بے دردی سے ڈنڈوں سے مارتے ہیں اور کئی کئی گھنٹے تک کان پکڑوا کر ان کو مرغا بنا دیتے ہیں اور ہم نے دیکھا ہے کہ ایک حافظ غضب میں آ کر بچہ کو اٹھا کر کھڑکی سے باہر پھینک دیتا تھا اور بعض حافظ بچوں کو اتنا مارتے تھے کہ مسجد میں ان کا پیشاب اور پاخانہ خطا ہو جاتا تھا اور بچوں کو زنجیر سے باندھ کر بھی رکھا جاتا ہے، بچوں کو اتنا زیادہ مارنا ظلم ہے، ناجائز ہے اور گناہ کبیرہ ہے، اور قیامت کے دن ان لوگوں سے قصاص لیا جائے گا اور ان مضروب اور مظلوم بچوں سے کہا جائے گا کہ تم بھی اس کو اتنا زیادہ مارو جتنا یہ تمہیں دنیا میں مارتا تھا۔

بچوں کو زیادہ مارنے کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ الترمذی المتوفی ۲۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا: کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارے نزدیک مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ درہم ہو نہ سامان ہو، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں سے مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن، نمازیں، روزے اور زکوٰۃ لے کر آئے گا اور اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا، سو اس کو قیامت کے دن بٹھایا جائے گا اور اس سے بدلہ لیا جائے گا اور اس کی نیکیاں مضروب اور مظلوم کو دی جائیں گی، پس اگر اس کی نیکیاں اس کے قصاص سے پہلے ختم ہو جائیں تو مضروب اور مظلوم کے گناہ اس ضارب اور ظالم کے اوپر ڈال دیئے جائیں گے، پھر اس کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ (سنن ترمذی: ۲۴۱۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳)

نیز حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ ھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس نے اپنے بھائی کی عزت یا اس کے مال پر کوئی ظلم کیا ہو، پھر وہ بندہ اس مظلوم کے پاس جائے اس دن سے پہلے کہ جب نہ کوئی دینار ہوگا نہ درہم ہوگا، پس اگر اس کی نیکیاں ہوں گی تو اس کی نیکیاں اس مظلوم کو دی جائیں گی، اور اگر اس ظالم کی نیکیاں نہیں ہوں گی تو اس مظلوم کے گناہ اس ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے۔

(سنن ترمذی:۲۴۱۹، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۳ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۴۳۵، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ ھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حقوق ضرور اصحاب حقوق کو ادا کئے جائیں گے، حتیٰ کہ سینگ والی بکری سے اس بکری کا قصاص لیا جائے گا جس کے سینگ نہ تھے۔

(سنن ترمذی:۲۴۲۰، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۳ھ، مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۵، مکتب اسلامی بیروت، ۱۳۹۰ھ)

غور فرمایئے! بکریاں غیر مکلف ہیں، لیکن اگر ایک بکری بھی دوسری بکری کو ظلماً سینگ مارے تو قیامت کے دن اس سے قصاص لیا جائے گا، تو ان قراء اور حفاظ کا قیامت کے دن کیا حال ہوگا جو ظلم اور بے دردی سے کم عمر بچوں کو سبق یاد نہ کرنے پر ڈنڈوں کے ساتھ مارتے ہیں، اور گھنٹوں کان پکڑواتے ہیں، اور اٹھا کر باہر پھینک دیتے ہیں، انہیں یوم الحساب اور یوم القصاص سے ڈرنا چاہیے، اور اپنے دل میں خوف خدا رکھنا چاہیے کہ جب قیامت کے دن انہی بچوں سے ان کو پٹوایا جائے گا، اور ان حفاظ اور قراء کی نیکیاں ان بچوں کے نامہ اعمال میں ڈالی جائیں گی اور ان بچوں کے گناہ ان حفاظ اور قراء کے نامہ اعمال میں ڈالے جائیں گے اور پھر ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا، میں کہتا ہوں کہ سبق یاد نہ کرنے پر بچوں کو مارنے کی کیا ضرورت ہے، آپ اس کو تنبیہ کریں، ڈرائیں، اگر وہ آج یاد نہیں کرے گا تو کل یاد کرلے گا اس کو بے دردی سے مارنے کی کیا ضرورت ہے۔

بعض جاہل حفاظ کی من گھڑت احادیث پر تبصرہ

بعض جاہل حفاظ اور قراء نے یہ حدیث گھڑی ہے کہ استاد کی مار سے دوزخ کی آگ حرام ہوجاتی ہے اور جس جگہ استاد کی مار پڑے گی اس جگہ کو دوزخ کی آگ نہیں جلائے گی۔ یہ حدیث جھوٹی اور من گھڑت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹ باندھنا اور جو بات آپ نے نہ فرمائی ہو اس کو آپ کی طرف منسوب کرنا گناہ کبیرہ ہے، ان جھوٹوں سے پوچھا جائے کہ یہ روایت حدیث کی کس کتاب میں مذکور ہے؟ اس سلسلہ میں درج ذیل احادیث مروی ہیں:

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر جھوٹ نہ باندھو، کیونکہ جس نے مجھ پر جھوٹ باندھا وہ دوزخ میں اپنے بیٹھنے کی جگہ بنالے۔ (صحیح البخاری:۱۰۶، سنن ترمذی:۲۲۶۰، سنن ابن ماجہ:۳۱، مسند احمد:۶۳۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ متوفی ۹۳ ھ بیان کرتے ہیں کہ مجھے تمہیں زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے، سوا اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا تو وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ دوزخ میں بنالے۔

(صحیح البخاری:۱۰۸، سنن ترمذی:۲۲۶۱، سنن ابن ماجہ:۳۲، مسند احمد:۱۵۳۱، سنن دارمی:۲۳۸)

یزید بن ابوعبید از سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ ھ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس

نے میرے متعلق وہ بات کہی جو میں نے نہیں کہی تو وہ اپنے بیٹھنے کی جگہ دوزخ میں بنالے۔ (صحیح البخاری: ۱۰۹، مسند احمد: ۱۶۰۸۹)

امام مسلم بن حجاج القشیری النیشا پوری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی مرد کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات کو آگے نقل کردے۔ (صحیح مسلم: ۷، دار الفکر بیروت ۱۴۲۴ھ، سنن ابوداؤد: ۴۹۹۲، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے بھی اسی کی مثل حدیث مروی ہے۔ (صحیح مسلم: ۹، دار الفکر بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں دجال اور کذاب آئیں گے، جو تمہیں ایسی احادیث بیان کریں گے جن کو پہلے تم نے نہ سنا ہوگا نہ تمہارے آباء واجداد نے سنا ہوگا، تم ان سے دور رہو وہ تم سے دور رہیں کہیں وہ تم کو گمراہ نہ کریں، تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دیں۔ (صحیح مسلم: ۱۶، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۴ھ)

سائل اور شاگرد کی کسی غلطی پر سرزنش کرنے میں سختی کی ممانعت کے متعلق احادیث

سائل اور شاگرد کو اس کی کسی غلط بات پر سرزنش کرنے میں سختی نہ کرنے کے متعلق ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں:

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری النیشا پوری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت معاویہ بن الحکم السلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: جس وقت کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، اچانک لوگوں میں سے کسی کو چھینک آئی تو میں نے کہا: "یرحمك الله" (اللہ تجھ پر رحم فرمائے) تو لوگوں نے مجھے اپنی آنکھوں سے گھور کر دیکھا، میں نے کہا: تمہاری ماں تم پر روئے کیا وجہ ہے کہ تم مجھے گھور گھور کر دیکھ رہے ہو؟ تو نمازی اپنے ہاتھوں کو اپنی رانوں پر مارنے لگے۔ جب میں نے دیکھا کہ یہ لوگ مجھ کو خاموش کرنا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہو گیا، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز ادا فرمالی تو آپ پر میرے باپ اور ماں فداء ہوں، میں نے آپ سے بہتر معلم نہ اس سے پہلے دیکھا تھا اور نہ اس واقع کے بعد دیکھا، جو آپ سے عمدہ طریقہ کے ساتھ تعلیم دیتا ہو، پس اللہ کی قسم! آپ نے نہ تو مجھ کو ڈانٹا اور نہ مارا نہ کوئی سخت بات کہی، آپ نے فرمایا: بے شک اس نماز کے اندر لوگوں کے ساتھ بات کرنا جائز نہیں ہے، یہ نماز تو صرف تسبیح ہے اور تکبیر ہے یا قرآن مجید کی تلاوت ہے یا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ الحدیث (صحیح مسلم: ۵۳۷، سنن ابوداؤد: ۹۳۰، ۳۲۸۲، ۳۹۰۹، سنن نسائی: ۱۲۱۴، مسند احمد: ۲۳۸۲۳)

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور اس سے مستنبط مسئلہ

اس حدیث میں مذکور ہے:

ولا كهرني:

امام ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی البستی الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس کا معنی ہے: آپ نے مجھ کو ڈانٹا نہیں اور نہ مجھ سے کوئی سخت اور درشت بات کہی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: آپ نے تیوری اور ماتھے پر بل نہیں ڈالے یعنی ناراضگی اور غضب کا اظہار نہیں فرمایا۔

(معالم السنن، شرح سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۹۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

قاضی عیاض بن موسیٰ بن عیاض الیحصبی المالکی المتوفی ۵۴۴ھ، اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت معاویہ بن الحکم نے کہا: میرے ماں باپ اور میری ماں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں، میں نے ان سے اچھا معلم نہ ان سے پہلے دیکھا ہے اور نہ ان کے بعد دیکھا، اس حدیث میں تعلیم کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا بیان ہے اور جو شخص مسئلہ سے ناواقف ہو اس کو نرمی سے سمجھانے کا ذکر ہے اور اس پر غیظ و غضب کو ترک کرنے کا ذکر ہے اور حضرت معاویہ نے کہا: ''فواللہ ما کھرنی''، اس کا معنی بیان کرتے ہوئے امام ابوعبید ابوالقاسم بن سلام الہروی الشافعی المتوفی ۲۲۴ھ نے کہا: الکھر کا معنی ہے: جھڑکنا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ الکھر کا معنی ہے: ماتھے پر بل ڈالنا اور تیوری چڑھانا۔

(اکمال المعلم بفوائد مسلم ج ۲ ص ۴۶۲، دارالوفاء ۱۴۱۹ھ)

علامہ ابوزکریا یحییٰ بن شرف نووی الشافعی المتوفی ۶۷۶ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم خلق کا بیان ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (القلم:۴) اور بے شک آپ ضرور عظیم اخلاق پر فائز ہیں ۝

اور اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی ہے کہ جو شخص مسئلہ سے ناواقف ہو اس کو ملائمت اور نرمی سے مسئلہ بتانا چاہیے اور آپ اپنی امت پر رؤف اور رحیم تھے اور ان پر شفیق تھے اور اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے متخلق ہونا چاہیے اور آپ کے اوصاف سے متصف ہونا چاہیے اور نہایت عمدہ طریقہ اور نرمی سے تعلیم دینی چاہیے۔

(شرح صحیح مسلم بشرح النووی جز ۳ ص ۱۸۰۳، مکتبہ نزار مصطفی مکہ المکرمہ ۱۴۱۷ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی الابی المالکی المتوفی ۸۲۸ھ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے اخلاق حسنہ کا بیان ہے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ جب جاہل کو تعلیم دی جائے تو بہت نرمی کرنی چاہیے اور اس کو ڈانٹنا نہیں چاہیے، اور نہ اس کے سوال پر تیوری چڑھانی چاہیے اور نہ ماتھے پر بل ڈالنا چاہیے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۲ ص ۴۳۵، ۴۳۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

علامہ محمد بن محمد بن یوسف السنوسی الحسنی المالکی المتوفی ۸۹۵ھ نے بھی مذکور الصدر شرح کو نقل کر دیا ہے۔

(مکمل اکمال المعلم ج ۲ ص ۴۳۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

شیخ محمد صدیق خان بن حسن بن علی بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی کو تعلیم دینے کے لیے نرمی برتنی چاہیے اور احسن طریقہ سے اور لطیف پیرائے میں تعلیم دینی چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ کے اخلاق کو اپنانا چاہیے، اور شاگرد پر نرمی اور شفقت کرنی چاہیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم سے متصف ہونا چاہیے۔ (السراج الوہاج فی کشف مطالب مسلم بن الحجاج ج ۲ ص ۷۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۵ھ)

چہرے پر مارنے کی ممانعت کے متعلق احادیث

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی

سے لڑے تو اس کے چہرے پر ہرگز ہرگز تھپڑ نہ مارے''۔

(صحیح مسلم: ۲۶۱۲، الرقم المسلسل: ۶۵۴۶، مسند احمد: ۸۱۳۱، ۸۴۴۹، ۸۵۸۱، ۹۸۰۹، ۹۹۶۹، ۱۰۷۴۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے تو اس کے چہرے پر ہرگز ہرگز تھپڑ نہ مارے''۔ (صحیح مسلم: ۶۵۴۹، الرقم المسلسل: ۲۶۱۲)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے تو اس کے چہرے پر مارنے سے اجتناب کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے۔

(صحیح مسلم: ۲۶۱۲، الرقم المسلسل: ۶۵۵۰)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ ھ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ (قیامت کے دن) ان لوگوں کو عذاب دے گا جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیتے تھے۔

(صحیح مسلم: ۲۶۱۳، الرقم المسلسل: ۶۵۵۲، سنن ابوداؤد: ۳۰۴۵، مسند احمد: ۱۵۸۴۶)

علامہ ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی المتوفی ۶۷۶ ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء نے کہا ہے: ان احادیث میں یہ تصریح ہے کہ چہرے پر مارنا شرعاً ممنوع ہے کیونکہ انسان کا چہرہ لطیف ہے، وہ اس کے تمام محاسن کا جامع ہے اور اس کے اعضاء بھی لطیف اور نفیس ہیں اور کبھی چہرے پر مارنے سے چہرہ متغیر ہو جاتا ہے اور چہرے کو بدنما کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اور اس ممانعت میں بیوی کے چہرے پر مارنا، یا بیٹے کے چہرے پر مارنا، یا نوکر کے چہرے پر مارنا یا شاگرد کے چہرے پر مارنا داخل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا: سو چہرے پر مارنا گویا آدم کے چہرے پر مارنا ہے۔

(صحیح مسلم بشرح النووی ج ۱۰ ص ۶۶۴۵، مکتبہ نزار مصطفی الباز مکہ المکرمہ ۱۴۱۷ ھ)

علامہ محمد بن خلیفہ الوشتانی المالکی المتوفی ۸۲۸ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں فرمایا ہے: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے بھائی سے لڑے، علامہ خطابی متوفی ۳۸۸ ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں اخوت سے مراد اخوت آدمیہ ہے، اس پر دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے آخر میں فرمایا ہے: بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے، یعنی جس کو مارا گیا ہے اس کی صورت اللہ کی صورت ہے گویا کہ مارنے والے نے اپنے باپ آدم علیہ السلام کی صورت پر مارا اور اس وجہ سے کافر کے چہرے پر مارنا بھی شرعاً ممنوع ہے خواہ میدان جہاد میں، کیونکہ شریعت نے چہرے کو ہمارے باپ کے عضو کے قائم مقام قرار دیا ہے، اور کسی کا کسی دوسرے شخص کے منہ پر تھپڑ مارنا بہت قبیح ہے، اور گویا کہ اس نے اپنے باپ کے منہ پر تھپڑ مارا ہے، اور قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ ھ نے اس کی شرح میں لکھا ہے:

چہرے پر مارنے سے خصوصیت کے ساتھ منع فرمایا ہے، کیونکہ چہرے کی تعظیم ہے اور چہرے پر مارنے سے اس کے نشانات اور آثار بہت جلد ظاہر ہوتے ہیں، اور چہرے میں انسان کے محاسن ہیں اور چہرے ہی کی وجہ سے ایک انسان دوسرے انسان سے ممتاز ہوتا ہے، اور چہرے کی وجہ سے انسان کو دوسری مخلوقات پر فضیلت دی گئی ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴿التین: ۴﴾　بے شک ہم نے انسان کو بہترین ساخت میں پیدا کیا ہے ○

چہرے کی تعظیم کے متعلق قرآن مجید کی آیات اور احادیث اور چہرے پر تھپڑ مارنے کے متعلق سخت وعیدیں اور اس کا سنگین گناہ ہونا اور اس حدیث میں چہرے پر نہ مارنے کی یہ وجہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے اور جس شخص نے کسی کے چہرے پر تھپڑ مارا تو گویا کہ اس نے اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے چہرے پر تھپڑ مارا، اور یہ حدیث میں جو حضرت آدم کی صورت کو اپنی صورت فرمایا ہے تو یہ حضرت آدم کی تشریف اور تعظیم کے لئے ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝ (الشمس: ۱۳) اللہ کی اونٹنی اور اس کے پینے کی باری کی حفاظت کرو

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو اللہ کی اونٹنی فرمایا ہے اور یہ اضافت بھی تعظیم اور تشریف کے لئے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ تو اونٹنی کو رکھنے سے پاک اور منزہ ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (آل عمران: ۹۶) بے شک سب سے پہلا گھر جو (اللہ کی عبادت کے واسطے) لوگوں کے لئے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے اور برکت والا اور تمام جہان والوں کی ہدایت کا سبب ہے ۝

کعبہ کو بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر قرار دیا گیا ہے۔

دنیا کے بت کدوں میں وہ پہلا گھر خدا کا ☆ ہم پاسباں ہیں اس کے وہ پاسباں ہمارا

سو کعبۃ اللہ کو جو بیت اللہ قرار دیا گیا ہے وہ بھی کعبہ کی تعظیم اور تشریف کی وجہ سے ہے، اسی طرح اس حدیث میں آدم کی صورت کو جو اللہ کی صورت فرمایا ہے، وہ بھی صورت کی تعظیم، توقیر اور تشریف کی وجہ سے فرمایا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو خود اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا ہے:

قَالَ يٰۤاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ؕ (ص: ۷۵) (اللہ نے) فرمایا: اے ابلیس تجھے اس کو سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا جس کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا؟

اور اس حدیث میں چہرے کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ چہرے میں آنکھیں ہیں، جس سے انسان جہان کو اور عجائب عالم کو دیکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلالت کرتے ہیں اور چہرے میں کان ہیں جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو سنتا ہے اور علوم شرعیہ کو اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کو اور ان علوم کی معرفت کو حاصل کرتا ہے اور چہرے میں زبان ہے جس سے انسان کلام کرتا ہے اور ناطق کہلاتا ہے اور اسی وجہ سے انسان کو باقی مخلوقات کے اوپر شرف اور فضیلت دی گئی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آدم کی صورت جو اللہ کی صورت پر ہے یعنی اللہ کی صفت پر ہے، کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام صفات کمال کے ساتھ مخصوص ہیں، انہیں نطق عطا کیا گیا ہے اور نبوت عطا کی گئی ہے اور ان کے بہت فضائل ہیں جن کی وجہ سے ان کی صفت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت قرار دیا ہے اور فرشتوں کو انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا اور یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کی صورت حضرت آدم علیہ السلام کی صورت کی مثل ہے اور بعض احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو صورتِ رحمن پر پیدا کیا۔ امام بخاری نے باب السلام میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو حکم دیا کہ آپ فرشتوں کو سلام کریں، اگرچہ اللہ تعالیٰ صورت جسمانیہ سے پاک اور منزہ ہے لیکن ہم اس حدیث میں تاویل نہیں کرتے اور اس کا علم اللہ تعالیٰ کی

طرف مفوض کرتے ہیں اور یہی متقدمین کا طریقہ ہے۔(اکمال اکمال المعلم ج ۸ ص ۵۷۸-۵۸۱، ملخصاً، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ہمارے زمانے میں اکثر اساتذہ اور والدین خصوصاً قراء اور حفاظ بچوں کے چہرے پر تھپڑ مارتے ہیں اور وہ یہ نہیں جانتے کہ وہ کتنے عظیم گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں کیونکہ آدمی کا چہرہ حضرت آدم کا چہرہ ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے چہرے کا مظہر ہے اور چہرے پر تھپڑ مارنا گویا اپنے باپ آدم کے چہرے پر تھپڑ مارنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پامال کرنا ہے، جو لوگ جوش غضب میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو فراموش کر دیتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے اور یوم الحساب کو یاد رکھنا چاہیے، جب انہیں ایک طرف تو چہرے پر تھپڑ مارنے کا قصاص دینا ہوگا اور دوسری طرف اپنے باپ حضرت آدم علیہ السلام کے چہرے کی توہین کرنے کی سزا بھگتنی ہوگی، اور جس چہرے کو اللہ تعالیٰ نے اپنا چہرہ قرار دیا ہے اس چہرے کو پامال کرنے کا عذاب بھگتنا ہوگا۔ وما علینا الا البلاغ

اب ہم اس سلسلہ میں فقہاء کی آراء کو نقل کر رہے ہیں۔

بچوں کو زیادہ مارنے سے قیامت کے دن عذاب ہوگا

فتاویٰ عالمگیری میں علماء وفقہاء کا ارشاد:

''والخامس ان لا یضرب الصبیان ضربا مبرحا ولا یجاوز الحد فانه یحاسب یوم القیامة''

''یعنی معلم کے لئے پانچویں احتیاط یہ ہے کہ بچوں کو اس طرح نہ مارے کہ ان پر نشان پڑ جائیں اور نہ ہی حد سے تجاوز کرے، کیونکہ قیامت کے دن اس سے حساب لیا جائے گا۔(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۷۹)

فتاویٰ رضویہ میں امام احمد رضا کا ارشاد:

''ضرورت پیش آنے پر بقدرِ حاجت تنبیہ، اصلاح اور نصیحت کے لئے بلاتفریق اجرت وعدم اجرت استاد کا بدنی سزا دینا اور سرزنش سے کام لینا جائز ہے، مگر یہ سزا لکڑی ڈنڈے وغیرہ سے نہیں بلکہ ہاتھ سے ہونی چاہیے اور ایک وقت میں تین مرتبہ سے زائد پٹائی نہ ہونے پائے۔(الیٰ قولہ) قال صلی اللہ علیہ وسلم لمرداس المعلم ایاك ان تضرب فوق الثلاث فانك اذا ضربت فوق الثلث اقتص الله منك، ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مرداس رضی اللہ عنہ جو کہ معلم تھے ان سے فرمایا: تین مرتبہ سے زائد ضربیں لگانے سے پرہیز کرو، کیونکہ اگر تم نے تین مرتبہ سے زیادہ سزا دی تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تم سے بدلہ لے گا''۔(فتاویٰ رضویہ ج ۲۳ ص ۶۵۳)

بہارِ شریعت میں صدر الشریعہ کا ارشاد:

اساتذہ بھی بچوں کو نہ پڑھنے یا شرارت کرنے پر سزائیں دے سکتے ہیں، مگر وہ کلیہ (اصول) ان کے پیش نظر بھی ہونا چاہیے کہ اپنا بچہ ہوتا تو اسے بھی اتنی ہی سزا دیتے، بلکہ ظاہر تو یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے بچہ کی تربیت وتعلیم کا جتنا خیال ہوتا ہے دوسرے کا اتنا خیال نہیں ہوتا، تو اگر اس کام پر اپنے بچہ کو نہ مارا یا کم مارا اور دوسرے بچہ کو زیادہ مارا تو معلوم ہوا کہ یہ مارنا محض غصہ اتارنے کے لئے ہے، سدھارنا مقصود نہیں ہے، ورنہ اپنے بچہ کے سدھارنے کا زیادہ خیال ہوتا۔ بحث کے آخر میں ''فتاویٰ عالمگیری'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''بچوں کو زیادہ نہ مارے، مارنے میں حد سے تجاوز کرے گا تو قیامت کے روز محاسبہ دینا پڑے گا''۔

(بہارِ شریعت حصہ ۱۶ ص ۱۴۲-۱۴۴، مطبوعہ ضیاء القرآن)

ظہار کے مباحث

ظہار کا لغوی معنی

امام اللغۃ خلیل بن احمد الفراہیدی المتوفی ۱۷۵ھ لکھتے ہیں:

الظہارۃ: مرد کا اپنی بیوی سے ظہار کرنا جب وہ کہے کہ یہ مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے یا کہے: یہ مجھ پر میرے کسی ذورحم محرم کی پشت کی مثل ہے۔ (کتاب العین ج ۲ ص ۱۱۱۹-۱۱۲۰، مطبوعہ باقری قم ایران ۱۴۱۴ھ)

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری المتوفی ۳۹۸ھ لکھتے ہیں:

ظہار یہ ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی سے کہے: تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے، اور الظہارۃ اس کا معنی ہے: باطن کی نقیض۔

(الصحاح ج ۲ ص ۷۳۲، دار العلم للملایین بیروت ۱۳۹۹ھ)

علامہ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی المتوفی ۷۱۱ھ لکھتے ہیں:

الظہار من النساء: مرد کا اپنی بیوی سے ظہار کرنا، اسی سے ماخوذ ہے: مظاہرۃ وظہارۃ، جب کوئی مرد اپنی بیوی سے کہے: یہ مجھ پر میرے محرم کی پشت کی مثل ہے، قرآن مجید میں ہے: ''وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ'' اس کا معنی ہے: مرد اپنی بیوی سے کہے کہ تم مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہو اور عرب زمانہ جاہلیت میں اپنی بیوی کو اس لفظ کے ساتھ طلاق دیتے تھے، پس جب اسلام آ گیا تو ان کو اس سے منع کر دیا گیا اور جس نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اس کے اوپر کفارہ کو واجب کر دیا اور ظہار کے لفظ کی اصل ظہر ہے، یعنی پشت اور پشت کو خاص کیا گیا ہے نہ کہ پیٹ، ران اور فرج کو اور پشت تحریم کے لیے اولیٰ ہے، کیونکہ پشت سواری کی جگہ ہے اور عورت سواری ہے جب مرد اس کو ڈھانپ لے، پس جب مرد نے یہ کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے تو اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ میرا تجھ پر جماع کے لئے سواری کرنا حرام ہے جیسے میرا اپنی ماں پر جماع کے لئے سواری کرنا حرام ہے، پس پشت کو سواری کے قائم مقام کیا گیا ہے اور یہ کنایہ کے لیے انتہائی لطیف استعارہ ہے۔ (لسان العرب ج ۹ ص ۲۰۳، دار صادر بیروت ۲۰۰۳ء)

امام ابوالقاسم حسین بن محمد راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے: ''وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ'' (المجادلہ: ۳) ظہار کی اصل ہے ''ان یحصل شیئی علی ظہر الارض فلا یخفی'' یعنی کوئی چیز زمین پر ظاہر ہو اور پوشیدہ نہ رہے۔

(المفردات فی غریب القرآن ج ۲ ص ۴۱۴، مکتبہ نزار مصطفی الباز ریاض ۱۴۱۸ھ)

امام مجد الدین ابو السعادات المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں:

ظہر کے لفظ سے اللہ عزوجل کا اسم ماخوذ ہے: ''الظاہر'' یعنی وہ ذات جو ہر چیز کے اوپر فائق ہے اور غالب ہے اور اسی سے ''صلوٰۃ الظہر'' کا لفظ ماخوذ ہے، اور یہ ''نصف النہار'' کا اسم ہے، جب سورج استواء سے زائل ہو جاتا ہے اور ظہار کا لفظ متعدد مقامات پر مذکور ہے، کہا جاتا ہے کہ مرد نے اپنی بیوی سے ظہار کیا، جب کوئی مرد اپنی بیوی سے کہے: تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے، اور زمانہ جاہلیت میں اس لفظ کو طلاق قرار دیا جاتا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے: تو مجھ پر میری ماں کے پیٹ کی مثل ہے، یعنی میری ماں کے ساتھ جماع کی مثل ہے، پھر انہوں نے پشت کے لفظ سے پیٹ کا کنایہ کیا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بیوی

کے پاس اس طرح جانا کہ اس کی پشت آسماں کی طرف ہو اور یہ ان کے نزدیک حرام تھا اور اہل مدینہ کہتے تھے کہ جب مرد عورت کے ساتھ اس کیفیت سے جماع کرے کہ عورت کا چہرہ زمین کی طرف ہو تو بچہ بھینگا پیدا ہوتا ہے۔

ظہار کا لفظ درج ذیل کتب حدیث میں مذکور ہے: (سنن نسائی: الطلاق: ۳۳، سنن ابن ماجہ: الطلاق: ۲۵، سنن دارمی: الطلاق ۹)

اور نماز ظہر کے لیے یہ لفظ درج ذیل کتب حدیث میں ہے:

(صحیح البخاری: المواقیت، ۱۳، سنن ابن ماجہ: المواقیت، ۶، سنن نسائی: المواقیت، ۸)

ظہر کا لفظ قوت والے مال سے صدقہ کرنے کے لئے بھی وارد ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بہترین صدقہ وہ ہے جو ظہر غنی سے دیا جائے، یعنی اس وقت دیا جائے جب کہ اس کے پاس قوی مال ہو اور اس کا ذکر درج ذیل کتب حدیث میں ہے:

(صحیح مسلم: الزکاۃ، ۹۵، مسند احمد: ج ۲ ص ۲۷۸)

ظہر کا لفظ دل سے قرآن پڑھنے کے لیے بھی آتا ہے، حدیث میں ہے:

من قرء القرآن فاستظھرہ، یعنی جس نے قرآن کو پڑھ کر حفظ کر لیا اور دل سے قرآن پڑھا، یعنی بن دیکھے قرآن پڑھا، اس کا ذکر درج ذیل کتب حدیث میں ہے: (سنن ترمذی: باب ثواب القرآن، ۱۳، مسند احمد: ج ۱ ص ۱۴۹-۱۴۸)

ظہر کا لفظ ظاہر الفاظ کے لئے آتا ہے اور بطن کا لفظ اس کے معنی کے لیے آتا ہے، اور ظہر سے مراد ہے: جس لفظ کی تاویل ظاہر ہو اور اس کا معنی معروف اور معلوم ہو اور بطن سے مراد ہے: جس کی تفسیر مخفی ہو، حدیث میں ہے: ما نزل من القرآن آیۃ الا لھا ظھر وبطن، یعنی قرآن کی جو بھی آیت نازل ہوئی اس کا ایک ظہر ہوتا ہے اور ایک بطن ہوتا ہے اور اس کی تفسیر وہ ہے جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا ہے، اور دوسری تفسیر یہ ہے کہ ظہر سے مراد احادیث ہی ہیں، یعنی آیت کے متعلق احادیث اور بطن سے مراد ہے: عبرتیں، تنبیہات اور تحذیرات، ایک قول یہ ہے کہ ظہر سے مراد ہے: تلاوت اور بطن سے مراد ہے: قرآن کی آیت کو سمجھنا اور ان کی تعظیم کرنا، اسی کا ذکر مذکور الصدر احادیث میں ہے۔ (النہایہ فی غریب الحدیث والاثر، ج ۳ ص ۱۴۹-۱۵۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

علامہ لغوی مجد الدین محمد بن یعقوب الفیر وزآبادی المتوفی ۸۱۷ھ لکھتے ہیں:

''الظھارۃ'' یہ ''البطانۃ'' کی نقیض ہے، یعنی مخفی چیز کی ضد ہے اور ظہار کا معنی ہے: مرد اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے۔ (القاموس المحیط ص ۴۳۴، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

الامام اللغوی السید محمد مرتضیٰ الحسینی الزبیدی الحنفی المصری المتوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

الظھار کا لفظ الکتاب کی طرح ہے، اس کا معنی ہے: مرد اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے یا کہے کہ تو مجھ پر میرے محرم کی پشت کی مثل ہے اور عرب اس لفظ سے اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے اور زمانہ جاہلیت میں اس کو طلاق شمار کیا جاتا تھا، پھر جب اسلام آ گیا تو ان کو ظہار سے منع کر دیا گیا اور جو مرد اپنی بیوی سے ظہار کرے اس پر کفارہ واجب کر دیا گیا، پیٹ، ران اور فرج کی بجائے ظہر یعنی پشت کے لفظ کو خاص کیا گیا کیونکہ پشت کا لفظ ان الفاظ کی بہ نسبت تحریم کے زیادہ لائق ہے، کیونکہ پشت سواری کی جگہ ہے اور جب عورت کو ڈھانپا جاتا ہے تو وہ سواری ہوتی ہے، پس گویا کہ اس نے یوں کہا کہ میرا تیری پشت پر سوار ہونا یعنی تجھ سے جماع کرنا میری ماں کی پشت پر سواری کی مثل ہے، یعنی ماں سے جماع کرنے کی مثل ہے، اس کے بعد علامہ

زبیدی نے لسان العرب اور نہایہ کی عبارات نقل کر دی ہیں۔ (تاج العروس ج ۳ ص ۴۷۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

ظہار کا شرعی معنی

شمس الائمہ ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہیل السرخسی الحنفی المتوفی ۴۸۳ ھ لکھتے ہیں:

زمانہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق شمار کیا جاتا تھا، شریعت نے اس کی اصل کو مقرر رکھا اور اس کے حکم کو کفارہ کے ساتھ تعلیم موقت کی طرف منتقل کر دیا بغیر اس کے کہ ظہار سے نکاح کا زوال ہو۔ (المبسوط ج ۶ ص ۲۶۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

علامہ علاؤ الدین ابو بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ ھ لکھتے ہیں:

ظہار کا رکن ایسا لفظ بولنا ہے جو ظہار پر دلالت کرے اور اس کی اصل یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی سے کہے کہ تیری پشت مجھ پر میری ماں کی مثل ہے، اور اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی لاحق ہیں کہ مرد یہ کہے کہ تیرا پیٹ میری ماں کے پیٹ کی مثل ہے یا کہے کہ تیری ران میری ماں کی ران کی مثل ہے یا کہے کہ تیری فرج میری ماں کی فرج کی مثل ہے، کیونکہ ظہار کا معنی ہے: حلال کو حرام کے ساتھ تشبیہ دینا

(بدائع الصنائع ج ۵ ص ۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ ھ)

امام ابو اسحاق ابراہیم بن علی بن یوسف الفیر وزآبادی الشیر ازی الشافعی المتوفی ۴۵۵ ھ لکھتے ہیں:

اگر کسی شخص نے کہا کہ میری دادی یا نانی کی پشت میری بیوی کی پشت کی طرح ہے، تو یہ بھی ظہار ہوگا، کیونکہ دادی اور نانی کی پشت بھی اسی حکم میں ہیں اور اگر اس نے کہا کہ تو میرے اوپر اس طرح ہے جیسے میرے باپ کی پشت ہو تو یہ ظہار نہیں ہے کیونکہ باپ کی پشت جماع کے لئے حلال نہیں ہے، لہٰذا وہ ان الفاظ کے کہنے کی وجہ سے مظاہر نہیں ہوا۔

(المہذب فی فقہ الامام الشافعی ج ۲ ص ۱۱۲، دارالفکر بیروت، ۱۳۹۳ ھ)

علماء شافعیہ کی ایک جماعت نے ظہار کی تحقیق میں لکھا ہے کہ:

فقہاء شافعیہ کے نزدیک ظہار کی تعریف یہ ہے کہ مرد کی جو بیوی غیر بائن ہو اس کو ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دے جو اس کے لئے حلال نہیں ہے۔

بیوی کی قید سے اجنبی اور باندی نکل گئی کیونکہ فقہاء شافعیہ کے نزدیک ان سے ظہار صحیح نہیں ہے، اور غیر بائن کی قید سے وہ بیوی نکل گئی جو بائنہ ہو، کیونکہ اب اس کے ساتھ نکاح منقطع ہو چکا ہے۔ اور یہ قید جو لگائی ہے کہ وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہو، یعنی وہ اس پر دائماً حرام ہو خواہ نسب سے، رضاع سے یا مصاہرت سے اور فقہاء احناف کی تعریف یہ ہے کہ مرد اپنی منکوحہ کو اس کے ساتھ تشبیہ دے جو اس پر دائماً حرام ہو خواہ نسب سے خواہ رضاع سے خواہ مصاہرت سے، اور شوہر نے اپنی بیوی کا مطلقاً ذکر کیا اور یہ اس مرد کو بھی شامل ہے جو نشہ میں ہو یا اس پر جبر کیا گیا ہو تو ان تمام صورتوں میں احناف کے نزدیک ظہار ہے۔

(المجموع شرح المہذب ج ۲۱ ص ۱۱۷-۱۱۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ ھ)

ظہار کے متعلق قرآن مجید کی آیات مبارکہ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْٓ اِلَی   بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے متعلق

اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ۚ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ۖ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـئِىْ وَلَدْنَهُمْ ۖ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۖ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۖ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ۖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۖ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۖ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۖ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۖ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (المجادلہ ۴-۱)

بحث اور تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا، بے شک اللہ بہت سننے والا خوب دیکھنے والا ہے ○ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یہ کہتے ہیں کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے) وہ عورتیں حقیقت میں ان کی مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں اور بے شک وہ ضرور بُری اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے ○ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں، پھر عمل زوجیت کے لئے لوٹنا چاہیں جس کے متعلق وہ اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں تو ان پر عمل زوجیت سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے، یہ وہ چیز ہے جس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں کی خبر رکھنے والا ہے ○ پس جو غلام کو نہ پائے تو اس پر عمل زوجیت سے پہلے دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنا ہے، پس جو روزوں کی طاقت نہ رکھے تو اس پر ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ حکم اس لئے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان برقرار رکھو اور یہ اللہ کی حدود ہیں، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے ○

حالتِ ظہار کی تفصیل از علامہ ماتریدی اور آیات ظہار کے شان نزول کے متعلق متعدد روایات

علامہ ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اہل تفسیر کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جو حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ المتوفی ۳۴ھ کے بھائی تھے اور ان کی بیوی کے متعلق نازل ہوئی ہے، تاہم ان کی بیوی کے نام میں اختلاف ہے،

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے فرمایا: ان کی بیوی کا نام حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا تھا۔ (تفسیر ابن جریر: ۱۸۷۴۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ بیان کرتی ہیں کہ ان کا نام حضرت جمیلہ تھا۔ (تفسیر ابن جریر: ۲۹۷۴۳)

نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوسری روایت ہے کہ ان کا نام خویلہ تھا۔ (تفسیر ابن جریر: ۱۴۷۴۳)

بعض روایات میں مذکور ہے کہ ایک دن حضرت اوس رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلایا اور ان کی بیوی اس حالت میں تھی جس حالت میں شوہر کا بیوی سے جماع جائز نہیں ہوتا تو انہوں نے انکار کیا اور انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ گھر سے نکل جائیں تو حضرت اوس نے کہا: اگر تم گھر سے نکلیں تو تم میرے لئے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے، سو وہ نکل گئیں، پس جب صبح ہوئی تو ان سے حضرت اوس نے کہا کہ میرا گمان یہ ہے کہ اب تم مجھ پر حرام ہو چکی ہو تو انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! تم نے مجھے طلاق تو نہیں دی، پھر

حضرت اوس نے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور اس معاملہ کے متعلق سوال کرو، کیونکہ مجھے حیاء آتی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس معاملہ کے متعلق سوال کروں، سو ان کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور آپ سے اس معاملہ کے متعلق استفسار کیا تو مذکور الصدر آیت مبارکہ نازل ہوئی۔

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ سب سے پہلے جن سے ظہار کیا گیا وہ حضرت اوس رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں اور محمد بن کعب القرظی نے بیان کیا ہے کہ حضرت اوس میں لَمَم تھا، اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر لَمَم سے مراد عقل کا فتور اور جنون ہے تو مجنون کی طلاق واقع نہیں ہوتی، چہ جائیکہ اس کا ظہار کرنا ظہار قرار دیا جائے، اور لَمَم کی تاویل یہ کی جاسکتی ہے کہ حضرت اوس میں غصہ اور غضب بہت شدید تھا گویا کہ ان میں حلم اور بردباری نہیں تھی۔

محمد بن کعب بیان کرتے ہیں کہ حضرت اوس کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ اوس جو میرے بچوں کے باپ ہیں اور میرے چچا زاد ہیں اور مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب ہیں انہوں نے ایک سخت بات کہی ہے، اور اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی ہے! انہوں نے طلاق کا ذکر نہیں کیا لیکن انہوں نے یہ کہا ہے کہ تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک تم اس کے اوپر حرام ہو چکی ہو، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! حضرت اوس نے مجھ کو طلاق نہیں دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا: کہ میرے نزدیک تم ان پر حرام ہو چکی ہو، حضرت اوس کی بیوی نے بار بار اپنا سوال دہرایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بار ان کو یہی جواب دیا، تب حضرت اوس کی بیوی نے کہا: اے اللہ! میں اپنے شدت رنج کی تجھ سے شکایت کرتی ہوں اور حضرت اوس کی جدائی جو مجھ پر شاق اور دشوار ہے اس کی شکایت بھی میں تجھ سے کرتی ہوں، اے اللہ! میرے متعلق اپنے نبی پر حکم نازل فرما تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ المجادلہ کی مذکور الصدر آیات نازل فرمائیں۔

کلبی روایت کرتے ہیں کہ حضرت اوس رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، سو انہوں نے کہا کہ میرے خاوند حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ نے میرے ساتھ نکاح کیا، سو جس دن انہوں نے مجھ سے نکاح کیا اس وقت میں نوجوان تھی اور میرا خاندان بھی بڑا تھا اور میں مالدار تھی، وہ میری جوانی کھا گئے حتیٰ کہ میں ان کے پاس بڑھاپے کو پہنچ گئی اور میرے گھر والے فوت ہو گئے اور میرا مال بکھر گیا اور میں کمزور ہو گئی، اب وہ کہتے ہیں کہ تم اب میرے لئے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہو، پھر انہوں نے مجھے بغیر معاوضہ کے چھوڑ دیا اور اب وہ نادم ہیں اور میں بھی نادم ہوں تو اب کیا کوئی ایسی صورت ہے جس کی وجہ سے میں اور وہ ایک بار پھر جمع ہو جائیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیا انہوں نے تم کو طلاق دی ہے، انہوں نے کہا: نہیں تو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی تک تمہارے متعلق مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا، جب کوئی حکم نازل ہوگا تو میں تم کو بتاؤں گا، تب حضرت اوس کی بیوی نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر دعا کی اور گڑگڑائیں کہ اے اللہ تعالیٰ! میرے متعلق کوئی حکم نازل کر دے تب حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سورۃ المجادلہ کی مذکور الصدر آیات کو لے کر نازل ہوئے۔ (تفسیر البغوی ج ۴ ص ۳۰۴)

بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت اوس رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، پس انہوں نے کہا کہ حضرت اوس نے مجھ سے اس وقت نکاح کیا جب میں نوجوان تھی، اور مال دار تھی اور میرے گھر والے تھے حتیٰ کہ انہوں نے میرا مال کھالیا اور میری جوانی کو فنا کر دیا حتیٰ کہ میں عمر رسیدہ ہو گئی اور میری ہڈی کمزور ہو گئی اور میرے گھر والے منتشر ہو گئے اور اب یہ کہتے ہیں

کہ تم میرے لئے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت اور میرے ان سے بچے ہیں اور اگر میں نے اپنے بچوں کو ان کے سپرد کیا تو وہ ضائع ہو جائیں گے اور اگر میں نے اپنے بچوں کو اپنے پاس رکھا تو وہ بھوکے مر جائیں گے۔تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جاؤ! شاید تم نے اپنے شوہر پر ظلم کیا ہو، حضرت اوس کی بیوی نے کہا: اے اللہ کی زمین پر اللہ کے امین! بے شک میرا شوہر مجھ پر ظلم کرنے والا تھا، آپ نے فرمایا: تم جاؤ تم میں ضعف اور عجز ہے، سو حضرت اوس کی بیوی آپ سے جھگڑتی رہیں اور آپ سے بحث کرتی رہیں، پھر جب حضرت اوس کی بیوی نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نجات کی کوئی صورت نہیں نکال رہے تو وہ باہر نکلیں اور انہوں نے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اپنے شوہر کی شکایت کی اور کہا: اے اللہ! میں زمین میں تیرے سب سے بڑے امین کے پاس گئی تھی لیکن انہوں نے میرے متعلق کوئی فیصلہ نہیں کیا، سو تو میری حاجت کو پورا فرما اور میری ضعیفی پر اور میرے وسائل کی قلت پر رحم فرما، سو ابھی وہ اپنے گھر سے نہیں پہنچی تھیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوئے اور سورۃ المجادلہ کی مذکور الصدر آیات نازل فرمائی، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوس رضی اللہ عنہ کو بلایا اور دریافت فرمایا کہ تم نے خولہ کے ساتھ جو معاملہ کیا اس کا کیا سبب تھا؟ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق وہ آیات نازل فرمائی ہیں جو نازل فرمائی ہیں، تب حضرت اوس نے حضرت خولہ کو بلایا اور ان کو مرحبا کہا اور بتایا کہ یا رسول اللہ! یہ شیطانی عمل تھا تو اب کوئی ایسی صورت ہے جو اب اس کو اور مجھے دوبارہ زندہ کر دے، پھر آپ نے کفارہ کی آیت تلاوت فرمائی۔ (تفسیر البغوی ج ۴ ص ۳۰۴)

مذکور الصدر روایات کا اختلاف اور ان میں تطبیق

ان روایات میں اختلاف ہے، ایک روایت میں ذکر ہے کہ آپ نے فرمایا: تم اس پر حرام ہو چکی ہو اور دوسری روایت میں ذکر ہے آپ نے فرمایا: تمہارے متعلق مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا، لیکن ان دونوں حدیثوں میں یہ توفیق ہو سکتی ہے کیونکہ آپ نے فرمایا: میرے نزدیک تم اس پر حرام ہو چکی ہو، یہ آپ نے زمانہ جاہلیت کے معمول کے مطابق فرمایا جب تک آپ کے اوپر اس مسئلہ کے متعلق وحی نازل نہیں ہوئی تھی، اسی لیے آپ نے دوسرا ارشاد فرمایا: مجھ پر تمہارے معاملہ میں وحی نازل نہیں ہوئی، پھر جب آپ پر وحی نازل ہوگئی تو پھر آپ نے سورۃ المجادلہ کی مذکور الصدر آیات تلاوت فرمائیں۔

آیات ظہار کے نزول سے پہلے ظہار کے حکم میں فقہاء کا اختلاف

پھر ان آیات کے نزول سے پہلے ظہار کے حکم میں بعض فقہاء کا درج ذیل اختلاف ہے:

عکرمہ متوفی ۱۰۵ھ بیان کرتے ہیں کہ ظہار سے عورتوں کو مردوں پر حرام کر دیا جاتا تھا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المجادلہ کی آیات نازل فرمائیں اور ان آیات کے نزول سے پہلے ظہار کو طلاق قرار دیا جاتا تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ظہار ہی قرار دیا۔

ابو قلابہ وغیرہ نے کہا ہے: زمانہ جاہلیت میں ایلاء اور ظہار کو طلاق قرار دیا جاتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ نے کہا ہے کہ اہل جاہلیت ظہار کو طلاق قرار دیتے تھے اور اس امت کے لئے ظہار سے عورت حرام ہو جاتی ہے حتیٰ کہ کفارہ ادا کرنے کے بعد اسے حلال قرار دیا ہے۔

حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ نے کہا کہ ظہار سب سے شدید طلاق ہے اور سب سے زیادہ حرام ہے اور جب کوئی مرد اپنی بیوی سے کہہ دے کہ تو میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہے تو اس کی بیوی اس پر ابداً حرام ہو جاتی ہے، علامہ ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ

فرماتے ہیں: حق کے مشابہہ بات یہ ہے کہ زمانہ اسلام میں ظہار طلاق نہیں ہے، ہاں زمانہ جاہلیت میں اس کو طلاق قرار دیا جاتا تھا کیونکہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ جب ان کے خاوند نے ان سے ظہار کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: میرے نزدیک تم ان پر حرام ہو چکی ہو، حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ انہوں نے مجھ کو طلاق نہیں دی اور اگر ظہار طلاق ہوتی تو حضرت خولہ جان لیتیں کہ ان کے شوہر حضرت اوس بن الصامت نے ان کو طلاق دے دی ہے اور اسی طرح جب حضرت خولہ نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: میرے نزدیک تم اس پر حرام ہو چکی ہو۔ (الدر المنثور ج ۶ ص ۲۶۴-۲۶۷)

"المجادلہ" کا معنی

"المجادلہ" کا معنی ہے: المقاسمہ، یعنی ایک دوسرے سے جھگڑنا، اور حضرت خولہ کا حضرت اوس بن الصامت سے جھگڑا یہ تھا کہ وہ کہتی تھیں اللہ کی قسم! تم نے تو مجھے طلاق نہیں دی، جب کہ ان کے خاوند ان سے یہ کہہ چکے تھے کہ اگر تم گھر سے نکلیں تو تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے، اور اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک تم اس پر حرام ہو چکی ہو حتیٰ کہ سورۃ المجادلہ کی آیت نازل ہوئی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے لئے ناسخ ہے۔

ظہار کے حکم کے متعلق متعدد روایات

ظہار کے حکم میں درج ذیل روایات ہیں: جب سورۃ المجادلہ کی مذکور الصدر آیات نازل ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خولہ کے خاوند حضرت اوس بن الصامت کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ ایک غلام آزاد کرو، تو انہوں نے کہا کہ میرے پاس غلام نہیں ہے، آپ نے فرمایا: دو ماہ کے روزے رکھو، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، میں تو ایک روزہ بھی رکھوں تو مجھ پر سخت دشوار ہوتا ہے تو میں دو ماہ کے مسلسل روزے کیسے رکھوں گا؟ تب آپ نے فرمایا: پھر تم ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، انہوں نے کہا: جی ہاں! میں یہ کروں گا، پھر انہوں نے ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلایا، پھر انہوں نے حضرت خولہ کو اپنے پاس رکھ لیا۔ (تفسیر ابن جریر: ۱۸ ٹ ۳۳-۱۶ ٹ ۳۳ ۱۵ ٹ ۳۳، سنن ابوداؤد: ۲۲۱۳، سنن ترمذی: ۱۱۹۸، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۲)

نیز ان احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: وہ فلاں جگہ ابوزریغ کے پاس جائیں اور ان سے ایک وسق کھجوریں لے لیں (۱۴۴۰ کلوگرام) اور حدیث میں یہ بھی ہے کہ جب آپ نے ان کو ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو طعام کھلانے کا حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا اِلَّا یہ کہ آپ میری مدد فرمائیں، تو پھر ہو سکتا ہے کہ آپ نے فرمایا ہو کہ تم ابوزریغ کے پاس جاؤ تو وہ تمہاری ساٹھ (۶۰) صاع کھجوروں سے مدد کرے گا، ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کفارۂ ظہار میں مساکین کو کھانا کھلانا لازم ہو تو گندم سے ہر مسکین کو نصف صاع دیا جائے گا، اور نصف صاع گندم روزے کا فدیہ ہے، اور نصف صاع دو کلوگرام کے برابر ہے۔

"الظہار" کا معنی

"الظہار" کا لفظ الظہر سے ماخوذ ہے اور مسلمانوں میں یہ متعارف ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے کہ تم میرے لیے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے، اسی وجہ سے امام محمد بن حسن شیبانی المتوفی ۱۸۹ھ نے کہا ہے کہ ظہار اسی وقت ہوگا کہ جب کوئی شخص

اپنی بیوی سے کہے کہ تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے، اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ ظہار اسی وقت ہوگا جب کوئی مرد یہ الفاظ کہہ کر تحریم کا ارادہ کرے۔

اس اشکال کا جواب کہ ظہار تو ترک جماع کی قسم ہے، پھر اس کو جھوٹ کیوں فرمایا؟ نیز اس اشکال کا جواب کہ نبی کی ازواج کو بھی مومنین کی مائیں فرمایا ہے، پھر اس آیت میں یہ کیوں فرمایا کہ مائیں صرف وہ ہوتی ہیں جن سے بچے پیدا ہوں؟

اس مقام پر یہ اشکال ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق فرمایا:

وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ (المجادلہ:۲) اور بے شک وہ ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔

تو یہ کون سا برا قول اور جھوٹ ہے جب کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام قرار دینے کی وجہ سے یہ الفاظ کہتا ہے۔

اور اس آیت پر دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس آیت میں فرمایا:

اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓئِیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ (المجادلہ:۲) وہ عورتیں حقیقت میں ان کی مائیں نہیں ہیں ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں۔

اور دوسری آیت میں فرمایا:

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ (الاحزاب:٦) اور نبی کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ مومنین نبی کی بیویوں سے تو پیدا نہیں ہوئے، نیز قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ (النساء:۲۳) اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا۔

اور ظاہر ہے کہ دوسروں کے بچے دودھ پلانے والی عورتوں سے پیدا نہیں ہوتے۔

رہا پہلا اشکال تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی بیوی کو حرام کرنے کے لئے یہ کہا کہ تم میرے لئے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے قول کو برا اور جھوٹ فرمایا ہے، یعنی یہ کلمات بہ ظاہر جھوٹ ہیں، کیونکہ ان کی مائیں تو درحقیقت وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں، تو اگرچہ اس نے تشبیہاً یہ کلمات کہے ہیں، حقیقتاً اس کا یہ ارادہ نہیں ہوتا کہ اس کی بیوی اس کی ماں کی طرح ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی جھوٹ قرار دیا۔ بہ ظاہر یہ بہت قوی اشکال ہے کیونکہ اگر کوئی شخص یہ ارادہ نہیں کرتا کہ وہ اس کی حقیقتاً ماں ہے بلکہ اس کا ارادہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کر رہا ہے تو اس کا اپنی بیوی سے جماع کرنا ایسا ہے جیسا کہ وہ اپنی ماں سے جماع کرے اور ماں سے جماع کرنا حرام ہے اس لئے اس کا اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے تو یہ کیسے برا قول ہوا اور جھوٹ ہوا اور یہ بہت قوی اشکال ہے (جس کا علامہ ماتریدی سے کوئی واضح اور ٹھوس جواب نہیں بن سکا)۔

(میرے نزدیک اس کا یہ جواب ہے کہ اگر اس نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنا تھا تو صاف طریقہ سے کہتا کہ تم مجھ پر حرام ہو اور جب اس نے کہا کہ تم میری ماں کی پشت کی مثل ہو تو یہ بری بات ہے اور جھوٹ ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد برحق ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

رہا دوسرا اشکال کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی بیویوں کو مسلمانوں کی مائیں قرار دیا ہے، حالانکہ وہ ان سے پیدا نہیں ہوئے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کی بیویوں کو مجازاً ماں فرمایا ہے اور اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم اور تشریف ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم

کی ازواج سے مسلمانوں کا نکاح کرنا ایسا حرام ہے جیسا کہ اپنی ماں سے نکاح کرنا حرام ہے، رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے دودھ پلانے والیوں کو بھی ماں قرار دیا ہے حالانکہ دودھ پینے والا ان سے پیدا نہیں ہوا تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرار دیا ہے کہ (اکثر امور میں) دودھ پلانے والیوں کے حقوق اور احکام اسی طرح ہیں جس طرح حقیقی ماؤں کے حقوق اور احکام ہوتے ہیں۔

ظہار کے بعد عورت کی طرف عود کرنے سے لزوم کفارہ کے متعلق مذاہب فقہاء

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا (المجادلہ: ۳)

(اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرلیں) پھر عمل زوجیت کے لئے لوٹنا چاہیں جس کے متعلق وہ اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں تو ان پر عمل زوجیت سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے۔

سو اس آیت میں عود کا لفظ جو مذکور ہے اس کی تفسیر میں بھی طاؤس کے دو قول ہیں:

(۱) اس سے مراد جماع ہے یعنی جب مرد نے قسم کھالی اور اپنی بیوی کو اپنے اوپر حرام کرلیا، پھر اس سے جماع کرلیا تو اب اس پر کفارہ لازم ہے لیکن یہ تاویل بعید ہے اور نص قرآن کے مخالف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا   یعنی جماع کرنے سے پہلے ان پر کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔

اور طاؤس نے کہا ہے کہ جماع کرنے کے بعد کفارہ ادا کرے، طاؤس نے جو کہا ہے وہ ایلاء کا حکم ہے، کیونکہ ایلاء میں جماع کرنے کے بعد کفارہ لازم ہوتا ہے اور ظہار میں جماع کرنے سے پہلے کفارہ لازم ہوتا ہے۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ سے روایت ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی عورت سے ظہار کیا پھر اس نے یہ عزم کرلیا کہ وہ اپنی بیوی کو رکھے گا اور اس سے جماع کرے گا تو اس پر کفارہ لازم ہے حتیٰ کہ جب اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی یا اس کی بیوی اس عزم کے بعد مر گئی تو اس پر کفارہ کا وجوب باقی رہے گا اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ نے کہا ہے کہ عود سے مراد ہے: جماع کا عزم کرے حتیٰ کہ جب اس نے جماع کا عزم کرلیا تو اس پر کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے: عود سے مراد بیوی کو اپنے پاس رکھنا ہے اور بیوی کو اپنے پاس رکھنے سے کفارہ واجب ہوجاتا ہے اور ظہار کا حکم یہ ہے کہ جماع حرام ہو حتیٰ کہ جب وہ ظہار کے بعد طلاق دینے کا ارادہ کرے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اگر اس نے اسے ایک ساعت کے لئے جماع کرنے کے ارادہ سے رکھا تو اس پر کفارہ واجب ہوجائے گا، خواہ بعد میں اس کی بیوی زندہ رہے یا مرجائے اور جب اس کی بیوی زندہ ہو تو اسے طلاق دے یا نہ دے، طلاق سے رجوع کرے یا نہ کرے اس پر کفارہ واجب ہوجائے گا۔ اور اگر اس نے کلمات ظہار کہنے کے فوراً بعد طلاق دے دی تو اس کا ظہار باطل ہوجائے گا۔

اور ہمارے فقہاء احناف کے نزدیک ظہار کا حکم یہ ہے کہ ظہار میں بیوی سے جماع کرنا حرام ہوجاتا ہے جب تک کہ وہ کفارۂ ظہار ادا نہ کرے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے تو اب اس کی بیوی بغیر کفارہ ادا کئے اس کے اوپر حلال نہیں ہوگی۔ اور ہمارے نزدیک نفس ظہار سے کفارہ واجب نہیں ہوتا، ظہار سے تو صرف حرمت واجب ہوتی ہے، کفارہ صرف اس وقت واجب ہوتا ہے جب وہ ظہار کے بعد اپنی بیوی سے جماع کا عزم کرلے حتیٰ کہ

اگر اس کی بیوی مرجائے تو کفارہ واجب نہیں ہوگا۔ (تاویلات اہل السنہ ج ۹ ص ۵۴۴-۵۵۴، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

ظہار کی تفصیل از علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری

تعارف سورۃ المجادلہ

نام: اس کے دو نام ہیں ''المجادَلہ'' جو باب مفاعلہ کا مصدر ہے، اس کا معنی ہے ''بحث و تکرار'' اور دوسرا نام ''المُجادِلہ'' جو اس باب کا اسم فاعل مونث کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے ''بحث و تکرار کرنے والی'' اس میں تین رکوع، بائیس آیتیں، چار سو تہتر کلمے اور سترہ سو بانوے حروف ہیں۔

زمانہ نزول: یہ سورۃ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی اور اغلب خیال یہ ہے کہ اس کا نزول غزوۂ احزاب (شوال ۵ ھ) کے بعد ہوا، سورۂ احزاب میں جو اس غزوہ کے بعد نازل ہوئی، ظہار کے مسئلہ کو اجمالاً بیان کیا گیا ہے اور اس سورۃ میں اسی مسئلہ کو وضاحت اور پوری تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سورت سورۂ احزاب کے بعد نازل ہوئی۔

شانِ نزول: حضرت خولہ بنت ثعلبہ اپنے چچازاد اوس بن صامت کے ساتھ بیاہی ہوئی تھیں، حضرت اوس جب بوڑھے ہو گئے تو ان کے مزاج میں چڑچڑاپن آ گیا، بات بات پر وہ لڑنا جھگڑنا شروع کر دیتے۔ ایک روز جھگڑتے ہوئے انہوں نے اپنی بیوی کو کہہ دیا ''انتِ علی کظھر امی'' (تو مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میری ماں کی پیٹھ)، زمانہ جاہلیت میں یہ طلاق کے الفاظ تھے، خولہ یہ سن کر از حد پریشان ہوئیں، بڑھاپے میں اپنے گھر کے اجڑنے کا غم اور اپنے ننھے بچے بچیوں کے فکر نے انہیں بے چین کر دیا۔ بارگاہِ رسالت میں آ کر اپنے بارے میں دریافت کیا، حضور نے فرمایا کہ اس مسئلہ کے بارے میں ابھی مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔ وہ بار بار عرض کرتیں: میں اس پیرانہ سالی میں کہاں جاؤں گی، میرے بچوں کا کیا بنے گا، میرا بنا بنایا گھر اجڑ جائے گا، حضور یہی جواب فرماتے رہے یہاں تک کہ حضور پر وحی کی کیفیت طاری ہو گئی اور اس مسئلہ کے بارے میں تفصیلی احکام نازل ہوئے۔

قرآن کریم میں ان کا تذکرہ آنے کے باعث صحابہ کی نگاہوں میں ان کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی، سب ان کا احترام کیا کرتے۔ ایک روز حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے دورِ خلافت میں کہیں جا رہے تھے، آپ کے ساتھ دوسرے بہت سے لوگ بھی تھے، ایک بوڑھی عورت سامنے آئی اور آپ کو رکنے کے لئے کہا۔ آپ فوراً رک گئے اور اس کے قریب تشریف لے گئے، اس کی باتیں سننے کے لئے اس کی طرف اپنا سر جھکا دیا اور اپنے ہاتھ اس کے کندھے پر رکھ دیے یہاں تک کہ وہ اپنی پوری داستان ختم کر کے واپس چلی گئیں، ایک شخص نے عرض کیا:

''امیر المومنین! آپ نے ایک بڑھیا کے لیے اتنے قریش کو منتظر رکھا۔ آپ نے فرمایا: ''اے کم فہم! تم جانتے ہو یہ کون ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: یہ وہ عورت ہے جس کے شکوہ کو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سن لیا، یہ خولہ بنتِ ثعلبہ ہیں۔ اگر یہ رات تک کھڑی رہتیں تو میں یوں ہی کھڑا رہتا''۔

مضامین: ابتدائی چار آیتوں میں ظہار کے مسئلہ کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے، پانچویں اور چھٹی آیت میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ ساتویں اور آٹھویں آیت میں منافقین جو خفیہ منصوبے بناتے اور چھپ چھپ کر مشورے کرتے اور اسلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے، انہیں خبردار کیا گیا ہے کہ جہاں بھی سر جوڑ کر تم بیٹھتے ہو اور

سرگوشیاں کرتے ہو اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوتا ہے، تمہاری باتوں کو سن رہا ہوتا ہے، اور تمہاری حرکتوں سے خوب واقف ہوتا ہے، وہ یقین رکھیں کہ اپنی ان ناپاک کوششوں سے وہ اسلام کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے، البتہ اس کی پاداش میں انہیں جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا اور یہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو نصیحت فرمائی جارہی ہے کہ تمہاری سرگوشیاں اور مشورے اپنے خدا کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کیلئے نہیں ہونے چاہئیں بلکہ تمہیں اپنی مجلسوں میں ایسی تدابیر پر غور وفکر کرنا چاہیے جن سے نیکی کو فروغ حاصل ہو اور خدا کے دین کا بول بالا ہو۔

آیات ۱۱، ۱۲، ۱۳ میں مجلسی آداب کی تعلیم دی جارہی ہے کہ جب تم کسی محفل میں بیٹھے ہو اور باہر سے کوئی آدمی آجائے تو سکڑ جاؤ اور اس کو اپنے پہلو میں جگہ دو، ایسا نہ ہو کہ اسے دہلیز پر بیٹھنا پڑے یا وہ کھڑا رہنے پر مجبور ہو یا وہ محروم واپس چلا جائے، نیز تمہیں یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ جس شخص کی ملاقات کے لیے تم آئے ہو، اس کی اپنی مصروفیتیں بھی ہیں، اس لیے ضرورت کے مطابق بیٹھو اور اس کے بعد خود بخود اجازت لے کر چلے جاؤ۔ اگر اس نے تمہیں اپنی محفل سے اٹھنے کے لیے کہا تو تمہاری دل شکنی ہوگی، اس طرح کی کئی اور رسمیں جو عہدِ جاہلیت میں ان کی زندگی کا حصہ بن چکی تھیں، ان کو ترک کرنے کا حکم دیا۔

آخری رکوع میں بتادیا کہ انسانوں کے دو گروہ ہیں، ایک حزب الشیطان ہے اور دوسرے گروہ کا نام حزب اللہ ہے، دونوں گروہوں کے حالات اور ان کی خصوصیات بھی بیان کر دیں تا کہ ہر شخص اپنے بارے میں فیصلہ کر سکے کہ وہ کس گروہ میں شامل ہونا چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝ (المجادلہ:۱)

بے شک اللہ تعالیٰ نے سن لی اس کی بات جو تکرار کر رہی تھی آپ سے اپنے خاوند کے بارے میں اور (ساتھ ہی) شکوہ کیے جاتی تھی اللہ سے (اپنے رنج وغم کا) اور اللہ سن رہا تھا تم دونوں کی گفتگو، بیشک اللہ (سب کی باتیں) سننے والا (سب کچھ) دیکھنے والا ہے ۝

اسلام سے پہلے عرب میں یہ رواج تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہتا کہ "انتِ علی کظهر امی"، تو مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میری ماں کی پشت، تو اس قول سے وہ نکاح ٹوٹ جاتا اور وہ عورت اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی، رجوع کا دروازہ بھی بند ہو جاتا، اس کو وہ اپنی اصطلاح میں ظہار کہا کرتے۔

اسلام میں سب سے پہلے ظہار کا جو واقعہ پیش آیا، اس کے بارے میں اس سورت کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن میں ظہار کے متعلق قرآنی احکام کو وضاحت سے بیان کر دیا گیا۔

ہوا یوں کہ ایک روز حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کے بھائی اوس ابن صامت رضی اللہ عنہ اپنی بیوی حضرت خولہ بنت ثعلبہ پر کسی وجہ سے ناراض ہو گئے، بڑھاپے کی وجہ سے ان کا مزاج بڑا چڑچڑا ہو گیا تھا، غصہ سے کہہ دیا "انتِ علی کظهر امی"، زبان سے تو یہ کہہ بیٹھے، لیکن لگے پچھتانے، خولہ کو پاس بلانے کی کوشش کی۔ اس نیک بندی نے جواب دیا: اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں خولہ کی جان

ہے! جب تک اللہ اور اس کا رسول ہمارے بارے میں فیصلہ نہ فرمائیں تم میرے نزدیک نہیں آسکتے۔ خولہ اٹھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے اللہ کے پیارے رسول! اوس نے جب میرے ساتھ شادی کی تھی اس وقت میں جوان تھی، صاحبِ مال تھی، میرے گھر والے بھی موجود تھے۔ اب میرا شباب رخصت ہو چکا، میں بوڑھی ہو گئی، میرے گھر والے بھی نہ رہے، مال بھی خرچ ہو گیا، اب اوس نے مجھے یہ الفاظ کہے ہیں۔ حضور کیا ہمارے لیے کوئی گنجائش ہے کہ ہم ایک ساتھ رہ سکیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: تیرے بارے میں ابھی تک مجھے کوئی حکم نہیں ملا، اس نے پھر عرض کیا: یارسول اللہ! اس نے طلاق کا لفظ تو نہیں کہا، وہ بار بار یہ کہتی رہی اور حضور یہی جواب دیتے رہے، ساتھ ہی وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بھی فریاد کرتی رہی کہ الٰہی میں اپنی تنہائی اور اپنے خاوند سے جدائی کا شکوہ تجھ سے کرتی ہوں۔ ایک روایت میں ان کے یہ الفاظ درج ہیں: ''اپنے فاقہ اور خستہ حالی کا شکوہ میں اللہ تعالیٰ سے کرتی ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اگر میں انہیں ان کے باپ کے سپرد کرتی ہوں تو وہ ضائع ہو جائیں گے اور ان کو اپنے پاس رکھتی ہوں تو وہ بھوکوں مریں گے، بار بار وہ آسمان کی طرف منہ اٹھاتیں اور فریاد کرتیں، بحث و تکرار کا سلسلہ ابھی جاری تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی غم زدہ اور پریشان حال بندی کی فریاد سن لی اور جبریل امین یہ آیات لے کر نازل ہوئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یا خولۃ ابشری، اے خولہ! مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تیرے بارے میں حکم نازل فرمادیا، جاؤ اپنے خاوند کو بلاؤ، اوس رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ غلام آزاد کرو، عرض کیا: میرے پاس تو کوئی غلام نہیں، فرمایا: پھر دو ماہ کے متواتر روزے رکھو، عرض کیا: یارسول اللہ! اگر میں دن میں تین مرتبہ نہ کھاؤں تو میری بینائی جواب دینے لگتی ہے، میں اتنی مدت کیسے روزے رکھ سکتا ہوں، ارشاد ہوا: پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، عرض کرنے لگے: آقا! میں بہت غریب و نادار ہوں، حضور میری مدد فرمائیں تو میں کھانا کھلا سکتا ہوں، اس غریب پرور آقا نے انہیں پندرہ صاع اپنے پاس سے عطا فرمائے۔ انہوں نے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا، اس طرح حضرت خولہ پھر اپنے گھر میں آباد ہو گئیں، قد سمع اللہ کی آیت انہی کے بارے میں نازل ہوئی۔

اس خصوصیت کی وجہ سے صحابہ کرام ان کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے، ایک دفعہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اپنے عہدِ خلافت میں حضرت خولہ کے پاس سے گزرے، آپ دراز گوش پر سوار تھے، لوگوں کا ایک ہجوم ساتھ تھا، حضرت خولہ نے ان کو روک لیا اور نصیحت کرنی لگیں، کہا: اے عمر! وہ دن تجھے یاد ہیں جب تمہیں عُمیر کہا جاتا تھا، پھر تمہیں عمر کہا جانے لگا اور اب تمہیں لوگ امیر المومنین کہنے لگے ہیں۔ پس اے عمر! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، جو شخص موت پر یقین رکھتا ہے اسے اندیشہ رہتا ہے کہ کوئی ضروری چیز رہ نہ جائے۔ جسے حساب کا یقین ہوتا ہے وہ عذاب سے ڈرتا رہتا ہے۔ آپ بڑے صبر و تحمل سے کھڑے ان کی نصیحت کو سنتے رہے۔ جب کافی وقت گزر گیا تو لوگوں نے عرض کیا: اے امیر المومنین! اس بڑھیا کے لیے آپ اتنی دیر کھڑے رہیں گے، آپ نے فرمایا: بخدا! اگر یہ مجھے صبح سے شام تک روکے رکھے تو میں کھڑا رہوں گا، صرف نماز کے اوقات میں رخصت لوں گا، کیا تم نہیں جانتے یہ بوڑھی کون ہے، یہ خولہ بنت ثعلبہ ہے جس کی فریاد کو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سنا، کیا یہ ہو سکتا ہے کہ رب العالمین تو اس کی بات سنے اور عمر نہ سنے؟

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیۡنَ یُظٰهِرُوۡنَ مِنۡكُمۡ مِّنۡ نِّسَآىِٕهِمۡ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمۡ ؕ اِنۡ اُمَّهٰتُهُمۡ اِلَّا الّٰٓىِٕىۡ وَلَدۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّهُمۡ لَيَقُوۡلُوۡنَ مُنۡكَرًا مِّنَ الۡقَوۡلِ وَزُوۡرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ ۝ (المجادلہ:۲)

جو لوگ تم میں سے ظہار کرتے ہیں اپنی بیویوں سے، وہ ان کی مائیں نہیں ہیں، نہیں ہیں ان کی مائیں بجز ان کے جنہوں نے انہیں جنا ہے، بے شک یہ لوگ کہتے ہیں بہت بری بات اور جھوٹ، اور بلا شبہ اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا، بہت بخشنے والا ہے O

اس آیت میں اس طریقۂ کار کی مذمت کی جارہی ہے کہ یہ کتنی بے ہودہ اور بری حرکت ہے کہ انسان اپنی بیوی کو اپنی ماں کہنا شروع کردے، کیا اس کے اس طرح کہنے سے وہ اس کی ماں بن سکتی ہے، ماں تو وہ ہوتی ہے جس نے اس کو جنا۔ ایک عورت جس نے اس کو جنا نہیں بلکہ عرصہ سے اس کی بیوی بنی ہوئی ہے اور اس کے بطن سے اس کے کئی بچے اور بچیاں جنم لے چکے ہیں، اب اگر اس عورت کو یہ اپنی ماں کہنے لگے تو اس سے بے ہودہ اور لغو بات اور کیا ہوسکتی ہے؟ فرمایا: ایسی بات ایک تو فی نفسہ بڑی لغو، ناشائستہ اور غیر پسندیدہ ہے، دوسرا یہ سراسر جھوٹ ہے، جو اس کی ماں نہیں اس کو وہ اپنی ماں کہہ رہا ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ اسے اس ہرزہ سرائی پر سخت سزا دی جاتی، لیکن اللہ تعالیٰ بہت درگزر فرمانے والا، اپنے بندوں کے قصوروں کو بخشنے والا ہے، اس لیے اس کریم نے عفو ودرگزر سے کام لیا اور جرم جتنا سنگین تھا اس کے مطابق سزا اتنی سخت مقرر نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیۡنَ یُظٰهِرُوۡنَ مِنۡ نِّسَآىِٕهِمۡ ثُمَّ يَعُوۡدُوۡنَ لِمَا قَالُوۡا فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمۡ تُوۡعَظُوۡنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرٌ ۝ (المجادلہ:۳)

جو لوگ ظہار کر بیٹھیں اپنی عورتوں سے، پھر وہ پلٹنا چاہیں اس بات سے جو انہوں نے کہی تو (خاوند) غلام آزاد کرے اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، یہ ہے جس کا تمہیں حکم دیا جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ جو تم کررہے ہو، (اس سے) آگاہ ہے O

آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ ظہار اصطلاح میں اس کو کہا جاتا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے "انتِ علی کظھر امی"، ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ بیوی سے قربت سے پہلے کفارہ ادا کرے، اس ضمن میں ظہار کے چند ضروری فقہی احکام لکھے جاتے ہیں، تفصیلات کے لئے کتب فقہ کی طرف رجوع فرمائیے:

(۱) اگر کسی شخص نے ماں کی پشت کے علاوہ کسی ایسے عضو کا ذکر کیا جس کو دیکھنا اس کے لیے حلال نہیں تو بھی ظہار پایا جائے گا اور اس پر کفارۂ ظہار لازم ہوگا۔

(۲) اگر اس نے اپنی بیوی کو کسی ایسی عورت کی پیٹھ یا اس کے اعضاء سے جن کو دیکھنا حرام ہے، تشبیہ دی جو اس پر ہمیشہ کے لیے ابتداءً حرام ہیں، مثلاً دادی، نانی، پھوپھی، خالہ، بہن، بیٹی تو یہ بھی ظہار ہوگا۔

(۳) اسی طرح ایسی عورتوں سے تشبیہ دینا جو ابتداءً تو حرام نہیں لیکن بعد میں کسی وجہ سے ہمیشہ کے لیے حرام ہوگئی ہیں، تو یہ بھی ظہار ہوگا، مثلاً رضاعی ماں، باپ کی دوسری بیوی وغیرہ۔

(۴) مدخولہ اور غیر مدخولہ دونوں بیویوں سے ظہار درست ہے۔

(۵) اگر ایک سے زائد بیویاں تھیں اور سب سے ظہار کیا تو جتنی بیویاں ہوں گی اتنے کفارے دینے ہوں گے۔

(۶) عورت کو ظہار کرنے کا حق نہیں ہے، یعنی اگر عورت اپنے خاوند کو کہے کہ تو مجھ پر ایسا ہے جیسے میرے باپ کی پشت یا میں تجھ پر ایسی ہوں جیسے تیری ماں کی پشت، تو یہ ظہار نہیں ہوگا، کیونکہ ظہار کا حق اسے ہی ہے جسے طلاق کا حق حاصل ہے، البتہ عورت کا یہ قول قسم ہوگی۔ گویا اس نے قسم اٹھائی ہے کہ وہ مخالفت نہیں کرے گی، اس لیے اس پر قسم کا کفارہ ہوگا۔

(۷) اگر کسی عورت نے نکاح سے پہلے کسی مرد کے بارے میں ظہار کے الفاظ استعمال کیے تو اس وقت یہ ظہار ہوگا اور نکاح کے بعد عورت پر لازم ہوگا کہ وہ کفارۂ ظہار ادا کرے، اس کی تائید کے لیے ایک روایت پیش کی جاتی ہے۔ حضرت طلحہ کی صاحبزادی عائشہ کے متعلق حضرت مصعب بن زبیر نے نکاح کا پیغام بھیجا، انہوں نے اس پیغام کو رد کر دیا، اور کہا کہ اگر میں مصعب سے نکاح کروں تو "ھو علی کظھر ابی، وہ مجھ پر اس طرح ہے جس طرح میرے باپ کی پشت، لیکن بعد میں وہ اس شادی پر رضامند ہوگئیں، مدینہ طیبہ کے فقہاء سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ عائشہ پر کفارۂ ظہار لازم آتا ہے، کیونکہ اس نے یہ بات اس وقت کہی تھی جب اسے نکاح کرنے یا نہ کرنے کا اختیار تھا، اگر نکاح کے بعد وہ ایسا کہتیں تو ظہار نہ ہوتا بلکہ یمین ہوتی اور انہیں کفارۂ یمین ادا کرنا پڑتا۔

(۸) جن الفاظ سے ظہار ثابت ہوتا ہے، ان کی دو قسمیں ہیں: صریح اور کنایہ، صریح تو یہ ہیں کہ اپنی بیوی کو اپنی ماں کی پشت یا کسی ایسے عضو سے تشبیہ دے جن کا دیکھنا اس کے لیے حلال نہیں تو یہ صراحتاً ظہار ہے، اسی طرح اپنی بیوی کو ان عورتوں کی پشت یا ان کے ایسے اعضاء سے تشبیہ دے جن کا دیکھنا حلال نہیں جو ابتداءً یا بعد میں کسی وجہ سے مؤبداً حرام ہیں تو یہ بھی صراحتاً ظہار ہے، اس میں اس کی نیت کا اعتبار نہیں۔ وہ ہزار کہے کہ میرا مقصد ظہار کا نہ تھا تو قابل تسلیم نہ ہوگا۔

اور اگر اپنی بیوی کے متعلق یہ کہے کہ یہ مجھ پر اس طرح ہے جس طرح یہ عورتیں جو مذکور ہوئیں اور ان کے کسی عضو کا نام نہ لے تو اس صورت میں یہ کنایہ ہوگا، اس کا معنی متعین کرنے میں اس کی نیت کو دخل ہوگا، اگر وہ کہے کہ میں نے عزت و تکریم کے لیے یہ لفظ استعمال کیا ہے تو مان لیا جائے گا اور اگر ظہار کی نیت سے کہا ہوگا تو ظہار ہوگا، اور اگر اس نے اس لفظ سے طلاق کی نیت کی ہے تو طلاق ہو جائے گی۔

یعنی ایک مرتبہ تو خاوند نے ایسی بات زبان سے نکال لی ہے جس سے اپنی بیوی سے مقاربت اس کے لئے جائز نہیں رہی لیکن اگر وہ اس کہی ہوئی بات سے واپس لوٹنا چاہے یعنی اپنی بیوی کو پہلے کی طرح اپنے لیے حلال کرنا چاہے تو اس وقت اس پر کفارہ ادا کرنا لازم ہوگا اور اگر وہ کفارہ ادا نہ کرے تو عورت عدالت سے رجوع کر سکتی ہے اور عدالت اس خاوند کو حکم دے گی کہ وہ کفارہ ادا کرے اور اس طرح حرمت کی اس دیوار کو درمیان سے ہٹا دے جو اس نے اپنے اور اپنی بیوی کے درمیان قائم کر دی تھی۔ اگر وہ شخص اس کے باوجود کفارہ ادا نہ کرے تو عدالت اسے دُرّے لگانے یا قید کرنے یا دونوں سزائیں دے سکتی ہے۔

اگر کوئی شخص کفارہ ادا کیے بغیر عورت کے ساتھ مقاربت کرتا ہے تو وہ گنہگار ہوگا، اسے سچے دل سے توبہ کرنی چاہیے لیکن کفارہ ایک ہی اسے ادا کرنا پڑے گا، ثم یعودون لما قالوا کا ایک اور مفہوم بھی علمائے ظاہر نے بتایا ہے وہ یہ کہ اگر ایک مرتبہ اس نے ایسے الفاظ کہے تو اس سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا لیکن اگر وہ دوبارہ ان الفاظ کو دہرائے تب ان پر کفارہ لازم آئے گا، یہ قول بالاتفاق مردود ہے۔

فتحریر رقبة: یہاں سے کفارہ ظہار کا تفصیلی بیان شروع ہو رہا ہے، اس پر سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ رقبہ آزاد کرے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بڑا ہو یا چھوٹا، قبل ان یتماسا: سے یہ بات بیان کر دی کہ غلام آزاد کرنے سے پہلے وہ اس کو ہاتھ بھی نہیں

لگا سکتا۔ گویا مقاربت اور اس کے دواعی سب حرام ہیں۔ آیت میں توعظون بہ کا معنی علامہ قرطبی نے تومرون بہ کیا ہے یعنی تمہیں یہ حکم دیا جاتا ہے، اور علامہ آلوسی نے اس کا معنی تزجرون بہ کیا ہے یعنی اس کفارہ کے ذریعے تمہیں زجر و توبیخ کی جارہی ہے کہ تم پھر ایسی حرکت نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ۚ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (المجادلہ: ۴)

پس جو شخص غلام نہ پائے تو وہ دو ماہ لگا تار روزے رکھے، اس سے قبل کہ وہ ایک دوسرے کو ہاتھ لگائیں، اور جو اس پر بھی قادر نہ ہو تو وہ کھانا کھلائے ساٹھ مسکینوں کو، یہ اس لیے کہ تم تصدیق کرو اللہ اور اس کے رسول (کے فرمان) کی اور یہ اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں، اور منکرین کے لیے دردناک عذاب ہے ○

لیکن اگر غلام دستیاب نہیں یا اس کے پاس کوئی غلام نہیں اور اس میں غلام خریدنے کی طاقت بھی نہیں تو وہ لگا تار دو ماہ روزے رکھے، اس کے لیے بھی شرط یہ ہے کہ اسے چھونے سے پہلے یہ روزے مکمل کرے، اگر اس نے درمیان میں مقاربت کی تو اس کو نئے سرے سے روزے رکھنے پڑیں گے، روزہ رکھنے والے کو چاہیے کہ وہ ایسے وقت میں روزے شروع کرے کہ اس مدت میں ماہِ رمضان، عید الفطر اور ایامِ تشریق نہ آئیں تاکہ وہ مسلسل روزے رکھ سکے۔

اگر کسی شخص نے روزے رکھنے شروع کیے، اور وہ بیمار ہو گیا یا اسے سفر پر جانا پڑا اور وہ روزے نہ رکھ سکا تو احناف کے نزدیک از سرِ نو روزے شروع کرے۔

لیکن اگر وہ روزہ رکھنے پر قادر بھی نہ ہو تو پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ قادر نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جسمانی صحت اس کی متحمل نہ ہو یا وہ بوڑھا ہو، اور اتنا عرصہ لگا تار روزے رکھنا اس کے لیے دشوار ہو یا اسے اندیشہ ہو کہ وہ مسلسل دو ماہ تک عورت سے احتراز نہیں کر سکتا۔ درمیان میں اس سے پھر بے احتیاطی ہو جائے گی۔

یہاں سے ''لتؤمنوا'' سے مراد ''لتصدقوا'' یعنی تم پر لازم ہے کہ تم اس کی تصدیق کرو کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا ارشاد ہے، اس کا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے ''ای ذالك لتكونوا مطيعين لله واقفين عند حدوده لا تتعدوها۔ یعنی تم اللہ تعالیٰ کے مطیع ہو جاؤ، اس کی مقرر کی ہوئی حدود کے پاس کھڑے ہو جاؤ اور ان کو پامال مت کرو۔

یہاں کفار سے مراد وہ لوگ نہیں جو اللہ تعالیٰ کی توحید یا حضور کی رسالت کا انکار کرتے ہیں، بلکہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو تسلیم نہیں کرتے اور اس کی قائم کی ہوئی حدود کو پھاند کر آگے نکل جاتے ہیں۔

علامہ پانی پتی لکھتے ہیں:

الذين لا يقبلون احكام الله تعالىٰ ولا يمتنعون عن المحرمات ويتجاوزون عن حدوده۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

الذين يتعدونها ولا يعملون بها واطلق الكافر على متعدى الحدود تغليظا بزجره ونظير ذالك قوله تعالىٰ ومن

کفر فان اللہ غنی عن العالمین- (روح المعانی)

یعنی جو لوگ حدود سے تجاوز کرتے ہیں، اور ان پر عمل نہیں کرتے، ایسے لوگوں کو کافر اس لیے کہا گیا ہے تا کہ ان کو سختی سے باز رکھا جائے جس طرح ومن کفر میں کفر سے مراد حقیقی کفر نہیں بلکہ زجر و توبیخ کے لیے انکار کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۱۳۵-۱۴۰، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

ظہار کی تفصیل از مصنف

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا نام المجادلہ ہے اور ''المجادلہ'' کا معنی ہے: بحث اور تکرار کرنے والی عورت اور یہ نام اس سورت کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے، وہ آیت یہ ہے:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ○ (المجادلہ:۱)

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے متعلق آپ سے بحث اور تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی، اور اللہ آپ دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ بے شک اللہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے ○

یہ خاتون حضرت خولہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا تھیں، ان کے خاوند حضرت اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے ان سے ظہار کر لیا تھا (یعنی ان سے کہہ دیا تھا کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے)، زمانہ جاہلیت میں ظہار کو طلاق قرار دیا جاتا تھا، اب حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سخت پریشان ہوئیں، اس وقت تک ظہار کے متعلق کوئی شرعی حکم نازل نہیں ہوا تھا، اس لیے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، تا کہ اس مسئلہ کا حل معلوم کریں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ میں کافی بحث اور تکرار کی، اس لیے ان خاتون کو مجادِلہ کہا گیا ہے اور ان ہی کی مناسبت سے اس سورت کا نام المجادلہ رکھا گیا۔

سورۃ المجادلہ کے متعلق احادیث

عروہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس کی سماعت تمہاری تمام آوازوں کو محیط ہے، پس اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی:

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا (المجادلہ:۱)

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے شوہر کے متعلق آپ سے بحث اور تکرار کر رہی تھی۔

(سنن ابن ماجہ، رقم الحدیث: ۱۸۸۔ ۲۰۶۳، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۴۵۷)

عروہ بن الزبیر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: برکت والی ہے وہ ذات جس کی سماعت ہر چیز کو محیط ہے، میں حضرت خولہ بنت ثعلبہ کی بات پوری طرح نہیں سن رہی تھی اور ان کی کچھ باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خاوند کی شکایت کر رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں: یا رسول اللہ! میرا شوہر میری جوانی کھا گیا اور میرا پیٹ (اس کی اولاد کی

کثرت سے) پھیل گیا، لیکن اب جب میں بوڑھی ہوگئی ہوں اور مجھ سے اولاد ہونا منقطع ہوگیا تو اس نے مجھ سے ظہار کرلیا، اے اللہ! میں تیری طرف شکایت کرتی ہوں، وہ اس طرح کہتی رہیں، حتیٰ کہ حضرت جبریل یہ آیات لے کر نازل ہوئے: قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ (المجادلہ:۱)

(سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۲۰۶۳ تفسیر امام ابن ابی حاتم ج ۱۰ ص ۳۳۴۲، رقم الحدیث:۱۸۸۴۰، المستدرک ج ۲ ص ۴۸۱ طبع قدیم، المستدرک رقم الحدیث:۳۷۹۱ طبع جدید، تلخیص الحبیر ج ۳ ص ۲۲۰، رقم الحدیث:۱۶۱۲)

سورۃ المجادلہ کا زمانۂ نزول

علامہ ابن عطیہ نے کہا: اس پر اجماع ہے کہ یہ سورت مدنی ہے (المحرر الوجیز ج ۱۵ ص ۴۳۴) اور بعض تفاسیر میں ہے کہ اس کی پہلی دس آیتیں مدنی ہیں اور باقی آیات مکی ہیں۔

ترتیبِ مصحف کے اعتبار سے اس سورت کا نمبر ۵۸ ہے اور ترتیبِ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر ۱۰۵ ہے، سورۃ المجادلہ، سورۃ المنافقین کے بعد اور سورۃ التحریم سے پہلے نازل ہوئی ہے۔

اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ سورۃ المجادلہ سورۃ الاحزاب کے بعد نازل ہوئی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے الاحزاب میں فرمایا ہے:

وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔیْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ (الاحزاب:۴) اور تم اپنی جن بیویوں سے ظہار کرتے ہو (یہ کہتے ہو کہ ان کی پشت ان کی ماں کی پشت کی مثل ہے)، ان کو اللہ نے حقیقت میں تمہاری ماں نہیں بنایا۔

اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ظہار کرنے سے بیوی شوہر کے نکاح سے نہیں نکلتی اور نہ وہ اس کی ماں ہوجاتی ہے، یہ صرف زمانۂ جاہلیت کا مفروضہ تھا، کیونکہ سورۃ الاحزاب کی اس آیت میں بتایا ہے کہ اللہ نے ظہار کی وجہ سے تمہاری بیویوں کو تمہاری حقیقی مائیں نہیں بنایا اور ان کو تم پر حرام نہیں کیا، یہ اجمالی حکم ہے اور اس کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے سورۃ المجادلہ میں بیان فرمائی ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سورۃ الاحزاب کا ترتیبِ نزول کے اعتبار سے نمبر ۹۰ ہے اور سورۃ المجادلہ کا ترتیب نزول کے اعتبار سے نمبر ۱۰۵ ہے، اور چونکہ غزوۃ الاحزاب شوال پانچ (۵ھ) میں ہوا تھا تو اس سے یہ متعین ہوجاتا ہے کہ سورۃ المجادلہ بھی اسی دور میں یا اس کے کچھ ہی عرصہ بعد نازل ہوئی ہے۔

سورۃ المجادلہ کے مشمولات

☆ اس سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جو یہ دستور تھا کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کرے تو وہ اس پر حرام ہوجاتی ہے، یہ دستور باطل ہے۔

☆ اور اس سورت میں آدابِ مجلس بتائے ہیں کہ مجلس میں اہل پھیل کر نہیں بیٹھنا چاہیے اور بعد میں آنے والوں کے لیے بیٹھنے کی گنجائش نکالنی چاہیے۔

☆ اور مسلمانوں کو اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل کرنے کی ترغیب دی ہے۔

☆ علماءِ دین کے مرتبہ اور مقام کو واضح کیا ہے اور ان کی مدح فرمائی ہے۔

☆ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مسئلہ معلوم کرنا ہو تو مسلمانوں کو اس سے پہلے کچھ صدقہ دینا چاہیے، بعد میں اس حکم کو اٹھا لیا۔

☆ منافقین کو سرزنش کی ہے جو مسلمانوں کے منصوبے اور ان کے راز کی باتیں کفار کو جا کر بتا دیتے تھے، اور پھر جھوٹی قسمیں کھاتے تھے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتے تھے، لیکن ان کا انجام ذلت اور رسوائی تھا۔

☆ اس سورت کو اس پر ختم کیا ہے کہ مسلمان کفار سے محبت نہ رکھیں، اور ان سے مل جل کر نہ رہیں۔

☆ سورۃ المجادلہ کے اس مختصر تعارف کے بعد میں اللہ تعالیٰ کی اعانت اور امداد پر اعتماد کرتے ہوئے اس سورت کا ترجمہ اور اس کی تفسیر شروع کر رہا ہوں۔

الٰہ العالمین! مجھے حق اور صدق پر قائم رکھنا اور باطل سے مجتنب رکھنا۔ آمین۔ غلام رسول سعیدی غفرلہ

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝ اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (المجادلہ: ۱-۴)

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے متعلق بحث اور تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا، بے شک اللہ بہت سننے والا خوب دیکھنے والا ہے ○ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، (یہ کہتے ہیں کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے) وہ عورتیں ان کی حقیقت میں مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں، اور بے شک وہ ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے ○ اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں، پھر عمل زوجیت کے لیے لوٹنا چاہیں جس کے متعلق وہ اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں، تو ان پر عمل زوجیت سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے، یہ وہ چیز ہے جس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے، اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے ○ پس جو غلام کو نہ پائے تو اس پر عملِ زوجیت سے پہلے دو ماہ لگاتار روزے رکھنا ہے، پس جو روزوں کی طاقت نہ رکھے تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ حکم اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان برقرار رکھو، اور یہ اللہ کی حدود ہیں، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے ○

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے متعلق بحث اور تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی باتیں سن رہا تھا، بے شک اللہ بہت سننے والا خوب دیکھنے والا ہے ○ تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے

ہیں، (یہ کہتے ہیں کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے) وہ عورتیں ان کی حقیقت میں مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں، اور بے شک وہ ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے O (المجادلہ ۲-۱)

المجادلہ ا: حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا کے متعلق نازل ہوئی ہے، وہ حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، ان کا جسم بہت حسین تھا اور ان کے شوہر بہت شہوت اور بہت غصے والے تھے، انہوں نے ان کو اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے بلایا، حضرت خولہ نے انکار کیا، انہوں نے کہا: تمہاری پشت مجھ پر میری ماں کی پشت کی طرح ہے، پھر وہ اپنے قول پر نادم ہوئے اور زمانہ جاہلیت میں ایلاء اور ظہار طلاق شمار ہوتا تھا، حضرت اوس نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ تم مجھ پر حرام ہو چکی ہو، حضرت خولہ نے کہا: اللہ کی قسم! یہ طلاق نہیں ہے، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئیں، اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے سر کی ایک جانب دھو رہی تھیں، حضرت خولہ نے کہا: یارسول اللہ! بے شک میرے خاوند حضرت اوس بن الصامت نے مجھ سے شادی کی تھی، اس وقت میں جوان، مال دار، خوش حال اور رشتہ داروں والی تھی، حتیٰ کہ جب حضرت اوس نے میرا مال کھا لیا اور میری جوانی ختم کر دی اور میرے رشتہ دار بکھر گئے اور میری عمر زیادہ ہو گئی تو انہوں نے مجھ سے ظہار کر لیا اور اب وہ نادم ہیں، کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ وہ اور میں پھر سے جمع ہو جائیں اور وہ مجھ سے اپنی خواہش پوری کر سکیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر حرام ہو چکی ہو، حضرت خولہ نے کہا: یارسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی ہے! اس نے طلاق کا ذکر نہیں کیا، اور وہ میرے بچوں کا باپ ہے اور مجھے تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا: تم اس پر حرام ہو چکی ہو، حضرت خولہ نے کہا: پھر میں اللہ سے اپنے فقر و فاقہ اور تنہائی کا ذکر کرتی ہوں، انہوں نے میرے ساتھ بہت وقت گزارا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا: میرا یہی گمان ہے کہ تم اس پر حرام ہو چکی ہو اور تمہارے معاملہ میں مجھے کوئی حکم نہیں دیا گیا، وہ بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنا مدعا عرض کرتی رہی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے یہی فرماتے رہے کہ تم اس پر حرام ہو چکی ہو، اس نے کہا: میں اللہ سے اپنے فاقہ اور اپنی پریشان حالی کی شکایت کرتی ہوں اور میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، اگر میں یہ بچے حضرت اوس کو دے دوں تو یہ ضائع ہو جائیں گے اور اگر میں ان بچوں کو اپنے پاس رکھوں تو یہ بھوکے رہیں گے، پھر حضرت خولہ نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا اور کہنے لگیں: اے اللہ! میں تجھ سے شکایت کرتی ہوں، اے اللہ! تو اپنے نبی کی زبان پر میری کشادگی کا حکم نازل فرما، اور یہ اسلام میں پہلا ظہار کا واقعہ تھا، پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کھڑی ہو کر اپنے سر کی دوسری جانب دھونے لگیں، حضرت خولہ نے کہا: اے اللہ کے نبی! میرے معاملہ میں غور فرمائیں، اللہ مجھے آپ پر فدا کرے، حضرت عائشہ نے کہا: اپنی بات مختصر کرو اور زیادہ بحث نہ کرو، کیا تم دیکھ نہیں رہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کی کیا کیفیت ہے؟ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا، جب آپ پر وحی نازل ہو چکی تو آپ نے اس سے فرمایا: اپنے خاوند کو بلاؤ، جب وہ اس کو بلا لائی تو آپ نے اس کے سامنے ''قد سمع اللہ قول التی تجادلک'' الآیات۔ پڑھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: برکت والی ہے وہ ذات جس کی سماعت تمام آوازوں پر محیط ہے، بے شک وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کر رہی تھی اور میں گھر کی ایک جانب ان کی کچھ باتیں سن رہی تھی اور بعض باتیں مجھ سے مخفی رہیں۔

(معالم التنزیل ج ۵ ص ۳۹-۳۸، مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۸۹، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۷۹، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۵۷۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۳۔۱۸۸، تفسیر عبد الرزاق رقم الحدیث: ۱۱۱۸، المستدرک ج ۲ ص ۴۸۱)

ظہار کو زمانۂ جاہلیت میں سب سے شدید طلاق قرار دیا جاتا تھا کیونکہ اس میں بیوی کی پشت کو اپنی ماں کی پشت سے تشبیہ دی جاتی تھی اور عربوں میں نکاح اور طلاق کے جو احکام تھے، وہ اسلام میں اس وقت تک معتبر رہتے تھے جب تک اسلام میں ان احکام کو منسوخ نہیں کر دیا جاتا تھا اور اسلام میں ظہار کا یہ پہلا واقعہ تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے عرف کے موافق ابتداءً اس کو برقرار رکھا، پھر جب حضرت خولہ رضی اللہ عنہا اس مسئلہ سے دو چار ہوئیں اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس میں بہت بحث اور تکرار کی اور اللہ تعالیٰ سے فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے زمانۂ جاہلیت کی اس رسم کو منسوخ فرما دیا اور ظہار کی مذمت میں المجادلہ: ۲ نازل ہوئی، اور اس کے بعد کی آیات میں یہ بتایا گیا کہ جب کوئی شخص ظہار کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنا چاہے تو پھر اس کا کیا طریقہ ہے۔

ظہار کی تعریف اور اس کا حکم

المجادلہ ۲: میں فرمایا: جو لوگ تم میں سے اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، وہ عورتیں ان کی حقیقت میں مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے ہیں، اور بے شک وہ ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں، اور بے شک اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا، اور بہت بخشنے والا ہے O

علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر المرغینانی المتوفی ۵۷۳ ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہے: تو مجھ پر میری ماں کی پشت کی مثل ہے، تو وہ اس پر حرام ہو جاتی ہے، اور اب اس سے عمل زوجیت کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اس کو چھونا اور اس کو بوسہ دینا جائز ہے حتیٰ کہ وہ اس ظہار کا کفارہ ادا کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے المجادلہ: ۳ میں فرمایا ہے۔

اور ظہار زمانہ جاہلیت کی طلاق تھی، شریعت نے اس کی اصل کو برقرار رکھا اور اس کے حکم کو وقت مقرر کی تحریم کی طرف کفارہ کے ساتھ منتقل کر دیا اور ظہار نکاح کو زائل کرنے والا نہیں ہے، اس لیے کہ یہ جھوٹ بولنے اور بری بات کہنے کا جرم ہے، اسی لیے اس کے مناسب یہ سزا ہے کہ ظہار کرنے والے پر اس کی بیوی کے ساتھ جماع کو حرام قرار دیا جائے اور کفارہ ادا کرنے سے یہ حرمت ساقط ہو جائے، پھر جب اس سے عمل زوجیت کیا گیا تو اس کے دواعی اور محرکات کو بھی حرام کر دیا گیا۔ اس کے برخلاف حائض اور روزہ دار کے ساتھ جماع کے محرکات کو حرام نہیں کیا گیا، کیونکہ حیض اور روزہ کا اکثر وقوع ہوتا ہے، کیونکہ اگر ان میں عملِ زوجیت کے محرکات کو حرام قرار دیا جاتا تو اس سے حرج لازم آتا، اس کے برخلاف ظہار کا اتنا وقوع نہیں ہوتا، اس میں عمل زوجیت کے دواعی اور محرکات کو حرام قرار دینے سے حرج لازم نہیں آئے گا۔ (الہدایہ مع نصب الرایہ ج ۳ ص ۵۴-۳۵۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ ھ)

ظہار کے الفاظ اور اس کی دیگر تفاصیل

اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں کہے کہ تم مجھ پر ایسی ہو جیسی میری ماں کی پشت ہے، اس کو فقہ کی اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں، ظہار کی تعریف یہ ہے کہ بیوی یا اس کے کسی عضو کو اپنی ماں یا کسی اور محرم کی پشت یا کسی اور عضو

سے تشبیہ دینا، اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر بیوی سے جماع اور بوس و کنار وغیرہ حرام ہو جاتا ہے جب تک وہ کفارۂ ظہار نہ ادا کرے اور جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کا پیٹ یا اس کی ران ہے تو یہ بھی ظہار ہے اور اگر اس نے ماں کے علاوہ اپنی بہن یا اپنی پھوپھی یا رضاعی ماں یا کسی اور محرم کی پشت سے اپنی بیوی کو تشبیہ دی تو یہ بھی ظہار ہے اور اگر اس نے اپنی بیوی کے کسی عضو کو اپنی ماں سے تشبیہ دی، مثلاً اپنی بیوی سے کہا: تمہارا سر میری ماں کی پشت کی طرح ہے، یا تمہاری شرم گاہ یا تمہارا چہرہ یا تمہاری گردن، یا تمہارا نصف یا تمہارا ثلث میری ماں کی طرح ہے تو یہ بھی ظہار ہے اور اگر اس نے کہا: تم میری ماں کی مثل ہو تو اس کا حکم اس کی نیت پر موقوف ہے، اگر اس کی نیت یہ تھی کہ تم میری ماں کی طرح معزز ہو تو طلاق یا ظہار کچھ نہیں ہے اور اگر اس نے کہا: میری نیت ظہار کی تھی تو یہ ظہار ہے اور اگر اس نے کہا: میری نیت طلاق کی تھی تو اس سے طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔

(ہدایہ اولین ص ۴۱۰-۴۰۹ ملخصاً و موضحاً، مطبوعہ مکتبہ شرکت علمیہ، ملتان)

بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں، بہن کہنا آیا یہ ظہار یا طلاق ہے یا نہیں؟

میں ۱۹۶۶ء سے ۱۹۸۵ء تک جامعہ نعیمیہ لاہور میں پڑھاتا رہا ہوں اور استاذِ مکرم حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں افتاء کا کام کرتا رہا ہوں، اس وقت میری یہی تحقیق تھی کہ اگر کوئی شخص طلاق کی نیت سے اپنی بیوی کو ماں، بہن کہہ دے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی اور میں اسی کے موافق فتویٰ دیتا رہا، لیکن جب میں نے ۱۹۸۶ء میں ''شرح صحیح مسلم'' لکھنی شروع کی تو بعض متاخرین فقہاء کی عبارات سے میں نے یہ سمجھا کہ اس صورت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے، چنانچہ ''شرح صحیح مسلم'' ج ۳ ص ۱۰۰۴ اور ''تبیان القرآن'' ج ۱ ص ۵۰۲، اور ص ۸۵۱ میں یہ مسئلہ اسی طرح لکھا، اس کے بعد ''تبیان القرآن'' کی نویں جلد میں ص ۳۷۳ میں سورۃ الاحزاب میں جب ظہار کی بحث آئی تو میں نے اس مسئلہ پر از سر نو غور کیا اور مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی جیسا کہ میرا پہلا نظریہ تھا، سو میں نے نویں جلد میں اسی کے موافق لکھا اور ''شرح صحیح مسلم'' ج ۳ ص ۱۰۰۴، اور تبیان القرآن ج ۱ ص ۵۰۲ اور ص ۸۵۱ میں اسی کے موافق اصلاح کر دی، سو بعد کے ایڈیشن اسی کے موافق چھپ چکے ہیں، یہ سطور اس لیے لکھ دی ہیں کہ میرے مسلسل مطالعہ کرنے، میرے رجوع کرنے اور اخلاص اور للّٰہیت کی سند رہیں، اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ حق پر قائم رکھے اور نفسانیت اور انانیت کے شر سے محفوظ رکھے۔

بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں بہن کہنے سے طلاق واقع نہ ہونے کے دلائل

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زوجہ حضرت سارہ کے متعلق فرمایا: یہ میری بہن ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۳۵۸، ۲۲۱۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۳۷۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۶۶، مسند احمد رقم الحدیث: ۹۲۳۰، عالم الکتب)

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ جس شخص نے بغیر کسی نیت کے اپنی بیوی کے متعلق کہا: یہ میری بہن ہے تو اس کا یہ کہنا طلاق نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۴۵، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابوتمیمہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو اپنی بیوی سے یہ کہتے ہوئے سنا ''اے میری بہن!'' تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مکروہ قرار دیا اور اس کو یہ کہنے سے منع فرمایا۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۱۔ ۲۲۱۰، بیروت)

علامہ سید محمد امین بن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ قول ظہار نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے کراہت اور ممانعت کے اس کا کوئی اور حکم نہیں بیان فرمایا، اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اے بیٹی! کہے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

(ردالمحتار ج ۴ ص ۱۰۵، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

ان احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ بیوی کو بہن یا بیٹی کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، بیوی کو میری ماں کہنے سے بھی طلاق واقع نہیں ہوتی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ناپسند اس لیے فرمایا کہ یہ واقع کے خلاف ہے اور جھوٹ ہے، اس پر صرف توبہ کرنا واجب ہے۔ فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں بہن کہے تب بھی طلاق واقع نہیں ہو گی۔

علامہ حسن بن منصور اوزجندی المعروف قاضی خاں متوفی ۵۹۲ھ لکھتے ہیں:

ولو قال لامراته ان فعلت كذا فانت امی ونوی به التحريم فهو باطل لايلزمه شیء۔

(فتاویٰ قاضی خان علی هامش الہندیہ ج ا ص ۵۱۹)

اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو نے فلاں کام کیا تو، تو میری ماں ہے، اور اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی تو اس کا یہ قول باطل ہے اور اس پر کچھ لازم نہیں آئے گا، یعنی اس کی بیوی حرام نہیں ہو گی۔

قاضی خاں کی اس عبارت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی کو اپنی ماں یا بہن کہا تو اس سے طلاق واقع نہیں ہو گی خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔

علامہ محمد بن علی بن محمد الحصکفی الحنفی المتوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے، یا کہا: تو میری ماں کی مثل ہے، اور اس سے بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی، یا ظہار کی نیت کی یا طلاق کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہے اور جس کی اس نے نیت کی وہی حکم لاگو ہو گا اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا (یعنی طلاق کی نیت سے کہا تو میری ماں ہے) تو اس کا یہ کلام لغو ہو گا۔

(الدر المختار مع ردالمحتار ج ۵ ص ۱۰۳، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اور علامہ سید محمد امین بن عابدین شامی حنفی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں:

انت امی بلا تشبيه فانه باطل وان نوی

(ردالمحتار ج ۵ ص ۹۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

کسی شخص نے اپنی بیوی سے بغیر تشبیہ دیئے کہا: تو میری ماں ہے تو اس کا یہ قول باطل ہے، خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔

اسی طرح علامہ ابراہیم بن محمد حلبی حنفی متوفی ۹۵۶ھ نے لکھا ہے:

اور اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے تو اگر اس نے اپنی بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اگر اس نے اس قول سے ظہار کی نیت کی ہے تو یہ ظہار ہو گا یا طلاق کی نیت کی ہے تو یہ طلاق بائن ہو گی اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی تو پھر اس قول سے کوئی حکم ثابت نہیں ہو گا۔

(ملتقی الابحر مع مجمع الانھر ج ۲ ص ۱۱۸، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اس عبارت کی شرح میں علامہ عبدالرحمٰن بن محمد الکلیبو لی الحنفی المتوفی ۱۰۷۸ھ لکھتے ہیں:

اور اگر اس نے تشبیہ کو ذکر نہیں کیا (اور بیوی سے کہا: تو میری ماں ہے) تب بھی یہ کلام لغو ہوگا جیسا گزر چکا ہے۔
(مجمع الانھر ج ۲ ص ۱۱۸، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۹ھ)

نیز علامہ الکلیبو لی نے لکھا ہے:

ظہار کی تعریف میں تشبیہ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ اگر کسی شخص نے بغیر تشبیہ دیے اپنی بیوی سے کہا: تو میری ماں ہے یا میری بہن ہے یا بیٹی ہے تو یہ ظہار نہیں ہے، اور اگر اس نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو نے فلاں کام کیا تو تو میری ماں ہے، اور اس کی بیوی نے وہ کام کرلیا تو اس کا یہ قول باطل ہوگا، خواہ اس نے اس قول سے بیوی کے حرام ہونے کی نیت کی ہو۔ (مجمع الانھر ج ۲ ص ۱۱۵)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے بہ حالت غصہ اپنی زوجہ کو ماں بہن کہہ دیا، مگر نان نفقہ دیتا رہا، عورت اس کے نکاح میں رہی یا بہ حکم شرع شریف جاتی رہی؟

اعلیٰ حضرت قدس سرہ اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

الجواب: زوجہ کو ماں بہن کہنا خواہ یوں کہ اسے ماں بہن کہہ کر پکارے یا یوں کہے: تو میری ماں بہن ہے سخت گناہ و ناجائز ہے، مگر اس سے نہ نکاح میں خلل آئے نہ توبہ کے سوا کچھ اور لازم ہو، درمختار میں ہے:

او لا ینو شیئا او حذف الکاف لغا و تعین الادنی ای البر یعنی الکرامۃ ویکرہ قولہ انت امی ویا ابنتی ویا اختی ونحوہ۔

(درمختار علی ھامش رد المحتار ج ۵ ص ۱۰۳، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی، یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا تو ادنیٰ درجہ کا حکم متعین ہوگا یعنی عزت اور کرامت کا، اور اس کا اپنی بیوی کو یہ کہنا مکروہ ہے کہ تو میری ماں ہے، یا یہ کہنا: اے میری بیٹی اور اے میری بہن اور اس کی مثل۔

علامہ شامی نے اس پر لکھا ہے:

حذف الکاف، بان قال انت امی ومن بعض افطن جعلہ من باب زید اسد منتقی عن القھستانی قلت ویدل علیہ ما نذکرہ عن الفتح من انہ لا بد من التصریح من الاداۃ، اسی میں ہے: انت امی بلا تشبیہ باطل وان نوی۔

(رد المحتار ج ۵ ص ۹۸، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اگر اس نے تشبیہ کا ذکر نہیں کیا اور بایں طور اپنی بیوی سے کہا کہ تو میری ماں ہے، بعض لوگوں کا گمان یہ ہے کہ یہ قول ایسا ہے جیسے کوئی کہے زید شیر ہے، میں کہتا ہوں اس پر دلیل یہ ہے کہ ہم "فتح القدیر" سے نقل کریں گے کہ تشبیہ کے کاف کا ذکر کرنا ضروری ہے، نیز علامہ شامی نے کہا: بغیر تشبیہ کے بیوی کو یہ کہنا کہ تو میری ماں ہے، باطل ہے خواہ اس نے طلاق کی نیت کی ہو۔

ہاں اگر یوں کہا ہو کہ تو مثل یا مانند یا ماں بہن کی جگہ ہے، تو اگر بہ نیت طلاق کہا تو ایک طلاق بائن ہوگئی، اور عورت نکاح سے نکل گئی اور بہ نیت ظہار یا تحریم کہا یعنی یہ مراد ہے کہ مثل ماں بہن کے مجھ پر حرام ہے تو ظہار ہوگیا، اب جب تک کفارہ نہ دے لے، عورت سے جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا بہ نظر شہوت اس کے کسی بدن کو چھونا، یا بہ نگاہِ شہوت اس کی شرمگاہ دیکھنا، سب حرام ہوگیا، اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرے، اس کی طاقت نہ ہو تو لگا تار دو مہینہ کے روزے

رکھے، اس کی بھی قوت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صدقہ فطر کی طرح اناج یا کھانا دے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اور اگر ان میں کوئی نیت نہ تھی تو یہ لفظ بھی لغو ومہمل ہو گا، جس سے طلاق یا کفارہ وغیرہ کچھ لازم نہ آئے گا، درمختار میں ہے:

ان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لوحذف علی (خانیه) برا او ظهارا او طلاقا صحت نیته ووقع مانواه وان لم ینو شيئا اوحذف الکاف لغا۔

(الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۰۳، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اس نے بیوی سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا کہا: تو میری ماں کی مثل ہے اور اس سے بیوی کے معزز ہونے کی نیت کی، یا ظہار کی نیت کی، یا طلاق کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہے اور جس کی اس نے نیت کی ہے وہی حکم لاگو ہو گا، اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی یا تشبیہ کا ذکر نہیں کیا (یعنی طلاق کی نیت سے کہا: تو میری ماں ہے) تو اس کا یہ کلام لغو ہو گا۔

''ہندیہ'' میں ''خانیہ'' سے ہے: اگر اس نے اپنے قول سے تحریم کی نیت کی تو اس میں اختلاف ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ سب کے نزدیک ظہار ہو گا۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۵ ص ۶۳۱ ـ ۶۳۰ مطبوعہ سنی دار الاشاعت فیصل آباد)

اعلیٰ حضرت نے ''درمختار'' کی آخری عبارت جو نقل کی ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق کی نیت سے ماں بہن کہا تو یہ کلام لغو ہے اور اس سے طلاق نہیں ہو گی۔ اسی طرح علامہ شامی کی عبارت بھی گزر چکی ہے کہ اگر اس نے بیوی کو خواہ طلاق کی نیت سے کہا: تو میری ماں ہے تو یہ قول باطل ہے۔ (رد المحتار ج ۵ ص ۹۸)، یعنی اس سے طلاق نہیں ہو گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ صریحہ، فتاویٰ قاضی خاں، الدر المختار، رد المحتار، ملتقی الابحر، مجمع الانہر اور فتاویٰ رضویہ کی عبارات سے یہ واضح ہو گیا کہ اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ تو میری ماں، بہن ہے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہو گی، خواہ اس نے یہ قول طلاق دینے کی نیت سے کہا ہو یا بیوی کو اپنے نفس پر حرام قرار دینے کی نیت سے کہا ہو، اس شخص کا یہ قول واقع کے خلاف ہے اور جھوٹ ہے اور اس پر واجب ہے کہ وہ اس جھوٹ سے توبہ کرے، ہم نے اس قدر تفصیل اس لیے کی ہے کہ یہ مسئلہ عامۃ الوقوع ہے، لوگ غصہ میں بیوی کو ماں، بہن کہہ دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس سے طلاق ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں، پھر عمل زوجیت کے لیے لوٹنا چاہیں جس کے متعلق وہ اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں، تو ان پر عمل زوجیت سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے، یہ وہ چیز ہے جس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے، اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے O پس جو غلام کو نہ پائے تو اس پر عملِ زوجیت سے پہلے دو ماہ لگا تار روزے رکھنا ہے، پس جو روزوں کی طاقت نہ رکھے تو اس پر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ حکم اس لیے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان برقرار رکھو، اور یہ اللہ کی حدود ہیں، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (المجادلہ: ۳-۴)

کفارۂ ظہار کے متعلق احادیث

حضرت خولہ بنت مالک بن ثعلبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مجھ سے میرے خاوند حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ نے ظہار کر لیا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس بات کی شکایت کرنے کے لیے گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے تکرار کرتے رہے اور فرماتے رہے:

تم اللہ سے ڈرو، وہ تمہارا عم زاد ہے، میں اسی طرح بحث کرتی رہی، حتیٰ کہ قرآن مجید کی یہ آیتیں نازل ہوئیں: ''قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا'' (المجادلہ: ۱۔۴) تب آپ نے فرمایا: اس سے کہو: وہ ایک غلام کو آزاد کرے، حضرت خولہ نے کہا: وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا: پھر مسلسل دو ماہ کے روزے رکھے، حضرت خولہ نے کہا: وہ بہت بوڑھا ہے روزوں کی طاقت نہیں رکھتا، آپ نے فرمایا: پھر وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، حضرت خولہ نے کہا: اس کے پاس تو صدقہ کرنے کے لیے بالکل مال نہیں ہے، حضرت خولہ نے کہا: پھر آپ کے پاس کھجوروں کا ایک ٹوکرا آیا، میں نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس کی ایک اور ٹوکرے سے مدد کروں گی، آپ نے فرمایا: تم نے اچھا کیا، جاؤ! اس ٹوکرے سے اس کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ، اور پھر اپنے عم زاد کی طرف لوٹ جاؤ، امام ابوداؤد نے کہا: اس ٹوکرے میں ساٹھ صاع (دو سو چالیس کلوگرام) کھجوریں تھیں۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۴)

امام ابوداؤد نے ایک اور حدیث روایت کی ہے، اس میں حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ کا اسی قسم کا واقعہ ہے، انہوں نے بھی کفارۂ ظہار ادا کرنا تھا، اور ان کے پاس بھی مال تھا، نہ وہ روزوں کی طاقت رکھتے تھے، آپ نے ان سے فرمایا: بنو زریق سے صدقہ کا مال لے کر ساتھ مسکینوں کو کھلا دو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۱۳، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۹۸، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۲)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے ظہار کیا، انہوں نے اس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، سو انہوں نے کہا: جب میں بوڑھی ہوگئی اور میری ہڈی کمزور ہوگئی تو انہوں نے مجھ سے ظہار کر لیا، تب اللہ تعالیٰ نے آیتِ ظہار نازل فرمائی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اوس سے کہا: تم ایک غلام آزاد کرو، انہوں نے کہا: میرے پاس اس کی طاقت نہیں، آپ نے فرمایا: پھر تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھو، انہوں نے کہا: جس دن میں دو مرتبہ کھانا نہ کھاؤں تو میری بصارت کمزور ہو جاتی ہے، آپ نے فرمایا: پھر تم ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، انہوں نے کہا: میرے پاس اتنا طعام نہیں ہے، البتہ آپ مدد فرمائیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ صاع کے ساتھ ان کی مدد فرمائی اور اللہ تعالیٰ رحیم ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے (مزید) پندرہ صاع جمع کر دیئے اور یوں ساٹھ مسکینوں کا طعام ہو گیا۔

(سنن دارقطنی ج ۳ ص ۳۱۵، طبع قدیم، رقم الحدیث: ۳۷۹۳، طبع جدید، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۲ھ)

ظہار میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:

اور کفارۂ ظہار، ایک غلام کو آزاد کرنا ہے، اور اگر غلام میسر نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، پس اگر اس کی طاقت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے کیونکہ کفارہ میں اسی ترتیب سے نص وارد ہے اور یہ کفارے عمل زوجیت سے پہلے ادا کیے جائیں اور یہ غلام آزاد کرنے میں اور روزے رکھنے میں تو ظاہر ہے کیونکہ قرآن مجید میں اسی طرح ہے، اور کھانا کھلانے میں بھی اسی طرح ہے، کیونکہ کھانا کھلانے میں جماع سے منع کیا گیا ہے، اس حرمت کی وجہ سے جو ظہار سے ثابت ہے، اس لیے کفارہ کو عمل زوجیت پر مقدم کرنا ضروری ہے، تاکہ عمل زوجیت حلال طریقہ سے ہو۔ (الہدایہ مع البنایہ ج ۵ ص ۳۳۷، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۱ھ)

علامہ ابوبکر احمد بن علی الرازی الحنفی الجصاص المتوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

ظہار کرنے والے کے متعلق اختلاف ہے، کیا وہ کھانا کھلانے سے پہلے جماع کر سکتا ہے؟ پس ہمارے اصحاب (احناف) اور

امام مالک اور امام شافعی نے کہا ہے: اس وقت تک جماع نہ کرے حتیٰ کہ کھانا کھلا دے، جب کہ اس پر کھانا کھلانا فرض ہو اور جو ظہار کرنے والا روزہ رکھنے سے عاجز ہو اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک وہ کفارہ نہ دے جماع نہ کرے۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۴۲۷-۴۲۶، سہیل اکیڈمی، لاہور)

تاہم علامہ المرغینانی الحنفی نے لکھا ہے کہ کھانا کھلانے سے پہلے تو مظاہر جماع نہیں کر سکتا لیکن کھانا کھلانے کے درمیان جماع کر سکتا ہے، وہ لکھتے ہیں:

اگر مظاہر مسلسل دو ماہ کے روزے رکھ رہا ہو اور دو ماہ کے درمیان اس نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو وہ از سر نو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے گا، اور جب دو ماہ کے مسلسل روزے نہ رکھ سکتا ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا اور ہر مسکین کو نصف صاع (دو کلو) گندم یا ایک صاع (چار کلو) کھجور یا ایک صاع جو یا ان کی قیمت ادا کرے گا، اور اگر اس نے ایک مسکین کو ساٹھ دن کھلایا تو اس کے لیے کافی ہوگا اور اگر اس نے ایک مسکین کو ایک دن میں ساٹھ مسکینوں کا طعام دے دیا تو یہ صرف ایک مسکین کا کفارہ ہوگا اور اگر مظاہر نے کھانا کھلانے کے دوران اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو اس کو یہ کفارہ دہرانا نہیں پڑے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غلام آزاد کرنے اور ساٹھ مسلسل روزوں میں یہ قید لگائی ہے کہ یہ کفارہ جماع کرنے سے پہلے ادا کریں اور کھانا کھلانے میں یہ قید نہیں لگائی کہ جماع کرنے سے پہلے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائیں اس لیے یہ کفارہ اپنے اطلاق پر رہے گا اور کھانا کھلانے کے درمیان وہ جماع کر سکتا ہے۔

(ہدایہ مع نصب الرایہ ج ۳ ص ۳۵۹-۳۵۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ، المحیط البرہانی ج ۵ ص ۱۹۲-۱۹۳، ادارۃ القرآن، ۱۴۲۴ھ)

ظہار میں فقہاء حنبلیہ کا موقف

علامہ موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں:

کھانا کھلانے میں تسلسل ضروری نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس میں تسلسل کی قید نہیں لگائی، پس اگر مظاہر نے کھانا کھلانے کے دوران اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو اس پر از سر نو کھانا کھلانا واجب نہیں ہوگا۔ (المغنی مع الشرح الکبیر ج ۸ ص ۶۰۷، دار الفکر بیروت)

ظہار میں فقہاء مالکیہ کا موقف

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ فرماتے ہیں:

جس شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا، پس ایک ماہ کے روزے رکھے، پھر رات کو اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو وہ از سر نو روزے رکھے گا اور پچھلے روزوں پر بناء نہیں کرے، اسی طرح کھانا کھلانے والے کا حکم ہے، اگر ساٹھ مسکینوں میں سے ایک مسکین بھی رہتا ہو اور وہ اپنی بیوی سے جماع کرلے تو اس کو از سر نو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۳ ص ۸۲، دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ جب انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی کہ انہوں نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا ہے تو آپ نے ان کو کفارہ ادا کرنے کا حکم دیا، اور یہ صاف تصریح ہے، خواہ غلام آزاد کرنے کا کفارہ ہو یا روزہ رکھنے کا یا کھانا کھلانے کا، اور امام ابو حنیفہ نے کہا: اگر اس کا کفارہ کھانا کھلانا ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ جماع کرے پھر کھانا کھلائے۔

(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۲۵۴، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

میں کہتا ہوں کہ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا موقف صحیح نقل نہیں کیا، امام اعظم کے نزدیک کھانا کھلانے سے پہلے اپنی بیوی سے جماع کرنا حلال نہیں ہے، جیسا کہ ہدایہ اور محیط برہانی کے حوالوں سے گزر چکا ہے، البتہ ان کے نزدیک کھانا کھلانے کے درمیان اپنی بیوی سے جماع کرنا جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غلام آزاد کرنے اور روزوں کے ساتھ یہ قید لگائی ہے کہ جماع کرنے سے پہلے یہ کفارہ ادا کرے اور کھانا کھلانے کے ساتھ کفارہ کو مطلق رکھا ہے، اس کے ساتھ یہ قید نہیں لگائی۔

ظہار میں فقہاء شافعیہ کا موقف

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے سے پہلے جماع کرنا اسی طرح حرام ہے جس طرح غلام آزاد کرنے اور ساٹھ روزے رکھنے سے پہلے جماع کرنا حرام ہے، کیونکہ یہ تینوں کفارۂ ظہار ہیں اور جب مطلق، مقید کی جنس سے ہو تو مطلق کو مقید پر محمول کر دیا جاتا ہے جیسے شہادت میں ہے، انتہی کلامہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ (الطلاق:۲) تم اپنوں میں دو نیک آدمیوں کو گواہ بناؤ۔

اس آیت میں گواہ بنانے کو نیک آدمیوں کے ساتھ مقید کیا ہے اور دوسری آیت میں گواہ بنانے کو مطلق رکھا ہے۔ فرمایا:

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ (البقرہ:۲۸۲) تم اپنے مردوں میں سے دو گواہ بناؤ۔

امام فخر الدین رازی شافعی متوفی ۶۰۶ھ، علامہ ابوعبداللہ قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ھ، علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ، اور محمد بن علی بن محمد شوکانی ظاہری نے کہا: البقرہ: ۲۸۲ میں مطلق گواہوں سے مراد عادل گواہ ہیں، جیسا کہ الطلاق: ۲ میں ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۹۵، الجامع لاحکام القرآن جز ۲ ص ۳۵۴، روح المعانی جز ۳ ص ۹۴، فتح القدیر ج ۱ ص ۵۰۸)

علامہ الماوردی المتوفی ۴۵۰ھ لکھتے ہیں:

اور اس لیے کہ جب ایک مقید پر مطلق کو محمول کرنا واجب ہے تو دو مقیدوں پر مطلق کو محمول کرنا بہ طریق اولیٰ واجب ہوگا اور زیادہ مؤکد ہوگا اور کفارۂ ظہار میں یہ قید ہے کہ جماع کرنے سے پہلے غلام آزاد کیا جائے اور دو ماہ کے روزوں کا زمانہ طویل ہے، پھر بھی یہ قید ہے کہ جماع کرنے سے پہلے دو ماہ کے روزے رکھے جائیں، تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے میں بھی یہ قید ملحوظ ہوگی کہ جماع کرنے سے پہلے ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے اور جب کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا زمانہ ساٹھ روزوں سے بہت کم ہے تو اس میں قید کے اعتبار کرنے کا زیادہ حق ہے۔

(الحاوی الکبیر ج ۱۳ ص ۴۴۷-۴۴۶، دارالفکر بیروت ۱۴۱۴ھ، تکملہ مجموع شرح المہذب ج ۲۱ ص ۲۸۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ھ)

فقہاء شافعیہ کی دلیل کا جواب

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن الہمام الحنفی المتوفی ۸۶۱ھ اس دلیل کے جواب میں لکھتے ہیں:

مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے لیے یہ کافی نہیں ہے کہ مطلق مقید کی جنس سے ہو اور دونوں کا تعلق ایک واقعہ سے ہو، جیسے یہاں پر غلام آزاد کرنا اور ساٹھ روزے رکھنا، دونوں اس قید سے مقید ہیں کہ ان سے پہلے جماع نہ کیا جائے اور اس کے بعد ساٹھ مسکینوں کو

کھانا کھلانے کا ذکر ہے، اور اس میں یہ قید نہیں ہے کہ اس سے پہلے جماع نہ کیا جائے اور یہ مطلق ہے اور یہ بھی مقید کی جنس سے ہے یعنی کفارۂ ظہار ہے لیکن مطلق کو مقید پر محمول کرنے کے لیے یہ کافی نہیں ہے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں کا حکم بھی ایک ہو جیسا کہ اس صورت میں ہے۔

مطلق کو مقید پر محمول کرنے کا ضابطہ

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ (المائدہ:۸۹) پس جو شخص (کفارۂ قسم میں غلام آزاد کرنے کی) طاقت نہ رکھے تو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

علامہ ابوعبداللہ مالکی قرطبی لکھتے ہیں:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات میں "ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ" کے بعد "متتابعات" کی بھی قید ہے، یعنی تین دن کے مسلسل روزے رکھے اور المائدہ:۸۹ میں مطلقاً تین دن روزے رکھنے کا حکم ہے اور حضرت ابن مسعود کی قراءت میں چونکہ تسلسل کی قید ہے، اس لیے اس مطلق کو مقید کیا جائے گا، اور یہی امام ابوحنیفہ اور ثوری کا قول ہے اور امام شافعی کا ایک قول یہی ہے اور یہی مزنی کا مختار ہے، انہوں نے کفارہ قسم کے روزوں کو کفارۂ ظہار کے روزوں پر قیاس کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت سے استدلال کیا ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۶ ص ۲۱۷، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعب قراءت کرتے تھے: "فصیام ثلاثة ایام متتابعات" پھر مسلسل تین دن کے روزے رکھے، اور مجاہد روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن مسعود کی قراءت میں تھا: "فصیام ثلاثة ایام متتابعات"۔ (جامع البیان رقم الحدیث:۹۷۵۰، ۹۷۵۱، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

عطاء، اعمش اور طاؤس کہتے ہیں کہ ہمیں حضرت ابن مسعود کی قرات اس طرح پہنچی ہے: "فصیام ثلاثة ایام متتابعات"۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۳۴۴، رقم الحدیث: ۱۶۳۸۲ تا ۱۶۳۸۴، دارالکتب العلمیہ، بیروت، جدید ۱۴۲۱ھ)

ابوالعالیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابی قراءت کرتے تھے: "فصیام ثلاثة ایام متتابعات"

(مصنف ابن ابی شیبہ رقم الحدیث: ۱۲۴۲۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۔۴ ص ۳۳، ادارۃ القرآن، کراچی)

حضرت ابی بن کعب اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما قراءت کرتے تھے: "فصیام ثلاثة ایام متتابعات"۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۱۰ ص ۶۰، ملتان، معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۷ ص ۳۲۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابن ہمام حنفی فرماتے ہیں: اس صورت میں مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی چیز کو مطلقاً بھی وجود میں داخل کرنا مقصود ہو اور اسی چیز کو مقیداً بھی وجود میں داخل کرنا مطلوب ہو، کیونکہ کفارہ قسم کے تین روزوں کو بغیر کسی قید کے مطلقاً بھی رکھنے کا حکم ہے اور تسلسل کی قید کے ساتھ بھی رکھنے کا حکم ہے اور یہاں پر ایک ہی واقعہ ہے اور ایک ہی حکم ہے اس لیے یہاں پر مطلق کو مقید پر محمول کرنا واجب ہے، قرآن مجید کی قراءت متواترہ میں مطلقاً تین روزے رکھنے کا حکم ہے اور قراءت مشہورہ میں تتابع اور تسلسل کی قید ہے، اور قراءت مشہورہ سے قرآن مجید پر زیادتی جائز ہے۔

(فتح القدیر ج ۴ ص ۳۴۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ظہار میں غیر مقلدین کا موقف

ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء اور مفسرین نے ''ثم یعودون لما قالوا'' کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ مظاہر جماع کے لیے لوٹنا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ تین کفاروں میں سے کوئی ایک کفارہ دے، اور فرقہ ظاہریہ (غیر مقلدین) علماء نے یہ کہا ہے کہ ''ثم یعودون لما قالوا'' کا معنی یہ ہے کہ وہ ایک بار اپنی بیوی سے یہ کہنے کے بعد کہ تو میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے دوبارہ یہی بات کہے کہ تو میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے تو اس پر کفارۂ ظہار واجب ہوگا۔

شیخ علی بن احمد بن سعید بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ ھ لکھتے ہیں:

جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تو میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے، اس پر کچھ واجب نہیں ہے، نہ اس کی بیوی سے جماع کرنا اس پر حرام ہے حتیٰ کہ وہ اسی بات کو دوبارہ کہے اور جب وہ دوبارہ اسی بات کو کہے گا تو اس پر کفارۂ ظہار واجب ہو جائے گا۔

(المحلی بالآثار ج ۹ ص ۱۸۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۵ ھ)

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ ھ (مشہور غیر مقلد عالم) لکھتے ہیں:

فرقہ ظاہریہ کا یہی مسلک ہے۔ (فتح البیان ج ۷ ص ۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۰ ھ)

۲۳۔ بَابُ: الظِّهَارِ

ظہار کا بیان

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِیْۤ اِلَى اللّٰهِ ۖۗ وَ اللّٰهُ یَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۝ اَلَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ وَ الَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىٕهِمْ ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (المجادلہ: ۱-۴)

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: بے شک اللہ نے اس عورت کی بات سن لی جو اپنے خاوند کے متعلق بحث اور تکرار کر رہی تھی اور اللہ سے شکایت کر رہی تھی اور اللہ تم دونوں کی بات سن رہا تھا، بے شک اللہ بہت سننے والا خوب جاننے والا ہے O تم میں سے جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں (یہ کہتے ہیں کہ تمہاری پیٹھ میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے) وہ عورتیں ان کی حقیقت میں مائیں نہیں ہیں، ان کی مائیں تو صرف وہ ہیں جن سے وہ پیدا ہوئے اور بے شک وہ ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ ضرور بہت معاف کرنے والا اور بہت بخشنے والا ہے O اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرلیں، پھر عمل زوجیت کے لیے لوٹنا چاہیں جس کے متعلق وہ اتنی سخت بات کہہ چکے ہیں، تو ان پر عمل زوجیت سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ہے، یہ وہ چیز ہے جس کی تم کو نصیحت کی جاتی ہے اور اللہ تمہارے کاموں کی خوب خبر رکھنے والا ہے O پس جو غلام کو نہ پائے تو اس پر عمل زوجیت سے پہلے دو ماہ کے لگا تار روزے رکھنا

ہے، پس جو روزوں کی طاقت نہ رکھے تو اس پر ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یہ حکم اس لئے ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان برقرار رکھو اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے O (المجادلہ:۱-۴)

باب مذکور کی پہلی تعلیق

وَقَالَ لِي إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنِي مَالِكٌ أَنَّهُ سَأَلَ ابْنَ شِهَابٍ عَنْ ظِهَارِ الْعَبْدِ فَقَالَ نَحْوَ ظِهَارِ الْحُرِّ قَالَ مَالِكٌ وَصِيَامُ الْعَبْدِ شَهْرَانِ۔

اور مجھ سے اسماعیل نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ابن شہاب نے غلام کے ظہار کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ اس کا ظہار آزاد کے ظہار کے مثل ہے اور امام مالک نے کہا کہ غلام دو ماہ کے روزے رکھے۔

(اس تعلیق کی اصل معلوم نہیں ہو سکی)۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق

وَقَالَ الْحَسَنُ بْنُ الْحُرِّ ظِهَارُ الْحُرِّ وَالْعَبْدِ مِنَ الْحُرَّةِ وَالْأَمَةِ سَوَاءٌ

اور الحسن بن الحر نے کہا کہ آزاد اور غلام کا ظہار آزاد عورت اور غلام عورت سے برابر ہے۔

(اس تعلیق کی بھی اصل معلوم نہیں ہو سکی)۔

باب مذکور کی تیسری تعلیق

وَقَالَ عِكْرِمَةُ إِنْ ظَاهَرَ مِنْ أَمَتِهِ فَلَيْسَ بِشَيْءٍ إِنَّمَا الظِّهَارُ مِنَ النِّسَاءِ۔

اور عکرمہ نے کہا: اگر کسی مرد نے اپنی باندی سے ظہار کیا تو یہ کچھ بھی نہیں ہے، یعنی لغو ہے، ظہار تو صرف بیویوں سے ہوتا ہے۔

(اس تعلیق کی اسماعیل قاضی نے ایسی سند کے ساتھ روایت کی ہے، جس میں کوئی حرج نہیں ہے)۔

باب مذکور کی چوتھی تعلیق

وَفِي الْعَرَبِيَّةِ لِمَا قَالُوا أَيْ فِيمَا قَالُوا وَفِي بَعْضِ مَا قَالُوا وَهَذَا أَوْلَى لِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَدُلَّ عَلَى الْمُنْكَرِ وَقَوْلِ الزُّورِ۔

اور عربی عورت کے متعلق انہوں نے المجادلہ:۳ کی تفسیر میں کہا اور ان کے بعض اقوال میں ہے، جن صورتوں میں انہوں نے کہا اور جن بعض صورتوں میں انہوں نے کہا اور یہ زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بری بات اور جھوٹی بات قرار نہیں دیا۔

ظہار کا لغوی معنی اور ظہار کے لغوی معنی کی اصطلاحی معنی کے ساتھ مناسبت اور ظہار کی تعریف میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب ظہار کے احکام میں ہے، علامہ خلیل بن احمد فراہیدی متوفی ۱۷۵ھ نے کہا ہے کہ ظہار کا معنی ہے: کوئی مرد اپنی

بیوی سے یہ کہے کہ تم مجھ پر میرے ذو رحم محرم کی پشت کی مثل ہو، اسی طرح المحکم میں مذکور ہے اور المطرزی نے الجامع میں یہ اضافہ کیا ہے اور القزاز کی جامع میں ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی سے ظہار کیا، جب اس نے کہا: تم میرے لئے ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے اور متعدد ارباب لغت نے اس کی پیروی کی ہے اور حافظ الدین علامہ النسفی الحنفی المتوفی ۷۱۰ ھ نے کہا ہے کہ ظہار کی تعریف یہ ہے کہ مرد اپنی منکوحہ کو ایسی عورت کے ساتھ تشبیہ دے جس کے ساتھ اس کا نکاح کرنا دائماً حرام ہے مثلاً ماں کے ساتھ، بیٹی کے ساتھ یا بہن کے ساتھ، جن کے ساتھ اس کا جماع کرنا اور جماع کے محرکات حرام ہیں، بایں طور کہ وہ ان سے کہے: تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے حتیٰ کہ وہ اس کا کفارہ ادا کرے، ظہار میں لفظ ظہر ہے یعنی پشت کو مخصوص کیا گیا ہے نہ کہ باقی اعضاء کو، کیونکہ پشت عموماً سوار ہونے کا محل ہوتی ہے، اسی وجہ سے سواری کو ظہر کہتے ہیں، کیونکہ بیوی شوہر کے لیے بہ منزلہ سواری ہوتی ہے، اور اگر اس نے کہا: تم میرے لئے میری ماں کے پیٹ کی مثل ہو یا ران کی مثل ہو یا فرج کی مثل ہو تب بھی ظہار ہوگا، اس کے برخلاف جب اس نے کہا کہ تم میری ماں کے ہاتھ کی مثل ہو تب ظہار نہیں ہوگا، اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ کا قول قدیم یہ ہے کہ اگر مرد نے کہا کہ تم میرے لئے میری بہن کی پشت کی مثل ہو تو جمہور کے نزدیک ظہار نہیں ہوگا، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔

ظہار کے شان نزول کے متعلق متعدد روایات

ظہار کے شان نزول کے متعلق روایات کو ہم اس سے پہلے علامہ ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۳ ھ کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں، تاہم علامہ عینی کی ذکر کردہ روایات میں سے ہم ایک روایت کا ذکر کر رہے ہیں:

حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا، بہت جسیم خاتون تھیں، ان کے شوہر نے دیکھا کہ وہ نماز ظہر پڑھ رہی تھیں، حالتِ نماز میں ان کی نظر ان کے کولہوں پر پڑھی، جب وہ نماز سے فارغ ہوئیں تو ان کے شوہر نے ان سے جماع کا ارادہ کیا، حضرت خولہ نے انکار کیا، ان کے شوہر کو غصہ آیا، کیونکہ وہ مغلوب الغضب تھے، پس انہوں نے حضرت خولہ سے کہا: تم مجھ پر ایسی ہو جیسے میری ماں کی پشت ہے، پھر وہ اپنی بات پر نادم ہوئے اور زمانہ جاہلیت میں ایلاء اور ظہار کو طلاق قرار دیا جاتا تھا، تو ان کے خاوند نے کہا: میرا گمان یہ ہے کہ اب تم مجھ پر حرام ہو چکی ہو، تب ان کی بیوی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر یہ واقعہ بیان کیا اور کہا: یا رسول اللہ! بے شک میرے خاوند حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ نے اس وقت مجھ سے نکاح کیا تھا جب میں نو جوان تھی، دولت مند تھی، میرے خاندان والے تھے حتیٰ کہ میرے شوہر نے میرا مال بھی کھا لیا، اور میری جوانی کو بھی کھا لیا اور میرے خاندان والے منتشر ہو چکے ہیں تو اب اس نے مجھ سے ظہار کر لیا اور اب وہ اپنے فعل پر نادم ہے تو کیا کوئی ایسی صورت ہے کہ میں اور وہ پھر جمع ہو جائیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے خاوند پر حرام ہو چکی ہو، حضرت خولہ نے کہا: یا رسول اللہ! جس ذات نے آپ کے اوپر اپنی کتاب کو نازل کیا ہے اس کی قسم! حضرت اوس بن الصامت نے کسی طلاق کا ذکر نہیں کیا اور بے شک وہ میرے بچوں کا باپ ہے اور وہ بے شک مجھے تمام لوگوں سے زیادہ عزیز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر حرام ہو چکی ہو، حضرت خولہ نے کہا کہ میں اپنے فاقہ اور اپنی تنہائی کی اللہ تعالیٰ سے شکایت کروں گی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے نزدیک تو تم اس پر حرام ہو چکی ہو اور تمہارے متعلق تو مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا ہے، وہ بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی بات دہراتی رہیں، تب اللہ تعالیٰ نے سورۃ المجادلہ کی مذکور

الصدر آیات نازل فرمائیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے شوہر کو بلاؤ، جب ان کے شوہر آ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ان آیات کی تلاوت فرمائی، پھر آپ نے ان کے شوہر سے پوچھا: کیا تم ایک غلام کو آزاد کرنے کی طاقت رکھتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ میرا غلام تو بہت مہنگا ہے، اگر میں نے اس کو آزاد کر دیا تو میرے پاس کچھ نہیں رہے گا، اور میں تو بہت تنگ دست ہوں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا تم دو ماہ کے مسلسل روزے رکھ سکتے ہو؟ تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کی قسم! اگر میں تین مرتبہ کھانا نہ کھاؤں تو میری بصارت کمزور ہو جاتی ہے، اور مجھ پر غشی طاری ہو جاتی ہے، آپ نے پوچھا: کیا تم ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلانے کی طاقت رکھتے ہو، انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! نہیں، سوا اس کے کہ آپ اس معاملہ میں میری مدد فرمائیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں پندرہ (۱۵) صاع سے تمہاری مدد کروں گا، یعنی ساٹھ (۶۰) صاع کلو گرام سے۔

ظہار کی دو قسمیں: صراحتاً اور کنایتاً

جن الفاظ کے ساتھ ظہار ہوتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم یہ ہے کہ صراحتاً ظہار ہو اور وہ یہ ہے کہ مرد یہ کہے: تم میرے لئے میری ماں کی پشت کی مثل ہو یا کہے: تم میرے نزدیک میری ماں کی پشت کی مثل ہو اور دوسری قسم وہ ہے جس میں کنایۃً ظہار ہو مثلاً وہ کہے کہ تم میرے لیے میری ماں کی مثل ہو، اس میں اس کی نیت کا اعتبار ہوگا، اگر وہ اس میں ظہار کا ارادہ کرے تو ظہار ہوگا اور اگر ظہار کی نیت نہ کرے تو ظہار نہیں ہوگا، اور امام محمد بن حسن شیبانی المتوفی ۱۸۹ھ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی ظہار ہے اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ نے کہا ہے کہ اگر مرد نے حالتِ غضب میں کہا کہ تم میری ماں کی پشت کی مثل ہو تو یہ ظہار ہے اور ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ ایلاء ہے اور اگر ان الفاظ سے طلاق کی نیت کی تو طلاق بائن ہوگی۔

ظہار کے وقوع کی صورتیں

ظہار صرف اس صورت میں ہوگا جب مرد اپنی بیوی کو کسی مَحرم کے ساتھ تشبیہ دے اور اگر اس نے مَحرم کے سوا کسی کے ساتھ تشبیہ دی تو پھر ظہار نہیں ہوگا، حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور الشعبی کا بھی یہی قول ہے، اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا بھی یہی قول ہے اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کا بھی ایک قول یہی ہے اور ان کا دوسرا قول یہ ہے اور یہی ان کا زیادہ مشہور قول ہے کہ جس مرد نے کسی ایسی عورت کے ساتھ ظہار کیا کہ جس کے ساتھ اس کا نکاح کرنا حلال تھا تو یہ ظہار نہیں ہے اور جس نے کسی ایسی عورت کے ساتھ ظہار کیا کہ جس کے ساتھ اس کا نکاح کرنا کبھی حلال نہ تھا تو یہ ظہار ہے، اور امام مالک نے کہا: جس نے کسی مُحرم کے ساتھ ظہار کیا یا اجنبی عورت کے ساتھ ظہار کیا تو دونوں صورتوں میں ظہار ہے اور شعبی سے روایت ہے کہ ظہار صرف ماں یا دادی کے ساتھ ہوتا ہے اور یہ بھی امام شافعی کا قول ہے اور ظاہریہ کا بھی یہی قول ہے۔

اگر مرد نے کسی اجنبی عورت سے کلمات ظہار کہے تو اس کے ظہار ہونے یا نہ ہونے میں فقہاء کا اختلاف

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ کسی مرد نے کسی اجنبی عورت سے ظہار کیا، پھر اس سے نکاح کر لیا تو اس کے متعلق القاسم بن محمد نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے یہ روایت کی ہے کہ جب کسی مرد نے ایسی عورت سے نکاح کر لیا تو اس سے مقاربت نہ کرے حتیٰ کہ کفارہ دے دے اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور عروہ

کا بھی یہی قول ہے اور شیخ علی بن احمد بن حزم متوفی ۴۵۶ھ نے کہا کہ ان حضرات سے اس قول کی صحیح روایت ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اگر ابن حزم کی صحت سے مراد یہ ہے کہ یہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک صحیح ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ یہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ تک منقطع ہے کیونکہ قاسم بن محمد تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد پیدا ہوئے تھے اور اگر ان کی مراد باقی لوگوں کی صحت ہے تو پھر یہ ممکن ہے۔

حافظ علاؤ الدین مغلطائی ابن قلیج بن عبد اللہ الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ نے اپنی شرح التلویح علی البخاری میں لکھا ہے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ نے بیان کیا کہ ابن ابی لیلیٰ، اور الحسن بن حَی نے بتایا: اگر کسی مرد نے یہ کہا کہ ہر وہ عورت جس سے میں نکاح کروں وہ میرے لئے ایسی ہے جیسے میں اپنی ماں سے نکاح کروں یا اس نے کسی رشتہ دار کا نام لیا یا قبیلہ کا نام لیا تو ظہار لازم ہو جائے گا اور الشوری نے بیان کیا کہ جس مرد نے کسی عورت سے کہا کہ اگر میں نے تجھ سے نکاح کیا تو تجھے طلاق ہے یا کہا: اگر میں نے تجھ سے نکاح کیا تو تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت ہے اور اللہ کی قسم! میں چار ماہ یا اس سے زیادہ مدت تیرے قریب نہیں جاؤں گا، پھر اس نے اس عورت سے نکاح کر لیا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور ظہار اور ایلاء ساقط ہو جائے گا کیونکہ اس نے طلاق سے ابتداء کی تھی۔

جن مردوں کا ظہار کرنا صحیح ہے اور جن مردوں کا ظہار کرنا صحیح نہیں ہے، اس کے متعلق مذاہب فقہاء

ہر وہ شوہر جس کی طلاق دینا صحیح ہے اس کا ظہار کرنا بھی صحیح ہے، عام ازیں کہ وہ آزاد ہو غلام ہو مسلمان ہو یا ذمی ہو، اس نے اپنی بیوی کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو، یا وہ جماع پر قادر ہو یا نہ ہو، اور اسی طرح ہر وہ بیوی خواہ وہ کم عمر ہو یا بڑی ہو، عاقلہ ہو یا مجنونہ ہو یا اس کی فرج اور دبر ملی ہوئی ہو یا وہ درست ہو، محرمہ ہو یا غیر محرمہ ہو، ذمیہ ہو یا مسلمان ہو، اس سے ظہار کرنا صحیح ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے فرمایا کہ ذمی کا ظہار کرنا صحیح نہیں ہے، اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا کہ جو عورت عدت میں ہو، اس سے ظہار کرنا صحیح نہیں ہے، اور بعض علماء نے کہا: غیر مدخول بہا سے ظہار کرنا صحیح نہیں ہے، اور المزنی الشافعی نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس سے ظہار کیا تو اس کا یہ ظہار صحیح نہیں ہے، باندی اور ام الولد سے ظہار کرنے میں اختلاف ہے، فقہاء احناف اور امام شافعی نے کہا کہ ان سے ظہار کرنا صحیح نہیں ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، ثوری، الاوزاعی اور اللیث نے کہا کہ اپنی باندی سے ظہار کرنا صحیح نہیں ہے اور فقہاء احناف نے جس آیت سے استدلال کیا ہے، وہ درج ذیل ہے:

وَالَّذِیْنَ یُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ (المجادلہ: ۳) اور جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کر لیں۔

اور باندی ہماری بیویوں میں سے نہیں ہے۔

کفارۂ ظہار میں مذاہب فقہاء

کفارۂ ظہار میں مجامعت سے پہلے ایک غلام کو آزاد کرنا ہے، خواہ وہ غلام مرد ہو یا عورت ہو، کم عمر ہو یا بوڑھا ہو، مسلمان ہو یا کافر ہو کیونکہ نص قرآن مطلق ہے۔

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا: کافر کو آزاد کر کے کفارہ دینا صحیح نہیں ہے، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ

اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ کا بھی یہی مذہب ہے
شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ ھ نے کہا: مومن اور کافر اور سالم اور عیب دار اور مرد اور عورت کو کفارہ میں آزاد کرنا صحیح ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ھ نے کہا کہ عیب دار غلام کو کفارہ میں آزاد کرنا صحیح نہیں ہے۔

اور شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ ھ نے کہا کہ ابراہیم نخعی متوفی ۹۶ ھ اور شعبی سے روایت ہے کہ نابینا کو آزاد کرنا کفایت کرے گا اور ابن جریج نے کہا کہ جو مفلوج ہو اس کو آزاد کرنا بھی کفایت کرے گا اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ مجنون کو آزاد کرنا درست نہیں ہے۔

کفارہ کی اقسام

الاول: کفارہ کی پہلی قسم غلام کو آزاد کرنا ہے، پس اگر وہ غلام کو آزاد کرنے سے عاجز ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے، ان دو مہینوں میں رمضان کا مہینہ شامل نہیں ہے اور نہ وہ ایام شامل ہیں جن میں روزہ رکھنا شرعاً ممنوع ہے، اور وہ دو عید کے دن ہیں اور تین دن ایام تشریق کے ہیں، پس اگر اس نے ان دو مہینوں کے درمیان رات میں یا دن میں بھول کر یا عمداً اپنی بیوی سے مجامعت کر لی تو پھر وہ از سرنو روزے رکھنا شروع کرے گا۔

اور شیخ ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ ھ نے امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ھ سے روایت کی ہے کہ مرد نے جس بیوی سے ظہار کیا تو دو مہینے پورے ہونے سے پہلے ایک رات میں جماع کر لیا تو وہ پھر روزہ رکھنے کی قضاء کرے گا۔ اور امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ نے کہا ہے کہ اس صورت میں اگلے دن روزہ رکھ کر قضاء کرے گا اور ہمارے اصحاب احناف نے کہا کہ اگر اس نے ان دو مہینوں کے درمیان رات میں عمداً جماع کیا یا دن میں بھولے سے جماع کیا یا ان دنوں میں کوئی روزہ چھوڑ دیا تو وہ از سرنو روزے رکھے گا خواہ اس کا عذر ہو یا نہ ہو، اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم المتوفی ۱۸۳ ھ نے کہا کہ وہ صرف اس صورت میں از سرنو روزے شروع کرے گا جب اس نے درمیان میں سے کوئی روزہ چھوڑ دیا ہو، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ ھ کا بھی یہی قول ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ ھ نے کہا کہ اگر اسے عذر پیش ہو تو وہ از سرنو روزے شروع نہیں کرے گا اور غلام کے لئے کفارہ میں صرف روزے رکھنا مشروع ہے۔

اور اگر ظہار کرنے والا روزہ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتا تو وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے گا اور ہر مسکین کو دو کلو گندم یا چار کلو کھجوریں یا چار کلو جو دے گا یا ان کی قیمت دے گا۔

اور امام شافعی نے کہا: ہر مسکین کو اپنے شہر کی غالب خوراک میں سے ایک کلو دے گا، اور امام احمد کے نزدیک ایک کلو گندم دے گا اور دو کلو کھجور یا دو کلو جو دے گا، اور اگر اس نے تیس مسکینوں کو کھانا کھلایا اور پھر درمیان میں مجامعت کر لی تو امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ ھ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ ھ نے کہا کہ وہ کھانا کھلانے کی تعداد کو پورا کرے، جیسا کہ اس نے کھانا کھلانے سے پہلے مجامعت کی ہو اور اس پر صرف ایک ہی مرتبہ کھانا کھلانا ہے، اور اللیث اور الاوزاعی اور امام مالک نے کہا کہ

اس صورت میں وہ ازسرنو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا شروع کرے گا۔

متعدد مرتبہ ظہار کرنے والے کا شرعی حکم

اگر کسی نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ ظہار کرلیا تو اس کے اوپر صرف ایک کفارہ ہے، پھر اگر اس نے چوتھی مرتبہ کلمہ ظہار کہا تو اس پر دوسرا کفارہ ہے، یہ شیخ علی بن احمد بن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ کا قول ہے۔

اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ سے منقول ہے کہ جب کسی مرد نے ایک مجلس میں متعدد بار ظہار کیا تو اس پر ایک کفارہ لازم ہے اور اگر اس نے متعدد مجالس میں ظہار کیا یعنی کلمات ظہار کہے تو اس پر متعدد ظہار لازم ہوں گے، اور اسی طرح قسم کا حکم ہے اور قتادہ متوفی ۱۱۷ھ اور عمرو بن دینار کا بھی یہی قول ہے، اور شیخ علی بن احمد بن حزم متوفی ۴۵۶ھ نے کہا کہ ان دونوں سے اس کی روایت صحیح ہے اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ اس صورت میں صرف ایک کفارہ لازم ہے۔

اور شیخ ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے: ہم نے طاؤس متوفی ۱۰۶ھ، عطاء متوفی ۱۱۴ھ اور شعبی سے اس قول کی روایت کی ہے، ان سب نے کہا کہ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے پچاس (۵۰) مرتبہ ظہار کیا تو اس پر صرف ایک کفارہ لازم ہوگا، حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، نے بھی کہا ہے کہ جب مرد نے متعدد مرتبہ ظہار کیا، خواہ وہ مختلف مجالس میں ظہار کیا ہو، اس پر ایک کفارہ لازم ہوگا۔

معمر نے کہا اور یہی الزہری کا قول ہے اور یہی امام مالک بن انس کا قول ہے اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ اگر اس نے ایک مجلس میں متعدد مرتبہ ظہار کیا اور تکرار کی نیت کی تو اس پر ایک مرتبہ کفارہ ظہار لازم ہے اور اگر اس نے نیت نہیں کی تو ہر ظہار سے اس پر کفارہ لازم ہوگا، عام ازیں کہ ظہار کا یہ تکرار ایک مجلس میں ہو یا متعدد مجالس میں ہو۔

ظہار کرنے والے کے لئے اپنی بیوی کے ساتھ بعض معاملات کا جواز اور بعض کی حرمت

مرد نے اپنی جس بیوی سے ظہار کیا ہے، کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے بوس وکنار کرنا جائز ہے اور فرج کے علاوہ اس کے باقی جسم کو اپنے جسم کے ساتھ لپٹانا بھی جائز ہے، اور یہ الثوری، الحسن البصری، عطاء بن ابی رباح، عمرو بن دینار، قتادہ اور فقہاء شافعیہ کا مذہب ہے اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ سے یہ روایت بھی ہے کہ مستحب یہ ہے کہ وہ بوس وکنار اور جسمانی تلذذ سے احتراز کرے۔

اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے کہا کہ بوس وکنار کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور امام مالک نے اس سے انکار کیا ہے، اسی طرح دو ماہ کے مسلسل روزوں کا حکم ہے، اور امام الاوزاعی نے کہا کہ تہبند کے اوپر سے اس سے لذت حاصل کرے اور ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ جس طرح کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس سے جماع کرنا حرام ہے، اسی طرح کفارہ ادا کرنے سے پہلے اس پر جماع کے اسباب اور محرکات بھی حرام ہیں۔

کفارہ ظہار کا ساقط نہ ہونا

مرد کی موت سے یا عورت کی موت سے کفارہ ظہار ساقط نہیں ہوتا، اور ان کے ترکہ سے ان کی موت کے بعد اس کفارہ کو ادا کیا جائے گا، خواہ انہوں نے اس کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، یہ امام شافعی کا مذہب ہے اور ہمارے اصحاب احناف کے نزدیک قرضہ جات کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم حقوق اللہ ہے، اور دوسری قسم حقوق العباد ہے، پس حقوق اللہ کی ادائیگی کی اس نے وصیت نہ

کی ہو، تو وہ ساقط ہو جاتے ہیں، خواہ وہ نماز ہو یا زکوٰۃ ہو اور وہ شخص ان حقوق کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا اور اس سے ان حقوق کا آخرت میں مطالبہ کیا جائے گا، اور اگر اس نے وصیت کی تھی کہ اس کے ترکہ سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا کفارۂ ظہار ادا کیا جائے گا تو اس کے ترکہ کے تیسرے حصہ میں سے اس وصیت کو پورا کیا جائے گا، پس وارث پر لازم ہے کہ وہ ہر نماز کے فدیہ کے لئے دو کلو گندم صدقہ کرے جیسا کہ روزے کے فدیہ میں ہوتا ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک وتر کا بھی فدیہ ادا کیا جائے گا۔

اور اگر مرنے والے پر روزے ہوں تو ہر روزے کے فدیہ میں دو کلو گندم ادا کیا جائے گا، اور اگر مرنے والے پر حج ہو تو وارث پر لازم ہے کہ اس کا ترکہ تہائی مال سے زیادہ ہو تو حج کرائے، اسی طرح نذور اور کفارات کا حکم ہے، اور اگر مرنے والے کے ذمہ حقوق العباد ہوں مثلاً کسی کا قرض ادا کرنا ہو یا کسی کا مال چھینا ہو اور اس کا تاوان ادا کرنا ہو تو ان حقوق کو ہر حال میں ادا کیا جائے گا۔

غلام کے ظہار کا شرعی حکم

مؤطا امام مالک میں مذکور ہے کہ امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ سے غلام کے ظہار کے متعلق سوال کیا، انہوں نے کہا: اس کا حکم بھی آزاد کے ظہار کی مثل ہے اور امام مالک نے کہا: غلام ظہار میں دو ماہ کے روزے رکھے گا اور حافظ ابوعمر بن عبدالبر مالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے کہا: اس میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ غلام کا ظہار لازم ہے اور اس پر اجماع ہے کہ اس کا کفارہ بھی روزے ہیں اور انہوں نے کہا کہ غلام کے کفارہ میں غلام کو آزاد کرنے اور کھانا کھلانے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، پس ابوثور اور داؤد ظاہری متوفی ۲۷۰ھ نے غلام کے لئے غلام آزاد کرنے کو جائز قرار دیا ہے، اگر اس کا مالک اس کو آزاد کرنے کے لئے غلام عطا کرے، اور باقی تمام علماء نے اس کا انکار کیا ہے اور علامہ ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ اگر غلام نے اپنے مالک کی اجازت سے کھانا کھلایا تو جائز ہے اور اگر اس نے اپنے مالک کی اجازت کے بغیر غلام آزاد کر دیا تو جائز نہیں ہے اور ہمارے نزدیک مستحب یہ ہے کہ غلام کفارہ ادا کرنے میں روزے رکھے، اور امام مالک نے کہا کہ غلام کا کھانا کھلانا آزاد کے کھانا کھلانے کی طرح ہے کہ وہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور میرے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

ظہار کے بعد عملِ زوجیت کے لئے لوٹنے کا شرعی حکم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ (المجادلہ: ۳) پھر عمل زوجیت کے لئے لوٹنا چاہیں۔

اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا: وہ لوٹنا جو کفارے کا موجب ہے، وہ یہ ہے کہ ظہار کے بعد وہ اپنی بیوی کو طلاق دینے سے مدت گزرنے تک رُک جائے جس مدت میں اس کے لئے طلاق دینا ممکن ہو، پھر وہ اس کو طلاق نہ دے۔

اور قتادہ متوفی ۱۱۷ھ نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ وہ بیوی کو اپنے اوپر حرام کرنے کے بعد اس سے جماع کرے اور امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ نے کہا کہ اگر اس نے اپنی بیوی سے جماع کا عزم کیا اور یہ نیت کی کہ اس سے جماع کرنے کے لئے لوٹے تو اس پر کفارہ لازم ہوگا اور اگر اس نے جماع کا عزم نہیں کیا تو یہ عود اور لوٹنا نہیں ہے، اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا: اگر اس نے ظہار کے بعد جماع کر لیا تو پھر یہ عود اور لوٹنا ہے اور اگر جماع نہیں کیا تو پھر یہ عود اور لوٹنا نہیں ہے۔

اور اصحاب الظاہر (غیر مقلدین) نے کہا ہے: اگر اس نے لفظ کو مکرر کیا تو یہ عود ہے ورنہ یہ عود نہیں ہے اور یہی ابوالعالیہ کا قول ہے۔

اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ ھ نے کہا ہے کہ امام مالک کے نزدیک عود یہ ہے کہ وہ جماع کا عزم کرے اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ عود یہ ہے کہ وہ کلمات ظہار کہنے کے بعد پھر اپنی بیوی سے جماع کرے لیکن اس سے پہلے کفارے کو مقدم کرے اور یہی ابن القاسم مالکی کا قول ہے جس کا موطا امام مالک میں اشارہ ہے کہ عود یہ ہے کہ بیوی کو اپنے پاس رکھنے کا عزم کرے اور امام مالک کے اکثر اصحاب کا یہی موقف ہے۔

اور علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ ھ نے کہا ہے کہ ظہار کرنے والے کلمات کا ظہار کہنے کے بعد اپنی بیوی سے جماع کرنا عود ہے اور یہی امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ ھ کا قول ہے اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ ھ اور طاؤس متوفی ۱۰۶ ھ اور زہری متوفی ۱۵۲ ھ کا مذہب یہ ہے کہ بیوی سے مجامعت کرنا ہی عود ہے اور امام ابوجعفر احمد بن محمد متوفی ۳۲۱ ھ نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس وقت عود جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ اس سے پہلے کفارہ ادا نہ کرے۔

میں کہتا ہوں: امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ ھ کے متعلق علامہ ابن المنذر کی مذکور نقل صحیح نہیں ہے، کیونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جماع کرنا عود نہیں ہے بلکہ جماع کا عزم کرنا عود ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اور علامہ علاؤ الدین مغلطائی الحنفی المتوفی ۷۶۲ ھ نے التلویح شرح الجامع الصحیح میں کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ ھ نے کہا ہے کہ عود کا معنی یہ ہے کہ ظہار ایسی تحریم کو واجب کرتا ہے کہ وہ تحریم کفارہ کے بغیر واجب نہیں ہوتی مگر یہ کہ اگر اس نے مدت طویلہ تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا حتیٰ کہ وہ مر گئی تو پھر اس پر کفارہ نہیں ہے، عام ازیں کہ اس نے اس مدت کے درمیان اپنی بیوی سے جماع کا ارادہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، پھر اگر اس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو اس پر کفارہ نہیں ہوگا، پھر اگر اس نے اس کے بعد دوسری بیوی سے نکاح کر لیا تو اس کے اوپر ظہار کا حکم لوٹ آئے گا اور وہ جب تک کفارہ ادا نہ کرے اپنی بیوی سے جماع نہیں کرے گا۔

اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ظہار ایسا قول ہے جس کو وہ زمانہ جاہلیت میں کہتے تھے، پھر ان کو اس سے منع کر دیا گیا، پس جس نے بھی کلمات ظہار کہے تو اس کا ظہار ثابت ہو گیا۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ نے کہا کہ امام ابوحنیفہ کے علاوہ اور کسی سے یہ قول منقول نہیں ہے اور امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ ھ سے روایت ہے کہ کلمات ظہار کہنے والے نے اپنی بیوی سے جماع کیا، پھر ان میں سے کوئی ایک مر گیا تو اس پر کفارہ نہیں ہوگا اور نہ جماع کے بعد کفارہ ہوتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۹۹-۴۰۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

باب مذکور کی پہلی تعلیق

اور مجھ سے اسماعیل نے کہا: مجھے امام مالک نے حدیث بیان کی، انہوں نے بیان کیا کہ ابن شہاب نے غلام کے ظہار کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: اس کا ظہار آزاد کے ظہار کی مثل ہے اور امام مالک نے کہا کہ غلام دو ماہ کے روزے رکھے۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی

یعنی امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے کہا کہ مجھ سے اسماعیل بن ابی اویس نے کہا اور یہ تعلیق حکماً موصول ہے اور اس کو ان مواقع میں استعمال کیا جاتا ہے جب کہ امام اپنے شیوخ سے بہ طریق مذاکرہ حاصل کرے، امام بخاری نے کہا کہ محمد بن مسلم بن شہاب الزہری متوفی ۱۵۲ھ نے امام مالک سے سوال کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۳-۴۰۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تعلیق مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

ہوسکتا ہے کہ ابن شہاب نے امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ سے یہ نقل کیا ہو کہ غلام کا ظہار آزاد کے ظہار کی مثل ہے، گویا کہ غلام کو تمام احکام میں آزاد کے احکام کی مثل قرار دیا جائے گا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امام بخاری نے یہ ارادہ کیا ہو کہ غلام کا ظہار اس طرح صحیح ہے جس طرح آزاد کا ظہار صحیح ہوتا ہے، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ غلام تمام احکام میں آزاد کی مثل ہو، لیکن ابن بطال نے یہ نقل کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ جب غلام ظہار کرے تو اس کا وہ ظہار لازم ہے اور اس کا کفارہ دو ماہ کے روزے ہیں، جیسا کہ آزاد کا کفارہ دو ماہ کے روزے ہیں، ہاں کھانا کھلانے میں اور غلام آزاد کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، فقہاء احناف اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ غلام کے کفارۂ ظہار میں صرف روزے کفایت کریں گے اور ابن القاسم مالکی نے کہا ہے کہ اگر غلام نے اپنے مالک کی اجازت سے ساٹھ (۶۰) مسکینوں کو کھانا کھلایا تو وہ اس کو کفایت کرے گا اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے جو اجماع کا دعویٰ کیا ہے وہ مردود ہے کیونکہ الشیخ موفق الدین بن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ نے المغنی میں بعض فقہاء سے یہ نقل کیا ہے کہ غلام کا ظہار صحیح نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ، یعنی ظہار کرنے والا کفارہ ظہار میں غلام آزاد کرے اور غلام غلاموں کا مالک نہیں ہوتا، پھر اس پر یہ اعتراض ہے کہ غلام کو آزاد کرنے کا حکم اس کے لیے ہے جس کو غلام میسر ہو، پس گویا کہ وہ تنگ دست کی مثل ہے، سو اس کا فرض روزے رکھنا ہے اور امام عبدالرزاق نے از معمر از قتادہ از ابراہیم روایت کی ہے کہ اگر غلام نے ایک ماہ کے روزے رکھ لیے تو وہ کافی ہوں گے اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ نے کہا ہے کہ وہ دو ماہ کے روزے رکھے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۷، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری کی دوسری تعلیق

اور الحسن بن الحر نے کہا کہ آزاد مرد اور آزاد غلام کا ظہار اور آزاد عورت اور غلام عورت کا ظہار برابر ہے۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی حنفی

حسن بن الحر النخعی الکوفی الدمشقی المتوفی ۱۳۳ھ، امام بخاری نے اپنی صحیح میں ان کا ذکر صرف اس جگہ کیا ہے۔

امام محمد بن یوسف الکرمانی الشافعی المتوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے کہ یہ لفظ الحسن بن حی الہمدانی ہے جو فقیہ ہیں، ان کی وفات ۱۶۹ھ میں ہوئی ہے اور ان کی نسبت ان کے دادا کی طرف ہے جس کا نام الحسن بن صالح بن حی ہے، یہ فقیہ، ثقہ اور عابد ہیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اکثرین کی روایت یہ ہے کہ ان کا نام الحسن بن الحر ہے اور ابوذر نے المستملی سے روایت کی ہے کہ ان کا نام الحسن بن الحی ہے اور ان کا نام الحسن بھی ذکر کیا جاتا ہے اور امام احمد بن محمد الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے

اپنی کتاب اختلاف العلماء میں ان کا نام الحسن بن الحی ذکر کیا ہے اور ابراہیم النخعی سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تعلیق مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

ابن الاعرابی نے اپنی معجم میں از ہمام روایت کی ہے کہ قتادہ سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد نے اپنی باندی سے ظہار کیا تو انہوں نے کہا: حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ، عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور سلیمان بن یسار نے کہا کہ باندی سے ظہار آزاد عورت کے ظہار کی مثل ہے اور یہی سات (۷) فقہاء کا قول ہے اور یہی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور ربیعہ اور ثوری اور اللیث کا قول ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ حلال فرج ہے، پس یہ تحریم سے حرام ہو جائے گی اور امام سعید بن منصور الخراسانی المتوفی ۲۲۷ھ نے سند صحیح کے ساتھ حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ سے روایت کی ہے کہ اگر مرد نے اس باندی سے وطی کی ہے تو یہ ظہار ہے اور اگر اس نے وطی نہیں کی تو پھر ظہار نہیں ہے اور یہی امام اوزاعی کا قول ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

باب مذکور کی تیسری تعلیق

اور عکرمہ نے کہا: اگر کسی مرد نے اپنی باندی سے ظہار کیا تو یہ کچھ بھی نہیں ہے یعنی لغو ہے، ظہار تو صرف بیویوں سے ہوتا ہے۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی حنفی

اس تعلیق میں عکرمہ متوفی ۱۰۵ھ کا ذکر ہے اور یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ کے آزاد کردہ غلام ہیں، اس تعلیق میں مذکور ہے کہ ظہار صرف بیویوں سے ہوتا ہے۔

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی الشافعی المتوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے:

یعنی ظہار ان بیویوں سے ہوتا ہے جو آزاد ہوں۔

علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں کہ لفظ "النسآء" (یعنی بیویاں) آزاد اور باندیاں دونوں کو شامل ہے، اسی لئے علامہ کرمانی نے یہ تفسیر کی ہے کہ وہ بیویاں جو آزاد ہوں۔

اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا بھی یہی مذہب ہے، مگر امام احمد متوفی ۲۴۱ھ نے کہا: اگر اس نے اپنی مملوکہ باندی سے ظہار کیا تو اس میں کفارہ ہے اور عکرمہ البربری المتوفی ۱۰۵ھ کا قول اس کے خلاف ہے۔

امام عبد الرزاق نے از ابن جریج از الحکم بن ابان از عکرمہ البربری متوفی ۱۰۵ھ مولیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ وہ باندی سے ظہار کرنے میں آزاد عورت کے کفارے کی مثل ادا کرے گا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عکرمہ کے اس قول میں باندی سے مراد وہ ہے جو اس کی بیوی ہو پھر ان دونوں قولوں میں اختلاف نہیں رہے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تعلیق مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

امام سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ نے داؤد بن ابی ہند سے روایت کی ہے کہ میں نے مجاہد متوفی ۱۰۴ھ سے باندی کے ظہار کے متعلق سوال کیا تو گویا کہ انہوں نے اس کو لغو قرار دیا، میں نے کہا: کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: مِنۡ نِّسَآىِٕهِمۡ (المجادلہ: ۲) یعنی جو اپنی عورتوں سے ظہار کریں، تو کیا باندی عورتوں میں سے نہیں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاسۡتَشۡهِدُوۡا شَهِيۡدَيۡنِ مِنۡ رِّجَالِكُمۡ (البقرہ: ۲۸۲) اور تم اپنے مردوں میں سے دو کو گواہ بنالو۔

انہوں نے کہا: کیا غلام مردوں میں سے نہیں ہیں؟ تو کیا غلام کی شہادت جائز ہے اور عکرمہ البربری التوفی ۱۰۵ھ سے اس قول کے خلاف مروی ہے، امام عبد الرزاق التوفی ۲۱۱ھ نے عکرمہ البربری التوفی ۱۰۵ سے روایت کی ہے کہ مرد باندی کے ظہار سے بھی آزاد عورت کے کفارے کی مثل ادا کرے گا، اور عکرمہ البربری التوفی ۱۰۵ھ کے پہلے قول کے مطابق فقہاء احناف، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ، اور جمہور کا مذہب ہے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے: مِنۡ نِّسَآىِٕهِمۡ (یعنی اپنی بیویوں سے ظہار کریں) اور باندی بیویوں میں سے نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

باب مذکور کی چوتھی تعلیق

اور عربی عورت کے متعلق انہوں نے المجادلہ: ۳ کی تفسیر میں کہا اور ان کے بعض اقوال میں یہ ہے: اور یہ زیادہ اولیٰ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بری بات اور جھوٹی بات قرار نہیں دیا۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی حنفی

یعنی کلام عرب میں لفظ عَادَلَهٗ، عَادَفِيۡهِ کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے یعنی اس کو توڑ دیا اور اس کو باطل کر دیا۔

اور محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے ثم یعودون لما قالوا، کی تفسیر میں کہا ہے: وہ اپنے قول سابق کا تدارک کرتے ہیں، اس کی تلافی کرتے ہیں، کیونکہ جو کسی امر کا تدارک کرتا ہے وہ اس کا کفارہ ادا کر کے اس کی اصلاح کرتا ہے۔

امام بخاری نے کہا: ''وفی نقض ما قالوا'' پھر امام بخاری نے کہا: یہ زیادہ اولیٰ ہے یعنی یعودون لما قالوا، کا معنی ہے: انہوں نے جو پہلے کہا تھا اس کو نقض کرتے ہیں اور توڑتے ہیں، اور امام بخاری کی اس سے غرض داؤد ظاہری متوفی ۲۰۷ھ کا رد کرنا ہے، کیونکہ اس نے کہا: عود کا معنی ہے: کلمہ ظہار کو مکرر کہنا۔

(میں کہتا ہوں: علامہ عینی کی یہ شرح صحیح نہیں ہے کیونکہ ابوسلیمان داؤد بن علی ظاہری متوفی ۲۰۷ھ، امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ سے کافی مؤخر ہے، سو امام بخاری داؤد ظاہری کا رد کیسے کر سکتے ہیں؟ سو یہاں پر علامہ عینی کو تسامح ہوا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ)

امام بخاری نے کہا: لان اللّٰه تعالٰی لم یدل علی المنکر وقول الزور: امام بخاری نے اس عبارت سے وجہ اولویت بیان کی ہے کیونکہ اگر اس کا معنی ایسا ہوتا جیسا کہ داؤد ظاہری کا زعم ہے تو اللہ تعالیٰ برے قول اور جھوٹی بات پر دلالت کرتا اور اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند ہے۔

الفراء اور الاخفش نے کہا کہ اس کے معنی میں تقدیر اور تاخیر ہے یعنی جو لوگ اپنی بیویوں سے ظہار کرتے ہیں، پھر وہ اپنے قول

کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو ان پر ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا کہ یہ بہت عمدہ تفصیل ہے۔

علامہ ابن المرابط نے کہا ہے کہ ایک فرقہ نے یہ کہا ہے: ثم یعودون لما قالوا کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ ایک بار ظہار کرنے کے بعد دوسری مرتبہ ظہار کرتے ہیں اور یہی وہ معنی ہے جس کا امام بخاری نے انکار کیا ہے۔

اس کی توجیہ کہ امام بخاری نے مسئلہ ظہار کے متعلق احادیث کی روایت نہیں کی

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام بخاری نے صرف سورۃ المجادلہ: ۱-۴، کے ذکر کرنے پر اختصار کیا ہے اور بعض آثار کے ذکر پر اختصار کیا ہے، حالانکہ اس مسئلہ میں احادیث بھی وارد ہیں اور وہ یہ ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت سلمہ بن صخر الانصاری البیاضی رضی اللہ عنہ اور حضرت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اوس بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس مسئلہ کے متعلق احادیث مروی ہیں اور امام بخاری نے ان کی احادیث میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا، تو میں اس کے جواب میں کہوں گا کہ ان میں سے کوئی حدیث امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہے،، اسی وجہ سے امام بخاری نے ان میں سے کسی حدیث کی روایت نہیں کی، البتہ کتاب التوحید کے اوائل میں انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو تعلیقاً ذکر کیا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کی امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے، اور حضرت سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے اور حضرت اوس بن الصامت رضی اللہ عنہ جو حضرت خولہ کے شوہر تھے، ان کی حدیث کی بھی امام ابوداؤد نے روایت کی ہے اور ہم نے اختصار کی وجہ سے صرف اتنی مقدار کے ذکر پر اقتصار کیا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۴-۴۰۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تعلیق مذکور کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ کیا عود میں فعل شرط ہے حتیٰ کہ جس بیوی سے ظہار کیا ہے اس سے جماع کرنا بغیر کفارہ ادا کرنے کے جائز نہیں ہے، یا عود کے لئے جماع کا عزم کرنا کافی ہے یا یہ عزم کافی ہے کہ وہ بیوی کو اپنے پاس رکھے گا اور اس سے علیحدگی کو ترک کردے گا، پہلا قول اللیث کا ہے اور دوسرا قول فقہاء احناف اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا ہے اور تیسرا قول امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور ان کے متبعین کا ہے۔

وھذا اولیٰ لان اللہ لم یدل علی المنکر وقول الزور: امام بخاری نے اس عبارت سے ان لوگوں کا رد کیا ہے کہ جن کا یہ زعم ہے کہ عود کی شرط یہ ہے کہ وہ لفظ ظہار کا تکرار کرے، پس امام بخاری نے اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے اور وثوق سے کہا ہے کہ یہ قول مرجوح ہے اگرچہ ظاہر آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے اور یہ اہل الظاہر کا قول ہے اور امام ابوالعالیہ اور بکیر بن الاشج یہ فقہاء تابعین میں سے ہیں، ان سے بھی اسی طرح مروی ہے اور الفراء النحوی کا بھی یہی قول ہے۔

حافظ ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی المالکی الاندلسی المتوفی ۵۴۳ھ نے اس کے انکار میں بہت مبالغہ کیا ہے، اور اس کے قائل کو جاہل قرار دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ظہار کو برا قول اور جھوٹ قرار دیا ہے، پس یہ کیسے کہا جائے گا کہ جب اس نے اس حرام قول کا

اعادہ کیا تو اس پر واجب ہے کہ وہ کفارہ ادا کرے، پھر اس کے لئے اس کی بیوی حلال ہوگی؟ انتھیٰ۔ اور امام بخاری نے اسی کی طرف اپنے اس قول سے اشارہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے منکر یعنی برے قول یعنی جھوٹ پر دلالت نہیں کی ہے۔

اور اسماعیل قاضی نے کہا ہے کہ جب ظہار کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ عود کرتے ہیں تو ان پر ایک غلام کو آزاد کرنا ہے، یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس سے مراد اس کی ضد ہے، جو مظاہر سے صادر ہوا ہے کیونکہ اگر میں یہ کہتا کہ جب میرا یہ ارادہ ہو کہ میں اپنی بیوی سے جماع کروں تو میں غلام کو آزاد کروں گا، اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے تو اس کا یہ کلام صحیح ہوتا، اس کے برخلاف اگر وہ یہ کہتا: جب میرا ارادہ جماع کرنے کا نہ ہو تو میں جماع کرنے سے پہلے ایک غلام کو آزاد کروں گا۔

ابو العباس بن سُریج اور محمد بن داؤد الظاہری المتوفی ۳۰۷ھ کے درمیان اس مسئلہ میں بحث ہوئی تو ابن جریج نے اجماع سے داؤد ظاہری المتوفی ۳۰۷ھ کے خلاف استدلال کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۹۷-۴۹۸، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

ظہار کے متعلق اعلیٰ حضرت کا موقوف

امام اہلسنت، مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی متوفی ۱۳۴۰ھ لکھتے ہیں:

باب الظہار (ظہار کا بیان)

مسئلہ (۴۰): از بہیڑی پنجم محرم الحرام ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی عورت پر غصہ ہو کر زوجہ سے یہ لفظ کہے کہ میں تجھ کو طلاق دے دوں گا، میں تجھے بجائے ماں بہن کے سمجھتا ہوں، اگر تجھ سے کلام کروں تو اپنی بہن سے کلام کروں، اس صورت میں عورت اس کے نکاح سے خارج ہوگئی یا نہیں؟ تو اس کی نسبت کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: پہلا لفظ کہ ''میں تجھے طلاق دے دوں گا'' محض نامعتبر ہے کہ صرف وعدہ ہی وعدہ ہے، اس سے کچھ نہیں ہوتا، یونہی پچھلا لفظ کہ ''میں تجھ سے کلام کروں تو اپنی ماں بہن سے کلام کروں'' کوئی چیز نہیں، اگرچہ کلام کرنے سے ہمبستری ہی کرنا مراد لیا ہو:

فی الھندیۃ لو قال ان وطئتك وطئت امی فلا شئی علیہ کذا فی غایۃ السروجی۔

ہندیہ میں ہے کہ اگر خاوند نے کہا: اگر میں تجھ سے وطی کروں تو اپنی ماں سے وطی کروں، تو خاوند پر کچھ لازم نہیں، غایۃ السروجی میں یونہی مذکور ہے۔

(فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص ۵۰۷، نورانی کتب خانہ پشاور)

رہا بیچ کا لفظ، اس کی نسبت سائل مظہر کہ میری مراد اس کہنے سے یہ تھی کہ تجھے مثل اپنی ماں بہن کے اپنے اوپر حرام سمجھتا ہوں، طلاق دینا میری نیت میں نہ تھا، اگر یہ بیان واقعی ہے تو صورت ظہار کی ہے۔

عالمگیری میں ہے:

فی العلمگیریہ لو قال لھا انت علی مثل امی ان نوی التحریم اختلف الروایات فیہ والصحیح انہ یکون ظھارا عند الکل کذا فی فتاویٰ قاضی خاں۔

(فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص ۵۰۷، ملخصاً)

اگر خاوند نے کہا: ''تو مجھ پر میری ماں کی طرح ہے'' اگر اس سے حرام کرنے کی نیت کی ہو تو اس میں روایات کا اختلاف ہے، اور صحیح روایت یہ ہے کہ یہ ظہار ہوگا سب کے نزدیک، جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے۔

وفی رد المحتار عن البحر منی وعندی ومعی کعلی (ردالمحتار ج ۲ ص ۵۷۵، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

اور ردالمحتار میں بحر سے منقول ہے: کہ ''اگر تو مجھ پر'' کی بجائے ''مجھ سے، میرے ہاں، میرے ساتھ'' کے الفاظ کہے تو وہ بھی ''مجھ پر'' کے حکم میں ہوں گے۔

اقول وانت تعلم ان سمجھتا ھوں بلساننا یودی مودی عندی بلسان العرب۔

میں کہتا ہوں: ہماری زبان میں ''میں سمجھتا ہوں'' کا لفظ عربی زبان میں ''عندی'' کے قائم مقام ہے۔

پس صورتِ مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ عورت نکاح سے نہ نکلی مگر اسے اس کے ساتھ صحبت کرنا یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا شہوت سے اس کے بدن کو ہاتھ لگانا یا اسی طور پر اس کی شرمگاہ دیکھنا یہ سب باتیں حرام ہو گئیں اور ہمیشہ حرام رہیں گی، جب تک کفارہ ادا نہ کر لے۔

فی تنویر الابصار والدر المختار ورد المحتار یصیر به مظاهرا فیحرم وطؤها علیه ودواعیه من القبلة واللمس والنظر الی فرجها بشهوة اما اللمس بغیر شهوة فخارج بالاجماع نهر، وکذا یحرم علیها تمکینه ولا یحرم النظر الی ظهرها وبطنها ولا الی الشعر والصدر بحر ای ولو بشهوة بخلاف النظر الی الفرج بشهوة، وعن محمد لو قدم من سفر له تقبیلها للشفقة، حتی یکفر غایة لقوله فیحرم۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۵۷۵-۵۷۶ ملخصا داراحیاء التراث العربی بیروت)

تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں ہے کہ ان الفاظ سے وہ شخص ظہار کرنے والا قرار پائے گا، لہٰذا بیوی سے وطی اور وطی کے دواعی اس پر حرام ہو جائیں گے، وطی کے دواعی بوس و کنار اور شہوت سے بیوی کی شرمگاہ پر نظر ڈالنا وغیرہ ہیں، لیکن بغیر شہوت چھونا اس حکم سے بالاجماع خارج ہے، نہر، اور یونہی بیوی پر خاوند کو جماع کا موقع دینا حرام ہے، اور بیوی کی پُشت، پیٹ، چھاتی اور بالوں کو دیکھنا حرام ہے، بحر یعنی اگرچہ شہوت سے ہو، اس کے برخلاف بیوی کی شرمگاہ کو شہوت سے دیکھنا حرام ہے، اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ اگر سفر سے آئے اور بیوی کو شفقت سے بوسہ دے لے تو جائز ہے حتیٰ یکفر (کفارہ دینے تک) یہ ماتن کے قول فیحرم (پس حرام ہے) کی غایت ہے۔

اور کفارہ اس کا یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کرے اور اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دو مہینے کے روزے لگاتار رکھے۔ ان دنوں کے بیچ میں نہ کوئی روزہ چھوٹے نہ دن کو یا رات کو کسی وقت عورت سے صحبت کرے، ورنہ پھر سرے سے روزے رکھنے پڑیں گے، اور جو ایسا بیمار یا اتنا بوڑھا ہے کہ روزوں کی طاقت نہیں رکھتا وہ ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا ساٹھ مسکینوں کو گیہوں دے فی مسکین بریلی کی تول سے پونے دو سیر آٹھ آنے بھر زائد یا اس قدر کی قیمت ادا کرے، جب تک اس کفارہ سے فارغ نہ ہو ہرگز عورت کو ہاتھ نہ لگائے۔

درمختار میں ہے:

هی تحریر رقبة فان لم یجد ما یعتق، صام شهرین ولو ثمانیة وخمسین یوما بالهلال والا فستین یوما

کفارہ غلام کو آزاد کرنا ہے، اگر یہ نہ ہو سکے تو جماع سے قبل دو ماہ کے روزے رکھے، اگرچہ چاند کے حساب سے یہ کل روزے

متتابعين قبل المسيس، فان افطر بعذر اوبغيره او وطئها في الشهرين مطلقا ليلا اونهارا عامدااوناسيا استانف الصوم، لا الطعام فان عجز عن الصوم لمرض لا يرجى برؤه او كبر اطعم ستين مسكينا ولو حكما كالفطرة او قيمة ذلك، وان غداهم وعشاهم واشبعهم جازا كما لو اطعم واحدا ستين يوما لتجدد الحاجة۔ والله تعالىٰ اعلم۔ (درمختار ج ا ص ۲۵۰-۲۵۱، مطبع مجتبائی دہلی)

اٹھاون بنیں، ورنہ دنوں کے حساب سے ساٹھ روزے مسلسل پورے کرے، پھر اگر درمیان میں کوئی روزہ چھوڑ دیا عذر کی بناء پر خواہ بغیر عذر کے، یا ان دو ماہ میں بیوی سے جماع کر لیا، دن یا رات میں، قصداً یا بھول کر، جیسے بھی ہو تو پھر نئے حساب سے ساٹھ روزے رکھے، اگر طعام کی صورت میں کفارہ ادا کرے اور کھانا کھلانے کے دوران بیوی سے جماع کر لیا تو نئے سرے سے کھانا کھلانا لازم نہیں آئے گا، پھر اگر کسی ایسے مرض کی وجہ جس سے براءت کی امید نہیں، روزہ نہ رکھ سکے، یا بڑھاپے کی وجہ سے روزے پر قدرت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، اگر چہ کھلانا حکمی ہو یعنی غلہ بمقدار فطرانہ دے دے یا اس کی قیمت دے دے، اور اگر صبح وشام دو وقت کھانے سے مسکینوں کو سیر کر دیا تو یہ جائز ہو جائے گا، جس طرح ایک ہی مسکین کو ساٹھ روز صبح وشام سیر کر کے کھلا دیا تو بھی جائز ہے، کیونکہ ایک مسکین کو بھی روزانہ نئی حاجت ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۱): از متھرا محلہ کیشو پورہ، مرسلہ سید مدد علی صاحب رئیس، ۱۹ شعبان ۱۳۰۷ھ

چه فرمایند علمائے دین ومفتیانِ شرع متیں دریں مسئله که زید از هنده الفتے گیرد ودر خلوت اظهار محبت گرداند هنده بگوید که تومرا چرا دوست پنداری که حمرا زوجهٔ خود بداری زید در جواب او مکرر وسه کرر از هنده وپیش همچشمان خود بگوید که من در محبت تو حمرا زوجهٔ خود را بجائے مادر وهمشیره خود میدانم وترا دوست می انگارم وزید دیگر بارهم عند الاستفسار درمجمع بیان کند که وقتے که هنده از من پرسیده بودمن واقعی نسبت حمرا زوجهٔ خود طلاق مادر وهمشیره کرده ام دریں صورت حمرا در نکاح زید مانده

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین کہ زید ہندہ سے محبت کرتا ہے اور خلوت میں اس سے اظہار محبت کرتے ہوئے، ہندہ کے اس سوال کے جواب میں کہ تو مجھ سے محبت کیوں کرتا ہے، جب کہ حمرا تیری بیوی موجود ہے، دوبار بلکہ تین بار ہندہ اور دوسرے حاضرین کے سامنے زید نے کہا کہ میں تیری محبت میں اپنی بیوی حمراء کو اپنی ماں بہن کی جگہ سمجھتا ہوں اور تجھے پسند کرتا ہوں اور پھر زید ایک بار مجلس میں پوچھنے پر بیان کرتا ہے کہ جب ہندہ نے مجھ سے پوچھا تھا تو واقعی میں نے حمرا کی بابت یہ بات کہی تھی کہ وہ میری ماں بہن ہے، تو کیا اس صورت میں حمرا زید کے نکاح میں باقی رہی یا نہ؟ اس مسئلہ میں شرعی حکم کیا ہے؟

براہ نوازش تحقیق وتدقیق کے ساتھ فتویٰ ارشاد فرمائیں۔ بینوا وتوجروا

است یا نه، وحکمِ شرع دریں مسئله چیست
براه نوازش مربیانه فتویٰ به تدقیق وتحقیق
ارشادشود۔بینوتوجروا

الجواب:

در صورت مستفسره زید باطلاق همچو
کلمات فساق آثم وبزه کارست، قال الله تعالیٰ
"مَا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔیْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَیَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَ زُوْرًا ؕ" (المجادلہ:۲)
همخوابه امادراں ایشاں نیند، هم مادراں شاں
هم آناں اند که ایناں را زائیده وبدرستی همچناں
ست که ایشاں هرزه می لافند ودروغ مے بافند،
باز اگر زید بایں کلمه ارادۂ طلاق حمرا داشت
ودل براخراجش از قید نکاح گماشت حمرا
بیک طلاق بائن مطلقه شد اگرچه نوبت تکلم
بایں کلمه بسه رسیده باشد طلاق مغلظ نشود
لان البائن لا یلحق البائن کما صرحوا به فی عامة
الکتب، پس برضائے حمرابے حاجت تحلیل
حمراء را بسلک نکاح خود میتواں کشید،
واگر بقصد ظهار گفت مظاهر گشت که حمرا
همچناں درنکاح است اما جماع حمرا وبوسه
شهوت ودست بخواهش به تنش سودن ونگاه مه
ها بروحرام شد وتن باینها دادن برحمرا حرام،
تاآنکه زید کفارۂ ظهار ادا نماید واو بنده آزاد
کردن ست که رغبت بفرجش نمودن هفائت
جنسے از اجناس منفعت نیست همچو سمع بصر
وعقل وغیرها پس نابینا وناشنوا ومجنون
وبیهوش وهردودست یاهردوپایا یک دست

مسئولہ صورت میں زید اپنے ان کلمات کی وجہ سے فاسق، گنہگار
اور جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ (بیویاں) مائیں نہیں ہیں،
مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنم دیا ہے، اور بے شک یہ بری
بات اور جھوٹی بات کہتے ہیں، پھر اگر زید نے ان کلمات سے بیوی
کو طلاق دینے کا ارادہ کیا اور دل میں بیوی حمرا کو نکاح سے خارج
کردینے کا ارادہ کر رکھا تھا تو حمرا کو ایک بائنہ طلاق ہوگئی، اگرچہ
کلمات تین بار کہے ہوں ایک ہی طلاق ہوگی، تین طلاقوں سے
مغلظہ نہ ہوں گی، کیونکہ بائنہ کے بعد بائنہ طلاق نہیں ہوتی،
جیسا کہ عام کتب میں اس کی تصریح ہے، لہٰذا زید دوبارہ حمرا سے
بغیر حلالہ حمرا کی رضامندی سے نکاح کرسکتا ہے، اور اگر زید نے
یہ کلمات ظہار کی نیت سے کہے ہوں تو ظہار ہوگا، لہٰذا اس صورت
میں حمرا سے جماع یا بوس وکنار، شہوت کے ساتھ چھونا، شہوت کے
ساتھ اس کی شرمگاہ کو دیکھنا، یہ تمام چیزیں زید پر حرام ہیں، اور
بیوی پر خاوند کو جماع کا موقع دینا حرام ہے، تاوقتیکہ زید کفارۂ
ظہار ادا نہ کردے، اور کفارہ ظہار یہ ہے کہ غلام ایسا آزاد کرے جو
کسی عیب سے متصف نہ ہو جس کی وجہ سے اس کی کوئی جسمانی
منفعت ختم ہوگئی ہو۔ مثلاً سمع، بصر عقل وغیرہ منفعت ختم نہ ہو، لہٰذا
نابینا، بہرا، مجنون، بے ہوش، دونوں ہاتھ یا دونوں پاؤں یا ایک
ہی جانب کا ایک ہاتھ اور پاؤں کٹا ہوا، اور اس قسم کے دیگر عیب
والا غلام کفارہ کی ادائیگی میں کارآمد نہ ہوگا، اور اگر غلام نہ ملے تو
پھر پے در پے مسلسل بغیر ناغہ دو ماہ کے روزے اپنی بیوی کے
ساتھ جماع سے قبل رکھے گا، اگر اس دو ماہ کے روزوں میں بیوی
سے دن یا رات کو بھول کر یا قصداً جماع کرلیا تو نئے سرے سے

وپا از یک جانب بریده وامثال اینها در کفاره
بکار نیایند، واگر بنده نیابد دوماه پیے در پیے
فصل روزے پیش از جماع آں زوجه روزه دارد
اگر در مدت صیام بآں زن نزدیکے نمود اگرچه
شبانه اگرچه بسهو تا روزها از سر گیرد واگر
نهایت پیرانه سالی یا مرضے قوی بے امید بهی
طاقت روزهائے پیهم برده است شصت
مسکین را طعامے همچو صدقۂ فطر رساند یعنی
بهر مسکین صاعے از جو یا نیم صاع گندم یا
قیمت اینها تملیک کند یا شصت مسکین را
که خوراک معتاد انسان جوان خوردن توانند
شام وپگاه شکم سیر خوراند چوں ایں چنیں
کند حمرا برو حلال شود واگر مراو زید بایں
کلمات مجرد حرمت حمرا برخود بود بے
قصد طلاق وظهار یعنی اورا در محبت تو
برخود چناں حرام میدانم تاهم ظهار خواهد شد
وهماں احکام کفاره در کار، واگر هیچ نیت نه
داشت همیں سخنے بود که بے قصد معنی
برزبان راند آنگاه هیچ لازم نیاید حمرا بدستور
در نکاح وجماع ودواعی جملگی مباح
همچناں اگر کلام مذکور بایں قصد گفت که
زن خود دربر وکرامت بجائے مدر وخواهر
خویش میدانم تاهم چیزے لازم نیست:
در تنویر الابصار و در مختار وردالمحتار
فرموده اند ان نوی بانت علی مثل امی او کامی
وکذا لو حذف علی "خانیة" برا او ظهارا او
طلاقا صحت نیته ووقع ما نواه لانه کنایة قال فی

پھر دو ماہ کے روزے مسلسل رکھنے پڑیں گے، اور اگر نہایت
بڑھاپے یا کسی قوی مرض جس کے ختم ہونے کی امید نہ ہو اور روزہ
رکھنے کی طاقت بحال ہونے کی امید بھی نہ ہو تو پھر ایسا شخص ساٹھ
(۶۰) مسکینوں کو صدقہ فطر کی مقدار کھانا دے یعنی ہر مسکین کو ایک
صاع جَو یا نصف صاع گندم یا ان کی قیمت کا مالک بنائے، یا
ساٹھ مسکینوں کو صبح وشام پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، جب یہ کام
کرلے تو اس کی بیوی حمرا اس کے لئے حلال ہوجائے گی اور اگر
زید نے ان کلمات سے صرف حمراء کا حرام ہونا مراد لیا ہو، اور طلاق
یا ظہار کی نیت نہ کی ہو یعنی یوں کہا: تیری محبت میں اس کو میں اپنے
اوپر حرام جانتا ہوں تو بھی ظہار ہی ہوگا اور کفارہ لازم ہوگا، اور
اگر اس نے ان کلمات سے طلاق، ظہار یا حرام ہونا کچھ مراد نہ لیا
اور صرف زبان پر یہ کلمات بغیر نیت جاری ہوگئے تو پھر زید کے
ذمہ کچھ نہ ہوگا، اور حمراء بدستور اس کی بیوی ہوگی، اس سے جماع
اور دواعی جماع سب مباح ہوں گے، اور اگر زید نے ان کلمات
سے یہ نیت کی ہو کہ حمراء میرے لئے ماں اور بہن کی طرح
کرامت والی ہے تو بھی کچھ لازم نہ آئے گا۔

تنویر الابصار، درمختار اور ردالمحتار میں فرمایا ہے اگر بیوی کو یوں کہا
کہ تو مجھ پر میری ماں کی مثل یا میری ماں کی طرح ہے اور یوں ہی
اگر "علی" (مجھ پر) کا لفظ حذف کردے، خانیہ۔ ان الفاظ سے
اگر تعظیم زوجہ یا طلاق یا ظہار کی نیت کی تو اس کی نیت صحیح ہوگی اور

البحر واذا نوی به الطلاق کان بائنا، وقال خیر الرملی وکذا لو نوی الحرمة المجردة ینبغی ان یکون ظهارا وینبغی ان لا یصدق قضاء فی ارادة البر، اذا کان فی حال المشاجرة وذکر الطلاق، والا ینو شیئا لغا وتعین الادنی ای البر یعنی الکرامة انتهت ملخصات۔

(درمختار ج ۱ ص ۲۴۹، مطبع مجتبائی دہلی، رد المحتار ج ۲ ص ۵۷۷-۵۷۶)

نیت کے مطابق حکم ہوگا کیونکہ یہ کنایہ ہے، بحر میں فرمایا: خاوند نے جب طلاق کی نیت کی تو طلاق بائنہ ہوگی۔ اور خیر الدین رملی نے فرمایا: یوں ہی اگر صرف حرام ہونے کی نیت کی تو ظہار ہوگا اور جھگڑے و مذاکرہ طلاق میں اگر یہ بات کہی ہو اور خاوند کہے کہ میں نے اس سے ماں کی طرح عزت و کرامت والی مراد لی ہے، تو قاضی کو چاہیے کہ وہ اس کی تصدیق نہ کرے اور اگر یہ بات کرتے وقت کوئی نیت نہ تھی تو کلام لغو ہوگا اور ادنیٰ احتمال یعنی کرامت والا متعین ہوگا۔ عبارات کی تلخیص ختم ہوئی۔

وفیهما یصیر به مظاهرا فیحرم وطؤها علیه ودواعیه (من القبلة والمس والنظر الی فرجها بشهوة اما المس بغیر شهوة فخارج بالاجماع نهر) وکذا یحرم علیها تمکینه ولا یحرم النظر (ای الی ظهرها وبطنها ولا الی الشعر والصدر بحر ای ولو بشهوة بخلاف النظر الی الفرج بشهوة) وعن محمد لو قدم من سفر له تقبیلها للشفقة (افاد ان التقبیل لا یحرم الا اذا کان عن شهوة) حتی یکفر، انتهت تلخیصا

(در مختار ج ۱ ص ۲۴۹، مطبع مجتبائی دہلی، رد المحتار ج ۲ ص ۵۷۵-۵۷۶، داراحیاء التراث العربی بیروت)

درمختار و ردالمحتار میں ہے: ان الفاظ سے وہ شخص ظہار کرنے والا قرار پائے گا، لہٰذا خاوند پر بیوی سے وطی اور اس کے دواعی یعنی بوس و کنار، شہوت سے شرمگاہ کو دیکھنا وغیرہ حرام ہوں گے، تاہم بغیر شہوت چھونا بالاجماع حرام ہونے سے خارج ہے، نہر۔ یونہی بیوی پر حرام ہے کہ وہ خاوند کو جماع کا موقع دے، اور ظہار میں خاوند کو بیوی کی پیٹھ، پیٹ، بال اور چھاتی کو دیکھنا حرام نہیں ہے، بحر۔ یعنی دیکھنا اگرچہ شہوت سے ہو، اس کے برخلاف شرمگاہ کو شہوت سے دیکھنا حرام ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ سے منقول ہے کہ اگر خاوند سفر سے واپس آئے اور از راہِ شفقت بیوی کو بوسہ دے دے تو جائز ہے (اس سے معلوم ہوا کہ بوسہ لینا صرف شہوت سے حرام ہے) یہ حرمت کفارہ کی ادائیگی تک ہوگی، تلخیصاً

وفیهما الکفارة تحریر رقبة ولو صغیرا رضیعا او اصم ان صیح به یسمع، والا لا، لا فائت جنس المنفعة (ای البصر والسمع والنطق والبطش والسعی والعقل قهستانی۔

درمختار و ردالمحتار میں ہے کہ کفارہ یہ ہے کہ غلام آزاد کرے اگرچہ غلام دودھ پینے والا بچہ یا ایسا بہرا جو بلند آواز کو سن سکے اور جو کوئی آواز نہ سن سکے تو وہ جائز نہیں اور بدنی منفعت مثلاً دیکھنا، سننا، بولنا، پکڑنا اور چلنا اور عقل سے کلیۃً محروم جائز نہیں، قہستانی

والمراد فوت منفعة بتمامها کالاعمی ومجنون الذی لا یعقل والمقطوع یداه اور رجلاه اویدورجل من جانب فان لم هجد ما یعتق صام

اور بدنی منفعت فوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ کلیۃً فوت ہو، جیسے نابینا، مجنون بے عقل، دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں یا ایک ہی جانب سے ایک ہاتھ اور پاؤں کٹا ہو، اور اگر غلام نہ پائے تو دو ماہ

شهرين متتابعين قبل المسيس فان وطئها ای المظاهر منها فيهما ای الشهرين ليلا اونهارا عامدا او ناسيا استانف الصوم فان عجز لمرض لا يرجى بروه اوكبر اطعم ای ملک ستين مسكينا كالفطرة قدرا ومصرفا اوقيمه ذالک وان ارادالاباحة غداهم وعشاهم جاز (ولو كان فيمن اطعمهم صبی فطيم لم يجزه لانه لا يستوفی كاملا، المراد بالفطيم من ليستوفی فی الطعام المعتاد۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۵۷۹، ودرمختار ج ۱ ص ۲۵۰)

کے روزے پے در پے جماع سے قبل رکھے، اور اگر ظہار والے نے ان دو ماہ کے دوران دن یا رات کو، بھول کر یا قصداً جماع کرلیا تو پھر نئے سرے سے دوبارہ دو ماہ کے روزے رکھے، پھر اگر وہ مظاہر کسی ختم نہ ہونے والی مرض یا نہایت بڑھاپے کی وجہ سے روزہ رکھنے پر قادر نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا ملک کرے اور یہ کھانا صدقۂ فطر کی مقدار ہے اور مصرف بھی صدقۂ فطر والا ہوگا یا اتنی مقدار غلہ کی قیمت دے دے اور اگر کفارہ کی مقدار کو مسکینوں کی ملکیت کی بجائے دو وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھلا دے تو جائز ہے (اگر مسکینوں میں کوئی شیر خواری سے فارغ بچہ ہو تو اس کو شمار نہ کرے کیونکہ وہ پوری خوراک نہیں کھا سکتا، اور شیر خواری سے فارغ بچے سے مراد یہ ہے کہ وہ پوری عادی خوراک نہ کھا سکے۔

ایں ست تفصیل صور ایں قول منکر زید بارادۂ که داشت نیکو داناست وخدائے اوداناتر ازو، از خدائے ترسد وبهر ارادۂ که ایں سخن گفته باشد حکمش ازیں تفصیل بر آرد بر اں کاربند واینها حکم دیانت بود فاما قضاء در مسئله دائره صورت آخره را گنجائش نیست طرز کلام وسیاق وسباق وحال آں وقت همه گواه عدل ست که زید آں هنگام از اراده بر وکرامت حمرا بمراحل دور بود وضابطۂ کلیه شرع ست که از محتملات سخن هرچه خلاف ظاهر باشد زنهار قضاء پذیر انیفتد خاصة که دراں تخفیفے باشد مرمدعی را ودر نظر تحقیق سقوط ایں احتمال موجب سقوط احتمال چهارم نیز ست زیرا که هم از ضوابط شرع ست که تاتوانند

یہ زید کے ناپسندیدہ قول کی تفصیل ہے اور وہ اپنی نیت کے متعلق بہتر جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ زیادہ بہتر جانتا ہے، اس لئے نیت کے بیان میں وہ اللہ تعالیٰ کا خوف کرے، اس نے جو بات کی ہے اور جس ارادہ سے کی، اس تفصیلی حکم کے مطابق اس پر عمل کرے، یہ تمام بحث دیانۃً حکم کی تفصیل ہے، لیکن قضاء اس کی بات میں آخری احتمال یعنی ماں جیسی عزت وکرامت والی، مراد لینا جائز نہ ہوگا، اس کی گنجائش اندازِ کلام اور اس کے سیاق وسباق اور حال کی وجہ سے نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ تمام امور اس بات کی شہادت ہیں کہ یہاں وہ حمراء بیوی کو ماں جیسی عزت وکرامت دینے کے درپے نہیں ہے بلکہ یہ احتمال بعید تر ہے، اور شریعت کا ضابطہ کلیہ ہے کہ کلام میں وہ احتمال ساقط قرار پائے گا جو ظاہر کے خلاف ہوگا، خصوصاً جب کہ وہ احتمال قائل کے لئے تخفیف کا باعث بھی ہو اور تحقیقی نظر میں اس احتمال کا یہاں ساقط قرار پانا احتمال چہارم یعنی نیت نہ ہونے پر لغو ہونا، کو بھی ساقط کردے گا، کیونکہ یہ بھی شرعی

کلام عاقل بالغ را مهمل نگزارند لما فيه من الحاقة بالبهائم وقد عقد لذلک فی الاشباه والنظائر قاعدة مستقلة آخر ندیدی که در درمختار بحالت عدم نیت چون کلام را لغو بمعنی غیر مثمر هکم کردند همچناں مهمل وبیمعنی نه گزاشتند بلکه بر ادنیٰ محتملات یعنی معنی بر و کرامت فرود آوردند حیث قال والا ینوی شیئا لغا ویتعین الادنی ای البرایں جا چوں معنی بر را بار نیست چنانکه شنیدی لاجرم بر ادنی البواقی که ظهار وتحریم ست تنزیل کرده آید،

(در مختار ج ا ص ۲۴۹، مطبع مجتبائی دهلی) وخود چه گونه گوارائے عقل سلیم باشد که زید بکرات ومرات درجواب هنده وبخطاب مرد ماں ایں کلام گوید وهیچ گاه اراده هیچ معنی بدل ندارد بلکه همچناں بے قصد معنی در رنگ هذیان برزبان آرد هیچ احتمالے بعید تر ازین احتمال نمی شناسی باز هنگام استفسار سپید وآشکار اقرار مے کند که واقعی همخوابۂ خود رابرابر مادر وخواهر نهاده ام ونه می گوید که بفضولے سخنے بیمعنے بے نیت وقصدے برداده ام، لاجرم قضاء ازاں پنج صور همیں سه صورت پیشین را مساغ ست پس اگر زید اعتراف به نیت یکے ازانها کند حکمش پیدا ست ورنه انکارش قضاء نامسموع وحمل بریکے ازانها لازم فاما طلاق

ضابطہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو عاقل بالغ کے کلام کو مہمل ہونے سے بچایا جائے، کیونکہ اس کی بات کو مہمل قرار دینا گویا اس کو حیوان قرار دینا ہے، الاشباہ والنظائر میں اس کے لئے مستقل قاعدہ بیان کیا گیا ہے کیا آپ نے درمختار کو نہیں دیکھا کہ اس کلام میں کوئی بھی نیت نہ ہونے کو لغو بمعنی غیر ثمر آور قرار دیتے ہوئے یونہی مہمل اور بے معنیٰ قرار نہ دیا بلکہ اس کو ادنیٰ احتمال قرار دے کر عزت وکرامت کے معنیٰ پر محمول کیا۔۔اور یوں کہا اگر کوئی نیت نہ کی تو لغو ہو کر ادنیٰ معنیٰ متعین قرار پائے گا، یعنی عزت وکرامت مراد ہوگا، جب یہاں عزت وکرامت والا معنیٰ نہیں بن سکتا جیسا کہ آپ سن چکے ہیں تو باقی پہلے تین احتمالات میں ادنیٰ معنیٰ مراد ہوگا جو کہ ظہار یا تحریم ہے۔

زید چونکہ کئی مرتبہ ہندہ کے جواب میں اور لوگوں سے خطاب میں یہ بات کہہ چکا ہے تو عقل سلیم کیسے یہ گوارا کر لے کہ اس نے یہ بات بغیر نیت اور کوئی معنیٰ مراد لیے بغیر بطور ہذیان زبان سے کہہ دی ہے، تو اس احتمال سے بعید اور کوئی احتمال نہیں ہوسکتا، پھر زید نے استفسار کرنے پر واضح طور پر اقرار کیا ہے کہ واقعی میں نے اپنی بیوی کو ماں اور بہن کے برابر قرار دیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ میں نے فضول اور بے معنیٰ بات کی ہے، تو لازمی طور پر قضاءً پانچ مذکورہ صورتوں میں سے پہلی تین صورتوں کو ہی متعین کیا جائے، لہٰذا اگر زید ان تین میں سے کسی ایک کے ارادہ کرنے کا اعتراف کرے تو وہ حکم اس پر نافذ ہو جائے گا، ورنہ ان سب سے انکار قضاءً قابل قبول نہ ہوگا، بلکہ کسی ایک احتمال پر محمول کرنا ضروری ہوگا، ان میں طلاق کا احتمال تو آخری بات ہے اور بعید ہے جس پر کوئی دلیل نہیں ہے تو ظہار یا تحریم جن دونوں کا حاصل ایک ہی ہے باقی رہ جاتے ہیں، اور قاضی اگر بہتر سمجھے تو عوام کے حال کو ملاحظہ کرتے ہوئے تحریم والا معنیٰ متعین قرار دے گا کیونکہ غور کرنے سے معلوم

که اعلی وابعد ست وهیچ دلیلے بر ان نے از میان رود، وظهار یا مجرد تحریم که حاصل هردو یکیست باقی ماند، واگر نیکو بنگری ملاحظهٔ حال عوام همیں معنی تحریم رامتعین میکند اگر تفتیش همانا بینی که جزیں معنی ایں کلام رادرذهن ایشاں کمتر محملے بوده باشدبالجمله زید اگر اطلاق نیت طلاق کند طلاق بود ورنه بهر حال در چشم قاضی ظهارباشد ودیگر هیچ وزن دریں کار بمشابه قاضی است لاشتراکهما کسائر الخلق فی قصر النظر علی الظهار والله سبحنه یتولی السرائر پس حمرااگر بگوشِ خود شنید یا مرد عادل وثقه اور اخبر رسانید که شوهرش ایں چنیں چانه زده است ناچار خویشتن رازن مظاهر داند وتن بجماع در ندهد وزید را بشهوت بوسه چیدن ودربرکشیدن ودست رسانیدن وشرمگاه دیدن نگزار دفامادرنظر برفرج بے شهوت یابر غیرفرج اگرچه سینه وشکم اگرچه بشهوت باکے نیست کما مر عن رد المحتار پس اگر زید کفاره ندهد وحمرا را از قصد جماع ودواعی جماع معاف نه دارد وحمراهر چوں که تواند خویشتن را از دست او یعنی بعوض مهر خواه ببدل مال دیگر طلاق از دستاند اگر بیند که طلاق هم نمی دهد بپائیے که دارد از خانه گریز وبحاکم رجوع آرد تا اورا بالخبر بحبس وضرب بر یکیے از دوکار دارد فامساك بمعروف اوتسریح باحسان (البقره: ۲۳)

ہو جائے گا، عوام اس لفظ سے تحریم سے کم معنیٰ مراد نہیں لیتے اور کم از کم یہی مراد ہوتا ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ، زید اگر طلاق کا اقرار کرلے تو طلاق ہے ورنہ بہر حال قاضی کی نگاہ میں ظہار ہے اور کوئی بھی خواہ بیوی ہو وہ قاضی کی موافقت کرے گا۔

کیونکہ وہ سب عام لوگوں کی طرح ظہار ہی سمجھیں گے، اور اللہ تعالیٰ ہی باطنی امور کا مالک ہے، پھر اگر حمرا نے اپنے کانوں سے سنا یا کسی عادل اور ثقہ آدمی نے اس کو اطلاع دی کہ اس کے خاوند نے یوں بات کی ہے تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو ظہار کی ہوئی سمجھے اور اپنے آپ کو زید سے جماع اور شہوت کے ساتھ اس کو بنظرِ شہوت دیکھنے سے محفوظ رکھے، لیکن بغیر شہوت شرمگاہ یا کسی عضو کو مثلاً چھاتی، پیٹ اگرچہ شہوت سے چھوئے تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ ردالمحتار کے حوالہ سے بیان سے گزرا ہے، پس اگر زید کفارہ نہ دے اور اس دوران حمرا سے جماع یا دواعی جماع کے متعلق باز نہ آئے تو پھر خود حمرا کو چاہئے کہ اپنے آپ کو اس کے قبضہ سے کسی مال کے عوض خواہ مہر کے بدلے طلاق حاصل کرے اور اگر طلاق نہ دے تو پھر جس طرح ممکن ہو اس کے گھر سے جدا رہے اور حاکم وقت سے شکایت کرے تاکہ وہ جبراً اس کو باز رکھنے کے لئے قید کرے یا سزا دے اور دو کاموں میں سے ایک پر اس کو مجبور کرے کہ رکھنا ہو تو شریعت کے مطابق رکھے ورنہ اس کو آزاد کردے، یعنی کفارے یا طلاق پر مجبور کرے ان دو صورتوں کے بغیر کہ اس کو معلق چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

کفارہ دھد یا طلاق وقد حرم علیہ ربہ ان یذرھا کالمعلقة

در ردالمحتار فرمودالمرأة کالقاضی اذا سمعته اواخبرھا عدل لا یحل لها تمکینه والفتوی علی انه لیس لها قتله ولا تقتل نفسها بل تفدی نفسها بمال اوتهرب، وفی البزازیة عن الاوزجندی انها ترفع الامر للقاضی فان حلف ولا بینة لها فالاثم علیه، قلت اذا لم تقدر علی الفداء اوالهرب ولا علی منعه عنها فلاینافی ماقبله۔

(رد المحتار ج ۲ ص ۴۳۲،داراحیاء التراث العربی بیروت)

ردالمحتار میں ہے: جب عورت خود سن لے یا ثقہ عادل شخص اس کو مطلع کردے تو پھر عورت کو حلال نہیں کہ وہ خاوند کو جماع کا موقع دے اور اس معاملہ میں فتویٰ اس پر ہے کہ عورت کو مرد کا قتل کرنا یا خودکشی کرنا جائز نہیں، بلکہ عورت مال کے بدلے اپنے آپ کو آزاد کرائے یا اس کے گھر سے دور ہو جائے، اس معاملہ میں عورت خود فیصلہ کرنے میں قاضی کا حکم رکھتی ہے، اور بزازیہ میں اوزجندی سے منقول ہے کہ بیوی اپنے معاملہ کو قاضی کے ہاں پیش کرے، پھر عورت کے گواہ نہ ہونے کی صورت میں اگر خاوند قسم دے دے تو پھر گناہ خاوند پر ہے، میں کہتا ہوں یہ جب ہے کہ عورت خود کو فدیہ دے کر یا بھاگ کر نہ بچا سکے اور نہ ہی اپنے آپ کو خاوند سے روک سکے، لہٰذا بزازیہ کا بیان پہلے کلام کے منافی نہ ہوگا،

در درمختار است للمرأة ان تطالبه بالوطی لتعلق حقها به، وعلیها ان تمنعه من الاستمتاع حتی یکفر،وعلی القاضی الزامه به بالتکفیر دفعا للضرر عنها بحبس اوضرب الی ان یکفر او یطلق۔

(درمختار ج ۱ ص ۲۴۹،مطبع مجتبائی دھلی)

اختصاراً، درمختار میں ہے: عورت کو وطی کے مطالبہ کا حق ہے کیونکہ عورت کا حق وطی کے ساتھ متعلق ہے اور اس کے ساتھ عورت پر لازم ہے کہ وہ کفارہ کے بغیر خاوند کو جماع سے باز رکھے، اور قاضی پر لازم ہے کہ مرد کو کفارہ دے کر عورت کے حقوق کی ادائیگی پر مجبور کرے تا کہ عورت کا ضرر ختم ہو سکے، وہ یوں کہ قاضی اس کو قید کر کے یا سزا دے کر طلاق یا کفارہ پر مجبور کر سکتا ہے۔

آری اگر زید خبر دھد که من کفارھا ادا کردم وپیشتر ازیں معروف بکذب ودروغ گوئی نبوده باشد آنگاه حمزا را می رسد که سخنش باور کرده بااوبهم آید واز جماع وغیره اباننماید اگر در واقع زید به نیت ظهار آں سخن گفته وهنوز کفاره نه داده بغلط اظهار نموده است تا گناه برگردن اوست حمرا از جرم یکسو ست فی الدر المختار فان قال کفرت

ہاں! اگر زید قسم اٹھاتا ہے کہ میں نے ظہار کا کفارہ دے دیا ہے جبکہ زید قبل ازیں دروغ گوئی اور جھوٹ بولنے میں معروف ومشہور نہیں ہے تو اس صورت میں حمرا کو جائز ہے کہ وہ زید کی بات کو تسلیم کر کے جماع وغیرہ کا موقع دے دے اور انکار نہ کرے، اور اگر فی الواقع زید نے ظہار کی نیت سے وہ کلام کیا تھا اور ابھی تک کفارہ ادا نہ کیا ہو اور غلط بیانی کرتا ہو کہ میں نے کفارہ ادا کر دیا ہے تو پھر گناہ زید پر ہوگا، حمرا اس گناہ سے بری ہوگی، درمختار میں ہے: اگر خاوند کہے کہ میں نے کفارہ دے دیا ہے تو اس کی بات تسلیم کی

صدق مالم یعرف بالکذب

(درمختار ج ا ص ۲۴۹ مطبع مجتبائی)

جائے گی بشرطیکہ وہ اس سے قبل جھوٹ بولنے میں معروف نہ ہو۔

فقیر گویم آں چناں کہ ایں بدترین تدبیرے است مرکسے را کہ در واقع اظہار کردہ وکفارہ ندادہ غلط اخبار، ھمچناں نیکو بدترے ست مرکسے را کہ معروف بکذب نیست وسخن مذکور بے نیت طلاق وظہار وتحریم بر زبانش آمد وبوجہ دلالت حالے چنانکہ ایں جاست، قضاءً دعوی ارادۂ بر مقبول نیفتاد کہ اگر کفارہ ندھد زن بجماع تن نہ دھد واگر راضی شود آثمہ گردد واگر این کس کفارہ دھد مالے بے سبب از دست مے رودیا مشقت روزہ دو ماہ برسر آید زیرا کہ دیانۃً بوجہ عدم موجب کفارہ بر ولازم نبودہ است پس باید کہ بسوئے مولٰی سبحنہ وتعالٰی از شناعت آں قول منکر توبہ آرد ایں توبہ کفارہ اش خواھش شد باز زن را گوید من کفارہ ادا کردم او کفارۂ معلومہ ظہار پندارد ورضا بجماع دادن بر او را روا گردد ایں ست تنقیح حکم بروجہ کافی، واللہ تعالٰی اعلم

میں فقیر کہتا ہوں کہ یہ بہت بری تدبیر ہے کہ فی الواقع کوئی شخص ظہار کر کے کفارہ نہ دے کر غلط خبر دے، اس سے زیادہ برا وہ شخص ہے جو معروف بکذب نہ ہو اور کہے کہ میں نے ظہار، طلاق اور تحریم کی نیت کے بغیر وہ کلام کی ہے دلالت حال کی بناء پر جس طرح کہ اس مسئولہ صورت میں ہے تو قاضی اس کے اس دعویٰ کو قبول نہ کرے گا اور اگر کفارہ نہ دیا ہو تو عورت کو لازم ہے کہ وہ اپنے آپ کو خاوند کے جماع سے دور رکھے، اور اگر وہ اس پر راضی ہوئی تو گنہگار ہوگی، اور اگر فی الواقع وہ شخص سچا ہے تو اس کفارہ میں مال دینا یا دو ماہ کے روزوں کی مشقت برداشت کرنا بے مقصد ہے کیونکہ دیانۃً اس پر کفارہ دینا واجب نہیں ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے اس لغویات پر توبہ کرے اور بخشش طلب کرے یہ توبہ اس کے گناہ کا کفارہ ہے تو اس کے بعد بیوی کو کہے کہ میں نے کفارہ دے دیا ہے اور بیوی اس کو کفارہ ظہار سمجھتے ہوئے جماع پر راضی ہو جائے تو جائز ہوگا، یہ اس مسئلہ کی تنقیح ہے جو کافی ہے، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۲): کیا فرماتے ہیں علمائے دیندار و مشائخ باوقار اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو بحالتِ غصہ ماں بہن کہہ دیا مگر نان نفقہ دیتا رہا، عورت اس کے نکاح میں رہی یا بحکمِ شرع شریف جاتی رہی؟

الجواب: زوجہ کو ماں بہن کہنا (خواہ یوں کہ اسے ماں بہن کہہ کر پکارے)، یا یوں کہے کہ تو میری ماں بہن ہے، سخت گناہ وناجائز ہے۔

قال اللہ تعالٰی مَا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ ؕ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ إِلَّا الّٰٓئِيْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ إِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ (سورۃ المجادلہ: ۲)

جورویں (بیویاں) ان کی مائیں نہیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے انہیں جنا ہے اور وہ بے شک بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں۔

مگر اس سے نہ نکاح میں خلل آئے نہ توبہ کے سوا کچھ اور لازم ہو، درمختار میں ہے:

الا ینو شیئا او حذف الکاف لغا وتعین الادنی ای البر

اگر کوئی نیت نہ کی یا حرفِ تشبیہ (کاف) کو ذکر نہ کیا ہو تو یہ بات لغو

یعنی الکرامۃ ویکرہ قولہ انت امی ویاابنتی ویا اختی ونحوہ۔ (درمختار ج ۱ ص ۲۴۹، مطبع مجتبائی دہلی)

ہے اور احتمالات میں سے ادنیٰ احتمال یعنی عزت وکرامت متعین ہوگا اور یہ کہنا کہ تو میری ماں ہے یا میری بیٹی ہے یا میری بہن ہے یا اس کی مثل الفاظ مکروہ ہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

قولہ حذف الکاف بان قال انت امی ومن بعض الظن جعلہ من باب زید اسد در منتقی عن القہستانی۔

قولہ: کاف تشبیہ کو حذف کرنا مثلاً یوں کہتا ہے: تو میری ماں ہے نہ کہ جیسے بعض نے گمان کیا کہ زیدٌ اسدٌ کی طرح حرفِ تشبیہ کو محذوف مانا جائے، اور تشبیہ بلیغ ہے جیسا کہ در منتقی میں قہستانی سے منقول ہے۔

قلت ویدل علیہ مانذکرہ عن الفتح من انہ لا بد من التصریح بالاداۃ۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۵۷۷، دار احیاء التراث العربی بیروت)

قلت: میں کہتا ہوں کہ حرف تشبیہ کے بغیر ہونے پر دلیل وہ ہے جو ہم عنقریب فتح سے نقل کریں گے کہ ظہار کے لئے حرف تشبیہ کا ذکر ضروری ہے۔

اسی میں ہے:

انت امی بلا تشبیہ فانہ باطل وان نوی

(ردالمحتار ج ۲ ص ۵۷۴، دار احیاء التراث العربی بیروت)

حرف تشبیہ کے بغیر ''تو میری ماں ہے'' کہنا اگرچہ طلاق کی نیت سے کہا ہو باطل ہے۔

ہاں اگر یوں کہا ہو کہ تو مثل یا مانند یا بجائے ماں بہن کے ہے تو اگر بہ نیتِ طلاق کہا تو ایک طلاق بائن ہوگئی اور عورت نکاح سے نکل گئی اور بہ نیتِ ظہار یا تحریم کہا یعنی یہ مراد ہے کہ مثل ماں بہن کے مجھ پر حرام ہے تو ظہار ہوگیا، اب جب تک کفارہ نہ دے لے عورت سے جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا بنظرِ شہوت اس کے کسی بدن کو چھونا یا بنگاہِ شہوت اس کی شرمگاہ دیکھنا سب حرام ہوگیا، اور اس کا کفارہ یہ ہے کہ جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرے، اس کی طاقت نہ ہو تو لگاتار دو مہینہ کے روزے رکھے، اس کی بھی قوت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صدقۂ فطر کی طرح اناج یا کھانا دے: کما امرنا بہ المولیٰ سبحنہ وتعالیٰ فی القرآن العظیم (جیسا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن عظیم میں حکم فرمایا ہے) اور اگر ان میں سے کوئی نیت نہ تھی تو یہ لفظ بھی لغو ومہمل ہوگا جس سے طلاق یا کفارہ وغیرہ کچھ لازم نہ آئے گا، درمختار میں ہے:

ان نوی بانت علی مثل امی وکامی وکذا لو حذف ''علی'' خانیۃ، برا او ظہارا او طلاقا صحت نیتہ ووقع مانواہ لانہ کنایۃ والالغا۔

(درمختار ج ۱ ص ۲۴۹، مطبع مجتبائی دہلی)

اگر (طلاق کی) نیت کرے گا تو بیوی بائنہ ہوجائے گی، جب یوں کہے کہ تو مجھ پر میری ماں کی مثل یا ماں کی طرح ہے، یا حرف علیٰ (مجھ پر) کو حذف کر کے کہے، خانیہ۔ ان الفاظ سے کرامت زوجہ یا ظہار یا طلاق کی نیت کرے تو اس کی نیت صحیح ہوگی، جو بھی نیت کرے وہی حکم ہوگا، کیونکہ یہ کنایہ ہے اور اگر کوئی نیت نہ کی ہو تو یہ بات لغو ہوگی۔

ہندیہ میں خانیہ سے ہے:

ان نوی التحریم اختلفت الروایات فیه والصحیح انه یکون ظهارا عند الکل، واللّٰه سبحٰنه وتعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ ہندیہ، ج ا ص ۵۰۷، نورانی کتب خانہ پشاور)

اگر اس سے صرف تحریم کی نیت کی تو اس میں روایات مختلف ہیں، صحیح یہ ہے کہ سب کے نزدیک ظہار ہوگا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۳): از کلکتہ امام باغ لین نمبر ا ۴، مسجد مرسلہ حافظ عزیز الرحمٰن صاحب ۲۹ جمادی الآخرہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر کوئی شخص طلاق کے معنی ومطالب سے آگاہ نہ ہو اور وہ بالعوض طلاق بائن کے اپنی زوجہ سے یوں کہے کہ تو ماں ہے میری، اور اس کو مطلقہ لوگوں میں مشہور کرے اور اپنے اوپر حرام سمجھے تو آیا اس شخص کی زوجہ مطلقہ ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: عورت کو یوں کہنے سے کہ تو اس شخص کی ماں، بہن یا بیٹی ہے طلاق نہیں ہوتی اگر چہ بہ نیت کہے، ردالمحتار میں ہے:

انت امی بلا تشبیه فانه باطل وان نوی۔ (ردالمحتار ج ۲ ص ۵۷۴، داراحیاء التراث العربی، بیروت)

اگر تشبیہ کے بغیر ''تو میری ماں ہے'' کہا تو یہ باطل ہے اگر چہ طلاق کی نیت سے کہے۔

لوگوں میں اسے مشہور کرنا اور اپنے اوپر حرام سمجھنا اگر انہیں لفظوں کی بناء پر تھا تو عند اللہ یہ بھی محض باطل کہ بر بنائے غلط فہمی تھا۔ اسی طرح اگر اس کے بیان سے ظاہر تھا کہ یہ اقرار طلاق انہیں الفاظ کی بناء پر ہے تو عند الناس بھی طلاق نہ ہوئی، ہاں اگر بیان وقرائن سے یہ امر ظاہر نہ ہو تو مطلقہ مشہور کرنے سے عند الناس اس پر طلاق مانی جائے گی اپنے اقرار پر ماخوذ ہوگا۔ فتاویٰ امام قاضی خاں میں ہے:

رجل طلق امرأته وهو صاحب برسام فلما صح قد طلقت امراتی، ثم قال انی کنت اظن ان الطلاق فی تلك الحالة کان واقعا، قال مشائخنا رحمهم اللّٰه تعالیٰ حین ما اقربالطلاق ان رده الی حالة البرسام وقال قد طلقت امراتی فی حالة البرسام فالطلاق غیر واقع وان لم یرد الی حالة البرسام فهو ماخوذ بذالك قضاء۔ (فتاویٰ قاضی خان ج ۲ ص ۲۱۳)

کسی نے مرضِ برسام کی حالت میں بیوی کو طلاق دی تو جب تندرست ہوا تو اس نے طلاق کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ میرا گمان تھا کہ اس مرض کی وجہ سے طلاق ہوجاتی ہے، تو ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ اقرارِ طلاق کے وقت اگر اس نے طلاق کو مرضِ برسام کی طرف منسوب کیا اور کہا: میں نے اپنی عورت کو برسام کی حالت میں طلاق دی ہے تو طلاق نہ ہوگی اور اگر اس وقت اس نے طلاق کو مرضِ برسام کی طرف منسوب نہ کیا، تو قضاءً طلاق ہوجائے گی۔

اسی میں ہے:

صبی قال ان شربت فکل امراة تزوجها فهی طالق فشرب وهو صبی، فتزوج وهو بالغ وظن صهرة ان الطلاق واقع، فقال هذا البالغ آرے حرام است

ایک نابالغ بچے نے کہا: اگر میں نوش کروں تو جس عورت سے بھی میں نکاح کروں اس کو طلاق ہے، اس کے بعد اس نے نابالغی میں نوش کرلیا پھر اس نے بالغ ہونے پر نکاح کیا اور اس کے سسرال

برمن قالوا هذا اقرار منه بالحرمة فتحرم امراته ابتداء، وقال بعضهم لا تحرم امراته وهو الصحيح لانه ما اقر بالحرمة ابتداء وانما اقر بالسبب الذی تصادقا علیه وذلك السبب باطل، انتهى۔ والله تعالٰی اعلم

(فتاوٰی قاضی خان، ج ۲ ص ۲۳۵ نولکشور لکھنو)

نے گمان کیا کہ اس کہنے پر طلاق ہوگئی، اس پر اس لڑکے بالغ نے کہا: ہاں بیوی مجھ پر حرام ہے، تو فقہاء نے فرمایا: چونکہ لڑکے نے حرام ہونے کا اقرار کیا ہے، لہٰذا اس کی بیوی اس پر ابتداءً حرام ہوگئی اور بعض نے فرمایا کہ حرام نہ ہوگی اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس نے ابتداءً حرام ہونے کا اقرار نہیں کیا بلکہ سسرال کی بات پر اس نے یہ کہا ہے، اور سسرال والوں کے کہنے کا سبب بچپن کی بات ہے جو کہ باطل ہے، کیونکہ نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ انتہیٰ والله تعالٰی اعلم

مسئلہ (۴۴): از پیلی بھیت محلہ اشرف خاں، مرسلہ عزیز الرحمٰن خاں ۱۹ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ کی ماں سے یہ بات کہی کہ تیری لڑکی کو تا حیات تیری، مثل اپنی بہن کے سمجھتا ہوں، تو اس میں کیا حکمِ شرع ہے۔ بینوا توجروا

الجواب: اگر ان لفظوں سے اس کی مراد ظہار یا تحریم تھی یعنی تیری حیات تک اپنی زوجہ سے ظہار کرتا ہوں یا تیری حیات تک اسے حرام سمجھتا ہوں، جب تو ظہار ہو گیا یعنی نکاح بدستور باقی ہے، مگر حیاتِ خوشدامن تک بے کفارہ دیئے عورت کے پاس جانا بلکہ شہوت کے ساتھ ہاتھ لگانا بھی حرام ہو گیا، کفارہ ایک غلام آزاد کرنا، اور اس کی قدرت نہ ہو تو دو مہینے کے لگا تار روزے، اس کی طاقت بھی نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو صدقۂ فطر کے مثل اناج یا اس کی قیمت دینا یا دونوں وقت پیٹ بھر کھانا کھلانا، جب تک ساس زندہ ہے بغیر کفارہ دیئے عورت کو ہاتھ لگائے گا تو گنہگار ہوگا، توبہ کرے، اور پھر نزدیک نہ ہو جب تک کفارہ نہ ادا کرلے، ہاں بعد انتقال خوش دامن ظہار جاتا رہے گا، اور بے کفارہ عورت سے جماع حلال ہو جائے گا، پھر اگر ساس زندہ ہے اور یہ شخص کفارہ نہیں دیتا جس کے سبب عورت حلال ہو جائے تو منکوحہ اس پر دعویٰ کر سکتی ہے کہ یا تو کفارہ دے کر جماع کرے یا طلاق دے کہ عورت پر سے ضرر دفع ہو۔

فی تنویر الابصار فیحرم وطؤها علیه ودواعیه حتی یکفر فان وطئی قبله استغفر وکفر للظهار فقط ولا یعود قبلها الخ

(درمختار شرح تنویر الابصار ج ۱ ص ۲۴۹ مطبع مجتبائی دہلی)

تنویر الابصار میں ہے: ظہار کرنے والے پر بیوی سے وطی اور اس کے دواعی حرام ہو جاتے ہیں تاوقتیکہ وہ کفارہ دے، اگر اس نے کفارہ سے قبل وطی کرلی تو توبہ کرکے صرف ظہار کا کفارہ دے اور پھر کفارہ سے قبل ایسا نہ کرے الخ

وفیه الکفارة تحریر رقبة فان لم یجد صام شهرین متتابعین قبل المسیس، فان عجز اطعم ستین مسکینا کالفطرة او قیمة ذلك وان غداهم وعشاهم جاز، ملخصا

(درمختار شرح تنویر الابصار ج ۱ ص ۲۵۰-۲۵۱ مطبع مجتبائی دہلی)

اور اسی میں ہے: ظہار میں کفارہ غلام کو آزاد کرنا ہے، اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر وطی سے قبل دو ماہ کے روزے مسلسل پورے کرے، اگر یہ بھی نہ ہو سکے بلکہ عاجز ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا دے، ہر مسکین کو صدقۂ فطر کی مقدار دے یا اس کی قیمت دے، اگر صبح وشام دو وقت کا کھانا پیٹ بھر کر کھلا دے تو جائز ہے۔ ملخصا

وفی رد المحتار فلو اراد قربانها داخل الوقت لا یجوز بلا کفارة بحر۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۵۷٦، داراحیاء التراث العربی بیروت)

اور ردالمحتار میں ہے: اگر ظہار کو کسی مقررہ وقت کے ساتھ مقید کیا ہو تو اس وقت کے گزر جانے پر ظہار ختم ہو جائے گا۔ اور اس پر درمختار میں ہے کہ اگر اس مقررہ وقت کے اندر جماع کرنا چاہے تو کفارہ دیئے بغیر جائز نہیں، بحر۔

وفی الدر للمراة ان تطالبه بالوطی وعلی القاضی الزامه به بالتکفیر دفعا للضرر عنها بحبس او ضرب الی ان یکفر او یطلق، ملخصا

(درمختار ج ا ص ۲۴۹، مطبع مجتبائی دہلی)

اور درمختار میں ہے کہ ظہار میں بیوی کو جماع کے مطالبے کا حق ہے لہٰذا قاضی خاوند کو کفارہ ادا کرنے پر مجبور کرے تاکہ بیوی کے ضرر کا ازالہ ہو سکے، یوں کہ قاضی اس کو قید کرے یا سزا دے یہاں تک کہ خاوند کفارہ ادا کرے یا عورت کو طلاق دے۔ ملخصا

ظاہر ان لفظوں سے یہی نیتِ تحریم وظہار ہوتی ہے خصوصاً جب کہ ایک وقت تک اسے محدود کر دیا کہ تیری حیات تک ایسا سمجھتا ہوں، اس کا حکم تو وہ تھا اور شاید اگر اس نے یہ الفاظ بارادۂ طلاق کہے تھے تو ظاہراً ایک طلاق بائن ہو کر عورت نکاح سے نکل گئی کسی حد تک محدود کر کے طلاق دینا بھی طلاق دائم ہے اور وہ حد نا معتبر ہے۔

واما "الحسبان" ففی مثل الکلام انما یراد به التحقیق للتشبیه لا نفیه عن نفس الامر کمن اراد الامتناع عن تناول شیء یقول احسبه علی کالخنزیر فانما یرید انه محرم علیه کمثله، بخلاف ما اذا قیل له اطلقت امراتك فقال عدها او احسبها مطلقة حیث لا یقع وان نوی وکذا احسبی انك طالق کما فی الخانیة

(فتاویٰ قاضی خان ج ۲ ص ۲۱۰ نولکشور لکھنو)

فانه ظاهر فی نفی الطلاق فی نفس الامر والفرق بینهما لا یخفی علی من عرف العرف فافهم واعلم۔ واللّٰه تعالیٰ اعلم

"سمجھنا اور خیال کرنا" اگر ایسے کلام میں ہو تو اس سے تشبیہ کو ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے اور واقع سے اس کا انتفاء مراد نہیں ہوتا، جس طرح کوئی شخص کسی چیز کو لینے سے انکار کرتے ہوئے کہے کہ اس کو میں اپنے لئے خنزیر سمجھتا ہوں تو اس سے اس چیز کا اس پر قطعاً حرام ہونا مراد ہوتا ہے، جس طرح خنزیر حرام ہے، اس کے برخلاف طلاق کے معاملہ میں جب کوئی پوچھے: کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے، تو جواب میں یوں کہے: "تو طلاق شمار کر لے، یا کہے تو اس کو مطلقہ خیال کر لے" تو یہاں طلاق نہ ہو گی اگرچہ وہ طلاق کی نیت سے کہے اور یوں ہی حکم ہے، اگر بیوی کو کہے کہ تو اپنے آپ کو طلاق والی سمجھ لے، جیسا کہ خانیہ میں مذکور ہے، کیونکہ یہاں یہ الفاظ ظاہری طور پر طلاق کے وقوع میں نفی پر دلالت کرتے ہیں اور دونوں مقاموں میں ان الفاظ کا فرق عرف کو جاننے والے پر مخفی نہیں ہے، سمجھو اور غور کرو۔ واللّٰہ تعالیٰ اعلم

اور اگر کچھ نیت نہ تھی یا اعزاز واکرام خواہ الفت ومحبت کی نیت تھی، یعنی اپنی بہن کے برابر عزیز یا پیاری جانتا ہوں تو یہ الفاظ لغو وفضول ہیں، عورت بدستور عورت اور کفارہ وغیرہ کچھ دینا نہیں، مگر اس وقت کی گفتگو وحالت شاہد ہو کہ یہ الفاظ اس نے بلانیت یا بہ نیت اعزاز ومحبت نہ کہے تھے تو حاکم اس دعوے کو نہ مانے گا تو عورت اسے قبول کر سکتی ہے۔

فان المرأۃ کالقاضی کما فی الفتح وغیرہ۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۴۶۸، دار احیاء التراث العربی بیروت)

کیونکہ عورت اس معاملہ میں قاضی کا حکم رکھتی ہے، جیسا کہ فتح وغیرہ میں ہے۔

وفی الدر المختار ان نوی بانت علی مثل امی او کامی وکذا لوحذف "علیّ" خانیۃ، برا او ظھارا او طلاقا صحت نیتہ ووقع ما نواہ لانہ کنایۃ والا ینو شیئا او حذف الکاف لغا وتعین الادنیٰ ای البر یعنی الکرامۃ۔

(درمختار ج ۱ ص ۲۴۹، مطبع مجتبائی دہلی)

اور درمختار میں ہے: اگر بیوی کو یوں کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کی مثل یا میری ماں کی طرح ہے اور یونہی اگر "علیّ" (مجھ پر) کا لفظ حذف کر کے کہا ہو، خانیہ، ان الفاظ سے اگر تعظیم زوجہ یا طلاق یا ظہار کی نیت کی ہو تو اس کی نیت صحیح ہوگی اور نیت کے مطابق حکم ہوگا کیونکہ یہ کنایہ ہے (لہٰذا اگر خاوند نے طلاق کی نیت کی ہو تو طلاق بائنہ ہوگی) اور اگر کوئی نیت نہ کی ہو یا حرف تشبیہ کو ترک کر دیا ہو تو یہ کلام لغو ہو کر احتمالات میں سے ادنیٰ احتمال یعنی عزت وکرامت متعین قرار پائے گا۔

وفی الھندیۃ عن الخانیۃ وان نوی التحریم اختلفت الروایات فیہ والصحیح انہ یکون ظھارا عند الکل (فتاویٰ ہندیہ ص ۵۰۷، نورانی کتب خانہ پشاور) وفی رد المحتار عن العلامۃ خیر الدین الرملی وینبغی ان لا یصدق قضاء فی ارادۃ البر اذا کان فی حالۃ المشاجرۃ وذکر الطلاق۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ردالمحتار ج ۲ ص ۵۶۷، دار الکتب العلمیہ بیروت)

اور ہندیہ میں خانیہ سے منقول ہے کہ اگر حرام کرنا مراد ہو تو اس میں روایات مختلف ہیں اور صحیح یہی ہے کہ سب کے ہاں ظہار ہوگا۔ رد المحتار میں علامہ خیر الدین رملی سے منقول ہے: مناسب ہوگا کہ اس صورت میں کرامت وعزت والا احتمال مراد لینے کی قضاءً تصدیق نہ کی جائے جب کہ لڑائی جھگڑے اور طلاق کے مذاکرہ کے وقت یہ الفاظ کہے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۵): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر شوہر عاداتِ زوجہ کو عاداتِ محارم سے تشبیہ دے یا عورت اپنے اعضاء خواہ عادات کو محارم شوہر کے اعضاء وعادات سے تشبیہ دے تو ان صورتوں میں کفارہ لازم اور اس کی ادا تک عورت حرام ہے یا نہیں۔

بینوا توجروا

الجواب: تاوقتیکہ مرد اپنی زوجہ یا اس کے ان اعضاء کو جن سے کل جسم تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً عربی میں راس، ورقبہ، وظہر، وفرج، یا اس کے ایک جزو شائع مثل نصف، وربع، وثلث کو کسی محرم ابدی سے تشبیہ نہ دے، ظہار نہیں ہوتا، پس تشبیہ عاداتِ زوجہ بعاداتِ محارم موجب حرمت وکفارہ نہیں۔

فی الدر المختار ھو تشبیہ زوجتہ او ما یعبر بہ عنھا من اعضاھا او تشبیہ جزء شائع منھا بمحرم علیہ تابید۔ (درمختار ج ۱ ص ۲۴۸، مطبع مجتبائی دہلی)

درمختار میں ہے کہ بیوی کو یا اس کے کسی ایسے عضو کو جس سے اس کی ذات کو تعبیر کیا جا سکتا ہو یا غیر معین حصہ مثلاً نصف وغیرہ کو ابدی محرمات کے ساتھ تشبیہ دینے کو ظہار کہتے ہیں۔

اور عورت تو اگر اعضائے شوہر کو بھی اپنے محارم کے اعضاء سے تشبیہ دے تو شوہر اس پر حرام نہیں ہو جاتا۔

كما فی الدر المختار وظهارها منه لغو فلا حرمة۔ جیسا کہ درمختار میں ہے کہ عورت کا خاوند کو اپنے محرمات کے ساتھ تشبیہ دینا لغو کلام ہے، اس سے حرمت نہ ہوگی۔ (درمختار ج ا ص ۲۴۸، مطبع مجتبائی دہلی)

پس جب کہ اس کا قول خود اپنے حق میں موثر نہ ہوا تو حق شوہر میں کیا تاثیر کرے گا اور اپنے اعضاء و عادات محارم شوہر سے تشبیہ دے گی تو کیونکر اس پر حرام ہو جائے گی اور سبب کفارہ ظہار ہے، جب ظہار نہ پایا گیا تو کفارہ کہاں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۶): از گودھوا ضلع پلاموں مرسلہ محمد اسمٰعیل صاحب سوداگر چرم ۱۰ جمادی الآخرہ، ۱۳۳۶ھ

ایک شخص اہل اسلام نے اپنے گھر میں میاں بی بی سے جھگڑا کیا اور غصہ کی حالت میں یہاں تک بیتاب ہو گیا کہ اپنی بی بی کو ماں کہہ بیٹھا اور اس کا سینہ منہ میں رکھ لیا اور بی بی نے بھی غصہ کی حالت میں کہا کہ اگر تو مجھ کو ماں کہتا ہے تو میں بھی تجھ کو بیٹا کہتی ہوں، بعد اس جھگڑے کے جب ان دونوں کا غصہ رفع ہوا تو اپنے اس کلام اور اس فعل سے نہایت نادم و شرمندہ ہوئے اور کہنے لگے کہ ایسا نہ ہو کہ اس کے مواخذہ میں ہم دونوں گنہ گار ہوں، اور اسی وقت کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا سب علیحدہ کر دیا، اب وہ اس بات کے خواہش مند ہیں کہ اس بارے میں مطابق حکم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علماء دین کیا فتویٰ دیتے ہیں، آیا میاں بی بی ہیں یا نہیں؟ اور یہ بھی دریافت کیا گیا ہے کہ بی بی کا دودھ شوہر کے منہ میں نہیں آیا تو بی بی نکاح کے اندر ہے یا باہر؟ طلاق ہوا یا نہیں؟

الجواب: صورتِ مذکورہ میں وہ اسے ماں اور یہ اسے بیٹا کہنے سے دونوں گنہگار ہوئے۔

قال الله تعالیٰ وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا (المجادلہ: ۲) اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک لوگوں کا (بیوی کو ماں بہن کہنا) بری بات اور جھوٹ ہے۔

مگر نکاح میں کچھ فرق نہ آیا، اور پستان منہ میں لینا تو کوئی چیز نہیں، اگر دودھ پی بھی لیتا تو وہ پینا حرام ہوتا، مگر نکاح میں اس سے خلل نہ آتا کہ ڈھائی برس کی عمر کے بعد دودھ پینے سے حرمت رضا نہیں ہوتی اور دونوں کو جدا رہنے کی کوئی حاجت نہیں، وہ بدستور زوج و زوجہ ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۷): از درو ضلع نینی تال، مرسلہ عبدالعزیز خاں، ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۳۶ھ

زید کی عورت نے بحالتِ غصہ زید سے کہا کہ تمہارے نزدیک میری، ایک بار زیر ناف کے برابر بھی قدر نہیں، اس پر زید نے ازراہِ تمسخر اس سے یہ کہا کہ میں تجھ کو اپنے باپ اور دادا سے زیادہ سمجھتا ہوں، ایسی حالت میں زید پر ظہار کا حکم لازم آتا ہے یا نہیں؟

الجواب: یہ لغو و مہمل الفاظ ہیں، انہیں ظہار یا کفارے سے کوئی تعلق نہیں، فتاویٰ امام قاضی خاں میں ہے:

التشبيه بالرجل ای رجل کان لا یکون ظهارا۔ عورت کو کسی بھی مرد سے تشبیہ دینا ظہار نہیں ہوتا۔ (فتاویٰ قاضی خان)

بدائع و نہر میں ہے:

من شرائط الظهار كون المظاهر به من جنس النساء۔ واللہ تعالیٰ اعلم ظہار کی شرائط میں سے یہ ہے کہ ظہار میں جس سے تشبیہ دی جائے وہ عورت کی جنس سے ہو۔

(بدائع الصنائع ج ۳ ص ۲۳۳، ایچ، ایم، سعید کمپنی کراچی)

مسئلہ (۴۸): ازلکھنوامین الدولہ پارک مرسلہ محمد ابراہیم ایس اینڈ سی سنگر کمپنی ۵ شعبان ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے رات کے وقت اپنی زوجہ کو واسطے صحبت کے بلایا، تو بیوی کے انکار کرنے پر زید نے یہ قسم کھائی کہ اب میں تم سے صحبت کروں تو اپنی ماں سے زنا کروں، بعدہٗ زید بہت شرمندہ ہوا اور توبہ واستغفار کیا، اس معاملہ میں زید کو کیا کرنا چاہئے؟ بالفرض اگر زید نے اسی شب بعد استغفار صحبت بھی کی تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب: اس نے برا کیا برا کیا، توبہ واستغفار کے سوا اور کچھ لازم اس پر نہیں، صحبت کی تو کچھ حرج نہ ہوا، نہ اس بے نکاح پر کچھ حرف آیا، کما یظھر بمراجعة الفتح والد ر وغیرھما (جیسا کہ فتح اور درروغیرہ کو دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے)۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۴۹): خاوند نے ماں بہن کہا، طلاق نہیں دی، یہ صورت مسئلہ ہے، لہٰذا عندالشرع کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مذکورہ میں طلاق ثابت نہیں، نہ یہ ظہار، صرف برا کہا اور گنہگار ہوا، توبہ کرے وبس:

قال اللہ تعالیٰ وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ (المجادلہ: ۲) واللہ تعالیٰ اعلم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور وہ بے شک بری اور نری جھوٹ بات کہتے ہیں اور بے شک اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے ۝ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۵۰): ازشہر بریلی گڑھی، مسئولہ عبدالکریم صاحب، ۵ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے مکان پر جب کہ اس کی بیوی اپنے میکہ گئی ہوئی تھی، اپنے بھائی وغیرہ کے روبرو کہا کہ میں اپنی بیوی کو اس وقت سے ماں بہن کے برابر جانتا ہوں اس کو خبر کر دو کہ وہ اپنا ٹھکانا دوسری جگہ کر لے، اور یہ بات اس وقت اس نے کہی تھی کہ جب اس کی دوسرے شخص سے لڑائی ہوئی تھی اور لوگوں نے اس کو جھوٹی خبر دی تھی کہ تم کو تمہارے سسر نے پٹوایا ہے، یہ حالت سخت غصہ کی تھی، آیا اس کو اب نکاح کرنا چاہیے یا نکاحِ سابق جائز رہا؟

الجواب: یہ لفظ کہ "اس کو خبر کر دو کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوسری جگہ کر لے" اگر بہ نیتِ طلاق نہ کہے جب تو طلاق نہ ہوئی اور اس کا قسم کھا کر کہہ دینا مان لیا جائے گا کہ اس کی نیت طلاق کی نہ تھی اور اگر بہ نیتِ طلاق کہے تو طلاق ہوگئی، نکاح جاتا رہا، نئے سرے سے اس کی مرضی سے اس سے نکاح کر سکتا ہے اگر پہلے کبھی دو طلاقیں نہ دے چکا ہو حلالہ کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۳ ص ۲۶۷-۲۹۰، رضا فاؤنڈیشن جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور ۱۴۱۸ھ)

ظہار کے متعلق صدر الشریعہ کا موقف

صدر الشریعہ بدر الطریقہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلی متوفی ۱۳۶۷ھ لکھتے ہیں:

ظہار کا بیان

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـئِىْ وَلَدْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا

جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں سے ظہار کرتے ہیں (انہیں ماں کی مثل کہہ دیتے) وہ ان کی مائیں نہیں، ان کی مائیں تو وہی ہیں جن

مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ سے پیدا ہوئے اور وہ بے شک بری اور نری جھوٹی بات کہتے ہیں اور بے شک اللہ (عزوجل) ضرور معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے ○ (المجادلہ:۲)

ظہار کے متعلق مسائل فقہیہ

مسئلہ ۱: ظہار کے یہ معنی ہیں کہ اپنی زوجہ یا اس کے کسی جزوِشائع یا ایسے جز کو جوکُل سے تعبیر کیا جاتا ہو ایسی عورت سے تشبیہ دینا جو اس پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو یا اس کے کسی ایسے عضو سے تشبیہ دینا جس کی طرف دیکھنا حرام ہو مثلاً کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے یا تیرا سر یا تیری گردن یا تیرا نصف میری ماں کی پیٹھ کی مثل ہے۔ (الدرالمختار وردالمحتار ج ۵ ص ۱۲۵-۱۲۹)

مسئلہ ۲: ظہار کے لیے اسلام وعقل وبلوغ شرط ہے، کافر نے اگر کہا تو ظہار نہ ہوا یعنی اگر کہنے کے بعد مشرف باسلام ہوا تو اس پر کفارہ نہیں، یوہیں نابالغ ومجنون یا بوہرے یا مدہوش یا سرسام وبرسام کے بیمار نے یا بیہوش یا سونے والے نے ظہار کیا تو ظہار نہ ہوا اور ہنسی مذاق میں یا نشہ میں یا مجبور کیا گیا اس حالت میں یا زبان سے غلطی میں ظہار کا لفظ نکل گیا تو ظہار ہے۔

(الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۰۸، الدرالمختار ج ۵ ص ۱۲۶)

مسئلہ ۳: زوجہ کی جانب سے کوئی شرط نہیں، آزاد ہو یا باندی، مدبرہ یا مکاتبہ یا ام ولد، مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ، مسلمہ ہو یا کتابیہ، نابالغہ ہو یا بالغہ، بلکہ اگر عورت غیر کتابیہ ہے اور اس کا شوہر اسلام لایا مگر ابھی عورت پر اسلام پیش نہیں کیا گیا تھا کہ شوہر نے ظہار کیا تو ظہار ہو گیا، عورت مسلمان ہوئی تو شوہر پر کفارہ دینا ہوگا۔ (الفتاوی الہندیہ، ج ۱ ص ۵۰۵، ردالمحتار ج ۵ ص ۱۲۶)

مسئلہ ۴: اپنی باندی سے ظہار نہیں ہوسکتا موطوءہ ہو یا غیر موطوءہ، یوہیں اگر کسی عورت سے بغیر اذن لیے نکاح کیا اور ظہار کیا پھر عورت نے نکاح کو جائز کر دیا تو ظہار نہ ہوا کہ وقتِ ظہار وہ زوجہ نہ تھی، یوہیں جس عورت کو طلاق بائن دے چکا ہے یا ظہار کو کسی شرط پر معلق کیا اور وہ شرط اس وقت پائی گئی کہ عورت کو بائن طلاق دے دی تو ان صورتوں میں ظہار نہیں۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۱۲۶)

مسئلہ ۵: جس عورت سے تشبیہ دی اگر اس کی حرمت عارضی ہے ہمیشہ کے لیے نہیں تو ظہار نہیں مثلاً زوجہ کی بہن یا جس کو تین طلاقیں دی ہیں یا مجوسی یا بت پرست عورت کہ یہ مسلمان یا کتابیہ ہوسکتی ہے اور ان کی حرمت دائمی نہ ہونا ظاہر۔ (درمختار ج ۵ ص ۱۲۷)

مسئلہ ۶: اجنبیہ سے کہا کہ اگر تو میری عورت ہو یا میں تجھ سے نکاح کروں تو تو ایسی ہے تو ظہار ہو جائے گا کہ ملک یا سببِ ملک کی طرف اضافت ہوئی اور یہ کافی ہے۔ (الدرالمختار ج ۵ ص ۱۲۸)

مسئلہ ۷: عورت مرد سے ظہار کے الفاظ کہے تو ظہار نہیں بلکہ لغو ہیں۔ (الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۸۳)

مسئلہ ۸: عورت کے سر یا چہرہ یا گردن یا شرمگاہ کو محارم سے تشبیہ دی تو ظہار ہے اور اگر عورت کی پیٹھ یا پیٹ یا ہاتھ یا پاؤں یا ران کو تشبیہ دی تو نہیں، یوہیں اگر محارم کے ایسے عضو سے تشبیہ دی جس کی طرف نظر کرنا حرام نہ ہو مثلاً سر یا چہرہ یا ہاتھ یا پاؤں یا بال تو ظہار نہیں اور گھٹنے سے تشبیہ دی تو ہے۔ (الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۸۳)

مسئلہ ۹: محارم سے مراد عام ہے نسبی ہوں یا رضاعی یا سسرالی رشتہ سے، للہذا ماں بہن پھوپھی لڑکی اور رضاعی ماں اور بہن وغیرہما اور زوجہ کی ماں اور لڑکی جب کہ زوجہ مدخولہ ہو اور مدخولہ نہ ہو تو اس کی لڑکی سے تشبیہ دینے میں ظہار نہیں کہ وہ محارم میں نہیں۔ یوہیں جس عورت سے اس کے باپ یا بیٹے نے معاذ اللہ زنا کیا ہے اس سے تشبیہ دی یا جس عورت سے اس نے زنا کیا ہے اس کی ماں یا لڑکی

سے تشبیہ دی تو ظہار ہے۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۰۵-۵۰۶)

مسئلہ ۱۰: محارم کی پیٹھ یا پیٹ یا ران سے تشبیہ دی یا کہا: میں نے تجھ سے ظہار کیا تو یہ الفاظ صریح ہیں ان میں نیت کی کچھ حاجت نہیں، کچھ بھی نیت نہ ہو یا طلاق کی نیت ہو یا اکرام کی نیت ہو، ہر حالت میں ظہار ہی ہے اور اگر یہ کہتا ہے کہ مقصود جھوٹی خبر دینا تھا یا زمانہ گزشتہ کی خبر دینا ہے تو قضاءً تصدیق نہ کریں گے اور عورت بھی تصدیق نہیں کر سکتی۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۱۲۹، الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۰۷)

مسئلہ ۱۱: عورت کو ماں یا بیٹی یا بہن کہا تو ظہار نہیں، مگر ایسا کہنا مکروہ ہے۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۰۷)

مسئلہ ۱۲: عورت سے کہا: تو مجھ پر میری ماں کی مثل ہے تو نیت دریافت کی جائے، اگر اس کے اعزاز کے لیے کہا تو کچھ نہیں اور طلاق کی نیت ہے تو بائن طلاق واقع ہوگی اور ظہار کی نیت ہے تو ظہار ہے اور تحریم کی نیت ہے تو ایلاء ہے اور کچھ نیت نہ ہو تو کچھ نہیں۔

(الجوہرة النیرہ، الجزء الثانی ص ۸۴)

مسئلہ ۱۳: اپنی چند عورتوں کو ایک مجلس یا متعدد مجالس میں محارم کے ساتھ تشبیہ دی تو سب سے ظہار ہو گیا، ہر ایک کے لیے الگ الگ کفارہ دینا ہوگا۔ (الجوہرة النیرہ الجزء الثانی ص ۸۵)

مسئلہ ۱۴: کسی نے اپنی عورت سے ظہار کیا تھا دوسرے نے اپنی عورت سے کہا: تو مجھ پر ویسی ہے جیسی فلاں کی عورت تو یہ بھی ظہار ہو گیا یا ایک عورت سے ظہار کیا تھا دوسری سے کہا: تو مجھ پر اس کی مثل ہے یا کہا: میں نے تجھے اس کے ساتھ شریک کر دیا تو دوسری سے بھی ظہار ہو گیا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۰۹)

مسئلہ ۱۵: ظہار کی تعلیق بھی ہو سکتی ہے مثلاً اگر فلاں کے گھر گئی تو ایسی ہے تو ظہار ہو جائے گا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۰۹)

مسئلہ ۱۶: ظہار کا حکم یہ ہے کہ جب تک کفارہ نہ دے دے اس وقت تک اس عورت سے جماع کرنا یا شہوت کے ساتھ اس کا بوسہ لینا یا اس کو چھونا یا اس کی شرمگاہ کی طرف نظر کرنا حرام ہے اور بغیر شہوت چھونے یا بوسہ لینے میں حرج نہیں، مگر لب کا بوسہ بغیر شہوت بھی جائز نہیں، کفارہ سے پہلے جماع کر لیا تو توبہ کرے اور اس کے لیے کوئی دوسرا کفارہ واجب نہ ہوا مگر خبردار پھر ایسا نہ کرے اور عورت کو بھی یہ جائز نہیں کہ شوہر کو قربت کرنے دے۔ (الجوہرة النیرہ، الجزء الثانی ص ۸۲، الدر المختار ج ۵ ص ۱۳۰)

مسئلہ ۱۷: ظہار کے بعد عورت کو طلاق دی، پھر اس سے نکاح کیا تو اب بھی وہ چیزیں حرام ہیں اگرچہ دوسرے شوہر کے بعد اس کے نکاح میں آئی بلکہ اگرچہ اسے تین طلاقیں دی ہوں۔ یوہیں اگر زوجہ کسی کی کنیز تھی، ظہار کے بعد خرید لی اور اب نکاح باطل ہو گیا مگر بغیر کفارہ وطی وغیرہ نہیں کر سکتا، یوہیں اگر عورت مرتدہ ہوگئی اور دار الحرب کو چلی گئی، پھر قید کر کے لائی گئی اور شوہر نے خرید لی یا شوہر مرتد ہو گیا غرض کسی طرح کفارہ سے بچاؤ نہیں۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۰۶)

مسئلہ ۱۸: اگر ظہار کسی خاص وقت تک کے لیے مثلاً ایک ماہ یا ایک سال اور اس مدت کے اندر جماع کرنا چاہے تو کفارہ دے اور اگر مدت گزر گئی اور قربت نہ کی تو کفارہ ساقط اور ظہار باطل۔ (الجوہرة النیرہ الجزء الثانی ص ۸۲)

مسئلہ ۱۹: شوہر کفارہ نہیں دیتا تو عورت کو یہ حق ہے کہ قاضی کے پاس دعویٰ کرے قاضی مجبور کرے گا کہ یا کفارہ دے کر قربت کرے یا عورت کو طلاق دے اور اگر کہتا ہے کہ میں نے کفارہ دے دیا ہے تو اس کا کہنا مان لیں جب کہ اس کا جھوٹا ہونا معروف نہ ہو۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۰۷)

مسئلہ ۲۰: ایک عورت سے چند بار ظہار کیا تو اتنے ہی کفارے دے اگرچہ ایک ہی مجلس میں متعدد بار الفاظ ظہار کہے اور اگر یہ کہتا ہے کہ بار بار لفظ بولنے سے متعدد ظہار مقصود نہ تھے بلکہ تاکید مقصود تھی تو اگر ایک ہی مجلس میں ایسا ہوا مان لیں گے ورنہ نہیں۔
(الدرالمختار ج ۵ ص ۱۳۴)

مسئلہ ۲۱: پورے رجب اور پورے رمضان کے لیے ظہار کیا تو ایک ہی کفارہ واجب ہوگا خواہ رجب میں کفارہ دے یا رمضان میں، شعبان میں نہیں دے سکتا کہ شعبان میں ظہار ہی نہیں، یوہیں اگر ظہار کیا اور کسی دن کا استثناء کیا تو اس دن کفارہ نہیں دے سکتا اس کے علاوہ جس دن چاہے دے سکتا ہے۔ (الدرالمختار ج ۵ ص ۱۳۴)

کفارہ کا بیان

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآىِٕهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (المجادلہ ۳-۴)

جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کریں، پھر وہی کرنا چاہیں جس پر یہ بات کہہ چکے تو ان پر جماع سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا ضرور ہے یہ وہ بات ہے جس کی تمہیں نصیحت دی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو خدا اس سے خبردار ہے ۝ پھر جو غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، تو لگاتار دو مہینے کے روزے جماع سے پہلے رکھے، پھر جو اس کی بھی استطاعت نہ رکھے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، یہ اس لیے کہ تم اللہ (عزوجل) ورسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان رکھو اور یہ اللہ (عزوجل) کی حدیں ہیں، اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے ۝

حدیث ۱: ترمذی وابوداؤد وابن ماجہ نے روایت کی کہ سلمہ بن صخر بیاضی رضی اللہ عنہ نے اپنی زوجہ سے رمضان گزرنے تک کے لیے ظہار کیا تھا اور آدھا رمضان گزرا کہ شب میں انہوں نے جماع کرلیا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی، ارشاد فرمایا: ''ایک غلام آزاد کرو'' عرض کی: مجھے میسر نہیں۔ ارشاد فرمایا: ''تو دو ماہ کے لگاتار روزے رکھو'' عرض کی: اس کی بھی طاقت نہیں، ارشاد فرمایا: ''تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ'' عرض کی! میرے پاس اتنا نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فروہ بن عمرو سے فرمایا: کہ ''وہ زنبیل دے دو کہ مساکین کو کھلائے''۔ (الترمذی: ۱۲۰۴، ج ۲ ص ۴۰۸)

مسائل فقہیہ

مسئلہ ۱: ظہار کرنے والا جماع کا ارادہ کرے تو واجب ہے اور اگر یہ چاہے کہ وطی نہ کرے اور عورت اس پر حرام ہی رہے تو کفارہ واجب نہیں اور اگر ارادۂ جماع تھا مگر زوجہ مرگئی تو واجب نہ رہا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۰۹)

مسئلہ ۲: ظہار کا کفارہ غلام یا کنیز آزاد کرنا ہے مسلمان ہو یا کافر، بالغ ہو یا نابالغ یہاں تک کہ اگر دودھ پیتے بچہ کو آزاد کیا کفارہ ادا ہوگیا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۰۹)

مسئلہ ۳: پہلے نصف غلام کو آزاد کیا اور جماع سے پہلے پھر نصف باقی کو آزاد کیا تو کفارہ ادا ہو گیا اور اگر درمیان میں جماع کر لیا تو ادا نہ ہوا اور اگر غلام مشترک ہے اور اس نے اپنا حصہ آزاد کر دیا تو ادا نہ ہوا، اگر چہ یہ مالدار ہو یعنی جب غلام مشترک کو آزاد کرے اور مالدار ہو تو حکم یہ ہے کہ اپنے شریک کو اس کے حصہ کی قدر دے اور کل غلام اس کی طرف سے آزاد ہو گا مگر کفارہ ادا نہ ہو گا۔ یوہیں دو غلاموں میں آدھے آدھے کا مالک ہے اور دونوں کے نصف نصف کو آزاد کیا تو کفارہ ادا نہ ہوا۔

(الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۸۵، الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۰)

مسئلہ ۴: آدھا غلام آزاد کیا اور ایک مہینے کے روزے رکھ لیے یا تیس مسکین کو کھانا کھلا دیا تو کفارہ ادا نہ ہوا۔

(الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۸۵)

مسئلہ ۵: غلام آزاد کرنے میں شرط یہ ہے کہ کفارہ کی نیت سے آزاد کیا ہو، بغیر نیت کفارہ آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہ ہو گا اگر چہ آزاد کرنے کی نیت کیا کرے۔ (الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۸۵)

مسئلہ ۶: اس کا قریبی رشتہ دار یعنی وہ کہ اگر ان میں سے ایک مرد ہوتا دوسرا عورت تو نکاح باہم حرام ہوتا مثلاً اس کا بھائی یا باپ یا بیٹا یا چچا یا بھتیجا ایسے رشتہ دار کا جب مالک ہو گا تو آزاد ہو جائے گا خواہ کسی طرح مالک ہو مثلاً اس نے خرید لیا یا کسی نے ہبہ یا تصدق کیا یا وراثت میں ملا پھر ایسا غلام اگر بلا اختیار اس کی ملک میں آیا مثلاً وراثت میں ملا اور آزاد ہو گیا تو اگر چہ اس نے کفارہ کی نیت کی ادا نہ ہوا، اور اگر باختیار خود اپنی ملک میں لایا (مثلاً خریدا) اور جس عمل کے ذریعہ سے ملک میں آیا اس کے پائے جانے کے وقت (مثلاً خریدتے وقت) کفارہ کی نیت کی تو کفارہ ادا ہو گیا۔ (الجوہرۃ النیرہ الجزء الثانی ص ۸۵)

مسئلہ ۷: جو غلام گروی یا مدیون ہے اسے آزاد کیا تو کفارہ ادا ہو گیا، یوہیں اگر بھاگا ہوا ہے اور یہ معلوم ہے کہ زندہ ہے تو آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو جائے گا اور اگر بالکل اس کا پتا نہ معلوم ہو، نہ یہ معلوم کہ زندہ ہے یا مر گیا تو نہ ہو گا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۰-۵۱۱)

مسئلہ ۸: اگر غلام میں کسی قسم کا عیب ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ عیب اس قسم کا ہو جس سے جنس منفعت فوت ہوتی ہے یعنی دیکھنے، سننے، بولنے، پکڑنے، چلنے کی اس کو قدرت نہ ہو یا عاقل نہ ہو تو کفارہ ادا نہ ہو گا اور دوسرے یہ کہ اس حد کا نقصان نہیں تو ہو جائے گا، للہٰذا اتنا بہرا کہ چیخنے سے بھی نہ سنے یا گونگا یا اندھا یا مجنون کہ کسی وقت اس کو افاقہ نہ ہوتا ہو یا بوہرا یا وہ بیمار جس کے اچھے ہونے کی امید نہ ہو یا جس کے سب دانت گر گئے ہوں اور کھانے سے بالکل عاجز ہو یا جس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوں یا ہاتھ کے دونوں انگوٹھے کٹے ہوں یا علاوہ انگوٹھے کے ہر ہاتھ کی تین تین انگلیاں یا دونوں پاؤں یا ایک جانب کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں نہ ہو یا لنجھا یا فالج کا مارا ہو یا دونوں ہاتھ بیکار ہوں تو ان سب کے آزاد کرنے سے کفارہ ادا نہ ہوا۔

(الدر المختار ج ۵ ص ۱۳۸، الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۸۵)

مسئلہ ۹: اگر ایسا بہرا ہے کہ چیخنے سے سن لیتا ہے یا مجنون ہے مگر کبھی افاقہ بھی ہوتا ہے اور اسی حالت افاقہ میں آزاد کیا یا اس کا ایک ہاتھ یا ایک پاؤں یا ایک ہاتھ ایک پاؤں خلاف سے کٹا ہو یعنی ایک دہنا دوسرا بایاں یا ایک ہاتھ کا انگوٹھا یا پاؤں کے دونوں انگوٹھے یا ہر ہاتھ کی دو دو انگلیاں یا دونوں ہونٹ یا دونوں کان یا ناک کٹی ہو یا انثیین یا عضو تناسل کٹ گیا ہو یا لونڈی کے آگے کا مقام بند ہو یا بھوں یا داڑھی یا سر کے بال نہ ہوں یا کانا یا چندھا ہو یا ایسا بیمار ہو جس کے اچھے ہونے کی امید ہے اگر چہ موت کا خوف ہو یا سپید داغ کی

بیماری ہو یا نامرد ہو تو ان کے آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو جائے گا۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۷ ۱۳۷-۱۳۹، الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۰)

مسئلہ ۱۰: لونڈی کے شکم میں بچہ ہے اس کو کفارہ میں آزاد کیا تو نہ ہوا؛ اس کے غلام کو کسی نے غصب کیا، اس مالک نے آزاد کر دیا تو ہو گیا اور ام ولد و مدبر و مکاتب جس نے بدل کتابت کچھ ادا نہ کیا ہو یا کچھ ادا کیا مگر پورا ادا کرنے سے عاجز ہو گیا تو اسے آزاد کرنے سے کفارہ ادا ہو گیا۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۷ ۱۳-۱۳۹)

مسئلہ ۱۱: اپنا غلام دوسرے کے کفارہ میں آزاد کر دیا اگر اس کے بغیر حکم ہے تو ادا نہ ہوا اور اگر اس کے کہنے سے مثلاً اس نے کہا: اپنا غلام میری طرف سے آزاد کر دے اور کوئی عوض ذکر نہ کیا جب بھی ادا نہ ہوا اور اگر عوض کا ذکر ہے مثلاً اپنا غلام میری طرف سے اتنے پر آزاد کر دے تو ہو جائے گا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۱)

مسئلہ ۱۲: ظہار کے دو کفارے اس کے ذمہ تھے، اس نے دو غلام آزاد کیے اور یہ نیت نہ کی کہ فلاں غلام فلاں کفارہ میں آزاد کیا تو دونوں ادا ہو گئے۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۱)

مسئلہ ۱۳: کسی غلام کو کہا: اگر میں تجھے خریدوں تو تو آزاد ہے، پھر اسے کفارہ ظہار کی نیت سے خریدا تو آزاد ہو گا مگر کفارہ ادا نہ ہوا اور اگر پہلے کہہ دیا تھا کہ اگر تجھے خریدوں تو میرے ظہار کے کفارہ میں آزاد ہے تو ہو جائے گا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۱)

مسئلہ ۱۴: جب غلام پر قدرت ہے اگرچہ وہ خدمت کا غلام ہو تو کفارہ آزاد کرنے ہی سے ہو گا اور اگر غلام کی استطاعت نہ ہو خواہ ملتا نہیں یا اس کے پاس دام نہیں تو کفارہ میں پے درپے دو مہینے کے روزے رکھے اور اگر اس کے پاس خدمت کا غلام ہے یا مدیون ہے اور دین ادا کرنے کے لیے غلام کے سوا کچھ نہیں تو ان صورتوں میں بھی روزے وغیرہ سے کفارہ ادا نہیں کر سکتا بلکہ غلام ہی آزاد کرنا ہو گا۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۱۳۹)

مسئلہ ۱۵: روزے سے کفارہ ادا کرنے میں یہ شرط ہے کہ نہ اس مدت کے اندر ماہِ رمضان ہو نہ عید الفطر، نہ عید الاضحیٰ نہ ایامِ تشریق، ہاں اگر مسافر ہے تو ماہِ رمضان میں کفارہ کی نیت سے روزہ رکھ سکتا ہے، مگر ایامِ منہیہ میں اسے بھی اجازت نہیں۔ (الجوہرۃ النیرہ، الجزء الثانی ص ۸۷، الدر المختار ج ۵ ص ۱۴۱)

مسئلہ ۱۶: روزے اگر پہلی تاریخ سے رکھے تو دوسرے مہینہ کے ختم پر کفارہ ادا ہو گیا اگرچہ دونوں مہینے ۲۹ کے ہوں اور اگر پہلی تاریخ سے نہ رکھے ہوں تو ساٹھ پورے رکھنے ہوں گے اور اگر پندرہ روزے رکھنے کے بعد چاند ہوا پھر اس مہینے کے روزے رکھ لیے اور یہ ۲۹ دن کا مہینہ ہوا اس کے بعد پندرہ دن اور رکھ لیے کہ ۵۹ دن ہوئے جب بھی کفارہ ادا ہو جائے گا۔ (الدر المختار و رد المحتار ج ۵ ص ۱۴۱)

مسئلہ ۱۷: روزوں سے کفارہ ادا ہونے میں شرط یہ ہے کہ پچھلے روزے کے ختم تک غلام آزاد کرنے پر قدرت نہ ہو یہاں تک کہ پچھلے روزے کی آخری ساعت میں بھی اگر قدرت پائی گئی تو روزے ناکافی ہیں بلکہ غلام آزاد کرنا ہو گا اور اب یہ روزہ نفل ہوا اس کا پورا کرنا مستحب رہے گا اگر فوراً توڑ دے گا تو اس کی قضا نہیں البتہ اگر کچھ دیر بعد توڑے گا تو قضا لازم ہے۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۱۴۱)

مسئلہ ۱۸: کفارہ کا روزہ توڑ دیا خواہ سفر وغیرہ کسی عذر سے توڑا یا بغیر عذر یا ظہار کرنے والے نے جس عورت سے ظہار کیا ان دو مہینوں کے اندر دن یا رات میں اس سے وطی کی قصداً کی ہو یا بھول کر تو سرے سے روزے رکھے کہ شرط یہ ہے کہ جماع سے پہلے دو مہینے کے پے درپے روزے رکھے اور ان صورتوں میں یہ شرط پائی نہ گئی۔ (الدر المختار و رد المحتار ج ۵ ص ۱۴۲)

مسئلہ ۱۹: یہ احکام جو کفارہ کے متعلق بیان کیے گئے یعنی غلام آزاد کرنے اور روزے رکھنے کے متعلق یہ ظہار کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر کفارہ کے یہی احکام ہیں، مثلاً قتل کا کفارہ یا روزۂ رمضان توڑنے کا کفارہ، قسم کا کفارہ مگر قسم کے کفارہ میں تین روزے ہیں۔ اور یہ حکم کہ روزہ توڑ دیا تو سرے سے رکھنے ہوں گے کفارہ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جہاں پے در پے کی شرط ہو مثلاً پے در پے روزوں کی منت مانی تو یہاں بھی یہی حکم ہے، البتہ اگر عورت نے رمضان کا روزہ توڑ دیا اور کفارہ میں روزے رکھ رہی تھی اور حیض آ گیا تو سرے سے رکھنے کا حکم نہیں بلکہ جتنے باقی ہیں ان کا رکھنا کافی ہے۔ ہاں اگر اس حیض کے بعد آئسہ ہوگئی یعنی اب ایسی عمر ہوگئی کہ حیض نہ آئے گا تو سرے سے روزے رکھنے کا حکم دیا جائے گا کہ اب وہ پے در پے دو مہینے کے روزے رکھ سکتی ہے اور اگر اثنائے کفارہ میں عورت کے بچہ ہوا تو سرے سے روزے رکھے۔ ظہار و غیر ظہار کے کفاروں میں ایک اور فرق ہے، وہ یہ کہ غیر ظہار کے کفارے میں اگر رات میں وطی کی یا دن میں بھول کر کی تو سرے سے روزے رکھنے کی حاجت نہیں۔ یوہیں ظہار کے روزوں میں اگر بھول کر کھالیا یا دوسری عورت سے بھول کر جماع کیا یا رات میں قصداً جماع کیا تو سرے سے رکھنے کی حاجت نہیں۔

(الدر المختار و رد المحتار ج ۵ ص ۱۴۲)

مسئلہ ۲۰: غلام نے اگر اپنی عورت سے ظہار کیا اگرچہ مکاتب ہو یا اس کا کچھ حصہ آزاد ہو چکا باقی کے لیے سعایت کرتا ہو یا آزاد نے ظہار کیا مگر بوجہ کم عقلی کے اس کے تصرفات روک دیے گئے ہوں تو ان سب کے لیے کفارے میں روزے رکھنا معین ہے، ان کے لیے غلام آزاد کرنا یا کھانا کھلانا نہیں، لہٰذا اگر غلام کے آقا نے اس کی طرف سے غلام آزاد کر دیا یا کھانا کھلا دیا تو یہ کافی نہیں اگرچہ غلام کی اجازت سے ہوا اور کفارہ کے روزوں سے اس کا آقا منع نہیں کر سکتا اور اگر غلام نے کفارہ کے روزے اب تک نہیں رکھے اور اب آزاد ہو گیا تو اگر غلام آزاد کرنے پر قدرت ہو تو آزاد کرے ورنہ روزے رکھے۔ (الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۲-۵۱۳)

مسئلہ ۲۱: روزے رکھنے پر بھی اگر قدرت نہ ہو کہ بیمار ہے اور اچھے ہونے کی امید نہیں یا بہت بوڑھا ہے تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے اور یہ اختیار ہے کہ ایک دم سے ساٹھ مسکینوں کو کھلا دے یا متفرق طور پر، مگر شرط یہ ہے کہ اس اثناء میں روزے پر قدرت حاصل نہ ہو ورنہ کھلانا صدقۂ نفل ہوگا اور کفارہ میں روزے رکھنے ہوں گے۔ اور اگر ایک وقت ساٹھ کو کھلایا دوسرے وقت ان کے سوا دوسرے ساٹھ کو کھلایا تو ادا نہ ہوا بلکہ ضرور ہے کہ پہلوں یا پچھلوں کو پھر ایک وقت کھلائے۔

(الدر المختار و رد المحتار ج ۵ ص ۱۴۴، الفتاوی الہندیہ ج ۱ ص ۵۱۳)

مسئلہ ۲۲: شرط یہ ہے کہ جن مسکینوں کو کھانا کھلایا ہو ان میں کوئی نابالغ غیر مراہق نہ ہو، ہاں اگر ایک جوان کی پوری خوراک کا اسے مالک کر دیا تو کافی ہے۔ (الدر المختار و رد المحتار ج ۵ ص ۱۴۴)

مسئلہ ۲۳: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر مسکین کو بقدر صدقۂ فطر یعنی نصف صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا ان کی قیمت کا مالک کر دیا جائے مگر اباحت کافی نہیں اور انہیں لوگوں کو دے سکتے ہیں جنہیں صدقۂ فطر دے سکتے ہیں جن کی تفصیل صدقۂ فطر کے بیان میں مذکور ہوئی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صبح کو کھلا دے اور شام کے لیے قیمت دے دے یا شام کو کھلا دے اور صبح کے کھانے کی قیمت دے دے یا دو دن صبح کو یا شام کو کھلا دے یا تیس کو کھلائے اور تیس کو دے دے، غرض یہ کہ ساٹھ کی تعداد جس طرح چاہے پوری کرے اس کا اختیار ہے یا پاؤ صاع گیہوں اور نصف صاع جو دے دے یا کچھ گیہوں یا جو دے باقی کی قیمت ہر طرح اختیار ہے۔

(الدر المختار و رد المحتار ج ۵ ص ۱۴۴-۱۴۶)

مسئلہ ۲۴: کھلانے میں پیٹ بھر کر کھلانا شرط ہے اگرچہ تھوڑے ہی کھانے میں آسودہ ہو جائیں، اور اگر پہلے ہی سے کوئی آسودہ تھا تو اس کا کھانا کافی نہیں اور بہتر یہ ہے کہ گیہوں کی روٹی اور سالن کھلائے اور اس سے اچھا کھانا ہو تو اور بہتر اور جو کی روٹی ہو تو سالن ضروری ہے۔ (الدرالمختار وردالمحتار ج ۵ ص ۱۴۶)

مسئلہ ۲۵: ایک مسکین کو ساٹھ دن تک دونوں وقت کھلایا، ہر روز بقدر صدقۂ فطر اسے دے دیا جب بھی ادا ہو گیا اور اگر ایک ہی دن میں ایک مسکین کو سب دے دیا ایک دفعہ میں یا ساٹھ دفعہ کر کے یا اس کو سب بطور اباحت دیا تو صرف اس ایک دن کا ادا ہوا۔ یوہیں اگر تیس مساکین کو ایک ایک صاع گیہوں دیے یا دو دو صاع جَو تو صرف تیس کو دینا قرار پائے گا یعنی تیس مساکین کو پھر دینا پڑے گا، یہ اس صورت میں ہے کہ ایک دن میں دیے ہوں اور دو دنوں میں دیے تو جائز ہے۔ (الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۵۱۳)

مسئلہ ۲۶: ساٹھ مساکین کو پاؤ پاؤ صاع گیہوں دیے تو ضرور ہے کہ ان میں ہر ایک کو اور پاؤ پاؤ صاع دے اور اگر ان کی عوض میں اور ساٹھ مساکین کو پاؤ پاؤ صاع دیے تو کفارہ ادا نہ ہوا۔ (الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۵۱۳)

مسئلہ ۲۷: ایک سو بیس مساکین کو ایک وقت کھانا کھلا دیا تو کفارہ ادا نہ ہوا بلکہ ضرور ہے کہ ان میں سے ساٹھ کو پھر ایک وقت کھلائے خواہ اسی دن یا کسی دوسرے دن اور اگر وہ نہ ملیں تو دوسرے ساٹھ مساکین کو دو وقت کھلائے۔ (الدرالمختار ج ۵ ص ۱۵۰)

مسئلہ ۲۸: اس کے ذمہ دو ظہار تھے خواہ ایک ہی عورت سے دونوں ظہار کیے یا دو عورتوں سے اور دونوں کے کفارہ میں ساٹھ مسکین کو ایک ایک صاع گیہوں دے دیے تو صرف ایک کفارہ ادا ہوا اور اگر پہلے نصف صاع ایک کفارہ میں دیے پھر انہیں کو نصف نصف صاع دوسرے کفارہ میں دیے تو دونوں ادا ہو گئے۔ (الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۵۱۴)

مسئلہ ۲۹: دو ظہار کے کفاروں میں دو غلام آزاد کر دیے یا چار مہینے کے روزے رکھ لیے یا ایک سو بیس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا تو دونوں کفارے ادا ہو گئے اگرچہ معین نہ کیا ہو کہ یہ فلاں کا کفارہ ہے اور یہ فلاں کا۔ اور اگر دونوں قسم کے کفارے ہوں تو کوئی ادا نہ ہوا مگر جب کہ یہ نیت ہو کہ ایک کفارہ میں یہ اور ایک میں وہ اگرچہ معین نہ کیا ہو کہ کون سے کفارہ میں یہ اور کس میں وہ۔ اور اگر دونوں کی طرف سے ایک غلام آزاد کیا یا دو ماہ کے روزے رکھے تو ایک ادا ہوا اور اسے اختیار ہے کہ جس کے لیے چاہے معین کرے اور اگر دونوں کفارے دو قسم کے ہیں مثلاً ایک ظہار کا ہے دوسرا قتل کا تو کوئی کفارہ ادا نہ ہوا مگر جب کہ کافر کو آزاد کیا ہو تو یہ ظہار کے لیے متعین ہے کہ قتل کے کفارہ میں مسلمان کا آزاد کرنا شرط ہے۔ (الدرالمختار ج ۵ ص ۱۴۸)

مسئلہ ۳۰: دو قسم کے کفارے ہیں اور ساٹھ مسکین کو ایک ایک صاع گیہوں دونوں کفاروں میں دے دیے تو دونوں ادا ہو گئے اگرچہ پورا پورا صاع ایک مرتبہ دیا ہو۔ (الدرالمختار ج ۵ ص ۱۴۸)

مسئلہ ۳۱: نصف غلام آزاد کیا اور ایک مہینے کے روزے رکھے یا تیس مسکینوں کو کھانا کھلایا تو کفارہ ادا نہ ہوا۔

(الفتاوی الہندیہ ج ا ص ۵۱۴)

مسئلہ ۳۲: ظہار میں یہ ضروری ہے کہ قربت سے پہلے ساٹھ مساکین کو کھلا دے اور اگر ابھی پورے ساٹھ مساکین کو کھلا نہیں چکا ہے اور درمیان میں وطی کر لی تو اگرچہ یہ حرام ہے مگر جتنوں کو کھلا چکا ہے وہ باطل نہ ہوا، باقیوں کو کھلا دے، سرے سے پھر ساٹھ کو کھلانا ضرور نہیں۔ (الجوہرۃ النیرہ والجزء الثانی ص ۸۹)

مسئلہ ۳۳: دوسرے نے بغیر اس کے حکم کے کھلا دیا تو کفارہ ادا نہ ہوا اور اس کے حکم سے ہے تو صحیح ہے مگر جو صرف ہوا ہے وہ اس سے نہیں لے سکتا، ہاں اگر اس نے حکم کرتے وقت یہ کہ دیا ہو کہ جو صرف ہوگا میں دوں گا تو لے سکتا ہے۔ (الدر المختار ج ۵ ص ۱۴۸)

مسئلہ ۳۴: جس کے ذمہ کفارہ تھا اس کا انتقال ہو گیا وارث نے اس کی طرف سے کھانا کھلا دیا یا قسم کے کفارہ میں کپڑے پہنا دیے تو ہو جائے گا اور غلام آزاد کیا تو نہیں۔ (ردالمحتار ج ۵ ص ۱۴۷) (بہار شریعت حصہ ۸ ص ۲۰۵-۲۱۷، مکتبۃ المدینہ کراچی ۱۴۳۰ھ)

۲۴- بَابُ: الْإِشَارَةِ فِي الطَّلَاقِ وَالْأُمُوْرِ

اشارہ سے طلاق دینا اور دیگر امور کا اشارہ کرنا

امام بخاری کی پہلی تعلیق

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يُعَذِّبُ اللّٰهُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلٰكِنْ يُعَذِّبُ بِهٰذَا فَأَشَارَ إِلٰى لِسَانِهِ۔ (صحیح بخاری: ۱۳۰۴)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو کی وجہ سے عذاب نہیں دے گا لیکن اس کی وجہ سے عذاب دے گا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان کی طرف اشارہ کیا۔ (یعنی اگر غم کی وجہ سے آنکھ سے آنسو نکل آئیں تو اس پر مواخذہ نہیں ہوگا لیکن اگر بے صبری سے چیخ و پکار کرے گا تو اس پر مواخذہ ہوگا)۔

امام بخاری کی دوسری تعلیق

وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ أَشَارَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَيَّ أَيْ خُذِ النِّصْفَ۔ (صحیح البخاری: ۲۴۲۴)

اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف اشارہ کیا یعنی تم نصف لے لو۔

امام بخاری کی تیسری تعلیق

وَقَالَتْ أَسْمَاءُ صَلَّى النَّبِيُّ ﷺ فِي الْكُسُوْفِ فَقُلْتُ لِعَائِشَةَ مَا شَأْنُ النَّاسِ وَهِيَ تُصَلِّي فَأَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا إِلَى الشَّمْسِ فَقُلْتُ آيَةٌ فَأَوْمَأَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ نَعَمْ۔ (صحیح البخاری: ۸۶)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گہن کی نماز پڑھائی تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: لوگوں کو کیا ہوا؟ اور اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نماز پڑھ رہی تھیں تو انہوں نے اپنے سر سے سورج کی طرف اشارہ کیا یعنی سورج کو گہن لگ چکا ہے۔ میں نے پوچھا: (کیا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی) نشانی ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سر سے اشارہ کیا: ہاں۔

امام بخاری کی چوتھی تعلیق

وَقَالَ أَنَسٌ أَوْمَأَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ إِلٰى أَبِي بَكْرٍ أَنْ يَتَقَدَّمَ۔ (صحیح البخاری: ۶۸۱)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا کہ وہ (مصلیٰ پر) آگے بڑھیں۔

امام بخاری کی پانچویں تعلیق

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ أَوْمَأَ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ لَا حَرَجَ۔ (صحیح البخاری: ۸۴)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔

امام بخاری کی چھٹی تعلیق

وَقَالَ أَبُو قَتَادَةَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ فِي الصَّيْدِ لِلْمُحْرِمِ آحَدٌ مِنْكُمْ أَمَرَهُ أَنْ يَحْمِلَ عَلَيْهَا أَوْ أَشَارَ إِلَيْهَا قَالُوا لَا قَالَ فَكُلُوا۔ (صحیح البخاری: ۱۸۲۴)

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مُحرِم کے شکار کے متعلق فرمایا: کیا تم میں سے کسی نے ان کے حکم کی وجہ سے شکار پر حملہ کیا تھا یا شکار کی طرف اشارہ کیا تھا؟ تو صحابہ نے کہا: نہیں، پس آپ نے فرمایا: پھر تم کھاؤ۔

اشارہ کے تقاضا پر حکم لگانے کی حدیث صحیح سے دلیل

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب طلاق کا اشارہ کرنے کے حکم کے بیان میں ہے۔

علامہ ابن التین نے کہا: امام بخاری نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اشارہ سے بھی طلاق سمجھ میں آتی ہے، خواہ تندرست آدمی اشارہ کرے یا گونگا آدمی اشارہ کرے۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: جب اشارہ سے بات سمجھ میں آجائے تو اس سے حکم لگا دیا جائے گا اور اس کی تاکید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ ایک سیاہ فام باندی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس باندی کو آزاد کردو کیونکہ یہ مومنہ ہے۔ (موطا امام مالک ج ۲ ص ۲۰۳، المکتبۃ التوفیقیہ، عراق)

لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی کے آسمان کی طرف اشارہ کرنے کی وجہ سے اس کو مسلمان اور مومنہ قرار دیا، پس اس سے معلوم ہوا کہ تمام امور کے اندر اشارہ معتبر ہے اور یہ عامۃ الفقہاء کا قول ہے۔

گونگے کی اشارہ سے طلاق دینے اور رجوع کرنے کے متعلق اختلاف فقہاء

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ جب گونگا اشارہ سے طلاق دے تو اس کی طلاق لازم ہوگی اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے جو مرد بیمار ہو اور اس کی زبان میں خلل ہو تو وہ طلاق دینے میں اور رجوع کرنے میں گونگے کی مثل ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب نے کہا ہے: اگر اس کا اشارہ طلاق میں اور نکاح میں اور بیع میں متعارف ہو تو پھر اس کے اشارہ پر عمل کرنا جائز ہے اور اگر اس کے اشارہ کے مفہوم میں شک ہو تو پھر اس کے اشارہ پر عمل کرنا باطل ہے، اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا: یہ قیاس نہیں ہے بلکہ یہ استحسان ہے، اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان تمام امور میں اس کے اشارہ پر عمل کرنا باطل ہو کیونکہ وہ کلام نہیں کر رہا اور اس کے اشارہ کا مفہوم متعین نہیں ہے۔

علامہ ابن المنذر شافعی کا امام ابوحنیفہ پر اعتراض

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشا پوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے امام ابوحنیفہ پر اعتراض کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے اپنے اس قول میں یہ اقرار کیا ہے کہ انہوں نے باطل پر حکم لگایا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک قیاس برحق ہے، پس جب انہوں نے قیاس کی ضد پر حکم لگایا جو کہ استحسان ہے تو انہوں نے حق کی ضد کے اوپر حکم لگایا اور انہوں نے استحسان کے حکم کو غالب رکھا جو کہ قیاس کی ضد ہے اور انہوں نے اس قیاس کی ضد کے مطابق حکم لگایا جو قیاس ان کے نزدیک برحق ہے۔

علامہ عینی کی طرف سے علامہ ابن المنذر شافعی کے امام ابوحنیفہ پر اعتراض کا جواب

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ کلام اس شخص کا ہے جو احکام کی باریکیوں کو نہیں سمجھتا اور ضد اور ہٹ دھرمی سے کام لیتا ہے، اور امام اعظم جو خیر القرون کے مرد عظیم ہیں ان پر جہالت سے اعتراض کرنے کی جرأت کرتا ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں جو قیاس کو ترک کر دیا ہے یعنی قیاس جلی کو ترک کر دیا ہے اور استحسان پر عمل کیا جو کہ قیاس خفی ہے تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے تمام قیاسات کو ترک کر دیا ہے اور ان کو باطل قرار دیا ہے اور استحسان قیاس کی ضد نہیں ہے بلکہ وہ بھی قیاس کی ایک قسم ہے، کیونکہ قیاس کی دو قسمیں ہیں: ایک قیاس جلی ہے اور دوسرا قیاس خفی ہے اور استحسان قیاس خفی ہے اور جس شخص کو اتنا بھی معلوم نہیں وہ کیسے امام ابوحنیفہ پر ناحق افتراء کرتا ہے اور جہالت سے ان پر اعتراض کرنے کی جرأت کرتا ہے اور اسی طرح علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہ کے متعلق زبان درازی کی اور باطل کلام کے ساتھ یہ کہا کہ امام بخاری نے اس باب سے امام ابوحنیفہ پر رد کرنے کا ارادہ کیا ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں اشارہ کے ساتھ فیصلہ فرمایا ہے اور امام بخاری نے اس باب کی احادیث سے امام ابوحنیفہ پر رد کرنے کا ارادہ کیا ہے، پھر علامہ ابن بطال نے علامہ ابن المنذر کے کلام کو نقل کیا، پھر کہا: امام ابوحنیفہ کو اس استحسان پر کسی چیز نے برانگیختہ کیا کیونکہ امام ابوحنیفہ کو ان احادیث کا علم نہیں ہے جن سے مختلف احکام میں اشارہ کے تقاضا پر عمل کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۵-۴۰۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی اصل اور مکمل عبارت

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: جب اشارہ کا مطلب سمجھ آ جائے اور اس سے اشکال دور ہو جائے تو اس اشارہ کے مقتضاء پر عمل کیا جاتا ہے اور امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس باب میں مختلف اشارات کے متعلق مختلف احادیث روایت کی ہیں جو اس بات پر شاہد ہیں کہ اشارہ کے مقتضاء پر عمل کرنا جائز ہے اور سب سے مؤکد اشارہ کے تقاضا پر عمل کے متعلق درج ذیل حدیث ہے:

امام مالک بن انس اصبحی المتوفی ۱۷۹ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

از ہلال بن اسامہ از عطاء بن یسار از عمر بن الحکم رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، سو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری ایک باندی ہے جو میری بکریوں کو چراتی ہے، میں اس کے پاس گیا اور اس وقت بکریوں میں

سے ایک بکری گم تھی، میں نے اپنی باندی سے اس بکری کے متعلق سوال کیا تو اس نے بتایا کہ اس بکری کو بھیڑیا کھا گیا ہے، سو مجھے اس پر بہت افسوس ہوا اور میں بھی بنو آدم میں سے ہوں، پس میں نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا اور مجھ پر ایک غلام کو آزاد کرنا تھا، کیا میں اس باندی کو آزاد کر دوں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا: اللہ کہاں ہے؟ تو اس نے کہا: آسمان میں، آپ نے دریافت فرمایا: میں کون ہوں؟ تو اس نے کہا کہ آپ رسول اللہ ہیں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو۔

اس کے بعد امام مالک بن انس نے دوسری حدیث روایت کی ہے:

از ابن شہاب از عبد اللہ بن عبد اللہ بن عقبہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ انصار میں سے ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سیاہ فام باندی کو لے کر آیا، پس کہا: یا رسول اللہ! مجھ پر ایک مومن غلام کو آزاد کرنے کی نذر ہے، پس اگر آپ اس باندی کو مومنہ قرار دیں تو میں اس کو آزاد کر دوں، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باندی سے پوچھا: کیا تم اس بات کی گواہی دیتی ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم گواہی دیتی ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: کیا تم کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے پر یقین ہے، اس نے کہا: جی ہاں! تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو آزاد کر دو۔ (موطا امام مالک ج ۲ ص ۲۰۳-۲۰۴، رقم الحدیث: ۸۰۹، المکتبۃ التوقیفیہ، عراق)

(الموطا ج ۲ ص ۲۹۲، رقم الحدیث: ۱۵۳۵، ۱۵۳۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

امام مالک ان روایات کے ساتھ منفرد ہیں۔

علامہ المہلب المالکی لکھتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کے سبب سے اس باندی کے اسلام سے متعلق فیصلہ فرما دیا اور یہ اشارہ کے حجت ہونے کی اصل ہے جس کی وجہ سے انسان کی جان اور اس کے مال کی حفاظت کی جاتی ہے اور اس کی وجہ سے انسان جنت کا مستحق ہوتا ہے اور دوزخ سے نجات پاتا ہے اور آپ نے اس باندی کے ایمان کا فیصلہ فرمایا جس طرح کوئی شخص زبان سے توحید و رسالت کی گواہی دے تو اس کے ایمان اور اسلام کا فیصلہ کیا جاتا ہے، پس واجب ہے کہ اشارہ کے متعلق تمام دینی احکام میں عمل کیا جائے اور عامۃ الفقہاء کا یہی قول ہے۔ ابن القاسم نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ گونگا جب اشارہ سے طلاق دے تو اس کی طلاق لازم ہوگی اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا کہ جو مرد بیمار ہو اور اس کی زبان میں خلل ہو تو وہ اس گونگے کی مثل ہے جو اشارہ سے رجوع کرتا ہے اور طلاق دیتا ہے اور جب گونگا ایسا اشارہ کرے جس کا مفہوم سمجھ آئے یا وہ لکھ دے تو اس کی دی ہوئی طلاق لازم ہوگی۔

اور ابوثور نے گونگے کے اشارہ کے متعلق کہا کہ جب اس کے اشارہ کا مطلب سمجھ آجائے تو اس کے تقاضا پر عمل کرنا جائز ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے کہا اگر اس کے طلاق دینے اور نکاح کرنے اور اس کے خرید و فروخت کرنے میں اس کے اشارہ سے اس کا مطلب سمجھ میں آجائے اور یہ بات لوگوں کو معلوم ہے تو اس کے اشارہ کے مطابق عمل کرنا ہے اور اگر اس کے اشارہ کے مفہوم میں شک ہو تو پھر اس کے اشارہ کے مقتضاء پر عمل کرنا باطل ہے، اور یہ قیاس نہیں ہے بلکہ یہ استحسان ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں عمل کرنا باطل ہے، کیونکہ گونگا کلام نہیں کرسکتا اور اس کے اشارہ کا مفہوم متعین نہیں ہوتا۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا: پس امام ابوحنیفہ کا یہ زعم ہے کہ اس مسئلہ میں قیاس پر عمل کرنا

باطل ہے اوران کے اس قول میں ان کی طرف سے یہ اقرار ہے کہ انہوں نے باطل چیز پر حکم لگایا ہے کیونکہ ان کے نزدیک قیاس برحق ہے، پس جب انہوں نے قیاس کی ضد کے مطابق فیصلہ کیا جو کہ استحسان ہے تو انہوں نے حق کی ضد پر حکم لگایا اور انہوں نے اس مسئلہ میں استحسان کے قول کو غالب قرار دیا جو کہ قیاس کی ضد ہے، انہوں نے استحسان سے قیاس کو رد کر دیا ہے جو کہ ان کے نزدیک برحق ہے۔ (الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۲۸۶، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

علامہ ابن بطال مالکی المتوفی ۴۴۹ھ لکھتے ہیں: اور میرا گمان یہ ہے کہ امام بخاری نے اس باب میں امام ابوحنیفہ کے رد کا ارادہ کیا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں اشارہ کے مقتضاء پر عمل کیا اور اشارہ کے مقتضاء پر عمل کرنے کو اپنی امت پر مشروع قرار دیا ہے، اور معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز میں ایسا حکم دیں جو اس شریعت کے خلاف ہو جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو امین بنایا ہے اور قرآن مجید نے شہادت دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام احکام شرعیہ کی اپنی امت کو تبلیغ کر دی ہے اور دین کو آپ نے کامل کر دیا ہے اور امام ابوحنیفہ نے ان امور میں جو اشارہ کے مقتضاء پر عمل نہیں کیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کو ان احادیث کا علم نہیں ہے جن سے مختلف دینی احکام میں اشارہ کے مقتضاء پر عمل کا جواز ثابت ہوتا ہے اور ان احادیث میں آپ نے اشارہ کو نطق کے قائم مقام قرار دیا ہے، سو جس مرد کے لئے کلام کرنا ممکن نہ ہو اس کے اشارہ کے مطابق عمل کرنا بہ طریق اولیٰ جائز اور موکد ہے کیونکہ اس کے اشارہ کے بغیر عمل کرنا ممکن نہیں ہے اور اس باب کی احادیث میں اس یہودی کا قصہ بھی ہے جس نے ایک لڑکی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر توڑ دیا تھا اور اس کے زیورات اتار لئے تھے۔

(شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۰۷-۴۰۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن بطال کی ذکر کردہ حدیث کی مصنف کی طرف سے تخریج اور تحقیق

میں کہتا ہوں: علامہ ابن بطال نے جس حدیث کی طرف اجمالاً اشارہ کیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ہشام بن زید بن انس اپنے دادا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک لڑکی جس کے اوپر زیورات تھے وہ مدینہ میں نکلی تو ایک یہودی نے اس پر پتھر مارا، حضرت انس نے بتایا کہ اس لڑکی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا اور ابھی اس میں کچھ رمق حیات تھی پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ کیا تم کو فلاں نے قتل کیا ہے؟ تو اس لڑکی نے سر اٹھا کر نفی کی، پھر آپ نے سوال دہرایا کہ کیا تم کو فلاں نے قتل کیا ہے؟ تو اس نے سر اٹھا کر نفی کی، پھر آپ نے تیسری بار پوچھا کہ کیا تم کو فلاں نے قتل کیا ہے تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کو بلایا اور اس کے سر کو دو پتھروں کے درمیان رکھ کر قتل کر دیا۔ (صحیح البخاری: ۶۸۷۷)

امام بخاری کی دوسری روایت میں ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی سے پوچھا: کیا تمہارے ساتھ فلاں نے یہ کاروائی کی ہے حتیٰ کہ اس یہودی کے بارے میں پوچھا تو اس نے سر سے اشارہ کیا، پھر اس یہودی کو پکڑا گیا اور اس نے قتل کا اعتراف کر لیا، پھر اس یہودی کے سر کو دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا گیا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۳، صحیح مسلم: ۱۶۷۲، سنن ترمذی: ۱۳۹۴، سنن نسائی: ۴۷۴۲، سنن ابو داؤد: ۴۵۲۷، سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۵، مسند احمد:

۱۲۵۹۴، سنن داری: ۲۳۵۵)

سواس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لڑکی کے اشارہ کے مقتضاء پر عمل کر کے اس لڑکی کا قصاص لیا اور اس یہودی کے قتل کر دیا، سواس سے واضح ہوا کہ احکام شرعیہ میں اشارہ کے مقتضیٰ پر عمل کرنا جائز اور ثابت ہے۔

علامہ عینی کے جواب کا تتمہ

علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ علامہ ابراہیم بن المنذر الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے جو کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ کو ان احادیث اور سنن کا علم نہیں تھا جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کے مقتضیٰ پر عمل کو جائز قرار دیا ہے، سو یہ ان لوگوں کی سخت بے ادبی ہے اور جہالت ہے اور ان کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ہمارے اصحاب احناف کی کتابوں میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اشارہ کے مقتضیٰ پر عمل کرنا جائز ہے، جیسا کہ ہم نے ان میں سے بعض پر تنبیہ کی ہے۔

ہمارے اصحاب احناف نے یہ تصریح کی ہے کہ گونگے کا اشارہ کرنا اور اس کا لکھنا اس کے بیان اور اس کی زبان کی مثل ہے، پس اس کے اشارہ اور لکھنے سے اس کے تمام احکام ثابت ہوں گے، حتیٰ کہ اشارہ سے اس کا نکاح کرنا، اس کا طلاق دینا، اس کا آزاد کرنا، اور اس کا خرید و فروخت کرنا تمام احکام شرعیہ ثابت ہیں، اس کے برخلاف جس مرد کی زبان میں خلل ہو یا سُقم ہو تو اس کا اشارہ غیر معتبر ہے کیونکہ اشارہ مراد کی خبر دیتا ہے مگر جب کسی مرد کا مرض طویل ہو جائے اور وہ معروف ہو جائے جیسے گونگا ہو تو اس کا حکم مختلف ہے، اور علامہ ابو محمد ظہیر الدین احمد بن ابی ثابت اسماعیل تمرتاشی الحنفی المتوفی ۶۰۰ھ نے امام ابوحنیفہ سے یہ نقل کیا ہے کہ جب کسی شخص کی زبان کی بیماری اس کی موت تک دائم رہے تو اشارہ سے اس کا اقرار جائز ہے اور اس کا اشارہ سے گواہی دینا بھی جائز ہے اور ہمارے فقہاء نے کہا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے اور المحیط میں مذکور ہے کہ اگر ایک مرد نے اپنے ہاتھ سے ایک عورت کی طرف اشارہ کیا اور کہا زینب تجھے طلاق ہے اور وہ عورت زینب نہیں عمرہ تھی تو عمرہ کو طلاق دے دی جائے گی کیونکہ اس نے اشارہ بھی کیا اور نام بھی لیا، کیونکہ اعتبار اشارہ کا ہوتا ہے نام کا نہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۵-۴۰۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی حنفی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ پہلی تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو کے سبب سے عذاب نہیں دے گا۔ (صحیح البخاری: ۱۳۰۴)

اس تعلیق کی باب کے ساتھ اس طرح مطابقت ہے کہ اس میں آپ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اشارہ بھی نطق کے قائم مقام ہے، اس حدیث کی امام بخاری نے کتاب الجنائز کے اندر اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری کی تعلیق مذکور میں مفصل حدیث

میں کہتا ہوں: علامہ عینی حنفی نے جس مکمل حدیث کا اجمالاً ذکر کیا ہے اس حدیث کی مکمل تفصیل درج ذیل ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ متوفی ۱۵ھ بیمار ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور آپ کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ متوفی ۳۱ھ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ھ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ بھی تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس داخل ہوئے تو ان کو ان کے گھر میں بے ہوشی کے عالم میں پایا۔ آپ نے پوچھا: کیا یہ فوت ہو گئے، گھر والوں نے کہا: نہیں یارسول اللہ! پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روئے تو جب لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو روتے ہوئے دیکھا تو وہ بھی رونے لگے، آپ نے فرمایا: کیا تم سن نہیں رہے بے شک اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو کی وجہ سے عذاب نہیں دے گا اور نہ دل کے غم کی وجہ سے عذاب دے گا، لیکن اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے عذاب دے گا، آپ نے اپنی زبان کی طرف اشارہ فرمایا یا رحم فرمائے گا۔

(صحیح البخاری: ۱۳۰۴، صحیح مسلم: ۹۲۴، الرقم المسلسل: ۲۰۲۱)

امام بخاری کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی حنفی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

امام بخاری کی اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۵۰ھ کی طرف اسناد ہے کہ ان کا حضرت عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ متوفی ۷۱ھ کے اوپر قرض تھا، پس ان کی حضرت عبداللہ بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، سو وہ دونوں باتیں کرنے لگے حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہونے لگیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس سے گزرے، پس فرمایا: اے کعب! اور اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا: گویا کہ آپ نے اشارہ فرمایا: النصف، تو حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنی رقم میں سے نصف لے لی اور نصف چھوڑ دی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تعلیق مذکور کی حدیث کی مزید تفصیل اور مکمل تخریج

میں کہتا ہوں: امام بخاری نے اس حدیث کی اوائلِ صحیح بخاری میں بھی روایت کی ہے، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن کعب بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت کعب بن مالک نے حضرت ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کا تقاضا کیا جو ان کے ذمہ تھا اور وہ تقاضا مسجد میں کیا حتیٰ کہ ان کی آوازیں بلند ہو گئیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی آوازوں کو اپنے گھر میں سنا، آپ ان دونوں کی طرف نکلے حتیٰ کہ آپ نے اپنے حجرہ کا پردہ کھولا، آپ نے فرمایا: اے کعب! انہوں نے کہا: لبیک یارسول اللہ! تم اپنے اس قرض سے کم کر لو اور ان کی طرف اشارہ کیا یعنی نصف، حضرت کعب نے کہا: یارسول اللہ! میں نے کر دیا، آپ نے ابن ابی حدرد سے کہا کہ تم اٹھو، پس اس قرض کو ادا کر دو۔

(صحیح البخاری: ۴۵۷، صحیح مسلم: ۱۵۵۸، سنن نسائی: ۵۴۰۸، سنن ابوداؤد: ۳۵۹۵، سنن ابن ماجہ: ۲۴۲۹، مسند احمد: ۱۵۳۶۴، سنن دارمی: ۲۵۸۷)

امام بخاری کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی حنفی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں مذکور ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما متوفاۃ ۷۳ھ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی تو میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ سے کہا کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ اور اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نماز پڑھ رہی

تھیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سر سے سورج کی طرف اشارہ کیا، میں نے پوچھا: کیا یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کوئی نشانی ہے؟ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے سر سے اشارہ کیا کہ ہاں۔ (صحیح البخاری: ۸۶)

علامہ عینی فرماتے ہیں:

یہ تعلیق پوری سند کے ساتھ الکسوف میں گزر چکی ہے اور وہ باب ہے: عورتوں کا مردوں کے ساتھ نماز کسوف پڑھنا اور اس میں حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی جب سورج کو گرہن لگا ہوا تھا اور اس وقت لوگ کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی نماز پڑھ رہی تھیں، میں نے پوچھا: لوگوں کو کیا ہوا؟ تو حضرت عائشہ نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: سبحان اللہ! میں نے پوچھا: کیا یہ کوئی نشانی ہے؟ حضرت عائشہ نے اشارہ کیا: ہاں! (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس تعلیق میں مذکور حدیث کی مکمل تفصیل اور تخریج

میں کہتا ہوں: علامہ عینی حنفی نے اس حدیث کی مکمل تفصیل کے ساتھ روایت نہیں کی، اس کی تفصیل درج ذیل ہے:

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں، وہ بیان کرتی ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئی وہ نماز پڑھ رہی تھیں، میں نے پوچھا: لوگوں کو کیا ہوا؟ تو انہوں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا، پس اس وقت لوگ نماز کے قیام میں تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: سبحان اللہ! میں نے پوچھا: کیا یہ کوئی نشانی ہے؟ انہوں نے اپنے سر سے اشارہ کیا: ہاں! پھر میں بھی کھڑی ہوگئی اور مجھ پر بے ہوشی طاری ہوگئی تو میں اپنے سر کے اوپر پانی ڈال رہی تھی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل کی حمد وثنا کی، پھر آپ نے فرمایا: میں نے جس چیز کو بھی پہلے نہیں دیکھا تھا، اس چیز کو اب میں نے اس جگہ دیکھ لیا ہے، حتیٰ کہ جنت اور دوزخ کو بھی دیکھ لیا ہے، پھر میری طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قبروں میں تمہاری آزمائش کی جائے گی اور وہ آزمائش المسیح الدجال کے فتنہ کی مثل ہوگی، پوچھا جائے گا کہ اس مرد کے متعلق تمہارا کیا علم ہے؟ پس مومن یا موقن کہے گا: یہ (سیدنا) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، یہ ہمارے پاس معجزات اور ہدایت لے کر آئے، سو ہم نے ان کو لبیک کہا اور ہم نے ان کی اتباع کی اور تین مرتبہ کہا: یہ (سیدنا) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، تو اس قبر والے سے کہا جائے گا: تم چین سے سو جاؤ بے شک ہمیں معلوم تھا کہ تم ان پر ایمان رکھنے والے ہو اور رہا منافق تو وہ کہے گا: میں نہیں جانتا، لوگ کچھ کہتے تھے، سو میں نے بھی کہہ دیا۔
(صحیح البخاری: ۸۶، ۱۸۴، ۹۲۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۶۱، ۲۳۵، ۱۳۷۳، ۲۵۱۹، ۲۵۲۰، ۷۲۸۷، صحیح مسلم: ۹۰۵، سنن نسائی: ۲۰۶۲، مسند احمد: ۲۶۳۸۵، موطا امام مالک: ۴۴۷)

امام بخاری کی چوتھی تعلیق کی شرح از علامہ عینی حنفی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس تعلیق میں مذکور ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ متوفی ۱۳ھ کی طرف اشارہ کیا کہ آپ (مصلی پر) آگے بڑھیں۔ (صحیح البخاری: ۶۸۱)

علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں:

یہ تعلیق کتاب الصلوٰۃ کے اس باب میں گزر چکی ہے "باب اهل العلم والفضل احق بالامامة"، اس میں مذکور ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن تک گھر سے باہر نہیں نکلے اور نماز قائم کی گئی اور اس میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا کہ آگے بڑھیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے اس حدیث کی پوری تفصیل اور تخریج نہیں کی، اس حدیث کی پوری تفصیل اور تخریج درج ذیل ہے:

امام بخاری کی چوتھی تعلیق میں مذکور حدیث کی مکمل تفصیل اور تخریج

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ سے روایت کرتے ہیں:

انہوں نے بتایا کہ مجھے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبع، آپ کے خادم اور آپ کے صحابی تھے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کو ان ایام میں نماز پڑھاتے تھے جن ایام میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درد تھا اور آپ بیمار تھے اور اس بیماری میں آپ کی وفات ہوگئی حتیٰ کہ جب پیر کا دن آیا اور مسلمان صفیں باندھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرہ کا پردہ اٹھایا، اس وقت آپ ہماری طرف دیکھ رہے تھے اور آپ کھڑے ہوئے تھے اور آپ کا چہرہ مبارک قرآن کے ورق کی طرح تھا، پھر آپ ہنستے ہوئے مسکرائے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرنے سے ہمیں اس قدر خوشی ہوئی کہ ہم نے ارادہ کیا کہ ہم مارے خوشی کے نماز توڑ ڈالیں، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ گئے تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صف میں مل جائیں، انہوں نے گمان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھانے کے لئے باہر تشریف لائیں گے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہماری طرف اشارہ کیا کہ تم اپنی نماز پوری پڑھ لو اور آپ نے حجرہ کا پردہ لٹکا دیا، پھر اسی دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

(صحیح البخاری: ۶۸۰، ۶۸۱، ۷۵۴، ۱۲۰۵، ۴۴۴۸، صحیح مسلم: ۴۱۹، سنن نسائی: ۱۸۳۱، سنن ابن ماجہ: ۱۶۲۴، مسند احمد: ۲۶۱۶)

اس کے بعد امام بخاری نے دوسری روایت کی ہے جو حسب ذیل ہے:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھانے کے لیے تین دن تک گھر سے باہر تشریف نہیں لائے، سو نماز قائم کی گئی، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مصلی پر آگے بڑھ کر نماز پڑھانے لگے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرہ کا پردہ اٹھایا، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ انور ظاہر ہوا تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ مبارک سے زیادہ حسین منظر اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا کہ آپ آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرہ کا پردہ لٹکا دیا، پھر آپ نماز پڑھانے پر قادر نہیں ہوئے حتیٰ کہ آپ کی وفات ہوگئی۔ (صحیح البخاری: ۶۸۱)

امام بخاری کی پانچویں تعلیق کی شرح از علامہ عینی حنفی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ (صحیح البخاری: ۸۴)

کتاب الحج میں یہ تعلیق پوری سند کے ساتھ گزر چکی ہے۔

علامہ علاؤ الدین مغلطائی بن قلیج بن عبداللہ الحنفی المتوفی ۷۶۲ھ کی التلویح علی البخاری میں یہ حدیث مذکور ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: یہ حدیث اس عبارت کے ساتھ کتاب العلم میں گزر چکی ہے "باب الفتیا باشارة الید والراس" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حج کے متعلق سوال کیا گیا تو سائل نے کہا کہ میں نے رمی کرنے سے پہلے قربانی کرلی تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی تفصیل اور تخریج درج ذیل ہے:

پانچویں تعلیق میں مذکور حدیث کی تفصیل اور تخریج

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے اپنے حج کے متعلق سوال کیا، اس نے کہا: میں نے رمی کرنے سے پہلے قربانی کرلی تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا یعنی کوئی حرج نہیں، ایک اور شخص نے پوچھا کہ میں نے قربانی کرنے سے پہلے حلق کرلیا یعنی سر مونڈ لیا، تو آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔

(صحیح البخاری: ۸۴، ۱۷۲۱، ۱۷۲۳، ۱۷۳۴، ۱۷۳۲، ۶۶۶۶، صحیح مسلم: ۱۳۰۷، سنن نسائی: ۲۰۶۷، سنن ابوداؤد: ۱۹۸۳، سنن ابن ماجہ: ۳۰۵۰، مسند احمد: ۱۶۸۰)

امام بخاری کی چھٹی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اور حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ھ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مُحرم کے شکار کے متعلق پوچھا: کیا تم میں سے کسی نے ان کے حکم سے شکار پر حملہ کیا تھا یا شکار کی طرف اشارہ کیا تھا؟ صحابہ نے کہا: نہیں، تو آپ نے فرمایا: سوتم اس کو کھاؤ۔
(صحیح البخاری: ۱۸۲۴)

یہ تعلیق بھی کتاب الحج کے اس باب میں گزر چکی ہے "لایشیر المحرم الی الصید" حضرت عبداللہ بن ابی قتادہ از والد خود روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کرنے کے لئے نکلے الحدیث۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ ہم نے ایک جنگلی گدھا دیکھا، اس پر حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے حملہ کیا یہاں تک کہ انہوں نے بیان کیا کہ ہم اس کا باقی گوشت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے تو آپ نے پوچھا: کیا تم میں سے کسی نے ان کو حکم دیا تھا کہ اس جنگلی گدھے پر حملہ کرو یا کسی نے اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ صحابہ نے عرض کیا: نہیں تو آپ نے فرمایا: تم اس کا گوشت کھاؤ۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی تفصیل اور تخریج حسب ذیل ہے:

چھٹی تعلیق میں مذکور حدیث کی تفصیل اور تخریج

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بن ابی قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ھ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے لئے تشریف لے گئے، صحابہ بھی آپ کے ساتھ تھے،

پھر صحابہ میں سے ایک جماعت دوسری طرف نکل گئی اور ان میں حضرت ابوقتادہ بھی تھے، حضرت ابوقتادہ نے کہا کہ ساحلِ سمندر کی طرف چلو حتیٰ کہ ہم کو کوئی شکار ملے، پس وہ ساحل سمندر کی طرف گئے، جب واپس لوٹے تو حضرت ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کے سوا سب نے احرام باندھا ہوا تھا، حضرت ابوقتادہ انصاری مُحرم نہیں تھے، پس جس اثناء میں وہ جارہے تھے تو انہوں نے اچانک ایک جنگلی گدھی دیکھی، حضرت ابوقتادہ نے اس جنگلی گدھی پر حملہ کیا پھر اس کا گوشت کاٹا، پھر ہمارے پاس وہ گوشت لے کر آئے، ہم نے ایک جگہ قیام کیا اور اس گوشت کو کھایا اور صحابہ نے کہا کیا ہم شکار کا گوشت کھارہے ہیں، حالانکہ ہم سب احرام باندھے ہوئے ہیں؟ تو ہم نے اس جنگلی گدھے کے باقی گوشت کو اٹھایا، جب صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم نے عرض کیا یارسول اللہ! ہم سب مُحرم تھے اور حضرت ابوقتادہ نے احرام باندھا ہوا نہیں تھا، پس ہم نے ایک جنگلی گدھی کو دیکھا تو حضرت ابوقتادہ نے اس جنگلی گدھی پر حملہ کیا اور اس کا گوشت کاٹا، پھر ہم نے ایک جگہ قیام کر کے اس کا گوشت کھایا، پھر ہم نے کہا کہ ہم شکار کا گوشت کھارہے ہیں، حالانکہ ہم مُحرم ہیں، پھر ہم اس کا باقی گوشت اٹھا کر آپ کے پاس لائے تو آپ نے پوچھا: کیا تم میں سے کسی ایک نے ابوقتادہ کو جنگلی گدھی پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا یا اس کی طرف اشارہ کیا تھا؟ صحابہ نے کہا: نہیں، تو آپ نے فرمایا: پھر تم اس کا باقی ماندہ گوشت کھالو۔ (صحیح البخاری: ۱۸۲۴، صحیح مسلم: ۱۱۹۶)

۵۲۹۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا أَبُو عَامِرٍ عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ عَنْ خَالِدٍ عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ طَافَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى بَعِيرِهِ وَكَانَ كُلَّمَا أَتَى عَلَى الرُّكْنِ أَشَارَ إِلَيْهِ وَكَبَّرَ وَقَالَتْ زَيْنَبُ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم فُتِحَ مِنْ رَدْمِ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِثْلُ هٰذِهِ وَعَقَدَ تِسْعِينَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبد اللہ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عامر عبد الملک بن عمر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابراہیم نے حدیث بیان کی، از خالد از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اونٹ پر بیٹھ کر طواف کیا اور آپ جب بھی رکن یعنی حجر اسود کے پاس سے گزرتے تو اس کی طرف اشارہ کرتے اور اللہ اکبر پڑھتے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یاجوج اور ماجوج کی سد (یعنی ان کی رکاوٹ) سے اتنی اور اتنی کھل گئی اور آپ نے نوے (۹۰) کا عقد بنایا۔

یہ حدیث صحیح البخاری ۱۶۰۷ میں گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کی شرح از علامہ عینی، بعض رجال بخاری پر تبصرہ اور تعارف

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے کتاب الحج کے درج ذیل باب میں گزر چکی ہے:

"باب من اشار الی الرکن اذا اتی علیہ"

اس حدیث کی سند میں ابو عامر عبد الملک العقدی اور ابراہیم کا ذکر ہے، علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا کہ یہ ابن طہمان ہیں اور حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف مزی شافعی متوفی ۷۴۲ھ نے بھی اس کی توثیق کی ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ

یہ ابواسحاق الفزاری ہیں۔

اور رہیں حضرت زینب رضی اللہ عنہا تو وہ حضرت زینب بنت جحش ام المومنین رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۲۰ ھ ہیں، اور ان کی حدیث موصول احادیث الانبیاء علیہم السلام کے باب علامات النبوۃ میں گزر چکی ہے، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھبرائے ہوئے داخل ہوئے اور آپ پڑھ رہے تھے: لا الٰہ الا اللہ اور فرما رہے تھے: عرب کے لئے اس شر سے حفاظت ہو جو قریب آ پہنچا ہے، آج یاجوج اور ماجوج کی سد یعنی رکاوٹ سے اتنی کھل گئی اور آپ نے اپنی انگلی اور اس کے قریب والی انگلی سے حلقہ بنایا۔ الحدیث

اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث میں اشارہ نہیں ہے اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ عقد بنانا بھی اشارہ کی ایک قسم ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

میں کہتا ہوں: اس حدیث کی تفصیل اور تخریج حسب ذیل ہے:

حدیث مذکور کی تفصیل اور تخریج

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۲۰ ھ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن گھبرائے ہوئے آئے اور آپ پڑھ رہے تھے ''لا الٰہ الا اللہ'' اور عرب کے لئے ہلاکت ہو اس شر سے جو قریب آ پہنچا ہے، آج کے دن یاجوج اور ماجوج کی سد اتنی کھول دی گئی ہے اور آپ نے اپنے انگوٹھے اور اس کے قریب والی انگلی سے حلقہ بنایا، پس حضرت زینب بنت جحش ام المومنین نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا ہم ہلاک کر دیئے جائیں گے جب کہ ہم میں نیک لوگ بھی ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: ہاں جب کہ ان میں بدکار لوگ زیادہ ہوں گے۔

(صحیح البخاری: ۳۳۴۶، ۳۵۹۸، ۷۰۵۹، ۷۱۳۵، صحیح مسلم: ۲۸۸۰، سنن ترمذی: ۲۱۸۷، سنن ابن ماجہ: ۳۹۵۳، مسند احمد: ۲۶۸۷۰)

۵۲۹۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ عَلْقَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ أَبُو الْقَاسِمِ صلی اللہ علیہ وسلم فِي الْجُمُعَةِ سَاعَةٌ لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ قَائِمٌ يُصَلِّي فَسَأَلَ اللّٰهَ خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ وَقَالَ بِيَدِهِ وَوَضَعَ أُنْمُلَتَهُ عَلَى بَطْنِ الْوُسْطَى وَالْخِنْصِرِ قُلْنَا يُزَهِّدُهَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر بن المفضل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلمہ بن علقمہ نے حدیث بیان کی، از محمد بن سیرین از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جمعہ کے دن ایک ایسی ساعت ہوتی ہے جس ساعت میں کوئی مسلمان بندہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہا ہو پھر وہ اللہ تعالیٰ سے کسی خیر کا سوال کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے وہ خیر عطا فرماتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اپنے ہاتھ کی پور کو درمیانی انگلی اور چھنگلی پر رکھا، ہم نے کہا کہ آپ اس ساعت کی کمی کو بیان فرما رہے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۹۳۵، ۵۲۹۴، ۶۴۰۰، صحیح مسلم: ۸۵۲، سنن ترمذی: ۴۹۱، سنن نسائی: ۱۴۳۲، سنن ابوداؤد: ۱۰۴۶، سنن ابن ماجہ: ۱۱۳۷، مسند احمد:

۹۹۲۹،موطا امام مالک:۲۴۲، سنن دارمی:۱۵۶۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انگلی کے پور کے اشارہ سے ساعت جمعہ کی کم مقدار کو بیان فرمانا

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: ''قال بیدہ'' اس کا معنی ہے: آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور حدیث کے اس جُملہ سے اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت ہوتی ہے۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے اپنی پور درمیانی انگلی پر رکھی، اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ ساعت دن کے وسط میں ہوتی ہے اور اپنی پور چھنگلی پر رکھی اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ ساعت دن کے آخری حصہ میں ہوتی ہے۔

یہ حدیث کتاب الجمعہ کے باب ''الساعۃ التی فی یوم الجمعۃ'' میں گزر چکی ہے۔

ساعتِ جمعہ کے متعلق فقہاء احناف کا نظریہ

ساعت جمعہ کے متعلق متعدد اقوال ہیں: ایک قول یہ ہے کہ اس کو لیلۃ القدر کی طرح مخفی رکھا گیا ہے اور اس کو مخفی رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ لوگ اس کو تلاش کرنے کے لئے محنت اور جدوجہد کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہیں۔ ساعت جمعہ کے متعلق چالیس (۴۰) اقوال ہیں: ابو جعفر احمد الشہیر بالمحب الطبری المتوفی ۶۹۴ھ نے کہا ہے کہ ان میں سے سب سے زیادہ صحیح حدیث حضرت ابوموسیٰ الاشعری عبد اللہ بن قیس رضی اللہ عنہ متوفی ۵۲ھ کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ساعت امام کے بیٹھنے سے لے کر اختتامِ نماز تک ہے۔ (صحیح مسلم: ۸۵۳، الرقم المسلسل: ۱۹۴۲، سنن ابوداؤد: ۱۰۴۹)

ان احادیث میں سب سے زیادہ مشہور حدیث حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ متوفی ۴۳ھ کی ہے جو کہ درج ذیل ہے:

حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم کتاب اللہ (تورات) میں یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ جمعہ کے دن ایک ساعت ہے کہ جو بندۂ مومن اس ساعت میں نماز پڑھے اور اس ساعت میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری فرماتا ہے، حضرت عبد اللہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اشارہ سے بتایا کہ وہ ساعت بہت کم ہے، میں نے کہا: آپ نے سچ فرمایا، میں نے پوچھا: وہ کون سی ساعت ہے؟ آپ نے فرمایا: وہ دن کی آخری ساعت ہے، میں نے عرض کیا: وہ نماز کا وقت تو نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! بے شک جب بندہ مومن نماز پڑھتا ہے، پھر بیٹھ جاتا ہے اور پھر وہ نماز ہی کے انتظار میں ہوتا ہے تو اس کا شمار نماز میں ہی ہوتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۱۳۹، اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے تمام رجال ثقات ہیں)

۵۲۹۵۔ وَقَالَ الْأُوَيْسِيُّ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ شُعْبَةَ بْنِ الْحَجَّاجِ عَنْ هِشَامِ بْنِ زَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ عَدَا يَهُودِيٌّ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَلَى جَارِيَةٍ فَأَخَذَ أَوْضَاحًا كَانَتْ عَلَيْهَا وَرَضَخَ رَأْسَهَا فَأَتَى بِهَا أَهْلُهَا رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَهِيَ فِي

اور الاویسی نے کہا: ہمیں ابراہیم بن سعد نے حدیث بیان کی از شعبہ بن الحجاج از ہشام بن زید از حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک یہودی نے ایک لڑکی پر حملہ کر کے اس کے ان زیورات کو اتار لیا جو اس لڑکی کے اوپر تھے اور اس کا سر پتھر سے کچل دیا، اس لڑکی کے گھر والے

آخِرِ رَمَقٍ وَقَدْ أُصْمِتَتْ فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ قَتَلَكِ فُلَانٌ لِغَيْرِ الَّذِي قَتَلَهَا فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَا قَالَ فَقَالَ لِرَجُلٍ آخَرَ غَيْرِ الَّذِي قَتَلَهَا فَأَشَارَتْ أَنْ لَا فَقَالَ فَفُلَانٌ لِقَاتِلِهَا فَأَشَارَتْ أَنْ نَعَمْ فَأَمَرَ بِهِ رَسُولُ اللهِ ﷺ فَرُضِخَ رَأْسُهُ بَيْنَ حَجَرَيْنِ۔

اس لڑکی کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور اس وقت اس لڑکی میں آخری رمقِ حیات تھی اور وہ خاموش تھی، رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: تم کو کس نے قتل کیا ہے؟ فلاں نے؟ آپ نے اس کا نام لیا جس نے اس کو قتل نہیں کیا تھا، تو لڑکی نے سر کے اشارہ سے کہا: نہیں، حضرت انس نے بتایا کہ آپ نے پھر کسی اور مرد کا نام لیا جس نے اسے قتل نہیں کیا تھا تو لڑکی نے سر کے اشارہ سے کہا: نہیں، پھر آپ نے فرمایا: کیا فلاں شخص نے؟ اور وہی شخص اس کو قتل کرنے والا تھا، تو لڑکی نے سر کے اشارہ سے کہا: جی ہاں! تب رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلوایا اور اس کے سر کو دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا۔

(صحیح البخاری: ۲۴۱۳، ۲۷۴۷، ۵۲۵۹، ۶۸۷۶، ۶۸۷۷، ۶۸۷۹، ۶۸۸۴، ۶۸۸۵، صحیح مسلم: ۱۶۷۲، سنن ترمذی: ۱۳۹۴، سنن نسائی: ۴۷۴۲، سنن ابوداؤد: ۴۵۲۷، سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۵، مسند احمد: ۲۵۹۴، سنن دارمی: ۲۳۵۵)

حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اور الاویسی کا تعارف

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے کہ اس لڑکی نے اشارہ سے اپنے قاتل کی نشاندہی کی، اس حدیث کی سند میں الاویسی کا ذکر ہے۔ ان کا نام عبدالعزیز بن عبداللہ بن یحییٰ بن عمرو بن اویس العامر المدینی ہے، یہ امام بخاری کے مشائخ میں سے ایک ہیں، کتاب العلم میں ان کی روایت گزر چکی ہے۔ ان کو اویسی جو کہا جاتا ہے یہ ان کے اجداد میں سے کسی ایک جد کی طرف نسبت ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے: ''عدا یہودی'' اس کا معنی ہے کہ یہودی نے تعدی اور تجاوز کیا اور اس سے مراد ہے کہ اس نے لڑکی پر حملہ کیا۔

فاخذ اوضاحا: اوضاح وَضَحٌ کی جمع ہے اور یہ زیور کی قسم ہے جو چاندی سے بنایا جاتا ہے اور اس کی سفیدی اور اس کی چمک کی وجہ سے اس کو وَضَحٌ کہا جاتا ہے یعنی بہت واضح۔

علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے کہ ''الاوضاح'' یہ وہ زیور ہیں جو دراہم صحیحہ سے بنائے جاتے ہیں، ان کی سفیدی اور صفائی کی وجہ سے ان کو وضوح کہا جاتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے ایام البیض (۱۳، ۱۴، ۱۵) کے روزوں کو ''صیام الاواضح'' فرمایا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے: ''صوموا من وضح الی وضح'' (المعجم الطبرانی ج ۱ ص ۱۵۷، الصحیحۃ للالبانی ج ۸ ص ۱۹۱) یعنی ایک ضوح سے دوسری ضوح تک روزہ رکھو، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک ہلال سے دوسرے ہلال تک روزہ رکھو اور یہ

زیادہ واضح ہے کیونکہ اس حدیث میں اوضاح کا لفظ ہے: جب تم پر چاند مشتبہ ہو جائے تو تیس (۳۰) دن کی گنتی پوری کرو۔

اور اسی لفظ سے یہ حدیث ماخوذ ہے: ''غیروا الوضح''، یعنی سفید بالوں کو متغیر کرو یعنی ان کو رنگو۔

(میں کہتا ہوں: علامہ عینی حنفی نے لفظ وَضَحٌ سے متعلق جو احادیث ذکر کی ہیں یہ سب علامہ المبارک بن محمد بن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ کی کتاب ''النہایہ فی غریب الحدیث والاثر'' ج ۵ ص ۱۷۰، میں مذکور ہیں)۔

و رَضَخ: رَضْخٌ کے معنی ہیں کسی چیز کو توڑنا اور کوٹنا اور یہ سر کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

فی آخر رمق: یعنی اس میں بقیہ روح تھی۔

وَقَدْ أُصمتت: یعنی جب کسی کی زبان میں گرہ پڑ جائے اور وہ بولنے سے عاجز ہو۔

حدیث مذکور کی روایت کے مختلف الفاظ

اس حدیث کے الفاظ مختلف ہیں، بعض احادیث میں ''رض راسه بین حجرین'' کے الفاظ ہیں یعنی اس کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر پھاڑ دیا گیا، یہ صحیح مسلم: ۱۶۷۲ میں ہے۔

اور سنن ابوداؤد: ۴۵۲۷ میں مذکور ہے کہ ایک یہودی نے انصار کی ایک لڑکی کو قتل کر دیا جس پر زیورات تھے، پھر اس لڑکی کو کنوئیں میں ڈال دیا اور اس کا سر پتھروں سے کچل دیا، پھر اس یہودی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے حکم دیا کہ اس یہودی کو پتھروں سے رجم کیا جائے حتیٰ کہ وہ مر جائے، سو اس کو رجم یعنی سنگسار کیا گیا حتیٰ کہ وہ مر گیا۔

حدیث مذکور سے ائمہ ثلاثہ کا استدلال کہ جس کیفیت سے قاتل نے کسی کو قتل کیا ہے اسی کیفیت سے اس سے قصاص لیا جائے گا

اس حدیث سے عمر بن عبد العزیز متوفی ۱۰۱ھ اور قتادہ متوفی ۱۱۷ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، ابن سیرین اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد متوفی ۲۴۱ھ اور علامہ ابواسحاق شیرازی متوفی ۴۵۵ھ اور علامہ ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ اور غیر مقلدین کی ایک جماعت نے یہ استدلال کیا ہے کہ قاتل نے مقتول کو جس کیفیت سے قتل کیا ہو قصاص میں قاتل کو اسی کیفیت سے قتل کیا جائے گا۔

امام ابوحنیفہ کا موقف کہ قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا اور اس کے ثبوت میں احادیث

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا مذہب یہ ہے کہ جس مرد پر قصاص واجب ہے، اس کا قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ کا استدلال درج ذیل احادیث سے ہے:

حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لاقود الا بالسیف'' یعنی قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۷)

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لاقود الا بالسیف'' یعنی قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا۔ (سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۸)

اگر چہ ان حدیثوں کی سند میں جعفر الجعفی اور مبارک بن الفضالہ پر جرح کی گئی ہے لیکن چونکہ یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے اس لیے یہ حسن لغیرہ ہے، اس لئے اس سے استدلال صحیح ہے، علاوہ ازیں اس حدیث سے متعدد اہل علم نے استدلال کیا ہے اور اہل علم کے استدلال سے بھی حدیث قوی ہو جاتی ہے۔

امام ابوحنیفہ کے علاوہ دوسرے فقہاء کا حدیث ''لا قود الا بالسیف'' سے استدلال

عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ، ابراہیم النخعی المتوفی ۹۶ھ، حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، سفیان ثوری، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ، امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ وغیرہم کا یہ مذہب ہے کہ جس پر قصاص واجب ہو اس کو صرف تلوار سے قتل کیا جائے گا۔

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے کہ یہ ابو سلیمان کا قول ہے اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لا قود الا بالسیف'' یعنی قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا، یہ حدیث پانچ (۵) صحابہ سے مروی ہے: (۱) حضرت ابوبکرہ نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ متوفی ۵۱ھ، (۲) حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما متوفی ۶۴ھ (۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ (۴) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ (۵) حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ۔

حدیث ''لا قود الا بالسیف'' کی تخریج اور تحقیق

رہی حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کو امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے از الحسن از ابوبکرہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روایت کی ہے: آپ نے فرمایا: ''لا قود الا بالسیف''۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۸، دار الفکر بیروت، سنن دار قطنی: ۳۱۳۵، ج ۱۰ ص ۳۲، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۲ھ)

رہی حدیث حضرت النعمان بن بشیر کی تو کی بھی امام ابن ماجہ نے از جعفر الجعفی از ابی عازب از حضرت النعمان بن بشیر روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لا قود الا بالسیف''۔

(سنن ابن ماجہ: ۲۶۶۱، دار الفکر بیروت، سنن دار قطنی: ۳۱۳۶، ج ۱۰ ص ۳۲، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۲ھ)

رہی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کی امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی المتوفی ۳۶۰ھ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کی ہے: از ابراہیم از علقمہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لا قود الا بالسیف''۔

(المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۰۰۴۴، ج ۱۰ ص ۸۹، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۶ھ، مجمع الزوائد، ج ۶ ص ۲۹۱، سنن بیہقی ج ۸ ص ۶۳)

رہی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کی امام علی بن عمر الدارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ نے از الزہری از سعید بن المسیب از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لا قود الا بالسیف''۔

(سنن دار قطنی: ۳۰۷۳، ج ۳ ص ۱۰، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۲ھ، سنن بیہقی ج ۸ ص ۶۳، العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۷۹۲، الکامل لابن عدی ج ۴ ص ۲۳۲)

رہی حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کی بھی امام الدارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ نے از ابی اسحاق از عاصم بن فہرہ از حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لا قود الا بحدیدۃ'' یعنی لوہے کے ہتھیار کے بغیر قصاص نہیں لیا جائے

گا۔ (سنن دارقطنی: ۳۰۷۴، ج ۳ ص ۱۱، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۲ھ، سنن بیہقی ج ۸ ص ۶۳)

نیز امام دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ نے از ابراہیم از علقمہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا قود الا بسلاح'' کہ قصاص صرف لوہے کے ہتھیار سے لیا جائے گا۔

(سنن دارقطنی: ۳۰۷۶، ج ۳ ص ۱۱، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۲ھ، المعجم الکبیر: ۱۰۰۴۴، ج ۱۰ ص ۱۰۹، سنن بیہقی ج ۸ ص ۶۳، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۹۴، التلخیص الحبیر للحافظ ابن حجر ج ۴ ص ۳۸-۳۹)

امام ابوحنیفہ کی مستدل بہا روایات پر فقہاء شافعیہ کے اعتراضات اور ان کے جوابات

امام احمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار الشافعی المتوفی ۲۹۲ھ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو روایت کرنے کے بعد کہا ہے کہ اس حدیث کی حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ نے مُرسلاً روایت کی ہے۔ علامہ عینی حنفی فرماتے ہیں: اس حدیث کی متابعت الولید بن صالح بن محمد الایلی نے از مبارک بن فضالہ از الحسن از ابوبکرہ رضی اللہ عنہ از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے۔

میں کہتا ہوں: حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی المتوفی ۸۰۷ھ نے امام بزار کی سند سے از جابر از ابی عازب از النعمان بن بشیر از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: ''لاقود الا بالسیف'' حافظ الہیثمی نے کہا کہ امام ابن ماجہ نے اس حدیث کی ان الفاظ سے روایت کی ہے کہ ''لاقود الا بالسیف فقط'' امام البزار شافعی متوفی ۲۹۲ھ نے کہا ہے کہ ہمارے علم کے مطابق اس حدیث کی روایت صرف النعمان سے ہے اور ان سے اس کی روایت ابو عازب نے کی ہے اور ان سے اس کی روایت صرف جابر نے کی ہے۔ (کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۲ ص ۲۰۵، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۰۴ھ، سعیدی غفرلہ)

امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی الشافعی المتوفی ۳۶۵ھ نے الکامل فی ضعفاء الرجال میں اس حدیث کی روایت کی ہے، اور اس کو الولید کی وجہ سے ضعیف قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ الولید کی احادیث غیر محفوظ ہیں۔

اور امام ابوبکر احمد بن حسین البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ نے کہا ہے کہ المبارک بن فضالہ کی احادیث سے استدلال نہیں کیا جاتا، علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ المبارک بن فضالہ کی احادیث کی امام ابوحاتم محمد بن حبان شافعی متوفی ۳۵۴ھ نے اپنی صحیح میں روایات کی ہیں اور امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ نے المستدرک میں ان کی روایات کی ہیں اور ان کی توثیق کی ہے۔

میں کہتا ہوں: امام عبد اللہ بن علی بن جرجانی المتوفی ۳۶۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ از الزہری از ابو سلمہ از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لاقود الا بالسیف''۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۴ ص ۲۳۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۹ ص ۳۵۴)

نیز امام عبد اللہ بن علی بن جرجانی المتوفی ۳۶۵ھ نے اپنی سند کے ساتھ از ابراہیم از علقمہ از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لاقود الا بالسیف''۔ (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۷ ص ۴۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ سعیدی غفرلہ)

علامہ عینی فرماتے ہیں:

جس حدیث کو امام بزار شافعی متوفی ۲۹۲ھ نے مرسل قرار دیا ہے اس کی امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے اپنی سند میں مرسلاً

روایت کی ہے از ہشیم از اشعث از عبدالملک از حسن بصری از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: ''لا قود الا بحدیدۃ''۔

(میں کہتا ہوں: ہمارے پاس مسند احمد بن حنبل کے جو دستیاب نسخے ہیں، مثلاً موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۲۰ھ، عالم الکتب بیروت، ۱۴۱۹ھ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۹ھ اور مکتبہ اسلامی بیروت ۱۳۹۸ھ، ان میں یہ حدیث درج نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ علامہ بدرالدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ کے پاس مسند احمد کا کوئی ایسا نسخہ ہو جس میں یہ حدیث مندرج ہو، واللہ اعلم بالصواب۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اسی طرح اس حدیث میں امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے اس سند کے ساتھ روایت کی ہے: عیسیٰ بن یونس از اشعث و عمرو از الحسن البصری از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا: ''لا قود الا بالسیف''۔

(میں کہتا ہوں: یہ حدیث مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۲۹۵ مجلس علمی بیروت، ۱۴۲۷ھ اور ج ۹ ص ۳۵۴، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ میں موجود ہے)

نیز یہ حدیث از ابوالاحوص مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۷۳۱۱، اور از وکیع: مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۸۲۵۴، میں مذکور ہے اور یہ دونوں حدیثیں از سفیان از جعفر الجعفی از ابی عازب از حضرت النعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما مروی ہیں، مجلس علمی بیروت، ۱۴۲۷ھ، سعیدی غفرلہ)

علامہ عینی فرماتے ہیں: اگر تم یہ اعتراض کرو کہ حضرت نعمان بن بشیر کی حدیث از جعفر الجعفی ضعیف ہے، علامہ عبدالرحمن بن الجوزی التوفی ۵۹۷ھ نے کہا ہے کہ اس کے ضعف پر اتفاق ہے، یہ علامہ محمد بن بہادر الزرکشی التوفی ۷۹۴ھ صاحب التنقیح کا قول ہے، علامہ عینی اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ صاحب التنقیح پر تعجب ہے کیونکہ انہوں نے اس مقام کے علاوہ دوسری جگہ پر لکھا ہے کہ جعفر الجعفی کی الثوری اور شعبہ نے توثیق کی ہے اور تمہارے لئے ان کی توثیق کافی ہے، پس صاحب تنقیح نے یہ قول بھی کہا اور پھر یہ بھی نقل کیا کہ جعفر الجعفی کے ضعف پر اتفاق ہے اور یہ واضح تناقض ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

ابو عازب کا نام مسلم بن عمرو ہے، اگر تم یہ اعتراض کرو کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند میں عبدالکریم بن ابی المخارق ہے اور وہ ضعیف راوی ہے تو میں کہوں گا کہ ان کی حدیث دیگر راویوں سے تقویت پا گئی ہے۔

پس اگر تم اعتراض کرو کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کی سند میں معلّٰی بن ہلال ہے اور وہ بھی متروک راوی ہے، تو میں کہوں گا کہ متروک کا لفظ کبھی مقبول کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی اس سے سقوط کیا جاتا ہے کیونکہ مقصود اس کے بغیر بھی حاصل ہو جاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان احادیث میں بعض سندیں دوسری احادیث کے لئے شاہد ہیں اور ان احادیث کا کم سے کم احوال یہ ہے کہ وہ حسن لغیرہ ہیں، لہٰذا ان احادیث سے استدلال صحیح ہے۔

علامہ کرمانی اور علامہ ابن ملقن کے تعصب پر علامہ عینی کا رد

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی التوفی ۷۸۶ھ پر تعجب ہے کہ انہوں نے کہا کہ امام بخاری کے اس باب کی حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ قصاص بالمثل لینا جائز ہے اور اس میں فقہاء احناف کا اختلاف ہے، پس علامہ کرمانی نے یہ کیوں نہیں کہا کہ جن احادیث میں ''لا قود الا بالسیف'' مذکور ہے ان کی فقہاء شافعیہ نے مخالفت کی ہے اور اس سے بھی زیادہ تعجب علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ صاحب التوضیح پر ہے کیونکہ انہوں نے کہا: یہ حدیث امام ابوحنیفہ پر حجت ہے جو کہتے ہیں کہ صرف تلوار سے قصاص لیا جائے گا۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۲۰، وزارۃ الاوقاف قطر، ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن الملقن شافعی نے صرف امام ابوحنیفہ پر طعن کیا ہے حالانکہ امام ابوحنیفہ اپنے اس قول میں منفرد نہیں ہیں کہ قصاص صرف تلوار سے لیا جائے گا بلکہ فقہاء کی ایک جماعت کا یہی موقف ہے، جیسے عامر بن شراحیل الشعبی متوفی ۱۰۳ھ، الحسن البصری المتوفی ۱۱۰ھ، ابراہیم النخعی المتوفی ۹۶ھ اور سفیان الثوری المتوفی ۱۶۱ھ ہیں اور یہ وہ ائمہ ہیں جو امور دین کے ستون ہیں لیکن علماء شافعیہ نے امام ابوحنیفہ کے خلاف تعصب کی وجہ سے ''لاقود الا بالسیف'' پر عمل کرنے میں صرف امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تخصیص کی ہے۔

صحیح البخاری کے باب مذکور کی حدیث سے ائمہ ثلاثہ کے قصاص بالمثل پر استدلال کے فقہاء احناف کی طرف سے جوابات

فقہاء احناف نے صحیح البخاری: ۵۲۹۵، کے متعدد جوابات دیئے ہیں، اس حدیث سے ائمہ ثلاثہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جب ایک یہودی نے ایک لڑکی کا پتھر سے سر کچل کر اس کو قتل کر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ اس یہودی کا سر بھی دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ قصاص بالمثل ہونا چاہیے، سو اس حدیث کے درج ذیل جوابات ہیں:

(۱) یہ ابتداء اسلام کا واقعہ ہے جب قاتل کو صرف مقتول کے قول سے قتل کر دیا جاتا تھا اور جس طرح اس نے قتل کیا تھا اسی طرح قاتل کو قتل کیا جاتا تھا اور نہ صرف مقتول کا قول قصاص کے لئے کافی نہیں ہے، جب تک کہ دو مسلمان مرد اس پر گواہی نہ دیں کہ اس قاتل نے اس مقتول کو قتل کیا ہے اور ائمہ ثلاثہ بھی اس حقیقت کے معترف ہیں کیونکہ مقتول کا قول تو صرف اس کا دعویٰ ہے، اور کوئی دعویٰ بغیر دلیل کے مقبول نہیں ہوتا۔

(۲) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کو صرف اس کے اعتراف کی وجہ سے قتل کیا تھا اور امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ اور امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ اور امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ کی روایت میں لفظ اعتراف مذکور ہے اور صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ اس یہودی کو پکڑا گیا تو اس نے اعتراف کر لیا۔

(۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی سے علم ہو گیا تھا کہ وہ یہودی اس لڑکی کا قاتل ہے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کے ثبوت میں نہ گواہوں کو طلب کیا اور نہ اس سے اقرار کرایا۔

(۴) امام طحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے یہ تھی کہ اللہ کے لئے اس یہودی کو قتل کرنا واجب ہے، کیونکہ اس یہودی نے اس لڑکی سے زیورات چھیننے کے لئے اس کو قتل کیا تھا اور جو شخص ڈاکو ہو اس کو اللہ کے حکم پر عمل کرنے کے لئے قتل کرنا واجب ہے اور یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کو تلوار سے قتل کیا جائے بلکہ اس کو قتل کرنا امام کی رائے کی طرف مفوض ہے، وہ جس طرح چاہے اس کو قتل کر دے۔

(۵) اس یہودی کے سر کو جو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچلا گیا تو یہ اس زمانہ کی بات ہے جب مُثلہ کرنا مباح تھا جیسا کہ عُرینیین کی حدیث میں مذکور ہے کیونکہ ان کی آنکھوں میں بھی گرم سلائیاں پھیری گئی تھیں، پھر جب مُثلہ کرنے کا حکم منسوخ ہوا تو اس طرح قتل کرنا بھی منسوخ ہو گیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۸-۴۱۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اللہ تعالیٰ علامہ عینی کے درجات اور مراتب کو بلند فرمائے انہوں نے تن تنہا امام ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز کے خلاف ائمہ ثلاثہ اور فقہاء شافعیہ کے تمام اعتراضات کے مسکت اور مدلل جوابات تحریر فرمائے اور امام ابوحنیفہ کے موقف کو بہ کثرت احادیث صحیحہ اور

آ ثار قویہ سے ظاہر فرمایا۔ فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء

۵۲۹۶۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ الْفِتْنَةُ مِنْ هَا هُنَا وَأَشَارَ إِلَى الْمَشْرِقِ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قبیصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبداللہ بن دینار از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ فتنہ یہاں سے نکلے گا اور آپ نے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۰۴، ۳۲۷۹، ۳۵۱۱، ۵۲۹۶، ۷۰۹۳، صحیح مسلم: ۲۹۰۵، سنن ترمذی: ۲۲۶۸، مسند احمد: ۵۰۸۸، موطا امام مالک: ۱۸۲۴)

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا اور قبیصہ یہ ابن عقبہ الکوفی ہیں اور سفیان سے مراد سفیان ثوری متوفی ۱۶۱ھ ہیں اور سفیان ثوری اس روایت میں منفرد ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے موافق دیگر احادیث

امام مسلم بن حجاج قشیری متوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس وقت آپ کا مشرق کی طرف منہ تھا، آپ نے فرمایا: فتنہ یہاں سے نمودار ہوگا، فتنہ یہاں سے نمودار ہوگا، فتنہ یہاں سے نمودار ہوگا، جہاں سے شیطان کا سینگ نمودار ہوگا۔

(صحیح مسلم: ۲۹۰۵، الرقم المسلسل: ۷۱۸۸، مسند احمد: ۴۹۸۰، ۵۴۲۹، ۶۳۱۰)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عائشہ کے گھر سے باہر آئے، پس آپ نے فرمایا: کفر کا سر اس طرف ہے جہاں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا یعنی مشرق۔ (صحیح مسلم: ۲۹۰۵، الرقم المسلسل: ۷۱۸۹، مسند احمد: ۴۷۵۱)

۵۲۹۷۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ الْحَمِيدِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي أَوْفَى قَالَ كُنَّا فِي سَفَرٍ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَلَمَّا غَرَبَتِ الشَّمْسُ قَالَ لِرَجُلٍ انْزِلْ فَاجْدَحْ لِي قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ لَوْ أَمْسَيْتَ ثُمَّ قَالَ انْزِلْ فَاجْدَحْ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ لَوْ أَمْسَيْتَ إِنَّ عَلَيْكَ نَهَارًا ثُمَّ قَالَ انْزِلْ فَاجْدَحْ فَنَزَلَ فَجَدَحَ لَهُ فِي الثَّالِثَةِ فَشَرِبَ رَسُولُ اللهِ ﷺ ثُمَّ أَوْمَأَ بِيَدِهِ إِلَى الْمَشْرِقِ فَقَالَ إِذَا

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا کہ ہمیں جریر بن عبدالحمید نے حدیث بیان کی از ابواسحاق شیبانی از عبداللہ بن ابی اوفیٰ، انہوں نے بیان کیا کہ ہم لوگ سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، پس جب سورج غروب ہوگیا تو آپ نے ایک مرد سے فرمایا: سواری سے اترو، اور میرے لئے ستو پانی میں گھولو، اس مرد نے کہا یا رسول اللہ! اگر آپ شام کرلیں، آپ نے فرمایا: اترو، پس میرے لیے ستو گھولو، اس نے کہا: یارسول اللہ اگر آپ شام کرلیں کیونکہ

رَأَيْتُمُ اللَّيْلَ قَدْ أَقْبَلَ مِنْ هَا هُنَا فَقَدْ أَفْطَرَ الصَّائِمُ۔

ابھی آپ کے اوپر دن ہے، آپ پھر اترے اور فرمایا: اتر و پس میرے لیے ستو گھولو، وہ مرد اترا اور تیسری بار کہنے پر ستو پانی میں گھولے، پھر آپ نے ستو پیے اور اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا کہ جب تم دیکھو کہ رات یہاں سے آ گئی ہے تو اس وقت روزے دار کا روزہ افطار ہو گیا۔

(صحیح البخاری: ۱۹۴۱، ۱۹۵۵، ۱۹۵۶، ۱۹۵۸، ۵۲۹۷، صحیح مسلم: ۱۱۰۱، سنن ابوداؤد: ۲۳۵۲، مسند احمد: ۱۸۹۰۵)

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت اور بعض رجال کا تعارف اور حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت حدیث کے اس جملہ میں ہے کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔

علی بن عبداللہ ابن المدینی ہیں اور ابواسحاق شیبانی سلیمان بن ابوسلیمان ہیں اور ان کا نام فیروز الکوفی ہے اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ ابن اوفیٰ ہیں، سو یہ صحیح نہیں ہے اور ابواوفیٰ کا نام علقمہ اسلمی ہے، علامہ الواقدی نے کہا کہ ان کی وفات ۸۶ھ میں ہوئی اور یہ کوفہ میں فوت ہونے والے آخری صحابی ہیں، ان سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے "فاجدح": اس کا معنی ہے: ستو کو پانی میں گھولنا اور اس حدیث میں ہے "فقد افطر الصائم": اس کا معنی ہے یعنی افطار کا وقت داخل ہو گیا جیسے "احصد الزرع" یعنی فصل کاٹنے کا وقت آ گیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۲۹۸۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رضي الله عنهُ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدًا مِنْكُمْ نِدَاءُ بِلَالٍ أَوْ قَالَ أَذَانُهُ مِنْ سَحُورِهِ فَإِنَّمَا يُنَادِي أَوْ قَالَ يُؤَذِّنُ لِيَرْجِعَ قَائِمُكُمْ وَلَيْسَ أَنْ يَقُولَ كَأَنَّهُ يَعْنِي الصُّبْحَ أَوِ الْفَجْرَ وَأَظْهَرَ يَزِيدُ يَدَيْهِ ثُمَّ مَدَّ إِحْدَاهُمَا مِنَ الْأُخْرَى

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عبداللہ بن مسلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن زُریع نے حدیث بیان کی، از سلیمان التیمی از ابی عثمان از حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کسی ایک کو بلال کی اذان کھانے پینے سے منع نہ کرے یا فرمایا: اس کی اذان سحری کھانے سے منع نہ کرے، کیونکہ وہ رات میں اذان دیتے ہیں تاکہ تم میں سے تہجد کی طرف قیام کرنے والا رجوع کرلے اور وہ صبح یا فجر کے وقت اذان نہیں دیتے، پھر راوی یزید نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ظاہر کیا پھر ان میں سے ایک کو دوسرے کے اوپر کھینچا۔

امام بخاری کی دوسری روایت میں ہے:

نبی ﷺ نے اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا اور انگلیوں کو اوپر کی جانب بلند کیا اور نیچے کی جانب لٹکایا حتیٰ کہ آپ نے اس طرح فرمایا، راوی زُہیر نے کہا کہ آپ نے ایک انگلی کو دوسری انگلی پر رکھا، پھر اس کو دائیں اور بائیں جانب کھینچا۔

(صحیح البخاری: ۶۲۱، ۵۲۹۸، ۷۲۴۷، صحیح مسلم: ۱۰۹۳، سنن نسائی: ۲۱۷۰، سنن ابوداؤد: ۲۳۴۷، سنن ابن ماجہ: ۱۶۹۶، مسند احمد: ۳۷۰۹)

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت اور بعض رجال کا تذکرہ اور حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس سے سمجھ میں آتی ہے کہ راوی یزید نے اپنے دونوں ہاتھوں کو ظاہر کیا، پھر ان دونوں ہاتھوں میں سے ایک کو دوسرے کی طرف کھینچا اور صحیح البخاری: ۶۲۱، میں ہے کہ آپ نے اپنی انگلیوں کو اوپر کی جانب اٹھایا اور پھر نیچے کی جانب اس طرح جھکایا اور اس سے اشارہ کی مراد ظاہر ہوتی ہے۔

عبد اللہ بن مَسلمہ: اس میں میم پر زبر ہے اور یزید کا لفظ زیادۃ سے ماخوذ ہے اور یہ ابن زُریع ہیں اور سلیمان التیمی وہ سلیمان بن طرخان ہیں اور ابوعثمان کا نام عبد الرحمٰن بن مل النہدی ہے۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ تم میں سے کسی کو بلال کی اذان اس کے سحور سے نہ روکے یعنی سحری کھانے سے، نیز اس حدیث میں مذکور ہے: تا کہ تمہارا قائم رجوع کرلے یعنی جو تہجد پڑھ رہا ہو تو وہ آرام کی طرف رجوع کرلے بایں طور کہ فجر طلوع ہونے سے پہلے تھوڑی دیر آرام کرلے۔

اور وہ صبح اور فجر کے وقت اذان نہیں دیتے: اس سے مراد یہ ہے کہ جو روشنی اوپر سے نیچے کی طرف جاتی ہے وہ صبح کاذب ہے اور جو روشنی دائیں سے بائیں جانب پھیلتی ہے وہ صبح صادق ہے۔ راوی نے اپنے دو ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ دوسرے پر رکھا اور اس کو کھینچا: خلاصہ یہ ہے کہ یزید نے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر ظاہر کر کے صبح کاذب کی طرف اشارہ کیا اور پھر دونوں ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ کو کھینچ کر صبح صادق کی طرف اشارہ کیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۱-۴۱۲، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

۵۲۹۹۔ وَقَالَ اللَّيْثُ حَدَّثَنِي جَعْفَرُ بْنُ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَثَلُ الْبَخِيلِ وَالْمُنْفِقِ كَمَثَلِ رَجُلَيْنِ عَلَيْهِمَا جُبَّتَانِ مِنْ حَدِيدٍ مِنْ لَدُنْ ثَدْيَيْهِمَا إِلَى تَرَاقِيهِمَا فَأَمَّا الْمُنْفِقُ فَلَا يُنْفِقُ شَيْئًا إِلَّا مَادَّتْ عَلَى جِلْدِهِ حَتّٰى تُجِنَّ بَنَانَهُ وَتَعْفُوَ أَثَرَهُ وَأَمَّا الْبَخِيلُ فَلَا يُرِيدُ يُنْفِقُ إِلَّا لَزِمَتْ كُلُّ حَلْقَةٍ مَوْضِعَهَا فَهُوَ يُوسِعُهَا فَلَا تَتَّسِعُ وَيُشِيرُ بِإِصْبَعِهِ إِلٰى حَلْقِهِ۔

(صحیح البخاری: ۱۴۴۳، ۲۹۱۷، ۵۲۹۹، ۵۲۹۷)

اور اللیث نے کہا: مجھے جعفر بن ربیعہ نے حدیث بیان کی از عبد الرحمٰن بن ہُرمز، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بخیل اور خرچ کرنے والوں کی مثال ان دو مردوں کی مثل ہے جن پر لوہے کے دو کوٹ، ان کے پستانوں سے لے کر ان کی ہنسلیوں تک ہوں، پس رہا خرچ کرنے والا تو وہ جب بھی کوئی چیز خرچ کرتا ہے تو اس کی کھال کے اوپر وہ کوٹ دراز ہو جاتا ہے اور اتنا کشادہ ہو جاتا ہے کہ پاؤں کی انگلیوں تک کو ڈھانپ لیتا ہے اور راستہ چلنے میں اس کے قدم کے نشان مٹاتا جاتا ہے، یعنی اتنا نیچا ہو جاتا ہے اور بخیل جب کچھ خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے کوٹ کا ہر حلقہ اپنی جگہ سمٹ کر تنگ ہو جاتا اور وہ اسے ڈھیلا کرنا چاہتا ہے مگر وہ ڈھیلا نہیں ہوتا، آخر وہ اپنی انگلی سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مناسبت اور حدیث کے مشکل الفاظ کا معنی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے ساتھ اس جملہ میں مطابقت ہے کہ بخیل اپنی انگلی سے اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتا ہے، اور امام بخاری نے اس حدیث کی روایت اپنے شیخ اللیث بن سعد سے کی ہے۔

تراقیھما: یہ لفظ ترقوۃ کی جمع ہے، یہ اس بڑی ہڈی کو کہتے ہیں، جو اس کی ہنسلی سے لے کر کندھوں تک ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۲۵۔ بَابُ: اللِّعَانِ — لعان کا بیان

لعان کا لغوی معنی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب لعان کے احکام کے بیان میں ہے، لفظ لعان مصدر ہے اور یہ باب لاعن یلاعن ملاعنة ولعانا کا مصدر ہے اور یہ لفظ "اللعن" سے ماخوذ ہے اور لعن کا معنی ہے: دھتکارنا اور دور کرنا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنا یا ہر ایک کو اپنے سے دور کرنا اور لعان کرنے والے کبھی ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہوتے۔

اللعان اور الالتعان اور الملاعنہ تینوں لفظوں کا ایک معنی ہے، کہا جاتا ہے: تلاعن والتلعن، لاعن عن الحکم بینھما اور مرد ملاعن ہے اور عورت ملاعنہ ہے، ان کا یہ نام اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک اپنے نفس پر پانچویں مرتبہ لعنت کرتا ہے اور یہ کل کا نام جز کے نام پر رکھنا ہے جیسے صلاۃ کا نام رکوع اور سجود بھی رکھا جاتا ہے۔

لعان کا شرعی معنی

لعان کا شرعی معنی ہے: ایسی مؤکد شہادت دینا اور قسم کھانا جو شہادت کے ساتھ مقرون ہو یعنی ملی ہوئی ہو، اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا: یہ ایسی قسمیں ہیں جو لفظِ شہادت کے ساتھ مؤکد ہوں، پس ان کے نزدیک اس میں قسم کی اہلیت شرط ہے تو یہ مسلمان اور اس کی کافر بیوی کے درمیان قسم ہوتی ہے اور کافر مرد اور کافرہ عورت کے درمیان یہ قسم منعقد ہوتی ہے اور غلام اور اس کی بیوی کے درمیان یہ قسم منعقد ہوتی ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور ہمارے نزدیک لعان میں شہادت کی صلاحیت اور اہلیت شرط ہے، لہٰذا لعان صرف دو آزاد عاقل بالغ مسلمانوں کے درمیان منعقد ہوگا جن پر حدِ قذف لگی ہوئی نہ ہو، قرآن مجید کی آیت میں لفظ لعن اور غضب دونوں مذکور ہیں، لیکن لعان کے لفظ کو اختیار کیا گیا ہے کیونکہ یہ لفظ آیت میں پہلے مذکور ہے اور اس لئے کہ مرد کی جانب عورت سے زیادہ قوی ہے اور اس لئے کہ وہ لعان کی ابتداء کرنے پر قادر ہے نہ کہ عورت اور اس لئے کہ مرد اپنے لعان سے رجوع کر سکتا ہے نہ کہ عورت، اور عورت کے لعان میں لفظ غضب کا خصوصیت سے ذکر ہے کیونکہ مرد کی بہ نسبت اس کا گناہ زیادہ ہے، کیونکہ اگر مرد جھوٹا ہو تو اس کا گناہ تہمت لگانے سے زیادہ نہیں ہوگا اور اگر عورت جھوٹی ہو تو اس کا گناہ مرد سے زیادہ ہوگا کیونکہ وہ شوہر کے بستر پر اجنبی مرد کو جگہ دیتی ہے، لعان کو اس لئے جائز قرار دیا ہے تاکہ نسب محفوظ رہے اور مرد سے عار دور ہو سکے اور علماء کا لعان کی مشروعیت پر اجماع ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۲-۴۱۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

لعان کے متعلق قرآن مجید کی آیات (النور ۹-۶)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور:۶-۹)

اور جولوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہو، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے O اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو O اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے O اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر وہ (خاوند) سچوں میں سے ہو O

آیات لعان کی تفسیر از علامہ ماتریدی

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی المتوفی ۳۳۳ھ آیاتِ لعان کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت میں ''والذین یرمون المحصنٰت'' فرمایا یعنی جولوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور پھر یہ بتایا کہ لعان کی وجہ کیا ہے، سو وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور پھر زنا کے ثبوت میں چار گواہ پیش نہیں کرتے، کیونکہ زنا کے ثبوت کے لئے چار مردوں کی گواہی مشروط ہے اور اس کے علاوہ اور کسی جرم کے ثبوت کے لئے چار گواہوں کی شرط نہیں ہے۔

المحصنٰت: کا معنی ہے: آزاد عورتیں، اور اس جگہ اس سے مراد پاک دامن عورتیں نہیں ہیں اور آزاد عورتوں کی قید اس لئے ہے کیونکہ جو باندی پر زنا کی تہمت لگائے اس پر حد قذف نہیں ہے، بلکہ تعزیر لازم ہے کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النساء:۲۵)

پھر (اگر) وہ عورتیں بے حیائی کا کام کریں تو ان کو آزاد (کنواری) عورت کی آدھی سزا ملے گی (باندیوں سے نکاح کا) یہ حکم تم میں سے اس شخص کے لئے ہے جس کو اپنے نفس پر بدچلنی کا خدشہ ہو اور تمہارے لئے صبر کرنا بہتر ہے اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے O

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے باندیوں کی سزا آزاد عورتوں کی نصف رکھی ہے اور اس لئے کہ اگر ہم مُحصنٰت سے پاک دامن عورتیں مراد لیتے نہ کہ آزاد عورتیں تو پھر ہم گواہوں کی شہادت کو ساقط کر دیتے کیونکہ ان عورتوں کی پاکیزگی شہادت کی تکذیب کرتی۔

اسی طرح اس آیت میں الغٰفلٰتِ المومنٰت، کا لفظ پاکیزہ عورتوں پر دلالت کرتا ہے، پس اس میں یہ دلیل ہے کہ محصنٰت سے مراد آزاد عورتیں ہیں، پھر محسنین کو اس آیت میں تہمت لگانے اور حد قذف میں داخل کیا گیا ہے اگرچہ ان کا ذکر اس آیت میں نہیں ہے۔

زنا کی سزا میں تغلیظ اور تشدید کی توجیہ

پھر اللہ تعالیٰ نے زنا کے حکم میں اتنی تغلیظ اور تشدید کی جتنی تغلیظ اور تشدید کسی اور جرم میں نہیں کی ہے اور اس کی حسب ذیل وجوہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے حدزنا کو معطل کرنے اور اس میں تخفیف کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور:۲)

زانیہ عورت اور زانی مردان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو اور ان پر شرعی حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے اگر تم اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے O

(۲) شادی شدہ زانی کو سنگسار کرنے کا حکم دیا ہے جس طرح کتے کو پتھر مار مار کر بھگایا جاتا ہے اور شادی شدہ زانی کو پتھر مار مار کر قتل کر دیا جاتا ہے۔

(۳) تہمت لگانے والا جب چار گواہ نہ پیش کر سکے تو اس کے اوپر حد قذف لگانے کا حکم دیا گیا ہے اور وہ اسی (۸۰) کوڑے ہیں۔

(۴) عقل کے نزدیک اور شریعت میں اور انسان کی طبیعت میں زنا بہت قبیح فعل ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ہر مسلمان مرد زنا سے متنفر ہوتا ہے اور عقل بھی اس کو برا جانتی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جب عقل اور طبع کے نزدیک زنا سے نفرت کی جاتی ہے تو کوئی شخص زنا کا ارتکاب نہ کرے اور زنا نہ کرے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

عقل اور طبع اس فعل سے متنفر ہوتی ہے مگر انسان میں جو شہوت رکھی ہے وہ اس پر غالب ہو جاتی ہے اور اس سے نفرت کرنے سے منع کرتی ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر انسان زنا کی مثل کا اپنی ماں اور بیٹی اور تمام محارم کے متعلق غور وفکر کرے تو وہ اس کو برداشت نہیں کرے گا، حدیث میں ہے:

حضرت امامہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ مجھے زنا کرنے کی اجازت دیجئے تو آپ نے فرمایا: یہ بتاؤ اگر تمہاری ماں یا تمہاری بیٹی کے ساتھ زنا کیا جائے تو کیا تم اس کو ناپسند کرو گے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: تم دوسروں کے لئے بھی اس چیز کو ناپسند کرو جس چیز کو تم اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔

(مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۵۶-۲۵۷، مکتبہ اسلامی بیروت، المعجم الکبیر للطبرانی بہ حوالہ کنز العمال: ۶۱۱۰ ۴)

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ زنا کا فعل عقل اور طبع دونوں کے نزدیک قبیح ہے مگر شہوت اس کے ساتھ تنفر سے منع کرتی ہے۔

زنا کے سبب سے علوم اور معارف ضائع ہو جاتے ہیں جن کو مخلوق کے درمیان بنایا گیا ہے، حتیٰ کہ کوئی شخص کسی معلم کی طرف ہدایت نہیں پائے گا جو اس کو حکمت، آداب، معالم السنن، اور احکام شرعیہ کی ہدایت دے اور اس سے صلہ رحم اور حقوق کی حفاظت مرتفع ہو جائے گی، جو ایک دوسرے کے لئے حقوق ثابت ہوتے ہیں، اور جو ایک دوسرے کے لئے شفقت ہوتی ہے وہ بھی ساقط ہو جائے گی، اور بچوں کی تربیت ساقط ہو جائے گی اور محارم کے حقوق ساقط ہو جائیں گے اور یہ تمام امور اس پر دلالت کرتے ہیں

کہ زنا عقلاً اور طبعاً قبیح ہے اور انتہائی بے حیائی اور برائی کا کام ہے حتیٰ کہ جو شخص اس کو جاننے والا ہو وہ اس کو انتہائی قبیح اور انتہائی بے حیائی کا فعل قرار دے گا اور اس کی بے حیائی اور برائی کو صرف وہ عالم روحانی ہی جان سکتا ہے جس میں شہوت (غالب) نہیں ہوتی، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے زنا کے جرم کی وہ انتہائی سزا رکھی ہے جو کسی اور جرم کی سزا نہیں رکھی۔

فساق کی شہادت سے حد قذف (اسی (۸۰) کوڑے) نہ مارنے کی تحقیق

جب چار فساق قاذف کی طرف سے شہادت دیں تو قاذف (تہمت لگانے والے) سے حد ساقط ہو جائے گی اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نیک مسلمانوں کی شہادت کا مطالبہ نہ کیا جائے کیونکہ نیک مسلمان اس واقعہ کی شہادت نہیں دیتے اور نہ اس کی طرف دیکھتے ہیں، اس واقعہ کی فساق شہادت دیتے ہیں اور فساق ہی اس کے حق دار ہیں کہ ان کی وجہ سے حد قذف کو ساقط کر دیا جائے اور یہ حد زنا کی شہادت کو قائم کرنے کی مثل نہیں ہے اور اس لئے کہ وہ اس کی شہادت صرف اس وجہ سے دیتے ہیں کہ ان سے توبہ کا ثبوت ہو اور اس لئے کہ فساق بھی اہل شہادت سے ہیں اور کافروں اور غلاموں کی طرح نہیں ہیں، اور اس لئے کہ اگرچہ فساق کی شہادت قبول نہیں ہوتی لیکن وہ اہل شہادت میں سے ہیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس نے کسی فاسق پر تہمت لگائی خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو، پھر اس کے خاوند نے اس عورت پر تہمت لگائی اور وہ فاسق ہو تو ہم فاسق پر تہمت لگانے والے پر حد قذف لگائیں گے اور خاوند اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کا فیصلہ کریں گے۔

اور اگر کسی مسلمان نے کافر پر تہمت لگائی یا کسی آزاد مرد نے کسی غلام پر تہمت لگائی تو اس پر حد قذف نہیں لگائی جائے گی اور اگر ان میں سے کسی ایک نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی تو ان کے درمیان لعان کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا، سو جس نے اس لعان میں ہماری مخالفت کی ہے وہ ہماری اس میں مخالفت نہیں کرتا کہ جب آزاد مرد غلام پر تہمت لگائے۔

اور مسلمان جب کافر پر زنا کی تہمت لگائے تو ان میں سے کسی ایک پر بھی حد قذف نہیں لگائی جائے گی، سو یہ تمام تفسیر اس کی دلیل ہے کہ فساق اہل شہادت سے ہیں، اور کافر اور غلام اور جس پر حد قذف لگائی گئی ہو وہ اہل شہادت میں سے نہیں ہیں، اگرچہ ان کی شہادت کسی دوسرے معاملہ میں قبول نہیں کی جاتی، پس یہ چیز شبہ کو واجب کرتی ہے اور حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں، اسی وجہ سے شبہ کی بناء پر حد ساقط کر دی جاتی ہیں۔

جب گواہ الگ الگ زنا کی شہادت دیں تو ان تمام گواہوں پر حد قذف لگانے کی تفصیل

پھر دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب زنا کی شہادت دینے والے الگ الگ آ کر زنا کی شہادت دیں تو ان کی شہادت مقبول نہیں ہوگی اور ہمارے نزدیک قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان پر حد قذف قائم نہ کی جائے، کیونکہ یہ گواہ ثواب کی نیت سے شہادت دیتے ہیں ان کا مقصد زانی پر تہمت لگانا نہیں ہوتا اور نہ ان کو گالی دینا اور مذمت کرنا مقصد ہوتا ہے، رہا تہمت لگانے والا تو وہ اپنی تہمت سے گالی دینے اور مذمت کرنے کا قصد کرتا ہے اور اس لئے کہ گواہ یہ کہتا ہے کہ میں نے اس کو یہ کام کرتے ہوئے دیکھا اور تہمت لگانے والا یہ کہتا ہے کہ تو اس طرح ہے یعنی زانی ہے، سو یہ اس طرح ہے جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ میں نے اس کو کفر کرتے ہوئے دیکھا تو اس قول کی وجہ سے اس گواہ کو سزا نہیں دی جائے گی اور اگر کسی شخص نے دوسرے سے کہا: یا کافر! تو اس پر تعزیر لگائی جائے گی کیونکہ اس کا یہ قول گالی کے قائم مقام ہے اور پہلا قول گالی کے قائم مقام نہیں ہے لیکن جب گواہ الگ الگ آ کر گواہی دیں تو ان

پر حد قذف لگائی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زنا کی شہادت کو دو چیزوں کے ساتھ مؤکد فرمایا ہے:

(۱) ایک یہ ہے کہ چار مردوں سے کم کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی اور اس وقت تک گواہی قبول نہیں ہوگی حتیٰ کہ وہ یہ کہیں کہ فلاں مرد نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا اور یہ گواہی نکاح کی گواہی سے زیادہ مؤکد ہے، پس زنا کی شہادت میں اس کی ضرورت ہے کہ گواہ ایک جگہ کے متعلق گواہی دیں اور فقہاء کہتے ہیں کہ اگر دو گواہ الگ الگ عقدِ نکاح کی گواہی دیں تو ان کی گواہی سے عقدِ نکاح کا ثبوت نہیں ہوگا تو زنا جس کا معاملہ زیادہ مؤکد ہے وہ الگ الگ گواہوں کی گواہی سے کیسے ثابت ہوگا؟!

(۲) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس مسئلہ میں پانچ (۵) تعلیقات ذکر کی ہیں:

امام بخاری کی پہلی تعلیق

فَإِذَا قَذَفَ الْأَخْرَسُ امْرَأَتَهُ بِكِتَابَةٍ أَوْ إِشَارَةٍ أَوْ بِإِيمَاءٍ مَعْرُوفٍ فَهُوَ كَالْمُتَكَلِّمِ لِأَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَدْ أَجَازَ الْإِشَارَةَ فِي الْفَرَائِضِ وَهُوَ قَوْلُ بَعْضِ أَهْلِ الْحِجَازِ وَأَهْلِ الْعِلْمِ وَقَالَ اللهُ تَعَالَى فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا وَقَالَ الضَّحَّاكُ إِلَّا رَمْزًا إِلَّا إِشَارَةً۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ نے حضرت ابوبکرہ نُفیع بن الحارث رضی اللہ عنہ متوفی ۵۱ھ کو حد قذف کے کوڑے مارے اور شبل بن معبد کو حد قذف کے کوڑے مارے، اور نافع متوفی ۱۷ھ کو کوڑے مارے، جنہوں نے حضرت المغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۰ھ زنا کی تہمت لگائی تھی پھر حضرت عمر نے ان سب سے توبہ طلب کی اور فرمایا: جس نے توبہ قبول کرلی اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۳۵۶۴، تفسیر ابن جریر: ج ۹ ص ۲۶۵، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۵۲، تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۶۲ ص ۲۱۵-۲۱۶)

امام بخاری کی دوسری تعلیق

وَقَالَ بَعْضُ النَّاسِ لَا حَدَّ وَلَا لِعَانَ ثُمَّ زَعَمَ أَنَّ الطَّلَاقَ بِكِتَابٍ أَوْ إِشَارَةٍ أَوْ إِيمَاءٍ جَائِزٌ وَلَيْسَ بَيْنَ الطَّلَاقِ وَالْقَذْفِ فَرْقٌ فَإِنْ قَالَ الْقَذْفُ لَا يَكُونُ إِلَّا بِكَلَامٍ قِيلَ لَهُ كَذَلِكَ الطَّلَاقُ لَا يَجُوزُ إِلَّا بِكَلَامٍ وَإِلَّا بَطَلَ الطَّلَاقُ وَالْقَذْفُ وَكَذَلِكَ الْعِتْقُ وَكَذَلِكَ الْأَصَمُّ يُلَاعِنُ وَقَالَ الشَّعْبِيُّ وَقَتَادَةُ إِذَا قَالَ أَنْتِ طَالِقٌ فَأَشَارَ بِأَصَابِعِهِ تَبِينُ مِنْهُ بِإِشَارَتِهِ وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ الْأَخْرَسُ إِذَا كَتَبَ الطَّلَاقَ بِيَدِهِ لَزِمَهُ وَقَالَ حَمَّادٌ الْأَخْرَسُ وَالْأَصَمُّ إِنْ قَالَ بِرَأْسِهِ جَازَ

بعض لوگ کہتے ہیں: اشارہ سے نہ حد ثابت ہوتی ہے نہ لعان۔ پھر کہتے ہیں: لکھنے یا ہاتھ کے اشارہ سے یا سر کے اشارہ سے طلاق جائز ہے حالانکہ طلاق اور قذف کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر وہ کہے: قذف صرف کلام کے ساتھ جائز ہے ورنہ طلاق اور قذف دونوں باطل ہونے چاہئیں‘ اسی طرح آزاد کرنا ہے (یعنی اشارہ سے نافذ ہو جاتا ہے) اسی طرح بہرے کا حکم ہے لعان کرنے میں، امام شعبی اور قتادہ نے کہا: جب کوئی اپنی بیوی سے کہے: تجھے طلاق پھر اپنی انگلیوں سے نکلنے کا اشارہ کرے تو اشارہ سے وہ بائنہ ہو جائے گی۔ ابراہیم نے کہا: گونگا جب اپنے ہاتھ سے طلاق لکھے تو طلاق لازم ہو جائے گی اور حماد نے کہا: گونگا‘ بہرہ اگر سر سے اشارہ کرے گا تو جائز ہوگا۔

اور عبداللہ بن عتبہ متوفی ۷۰ ھ محدود فی القذف کی شہادت کو جائز قرار دیتے ہیں۔ (تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۲۶۵)
اور عمر بن عبدالعزیز متوفی ۱۰۱ ھ نے بھی اس کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔
(مصنف عبدالرزاق: ۱۳۵۶۰ تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۲۶۵)

اور سعید بن جبیر متوفی ۹۵ ھ نے بھی اس کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ (تفسیر ابن جریر بہ حوالہ تغلیق التعلیق ج ۳ ص ۷۹ ۳)
اور طاؤس متوفی ۱۰۶ ھ اور مجاہد متوفی ۱۰۴ ھ نے بھی اس کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔
(کتاب الام للامام الشافعی ج ۷ ص ۲۶، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۳۲۴، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۱۵۳)

اور عامر بن شراحیل متوفی ۱۰۳ ھ نے بھی اس کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ (مسند ابن الجعد: ۱۸۸ تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۲۵۶)
اور عکرمہ البربری المتوفی ۱۰۵ ھ نے بھی اس کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔ (مسند ابن الجعد: ۱۳۲۲)
اور ابن شہاب زہری المتوفی ۱۵۲ ھ نے بھی ان کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے
(موطا امام مالک ج ۲ ص ۷۲۱، تفسیر ابن جریر ج ۹ ص ۲۶۵)

اور محارب بن دثار متوفی ۱۱۶ اور شریح بن ہانی متوفی ۷۸ ھ اور معاویہ بن قرہ متوفی ۱۱۳ ھ نے بھی ان کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ نے لکھا ہے کہ میں نے ان تینوں میں سے کسی ایک کی بھی یہ تصریح نہیں دیکھی۔
(فتح الباری ج ۵ ص ۲۵۷، دار الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ ھ)

علامہ ماتریدی متوفی ۳۳۳ ھ لکھتے ہیں: حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ، شبل بن معبد اور نافع ان تینوں کو صحابہ کی جماعت کے سامنے حد قذف لگائی اور کسی صحابی نے اس پر انکار نہیں کیا، پس گویا کہ اس پر اجماع ہو گیا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت ابوبکرہ نفیع بن الحارث رضی اللہ عنہ متوفی ۵۱ ھ نے اس کے بعد کہا کہ میں شہادت دیتا ہوں (کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۰ ھ نے ایک باندی سے زنا کیا ہے) تو حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ نے فرمایا: اگر آپ ان کو کوڑے مارتے ہیں تو ان کے باقی ساتھیوں کو بھی کوڑے ماریں، پس مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کو کوڑے مارنے پر انکار نہیں کیا جب کہ چار گواہوں کا نصاب پورا نہیں ہوا تھا۔ (المستدرک ج ۳ ص ۴۴۸-۴۴۹، سنن بیہقی ج ۸ ص ۲۳۴-۲۳۵)
اسی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ جب تہمت لگانے والے متفرق طور پر آئیں تو وہ سب تہمت لگانے والے قرار پائیں گے اور یہ انتظار نہیں کیا جائے گا کہ کوئی اور آ کر بھی ان کے ساتھ گواہی دے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتظار نہیں کیا تھا۔

تہمت لگانے والے کی تفصیل

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (النور: ۵)
سوا ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ قبول کر لیں اور اصلاح کر لیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بے حد مہربان ہے ۝

علامہ ماتریدی متوفی ۳۳۳ ھ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک تہمت لگانے والے کی توبہ ظاہر نہیں ہے کیونکہ اس کی توبہ یہ ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ کسی دوسرے مسلمان کی پردہ دری نہیں کرے گا یا یہ دعویٰ کرے کہ وہ کبھی بھی اس شخص پر تہمت نہیں لگائے گا جو

تہمت سے بری ہے، پس جو وجہ بھی ہو تو تہمت لگانے والوں کو اللہ تعالیٰ نے فاسق قرار دیا ہے اور ان کی توبہ لوگوں کے نزدیک ظاہر نہیں ہے، اسی وجہ سے وہ مقبول نہیں ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ نے فرمایا: تہمت لگانے والے کی توبہ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے جب وہ توبہ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اور جھوٹ کو معاف فرما دے گا اور متعدد سلف صالحین کا یہی قول ہے جیسے الحسن البصری المتوفی ۱۱۰ ھ (الدر المنثور ج ۵ ص ۴۲) اور جیسے ابراہیم النخعی المتوفی ۹۶ ھ (الدر المنثور ج ۵ ص ۴۲) اور ان کے امثال۔

تہمت لگانے والے کی توبہ کا دائماً نامقبول ہونا

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (النور: ۴)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں، پھر (اس کے ثبوت میں) چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو تم ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں O

سو جب قاضی کے پاس تہمت لگانے والے کسی معاملہ میں گواہی دیں تو ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی خواہ ان کو کوڑے لگا دیے گئے ہوں، اور ہر وہ گواہی جو تہمت کی وجہ سے رد کر دی جائے وہ کبھی بھی قبول نہیں کی جائے گی، اور امام شافعی کا یہ دعویٰ ہے کہ تہمت لگانے والے کا حال حد قذف لگائے جانے سے پہلے اور حد قذف لگائے جانے کے بعد برابر ہے اور یہ قرآن کریم کی نص صریح کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے النور: ۴ کے بعد فرمایا ہے:

لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ (النور: ۱۳)

(تہمت لگانے والے) اس (تہمت) پر چار گواہ کیوں نہ لائے! پس جب وہ گواہ نہیں لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں O

سو اللہ تعالیٰ نے تہمت لگانے والوں کو کاذب قرار دیا جب وہ اپنی تہمت پر چار گواہ لانے سے عاجز ہوں اور اس سے پہلے ان کا معاملہ موقوف تھا، پس واجب ہے کہ ان کو اس وقت کاذب قرار دیا جائے جب وہ اپنی تہمت پر چار گواہ لانے سے عاجز ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ کا یہ قول غلط ہے کہ محدود فی القذف کا حال حد قذف لگائے جانے سے پہلے اور حد قذف لگائے جانے کے بعد دونوں صورتوں میں برابر ہے۔

اور دونوں حالتوں کے اختلاف پر ہماری دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرہ پر حد قذف لگادی تو ان سے فرمایا: اگر آپ توبہ کرلیں تو آپ کی شہادت مقبول ہوگی اور ان پر حد قذف لگانے سے پہلے ان کی شہادت کو رد نہیں کیا گیا تھا۔

اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ توبہ سے تہمت لگانے والے کا فسق زائل ہو جاتا ہے لیکن اس کی شہادت زائل ہو جاتی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ تہمت لگانے والا خواہ توبہ کرلے اس کی شہادت باطل ہے، حدیث میں ہے:

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام مسلمان عدول

ہیں، سوا اس کے جس پر حد قذف لگائی گئی ہو۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۸۱، ص ۲۰۴، ص ۲۰۸، ص ۲۲۵، سنن ابن ماجہ: ۲۳۶۶، سنن دار قطنی ج ۴ ص ۲۴۴، سنن بیہقی ج ۱۰ ص ۲۰۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً۔ (النور: ۴)

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں، پھر (اس کے ثبوت میں) چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو تم ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفصیل میں ایک طویل حدیث ذکر کی ہے جس میں مذکور ہے: پھر مسلمان تھوڑا عرصہ ٹھہرے تھے حتیٰ کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ آ گئے (یہ وہ صحابی ہیں جنہوں نے اپنی بیوی پر شریک بن السحماء کے متعلق تہمت لگائی تھی اور جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے):

وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ (التوبہ: ۱۱۸)

اور اس نے ان تین شخصوں کی توبہ (بھی) قبول فرمائی جن کا معاملہ مؤخر کر دیا گیا تھا حتیٰ کہ جب زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی۔

حضرت ہلال بن امیہ نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک میں نے فلاں شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ہلال! تم کیا کہہ رہے ہو؟ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! میں نے اس کو دیکھا ہے اور میرے کانوں نے اس کی بات سنی ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ نے بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ بات ناگوار گزری، پھر انہوں نے پوچھا: کیا ہلال بن امیہ کو کوڑے لگائے جائیں گے اور ان کی شہادت مسلمانوں کے حق میں باطل ہو جائے گی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات زیادہ ناگوار گزری اور آپ بار بار یہ فرما رہے تھے کہ کیا ہلال کو کوڑے مارے جائیں گے؟ اور ان کی شہادت مسلمانوں کے حق میں باطل قرار دی جائے گی؟ (سنن ابوداؤد: ۲۲۵۶، باب اللعان، ابن المنذر وابن ابی حاتم وابن مردویہ بحوالہ الدر المنثور ج ۵ ص ۴۳)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد: ہلال بن امیہ کو کوڑے مارے جائیں گے؟ اور مسلمانوں کے حق میں ان کی شہادت باطل ہو جائے گی؟ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر غم وغصہ کا اظہار فرمایا، یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ محدود فی القذف کی شہادت اس کی توبہ کے بعد قبول نہیں کی جاتی کیونکہ اگر اس کی توبہ قبول کر لی گئی تو ان تمام کاموں کی مثل ہو گی جن پر توبہ قبول کی جاتی ہے تو پھر ان کی شہادت قبول کی جاتی اور اگر ایسا ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ ان کی شہادت مسلمانوں کے حق میں باطل ہو گئی، سوا اس کے کہ وہ توبہ کر لیں اور ایک دلیل یہ ہے کہ جب تہمت لگانے والا یہ کہتا ہے کہ فلاں مرد زانی ہے تو اس کی شہادت باطل نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ مدعی ہے لیکن جب وہ چار گواہ قائم کرنے سے عاجز ہو گیا اور اس پر قاضی نے حد قذف جاری کر دی تو اگر حاکم یہ فیصلہ کر دے کہ اس کی شہادت کسی چیز میں جائز ہے تو وہ جائز ہو گی۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اس بناء پر تم پر یہ لازم ہوگا کہ تم کہو کہ جب حاکم یہ کہے کہ اس کی شہادت ہر چیز میں جائز ہے تو اس کی شہادت ہر چیز میں جائز ہو جائے گی کیونکہ حاکم نے جو اپنے پہلے فیصلہ سے اس کی شہادت کو باطل قرار دیا تھا تو اب وہ فیصلہ منسوخ

ہو گیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

حاکم یہ کہے کہ میں نے اس کی شہادت کو جائز قرار دیا ہے تو یہ فیصلہ نہیں ہے بلکہ فتویٰ ہے، کیونکہ فیصلہ گواہی سے ہوتا ہے یا اقرار سے، نیز ہم کہتے ہیں: تہمت لگانے والے کی توبہ اس کے اور رب کے درمیان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آیا وہ اپنے آپ کو جھوٹا قرار دینے میں کاذب ہے یا صادق اور ہم کو اس کا علم نہیں ہے اور ہمارے لئے ظاہر پر اس میں کوئی دلیل نہیں ہے، لہٰذا ہم اس کی توبہ کو قضاءً توبہ قرار نہیں دیتے۔

اور دوسری دلیل یہ ہے کہ ہمیں تہمت لگانے والے کا جھوٹ اس آیت سے معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ (النور: ۱۳) یعنی جب تہمت لگانے والا چار گواہ نہیں پیش کر سکا تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹا ہے، پس جب تہمت لگانے والے نے کہا: میں نے اپنی تہمت میں جھوٹ بولا تھا تو ہم اس سے کہیں گے کہ تم نے جو اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا تھا اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا، لہٰذا تم اس وقت بھی اسی طرح جھوٹے ہو جس طرح تم پہلے وقت میں جھوٹے تھے، ہم کو معلوم ہو گیا ہے کہ تم جھوٹے ہو اور تمہاری شہادت میں تمہارا حال اسی طرح ہے جس طرح تمہارا پہلے حال تھا۔

تہمت لگانے والے کو اسی (۸۰) کوڑے مارنے کی تفصیل

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً (النور: ۴) تو تم ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو۔

جلد کا لفظ جُلود سے ماخوذ ہے، پس جائز ہے کہ اس کو اس طرح مارا جائے کہ اس کو درد نہ ہو اور اس مار سے اس کی کھال نہ پھٹے اور نہ اس کی کھال زخمی ہو اور ہم اس سے استنباط کرتے ہیں کہ اس کے اعضاء میں ایک ہی جگہ نہ مارا جائے کیونکہ اگر ایک ہی جگہ مارا جائے گا تو اس کی کھال پھٹ جائے گی اور زخمی ہو جائے گی تو اس کے اعضاء میں متفرق جگہوں میں مارا جائے، اس کے سر، چہرے اور شرمگاہ کے سوا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے جو فرمایا تھا کہ تمہاری شہادت قبول ہو گی اگر تم نے توبہ کر لی تو اس کا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ تم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرو گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو واقعات بیان کرو گے ان کو قبول کیا جائے گا لیکن حد قذف جاری ہونے کے بعد کسی معاملہ میں تمہاری شہادت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

کافر مرد اور کافرہ عورت کی تہمت کا حکم

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (النور: ۲۳) بے شک جو لوگ پاک دامن، ایمان والی عورتوں پر (بدکاری کی) تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے ۝

لہٰذا کافر اور کافرہ کی تہمت لگانے سے ان کی حد ساقط ہو گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حد جاری کرنے کے لئے ایمان اور احصان اور العفۃ کی شرط لگائی ہے، پس جب ان میں سے کوئی ایک شرط بھی نہیں پائی جائے گی تو پھر حد نہیں قائم کی جائے گی۔

اور اس لئے کہ اگر ہم کافر یا کافرہ کی تہمت سے اس پر حد واجب کر دیں تو اللہ کے دشمن کی تہمت سے حد لگائی جائے گی اور یہ جائز نہیں ہے کہ کسی مسلمان پر اللہ کے دشمن کی تہمت سے حد لگائی جائے۔

زوجین کے درمیان لعان کے متعلق حدیث

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ بیان کرتے ہیں: جب یہ آیات نازل ہوئیں:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور:۶-۹)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہو، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے O اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو O اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے O اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر وہ (خاوند) سچوں میں سے ہو O

پس حضرت عاصم بن عدی الانصاری رضی اللہ عنہ التوفی ۴۵ھ نے کہا: ہم میں سے ایک مرد ان کے گھر میں داخل ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ وہ مرد ان کی بیوی کے پیٹ کے اوپر ہے اور انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ جا کر چار مرد گواہ لے کر آئیں تا کہ وہ اس واقعہ کی شہادت دیں، انہوں نے کہا: اتنی دیر میں تو وہ مرد اپنی حاجت پوری کر چکا ہوگا اور گھر سے نکل چکا ہوگا اور اگر انہوں نے عجلت کی اور اسے قتل کر دیا تو انہیں بھی قصاص میں قتل کر دیا جائے گا اور اگر انہوں نے اس پر سکوت کیا تو وہ اپنے غم وغصہ پر سکوت کریں گے، پس وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور اس واقعہ کی خبر دی کہ میں نے فلاں شخص کو اپنی بیوی کے پیٹ پر پایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بیوی کو بلایا اور اس مرد کو بلایا، پھر ان دونوں کو حضرت عاصم کے سامنے جمع کیا، پھر آپ نے ان کی بیوی سے فرمایا: تم پر افسوس ہے کہ تمہارا مرد کیا کہہ رہا ہے؟ ان کی بیوی نے کہا کہ یارسول اللہ! یہ جھوٹا ہے، اس نے کوئی چیز نہیں دیکھی لیکن یہ بہت زیادت غیر مند ہے اور اس کی شدت غیرت نے اس کلام پر برانگیختہ کیا ہے، یہ شخص جو اس کا مہمان ہے اور اس کے سامنے وہ میرے پاس گھر میں آتا اور جاتا ہے اور اس کو اس کا علم بھی ہے اور اس نے کبھی بھی دن میں یا رات میں اس کو داخل ہونے سے مجھ کو منع نہیں کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق دریافت کیا اور فرمایا: تم اپنی بیوی کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور حق کے سوا کوئی بات نہ کہو تو حضرت عاصم نے کہا: یارسول اللہ! میں نے حق کے سوا کوئی بات نہیں کہی، میں نے اس مرد کو دیکھا اس نے میری بیوی کے پیٹ کو ڈھانپا ہوا ہے اور اب یہ حاملہ ہے اور میں نے اتنے اتنے عرصہ سے اس کے ساتھ جماع نہیں کیا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عاصم اور ان کی بیوی دونوں کو لعان کرنے کا حکم دیا، آپ نے فرمایا: اے عاصم! تم کھڑے ہو اور چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہو کہ تم اپنے قول میں صادق ہو اور پانچویں بار یہ کہو کہ تم پر اللہ کی لعنت ہو اگر تم جھوٹوں میں سے ہو، تو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اس طرح قسمیں کھالیں، پھر آپ نے ان کی بیوی سے بھی اس کی مثل فرمایا، اس نے بھی چار مرتبہ قسم کھا کر

کہا کہ ان کا شوہر ان پر جھوٹ باندھ رہا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہا کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر اس کا شوہر سچوں میں سے ہو، پھر جب وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لعان کرنے سے فارغ ہو گئے تو آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی، پھر آپ نے ان کی بیوی سے فرمایا: جب تمہارے ہاں ولادت ہو تو تم اس کو دودھ نہ پلانا حتیٰ کہ تم اس بچہ کو میرے پاس لے آؤ، پھر جب لوگ چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس کی بیوی نے سرخ رنگ کا بچہ جنا تو وہ اپنے باپ کے مشابہ ہوگا جس کی اس نے نفی کی ہے، اور اگر اس نے سیاہ رنگ کا گھنگھریالے بال والے بچہ کو جنا تو پھر وہ اس مرد کے مشابہ ہوگا جس پر عاصم نے تہمت لگائی تھی، پھر جب وہ بچہ کو لے کر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا کہ وہ سیاہ رنگ کا گھنگریالے بالوں والا بچہ تھا، اور وہ اس مرد کے مشابہ تھا جس پر حضرت عاصم نے تہمت لگائی تھی، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر لعان اور وہ قسمیں نہ ہوتیں جو گزر چکی ہیں تو اس میں میری رائے پر فیصلہ ہوتا۔

(صحیح البخاری: ۵۳۱۰ (کتاب الطلاق)، صحیح مسلم: ۱۱۳۴ (کتاب اللعان)، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۷۴ (کتاب الطلاق)، سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۰ (کتاب الحدود)، مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۶-۳۳۵، ۳۵۷، ۳۶۵)

اور بعض احادیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جمع کر لیا تو ان کے لعان کرنے کے بعد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟ اور آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے زیادہ شدید ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۷۴۷ (کتاب التفسیر)، مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۸، ۲۴۵، ۲۷۳، سنن ابو داؤد: ۲۲۵۴، (باب اللعان)، سنن ترمذی: ۳۱۷۹، (تفسیر سورۃ النور)، مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۸، ۲۴۵، ۲۷۳)

اس پر دلائل کہ کافر مرد اور کافرہ عورت کے درمیان لعان نہیں ہوتا

ان آیات اور اس حدیث میں خاوند کی بیوی پر تہمت کا ذکر ہے اور اس میں قسموں کا ذکر ہے، پس ان آیات کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ خاوند اور بیوی کافر ہوں یا مسلمان، غلام ہوں یا آزاد، خواہ جس طرح بھی ہوں تو ان کے درمیان لعان ہوگا، پس ہمارے نزدیک ان میں سے جب کوئی ایک آزاد ہو، دوسرا غلام ہو تو ان کے درمیان لعان نہیں ہوگا، سوا اس کے کہ وہ اہل شہادت میں سے ہو، اور ان کی دلیل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرار دیا ہے کہ جب کوئی اجنبی آزاد مرد کسی اجنبی آزاد عورت پر تہمت لگائے تو اس کی حد اسی کوڑے ہیں اور خاوند کی حد یہ مقرر کی ہے کہ جب وہ اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے اور وہ دونوں مسلمان ہوں تو وہ آپس میں لعان کریں گے، پھر ہم نے ذکر کیا ہے کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ آزاد مرد جب باندی پر یا یہودیہ پر زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد قذف نہیں ہے، پس جب کہ آزاد تہمت لگانے والا باندی پر تہمت لگائے تو اس پر وہ حد قذف نہیں ہے جو آزاد عورت پر تہمت لگانے کی حد ہوتی ہے تو باندی کے خاوند پر بھی وہ لعان نہیں ہوگا جو آزاد عورت کے خاوند پر لعان ہوتا ہے۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجنبی آزاد پاک دامن مسلمان عورت کو تہمت لگانے پر قسم کھانے کا ذکر کیا ہے اور تہمت لگانے والے کو قسم سے بری کر دیا اور یہ حکم دیا ہے کہ جب تہمت لگانے والا چار گواہوں کو قائم کرنے سے عاجز ہو تو اس پر حد قذف لگائی جائے گی، پھر اس سے زوجین کی شہادت کو مستثنیٰ فرما دیا ہے، لہٰذا فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور:٦)

اور جولوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اوران کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہو، توان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے O

پس جب اس شہادت اور قسم میں دونوں غلام یا دونوں کافر یا ان میں سے کوئی ایک غلام یا کافر داخل نہیں ہے تو وہ لعان سے خارج ہیں، اور کافرہ سے لعان کے باطل ہونے پر مزید دلیل یہ ہے کہ عورت پانچویں بار یہ کہتی ہے کہ اگر اس کا خاوند سچوں میں سے ہوتو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو حالانکہ کافرہ پر تو ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے، خواہ اس کا شوہر صادق ہو یا نہ ہو۔ بعض احادیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں سے فرمایا: تمہارا حساب اللہ کے ذمہ ہے تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے اور تمہاری اس کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے۔ (صحیح البخاری:٥١١١ (باب صداق الملاعنة)، صحیح مسلم:١١٣٢، ١١٣١ (کتاب اللعان)، مسند احمد ج ٢ ص ١١، مسند الحمیدی:٦٧١، سنن ابوداؤد:٢٢٥٧ (باب اللعان)، سنن نسائی ج ٦ ص ١٧٧ (کتاب الطلاق)۔

(تاویلات اہل السنہ ج ٧ ص ٥١٢-٥٢٥، دار الکتب العلمیہ بیروت، ١٤٢٦ھ)

آیات لعان کی تفسیر از علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری الحنفی المتوفی ١٩٩٨ء لعان کی آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

جب سابقہ آیت نازل ہوئی تو سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ! اھکذا انزلت۔ کیا یہ آیت یوں ہی نازل ہوئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے انصار! سنتے ہو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے؟ سعد بولے: یارسول اللہ! خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ یہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا ہے لیکن میں یہ خیال کر کے حیران ہو رہا ہوں کہ اگر میں کسی بدبخت کو اپنی بیوی پر سوار دیکھوں تو جب تک میں چار گواہ تلاش کر کے نہ لاؤں اس کے خلاف زبان نہیں ہلا سکتا اور اگر گواہوں کو بلانے جاؤں گا تو وہ اپنا کام تمام کر کے رفو چکر ہو چکا ہوگا۔ اس گفتگو کو قلیل عرصہ ہی گزرا تھا کہ ایک رات ہلال بن اُمیّہ اپنے کھیتوں سے جب گھر آئے تو اپنی اہلیہ کے ساتھ ایک آدمی دیکھا۔ انہوں نے سارا معاملہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ صبح بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سن کر بڑی کوفت ہوئی۔ صحابہ آپس میں کہنے لگے کہ ابھی ہلال پر حدِ قذف لگائی جائے گی۔ ہلال نے کہا: میرے دوستو! گھبراتے کیوں ہو، اللہ تعالیٰ ضرور کوئی صورت پیدا فرمائے گا۔ اسی اثناء میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نزول وحی کے آثار نمودار ہوئے اور سب خاموش ہو گئے۔ جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو حضور نے فرمایا: اے ہلال! مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تیری نجات کی صورت پیدا فرما دی ہے۔ پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی، اور اس کی بیوی کو بلا بھیجا۔ وہ آئی تو یہ آیت اسے بھی پڑھ کر سنائی۔ پھر دونوں کو تنبیہ کی کہ دنیا کے عذاب سے قیامت کا عذاب بہت سخت ہے۔ ہلال نے عرض کی: یارسول اللہ! میں نے جو عرض کی ہے بخدا وہ سچ ہے۔ عورت نے کہا: یہ جھوٹ بولتا ہے۔ چنانچہ پہلے ہلال نے چار مرتبہ قسم اٹھا کر کہا کہ میں سچا ہوں۔ پانچویں مرتبہ کہا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ پھر عورت کو کہا گیا کہ اسی طرح تو چار مرتبہ حلف کے ساتھ گواہی دے کہ وہ جھوٹا ہے جب وہ کہہ چکی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈر، دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہلکا ہے۔

اگر تو نے پانچویں بار بھی کہہ دیا تو عذابِ آخرت تجھ پر لازم ہو جائے گا۔ چنانچہ کچھ دیر وہ خاموش رہی۔ اس نے اپنے قصور کے اعتراف کا ارادہ کیا۔ پھر کہنے لگی، میں اپنی قوم کو رسوا کرنا نہیں چاہتی۔ چنانچہ پانچویں دفعہ بھی اس نے کہہ دیا ان غضب اللہ علیہا ان کان من الصادقین کہ اگر ہلال سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو۔ چنانچہ اس طرح قسم اٹھانے سے ہلال حدِ قذف سے بچ گئے اور وہ عورت حدِ زنا سے بچ گئی۔ لیکن ان کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی کر دی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب جو بچہ پیدا ہو اس کی نسبت ہلال کی طرف نہ کی جائے بلکہ اس کی ماں کی طرف کی جائے اور ساتھ ہی ایک اور حکم بھی دیا کہ اگر اس کے بعد کسی نے اس عورت کو زنا سے متہم کیا یا اس کے بچے کو حرامی کہا تو اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی۔ اس ارشاد سے واضح ہو گیا کہ جس کو شریعت کسی الزام سے بری کر دے پھر اس پر کسی کو زباں درازی کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ اس طریقہ کار کو ''لعان'' کہتے ہیں۔ لعان کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور پھر وہ عورت زندگی بھر اس کے نکاح میں نہیں آ سکتی۔

اگر مرد اس طرح قسم کھالے اور عورت خاموش ہو جائے تو اس پر زنا کی حد لگے گی لیکن اگر عورت بھی اس طرح قسم کھالے تو وہ بھی زنا کی حد سے بچ جائے گی۔

یعنی اگر حدِ قذف کے حکم کے بعد لعان کا قانون جاری نہ کیا جاتا اور مرد اپنی بیوی کو ناشائستہ حالت میں دیکھتا اور خاموش رہتا تو ساری عمر خون کے گھونٹ پیتا رہتا اور اگر اظہار کرتا تو اَسّی کوڑے کھاتا۔ یہ تو محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے ان پیچیدگیوں سے نجات کا راستہ تمہارے لیے بنا دیا ہے۔

لعان کی تحقیق از مصنف

لعان کے متعلق احادیث

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر العجلانی حضرت عاصم بن عدی الانصاری رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور ان سے کہا: اے عاصم! یہ بتاؤ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس کسی مرد کو پائے تو کیا کرے، آیا وہ اس کو قتل کر دے؟ پھر تم اس شخص کو قتل کر دو گے؟ یا پھر وہ شخص کیا کرے؟ اے عاصم! تم میری خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کا حل دریافت کرو، پھر حضرت عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا، آپ نے اس سوال کو مکروہ جانا اور اس کی مذمت کی، حتیٰ کہ حضرت عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو جواب سنا اس سے انہیں بہت رنج ہوا، جب حضرت عاصم اپنے گھر پہنچے تو حضرت عویمر ان کے پاس آ گئے اور ان سے پوچھا: اے عاصم! تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ حضرت عاصم نے حضرت عویمر سے کہا: میں کوئی اچھی خبر نہیں لایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سوال کیا تھا، آپ نے اس کو ناپسند فرمایا۔ حضرت عویمر نے کہا: اللہ کی قسم! جب تک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود نہ پوچھ لوں اس وقت تک میں خاموش نہیں رہوں گا، پھر حضرت عویمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور لوگوں کے درمیان جا کر بیٹھ گئے اور کہا: یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو پائے تو آیا وہ اس کو قتل کر دے؟ پھر آپ لوگ اس کو قتل کر دیں گے تو پھر وہ شخص کیا کرے؟ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے اور تمہاری بیوی کے متعلق اللہ کا حکم نازل ہو گیا ہے جاؤ اس کو لے کر آؤ، سہل نے کہا: پھر ان دونوں نے ایک دوسرے پر لعان کیا (لعنت کی)، میں بھی اس وقت لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا، جب وہ ایک دوسرے

سے لعنت کر کے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمر نے کہا: یارسول اللہ! اگر اب میں نے اس عورت کو اپنے نکاح میں رکھا تب تو پھر میں جھوٹا ہوں گا، پھر انہوں نے اپنی بیوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حکم دینے سے پہلے تین طلاقیں دے دیں، ابن شہاب زہری نے کہا: لعان (ایک دوسرے پر لعنت کرنے) کا یہی طریقہ ہے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۰۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹۲، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۴۷، ۲۲۴۵، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۴۰۲، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۶، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۲۴۹۵)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں جمعہ کی شب مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ انصار میں سے ایک شخص آیا اور اس نے کہا: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس کسی مرد کو پائے اور اس کے متعلق بات کرے تو تم اس پر کوڑے (حد قذف) لگاؤ گے، یا وہ اس کو قتل کر دے تو تم اس کو قتل کر دو گے اور اگر وہ خاموش رہے تو وہ اپنے غصہ اور غضب میں خاموش رہے گا، وہ کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں ضرور اس کا حل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کروں گا، دوسرے دن وہ صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے سوال کیا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس کسی مرد کو پائے، پھر اس واقعہ کی خبر دے تو آپ اس کو کوڑے ماریں گے (حد قذف لگائیں گے) یا وہ اس کو قتل کر دے تو آپ اس کو قصاص میں قتل کر دیں گے یا وہ خاموش رہے تو وہ غیظ وغضب میں خاموش رہے گا، تو آپ نے دعا کی: اے اللہ! اس کا حل منکشف کر دے، پھر آپ مسلسل دعا کرتے رہے، پھر آیت لعان نازل ہو گئی کہ جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہو...... پھر وہ شخص لوگوں کے سامنے اس لعان میں مبتلا ہوا، وہ اپنی بیوی سمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور انہوں نے ایک دوسرے پر لعنت کی، مرد نے چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دی کہ وہ سچوں میں سے ہے، پھر پانچویں بار اس نے خود پر یہ کہہ کر لعنت کی کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو، پھر وہ عورت لعنت کرنے لگی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے فرمایا: رک جا! اس نے انکار کیا اور لعنت کی، جب وہ دونوں چلے گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: شاید اس کا بچہ پیدا ہوگا جو سیاہ رنگ کا گھونگھریالے بالوں والا ہوگا، پھر اس کے ہاں سیاہ رنگ کا گھونگھریالے بالوں والا بچہ ہوا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹۵، سنن ابوداؤد: رقم الحدیث: ۲۲۵۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۶۸)

حضرت ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ (النور:۶) حضرت سعد نے کہا: یارسول اللہ! میں جانتا ہوں کہ یہ آیت برحق ہے اور اللہ کی طرف سے ہے لیکن مجھے اس پر تعجب ہے کہ اگر میں کسی شخص کو اس حال میں پاؤں کہ میری بیوی کی رانیں کسی شخص پر ہوں تو میرے لئے یہ ممکن نہیں ہوگا کہ میں ان کو باز رکھنے کے لئے چار گواہ اکٹھا کروں۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انصار سے کہا: کیا تم نے نہیں سنا تمہارے سردار نے کیا کہا ہے! انہوں نے کہا: اے اللہ کے نبی! اس کو ملامت نہ کریں، کیونکہ اس سے بڑھ کر ہم میں کوئی غیرت دار نہیں، اس نے جب بھی نکاح کیا تو کنواری عورت سے کیا اور اس نے اپنی جس بیوی کو طلاق دی تو کسی نے اس سے نکاح کی خواہش نہیں کی، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! کیا یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: نہیں، اس کو اتنے گواہ پیش کرنے ہوں گے جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، پھر ان کے عم زاد ہلال بن امیہ اس سانحہ میں مبتلا ہو گئے، انہوں نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خبر دی کہ انہوں نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو پایا، تب اللہ تعالیٰ نے سورہ نور کی ۶-۹ آیتیں نازل فرمائیں، جب مرد نے اپنی بیوی کے خلاف چار مرتبہ شہادت دے

دی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رک جاؤ یہ شہادت واجب ہے، پھر اس سے فرمایا: اگر تم جھوٹے ہو تو توبہ کر لو، اس نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم! میں سچا ہوں، پھر اس نے پانچویں قسم بھی کھالی، پھر اس کی بیوی نے اللہ کی قسم کھا کر چار مرتبہ گواہی دی کہ اس کا خاوند جھوٹا ہے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رک جاؤ، یہ شہادت واجب ہے، پھر اس سے فرمایا: اگر تو جھوٹی ہے تو توبہ کر لے، وہ کچھ دیر خاموش رہی، پھر اس نے کہا: میں تمام دن اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی، پھر اس نے پانچویں بار قسم بھی کھالی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس کا ایسا ایسا بچہ ہوا تو وہ فلاں کا ہے، پھر اس کے ہاں ویسا ہی بچہ ہو گیا۔

(اس حدیث کی سند صحیح ہے، حاشیہ مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۳۱، دارالحدیث قاہرہ، طبع جدید، مسند احمد ج ۱ ص ۲۳۸، طبع قدیم، حافظ الہیثمی نے بھی کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد، ج ۵ ص ۱۱-۱۲)

لعان کا لغوی اور اصطلاحی معنی

لعان کا لفظ لعن سے ماخوذ ہے، علامہ سید مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں کہ لعن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو اس کا معنی ہے: دھتکارنا اور خیر سے دور کرنا، اور جب اس کی نسبت مخلوق کی طرف ہو تو یہ بددعا کا کلمہ ہے، اور لکھتے ہیں کہ لعان کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے تو امام اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرائے، اور مرد سے ابتداء کرے، مرد چار بار یہ کہے کہ میں اللہ کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ اس نے فلاں مرد کے ساتھ زنا کیا ہے اور میں اپنی اس تہمت میں صادق ہوں، جب وہ چار بار یہ قسم کھالے تو پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ زنا کی اس تہمت لگانے میں جھوٹا ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، پھر عورت کو کھڑا کیا جائے اور وہ چار بار یہ کہے کہ میں اللہ کو اس بات پر گواہ بناتی ہوں کہ اس شخص نے جو مجھ پر تہمت لگائی ہے یہ اس تہمت میں جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر یہ سچوں میں سے ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو، لعان کے بعد وہ عورت اس شخص سے بائنہ ہو جائے گی اور کبھی اس شخص کے لیے حلال نہیں ہو گی، اگر وہ حاملہ ہو تو بچہ اس عورت کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔ (تاج العروس ج ۹ ص ۳۳۴-۳۳۵) (تبیان القرآن ج ۸ ص ۷۳-۷۵، فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۲۵ھ)

اس کی تحقیق کہ اسلام میں سب سے پہلے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے والے حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ تھے

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور: ۶)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے ۝

یہ آیات شعبان نو (۹) ہجری میں حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئیں، جب آپ غزوہ تبوک سے واپس آئے یا حضرت ہلال بن امیہ بن سعد بن امیہ کے متعلق نازل ہوئیں اور اسی پر جمہور کا اتفاق ہے۔

اور علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: صحیح یہ ہے کہ تہمت لگانے والے حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ تھے، اور حضرت ہلال بن امیہ سعد بن امیہ کا ذکر کرنا خطا ہے، اور ابوالقاسم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے روایت کی ہے کہ حضرت

عویمر العجلانی نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ نے روایت کی ہے اور میرا گمان ہے کہ یہ غلط ہے اور جو چیز اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ قصہ واحدہ ہے کہ جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے توقف فرمایا تھا حتیٰ کہ مذکور الصدر آیت کریمہ نازل ہوگئی۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے التہذیب میں کہا ہے کہ اس حدیث میں ہلال بن امیہ کا ذکر کرنا غلط ہے، تہمت لگانے والے صرف حضرت عویمر العجلانی بن الحارث بن زید بن الجد بن عجلان رضی اللہ عنہ تھے۔

علامہ مغلطائی متوفی ۷۶۲ھ نے التلویح شرح صحیح البخاری میں کہا ہے: امام محمد بن جعفر نے جو ذکر کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ قصہ ہلال بن امیہ کا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی پر شریک کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تھی اور یہ قصہ صحیح البخاری میں دو جگہ مذکور ہے، کتاب الشھادات (صحیح البخاری: ۲۶۷۱) میں اور کتاب التفسیر (صحیح البخاری: ۴۷۴۷) میں، اور صحیح مسلم میں ہشام بن محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سوال کیا اور میری رائے یہ تھی کہ ان کے پاس اس کا علم ہے تو انہوں نے کہا کہ حضرت ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تھی اور وہ حضرت البراء بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۲۰ھ کے اخیافی بھائی تھے اور حضرت ہلال بن امیہ اسلام میں وہ پہلے مرد تھے جنہوں نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور پھر ان دونوں نے لعان کیا۔

باب مذکور میں امام بخاری کی پہلی تعلیق

جب گونگے نے اپنی بیوی پر لکھ کر یا اشارہ سے یا کسی معروف اشارہ سے زنا کی تہمت لگائی تو وہ متکلم کی طرح ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض میں اشارہ کو جائز قرار دیا ہے اور یہی بعض اہل حجاز کا اور اہل علم کا قول ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ﴿۲۹﴾ (مریم:۲۹)	مریم نے اس بچہ کی طرف اشارہ کیا، ان لوگوں نے کہا: ہم گود کے بچہ سے کیسے بات کریں O
قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ (آل عمران:۴۱)	(زکریا نے) کہا: اے میرے رب! میرے لیے کوئی علامت مقرر کر دیجئے، فرمایا: تمہاری علامت یہ ہے کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا لوگوں سے کوئی بات نہ کر سکو گے

الضحاک نے ''الا رمزا'' کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد اشارہ ہے۔

(تفسیر الثوری ص ۷۷، تفسیر ابن جریر ج ۳ ص ۲۵۹، تاریخ دمشق لابن عساکر متوفی ۵۷۱ھ، ج ۱۹ ص ۵۲)

اور بعض الناس (حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) نے کہا ہے کہ گونگے پر نہ حد ہے اور نہ لعان ہے، پھر انہوں نے یہ زعم کیا کہ اگر گونگا لکھ کر طلاق دے یا اشارے سے یا ایسے اشارے سے جو لوگوں میں معروف ہے تو اس کی طلاق جائز ہے، حالانکہ طلاق میں اور القذف یعنی تہمت لگانے میں کوئی فرق نہیں ہے، پس اگر انہوں نے یہ کہا کہ تہمت صرف کلام سے لگائی جاتی ہے تو اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ طلاق دینا بھی بغیر کلام کے جائز نہیں ہے، ورنہ طلاق اور قذف دونوں باطل ہیں، اور اسی طرح العتق یعنی گونگے کے غلام آزاد کرنے کا حکم ہے اور اسی طرح بہرہ بھی لعان کرے گا۔

باب مذکور میں امام بخاری کی دوسری تعلیق

الشعبی نے کہا اور قتادہ متوفی ۱۱۷ھ نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ تمہیں طلاق اور اپنی انگلی سے اشارہ کیا تو اس کے اشارہ کرنے سے اس کی بیوی بائنہ ہو جائے گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۱)

باب مذکور میں امام بخاری کی تیسری تعلیق

اور ابراہیم النخعی المتوفی ۹۶ھ نے کہا کہ گونگے نے جب اپنے ہاتھ سے طلاق لکھی تو اس کی طلاق لازم ہو جائے گی۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۱۴۳۴، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۷۹)

باب مذکور میں امام بخاری کی چوتھی تعلیق

اور حماد نے کہا کہ گونگے اور بہرے نے اگر سر سے اشارہ کیا تو یہ جائز ہے۔

(جامع سفیان الثوری بہ حوالہ تغلیق التعلیق ج ۴ ص ۴۷۵)

تعلیقات مذکورہ کی شرح از علامہ عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اپنے اس تمام بیان سے یہ ارادہ کیا ہے کہ اہلِ حجاز اور فقہاء کوفہ کے درمیان اس اختلاف کو بیان کریں جو گونگے کے لعان اور حد کے درمیان ہے، اسی لئے انہوں نے وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ (النور: ۶) کے بعد یہ ذکر کیا کہ جب گونگا اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے الی آخرہ۔ اور امام بخاری نے لفظ یرمون کے عموم سے یہ استدلال کیا ہے کہ جب گونگا اپنی بیوی پر لکھ کر زنا کی تہمت لگائے یا اشارہ سے زنا کی تہمت لگائے ایسا اشارہ جس سے بات سمجھ میں آتی ہو اور امام بخاری نے یہ قید لگائی ہے کہ وہ اشارہ معروف ہو، اس لئے کہ جب یہ اشارہ معروف نہیں ہوگا تو اس کے اوپر کسی حکم کو مبنی نہیں کیا جائے گا، اور اشارہ اور ایماء میں فرق یہ ہے کہ لفظ اشارہ سے ذہن میں متبادر یہ ہوتا ہے کہ اشارہ ہاتھ سے ہوتا ہے اور لفظ ایماء سے متبادر یہ ہوتا ہے کہ یہ سر سے ہوتا ہے یا پلکوں سے ہوتا ہے، پھر امام بخاری نے کہا کہ ان لوگوں کے اشارہ کا حکم یہ ہے کہ جو متکلم کا حکم ہوتا ہے یعنی ناطق کا حکم ہوتا ہے، ان تمام صورتوں کا حکم یہ ہے کہ جب لکھنے سے یا اشارہ سے یا ایماء سے کوئی مفہوم سمجھ میں نہ آئے تو اس پر کسی حکم کی بناء نہیں کی جائے گی، پھر جب گونگا ان امور میں متکلم اور ناطق کی طرح ہے تو اس کا ان اشیاء میں تہمت لگانا معتبر ہوگا اور اس کے اوپر لعان اور اس کا حکم مترتب ہوگا، پھر امام بخاری نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض میں اشارہ کو جائز قرار دیا ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امور مفروضہ میں اشارہ کو جائز قرار دیا ہے جیسا کہ نماز میں، کیونکہ جو شخص رکوع اور سجود سے عاجز ہو تو وہ اشارہ سے رکوع اور سجود کرتا ہے۔

پھر امام بخاری نے کہا کہ یہ بعض اہل حجاز کا قول ہے یعنی امام بخاری نے ذکر کیا ہے کہ گونگا اشارے سے طلاق دے تو وہ واقع ہو جاتی ہے، سو یہ بعض اہل حجاز کا قول ہے اور اس سے امام بخاری کی مراد امام مالک اور ان کے متبعین ہیں۔

اور امام بخاری نے کہا اور اہل علم کا قول ہے یعنی بعض اہل علم نے جو غیر اہل حجاز ہیں اور اس سے ان کی مراد ابوالشور ہیں کیونکہ ان کا بھی وہی مذہب ہے جو امام مالک کا قول ہے۔

پھر امام بخاری نے مریم: ۲۹ سے استدلال کیا یعنی حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ کی طرف اشارہ کیا، یہ بھی بعض اہل حجاز کا قول ہے کہ حضرت مریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا، جس وقت وہ اپنے پنگوڑے میں تھے، جس وقت انہوں نے اپنی قوم سے کہا جب لوگوں نے حضرت مریم پر تہمت لگائی تھی:

قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا (مریم: ۲۷) تو انہوں نے کہا: اے مریم! تم نے تو بہت سنگین کام کیا ہے O

یعنی وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پنگوڑے میں کلام کریں:

فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا (مریم: ۲۹) سو مریم نے اس بچہ کی طرف اشارہ کیا، ان لوگوں نے کہا: ہم گود کے بچہ سے کیسے بات کریں O

تو لوگوں نے حضرت مریم کے اشارہ سے اس چیز کو جان لیا جس کو وہ کلام اور نطق سے جانتے تھے۔

امام بخاری نے کہا: اور الضحاک نے "الا رمزا" کی تفسیر میں لکھا کہ رمز سے مراد اشارہ ہے، یہ امام بخاری کا ایک اور استدلال ہے، جو اس آیت سے ہے:

قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ (آل عمران: ۴۱) تمہاری علامت یہ ہے کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا لوگوں سے بات نہ کر سکو گے O

یہ امام بخاری کا اس پر ایک اور استدلال ہے کہ گونگے کے اشارہ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے اور لعان بھی واقع ہو جاتا ہے۔

اور امام بخاری نے کہا کہ الضحاک بن مزاحم نے بھی کہا کہ الا رمزا سے مراد اشارہ ہے، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ اسی طرح ابن مزاحم نے کہا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۰۲، دار المعرفہ)

اور علامہ محمد بن یوسف الکرمانی المتوفی ۷۸۶ ھ نے کہا ہے کہ اس سے مراد ضحاک بن شراحیل الہمدانی التابعی ہیں، جو مفسر ہیں۔ (تحقیق الکواب الدراری شرح البخاری ج ۱۹ ص ۲۱۶، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۱ھ)

الضحاک بن مزاحم کا تعارف

(علامہ عینی فرماتے ہیں:) الضحاک بن مزاحم ابو القاسم الہلالی الخراسانی ہیں جو سمرقند، بلخ اور نیشاپور میں تھے، انہوں نے صحابہ کرام کی ایک جماعت سے روایت کی ہے، جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ ھ اور حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ متوفی ۶۸ ھ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ ھ شامل ہیں، اور ان کا ان میں سے کسی سے سماع ثابت نہیں ہے اور یحییٰ بن معین نے ان کی توثیق کی ہے اور ابو زرعہ نے کہا کہ یہ ثقہ ہیں، کوفی ہیں اور (۱۵۰) ہجری میں ان کی وفات ہوئی اور امام ترمذی متوفی ۲۷۹ ھ اور امام ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ ھ نے ان سے روایت کی ہے اور انہوں نے ان کے قول الا رمزاً کی تفسیر الا اشارۃ کے ساتھ کی ہے، اور اگر ان کے اشارہ سے ان کا کلام مفہوم نہ ہوتا تو اللہ عزوجل یہ نہ فرماتا: لا تکلمهم الا رمزاً: یعنی آپ ان سے صرف اشارہ سے بات کر سکیں گے، اور یہ آیت حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ میں ہے۔ (میں کہتا ہوں: علامہ عینی نے جس طرح آیت ذکر کی ہے، اس طرح سے قرآن مجید کی آیت نہیں ہے، بلکہ آیت اس طرح سے ہے):

قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ تمہاری علامت یہ ہے کہ تم تین دن تک اشاروں کے سوا لوگوں

(آل عمران: ۴۱) سے بات نہ کر سکو گے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ یَحْیٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا ۝ قَالَ رَبِّ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِیًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَیْــٴًـا ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةً قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ۝ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِیًّا ۝ (مریم: ۷-۱۱)

اے زکریا! بے شک ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں اس کا نام یحییٰ ہوگا، ہم نے اس سے پہلے اس کا کوئی ہم نام نہیں بنایاO زکریا نے کہا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جب کہ میری اہلیہ بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی وجہ سے انتہائی کمزور ہو چکا ہوںO فرمایا: اسی طرح ہوگا آپ کے رب نے فرمایا: یہ میرے لیے آسان ہے اور میں اس سے پہلے تم کو پیدا کر چکا ہوں، جب تم کچھ بھی نہ تھےO زکریا نے کہا: اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرمادے، فرمایا: تمہارے لیے نشانی یہ ہے کہ تم تندرست ہونے کے باوجود تین راتوں تک لوگوں سے بات نہ کر سکو گےO پھر زکریا اپنے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے اور ان کو اشارے سے کہا کہ تم صبح اور شام اللہ کی تسبیح کرتے رہو۔

امام بخاری کے امام ابوحنیفہ اور فقہاءِ احناف پر اعتراضات اور علامہ عینی حنفی کی طرف سے ان کے جوابات

امام بخاری نے کہا: ''وقال بعض الناس'' اس سے امام بخاری کی مراد ہیں فقہاءِ کوفہ، کیونکہ جب امام بخاری اہل حجاز کے کلام پر استدلال کرنے سے فارغ ہوئے تو پھر فقہاءِ کوفہ کے اس کلام کا رد کرنا شروع ہو گئے کہ گونگے کے اوپر نہ حد ہے نہ لعان، پھر فقہاءِ احناف نے یہ زعم کیا کہ لکھنے سے یا اشارہ سے یا ایماء سے طلاق دینا جائز ہے حالانکہ طلاق یا قذف میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اور علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے کہ امام بخاری نے جو بعض الناس کہا ہے اس سے ان کی مراد فقہاء احناف ہیں، کیونکہ انہوں نے کہا ہے: گونگے کے اوپر کوئی حد نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے تہمت لگانے اور اس پر لعان کرنے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اور علامہ ابوالحسن علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی الحنفی المتوفی ۵۹۳ھ صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ گونگے کی تہمت لگانے کے ساتھ لعان کا تعلق نہیں ہوتا کیونکہ لعان کا تعلق صریح الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے جیسا کہ حد القذف میں ہوتا ہے، پھر صاحب الہدایہ نے کہا کہ تہمت لگانے میں اشارہ معتبر نہیں ہے کیونکہ اس میں صراحتاً تہمت نہیں ہوتی، پھر انہوں نے کہا کہ گونگے کی طلاق اشارہ کے ساتھ واقع ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا اشارہ معروف ہے، پس وہ صریح عبارت کے قائم مقام کیا گیا ہے تا کہ ضرورت مندفع ہو۔

امام بخاری نے کہا: ''ثم زعم'' یعنی پھر بعض الناس نے یہ زعم کیا کہ گونگے کی طلاق، لکھنے سے، اشارے سے یا ایماء سے جائز ہے حالانکہ طلاق اور قذف کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

امام بخاری کی اس عبارت سے مراد بھی فقہاء احناف ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ثم زعم کا فاعل ہیں امام ابوحنیفہ، کیونکہ امام بخاری جب بعض الناس کہتے ہیں تو اس سے ان کی مراد امام ابوحنیفہ ہوتی ہے، اور اس عبارت سے فقہاء احناف نے جو کچھ کہا ہے وہ محض ان کی رائے ہے کہ گونگے کی تہمت لگانے کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اس کے باوجود انہوں نے گونگے کی طلاق کا اعتبار کیا ہے اور یہ ایسا فرق ہے جس پر کوئی دلیل نہیں ہے، اور یہ ایسی تخصیص ہے جو بلا اختصاص ہے اور ترجیح بلا مرجح ہے۔

اور فقہاء احناف نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ تہمت لگانے کی صحت کا تعلق زنا کی صراحت کے ساتھ ہے نہ کہ اس کے معنی کے ساتھ، اور یہ بات گونگے سے حاصل نہیں ہو سکتی، لہٰذا گونگا اگر اشارہ سے کسی پر زنا کی تہمت لگائے تو وہ قاذف نہیں قرار دیا جائے گا اور حدود، شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ (کیونکہ گونگا اشارے سے کس طرح بتائے گا کہ فلاں مرد نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے)۔

اور امام بخاری نے کہا: حالانکہ طلاق میں اور تہمت لگانے میں کوئی فرق نہیں ہے، اور امام بخاری کا ان کے درمیان عدمِ فرق کا دعویٰ کرنا ممنوع ہے کیونکہ لفظِ طلاق اپنے معنی کی ادائیگی میں صحیح ہے، بہ خلاف تہمت لگانے کے کیونکہ اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ فلاں مرد نے فلاں عورت کے ساتھ زنا کیا ہے، لہٰذا اس کے اوپر کوئی چیز مرتب نہیں ہوگی اور ان دونوں کے درمیان لفظاً اور معنیً فرق ظاہر ہے اور اس دقیق نکتہ پر امام بخاری مطلع نہیں ہو سکے۔

پھر امام بخاری نے کہا کہ اگر بعض الناس یہ کہیں کہ تہمت لگانا بغیر کلام کے متحقق نہیں ہوتا تو ان سے کہا جائے گا کہ طلاق دینا بھی بغیر کلام کے متحقق نہیں ہوتا۔

امام بخاری نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ اسی طرح طلاق دینا بھی بغیر کلام کے متحقق نہیں ہوتا، امام بخاری کا یہ جواب انتہائی ضعیف ہے کیونکہ دونوں کلاموں کے درمیان بہت عظیم اور بہت دقیق فرق ہے۔ اس کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دقتِ نظر اور باریک بینی عطا کی ہو، اس کے برخلاف گونگا جو کلام کرنے پر قادر نہیں ہے، جو صرف اشارہ کرتا ہے اور اشارہ دو چیزوں کو متضمن ہوتا ہے، لہٰذا اس کے اشارے سے حد کو واجب کرنا جائز نہیں ہے، جیسے لکھنے سے اور تعریض سے حد واجب نہیں ہوتی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس شخص نے دوسرے سے کہا کہ تم نے وطی حرام کی ہے تو یہ قذف نہیں ہے کیونکہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ اس نے ایسی وطی کی ہو جس میں شبہ ہو اور قائل نے یہ اعتقاد کیا ہو کہ یہ وطی حرام ہے، اور اشارہ سے ان دونوں معنوں کی تفصیل واضح نہیں ہوتی، اسی لئے تعریض کے ساتھ حد واجب نہیں ہوتی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے امام بخاری کی تائید

اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ علامہ ابن القصار مالکی نے اس کے جواب میں فقہاء احناف پر یہ نقض وارد کیا ہے کہ اگر کوئی شخص زبانِ عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں کسی پر تہمت لگائے تو اس کا اعتبار کیا جاتا ہے لیکن یہ جواب ضعیف ہے اور دوسروں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ قتل کی ایک قسم قتل عمد، قتل شبہ عمد اور قتل خطا ہے اور یہ اشارہ سے متمیز ہو جاتا ہے اور یہ قوی اعتراض ہے اور انہوں نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ لعان شہادت ہے اور گونگے کی شہادت بالاجماع مردود ہے اور اجماع کا دعویٰ مردود ہے کیونکہ امام مالک نے ذکر کیا ہے کہ گونگے کی شہادت مقبول ہے، لہٰذا اس پر اجماع نہیں ہے، اور بایں طور کہ لعان اکثر علماء کے نزدیک یمین ہے یعنی قسم ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۰۳، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام بخاری کے تمام اعتراضات کے جوابات

(علامہ عینی فرماتے ہیں:) یہ تمام اعتراضات فقہاء احناف کے مذہب پر وارد نہیں ہوتے، پہلا اعتراض اس لیے وارد نہیں ہوتا کہ قذف میں یہ شرط ہے کہ زنا کی تہمت کی تصریح ہو جیسا کہ غیر لسان العرب میں یہ تصریح ہوتی ہے اور دوسرا اعتراض اس لئے وارد نہیں ہوتا کہ اس قائل نے یہ کہا ہے کہ وہ قوی اعتراض ہے، حالانکہ یہ اعتراض پہلے سے زیادہ ضعیف ہے کیونکہ قتل کی تین قسمیں ہیں، قتل عمد، شبہ عمد اور قتل خطا، اور جاری مجری خطاء اور قتل بالسبب اور گونگے سے ان کے درمیان تمیز اور امتیاز بہت مشکل ہے اور تیسرا اعتراض اس لئے وارد نہیں ہوتا کہ گونگے کی شہادت مردود ہے اور لعان ہمارے نزدیک ایسی شہادت ہے جو قسم کے ساتھ موکد ہوتی ہے، لہٰذا اس میں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اس کی شہادت بالا جماع مقبول ہے کیونکہ اس کی شہادت ہمارے نزدیک مردود ہے اور چوتھا اعتراض اس لئے وارد نہیں ہوتا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ لعان شہادت ہے اور اصطلاح میں کوئی تنگی اور مانع نہیں ہے۔

اس اعتراض کا جواب کہ طلاق اور قذف دونوں زبان سے ہوتے ہیں، پھر اگر قذف میں اشارہ کا اعتبار نہیں ہے تو پھر طلاق میں بھی اشارہ کا اعتبار نہیں ہونا چاہیے۔

امام بخاری نے کہا کہ طلاق اور قذف میں کوئی فرق نہیں ہے، اگر فقہاء احناف یہ کہیں کہ قذف صرف زبان سے ہوتا ہے تو ان سے کہا جائے گا کہ طلاق بھی صرف زبان سے ہوتی ہے ورنہ طلاق اور قذف دونوں باطل ہو جائیں گے، یعنی اگر وہ ان کے درمیان فرق کا قول نہ کریں تو پھر ضروری ہے کہ طلاق اور قذف دونوں کو باطل قرار دیا جائے اور اسی طرح غلام کو آزاد کرنے کا حکم ہے، فقہاء احناف کہتے ہیں کہ گونگے کا اشارہ سے غلام کو آزاد کرنا صحیح ہے اور اسی طرح گونگے کا لعان کرنا بھی صحیح ہے، المھلب مالکی نے کہا ہے کہ یہ اشکال بہت قوی ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ طلاق میں اور غلام کو آزاد کرنے میں اور لعان میں متعدد بار اشارہ کرنے سے مراد واضح ہو جاتی ہے اس کے برخلاف قذف میں اس طرح نہیں ہوتا کیونکہ قذف میں یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں مرد نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے اور یہ بات اشارہ سے نہیں سمجھی جاتی۔

شعبی کے قول سے استدلال کا جواب

اور شعبی نے کہا اور ان کا نام عامر بن شراحیل متوفی ۱۰۳ھ ہے اور قتادہ بن دعامہ متوفی ۱۱۷ھ جب انہوں نے کہا کہ گونگے نے اپنی بیوی سے کہا: تجھے طلاق ہے اور اپنی انگلیوں سے اشارہ کیا جس اشارہ کی بناء اس پر ہو کہ وہ ایک طلاق دے رہا ہے یا دو طلاق دے رہا ہے یا تین طلاق دے رہا ہے یعنی وہ اس اشارہ سے ایک، دو یا تین طلاقیں دے رہا ہو تو اس کی مراد واضح ہو جاتی ہے اور قذف میں اس طرح مراد واضح نہیں ہوتی۔

ابراہیم نخعی کے قول سے استدلال کا جواب

اور ابراہیم نخعی متوفی ۹۶ھ نے کہا: جب گونگے نے اپنے ہاتھ سے طلاق لکھی تو اس کی طلاق لازم ہے اور یہی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا مذہب ہے۔

اور فقہاء احناف نے کہا: جب کوئی مرد کئی دنوں تک چپ رہا، پھر اس نے لکھا تو اس کے لکھنے سے کوئی چیز واقع نہیں ہوگی اور

امام طحاوی متوفی ۳۲۱ھ نے کہا کہ گونگا پن اس خاموشی کے برخلاف ہے جو کسی وجہ سے اختیار کی جائے، جیسا کہ جو شخص کسی عارضہ کی وجہ سے ایک دن یا دو دن جماع سے عاجز ہو تو وہ اس کے خلاف ہے جو مستقل جماع نہ کر سکتا ہو، اسی طرح جو شخص چند دن کسی وجہ سے چپ رہے تو وہ گونگے کی طرح نہیں ہے۔

حماد بن ابی سلیمان کے قول سے استدلال کا جواب

حماد بن ابی سلیمان متوفی ۱۲۰ھ، یہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ متوفی ۱۵۰ھ کے شیخ اور استاذ ہیں، انہوں نے کہا کہ گونگا اور بہرہ جب سر سے اشارہ کر دے تو جائز ہے یعنی جب گونگے اور بہرے سے کسی چیز کے متعلق سوال کیا جائے اور وہ سر سے اشارہ کر دے تو یہ جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کے مناقشہ کا جواب

اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے کہا ہے کہ گویا کہ امام بخاری نے فقہاء کوفہ پر ان کے شیخ کے قول سے الزام دینے کا ارادہ کیا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ اس قائل کو یہ معلوم نہیں کہ شیخ کی اس قول سے کیا مراد ہے، اگر وہ اس مراد کو جان لیتا تو یہ الزام نہ دیتا حالانکہ شیخ کی مراد اس سے یہ ہے کہ گونگے کا اشارہ معروف ہوتا ہے، اس لئے وہ عبارت کے قائم مقام ہوتا ہے اور فقہاء کوفہ اس بات کے قائل ہیں پھر ان پر یہ الزام کس طرح وارد ہوگا؟ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۳-۴۱۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کے اعتراضِ مذکور کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نے ان تمام جوابات میں سے صرف حماد بن ابی سلیمان (شیخ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) کے متعلق یہ لکھا ہے کہ گونگا، بہرہ جب سر سے اشارہ کرے تو جائز ہے اور اس عبارت سے امام بخاری نے فقہاء کوفہ پر الزام دیا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۵۰۳)

علامہ عینی نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ فقہاء کوفہ اس کے قائل ہیں، لہٰذا اس پر امام بخاری کا الزام وارد نہیں ہوتا لیکن حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ عینی کے جواب پر کوئی کلام یا تبصرہ نہیں کیا جس سے ظاہر ہوتا کہ وہ اس مسئلہ میں علامہ عینی کے اعتراض سے لاجواب ہو گئے۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری ج ۲ ص ۶۰۶، مکتبۃ الرشد ریاض ۱۴۱۸ھ)

گونگے کے لعان کے متعلق اختلافِ فقہاء

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

گونگے کے لعان کے متعلق فقہاء احناف کا اختلاف ہے، امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے اور ابوثور نے کہا ہے کہ گونگے کا جب اشارہ معروف ہو اور لکھنا سمجھ میں آ جائے اور معلوم ہو جائے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے تو اس کے لعان کا اعتبار کیا جائے گا۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۲۷۴، المدونہ ج ۲ ص ۳۴۳)

گونگے کے لعان اور قذف کے غیر معتبر ہونے پر فقہاء احناف کے دلائل

اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ گونگے کا زنا کی تہمت لگانا صحیح نہیں ہے اور نہ اس کا لعان صحیح ہے، پس جب گونگے نے اشارے سے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو اس پر حد قذف نہیں لگائی جائے گی اور نہ اس کو لعان کیا جائے گا، اسی طرح اگر گونگے نے لکھ کر

زنا کی تہمت لگائی تو اس پر حد قذف نہیں لگائی جائے گی۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۵۰۸)

اسی کی مثل عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ سے منقول ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۵۸، المغنی ج ۱۱ ص ۱۲۷)

اوران کی دلیل یہ ہے کہ یہ مسئلہ ان کی ایک اصل پر مبنی ہے اور وہ یہ ہے کہ قذف کی صحت کا تعلق صریح زنا کے ساتھ ہے نہ کہ اس کے معنی کے ساتھ، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اس نے زنا کی تہمت لگائی، پس کہا کہ تم نے وطی حرام کی ہے یا کہا کہ تم نے وطی بلا شبہ کی ہے تو پھر وہ قاذف قرار نہیں پائے گا اور اگر اس نے زنا کے معنی کا ذکر کیا تو وہ قاذف قرار پائے گا، پس معلوم ہوا کہ اس باب میں صریح لفظ زنا کا اعتبار ہے اور یہ معنی گونگے سے حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا گونگا قاذف نہیں ہوگا، کیونکہ گونگا اشارہ سے یہ متمیز نہیں کرسکتا کہ یہ زنا وطی حلال سے ہے یا یہ زنا وطی شبہ سے ہے، نیز جب اس کا اشارہ دو صورتوں کو متحمل ہے تو اس سے حد کا ایجاب ثابت نہیں ہوگا، جس طرح لکھنے سے اور تعریض سے حد کا وجوب ثابت نہیں ہوتا۔

نیز فقہاء احناف نے کہا کہ لعان ہمارے نزدیک شہادت ہے اور گونگے کی شہادت ہمارے نزدیک بالا جماع غیر مقبول ہے، اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ عربی زبان کے علاوہ باقی زبانوں میں قذف کرنا صحیح ہے، اسی طرح گونگے کا اشارہ کرنا بھی صحیح ہے۔

امام بخاری اور ائمہ ثلاثہ کی طرف سے فقہاء احناف کے دلائل کے جوابات

اور فقہاء احناف نے جو کہا ہے کہ وطی حلال سے زنا اور وطی بالشبہ سے زنا متمیز نہیں ہوتا، یہ باطل ہے کیونکہ جب گونگا قتل عمد کا اقرار کرے تو اس کا اشارہ مقبول ہوتا ہے اور اس کی صورت قتل خطا کی صورت کے مغایر ہے اور جو انہوں نے کہا ہے کہ اس کی شہادت پر اجماع ہے یہ غلط ہے۔

امام مالک نے تصریح کی ہے کہ جب گونگے کا اشارہ سمجھ آ جائے تو اس کی شہادت مقبول ہوتی ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۵۸، المغنی لابن قدامہ ج ۱۱ ص ۱۲۷)

اور اس کا اشارہ شہادت میں تلفظ کے قائم مقام ہے لیکن جب وہ بولنے پر قادر ہو تو سوائے تلفظ کے اس کا اشارہ مقبول نہیں ہے اور یہ بھی منقول ہے کہ فقہاء نابینا کے لعان کو صحیح قرار دیتے ہیں اور اس کی شہادت کی اجازت نہیں دیتے، سو انہوں نے لعان اور شہادت میں فرق کیا ہے اور اس لئے کہ ضرورت کے مواقع پر اشارہ کو کلام کے قائم مقام کیا گیا ہے جیسے حضرت زکریا علیہ السلام کے واقعہ میں مذکور ہے۔ (آل عمران: ۴۱)

نیز صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی تکبیر تحریمہ پڑھی، پھر آپ کو یاد آیا کہ آپ نے غسل نہیں کیا تو آپ نے نمازیوں کی طرف اشارہ کیا کہ تم اپنی جگہ ٹھہرے رہو، اسی طرح آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف نماز میں اشارہ کیا اور احادیث اس باب میں شمار سے باہر ہیں۔

اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ جب اشارہ مفہمہ ہو تو وہ نطق کے قائم مقام ہوتا ہے، اور کئی مرتبہ اشارہ نطق سے زیادہ قوی ہوتا ہے جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اور قیامت کو ان دو انگلیوں کی مثل بھیجا گیا ہے۔ (صحیح البخاری: ۴۹۳۶)

علامہ ابراہیم بن المنذر التوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ فقہاء احناف پر یہ الزام دیا جائے گا کہ گونگے کی طلاق اور گونگے کی بیع

اوراس کے باقی احکام درست ہوتے ہیں، پس چاہیے کہ قذف بھی اس کی مثل ہو۔

اورامام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور فقہاء احناف اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا اس پر اتفاق ہے کہ گونگا جب اپنے ہاتھ سے طلاق لکھ دے تو اس کی وہ طلاق لازم ہو جاتی ہے۔

اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ جب کوئی مرد چند دنوں تک خاموش رہے، پھر لکھ دے تو اس کی لکھی ہوئی کوئی چیز نافذ نہیں ہوگی۔

(مختصر اختلاف العلماء، ج ۲ ص ۴۵۱، المدونہ ج ۲ ص ۱۲۷)

امام احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے کہ گونگے کا حکم خاموش رہنے والے کے حکم کے خلاف ہے جیسا کہ جو شخص ایک یا دو دن بیماری کی وجہ سے جماع کرنے سے عاجز ہو تو یہ اس آدمی کے عجز کے مخالف ہے جو جماع کرنے سے مایوس ہو چکا ہو، جیسے مجنون ہوتا ہے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۴۵۱)

علامہ المھلب مالکی کی شرح

علامہ المھلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ بہرے کے بعض معاملات میں اشکال ہے لیکن جب اس کے اشارہ کا مفہوم کسی دلیل سے متعین ہو جائے تو پھر اس کا اشارہ معتبر ہوتا ہے، اور رہا وہ شخص جو کلام پر قادر ہو تو جب وہ اپنے ہاتھ سے طلاق کو لکھ دے تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں نے یہ طلاق اس لیے لکھی تھی تا کہ میں اللہ تعالیٰ سے استخارہ کروں کہ آیا میرا یہ طلاق لکھنا میرے حق میں مناسب ہے یا نہیں اور گونگے کے پاس اشارہ کرنے کے سوا کوئی ذریعہ گفتگو نہیں ہے۔

(شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے بھی اسی طرح شرح کی ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۲۵-۴۲۸، وزارۃ الاوقاف قطر، ۱۴۲۹ھ)

امام بخاری اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل مذکورہ پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ علامہ ابن بطال اور علامہ ابن ملقن نے امام بخاری اور ائمہ ثلاثہ کی طرف سے جو فقہاء احناف کے دلائل کے جوابات ذکر کیے ہیں، اس میں کوئی جواب بھی مُسکت اور شافی نہیں ہے، کیونکہ یہ تو ہو سکتا ہے کہ گونگا اپنی بیوی کو طلاق دے اور اشارہ سے یہ بتا دے کہ وہ ایک طلاق دے رہا ہے یا دو طلاق دے رہا ہے یا تین طلاق دے رہا ہے، لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ گونگا اشارہ سے یہ بتا دے کہ فلاں مرد نے یا اس کا نام متعین کر کے کہے: اس نے فلاں عورت سے زنا کیا ہے اور اس کا نام متعین کرے کیونکہ گونگے کا اشارے سے یہ متعین کرنا قطعاً خلاف بداہت ہے اور حیرت ہے کہ امام بخاری اور ائمہ ثلاثہ اتنے عظیم علم اور اتنی زبردست فقاہت کے باوجود یہ فرق سمجھ نہیں سکے اور فقہاء احناف کی نکتہ شناسی اور ژرف نگاہی اور دقتِ نظری پر صد ہزار آفریں ہے کہ انہوں نے اس فرق کو سمجھا اور بتایا کہ گونگے کا طلاق دینا تو صحیح ہے لیکن گونگے کا اشارہ سے کسی معین مرد اور معین عورت پر زنا کی تہمت لگانا غیر معقول اور قطعاً باطل ہے۔ اس کے بعد امام بخاری نے اشارے کے جواز پر چند احادیث روایت کی ہیں، ان میں سے بعض ازاں یہ ہیں:

۵۳۰۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا لَيْثٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِ دُورِ الْأَنْصَارِ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ بَنُو النَّجَّارِ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ بَنُو عَبْدِ الْأَشْهَلِ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ بَنُو الْحَارِثِ بْنِ الْخَزْرَجِ ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ بَنُو سَاعِدَةَ ثُمَّ قَالَ بِيَدِهِ فَقَبَضَ أَصَابِعَهُ ثُمَّ بَسَطَهُنَّ كَالرَّامِي بِيَدِهِ ثُمَّ قَالَ وَفِي كُلِّ دُورِ الْأَنْصَارِ خَيْرٌ

(صحیح البخاری:۳۷۸۹،سنن ترمذی:۳۹۱۰،مسند احمد:۱۱۶۱۴)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، از یحییٰ بن سعید الانصاری، انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں انصار کے بہترین گروہ کی خبر نہ دوں؟ صحابہ نے کہا: کیوں نہیں یارسول اللہ! آپ نے فرمایا: انصار کے بہترین گھر بنوالنجار ہیں، پھر وہ ہیں جوان کے قریب ہیں، پھر بنوعبدالاشہل ہیں، پھر وہ ہیں جوان کے قریب ہیں، پھر بنوالحارث بن الخزرج ہیں، پھر وہ لوگ ہیں جوان کے قریب ہیں، پھر بنو ساعدہ ہیں، پھر آپ نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا، پھر آپ نے اپنی انگلیوں کو بند کرلیا، پھر انگلیوں سے اس طرح اشارہ کیا جیسے کوئی تیر مار رہا ہو، پھر فرمایا: انصار کے تمام گھروں میں خیر ہے۔

حدیث مذکور کی مناسبت پر ایک اعتراض کا جواب اور اس جواب کو رد کر کے علامہ عینی کا اپنا جواب

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث کا اور اس کے بعد والی احادیث کا لعان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے جس کے لئے یہ باب منعقد کیا گیا ہے، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دراصل یہ احادیث اس باب سے پہلے امام بخاری نے روایت کی تھیں لیکن صحیح بخاری کے نقل کرنے والوں نے ان احادیث کو اس باب کے عنوان کے بعد مندرج کر دیا، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ یہ جواب بالکل بے سود ہے اور اصل جواب یہ ہے کہ ان احادیث میں اشارہ کرنے کا ثبوت ہے، اور اس کے بعد چار احادیث ہیں، ان میں بھی اشارہ کرنے کا تحقیقاً ذکر ہے اور امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اگر لعان میں بھی اشارہ کیا جائے تو اس کو بھی معتبر ہونا چاہیے، اور صحیح البخاری: ۵۳۰۰، اس سے پہلے مناقب انصار میں ''باب فضل دور الانصار'' میں گزر چکی ہے، اور اس میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ نے از ابواُسید از نبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کی ہے گویا کہ آپ نے اپنی انگلیوں کو اکٹھا کیا، پھر ان کو منتشر کیا، پھر وہ منتشر ہوگئیں، جیسے آپ کسی چیز کو پھینک رہے ہوں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۶-۴۱۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۰۱۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ أَبُو حَازِمٍ سَمِعْتُهُ مِنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ صَاحِبِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةَ كَهٰذِهِ مِنْ هٰذِهِ أَوْ كَهَاتَيْنِ وَقَرَنَ بَيْنَ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، پھر ابو حازم نے کہا کہ میں نے یہ حدیث حضرت سہل بن سعد الساعدی سے سنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، وہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے اور قیامت کو ایک ساتھ بھیجا گیا ہے، جیسے اس انگلی کا فاصلہ

دوسری انگلی سے ہے یا فرمایا: جیسے یہ دو انگلیاں ہیں اور آپ نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کے درمیان کشادگی کی۔

(صحیح البخاری: ۴۹۳٦، ۵۳۰۱، ۶۵۰۳، صحیح مسلم: ۲۹۵۰، سنن ترمذی: ۲۲۱۴، سنن نسائی: ۱۵۷۸، سنن ابن ماجہ: ۴۰۴۰، مسند احمد: ۱۲۸۷۴، سنن دارمی: ۲۷۵۹)

بعض رجال کا تذکرہ، قرب قیامت کی وضاحت اور علامہ کرمانی کا تعارف

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علی بن عبداللہ سے مراد ابن المدینی ہیں، اور سفیان سے مراد ابن عُیینہ ہیں اور ابوحازم سے مراد سلمہ بن دینار الاعرج ہیں۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ کے نام کے ساتھ یہ تصریح کی ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں حالانکہ یہ بات سب کو معلوم ہے، اس کی وجہ عالم کی تعظیم ہے اور جاہل کو مطلع کرنا ہے۔

فھذہ من ھذہ: یعنی جیسا کہ انگشت شہادت انگشت وسطی کے ساتھ متصل ہے، تو اسی طرح میں بھی قیامت کے ساتھ متصل ہوں۔

: کھتین یہ راوی کا شک ہے۔

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی التوفی ۷۸٦ھ نے کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے لے کر آج تک سات سو اسی (۷۸۰) سال گزر چکے ہیں، تو یہ کیسے کہا جائے گا کہ قیامت کا آنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ متصل ہے، پھر علامہ کرمانی نے اس کے جواب میں علامہ حمد بن محمد الخطابی المتوفی ۳۸۸ھ کا جواب نقل کیا، کہ آپ کی مراد یہ ہے کہ آپ کے درمیان اور قیامت کے درمیان مستقبل میں اتنا زمانہ ہے، جو درمیانی انگلی کے شہادت کی انگلی کی زیادتی کے برابر ہے اور اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے علاوہ کسی اور معنی کا ارادہ کرتے تو آپ کی بعثت کے بعد قیامت کا قائم ہونا ایک طویل زمانہ میں ہوتا۔ علامہ خطابی کا کلام ختم ہوا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس حدیث سے مراد یہ کنایہ ہے کہ آپ کی بعثت کے بعد قیامت کا واقع ہونا بہت قریب آ چکا ہے اور علامہ کرمانی کا یہ کہنا کہ آج تک سات سو اسی (۷۸۰) سال گزر چکے ہیں جب کہ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ حجاز کے راستے میں مکۃ المشرفہ سے واپس ہوتے ہوئے ایک باغ میں فوت ہو گئے تھے، پھر ان کے جسم کو بغداد کی طرف منتقل کر دیا گیا اور یہ پندرہ (۱۵) محرم سات سو چھیاسی (۷۸٦) کا دن تھا اور وہ شیخ امام شمس الدین محمد بن یوسف بن علی السعیدی الکرمانی ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۰۲۔ حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا جَبَلَةُ بْنُ سُحَيْمٍ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُولُ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الشَّهْرُ هَكَذَا وَهَكَذَا وَهَكَذَا يَعْنِي ثَلَاثِينَ ثُمَّ قَالَ وَهَكَذَا وَهَكَذَا وَهَكَذَا يَعْنِي تِسْعًا وَعِشْرِينَ يَقُولُ مَرَّةً ثَلَاثِينَ وَمَرَّةً تِسْعًا وَعِشْرِينَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جبلہ بن سحیم نے حدیث بیان کی، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ مہینہ اسی طرح ہے اور اسی طرح ہے یعنی تیس (۳۰) دن کا

ہے، پھر فرمایا: اس طرح ہے اور اس طرح ہے یعنی انتیس (۲۹) دن ہے، آپ نے ایک مرتبہ تیس دن فرمایا اور دوسری مرتبہ انتیس دن فرمایا۔

(صحیح البخاری: ۱۹۰۸، ۱۹۱۳، ۵۳۰۲، صحیح مسلم: ۱۰۸۰، سنن نسائی: ۲۱۴۳، سنن ابوداؤد: ۲۳۲۹، مسند احمد: ۴۸۰۰)

بعض تراجم رجال کا تذکرہ

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی پہلی حدیث کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ یہ حدیث آدم بن ابی ایاس سے مروی ہے اور جبلہ بن سُحیم کوفی سے مروی ہے اور یہ حدیث کتاب الصوم کے اس باب میں گزر چکی ہے: ''باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا لانکتب ولانحسب''۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۰۳۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ عَنْ إِسْمَاعِيلَ عَنْ قَيْسٍ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ وَأَشَارَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بِيَدِهِ نَحْوَ الْيَمَنِ الْإِيمَانُ هَاهُنَا مَرَّتَيْنِ أَلَا وَإِنَّ الْقَسْوَةَ وَغِلَظَ الْقُلُوبِ فِي الْفَدَّادِينَ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطَانِ رَبِيعَةَ وَمُضَرَ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن المثنیٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن سعید نے حدیث بیان کی، از اسماعیل از قیس از حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مبارک ہاتھ سے یمن کی طرف اشارہ کیا اور دو مرتبہ فرمایا: ایمان یہاں ہوگا اور فرمایا: سنو! شقاوت اور دلوں کی سختی ہل چلانے والوں میں ہے، جہاں شیطان کے دو سینگ طلوع ہوں گے ربیع اور مُضر۔

(صحیح البخاری: ۳۳۰۲، ۳۴۹۸، ۴۳۸۷، ۵۳۰۳، صحیح مسلم: ۹۱، مسند احمد: ۲۱۸۳۸)

بعض رجال کا تذکرہ اور حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے وہ القطان ہیں اور اسماعیل کا ذکر ہے، وہ ابن ابی خالد اور قیس کا ذکر ہے، وہ ابن ابی حازم ہیں اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور وہ حضرت عقبہ بن عمرو البدری رضی اللہ عنہ متوفی ۴۱ھ ہیں جو کہ صحابی ہیں اور یہ حدیث کتاب بدء الخلق کے باب الجن میں گزر چکی ہے جس میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کے نام کی تصریح ہے اور اس کی سند اس طرح ہے:

''حدثنی قیس عن عقبہ بن عمرو ابو مسعود رضی اللہ عنہ''۔

الایمان ھٰھنا: یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت آپ نے اپنے مبارک ہاتھ سے یمن کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: ایمان یمن میں ہے، کیونکہ ایمان کی ابتداء مکہ سے ہوئی ہے اور مکہ تہامہ ہے اور تہامہ ارض یمن سے ہے، اس لئے کعبہ کو کہا جاتا ہے: کعبہ یمانیہ، اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ نے یہ قول اس وقت فرمایا جب آپ تبوک میں تھے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان تھا اور اس وقت مدینہ اور یمن کے درمیان آپ تھے تو آپ نے یمن کی جانب اشارہ فرمایا جب کہ آپ مکہ اور مدینہ کا ارادہ فرما رہے

تھے اور تیسرا قول یہ ہے کہ آپ نے اس قول کے ساتھ انصار کا ارادہ کیا کیونکہ وہ یمن کے رہنے والے تھے اور انہوں نے ایمان کی اور مومنین کی نصرت کی تھی اور ان کو مدینہ میں جگہ دی تھی اور ایمان کی ان کی طرف نسبت فرمائی۔

غِلَظُ القلوب فی الفدادین: یہ لفظ فداد کی جمع ہے اور یہ سخت آواز والے کو کہا جاتا ہے، اور فداد کھیتی باڑی کا آلہ ہے اور کھیتی باڑی کے آلات رکھنے والوں کی مذمت کی گئی ہے کیونکہ وہ دین کے کاموں کے کرنے سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں اور دنیاداری میں مشغول رہتے ہیں اس وجہ سے ان کے دلوں میں سختی رہتی ہے۔

قرنا الشیطٰن: یعنی سر کی دو جانبیں کیونکہ ان کی سیدھ میں سورج طلوع ہوتا ہے اور جب وہاں سورج طلوع ہوتا ہے تو سورج کے پجاری سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔

ربیعہ، مضر: یہ فدادین سے بدل ہے، اور یہ دو مشہور قبیلے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۰۴۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ سَهْلٍ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَأَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا۔

(سنن ترمذی: ۱۹۱۸، سنن ابوداؤد: ۵۱۵۰، مسند احمد: ۲۲۳۱۳)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن زرارہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالعزیز بن ابی حازم نے خبر دی از والد خود از حضرت سہل رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح داخل ہوں گے اور آپ نے انگشت شہادت اور انگشت وسطیٰ سے اشارہ فرمایا اور ان کے درمیان تھوڑی کشادگی رکھی۔

بعض رجال کا تبصرہ اور حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں عمرو بن زرارہ کا ذکر ہے، یہ نیشاپوری ہیں اور حضرت سھل بن سعد کا ذکر ہے جن کی ۸۸ھ میں وفات ہوئی۔

کافل الیتیم: یعنی جو یتیم کی پرورش کرنے والا ہو اور اس کی مصلحتوں کا منتظم ہو۔

سَبَّابَہ: آپ نے انگشت شہادت اور انگشت وسطیٰ کے درمیان تھوڑا سا اشارہ کیا جس میں درجات الانبیاء کی طرف اشارہ ہے اور امت کے افراد کی طرف اشارہ ہے اور سبابہ سے مراد وہ انگلی ہے جس سے تسبیح پڑھی جاتی ہے، پہلے اس انگلی کو سبابہ اس لئے کہتے تھے کہ کسی کو گالی دیتے وقت اس انگلی سے اشارہ کر کے گالی دیتے تھے اور جب اسلام آیا تو اس انگلی سے مسلمان تسبیح کرتے تھے تو اس کو مُسبحہ کہنے لگے، تو اس انگلی کے لئے سبابہ کا لفظ بھی آتا ہے اور مُسَبِّحَہ کا لفظ بھی آتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۸، دارالکتب العلمیہ، بیروت ۱۴۲۱ھ)

۲۶۔ بَابٌ: إِذَا عَرَّضَ بِنَفْيِ الْوَلَدِ جب کوئی مرد تعریضاً یہ کہے کہ یہ میرا بیٹا نہیں ہے

تعریض اور کنایہ کی تعریف

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے کہا ہے کہ تعریض کا معنی یہ ہے کہ کسی مذکور چیز کا ذکر کیا جائے جو غیر مذکور پر دلالت کرے (مثلاً

ساس، بہو سے کہے کہ میری بیٹی سالن میں نمک زیادہ ڈالتی ہے اور مراد یہ ہو کہ بہو سالن میں نمک زیادہ ڈالتی ہے، ذکر بیٹی کا کرتی ہے اور مراد اس کی بہو ہوتی ہے) اور کنایہ کا معنی یہ ہے کہ تم ایسی چیز کا ذکر کرو جس کے لئے اس لفظ کو وضع نہ کیا گیا ہو یعنی کوئی مرد اشارہ اور کنایہ سے کہے کہ یہ میرا بیٹا نہیں ہے۔ (الکشاف ج ۱ ص ۳۱۱، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۱۷ھ)

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تعریض کے معنی پر دیگر علماء کی عبارات سے استشہادات

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَ لٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۬ (البقرہ: ۲۳۵)

اور تم پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم (عدت والی عورتوں کو) اشارہ، کنایہ سے نکاح کا پیغام دو، یا تم اپنے دلوں میں چھپاؤ، اللہ کو علم ہے کہ (عدت کے بعد) عنقریب تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے، لیکن تم (عدت سے پہلے) ان سے خفیہ وعدہ نہ کرو، البتہ شریعت کے موافق ان سے بات کرو۔

علامہ ابو محمد عبد الحق بن عطیہ الاندلسی المالکی المتوفی ۵۴۱ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تعریض کا معنی ایسا کلام ہے جس میں اپنے مقصد اور مراد کی تصریح نہ ہو گویا کہ متکلم اپنے منشاء کو اشارۃً بیان کرتا ہے اور اس پر اجماع ہے کہ کوئی مرد صراحتاً کسی عدت گزارنے والی عورت کو نکاح کا پیغام نہ دے بلکہ یوں کہے کہ تم بہت اچھی ہو، تم سے نکاح کرنے کی لوگ رغبت کرتے ہیں اور میں بھی تم سے نکاح کرنے کی امید کرتا ہوں، اگر میرے لئے یہ ممکن ہو۔ یہ امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے تعریض کی مثال دی ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ مرد معتدہ کے سامنے اپنی تعریف کرے اور اس میں تعریضاً اس سے نکاح کا ارادہ کرے، اور ابو جعفر محمد بن علی بن حسین نے اسی طرح کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اسی طرح کیا تھا اور معتدہ کو ہدیہ پیش کرنا بھی جائز ہے اور یہ بھی تعریض ہے، یہ علامہ سحنون مالکی اور بہ کثرت علماء کا قول ہے۔ (المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ص ۲۰۹، دار ابن حزم بیروت، ۱۴۲۳ھ)

الامام ابو الفرج جمال الدین عبد الرحمٰن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تعریض کا معنی ہے: "الایمان والتلویح من غیر کشف"، سو یہ اس کلام کی طرف اشارہ ہے جس کا کلام میں ذکر نہ ہو، مجاہد نے اس کی تفسیر میں کہا کہ کوئی مرد کسی عدت گزارنے والی عورت سے کہے کہ تم بہت حسین و جمیل ہو اور تم بہت خیر پر ہو اور صراحتہً یہ نہ کہے کہ تم مجھ سے نکاح کر لو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ، عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، اور عامر بن شراحیل شعبی المتوفی ۱۰۳ھ اور مجاہد متوفی ۱۰۴ھ اور ابراہیم نخعی متوفی ۹۶ھ اور قتادہ بن دعامہ متوفی ۱۱۷ھ نے کہا کہ تعریض یہ ہے کہ وہ عدت گزارنے والی عورت کے ولی سے کہے کہ وہ اس عورت سے نکاح کرنے میں رغبت رکھتا ہے۔

اور امام ابو عبید القاسم بن سلام البروی الشافعی المتوفی ۲۲۴ھ نے کہا کہ وہ عدت گزارنے والی عورت کے ولی سے کہے کہ تم مجھ سے پہلے اس عورت کا کسی سے نکاح نہ کر دینا حتیٰ کہ تم مجھے اس کی خبر دو، خلاصہ یہ ہے کہ کوئی مرد کسی عدت گزارنے والی عورت کو

صراحتاً نکاح کا پیغام نہ دے بلکہ تعریضاً نکاح کا پیغام دے۔ (زاد المسیر فی علم التفسیر ص ۱۴۵، دار ابن حزم بیروت، ۱۴۲۳ھ)

۵۳۰۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ وُلِدَ لِي غُلَامٌ أَسْوَدُ فَقَالَ هَلْ لَكَ مِنْ إِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ مَا أَلْوَانُهَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ هَلْ فِيهَا مِنْ أَوْرَقَ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَأَنَّى ذَلِكَ قَالَ لَعَلَّهُ نَزَعَهُ عِرْقٌ قَالَ فَلَعَلَّ ابْنَكَ هَذَا نَزَعَهُ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن قزعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از ابن شہاب از سعید بن المسیب، از حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہ ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پس اس نے کہا: یارسول اللہ! میرے ہاں سیاہ رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے، آپ نے اس سے پوچھا: کیا تمہارے اونٹ ہیں؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے اس سے پوچھا: وہ کس رنگ کے ہیں؟ اس نے کہا کہ وہ سرخ رنگ کے ہیں، آپ نے پوچھا: کیا ان میں کوئی خاکستری رنگ کا اونٹ بھی ہے؟ اس نے: کہا جی ہاں! آپ نے پوچھا وہ خاکستری رنگ کا اونٹ کہاں سے آیا، اس نے بتایا شاید اس نے اپنے کسی باپ کی رگ کھینچی ہو (یعنی اس کا رنگ اس میں آ گیا ہو) آپ نے فرمایا: شاید تمہارے بیٹے نے بھی کسی کی رگ کھینچ لی ہو۔

(صحیح البخاری: ۶۸۴۷، ۷۳۱۴، صحیح مسلم: ۱۵۰۰، سنن نسائی: ۳۴۷۹، سنن ابوداؤد: ۲۲۶۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۰۲، مسند احمد: ۷۱۴۹، مسند الحمیدی: ۱۰۸۴)

حدیث مذکور کی مختلف روایات میں مختلف الفاظ اور اورق اور عرق کے معانی

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے ساتھ مناسبت اس جملہ میں ہے کہ اس مرد نے کہا: میرے ہاں سیاہ رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے، اس میں یہ تعریض ہے کہ اس نے لڑکے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی کی ہے یعنی میں سفید رنگ کا ہوں اور یہ لڑکا سیاہ رنگ کا ہے تو یہ لڑکا میرا بیٹا کیسے ہوگا؟

ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا: ابو مصعب کی روایت میں ہے کہ ایک اعرابی آیا اور اسی طرح عنقریب کتاب الحدود میں یہ حدیث آئے گی از اسماعیل بن ابی حمید از امام مالک، اور امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ نے روایت کی ہے کہ دیہاتیوں میں سے ایک مرد آیا، اسی طرح امام علی بن محمد الدارقطنی التوفی ۳۸۵ھ نے از الاشہب از امام مالک روایت کی ہے اور امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ نے روایت کی ہے کہ بنو فزارہ سے ایک اعرابی آیا ہے، اور امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری التوفی ۲۶۱ھ نے بھی اسی طرح روایت کی ہے اور اس اعرابی کا نام ضمضم بن قتادہ ہے۔

حُمراً: امام الدارقطنی نے از محمد بن مصعب از امام مالک یہ روایت کی ہے کہ اس میں رُمك کا لفظ ہے جو اَرْمَك کی جمع ہے، اس کا معنی ہے: وہ سفید رنگ جو سرخی کی طرف مائل ہو۔

اورق: یہ وہ اونٹ ہے جس کا رنگ سفید مائل بہ سیاہی ہو، اور کہا جاتا ہے: الاورق اس رنگ کا اونٹ ہے جو غبار آلود ہو اور اس کے اندر سیاہی اور سفیدی ہو اور خاص سفیدی نہ ہو اور اس کا رنگ راکھ کی طرح ہو اور اسی سے ماخوذ ہے الحمامۃ الورقاء، یعنی خاکستری رنگ کا کبوتر۔

فانٰی ذٰلک: یعنی تمہارے سرخ اونٹوں میں یہ خاکستری اونٹ کہاں سے آیا؟

لعلہ نزعہ عرق: یعنی سرخ رنگ کے اونٹ نے خاکستری رنگ کو اپنی طرف کھینچ لیا ہو اور اس پر اس کا رنگ غالب آ گیا ہو، یعنی اس کے مشابہ ہو گیا ہو اور العرق کا معنی ہے: نسب۔

فلعل ابنک ھذا نزعہ: یعنی شاید تمہارے بیٹے نے سیاہ رنگ اپنے کسی باپ دادا کے رنگ سے کھینچ لیا ہو، علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں لعل تحقیق کے معنی میں ہے۔

تعریض کے سبب سے حد اور لعان کے وجوب میں مذاہب فقہاء اور بدگمانی کرنے سے ممانعت

اس حدیث میں فقہاء احناف اور فقہاء شافعیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ تعریض میں کوئی حد نہیں ہے اور نہ تعریض میں لعان ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر کوئی حد واجب نہیں کی جس نے تعریضاً اپنی بیوی کی طرف زنا کی نسبت کی تھی، اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے تعریض کی وجہ سے حد واجب کی ہے اور لعان کو بھی واجب کیا ہے، جبکہ تعریض سے بھی وہ معنی مفہوم ہو جو تصریح سے معنی مفہوم ہوتا ہے۔

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی المتوفی ۵۴۳ھ نے لکھا ہے:

اس حدیث میں صحت قیاس پر قطعی دلیل ہے اور ایک چیز کی اس کی نظیر پر اعتبار کرنے کی قوی دلیل ہے اور وہ شبہ خلقی کا اعتبار کرنا ہے اور علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے کہ بیٹے کو اس کے باپ کے ساتھ ملا دیا جائے گا خواہ ان دونوں کے رنگ مختلف ہوں اور باپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ محض بیٹے کے رنگ کے اختلاف کی وجہ سے اپنے نسب کی نفی کرے۔

اور اس حدیث میں بدگمانی کرنے سے زجر و توبیخ کی گئی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۱۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تعریضاً ولد کی نفی کرنے کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں فقہاء احناف اور فقہاء شافعیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ تعریض میں حد نہیں ہے اور نہ تعریض میں لعان ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر حد واجب نہیں کی جس نے تعریضاً اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور امام مالک نے تعریض میں حد اور لعان کو واجب کیا ہے، کیونکہ تعریض سے بھی وہ تہمت مفہوم ہوتی ہے جو تصریح سے تہمت مفہوم ہوتی ہے، اور امام مالک کے اصحاب نے اس حدیث کی فقہاء کوفہ کے حق میں تاویل کی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ اس میں تمہاری کوئی دلیل نہیں ہے کیونکہ اس مرد نے اپنی تعریض سے قذف کا ارادہ نہیں کیا بلکہ وہ سوال کرنے کے لیے اور مشورہ کرنے کے لیے آیا تھا کہ میں تو سفید رنگ کا ہوں تو میرا بیٹا کالے رنگ کا کیسے ہو گیا؟ اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کے لئے مثال بیان کی اور آپ نے سکوت فرمایا۔

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ تعریض یہ تھی کہ جب اس شخص کا بیٹا اس کی شکل پر نہیں تھا تو اس نے یہ طور سوال کہا اور وہ شکلوں کے اختلاف سے ناواقف تھا تو اس کے اوپر کوئی حد واجب نہیں ہوئی اور امام مالک کے نزدیک تعریض میں حد واجب نہیں ہوتی مگر یہ کہ مرد بہ طور سب وشتم کہے کہ یہ میرا بیٹا نہیں ہے اور امام ابوعبید القاسم بن سلام الہروی المتوفی ۲۲۴ھ نے الاصمعی سے روایت کی ہے کہ جب اونٹ سیاہ رنگ کا ہو اور اس میں سفید رنگ کی آمیزش ہو جیسے دھواں دھار ہو تو اس کو الورقہ کہتے ہیں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۶۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

تعریضاً نفی نسب کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث سے فقہاء احناف اور شوافع نے یہ استدلال کیا ہے کہ تعریض سے نہ حد واجب ہوتی ہے اور نہ لعان واجب ہوتا ہے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۳ ص ۳۱۱، دار البشائر الاسلامیہ ۱۴۱۷ھ)

کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کے اوپر کوئی حد واجب نہیں کی تھی، جس نے اپنی بیوی کے اوپر تعریضاً زنا کی تہمت لگائی تھی اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے تعریض کے سبب سے حد کو اور لعان کو واجب کیا ہے جب کہ تعریض سے بھی اسی طرح تہمت سمجھ میں آئے جس طرح صریح لفظ سے تہمت سمجھ میں آتی ہے۔

اور حضرت عُویمر رضی اللہ عنہ پر بھی حد قذف واجب نہیں کی جب انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ بتایئے جب ایک مرد اپنی بیوی کو دوسرے اجنبی مرد کے ساتھ پائے تو آیا وہ اس کو قتل کر دے؟ الحدیث۔

اور امام مالک کے اصحاب نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے تہمت نہیں لگائی تھی بلکہ انہوں نے سوال کیا تھا اور مشورہ طلب کیا تھا۔ (المدونہ ج ۴ ص ۳۹۱، دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: جب کہ تعریض سب وشتم کے طور پر نہ ہو بلکہ مسئلہ سے جہالت کی بناء پر سوال کے لئے ہو تو اس پر کوئی حرج نہیں ہے اور اگر اس پر حد واجب کی جائے تو پیش آمدہ مسائل میں سوال کرنے کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ نے اس شخص پر اسی (۸۰) کوڑے مارے جس نے کہا کہ نہ میں زنا کرنے والا ہوں اور نہ میری ماں زنا کرنے والی ہے (یعنی اس نے تعریض کی) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مشورہ کیا تو بعض لوگوں نے کہا: اس نے اپنے ماں، باپ کی مدح کی ہے اور بعض لوگوں نے کہا: یہ مدح نہیں ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر احتیاطاً حد قذف لگائی۔ (الموطا امام مالک ص ۵۱۸)

حدیث مذکور کے فوائد

(۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک چیز کو اس کی نظیر کے ساتھ لاحق کرنا جائز ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سُرخ رنگ کے اونٹ کا بچہ اگر خاکستری رنگ کا ہو تو اس پر اس کو قیاس کیا کہ تمہارا سفید رنگ ہے تو اگر تمہارا کالا بیٹا ہو جائے تو یہ بھی ان اونٹوں کی مثل ہے۔

(۲) اگر کسی شخص کا بیٹا اس کے رنگ کی مثل نہ ہو تو اس کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس کے نسب کی نفی کرے۔

(۳) اس حدیث سے یہ واضح ہوا کہ جس کے بستر پر بچہ پیدا ہوا ہے وہ اسی کا بچہ شمار ہوگا خواہ رنگ مختلف ہو۔

(۴) اس حدیث میں بدگمانی سے ممانعت ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۳۳-۴۳۴، وزارۃ الاوقاف، قطر ۱۴۲۹ھ)

تعریض اور کنایہ کا فرق اور امام بخاری پر علامہ ابن المنیر کے اعتراض کا جواب

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تعریض کا معنی یہ ہے کہ ایک چیز کا ذکر کیا جائے جس سے دوسری غیر مذکور چیز سمجھ آ جائے، اور تعریض اور کنایہ میں فرق یہ ہے کہ کنایہ میں لازم کا ذکر کیا جاتا ہے اور اس سے مراد ملزوم ہوتا ہے اور ملزوم کے لوازم اور مناسبات کا ذکر کیا جاتا ہے جس سے ملزوم کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے: موت نے اپنے پنجے گاڑھ دیئے، اب یہاں پر موت کو درندے کے ساتھ تشبیہ دی ہے، ذکر بھی موت کا ہے اور مراد بھی موت ہے لیکن پنجوں اور گاڑنے کے الفاظ سے ذہن درندے کی طرف منتقل ہوگا، سو یہاں پر موت کا ذکر درندے سے کنایہ ہے۔

ابن المنیر نے یہاں امام بخاری پر اعتراض کیا ہے کہ امام بخاری نے اشارہ کے باب میں تعریض کا باب قائم کیا ہے کیونکہ تعریض بھی اشارہ کے ساتھ مشترک ہے کیونکہ دونوں میں مقصود کی تفہیم ہوتی ہے، لیکن امام بخاری کا یہ باب تعریض کے حکم کو لغو قرار دے رہا ہے کیونکہ جس مرد نے تعریضاً اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی کہ میں تو سفید ہوں میرا بچہ کالا کیسے ہو سکتا ہے؟ جب کہ امام بخاری نے اس سے پہلے ابواب کی احادیث میں اشارہ سے حکم کو ثابت قرار دیا ہے اور اس باب میں تعریض سے زنا کی تہمت کی نفی کی ہے، لہٰذا یہ باب، باب سابق سے متناقض ہے۔

علامہ ابن المنیر کے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جو اشارہ معتبر ہوتا ہے اس سے صرف وہی معنی سمجھا جاتا ہے جو مقصود ہوتا ہے، اس کے برخلاف تعریض میں کبھی تو احتمال راجح ہوتا ہے اور کبھی احتمال مساوی ہوتا ہے، لہٰذا اشارہ اور تعریض میں فرق ہے۔

امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ نے کتاب الام میں یہ لکھا ہے کہ اس اعرابی کے قول کا ظاہر یہ ہے کہ اس نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی لیکن جب کہ اس کے قول میں تہمت کی صراحت نہیں تھی بلکہ اس کا یہ معنی بھی ہو سکتا تھا کہ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ جب وہ سفید رنگ کا ہے تو اس کے یہاں کالے رنگ کا بیٹا کیسے پیدا ہو گیا، اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر قذف کا حکم نہیں لگایا اور اس پر حد قذف جاری نہیں کی۔

اور اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ تعریض سے حد جاری نہیں ہوتی اور اس پر دلیل کہ تعریض کا حکم تصریح کے حکم کے مغایر ہے، وہ یہ ہے کہ جو عورت عدت گزار رہی ہو اس کو کوئی اجنبی مرد صراحت کے ساتھ نکاح کا پیغام نہیں دے سکتا البتہ تعریضاً نکاح کا پیغام دے سکتا ہے مثلاً یوں کہے: تم جیسی عورت سے تو بہت لوگ نکاح کی خواہش رکھتے ہوں گے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۰۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

اس کے بعد حافظ ابن حجر نے اس حدیث کی شرح میں وہی امور اپنے مخصوص گنجلک طریقہ سے لکھے ہیں جو اس سے پہلے ہم وضاحت کے ساتھ، علامہ بدر الدین عینی حنفی اور علامہ ابن بطال مالکی اور علامہ ابن الملقن شافعی کے حوالوں سے بیان کر چکے ہیں۔

مسئلہ کی تعلیم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تحسین طریقہ اور حدیث مذکور کی وضاحت اور شیخ عثیمین کا یہ استنباط کہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ کسی مرد نے اس کی بیوی کے ساتھ بدکاری کی ہے، پھر بھی وہ اس کے ساتھ عمل زوجیت کرتا رہے

شیخ محمد بن صالح العثیمین المتوفی ۱۴۲۱ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب کوئی انسان تعریض کے ساتھ اپنے بیٹے کے نسب کی نفی کرے تو اس کو قذف نہیں قرار دیا جائے گا کیونکہ اگر یہ قذف ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس مرد کو کوڑے مارنے کا حکم دیتے یا حکم دیتے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ لعان کرے۔

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہایت حسین طریقہ سے اور حکمت کے ساتھ تعلیم دیتے تھے، کیونکہ آپ نے اس مرد سے ایسا خطاب کیا جس سے وہ لا جواب ہو گیا، آپ نے اس سے پوچھا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ اس نے جواب دیا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: وہ اونٹ کس رنگ کے ہیں؟ اس نے کہا: سُرخ رنگ کے ہیں، آپ نے پوچھا: کیا ان میں خاکستری رنگ والا اونٹ بھی ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! آپ نے پوچھا: سرخ اونٹوں میں یہ خاکستری رنگ کا اونٹ کیسے آ گیا؟ اس نے بتایا کہ شاید اس نے کسی اور اونٹ کا رنگ کھینچ لیا ہوگا، تو آپ نے فرمایا: سو اسی طرح تمہارے بیٹے نے بھی کسی اور کا رنگ کھینچ لیا ہوگا یعنی اس کے دادا یا نانا یا اس کی ماں میں کوئی سیاہ رنگ کا ہوگا اور تمہارا بیٹا ان ہی میں سے کسی کے رنگ پر گیا ہوگا تو جب کوئی مرد سفید رنگ کا ہو اور اس کے ہاں کالے رنگ کا لڑکا پیدا ہو جائے یا اس کے برعکس معاملہ ہو تو شبہ تو پیدا ہوتا ہے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح مثال کے ساتھ اس شبہ کو زائل کیا اور اس مرد کو مطمئن کر دیا۔

نیز اس حدیث میں یہ بھی دلیل ہے کہ بچہ اسی کے نسب سے شمار ہوتا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوتا ہے اور زانی کے لیے کنکر اور پتھر ہیں اور اسی بناء پر یہ کہا جاتا ہے کہ اگر العیاذ باللہ کسی مرد نے اپنی بیوی کو کسی اجنبی مرد کے ساتھ زنا کرتے ہوئے دیکھا ہو یا خود عورت نے اس کا اقرار کر لیا ہو تو اس کے شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کے ساتھ فوراً مجامعت کرے اور استبراء رحم کا یا عدت گزرنے کا انتظار نہ کرے کیونکہ بچہ اسی کا شمار ہوتا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو حتیٰ کہ بالفرض بچہ پیدا ہونے کے بعد زانی نزاع کرے اور یہ کہے کہ یہ بچہ میرا ہے اور شوہر یہ کہے کہ یہ بچہ میرا ہے تو وہ بچہ شوہر کا قرار دیا جائے گا اور زانی کے لئے کنکر اور پتھر ہیں اور جب بچہ شوہر کا قرار دیا جاتا ہے تو شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی سے فوراً جماع کرے اور یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ انتظار کرے، کیونکہ ہو سکتا ہے بعد میں بچہ کا اس زانی مرد سے تعلق یا مشابہت ظاہر ہو اور معاملہ مشکل میں پڑ جائے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۴۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

شیخ عثیمین کے استنباط پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں: شیخ عثیمین حنبلی کی شرح کا یہ موخر الذکر حصہ نا قابل فہم ہے، کیونکہ یہ شرعاً اور عقلاً مردود ہے، کوئی غیور مسلمان یہ نہیں کر سکتا کہ وہ اپنی بیوی کو کسی اجنبی مرد کے ساتھ بدکاری میں ملوث پائے، پھر بدستور اس کے ساتھ عملِ زوجیت کرتا رہے، جب کہ شریعت نے اس کے لیے یہ طریقہ مقرر کیا ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ لعان کرے یا پھر اس کو طلاق دے کر اپنے سے علیحدہ کر لے اور جب وہ دیکھ چکا ہے کہ دوسرا مرد اس کے ساتھ بدکاری کر رہا ہے پھر بھی وہ اس کے ساتھ عملِ زوجیت کرتا ہے تو یہ بے غیرتی کے علاوہ نسب میں اختلاط اور اشتباہ کا بھی سبب ہے بلکہ شریعت میں ایسے شخص کو جو اپنی بیوی پر غیرت نہ کرے دیوث کہا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت کو دیوث پر حرام کر دیا گیا ہے۔ (النہایہ ج ۲ ص ۱۳۶، مطبوعہ عباس احمد الباز مکۃ المکرمہ، سعیدی غفرلہ)

۲۷۔ بَابُ: إِحْلَافِ الْمُلَاعِنِ
لعان کرنے والے کو قسمیں دینا

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں لعان کرنے والے کو قسمیں دینے کا بیان ہے اور اس سے مراد ہے: لعان کے کلمات معروفہ کو زبان سے کہنا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۰۶۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ عَنْ نَافِعٍ عَنْ عَبْدِ اللهِ رضی الله عنه أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ قَذَفَ امْرَأَتَهُ فَأَحْلَفَهُمَا النَّبِيُّ ﷺ ثُمَّ فَرَّقَ بَيْنَهُمَا۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں موسیٰ بن اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں جویریہ نے حدیث بیان کی از نافع از عبد اللہ کہ انصار کے ایک مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی، نبی ﷺ نے ان دونوں کو قسم کھانے کو فرمایا، پھر ان کے درمیان تفریق کر دی۔

(صحیح البخاری: ۴۷۴۸، ۵۲۰۶، ۵۳۱۳، ۵۳۱۴، ۵۳۱۵، ۶۷۴۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۴، سنن ترمذی: ۱۲۰۲، سنن نسائی: ۳۴۷۷، سنن ابوداؤد: ۲۲۶۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۹، مسند احمد: ۶۰۶۳، موطا امام مالک: ۱۲۰۲)

حدیث کی باب کے ساتھ مناسبت، حضرت جویریہ کا تذکرہ اور حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ظاہر ہے، اس حدیث کی سند میں جویریہ کا لفظ ہے، یہ جاریہ کی تصغیر ہے، ان کا نام ابن اسماء ہے اور یہ نام مردوں اور عورتوں میں مشترک ہے۔

امام بخاری نے یہاں اس حدیث کی اختصار سے روایت کی ہے اور چھ ابواب کے بعد اس کی تفصیل از عبید اللہ بن عمر و از نافع کی سند سے آگے آئے گی اور اس کی تفسیر سورۃ النور میں دوسرے الفاظ کے ساتھ گزر چکی ہے، اس کے الفاظ ہیں: ایک مرد اور عورت کے درمیان لعان ہوا۔

فاحلفھما النبی ﷺ: علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے: اس سے مراد یہ ہے کہ لعان میں معروف قسمیں دی جاتی ہیں کیونکہ مرد نے جب اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو اس پر حد قذف لازم تھی جب کہ وہ اپنے دعویٰ پر چار گواہ نہیں پیش کر سکا، جو اس کی تصدیق کرتا، پس جب اس (العجلانی) نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ (النور: ۶-۷)

اور جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے ۝ اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی

لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو O

آیتِ لعان کی تفسیر از علامہ زمخشری

علامہ ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری الخوارزمی المتوفی ۵۳۸ ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

کسی شخص نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی جب کہ وہ مسلمان ہو، آزاد ہو، بالغ ہو، عاقل ہو، اور غیر محدود فی القذف ہو اور عورت کی بھی یہی صفت ہو اور وہ پاک دامن ہو تو ان کے درمیان لعان کرنا صحیح ہے جب کہ وہ اپنی بیوی پر صریح زنا کی تہمت لگائے اور وہ یہ کہے "یازانیہ" یا کہے "تو نے زنا کیا ہے" یا کہے "میں نے تجھ کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے" اور جب اس کا شوہر غلام ہو یا محدود فی القذف ہو اور عورت پاک دامن ہو تو اس مرد کو اسی طرح قذف لگائی جائے گی جس طرح وہ کسی اجنبی عورت پر زنا کی تہمت لگائے اور جب تک یہ مقدمہ حاکم کے سامنے پیش نہ کیا جائے تو لعان واجب نہیں ہوگا اور لعان کی صورت یہ ہے کہ مرد ابتداءً کہے اور چار مرتبہ یہ کہے: جس چیز کی اس نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی ہے اس تہمت میں وہ سچوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ زنا کی تہمت میں جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو اور عورت چار مرتبہ یہ قسم کھائے کہ اس کے خاوند نے جو اس پر تہمت لگائی ہے وہ اس میں جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب ہو اگر اس کے شوہر نے اس پر جو زنا کی تہمت لگائی ہے اس میں وہ سچا ہے تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔

اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ نے کہا ہے کہ لعان مکہ میں ہوگا، مقامِ ابراہیم اور بیت اللہ کے درمیان اور مدینہ منورہ میں ہوگا، منبر پر اور بیت المقدس میں ہوگا، مسجد میں، اور مشرک کا لعان گرجا میں ہوگا یا اس جگہ ہوگا جو اس کے نزدیک تعظیم کا مقام ہے اور اگر اس کا کوئی دین نہ ہو پھر اس کا لعان مسجد حرام کے سوا ہماری باقی مساجد میں ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ (التوبہ:۲۸) مشرک محض نجس ہیں، سو وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔

پھر قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے اور قاضی کی تفریق کے بغیر امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ ھ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے نزدیک تفریق نہیں ہوگی، سوا امام زفر متوفی ۱۵۸ ھ کے، کیونکہ ان کے نزدیک لعان سے تفریق ہو جاتی ہے۔

اور عثمان البتی سے روایت ہے کہ ان کے نزدیک بالکل تفریق نہیں ہوتی۔

اور امام شافعی رضی اللہ عنہ متوفی ۲۰۴ ھ کے نزدیک خاوند کے لعان کرنے سے تفریق ہو جاتی ہے اور یہ تفریق امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ ھ اور امام محمد متوفی ۱۸۹ ھ رضی اللہ عنہما کے نزدیک طلاق بائن ہوتی ہے اور امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ ھ اور امام زفر متوفی ۱۵۸ ھ اور امام حسن بن زیاد اور امام شافعی رضی اللہ عنہم کے نزدیک بغیر طلاق کے تفریق ہو جاتی ہے، ایسی تفریق جو دائمی تحریم ہے اور ان دونوں کے نزدیک اس کے بعد کسی طریقہ سے بھی جمع ہونا جائز نہیں ہے۔

اور روایت ہے کہ آیت قذف نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منبر پر پڑھا تو حضرت عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ ھ کھڑے ہوئے، پس انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی دوسرے اجنبی مرد کو پائے اور اس کی خبر دے تو اس کو اسی کوڑے لگائے جائیں گے اور اس کی شہادت ہمیشہ کے لئے رد کر دی جائے گی اور اس کو

فاسق قرار دیا جائے گا اور اگر وہ غضب میں آ کر اپنی بیوی کو قتل کر دے تو اس کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا اور اگر وہ خاموش رہے تو وہ اپنے غیظ وغضب کے اوپر خاموش رہے گا اور اگر وہ چار مرد ڈھونڈنے نکلے تو اتنی دیر میں وہ مرد اپنی حاجت پوری کر چکا ہوگا، پھر حضرت عاصم رضی اللہ عنہ چلے گئے اور دعا کی اے اللہ! ہمارے درمیان فیصلہ فرما دے، پھر اس کے بعد حضرت ہلال بن امیہ یا حضرت عویمر رضی اللہ عنہما آئے اور انہوں نے کہا کہ میں نے بہت برا کام دیکھا ہے، میں نے اپنی بیوی خولہ اور وہ بنت عاصم شریک بن سحماء ہیں، کے بستر پر ایسے اور ایسے پایا، اور انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میرا ابھی یہی سوال ہے اور میں جس چیز میں مبتلا ہوا ہوں، میں اس میں جلدی نہیں کر رہا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا: میں نہیں جانتی اگر میرا خاوند بہت غیرت والا ہے اور یہ طعن پر بخیل ہے اور شریک ان کے گھر میں آتا جاتا تھا اور ہلال بن امیہ نے کہا کہ میں نے ایک مرد کو اپنی بیوی کے پیٹ پر دیکھا۔ تب آیت لعان نازل ہوئی اور جب ان دونوں نے کہا کہ ان پر اللہ کی لعنت نازل ہو اور عورت نے کہا کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اور صحابہ نے کہا! امین، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت سے فرمایا: اگر تم کسی گناہ میں مبتلا ہوگئی ہو تو تم اس کا اعتراف کر لو، اگر تم کو رجم کر دیا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے زیادہ آسان ہے اور جس پر اللہ کا غضب ہو گا وہ دوزخ میں جائے گا۔ اگر تم کہو کہ عورت پر لعان میں پانچویں مرتبہ یہ کہا گیا ہے کہ اس کا شوہر سچا ہے تو اس تخصیص کی کیا وجہ ہے تو میں کہوں گا کہ اس تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ وہ عورت اس فجور کی اصل ہے، اسی وجہ سے کوڑے مارنے کے حکم کی آیت میں عورت کا ذکر مقدم کیا گیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خولہ سے فرمایا: رجم کی سزا اللہ کے غضب سے آسان ہے۔

(تفسیر الکشاف ص ۲۰-۷-۲۱-۷، دار المعرفہ بیروت لبنان، ۱۴۳۰ھ)

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے اس آیت کو لکھنے کے بعد کہا ہے کہ اس آیت کے عموم سے زوج کو خارج کر دیا گیا ہے اور اس کی چار قسموں کو پانچویں قسم کے ساتھ چار گواہوں کے قائم مقام کیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے نفس کو حد سے دور کر دے جیسا کہ تمام لوگوں سے چار گواہوں کو پیش کرنے کے بعد حد قذف کو دور کر دیا جاتا ہے، پس اگر مرد یہ قسم کھا لے تو عورت پر حد لازم ہو جائے گی اگر وہ لعان نہ کرے اور اگر وہ لعان کرے اور قسم کھا لے تو اس کے نفس سے بھی حد دور کر دی جائے گی، جیسا کہ اس کے خاوند سے لعان کے بعد حد کو دور کر دیا جاتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۰۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

آیتِ لعان میں مرد کے ذکر کی تصریح نہ کرنے کی توجیہ

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ" (النور: ٦) اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے عموم سے خاوند کے ذکر کو خارج کر دیا اور خاوند کی چار قسموں کو پانچویں قسم کے ساتھ چار گواہوں کے قائم مقام کیا ہے جن کی وجہ سے وہ اپنے نفس کو حد سے دور کرتا ہے جیسا کہ باقی لوگ بھی چار گواہ پیش کر کے اپنے نفسوں سے حد کو دور کرتے ہیں، پس جب مرد یہ قسم کھا لیں اور عورت اگر قسمیں نہ کھائے تو اس پر زنا کی حد لازم ہو جائے گی اور اگر عورت قسم کھا لے اور لعان کرے تو اس کی قسموں کی وجہ سے اس سے حد ساقط ہو جائے گی، جیسا کہ مرد کی قسموں کی وجہ سے اس سے حد قذف ساقط ہو جاتی ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۳۵)

میں کہتا ہوں: علامہ ابن الملقن شافعی نے اپنی اس شرح میں بعینہ علامہ ابن بطال مالکی کی شرح کو نقل کر دیا ہے۔

لعان آیا قسم ہے یا شہادت، اس میں فقہاء کا اختلاف

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قسم دلانے سے مراد یہ ہے کہ زبان سے کلمات لعان کہے جائیں اور اس حدیث سے امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور جمہور فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ لعان قسم ہے اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ لعان شہادت ہے اور یہ بھی فقہاء شافعیہ کا ایک قول ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ایسی شہادت ہے جس میں قسم کا شائبہ ہے اور ایک قول اس کے برعکس ہے اور اسی وجہ سے بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ لعان نہ قسم ہے نہ شہادت ہے اور اختلاف کا مبنی یہ ہے کہ لعان ہر دو زوجین کے درمیان شروع ہے خواہ وہ مسلمان ہوں، کافر ہوں، غلام ہوں، آزاد ہوں، نیک ہوں یا وہ دونوں فاسق ہوں یہ اس بناء پر ہے کہ لعان قسم ہے، پس جس کی قسم جائز ہے تو اس کا لعان جائز ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ لعان صرف ان دو زوجین سے جائز ہے کہ وہ دونوں آزاد ہوں اور مسلمان ہوں کیونکہ لعان شہادت ہے اور محدود فی القذف کی شہادت جائز نہیں ہے اور یہ حدیث اولین کی دلیل ہے کیونکہ راوی نے لعان اور حلف کے درمیان مساوات کی ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ یمین نہ فعل کے وجود پر دلالت کرتی ہے نہ فعل کی ممانعت کرتی ہے نہ خبر کے تحقق پر دلالت کرتی ہے اور یہاں پر اسی طرح ہے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ بعض سندوں سے حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم کھاؤ کہ جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے اور یہ کہو کہ میں اپنی تہمت لگانے میں سچا ہوں اور یہ قسم چار مرتبہ کھاؤ۔ اس حدیث کی امام حاکم متوفی ۴۰۵ھ اور امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے روایت کی ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۰۵-۵۰۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

۲۸۔ بَابٌ: يَبْدَأُ الرَّجُلُ بِالتَّلَاعُنِ — لعان کی ابتداء مرد سے کی جائے

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب مرد اور عورت کے درمیان لعان کیا جائے تو مرد سے لعان کی ابتداء کی جائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۰۷۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ عَنْ هِشَامِ بْنِ حَسَّانَ حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضي الله عنهما أَنَّ هِلَالَ بْنَ أُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَأَتَهُ فَجَاءَ فَشَهِدَ وَالنَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَقُولُ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ۔

امام بخاری روایت کرتے ہیں: مجھے محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن ابی عدی نے حدیث بیان کی، از ہشام بن حسان انہوں نے کہا: ہمیں عکرمہ نے حدیث بیان کی، از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ حضرت ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی، پس وہ آئے اور انہوں نے گواہی دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟ پس وہ عورت کھڑی ہوئی اور اس نے قسم کھائی۔

(صحیح البخاری: ۲۶۷۱، ۴۷۴۷، ۵۳۰۷، سنن ترمذی: ۳۱۷۹، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۴، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۷)

حدیث مذکور کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اور سند کے بعض رجال کا تعارف

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت اس طرح ہے کہ یہ حدیث لعان کو متضمن ہے اور لعان کی ابتداء مرد کرے گا، اس حدیث کی سند میں ابن ابی عدی کا ذکر ہے اور ان کا نام محمد ہے اور ابو عدی کا نام ابراہیم ابو عمرو البصری ہے اور ہلال بن امیہ کا ذکر ہے، یہ ان تین صحابہ میں سے ایک ہیں جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

یہ حدیث اس طویل حدیث کی مختصر ہے جس کو امام بخاری نے سورۃ النور کی تفسیر میں بعینہ اسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے اور وہاں اس حدیث کی مفصل شرح گزر چکی ہے۔

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی سے مناقشہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ تم میں سے کوئی ایک کاذب ہے، اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے باہمی لعان کے بعد یہ ارشاد فرمایا: کیونکہ اس وقت ان میں سے کسی ایک کا کذب محقق ہوگا اور اس پر توبہ واجب ہوگی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد ان کے لعان کرنے سے پہلے تھا نہ کہ ان کے لعان کرنے کے بعد اور یہ آپ نے ان کو ڈرانے کے لئے اور نصیحت کرنے کے لئے ارشاد فرمایا تا کہ وہ ایک دوسرے پر جھوٹ باندھنے سے احتراز کریں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کی اصل عبارت اس طرح ہے:

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کلام اس وقت فرمایا جس وقت زوجین آپس میں لعان کر رہے تھے۔ اس کے برخلاف بعض شارحین کا یہ زعم ہے کہ آپ نے ان کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد یہ فرمایا اور سورۃ النور کی تفسیر میں اسی سند کے ساتھ یہ اضافہ ہے کہ اس عورت نے قسم کھائی، پس جب وہ پانچویں بار قسم کھانے لگی تو صحابہ نے اس کو روکا اور کہا: اب یہ قسم تم پر حکم کو واجب کر دے گی، اور سنن نسائی کی روایت میں اس قصہ کے اندر یہ اضافہ ہے کہ آپ نے مرد کو حکم دیا کہ وہ پانچویں بار قسم کھاتے وقت اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے، پھر فرمایا: یہ پانچویں بار قسم حکم کو واجب کر دے گی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے کہا کہ وہ عورت لڑکھڑائی اور مڑی حتیٰ کہ ہم نے کہا اب یہ اپنی قسم سے رجوع کر لے گی، پھر اس عورت نے کہا: میں پورا دن اپنی قوم کو رسوا نہیں کروں گی، پس وہ اپنے بیان پر جاری رہی۔

اور اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ دیکھو اگر یہ ایسا بچہ لے کر آئی (الحدیث) اور میں اس کی مفصل شرح "باب التلاعن فی المسجد" میں کروں گا۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۰۷، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حنفی اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کے درمیان مصنف کا محاکمہ

میں کہتا ہوں: اگر چہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے اس روایت کے متعدد فقروں کو متعدد حوالوں سے بیان کیا ہے لیکن کسی حدیث کے فقرہ میں یہ تصریح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زوجین کے باہمی لعان سے پہلے یہ فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے''۔ اس لئے صحیح اور قرینہ قیاس یہی بات ہے جو علامہ عینی نے فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے باہمی لعان کے بعد فرمایا: کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟ لہٰذا صحیح شرح وہی ہے جو علامہ عینی نے کی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب ''انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری'' (ج ۲ ص ۴۰۶) میں علامہ عینی کے اس اعتراض کو مطلقاً ذکر نہیں کیا، جس سے ظاہر ہو گیا کہ وہ اس مسئلہ میں علامہ عینی کے اعتراض سے بالکل لاجواب ہو گئے۔

لعان ہو یا کوئی اور مجلس قضاء ہو اس میں جس سے حلف لیا جائے اس کو کھڑا کر کے اس سے حلف لینا چاہیے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف ابن بطال مالکی قرطبی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ لعان میں عورت سے پہلے مرد سے ابتداء کی جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد کا پہلے ذکر کیا ہے اور اگر عورت مرد سے پہلے لعان کرے تو یہ اس کے لئے کافی نہیں ہے اور اس عورت سے اس کے بعد قسمیں لی جائیں گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے لعان کو ترتیب سے بیان فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں اس کی تفصیل فرمائی ہے۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مرد اور عورت دونوں کھڑے ہو کر ایک دوسرے پر لعان کریں گے۔

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو کھڑا کر کے ایک دوسرے کے خلاف لعان کرایا، اس میں یہ واضح دلیل ہے کہ مسلمانوں کے حکام میں سے ہر حاکم پر یہ لازم ہے کہ جب وہ کسی عظیم کام کے اوپر کسی فریق کو قسم دے تو اس کو مجلس قضاء میں کھڑا کر کے اس سے قسم لے کیونکہ اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعدد احادیث مروی ہیں۔

جو فریقین لعان میں ایک دوسرے کی تکذیب کریں ان کے خلاف حد قائم نہیں کی جائے گی

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب دو فریق ایک دوسرے کے خلاف قسم کھائیں اور ان میں سے کوئی ایک حق پر ہو اور دوسرا اپنے دعویٰ میں باطل پر ہو تو ان میں سے کسی فریق کو بھی دوسرے فریق کی تکذیب پر سزا نہیں دی جائے گی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدود میں لعان کرنے والوں کو معذور قرار دیا ہے اور کسی ایک فریق پر بھی جھوٹی قسم کھانے کی وجہ سے حد قائم نہیں فرمائی۔

اپنی بیوی پر تہمت لگانے والے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ تھے نہ کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ

ابوعبداللہ بن ابی صفرہ نے کہا کہ صحیح یہ ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی وہ حضرت عویمر تھے اور حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کا تہمت لگانے میں ذکر کرنا خطا ہے۔

اور القاسم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ سے روایت کی ہے کہ حضرت العجلانی نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ ھ اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ ھ سے روایت ہے اور میرا گمان یہ ہے کہ ہشام بن حسان کو مغالطہ ہوا ہے جو انہوں نے کہا کہ حضرت ہلال بن امیہ نے بھی اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی، کیونکہ یہ قصہ واحد ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قصہ میں کوئی فیصلہ فرمانے سے پہلے توقف فرمایا تھا اور اگر یہ دو قصے ہوتے یعنی اگر ایک قصہ حضرت عویمر کا ہوتا اور دوسرا قصہ حضرت ہلال بن امیہ کا ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیصلہ فرمانے میں توقف نہ فرماتے اور دوسرے قصہ میں وہی فیصلہ فرماتے جو پہلے قصہ میں آپ پر حکم نازل ہوا تھا۔

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے کہا ہے کہ حدیث میں جو حضرت بلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی اس پر یہ اعتراض ہے کہ تہمت لگانے والے تو حضرت عویمر بن الحارث بن زید بن الجد بن العجلانی رضی اللہ عنہ تھے جو غزوہ احد میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حاضر تھے، انہوں نے اپنی بیوی حضرت خولہ بنت عاصم شریک بن السحماء پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور سحماء ان کی ماں ہیں اور ان کو ان کے سیاہ چہرہ کی وجہ سے سحماء کہا گیا تھا اور وہ شریک بن عبدہ بن الجد العجلانی ہیں، اسی طرح اہل اخبار کا قول ہے اور یہ قصہ شعبان نو ہجری میں ہوا ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوہ تبوک سے مدینہ منورہ کی طرف واپس ہوئے تھے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۷۸-۴۷۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن بطال مالکی، علامہ عبداللہ بن ابی صفرہ اور امام ابوجعفر طبری پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں: یہ تمام بزرگ علماء صحیح بخاری کی ان احادیث سے غافل رہے جن میں یہ تصریح ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور انہوں نے اپنے مطالعہ کی کمی اور ناواقفیت کی بناء پر حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے اپنی بیوی پر تہمت لگانے کا انکار کیا جب کہ امام بخاری اپنی صحیح میں اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حضرت خولہ بنت عاصم شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یا تو تم گواہ پیش کرو یا، پھر تمہاری پیٹھ پر کوڑے لگائے جائیں گے، پھر حضرت ہلال بن امیہ نے کہا: یا رسول اللہ! ہم میں سے کوئی مرد اپنی بیوی کے اوپر کسی مرد کو دیکھے تو کیا وہ گواہ ڈھونڈنے جائے گا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی فرماتے رہے کہ تم اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے لگائے جائیں گے، پھر انہوں نے لعان کی حدیث کو ذکر کیا۔ (صحیح البخاری: ۲۶۷۱، ۴۷۴۷، ۵۳۰۷، سنن ترمذی: ۳۱۷۹، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۴، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۷)

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اور امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ ان صریح احادیث صحیحہ سے کیونکر غافل رہے اور انہوں نے یہ کیسے خلاف واقع یہ دعویٰ کر دیا کہ تہمت لگانے والے صرف حضرت عویمر العجلانی تھے نہ کہ حضرت ہلال بن امیہ اور انہوں نے انکل پچو اور بے تکی باتوں سے ان احادیث صحیحہ کے خلاف اپنے موقف کو ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے اور ان بزرگ شارحین کو بھی معاف فرمائے، جنہوں نے اپنی کم علمی اور مطالعہ کے نقص کی وجہ سے احادیث صحیحہ صریحہ کے خلاف اپنی رائے مسلط کرنے کی سعی لاحاصل کی، اور سچ یہ ہے کہ جہالت کی وجہ سے انسان اس سے بھی بڑی بڑی خطاؤں میں مبتلاء ہو جاتا ہے۔

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں از عکرمہ البربری المتوفی ۱۰۵ھ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ یہ حدیث روایت کی ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی، پھر وہ آئے اور انہوں نے شہادت دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پھر وہ عورت کھڑی ہوئی اور اس نے شہادت دی۔

(صحیح البخاری: ۵۳۰۷، ۲۶۷۱)

اس پر اجماع قائم ہے کہ لعان میں عورت سے پہلے مرد سے ابتداء کی جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مرد سے ابتداء کی ہے، پس اگر عورت نے مرد سے پہلے ابتداء کی تو وہ کافی نہیں ہے بلکہ اس لعان کا اعادہ کیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ترتیب سے بیان کیا ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۶۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابن التین نے از القاسم مالکی اور از امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ روایت کی ہے کہ عورت کا لعان میں ابتداء کرنا بھی صحیح ہے حالانکہ یہ سنت کے خلاف ہے اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ عورت کا لعان میں ابتداء کرنا جائز ہے لیکن اگر اس نے ابتداء کی تو اس کو دہرایا جائے گا۔ (النوادر والزیادات ج ۵ ص ۳۴۰، کتاب الام ج ۵ ص ۲۷۷)

علامہ ابن ملقن شافعی کے امام ابوحنیفہ پر اعتراض کا جواب

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے لعان کا قصہ واؤ کے ساتھ ذکر کیا ہے اور واؤ مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے ترتیب کے لئے نہیں آتی، جیسے قرآن مجید میں ہے:

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝ (آل عمران: ۴۳)	اے مریم! اپنے رب کی فرمانبرداری کرو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو ۝

حالانکہ بالاجماع رکوع پہلے ہے اور سجدہ بعد میں، اصل تو یہی ہے کہ پہلے رکوع کیا جائے، پھر سجدہ کیا جائے اور قرآن مجید میں سجدہ اور رکوع کو واؤ کے ساتھ بیان کیا ہے اور یہ مطلقاً جمع کے لیے آتا ہے۔

اسی طرح اعضاءِ وضو میں قرآن مجید میں پہلے چہرہ دھونے کا ذکر ہے، پھر ہاتھوں کو دھونے کا حکم ہے، پھر مسح کرنے کا ذکر ہے، پھر پیروں کو دھونے کا ذکر ہے اور یہ بھی واؤ کے ساتھ ہے فاء کے ساتھ نہیں ہے، اور فقہاءِ احناف کے نزدیک ان میں ترتیب واجب نہیں ہے، اگر کسی نے ہاتھوں کو چہرہ سے پہلے دھولیا یا پیروں کو سر پر مسح کرنے سے پہلے دھولیا تب بھی اس کا وضوء صحیح ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان اعضاء کو دھونے کا حکم واؤ کے ساتھ کیا ہے فاء کے ساتھ نہیں کیا ہے جو ترتیب کا تقاضا کرتیں، اصل میں یہی ہے کہ قرآن مجید میں ذکر کردہ ترتیب کے ساتھ اعضاءِ وضو کو دھویا جائے گا لیکن اگر کسی نے اس کے برعکس اعضاءِ وضو کو دھولیا تو ان کا وضو کرنا صحیح ہوگا، اسی طرح لعان میں بھی اصل یہی ہے کہ پہلے مرد لعان کرے پھر عورت لعان کرے لیکن اگر کسی صورت میں عورت نے لعان کرلیا تب بھی لعان کا تقاضا پورا ہوجائے گا کیونکہ منشاء ہے کہ دونوں ایک دوسرے پر تکذیب کریں اور دونوں ایک دوسرے پر لعنت کریں، اسی لئے یہاں بھی اگر عورت نے پہلے لعان کرلیا تب بھی لعان صحیح ہوگا۔

نیز قصہ میں تو واؤ کا ذکر ہے، فاء کا ذکر نہیں ہے لیکن اگر فاء کا ذکر بھی ہو تو اس سے بھی ترتیب واجب نہیں ہوتی، جیسے قرآن مجید

میں ہے:

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (النحل:۹۸) پس (اے رسول مکرم!) جب آپ قرآن پڑھیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کریں O

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے بعد ''اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم'' کو پڑھا جائے حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ پہلے ''اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم'' پڑھا جائے، پھر قرآن مجید کی تلاوت کی جائے، حالانکہ اس آیت میں فاء کا ذکر ہے جو ترتیب کا تقاضا کرتی ہے اور یہاں ترتیب واجب نہیں ہے، تو قصہ لعان میں جہاں فاء کا ذکر نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے لعان کو واؤ کے ساتھ ذکر کیا ہے تو جب فاء کا ذکر بھی ترتیب کو واجب نہیں کرتا تو واؤ کا ذکر ترتیب کو کیسے واجب کرے گا، اس لئے امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ نے کہا کہ اصل تو یہی ہے کہ پہلے مرد لعان کرے پھر عورت لعان کرے، لیکن کسی صورت میں اگر عورت نے پہلے لعان کر لیا تو تب بھی لعان کا تقاضا پورا ہو جائے گا اور یہ لعان صحیح ہوگا، امام ابوحنیفہ قدس سرہ العزیز کی قواعد عربیہ پر نظر تھی اور ان کی فکر دقیق تھی اس لئے انہوں نے کہا کہ اگر عورت بھی پہلے لعان کر لے تب بھی لعان صحیح ہوگا اور علامہ ابن التین اور علامہ ابن الملقن چونکہ قواعدِ عربیہ اور اسلوبِ قرآن سے نابلد تھے اس لئے انہوں نے اپنی علمی بے مائیگی سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اعتراض کر دیا۔ والی اللہ المشتکی! نیز یہ بھی یاد رہے کہ امام ابوحنیفہ نے یہ نہیں کہا کہ ضرور عورت پہلے لعان کرے بلکہ انہوں نے یہ کہا ہے کہ بالفرض عورت نے پہلے لعان کر لیا تو بھی لعان کا تقاضا پورا ہو جائے گا کیونکہ لعان کا معنی ہے: ایک دوسرے پر لعنت کرنا خواہ کوئی پہلے لعنت کرے، تاہم چونکہ قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ میں پہلے مرد کے لعان کا ذکر ہے اسی لیے اولیٰ یہی ہے پہلے مرد لعان کرے کیونکہ وہی عورت پر زنا کی تہمت لگانے والا ہے اور عورت اس کی تہمت کا رد کرنے والی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)۔

اسی طرح اس کی نظیر ہے کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے:

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِیْنَ (البقرہ:۴۳) اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرے O

لیکن اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ لازماً پہلے نماز پڑھی جائے پھر زکوٰۃ ادا کی جائے اور اگر کسی نے پہلے زکوۃ ادا کر دی پھر نماز پڑھ لی تب بھی اس کا اس آیت پر عمل صحیح ہوگا اور علامہ ابن التین اور علامہ ابن الملقن بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتے، کاش! ان لوگوں کو فقہاءِ احناف کی طرح فہمِ قرآن حاصل ہوتا تو یہ امام ابوحنیفہ پر اعتراض کرنے میں عجلت نہ کرتے۔

علامہ ابن التین شافعی کی شرح میں ایک اور غلطی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے''۔

علامہ ابن الملقن لکھتے ہیں: اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد اور عورت دونوں کے لعان کے بعد یہ فرمایا کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے کیونکہ اسی وقت کذب متحقق ہوگا اور توبہ واجب ہوگی۔ اور بعض شارحین نے یہ کہا ہے کہ آپ نے یہ ارشاد لعان سے پہلے فرمایا تھا نہ کہ لعان کے بعد تا کہ لعان کرنے والوں کو ڈرایا جائے اور ان کو نصیحت کی جائے اور یہ دونوں شرحیں ایک دوسرے کے قریب ہیں اور پہلی شرح کی تائید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو عنقریب ''صداق

الملاعنہ'' کے باب میں آئے گی۔

میں کہتا ہوں: علامہ ابن الملقن کا ان دونوں شرحوں کو متقارب قرار دینا بھی غلط ہے کیونکہ صحیح یہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لعان کے بعد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے''، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لعان کرنے سے پہلے یہ کیسے فرما سکتے تھے کہ تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے، خود ابن الملقن کا یہ اعتراف ہے کہ پہلی شرح کی تائید حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ہو رہی ہے۔ (سعیدی غفرلہ) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۳۶-۴۳۷، وزارۃ الاوقاف، قطر ۱۴۲۹ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی کا امام ابوحنیفہ پر اعتراض

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور ان کے متبعین اور اشہب مالکی اور علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفی ۵۴۳ھ نے اس کو ترجیح دی ہے کہ پہلے مرد لعان کرے، اور ابن القاسم مالکی نے کہا ہے کہ اگر عورت لعان کرے تب بھی صحیح ہے، اور اس کا اعتبار کیا جائے گا اور یہی امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ کا قول ہے، اور انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے کہ لعان کے قصہ میں واؤ عاطفہ کا ذکر ہے اور واؤ عاطفہ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی اور امام شافعی وغیرہم کی دلیل یہ ہے کہ لعان اس لیے مشروع کیا گیا ہے تاکہ مرد سے حد قذف کو دور کیا جا سکے اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تم اپنی تہمت پر گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے مارے جائیں گے، پس اگر عورت سے لعان کی ابتداء کی گئی تو اس سے اس چیز کی مدافعت کی جائے گی جو ابھی ثابت نہیں ہوئی اور اس لئے بھی کہ مرد اس پر قادر ہے کہ وہ لعان کرنے کے بعد اپنی تہمت سے رجوع کر لے تو پھر عورت سے لعان مندفع ہو جائے گا، اس کے برخلاف اگر عورت نے لعان کی ابتداء کی تو پھر یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

مصنف کی طرف سے حافظ ابن حجر کے اعتراض کا جواب

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے کوئی نئی بات نہیں کہی، بلکہ علامہ ابن التین اور علامہ ابن الملقن کے اعتراض کو دہرایا ہے، اور ان لوگوں کا امام ابوحنیفہ پر یہ اعتراض تب وارد ہوتا جب امام ابوحنیفہ یہ فرماتے کہ عورت کا لعان کی ابتداء کرنا واجب ہے، جب کہ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ اصل یہی ہے کہ لعان کی ابتداء مرد سے کی جائے لیکن اگر کسی صورت میں عورت نے مرد سے پہلے لعان کر لیا تب بھی لعان کا تقاضا پورا ہو جائے گا، کیونکہ لعان کا مقصد ہے کہ دونوں ایک دوسرے پر لعان کریں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو امام ابوحنیفہ کی اس دلیل پر طعن کیا ہے کہ واؤ مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے، ترتیب کو واجب نہیں کرتی، اس لئے پہلے مرد کا لعان ہونا چاہیے، پھر عورت کا لعان ہونا چاہیے تو وہ اس آیت کے متعلق کیا کہیں گے:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ (البقرہ: ۱۹۶) اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو۔

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے حج کیا جائے، پھر عمرہ کیا جائے کیونکہ پہلے حج کا ذکر ہے پھر عمرہ کا ذکر ہے، حالانکہ بالاجماع حج تمتع اور حج قران میں پہلے عمرہ کیا جاتا ہے پھر حج کیا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی یہی ہے کہ پہلے آپ نے عمرہ کیا پھر حج کیا اور اسی طرح تمام صحابہ کی بھی یہی سنت ہے اور آج تک تمام مسلمانوں کا بھی یہی معمول ہے کہ وہ پہلے عمرہ کرتے ہیں پھر حج کرتے ہیں، لہٰذا اس پر طعن کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور تمام مسلمانوں پر طعن کرنا ہے۔

سچ ہے کہ کسی کی محبت آدمی کو حقائق سے بے بہرہ اور بصیرت سے اندھا کر دیتی ہے، یہ لوگ امام شافعی کی محبت اور امام ابوحنیفہ سے بغض میں اندھے ہو چکے، جب ہی اس قاعدہ پر طعن کر رہے ہیں کہ واؤ مطلقاً جمع کے لیے آتی ہے اور انہوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ پھر عمرہ کا حج پر مقدم کرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حجِ قران پر صحابہ کے حج تمتع پر اور قیامت تک کے تمام مسلمانوں کے حج پر طعن کا موجب ہوگا کیونکہ سب سے پہلے عمرہ کرتے ہیں، پھر حج کرتے ہیں جب کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ'' پہلے حج کا ذکر ہے پھر عمرہ کا اس لئے لامحالہ یہی کہنا پڑے گا کہ اگرچہ پہلے قرآن مجید میں حج کا ذکر ہے اور بعد میں عمرہ کا، لیکن واؤ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی، سو اسی طرح قرآن میں پہلے مرد کے لعان کا ذکر ہے پھر عورت کے لعان کا ذکر ہے اور اگر عورت نے پہلے لعان کر لیا اور امام ابوحنیفہ نے اس کو صحیح قرار دیا تو پھر امام ابوحنیفہ پر ان لوگوں کے طعن کا کیا جواز رہ جاتا ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

اس کی تحقیق کہ حضرت ابن السحماء یہودی تھے، پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا یا پھر وہ ابتداءً مسلمان تھے

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ شریک بن سحماء رضی اللہ عنہ جو حضرت البراء بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۲۰ ھ کے اخیافی بھائی تھے اور اس میں اشکال ہے کیونکہ حضرت البراء بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ یہی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی والدہ ہیں اور ان کا نام حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ہے اور ان کا نام سحماء نہیں تھا، پس شاید کہ شریک ان کے رضاعی بھائی تھے یعنی اخیافی بھائی نہیں تھے۔

اور امام بیہقی نے اپنی کتاب الخلافیات میں محمد بن سیرین سے یہ مرسل روایت کی ہے کہ شریک حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے گھر میں ٹھہرتے تھے اور تفسیر مقاتل میں مذکور ہے کہ شریک کی والدہ کو سحماء کہا جاتا تھا اور یہ حبشی عورت تھیں اور ایک قول یہ ہے کہ یہ یمانی عورت تھیں اور امام حاکم نے ابن سیرین سے مرسل روایت کی ہے کہ شریک کی ماں حبشیہ تھیں اور شریک کے والد کا نام عبدۃ بن مغیث بن الجد بن العجلان تھا، اور عبدالغنی بن سعید نے اور امام ابونعیم نے صحابہ سے یہ نقل کیا ہے کہ لفظ شریک صفت ہے، اسم نہیں ہے، اور شریک یہودی تھا اور اس یہودی کو ابن السحماء کہا جاتا تھا اور امام بیہقی متوفی ۴۵۸ ھ نے معرفۃ الصحابہ والآثار میں امام شافعی متوفی ۲۰۴ ھ سے یہ نقل کیا ہے کہ شریک بن السحماء یہودی تھا، اور قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ ھ نے اس قول کے بطلان کی طرف اشارہ کیا ہے اور علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ ھ نے ان کی اتباع میں وثوق سے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے حضرت ابن السحماء پہلے یہودی ہوں پھر بعد میں اسلام لائے ہوں اور اس قول پر یہ اعتراض ہے کہ ابن الکربی نے نقل کی ہے کہ حضرت ابن السحماء غزوہ بدر میں حاضر ہوئے تھے اور اسی طرح متعدد مؤرخین کا قول ہے کہ ان کے والد غزوۂ بدر میں حاضر تھے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۰۶-۵۰۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

لعان کی مسنون جگہ کا مسجد میں ہونا اور لفظ واحد سے مجلس واحد میں تین طلاقوں کے وقوع کی دلیل

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر الشافعی النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ ھ مسئلہ لعان کے متعلق لکھتے ہیں:

امام عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ ھ بیان کرتے ہیں کہ انصار کا ایک مرد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس نے کہا: یا رسول اللہ! ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ ایک اجنبی مرد کو پائے، سو وہ اس کو قتل کر دے تو آپ لوگ اس کو قتل کر دیں گے تو وہ کیا کرے؟ تو اللہ تعالیٰ نے لعان کرنے والوں کے متعلق حکم بیان

فرمایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہاری بیویوں کے متعلق فیصلہ فرمادیا تو ان دونوں نے مسجد میں ایک دوسرے پر لعان کیا، جب ہم فارغ ہو گئے تو اس انصاری نے کہا: یا رسول اللہ! اگر میں نے اب اس عورت کو اپنے پاس رکھا تو میں جھوٹا قرار پاؤں گا، تو انہوں نے اسی وقت تین طلاقیں دے دیں، اس سے پہلے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حکم دیتے، جب وہ ایک دوسرے سے لعان سے فارغ ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کی بیوی سے الگ کر دیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر دو لعان کرنے والوں کے درمیان اسی طرح تفریق ہو گی۔

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۴۴۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، صحیح البخاری: ۵۳۰۹، صحیح مسلم: ۱۴۹۲)۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں غیر مقلدین کے خلاف جمہور علماء اہلسنت کی یہ دلیل ہے کہ ایک مجلس میں ایک لفظ سے تین طلاقیں دی جائیں تو وہ واقع ہو جاتی ہیں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انصاری جو حضرت عویمر العجلانی تھے، ان کی دی ہوئی تین طلاقوں کو برقرار رکھا اور مزید یہ فرمایا کہ لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کا یہی طریقہ ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، ج ۹ ص ۴۴۴، دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

لعان کرنے والوں کو کھڑا کر کے لعان کرانے کا ثبوت

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی حضرت خولہ بنت عاصم شریک بن السحماء پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زنا کی تہمت لگائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس پر (چار) گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے لگائے جائیں گے، انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم میں سے جب کوئی مرد اپنی بیوی کو اجنبی مرد کے ساتھ دیکھے تو کیا وہ گواہ تلاش کرنے جائے گا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم گواہ پیش کرو، ورنہ تمہاری پیٹھ پر کوڑے مارے جائیں گے، تب حضرت ہلال نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! بے شک میں ضرور سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ میرے متعلق ضرور ایسی آیات نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ کو کوڑوں سے بری کر دیں گی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پھر حضرت جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ النور کی آیات ۶ تا ۹ نازل ہوئیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو بلایا، وہ دونوں آئے اور حضرت ہلال بن امیہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے ایک دوسرے پر لعنت کی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ تم میں سے ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پھر وہ عورت کھڑی ہوئی اور اس نے قسمیں کھائیں، جب اس نے پانچویں قسم کھائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو روکو کیونکہ یہ پانچویں قسم اس پر اخروی سزا کو واجب کر دے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ عورت لڑکھڑائی اور مڑی حتیٰ کہ ہم نے گمان کیا کہ وہ رجوع کر لے گی، بالآخر اس نے کہا کہ میں اپنی قوم کو تمام دن کے لیے رسوا نہیں کروں گی، پھر چلی گئی۔ (صحیح البخاری: ۴۷۴۷)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، ج ۹ ص ۴۴۵، دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

مصنف کا ابن بطال مالکی، امام ابوجعفر طبری، حافظ ابن ملقن اور حافظ ابن حجر پر رد اور ابطال

میں کہتا ہوں: اس حدیث سے یہ واضح ہو گیا کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور اس

میں علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اور امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ کے اس قول کا بطلان ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور نہ ان کی بیوی پر لعان کیا گیا تھا اور اس حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لعان کرنے کے بعد یہ فرمایا تھا کہ تم میں سے کوئی ایک ضرور جھوٹا ہے اور کیا تم میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں حافظ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ اور ان کے شاگرد حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد بلیغ ہے جنہوں نے صریح حدیث کے برخلاف اپنی رائے سے یہ کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے لعان کرنے سے پہلے یہ کہا تھا کہ تم دونوں میں سے ضرور کوئی جھوٹا ہے، اور کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے؟ حالانکہ ان دونوں بزرگوں کی حدیث پر ہم سے زیادہ نظر ہے، اس کے باوجود انہوں نے اس صریح حدیث کے خلاف اپنی رائے سے یہ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لعان کرنے سے پہلے ان کو ڈرانے اور ان کو وعظ کرنے کے لیے یہ فرمایا تھا، حیرت اس پر ہوتی ہے کہ یہ لوگ ہم احناف کو اہل الرائے کہتے ہیں اور اصحاب الرائے کہتے ہیں، اصحاب القیاس کہتے ہیں اور بانگ دہل یہ کہتے ہیں کہ احناف احادیث صریحہ کے خلاف اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں، حالانکہ اس حدیث میں یہ واضح تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لعان کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ تم میں سے کوئی جھوٹا ہے اور تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے اور ایک مرتبہ حضرت ہلال کی بیوی لڑکھڑائی اور مڑی جس سے لوگوں نے سمجھا کہ اب یہ توبہ کرے گی مگر ان پر اپنے علاقہ کے لوگوں کی عصبیت غالب آئی اور انہوں نے کہا کہ میں اپنے علاقہ کے لوگوں کو رسوا نہیں کروں گی، علاوہ ازیں اس حدیث میں یہ بھی ثبوت ہے جس کے لئے علامہ ابن المنذر نے باب قائم کیا ہے کہ لعان کرنے والوں کو کھڑا کر کے لعان کرانا چاہیے۔ (سعیدی غفرلہ)

عصر کی نماز کے بعد لعان کا ثبوت

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر الشافعی النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد الساعدی متوفی ۸۸ھ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھو کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کے پاس ایک اجنبی مرد کو پایا، وہ اس کو قتل کر دے تو تم اس کو قتل کر دو گے، تو وہ کیا کرے؟ تو حضرت عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سوالات کو مکروہ قرار دیا، پھر حضرت عویمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! ایک مرد نے اپنی بیوی کے پاس ایک اجنبی مرد کو دیکھا آیا وہ اسے قتل کر دے تو آپ لوگ اسے قتل کر دیں گے تو آیا وہ کیا کرے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور تمہاری بیوی کے متعلق فیصلہ نازل فرما دیا، سو تم جلدی کرو، حضرت سہل نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو عصر کی نماز کے بعد مسجد میں بلایا اور میں لوگوں کو دیکھ رہا تھا، سو ان دونوں نے لعان کیا، پس جب وہ لعان سے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہو گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میں اب اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو یہ میرا اس پر ظلم ہوگا، تو اس پر قطعی طلاق ہے یعنی طلاق مغلظہ ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۲۵۹، صحیح مسلم: ۱۴۹۲، المعجم الکبیر للطبرانی: ۵۶۸۸)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۴۴۶، دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

غیر مقلدین کے اس قول کا رد کہ مجلس واحد میں لفظ واحد سے تین طلاقیں دی جائیں تو وہ ایک طلاق ہوتی ہے

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں بھی یہ دلیل ہے کہ ایک مجلس میں لفظ واحد کے ساتھ طلاق مغلظہ دینا جائز ہے کیونکہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو طلاق مغلظہ دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اعتراض نہیں کیا، اور اس سے پہلی حدیث (صحیح البخاری: ۵۳۰۹، اور صحیح مسلم: ۱۴۹۲، اور الاوسط: ۱۷۷۵۱) میں یہ حدیث گزر چکی ہے کہ جب حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو مجلس واحد میں لفظ واحد کے ساتھ تین طلاقیں دے دیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو لعان کرنے والوں کے ساتھ تفریق کا یہی طریقہ ہے اور اس میں علماء ظاہریہ اور غیر مقلدین کے خلاف جمہور علماء اہلسنت اور ائمہ اربعہ کی یہ دلیل ہے کہ جب مجلس واحد میں لفظ واحد سے تین طلاقیں دی جائیں تو وہ واقع ہو جاتی ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

عورت سے پہلے مرد سے لعان کرانا

امام ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر الشافعی النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت مصعب کے زمانہ میں لعان کرنے والوں کی کیفیت کے متعلق سوال کیا گیا تو مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں کیا جواب دوں، تو میں حضرت ابن عمر متوفی ۷۳ھ کے پاس گیا تو میں نے پوچھا: کیا لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی؟ آپ نے فرمایا: سبحان اللہ! سب سے پہلے اس مسئلہ کے متعلق مجھ سے فلاں شخص نے پوچھا تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اس نے کہا: یہ بتایئے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو دیکھے، اگر وہ بات کرے تو بہت سنگین بات ہوگی اور اگر وہ خاموش رہے تو کیا کوئی ایسی بات پر خاموش رہ سکتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور پھر وہ آپ کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ آپ مجھے اس معاملہ کے متعلق بتایئے، جس کے متعلق میں نے سوال کیا تھا، میں اس معاملہ میں مبتلا ہو چکا ہوں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے آیت لعان کی تلاوت فرمائی اور اس کو نصیحت کی کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت زیادہ آسان ہے، اس مرد نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں نے جھوٹ نہیں بولا، پھر آپ نے اس عورت کو بلایا اور اس کو نصیحت کی کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت زیادہ آسان ہے، پھر اس عورت نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! یہ مرد ضرور جھوٹا ہے، پھر آپ نے مرد سے ابتداء کی اور اس نے چار مرتبہ اللہ کی قسم کھائی کہ وہ ضرور سچوں میں سے ہے اور پانچویں مرتبہ قسم کھائی کہ اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کی ضرور لعنت ہو پھر آپ عورت کے پاس گئے اور اس نے بھی چار مرتبہ اللہ کی قسم کھائی اور پانچویں مرتبہ اس نے قسم کھائی کہ اس کا خاوند جھوٹوں میں سے ہے، اگر وہ سچوں میں سے ہو تو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ (صحیح مسلم: ۱۴۹۳)

علامہ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن منذر النیشاپوری لکھتے ہیں: یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ لعان کی ابتداء مرد سے کی جائے گی۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۴۴۶-۴۴۷، دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ لعان کی ابتداء مرد سے کرنی چاہیے، تاہم اگر کسی معاملہ میں عورت نے پہلے لعان کر لیا تب بھی لعان کا تقاضا پورا ہو جائے گا، اور یہ لعان صحیح ہے، کیونکہ اس قصہ کو واؤ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور واؤ ترتیب کا تقاضا نہیں کرتی۔ (سعیدی غفرلہ)

۲۹۔ بَابُ: اللِّعَانِ وَمَنْ طَلَّقَ بَعْدَ اللِّعَانِ

لعان کا بیان اور جس نے لعان کے بعد اپنی بیوی کو طلاق دی

فقہاء کا اس میں اختلاف کہ نفسِ لعان سے تفریق ہوگی یا حاکم کے فیصلہ سے تفریق ہوگی یا خاوند کے طلاق دینے سے تفریق ہوگی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی جو باب لعان کے احکام کے متعلق ہے، اور اس باب میں جو یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی پر تہمت لگانے اور اس پر لعنت کرنے کے بعد اس کو طلاق دے دی، تو اس کا کیا حکم ہے؟ امام بخاری نے یہ عنوان قائم کر کے اس مسئلہ میں اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آیا صرف لعان کرنے کے بعد مرد اور عورت کے درمیان تفریق واقع ہو جائے گی یا ضروری ہے کہ لعان سے فارغ ہونے کے درمیان حاکم ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دے یا یہ ضروری ہے کہ خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔

سو امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور ان کے متبعین کا مذہب یہ ہے کہ نفسِ لعان کرنے سے ان دونوں کے درمیان تفریق واقع ہو جائے گی اور امام مالک اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ جب عورت لعنت کرنے سے فارغ ہو جائے گی، تو ان کے درمیان طلاق واقع ہو جائے گی، اور امام مالک اور امام شافعی اور ان کے متبعین اور سحنون مالکی نے کہا کہ جب خاوند لعنت کرنے سے فارغ ہو جائے گا تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔

اور ثوری اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے متبعین نے کہا ہے کہ اس وقت تک زوجین کے درمیان تفریق نہیں ہوگی حتیٰ کہ حاکم ان کے درمیان تفریق کا فیصلہ کر دے، اور امام احمد بن حنبل سے اس مسئلہ کے متعلق دو روایتیں ہیں، اور عثمان البتی کا مذہب یہ ہے کہ ان کے درمیان تفریق واقع نہیں ہوگی، حتیٰ کہ خاوند تفریق واقع کر دے اور امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے بھی اس کی مثل از ابوالاشعث از جابر بن زید روایت کی ہے اور ابوعبید الھروی المتوفی ۲۲۴ھ نے کہا ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو اسی وقت ان کے درمیان تفریق ہو جائے گی خواہ ان کے درمیان لعان واقع نہ ہوا ہو، گویا کہ جو مسئلہ لعان کے وجوب کے اوپر متفرع ہے کہ جب عورت نے لعان کر لیا اور اس کے اوپر حلال ہو گیا تو اس کے اوپر تغلیظ اور سختی کے لیے تفریق کا حکم لگایا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۰۸۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي مَالِكٌ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ أَنَّ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ السَّاعِدِيَّ أَخْبَرَهُ أَنَّ عُوَيْمِرًا الْعَجْلَانِيَّ جَاءَ إِلَى عَاصِمِ بْنِ عَدِيٍّ الْأَنْصَارِيِّ فَقَالَ لَهُ يَا عَاصِمُ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ سَلْ لِي يَا عَاصِمُ عَنْ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَسَأَلَ عَاصِمٌ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے مالک نے حدیث بیان کی، از ابن شہاب، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سہل بن سعد الساعدی نے ان کو خبر دی کہ حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ حضرت عاصم بن عدی الانصاری رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، پس ان سے کہا: اے عاصم! یہ بتاؤ کہ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو دیکھے تو آیا اس کو قتل

رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ ذٰلِكَ فَكَرِهَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمَسَائِلَ وَعَابَهَا حَتّٰى كَبُرَ عَلٰى عَاصِمٍ مَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا رَجَعَ عَاصِمٌ إِلٰى أَهْلِهِ جَاءَهُ عُوَيْمِرٌ فَقَالَ يَا عَاصِمُ مَاذَا قَالَ لَكَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ عَاصِمٌ لِعُوَيْمِرٍ لَمْ تَأْتِنِي بِخَيْرٍ قَدْ كَرِهَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ الْمَسْأَلَةَ الَّتِي سَأَلْتُهُ عَنْهَا فَقَالَ عُوَيْمِرٌ وَاللّٰهِ لَا أَنْتَهِي حَتّٰى أَسْأَلَهُ عَنْهَا فَأَقْبَلَ عُوَيْمِرٌ حَتّٰى جَاءَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ وَسَطَ النَّاسِ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ فَتَقْتُلُونَهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ أُنْزِلَ فِيكَ وَفِي صَاحِبَتِكَ فَاذْهَبْ فَأْتِ بِهَا قَالَ سَهْلٌ فَتَلَاعَنَا وَأَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ تَلَاعُنِهِمَا قَالَ عُوَيْمِرٌ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَكَانَتْ سُنَّةَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ۔

کر دے تو تم اس کو قصاص میں قتل کر دو، یا پھر وہ کیا کرے؟ اے عاصم! تم میرے لیے اس مسئلہ کو رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرو، پس حضرت عاصم نے رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلہ کو دریافت کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سوالات کو ناپسند کیا اور ان کی مذمت کی حتیٰ کہ یہ بات حضرت عاصم کو بہت شاق گزری، جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی، پس جب حضرت عاصم اپنے گھر واپس گئے تو ان کے پاس حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ آئے اور پوچھا: اے عاصم! تم کو رسول اللہ ﷺ نے کیا جواب دیا؟ تو حضرت عاصم نے حضرت عویمر سے کہا آپ کوئی اچھی خبر لے کر نہیں آئے، پھر انہوں نے بتایا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس مسئلہ کو دریافت کیا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے تمہارے سوال کو ناپسند فرمایا تھا، تب حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ سوال کروں گا، پس حضرت عویمر گئے حتیٰ کہ جب رسول اللہ ﷺ لوگوں کے درمیان تھے تو حضرت عویمر نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، پس کہا: یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو دیکھے تو آیا وہ اس کو قتل کر دے آپ لوگ اس کو قصاص میں قتل کر دیں گے یا پھر وہ کیا کرے پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق اور تمہاری بیوی کے متعلق حکم نازل فرما دیا، سو تم جاؤ اور اپنی بیوی کو لے کر آؤ، پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ پھر ان دونوں نے ایک دوسرے پر لعنت کی اور میں ان لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا، پس جب وہ دونوں ایک دوسرے پر لعنت کرنے سے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمر نے کہا یا رسول اللہ! اگر میں اس عورت کو اب اپنے ساتھ رکھوں تو میں جھوٹا قرار پاؤں، پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ فرمانے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، ابن شہاب

زہری نے کہا کہ پس یہی لعان کرنے والوں کا طریقہ ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۲۳، ۴۷۴۵، ۴۷۴۶، ۵۲۵۹، ۵۳۰۸، ۵۳۰۹، ۶۸۵۴، ۷۱۶۵، ۷۱۶۶، ۷۳۰۴، صحیح مسلم: ۱۴۹۲، سنن نسائی: ۳۴۰۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۶، موطا امام مالک: ۱۲۰۱، سنن دارمی: ۲۲۲۹)

حدیث مذکور کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباب کے جز اول کے ساتھ ہے جس میں مذکور ہے کہ ان دونوں نے لعان کیا اور جز ثانی کے ساتھ مناسبت ہے جس میں مذکور ہے کہ جس نے لعان کے بعد طلاق دے دی کیونکہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ فرمانے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، اس لئے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے لعان کرنے کے بعد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں۔

اس حدیث کو امام بخاری نے کتاب الصلوٰۃ میں اختصار سے روایت کیا ہے اور سورۃ النور کی تفسیر میں اس کو النور: ۶ کی تفسیر میں روایت کیا ہے اور وہاں ہم نے تفصیل سے اس حدیث کی شرح لکھ دی ہے جس کے اعادہ کرنے کی اب ضرورت نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۱-۴۲۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مجلس واحد میں لفظ واحد سے تین طلاقوں کے وقوع کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ جمہور علماء اہلسنت اور فقہاء اربعہ کی یہ دلیل ہے کہ مجلس واحد میں لفظ واحد کے ساتھ تین طلاقیں دی جائیں تو وہ طلاق ہو جاتی ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت عویمر نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں لفظ واحد کے ساتھ تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان طلاقوں کو نافذ فرما دیا اور ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا، سو اس سے واضح ہو گیا کہ غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ لفظ واحد سے ایک مجلس میں تین طلاقیں دی جائیں گی تو وہ ایک طلاق واقع ہو گی، باطل ہے۔

مشہور غیر مقلد نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ نے اس حدیث کی شرح میں کچھ نہیں لکھا اور خاموشی سے گزر گئے۔

(عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری ج ۵ ص ۴۱۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۹ھ)

البتہ دوسرے غیر مقلد عالم نواب وحید الزماں متوفی ۱۳۲۸ھ نے اس حدیث کی شرح میں لب کشائی کی ہے، سو وہ لکھتے ہیں:

حضرت عویمر لعان کے بعد جدا ہونے لگے، حنفیہ نے جو اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ لعان سے جدائی نہیں ہوتی، وہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ عویمر نے اپنی ناسمجھی سے اس کو تین طلاق دے دیئے، کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو حکم نہیں دیا تھا کہ وہ اپنی عورت کو طلاق دے۔ (تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۳۵ نعمانی کتب خانہ لاہور، جون ۱۹۹۰ء)

نواب وحید الزماں کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

سبحان اللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز صحابی تو ناسمجھ ہیں اور یہ چودھویں صدی کا جاہل ملا سمجھ دار ہے، باقی رہا اس کا یہ کہنا کہ حضرت عویمر نے از خود تین طلاقیں دی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم نہیں دیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس غلط کام پر ٹوکا کیوں نہیں، کیا یہ ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی ناجائز کام کیا جائے اور آپ اس پر رد نہ فرمائیں اور اس کو برقرار

رکھیں، تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ کام صحیح ہے اور اس کو اصطلاح میں حدیث تقریری کہتے ہیں، مگر فقہاء احناف کے خلاف تعصب نے نواب وحید الزماں کی آنکھوں پر جہالت کی پٹی باندھ دی، بجائے اس کے کہ وہ حق کی طرف رجوع کرتا، اس نے صحابی رسول کو ناسمجھ قرار دیا جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ میرے تمام صحابہ آسمان ہدایت کے ستارے ہیں، تم ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔

(مشکوٰۃ المصابیح: ۶۰۱۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۳ھ، میزان الاعتدال: ۱۵۱۱، ۲۲۹۹، لسان المیزان ج ۲ ص ۴۸۸، ۵۹۴، کشف الخفاء ج ۱ ص ۱۴۷، اتحاف السادۃ المتقین ج ۲ ص ۲۲۳، تلخیص الحبیر ج ۴ ص ۱۹۰، کشاف ص ۹۴)

(موسوعہ اطراف الحدیث النبوی الشریف ج ۱ ص ۵۵۳، دار الفکر بیروت، ۱۴۱۴ھ)

نواب وحید الزماں نے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کو تو ناسمجھ قرار دیا، لیکن امام شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ کو کیا کہیں گے جو علم اصولِ حدیث کے بانی ہیں اور اگر وہ نہ ہوتے تو آج کسی کو اصولِ حدیث کی اصطلاحات کا پتا نہ ہوتا اور انہوں نے اس حدیث کی روایت کرنے کے بعد یہ کہا ہے: پس یہی لعان کرنے والوں کا طریقہ ہے، یعنی حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیوی کو لفظِ واحد کے ساتھ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینا صحیح ہے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثِ تقریری حضرت عویمر رضی اللہ عنہ پر مجلس واحد میں تین طلاقیں دینا اور ابن شہاب زہری کا اس کو لعان کرنے والوں کی سنت قرار دینا ان تمام حقائق نے نواب وحید الزماں کی آنکھوں سے تعصب اور جہالت کی پٹی نہیں اتاری تو ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ ایسے شخص کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''من یضللہ فلا ھادی لہ'' یعنی جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا، برہا برس سے جمہور علماء اہلسنت قرآن مجید کی تصریحات، احادیث صحیحہ، آثار صحابہ، اقوالِ تابعین، اور اجماعِ امت سے لفظِ واحد سے مجلس واحد میں تین طلاقوں کے وقوع پر بہ کثرت دلائل پیش کر چکے ہیں لیکن ہنوز ان منکرین، معاندین، متعصبین اور مخالفین کی آنکھوں سے ضد، ہٹ دھرمی، اور عناد کی پٹی نہیں اتری اور یہ بہ دستور قرآن اور حدیث کی مخالفت میں سرگرم ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا اور جو شیطان کی پیروی میں اندھا دھند بھاگ رہا ہو اسے کوئی نہیں روک سکتا۔

تین طلاقوں کو ایک طلاق دینے کے متعلق شیوخ غیر مقلدین کے فتاویٰ

غیر مقلدین کے شیخ الکل فی الکل سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی متوفی ۱۳۲۰ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

نکاح زید حنفی کا بعد طلاق مغلظہ کے نزدیک امام اعظم و صاحبین کے صحیح نہ ہوگا مگر بعد حلالہ کے الیٰ آخرہ۔۔۔ نکاح زید حنفی را ناجائز نوشتہ و گفتہ کہ کذا یفھم من الکنز و غیرہ۔۔ بلکہ اشباہ و النظائر ایں صورت مستفسرہ بر جواز ھمچو نکاح مذکور بحکم قاضی شافعی المذھب بلکہ بحکم قاضی حنفی المذھب۔

(فتاویٰ نذیریہ ج دوم ص ۵۴۹-۵۵۰، مکتبہ ثنائی گوجرانوالہ پاکستان، ۱۴۰۹ھ)

اہلحدیث کے شیخ الاسلام ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری متوفی ۱۳۶۷ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

تین طلاقوں کے بعد وہ عورت کسی دوسرے خاوند سے اپنی خوشی سے ہمیشہ کے لیے نکاح کرے۔ (فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۲۸۵،

مکتبہ ثنائیہ سرگودھا)

غیر مقلدین کے مجتہد العصر حافظ عبداللہ محدث روپڑی متوفی ۱۳۸۴ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اگر تین کی تعداد ایک مجلس میں یا متفرق طور پر پوری ہوگئی تو ائمہ اربعہ کے نزدیک وہ عورت حرام ہو چکی ہے جب تک دوسری جگہ نکاح پڑھ کر دوسرا خاوند ہمبستری نہ کرے، پہلے کے لیے حلال نہیں ہے، ہاں! بعض اہل حدیث اس طرف گئے ہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں اکٹھی دے تو یہ ایک ہی طلاق ہے، تین حیض کے اندر رجوع ہو سکتا ہے، تین حیض کے بعد برضامندی فریقین نکاح ہو سکتا ہے۔ (فتاویٰ اہل حدیث ج ۲ ص ۴۹۵، ادارہ احیاء السنۃ النبویہ، سرگودھا، ۱۴۰۴ھ)

تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے متعلق غیر مقلدین کے دلائل

شیخ محمد بن علی بن محمد الشوکانی المتوفی ۱۲۵۵ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

صحاح ستہ میں سوائے سنن ترمذی کے سب میں یہ حدیث مذکور ہے کہ جب حضرت عویمر رضی اللہ عنہ لعان سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر میں نے اب اس کو اپنے پاس رکھا تو میں جھوٹا ہوں گا، تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ فرمانے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، سو یہ لعان کرنے والوں کی سنت ہوگئی، اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد شیخ شوکانی لکھتے ہیں: اس حدیث کو یہاں وارد کرنے کی غرض یہ ہے کہ تین طلاقیں جب ایک مجلس میں دی جائیں تو وہ کل واقع ہو جاتی ہیں اور عورت اپنے شوہر سے بائنہ ہو جاتی ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں صرف ایک طلاق ہوتی ہے، وہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اس پر سکوت فرمایا: کیونکہ لعان سے بنفسہٖ عورت بائنہ ہو جاتی ہے اور اس کے بعد حضرت عویمر نے طلاق دی وہ اب اس طلاق کا محل نہیں تھا گویا کہ حضرت عویمر نے ایک اجنبی عورت کو طلاق دی ہے اور اس کی مثل پر انکار کرنا واجب نہیں ہے، پس نبی ﷺ کا اس کے اوپر سکوت فرمانا حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے فعل کی تقریر اور اثبات نہیں ہے۔ (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۵، دار الوفاء، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

شیخ شوکانی کے دلائل پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: شریعت کے عالم رسول اللہ ﷺ ہیں نہ کہ شیخ شوکانی اور احکام شرعیہ کو کھول کھول بیان کرنا رسول اللہ ﷺ کا منصب رسالت ہے، اگر بہ قول شیخ شوکانی لعان کے بعد حضرت عویمر کی بیوی اجنبی عورت کے حکم میں ہوگئی تھی اور اس کا ان کو تین طلاقیں دینا فضول تھا تو نبی ﷺ پر لازم تھا کہ وہ حضرت عویمر کو ان کی غلطی پر متنبہ کرتے اور بتاتے کہ یہ عورت لعان کے بعد بائنہ ہو چکی ہے، تمہاری بیوی نہیں رہی اور اجنبی عورت ہے اور تمہاری دی ہوئی طلاقیں اس پر واقع نہیں ہوں گی، کیونکہ قرآن مجید میں مذکور ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (آل عمران: ۱۶۴)

بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا جب ان میں ان ہی میں سے ایک عظیم رسول کو بھیجا جو ان پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور ان کے باطن کو صاف کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، بے شک وہ اس سے پہلے ضرور کھلی گمراہی میں تھے O

نبی ﷺ کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ آپ کے سامنے کوئی شخص غلط کام کرے اور آپ اسے نہ ٹوکیں، اور اس کی اصلاح نہ

کریں بلکہ منصب رسالت کا تقاضا یہ ہے کہ آپ غلط بات اور غلط کام پر فوراً ٹوکیں اور اس کی اصلاح کریں، کتب احادیث میں اس کی متعدد نظائر ہیں، بعض از اں یہ ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نمازیوں کی غلطیوں پر سکوت نہ فرمانا اور ان کی اصلاح فرمانا اور اس کی دس مثالیں

(۱) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سعید بن عبدالرحمٰن بن ابزیٰ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرد حضرت عمر بن الخطاب کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ ایک سفر میں میں جنبی ہو گیا تھا، مجھے پانی نہیں ملا تو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے حضرت عمر بن الخطاب سے کہا کہ آپ کو یاد نہیں کہ ہم اور آپ ایک سفر میں تھے، ہم دونوں جنبی ہو گئے، آپ نے تو نماز نہیں پڑھی اور میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہو گیا (یعنی پورے جسم کا تیمم کر لیا) اور میں نے نماز پڑھ لی، پھر بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لئے یہ کافی تھا کہ تم دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر مارتے، پھر ان پر پھونک مارتے، پھر ان ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر اور ہاتھوں پر مسح کر لیتے۔

(صحیح البخاری: ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، صحیح مسلم: ۳۶۸، سنن نسائی: ۳۱۲، سنن ابوداؤد: ۳۲۲، سنن ابن ماجہ: ۵۶۹، مسند احمد: ۱۸۴۰۳)

دیکھئے! جب حضرت عمار بن یاسر نے غلط طریقہ سے تیمم کیا اور مٹی پر پورے جسم کا تیمم کر لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش نہیں رہے بلکہ ان کی اصلاح فرمائی کہ تمہارے لیے اپنے ہاتھوں اور چہرہ پر تیمم کر لینا کافی تھا۔ اور یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب ہے کہ آپ کسی غلط کام پر سکوت نہ فرمائیں بلکہ اس غلط کام کو سن کر فوراً اس کی اصلاح کر دیں۔

(۲) نیز امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے تو ایک مرد داخل ہوا، اس نے نماز پڑھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا واپس جاؤ، پھر نماز پڑھو گویا کہ تم نے نماز نہیں پڑھی اور وہ واپس گیا، اس نے نماز پڑھی جیسے پہلے نماز پڑھی تھی، پھر آیا، سلام کیا، آپ نے فرمایا: واپس جاؤ، پھر نماز پڑھو گویا کہ تم نے نماز نہیں پڑھی، اس مرد نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر مبعوث فرمایا ہے! میں اس سے بہتر نماز نہیں پڑھ سکتا، سو آپ مجھے نماز کی تعلیم دیں تو آپ نے فرمایا: جب تم نماز کے لیے قیام کرو تو اللہ اکبر کہو! پھر تم کو جتنا قرآن یاد ہے قرآن پڑھو، پھر رکوع کرو حتیٰ کہ اطمینان سے رکوع کرو، پھر رکوع سے سر اٹھاؤ حتیٰ کہ تم سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو حتیٰ کہ اطمینان سے سجدہ کر لو، پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ حتیٰ کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ، اور اپنی پوری نماز اس طریقہ سے پڑھو۔

(صحیح البخاری: ۷۵۷، ۷۹۳، ۶۲۵۱، ۶۲۵۲، ۶۶۶۷، صحیح مسلم: ۳۹۷، سنن ترمذی: ۳۰۳، سنن نسائی: ۸۸۴، سنن ابوداؤد: ۸۵۶، سنن ابن ماجہ: ۱۰۶۰، مسند احمد: ۹۳۵۲)

غور فرمایئے! اس اعرابی نے جلدی جلدی غلط طریقہ سے نماز پڑھی نہ نماز میں قراءت کی، نہ اعتدال سے رکوع وسجدہ کیا، نہ اعتدال سے قومہ اور جلسہ کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اس غلط طریقہ سے نماز پڑھنے پر سکوت نہیں فرمایا بلکہ بار بار اسے نماز دوبارہ، سہ بارہ پڑھنے کا حکم دیا اور جب اس نے ہر بار اسی طرح غلط طریقہ سے نماز پڑھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت نہیں فرمایا بلکہ اس کی اصلاح فرمائی اور اس کو صحیح طریقہ سے نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا اور یہی منصب رسالت ہے۔

(۳) نیز امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن ابی قتادہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں: جس وقت ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے چلنے کی آوازیں سنی، جب آپ نے نماز پڑھا دی تو آپ نے فرمایا: تم لوگوں کو کیا ہوا تھا؟ تو انہوں نے بتایا کہ ہم نماز میں شریک ہونے کے لیے جلدی جلدی چل کر آ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: تم ایسا نہ کرو بلکہ تم نماز کے لیے آؤ تو تم پر لازم ہے کہ تم سکون اور اطمینان کے ساتھ چلتے ہوئے آؤ، جتنی نماز تم کو مل جائے اس میں شامل ہو جاؤ اور جتنی نماز تم سے رہ جائے اس کو پورا کر لو۔ (صحیح البخاری: ۶۳۵ صحیح مسلم: ۶۰۲، مسند احمد: ۲۲۱۰۲، سنن دارمی: ۱۲۸۳)

دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا: تم نماز میں شامل ہونے کے لیے دوڑتے ہوئے نہ آؤ، جتنی نماز تم کو مل جائے تم پڑھ لو اور جتنی رہ جائے اس کو بعد میں مکمل کر لو۔

(صحیح البخاری: ۶۳۶، ۹۰۸، صحیح مسلم: ۶۰۲، سنن ترمذی: ۳۲۷، سنن نسائی: ۶۸۱، سنن ابوداؤد: ۵۷۲، سنن ابن ماجہ: ۷۷۵، مسند احمد: ۱۰۵۱۲، موطا امام مالک: ۱۵۲، سنن دارمی: ۱۲۸۲)

دیکھئے! اصحابہ نماز میں جلدی شامل ہونے کے شوق میں مسجد کی طرف آتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر سکوت نہیں فرمایا بلکہ ان کو مسجد میں آنے کے لیے صحیح طریقہ کی تعلیم دی کہ تم دوڑتے ہوئے نماز کے لیے نہ آیا کرو بلکہ اطمینان سے چلتے ہوئے نماز کے لیے آؤ۔

(۴) نیز امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مالک ابن بحینہ رضی اللہ عنہ سے ایک سند سے روایت کرتے ہیں، پھر دوسری سند کے ساتھ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد کو دیکھا کہ جماعت قائم ہو چکی تھی اور وہ شخص فجر کی دو رکعت سنتیں پڑھ رہا تھا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں نے آپ کا احاطہ کر لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے پوچھا: کیا صبح کی نماز چار رکعتیں ہیں، پھر پوچھا: کیا صبح کی نماز چار رکعتیں ہیں؟ (یعنی جب، جماعت کھڑی ہو جائے تو سوا فرض کے اور کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے) امام بخاری نے اس حدیث کا یہ عنوان قائم کیا ہے کہ جب نماز کی اقامت ہو جائے تو سوا فرض کے اور کوئی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ (صحیح البخاری: ۶۶۳، صحیح مسلم: ۷۱۱، سنن ابن ماجہ: ۱۱۵۳، مسند احمد: ۲۲۴۱۳، سنن دارمی: ۱۴۴۹)

دیکھئے! جو شخص غلط طریقہ سے صبح کی جماعت کھڑی ہونے کے بعد سنتِ فجر پڑھ رہا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر سکوت نہیں فرمایا بلکہ اس پر رد کرتے ہوئے فرمایا: کیا صبح کی نماز چار رکعت ہے؟ کیا صبح کی نماز چار رکعت ہے؟ اور یہی منصب رسالت ہے کہ کسی شخص کے غلط کام اور غلط بات پر سکوت نہ کیا جائے بلکہ اس کی اصلاح کی جائے اور اس کو صحیح طریقہ بتایا جائے۔

(۵) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ جماعت میں شامل ہونے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پہنچے تو وہ صف تک واصل ہونے سے پہلے رکوع میں چلے گئے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نماز میں تمہاری حرص کو زیادہ کرے دوبارہ ایسا نہ کرنا۔

(صحیح البخاری: ۷۸۳، صحیح مسلم: ۷۱۸، سنن ابوداؤد: ۶۸۲، مسند احمد: ۱۹۸۹۲)

(۶) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ کے ہاں رات گزاری اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہیں پر قیام فرماتے تھے۔ آپ نے وضو فرمایا، پھر آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے اور میں آپ کے بائیں جانب کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے پکڑ کر دائیں جانب کھڑا کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۱۱۷، ۱۳۸، ۱۸۳، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۲۶، ۷۲۸، ۷۵۹، ۹۹۲، ۱۱۹۸، ۴۵۶۹، ۴۵۷۰، ۴۵۷۱، ۴۵۷۲، ۵۹۱۹، ۶۲۱۵، ۶۳۱۶، ۷۴۵۲، سنن ابوداؤد: ۱۳۵۷، مسند احمد: ۳۱۵۹، سنن دارمی: ۱۲۵۵)

غور فرمایئے! حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما غلط طریقہ سے نماز میں شامل ہوئے اور امام کی دائیں طرف کھڑے ہونے کی بجائے بائیں طرف کھڑے ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے اس غلط طریقہ پر سکوت نہیں فرمایا بلکہ حالتِ نماز میں ان کی اصلاح فرمائی اور ان کو اپنے پیچھے سے لا کر بائیں جانب کھڑا کر دیا اور یہی منصبِ رسالت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی غلط کام پر سکوت نہیں فرماتے بلکہ فوراً اس کی اصلاح فرما دیتے ہیں۔

(۷) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی سند کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی آدمی اس سے نہیں ڈرتا کہ وہ امام سے پہلے اپنا سر اٹھائے کہ اللہ تعالیٰ اس کا سر گدھے کا سر بنا دے، یا اس کی صورت گدھے کی بنا دے۔

(صحیح البخاری: ۶۹۱، صحیح مسلم: ۴۲۷، سنن ترمذی: ۵۸۲، سنن نسائی: ۸۲۸، سنن ابوداؤد: ۶۲۳، سنن ابن ماجہ: ۹۶۱، مسند احمد: ۱۰۱۶۸، سنن دارمی: ۱۳۱۶)

دیکھیے! جو نمازی نماز میں امام پر رکوع اور سجود میں سبقت کرتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر سکوت نہیں فرمایا بلکہ نماز میں امام پر سبقت کرنے والوں کے متعلق سخت وعید فرمائی اور یہی منصبِ رسالت ہے کہ کسی غلط کام پر سکوت نہ کیا جائے بلکہ اس کی اصلاح کی جائے۔

(۸) امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد نے کہا: یا رسول اللہ! میں فجر کی نماز مؤخر کر دیتا ہوں کیونکہ ہمارا امام بہت لمبی نماز پڑھاتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنے غضب میں کبھی نہیں دیکھا جتنے غضب میں اس دن آپ تھے، آپ نے فرمایا: اے لوگو! تم میں سے بعض لوگ نمازیوں کو متنفر کرتے ہیں، پس تم میں سے جو شخص لوگوں کا امام بنے تو وہ اختصار کے ساتھ نماز پڑھائے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور بھی ہوتے ہیں، بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور کام کاج والے بھی ہوتے ہیں۔

(صحیح البخاری: ۷۰۴، صحیح مسلم: ۴۶۷، سنن ترمذی: ۲۳۶، سنن نسائی: ۸۲۳، سنن ابوداؤد: ۷۹۴، مسند احمد: ۴۴۰، موطا امام مالک: ۳۰۳)

غور فرمایئے! جو ائمہ نمازیوں کو لمبی نمازیں پڑھاتے تھے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس غلط روش پر سکوت نہیں فرمایا بلکہ ان کو ملامت کی اور ان کی اصلاح فرمائی، اور یہی منصبِ رسالت ہے اور فرائض نبوت میں سے ہے۔

(۹) امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! بے شک میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ میں کسی شخص کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر وہ لکڑیاں جمع کرے، پھر میں نماز کا حکم دوں، پس نماز کے لیے اذان دی جائے، پھر میں کسی شخص کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے، پھر میں ان لوگوں کا پیچھا کروں (جو جماعت میں شریک نہیں ہوئے) تو میں ان لوگوں کے گھروں میں آگ لگا دوں! اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے! اگر ان لوگوں کو یہ پتا چل جائے کہ ان کو گوشت سے بھری ہوئی ایک ہڈی یا بکری کے دو پائے مل جائیں گے تو وہ ضرور عشاء کی نماز پڑھنے کے لیے حاضر ہو گا۔

(صحیح البخاری: ۶۴۴، ۶۵۷، ۲۴۲۰، ۷۲۲۴، صحیح مسلم: ۶۵۱، سنن ترمذی: ۲۱۷، سنن نسائی: ۸۴۸، سنن ابوداؤد: ۵۴۸، سنن ابن ماجہ: ۷۹۱، مسند

احمد ۷۳۸۶، موطا امام مالک: ۲۹۲، سنن دارمی: ۱۲۷۴)

غور فرمایئے! جو لوگ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں سستی کرتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اس غلط روش پر سکوت نہیں فرمایا بلکہ ان کو سختی کے ساتھ سرزنش فرمائی اور یہی فریضۂ نبوت اور منصب رسالت ہے اور یہی اللہ عزوجل کے حکم پر عمل اور اس کی اطاعت ہے۔

ایک اور سند کے ساتھ امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ منافقین پر اور کوئی نماز بھاری نہیں ہے، اور اگر ان کو معلوم ہو جائے کہ ان نمازوں میں کتنا اجر ہے تو یہ ان نمازوں کو پڑھنے کے لیے ضرور آئیں گے خواہ گھسٹتے ہوئے آئیں اور بے شک میں نے ارادہ کیا ہے کہ میں مؤذن کو نماز کی اقامت پڑھنے کا حکم دوں، پھر آگ کا ایک شعلہ لے کر ان لوگوں کے گھروں میں آگ لگا دوں جو ابھی تک نماز پڑھنے نہیں آئے۔ (صحیح البخاری: ۶۵۷)

(۱۰) امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار ہو گئے اور آپ کا مرض بہت شدید ہو گیا تو آپ نے فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ابوبکر بہت نرم دل ہیں، جب وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکیں گے، آپ نے فرمایا: ابوبکر سے کہو: وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھر اپنی بات دہرائی، تو آپ نے فرمایا: ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، پس بے شک تم تو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی عورتوں کی طرح ہو، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قاصد آیا، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں نمازیں پڑھائیں۔ (صحیح البخاری: ۶۷۸، ۳۳۸۵، صحیح مسلم: ۴۲۰، مسند احمد: ۱۹۴۰۱)

غور فرمایئے! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نرم دلی کے پیش نظر یہ مشورہ دیا تھا کہ آپ حضرت ابوبکر کی جگہ کسی اور کو نماز پڑھانے کا حکم دے دیں، لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک یہ مشورہ صحیح نہیں تھا، اس لیے آپ نے اس مشورہ کو قبول نہیں فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک جو بات درست نہیں ہوتی تھی، آپ اس کو مسترد فرما دیتے تھے خواہ وہ بات کسی نے بھی کہی ہو اور یہی فریضۂ نبوت و منصب رسالت ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو بے محل طلاق دی ہو اور وہ طلاق ان کی بیوی پر واقع نہ ہوئی ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غلط اقدام پر سکوت فرما لیا ہو، اور اس غلط بات کو مقرر اور ثابت رکھا ہو، لہٰذا شیخ شوکانی کا اپنے باطل مذہب کو ثابت کرنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک عمل کو منصب رسالت کے منافی قرار دینا قطعاً باطل اور مردود ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ

تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر شیخ محمد صدیق حسن خان غیر مقلد کے دلائل

شیخ محمد صدیق خان بن حسن بھوپالی غیر مقلد متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی سے کہا: تم کو تین طلاقیں ہیں، تو امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، سلف اور خلف میں سے

جمہور علماء نے کہا ہے کہ یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ اور طاؤس بن کیسان الیمانی المتوفی ۱۰۶ھ اور بعض اہل ظاہر (غیر مقلدین) نے کہا ہے کہ ان تین طلاقوں میں سے صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور الحجاج بن ارطاۃ اور محمد بن اسحاق متوفی ۲۳۸ھ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ اور ابن مقاتل کا بھی یہی قول ہے۔

(السراج الوہاج فی کشف مطالب مسلم بن الحجاج ج ۳ ص ۴۳۷، دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان ۱۴۲۵ھ)

شیخ صدیق حسن خان بھوپالی کے استدلال کا مدار طاؤس کی روایت پر ہے اور ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ کے دس شاگردوں میں سے صرف طاؤس بن کیسان اس روایت میں منفرد ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے باقی شاگردوں نے طاؤس کی مخالفت کی ہے بلکہ خود طاؤس کی ایک روایت بھی اس کے خلاف ہے، طاؤس کی اس روایت پر شیخ ابن حزم ظاہری نے جو تبصرہ کیا ہے ہم اس کو سطور ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق

طاؤس کی روایت پر شیخ ابن حزم ظاہری کا تبصرہ

شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

رہی طاؤس کی حدیث، از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، کہ تین طلاقیں ایک طلاق کی طرف لوٹائی جاتی ہیں، سو یہ روایت کچھ بھی نہیں، یعنی بالکل لغو ہے اور یہ ثابت نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا ہو، اور نہ یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روایت کو مقرر رکھا ہے اور حجت اور دلیل صرف اس سے ہوتی ہے کہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہو یا آپ کا فعل ہو، یا آپ کو کسی چیز کا علم ہو اور آپ نے اس کا انکار نہ فرمایا ہو۔

اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ متوفی ۳۴ھ بیان کرتے ہیں کہ میرے دادا نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دیں، تو میرے والد نے اس مسئلہ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، کہ میرے باپ نے میری ماں کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں۔ کیا ان کے لیے اس سے نجات کی کوئی صورت ہے؟ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تمہارے دادا کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں تھا؟، اس نے جو تین طلاقیں دی ہیں وہ واقع ہو گئیں، رہیں ۹۹۷ طلاقیں تو وہ ظلم اور زیادتی ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو ان پر عذاب دے گا اور اگر چاہے گا تو اس کو معاف کر دے گا۔ (المحلی بالآثار ج ۹ ص ۳۹۲-۳۹۱، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۵ھ)

شیخ ابن حزم ظاہری کی مذکور الصدر عبارت سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ طاؤس کی روایت باطل ہے جس پر غیر مقلدین کے مذہب کا مدار ہے، اور دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تینوں طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور یہی جمہور علماء اہل سنت کا مذہب مہذب ہے۔

عوام میں غیر مقلدین کا تین طلاقوں کے پیش آمدہ مسائل میں قرآن وسنت کو چھوڑ کر اپنے مولویوں کے فتووں پر عمل کرنا

عوام غیر مقلدین جب غصہ میں آ کر اپنی بیویوں کو تین طلاقیں دے دیتے ہیں، پھر وہ اپنے غیر مقلد مفتیوں کے پاس جا کر اس مسئلہ کا حل معلوم کرتے ہیں حالانکہ ان کو خوب معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقوں کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں ہوتی، اور قرآن وسنت کے واضح ارشادات پر ان کو وثوق ہوتا ہے، علماء اہل سنت ان کو قرآن مجید کی صریح آیات اور احادیث سے ہدایات دیتے ہیں لیکن

وہ اپنے غیر مقلد مفتیوں کے فتاویٰ کو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی نصوص صریحہ پر ترجیح دیتے ہیں اور اس آیت کریمہ کا مصداق قرار پاتے ہیں:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور پیروں کو خدا بنالیا ہے۔

(التوبہ:۳۱)

ابو محمد عبدالحق بن عطیہ الاندلسی المالکی المتوفی ۵۴۱ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ متوفی ۶۷ھ نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت میرے گلے میں سونے کی صلیب تھی، آپ نے فرمایا: اے عدی! اس صلیب کو اپنے گلے سے اتار کر پھینک دو، پھر میں نے سنا کہ آپ یہ آیت تلاوت فرمارہے تھے:

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور پیروں کو خدا بنالیا ہے۔

(التوبہ:۳۱)

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ کیسے ہوسکتا ہے، ہم ان علماء اور پیروں کی عبادت تو نہیں کرتے؟ آپ نے پوچھا: کیا ایسا نہیں ہے کہ جس کام کو تمہارے علماء حلال کہتے ہیں تم اس کام کو حلال قرار دیتے ہو، اور جس کام کو تمہارے علماء حرام کہتے ہیں تم اس کام کو حرام قرار دیتے ہو؟ میں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: سو یہی اس آیت کا مصداق ہے۔

(المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز ص ۸۳۹، دار ابن حزم بیروت، لبنان ۱۴۲۳ھ)

الامام ابوالفرج عبدالرحمن بن علی بن محمد الجوزی الحنبلی المتوفی ۵۹۷ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا: یہ لوگ (اہل کتاب) اپنے علماء کی عبادت تو نہیں کرتے لیکن جب ان کے علماء (اپنی ذاتی خواہش سے) کسی کام کو حلال کہیں تو یہ اس کو حلال قرار دیتے ہیں اور جب ان کے علماء (اپنی ذاتی خواہش سے) کسی کام کو حرام کہیں تو یہ اس کو حرام قرار دیتے ہیں، اس اعتبار سے انہوں نے اپنے علماء کو اپنے رب کی مثل قرار دے دیا ہے اگرچہ وہ ان کو زبان سے اپنا رب نہیں کہتے۔

(زاد المسیر فی علم التفسیر ص ۵۷۸، دار ابن حزم بیروت، ۱۴۲۳ھ، تفسیر الطبری ج ۱۴ ص ۲۰۲، الدرالمنثور ج ۴ ص ۲۲۹، سنن الترمذی ج ۲ ص ۱۳۶)

ابوالقاسم جاراللہ محمود بن عمر زمخشری الخوارزمی الحنفی المتوفی ۵۳۸ھ، اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اس آیت کا معنی یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اپنے علماء کی اطاعت کرتے ہیں اور جس کام کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو یہ حلال قرار دیتے ہیں، اور جس کام کو اللہ تعالیٰ نے حلال فرمایا ہے اس کو یہ حرام قرار دیتے ہیں، دراصل یہ لوگ شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسوں کی پیروی کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ (سبا:۴۱) بلکہ یہ جنات کی عبادت کرتے ہیں۔

نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آزر سے کہا:

يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ اے میرے (عرفی) باپ! آپ شیطان کی پیروی نہ کریں، بے

عَصِیًّا (مریم:۴۴) شک شیطان، رحمٰن کا نافرمان ہےO

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ متوفی ۶۷ھ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا اور اس وقت میرے گلے میں سونے کی صلیب تھی، تو آپ نے فرمایا: کیا یہ لوگ ان کاموں کو حرام نہیں کرتے جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے؟ سو تم بھی ان کاموں کو حلال کرتے ہو، کیا یہ لوگ ان کاموں کو حلال نہیں کرتے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے؟ سو تم بھی ان کاموں کو حلال کرتے ہو، میں نے کہا: کیوں نہیں، آپ نے فرمایا: یہی ان لوگوں کی عبادت کرنا ہے۔ (سنن ترمذی کتاب التفسیر:۳۰۹۵)

حضرت فضیل بن النعمان انصاری رضی اللہ عنہ متوفی ۷ھ بیان کرتے ہیں کہ میں اس کی پرواہ نہیں کرتا کہ میں معصیت میں کسی مخلوق کی اطاعت کروں، یا غیر قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھوں، اور رہے حضرت مسیح علیہ السلام، تو جب لوگوں نے ان کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا، تو لوگوں نے ان کی عبادت کو حلال قرار دیا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ (الزخرف:۸۱) آپ کہیے کہ اگر رحمٰن کا بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتاO

وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ (التوبہ:۳۱) حالانکہ ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ یہ صرف ایک خدا کی عبادت کریں

اور انجیل میں یہ تصریح ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا: جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کیا، تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام فرمادے گا، اس کے بعد فرمایا: سبحانہ عما یشرکون، اور وہ ان کے خود ساختہ خدا سے پاک ہے۔

اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جو لوگ اپنے علماء اور اپنے پیروں کو اپنا رب قرار دیتے ہیں ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا رب نہ مانیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کریں، کیونکہ یہ لوگ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تکذیب کرتے ہیں اور اس کو باطل کہتے ہیں، اور وہ نورِ عظیم جو تمام آفاق میں پھیلا ہوا ہے اس کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اس نور کو زیادہ سے زیادہ بڑھانے اور روشن کرنے کا ارادہ فرماتا ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (التوبہ:۳۲-۳۳)

وہ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں، اور اللہ اپنے نور کو مکمل کیے بغیر راضی نہیں ہوگا خواہ کافروں کو ناگوار ہوO وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو ہر دین پر غالب کردے خواہ وہ مشرکین کو ناگوار ہوO

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے لائے ہوئے دین کو تمام ادیان سابقہ پر غالب فرمادے۔

(تفسیر الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ التاویل ص ۴۳۱-۴۳۰، دار المعرفہ بیروت، لبنان ۱۴۳۰ھ)

۳۰- بَابُ: التَّلَاعُنِ فِي الْمَسْجِدِ مسجد میں میاں بیوی کا ایک دوسرے پر لعنت کرنا

باب مذکور کے عنوان کی شرح

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسجد میں (کسی خاص وجہ سے) میاں بیوی کا ایک دوسرے پر لعنت کرنا جائز ہے۔

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر شافعی سے مناقشہ

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس باب سے فقہاء احناف کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے، کیونکہ فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ لعان کا مسجد میں ہونا متعین نہیں ہے، بلکہ لعان امام اور سربراہ ملک کے سامنے ہونا چاہیے، خواہ وہ کہیں پر بھی ہو۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۲، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

علامہ محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ھ حافظ ابن حجر عسقلانی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ امام بخاری نے یہ باب فقط اس لیے قائم کیا ہے کہ لعان صرف مسجد میں ہونا چاہیے، حالانکہ واقعہ اس طرح نہیں ہے، بلکہ اس باب میں صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسجد میں لعان کیا گیا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسجد لعان کے لیے متعین ہو، اسی وجہ سے حافظ ابن حجر عسقلانی کے استاذ ابو حفص عمر بن علی الشافعی متوفی ۸۰۴ھ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ تلاعن جامع مسجد میں ہوا، اور امام بخاری نے یہی اس حدیث کا عنوان قائم کیا ہے۔ اور فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ لعان عصر کے بعد ہونا چاہیے خواہ کسی وقت ہو، اور جامع مسجد میں ہونا زیادہ بہتر ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲ ص ۴۶۷، قطر) (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتقاض الاعتراض میں، فتح الباری ج ۶ ص ۱۲ے میں مذکور اپنی عبارت کو دہرادیا ہے اور اس کے بعد علامہ عینی کا اعتراض ذکر کیا ہے مگر اس کا کوئی جواب نہیں لکھا۔ (انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی ج ۲ ص ۳۰۹، شرکۃ الریاض، ۱۴۱۸ھ)

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے باہمی مناقشہ میں مصنف کا محاکمہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتقاض الاعتراض کے نام سے دو جلدوں پر مشتمل یہ کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے اپنی دانست کے مطابق علامہ عینی کے اعتراضات کے جوابات لکھے ہیں، لیکن میں نے جس قدر اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے، تو اکثر مقامات پر انہوں نے علامہ عینی کے اعتراضات نقل تو کیے ہیں مگر ہر جگہ علامہ عینی کے اعتراضات کا جواب نہیں لکھا، اس کے باوجود انہوں نے درشت کلامی سے بھی کام لیا ہے اور علامہ عینی کو علم حدیث سے نابلد قرار دیا ہے، حالانکہ وہ بعض مقامات پر خود علم صرف، علم نحو اور علم لغت میں علامہ عینی سے پیچھے نظر آتے ہیں، اور علامہ عینی کے اعتراضات کے جواب میں عاجز اور بے بس دکھائی دیتے ہیں۔

علامہ ابو الحسن علی بن خلف ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ صحیح البخاری: ۵۳۰۹، کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابن شہاب الزہری المتوفی ۱۵۲ھ نے کہا ہے کہ حضرت عویمر اور ان کی بیوی کے باہمی لعان کے بعد لعان کرنے والوں کے درمیان یہ طریقہ مقرر ہو گیا کہ جو عورت حاملہ ہو تو اس کی اولاد کی اس عورت کی طرف نسبت کی جائے گی، پھر اس کی وراثت میں یہ طریقہ جاری ہو گیا کہ وہ عورت اپنی اولاد کی وارثہ ہو گی، اور وہ اولاد اس عورت کی وارث ہو گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وراثت کے احکام مقرر فرمائے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس عورت کے ہاں سرخ رنگ کا پستہ قد لڑکا پیدا ہوا تو میرا گمان ہے کہ یہ عورت سچی ہے، اور اس کے خاوند نے اس پر جھوٹی تہمت باندھی ہے اور اگر اس کے ہاں سیاہ آنکھوں والا، بھاری سرین والا لڑکا پیدا ہوا تو اس کا خاوند سچا ہے، پھر اس عورت کے ہاں اسی مکروہ صفت کا لڑکا پیدا ہوا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۸۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم المنذر النیشاپوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

ہمیں الربیع نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے خبر دی، از نافع مولیٰ ابن عمر متوفی ۱۱۷ھ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک مرد نے اپنی بیوی سے لعان کیا اور اس کے بیٹے کی اپنی ذات سے نفی کی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی اور اس لڑکے کو اس کی بیوی کے ساتھ ملا دیا۔ (صحیح البخاری: ۵۳۱۵، صحیح مسلم: ۱۴۹۴)

نیز وہ لکھتے ہیں کہ: ہمیں الربیع نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں امام شافعی نے خبر دی، انہوں نے کہا میں نے سفیان بن عیینہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ ہمیں عمرو بن دینار نے خبر دی، از سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ، از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں سے فرمایا: تم دونوں کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، تمہارے لیے اس عورت پر کوئی سبیل نہیں ہے، اس مرد نے پوچھا: یا رسول اللہ! میرے مال کا کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: تمہارے لیے کوئی مال نہیں ہے، اگر تم سچے ہو تو تم نے اس عورت کے فرج کو جو حلال کیا تھا وہی مال اس کے عوض ہے، اور اگر تم نے اس پر جھوٹ باندھا ہے تو تم اس سے بہت دور ہو۔ (صحیح البخاری: ۵۳۱۲، صحیح مسلم: ۱۴۹۳)

۳۱- بَابُ: التَّلَاعُنِ فِي الْمَسْجِدِ

مسجد میں میاں بیوی کا ایک دوسرے پر لعان کرنا

۵۳۰۹- حَدَّثَنَا يَحْيَى أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ عَنِ الْمُلَاعَنَةِ وَعَنِ السُّنَّةِ فِيهَا عَنْ حَدِيثِ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ أَخِي بَنِي سَاعِدَةَ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ جَاءَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا أَيَقْتُلُهُ أَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَأَنْزَلَ اللهُ فِي شَأْنِهِ مَا ذُكِرَ فِي الْقُرْآنِ مِنْ أَمْرِ الْمُتَلَاعِنَيْنِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم قَدْ قَضَى اللهُ فِيكَ وَفِي امْرَأَتِكَ قَالَ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ وَأَنَا شَاهِدٌ فَلَمَّا فَرَغَا قَالَ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُولَ اللهِ إِنْ أَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا قَبْلَ أَنْ يَأْمُرَهُ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم حِينَ فَرَغَا

ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الرزاق نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا: مجھے ابن شہاب نے ملاعنہ کے متعلق خبر دی۔ اور اس میں جو سنت ہے اس کے متعلق خبر دی از حدیث حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ جو بنو ساعدہ کے بھائی ہیں، کہ انصار کے ایک مرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، پس انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ؟ مجھے یہ بتائیے کہ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے آیا وہ اس کو قتل کر دے یا پھر وہ کیا کرے؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق اس کا ذکر کیا جو قرآن مجید میں ایک دوسرے پر لعنت کرنے کے متعلق حکم آیا ہے۔ پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق اور تمہاری بیوی کے متعلق حکم نازل

مِنَ التَّلَاعُنِ فَفَارَقَهَا عِنْدَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ ذَاكَ تَفْرِيقٌ بَيْنَ كُلِّ مُتَلَاعِنَيْنِ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ قَالَ ابْنُ شِهَابٍ فَكَانَتِ السُّنَّةُ بَعْدَهُمَا أَنْ يُفَرَّقَ بَيْنَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ وَكَانَتْ حَامِلًا وَكَانَ ابْنُهَا يُدْعَى لِأُمِّهِ قَالَ ثُمَّ جَرَتِ السُّنَّةُ فِي مِيرَاثِهَا أَنَّهَا تَرِثُهُ وَيَرِثُ مِنْهَا مَا فَرَضَ اللهُ لَهُ قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ فِي هَذَا الْحَدِيثِ إِنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ إِنْ جَاءَتْ بِهِ أَحْمَرَ قَصِيرًا كَأَنَّهُ وَحَرَةٌ فَلَا أُرَاهَا إِلَّا قَدْ صَدَقَتْ وَكَذَبَ عَلَيْهَا وَإِنْ جَاءَتْ بِهِ أَسْوَدَ أَعْيَنَ ذَا أَلْيَتَيْنِ فَلَا أُرَاهُ إِلَّا قَدْ صَدَقَ عَلَيْهَا فَجَاءَتْ بِهِ عَلَى الْمَكْرُوهِ مِنْ ذَلِكَ۔

فرمادیا: حضرت سہل نے بیان کیا: پھر ان دونوں نے مسجد میں ایک دوسرے پر لعنت کی اور میں اس کا گواہ ہوں، جب وہ دونوں ایک دوسرے پر لعنت کرنے سے فارغ ہو گئے تو مرد نے کہا: یا رسول اللہ؟ اگر اب میں نے اس عورت کو اپنے پاس رکھا تو پھر تو میں اس پر جھوٹ باندھنے والا ہوں گا، سو اس مرد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے اس کو تین طلاقیں دے دیں، جب وہ دونوں ایک دوسرے پر لعنت کرنے سے فارغ ہو گئے تو اس مرد نے عورت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے علیحدگی اختیار کر لی، پس کہا: اب دو لعنت کرنے والوں کے درمیان یہی طریقہ ہے اور سنت ہے، ابن جریج نے کہا: ابن شہاب نے کہا: پس یہی سنت ہے ان دونوں کے بعد کہ ایک دوسرے پر لعنت کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی جائے اور وہ عورت حاملہ تھی، اور اس کے بیٹے کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جاتی تھی، پھر عورت کی وراثت کے متعلق یہ سنت جاری ہو گئی کہ وہ عورت اس بیٹے کی وارث ہو گی اور وہ بیٹا اس عورت کا وارث ہو گا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے وراثت کے احکام فرض کیے ہیں۔ ابن جریج نے کہا: از ابن شہاب از سہل بن سعد الساعدی، انہوں نے کہا: اس حدیث میں یہ خبر ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر اس کا بیٹا سرخ رنگ کا کوتاہ قد آیا گویا کہ وہ چھپکلی کی قامت کی طرح ہے، سخت غصے والا، کھوٹا، کینہ پرور ہے، پر اگر ایسا بیٹا پیدا ہوا تو میرا گمان ہے کہ یہ عورت اپنے دعوے میں سچی ہے اور مرد نے اس پر جھوٹ بولا اور بہتان باندھا، اور اگر اس کا بیٹا سیاہ آنکھوں والا آیا، موٹی سرین والا، تو میرا گمان یہ ہے کہ مرد اس کے متعلق سچا ہے، پھر جب وہ بیٹا پیدا ہوا تو وہ اسی صفت پر تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بیٹے کی سیاہ آنکھوں والی صفت بیان فرمائی تھی۔

صحیح البخاری: ۴۲۳۵، ۴۷۴۶، ۵۲۵۹، ۵۳۰۸، ۵۳۰۹، ۶۸۵۴، ۷۱۶۵، ۷۱۶۶، ۷۳۰۴، صحیح مسلم: ۱۴۹۲، سنن نسائی: ۳۴۰۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۴۵، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۶، موطا امام مالک: ۱۲۰۱، سنن دارمی: ۲۲۲۹۔

صحیح البخاری: ۵۳۰۹ اس باب کے عنوان کی شرح

علامہ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسجد میں شوہر اور اس کی بیوی کا ایک دوسرے پر لعنت کرنا جائز ہے، جس کو اصلاحِ شرح میں لعان اور ملاعنہ کہتے ہیں۔

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابنِ حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ سے علمی مناقشہ

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ، اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری متوفی ۲۵۶ ھ نے اس باب سے فقہائے احناف کے رد کی طرف اشارہ کیا ہے، کیونکہ فقہاءِ احناف نے یہ کہا ہے کہ لعان کا مسجد میں ہونا متعین نہیں ہے بلکہ لعان امام اور سربراہِ ملک کے سامنے ہونا چاہیے، خواہ وہ لعان کسی جگہ پر ہو، مسجد میں ہو یا کہیں اور ہو۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۲، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۶ ھ)

علامہ محمود بن احمد عینی متوفی ۸۵۵ ھ، حافظ ابن حجر شافعی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر کی عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ امام بخاری نے یہ باب صرف اس لیے قائم کیا ہے کہ لعان صرف مسجد میں ہونا چاہیے حالانکہ واقعہ اس طرح نہیں ہے، اس باب میں صرف یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسجد میں لعان کیا گیا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسجد لعان کے لیے متعین ہو، اس وجہ سے حافظ ابنِ حجر عسقلانی کا اپنے استاذ ابوحفص عمر بن علی الشافعی متوفی ۸۰۴ ھ کی تقلید میں یہ کہنا کہ اس حدیث میں مذکور ہے کہ تلاعن جامع مسجد میں ہوا اور امام بخاری نے اس حدیث کا یہی عنوان قائم کیا ہے اور فقہاء کی ایک جماعت کے نزدیک مستحب یہ ہے کہ لعان عصر کے بعد ہونا چاہیے، خواہ کسی وقت ہو، تاہم جامع مسجد میں لعان کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۶۷، قطر، ۱۴۲۹ ھ)

علامہ عینی کا مناقشہ ختم ہوا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

علامہ عینی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر عسقلانی کی طرف سے جواب

حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۲، دارالمعرفہ بیروت ۱۴۲۶ ھ، میں مذکور اپنی عبارت کو دہرایا ہے، پھر علامہ عینی کے اس اعتراض کو جو عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۲ پر مذکور ہے، اس اعتراض کا ذکر کیا ہے اور کوئی جواب نہیں لکھا۔

(انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی ج ۲ ص ۳۰۹، شرکۃ الریاض، ۱۴۱۸ ھ)

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر کے مناقشہ کے درمیان مصنف کا محاکمہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے انتقاض الاعتراض کے نام سے دو جلدوں پر مشتمل یہ کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے اپنی دانست کے مطابق علامہ عینی کے اعتراضات کے جوابات لکھ دیے ہیں، لیکن میں نے جس قدر اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے، اکثر مقامات پر تو حافظ ابن حجر نے علامہ عینی کے اعتراضات کو من وعن نقل کر دیا ہے اور جواب نہیں لکھا۔ اور بعض جگہ انہوں نے علامہ عینی کے اعتراضات کے جوابات لکھے ہیں تاہم ان کے جوابات علامہ عینی کے اعتراضات کو دور نہیں کر سکے، اس کے باوجود حافظ ابن حجر

درشت کلامی سے کام لیا اور علامہ عینی کو علم حدیث سے نابلد قرار دیا، حالانکہ حافظ ابن حجر خود علمِ صرف، علم نحو اور علم لغت میں علامہ عینی کے علومِ فاضلہ کے مقابلے میں بالکل کورے اور نابلد ہیں اور علامہ عینی کے اعتراضات کے جواب میں وہ بالکل عاجز اور بے بس دکھائی دیتے ہیں۔ سعیدی غفرلہٗ

لعان کے سبب سے بچے کے نسب کی شوہر سے نفی کرنا اور بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کرنا اور ملانا

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

ہمیں الربیع بن سلیمان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے خبر دی (مسند شافعی ص ۲۵)، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ) نے خبر دی (المؤطا: ص ۴۴۵)، از نافع مولی ابن عمر متوفی ۱۱۷ھ، نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے روایت کی کہ ایک مرد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اپنی بیوی سے لعان کیا، اور اپنی بیوی کے بیٹے کی اپنے نسب سے نفی کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور بچے کو اس کی بیوی کے ساتھ لاحق کر دیا یعنی ملا دیا۔ (صحیح البخاری: ۵۳۱۵، صحیح مسلم: ۱۴۹۴)

۷۷۶۔ ہمیں الربیع نے خبر دی، انہوں نے کہا ہمیں امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے خبر دی (مسند شافعی ۲۵۸)، اور انہوں نے کہا کہ میں نے سفیان بن عیینہ سے سنا، انہوں نے کہا ہمیں عمرو بن دینار نے خبر دی، از سعید بن جبیر (متوفی ۹۵ھ) از حضرتِ ابن عمر رضی اللہ عنہما (متوفی ۷۳ھ) انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے پر لعنت کرنے والوں کے متعلق فرمایا: تمہارا حساب اللہ کے ذمہ ہے، تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے اور مرد کی عورت کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے، اس مرد نے کہا: یا رسول اللہ! میرے مال کا کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا تمہارے لیے کوئی مال نہیں ہے، اگر تم سچے ہو تو تم نے نکاح کے ذریعے جو اس کی فرج کو حلال کیا ہے تو وہ مال اس کا معاوضہ ہے، اور اگر تم جھوٹے ہو پھر تو تمہارا حق اس سے بھی بہت دور ہے۔
(صحیح البخاری: ۵۳۱۲، صحیح مسلم: ۱۴۹۳)

۷۷۷۔ ہمیں یحییٰ بن محمد بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا مجھے مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از ابن شھاب الزہری (متوفی ۱۵۲ھ) از حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ (متوفی ۸۸ھ) انہوں نے کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں دو لعنت کرنے والوں کے سامنے حاضر تھا اور اس وقت میری عمر پندرہ سال تھی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جب انہوں نے ایک دوسرے پر لعنت کی۔ (صحیح البخاری: ۶۸۵۴)

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ لعان کرنے والی کا شوہر اپنی بیوی سے مہر واپس نہیں لے سکتا، خواہ اس نے زنا کا اقرار کیا ہو اور اس پر گواہ قائم ہو چکا ہو کہ اس نے زنا کیا ہے، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو نے اس کے متعلق سچ کہا ہے تو تیرا مال اس چیز کا عوض ہے کہ تو نے اس کی فرج کو حلال کیا، اور اگر تو نے اس پر جھوٹ باندھا ہے تو پھر تو، تو اس سے دور ہے۔
اور اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ اگر تو نے اس کے متعلق سچ کہا ہے تو تیرا مال اس کی فرج کو حلال کرنے کے معاوضے میں ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ مہر صرف جماع سے واجب ہوتا ہے خلوتِ صحیحہ سے واجب نہیں ہوتا۔

علامہ ابوبکر ابن المنذر نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق واجب ہو جاتی ہے۔

اور اہلِ علم کا اس میں اختلاف ہے کہ کس وقت میں اس کی بیوی کا بستر اس سے زائل ہو گا اور ان دونوں کے درمیان تفریق واقع ہو جائے گی۔

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ ان کے درمیان تفریق اس وقت ہو جائے گی جب ان دونوں کا لعان مکمل ہوا، یعنی ان دونوں نے ایک دوسرے پر لعنت کر دی۔ یعنی مرد اور عورت دونوں ایک دوسرے پر لعنت کریں اور جب اس طرح ہو جائے گا تو ان کے درمیان تفریق واقع ہو جائے گی اور عورت مرد کے نکاح سے نکل بھی جائے گی۔

اور یہ امام مالک بن انس (متوفی ۱۷۹ھ) کا قول ہے۔ (المدونہ ج ۲ ص ۳۶۱، کتاب اللعان)

اور ابو عبید الخراسانی التوفی ۲۲۴ھ اور ابو ثور کا بھی یہی قول ہے۔ اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے بھی یہی روایت ہے اور ربیعہ بن ابو عبد الرحمٰن، اور الاوزاعی، اور عبید اللہ بن الحسن کا بھی یہی قول ہے۔

۷۷۶۲۔ ہمیں موسیٰ بن ہارون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ بن ابو حمید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں ابنِ مبارک متوفی ۱۸۱ھ نے حدیث بیان کی از ابو مودود، از زید مولیٰ قیس الہذی از عکرمہ البربری مولی ابن عباس التوفی ۱۰۵ھ، از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ انہوں نے کہا جب کوئی مرد پانچ مرتبہ اپنی بیوی پر لعنت کرے اور عورت بھی اس پر لعنت کرے تو ان میں سے ہر ایک اپنے صاحب سے بری ہو گیا۔

اور اس مسئلے میں دوسرا قول یہ ہے کہ تفریق اس وقت واقع ہوتی ہے کہ جب خاوند لعان کو مکمل کر لے، اس سے پہلے کہ اس کی بیوی لعان کرے اور اسی لعان کے ساتھ بیوی کا بستر اس کے خاوند سے زائل ہو جائے گا، اور اگر ان میں سے کوئی ایک مر گیا اور خاوند لعان مکمل کر چکا تھا تو وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ اور یہ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا قول ہے۔ (کتاب الام، ج ۵ ص ۴۱۷)

اور اس مسئلے میں تیسرا قول یہ ہے کہ اگر لعان اس طرح مکمل ہو جائے، پھر مرد مر جائے یا اس کی بیوی مر جائے، اس سے پہلے کہ قاضی یا حاکم ان کے درمیان تفریق کر دے تو ان کے درمیان وراثت تقسیم کی جائے گی۔ اور یہ مذہب فقہاء احناف کا ہے۔
(المبسوط للسرخسی، ج ۷ ص ۴۶، باب اللعان)

علامہ ابوبکر ابن المنذر نیشاپوری نے کہا: میں امام مالک اور ان کے موافقین کے مذہب کے مطابق کہتا ہوں۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو دو لعنت کرنے والے میاں بیوی کے درمیان تفریق کر دی، اس کا کیا معنیٰ ہے؟

فقہاء کی ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ان کے ایک دوسرے پر لعنت کرنے کے بعد حاکم یہ فیصلہ کرے کہ میں نے تم دونوں کے درمیان تفریق کر دی ہے اور یہ تاویل بعض اہلِ عراق کی ہے جن کا تعلق اصحابِ ابو حنیفہ سے ہے۔

اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ نبی ﷺ کا یہ ارشاد ہے کہ آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی، اس کا

مطلب یہ ہے کہ لعان ہی تفریق ہے، اور اس مرد کے متعلق یہ گواہی قائم ہوگئی ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو تین بار طلاق دے دی اور حاکم نے ان طلاقوں کو نافذ کر دیا، پس یہ جائز ہے کہ کہا جائے کہ حاکم نے ان کے درمیان تفریق کی، اور اس کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ وہ دونوں اپنے نکاح پر قائم ہیں حتیٰ کہ حاکم ان کے درمیان تفریق کر دے اور اگر ایسا ہوتا تو یہ ضروری ہوتا کہ تفریق کیلئے انہیں حاکم کے پاس ایک دن یا ایک ماہ یا ایک ہفتہ کے بعد لایا جاتا حتیٰ کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک مر جاتا تو دوسرا اس کا وارث نہ ہوتا، اسی طرح لعان میں حاکم کے علیحدہ کرنے سے تفریق واقع ہوتی ہے۔

اور ہم اس کے باقی دلائل اس کتاب میں پہلے لکھ چکے ہیں۔

علامہ ابوبکر ابن المنذر النیشاپوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ نے کہا: میں بھی یہی کہتا ہوں اور فقہاء کا اس پر ذمہ ہے کہ لعان کرنے والے کی زوجہ اپنے خاوند پر لعان کے بعد حلال نہیں ہوتی جب کہ خاوند اپنے نفس کی تکذیب نہ کرے اور اس میں یہ واضح دلیل ہے کہ اگر نکاح لعان سے فسخ نہ ہوتا تو العجلانی کی طلاق اس پر واقع ہو جاتی، اور وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنے کے بعد اس کے اوپر حلال ہو جاتی۔

۷۷۶۳۔ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے از نافع البربری متوفی ۱۰۵ھ از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی اور بچے کو اس کی ماں کے ساتھ ملا دیا۔ (الموطا ص ۴۴۵)

اس میں ہمارے قول پر دلیل ہے، کیونکہ جب فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ بچہ ماں کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے خواہ حاکم اس کا فیصلہ نہ کرے تو اسی طرح واجب ہے کہ دو لعنت کرنے والوں کے درمیان تفریق واقع ہو جائے خواہ حاکم اس کا فیصلہ نہ کرے۔ کیونکہ حدیث میں ان دونوں کا ذکر واحد ہے اور چونکہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ ان میں سے ایک حکم واجب ہے، سو دوسرا حکم بھی اسی طرح واجب ہوگا۔

اور اس مسئلہ میں ایک تیسرا قول ہے اور وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ بچہ اس کا شمار ہوتا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، پس جب آپ نے یہ خبر دی کہ بچہ لعان کے سبب سے باپ کے بستر سے اس کا نسب منتفی ہوگیا تو یہ اس کی دلیل ہے کہ باپ کا بستر اس سے زائل ہوگیا اور بچے کا نسب بھی زائل ہوگیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد اس پر دلیل ہے کہ تمہارے لیے اس عورت کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ ان میں تفریق ہوگئی کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ مرد کو یہ خبر دی کہ تمہارے لیے اس عورت پر کوئی سبیل نہیں ہے اور حاکم پر لازم ہے کہ وہ عورت اور مرد دونوں کو بتلائے کہ جب انہوں نے ایک دوسرے پر لعنت کر دی تو اب کبھی بھی ایک دوسرے کے ساتھ مجتمع نہیں ہوں گے جب کہ وہ دونوں اس مسئلہ سے جاہل ہوں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بتایا کہ تمہاری اپنی بیوی کے اوپر اب کوئی سبیل نہیں ہے۔ (الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، ج ۹ ص ۴۵۱-۴۵۵، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

مسجد میں شوہر اور بیوی کے ایک دوسرے پر لعنت کرنے کی حدیث کے تحت فقہاء مذاہب کی آراء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، لکھتے ہیں:

ابن شہاب الزہری المتوفی ۱۵۲ھ نے بیان کیا کہ اس کے بعد دو لعنت کرنے والوں کے درمیان یہ سنت مقرر ہوگئی کہ اگر عورت حاملہ ہو اور اس عورت کا بیٹا اپنی ماں کی طرف منسوب کیا جاتا ہو، انہوں نے کہا: پھر اس پر سنت قائم ہوگئی کہ اس عورت کی میراث اپنے

بیٹے سے ثابت ہوگی اور اس بیٹے کی وراثت اپنی ماں سے ثابت ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وراثت کے احکام مقرر فرمائے ہیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ ھ، از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا: اگر اس کا بچہ چھوٹے قد کا سرخ رنگ کا پیدا ہوا گویا کہ وہ دیوار پر چلنے والی چھپکلی کی طرح دبلا پتلا تھا تو میرا گمان یہ ہے کہ وہ عورت صادق ہے اور اس مرد نے اس کے اوپر زنا کی جھوٹی تہمت لگائی ہے اور اگر اس عورت کے ہاں بچہ سیاہ آنکھوں والا اور موٹی سرین والا ہو تو میرا گمان یہ ہے کہ مرد اس پر زنا کی تہمت لگانے میں سچا ہے اور پھر بعد میں اس عورت کے ہاں ایسا ہی بچہ پیدا ہوا جیسا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی مکروہ صفت بیان فرمائی تھی۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشا پوری الشافعی متوفی ۳۱۸ ھ نے کہا کہ لعان میں سنت یہ ہے کہ وہ مسجد میں ہونا چاہیے۔

علامہ محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ دو لعان کرنے والے مسجد میں لعان کریں، اس میں یہ دلیل ہے کہ ہر حاکم کے لیے مناسب یہ ہے جو مسلمانوں کے حکام میں سے ہو اور وہ ان میں سے کسی سے حلف لینے کا ارادہ کرے تو وہ ایک عظیم امر کے اوپر حلف لے جیسا کہ قسامت علی الدم پر حلف لیا جاتا ہے (یعنی پچاس مرد یہ قسم کھائیں کہ ہم نے اس مقتول کو قتل کیا ہے نہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں، جب پچاس مرد یہ قسم کھالیں تو وہ قصاص سے بری ہو جاتے ہیں اور دیت سے بری ہو جاتے ہیں اس کو قسامت کہتے ہیں) اور ہر اس مال پر جو زیادہ مرتبہ کا ہو اور زیادہ عظیم ہو تو ان تمام چیزوں پر جو قسم لی جاتی ہے وہ بڑی بڑی مساجد میں قسم لی جاتی ہے۔ اور اگر یہ واقعہ مدینہ منورہ میں ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس قسم لی جائے گی اور اگر یہ لعان کا واقعہ مکہ مکرمہ میں ہو تو حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان قسم لی جائے گی اور اگر لعان کا یہ واقعہ بیت المقدس کے اندر ہو تو اس کی مسجد میں قسم لی جائے گی، پھر الصخرہ میں قسم لی جائے گی، اور اگر کسی اور شہر کے اندر لعان کا واقعہ ہو تو پھر اس شہر کی جامع مسجد میں قسم لی جائے گی اور ہر اس جگہ قسم لی جائے گی جو لوگوں کے درمیان معظم سمجھی جاتی ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں مرد اور عورت کو یہ حکم دیا کہ وہ آپ کی مسجد میں لعان کریں، کیونکہ آپ کو یہ علم تھا کہ مرد اور عورت دونوں کے درمیان یہ جگہ بہت عظیم ہے تو آپ نے ارادہ فرمایا کہ ان سے ایسی جگہ پر لعان کرایا جائے جو ان کے نزدیک بہت عظیم ہو تا کہ جو جھوٹ بول رہا ہے وہ ایسی عظیم جگہ پر جھوٹ بولنے سے باز آجائے اور جھوٹی قسموں کے کھانے سے باز آجائے اور اسی طرح نیز مرد اور عورت ایک دوسرے پر عصر کی نماز کے بعد لعان کریں، کیونکہ عصر کی نماز کے بعد جھوٹی قسم کھانے پر اللہ تعالیٰ نے سخت وعید فرمائی ہے۔

اور امام محمد بن ادریس الشافعی ۲۰۴ ھ نے کہا: مسجد میں لعان کرایا جائے گا سوائے اس کے کہ عورت حائضہ ہو تو پھر وہ عورت مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر لعان کرے گی۔

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری متوفی ۳۱۰ ھ نے کہا ہے: میں یہ نہیں کہتا کہ اگر انہوں نے کسی ایسی مجلس میں لعان کیا جو ناپسندیدہ ہو یا ایسی جگہ لعان کیا جو مکروہ ہو یا کسی اور وقت میں لعان کیا تو ان کا فرض زائل ہو جائے گا یا ان کا کیا ہوا لعان فاسد ہو جائے گا، ایسا نہیں ہے۔

حدیث میں ہے کہ وہ عورت حاملہ تھی، اس مرد کے متعلق اختلاف ہے جو اپنی بیوی کے حمل کی نفی کرتا ہے، پس فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ جب وہ لعان کرے تو وہ یہ کہے کہ یہ بچہ میرے نسب سے نہیں ہے، اور میں اس حمل سے پہلے اس عورت کو بری کر چکا تھا اور اس کے بچے کا نسب اس مرد سے ساقط ہو جائے گا اور یہ امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ھ کا قول ہے۔

ابن ابی لیلیٰ نے کہا: حمل کی نفی کرنے سے لعان جائز ہے اور یہی امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کا قول ہے اور انہوں نے استبراء کی رعایت نہیں کی اور ان کا یہ زعم ہے کہ عورت خون دیکھنے کے ساتھ ہی حاملہ ہو جاتی ہے اور استبراء کے باوجود اس کی اولاد ثابت ہو جاتی ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، ثوری اور امام زفر بن ھذیل متوفی ۱۵۸ھ نے کہا ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی سے کہا کہ یہ حمل مجھ سے ثابت نہیں ہے خواہ اس نے اس عورت سے استبراء کیا ہو یا نہ کیا ہو تو وہ اس عورت پر قذف یعنی تہمت لگانے والا نہیں ہے۔ اور علامہ ابن الماجیشور کا بھی یہی قول ہے۔

اور امام ابو یوسف یعقوب ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن الشیبانی متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے: اگر وہ عورت مرد کی نفی کرنے کے چھ ماہ بعد بچے کو لے آئی تو ان کے درمیان لعان کیا جائے گا اور اگر چھ ماہ کی مدت سے زیادہ کے بعد وہ بچے کو لے کر آئی تو پھر لعان نہیں کیا جائے گا اور جو فقہاء لعان کو واجب نہیں کرتے ان کی دلیل یہ ہے کہ اس نے حمل کی نفی کی ہے اور اس کے قول کی صحت کے اوپر کوئی دلیل نہیں ہے اور لعان بغیر یقین کے ثابت نہیں ہوتا۔

اور ابن القصار مالکی نے کہا کہ امام مالک اور ان کے موافقین کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت العجلانی رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی کے درمیان لعان کرایا اور حضرت عجلانی کی بیوی بھی حاملہ تھیں، کیا تم نہیں دیکھتے کہ آپ نے فرمایا: اگر یہ ایسا بچہ لے کر آئی جس کا رنگ سرخ ہو اور اس کا قد چھوٹا ہو تو میرا گمان یہ ہے کہ وہ عورت صادق ہے اور مرد کاذب ہے اور اگر اس کا بچہ سیاہ آنکھوں والا ہو تو میرا گمان یہ ہے کہ مرد صادق ہے، عورت جھوٹی ہے، پھر وہ بچہ اس صفت پر پیدا ہوا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدہ صفت بیان فرمائی تھی، فقہاءِ کوفہ کا قول اس حدیث کے خلاف ہے، لہٰذا ان کے قول کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جائے گا۔

اور عقلی طور پر ان کا قول اس لیے فاسد ہے کہ لعان کو اس لیے خاوند کے درمیان اس معنیٰ کی وجہ سے مشروع کیا گیا ہے کہ مرد کے ساتھ ایسا بچہ نہ ملا دیا جائے جو اس کے نسب سے نہیں ہے، پس ضرورت اس بات کی داعی ہے کہ لعان ان احوال میں ثابت ہوگا اور لعان کسی مرد سے اس کے عار کو دور کرنے کیلئے مقرر کیا گیا ہے جو مرد پر اس کی بیوی کی وجہ سے عار ثابت ہوتا ہے تو اس لیے لعان کی ضرورت پیش آتی ہے۔

اور امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا زعم یہ ہے کہ اگر کسی مرد نے کسی باندی کو خرید لیا، پھر اس کو حاملہ پایا تو یہ اس باندی کے اندر عیب ہے اور اس عیب کی وجہ سے وہ اس باندی کو مسترد کر سکتا ہے، پس اگر خاوند پر واقفیت حاصل نہ ہو اور اس کا علم نہ ہو تو واجب ہے کہ اس حاملہ باندی کے خریدار کے اوپر اس کو واقف کرنا جائز نہ ہو کیونکہ اس بات کو جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ وہ باندی خریدتے وقت حاملہ تھی یا نہیں تھی (اگرچہ اس زمانے میں الٹرا ساؤنڈ کے ذریعے یہ چیز معلوم ہو سکتی ہے) اور اگر اس حمل کے جاننے کا کوئی ذریعہ ہو تو پھر اس حاملہ باندی کو واپس کرنا جائز ہوگا اور اسی طرح لعان کا مسئلہ ہے، اس میں بھی یہ جاننے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ مرد جو اپنی بیوی کے حمل کا انکار کرتا ہے تو آیا وہ اپنے اس انکار میں سچا ہے یا نہیں ہے (اگرچہ اب بھی بعض طب جدید کے طریقوں سے مرد اور عورت کی منی کے اجزاء لے کر یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ اس عورت کو جو حمل ٹھہرا ہوا ہے وہ اس مرد کی منی کے اجزاء سے ہے یا نہیں ہے جس کو جدید طب میں D.N.A کہتے ہیں، لیکن

ظاہر ہے علامہ طبری اور دوسرے فقہاء کے زمانہ میں طب اور سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی تھی، اس لیے انہوں نے اس مسئلہ میں توقف کیا)۔ علامہ ابوجعفر محمد بن جعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اگر وہ عورت سرخ رنگ کا کوتاہ قد کا بچہ لے کر آئی تو میرا گمان صرف یہ ہے کہ وہ عورت سچی ہے اور مرد اس پر زنا کی تہمت لگانے میں جھوٹا ہے اور اگر وہ عورت ایسا بچہ لے کر آئی جو سیاہ آنکھوں والا ہے تو پھر میرا گمان یہ ہے کہ مرد سچا ہے اور وہ عورت اسی صفتِ مکروہ کے موافق بچہ کو لے کر آئی۔

اس حدیث میں یہ واضح بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس سے منع کیا ہے کہ وہ اپنے گمان کے مطابق کوئی فیصلہ کریں، اور ان پر یہ لازم کیا ہے کہ وہ دلائلِ ظاہرہ کی بناء پر فیصلہ کریں اور مخفی دلائل کی بناء پر کوئی فیصلہ نہ کریں جو چیز ان کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو۔ اس لیے جو امور پوشیدہ ہوں ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دینا چاہیے اور اگر قاضی یا سلطان یا کسی اور حاکم کے پاس کوئی مقدمہ آئے تو وہ ظاہر دلیل کے بغیر فیصلہ نہ کرے کیونکہ اگر ظاہر دلیل کے بغیر فیصلہ کرنا جائز ہوتا تو اس فیصلہ کرنے کے سب سے زیادہ لائق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، کیونکہ آپ کو لوگوں کے بہ کثرت مخفی امور کا علم تھا، اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم بغیر ظاہری دلیل کے کوئی فیصلہ نہیں فرماتے تھے۔ اسی وجہ سے جب منافقین نے غزوہ تبوک میں نہ جانے کے متعلق اپنے ظاہری عذر پیش کیے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اعذار کو قبول فرما لیا، حالانکہ آپ کو علم تھا کہ یہ جھوٹے ہیں، لیکن آپ نے اپنے اس علم کے مطابق فیصلہ نہیں کیا، اور آپ نے یہی فرمایا کہ ہم تو ظاہر دلیل کے مطابق فیصلہ کریں گے اور ظاہر دلیل یہ تھی کہ انہوں نے قسمیں کھالیں اور اپنے جھوٹے عذر پیش کئے کہ وہ غزوہ تبوک میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتے۔ اسی طرح سے جو شخص اپنے ایمان اور تصدیق پر قسم کھالے تو اللہ کے حکم کے مطابق اس کے نکاح کو برقرار رکھا جائے، اس کی وراثت برقرار رکھی جائے گی اور اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، اسی طرح اور دوسرے معاملات ہیں، لہٰذا ہر حاکم پر واجب ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نمونہ کے مطابق عمل کرے اور ظاہر دلیل کے مطابق فیصلہ کرے اور اپنے گمان کے مطابق فیصلہ نہ کرے، اگرچہ اس کے نزدیک وہ آدمی اپنی قسم میں جھوٹا ہو اور اپنے فعل میں جھوٹا ہو۔

علامہ المھلب مالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے: اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ حاکم جب صریح گواہوں کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرے، پھر اس پر کسی دلیل سے منکشف ہو کہ یہ گواہی صحیح نہیں ہے تو وہ اپنے فیصلہ کو تبدیل نہیں کرے گا، کیونکہ جو چیز نص سے ثابت ہو رہی ہے اس کو منسوخ نہیں کیا جا سکتا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب وہ عورت اس بچے کو صفتِ مکروہ پر لے کر آئی تو اس کے اوپر حد نہیں لگائی گئی، اسی طرح زمعہ کی باندی سے جو بچہ پیدا ہو وہ زمعہ کے بستر پر پیدا ہوا، اور ظاہر دلیل کا تقاضا ہے کہ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، مگر بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا ہے کہ وہ بچہ عتبہ بن ابی وقاص کے چہرے کے مشابہ تھا اور عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ متوفی ۵۴ھ کو یہ وصیت کی تھی کہ یہ جو زمعہ کی باندی سے بچہ پیدا ہوا ہے یہ میرے زنا سے پیدا ہوا ہے، لہٰذا یہ میرا بیٹا ہے اور تمہارا بھتیجا ہے، تم بعد میں اس کے اوپر قبضہ کر لینا، تو فتحِ مکہ کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے، میرے بھائی نے جو زمعہ کی باندی سے زنا کیا تھا، یہ اس کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ اس کا ہوتا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، تو چونکہ یہ زمعہ کے بستر پر پیدا ہوا ہے، لہٰذا یہ زمعہ کا بیٹا قرار پائے گا، تو اس ظاہری دلیل سے ثابت ہو گیا کہ زمعہ کے بیٹے کا نسب عتبہ بن ابی وقاص سے ثابت نہیں ہے، یہ دلیلِ ظاہری کا تقاضا تھا لیکن بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ وہ لڑکا جو تھا اس میں عتبہ بن ابی وقاص کے چہرے کی جھلک تھی اور مشابہت تھی تو یہ شک ہو گیا کہ یہ زمعہ کا بیٹا

نہیں ہے، اگر چہ ظاہری دلیل کا تقاضا یہی تھا کہ الولد للفراش، کہ بچہ صاحب بستر کا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ حضرت ام المومنین سودہ بنت زمعہ سے فرمایا کہ اگر چہ یہ تمہارا بھائی ہے یعنی زمعہ کا بیٹا ہے لیکن اس میں جھلک عتبہ بن ابی وقاص کی پائی جاتی ہے، لہٰذا اشتباہ واقع ہو گیا تو تم اس سے پردہ کیا کرو، تو آپ نے حضرت سودہ کو پردہ کرنے کا حکم دیا لیکن نسب کی نفی نہیں کی، اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری دلیل اور نص کے مقابلے میں شک اور شبہ کی رعایت سے فیصلہ نہیں کیا جاتا۔ اور اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جس شخص نے جھوٹی قسم کھا کر کسی کا مال چھین لیا تو اللہ تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے گا اور اس پر ناراض ہو گا جیسا کہ حدیث میں ہے، لیکن اس سے وہ مال واپس نہیں لیا جائے گا کیونکہ وہ قسم کھا چکا ہے خواہ وہ جھوٹی ہے، تو کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب اس پر دلیل قائم ہو گئی کہ وہ عورت جھوٹی ہے اس نے قسم کھائی تھی کہ اس نے زنا نہیں کیا اور اس کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہوا جو اس کے دعوے کی نفی کرتا تھا، صفت مکروہ پر تھا تو اس میں یہ دلیل ہے کہ شک اور شبہ کی بنیاد کے او پر ظاہری دلیل کے خلاف عمل نہیں کیا جائے گا اور اگر کوئی عورت اپنی جھوٹی قسم پر قائم رہی تو آخرت میں شدید عذاب کا اس کو سامنا کرنا پڑے گا۔

اس حدیث میں ارشاد ہے کہ وہ بچہ گویا کہ ''وحرۃ'' ہے، ''وحرۃ'' اس چھپکلی کی طرح کے جانور کو کہتے ہیں جو دیواروں سے چپک کر چلتا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس کا بچہ سرخ رنگ کا ہو اور وحرہ ہو یعنی چھپکلی کی طرح دبلا پتلا ہو تو پھر وہ عورت اپنے دعوے میں سچی قرار پائے گی۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۸۲-۳۸۴، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

ہر حاکم پر لازم ہے کہ وہ کسی عظیم مسجد میں لعان کرائے

علامہ ابو حفص عمر بن علی الاحمد الانصاری الشافعی المعروف ابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۵۳۰۹ کا عنوان ہے کہ لعان میں سنت یہ ہے کہ وہ مسجد میں کیا جائے جیسا کہ اس سے پہلی حدیث میں مذکور ہے۔

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مسلمانوں کے حاکموں میں سے ہر حاکم پر یہ لازم ہے کہ جس شخص سے کسی اہم اور سنگین کام پر قسم لینے کا ارادہ کرے جیسے دین میں القسامت ہے یا کسی بہت بڑے مال پر قسم لینی ہے یا کسی بہت عظیم اور سنگین کام پر قسم لینی ہے یا کسی اور کام پر قسم لینی ہو تو یہ قسم بڑی بڑی مساجد میں لینی چاہیے، اور اگر مدینہ منورہ میں قسم لی جائے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس قسم لی جائے اور اگر مکہ مکرمہ میں قسم لی جائے تو حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان قسم لی جائے اور اگر بیت المقدس میں قسم لی جائے تو وہاں کی مسجد میں الصخرہ کی جگہ پر قسم لی جائے اور اگر کوئی اور شہر ہو تو اس شہر کی عظیم جامع مسجد میں قسم لی جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد اور عورت کو یہ حکم دیا کہ وہ آپ کی مسجد میں لعان کریں، کیونکہ آپ کو یہ علم تھا کہ یہ دونوں آپ کی مسجد کی تعظیم کو جانتے ہیں تو آپ نے یہ ارادہ کیا کہ ان میں سے اگر کوئی باطل پر ہو تو وہ اپنے موقف سے حق کی طرف رجوع کر لے اور جھوٹی قسم کھانے سے احتراز کرے اور اسی طرح یہ لعان عصر کی نماز کے بعد ہونا چاہیے کیونکہ اس وقت میں جھوٹی قسم کھانے کا بہت سخت گناہ ہوتا ہے۔

اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ مسجد میں لعان کرنا چاہیے، سوائے اس صورت کے کہ وہ عورت حائض ہو تو پھر مسجد کے دروازے پر لعان کرنا چاہیے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۲۷۶-۲۷۷)

امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ اگر مرد عورت کے درمیان کسی مجلس میں لعان کیا گیا یا کسی بھی وقت میں لعان کیا گیا تو میں یہ نہیں کہتا کہ وہ لعان کا فرق ضائع ہو جائے گا یا ان کا لعان فاسد ہو جائے گا۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۶۹)

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ اس مجلس کے علاوہ بھی لعان کرنا جائز ہے اور عبد الملک نے کہا ہے کہ لعان امام کے سامنے ہونا چاہیے۔

مصنف کہتا ہے کہ علامہ ابن ملقن نے یہ تمام عبارت علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ سے نقل کی ہے جس کا بیشتر حصہ ہم اس سے پہلے با حوالہ لکھ چکے ہیں۔

ظاہر اور صریح حکم کے مقابلے میں کسی پوشیدہ چیز کے متعلق فیصلہ دینا جائز نہیں ہے

اس حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر اس عورت کا بیٹا سرخ رنگ کا وحرۃ الخ

اس حدیث میں یہ ثبوت ہے کہ بندوں کو اپنے ظنون اور گمانوں کے مطابق فیصلہ نہیں کرنا چاہیے اور کسی تہمت کے متعلق فیصلہ نہیں کرنا چاہیے اور احکام ظاہر امور پر مبنی ہوتے ہیں نہ کہ باطنی امور پر اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر وہ حکم جو لوگوں کے خفیہ معاملات پر موقوف ہو یا جو معاملہ تمام لوگوں پر ظاہر نہ ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے تمام امور میں فیصلہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض کر دیا اور اگر کسی بادشاہ کیلئے یا کسی اور حاکم کیلئے ظاہر چیز کے خلاف فیصلہ کرنا جائز ہوتا تو سب سے زیادہ اس فیصلہ کرنے کے لائق سید الانبیاء علیہم السلام تھے، کیونکہ آپ کو بہ کثرت لوگوں کے پوشیدہ حالات کا علم تھا اور لوگوں کے ایمان اور نفاق پر بھی مطلع تھے لیکن آپ کسی شخص سے اس وقت تک مواخذہ نہیں فرماتے تھے جب تک کہ اس کا معاملہ ظاہر نہ ہو جاتا اور لوگوں پر عیاں اور بیاں نہ ہو جاتا۔ اسی طرح جب غزوہ تبوک میں منافقین نے اپنے جھوٹے عذر پیش کیے اور اپنے جھوٹے اعذار پر قسمیں کھا لیں، حالانکہ آپ کو علم تھا کہ یہ جھوٹے ہیں تو آپ نے ان کے خلاف اپنے علم کے مطابق فیصلہ نہ کیا اور جو حجت ظاہرہ تھیں وہ ان کی قسمیں تھیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر کے مطابق فیصلہ کیا جو انہوں نے اپنے کو ظاہر کیا اور انہوں نے اپنی تصدیق اور ایمان کو ظاہر کیا، اسی طرح باوجود اس کے کہ آپ کو علم تھا کہ منافق جھوٹے ہیں، جیسا کہ قرآن میں ہے:

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (المنافقون، آیت:۱)

(اے رسول مکرم!) جب آپ کے پاس منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے کہ بے شک آپ ضرور اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ بے شک منافقین ضرور جھوٹے ہیں O

اس آیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو علم ہو گیا تھا کہ منافق جھوٹے ہیں لیکن جب منافقین نے کلمہ پڑھا اور اپنے ایمان اور اسلام کو ظاہر کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے علم کے تقاضا پر عمل نہیں کیا بلکہ ظاہر پر عمل کیا اور ان کے ایمان اور اسلام کو قبول فرما لیا اور ان کے ساتھ مسلمانوں کے نکاح کو جائز قرار دیا اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی وراثت کو جائز قرار دیا اور جب وہ مر گئے تو ان کی نمازِ جنازہ آپ نے پڑھائی اور اسی طرح دیگر اسلامی شعائر کے اوپر آپ نے ظاہری دلیل کے اوپر عمل فرمایا۔ اور اسی طرح ہر مقتدر بادشاہ اور قاضی پر واجب ہے کہ وہ اپنی رعایا کے متعلق اسی طرح عمل کرے جس طرح شارع علیہ السلام نے عمل کیا ہے۔ تو جو شخص اپنے ظاہر قول

اور فعل سے جس کو ظاہر کرے اسی پر عمل کرنا لازم ہے اور حاکم یا بادشاہ پر اپنے گمان کے مطابق یا ان پر لگائی ہوئی تہمت کے مطابق فیصلہ کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس کا گمان غلط ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا گمان باطل ہو۔

جھوٹی قسم پر عمل کرنا جائز نہیں ہے

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص نے کسی مسلمان کے حقوق کو جھوٹی قسم کھا کر سلب کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس جھوٹی قسم کھانے والے پر ناراض ہوگا اور اس پر لعنت فرمائے گا جیسا کہ حدیث میں ہے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب لعان کرنے والی عورت کی جھوٹی قسم پر دلیل قائم ہوگئی کیونکہ اس کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہوگیا جو اس کے جھوٹی ہونے پر دلالت کرتا تھا اور اس سے اس عورت کا پردہ چاک ہوگیا اور وہ دنیا میں اپنی قوم کے سامنے رسوا ہوگئی اور بھاگ گئی، یہ دنیا میں اس کی سزا تھی تو آخرت میں اس کی سزا کا کیا حال ہوگا۔

''وحرۃ'' کے لغوی معنی

اس حدیث میں ''وحرۃ'' کا لفظ ہے اور ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ سرخ چھپکلی ہوتی ہے جو دیواروں پر چڑھتی ہے جیسے سام ابرص ہوتا ہے جو زمین کے اوپر چپکا ہوا چلتا ہے۔ علامہ ابن فارس نے کہا کہ یہ وہ جانور ہے جو گوشت پر چڑھتا ہے اور گوشت کو خراب کر دیتا ہے یعنی اس کو بدبودار کر دیتا ہے اور وہ گوشت سڑ جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے ''وحر الصدر'' کا معنی ہے: اس کے دل میں کینہ اور حسد ہے، اس کو اس چیز کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو زمین پر وحرۃ کی طرح چلتا ہے۔

(مجمل اللغت ج ۲ ص ۹۱۸، تاج العروس، ج ۷ ص ۵۸۶)۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۷-۴۶ ملخصاً، وزارۃ الاوقاف قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری ۵۳۰۹ سے متعلق فوائد اور مسائل

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ علامتوں اور نشانیوں پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا تھا کہ ایک عورت کا بچہ اس صفت پر ہوا تو وہ سچی ہے اور اگر اس صفت پر ہوا تو وہ جھوٹی ہے اور اس میں علامتوں پر عمل کرنے کی دلیل ہے۔

نیز اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب کوئی حکم ثابت ہو جائے تو اس حکم کو ان نشانیوں کی وجہ سے نہیں توڑا جائے گا جو نشانیاں اس حکم کے جھوٹے ہونے پر دلالت کریں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لعان کو نہیں توڑا، کیونکہ اگر آپ اس لعان کو توڑتے تو اس عورت کے اوپر زنا کی حد لگائی جاتی، بلکہ آپ نے اس عورت کو اس کے حال پر باقی رکھا اور دوسری حدیث میں آپ کا یہ ارشاد ہے کہ اگر کتاب اللہ کا حکم نہ ہوتا تو میرے لیے اس عورت کے متعلق ایک سنگین فیصلہ ہوتا۔ (صحیح البخاری: ۴۷۴۷)

اور اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ اگر حاکم کے فیصلہ کے بعد مال کے گواہ اپنی گواہی سے رجوع کر لیں تو حاکم کا فیصلہ بدلا نہیں جائے گا، لیکن ان گواہوں کے اوپر تاوان لازم ہوگا، کیونکہ انہوں نے اپنی جھوٹی گواہی سے صاحب حق کا حق ضائع کر دیا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۸۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

مباحث مذکورہ میں فقہاء احناف کا موقف

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ صحیح البخاری ۵۳۰۹ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جو عورت حاملہ ہو تو اس پر بھی لعان کرانا جائز ہے، ابن ابی لیلیٰ، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام ابو عبید الہروی التوفی ۲۲۷ھ، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی متوفی ۱۸۳ھ کا یہی مذہب ہے اور ایک روایت میں ہے کہ ان فقہاء نے کہا کہ جس مرد نے اپنی بیوی کے حمل کی اپنے نسب کی نفی کی تو اس شخص اور اس کی بیوی کے درمیان قاضی لعان کرے گا اور اس کے بچے کو اس کی ماں کے ساتھ ملا دے گا۔ اور سفیان بن سعید بن مسروق ثوری متوفی ۱۶۱ھ، اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، کا مذہب اور اسی طرح ابن الماجشون المالکی کا مذہب اور امام زفر بن الہذیل التوفی ۱۵۸ھ نے یہ کہا ہے کہ کسی عورت کے حمل کی وجہ سے اس سے لعان نہیں کرایا جائے گا اور انہوں نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ لعان اس وجہ سے تھا کہ اس عورت کے خاوند نے اس پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور یہ لعان اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ عورت حاملہ تھی اور مرد نے اس عورت کے حمل سے اپنی نفی کی تھی۔

جس عورت کے اوپر لعان کیا گیا ہو تو اس کے متعلق علماء کا اجماع ہے کہ اس عورت اور اس کے بچے کے درمیان وراثت جاری ہوگی اور اس بچے کی ماں کی طرف سے جو اصحاب الفروض ہیں وہ ان کا وارث ہوگا اور وہ اس کے اخیافی بھائی ہیں اور اخیافی بہنیں ہیں اور اخیافی نانی اور دادی ہیں۔ پھر بچے کی ماں کی طرف جب اس کا فرض حصہ جو بنتا ہے وہ دے دیا جائے گا اور دیگر اصحاب الفروض کو بھی دے دیا جائے گا اور پھر بھی اس کے ترکہ سے کچھ مال بچ جائے تو وہ اس کی ماں کے آزاد شدہ غلام کو ملے گا، اگر اس کی ولاء ثابت ہو اور اگر اس عورت کا آزاد شدہ غلام نہ ہو تو پھر اس عورت کے ذوی الارحام کو اس کا ترکہ دیا جائے گا۔

جس تہمت زدہ عورت کے بیٹے کو اس کی ماں کے ساتھ ملا دیا گیا تو اس عورت کی اپنے بیٹے کے ترکہ سے وراثت کی تقسیم میں فقہاء مذاہب کی آراء

اس عورت کو تہائی حصہ دیا جائے گا اگر اس کی اولاد نہ ہو اور نہ اس کے بیٹے کی اولاد ہو اور نہ اس کے اخیافی بہن بھائی میں سے کوئی موجود ہوں اور اگر ان میں سے کوئی موجود ہوں تو ان کو تہائی حصہ دیا جائے گا اور پھر بھی اگر ان میں سے کوئی چیز بچ جائے تو اس کو اصحاب الفروض کی طرف رد کر دیا جائے گا اور پھر بھی کچھ بچ جائے تو بیت المال میں جمع کرایا جائے گا۔ یہ ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا مذہب ہے، اور حکم اور حماد بن ابی سلیمان (امام ابو حنیفہ کے استاذ) متوفی ۱۲۰ھ نے کہا ہے کہ وہ عورت اپنے بیٹے کی وارث ہوگی اور اس عورت کی ماں بھی اس بیٹے کی وارث ہوگی، اور دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اس بیٹے کے عصبات اس کی ماں کے عصبات ہیں اور یہ قول حضرت موسیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۶۸ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سے منقول ہے، امام احمد بن حنبل نے کہا: اگر اس بیٹے کی ماں تنہا ہو اور کوئی وارث نہ ہو تو وہ اپنے بیٹے کے تمام مال کو لے لی گی اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا کہ جب وہ عورت تنہا ہو تو وہ تمام مال کا تیسرا حصہ لے گی اور باقی قاعدہ کے مطابق ذوی الفروض کے اوپر رد کر دیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۳ ملخصاً دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

حدیثِ مذکور کی شرح شیوخِ دیوبند سے

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لعان مسجد میں کیا جائے گا البتہ اگر عورت حالتِ حیض میں ہو تو مسجد کے دروازے کے پاس کیا جائے گا۔

حنفیہ فرماتے ہیں: مسجد لعان کے لیے متعین نہیں ہے، جہاں حاکم ہو وہاں لعان کیا جائے گا چاہے وہ جگہ مسجد ہو یا کوئی دوسری جگہ۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام بخاری نے اس ترجمۃ الباب سے مسلکِ حنفیہ کے ساتھ اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے، حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ لعان کے لیے مسجد متعین نہیں ہے۔

علامہ عینی نے فرمایا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد لعان کے لیے مسجد کو متعین کرنا نہیں بلکہ ان کا مقصد مسجد میں لعان کے جواز اور وقوع کو بتلانا ہے اور جواز حنفیہ کے نزدیک بھی ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ امام بخاری مسلک حنفیہ کے ساتھ اختلاف کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، درست نہیں۔ (کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق ص ۵۳۵-۵۳۶)

شیخ سلیم اللہ دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی اپنی جماعت کے بہت بڑے شیخ الحدیث کہلاتے ہیں، مفتی رفیع عثمانی، مفتی تقی عثمانی اور شیخ شامزئی اور دیگر بڑے بڑے اکابر علماءِ دیوبند کے استاذ ہیں اور ان کی یہ شرح علماءِ دیوبند کے حلقہ میں بہت مشہور اور بہت مقبول ہے جس کو عمدۃ القاری اور فتح الباری کی شرح کی ٹکر کی شرح قرار دیا جاتا ہے لیکن آپ نے دیکھا کہ انہوں نے اس حدیث کی شرح میں کوئی قابلِ ذکر بات نہیں لکھی، صرف حافظ ابنِ حجر عسقلانی کے اعتراض اور علامہ عینی کے جواب کو نقل کر دیا، باقی اس حدیث کے جس قدر مباحث ہیں جو ہم نے دیگر عظیم شراح سے نقل کیے ہیں ان کو انہوں نے مس تک نہیں کیا اور یہ ''نام بڑے اور درشن چھوٹے'' کا مصداق ہیں، جیسی انہوں نے شرح کی ہے یہ کوئی عام طالب علم بھی لکھ سکتا ہے جس کو عمدۃ القاری اور فتح الباری پر عبور ہو، پھر انہوں نے عمدۃ القاری اور فتح الباری کے تمام مباحث کو نہیں لکھا صرف ایک غیر اہم اور چھوٹی سی بات لکھ دی ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

النور: ۶ کی تفسیر از امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ

حافظ احمد بن علی الحجر العسقلانی الشافعی المتوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری ۵۳۰۹ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ مجھے ابنِ شہاب نے الملاعنہ کی خبر دی اور الملاعنہ میں جو سنت طریقہ ہے اس کی خبر دی، جو حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ جو کہ بنو ساعدہ کے بھائی ہیں، ان سے منقول ہے اور امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے سورۂ نور کی آیت مبارکہ: ۶ کی تفسیر میں فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (النور: ۶)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ

ضرور سچوں میں سے ہے○

یہ آیت ہلال بن امیہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور امام ابوجعفر نے اس کا مختصر تذکرہ کیا ہے، ابن جریج نے کہا: مجھے ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے خبر دی، پس گویا کہ ابن جریج نے اس اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس آیت کے متعلق نازل ہوا ہے۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۵۱۲، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں: حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح میں وہی مباحث لکھے ہیں جن کو ہم اس سے پہلے علامہ ابن المنذر متوفی ۳۱۸ھ، علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ اور علامہ ابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ اور علامہ بدرالدین عینی متوفی ۸۵۲ھ اور علامہ عثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ اور شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی عبارت سے نقل کر چکے ہیں، اس سے زائد حافظ ابن حجر عسقلانی نے کوئی بات نہیں لکھی جو نقل کرنے کے لائق ہوتی، ہم نے ان کی باقی شرح کو اختصاراً حذف کر دیا۔

النور: ۶ کی تفسیر از علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری متوفی ۱۹۹۸ء

جب النور: ۶ نازل ہوئی تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ متوفی ۱۵ھ نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا یہ آیت اسی طرح نازل ہوئی ہے؟ حضور نے فرمایا: اے انصار! سنتے ہو تمہارا سردار کیا کہہ رہا ہے، حضرت سعد بولے: یارسول اللہ! خدا کی قسم! میں جانتا ہوں کہ یہ حق ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا ہے لیکن میں یہ خیال کر کے حیران ہو رہا ہوں کہ اگر میں کسی بدبخت کو اپنی بیوی پر سوار دیکھوں تو جب تک میں چار گواہ تلاش کر کے نہ لاؤں اس کے خلاف زبان نہیں ہلا سکتا، اور اگر گواہوں کو بلانے جاؤں گا تو وہ اپنا کام کر کے رفو چکر ہو چکا ہوگا، اس گفتگو کو قلیل عرصہ ہی گزرا تھا کہ ایک رات ہلال بن امیہ اپنے کھیتوں سے جب گھر آئے تو اپنی اہلیہ کے ساتھ ایک آدمی دیکھا، انہوں نے سارا معاملہ اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا، صبح بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا کہہ سنایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سن کر بڑی کوفت ہوئی، صحابہ آپس میں کہنے لگے کہ ابھی ہلال پر حدِ قذف لگائی جائے گی، ہلال نے کہا: میرے دوستو! گھبراتے کیوں ہو، اللہ تعالیٰ ضرور کوئی صورت پیدا فرمائے گا، اسی اثناء میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نزول وحی کے آثار نمودار ہوئے اور سب خاموش ہو گئے، جب یہ کیفیت ختم ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ہلال! مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تیری نجات کی صورت پیدا فرمادی ہے، پھر یہ آیت پڑھ کر سنائی اور اس کی بیوی کو بلا بھیجا، وہ آئی تو یہ آیت اسے بھی پڑھ کر سنائی، پھر دونوں کو تنبیہ کی کہ دنیا کے عذاب سے قیامت کا عذاب بہت سخت ہے، ہلال نے عرض کی: یارسول اللہ! میں نے جو عرض کی ہے بخدا! وہ سچ ہے، عورت نے کہا: یہ جھوٹ بولتا ہے، چنانچہ ہلال نے چار مرتبہ قسم اٹھا کر کہا کہ میں سچا ہوں، پانچویں مرتبہ کہا کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، پھر عورت کو کہا گیا کہ اسی طرح تو چار مرتبہ حلف کے ساتھ گواہی دے کہ وہ جھوٹا ہے، جب وہ کہہ چکی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے ڈر، دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہلکا ہے، اگر تو نے پانچویں بار بھی کہہ دیا تو عذابِ آخرت تجھ پر لازم ہو جائے گا، چنانچہ وہ کچھ دیر خاموش رہی، اس نے اپنے قصور کے اعتراف کا ارادہ کیا، پھر کہنے لگی: میں اپنی قوم کو رسوا کرنا نہیں چاہتی، چنانچہ پانچویں دفعہ بھی اس نے کہہ دیا، کہ اگر ہلال سچا ہو تو مجھ پر خدا کا غضب نازل ہو، چنانچہ اس طرح قسم اٹھانے سے ہلال حدِ قذف سے بچ گئے اور وہ عورت حدِ زنا سے بچ گئی، لیکن ان کے درمیان ہمیشہ کے لیے جدائی کر دی گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب جو بچہ پیدا ہو اس کی نسبت ہلال کی طرف نہ کی جائے بلکہ اس کی ماں

کی طرف کی جائے اور ساتھ ہی ایک اور حکم بھی دیا کہ اگر اس کے بعد کسی نے اس عورت کو زنا سے متہم کیا یا اس کے بچے کو حرامی کہا تو اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی، اس ارشاد سے واضح ہو گیا کہ جس کو شریعت کسی الزام سے بری کر دے پھر اس پر کسی کو زباں درازی کرنے کا حق نہیں پہنچتا۔ اس طریقہ کار کو "لعان" کہتے ہیں۔ لعان کرنے سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور پھر وہ عورت زندگی بھر اس کے نکاح میں نہیں آسکتی۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۳ ص ۲۹۵-۲۹۴ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، کراچی پاکستان)

النور: ۶ کی تفسیر از مصنف

زنا کا لغوی معنی

زنا کا لغوی معنیٰ ہے: پہاڑ پر چڑھنا، سائے کا سکڑنا، پیشاب کو روک لینا، حدیث میں ہے:

لایصلی احدکم وھو زناء تم میں سے کوئی شخص پیشاب روکنے کی حالت میں نماز نہ پڑھے۔

(مسند الربیع بن حبیب، ج ۱ ص ۶۰، مکتبۃ الثقافۃ العربیہ بیروت)

اسی طرح حدیث میں ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس حال میں نماز نہ پڑھے کہ وہ پیشاب اور پاخانے کو روک رہا ہو۔ اس حدیث کی سند قوی ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۲۰۷۲، موارد الظمآن رقم الحدیث: ۱۹۵، تلخیص الحبیر رقم الحدیث: ۵۶۶، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۷۷۱، ۱۷۷۶)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کھانا آجائے تو نماز (کامل) نہیں ہوتی اور نہ اس وقت جب نمازی پیشاب اور پاخانے کو روک رہا ہو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۶۰، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۸۹، شرح السنۃ رقم الحدیث: ۸۰۲، تاریخ دمشق لابن عساکر ج ۳۴ ص ۱۶۴، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ زنا کا معنی ہے: کسی عورت کے ساتھ بغیر عقد شرعی کے وطی (مباشرت) کرنا۔

(مختار الصحاح ص ۱۷۰، النہایہ ج ۲ ص ۲۸۴، المفردات ج ۱ ص ۲۸۴)

قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری لکھتے ہیں:

الزنا: اس اندام نہانی میں وطی (مباشرت، جماع) کرنا جو وطی کرنے والے کی ملکیت یا ملکیت کے شبہ سے خالی ہو۔

(دستور العلماء ج ۲ ص ۱۱۳، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

سید مرتضیٰ حسین زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ لکھتے ہیں:

لغت میں زنا کا معنیٰ کسی چیز پر چڑھنا ہے اور اس کا شرعی معنیٰ ہے: کسی ایسی شہوت انگیز اندام نہانی میں حشفہ (آلہ تناسل کے سر) کو داخل کرنا جس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو۔ (تاج العروس ج ۱۰ ص ۱۶۵، مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر، ۱۳۰۶ھ)

فقہاء حنبلیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

اہل علم کا اس شخص کے زانی ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جو کسی ایسی عورت کی قبل (اندام نہانی) میں وطی کرے جو حرام ہو اور وطی کسی شبہ سے نہ ہو اور دُبر (سرین) میں وطی کرنا بھی اس کی مثل زنا ہے کیونکہ یہ بھی اس عورت کی فرج (شرمگاہ) میں وطی کرنا ہے جو اس کی ملکیت میں نہیں ہے اور نہ ملکیت کا شبہ ہے، لہٰذا یہ قبل (اندام نہانی) میں وطی کی طرح ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ (النساء:۱۵) اور تمہاری وہ عورتیں جو بے حیائی کا کام کرتی ہیں۔

اور دبر میں وطی کرنا بھی بے حیائی کا کام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط کے متعلق فرمایا:

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ (الاعراف:۸۰) کیا تم بے حیائی کا کام کرتے ہو؟

یعنی مرد، مردوں کی دُبر میں وطی کرتے ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ پہلے قوم لوط کے لوگ عورتوں کی دبر میں وطی کرتے تھے، پھر مردوں کی دُبر میں وطی کرنے لگے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں: اگر کوئی شخص مردہ عورت سے وطی کرے تو اس میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر حد ہے اور یہی امام اوزاعی کا قول ہے، کیونکہ اس نے آدم زاد کی فرج میں وطی کی ہے، پس یہ زندہ عورت سے وطی کے مشابہ ہے، نیز اس لیے کہ یہ بہت عظیم گناہ ہے کیونکہ اس میں بے حیائی کے ارتکاب کے علاوہ مردہ کی عزت کو بھی پامال کرنا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے اور یہ حسن کا قول ہے۔ ابوبکر نے کہا: میرا بھی یہی قول ہے مردہ سے وطی کرنا وطی نہ کرنے کی مثل ہے، کیونکہ اس پر شہوت نہیں آتی اور لوگ اس سے کراہت محسوس کرتے ہیں، اس لیے اس سے زجر کو مشروع کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور حد کو زجر کے لیے مشروع کیا گیا ہے...... اور نابالغ لڑکی سے زنا کرنے کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے وطی کرنا ممکن ہو تو اس سے وطی کرنا زنا ہے اور اس سے وطی کرنے پر بالغہ سے وطی کی طرح حد واجب ہوگی۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: اگر کسی شخص نے محرم سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح بالاجماع باطل ہے، اور اگر اس سے وطی کر لی تو اکثر اہل علم کے قول کے مطابق اس پر حد واجب ہے۔ حسن، جابر بن زید، امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف، امام محمد، اسحاق، ابوایوب، ابن ابی خثیمہ کا یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہ اور ثوری کا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے، کیونکہ یہ ایسی وطی ہے جس (کے جواز) میں شبہ پیدا ہو گیا اس لیے وطی سے حد واجب نہیں ہوگی، جیسے کوئی شخص اپنی رضاعی بہن کو خرید کر اس سے وطی کر لے۔ اور شبہ کا بیان یہ ہے کہ اس نے محرم سے نکاح کر لیا اور نکاح اباحت وطی کا سبب ہے (اور حضرت آدم کی شریعت میں محارم مثلاً بہن سے نکاح جائز تھا) اس شبہ کی وجہ سے اس پر حد لازم نہیں ہوگی۔ (لیکن ایسے شخص کو تعزیراً قتل کر دیا جائے گا، کیونکہ ایک شخص نے اپنی سوتیلی ماں سے شادی کر لی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سر قلم کرنے کا حکم دیا۔ (یعنی اس پر حد جاری نہیں کی) نیز حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص محرم سے وطی کرے اس کو قتل کر دو۔ (جامع ترمذی ص ۲۳۱ مطبوعہ نور محمد کراچی، اور یہی امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن قدامہ حنبلی متوفی ۶۲۰ھ لکھتے ہیں کہ امام احمد کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس پر حد واجب ہے کیونکہ اس نے ایسی عورت کے ساتھ وطی کی ہے جس کے حرام ہونے پر اجماع ہے اور اس میں ملکیت کا کوئی شبہ نہیں ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس پر حد نہیں ہے جیسا کہ جامع ترمذی، سنن ابوداؤد، اور سنن ابن ماجہ میں ہے۔ حضرت براء کہتے ہیں: میری اپنے

سے ملاقات ہوئی درآں حالیکہ ان کے ہاتھ میں جھنڈا تھا۔ میں نے کہا: کہاں جارہے ہو؟ انہوں نے کہا: ایک شخص نے اپنے باپ کے مرنے کے بعد اس کی بیوی سے نکاح کر لیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کی گردن مارنے اور اس کا مال ضبط کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ نیز جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص محرم سے وطی کرے اس کو قتل کر دو''۔ علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ امام احمد کا یہ قول راجح ہے کیونکہ یہ حدیث کے مطابق ہے۔ نیز علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ جو شخص بغیر نکاح کے محرم سے زنا کرے اس میں بھی وہی اختلاف ہے جو نکاح کے بعد وطی کرنے میں اختلاف ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج ۹ ص ۵۳-۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۰۵ھ)

فقہاء شافعیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں:

مرد اپنے حشفہ (سپاری) کو کسی ایسی فرج (اندام نہانی) میں داخل کر دے جو طبعاً مشتہی ہو اور اس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہ ہو تو اس وطی پر حد واجب ہوتی ہے۔ اگر زانی محصن (شادی شدہ) ہو تو اس کی حد رجم ہے اور اس کے ساتھ اس کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے، اور اگر غیر محصن (غیر شادی شدہ) ہو تو اس کی حد کوڑے اور شہر بدر کرنا ہے، اس میں مرد اور عورت برابر ہیں۔

محصن ہونے کی تین شرطیں ہیں: پہلی شرط مکلف ہونا ہے، اس لیے بچہ اور مجنون پر حد نہیں لگے گی لیکن ان کو زجر و توبیخ کی جائے گی، دوسری شرط ہے حریت، پس غلام، مکاتب، ام ولد اور جس کا بعض حصہ غلام ہو محصن نہیں ہیں، اور تیسری شرط ہے نکاح صحیح ہونا۔ (روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج ۱۰ ص ۸۶، مکتب اسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ)

فقہاء مالکیہ کے نزدیک زنا کی تعریف

علامہ ابوعبداللہ وشتانی مالکی لکھتے ہیں:

علامہ ابن حاجب مالکی نے زنا کی یہ تعریف کی ہے: ''کسی ایسے فرد کی فرج میں عمداً وطی کرے جو اس کی ملک میں بالاتفاق نہ ہو''۔ فرج کی قید سے وہ وطی خارج ہوگئی جو غیر فرج میں ہو، اور آدمی کی قید سے وہ وطی خارج ہوگئی جو جانور کے ساتھ وطی ہو، کیونکہ جانور کے ساتھ وطی کرنے میں حد نہیں، تعزیر ہے۔ (اکمال اکمال المعلم ج ۴ ص ۴۴۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع قدیم)

فقہاء احناف کے نزدیک زنا کی تعریف

ملک العلماء علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: جو شخص دار العدل میں احکام اسلام کا التزام کرنے کے بعد اپنے اختیار سے زندہ مشتہاۃ عورت کی قُبل (اندام نہانی) میں وطی کرے درآں حالیکہ وہ قُبل حقیقتاً ملکیت اور ملکیت کے شبہ اور حق ملک اور حقیقتاً نکاح اور شبہ نکاح اور ملک کے موضع اشتباہ کے شبہ سے خالی ہو۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۳) علامہ ابن ہمام نے بھی یہی تعریف کی ہے۔ (فتح القدیر ج ۷ ص ۳۳ سکھر)

اس تعریف کی قیود کی وضاحت حسب ذیل ہے:

وطی: عورت کی اندام نہانی میں بقدرِ سپاری آلہ تناسل کو داخل کرنا، پس جس وطی سے حد واجب ہوگی اس میں بقدر سپاری داخل ہونا ضروری ہے اور اس سے کم میں حد واجب نہیں ہوگی۔

حرام: کسی مکلف شخص نے اجنبی عورت سے وطی کی ہو تو اس کو حرام کہا جائے گا، اگر چہ بچہ یا مجنون نے وطی کی تو اس پر حرام کا حکم نہیں لگے گا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: تین شخصوں سے قلم تکلیف اٹھالیا گیا، بچہ سے حتیٰ کہ وہ بالغ ہو جائے، سوئے ہوئے سے حتیٰ کہ وہ بیدار ہو جائے اور مجنون سے حتیٰ کہ وہ ٹھیک ہو جائے۔ اس حدیث کو امام ترمذی (رقم: ۱۴۲۳) اور امام ابوداؤد (رقم: ۴۴۰۱) نے روایت کیا ہے۔

قُبُل: عورت کی اندام نہانی کو کہتے ہیں، اس قید کی وجہ سے مرد یا عورت کی دُبر (سرین) میں وطی امام ابوحنیفہ کے نزدیک زنا کی تعریف سے خارج ہوگئی، اس کے برخلاف امام ابو یوسف، امام محمد اور فقہاء شافعیہ، فقہاء مالکیہ اور فقہاء حنبلیہ عورت کی دُبر میں وطی کو بھی زنا قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ دُبر میں وطی کو لواطت کہتے ہیں اور اس کی حد میں صحابہ کا اختلاف تھا۔ اگر یہ زنا ہوتا تو اختلاف نہ ہوتا، نیز زنا اس لیے حرام ہے کہ اس سے نسب مشتبہ ہوتا ہے اور بچہ ضائع ہوتا ہے اور لواطت میں صرف نطفہ ضائع ہوتا ہے جیسا کہ عزل میں ہے۔

عورت: اس قید کی وجہ سے جانور کے ساتھ وطی، زنا کی تعریف سے خارج ہوگئی، کیونکہ یہ ایک نادر چیز ہے اور طبیعت سلیمہ اس سے نفرت کرتی ہے۔

زندہ: اس قید کی وجہ سے مردہ کے ساتھ وطی، زنا کی تعریف سے خارج ہوگئی، کیونکہ یہ بھی ایک نادر امر ہے اور طبیعت سلیمہ اس سے نفرت کرتی ہے۔

مشتہاۃ: یعنی اس عورت سے وطی کی جائے جس پر شہوت آتی ہو، اتنی چھوٹی لڑکی جس پر شہوت نہ آتی ہو اس سے وطی کرنا زنا نہیں ہے۔ (ہر چند کہ اتنی چھوٹی لڑکی سے وطی کرنے والے پر تعزیر ہوگی)۔

حالتِ اختیار: یعنی وطی کرنے والے کو اختیار ہو، اسی طرح حد کے وجوب کے لیے وطی کرانے والی عورت کا مختار ہونا بھی ضروری ہے، اس لیے مکرہ ((جس پر جبر کیا گیا ہو) پر حد نہیں ہے، کیونکہ حافظ الہیثمی نے امام طبرانی کی متعدد اسانید کے ساتھ یہ حدیث ذکر کی ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر، حضرت عمران بن حصین، حضرت ثوبان، حضرت ابن مسعود اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے روایت ہے: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میری امت سے خطاء، نسیان اور جس کام پر جبر کیا گیا ہو (کے گناہ کو) اٹھالیا گیا۔

(مجمع الزوائد ج ۷ ص ۲۵۰، دار الکتاب العربی)

اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ اگر عورت پر جبر کر کے اس کے ساتھ وطی کی جائے تو اس پر حد نہیں ہے، لیکن مرد میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور محققین مالکیہ کے نزدیک اگر مرد پر جبر کر کے اس سے وطی کرائی جائے تو اس پر حد ہے نہ تعزیر۔ فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس پر حد لگائی جائے گی کیونکہ اس کے آلہ کا منتشر ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اکراہ نہیں ہے۔ اور وہ اپنے اختیار سے وطی کر رہا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مرد پر بھی حد نہیں ہے کیونکہ انتشار اس کے مرد ہونے کی دلیل ہے، اختیار کی دلیل نہیں ہے۔ امام ابو یوسف اور امام محمد کا بھی یہی نظریہ ہے۔

دار العدل: دار العدل سے مراد دار الاسلام ہے، کیونکہ دار الحرب اور دار الکفر میں قاضی کو حد جاری کرنے کی قدرت نہیں ہے یعنی اگر کوئی شخص دار الحرب میں یا دار الکفر میں زنا کرے گا تو بھی اسلامی سزا سو کوڑوں یا رجم کا مستحق ہے، لیکن چونکہ قاضی اسلام،

دارالکفر یا دارالحرب میں اسلامی سزائیں نافذ کرنے پر قادر نہیں ہے اس لیے اس پر حد جاری نہیں ہوگی، دارالکفر میں بھی زانی سزا کا مستحق ہے اور اس کا یہ فعل گناہ ہے جیسا کہ سود، چوری، ڈاکہ، قتل اور دیگر جرائم دارالکفر اور دارالحرب میں ناجائز اور گناہ ہیں، اسی طرح زنا بھی وہاں ناجائز اور گناہ ہے۔

احکام اسلام کا التزام: اس قید کی وجہ سے حربی مستامن خارج ہے، کیونکہ اس نے احکام اسلام کا التزام نہیں کیا، مسلمان او ذمی اگر زنا کریں گے تو ان پر حد جاری کی جائے گی۔

حقیقت ملک سے خالی ہونا: اگر کسی شخص نے ایسی باندی سے وطی کر لی جو مشترکہ ہے اس کی اور کسی کی ملکیت میں ہے، یا اس نے ایسی باندی سے وطی کی جو اس کی محرم تھی تو چونکہ وہ حقیقتاً اس کی ملکیت میں تھی اس لیے اس کا یہ فعل ہر چند کہ ناجائز ہے لیکن زنا نہیں ہے اور اس پر حد نہیں ہے۔

حقیقتِ نکاح سے خالی ہونا: اگر کسی شخص نے اپنی بیوی سے حالتِ حیض یا نفاس میں وطی کر لی یا روزہ دار یا مُحرمہ بیوی سے وطی کر لی یا ایلاء یا ظہار کے بعد وطی کر لی تو ہر چند کہ یہ فعل گناہ ہے لیکن زنا نہیں ہے، کیونکہ عورت حقیقتاً اس کے نکاح میں موجود ہے۔

شبہ ملک سے خالی ہونا: جب مِلک یا نکاح میں شبہ ہو جائے تو حد نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ادرء وا الحدود بالشبہات — شبہات کی بناء پر حدود ساقط کر دو۔

(سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۴۲۴)

مثلاً اگر کسی شخص نے بیٹے کی باندی سے وطی کر لی تو اس پر حد نہیں ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کو یہ شبہ ہوا ہو کہ بیٹے کے مال کا مالک ہوں۔ امام ابن ماجہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میرا مال بھی ہے اور اولاد بھی ہے اور میرا باپ میرا مال ہڑپ کرنا چاہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انت و مالك لابيك (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۲۹۱) تو اور تیرا مال تیرے باپ کی ملکیت ہے۔

اسی طرح مکاتب کی باندی سے وطی کرنا بھی زنا نہیں ہے، کیونکہ مکاتب جب تک پوری رقم ادا نہ کرے مالک کا غلام ہے، سو اس کی باندی بھی اس کی ملکیت ہے۔

اسی طرح مکاتب کی باندی سے وطی کرنا بھی زنا نہیں ہے، کیونکہ مکاتب جب تک پوری رقم ادا نہ کرے مالک کا غلام ہے، سو اس کی باندی بھی اس کی ملکیت ہے۔

شبہ نکاح سے خالی ہونا

یعنی عقد نکاح میں شبہ نہ ہو، مثلاً کسی شخص نے بغیر ولی یا بغیر گواہ کے نکاح کر کے وطی کر لی یا نکاح متعہ کر کے وطی کر لی تو اس کا یہ فعل زنا نہیں ہے خواہ وہ اس نکاح کے عدم جواز کا اعتقاد رکھتا ہو کیونکہ اس نکاح کے جواز اور عدم جواز میں علماء کے اختلاف کی وجہ سے اس نکاح میں شبہ آ گیا۔ اسی طرح اگر کسی شخص نے نسبی، رضاعی یا سسرال کے رشتہ سے کسی محرم سے نکاح کر لیا یا دو بہنوں کو نکاح میں جمع کر لیا یا کسی عورت سے اس کی عدت میں نکاح کر لیا اور اس عقد نکاح کی وجہ سے وطی کر لی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں ہوگی، خواہ اس کو نکاح کی حرمت کا علم ہو، کیونکہ اس وطی میں اس کو شبہ لاحق ہو گیا ہے، لہٰذا یہ وطی زنا نہیں ہے، البتہ اس پر تعزیر ہے۔

فقہاء مالکیہ، فقہاء شافعیہ، فقہاء حنبلیہ، امام ابو یوسف اور امام محمد نے یہ کہا ہے کہ جو وطی ابداً حرام ہو اس سے حد لازم آتی ہے اور یہ نکاح باطل ہے اور اس کے شبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ البتہ جو وطی ابداً حرام نہ ہو جیسے بیوی کی بہن یا جس نکاح میں اختلاف ہو جیسے بغیر ولی یا بغیر گواہوں کے نکاح، اس وطی کی وجہ سے حد لازم نہیں آتی۔

امام ابو حنیفہ اور جمہور فقہاء کے درمیان منشاء اختلاف یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جب نکاح کا اہل شخص اس محل میں نکاح کرے جو مقاصد نکاح کے قابل ہو تو وہ نکاح وجوب حد سے مانع ہے، خواہ وہ نکاح حلال ہو یا حرام اور خواہ وہ تحریم متفق علیہ ہو یا مختلف فیہ اور خواہ اس کو حرمت کا علم ہو یا نہ ہو، جمہور فقہاء اور صاحبین کے نزدیک قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اس عورت سے نکاح کرے جس پر نکاح کرنا ابداً حرام ہو یا اس کی تحریم پر اتفاق ہو تو اس نکاح سے وطی پر حد لازم آتی ہے اور اگر وہ نکاح ابداً حرام نہ ہو یا اس کی حرمت میں اختلاف ہو تو پھر اس نکاح سے وطی پر حد لازم نہیں آتی۔

(بدائع الصنائع ج ۷ ص ۳۵، مغنی المحتاج ج ۴ ص ۱۴۵، المہذب ج ۲ ص ۲۶۸، المیزان الکبریٰ ج ۲ ص ۱۵۷، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر ج ۳ ص ۲۵۱، المغنی ج ۸ ص ۱۸۲، رحمۃ الامۃ ج ۲ ص ۱۳۶)

حد زنا کی شرائط

حد زنا جاری کرنے کے لیے جن شرائط پر فقہاء کا اتفاق ہے، وہ حسب ذیل ہیں:

(۱) زنا کرنے والا بالغ ہو، نابالغ پر بالاتفاق حد جاری نہیں ہوتی۔

(۲) زنا کرنے والا عاقل ہو، پاگل اور مجنون پر بالاتفاق حد جاری نہیں ہوتی۔

(۳) جمہور فقہاء کے نزدیک زانی کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے، شادی شدہ کافر پر فقہاء حنفیہ کے نزدیک حد جاری نہیں ہوتی، البتہ اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں۔ فقہاء شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک زنا اور شراب خوری کی کافر پر کوئی حد نہیں ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اس نے حقوق الہیہ کا التزام نہیں کیا، فقہاء مالکیہ کے نزدیک اگر کافر نے کافرہ کے ساتھ زنا کیا تو اس پر حد نہیں ہے، البتہ تادیباً اس کو سزا دی جائے گی اور اگر اس نے مسلمان عورت سے جبراً زنا کیا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا اور اگر باہمی رضامندی سے زنا کیا تو عبرتناک سزا دی جائے گی۔

(۴) زانی مختار ہو، اگر اس پر جبر کیا گیا ہے تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اور فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس پر حد ہے اور اگر عورت پر جبر کیا گیا تو اس پر بالاتفاق حد نہیں ہے۔

(۵) عورت سے زنا کرے، اگر جانور سے وطی کی ہے تو مذاہب اربعہ میں بالاتفاق اس پر حد نہیں ہے، البتہ تعزیر ہے اور جمہور کے نزدیک جانور کو بالاتفاق قتل نہیں کیا جائے گا اور اس کو کھانا جائز ہے۔ فقہاء حنابلہ کے نزدیک اس کا کھانا حرام ہے۔

(۶) ایسی لڑکی سے زنا کیا ہو جس کے ساتھ عادتاً وطی ہو سکتی ہو، اگر بہت چھوٹی لڑکی سے زنا کیا ہے تو اس پر حد نہیں ہے، نابالغ لڑکی پر حد نہیں ہوتی۔

(۷) زنا کرنے میں کوئی شبہ نہ ہو، اگر اس نے کسی اجنبی عورت کو یہ گمان کیا کہ وہ اس کی بیوی یا باندی ہے، اور زنا کر لیا تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس پر حد ہے، جس عقد نکاح کے جواز یا عدم جواز میں

اختلاف ہو اس نکاح کے بعد وطی کرنے پر حد نہیں ہے، مثلاً بغیر ولی یا بغیر گواہوں کے نکاح ہو، اور جو نکاح بالاتفاق ناجائز ہے جیسے محارم سے نکاح یا دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس نکاح کے بعد وطی کرنے پر حد نہیں ہے اور جمہور کے نزدیک حد ہے۔

(۸) اس کو نکاح کی حرمت کا علم ہو، اگر وہ جہل کا دعویٰ کرے اور اس سے جہل متصور ہو تو اس میں فقہاء مالکیہ کے دو قول ہیں۔

(۹) عورت غیر حربی ہو، اگر وہ حربیہ ہے تو اس میں فقہاء مالکیہ کے دو قول ہیں۔

(۱۰) عورت زندہ ہو، اگر وہ مردہ ہے تو اس سے وطی کرنے پر جمہور کے نزدیک حد نہیں ہے اور فقہاء مالکیہ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ اس پر حد ہے۔

(۱۱) مرد کا حشفہ (آلہ تناسل کا سر) عورت کی قُبل (اندام نہانی) میں غائب ہو جائے، اگر عورت کی دُبر میں وطی کر لے تو جمہور کے نزدیک اس پر حد نہیں ہے، اسی طرح لواطت (اغلام) پر بھی حد نہیں ہے، اگر اجنبی عورت کے پیٹ یا رانوں سے لذت حاصل کی تو اس پر بھی تعزیر ہے۔

(۱۲) زنا دار الاسلام میں کیا جائے، دار الکفر یا دار الحرب میں زنا کرنے پر حد نہیں ہے، کیونکہ قاضی اسلام کو وہاں حد جاری کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ (الفقہ الاسلامی بیروت، ۱۴۰۵ھ)

احصان کی تحقیق

فقہاء اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر زانی محصن (شادی شدہ) ہو تو اس کو رجم کیا جائے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور اگر وہ غیر محصن ہے تو اس کو کوڑے مارے جائیں گے، اس لیے احصان کا معنی سمجھنا ضروری ہے۔

سید محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی لکھتے ہیں:

احصان کا اصل معنی ہے: منع کرنا، عورت اسلام، پاکدامنی، حریت اور نکاح سے محصنہ ہوتی ہے، جوہری نے ثعلب سے نقل کیا ہے: ہر پاک دامن عورت محصنہ ہے اور ہر شادی شدہ عورت محصنہ ہے۔ حاملہ عورت کو بھی محصنہ کہتے ہیں کیونکہ حمل نے اس کو دخول سے ممنوع کر دیا۔ مرد جب شادی شدہ ہو تو محصن ہے۔ حضرت ابن مسعود نے "فاذا احصن فان اتین بفاحشة" کی تفسیر میں کہا: باندی کا احصان اس کا مسلمان ہونا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: باندی کا احصان اس کا شادی شدہ ہونا ہے۔ زجاج نے محصنین غیر مسافحین کی تفسیر میں کہا: مرد کا احصان اس کا شادی شدہ ہونا اور پاک دامن (غیر زانی) ہونا ہے اور فرج کا احصان، زنا سے رُکنا ہے اور احصنت فرجھا کا معنی پاک دامن رہنا اور زنا سے باز رہنا ہے اور وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ کا معنی شادی شدہ خواتین ہے۔ (تاج العروس ج ۹ ص ۱۷۹، ۱۳۰۶ھ)

علامہ کاسانی حنفی لکھتے ہیں: جو احصان رجم میں معتبر ہے اس کی سات شرائط ہیں:

(۱) عقل (۲) بلوغ (۳) حریت (۴) اسلام (۵) نکاح صحیح (۶) خاوند اور بیوی دونوں کا ان صفات پر ہونا (۷) نکاح صحیح کے بعد خاوند کا بیوی سے وطی کرنا، لہٰذا بچہ، مجنون، غلام، کافر نکاح فاسد، عدم وطی اور زوجین کے ان صفات پر نہ ہونے سے احصان ثابت نہیں ہوگا۔ (بدائع الصنائع ج ۷ ص ۷-۳۸، مطبوعہ کراچی ۱۴۰۰ھ)

زنا کی ممانعت، اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل: ۳۲)

اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ، بے شک وہ بے حیائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے O

اَلزَّانِيَةُ وَ الزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَاۗىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور: ۲)

زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ان میں سے ہر ایک کو تم سو کوڑے مارو، اور ان پر شرعی حکم نافذ کرنے میں تم کو ان پر رحم نہ آئے، اگر تم اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو، اور ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر ہونی چاہیے O

وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ۝ يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَيَخْلُدْ فِيْهِ مُهَانًا ۝ (الفرقان: ۶۸-۶۹)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا نہیں کرتے، اور جو شخص یہ کام کرے گا وہ سخت عذاب کا سامنا کرے گا O قیامت کے دن اس کے عذاب کو دُگنا کر دیا جائے گا اور وہ ہمیشہ ذلت والے عذاب میں رہے گا O

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَاۗءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓي اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـــًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الممتحنہ: ۱۲)

اے نبی! جب آپ کے پاس مؤمن عورتیں ان چیزوں پر بیعت کرنے کے لیے آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی، نہ چوری کریں گی نہ زنا کریں گی، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور نہ کوئی ایسا بہتان باندھیں گی جس کو وہ خود اپنے ہاتھوں اور پیروں کے سامنے گھڑ لیں اور نہ کسی نیک کام میں آپ کی حکم عدولی کریں گی تو آپ ان کو بیعت کر لیں اور ان کے لیے استغفار کریں، بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O

زنا کی ممانعت، مذمت اور دنیا اور آخرت میں اس کی سزا کے متعلق احادیث اور آثار

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ علم اٹھا لیا جائے گا، جہل برقرار رہے گا، شراب پی جائے گی اور زنا کا ظہور ہوگا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۰، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۷۱، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۰۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۴۰۴۵، مصنف عبد الرزاق رقم الحدیث: ۵۰۴۵، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۱۹۹۰)

(۲) حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت خوشبو لگا کر لوگوں کے سامنے سے گزرتی ہے تا کہ لوگوں کو اس کی خوشبو آئے وہ عورت زانیہ ہے۔ (یعنی وہ عورت لوگوں کے دلوں میں زنا کی تحریک پیدا کرتی ہے)۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۱۷۳، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۷۸۶، مسند احمد ج ۴ ص ۳۹۴، مسند عبد بن حمید رقم الحدیث: ۵۵۷، مسند البزار رقم

الحدیث: ۱۵۵۱، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۴۲۴، المستدرک ج ۲ ص ۳۹۶، سنن بیہقی ج ۳ ص ۲۴۶)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں سے اللہ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف نظر رحمت فرمائے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، بوڑھا زانی، جھوٹا بادشاہ (سردار یا حاکم) اور متکبر فقیر۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۰۷، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۱۳۸، شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۰۴۵)

(۴) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے اور تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے، جن تین آدمیوں سے اللہ محبت رکھتا ہے وہ یہ ہیں: ایک شخص لوگوں کے پاس جا کر سوال کرے، اس کا سوال ان کے ساتھ کسی رشتہ داری کی بناء پر نہ ہو، اور وہ لوگ اس کو منع کر دیں، پھر ایک شخص ان کے پیچھے سے جائے اور چپکے سے اس کو دے دے، اور اس کے عطیہ کو اللہ کے سوا کوئی نہ جانتا ہو، یا وہ شخص جس کو اس نے عطیہ دیا تھا اور وہ لوگ جو رات کو سفر کریں حتیٰ کہ نیند ان کو بہت زیادہ مرغوب ہو جائے، پھر وہ ٹھہر جائیں اور اپنے سر رکھ کر سو جائیں، پھر ان میں سے ایک شخص بیدار ہو کر نماز میں قیام کرے اور میری حمد و ثنا کرے اور میری آیات کی تلاوت کرے، اور وہ شخص جو کسی لشکر میں ہو، اس کا دشمن سے مقابلہ ہو، وہ لشکر شکست کھا جائے اور وہ شخص آگے بڑھ کر حملہ کرے حتیٰ کہ وہ شخص شہید ہو جائے یا فتح یاب ہو، اور جن تین آدمیوں سے اللہ بغض رکھتا ہے وہ یہ ہیں: بوڑھا زانی، متکبر فقیر اور مالدار ظالم۔

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۵۶۸، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۶۱۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۲۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۸۹، مسند احمد ج ۵ ص ۱۵۳، صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۲۴۵۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۳۴۹، المستدرک ج ۲ ص ۱۱۳)

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں سورج کو گہن لگ گیا...... اس موقع پر آپ نے فرمایا: سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے نہ کسی کی حیات کی وجہ سے۔ پس جب تم ان نشانیوں کو دیکھو تو اللہ سے دعا کرو، اللہ اکبر کہو اور نماز پڑھو اور صدقہ کرو، پھر فرمایا: اے امتِ محمد! اللہ کی قسم! کسی شخص کو اللہ سے زیادہ اس پر غیرت نہیں آتی کہ اس کا بندہ زنا کرے یا اس کی بندی زنا کرے۔ اے امتِ محمد! اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں تو تم ضرور کم ہنسو اور تم ضرور زیادہ روؤ۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۰۴۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۹۰۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۱۷۷، سنن النسائی رقم الحدیث: ۱۴۷۰، ۱۴۷۴)

(۶) حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب سے اکثر یہ فرمایا کرتے تھے: کیا تم میں سے کسی شخص نے خواب دیکھا ہے، پھر کوئی شخص جو اللہ چاہتا وہ خواب بیان کرتا۔ ایک دن صبح کے وقت آپ نے فرمایا: بے شک آج رات (خواب میں) دو فرشتے آئے اور وہ مجھے اٹھا کر لے گئے، انہوں نے مجھ سے کہا: آپ چلیے، میں ان کے ساتھ چلتا رہا...... میں نے دیکھا کہ ننگے مرد اور ننگی عورتیں ایک تنور کی مثل میں تھے، اس کا بالائی حصہ تنگ تھا اور نچلا حصہ کشادہ تھا اور اس کے نیچے سے آگ جل رہی تھی، جب آگ کے شعلے بھڑکتے تو وہ لوگ اوپر اٹھ جاتے اور جب آگ کم ہوتی تو وہ نیچے گر جاتے .... فرشتوں نے بتایا: وہ زانی مرد اور زانی عورتیں تھیں۔ الحدیث۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۷۰۴۷، ۱۳۸۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۲۷۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۲۹۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۶۵۸)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے زنا کیا یا شراب پی اللہ اس سے ایمان کو نکال

لیتا ہے جیسے انسان اپنے سر سے قمیص کو اتارتا ہے۔

(المستدرک ج ۱ ص ۲۲، شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۳۶۶، الکبائر للذہبی ص ۸۲-۸۳، الترغیب والترہیب للمنذری ج ۳ ص ۲۵۲، دارالحدیث قاہرہ)

(۸) حضرت ام المؤمنین میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت اس وقت تک اچھے حال میں رہے گی جب تک ان کی اولاد زنا کی کثرت سے نہ ہو اور جب ان کی اولاد زنا کی کثرت سے ہوگی تو عنقریب اللہ ان میں عام عذاب نازل فرمائے گا۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۳۳۳، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۷۰۹۱، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۷)

(۹) امام طبرانی نے حضرت شریک، ایک صحابی سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص زنا کرتا ہے اس سے ایمان نکل جاتا ہے، پس اگر وہ توبہ کرے تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالیتا ہے۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۷۲۲۴، شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۳۶۶، مجمع الزوائد ج ۱ ص ۱۰۱، الترغیب والترہیب للمنذری رقم الحدیث: ۳۵۲۹، حافظ عقلانی نے کہا: اس کی سند جید ہے، ج ۱۲ ص ۶۱، الاصابہ ج ۳ ص ۳۴۹، قدیم)

(۱۰) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس وقت زانی زنا کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت شرابی شراب پیتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت چور چوری کرتا ہے تو وہ مومن نہیں ہوتا اور جس وقت کوئی لٹیرا کسی شریف آدمی کو لوٹتا ہے اور لوگ اس کو نظریں اٹھا کر دیکھتے ہیں تو وہ مومن نہیں ہوتا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۷۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۵۷، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۲۵، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۹۳۶، شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۳۶۳، تاریخ دمشق الکبیر جز ۵۶ ص ۸۶، ۸۵، رقم الحدیث: ۱۲۲۴۱، ۱۲۲۴۰، مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۱۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جس قوم میں خیانت کا ظہور ہوتا ہے اس قوم کے دلوں میں رعب ڈال دیا جاتا ہے اور جس قوم میں زنا بہ کثرت ہوتا ہے ان میں موت بہ کثرت ہوتی ہے اور جو قوم ناپ تول میں کمی کرتی ہے ان سے رزق منقطع ہو جاتا ہے اور جو قوم ناحق فیصلے کرتی ہے ان میں خون ریزی زیادہ ہوتی ہے اور جو قوم عہد شکنی کرتی ہے ان پر اللہ دشمن کو مسلط کر دیتا ہے۔

(سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۳۴۶، الموطا رقم الحدیث: ۱۰۲۰، الاستذکار ج ۱۴ ص ۲۱۰-۲۱۱، رقم الحدیث: ۲۰۰۹۰)

(۱۲) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! اللہ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے زیادہ بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اللہ کا شریک بناؤ حالانکہ اس نے تم کو پیدا کیا ہے، اس نے پوچھا: پھر کون سا ہے؟ فرمایا: تم کھانے کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل کر دو، اس نے پوچھا: پھر کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: تم اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو، پھر اللہ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَ الَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا یَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ یَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾ (الفرقان: ۶۸)

اور جو لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کی عبادت نہیں کرتے اور نہ کسی ایسے شخص کو قتل کرتے ہیں جس کے قتل کو اللہ نے حرام کر دیا ہو اور نہ وہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص یہ کام کرے گا اس کو عذاب کا سامنا ہوگا O

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۶۱، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۶، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۲، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۳۱۰، سنن النسائی رقم

الحدیث: ۱۳۴۰۰، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۰۹۸۷)

(۱۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم زنا سے بچتے رہو، کیونکہ اس میں چار خصلتیں ہیں:

(۱) اس سے چہرے کی رونق چلی جاتی ہے۔

(۲) رزق منقطع ہو جاتا ہے۔

(۳) رحمٰن ناراض ہوتا ہے۔

(۴) اور دوزخ میں خلود ہوتا ہے (یعنی بہت دیر تک رہنا)۔

(المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۷۰۹۲، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۴، اس کی سند میں رد بن جمیع متروک ہے)

(۱۴) حضرت عبد اللہ بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عرب کی ہلاک ہونے والی عورتو! مجھے سب سے زیادہ تم پر زنا کا اور شہوت خفیہ (ریا کاری) کا خوف ہے۔ (حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۱۲۲)

(۱۵) حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے، بوڑھا زانی، امام کذاب اور متکبر فقیر۔

(مسند البزار رقم الحدیث: ۱۳۰۸، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۴، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۱۶) حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب اہل ذمہ پر ظلم کیا جائے گا تو دشمنوں کی حکومت ہو جائے گی اور جب کثرت کے ساتھ زنا کیا جائے گا تو لوگ بہ کثرت قید ہوں گے اور جب قوم لوط کا عمل کثرت سے کیا جائے گا تو اللہ مخلوق کے اوپر سے اپنا ہاتھ اٹھائے گا، پھر یہ پرواہ نہیں کرے گا کہ وہ کس وادی میں ہلاک ہوتے ہیں۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۷۵۲، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں عبد الخالق بن زید بن واقد ضعیف ہے، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۱۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بوڑھے زانی اور بوڑھی زانیہ کی طرف نہیں دیکھے گا۔ (المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۸۳۹۶، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۵)، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کی سند میں ایک راوی ہے: موسیٰ بن سہل، اس کو میں نہیں جانتا اور اس کے باقی راوی ثقات ہیں

(۱۸) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ معمر زانی اور متکبر فقیر کی طرف نہیں دیکھے گا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۳۱۹۵، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کا ایک راوی ابن لہیعہ ہے، اس کی حدیث حسن بھی ہوتی ہے اور ضعیف بھی، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۱۹) حضرت نافع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: متکبر مسکین، بوڑھا زانی اور اپنے عمل سے اللہ پر احسان جتانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

(الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۶، حافظ الہیثمی نے کہا: اس کے ایک راوی الصباح بن خالد کو میں نہیں جانتا اور اس کے باقی راوی ثقہ ہیں، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)۔

(۲۰) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: سات آسمان اور سات زمینیں بوڑھے زانی پر لعنت کرتی ہیں اور زانیوں کی فروج کی بدبو سے اہل دوزخ کو بھی ایذا ہوگی۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۱۵۴۸، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۷، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵)

(۲۱) حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آدھی رات کو آسمانوں کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، پھر ایک منادی نداء کرتا ہے کہ کوئی دعا کرنے والا ہو تو اس کی دعا قبول کی جائے، کوئی سائل ہو تو اس کو عطا کیا جائے، کوئی مصیبت زدہ ہو تو اس کی مصیبت دور کردی جائے، پس ہر دعا کرنے والے مسلمان کی دعا قبول کرلی جائے گی سوا اس عورت کے جو پیسے لے کر زنا کراتی ہے اور سوا اس شخص کے جو ظالمانہ ٹیکس لیتا ہے۔

(مسند احمد ج ۴ ص ۲۲، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۷۹۰، حافظ منذری نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح ہے، الترغیب والترہیب ج ۱ رقم الحدیث: ۱۱۶۳، مجمع الزوائد ج ۳ ص ۸۸)

(۲۲) حضرت عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زانیوں کے چہروں میں آگ بھڑک رہی ہوگی۔

(الترغیب والترہیب ج ۳ رقم الحدیث: ۳۵۲۴، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۵، اس کی سند پر اعتراض ہے)

(۲۳) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: زنا فقر پیدا کرتا ہے۔

(شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۴۱۸، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۲۵)

(۲۴) حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں سویا ہوا تھا۔ میرے پاس دو شخص آئے، ان دونوں نے مجھے میری بغلوں سے پکڑ کر اٹھایا اور مجھے ایک سخت چڑھائی والے پہاڑ پر لے گئے، اور مجھ سے کہا: اس پر چڑھیے، میں نے کہا: میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، انہوں نے کہا: ہم آپ کے لیے چڑھنا آسان کردیں گے، پھر میں چڑھا حتیٰ کہ میں اس پہاڑ کے وسط میں پہنچ گیا، ناگاہ میں نے بہت زور کی آوازیں سنیں۔ میں نے پوچھا: یہ کیسی آوازیں ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ دوزخ کے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں ہیں، (الی قولہ) ہم چلتے رہے حتیٰ کہ میں نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے بدن بہت پھولے ہوئے تھے اور ان سے سخت بدبو آرہی تھی، میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ مقتولین کفار ہیں، وہ پھر مجھے آگے لے گئے۔ وہاں ایسے لوگ تھے جن کے بدن بہت پھولے ہوئے تھے اور ان سے سخت بدبو آرہی تھی گویا کہ وہ پاخانے کی بدبو تھی، میں نے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا: یہ زنا کرنے والے مرد اور زنا کرنے والی عورتیں ہیں۔ الحدیث

(صحیح ابن خزیمہ رقم الحدیث: ۱۹۸۶، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۷۴۴۸، المستدرک ج ۱ ص ۴۳۰، الترغیب والترہیب ج ۲ رقم الحدیث: ۱۴۸۵)

(۲۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص زنا کرتا ہے تو اس کا ایمان نکل جاتا ہے گویا کہ وہ اس کے اوپر سائبان ہو اور جب وہ اس سے توبہ کرتا ہے تو اس کا ایمان لوٹ آتا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۶۹۰، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۲۶۲۷، المستدرک ج ۱ ص ۲۲، سنن بیہقی ج ۱ ص ۵۴۳۶۶)

(۲۶) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے اور ہم اکٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا: اے مسلمانوں کی جماعت! اللہ سے ڈرو اور رشتہ داروں سے ملاپ رکھو، رشتہ داروں سے میل جول سے زیادہ جلد پہنچنے والا اور کوئی ثواب نہیں ہے، اور بغاوت سے (یا زنا سے) بچو کیونکہ اس سے زیادہ جلد پہنچنے والا اور کوئی عذاب نہیں ہے، اور تم ماں باپ کی نافرمانی سے بچو کیونکہ ایک ہزار سال کی مسافت سے جنت کی خوشبو آتی ہے اور ماں باپ کا نافرمان، رشتہ منقطع کرنے والا، بوڑھا زانی اور تکبر سے تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اس کی خوشبو کو نہیں پائے گا، کبریائی صرف اللہ رب العالمین کیلئے ہے۔ (الترغیب

والترہیب ج ۳ رقم الحدیث: ۳۰۱۹، مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۲۵)

(۲۷) راشد بن سعد المقرائی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مجھے معراج کرائی گئی تو میرا ایسے لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جن کی کھال آگ کی قینچیوں سے کاٹی جا رہی تھی، میں نے کہا: اے جبریل! یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ وہ لوگ ہیں جو زنا کرنے کے لیے مزین ہوتے تھے، پھر میں ایک کنویں کے پاس سے گزرا جس سے سخت بدبو آ رہی تھی، میں نے پوچھا: اے جبریل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ وہ عورتیں ہیں جو زنا کرانے کے لیے خود کو مزین کرتی تھیں اور وہ کام کرتی تھیں جو ان کے لیے جائز نہ تھے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۰۶۷، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۰)

(۲۸) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عادتاً زنا کرنے والا بت پرست کی مثل ہے۔

(مساوی الاخلاق للخرائطی رقم الحدیث: ۴۷۷، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۱، تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر جز ۲۳ ص ۱۷۳، رقم الحدیث: ۴۹۳۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حافظ منذری نے کہا: صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ عادی شرابی بت پرست کی طرح اللہ سے ملاقات کرے گا اور اس میں شک نہیں کہ زنا شراب نوشی سے بڑا گناہ ہے۔ (الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۲۳۸، بیروت، ۱۴۱۴ھ)

(۲۹) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس بستی میں زنا اور سود کا ظہور ہوا انہوں نے اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو حلال کر لیا۔ (یہ حدیث صحیح ہے)۔ (المستدرک ج ۲ ص ۳۷، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۳، شعب الایمان رقم الحدیث: ۵۴۱۷)

(۳۰) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جس قوم میں زنا اور سود کا ظہور ہوا انہوں نے اپنے اوپر اللہ کے عذاب کو حلال کر لیا۔ (مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۴۹۸۱، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۴، ۲۷۷۰، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۱۸)

(۳۱) حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے پوچھا کہ تم زنا کے متعلق کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا: یہ حرام ہے، اس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے۔ یہ قیامت تک کے لیے حرام ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا: اگر کوئی شخص دس عورتوں سے زنا کرے تو یہ اس کی بہ نسبت زیادہ آسان ہے (یعنی ان کی سزا اس سے کم ہے) کہ وہ اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۸، اس کے راوی ثقات ہیں، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۷)

(۳۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے گا، اس کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہیں دیکھے گا اور نہ اس کو پاک کرے گا اور فرمائے گا: دوزخ میں دوزخیوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔

(مساوی الاخلاق للخرائطی رقم الحدیث: ۴۸۵، مسند الفردوس الدیلمی رقم الحدیث: ۳۳۷۱، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۸)

(۳۳) حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس عورت کے بستر پر بیٹھا جس کا شوہر غائب ہو، قیامت کے دن اللہ ایک اژدھے کو اس کے اوپر قادر کر دے گا۔

(المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۳۲۷۸، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۳۲۲۷، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۴۹، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۸)

(۳۴) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جو شخص اس عورت کے بستر پر بیٹھتا ہے جس کا شوہر غائب ہو اس کی مثال

اس شخص کی طرح ہے جس کو قیامت کے اژدھوں میں سے کوئی سیاہ اژدھا بھنبھوڑ رہا ہو۔

(الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۵۰، حافظ الہیثمی نے کہا: اس حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی ثقات ہیں، مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۵۸)

(۳۵) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجاہدین کی بیویوں کی حرمت، جہاد پر نہ جانے والوں کے لیے ان ماؤں کی مثل ہے اور مجاہد جس شخص کے اوپر اپنی اہلیہ کو چھوڑ کر جائے اور وہ اس میں خیانت کرے تو اس کو قیامت کے دن کھڑا کیا جائے گا اور مجاہد اس کی نیکیوں میں سے جس قدر چاہے گا، لے لے گا۔ ایک روایت میں ہے کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ اس کی کوئی نیکی چھوڑ دے گا؟ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۸۹۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۴۹۶، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۱۸۹)

(۳۶) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بنی اسرائیل کے ایک عابد نے ساٹھ سال اپنے گرجے میں اللہ کی عبادت کی، پھر بارش ہوئی اور زمین سرسبز ہوگئی۔ راہب نے اپنے گرجے سے باہر جھانکا اور سوچا کہ میں گرجے سے باہر نکل کر اللہ تعالیٰ کا ذکر کروں اور زیادہ نیکی حاصل کروں۔ وہ گرجے سے اترا، اس کے ہاتھ میں ایک روٹی یا دو روٹیاں بھی تھیں، جس وقت وہ باہر کھڑا تھا تو ایک عورت آ کر اس سے ملی، وہ دونوں ایک دوسرے سے کافی دیر تک باتیں کرتے رہے حتیٰ کہ اس عابد نے اس سے اپنی خواہش پوری کر لی، پھر اس پر بے ہوشی طاری ہوگئی، پھر وہ ایک گرم تالاب میں نہایا، اس کے بعد ایک سائل آیا تو اس نے ان دو روٹیوں کی طرف اشارہ کیا، پھر اس کی ساٹھ سال کی عبادت کا زنا کے گناہ کے ساتھ وزن کیا گیا تو گناہ کا پلڑہ بھاری نکلا، پھر ان دو روٹیوں کی نیکی کا وزن کیا گیا تو نیکیوں کا پلڑہ بھاری نکلا، سو اس کو بخش دیا گیا۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا بیان ہے، ساٹھ سال کی عبادت ایک زنا کے گناہ سے ضائع کر دی اور دو روٹیوں کو صدقہ کرنے کی نیکی سے اس کے گناہ کو بخش دیا، وہ جس گناہ پر چاہے پکڑ لیتا ہے اور جس نیکی کو چاہتا ہے نواز دیتا ہے۔

(صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۳۷۹، الترغیب والترہیب رقم الحدیث: ۳۵۳۱، ۱۳۸۷، ۱۲۹۹)

(۳۷) شعبی بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن ایک عورت کو رجم (سنگسار) کیا تو کہا: میں نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے رجم کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۲)

(۳۸) شیبانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجم (سنگسار) کیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہاں، میں نے پوچھا: سورۂ نور کے نزول سے پہلے یا اس کے بعد؟ انہوں نے کہا: مجھے معلوم نہیں۔

(صحیح بخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۳، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۰۲)

اس سوال کا منشاء یہ ہے کہ اگر رجم سورۂ نور کے نازل ہونے سے پہلے ہوا ہے تو ہو سکتا ہے کہ سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد وہ منسوخ ہو گیا ہو کیونکہ سورۂ نور میں زانیوں کو کوڑے مارنے کا حکم ہے اور اگر سورۂ نور کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رجم کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ سو کوڑے مارنے کا حکم رجم کرنے کے منافی نہیں ہے، یعنی کنوارے اگر زنا کریں تو ان کو سو کوڑے مارے جائیں اور اگر شادی شدہ زنا کریں تو ان کو رجم (سنگسار) کیا جائے۔ اور تحقیق یہ ہے کہ سورۂ نور کے نزول کے بعد رجم کیا گیا ہے کیونکہ سورۂ نور کے نزول کے متعلق ہم بیان کر چکے ہیں کہ تین قول ہیں، ۴ ہجری، ۵ ہجری، اور ۶ ہجری، اور صحیح یہ ہے

کہ سورۂ نور شعبان ۵ ہجری میں نازل ہوئی ہے اور رجم اس کے بعد کیا گیا ہے کیونکہ رجم کے موقع پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ موجود تھے اور وہ ۷ ہجری میں اسلام لائے تھے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنی والدہ کے ساتھ ۹ ہجری میں مدینہ آئے تھے۔ (فتح الباری ج ۱۴ ص ۹۷، مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ)

(۳۹) حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے بتایا کہ وہ زنا کر چکا ہے اور اس نے چار مرتبہ قسم کھا کر اپنے متعلق زنا کرنے کا اقرار کیا اور وہ شخص شادی شدہ تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم (پتھر مار مار کر ہلاک) کر دیا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۱۴، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۴۱۸، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۳۲، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۱۵۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۱۵۱۵۵، عالم الکتب بیروت)

(۴۰) حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے حکم لو، مجھ سے حکم لو، اللہ نے زنا کرنے والیوں کی سزا کی راہ بیان فرمادی اگر کنواری کنوارے کے ساتھ زنا کرے تو ان کو سو کوڑے مارو، اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دو، اور اگر شادی شدہ، شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو ان کو رجم (سنگسار) کر دو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۶۹۰، سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۴۴۱۶، ۴۴۱۵، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۳۴، سنن کبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۰۹۳، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۵۰)

سورۃ النساء میں اللہ تعالیٰ نے زانیہ عورتوں کے متعلق فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی سزا کی تکمیل بیان فرمائے گا، اس حدیث میں آپ نے یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا کی راہ بیان کر دی ہے اور اپنا وعدہ پورا فرمادیا ہے، سورۃ النساء کی وہ آیت یہ ہے:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝ (النساء: ۱۵)

تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان کے خلاف تم اپنوں میں سے چار گواہ طلب کرو، پس اگر وہ شہادت دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید رکھو حتیٰ کہ موت ان کی زندگیاں پوری کر دے یا اللہ ان کی کوئی اور سزا مقرر فرما دے ○

سو جس سزا کے مقرر کرنے کا سورہ نساء میں ذکر کیا گیا تھا وہ کنواری عورت کو کوڑے مارنے اور شادی شدہ کو رجم کرنے کا حکم ہے۔ کوڑے مارنے کا حکم سورہ نور میں ہے اور رجم کرنے کا ذکر ان احادیث میں ہے، ہم نے رجم کے ثبوت میں ۱۵۳ احادیث مرفوعہ، ۴۰ آثار صحابہ اور ۵ فتاویٰ تابعین ذکر کیے ہیں، ان کی تفصیل شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۸۰۴-۸۱۶ میں مذکور ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیے۔ اور یہ اس قدر کثیر احادیث اور آثار ہیں کہ یہ کہنا صحیح ہے کہ رجم کا حکم تواتر سے ثابت ہے۔

میں نے یہاں پر زنا کی ممانعت اور اس کی دنیاوی اور اخروی سزا کے متعلق چالیس احادیث ذکر کی ہیں، احادیث تو ان کے علاوہ اور بھی ہیں لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس احادیث کی تبلیغ کرنے پر جو نوید سنائی ہے، میں نے اس کے حصول کی امید میں چالیس احادیث ذکر کی ہیں، وہ حدیث یہ ہے:

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری امت کو ان کے دین سے متعلق

چالیس حدیثیں پہنچائیں، اللہ اس کو اس حال میں اٹھائے گا کہ وہ فقیہ ہوگا اور میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا۔

(شعب الایمان رقم الحدیث:۱۷۲۶، ۱۷۲۵، تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر ج ۴ ص ۱۱۱، ۹۹، رقم الحدیث:۱۱۸۲۸، ۱۱۸۳۸، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۱ھ المطالب العالیہ رقم الحدیث:۳۰۶۷، الجامع الصغیر رقم الحدیث:۸۶۳۷، حافظ سیوطی نے اس حدیث کے صحیح ہونے کی رمز کی ہے، جمع الجوامع رقم الحدیث:۲۱۸۵۸، مشکوٰۃ رقم الحدیث:۲۵۸)

یہ چالیس احادیث میں نے زنا سے ترہیب اور تخویف کی ذکر کی ہیں، آخر میں میں زنا سے بچنے کی ترغیب کے سلسلہ میں بھی ایک حدیث درج کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جس شخص کی نظر کسی عورت کے حسن کی طرف (بلاقصد) پڑ جائے، پھر وہ اپنی نظر پھیر لے اللہ اس کے دل میں اس کی عبادت میں حلاوت اور لذت پیدا کر دیتا ہے۔ (شعب الایمان رقم الحدیث:۵۴۳۱، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۰ھ)

زنا کی حد میں عورت کے ذکر کو مقدم کرنے کی توجیہ

قرآن مجید میں احکام بیان کرنے کا عام اسلوب یہ ہے کہ صرف مردوں پر کسی حکم کو فرض کیا جاتا ہے اور عورتیں اس حکم میں بالتبع داخل ہو جاتی ہیں لیکن اس آیت میں زنا کرنے والی عورتوں اور مردوں دونوں کا ذکر کیا گیا ہے، نہ صرف یہ بلکہ عورتوں کے ذکر کو مقدم کیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل میں زنا کا سبب اور اس کا محرک عورت ہوتی ہے، عورت سے جنسی لذت حاصل کرنے کے لیے مرد فعل زنا کا مرتکب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (المائدۃ:۳۸) چور مرد اور چور عورت کے ہاتھوں کو کاٹ دو۔

اس آیت میں چور مرد کا ذکر چور عورت سے پہلے فرمایا کیونکہ اکثر و بیشتر اس فعل کا صدور مرد سے ہوتا ہے۔

کوڑے مارنے کے مسائل اور فقہی احکام

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس چیز کے ساتھ کوڑے لگائے جائیں گے، وہ چابک ہو یا درخت کی شاخ اور وہ چابک یا شاخ متوسط ہو نہ بہت سخت ہو، نہ بہت نرم ہو۔ حدیث میں ہے:

امام مالک، زید بن اسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں ایک شخص نے اپنے اوپر زنا کا اعتراف کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مارنے کے لیے ایک چابک منگوایا تو ایک ٹوٹا ہوا چابک لایا گیا، آپ نے فرمایا: اس سے سخت لاؤ تو درخت کی ایک نئی شاخ لائی گئی جس کے پھل بھی نہیں اتارے گئے تھے، آپ نے فرمایا: اس سے ذرا کم لاؤ، پھر ایک استعمال شدہ اور نرم شاخ لائی گئی، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے کوڑے مارنے کا حکم دیا، پھر آپ نے فرمایا: اے لوگو! اب وقت آ گیا ہے کہ تم اللہ کی حدود کے ارتکاب سے باز آ جاؤ اور جس شخص نے ان ناپاک کاموں میں سے کوئی کام کر لیا اس کو چاہیے کہ وہ اللہ کے ستر کے ساتھ اپنا پردہ رکھے، کیونکہ جس کا جرم ہم پر ظاہر ہو گیا، ہم اس کے اوپر اللہ کی کتاب کو جاری کر دیں گے۔

(موطا امام مالک رقم الحدیث:۱۵۸۸، مطبوعہ دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۰ھ)

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جس شخص پر کوڑے لگائے جائیں اس کے کپڑے اتارے جائیں یا نہیں، امام مالک اور امام ابوحنیفہ نے یہ کہا کہ اس کے اور عورت کے کپڑے نہ اتارے جائیں، البتہ وہ کپڑے اتار دیئے جائیں جو ضرب سے بچاتے ہوں۔ امام اوزاعی نے کہا: مرد کے کپڑے اتروانے میں امام کو اختیار ہے چاہے اس کے کپڑے اتروائے چاہے نہیں۔ شعبی اور نخعی نے کپڑے اتارنے سے منع کیا ہے، حضرت ابن مسعود نے فرمایا: اس امت میں کسی کے کپڑے اتارنا جائز نہیں ہے۔ ثوری کا بھی یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے جو کہا ہے کہ اس کے کپڑے اتارے جائیں غالباً ان کی مراد یہ ہے کہ مرد کے ستر کے علاوہ اس کے کپڑے اتار دیئے جائیں۔

اس میں بھی اختلاف ہے کہ حد جاری کرتے وقت انسان کے کن اعضاء پر کوڑے مارے جائیں؟ امام مالک نے کہا کہ حدود اور تعزیرات میں صرف پیٹھ پر کوڑے مارے جائیں۔ امام شافعی اور ان کے اصحاب نے کہا کہ چہرے اور نازک اعضاء کے سوا تمام جسم پر کوڑے مارے جائیں، سر پر مارنے میں اختلاف ہے۔ جمہور نے کہا کہ سر کو بچایا جائے اور امام ابو یوسف نے کہا کہ سر پر ضرب لگائی جائے، حضرت عمر اور حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ سر پر ضرب لگائی جائے، امام مالک کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی خولہ بنت عاصم پر شریک بن السحماء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کو پیش کیا، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد قذف کے کوڑے لگائے جائیں گے، اس نے کہا: یا رسول اللہ! جب ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے اوپر کسی مرد کو دیکھے تو کیا وہ گواہوں کو تلاش کرنے جائے گا؟ آپ نے پھر یہی فرمایا کہ تم گواہوں کو پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد قذف لگائی جائے گی، پھر لعان کے احکام نازل ہوئے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۶۷۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۵۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۸، مسند احمد رقم الحدیث: ۲۱۳۱، مسند ابو یعلیٰ رقم الحدیث: ۲۸۲۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۴۵۱)

کوڑوں کے ساتھ ایسی ضرب لگائی جائے، جس سے چوٹ لگے، درد ہو لیکن زخم نہ آئے۔ امام مالک اور ان کے اصحاب نے کہا ہے کہ تمام قسم کی حدود میں ضرب مساوی ہو اس سے کوئی زخم نہ پڑے۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے یہ کہا ہے کہ تعزیر میں سخت ضرب لگائی چاہیے، زنا کی ضرب شراب نوشی کی ضرب سے زیادہ شدید ہے اور شراب نوشی کی ضرب قذف (تہمت) کی ضرب سے زیادہ شدید ہے۔

پہلے شراب نوشی کی حد میں اختلاف تھا، عبد الرحمن بن ازہر بیان کرتے ہیں کہ میں نے غزوۂ حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ لوگوں کے درمیان کھڑے ہوئے تھے، آپ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جو نشہ میں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے کہا جو آپ کے پاس تھے تمہارے ہاتھ میں جو چیز آئے اس سے اس کو مارو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی اٹھا کر اس پر ماری، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص کو لایا گیا جو نشہ میں تھا، انہوں نے اس کو چالیس کوڑے مارے۔

ابن وبرہ کلبی بیان کرتے ہیں کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت عثمان بن عفان، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت علی، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم بیٹھے ہوئے تھے۔ میں

نے کہا: حضرت خالد بن ولید نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے، انہوں نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ لوگ اب بہت شراب پینے لگے ہیں اور اس کی سزا کو معمولی سمجھتے ہیں۔ حضرت عمر نے کہا: یہ کبار اصحاب تمہارے سامنے بیٹھے ہیں ان سے پوچھو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہماری رائے یہ ہے کہ جب آدمی نشہ میں ہوتا ہے تو ہذیان بکتا ہے اور جب ہذیان بکتا ہے تو لوگوں پر تہمت لگاتا ہے اور تہمت لگانے والے کی حد اسی (۸۰) کوڑے ہیں۔ حضرت عمر نے مجھ سے کہا: حضرت علی نے جو کہا ہے وہ حضرت خالد کو پہنچا دو، پھر انہوں نے اسی (۸۰) کوڑے مارے اور حضرت عمر نے بھی اسی (۸۰) کوڑے مارے۔

زانی کو کوڑے مارنے کے بعد شہر بدر کرنے میں مذاہب فقہاء

اگر زانی مرد یا زانیہ عورت محصن نہ ہو تو قرآن مجید میں اس کی سزا سو کوڑے مارنا بیان فرمائی ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

اَلزَّانِیَۃُ وَ الزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ (النور:۲) زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔

بعض احادیث میں سو کوڑے مارنے کے علاوہ ایک سال کے لیے شہر بدر کرنے کا بھی حکم ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث نمبر ۱۰۴۳ میں ہے۔ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا غیر شادی شدہ کے زنا کی حد میں سو کوڑوں کے علاوہ شہر بدر کرنا بھی داخل ہے یا نہیں؟

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں کہ غیر شادی شدہ کے زنا کرنے کی حد میں جمہور کا یہ نظریہ ہے کہ اس کو سو کوڑے مارے جائیں اور ایک سال کے لیے شہر بدر بھی کیا جائے۔ خلفاء راشدین سے بھی یہی مروی ہے، حضرت ابن عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے، فقہاء تابعین میں سے عطاء، طاؤس، ثوری ابن ابی لیلیٰ اور ابوثور کا بھی یہی نظریہ ہے، امام شافعی اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ اور یہی امام احمد کا مذہب ہے، اور امام ابوحنیفہ اور امام محمد بن حسن یہ کہتے ہیں کہ شہر بدر کرنا واجب نہیں ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان دونوں کو شہر بدر کرنا انہیں فتنہ میں ڈالنے کے لیے کافی ہے، اور ابن المسیب سے یہ روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ربیعہ بن امیہ بن خلف کو شراب نوشی کی بناء پر خیبر میں جلاوطن کر دیا۔ وہ ہرقل کے پاس جا کر نصرانی ہو گیا۔ تب حضرت عمر نے فرمایا: اس کے بعد میں کبھی کسی کو شہر بدر نہیں کروں گا۔ نیز اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف کوڑے لگانے کا حکم دیا ہے، اگر شہر بدر کرنے کو واجب قرار دیا جائے تو نص قرآن پر زیادتی لازم آئے گی۔ (المغنی مع الشرح الکبیر ج ۱۰ ص ۱۳۰، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ)

زانی اور زانیہ کو شہر بدر کرنے میں فقہاء احناف کا موقف اور دلائل

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں: غیر شادی شدہ کی حد میں کوڑوں اور شہر بدر کرنے کو جمع نہیں کیا جائے گا، امام شافعی حد میں ان دونوں سزاؤں کو جمع کرتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

البکر بالبکر جلد مائۃ و تغریب عام۔ کنوارہ کنواری کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کر دو۔ (صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی)

نیز اس سے زنا کا دروازہ بند ہو جائے گا، کیونکہ دوسرے شہر میں ان کے جان پہچان والے کم ہوں گے۔

علامہ مرغینانی حنفی لکھتے ہیں: ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فاجلدوا، پس کوڑے مارو، اللہ تعالیٰ نے کل سزا

سو کوڑے بیان کی ہے اور اس کے علاوہ کنوارے شخص کی اور کوئی سزا بیان نہیں کی (پس اگر ایک سال شہر بدر کرنے کو زنا کی حد کا جز قرار دیا جائے تو اخبار آحاد سے نص قرآن پر زیادتی لازم آئے گی اور یہ جائز نہیں ہے، اس کے برخلاف شادی شدہ کو رجم کرنا اخبار آحاد سے نہیں بلکہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور احادیث متواترہ سے قرآن مجید کے عام کو خاص کرنا جائز ہے، اس لیے یہ کہا جائے گا کہ قرآن مجید میں الزانی سے مراد کنوارہ زانی ہے اور کوڑے مارنے کا حکم کنواروں کے بارے میں ہے اور شادی شدہ زانی کی سزا یعنی اس کو رجم کرنا احادیث متواترہ سے ثابت ہے جیسا کہ عنقریب اس کی وضاحت کی جائے گی۔ سعیدی غفرلہ)

علامہ مرغینانی لکھتے ہیں: زانی کو شہر بدر کرنا زنا کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے کیونکہ اپنے شہر میں تو خاندان والوں سے حیاء آئے گی اور دوسرے شہر میں اس کو زنا کرنے سے کوئی حجاب نہیں ہوگا۔ نیز دوسرے شہر میں اس کے کھانے، پینے، رہائش، کپڑوں اور علاج معالجہ کی ضروریات کا کوئی کفیل نہیں ہوگا، اس وجہ سے یہ خطرہ ہے کہ شہر بدر کی ہوئی عورتیں اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے زنا کو کسب معاش بنالیں اور یہ زنا کی بدترین قسم ہے، اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا: فتنہ میں مبتلا کرنے کے لیے شہر بدر کرنا کافی ہے۔ اور جس حدیث میں کنوارے کی حد میں کوڑوں اور شہر بدر کرنے کو جمع کیا ہے وہ اسی طرح منسوخ ہے جس طرح اس حدیث کا وہ حصہ منسوخ ہے جس میں شادی شدہ کی حد میں رجم اور کوڑوں کو جمع کیا گیا ہے، کیونکہ پوری حدیث اس طرح ہے کنوارہ، کنواری کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور ایک سال کے لیے شہر بدر کردو اور شادی شدہ، شادی شدہ کے ساتھ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو اور پتھروں سے رجم کردو۔ (صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابوداؤد)

علامہ ابوالحسن کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ جس حدیث میں کوڑے مارنے کے ساتھ شہر بدر کرنے کا حکم ہے، اسی حدیث میں رجم کے ساتھ کوڑے مارنے کا بھی ذکر ہے اور جب جمہور فقہاء باوجود اس حدیث کے رجم کی سزا کے ساتھ کوڑے مارنے کا اضافہ نہیں کرتے تو کنوارے کی سزا میں کوڑے مارنے کے ساتھ شہر بدر کرنے کا اضافہ کیوں کرتے ہیں۔ یہ صراحتاً ترجیح بلامرجح ہے بلکہ ترجیح بالمرجوح ہے کیونکہ اس سے قرآن مجید کی ذکر کردہ حد پر زیادتی لازم آتی ہے۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی زیر بحث حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: شادی شدہ کی حد میں رجم کے ساتھ کوڑوں کو جمع کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے کہا: ان کو جمع کرنا واجب ہے، پہلے کوڑے لگائے جائیں، پھر رجم کیا جائے۔ حضرت علی، حسن بصری، اسحاق بن راہویہ، داؤد، اہل ظاہر اور بعض اصحاب شافعی کا یہی قول ہے، اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ صرف رجم کرنا واجب ہے۔ قاضی عیاض نے بعض محدثین سے نقل کیا ہے کہ جب شادی شدہ زانی بوڑھا ہو تو کوڑے لگا کر رجم کیا جائے اور اگر جوان ہو تو صرف رجم کیا جائے۔ یہ مذہب باطل اور بے اصل ہے۔ اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ احادیث کثیرہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی شدہ کو صرف رجم کرنے پر اقتصار کیا جیسا کہ حضرت ماعز اور غامدیہ کے قصہ سے ظاہر ہے (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵ مطبوعہ نور محمد) نیز احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر شادی شدہ کو صرف کوڑے مارے اور شہر بدر نہیں کیا اور کثیر آثار صحابہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب واضح کریں گے۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی (صاحب ہدایہ) لکھتے ہیں: ہاں! اگر امام کے نزدیک شہر بدر کرنے میں مصلحت ہو تو وہ جس قدر عرصہ مناسب سمجھے شہر بدر کرسکتا ہے، یہ تعزیر اور سیاست ہے کیونکہ بعض اوقات اس کا فائدہ ہوتا ہے اس لیے یہ امر امام کی رائے پر

موقوف ہے اور بعض صحابہ سے جو شہر بدر کرنے کی روایت ہے وہ بھی تعزیر اور سیاست پر محمول ہے۔
(ہدایہ اولین ص ۴۹۲-۴۹۳ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات اور فقہاء احناف کے دلائل

ائمہ ثلاثہ نے شہر بدر کرنے کی جن روایات سے استدلال کیا ہے وہ صرف تین صحابہ کی روایات ہیں، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہم، اور جو روایت صرف تین صحابہ سے مروی ہو وہ خبر متواتر یا خبر مشہور نہیں ہے صرف خبر واحد ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ احادیث خبر مشہور ہیں تو زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی غیر شادی شدہ زانی کو شہر بدر کیا یا شہر بدر کرنے کا حکم دیا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فعل بطور حد کیا ہو بلکہ یہ بھی احتمال ہے کہ آپ نے یہ فعل بطور تعزیر کیا ہو، لہٰذا ان احادیث سے شہر بدر کرنے کا حد ہونا ثابت نہیں ہوا۔

غیر شادی شدہ زانی کو صرف کوڑے مارنے کے ثبوت میں احادیث

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آکر یہ اقرار کیا کہ اس نے ایک عورت کے ساتھ زنا کیا ہے جس کا اس نے نام بھی لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے پاس کسی شخص کو بھیج کر اس سے اس کے متعلق پوچھا: اس عورت نے زنا کرنے سے انکار کیا تو آپ نے اس شخص کو کوڑے مارے اور اس عورت کو چھوڑ دیا۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۶۶، بیروت)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ بنو بکر بن لیث کا ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے چار بار یہ اقرار کیا کہ اس نے ایک عورت سے زنا کیا ہے، آپ نے اس کو سو کوڑے لگائے، پھر آپ نے فرمایا: اس عورت کے خلاف گواہ لاؤ، عورت نے کہا: خدا کی قسم! یا رسول اللہ! یہ شخص جھوٹا ہے، پھر آپ نے اس کو اسی کوڑے حد قذف لگائی۔
(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۶۷)

حضرت ابوہریرہ اور حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ پوچھا گیا کہ اگر غیر شادی شدہ باندی زنا کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا: جب وہ زنا کرے تو اس کو سو کوڑے مارو، اور اگر پھر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو اور اگر پھر زنا کرے تو پھر کوڑے مارو، پھر اس کو بیچ دو خواہ رسی کے ایک ٹکڑے کے عوض بیچنا پڑے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۶۸۳۷، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۰۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۶۹، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۱۴۳۳)

ان دونوں حدیثوں میں اس کی تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر محصن کو حد میں سو کوڑے مارے یا سو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور ایک سال کے لیے شہر بدر کیا نہ شہر بدر کرنے کا حکم دیا، اس لیے جن احادیث میں شہر بدر کرنے کا حکم ہے وہ سیاست پر محمول ہیں۔

رجم کی تحقیق

تمام مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ شادی شدہ مسلمان مرد یا عورت زنا کرے تو اس کی حد رجم ہے اور فقہاء اسلام میں سے کسی مستند شخص نے اس اجماع کی مخالفت نہیں کی۔ بعض خارجیوں نے اس اجماع کی اگر مخالفت کی ہے تو اس سے کوئی فرق نہیں

پڑتا، البتہ ہمارے زمانے میں منکرینِ حدیث کی ایک جماعت پیدا ہوئی جنہوں نے سنت کی حجیت کا انکار کیا اور مستشرقین نے اسلام کے خلاف جو کچھ زہر اُگلا اس کو انہوں نے قبول کرلیا۔ان لوگوں نے جہاں اسلام کے اور بہت سے اجماعی اور مسلمہ عقائد کا انکار کیا ہے ان میں سے ایک رجم کا مسئلہ ہے، یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں زانی کی سزا صرف کوڑے مارنا ہے اور جن احادیث میں رجم کا ذکر ہے وہ اخبار آحاد ہیں اور خبر واحد سے قرآن مجید کو منسوخ کرنا جائز نہیں ہے۔

منکرین سنت کا یہ قول قطعاً باطل اور مردود ہے، اول تو یہ غلط ہے کہ قرآن مجید میں رجم کا اصلاً ذکر نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں اشارتاً رجم کا ذکر موجود ہے جیسا کہ ان شاء اللہ عنقریب ہم واضح کریں گے اور ثانیاً یہ مفروضہ بھی غلط ہے کہ رجم کا حکم اخبار آحاد سے ثابت ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ رجم کا حکم پچاس سے زیادہ صحابہ سے مروی ہے اور یہ احادیث معناً اخبار متواترہ ہیں جیسا کہ ہم ان شاء اللہ اس پر تفصیلاً گفتگو کریں گے اور اخیر میں ہم منکرین سنت کے مشہور اور اہم اعتراضات کے جوابات ذکر کریں گے۔ فنقول وباللہ التوفیق وبہ الاستعانۃ یلیق۔

قرآن مجید سے رجم کا ثبوت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ۔ (المائدہ: ۴۳)　اور وہ کیسے آپ کو منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے!

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے (جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث نمبر: ۴۳۲۵ میں ہے) کہ یہود زنا کرنے والوں سے یہ کہتے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ، اگر وہ منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کا حکم دیں تو اس پر عمل کرنا اور اگر رجم کا حکم دیں تو ان سے دور رہنا۔علامہ ابن کثیر نے ان آیات کے شانِ نزول میں لکھا ہے کہ سنن ابوداؤد میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک مرد اور ایک عورت کا مقدمہ لایا گیا جنہوں نے زنا کیا تھا، آپ نے فرمایا: تم اپنے مذہب کے دو سب سے بڑے عالموں کو لاؤ، وہ صوریا کے دو بیٹوں کو لائے، آپ نے ان کو قسم دے کر پوچھا: ان زنا کرنے والوں کا حکم تورات میں کیا لکھا ہے؟ انہوں نے کہا: تورات میں ہے کہ جب چار آدمی یہ گواہی دیں کہ انہوں نے ان کو اس طرح زنا کرتے دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں جاتی ہے تو ان کو رجم کردیا جائے، آپ نے فرمایا: تم ان کو رجم کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے کہا: ہماری حکومت چلی گئی اور ہم قتل کو ناپسند کرتے ہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گواہوں کو بلایا اور چار آدمیوں نے آکر یہ گواہی دی کہ انہوں نے اس طرح دیکھا ہے جیسے سلائی سرمہ دانی میں ہوتی ہے، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ یہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تورات کے حکم کے مطابق انہیں رجم کرنے کا حکم دیا۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۶۸-۶۹، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۹ھ)

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

المراد ہذا الامر الخاص وہو الرجم لانہم طلبوا الرخصۃ بالتحکیم۔ (تفسیر کبیر ج ۴ ص ۳۶۲)　اس آیت میں حکم اللہ سے مراد بالخصوص رجم ہے کیونکہ یہودیوں نے رخصت حاصل کرنے کیلئے آپ کو حکم بنایا تھا۔

قرآن مجید اور احادیث میں جو یہ ذکر ہے کہ تورات میں حکم اللہ یعنی رجم موجود ہے، اس کی تفصیل تورات میں حسب ذیل ہے:
پر اگر یہ بات سچ ہو کہ لڑکی میں کنوارے پن کے نشان نہیں پائے گئے O تو وہ اس لڑکی کو اس کے باپ کے گھر کے دروازہ پر نکال لائیں اور اس کے شہر کے لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے کیونکہ اس نے اسرائیل کے درمیان شرارت کی کہ اپنے باپ کے گھر میں فاحشہ بن گئی۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا O (استثناء: ۲۱-۲۲)
اگر کوئی کنواری لڑکی کسی شخص سے منسوب ہو گئی اور کوئی دوسرا آدمی اسے شہر میں پا کر اس سے صحبت کرے تو تم ان دونوں کو اس شہر کے پھاٹک پر نکال لانا اور ان کو تم سنگسار کر دینا کہ وہ مر جائیں O لڑکی کو اس لیے کہ وہ شہر میں ہوتے ہوئے نہ چلائی اور مرد کو اس لیے کہ اس نے اپنی ہمسایہ کی بیوی کو بے حرمت کیا۔ یوں تو ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دفع کرنا O (استثناء: ۲۳-۲۴)
یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ تورات میں آج تک یہ آیت موجود ہے حالانکہ ہر دور میں تورات میں تحریف ہوتی رہی، بلکہ قدرت خداوندی دیکھئے کہ یہ آیت انجیل میں بھی موجود ہے، یوحنا کی انجیل میں ہے:
اور فقیہ اور فریسی ایک عورت کو لائے جو زنا میں پکڑی گئی تھی اور اسے بیچ میں کھڑا کر کے یسوع سے کہا O اے استاد! یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی ہے۔ توریت میں موسیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ایسی عورتوں کو سنگسار کریں۔ پس تو اس عورت کی نسبت کیا کہتا ہے؟ O انہوں نے اسے آزمانے کے لیے یہ کہا تا کہ اس پر الزام لگانے کا کوئی سبب نکالیں مگر یسوع جھک کر انگلی سے زمین پر لکھنے لگا O جب وہ اس سے سوال کرتے ہی رہے تو اس نے سیدھے ہو کر ان سے کہا کہ جو تم میں بے گناہ ہو وہی پہلے اس کو پتھر مارے O (یوحنا: باب ۸ آیت ۳-۸)
تورات اور انجیل کے ان اقتباسات سے یہ واضح ہو گیا کہ شادی شدہ زانی کو رجم کرنے کا حکم پچھلی آسمانی کتابوں میں موجود تھا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اس وقت (نزول قرآن کے وقت) کی موجودہ کتابوں کا جو مصداق قرار دیا ہے وہ اسی حکم کے اعتبار سے ہے اور اللہ کی قدرت ہے کہ ہزارہا تحریفات کے باوجود رجم کا یہ حکم تورات اور انجیل میں آج بھی موجود ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو زانی یہودیوں کے متعلق جو رجم کا فیصلہ فرمایا تھا اس کے متعلق سورۂ مائدہ میں جو آیات نازل ہوئی تھیں، اسی سیاق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّؕ- (المائدہ: ۴۸)

اور ہم نے حق کے ساتھ یہ کتاب آپ پر نازل کی ہے، درآں حالیکہ یہ ان آسمانی کتابوں کی مصدق اور نگہبان ہے جو اس کے سامنے ہیں، سو آپ ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ کیجئے اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے، اس سے دور ہو کر ان کی خواہشات کے پیچھے نہ لگیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آسمانی کتابیں تورات اور انجیل موجود تھیں اور خود قرآن مجید ناطق اور شاہد ہے کہ ان کتابوں میں تحریف کی جا چکی ہے، ان کے باوجود قرآن مجید فرماتا ہے کہ قرآن ان کا مصداق اور نگہبان ہے اور جس چیز کا قرآن مجید مصدق ہے وہ رجم کا حکم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم اللہ قرار دیا ہے اور اسی کا قرآن مجید نگہبان ہے اور یہی وجہ ہے کہ آئے دن کی تحریفات کے

باوجود تورات اور انجیل میں رجم کا حکم آج بھی موجود ہے اور یہ قرآن مجید کا معجزہ اور اس کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔

رجم کی منسوخ التلاوت آیت

امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں:

عن زر بن حبیش قال قال لی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کاین تعد او کاین تقرء سورۃ الاحزاب قلت ثلث وسبعین آیۃ قال اقط لقد رایتھا وانھا لتعدل سورۃ البقرۃ وان فیھا الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم○ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱۱)

زر بن حبیش کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم سورہ احزاب میں کتنی آیات شمار کرتے ہو؟ میں نے کہا: تہتر (۷۳) آیتیں! حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بس یہی؟ حالانکہ ہم دیکھتے تھے کہ یہ سورہ، سورۃ البقرہ کے برابر تھی اور اس میں یہ آیت تھی (ترجمہ) جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو ضرور رجم کردو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرتناک سزا ہے اور اللہ تعالیٰ غالب، حکمت والا ہے○

''سورۂ احزاب ابتداءً سورۃ البقرہ کے برابر تھی''، اس کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں اس کی بعض آیات کی تلاوت کو منسوخ کردیا گیا، قرآن مجید میں ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (البقرہ: ۱۰۶)

جس آیت کو ہم منسوخ کردیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں ان سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔

جیسا کہ آیت رجم کو منسوخ کردیا گیا، بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اس سورت میں قرآن مجید کی آیات کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام تفسیر بھی لکھ لیتے تھے جس کو بعد میں حذف کردیا۔

نیز امام بیہقی روایت کرتے ہیں:

کثیر بن صلت کہتے ہیں کہ ہم مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور ہم میں حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے، حضرت زید نے کہا: یہ آیت ہم پڑھتے تھے: جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو ضرور رجم کرو، مروان نے کہا: ہم اس آیت کو قرآن مجید میں کیوں نہ داخل کردیں؟ حضرت زید نے فرمایا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ شادی شدہ جوان آدمیوں کو بھی رجم کیا جاتا ہے۔ حضرت زید نے کہا کہ صحابہ اس پر بحث کررہے تھے اور اس وقت ہم میں حضرت عمر بن الخطاب بھی تھے۔ انہوں نے کہا: اس مسئلہ میں، میں تمہاری تسلی کروں گا اور کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر اس کا ذکر کروں گا اور جب آپ رجم کا ذکر کریں گے تو میں کہوں گا: یا رسول اللہ! آیت رجم لکھوا دیجئے، حضرت عمر کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور آپ سے اس کا ذکر کیا، جب آپ نے آیت رجم کا ذکر کیا تو میں نے کہا: یا رسول اللہ! آیت رجم لکھوا دیجئے، آپ نے فرمایا: مجھے اس کا اختیار نہیں ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اور اس سے پہلی حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ آیت رجم کا حکم ثابت ہے اور اس کی تلاوت منسوخ ہے اور میرے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ (سنن کبریٰ ج ۸ ص ۲۱۱، ملتان)

امام حاکم متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں:

عکرمہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص نے رجم کا انکار کیا اس نے قرآن کا انکار کیا، حالانکہ اس کو گمان بھی نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے رسول آچکے ہیں اور وہ ان بہت سی باتوں کو بیان کرتے ہیں جن کو تم چھپاتے تھے'' اور رجم کو بھی یہود چھپاتے تھے۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور بخاری اور مسلم نے اس کو بیان نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۴ ص ۳۵۹، مکہ مکرمہ)

کثیر بن صلت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن العاص اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہما قرآن مجید کے نسخے لکھ رہے تھے، جب اس آیت پر پہنچے تو حضرت زید نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت تلاوت کرتے ہوئے سنا ہے کہ جب بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت زنا کریں تو ان کو ضرور رجم کرو۔ حضرت عمرو نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر عرض کیا: اس آیت کو لکھ دیجئے تو آپ نے اس بات کو ناپسند کیا، حضرت عمرو نے کہا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر شادی شدہ بوڑھا زنا کرے تو اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں اور رجم بھی کیا جاتا ہے، اور جب غیر شادی شدہ بوڑھا زنا کرے تو اس کو صرف کوڑے لگائے جاتے ہیں اور جب شادی شدہ شخص زنا کرے تو اس کو رجم کیا جاتا ہے، اس حدیث کی سند صحیح ہے اور بخاری اور مسلم نے اس کو روایت نہیں کیا۔ (المستدرک ج ۴ ص ۳۶۰، مکہ مکرمہ)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے متعدد طرق اور اسانید سے اس حدیث کو بیان کیا ہے اور انہوں نے اس کے منسوخ التلاوت ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس کے الفاظ میں اختلاف ہے، بعض روایات میں یہ الفاظ بھی ہیں:

بما قضیا من اللذۃ۔ انہوں نے جولذت حاصل کی ہے (اس وجہ سے رجم کرو)

نیز اس آیت کے الفاظ کے عموم پر عمل نہیں ہوتا کیونکہ مطلقاً بوڑھے شخص کو رجم نہیں کیا جاتا بلکہ اس بوڑھے شخص کو رجم کیا جاتا ہے جو شادی شدہ ہو اور اگر غیر شادی شدہ ہو تو اس کو کوڑے لگائے جاتے ہیں، جیسا کہ حضرت عمرو بن العاص نے وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ (فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۴۳، لاہور)

اس آیت کے منسوخ التلاوت ہونے پر ایک دفعہ ایک فاضل شخص نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ حدیث میں ہے:

کلامی لاینسخ کلام اللہ۔ (مشکوٰۃ ص ۳۲) میرا کلام، کلام اللہ کو منسوخ نہیں کرتا۔

پھر حدیث سے یہ آیت کیسے منسوخ ہوگئی؟ میں نے اس کے جواب میں کہا: کلام اللہ سے مراد قرآن مجید ہے اور قرآن مجید کے الفاظ منضبط ہیں اور وہ الفاظ تواتر سے ثابت ہیں اور اس آیت کے الفاظ غیر منضبط ہیں اور ان الفاظ کا ثبوت تواتر سے نہیں ہے، اس لیے یہ الفاظ قرآن مجید نہیں ہیں، لہٰذا ان کے منسوخ التلاوت ہونے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔

آیت رجم کی بحث

میرے شیخ علامہ سید احمد سعید کاظمی قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں:

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا: لوگو! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں جس کا کہنا میرے لیے مقدر کر دیا گیا ہے، میں نہیں جانتا شاید میری موت میرے سامنے ہو، جو شخص میری بات کو سمجھ کر اسے یاد رکھے، اسے چاہیے کہ جہاں تک وہ پہنچ سکتا ہو وہاں تک میری بات لوگوں کو بتا دے اور جسے خوف ہو کہ اس بات کو نہ سمجھ سکے گا تو میں اسے اپنے اوپر

جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دیتا، وہ بات یہ ہے کہ " بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور ان پر کتاب نازل فرمائی اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اس میں رجم کی آیت بھی تھی، ہم نے وہ آیت پڑھی اور اسے سمجھا اور اسے یاد رکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیا اور حضور کے بعد ہم نے بھی رجم کیا۔ مجھے خوف ہے کہ طویل زمانہ گزر جانے کے بعد کوئی کہنے والا کہہ دے کہ خدا کی قسم! اللہ کی کتاب میں ہم رجم کی آیت نہیں پاتے تو لوگ اللہ کے نازل کیے ہوئے فریضہ کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں۔ اللہ کی کتاب میں رجم برحق ہے، ہر اس آزاد مرد اور عورت پر جس نے شادی شدہ ہونے کے بعد زنا کیا، بشرطیکہ شرعی گواہ قائم ہو جائیں یا (عورت کا) حمل ظاہر ہو جائے یا اقرار ہو۔ (بخاری شریف جلد ثانی ص ۱۰۰۹، صحیح مسلم ج ۲ ص ۶۵، مؤطا امام مالک ص ۶۸۵)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن مجید کی آیت الزانیۃ والزانی میں سو کوڑوں کی سزا کا ذکر آزاد غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے ہی ہے اور رجم کی سزا کا تعلق غیر شادی شدہ سے نہیں بلکہ وہ شادی شدہ کیلئے مخصوص ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ غیر شادی شدہ کی سزا قرآن پاک کے الفاظ میں صراحتاً مذکور ہے اور شادی شدہ کی سزا صراحتاً حدیث اور سنت نبوی میں وارد ہے اور ہم بارہا بتا چکے ہیں کہ وہ احادیث جن میں رجم کی سزا مذکور ہے وہ متواتر المعنی ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت ہیں، جس طرح قرآن کی آیات وحی الٰہی ہیں اسی طرح سنت اور حدیث نبوی بھی وحی الٰہی ہے اور اسی بناء پر اس کا دلیل شرعی ہونا ہم قرآن مجید سے ثابت کر چکے ہیں، جو چیز قرآن سے ثابت ہو، اس سے جس حکم کا ثبوت ہو جائے وہ عین قرآن کے مطابق ہے، اسے خلافِ قرآن کہنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

دیکھیے قبلہ اولیٰ کے قبلہ ہونے کا حکم قرآن میں وارد نہیں بلکہ حدیث سے ثابت ہے، اسی طرح پانچ نمازیں، ان کی تعداد رکعات اور ادا کرنے کی ترتیب مثلاً نماز میں رکوع، سجود، قیام اور قعود اور ان سب ارکان کی ترتیب سب سنت نبوی سے ثابت ہے، اگر سنت اور حدیث کو نظر انداز کر کے صرف اقیموا الصلوٰۃ اور اٰتوا الزکوٰۃ کو سامنے رکھ لیا جائے تو نہ اقامت صلوٰۃ کے حکم پر عمل ہو سکتا ہے نہ ہی ایتاء زکوٰۃ کے فریضہ سے سبکدوش ہونا ممکن ہے، اس لیے سنت اور حدیث کو لازمی طور پر تسلیم کرنا پڑے گا تاکہ قرآن کے معنی سمجھ میں آجائیں اور مرادِ الٰہی کے مطابق احکامِ قرآنیہ پر عمل کرنا ممکن ہو۔

آیت رجم کا نزول اور اس کا منسوخ التلاوۃ ہونا احادیث صحیحہ کی روشنی میں واضح ہو چکا ہے، اس کے باوجود ہم نزول الفاظ اور نسخِ تلاوت کے قطعی اور متواتر ہونے کا قول نہیں کرتے لیکن یہ ضرور کہتے ہیں کہ رجم کے معنی تواتر اور قطعیت کے ساتھ قرآن پاک میں موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ۔ (المائدہ: ۴۳) اور وہ کیسے آپ کو منصف بنائیں گے حالانکہ ان کے پاس تورات ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے!

(مقالاتِ کاظمی ج ۳ ص ۳۹۹-۴۰۰ مکتبہ فریدیہ ساہیوال، ۱۴۰۷ھ)

رجم کی احادیثِ متواترہ

رجم کی صحیح مرفوع متصل احادیث ترپن (۵۳) صحابہ سے مروی ہیں جن کو مسلم اور مستند جلیل القدر محدثین نے اپنی تصانیف

میں متعدد اسانید کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کے علاوہ ثقہ تابعین کی چودہ (۱۴) مرسل روایات ہیں، چودہ (۱۴) آثار صحابہ اور پانچ (۵) فتاویٰ تابعین ہیں جن کو کبار محدثین نے اسانید کثیرہ کے ساتھ اپنی مصنفات میں درج کیا ہے، یہ کل چھیاسی (۸۶) احادیث ہیں۔ ہم نے جن اعداد وشمار کا ذکر کیا ہے، یہ ان کتب احادیث سے حاصل کیے گئے ہیں جو ہمارے پاس موجود اور دستیاب ہیں۔ ان کے علاوہ بے شمار کتب احادیث ہیں جو ہماری دسترس سے باہر ہیں، اس لیے حتمی اور قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ رجم کے سلسلہ میں کتنی احادیث مرفوعہ، مرسلہ، آثار صحابہ اور فتاویٰ تابعین موجود ہیں۔ بہر حال ہم نے جو اعداد وشمار تتبع اور تلاش سے حاصل کیے ہیں ان کی بناء پر یہ اطمینان اور یقین ہو جاتا ہے کہ رجم کا ثبوت جن احادیث سے ہے وہ معناً متواتر ہیں اور اس عدد سے اس بات پر شرح صدر ہو جاتا ہے کہ یہ احادیث اس قوت میں ہیں کہ ان سے قرآن مجید کی وضاحت کی جاسکتی ہے اور ان احادیث متواترہ کی بناء پر یہ قول صحیح اور برحق ہے کہ قرآن مجید میں جس زانیہ اور زانی کی سزا سو کوڑے مارنا بیان کی ہے اس سے آزاد اور غیر محصن (غیر شادی شدہ) زانی اور زانیہ مراد ہیں، رہے آزاد اور محصن (شادی شدہ) زانیہ اور زانی تو ان کی حد رجم کرنا ہے جیسا کہ احادیث متواترہ میں اس کا بیان ہے۔

منکرین رجم یہ شبہ وارد کرتے ہیں کہ سنت سے قرآن مجید کے عموم قطعی کی تخصیص کیسے کی جاسکتی ہے؟ اس کا جواب اولاً یہ ہے کہ الزانیۃ والزانی میں عموم قطعی نہیں ہے کیونکہ قرآن مجید میں باندیوں کے زنا کی سزا کے متعلق ہے:

فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۖ یعنی باندیوں کی سزا آزاد عورتوں کی سزا کا نصف ہے

(النساء: ۲۵)

یعنی باندیوں کی سزا پچاس کوڑے ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آیت نور میں جو زانیوں کی سزا سو کوڑے بیان کی گئی ہے اس سے ہر زانی اور زانیہ مراد نہیں ہے بلکہ آزاد زانیہ اور زانی مراد ہے کیونکہ باندیوں کی سزا سورۂ نساء میں اس کی نصف بیان کی گئی ہے اور جب اس آیت میں خود قرآن مجید سے تخصیص ہوگئی تو اس کا عموم قطعی نہ رہا اور یہ ہر زانیہ اور زانی کو شامل نہیں ہے، اس لیے اگر سنت متواترہ سے اس میں تخصیص کی جائے اور اس بناء پر اس کو غیر شادی شدہ زانیوں کے ساتھ مختص قرار دیا جائے تو اس میں کیا استبعاد ہے!

رہے آزاد اور شادی شدہ زانی تو ان کی سزا رجم ہے جیسا کہ احادیث متواترہ میں اس کا بیان ہے۔

ہم نے شرح صحیح مسلم میں رجم کی ۱۵۳ احادیث مرفوع بیان کی ہیں، ۱۴ مرسل روایات بیان کی ہیں، ۱۴ آثار صحابہ اور ۵ فتاویٰ تابعین کا ذکر کیا ہے۔ (شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۸۰۴-۸۱۶)

حد زنا کے دیگر مباحث شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۸۱۶-۸۴۰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: زانی مرد صرف زانیہ عورت یا مشرکہ عورت سے نکاح کرے گا اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک مرد سے نکاح کرے گی اور مؤمنوں پر اس (نکاح) کو حرام کر دیا گیا ○ (النور: ۳)

زانیہ کے لیے صرف زانی سے نکاح کی اجازت کی احادیث

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں سے ایک شخص نے ام مہزول نامی ایک عورت سے نکاح کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی، وہ عورت زنا کرتی تھی اور اس پر اجرت لیتی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے

سامنے یہ آیت پڑھی: وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ (النور: ۳)

(مسند احمد ج ۲ ص ۱۵۹، قدیم، مسند احمد رقم الحدیث: ۶۴۸۰، ۷۰۹۹، ۷۱۰۰، شیخ احمد محمد شاکر نے کہا: اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور اس کے راویوں کی توثیق بھی کی گئی ہے۔ حاشیہ مسند احمد ج ۶ ص ۴۳-۵-۳، دار الحدیث قاہرہ، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۱۸۱۹، حافظ الہیثمی نے کہا: امام احمد کی سند صحیح ہے، مجمع الزوائد ج ۷ ص ۷۴، سنن بیہقی ج ۷ ص ۵۳، المستدرک ج ۲ ص ۳۹۶)

عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مرثد بن ابی مرثد ایک ایسا شخص تھا جو مکہ سے قیدیوں کو لا کر انہیں مدینہ پہنچاتا تھا، مکہ میں ایک زانیہ عورت تھی جس کا نام عناق تھا، وہ مرثد کی دوست تھی، اس نے مکہ کے کسی قیدی سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کو مدینہ پہنچائے گا، اس نے کہا میں مکہ گیا حتیٰ کہ ایک چاندنی رات میں، میں مکہ کی دیواروں میں سے ایک دیوار کے سائے میں پہنچا، پس عناق آ گئی۔ میں نے دیوار کے ساتھ کسی شخص کا سایا دیکھا تھا، میں جب وہاں پہنچا تو میں نے اس کو پہچان لیا، اس نے کہا: مرثد ہے؟ میں نے کہا: مرثد ہوں، اس نے کہا: خوش آمدید، میرے پاس آؤ، میں اس رات اس کے پاس ٹھہرا۔ میں نے اس سے کہا: اے عناق! اللہ نے زنا کو حرام کر دیا ہے، اس عورت نے (مکہ کے لوگوں سے) کہا: اے خیمے والو! یہ شخص تمہارے قیدیوں کو چھڑا کر لے جاتا ہے، سوآٹھ آدمیوں نے میرا پیچھا کیا، میں الخندمہ (مکہ کا ایک پہاڑ) کی طرف گیا اور کسی غار میں گھس گیا، وہ غار کے سر پر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے وہاں پیشاب کیا اور ان کا پیشاب میرے سر پر پڑا، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں مجھ سے اندھا کر دیا، میں اپنے اس (قیدی) ساتھی کے پاس پلٹا، وہ بہت بھاری جسم کا تھا حتیٰ کہ میں اذخر گھاس کے پاس پہنچا اور میں نے اس کی بیڑیاں کھولیں، پھر میں اس کو اٹھا کر لے گیا اور وہ بھی میری مدد کرتا رہا حتیٰ کہ میں اسے لے کر مدینہ پہنچ گیا، پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! کیا میں عناق سے نکاح کر لوں؟ میں نے یہ سوال دو مرتبہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہیں دیا حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوگئی: زانی مرد صرف زانیہ عورت یا مشرکہ عورت سے نکاح کرے گا اور زانیہ عورت صرف زانی مرد یا مشرک مرد سے نکاح کرے گی اور مؤمنوں پر اس (نکاح) کو حرام کر دیا گیا O (النور: ۳)

(سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۷۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۱، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۲۲۸، المستدرک ج ۲ ص ۱۶۶، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۵۳)

زانیہ سے مؤمن کے نکاح کی ممانعت کی توجیہات

سورۃ النور: ۳ اور مذکور الصدر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مسلمان مرد زانیہ عورت سے نکاح نہیں کر سکتا اور کوئی مسلمان عورت زانی مرد سے نکاح نہیں کر سکتی، اس مسئلہ میں فقہاء کے مسالک حسب ذیل ہیں:

(۱) یہ ممانعت عام نہیں ہے بلکہ ام مہزول اور عناق کے ساتھ مخصوص ہے، جیسا کہ ابھی احادیث کے حوالوں کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

(۲) ابوصالح نے کہا: یہ ممانعت اہل الصفہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

(۳) حسن بصری نے کہا: یہ ممانعت ہر زانی اور ہر زانیہ کے لیے عام نہیں ہے بلکہ اس زانی اور زانیہ کے ساتھ مخصوص ہے جس کو حد میں کوڑے لگ چکے ہوں: اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس زانی کو کوڑے مارے جا چکے ہوں، وہ صرف

اپنی مثل کے ساتھ نکاح کرے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۰۵۲، المستدرک ج ۲ ص ۲۶۶، مسند احمد ج ۲ ص ۳۲۴، کنز العمال رقم الحدیث: ۴۴۶۹۷)

(۴) اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اکثر اور غالب زنا کرنے والے اپنی مثل زانیہ سے ہی نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہیں۔ کرخی نے کہا ہے کہ فاسق خبیث جو زنا کرتا ہے وہ کسی نیک خاتون سے نکاح کرنے کو پسند نہیں کرتا، وہ اپنی مثل فاسقہ یا مشرکہ سے نکاح کرنے کو پسند کرتا ہے، اسی طرح فاسقہ خبیثہ عورت کسی نیک باشرع اور متقی مرد سے نکاح کرنے کو پسند نہیں کرتی بلکہ اس سے متنفر ہوتی ہے (جیسا کہ اس دور میں آزاد اور فیشن ایبل الٹرا ماڈرن لڑکیاں کسی نمازی ڈاڑھی رکھنے والے شخص سے نکاح کرنے سے نفرت کرتی ہیں) بلکہ وہ اپنے جیسے فاسق (آزاد فیشن زدہ) مرد سے نکاح کرنے کو پسند کرتی ہیں اور یہ حکم عام، اکثر اور غالب افراد کے اعتبار سے ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نیک کام تو صرف پرہیز گار لوگ کرتے ہیں حالانکہ بعض اوقات فاسق لوگ بھی نیک کام کر لیتے ہیں، اسی طرح اس آیت کا محمل یہ ہے کہ زنا کرنے والا مرد اور زنا کرنے والی عورت صرف اپنے جیسے شخص سے نکاح کرنا پسند کرتے ہیں۔

زانیہ سے مؤمن کے نکاح کی ممانعت کا منسوخ ہونا

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی مالکی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں:

سورۃ النور: ۳، سورۃ النور: ۳۲ سے منسوخ ہے اور منسوخ کرنے والی آیت یہ ہے:

وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآئِكُمْ ؕ (النور: ۳۲) تم میں سے جو مرد اور عورت بے نکاح ہوں، ان کا نکاح کر دو اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا بھی۔

اس آیت میں مطلقاً بے نکاح مردوں اور عورتوں کا نکاح کرنے کا حکم دیا ہے خواہ وہ زنا کار ہوں یا نہ ہوں اور جن سے ان کا نکاح کیا جائے خواہ وہ زنا کار ہوں یا نہ ہوں۔

ابوجعفر النحاس نے کہا: یہ اکثر فقہاء اور اہل فتویٰ کا قول ہے کہ جس شخص نے کسی عورت سے زنا کیا ہو اس کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے اور اس کے علاوہ دوسرے شخص کے لیے بھی اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عمر، سالم، جابر بن زید، طاؤس، عطاء، امام مالک بن انس اور امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے، امام شافعی نے کہا: سعید بن المسیب کا قول صحیح ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔

روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک مرد نے ایک عورت سے زنا کیا اور دونوں کو سو سو کوڑے مارے، پھر ان کا ایک دوسرے کے ساتھ نکاح کر دیا اور ان کو ایک سال کے لیے شہر بدر کر دیا۔ حضرت عمر، ابن مسعود اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کا اول زنا ہے اور اس کا آخر نکاح ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کسی کے باغ سے پھل چوری کرے۔ پھر اس کے مالک سے اس باغ کے پھل خرید لے، اس نے جو چوری کی تھی وہ حرام ہے اور جو مال خریدا ہے وہ حلال ہے۔ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے اسی اثر سے استدلال کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۱۵۶-۱۵۷، ملخصاً مطبوعہ دار الفکر بیروت، ۱۴۱۵ ھ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں، پھر (اس کے ثبوت میں) چار گواہ نہ پیش کر سکیں تو تم

ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی شہادت کو کبھی بھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں O سوا ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں۔تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بے حد مہربان ہے O (النور:۴-۵)

قذف کا لغوی معنی

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی متوفی ۱۲۰۵ھ قذف کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قذف بالحجارۃ کا معنی ہے: پتھر پھینکنا، اور قذف المحصنہ کا معنی ہے پاک دامن عورت کو زنا کی تہمت لگانا اور یہ مجاز ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ قذف کا معنیٰ ہے: گالی دینا اور حدیث میں ہے کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کو شریک کے ساتھ تہمت لگائی، اصل میں قذف کا معنی ہے: پھینکنا، پھر یہ لفظ گالی دینے اور زنا کی تہمت میں استعمال ہوا۔ (تاج العروس ج ۶ ص ۲۱۷، مصر)

قذف کا شرعی معنی

علامہ زین الدین ابن نجیم متوفی ۹۷۰ھ قذف کا اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قذف کا شرعی معنی ہے: کسی محصن (مسلمان پاک دامن) کو زنا کی تہمت لگانا اور فتح القدیر میں ہے: اس پر اجماع ہے کہ حد کا تعلق اس کے ساتھ ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے: ''جو لوگ محصنات (مسلمان اور پاک دامن) عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور پھر اس پر چار مرد گواہ نہ لائیں تو ان کو اسی (۸۰) کوڑے مارو'' اسی آیت میں لفظ رمی سے زنا کی تہمت مراد ہے حتیٰ کہ اگر کسی شخص کو دیگر گناہوں کی تہمت لگائی تو اس پر حد قذف واجب نہیں ہوگی بلکہ تعزیر واجب ہوگی اور اس آیت میں جو چار گواہ نہ لانے کی شرط لگائی ہے، اس سے زنا کی تہمت کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ صرف زنا کے ثبوت کے لیے چار گواہوں کی ضرورت ہے۔ ہر چند کہ اس آیت میں محصنات کا لفظ ہے جو مؤنث کا صیغہ ہے لیکن یہ حکم مردوں کو بھی شامل ہے اور یہ بات نہیں ہے کہ صرف عورت کو زنا کی تہمت لگانے سے حد قذف واجب ہوتی ہے بلکہ مسلمان اور پاک دامن عورت یا مرد جس کو بھی زنا کی تہمت لگائی گئی اور اس کے ثبوت میں چار گواہ نہ لائے جا سکیں تو تہمت لگانے والے پر حد قذف واجب ہوگی۔ (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۹-۳۰، مطبوعہ مصر، ۱۳۱۱ھ)

قرآن مجید کی روشنی میں قذف کا حکم

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۙ (النور:۴)

اور جو لوگ مسلمان پاک دامن عورتوں کو (زنا کی) تہمت لگائیں، پھر چار مرد گواہ نہ لائیں ان کو اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کو کبھی قبول نہ کرو اور یہی لوگ فاسق ہیں O

اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۪ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۙ (النور:۲۳)

بے شک جو لوگ پاک دامن بے خبر، مسلمان عورتوں کو (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت کی گئی ہے اور ان کے لیے عذاب عظیم ہے O

احادیث کی روشنی میں قذف کا حکم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، جس شخص کے قتل کو حق کے سوا اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن پیٹھ موڑنا اور پاک دامن مسلمان بے خبر عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۷۶۶، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۸۹، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۷۴، سنن النسائی رقم الحدیث: ۳۶۷۱، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۱۱۳۶۱)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب میری براءت نازل ہوگئی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور قرآن مجید کی تلاوت کی اور منبر سے اترنے کے بعد آپ نے دو مردوں اور ایک عورت پر حد لگانے کا حکم دیا، سو ان کو حد لگائی گئی۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۷۴، سنن الترمذی رقم الحدیث: ۳۱۸۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۵۶۷)

عن محمد بن اسحاق بهذا الحديث قال فامر برجلين وامرأة ممن تكلم بالفاحشة حسان بن ثابت ومسطح بن اثاثه قال النفيلي ويقولون والمرأة حمنة بنت جحش۔

محمد بن اسحاق نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور کہا: جن دو مردوں اور ایک عورت نے تہمت لگائی تھی آپ نے ان کو حد قذف لگانے کا حکم دیا، حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ اور عورت حمنہ بنت جحش تھیں۔ (رضی اللہ عنہم)

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۴۷۵)

احصان کی شرائط میں مذاہب فقہاء

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں: فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ جب کوئی مکلف شخص محصن کو زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد قذف واجب ہوتی ہے اور احصان کی پانچ شرائط ہیں:

(۱) عقل (۲) حریت (۳) اسلام (۴) زنا سے پاک دامن ہونا (۵) وہ شخص اتنا بڑا ہو کہ جماع کر سکتا ہو یا اس سے جماع کیا جا سکتا ہو۔

تمام متقدمین اور متاخرین علماء نے احصان میں ان شرائط کا اعتبار کیا ہے، البتہ داؤد ظاہری نے یہ کہا ہے کہ غلام کو تہمت لگانے سے بھی حد واجب ہوگی۔ امام احمد سے بلوغ کے متعلق مختلف روایات منقول ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ شرط ہے، امام شافعی، ابوثور اور فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے کیونکہ بلوغ مکلف ہونے کی ایک شرط ہے اس لیے عقل کے مشابہ ہے اور اس لیے کہ بچہ کے زنا سے حد واجب نہیں ہوتی اس لیے اگر بچہ کسی کو زنا کی تہمت لگائے تو اس پر حد بھی نہیں ہونی چاہیے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ بلوغ کی شرط نہیں ہے کیونکہ وہ آزاد، صاحب عقل اور پاک دامن ہے اور اس تہمت سے اس کو عار لاحق ہوتا ہے اور اس قول کا صدق ممکن ہے اس لیے وہ بڑے شخص کے مشابہ ہے، یہ امام مالک اور اسحاق کا قول ہے، اس روایت کی بناء پر اس کو کم از کم اتنا بڑا ہونا چاہیے جو جماع کر سکتا ہو اور لڑکا کم از کم دس سال کا اور لڑکی نو سال کی ہو۔ (المغنی مع شرح الکبیر ج ۱۰ ص ۱۹۴، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۴ھ)

احصان کی شرائط میں مذہب احناف

علامہ ابوالحسن مرغینانی حنفی لکھتے ہیں:

احصان یہ ہے کہ جس شخص کو تہمت لگائی گئی ہے وہ (۱) آزاد (۲) عاقل (۳) بالغ (۴) مسلمان اور (۵) زنا کے فعل سے پاک دامن ہو۔ آزاد ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ قرآن مجید میں آزاد پر احصان کا اطلاق ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ۔ ان لونڈیوں کی سزا آزاد عورتوں کی نصف ہے۔

(النساء: ۲۵)

اور عقل و بلوغ کی شرط اس لیے ہے کہ بچہ اور مجنون کو زنا کی تہمت سے عار لاحق نہیں ہوتا کیونکہ ان سے فعل زنا کا تحقق نہیں ہوتا اور اسلام کی شرط اس لیے ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اشرك بالله فليس بمحصن۔ (سنن دار قطنی) جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ محصن نہیں ہے۔

اور زنا سے پاک دامن ہونے کی شرط اس لیے ہے کہ جو پاک دامن نہ ہو اس کو عار لاحق نہیں ہوگا اور تہمت لگانے والا اس تہمت میں سچا ہوگا۔

کوڑے مارنے کے احکام

علامہ المرغینانی لکھتے ہیں: امام کو ایسے کوڑے کے ساتھ مارنے کا حکم دینا چاہیے جس میں گرہ یا پھل نہ ہوں (یعنی درخت کی ایسی شاخ سے مارا جائے جس میں گرہ نہ ہو اور نہ پھل ہوں) اور متوسط ضرب کے ساتھ مارنا چاہیے، کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوڑے مارنے لگے تو انہوں نے درخت کی شاخ سے پھل کاٹ دیے، اور متوسط ضرب وہ ہوتی ہے کہ نہ تو اس سے چوٹ کا نشان پڑے اور نہ ایسی ضرب ہو جس سے بالکل تکلیف نہ ہو، کیونکہ پہلی صورت میں ہلاکت کا خدشہ ہے اور دوسری صورت میں کوڑے لگانے کا مقصد فوت ہو جائے گا، مجرم جس کے کوڑے لگائے جائیں اس کے کپڑے اتار لیے جائیں اور صرف چادر (تہبند) باقی رہے اور اس کے جسم کے متفرق اعضاء پر کوڑے مارے جائیں کیونکہ ایک جگہ کوڑے مارنے سے اس کی ہلاکت کا خدشہ ہے اور اس کے سر، چہرہ اور شرمگاہ پر کوڑے نہ مارے جائیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حد لگانے والے سے فرمایا: مردوں کو کھڑا کر کے کوڑے ماریں، کوڑے مارتے وقت کوڑے مارنے والا کوڑے کو اپنے سر سے اوپر نہ اٹھائے۔ کوڑے مارے جانے میں مرد اور عورت کے مساوی احکام ہیں۔ البتہ عورت کے صرف فالتو کپڑے اتارے جائیں گے سارے کپڑے اتار کر یا صرف تہبند میں حد نہیں لگائی جائے گی اور اس کو بٹھا کر حد لگائی جائے گی۔ (ہدایہ اولین ۴۸۹-۴۹۰، ملتان)

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ کوڑے مارنے کے لیے درخت کی ایسی شاخ لی جائے جس میں کوئی گرہ ہو نہ کوئی پھل ہو، نہ وہ سوکھی ہوئی خشک شاخ ہو، اگر وہ خشک شاخ ہو تو اس کو چھیل کر نرم کر لیا جائے، کیونکہ امام ابن شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ حکم کیا جاتا تھا کہ درخت کی شاخ سے پھل کاٹ لیے جائیں، پھر اس کو دو پتھروں کے درمیان رکھ کے کوٹ کر نرم کیا جائے، پھر اس سے کوڑے لگائے جاتے۔ علامہ ابن ہمام کہتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ ایسی شاخ سے ضرب نہ لگائی جائے جس کی کوئی جانب خشک اور سوکھی ہوئی ہو کیونکہ اس سے زخم لگے گا یا نشان پڑ جائے گا اور

نہ اس شاخ میں کوئی گرہ یا پھل ہو، کیونکہ امام عبدالرزاق نے اپنی سند کے ساتھ حضرت یحییٰ بن ابی کثیر سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے لائق حد جرم کیا ہے مجھ پر حد جاری کیجئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑا منگوایا تو ایک سخت ٹہنی لائی گئی جس میں پھل تھے، آپ نے فرمایا: اس سے کم لاؤ، پھر ایک نرم شاخ لائی گئی، آپ نے فرمایا اس سے کچھ زیادہ لاؤ، پھر ایک درمیانی شاخ لائی گئی، آپ نے فرمایا: یہ ٹھیک ہے، پھر آپ نے اس سے کوڑے مارنے کا حکم دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ متوسط شاخ سے کوڑے لگائے جائیں۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۱۵-۱۶، سکھر)

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک آزاد، عاقل، بالغ، مسلمان اور پاک دامن مرد یا عورت پر کسی مکلف نے زنا کی تہمت لگائی اور اس پر چار گواہ نہیں پیش کیے تو اس پر اسی (۸۰) کوڑے حد لازم ہوگی۔

جس پر حد قذف لگ چکی ہو اس کی شہادت قبول کرنے میں اختلاف فقہاء

جو شخص کسی پاک دامن عورت پر زنا کی تہمت لگائے، پھر اس پر چار گواہ نہ پیش کر سکے اس کے متعلق تین حکم بیان فرمائے:

ایک یہ کہ اس کو اسی (۸۰) کوڑے مارو، دوسرا یہ کہ ان کی شہادت کو کبھی قبول نہ کرو اور تیسرا یہ کہ وہی فاسق ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: سوا ان لوگوں کے جو اس کے بعد توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو بے شک اللہ بہت بخشنے والا بہت مہربان ہے۔

اس پر اجماع ہے کہ اس استثناء کا تعلق کوڑے مارنے کی سزا کے ساتھ نہیں ہے یعنی اگر کسی شخص نے تہمت لگانے کے بعد اس تہمت سے رجوع کرلیا اور یہ کہا کہ میں نے جھوٹ بولا تھا تو اس کو پھر بھی (۸۰) کوڑے مارے جائیں گے۔ البتہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ اس توبہ کے بعد اس کی شہادت قبول کی جائے گی یا نہیں۔ قاضی شریح، ابراہیم نخعی، حسن بصری، سفیان ثوری اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کی توبہ اب بھی قبول نہیں کی جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کی شہادت کو کبھی قبول نہ کرو اور اس سے استثناء کا تعلق فسق سے ہے، یعنی توبہ کرنے کے بعد وہ فاسق نہیں ہیں۔

اور ائمہ ثلاثہ نے یہ کہا ہے کہ اس استثناء کا تعلق توبہ قبول نہ کرنے کے ساتھ ہے یعنی تہمت لگانے کے بعد اس نے توبہ کرلی اور اپنی اصلاح کرلی تو پھر اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ (الجامع لاحکام القرآن ج ۱۲ ص ۱۶۵، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ائمہ ثلاثہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ صحیح بخاری میں ہے:

حضرت ابوبکرہ، شبل بن معبد اور نافع نے حضرت مغیرہ بن شعبہ پر زنا کی تہمت لگائی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تینوں کو اسی، اسی (۸۰، ۸۰) کوڑے مارے کیونکہ یہ چار گواہ نہیں پیش کر سکے تھے۔ پھر فرمایا کہ جو ان میں سے توبہ کرلے گا اس کی شہادت قبول کر لی جائے گی۔ شبل اور نافع نے اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ اپنے قول پر قائم رہے۔ (صحیح البخاری کتاب الشہادات)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

زہری نے سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوبکرہ، نافع اور شبل نے حضرت مغیرہ کے خلاف زنا کی شہادت دی اور زیاد بن ابوسفیان نے ان کی شہادت کے خلاف شہادت دی، حضرت عمر نے ان تینوں کو کوڑے مارے اور فرمایا: تم میں سے جس نے اپنی شہادت سے رجوع کرلیا اس کی شہادت قبول کرلی جائے گی۔ حضرت ابوبکرہ نے اپنی شہادت سے رجوع کرنے سے انکار کر دیا۔

ان چاروں نے حضرت مغیرہ کو الرقطاء ام جمیل بنت عمرو الہلالیہ کے پیٹ کے اوپر دیکھا، انہوں نے جا کر حضرت عمر سے

شکایت کی، حضرت عمر نے حضرت مغیرہ کو معزول کر دیا اور ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ کو بصرہ کا گورنر بنا دیا، اور حضرت مغیرہ کو حاضر کیا گیا، اول الذکر تینوں نے ان کے خلاف زنا کی شہادت دی اور زیاد بن ابوسفیان نے قطعی شہادت نہیں دی اور کہا: میں نے بہت قبیح منظر دیکھا تھا اور میں نہیں جانتا کہ انہوں نے یہ فعل کیا تھا یا نہیں، تب حضرت عمر نے ان تینوں پر حد قذف جاری کی۔ حاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے کہ زیاد نے کہا کہ میں نے ان دونوں کو ایک لحاف میں دیکھا، میں نے ان کا زور زور سے سانس سنا اور اس کے بعد کیا ہوا اس کا مجھے پتہ نہیں۔

(فتح الباری ج ۵ ص ۸۵۳-۸۵۴، مطبوعہ دارالفکر بیروت، ۱۴۲۰ھ) (تبیان القرآن ج ۸ ص ۷۳-۴۳، مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور، ۱۴۲۵ھ)

۳۱- بَابُ: قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ لَوْ كُنْتُ رَاجِمًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: اگر میں کسی کو بغیر گواہ کے سنگسار کرتا

۵۳۱۰- حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ قَالَ حَدَّثَنِي اللَّيْثُ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ ذُكِرَ التَّلَاعُنُ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ عَاصِمُ بْنُ عَدِيٍّ فِي ذٰلِكَ قَوْلًا ثُمَّ انْصَرَفَ فَأَتَاهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ يَشْكُو إِلَيْهِ أَنَّهُ قَدْ وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا فَقَالَ عَاصِمٌ مَا ابْتُلِيتُ بِهٰذَا الْأَمْرِ إِلَّا لِقَوْلِي فَذَهَبَ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَخْبَرَهُ بِالَّذِي وَجَدَ عَلَيْهِ امْرَأَتَهُ وَكَانَ ذٰلِكَ الرَّجُلُ مُصْفَرًّا قَلِيلَ اللَّحْمِ سَبْطَ الشَّعَرِ وَكَانَ الَّذِي ادَّعَى عَلَيْهِ أَنَّهُ وَجَدَهُ عِنْدَ أَهْلِهِ خَدْلًا آدَمَ كَثِيرَ اللَّحْمِ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ اللّٰهُمَّ بَيِّنْ فَجَاءَتْ شَبِيهًا بِالرَّجُلِ الَّذِي ذَكَرَ زَوْجُهَا أَنَّهُ وَجَدَهُ فَلَاعَنَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُمَا قَالَ رَجُلٌ لِابْنِ عَبَّاسٍ فِي الْمَجْلِسِ هِيَ الَّتِي قَالَ النَّبِيُّ ﷺ لَوْ رَجَمْتُ أَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ رَجَمْتُ هٰذِهِ فَقَالَ لَا تِلْكَ امْرَأَةٌ كَانَتْ تُظْهِرُ فِي الْإِسْلَامِ السُّوءَ قَالَ أَبُو صَالِحٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ آدَمَ خَدِلًا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سعید بن عفیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے اللیث نے حدیث بیان کی، از یحییٰ بن سعید از عبدالرحمٰن بن القاسم از القاسم بن محمد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرایا، تو عاصم بن عدی نے اس کے متعلق کوئی بات کہی، پھر وہ واپس چلے گئے، تو ان کی قوم سے ایک مرد آیا اور اس نے یہ شکایت کی کہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک مرد کو پایا، تو حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس معاملے میں صرف اپنی بات کی وجہ سے مبتلا ہوا ہوں، پھر وہ اس مرد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے اور آپ کو بتایا کہ اس مرد نے اپنی بیوی کے پاس ایک مرد کو پایا، اور وہ مرد زرد رو تھا، اس کے جسم پر گوشت کم تھا، اس کے بال سیدھے تھے، اور وہ مرد جس کے خلاف یہ دعویٰ کیا تھا کہ اسے اپنی بیوی کے ساتھ دیکھا ہے وہ موٹی پنڈلیوں والا، گندم گوں اور پُر گوشت تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (اللہ کے حضور) عرض کیا: اے اللہ! اس کا فیصلہ فرما دے، پھر اس مرد کی بیوی کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہوا جو اس مرد کے مشابہ تھا، جس کے متعلق اس کے خاوند نے کہا کہ اس نے اس مرد کو اپنی بیوی کے پاس پایا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان لعان کرایا، یعنی انہوں نے ایک دوسرے پر لعنت کی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک مرد نے اس مجلس میں

پوچھا گیا: یہ وہی عورت ہے جس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر میں بغیر کسی گواہ کے کسی کو رجم کرتا یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتا تو میں اس عورت کو رجم کر دیتا؟ تو حضرت ابن عباس نے فرمایا: نہیں، یہ وہ عورت تھی جس نے اسلام کا اظہار کیا اور مسلمان ہونے کے بعد برے کام کرتی تھی، ابو صالح اور عبد اللہ بن یوسف نے کہا: آدم خدلا، یعنی وہ گندی چہرے والا موٹی پنڈلیوں والا شخص تھا۔

(صحیح بخاری: ۵۳۱۶، ۶۸۵۵، ۶۸۵۶، ۷۲۳۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۷، نسائی: ۳۴۷۰، ابن ماجہ: ۲۵۶۰، احمد: ۲۰۹۶)

بغیر گواہی اور ثبوت کے کسی کو رجم کرنے کا عدم جواز

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
علامہ المھلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے بیان کیا: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ کبھی انسان اپنی بات کی وجہ سے کسی آزمائش میں مبتلا ہو جاتا ہے، کیونکہ حضرت عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کہا تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے تو وہ طیش میں آکر اس کو تلوار سے قتل کر دے گا، حتیٰ کہ پھر اس کو قصاص میں قتل کر دیا جائے گا، پس اللہ تعالیٰ نے حضرت عُویمر رضی اللہ عنہ کو جو حضرت عاصم بن عدی کی قوم کے ایک مرد تھے، اس معاملہ میں مبتلا کر دیا تا کہ اللہ تعالیٰ دکھائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملے میں کس طرح فیصلہ کرتے ہیں اور تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ کسی کے خون پر دوسرے کو محض اس کے دعویٰ سے مسلط نہیں کیا جاتا اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے ہوتا ہے تا کہ زمانہ جاہلیت کی رسم منقطع ہو جائے۔
رہا یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر میں کسی کو بغیر گواہ کے سنگسار کرتا"۔ تو آپ کا یہ ارشاد اس عورت کے متعلق تھا جو برے کام کرتی تھی، یعنی اگر میں اللہ تعالیٰ کے حق سے اور اس کے حکم سے تجاوز کرتا اور بغیر دلیل کے کسی کو رجم کر دیتا تو میں اس عورت کو رجم کر دیتا، کیونکہ اس کے خلاف دلائل قائم ہو چکے ہیں لیکن کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر کسی گواہ اور ثبوت کے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرے، اور اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح کی ہے کہ اس کی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ اس کے بندوں کے جرائم پر ستر کیا جائے اور ان کی پردہ پوشی کی جائے۔
اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! اس معاملہ کا فیصلہ فرما دے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کی حرص تھی کہ آپ کو بھی کسی مسئلہ کے باطن اور مخفی امر کا علم ہو جائے جس سے آپ حقیقتِ حال کے اوپر واقف ہو جائیں، اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت یہ ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے حکم یہ دیا ہے کہ آپ ظاہر کے مطابق فیصلہ فرمائیں، اور تمام انبیاء علیہم السلام کی یہ شریعت رہی ہے کہ وہ ظاہر دلائل کی بناء پر فیصلہ کرتے ہیں تا کہ ان انبیاء علیہم السلام کے بعد یہ سنت قائم ہو جائے کہ ان کی امت تو وحی پر مطلع نہیں ہو سکتی جس سے ان کو بواطنِ امور پر اطلاع ہو جائے۔

"خدل" کا لغوی معنی

علامہ ابن قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے: اس حدیث میں "خدل" کا لفظ ہے اور خدل کا معنی ہے: جس کی موٹی موٹی پنڈلیاں ہوں اور یہ پتلی پنڈلیوں والے کی ضد ہے، کہا جاتا ہے: "رجل همش الساقين" جب کسی شخص کی پنڈلیاں پتلی ہوں، اور خدل کہا جاتا ہے: جب کسی شخص کی پنڈلیاں موٹی ہوں۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۶ ص ۳۸۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا باطنی امور پر مطلع ہونے کے لیے حریص ہونا

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی: "اللهم بين"، یعنی اے اللہ! تو اس مخفی معاملے کو مجھ پر منکشف فرما دے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کبھی انسان اپنے قول کی وجہ سے کسی آزمائش کی وجہ سے مبتلا ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر عاصم بن عدی انصاری رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ کہا کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے اور طیش میں آ کر اس کو قتل کر دے، تو وہ اپنے اس قول کی وجہ سے اپنی قوم کے ایک مرد یعنی حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں مبتلا ہو گئے تا کہ اللہ تعالیٰ ان کو دکھائے کہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کیا حکم فرماتا ہے اور تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ محض کسی کے دعوے کی وجہ سے کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے اور کسی کو قتل کرنا صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے جائز ہوتا ہے تا کہ زمانہ جاہلیت کی رسم کا خاتمہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرنے کا عدم جواز

اس حدیث کے باب کا عنوان ہے: "اگر میں کسی کو بغیر گواہ کے رجم کر دیتا"۔

یہ آپ نے اس عورت کے متعلق فرمایا جو علی الاعلان برے کام کرتی تھی، یعنی اگر میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے تجاوز کرتا اور اس عورت کو رجم کر دیتا کیونکہ اس عورت کے فسق کے اوپر دلائل قائم تھے لیکن کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ بغیر گواہ اور ثبوت کے کسی کو رجم کرے اور سنگسار کرے اور اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرے۔ اور رب جل جلالہ نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ بندوں کے جرائم کی پردہ پوشی کی جائے۔

باطنی امور پر مطلع ہونے کی حرص

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی: "اللهم بين" اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو یہ حرص تھی کہ آپ کو کسی مسئلہ کے باطن پر مطلع کیا جائے تا کہ آپ اس کی حقیقت سے واقف ہو جائیں، اگرچہ آپ کی محکم شریعت یہ ہے کہ ظاہر کی بناء پر فیصلہ کیا جائے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی یہی شریعت ہے کہ وہ ظاہر کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں، تا کہ ان انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کی امتوں میں یہ سنت ہو جائے، کہ وہ بھی ظاہر کے مطابق فیصلہ کریں کیونکہ امتیوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی وحی پر مطلع ہونے پر کوئی سبیل اور کوئی ذریعہ نہیں ہے جس سے وہ بواطنِ امور کو جان سکیں۔

حدیث مذکور میں بعض مشکل الفاظ کے لغوی معانی

"الخدل" (خا پر زبر ہے اور دال پر جزم)، اس کا معنی ہے: جس کی پنڈلیاں بہت بھری بھری اور موٹی ہوں۔ اور یہ

انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کے متعلق سوال کیا جو حضرت عُویمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا تھا کہ آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق حکم معلوم کریں، اور میں نے اس کو صرف اس لیے وثوق سے کہا ہے کہ مجھ پر یہ منکشف ہوگیا کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے القاسم بن محمد سے جو روایت کی ہے وہ قصہ واحدہ ہے، اس کے برخلاف جو عکرمہ البربری المتوفی ۱۰۵ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت کی ہے، وہ ایک دوسرا قصہ ہے جیسا کہ سورۂ نور کی تفسیر میں اس کا پہلے ذکر کیا جاچکا ہے، حافظ ابن عبد البر مالکی المتوفی ۴۶۳ھ نے بیان کیا ہے کہ قاسم بن محمد نے لعان کا قصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے جس طرح حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے اس کی روایت کی ہے، اور اس میں یہ تغیر کردیا کہ لعان کرنے والے حضرت عُویمر رضی اللہ عنہ ہیں اور میں نے سورۂ نور میں اس کی توجیہ ذکر کردی ہے۔ اس بناء پر حضرت عاصم کا جو مبہم قول قاسم بن محمد کی روایت میں ہے وہ یہ ہے کہ ''آپ یہ بتائیے کہ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے تو کیا وہ اس کو قتل کردے، تو آپ اس کو قصاص میں قتل کردیں گے؟''۔ اور اس سے کوئی مانع نہیں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان دونوں قصوں کی معاً روایت کی ہے اور ان احادیث کے تعدد کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ان حدیثوں کا سیاق مختلف ہے، اور ایک حدیث میں اس چیز کا ذکر نہیں ہے جو دوسری حدیث میں ہے۔

مشکل الفاظ اور مبہم عبارات کے معانی

''پس حضرت عاصم بن عدی کی قوم میں سے ایک مرد آیا'': وہ حضرت عُویمر العجلانی رضی اللہ عنہ ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور اس مرد کی تفسیر حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کرنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت عاصم بن عدی کے درمیان کوئی رشتہ داری نہیں ہے، کیونکہ ہلال بن امیہ بن عامر بن عبد القیس کا تعلق بنو واقف سے ہے، اور وہ مالک بن امرء القیس بن مالک بن العوف ہیں۔ لہٰذا وہ بنو عمر بن عوف کے ساتھ مجتمع نہیں ہے جن کی طرف حضرت عاصم بن عدی کا حلف پہنچتا ہے، سوا حضرت مالک بن العوس کے، کیونکہ حضرت عمرو بن عوف وہ ابن مالک ہیں۔

''پس حضرت عاصم بن عدی نے کہا: میں اس آزمائش میں صرف اپنی بات کی وجہ سے مبتلا ہوا ہوں'': اس کی مراد پہلے واضح ہوچکی ہے، کیونکہ حضرت عُویمر بن عمرو کے نکاح میں حضرت عاصم بن عدی کی صاحبزادی تھیں یا ان کی بھتیجی تھیں، اسی وجہ سے حضرت عاصم بن عدی نے اس قصے کی اپنی ذات کی طرف اضافت کی ہے، کیونکہ انہوں نے کہا کہ ''میں اس آزمائش میں صرف اپنی بات کرنے کی وجہ سے مبتلا ہوا ہوں''۔ یعنی میں نے اس چیز کا سوال کیا جو واقع نہیں ہوئی تھی، گویا کہ انہوں نے کہا کہ اس وجہ سے مجھے میرے اہلِ بیت کے متعلق سزا دی گئی۔

صحیح بخاری کے ایک شارح علامہ الداؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مثلاً اگر میں کسی شخص کو اس حال میں پاتا کہ وہ میری بیوی کے ساتھ ناجائز کام میں مشغول ہوتا تو میں اس کو قتل کردیتا، یا انہوں نے اس کو کسی اور الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا اور وہ اس آزمائش کے ساتھ مبتلا ہوگئے۔ علامہ داؤدی کی یہ شرح بھی واقع سے بہت دور ہے، کیونکہ مقاتل بن حیان سے امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۵ھ نے روایت کی ہے کہ حضرت عاصم نے کہا: ''انا للہ وانا الیہ راجعون ھذا'' اللہ کی قسم میرا یہ سوال اس لیے تھا کہ لوگوں کے درمیان اس قسم کا معاملہ پیش آسکتا ہے جس میں، میں مبتلا ہوا تھا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری

جان ہے، اگر میں اس مرد کو اس حالت میں پاتا تو میں تلوار سے اس کا سر قلم کر دیتا اور یہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ متوفی ۱۵ ھ تھے! جس طرح ان کا واقعہ باب الغیرت میں مذکور ہے۔

حضرت عاصم بن عدی کے قصہ کا تعدد

اور امام ابوجعفر طبری متوفی ۳۱۰ ھ نے از ایوب از عکرمہ مرسلاً روایت کی ہے جس کو امام ابن مردویہ نے سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے، کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ (النور: ۴) اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں۔

حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں دیکھتا کہ ''کوئی مرد میری بیوی کے ساتھ بدکاری کر رہا ہے''۔ پھر انہوں نے اس قصہ کا ذکر کیا اور اس میں یہ مذکور ہے: سو اللہ کی قسم! ابھی تھوڑی دیر گزری تھی کہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے اس قصے کا ذکر کیا اور یہ قصہ سنن ابوداؤد کے اندر از عباد بن منصور از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مذکور ہے۔ پس اس تفسیر سے واضح ہو گیا کہ حضرت عاصم بن عدی کا یہ قول حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ کے قصہ کے متعلق ہے اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا قصہ حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے قصہ کے متعلق ہے، سو یہ دونوں حدیثیں مختلف ہیں۔ اور جس چیز سے اس قصے کا تعدد ظاہر ہوتا ہے اور اس تعدد کی تائید اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث کے آخر میں امام حاکم نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن عباس نے کہا کہ مدینہ میں اس قصہ کے متعلق بہت شور و شغف تھا اور امام ابوداؤد کی سنن اور دوسروں نے روایت کی ہے کہ عکرمہ البربری متوفی ۱۰۵ ھ نے بیان کیا جو اس کے بعد اہلِ مصر پر گورنر تھے اور جن کو ان کے باپ کی طرف منسوب کیا جاتا تھا، پس یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ ملاعنہ کے بعد جو بیٹا پیدا ہوا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک زمانہ تک زندہ رہا اور عکرمہ کی روایت میں جو مذکور ہے کہ وہ مصر پر امیر تھے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خاص مصر کے گورنر نہیں تھے بلکہ شہروں میں سے کسی شہر کے گورنر تھے، اور ہمارے بعض مشائخ نے یہ گمان کیا کہ ان کی مراد مصر کا مشہور شہر ہے، پس انہوں نے کہا: اس پر اعتراض ہے، کیونکہ مصر کے حکام معروف ہیں اور ان کا شمار کیا گیا ہے اور یہ عکرمہ بربری ان میں سے نہیں ہیں۔

اور امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ ھ نے الطبقات الکبریٰ میں عبد اللہ بن جعفر سے یہ روایت کی ہے کہ ملاعنہ کے نتیجہ میں جو بیٹا پیدا ہوا، وہ اس کے بعد دو سال تک زندہ رہا اور مر گیا اور یہ روایت بھی اس کی تقویت کرتی ہے کہ یہ قصہ متعدد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مصفرا کا معنی: میم پر پیش ہے اور صاد پر جزم ہے اور را پر تشدید ہے، یعنی مُصْفَرًّا، اور اس کا معنی ہے کہ اس کا سخت زرد رنگ تھا اور یہ تفسیر حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ ھ کی تفسیر کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ حضرت سہل بن سعد کی حدیث میں مذکور ہے کہ وہ سرخ رنگ کا تھا، یا زیادہ سرخ رنگ تھا، کیونکہ یہ اس شخص کا اصلی رنگ تھا اور بعد میں زردی اس کے سرخ رنگ پر غالب ہو گئی، اور اس حدیث میں مذکور ہے: وہ قلیل اللحم تھا، یعنی اس کا جسم نحیف اور لاغر تھا اور اس حدیث میں ہے: سبط الشعر، یعنی اس کے بال سیدھے تھے، گھنگریالے نہیں تھے۔

خدلا کا معنی: خا پر زبر ہے اور دال ساکن ہے اور لام پر تشدید ہے، یعنی خَدْلًا، اس کا معنی ہے: اس کی پنڈلیاں بھری بھری تھیں، اور ابوالحسین بن فارس نے کہا: ''ممتنع الاعضاء'' یعنی اس کے تمام اعضاء بھرے بھرے تھے، گداز تھے، اور امام ابوجعفر طبری متوفی

۱۰۳۱ھ نے کہا ہے یہ اسی وقت ہوسکتا ہے کہ جب اس کی ہڈیاں چوڑی ہوں اور گوشت کے ساتھ بھری ہوئی ہوں۔

کثیر اللحم کا معنی: یعنی اس کا تمام جسم گوشت سے پُر تھا، یہ ہوسکتا ہے کہ یہ خدلاً صفت مبینہ ہو، کیونکہ خدل کا معنی ہے: جس کا بدن بھرا بھرا ہو، اور جس نے یہ کہا کہ اس کی پنڈلیاں بھری بھری تھیں، تو ہوسکتا ہے اس میں تخصیص کے بعد تعمیم ہو، اور سلیمان بن بلال کی روایت جو آنے والی ہے اس میں مذکور ہے کہ اس کے بال سخت گھنگھریالے تھے، اور اس کی تفسیر حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح میں گزر چکی ہے، اور یہ صفت اس صفت کے موافق ہے جو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے، کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ اس کی سرین بڑی بڑی تھی اور اس کی پنڈلیاں بھری بھری تھیں الخ۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی اے اللہ! اس کی حقیقت بیان فرمادے'': اس کی شرح چار ابواب کے بعد عنقریب آئے گی۔

''فجاءت'' سلیمان بن بلال کی روایت میں ہے کہ اس عورت کا حمل وضع ہوگیا یعنی اس کے ہاں بچہ پیدا ہوگیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان لعان کرایا'': اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں کے درمیان لعان مؤخر ہوگیا حتیٰ کہ اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوگیا، پس جس حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے ان کے درمیان لعان کرایا تو یہ اس کے بعد کا واقعہ ہے، یعنی اس عورت کے ہاں بچہ ہونے کے بعد آپ نے لعان کرایا، پس وہ مرد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گیا اور اس نے آپ کو بتایا کہ اس نے اپنی بیوی کے پاس ایک مرد کو پایا اور اس کے ہاں ویسا ہی بچہ پیدا ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا، اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ یہ وہی مرد تھا اور اس کی شکایت کی وجہ یہ تھی جو ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ اس پر دلائل قائم ہیں جیسا کہ قاسم کی روایت میں ہے جو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث کے موافق ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا محمل کہ اگر میں کسی کو بغیر گواہ اور ثبوت کے رجم کرتا تو اس عورت کو میں رجم کردیتا

بعض فقہاء نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی عورت لعان کرنے سے انکار کرے تو اس کے اوپر حد واجب نہیں ہوتی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں بغیر ثبوت کے رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کرتا، گویا آپ نے اس عورت سے حد کو ساقط کردیا اور یہ الاوزاعی کا قول ہے اور فقہاء احناف کا قول ہے اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ حدود لعان سے انکار کرنے سے ساقط نہیں ہوتیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: کہ اگر میں کسی کو بغیر ثبوت کے رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کرتا تو یہ صرف لعان کے سبب سے آپ کا ارشاد نہیں ہے۔ یعنی کسی بھی معاملے میں بغیر کسی ثبوت اور گواہی کے کسی کو رجم نہیں کیا جائے گا اور کسی پر حد جاری نہیں کی جائے گی، اور اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا کہ جب کوئی عورت لعان سے انکار کرے تو اس کو قید کرلیا جائے اور اس کو دھمکایا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا کہ اگر تم نے لعان نہیں کیا تو تم کو رجم کردیا جائے گا کیونکہ اگر وہ صراحتاً زنا کا اقرار کرلیتی اور پھر اس اقرار سے رجوع کرلیتی تو اس کو رجم نہ کیا جاتا تو اس کو کیسے رجم کیا جائے گا کہ جب اس نے لعان کرنے سے انکار کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا محمل

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک مرد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس مجلس میں کہا: عنقریب اس کی شرح اس باب میں آئے گی کہ جس میں امام نے کہا: اللھم بینہ، اے اللہ مجھ پر حقیقتِ حال کو واضح فرمادے۔

خدلاً کا معنی اور تعلیق مذکور کی تحقیق:

خدل کے لفظ میں دال پر جزم ہے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ خاء اور دال دونوں پر زبر ہے اور اہل اللغت نے جزم کا بھی ذکر کیا ہے اور اس حدیث کی تعلیق میں جو ابو صالح کا ذکر ہے اس سے مراد عبد اللہ بن صالح ہے، جو لیث کے منشی ہیں، اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ متوفی ۳۱ھ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ ہم سے ابو صالح نے کہا اور عبد اللہ بن یوسف کی روایت میں ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کی کتاب الحدود میں سند موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۳-۵۱۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۰ کی سند کے بعض رجال کا تعارف

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس حدیث کی سعید بن عُفیر سے روایت کی، اور ان کا نام سعید بن کثیر بن عُفیر ہے (عین پر پیش ہے اور فا پر زبر ہے) یہ الانصار المصری کے آزاد شدہ غلام ہیں، اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، یہ الانصاری ہیں، جو القاسم بن محمد سے روایت کر رہے ہیں، اور عبد الرحمن بن القاسم اپنے والد القاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں اور امام احمد بن شعیب النخعی متوفی ۳۰۳ھ کی سنن میں ہے کہ وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔

حدیث مذکور کی تخریج

امام بخاری نے اس حدیث کی کتاب المحاربین میں از عبد اللہ بن یوسف روایت کی ہے اور کتاب الطلاق میں از اسماعیل بن ابی اویس روایت کی ہے، اور امام مسلم نے اس حدیث کی کتاب اللعان میں از محمد بن رمح سے روایت کی ہے اور امام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی شافعی متوفی ۳۰۳ھ نے اس حدیث کی کتاب الطلاق میں اور کتاب الرجم میں عیسیٰ بن حماد سے روایت کی ہے اور کتاب الطلاق میں انہوں نے اس حدیث کی روایت یحییٰ بن محمد سے کی ہے۔

حدیث مذکور کی مشکل عبارات اور مبہم الفاظ کے معانی

''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لعان کا ذکر کیا گیا'': یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس بات کا ذکر کیا اور ان الفاظ کو حذف کر دیا اور اس کی تصریح سلیمان کی روایت میں ہے جو عنقریب آئے گی۔

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لعان کا ذکر کیا گیا'': یہ مجہول کا صیغہ ہے، یعنی لعان کی نسبت کی گئی، یعنی اس مرد کے حکم کا بیان کیا گیا جس نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی، پھر اس تہمت کو تلاعن یا لعان کے ساتھ تعبیر کیا کیونکہ اس تہمت لگانے کا مآل اور مرجع لعان تھا جو لعان سے متعلق آیت کے نازل ہونے کے بعد ہوا، اور سلیمان کی روایت میں دونوں لعان کرنے والوں کا ذکر ہے۔

حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کا تعارف اور تذکرہ

''پس عاصم بن عدی نے کہا'': اس سے مراد ہے العجلان بن حارثہ بن زبیعہ العجلانی البدری کے دادا کا بیٹا ہے، اور وہی حضرت عُوَیمر العجلانی کے صاحب تھے جنہوں نے حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ الانصاری سے کہا تھا کہ اے عاصم! تم میرے لیے رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثِ لعان کے متعلق سوال کرو اور حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں حاضر تھے اور غزوہ احد میں حاضر تھے اور غزوہ خندق میں حاضر تھے اور تمام مشاہد میں حاضر تھے اور ایک قول یہ ہے کہ وہ خود غزوہ بدر میں حاضر نہیں تھے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خلیفہ بنایا تھا جب آپ بدر کی طرف روانہ ہوئے تھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اہلِ قباء پر خلیفہ بنایا تھا جب آپ غزوہ بدر کی طرف روانہ ہوئے تھے اور آپ نے ان کو اہل عالیہ پر بھی خلیفہ بنایا تھا اور وہ خود غزوہ بدر میں حاضر نہیں ہوئے تھے لیکن چونکہ وہ غزوہ بدر میں حاضر ہونے کے لیے تیار ہو کر آئے تھے تو گویا کہ وہ بھی غزوہ بدر میں حاضر ہونے والے صحابہ میں سے تھے اور ان کا شمار ان ہی میں ہوتا تھا اور حضرت عاصم بن عدی کی وفات ۴۵ ھ میں ہوئی تھی اور اس وقت ان کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔

محض کسی کے دعویٰ کی وجہ سے کسی کو قتل کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا صریح حکم نہ آ جائے

فی ذالك: یعنی حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ ھ نے ایک بات کہی اور یہ بات انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کہی کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی مرد کو پائے تو وہ اس پر تلوار مار کر اس کو قتل کر دے گا، پس حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ جو حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کی قوم کے ایک مرد تھے وہ اس معاملہ میں مبتلا ہوئے، تا کہ اللہ تعالیٰ یہ دکھائے کہ اس معاملہ میں کس طرح فیصلہ کیا جاتا ہے اور تا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ فیصلہ منکشف ہو جائے اور آپ یہ جان لیں کہ محض کسی کے دعوے سے کسی کا خون بہانا جائز نہیں ہے اور خون بہانا صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے جائز ہوتا ہے، تا کہ زمانہ جاہلیت کی رسم منقطع ہو جائے۔

علامہ عینی کا علامہ کرمانی کی شرح پر رد کرنا

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ ھ نے اس حدیث کی شرح میں یہ لکھا ہے کہ حضرت عاصم بن عدی نے جو بات کہی وہ ایسی بات تھی کہ اس بات کا کرنا نامناسب ہے کیونکہ وہ بات نفس کے تکبر پر اور فخر پر اور غیرت پر دلالت کرتی ہے اور وہ بات کسی دلیل کے بغیر ہے۔ (الکواکب الدراری جز ۱۹ ص ۲۲۳-۲۲۴، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۱ ھ)

علامہ عینی حنفی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ علامہ کرمانی کا یہ کلام حقائق اور واقعات سے بہت دور ہے، پھر ابن حجر نے بہت طویل کلام کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۳، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ علامہ کرمانی کی عبارت میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو حقیقت اور واقع سے دور ہو، لیکن علامہ کرمانی نے اس میں یہ تصریح نہیں کی ہے کہ حضرت عاصم بن عدی نے اپنے قول میں یہ نہیں بتایا کہ اگر وہ اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پاتے تو تلوار سے اس کو مار ڈالتے اور انہوں نے اس عبارت کا ذکر مقتضائے نص سے کیا، کہ وہ ایسا فعل کرتے کہ جس شخص میں کوئی غیرت ہوتی اور جس کو اپنے نسب پر فخر ہوتا تو وہ ایسی صورت میں اس عورت کو قتل کر دے، رہا یہ کہ انہوں نے اس بات کی نسبت اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے فیصلہ کی طرف نہیں کی تو یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت عاصم بن عدی کو یہ علم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں کیا فیصلہ کیا ہے حتیٰ

کہ وہ اس آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے مناقشہ کے درمیان مصنف کا محاکمہ

میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ عینی کے اس اعتراض کا اپنی کتاب انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح صحیح بخاری میں کوئی ذکر نہیں کیا۔ (ج ۲ ص ۳۰۹، شرکۃ الریاض، ۱۴۱۸ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ بدرالدین عینی حنفی نے جو علامہ محمد بن یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ کا دفاع کیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے اعتراض کو ان سے اٹھایا ہے، اس کا جواب دینے سے حافظ ابن حجر عسقلانی عاجز ہو گئے، لہٰذا انہوں نے انتقاض الاعتراض میں علامہ عینی کے اس اعتراض اور علامہ کرمانی کی طرف سے جو انہوں نے دفاع کیا ہے، اس کا بالکل ذکر نہیں کیا۔ اور یہ ان کی کتاب انتقاض الاعتراض میں کوئی پہلا موقع نہیں ہے بلکہ اکثر مقامات پر جہاں وہ علامہ عینی کے اعتراضات کے جوابات سے عاجز ہو جاتے ہیں تو وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے ایک اور مناقشہ

حضرت عاصم بن عدی نے کہا کہ میں صرف اپنے اس قول کی وجہ سے مبتلا ہو گیا اور ان کا وہ قول یہ تھا کہ اگر میں کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ پاؤں تو میں تلوار سے اس کی گردن مار دوں گا، یا اگر کوئی شخص ان کو عار دلاتا تو وہ اس میں مبتلا ہو جاتے، اسی طرح اس حدیث کی شرح صحیح بخاری کے ایک شارح علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کی ہے اور اس شرح پر حافظ ابن حجر عسقلانی نے رد کیا اور کہا ہے کہ یہ شرح بھی حقائق اور واقعات سے بہت دور ہے کیونکہ مقاتل بن حیان سے امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے روایت کی ہے کہ حضرت عاصم نے کہا ''اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' اللہ کی قسم! میں نے تو یہ سوال صرف اس لیے کیا تھا کہ لوگوں کو یہ مسئلہ معلوم ہو جائے اور میں خود اس میں مبتلا ہو گیا، اور جو یہ انہوں نے کہا کہ اگر میں اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو دیکھتا تو تلوار سے اس کی گردن اڑا دیتا تو یہ حضرت عاصم بن عدی نہیں تھے بلکہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ تھے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۴، دارالمعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر کا یہ قول غلط ہے، کیونکہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا قول حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ کے متعلق ہے اور حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ کا قول حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے، پس یہ دونوں حدیثیں مختلف ہیں۔

اور ابن سیرین نے ذکر کیا ہے کہ ایک مرد نے ایک شخص کے اوپر ایک پیسہ کی تہمت لگائی، پھر وہ اس پر نادم ہوئے اور سزا کا چالیس سال تک انتظار کرتے رہے، پھر انہوں نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۵۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مُصفرًا کا معنی:

مُصفرًا کے لفظ میں را پر تشدید ہے یعنی ان کا سخت زرد رنگ تھا، اور یہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے خلاف نہیں ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ ان کا رنگ بہت سرخ تھا یا بہت گہرا رنگ تھا کیونکہ سرخ رنگ ان کا اصلی تھا اور خوف کی بناء پر ان کا رنگ

ظاہر ہو گیا اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ قلیل اللحم تھے یعنی ان کا جسم بہت لاغر اور نحیف تھا۔

سبط الشعر کا معنی

سین پر زبر ہے اور با کے نیچے زیر ہے اور با پر جزم بھی ہے اور سبط الشعر کا معنی ہے: جس کے بال سیدھے ہوں، یعنی گھنگریالے بال نہ ہوں۔

خدلاً کا معنی

خدلاً میں خا پر زبر ہے اور دال پر جزم ہے اور اس کا معنی ہے کہ جس کی پنڈلی بھری بھری اور گداز ہو، اور ابن الفارس نے کہا: اس کے اعضاء بھرے بھرے ہوں اور امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا: یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب اس کی ہڈیاں چوڑی چکلی ہوں اور ان پر گوشت بھرا ہوا ہو، بخاری کے ایک اور شارح علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ بعض کتابوں میں یہ لفظ اس طرح منضبط ہے کہ دال کے نیچے زیر ہے اور لام پر جزم ہے اور بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ لام پر تشدید ہے اور بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ دال ساکن ہے، اسی طریقہ سے کتب لغت میں مذکور ہے اور ابوصالح اور ابن یونس نے بھی اس لفظ کو اسی طرح منضبط کیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کا محمل

اس حدیث میں مذکور ہے: اے اللہ! مجھے حقیقتِ حال پر مطلع فرما دے، یعنی اس مسئلہ کا حکم بیان فرما دے، اس کی شرح میں یہ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ کو اس پر حرص تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مسئلہ کے باطن پر مطلع فرما دے جس سے آپ اس واقعہ کی حقیقت پر واقف ہو جائیں، ہر چند کہ آپ کی شریعت میں یہ مقرر تھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ ظاہری دلائل کے مطابق فیصلہ فرمائیں اور تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں میں یہ مقرر ہے کہ وہ ظاہری دلائل کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں تاکہ یہ ان کے بعد ان کی امتوں میں نمونہ بن جائے کہ ان کی امت وحی کے حصول کی طرف کوئی سبیل نہیں پاتی، کس وحی سے ان کو بواطنِ امور پر اطلاع ہو جائے۔

آیا اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہونے سے پہلے لعان ہوا تھا یا بچہ پیدا ہونے کے بعد لعان ہوا تھا

سلیمان بن بلال کی روایت میں ہے کہ اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے درمیان لعان کرایا۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ لعان بچہ کے پیدا ہونے سے پہلے ہوا تھا جیسا کہ عطف کا تقاضا ہے فلاعن اور اس کا جواب یہ ہے کہ آپ نے لعان کے تقاضہ کے مطابق حکم دیا اور دوسرا قول یہ ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ اس مرد اور عورت کے درمیان لعان کو مؤخر کر دیا گیا حتیٰ کہ اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا اور حدیث میں جو مذکور ہے فلاعن (آپ نے لعان کرایا) تو یہ اس کے بعد ہے کہ حضرت عویمر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو خبر دی کہ انہوں نے اپنی بیوی کے پاس ایک مرد کو پایا۔

اور یہ مرد وہی تھا جس کا امام بخاری نے کتاب المحاربین میں ذکر کیا ہے اور اس کا نام عبداللہ بن شداد ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا محمل کہ اگر میں کسی کو بغیر گواہ کے رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کر دیتا

اس عورت سے مراد حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں، یعنی آپ نے اس عورت اور اس کے خاوند کے درمیان لعان کرایا اور اس

عورت کو رجم نہیں کیا کیونکہ اس میں شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ آیا اس عورت نے فی الواقع زنا کیا ہے یا نہیں، کیونکہ رجم بغیر گواہی اور ثبوت کے نہیں کیا جاتا۔

یہ وہی عورت تھی: اس میں حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کی بیوی کی طرف اشارہ ہے، اور آپ نے فرمایا کہ وہ برے کام کرتی تھی یعنی بے حیائی کے کام کرتی تھی۔

بخاری کے ایک شارح علامہ داؤدی متوفی ۴۰۴ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو آدمی علی الاعلان برے کام کرے اس کی غیبت کرنا جائز ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ جو آدمی علی الاعلان برائی کرتا ہو اس کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے۔

(میں کہتا ہوں کہ میں اس حدیث کی مفصل تحقیق علامہ ابن الملقن کی شرح کے اندر بیان کر چکا ہوں۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

خدلاً کی تحقیق اور علامہ عینی کا علامہ کرمانی سے مناقشہ

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی الشافعی المتوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے کہ وہ شخص گندمی رنگ کا ہے اور اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ وہ پُر گوشت تھا؟ علامہ عینی فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ امام بخاری نے کتاب المحاربین میں اس حدیث کی عبد اللہ بن یوسف سے روایت کی ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ اس مرد کو اس کے گھر والوں نے گندمی رنگ کا پایا، وہ خدل تھا یعنی پُر گوشت تھا، پس علامہ کرمانی نے جو کہا ہے وہ اس روایت کے خلاف ہے اور علامہ کرمانی کا یہ قول محض ظن اور تخییل کی بنا پر ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کی روایت میں خدل کا لفظ ہے جس میں دال کے نیچے زیر ہے اور اس سے پہلی روایت میں خدل کا لفظ ہے جس میں دال ساکن ہے، فافہم۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۴-۴۲۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدود احتمال اور قرائن سے ثابت نہیں ہوتے، حدود کے ثبوت کے لیے گواہی اور دلائل ضروری ہیں

محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ صحیح البخاری: ۵۳۱۰ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی کو بغیر گواہی کے رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کرتا"۔

اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حدود احتمال اور قرائن سے ثابت نہیں ہوتے، بلکہ حدود کے ثبوت کیلئے گواہوں اور دلائل کی ضرورت ہے، پس یہ عورت جس کے ہاں بچہ ناپسندیدہ وصف کے ساتھ پیدا ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رجم نہیں کیا کیونکہ اس کا فیصلہ لعان سے ہو چکا تھا لیکن ایک دوسری عورت اسلام لانے کے بعد برے کام کرتی تھی اور اس کے حال میں یہ چیز دلالت کرتی تھی کہ وہ برے کام کرنے والی ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو رجم کرنے سے رُک گئے اور فرمایا کہ میں بغیر گواہوں کے رجم نہیں کروں گا، پس اگر ہم کسی عورت کو دیکھیں کہ اس کے پاس اجنبی مرد آتے ہیں اور اس کے گرد اس طرح طواف کرتے ہیں جس سے شبہات پیدا ہوتے ہیں کہ شاید وہ برے کام کرتی ہے تو بے شک ہم اس کو رجم نہیں کریں گے خواہ ہم کو یہ ظن غالب ہو کہ وہ عورت زنا کرتی ہے، پھر بھی ہم اس کو رجم نہیں کریں گے، اس لیے کہ رجم کے لیے گواہوں کی ضرورت ہے اور یہاں پر کوئی گواہ نہیں ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اپنی شرح میں اسی طرح لکھا ہے۔ (فتح الباری ج ۲ ص ۵۱۴، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۹۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ عثیمین کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ شیخ عثیمین نے اس حدیث کی شرح میں کوئی نیا نقطہ نہیں بیان کیا صرف حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کے ایک حصہ کا خلاصہ بیان کر دیا۔

شیوخ دیوبند سے حدیث مذکور کی شرح

شیخ سلیم اللہ خاں دیوبندی حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ اگر میں بغیر کسی بینہ اور گواہ کے کسی کو رجم کرتا تو اس عورت کو کرتا، یہ جملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی بدکار اور زانیہ عورت کے متعلق فرمایا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی آدمی مشہور بالشر ہو تو صرف شہرت کی وجہ سے اس پر حد جاری نہیں کی جاتی جب تک کہ گواہ نہ ہوں یا اقرار نہ پایا جائے۔

(کشف الباری عما فی صحیح البخاری: کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق ص ۵۳۷-۵۳۸، مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی، ۱۴۲۶ھ)

شیخ سلیم اللہ خاں دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ اپنے حلقہ میں شیخ سلیم اللہ خان کی بہت شہرت ہے مگر انہوں نے اس حدیث کی نہایت ناتمام شرح لکھی ہے، کیونکہ شارحین نے بیان کیا ہے کہ کن کن صورتوں میں پس پشت برائی کرنا غیبت نہیں ہے، ان میں سے بعض ازاں یہ ہیں کہ کوئی مظلوم اپنے ظلم کی فریاد حاکم کے سامنے بیان کرے اور اپنی مظلومیت کا قصہ بیان کرے تو اس کا یہ قول غیبت نہیں ہے یا کوئی شخص کسی دوسرے شخص کو ضرر سے بچانے کے لیے اس کا عیب بیان کرے تو یہ بھی غیبت نہیں ہے مثلاً کوئی شخص لوگوں سے پیسے قرض لیتا ہو اور اس کو واپس نہ دیتا ہو اور اس کا کوئی خیر خواہ اس سے کہے کہ بھائی! اس کو قرض نہ دینا یہ قرض واپس نہیں کرتا تو اس کا یہ عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے، اسی طرح کوئی درزی کسی کے کپڑے سیے اور اس کے کپڑے میں سے کپڑا اچرا لے اور اس کا کوئی دوست اس کو بتائے کہ بھائی اس کو کپڑا نہ دینا یہ کپڑا اچرا لیتا ہے تو یہ غیبت نہیں ہے، اسی طرح حضرت فاطمہ بنت قیس جب ایام عدت کے اندر تھیں اور لوگ ان کو منگنی کا پیغام دے رہے تھے اور حضرت ابوجہم رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو نکاح کا پیغام دیا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق مشورہ لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابوجہم کے رشتہ نکاح کو قبول نہ کرنا کیونکہ یہ تو اپنے کاندھے سے لاٹھی اتارتا ہی نہیں، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے نکاح کا پیغام دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رہے معاویہ تو وہ مفلس آدمی ہیں، وہ تو اپنا پیٹ نہیں پال سکتے تمہارا پیٹ کیسے پالیں گے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوجہم کا بھی عیب بیان فرمایا اور حضرت معاویہ کا بھی عیب بیان فرمایا، اور یہ غیبت نہیں ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً کسی کا پس پشت عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہوتا اور شیخ سلیم اللہ خان کا اس کی تعریف میں صرف یہ لکھنا کہ جو شخص مشہور بالشر ہو اس کا عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے، کافی نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۳۲۔ بَابُ: صَدَاقِ الْمُلَاعَنَةِ — جس عورت سے لعان کیا گیا ہو اس کے مہر کا شرعی حکم

۵۳۱۱۔ حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عمرو بن زرارہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے خبر

رَجُلٌ قَذَفَ امْرَأَتَهُ فَقَالَ فَرَّقَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَ أَخَوَيْ بَنِي الْعَجْلَانِ وَقَالَ اللهُ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ فَأَبَيَا وَقَالَ اللهُ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ فَأَبَيَا فَقَالَ اللهُ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ فَأَبَيَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا قَالَ أَيُّوبُ فَقَالَ لِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ إِنَّ فِي الْحَدِيثِ شَيْئًا لَا أَرَاكَ تُحَدِّثُهُ قَالَ قَالَ الرَّجُلُ مَالِي قَالَ قِيلَ لَا مَالَ لَكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَقَدْ دَخَلْتَ بِهَا وَإِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَهُوَ أَبْعَدُ مِنْكَ

دی از ایوب از سعید بن جبیر، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عجلان کے دو فریقوں کے درمیان تفریق کر دی تھی اور آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم دونوں میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے؟ تو ان دونوں نے انکار کیا اور آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟ سو ان دونوں نے انکار کیا، آپ نے پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے، سو ان دونوں نے انکار کیا، پس آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی، ایوب نے کہا: مجھ سے عمرو بن دینار نے کہا: اس حدیث میں ایک اور بات بھی تھی جس کو میرے خیال میں تم نے نقل نہیں کیا، انہوں نے کہا کہ اس مرد نے پوچھا: میرے مال کا کیا ہوگا (یعنی میں اس عورت کو جو مہر دے چکا ہوں، اس کا کیا بنے گا)، تو اس مرد نے کہا: تو اس سے کہا گیا: تیرے لیے کوئی مال نہیں، اگر تو سچا ہے تو تو نے اس عورت کے ساتھ دخول کر لیا تو تو نے اپنا مہر وصول کر لیا اور اگر تو جھوٹا ہے تو پھر تو بہت بعید ہے کہ تو اس سے مہر وصول کرے۔

(صحیح بخاری: ۵۳۱۲، ۵۳۴۹، ۵۳۵۰، مسلم: ۱۴۹۳، نسائی: ۳۴۷۵، ابوداؤد: ۲۲۵۸، احمد: ۴۴۶۳۔)

جب کوئی مرد لعان کے بعد اپنے نفس کی تکذیب کر دے تو اس کے شرعی حکم میں فقہاء مذاہب کی آراء

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''تمہارے لیے اس عورت کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے''۔ اس ارشاد میں یہ دلیل ہے کہ وہ عورت کسی وجہ سے بھی اپنے شوہر پر حلال نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ اس پر حلال ہوتی تو کسی وجہ سے اس کے شوہر کی اس پر کوئی سبیل ہوتی اور اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے مستثنیٰ کر لیا جاتا کہ تمہارے لیے اس عورت پر کوئی سبیل نہیں ہے مگر فلاں صورت میں، مگر آپ نے فرمایا تمہاری اس عورت پر کوئی سبیل نہیں ہے سوائے اس کے کہ تم اپنے آپ کو جھوٹا قرار دو، پس جب آپ نے مطلقاً فرمایا کہ تمہاری اس پر کوئی سبیل نہیں ہے تو اب اس میں کوئی استثناء نہیں کر سکتا اور حدیث کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے اور اسی طرح اپنی عقل سے

حدیث میں کوئی استثناء کرنا جائز نہیں ہے۔

اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جب کسی شخص نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی تو اس کے اوپر حدِ قذف لگائی جائے گی خواہ وہ شخص نکاح کا پیغام دینے والوں میں سے کوئی ایک ہو اور یہ سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ اور امام ابوحنیفہ النعمان بن الثابت المتوفی ۱۵۰ھ کا قول ہے۔ (المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۴۷ باب الریان)، انہوں نے کہا جب کسی شخص نے اپنے نفس کو جھوٹا قرار دیا تو اس کی بیوی پر طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی اور اس پر حدِ قذف لاگو ہوگی اور یہی امام محمد بن الحسن شیبانی المتوفی ۱۸۹ھ کا قول ہے۔

اور اس مسئلہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ جب کسی شخص نے اپنے نفس کو جھوٹا قرار دیا تو اس کے اوپر کوڑے لگائے جائیں گے اور اس کی بیوی اس کی طرف واپس کر دی جائے گی جب تک کہ اس کی بیوی عدت میں ہو، اور یہ قول سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ سے منقول ہے (سنن سعید بن منصور: ۱۵۸۵) اور عبید اللہ بن الحسن کی رائے یہ تھی کہ دو لعنت کرنے والوں کے درمیان تفریق طلاقِ بائنہ ہوتی ہے اور ان کی رائے یہ تھی کہ مرد اس عورت سے دوبارہ نکاح کر سکتا ہے، کہا گیا ہے کہ ان دونوں نے ایک دوسرے پر لعان کیا، پھر وہ دونوں چلے گئے، حاکم کی تفریق سے پہلے ان کی رائے یہ تھی کہ یہ ان کے درمیان تفریق ہے، اور انہوں نے کہا کہ جو عورت اپنے خاوند سے لعان کرتی ہے پھر اس کا خاوند اس سے نکاح کر لیتا ہے تو وہ اس کے اوپر اب دو طلاقوں کا مالک ہے۔

اور بعض علماء نے یہ کہا کہ جب کوئی مرد لعان کے بعد اپنے آپ کو جھوٹا قرار دے تو اس پر حد نہیں لگائی جائے گی، اسی طرح عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ کا قول ہے۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۱۱۰، ۱۱۲)، اور انہوں نے کہا کہ وہ دونوں متفرق ہو گئے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کے ساتھ لوٹ گئے اور شعبی سے منقول ہے، انہوں نے کہا کہ جب کسی مرد نے لعنت کرنے کے بعد اپنے نفس کی تکذیب کی تو اس کے اوپر دو حدیں جمع نہیں ہوں گی۔

اور العارف العقلی نے کہا اس پر حد نہیں ہے، اس کی حد گزر چکی ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۵۷۸)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۴۹۰-۴۹۱، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

جس عورت سے لعان کیا گیا ہو اس کے مہر کی ادائیگی کے متعلق مذاہب فقہاء

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابراہیم بن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کی اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ لعان یافتہ عورت کا مہر واجب ہوتا ہے اور اس کا خاوند اس کو دیا ہوا مہر واپس نہیں لے گا خواہ اس عورت نے زنا کا اقرار کر لیا ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو تمہارے دیے ہوئے مہر کا معاوضہ وہ ہے جو تم نے اس کی شرمگاہ کو حلال کر لیا تھا، اور اگر تم نے اس پر جھوٹ باندھا ہے تو پھر تمہارا مہر اس سے وصول کرنا زیادہ بعید ہے''۔

مہر صرف جماع سے واجب ہوتا ہے نہ کہ خلوتِ صحیحہ سے

علامہ ابن المنذر نیشاپوری متوفی ۳۱۸ھ نے کہا: اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مہر صرف جماع سے واجب ہوتا ہے نہ کہ خلوتِ صحیحہ سے تو اس کو یہ کہنے کی گنجائش ہے۔

علامہ ابن بطال فرماتے ہیں کہ اس باب کی حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ دخول سے مہر واجب ہو جاتا ہے۔

عورت کے ساتھ دخول کو جماع سے تعبیر کیا جاتا ہے

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اگر تم سچے ہو تو تم اس کے ساتھ دخول کر چکے ہو''۔
اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عورت کے ساتھ جو دخول کیا جاتا ہے وہ جماع سے کنایہ ہے اور اس میں جماع کے وجوب پر دلیلیں ہیں، اگر چہ بعض اوقات دخول کے ساتھ جماع نہیں تھا لیکن کیونکہ اکثر دخول کے ساتھ جماع ہوتا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جماع کو دخول سے تعبیر کیا اور کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں عورتوں کی شہوت کو پیدا کر دیا ہے اور عنقریب اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف باب المہر میں دخول علیہا میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

امام اور سر براہِ ملک کو چاہیے کہ لعان شروع کرانے سے پہلے فریقین کو نصیحت کرے اور ان کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے کہ اگر انہوں نے جھوٹی قسم کھائی تو ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوگا

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟''۔
اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ جب امام یا سر براہِ ملک لعان کرانے کا ارادہ کرے تو اس سے پہلے ان کو نصیحت کرے اور ان کو وعظ کرے اور ان کو اس سے ڈرائے کہ وہ جھوٹی قسم کھائیں۔ قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللهِ وَ اَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا أُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (آل عمران:۷۷)

بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خریدتے ہیں ان لوگوں کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ اللہ ان سے کلام کرے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر (رحمت) فرمائے گا اور نہ ان کو پاکیزہ کرے گا، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۝

تا کہ لعان کے وقت جس فریق کا موقف باطل ہو وہ جھوٹی قسم کھانے سے باز آئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے ہر فریق کو پانچویں قسم کھانے کے وقت یہ فرماتے تھے: اللہ سے ڈر، کیونکہ اب جو تم قسم کھاؤ گے یہ تم پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو واجب کر دے گی اگر تمہاری قسم جھوٹی ہے اور بے شک دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے آسان ہے۔
علامہ ابن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نیشاپوری نے کہا: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ قسم کھانے سے پہلے امام کو چاہیے کہ وہ فریقین کو نصیحت کرے اور عورت کے قسم کھانے سے پہلے خاوند کو نصیحت کرے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۸۶، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

لعان کرنے والی عورت سے مہر وصول کرنے کا عدم جواز

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
امام بخاری نے اس باب میں سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ کی روایت ذکر کی ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر

رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے سوال کیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو العجلان کے دو فریقوں کے درمیان تفریق کر دی تھی اور آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے ضرور کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے؟ تو ان دونوں نے انکار کیا، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک ضرور جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے؟ سو ان دونوں نے انکار کیا، اور فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، کیا تم میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟ تو ان دونوں نے انکار کیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی، تو عمرو بن دینار نے کہا کہ اس حدیث میں کوئی چیز ہے میرا گمان ہے کہ تم نے اس کو بیان نہیں کیا، اس مرد نے کہا: میرے مال یعنی مہر کا کیا ہوگا، تو آپ نے فرمایا تیرا کوئی مال اس پر واجب نہیں، اگر تو سچا ہے تو، تو اپنی بیوی کے ساتھ دخول کر چکا ہے اور اگر تو جھوٹا ہے تو پھر تو مہر وصول کرنے سے زیادہ بعید ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۷۹، وزارۃ الاوقات والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

بیوی کو مہر کی ادائیگی کے متعلق مفصل احکام

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں لعان کرنے والی عورت کے مہر کے حکم کو بیان کیا گیا ہے اور اس پر اجماع منعقد ہے کہ جس عورت کے ساتھ دخول کیا گیا ہو، وہ پورے مہر کی مستحق ہوتی ہے اور جو غیر مدخول بہا ہو اس کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، سو جمہور کا موقف یہ ہے کہ اس کو نصف مہر ادا کیا جائے گا جیسا کہ دیگر مطلقات کو دخول سے پہلے نصف مہر ادا کیا جاتا ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ بلکہ اس کو مکمل مہر ادا کیا جائے گا۔ یہ ابو زناد، حکم اور حماد بن ابو سلیمان متوفی ۱۲۰ھ کا قول ہے، اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس کو بالکل مہر نہیں دیا جائے گا اور یہ ابن شہاب زہری متوفی ۱۲۵ھ کا قول ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ سے بھی یہی روایت ہے۔

امام بخاری کی روایت مذکورہ کی امام مسلم سے روایت

امام مسلم بن الحجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ نے سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ سے روایت کی ہے اور اس کے اول میں یہ اضافہ ہے کہ المصعب یعنی حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ نے لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق نہیں کی، یعنی جس وقت حضرت مصعب بن زبیر عراق کے گورنر تھے، سعد نے کہا: میں نے یہ بات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یاد دلائی اور دوسری سند کے ساتھ سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کی گورنری کے زمانہ میں سوال کیا گیا کہ جن دو فریقوں کے درمیان لعان کیا گیا ہے، آیا ان دونوں میں تفریق کی جائے گی یا نہیں، تو مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ میں جواب میں کیا کہوں تو میں مکہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے گھر پہنچا۔ الحدیث اور اس میں یہ مذکور ہے میں نے کہا: اے ابو عبد الرحمٰن! کیا دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی؟ تو انہوں نے کہا: سبحان اللہ! ہاں، سب سے پہلے اس مسئلہ کا سوال فلاں بن فلاں نے کیا تھا اور ان کا قول مکہ میں مشہور ہے اور اس سے پہلے جو روایت ہے اس میں کچھ عبارت محذوف ہے، اصل عبارت یہ ہے: پھر میں نے مکہ کی طرف سفر کیا اور میں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس مسئلہ کے متعلق ذکر کیا، اور امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ نے از معمر از ایوب از سعید بن جبیر روایت کی ہے کہ ہم کوفہ میں تھے اور ہمارا لعان کرنے والی عورت کے مسئلہ میں اختلاف تھا، ہم میں سے بعض

یہ کہتے تھے کہ ان کے درمیان تفریق کردی جائے گی اور ہم میں سے دوسرے یہ کہتے تھے کہ ان میں تفریق نہیں کی جائے گی، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں یہ اختلاف قدیم ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ ھ تک اس مسئلہ میں فقہاء بصرہ کے درمیان یہ اختلاف برقرار رہا کہ لعان زوجین کے درمیان تفریق کا تقاضا نہیں کرتا جیسا کہ اس کی تصریح گزر چکی ہے اور گویا کہ حضرت عثمان کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نہیں پہنچی تھی۔

بنو العجلان کے دو فریقوں کے اسماء

اس کے اوپر بحث ایک باب کے بعد آئے گی اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان کے اسماء کا بیان ہو چکا ہے، اور ابو احمد الجرجانی کی روایت میں ہے کہ بنو حدلان کے درمیان میں سے کوئی ایک تھا اور یہ غلط ہے، یہ لفظ بنو عجلان ہے بنو حدلان نہیں ہے۔

عمرو بن دینار کی روایت کا مفصل تذکرہ

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایوب نے کہا: مجھ سے عمرو بن دینار نے کہا کہ اس حدیث میں کوئی ایسی چیز ہے میرا خیال ہے کہ تم نے اس کا ذکر نہیں کیا، انہوں نے بتایا کہ وہ چیز یہ ہے کہ اس مرد نے کہا: میرے مال کا کیا ہوگا، یعنی میں نے اس عورت کو جو مہر دیا ہے اس مہر کا کیا ہوگا، تو انہوں نے کہا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: تمہارا کوئی مال اس کے ذمہ نہیں ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمرو بن دینار اور ایوب دونوں نے اس حدیث کو سعید بن جبیر سے سنا اور عمرو بن دینار کو اس حدیث کا وہ حصہ محفوظ تھا جو ایوب کو محفوظ نہیں تھا اور سفیان بن عیینہ نے اس کا بیان کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس حدیث کو ان دونوں سے روایت کیا ہے۔ اس کا ذکر باب کے بعد والی حدیث میں آئے گا۔

آپ نے جو فرمایا کہ ”تمہارا کوئی مال اس کے ذمہ نہیں ہے“، اس کا معنی یہ ہے کہ اس مال کے اوپر تمہاری کوئی سبیل نہیں ہے۔ اور تم اب اس مال کے اوپر مسلط نہیں، گویا کہ اس مرد نے یہ پوچھا تھا: کیا میرا مال ضائع ہو جائے گا اور اس سے مراد مہر ہے۔

قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی مالکی متوفی ۵۴۳ ھ نے القبس فی شرح موطا بن انس میں لکھا ہے:

اس شخص نے جو کہا تھا: میرا مال، تو اس کی مراد یہ تھی کہ میرا مہر جو میں اس کو ادا کر چکا ہوں، اب اس کی واپسی کی کیا صورت ہوگی؟ تو اس کو یہ جواب دیا گیا کہ تم نے جو اپنی بیوی کے ساتھ دخول کیا تھا تو اس کے عوض تم اپنے اس مہر کو حاصل کر چکے ہو اور اس عورت نے جو اپنا نفس تمہارے سپرد کر دیا تھا، اس کے معاوضہ میں تم اس کو مہر دے چکے ہو، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسئلہ کو زیادہ مفصل طریقے سے بیان فرمایا کہ اگر تم اپنے دعوے میں اور قسم میں سچے ہو تو تم نے جو اس کو مہر ادا کیا تھا تو اس کا حق تم اس عورت سے وصول کر چکے ہو اور اگر تم نے اس عورت پر جھوٹ باندھا ہے اور جھوٹی قسم کھائی ہے تو پھر تم اس کا مطالبہ کرنے سے بہت زیادہ بعید ہو تاکہ تم پر دو ظلم جمع نہ ہوں، ایک ظلم تو یہ کہ تم اس کی عزت کو پامال کر رہے ہو اور دوسرا ظلم یہ ہے کہ جو مال تم وصول کر چکے ہو، اس پر قبضہ کر چکے ہو، اب تم اس کا سوال کر رہے ہو؟ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب کو بہ طور تاکید کے مقرر فرمایا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۵-۵۱۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو عجلان کے بھائیوں کے درمیان تفریق کر دی، اس حدیث میں بھائیوں کے لفظ کی وضاحت

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی متوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کے اوپر زنا کی تہمت لگائی تو آپ نے بنو عجلان کے بھائیوں کے درمیان تفریق کر دی، بہ ظاہر یہ بنو عجلان کے بھائی نہیں تھے اور اس کے معنی کا حاصل یہ ہے کہ وہ دونوں میاں بیوی قبیلہ عجلان سے تھے، اور آپ نے یہ فرمایا ہے کہ بنو عجلان کے بھائیوں کے درمیان تفریق کر دی، یہ باب تغریب سے ہے کیونکہ بہن کو بھی بھائی کے منزلہ میں قرار دیا گیا اور اخوت کا اطلاق اس اعتبار سے ہے کہ تمام مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ اور عرب اخ یعنی بھائی کا اطلاق واحد پر بھی کرتے ہیں جیسے یا اخا بنی تمیم ہے اور اس سے مراد ان میں سے کوئی ایک شخص ہوتا ہے، اور اسی طرح قرآن مجید میں ہے:

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ (الشعراء: ۱۰۶) جب ان کے ہم قبیلہ نوح نے ان سے کہا۔

اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کا بھائی فرمایا، حالانکہ وہ ان کے نسبی بھائی نہیں تھے لیکن چونکہ وہ ان کی قوم کے ایک فرد تھے اس لیے ان کو بھائی فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں اور احادیث میں اور محاوراتِ عرب میں جب بھائی کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد نسبی بھائی نہیں ہوتا، کبھی اس سے مراد ایمانی بھائی ہوتا ہے اور کبھی اس سے مراد ان کی قوم کا ایک فرد ہوتا ہے، اسی طرح سے اس حدیث میں جو یہ فرمایا ہے کہ بنو عجلان کے بھائیوں کے درمیان تفریق کر دی، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بنو عجلان کے نسبی بھائیوں کے درمیان آپ نے تفریق کر دی تھی، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ بنو عجلان کے دو فریقوں کے درمیان آپ نے تفریق کر دی، ایک فریق مرد تھا اور ایک فریق عورت تھی، اور دونوں کو بھائی اس لیے فرمایا کہ وہ دونوں قبیلہ بنو عجلان سے تعلق رکھتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فریقین کو توبہ کی تلقین کی تھی، آیا یہ تلقین لعان سے پہلے فرمائی تھی یا لعان کے بعد فرمائی تھی

آپ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آپ نے لعان سے پہلے فرمایا ہوتا کہ ان دونوں کو جھوٹی قسم کھانے سے ڈرایا جائے اور ان کو جھوٹے قسم کھانے کے ترک پر ترغیب دی جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ آپ نے ان کے لعان کرنے کے بعد فرمایا ہوتا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ ان پر توبہ لازم ہے اور المستملی کی روایت میں مذکور ہے، ''ان احد کما لکذب'' تم میں سے کوئی ایک ضرور جھوٹا ہے، بہ ظاہر یہ ہے کہ یہ آپ نے ان کے لعان کے شروع ہونے سے پہلے فرمایا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۷، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

بیوی کو مہر کی ادائیگی کے متعلق مفصل احکام

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ اس مرد نے اس عورت کو دیے ہوئے مہر کا مطالبہ کیا جو اس سے لعان کر چکی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے مطالبہ کو رد فرما دیا اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر تم سچے ہو تو تم اس کے ساتھ دخول کر چکے ہو''۔

اور جب کوئی اپنی بیوی کے ساتھ دخول کرتا ہے تو اس کا مہر ساقط ہو جاتا ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ مہر جماع سے مؤکد ہوتا

ہے اور خلوت سے مؤکد ہوتا ہے اور موت سے مؤکد ہوتا ہے، جب شوہر بیوی سے پہلے مرجائے اور اس پر اس کا مکمل مہر واجب ہوجاتا ہے، اور اسی طرح جب مرد کے کسی عیب کی وجہ سے نکاح فسخ ہوجائے تب بھی راجح قول یہ ہے کہ اس عورت کا مکمل مہر اس پر واجب ہوتا ہے کیونکہ یہی وہ شخص ہے جس نے اس عورت کو دھوکہ میں رکھا اور جب اس نے اس کے ساتھ دخول کیا تو اس کا مہر ساقط ہوگیا اور مرد کو اب مہر واپس نہیں ملے گا۔

قیاس کی صحت پر دلیل

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کہ اگر تم سچے ہو تو تم جماع کے بعد اپنا حق وصول کر چکے ہو اور اگر تم جھوٹے ہو تو تمہارا مطالبہ زیادہ بعید ہے''۔ تو یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہ طور قیاس کے فرمایا، تو اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیاس سے بھی احکام بیان فرماتے تھے۔
(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۸۰، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

حدیث مذکور کی شرح شیوخ دیوبند سے

شیخ سلیم اللہ خاں دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ملاعنہ:

وہ عورت جس کے ساتھ لعان کا واقعہ پیش آیا ہو اگر وہ مدخول بہا ہے تو بالا جماع اس کو پورا مہر ملے گا اور اگر غیر مدخول بہا ہے تو جمہور علماء امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام شافعی کے نزدیک اسے نصف ملے گا، ابوزناد، حکم بن عیینہ، اور حماد بن ابی سلیمان کے نزدیک اس کو پورا مہر ملے گا، امام زہری کے نزدیک اس کو کچھ نہیں ملے گا، امام مالک کی ایک روایت بھی اس کے مطابق ہے۔
(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۳۰، فتح الباری ج ۹ ص ۵۷۰)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو عجلان کے دو بھائیوں کے درمیان تفریق کردی:

بنو عجلان کے بھائیوں سے مراد قبیلہ بنو عجلان سے تعلق رکھنے والے میاں بیوی ہیں، میاں بیوی کو بھائی دینی اعتبار سے فرمایا ہے، قرآن مجید میں ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات: ۱۰) بے شک سب مومن آپس میں بھائی ہیں۔

اخوی، اخ کا تثنیہ ہے، اضافت کی وجہ سے نون تثنیہ حذف کردیا گیا، عورت پر اخ مذکر کا اطلاق درست نہیں، اس کے لیے اخت کا لفظ آتا ہے، یہاں تغلیباً اخت کو اخ کے تابع کر کے اخوی فرمایا ہے، اس سے مراد حضرت عویمر اور ان کی بیوی خولہ ہیں، ان دونوں کا تعلق قبیلہ بنو عجلان سے تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۳۰، ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۸۷)

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کردی'':

اس ارشاد سے فقہاءِ احناف کا مذہب ثابت ہوتا ہے کہ نفس لعان سے فرقت واقع نہیں ہوگی، بلکہ قاضی ان کے درمیان تفریق کرے گا۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۸۷)، (کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق ص ۵۴۰-۵۴۱)

شیخ سلیم اللہ خاں دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے اس حدیث کی شرح میں کوئی نقطہ افروز بات یا کسی نئی تحقیق کا ذکر نہیں کیا بلکہ فتح الباری، عمدۃ

القاری اور ارشاد الساری میں جو مباحث مذکور ہیں ان کا خلاصہ ذکر کر دیا ہے، اور جو بات لکھنی چاہیے تھی وہ یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فریقین کو توبہ کی تلقین کی تھی آیا یہ لعان سے پہلی کی تھی یا لعان کے بعد کی تھی، اور یہ کہ آپ نے یہ تلقین کس وجہ سے کی تھی تا کہ وہ جھوٹی قسم کھانے سے باز آجائیں اور دنیا کے عذاب کو آخرت کے ساتھ عذاب کے مقابلہ میں قبول کر لیں، لیکن اس اہم بات کو شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے اپنی شرح میں ذکر نہیں کیا اور نہ اس کی وجہ بیان کی کہ اس مرد کا لعان کرنے والی عورت کے اوپر اب کوئی حق نہیں ہے، وہ اس کو دیا ہوا مہر اب وصول نہیں کر سکتا اور اس مسئلہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قیاس سے بیان کیا جو قیاس کی صحت پر دلیل ہے؛ جیسا کہ شیخ عثیمین نے بیان کیا ہے، یہ وہ ضروری مباحث تھے جو اس شرح میں سلیم اللہ خان کو بیان کرنے چاہئیں تھے لیکن انہوں نے غالباً کثرتِ مشاغل کی وجہ سے ان پر توجہ نہیں کی اور اس حدیث کی شرح میں از خود غور وفکر نہیں کیا بلکہ اپنے پیش رو شارحین نے جو کچھ لکھا تھا اس کو اختصار کے ساتھ نقل کرنے پر اکتفاء کر لیا۔ سعیدی غفرلہ

۳۳۔ بَابُ: قَوْلِ الْإِمَامِ لِلْمُتَلَاعِنَيْنِ إِنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ

امام کا لعان کرنے والے کو یہ کہنا کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے۔

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھا ہے کہ امام کے اس قول میں مذکر کو مؤنث پر غلبہ دیا ہے؛ کیونکہ فرمایا ہے: ان احد کما کاذب، حالانکہ بیان کرنے والے نے مرد اور عورت دونوں سے بیان کیا ہے اور احد کما کا صیغہ مرد کیلئے ہے، تو گویا مرد کو مؤنث پر غلبہ دیا ہے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی حافظ ابن حجر عسقلانی پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس قسم کے جملہ میں یہ نہیں کہا جاتا کہ اس میں مذکر کو مؤنث پر غلبہ دیا ہے، کیونکہ جب تثنیہ کے صیغہ کے ساتھ خطاب کیا جائے تو اس میں مذکر اور مؤنث مساوی ہوتا ہے۔

اور قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے کہا ہے کہ احد کما کے الفاظ میں ان نحویوں کے قول کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ لفظ احد صرف نفی میں مستعمل ہوتا ہے اور ان نحویوں کا بھی رد ہے جنہوں نے کہا ہے کہ احد کا لفظ صرف وصف میں استعمال ہوتا ہے؛ اور احد کا لفظ واحد کی جگہ پر نہیں رکھا جاتا اور واحد کے مقام پر احد کا لفظ واقع نہیں ہوتا، حالانکہ اس حدیث میں احد کا لفظ بغیر وصف کے استعمال ہوا ہے اور بغیر نفی کے استعمال ہوا ہے اور زمانہ واحد میں استعمال ہوا ہے۔ اور قاضی عیاض پر یہ رد کیا گیا ہے کہ نحویوں نے جو کہا ہے یہ اس احد کے متعلق کہا ہے جو عموم کیلئے ہے، جیسے مافی الدار من احد یعنی گھر میں کوئی ایک بھی نہیں ہے، اور وما جاءنی من احد، یعنی میرے پاس کوئی ایک بھی نہیں آیا اور رہا وہ احد جو واحد کے معنی میں ہو تو اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس کا استعمال کلام مثبت میں بھی ہوتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ (الاخلاص: ۱) آپ کہیے: وہ اللہ ایک ہے ۝

اور جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ (النور:٦) تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی۔

اور اسی طرح اس حدیث میں یہ ارشاد ہے:

احد کما کاذب۔ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے۔

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

فهل منکما تائب۔ یعنی کیا تم میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ان کو ہدایت دینے کیلئے فرمایا ہو، کیونکہ ابھی تک ان دونوں میں سے یا ان دونوں میں سے کسی ایک سے اپنے قصور کا اعتراف حاصل نہیں ہوا، اور اس لیے کہ خاوند جب اپنے نفس کی تکذیب کر دے تو یہ اس کی طرف سے توبہ ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۱۲۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ عَمْرٌو سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ قَالَ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ عَنْ حَدِيثِ الْمُتَلَاعِنَيْنِ فَقَالَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِلْمُتَلَاعِنَيْنِ حِسَابُكُمَا عَلَى اللهِ أَحَدُكُمَا كَاذِبٌ لَا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا قَالَ مَالِي قَالَ لَا مَالَ لَكَ إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا وَإِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَاكَ أَبْعَدُ لَكَ قَالَ سُفْيَانُ حَفِظْتُهُ مِنْ عَمْرٍو وَقَالَ أَيُّوبُ سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ رَجُلٌ لَاعَنَ امْرَأَتَهُ فَقَالَ بِإِصْبَعَيْهِ وَفَرَّقَ سُفْيَانُ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى فَرَّقَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَ أَخَوَيْ بَنِي الْعَجْلَانِ وَقَالَ اللهُ يَعْلَمُ إِنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ سُفْيَانُ حَفِظْتُهُ مِنْ عَمْرٍو وَأَيُّوبَ كَمَا أَخْبَرْتُكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی، عمرو نے کہا: میں نے سعید بن جبیر سے سنا، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے لعان کرنے والوں کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ تمہارا حساب اللہ کے ذمہ ہے، تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، اور تمہارے لیے اس عورت پر کوئی سبیل نہیں ہے، اس مرد نے کہا: میرے دیے ہوئے مال کا کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: تمہارا اس کے اوپر کوئی مال نہیں ہے، اگر تم سچے ہو تو تم اس سے اپنا حق وصول کر چکے ہو، ورنہ تمہارا مطالبہ تو بہت زیادہ بعید ہے۔ سفیان نے کہا: میں نے اس حدیث کو عمرو بن دینار سے یاد رکھا اور ایوب نے کہا کہ میں نے سعید بن جبیر سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ ایک مرد نے اپنی عورت سے لعان کیا، تو حضرت ابن عمر نے اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ کیا اور سفیان نے اپنی انگلیوں کو متفرق کیا، ایک انگشت شہادت تھی اور دوسری درمیانی انگلی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو عجلان کے دو فریقوں کے درمیان تفریق کر دی اور فرمایا: اللہ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی توبہ

کرنے والا ہے؟ آپ نے یہ کلام تین مرتبہ فرمایا، سفیان نے کہا:
میں نے اس حدیث کو عمرو بن دینار سے یاد رکھا اور ایوب سے جیسا
کہ میں نے تمہیں اس حدیث کی خبر دی ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۳۱۲، ۵۳۴۹، ۵۳۵۰، صحیح مسلم: ۱۴۹۳، سنن نسائی: ۳۴۷۵، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۸، مسند احمد: ۴۴۶۳)

جس عورت سے لعان کیا گیا ہو، اس کے لیے مہر کا وجوب

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سفیان راوی نے از عمرو بن دینار از سعید بن جبیر روایت کی ہے کہ میں نے اس حدیث کو عمرو بن دینار سے یاد رکھا ہے اور ایوب نے کہا کہ میں نے سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے پوچھا کہ ایک مرد نے اپنی عورت سے لعان کیا تو انہوں نے اپنی دونوں انگلیوں سے اشارہ کیا اور سفیان نے اپنی انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو متفرق کیا اور بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو عجلان کے فریقوں کے درمیان تفریق کر دی تھی اور آپ نے فرمایا کہ اللہ کو خوب علم ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟ آپ نے یہ کلام تین بار فرمایا، سفیان نے کہا: میں نے اس حدیث کو اپنے چچا اور ایوب سے محفوظ رکھا جیسا کہ میں نے تمہیں یہ حدیث سنائی۔

اور اجماع اس پر قائم ہے کہ جس عورت سے لعان کیا گیا ہو، اس کا مہر واجب ہوتا ہے، کیونکہ ان دونوں کا نکاح لعان سے پہلے صحیح تھا اور ہر وہ مرد جو کسی شبہ کی بناء پر کسی عورت سے مجامعت کرے تو اس کا مہر واجب ہوتا ہے تو جب شبہ کی بناء پر مہر واجب ہو جاتا ہے تو نکاح صحیح کے اندر مہر کس طرح واجب نہیں ہوگا اور اس حدیث میں دلیل ہے کہ دخول کے بعد مہر واجب ہو جاتا ہے۔

علامہ ابراہیم بن منذر المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ مہر واجب ہو جاتا ہے اور خاوند اس کو مہر ادا کرے گا خواہ اس عورت نے زنا کا اقرار کر لیا ہو کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تو نے اس کے متعلق سچ بولا ہے تو تو دخول کے بعد اس سے اپنا مہر وصول کر چکا ہے۔

اس کے بعد علامہ ابن ملقن کی شرح میں وہی عبارت مذکور ہے جو اس سے پہلے علامہ ابن بطال کی عبارت میں گزر چکی ہے۔

شریعت میں دلیل ظاہر کا اعتبار ہوتا ہے

امام محمد بن ادریس الشافعی المتوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے:

اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ قصد فرمایا کہ آپ یہ بیان کریں کہ حکم کا تعلق ظاہر کے ساتھ ہوتا ہے، اور باطن کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا اور اس میں امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کے اس قول کا رد ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جاتی اور اس کو قتل کر دیا جائے گا، امام مالک بن انس کا یہ قول اس لیے غلط ہے کہ جب ظاہر میں زندیق نے توبہ کر لی اور دلیل ظاہر کا اعتبار ہوتا ہے، لہٰذا اس کی توبہ قبول کر لی جائے گی۔

اور امام مالک کے قول کی تاویل میں یہ کہا جاتا ہے کہ ظاہر پر اس وقت عمل کیا جاتا ہے جب اس کے خلاف اس کے باطن پر کوئی قرینہ نہ ہو، اور جب لعان کرنے والے نے توبہ کر لی تو معلوم ہو گیا کہ اب اس کا اعتقاد پہلے اعتقاد کے خلاف ہے، اور زندیق

کے متعلق یہ معلوم نہیں ہے کہ اب اس کی توبہ کرنا اس کے پہلے قول کے خلاف ہے یا نہیں، اس لیے زندیق کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی اور جو ایک دوسرے پر لعان کرنے والے ہیں ان کی توبہ قبول کر لی جائے گی، کیونکہ جب انہوں نے اپنے نفس کی تکذیب کر لی تو ان کی توبہ صحیح ہوگی۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۸۰-۴۸۲ ملخصاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

اس کی تحقیق کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعان کرنے والوں کو جو توبہ کی تلقین کی تھی یہ لعان سے پہلے تلقین کی تھی یا لعان کے بعد کی تھی

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں:

قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے کہا ہے کہ اس عبارت کا ظاہر یہ ہے کہ آپ کا یہ ارشاد ان دونوں فریقوں کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد تھا اور اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ کسی گناہ گار کے اوپر اجمالاً توبہ کو پیش کرنا چاہیے، اور جب وہ اپنے نفس کو جھوٹا قرار دے دے گا تو اس سے اس کی توبہ لازم ہو جائے گی۔

اور علامہ داؤدی متوفی ۴۰۴ھ نے کہا ہے کہ آپ کا یہ ارشاد لعان سے پہلے تھا تا کہ فریقین کو اس سے ڈرایا جائے کہ وہ جھوٹی قسم کھانے سے باز رہیں اور پہلا احتمال سیاقِ کلام کے ساتھ زیادہ ظاہر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ علامہ داؤدی نے جو شرح کی ہے وہ ایک اور جہت سے زیادہ اولیٰ ہے، اور وہ یہ ہے کہ گناہ میں مبتلا ہونے سے پہلے وعظ کرنا جائز ہے بلکہ وہ گناہ کرنے کے بعد وعظ کرنے کی بہ نسبت زیادہ مؤثر ہے۔

علامہ داؤدی نے کہا: جریر بن حازم کی روایت از ایوب از عکرمہ از ابن عباس رضی اللہ عنہما جو امام طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اور امام حاکم متوفی ۴۰۴ھ نے اور امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے حضرت ہلال بن امیہ کے قصہ میں بیان کی ہے، اس میں مذکور ہے: آپ نے ان دونوں کو بلایا، جب لعان کی آیت نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا: اللہ خوب جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک توبہ کرنے والا ہے؟ تو حضرت ہلال نے کہا: اللہ کی قسم! میں سچا ہوں، میں ضرور سچا ہوں۔ الحدیث۔ اور میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی جو روایت عکرمہ سے ہے وہ ایک دوسرا قصہ ہے جو حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں مذکور ہے، پس یہ دونوں باتیں تعدد روایت کے اعتبار سے صحیح ہیں۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۶-۵۱۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حدیث مذکور کی شرح شیوخ دیوبند سے

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ قاضی اور امام کو چاہیے کہ لعان کرنے والوں سے کہہ دے کہ تم دونوں میں سے ضرور کوئی ایک جھوٹا ہے، تو کیا تم دونوں میں سے کوئی ایک اپنی بات سے توبہ کرنے والا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی لعان کرنے والوں سے یہ جملہ فرمایا تھا جیسا کہ روایتِ باب میں آ رہا ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ کلمات لعان سے پہلے کہے جائیں گے یا لعان کے

بعد۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات توبہ کی ترغیب دینے کے لیے لعان کے بعد کہے تھے، لہٰذا لعان کے بعد کہنا چاہیے۔

داؤدی کے نزدیک آپ نے لعان سے پہلے ڈرانے کیلئے یہ کلمات ارشاد فرمائے تھے، لہٰذا لعان سے پہلے کہنا چاہیے، روایت میں دونوں احتمال ہیں، حافظ ابن حجر نے فرمایا کہ پہلے کہنا زیادہ مناسب ہے۔ (فتح الباری ج۹ ص ۵۷۳، طبع لاہور)

بہتر یہ ہے کہ لعان سے پہلے کہے جائیں تا کہ جھوٹا آدمی پہل نہ کرے اور لعان کے بعد بھی کہے جائیں تا کہ جھوٹ بولنے والا توبہ پر متوجہ ہو۔ (کشف الباری عمانی صحیح البخاری کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق ص ۵۴۲-۵۴۳)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

اس حدیث کی شرح میں علامہ عینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے درمیان اس باب کی عنوان کی شرح کے متعلق جو علمی مناقشہ تھا اس کا اس شرح میں ذکر کرنا نہایت ضروری تھا، کیونکہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا تھا کہ ان احد کما کاذب تو لعان کرنے والے تو مرد اور عورت دونوں تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احد کما فرمایا اور یہ مذکر کا صیغہ ہے تو گویا حضور نے مذکر کو مونث کے اوپر غلبہ دیا اور ان احد کما فرمایا، علامہ عینی نے حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ کیا اور یہ بتایا کہ اس قسم کے جملہ میں یہ نہیں کہا جاتا کہ اس میں مذکر کو مونث پر غلبہ دیا ہے کیونکہ تثنیہ کا صیغہ جب خطاب کے لیے ہو تو اس میں مذکر و مونث دونوں مساوی ہوتے ہیں۔

پھر اس کے بعد علامہ عینی نے قاضی عیاض کے اس کلام کو نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نحویوں کے قواعد کا رد فرمایا، پھر علامہ عینی نے اس کی توجیہات بیان کیں، یہ بہت ضروری اور علمی مباحث تھے، جس کو ہم نے علامہ عینی کی شرح کے ضمن میں بیان کر دیا ہے، لیکن شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے اس حدیث کی شرح میں جو امور بالکل ظاہر تھے ان کا تو ذکر کر دیا اور جو امور مشکل اور دقیق تھے ان کو چھوڑ دیا، حالانکہ اپنے حلقہ میں وہ جس پائے کے محدث مشہور ہیں، اس کا تقاضا تھا کہ وہ علمی اور دقیق امور کا بھی اپنی شرح میں ذکر کرتے حالانکہ انہوں نے بہت سطحی اور عامیانہ باتوں کا اپنی شرح میں ذکر کیا ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

۳۴۔ بَابُ: التَّفْرِيقِ بَيْنَ الْمُتَلَاعِنَيْنِ — لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کرنا

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب شوہر اور بیوی دونوں ایک دوسرے پر لعنت کریں تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور یہ عنوان المستملی کی روایت میں ثابت ہے، اور نسفی کی روایت میں فقط لفظ باب لکھا ہوا ہے اور کوئی عنوان ذکر نہیں ہے۔

۵۳۱۳۔ حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ عَنْ عُبَيْدِ اللهِ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رضى الله عنهما أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَرَّقَ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ قَذَفَهَا وَأَحْلَفَهُمَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے ابراہیم بن المنذر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حضرت انس بن عیاض رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دی جس پر اس کے خاوند نے تہمت لگائی تھی اور آپ نے ان دونوں سے حلف لیا۔

(صحیح البخاری: ۴۷۴۸، ۵۳۰۶، ۵۳۱۳، ۵۳۱۴، ۵۳۱۵، ۶۷۴۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۴، سنن ترمذی: ۱۲۰۳، سنن نسائی: ۳۴۷۷، سنن ابو داؤد:

۲۲۵۹ سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۹، مسند احمد: ۶۰۶۳، مؤطا امام مالک: ۱۲۰۲)

لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کا ذکر

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۸۸ھ لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے لعان کرنے والے مرد کے متعلق فرمایا: تمہارے لیے اپنی بیوی کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے، اور یہ ثابت ہو گیا کہ آپ نے لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی، اور یہ اس کی تفسیر ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی اور ہم نے کتاب اللعان کے شروع میں اس حدیث کی اسانید کو ذکر کر دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے یہ احادیث مروی ہیں کہ دو لعان کرنے والے کبھی بھی جمع نہیں ہوں گے، یہ قول حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے مروی ہے اور حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کا اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ کا بھی یہی قول ہے۔

۲۷۷۳: ہمیں علی بن الحسن نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں حدیث بیان کی عبد اللہ نے از سفیان، انہوں نے کہا ہمیں حدیث بیان کی الاعمش نے از ابراہیم کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور وہ کبھی بھی مجتمع نہیں ہوں گے۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۲۴۳۳، مصنف ابن ابی شیبہ جلد ۳، ۴۲۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۱۰)

۲۷۷۴: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی از عبد الرزاق (المصنف: ۱۲۴۳۶)، از قیس بن الربیع از عاصم بن ابی النجود، از زر بن حبیش، از حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ، آپ نے فرمایا کہ لعان کرنے والے کبھی بھی مجتمع نہیں ہوں گے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۳ ص: ۴۲۵، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۱۰)

۲۷۷۵: اور ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی از امام عبد الرزاق (المصنف: ۱۲۴۳۴)، از قیس بن الربیع، از عاصم بن ابی النجود، از شقیق بن سلمہ، از حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، آپ نے فرمایا کہ لعان کرنے والے کبھی بھی مجتمع نہیں ہوں گے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی: ۹۶۶۱، سنن بیہقی: ج ۷ ص ۴۱۰)

لعان کے بعد تفریق کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء اور اقوال

ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ، حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، اور ابن شہاب الزہری متوفی ۱۵۲ھ کے بھی یہی اقوال ہیں۔ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ، کا بھی یہی قول ہے۔ (المدونہ ج ۲ ص ۳۵۵)

اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کا بھی یہی قول ہے (کتاب الام ج ۵ ص-۱۸۹ کتاب النفقات) اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا بھی یہی قول ہے۔ (مسائل احمد و اسحاق روایت الکوج ۹۸۹)

اور اسحاق بن ابراہیم بن مخلد ابن راہویہ متوفی ۲۳۷ھ کا بھی یہی قول ہے۔

اور امام ابو عبید الہروی متوفی ۲۲۷ھ کا بھی یہی قول ہے، اور اوزاعی، امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ کا بھی یہی

قول ہے۔

حدیث مذکور سے فقہاء کا استدلال

اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرد سے فرمایا کہ تمہارے لیے اپنی بیوی پر کوئی سبیل نہیں ہے تو اس میں یہ دلیل ہے کہ اس کی بیوی اس کے اوپر کسی وجہ سے بھی حلال نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ اس کے لیے حلال ہوتی تو اس کے لیے اپنی بیوی پر کسی وجہ سے کوئی سبیل ہوتی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا استثناء فرماتے مگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے اپنی بیوی کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے الا یہ کہ تم اپنے نفس کو جھوٹا قرار دو، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مطلقاً یہ فرما دیا تو اب کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس حدیث میں اپنی رائے سے کوئی استثناء کرے اور احادیث کی مخالفت کرنا جائز نہیں ہے، پس اسی طریقہ سے حدیث کے اندر اپنی رائے سے استثناء کرنا جائز نہیں ہے۔

فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا: جب کسی مرد نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی تو اس کے اوپر حدِ قذف کے کوڑے لگائے جائیں گے، اور یہ سعید بن المسیب متوفی ۹۰ ھ کا قول ہے اور امام ابوحنیفہ النعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ ھ کا مذہب ہے۔
(المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۴۷، باب اللعان)

انہوں نے کہا کہ جب کسی مرد نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی تو یہ طلاقِ بائنہ ہے اور اس پر حدِ قذف کے کوڑے لگائے جائیں گے اور یہی امام محمد بن الحسن الشیبانی الحنفی المتوفی ۱۸۹ ھ کا قول ہے۔

اور اس مسئلہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ جب کسی مرد نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی اور اس کو کوڑے مارے گئے تو اس کی بیوی کو اس کی طرف لوٹا دیا جائے گا جب تک کہ وہ عورت عدت کے اندر ہو اور یہ قول سعید بن جبیر متوفی ۹۵ ھ سے منقول ہے۔
(سنن سعید بن منصور: ۱۵۸۵)

اور عبیداللہ بن الحسن کی رائے یہ تھی کہ لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق طلاقِ بائنہ ہے اور ان کی رائے یہ تھی کہ وہ اس کے ساتھ دوبارہ عقدِ نکاح کر سکتے ہیں، کہا گیا کہ وہ تو دونوں لعان کر کے چلے گئے حاکم کی تفریق کرنے سے پہلے تو انہوں نے کہا کہ یہ ان کے درمیان تفریق ہے اور انہوں نے کہا کہ جس عورت سے اس کا مرد لعان کر لے پھر اس سے نکاح کرے تو وہ دو طلاقوں کا مالک ہوگا۔

اور بعض فقہاء نے کہا: جب کسی مرد نے لعان کرنے کے بعد اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا تو اس کو حد نہیں لگائی جائے گی، اسی طرح عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ ھ کا قول ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۱۱۰-۱۱۲)

اور عطاء نے کہا: وہ دونوں متفرق ہو گئے اور وہ مرد اللہ تعالیٰ کی لعنت کے ساتھ لوٹ گیا اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ ھ سے منقول ہے کہ جب لعان کرنے والے نے اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا تو اس کے اوپر دو حدیں جمع نہیں ہوں گی۔
اور الحارث العکلی نے کہا کہ اس کے اوپر کوئی حد نہیں ہے۔ (کتاب الام للشافعی ج ۵ ص ۴۱۹، بحث ما یکون قذفا و مالا یکون)

جب کسی مرد نے اپنی بیوی کے بچے کی اپنے نسب سے نفی کر دی تو اس کے متعلق فقہاء کی آراء اور اقوال

امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ ھ یہ کہتے تھے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی کے بچے کے متعلق یہ کہا: لم تلدیہ، تم نے اس بچے کو نہیں پیدا کیا، تو اس مرد سے اس بچے کا نسب ثابت نہیں ہوگا، سوائے اس کے کہ چار عورتیں یہ گواہی دیں کہ اس عورت کے

ہاں یہ بچہ ہوا ہے اور یہ عورت اس کی بیوی ہے اور اگر وہاں چار عورتیں نہ ہوں اور اس عورت نے مرد سے اس کی قسم کا سوال کیا تو ہم اس مرد کے اوپر قسم دیں گے۔ اگر مرد نے قسم کھالی تو وہ مرد بری ہو جائے گا اور اگر اس نے حلف نہیں اٹھایا تو ہم اس کو جبراً حلف دیں گے۔ (کتاب الام للامام الشافعی ج ۵ ص ۴۱۹)

اور اگر اس عورت نے حلف اٹھالیا تو مرد پر اس بچے کا نسب لازم ہوگا اور اگر اس عورت نے حلف نہیں اٹھایا تو اس کو لازم نہیں ہوگا۔

سفیان بن سعید بن مسروق الثوری المتوفی ۱۶۱ ھ نے کہا: بچے کے متعلق عورتوں کے دعوے پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، کہ اس نے وہ بچہ اپنے خاوند کے گھر میں پیدا کیا ہے جب تک کہ اس پر گواہ نہ ہوں۔ اور فقہاء احناف نے کہا کہ جب خاوند نے اس بچے کے متعلق کہا جو اس عورت کے ساتھ تھا کہ تم نے یہ بچہ پیدا نہیں کیا ہے تو اس کا نسب کسی سے ثابت نہیں ہوگا اور خاوند پر حد نہیں ہوگی اور نہ ان کے درمیان لعان ہوگا اور اگر اس کی بیوی بچے کی ولادت پر گواہ پیش کردے تو اس بچے کا نسب میاں بیوی دونوں سے ثابت ہو جائے گا۔ اور جب عورت نے گواہ پیش کیے اور مرد نے اس کی نفی کردی تو پھر مرد کے اوپر لعان ہے اور بچہ اپنی ماں کے ساتھ لازم رہے گا۔ (المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۵۷، باب اللعان)

علامہ ابوبکر ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ ھ نے کہا ہے کہ اگر خاوند نے یہ اقرار کیا کہ اس کی بیوی نے بچہ جنا ہے اور وہ عورت اس کی بیوی ہے اور بچہ اس وقت میں پیدا ہوا جس وقت میں بچے پیدا ہونا ممکن ہے تو وہ بچہ اس کو لازم ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: الولد للفراش، بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، اور اس کے خاوند کے اس قول کو قبول نہیں کیا جائے گا کہ اس بچے کا نسب اس سے نہیں ہے۔ (الاوسط من السنن والا جماع والاختلاف ج ۹ ص ۴۸۹-۴۹۲، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ ھ)

حدیث ''الولد للفراش'' کی تحقیق اور تخریج

جب حضرت سعد بن ابی وقاص نے فتح مکہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ عبد بن زمعہ میرا بھائی ہے، اور میرے باپ (عتبہ بن ابی وقاص) کی باندی کا بیٹا ہے، جس سے عتبہ بن ابی وقاص نے زنا کیا تھا اور اس کے نتیجے میں عبد بن زمعہ پیدا ہوا تھا، وہ میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عتبہ بن ابی وقاص سے فرمایا: وہ تمہارا بھائی ہے اے عبد بن زمعہ! پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، اور زانی کے لیے پتھر ہیں یعنی اس کو سنگسار کیا جائے گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا: اے سودہ! تم عبد بن زمعہ سے پردہ میں رہا کرو، کیونکہ آپ نے عبد بن زمعہ میں عتبہ بن ابی وقاص کی مشابہت دیکھی تھی، تو حضرت سودہ نے اپنے بھائی عبد بن زمعہ کو کبھی نہیں دیکھا حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۵۳ (مختصراً) صحیح البخاری: ۲۲۱۸، ۲۴۲۱، ۲۵۳۳، ۲۷۴۵، ۴۳۰۳، ۶۷۴۹، ۶۷۶۵، ۶۸۱۷، ۷۱۸۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ حکم ثابت ہے کہ بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، اور تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے۔ (الاغناء: ۲۵۴۲)

۶۷۵۷: ہمیں یحییٰ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از زہری از سعید بن المسیب از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو اور زانی کیلئے پتھر ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۴۵۸، از سند سفیان)

۶۷۵۸: ہمیں حامد بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں اسحاق رازی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں

مالک بن انس نے حدیث بیان کی (الموطا ص ۵۶۷)، از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کیلئے پتھر ہیں۔ (صحیح البخاری: ۲۲۱۸، صحیح مسلم: ۱۴۵۷ از سند زہری)

مسئلہ مذکورہ میں فقہاء کی آراء اور اقوال

علامہ ابوبکر ابراہیم بن منذر النیشا پوری الشافعی التوفی ۳۱۸ھ نے کہا: جب کسی مرد نے کسی عورت سے نکاح صحیح کیا، پھر وہ عقد نکاح کے بعد چھ ماہ سے کم مدت یا اس سے زیادہ مدت کے اندر بچے کو لے کر آئی تو بچہ اس مرد کے ساتھ لاحق ہوگا جب کہ ممکن ہو کہ وہ مرد اپنی بیوی کی طرف پہنچ سکا ہو اور اس کا شوہر ان لوگوں میں سے ہو جو مجامعت کر سکتے ہوں، پس جب یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنی بیوی کی طرف نہیں پہنچا ہے اور یہ اس صورت میں ہوگا کہ جب شوہر اور بیوی ایسے دو شہروں کے درمیان رہتے ہوں جن کے درمیان اتنی مسافت ہو جس سے یہ معلوم ہو کہ ان کے نکاح کے بعد ملاقات نہیں ہوئی، اسی طرح اگر خاوند بچہ ہو اور اس جیسا بچہ وطی نہ کر سکتا ہو پھر اس کی بیوی بچہ جنے تو بچے کا نسب اس مرد سے ثابت نہیں ہوگا۔ اور اسی طرح اگر اس عورت کا خاوند مقطوع الذکر اور خصیتین ہو تب بھی اس بچے کا نسب اس مرد سے ثابت نہیں ہوگا۔

امام ابوبکر ابراہیم بن المنذر النیشا پوری الشافعی التوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

جب کوئی مرد اپنی بیوی سے کئی سال تک غائب رہا ہو، پھر اس کی بیوی کو اس کے شوہر کی وفات کی خبر پہنچ گئی ہو، پھر اس نے عدت گزار لی ہو اور پھر کسی اور مرد سے نکاح صحیح کر لیا ہو جو اس کے ولی نے کیا ہو اور اس نکاح کے گواہ بھی موجود ہوں اور دوسرے شوہر نے اس عورت سے دخول کر لیا ہو اور اس سے اس کی کئی اولادیں ہو چکی ہوں، پھر اس کا پہلا شوہر آ جائے تو دوسرا نکاح منسوخ ہو جائے گا اور وہ عورت اپنی عدت گزارے گی اور پہلے شوہر کی طرف واپس کر دی جائے گی اور اس عورت کے لیے دوسرے شوہر کے اوپر مروجہ دستور کے مطابق مہر مثل لازم ہوگا اور اولاد دوسرے شوہر کے ساتھ لاحق ہوگی، کیونکہ وہ اولاد دوسرے شوہر کے بستر پر پیدا ہوئی ہے اور یہ سفیان بن سعید بن مسروق ثوری متوفی ۱۶۱ھ کا قول ہے اور فقہاء عراق کا قول ہے اور ابن ابی لیلیٰ کا بھی یہی قول ہے۔ اور یہی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا قول ہے (المدونہ ج ۶ ص ۱۱۱) اور اہل حجاز کا قول ہے اور محمد بن ادریس الشافعی التوفی ۲۰۴ھ کا اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۳۴۷، بحث امراۃ المفقود)

اور اسی طرح امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور اسحاق بن ابراہیم بن مخلد بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ کا قول ہے، اور تمام اہل علم جن کے اقوال محفوظ ہیں ان کا یہی قول ہے سوائے امام ابوحنیفہ النعمان بن ثابت التوفی ۱۵۰ھ کے قول کے (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۲۱۵) کیونکہ امام ابوحنیفہ کا زعم یہ ہے کہ اولاد پہلے خاوند کی قرار دی جائے گی کیونکہ وہی صاحب فراش ہے۔ (الاقناع: ۲۵۵۹)

اور ہم حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے اس صورت میں یہ فیصلہ کیا کہ اولاد دوسرے شوہر کی قرار پائے گی۔

۷۷۵۹: ہمیں حدیث بیان کی از اسحاق بن راہویہ، انہوں نے کہا ہمیں حدیث بیان کی وکیع نے، انہوں نے کہا ہمیں حدیث بیان کی اسرائیل نے از ابراہیم بن عبد الاعلیٰ از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ میں حضرت مولا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی خدمت

میں حاضر تھا اور ان کے پاس عکرمہ بن خنبص نے اس عورت کے متعلق مقدمہ پیش کیا جس کے ہاں بچہ پیدا ہوا تھا تو حضرت مولیٰ علی نے اس بچے کو اس کے پہلے خاوند کے ساتھ لاحق کر دیا، جب کہ اس کی اولاد دوسرے خاوند سے ہوئی تھی اور حضرت علی نے اولاد کو دوسرے خاوند کی اولاد قرار دیا۔

ابراہیم بن منذر کے مسودہ میں یہ لفظ ''حبیص'' لکھا ہوا ہے اور یہ غلط ہے اور صحیح لفظ عکرمہ بن خنبص ہے، امام بخاری نے اس کو اسی طرح لکھا ہے۔ (التاریخ الکبیر ج ۷ ص ۵۰)

اور امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے بھی اسی طرح لکھا ہے (الجرح والتعدیل: ج ۷ ص ۱۰)، انہوں نے حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے سنا، ان سے ابراہیم بن عبدالاعلیٰ الکوفی نے روایت کی اور امام ابن حبان نے کتاب الثقات میں اس کو اسی طرح بیان کیا (ج ۵ ص ۲۳۲) اور کہا کہ شیخ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو متقی لوگوں کی حفاظت میں دیا حتیٰ کہ اس کا ایک حیض گزر جائے، پھر حیض گزر جانے کے بعد اس عورت کو اس کے خاوند کی طرف لوٹا دیا۔ (سنن سعید بن منصور: ۵۴۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۱۳-۴۱۴)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۴۴۹-۴۵۱، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

مسئلہ مذکورہ میں فقہاءِ اسلام کے اقوال

اس میں اختلاف ہے کہ ایک عورت کے ہاں دو بچے ایک پیٹ سے پیدا ہوئے، پس شوہر نے ان میں سے ایک بچے کا تو اقرار کیا اور دوسرے بچے کی نفی کی، تو فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ جب اس نے ایک بچے کا اقرار کر لیا تو دوسرے بچے کا نسب بھی اس سے ثابت ہو جائے گا خواہ وہ پہلے بچے کا اقرار کرے خواہ دوسرے بچے کا اقرار کرے اور یہی امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کا قول ہے۔ (کتاب الام، ج ۵ ص ۴۲۰، بحث ما یکون قذفا و مالا یکون)

اور ابوثور اور ابن القاسم کا بھی یہی قول ہے (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۳۵۷، بحث کتاب اللعان)

اور فقہاءِ احناف نے کہا ہے: جب شوہر نے پہلے بچہ کی نفی کی اور دوسرے کا اقرار کیا تو اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی اور لعان نہیں کیا جائے گا اور دونوں بچوں کا نسب ثابت ہوگا۔ اور اگر اس نے پہلے بچے کا اقرار کیا اور دوسرے کی نفی کی تو اس پر لعان کا حکم لگایا جائے گا اور دونوں بچوں کا نسب اس سے ثابت ہوگا۔ (المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۴۹، بحث باب اللعان)

اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی المتوفی ۹۶ھ نے کہا کہ ایک مرد کی تین اولادیں ہیں، اس نے پہلے بچے کا تو اقرار کیا اور دوسرے کی نفی کی اور تیسری کا اقرار کر لیا تو انہوں نے کہا: اس کو اسی پر محمول کیا جائے گا جس طرح اس مرد نے کہا ہے۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۴۹۳-۴۹۲، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کرنے کا حکم اور اس مسئلہ میں فقہاءِ اسلام کے اقوال اور ان کی آراء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جب لعان سے شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق ہوگئی تو علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ لعان کے پورا ہونے سے شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق

واقع ہو جائے گی خواہ حاکم نے تفریق نہ کی ہو اور یہی قول ربیعہ کا اور امام مالک بن انس کا اور اللیث کا اور الاوزاعی کا اور امام زفر بن ہزیل المتوفی ۱۵۸ھ کا ہے اور ابوثور کا ہے۔

اور سفیان بن سعید بن مسروق ثوری المتوفی ۱۶۱ھ نے کہا اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے دونوں صاحبوں نے کہا کہ لعان کے پورا ہونے سے تفریق واقع نہیں ہوگی حتیٰ کہ حاکم ان کے درمیان تفریق کر دے اور یہی امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا قول ہے، اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا کہ جب خاوند نے لعان کو مکمل کر دیا تو شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق واقع ہوگئی اور وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے اور اگر تفریق مکمل نہ ہو اور خاوند مر جائے تو اس کا بیٹا اس کا وارث ہوگا۔

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا کہ جب خاوند کا لعان اس سے حد کو ساقط کر دیتا ہے اور بچے کے نسب کی اس سے نفی کر دیتا ہے تو عصمت منقطع ہو جاتی ہے اور الولد للفراش کا حکم ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ عورت کا فراق میں اور عصمت کے منقطع ہونے میں کوئی دخل نہیں ہے اور عورت کے لعان کا کوئی معنی نہیں ہے سوائے اس کے کہ عورت کے لعان کی وجہ سے اس سے حدِ زنا ساقط ہو جائے گی۔

امام ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ الطحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے کہا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول قرآن مجید کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور:۶)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے O

اور امام شافعی کے قول کی بناء پر لائق ہے کہ عورت سے لعان نہ کیا جائے اور یہ عورت اس کی بیوی کی غیر ہے اور اس پر فقہاء کا اتفاق ہے کہ جس نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس کو بائنہ کر دیا، پھر اس پر اس نے زنا کی تہمت لگائی تو عورت سے لعان نہیں کرایا جائے گا، کیونکہ وہ اس کی بیوی نہیں ہے اور قرآن مجید میں بیویوں پر تہمت لگانے کے متعلق لعان کا حکم دیا اور اگر عورت خاوند کے لعان کرنے کی وجہ سے اس سے بائنہ ہوگئی تو پھر عورت کا لعان کرنا جائز نہیں ہے۔

مسئلہ مذکورہ میں فقہاء احناف کی دلیل

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ خاوند اور بیوی کے درمیان نفس لعان سے تفریق واقع نہیں ہوتی حتیٰ کہ حاکم ان کے درمیان تفریق کرے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی، تو حدیث میں تفریق کرنے کی نسبت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے نہ کہ لعان کی طرف۔ تو فقہاء احناف نے کہا: اس سے معلوم ہوا کہ لعان حاکم کے حاضر ہونے کی طرف محتاج ہے تو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق بھی حاکم کی طرف محتاج ہوگی۔ اس کے برخلاف طلاق کا حکم ہے جس کا عنین یعنی نامرد پر قیاس کیا جاتا ہے کیونکہ عنین یعنی نامرد اور اس کی بیوی کے درمیان

تفریق نہیں کی جاتی حتیٰ کہ حاکم ان کے درمیان تفریق کرے یعنی شوہر کے محض نامرد ہونے کی وجہ سے اس کی اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق نہیں ہوگی جب تک کہ حاکم ان کے درمیان تفریق نہ کر دے، سو اسی طرح نفسِ لعان سے شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق نہیں ہوگی حتیٰ کہ حاکم ان کے درمیان تفریق کر دے۔

مسئلہ مذکورہ میں امام مالک کی دلیل

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور ان کے موافقین کی دلیل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی، جب ان دونوں کا لعان ثابت ہو گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ نفسِ لعان سے شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق واجب ہو جاتی ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت فیصلہ کیا جب کہ شوہر اور بیوی لعان سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا: اب تمہارا اس عورت پر کوئی حق نہیں رہا اور آپ نے اپنے اس ارشاد سے یہ خبر دی ہے کہ لعان میں شوہر کی بیوی کے اوپر سبیل کے اوپر مرتفع کر دیا اور یہ تفریق ان کے درمیان حاکم کے نئے حکم کی وجہ سے نہیں ہوئی تھی اور یہ تفریق صرف لعان کی وجہ سے واجب ہوئی ہے جس کا معنی ہے: دونوں کو ایک دوسرے سے دور کرنا، اور یہی لعان کا لغوی معنی ہے۔

فقہاءِ احناف کے دلائل کے جوابات

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ لاعن کا لفظ باب مفاعلہ کا صیغہ ہے جس کا تقاضا ہے کہ طرفین ایک دوسرے پر لعان کریں اور اگر ان کے درمیان نکاح باقی رہے حتیٰ کہ حاکم اس نکاح کی تفریق کرے تو اس سے لازم آئے گا کہ زوجین کے درمیان صحیح نکاح کی تفریق ہو جائے بغیر کسی فاسد امر کے اور بغیر کسی ایسے سبب کے جس کا تقاضا یہ ہو کہ اس نکاح کو فاسد کر لیا جائے اور اگر اس کے مطابق کہا گیا تو یہ قول تمام امت کے اقوال سے خارج ہو جائے گا اور حاکم کے لیے جائز ہوگا کہ وہ جب چاہے شوہر اور بیوی کے درمیان نکاح کی تفریق کر دے بغیر کسی ایسے سبب کے جس کا تقاضا یہ ہو کہ ان کے نکاح کو باطل کر دیا جائے اور فقہاءِ احناف کا عنین اور نامرد پر اس کو قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ نامرد کے ساتھ نکاح پہ راضی رہے اور جس عورت نے اپنے خاوند سے لعان کر لیا اس کے لیے اس سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے، لہٰذا یہ دونوں مسئلے الگ الگ ہو گئے اور ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔

فقہاءِ احناف کے رد پر تائید مزید

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ لعان کرنے والے کی بیوی اپنے شوہر پر حلال نہیں ہوتی جب تک کہ اس کا شوہر اپنے آپ کو جھوٹا نہ قرار دے، اس میں یہ واضح دلیل ہے کہ اگر لعان سے نکاح فسخ نہ ہوتا تو العجلانی کی طلاق ان کی بیوی پر واقع ہو جاتی اور وہ دوسرا نکاح کرنے کے بعد العجلانی کیلئے حلال ہو جاتی اور جمہور علماء نے ذکر کیا ہے کہ دو لعنت کرنے والے میاں بیوی کبھی بھی ایک دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتے اور جب اس مرد نے اپنے آپ کو جھوٹا قرار دے دیا تو اس پر حد قذف لگائی جائے گی اور بچے کا نسب اس کے ساتھ لگا دیا جائے گا اور اس کی بیوی اس کے پاس کبھی بھی لوٹ نہیں سکے گی۔

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے: اس سنت میں کوئی شک نہیں ہے اور نہ کوئی اختلاف ہے اور علامہ ابن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے از عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ روایت کی ہے کہ لعنت کرنے والے نے جب لعان کرنے کے بعد اپنے آپ کو جھوٹا قرار دیا تو اس پر حدِ قذف نہیں لگائی جائے گی اور انہوں نے کہا: وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی لعنت سے الگ الگ ہو گئے۔

فقہاء احناف کی طرف سے دلیل مذکور کا جواب

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ نے کہا: جب کسی مرد نے اپنے نفس کو جھوٹا قرار دیا اور اس پر حدِ قذف لگ گئی اور بچہ اس کے نسب کے ساتھ لاحق ہو گیا تو وہ جس کو چاہے نکاح کا پیغام دے سکتا ہے اور یہی سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ اور الحسن البصری متوفی ۱۱۰ھ اور سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ کا قول ہے اور ان فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ اس پر اجماع قائم ہے کہ جب لعان کرنے والے مرد نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی اور اس پر حدِ قذف لاگو ہو گئی اور بچہ اس کے نسب کے ساتھ لاحق ہو گیا تو انہوں نے کہا تو پھر اس کا نکاح بدستور حلال ہو جائے گا اور بچہ اس کی طرف لوٹ آئے گا کیونکہ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

جمہور فقہاء کی طرف سے فقہاء احناف کے جواب پر تبصرہ

جمہور فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ لعان کرنے والے مرد اور عورت کبھی بھی مجتمع نہیں ہوتے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والے مرد اور عورت کے درمیان تفریق کر دی اور آپ نے مرد سے فرمایا کہ ''تمہارے لیے اپنی بیوی کے اوپر اب کوئی سبیل نہیں ہے''۔ اور آپ نے اس سے یہ نہیں فرمایا: سوائے اس کے کہ تم اپنے نفس کی تکذیب کرو تو گویا یہ دائمی تحریم ہے جیسا کہ امہات کے متعلق دائمی تحریم ہے، اور یہ ہر اس تحریم کی شان ہے جس میں مطلقاً دائمی تحریم ہو، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہوں تو اس کی بیوی اس پر دائماً حرام نہیں ہوتی اور جب وہ دوسرے شوہر سے نکاح کر لے تو پھر اس کا پہلے شوہر کے ساتھ نکاح کرنا حلال ہو جاتا ہے، اور اگر آپ فرماتے کہ اگر اس نے اس کو طلاق دے دی تو وہ اس کے لیے حلال نہیں ہوگی تو یہ تحریم مطلق ہوتی اور کبھی اس کے لیے حلال نہ ہوتی، حالانکہ مطلقہ ثلاثہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً تحریم نہیں فرمایا اور لعان کرنے والے مرد اور عورت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً تحریم فرمائی ہے اور اس کو کسی وقت کے ساتھ مقید نہیں فرمایا، سو یہ دائمی تحریم ہے، پس اگر مرد نے اپنے نفس کو جھوٹا قرار دیا تو بچے کا نسب اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا، کیونکہ یہ وہ حق ہے جس کا اس نے پہلے انکار کیا اور پھر دوبارہ اقرار کر کے اس کی طرف رجوع کر لیا اور نکاح میں اس طرح نہیں ہے کیونکہ یہ وہ حق ہے جو اس کے اوپر ثابت تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے لیے اپنی بیوی کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے'' تو اب مرد کے لیے اس کو باطل کرنا جائز نہیں ہوگا اور امام اسحاق بن ابراہیم بن مخلد راہویہ المتوفی ۲۳۷ھ نے اور فقہاء کی جماعت میں ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ سے روایت کی ہے کہ اس معاملہ پر سنت جاری ہو گئی کہ جب فریقین ایک دوسرے پر لعان کریں گے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور وہ کبھی بھی ایک دوسرے کے ساتھ جمع نہیں ہو سکیں گے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۳۸۶-۳۸۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

لعان پر متفرع ہونے والی تفریق کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ، صحیح البخاری: ۵۳۱۳، ۵۳۱۴ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے اس باب میں نافع البربری متوفی ۱۱۷ھ کی از حضرت ابن عمر متوفی ۷۳ھ یہ روایت کی ہے کہ حضرت ابن

رضی اللہ عنہما نے یہ خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دی جس مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور ان دونوں سے آپ نے حلف لیا۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد اور ایک عورت جو انصار سے تھیں ان کے درمیان آپ نے لعان کرایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔

علامہ ابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ لعان کے ساتھ تفریق کب واقع ہوگی اور علامہ ابن المنذر متوفی ۳۱۲ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے روایت کی ہے کہ جیسے ہی لعان پورا ہوگا تو تفریق واقع ہو جائے گی خواہ حاکم تفریق نہ کرے اور یہ ربیعہ، امام مالک بن انس، اور لیث اور اوزاعی اور امام زفر بن ہزیل متوفی ۱۵۸ھ کا قول ہے۔ اور ثوری نے کہا اور امام ابوحنیفہ اور ان کے صاحبین کا بھی یہی مذہب ہے اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا کہ جب تک حاکم تفریق نہ کر دے اس وقت تک صرف لعان سے تفریق نہیں ہوگی۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۵۰۶)

اور امام شافعی نے کہا کہ جب زوج نے لعان کو مکمل کر دیا تو ان کے درمیان تفریق ہوگئی اور وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے اور اگر تفریق مکمل نہ ہوتی اور وہ مرد مر جاتا تو اس کا بیٹا اس کا وارث ہوتا۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۲۸۰-۲۸۱)

اور امام شافعی نے یہ استدلال کیا ہے کہ جب خاوند کے لعان کرنے سے اس سے حدِ قذف ساقط ہو جاتی ہے اور بچے کے نسب کی نفی ہو جاتی ہے تو ان کے درمیان عصمت منقطع ہو جاتی ہے اور الولد للفراش کا حکم مرتفع ہو جاتا ہے کیونکہ عورت کا فراق میں اور عصمت کے منقطع ہونے میں کوئی دخل نہیں ہے، اور عورت جو لعان کرتی ہے اس کا صرف یہ معنی ہے کہ اس سے حدِ زنا ساقط ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ (النور: ٦)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے ○

اور یہ آیت ان کے قول کے خلاف ہے، اور اس کے بھی خلاف ہے کہ انہوں نے کہا: لائق ہے کہ عورت لعان نہ کرے جب کہ وہ اس کی بیوی نہ ہو، اور اس پر اتفاق ہے کہ جس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس نے اس کو خود سے جدا کر دیا پھر اس کے اوپر اس نے زنا کی تہمت لگائی تو اب لعان نہیں کرایا جائے گا کیونکہ اب وہ اس کی بیوی نہیں رہی، اسی طرح جب اس کی بیوی لعان کرنے کی وجہ سے بائن ہوگئی تو اب اس کا لعان کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۵۰۵-۵۰۶)

الثوری اور ان کے موافقین کی اس باب کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تفریق کی اضافت مرد کی طرف کی ہے، لعان کی طرف نہیں کی، انہوں نے کہا: جب کہ اس میں مرد کے حاضر ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے تو اسی طرح اس کی تفریق میں بھی اس کے حاضر ہونے کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس کے برخلاف عنین یعنی نامرد کی طلاق پر قیاس کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ عنین اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق صرف حاکم کرتا ہے۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور ان کے موافقین کی دلیل یہ ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کردی جب ان دونوں کا لعان مکمل ہو گیا اور یہ اس کی دلیل ہے کہ لعان سے تفریق واجب ہو جاتی ہے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد فیصلہ فرمایا اور آپ نے مرد سے فرمایا: تمہارے لیے اب اس عورت کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے اور اس میں آپ نے یہ خبر دی ہے کہ لعان نے مرد کی عورت کے اوپر سبیل کو مرتفع کر دیا اور یہ تفریق ان کے درمیان نیا حکم نہیں ہے، یہ تفریق ان کے لعان کی وجہ سے از روئے لغت واجب ہو گئی۔ (الاستذکار، ج ۱۷، ص ۲۲۴-۲۲۶ ملخصاً)

لعان باب مفاعلہ کا مصدر ہے جس کا خاصہ ہے: فاعل میں اشتراک، اگر ان کا نکاح ان کے درمیان باقی رہتا حتیٰ کہ حاکم تفریق کرتا تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ حاکم کسی بھی صحیح نکاح کو اپنی رائے سے بغیر کسی سبب صحیح یا سبب فاسد کے فسخ کر سکتا ہے جب کہ کوئی ایسا سبب درپیش نہ ہو جس کا تقاضا اس نکاح کو فاسد کرنا ہو، اور جس نے یہ قول کیا تو اس کا قول تمام امت کے اجماع سے خارج ہو گا اور پھر حاکم کے لیے جائز ہو گا کہ میاں بیوی میں سے جس کے نکاح کی تفریق کرنا چاہے وہ تفریق کر دے، بغیر کسی ایسے سبب کے جس کا یہ تقاضا ہو کہ ان کا نکاح باطل کر دیا جائے اور فقہاء احناف کا اس پر نامرد کے معاملہ پر قیاس کرنا خطاء ہے کیونکہ بیوی کے لیے یہ جائز ہے کہ اگر وہ عنین اور نامرد کے ساتھ زندگی گزارنے پر راضی ہو تو وہ اس کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہے اور لعان کرنے والی کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ لعان کرنے والے مرد سے رجوع کر لے، لہٰذا ان دونوں مسئلوں میں فرق ہے۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ لعان کرنے والے کی بیوی لعان کے بعد اپنے شوہر پر حلال نہیں ہوتی جب اس نے اپنے نفس کی تکذیب نہ کی ہو، اس میں یہ واضح دلیل ہے کہ ان کا نکاح لعان سے فسخ نہیں ہوا اور حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ کی طلاق اپنی بیوی پر واقع ہو گئی اور وہ نکاح کے بعد ان کے لیے حلال تھی۔

اور جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ دو لعان کرنے والے مرد اور عورت کبھی بھی ایک دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتے خواہ مرد نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی ہو اور اس پر کوڑے مار دیے گئے ہوں اور اس کا بچہ اس پر لاحق ہو گیا ہو اور اس کی بیوی اس پر کبھی بھی رجوع نہیں کرے گی۔

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا: یہ وہ سنتیں ہیں جن میں نہ کوئی شک ہے اور نہ کوئی اختلاف ہے۔ (الموطا امام مالک ص ۳۵۱)

اور علامہ ابراہیم بن منذر النیشاپوری متوفی ۳۱۸ھ نے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ سے روایت کی ہے کہ لعان کرنے والے نے لعان کے بعد جب اپنے نفس کو جھوٹا قرار دیا تو اس پر حدِ قذف نہیں لگائی جائے گی اور کہا: یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی لعنت سے متفرق ہو گئے۔

فقہاء احناف کی طرف سے دلائل مذکورہ کے جواب

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ جب لعان کرنے والے مرد نے لعان کے بعد اپنے نفس کی تکذیب کر دی تو اس کو حد قذف لگائی جائے گی اور اس کا بچہ اس کے ساتھ لاحق ہو جائے گا اور وہ جس کو چاہے نکاح کا پیغام دے سکتا ہے اور یہ سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ اور الحسن البصری متوفی ۱۱۰ھ اور سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ

کا مذہب ہے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۵۰۶، الاستذکار ج ۱۷ ص ۲۳۱-۲۳۶، ملخصاً)

بخاری کے ایک شارح علامہ ابن التین نے اس عبارت کو نقل کیا ہے اور اس پر انہوں نے حسن بصری کا ذکر نہیں کیا اور محمد بن حسن الشیبانی متوفی ۱۷۹ھ کا اضافہ کیا ہے کہ جب لعان کرنے والے مرد نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی تو پھر تحریم مرتفع ہو گئی، پھر اس کی بیوی جب تک عدت میں ہو تو وہ اس مرد کی طرف لوٹ سکتی ہے، اور جمہور فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ اس پر اجماع قائم ہے کہ اگر مرد نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی اور اس پر حد قذف لاگو کر دی گئی تو بچہ اس کے نسب کے ساتھ لاحق ہو جائے گا، انہوں نے کہا: پھر یہ نکاح حلال ہو کر لوٹ آئے گا جیسا کہ بچہ اپنے نسب کی طرف لوٹ آیا ہے کیونکہ اس میں کوئی فرق نہیں ہے اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ لعان کرنے والے مرد اور عورت کبھی بھی مجتمع نہیں ہوتے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی اور آپ نے مرد سے فرمایا: تمہارے لیے اس بیوی کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے اور آپ نے یہ نہیں فرمایا تھا: سوائے اس صورت کے کہ تم اپنے نفس کی تکذیب کرو تو گویا کہ یہ دائمی تحریم ہے جیسا کہ امہات کی تحریم ہوتی ہے اور یہ ہر اس تحریم کی شان ہے جس میں دائمی طور پر تحریم کی گئی ہے۔

کیا تم نہیں دیکھتے کہ جس مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو ان کی تحریم دائمی نہیں ہے اور اس میں یہ شرط ہے کہ جب تین طلاق دینے والے کی بیوی نے کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیا تو اس کا پہلے خاوند کی طرف نکاح جدید سے رجوع کرنا جائز ہے اور اگر آپ یوں فرماتے کہ اگر اس مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو وہ اس کے لیے بالکل حلال نہیں ہوتی تو پھر یہ تحریم مطلق ہوتی اور وہ عورت اس کے لیے کبھی حلال نہ ہوتی۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان میں تحریم کو مطلقاً قرار دیا ہے اور اس کو کسی خاص وقت کے ساتھ مقید نہیں کیا ہے تو لعان سے جو تحریم ثابت ہوتی ہے وہ دائمی ہے، پس اگر مرد نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی تو اس کا بیٹا اس کے ساتھ لاحق ہو جائے گا کیونکہ یہ وہ حق ہے جو اس کے خلاف ثابت ہو چکا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لیے اپنی بیوی کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے، لہٰذا مرد کیلئے اس کو باطل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ (الاستذکار ج ۱۷ ص ۲۳۴-۲۳۷ ملخصاً)

اور امام اسحاق بن ابراہیم الخلد راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ابن شہاب زہری کی ایک جماعت نے یہ حدیث روایت کی ہے کہ اس چیز کے اوپر سنت جاری ہو چکی ہے کہ جب مرد اور عورت نے ایک دوسرے پر لعنت کر لی تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور وہ کبھی بھی ایک دوسرے کے ساتھ مجتمع نہیں ہو سکتے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۸۳-۴۸۶، وزارۃ الاوقات والشؤون الاسلامیہ، القطر ۱۴۲۹ھ)

لعان پر متفرع ہونے والی تفریق کی حدیث کی تحقیق

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری ۵۳۱۳، ۵۳۱۴ کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

یہ عنوان یعنی دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق المستملی کی عبارت سے ثابت ہے اور اس کو اسماعیلی نے ذکر کیا ہے اور علامہ نسفی نے اس باب کو بغیر کسی عنوان کے ذکر کیا ہے اور پہلا طریقہ زیادہ مناسب ہے، اس باب میں یہ حدیث ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ نے دو سندوں سے یہ حدیث روایت کی ہے اور پہلی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے حلف لیا، اور دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان

لعان کیا گیا تو آپ نے ان دونوں سے حلف لیا۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ یحییٰ بن نعیم نے اور دوسروں نے مطلقاً اس روایت کو غلط قرار دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ آپ نے دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی، اس سے مراد وہ ہے جو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ متوفی ۸۸ ھ کی حدیث میں مذکور ہے جس کو امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ ھ نے روایت کیا ہے از سفیان بن عیینہ از زہری انہی الفاظ کے ساتھ اور اس کے بعد کہا ہے: ابن عیینہ کی اس حدیث میں کسی نے متابعت نہیں کی، پھر عیینہ کی سند سے از عمر بن دینار از سعید بن جبیر از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو عجلان کے دو فریقوں کے درمیان تفریق کر دی۔

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ ھ نے کہا ہے کہ شاید کہ ابن عیینہ نے اس حدیث کے اندر دوسری حدیث کی مداخلت کر دی اور امام ابن ابی خیثمہ نے ذکر کیا ہے کہ یحییٰ بن معین سے اس حدیث سے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: یہ غلط ہے۔

حافظ ابن عبد البر مالکی نے کہا کہ اگر ان کا ارادہ یہ ہے کہ حضرت سہل بن سعد ساعدی کی حدیث ہے تو معاملہ سہل ہے ورنہ یحییٰ بن معین کا قول مردود ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس سے پہلے حضرت سہل کی حدیث میں ابن جریر کی سند سے یہ گزر چکا ہے کہ لعان کرنے والوں کے درمیان یہ سنت جاری ہو گئی کہ وہ کبھی بھی مجتمع نہیں ہوں گی لیکن ابن شہاب زہری کی عبارت کے سیاق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کا یہ قول مرسل ہے، اور میں بیان کر چکا ہوں کہ اس قول کو کس نے سند موصول کے ساتھ روایت کیا ہے اور کس نے اس کو باب اللعان میں مرسلاً روایت کیا ہے۔ اور ہر تقدیر پر یہ واضح ہو گیا کہ دو لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق نفسِ لعان سے نہیں ہوتی حتیٰ کہ حاکم اس تفریق کو واقع کرے اور ابن جریج کی روایتِ مذکورہ اس بات کی تائید کرتی ہے کہ تفریق نفس لعان سے واقع ہو جاتی ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ ابن شہاب زہری کی یہ حدیث مرسل ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام دار قطنی متوفی ۳۸۶ ھ نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے کہ آپ کے حکم سے تفریق واقع نہیں ہوتی اور انہوں نے امام دار قطنی کی ایک دوسری روایت سے بھی استدلال کیا ہے جس میں آپ نے مرد سے فرمایا کہ تمہارے لیے اپنی بیوی کے اوپر اب کوئی سبیل نہیں ہے اور اس جواب پر یہ تعاقب کیا گیا ہے کہ آپ کا یہ ارشاد مرد کے اس سوال کے جواب میں تھا جو اس نے کہا تھا کہ میں نے جو مال اس پر خرچ کیا ہے اس کا کیا ہوگا اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اعتبار عمومی الفاظ سے ہوتا ہے اور یہ الفاظ نکرہ ہیں اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ اب مرد اپنی بیوی کے مال پر یا بدن پر کسی وجہ سے تصرف نہیں کر سکتا۔

اس پر بحث کہ آیا نفسِ لعان سے خاوند اور بیوی کے درمیان دائمی تفریق ہو جاتی ہے یا اس کے لیے حاکم کے حکم کی ضرورت ہے

اور امام ابوداؤد متوفی ۲۷۶ ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ کی حدیث کے اخیر میں یہ روایت ذکر کی ہے کہ آپ نے فیصلہ فرمایا کہ اس مرد کے اوپر اس بیوی کا نہ کوئی خرچ ہے اور نہ رہائش ہے، اس وجہ سے وہ دونوں بغیر طلاق کے علیحدہ ہوئے اور نہ خاوند کی وفات ہوئی، اور یہ حدیث اس بات میں ظاہر ہے کہ فرقت یا تفریق لعان کرنے والوں کے درمیان نفس لعان سے

واقع ہوئی اور اس سے مستفاد یہ ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث حضرت سہل سے مروی ہے اس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عویمر العجلانی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، اس سے پہلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان علیحدگی کا حکم دیتے اور بے شک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی، اس سے پہلے کہ یہ معلوم ہو کہ تفریق نفسِ لعان سے واقع ہوئی ہے، انہوں نے اپنی اس بیوی سے شدید نفرت کی بناء پر اس کو طلاق دینے میں جلدی کی۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہ ارشاد ہے کہ یہ اب کبھی بھی جمع نہیں ہوں گی، اس سے بھی یہ استدلال کیا گیا ہے کہ لعان کی تفریق دائمی طور پر ہوتی ہے اور بے شک لعان کرنے والا اگر اپنے نفس کو جھوٹا قرار دے دے تب بھی اس کے لیے بعد میں اس عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا۔

اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے نکاح کر لے اور لعان سے صرف ایک طلاقِ بائنہ واقع ہوتی ہے اور یہ قول حماد بن ابی سلیمان متوفی ۱۲۰ھ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا ہے اور امام محمد بن الحسن الشیبانی متوفی ۱۸۹ھ کا ہے۔ اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہے کہ جب لعنت کرنے والے نے اپنے نفس کے ساتھ تکذیب کر دی تو جس کو چاہے نکاح کا پیغام دے سکتا ہے، اور شعبی اور زہاب سے مروی ہے کہ جب اس نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی تو اس کی بیوی کو واپس لوٹا یا جائے گا۔

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا میرے نزدیک یہ تیسرا قول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ: میں کہتا ہوں ہو سکتا ہے کہ اس کا معنی یہ ہو کہ اس کی بیوی اس کے ساتھ نکاح جدید کے ساتھ لوٹا دی جائے گی، تو یہ قول پہلے قول کے موافق ہو جائے گا۔

علامہ ابن سمعانی الشافعی متوفی ۴۸۹ھ نے کہا: میں اس مسئلہ کی دلیل پر واقف نہیں ہوا، کیونکہ نظر کا تقاضا یہ ہے کہ لعان کرنے والوں کے درمیان دائمی تفریق ہو جاتی ہے اور اس مسئلہ میں صرف نص صریح کی اتباع کی جائے گی۔

اور حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا: ہمارے بعض اصحاب نے اس کی تائید کی ہے کہ ایک ملعون دوسرے ملعون کے ساتھ مجتمع نہیں ہوتا کیونکہ ہر فریق نے دوسرے فریق پر لعنت کر دی تو ایک ملعون دوسرے ملعون کے ساتھ کیسے جمع ہوگا کیونکہ ان دونوں میں سے کوئی ایک یقیناً ملعون ہے بخلاف اس صورت کے کہ جب ایک عورت اس کے ساتھ نکاح کر لے کہ جس کے ساتھ اس نے لعان نہیں کیا تھا تو اب اس پر لعنت متحقق نہیں ہے اور اس پر یہ رد کیا گیا ہے کہ اگر ایسا ہوتا کہ ان دونوں کیلئے نکاح کرنا ممتنع ہوتا کیونکہ یہ متحقق ہو گیا کہ ان میں سے کوئی ایک ملعون ہے۔

اور علامہ ابن السمعانی نے کہا ہے کہ بعض فقہاء احناف نے یہ اعتراض کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: دو لعنت کرنے والے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ دائمی تفریق اس کے ساتھ مشروط ہے کہ زوجین یعنی میاں بیوی کے درمیان تلاعن اور ایک دوسرے پر لعنت کرنا واقع ہو۔

اور فقہاء شافعیہ اس پر اکتفاء کرتے ہیں کہ شوہر کے لعان کرنے سے دائمی تحریم واقع ہو جاتی ہے اور انہوں نے جواب دیا کہ جب شوہر کا لعان کرنا عورت کے لعان کرنے کے سبب سے تھا اور صریح لفظ لعنت مرد کی جانب سے تھا نہ کہ عورت کی جانب سے تو

اس کو ملاعنہ کا نام دیا گیا، اور نیز اس لیے کہ لعان میں عورت کے اوپر زنا کا اثبات ہے تو یہ اس کو مسلم ہے کہ بیٹے کے نسب کی نفی مرد سے ہو جائے تو پھر الولد للفراش کا حکم منتفی ہو جائے گا اور جب فراش منتفی ہو گیا تو نکاح بھی منقطع ہو گیا۔

پس اگر یہ کہا جائے کہ جب لعنت کرنے والے نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی تو اس سے ملاعنہ کا حکماً ارتفاع لازم آئے گا۔ اور جب ملاعنہ مرتفع ہو گیا تو مرد کی بیوی کے ساتھ اس مرد کا استمتاع کرنا جائز ہو گیا، ہم اس کے جواب میں یہ کہیں گے کہ لعان تمہارے نزدیک شہادت ہے اور شاہد جب حکم کے بعد رجوع کر لے تو حکم مرتفع نہیں ہوتا یعنی جب فیصلہ کرنے کے بعد شاہد اپنی گواہی سے رجوع کر لے تو اس سے حاکم کا حکم زائل نہیں ہوتا اور ہمارے نزدیک لعان یمین ہے، یعنی قسم ہے اور وہ حجت ہے اور حکم اس یمین اور قسم کے ساتھ متعلق ہے اور یہ حکم مرتفع نہیں ہوگا تو جب لعنت کرنے والے نے اپنے نفس کی تکذیب کر دی تو اس نے یہ زعم کیا کہ اس سے وہ چیز صادر نہیں ہوئی جو حد کو ساقط کر دے، لہٰذا اس پر حد واجب ہوگی اور لعان کا تقاضا مرتفع نہیں ہوگا۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۷-۵۱۸، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

۵۳۱۴۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ أَخْبَرَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ لَاعَنَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی از عبید اللہ، انہوں نے کہا مجھے نافع نے خبر دی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ایک مرد اور ایک عورت جن کا تعلق انصار سے تھا ان کے درمیان لعان کرایا اور نبی ﷺ نے ان کے درمیان تفریق کر دی۔

(صحیح البخاری: ۴۷۴۸، ۵۳۰۶، ۵۳۱۳، ۵۳۱۴، ۵۳۱۵، ۶۷۴۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۳، سنن ترمذی: ۱۲۰۳، سنن نسائی: ۳۴۷۷، سنن ابو داؤد: ۲۲۵۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۹، مسند احمد: ۴۰۶۳، موطا امام مالک: ۱۲۰۲)

حدیث کے مشکل الفاظ اور مبہم عبارات کے معانی اور ان کی تسہیل اور فقہاء احناف کا اپنے موقف پر استدلال

علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی متوفی ۸۵۵ھ صحیح البخاری: ۵۳۱۳، ۵۳۱۴ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے کہ انصار کے ایک مرد اور عورت کے درمیان آپ نے لعان کرایا: اس مرد سے مراد حضرت ہلال بن امیہ الانصاری ہیں۔ اور یہی وہ مرد ہیں جنہوں نے اپنی بیوی پر شریک بن السحماء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی تھی اور وہ شریک بن عبد بن مغیث ہیں جو انصار کے حلیف تھے اور سحماء ان کی ماں کا نام ہے۔

اور حافظ ابو عمر ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا کہ جریر بن حازم نے از ایوب از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ جب حضرت ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو ان سے کہا گیا: تم پر رسول اللہ ﷺ ۸۰ کوڑے ماریں گے یعنی حدِ قذف، تو حضرت ہلال بن امیہ نے کہا: اللہ تعالیٰ زیادہ عدل کرنے والا ہے اور بے شک میں نے اس واقعہ کو دیکھا ہے تو پھر ملاعنہ کی آیت نازل ہو گئی۔

اور بخاری کے ایک شارح علامہ ابن التین نے کہا: زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت ہلال بن امیہ نے حضرت عویمر العجلانی سے

پہلے لعان کیا تھا۔

علامہ ابوالحسین علی بن حبیب الماوردی الشافعی متوفی ۴۵۰ ھ نے الحاوی الکبیر میں لکھا ہے کہ اکثر فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ کا قصہ حضرت عویمر العجلانی کے قصہ پر مقدم ہے۔

اور ابن الصباغ نے اپنی کتاب الشامل میں لکھا ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ کا قصہ یہ خبر دیتا ہے کہ یہ آیت کریمہ پہلے نازل ہوئی اور وہ جو کہا گیا ہے کہ حضرت عویمر سے کہا گیا کہ تمہارے اور تمہاری بیوی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حضرت ہلال بن امیہ کے متعلق آیت نازل ہوئی تھی کیونکہ یہ حکم تمام لوگوں کے لیے عام ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں: یہ قول علماءِ اصول کے اس قاعدے کے مطابق ہے کہ اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے خصوصیتِ سبب کا نہیں ہوتا۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ پہلی روایت (صحیح البخاری: ۵۳۱۳) میں یہ مذکور ہے کہ آپ نے مرد کے درمیان اور اس عورت کے درمیان جس پر مرد نے زنا کی تہمت لگائی تھی تفریق کردی اور ان دونوں سے حلف لیا اور اس دوسری روایت (یعنی صحیح البخاری ۵۳۱۴) میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان لعان کرایا الیٰ آخرہ۔۔۔ پھر اس کے بعد فرمایا کہ آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق فرمادی تو میں کہوں گا: ان دونوں حدیثوں میں معنیٰ کے اعتبار سے حقیقت میں کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ لعان کے اندر یہ ضروری ہے اور حاکم کا تفریق کرنا یہ فقہاءِ احناف کی حجتِ قویہ ہے کہ لعان صرف حاکم کی تفریق سے واقع ہوتا ہے اور ہم اس سے پہلے اس مسئلہ کے اندر اختلاف کا ذکر کر چکے ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۹، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ ھ)

نوٹ: شیخ محمد بن صالح العثیمین نے ان دونوں حدیثوں کی شرح میں ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۸۱)

صحیح البخاری: ۵۳۱۴ کے فوائد علمیہ

شیخ محمد علی صابونی اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کے درج ذیل فوائد ہیں:

(۱) لعان چار گواہوں کے قائم مقام ہو، اس وجہ سے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ جو شخص لعان کرے تو وہ چار مرتبہ یہ گواہی دے کہ میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے جو اپنی بیوی پر تہمت لگائی ہے میں اس میں سچا ہوں۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب لعان مکمل ہو جائے گا تو شوہر اور بیوی کے درمیان دائمی تفریق کردی جائے گی اور وہ بیوی شوہر کے اوپر کسی حال میں بھی حلال نہیں ہوگی۔

(۳) لعان شوہر اور بیوی کے ساتھ مخصوص ہے، لہٰذا اگر کوئی اجنبی مرد کسی اجنبی عورت پر زنا کی تہمت لگائے تو پھر ان کے درمیان لعان نہیں کیا جائے گا کیونکہ قرآن مجید میں لعان کو بیویوں کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور: ۶)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہو، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور

سچوں میں سے ہے O

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ واجب ہے کہ لعان حاکم کے سامنے ہونا چاہیے یا جو حاکم کا نائب ہو، کیونکہ حد کا قائم کرنا حکام کے خصائص میں سے ہے۔

(۵) جب شوہر قسم کھانے سے انکار کردے یا لعان سے انکار کردے تو اس کے اوپر حد قذف لاگو ہوگی جو ۸۰ کوڑے ہیں۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۳۳-۱۳۴، المکتبۃ العصریہ لبنان، ۱۴۳۲ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۳، ۵۳۱۴ سے امام ابوحنیفہ کے موقف کی تائید

شیخ سلیم اللہ خاں دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی ان دونوں حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس ترجمۃ الباب سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ لعان کے بعد متلاعنین کے درمیان حاکم تفریق کردے گا اور انہیں ایک ساتھ نہیں رہنے دیا جائے گا، اس ترجمہ سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ نفسِ لعان سے فرقت واقع نہیں ہوتی بلکہ حاکم جب تفریق کرے گا تب فرقت واقع ہوگی جیسا کہ حنفیہ کا مسلک ہے۔ تفریق کے بعد لعان کرنے والے میاں بیوی کے درمیان دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک اگر زوج اپنے آپ کو جھٹلا دے تو لعان طلاقِ بائن کے درجہ میں ہے اور دوبارہ اس عورت سے شادی کرسکتا ہے۔

امام شافعی، امام مالک، امام ابو یوسف اور امام زفر کے نزدیک لعان کے بعد لعان کرنے والے کسی بھی صورت میں دوبارہ میاں بیوی کی حیثیت سے نہیں رہ سکتے، اس سے حرمتِ مؤبدہ ثابت ہوتی ہے (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۵۰۶)

کیونکہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا لا سبیل لك علیھا، تمہارے لیے اپنی بیوی پر کوئی سبیل نہیں ہے، اور ایک روایت میں ہے: المتلاعنان اذا تفرقا لا یجتمعان ابدا، یعنی جب ایک دوسرے پر لعنت کرنے والے متفرق ہوجائیں تو وہ پھر کبھی بھی جمع نہیں ہوسکتے (سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۷۶، رقم: ۱۱۶، باب المہر)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ متلاعنین جمع نہیں ہوسکتے جب تک وہ اپنے لعان پر قائم رہیں لیکن اگر زوج نے اپنے آپ کو جھٹلا دیا تو اس پر حد قذف لگائی جائے گی اور لعان ختم ہوجائے گا، ہاں اگر وہ اپنے لعان پر قائم رہے تو پھر بے شک وہ کبھی جمع نہیں ہوسکتے اور آپس میں ان کا نکاح نہیں ہوسکتا۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۵۱۶، بدائع الصنائع ج ۳ ص ۲۴۵، کتاب اللعان)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے پھر اس مسئلہ میں فقہاءِ اسلام کے نظریات اور ان کے اقوال بیان کیے ہیں وہ درست ہیں لیکن ایک ضروری امر ان سے رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ وہ یہ بیان کرتے کہ صحیح البخاری کی ان دونوں حدیثوں میں کیا تطبیق ہے اور امام بخاری نے ان دو حدیثوں کو مختلف الفاظ کے ساتھ کیوں وارد کیا ہے، نیز انہوں نے اس چیز کو بھی نظر انداز کردیا کہ اس حدیث کی تحقیق میں حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو بہت زیادہ عالمانہ بحث کی ہے اس کا کچھ معمولی سا اشارہ ہی کردیتے۔ سعیدی غفرلہ

۳۵۔ بَابٌ: يُلْحَقُ الْوَلَدُ بِالْمُلَاعِنَةِ — بچے کو لعان کرنے والی کے ساتھ ملا دیا جائے گا

باب مذکور کی شرح

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب لعان کرنے والی عورت کے ہاں بچہ ہو اور اس کا خاوند بچہ ہونے سے پہلے اس بچے کی اپنے نسب سے نفی کر دے یا بچہ پیدا ہونے کے بعد اس کے نسب کی نفی کرے تو پھر اس بچے کو اس عورت کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۲۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۱۵۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا مَالِكٌ قَالَ حَدَّثَنِي نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم لَاعَنَ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَتِهِ فَانْتَفَى مِنْ وَلَدِهَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَأَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْمَرْأَةِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے نافع نے حدیث بیان کی از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا، اس مرد نے اس بچے کی اپنی ذات سے نفی کی، تو آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی، اور بچے کو اس عورت کے ساتھ لاحق کر دیا۔

(صحیح البخاری: ۴۷۴۸، ۵۳۰۶، ۵۳۱۳، ۵۳۱۴، ۵۳۱۵، ۶۷۴۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۴، سنن ترمذی: ۱۲۰۳، سنن النسائی: ۳۴۷۷، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۹، مسند احمد: ۲۰۶۳، موطا امام مالک: ۱۲۰۲)

اس وقت کا بیان جس وقت میں بچے کے نسب کی نفی کرنا جائز ہے

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ کس وقت میں شوہر کیلئے جائز ہے کہ وہ بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی کرے۔

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ مرد کیلئے جائز ہے کہ وہ کسی بھی وقت میں بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی کر دے، یہ قول حضرت شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ اور ابوالحجاج مجاہد بن جبر القرشی المخزومی متوفی ۱۰۴ھ کا ہے۔ اس کی امام حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۴ھ نے حکایت کی ہے اور الحسن البصری المتوفی ۱۱۰ھ نے کہا: جب مرد نے پہلے بچے کے نسب کا اقرار کیا، پھر انکار کیا تو ان کے درمیان لعان کرایا جائے گا جب تک کہ وہ ماں اس مرد کے پاس ہے تو بچہ اس ماں کے پاس رہے گا، اسی طرح قتادہ بن دعامہ بن عزیز البصری المتوفی ۱۱۷ھ کا قول ہے۔

اور فقہاء کی ایک دوسری جماعت نے کہا کہ جب مرد نے ایک مرتبہ بچے کے نسب کا اقرار کر لیا تو پھر اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس کے نسب کا اپنی ذات سے انکار کرے، یہ قول حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ کا ہے۔ اور عمر بن عبدالعزیز خلیفۃ المسلمین

متوفی ۱۰۱ھ کا بھی یہی قول ہے۔اور یہی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب کا قول ہے۔(المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۴۹، باب اللعان)

۷۷۷۶: ہمیں اسحاق نے حدیث بیان کی از امام عبد الرزاق (المصنف: ۱۲۳۷۴) از الثوری از مجالد، از الشعبی از حضرت عمر رضی اللہ عنہ، آپ نے فرمایا: جب مرد نے ایک ساعت کے لیے بچے کے نسب کا اقرار کیا، پھر انکار کر دیا تو بچے کا نسب اس کے ساتھ لاحق ہوگا۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۴۵۰، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۱۱-۴۱۲، اخبار القضاۃ للوکیع ج ۲ ص ۱۹۱)

۷۷۷۷: اور انہوں نے ہمیں حدیث بیان کی از یحییٰ بن یحییٰ، انہوں نے کہا: ہمیں حفص بن غیاث نے حدیث بیان کی، از مجالد، از عامر، از حضرت عمر رضی اللہ عنہ، از مولیٰ علی رضی اللہ عنہ، از شریح، انہوں نے کہا کہ جب مرد نے بچے کے نسب کا اقرار کر لیا تو پھر اس کے لیے اس کے نسب کی نفی کرنا جائز نہیں ہے۔(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۴۵۰)

اسی طرح ابوثور کا قول ہے اور یہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ کا قول ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا قول ہے۔(المدونہ ج ۲ ص ۳۵۷، کتاب اللعان)

اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کا قول ہے۔(کتاب الام ج ۵ ص ۴۱۹، الوقت فی نفی الولد)

اور امام شافعی اور امام ابوحنیفہ النعمان بن ثابت کا بھی یہی قول ہے کہ خاوند کے اوپر بچے کا نسب لازم ہوگا جب اسے بچے کی پیدائش کا علم ہوا اور اس کے نسب کی نفی نہ کرے بایں طور کہ وہ حاکم کے پاس جائے اور اس کے لیے حاکم کے پاس جانا اور حاکم کے سامنے بچے کے نسب کی نفی کرنا ممکن ہو۔(المبسوط ج ۷ ص ۵۵، باب اللعان)

اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ نے کہا: اس کا وقت نفاس ہے، جب اس نے بچے کے نسب کی نفی نفاس میں کر دی تو لعان کرایا جائے گا اور بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لازم کر دیا جائے گا اور جب اس نے نفاس کے بعد بچے کے نسب کی نفی کی تو لعان کرایا جائے گا اور بچہ اس کے باپ کے ساتھ لازم کر دیا جائے گا اور یہ قول امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ سے بھی منقول ہے اور نفاس کا وقت ان کے نزدیک چالیس (۴۰) ایام ہیں اور امام محمد بن حسن شیبانی نے امام ابوحنیفہ النعمان سے روایت کی ہے کہ انہوں نے اس قول کو مستحسن قرار دیا کہ جب اس نے بچے کی نفی کی، جب وہ بچہ پیدا ہوا یا بچہ پیدا ہونے کے ایک دن یا دو دن بعد پیدا ہوا اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ نے کہا: نفاس کا وقت چالیس دن ہیں۔اور امام ابوعبید الہروی متوفی ۲۲۷ھ نے حکایت کی ہے کہ بعض اہلِ عراق نے کہا کہ اس میں وقت تین دن ہیں یا اس کی مثل ایام ہیں ولادت کے بعد، اور امام ابوعبید نے ذکر کیا کہ اہلِ حجاز کا مذہب یہ ہے کہ اس میں کوئی وقت مقرر نہیں ہے مگر جب خاوند کو بچے کی ولادت کا علم ہو، پس اگر تو اس کے لیے یہ انکار کرنا جائز ہے اور وہ اس عورت کے ساتھ لعان کرے گا، پھر اس کا نسب اس مرد سے زائل ہو جائے گا اور اگر اس نے اس کے بعد نسب کا انکار کیا تو پھر اس کو نسب لازم ہوگا اور وہ اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگانے کی وجہ سے لعان کرے گا اور امام ابوعبید کا قول اسی طرح ہے۔

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا کہ ہم نے اپنے زمانے میں جن اہلِ علم کو پایا ان میں سے اکثر کا قول اسی کے مطابق ہے اور یہی امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا آخری قول ہے۔(کتاب الام ج ۵ ص ۴۱۹، الوقف فی نفی الولد)

اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے، اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے الولد للفراش،

یعنی بچہ اس کا شمار ہوتا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، پس بچہ ثابت النسب ہے اور جس کے بستر پر پیدا ہوا اس کے لیے لازم ہے اور اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی کرے سوائے اس کے کہ اس کا ثبوت کتاب سے ہو یا سنت سے ہو یا اجماع سے ہو، پس جب کسی عورت کے ہاں کسی مرد کا بچہ پیدا ہوا اور اس نے اسی وقت اس بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی کر دی اور لعان کیا تو اس پر اجماع ہے کہ اس بچے کا نسب اس سے ثابت نہیں ہوگا۔ اور اس میں جو بعد میں اختلاف کیا گیا ہے وہ مردود ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: بچہ اس کا شمار ہوتا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی سے لعان کیا اور بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی کر دی پھر بچہ مر گیا اور اس نے مال چھوڑا اور پھر وہ مرد اس مال کا دعویٰ کرتا ہے۔

تو فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ بچے کا نسب ثابت ہوگا اور مرد اس کا وارث ہوگا، اسی طرح امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کا قول ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۴۲۱، ما یکون قذفا و ما لا یکون) اور ابو ثور کا بھی یہی قول ہے۔

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے: یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ اس مرد نے مال کا دعویٰ کیا ہے اور جب اس نے دعویٰ کیا تھا تو اس وقت وہ زندہ تھا اور بچے کا نسب اس کے ساتھ لاحق کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح سفیان بن سعید بن مسروق الثوری المتوفی ۱۶۱ھ کا قول ہے۔ اور اس قول کی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ سے بھی حکایت کی گئی ہے۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۳۶۱، کتاب اللعان)

امام مالک نے کہا: اگر اس مرد کا بچہ ہو تو یہ بچہ اس کی طرف منسوب ہوگا اور اس مرد پر حدِ قذف لگائی جائے گی کیونکہ وہ اپنے بیٹے کے بیٹے کے نسب کو اپنی طرف کھینچ رہا ہے اور اگر اس کی اولاد نہیں ہے تو اس کے قول کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور اس کے بچے کو اس کے ساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا اور اس کو حد قذف لگائی جائے گی اور اس کے لیے میراث ثابت نہیں ہوگی اور فقہاءِ احناف نے کہا ہے کہ اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی اور اس بچے کا نسب اس سے ثابت نہیں ہوگا اور اس کی وراثت سے اسے کوئی چیز نہیں دی جائے گی اور اگر اس بچے نے کسی لڑکے یا لڑکی کو چھوڑا تو اس کا نسب مدعی سے ثابت ہوگا اور اس مرد پر حدِ قذف لگائی جائے گی اور اس کا باپ اس کا وارث ہوگا، کیونکہ اس نے بچے کے نسب کی نفی کی تھی اور اس کا نسب مدعی سے ثابت ہو گیا۔
(المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۵۶، باب اللعان)

باب لعان کے مسائل

امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کہتے ہیں کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی، سو وہ اسلام سے مرتد ہو گئی، اور اس نے حدِ قذف کا مطالبہ کیا تو لعان کرایا جائے گا یا اس پر حدِ قذف لگائی جائے گی کیونکہ قذف اس وقت ہوتا ہے جب وہ خود مرتد ہو جائے اور اس کی بیوی مسلمان ہو تب بھی اس طرح ہوگا۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۴۲۱، ما یکون قذفا و ما لا یکون)

اور ابو ثور کہتے تھے کہ جب وہ عورت مرتد ہو جائے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح فسخ ہو گیا اور اس عورت کا خون حلال ہو گیا ہے اور وہ مسلمہ نہیں ہے، تو وہ اپنا حق حاصل نہیں کر سکتی۔

اور فقہاءِ احناف نے کہا کہ ان کے درمیان نہ حد ہے اور نہ لعان ہے اور اگر وہ عورت اسلام کی طرف رجوع کر لے پھر وہ نکاح کر لے تو نہ اس کے اوپر حد ہوگی اور نہ لعان ہوگا۔ (المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۵۷، باب اللعان)

جب کسی مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو اس عورت نے اس کے خلاف گواہ قائم کیے کہ اس نے اپنے نفس کی تکذیب کی ہے تو اس مرد پر حدِ قذف لگائی جائے گی اگر اس نے اس کا مطالبہ کیا اور یہ امام شافعی اور ابوثور کا قول ہے۔

فقہاء احناف نے کہا ہے کہ اس مرد پر حد لازم ہوگی اور ان کے درمیان لعان نہیں ہوگا۔

اور موسیٰ نے اس کو ان سے نقل کیا ہے اور ابوثور نے ان سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا ہے: ان دونوں کے درمیان لعان نہیں ہوگا اور نہ ان پر حد ہوگی۔ (المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۵۸، باب اللعان)

اور جب کسی مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور اس کی بیوی باندی تھی اور پھر اس کو آزاد کر دیا گیا اور اس نے اس پر جب زنا کی تہمت لگائی تھی تو وہ عورت ذمیہ تھی، پھر مسلمان ہوگئی تو امام شافعی کے قول کے مطابق نہ اس پر حد ہے اور نہ اس پر لعان ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۴۲۱، ما یکون قذفا و مالا یکون)

اور ابوثور اور فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے۔ (المبسوط للسرخسی ج ۷ ص ۵۸، باب اللعان)

البتہ امام شافعی نے کہا ہے: اگر وہ چاہے تو وہ لعان کرلے تاکہ وہ اپنے نفس سے تعزیر کو دور کردے۔

امام ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے: ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں اور ہمارے علم میں نہیں ہے کہ اہل علم میں سے کسی نے اس صورت میں حدِ قذف کو واجب کیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۴۹۳-۴۹۷، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

''لعان کرنے والی عورت کے ساتھ اس کے بچے کو ملا دیا جائے گا'' اس حدیث کے مسائل اور اس کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا، اور اس بچے کے نسب کی نفی کر دی اور ان کے درمیان تفریق کر دی اور بچے کو اس عورت کے ساتھ لاحق کر دیا۔

رہا حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ قول کہ آپ نے بچے کو اس مرد کی بیوی کے ساتھ ملا دیا تو یہ بات معلوم ہے کہ اس کی ماں نے اس بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی نہیں کی، کیونکہ اس کی ماں نے اس بچے کو جنا تھا اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب لعان کی وجہ سے اس بچے کا نسب اس کے باپ سے منتفی ہو گیا تھا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ اس بچے کو اس کی ماں کے ساتھ ملا دیا گویا کہ اب اس بچے کا کوئی باپ نہیں ہے، پس وہ بچہ اپنے باپ کا وارث نہیں ہوگا اور نہ اس کا باپ اس بچے کا وارث ہوگا اور نہ وہ بچہ کسی کی طرف منسوب ہوگا، وہ بچہ صرف اپنی ماں کے عصبات کی طرف منسوب ہوگا اور ہمارے زمانے کے تمام شہروں کے فقہاء اور فتویٰ دینے والوں کا یہی مذہب ہے۔

دوسرا قول یہ ہے بلکہ آپ نے بچے کو اس کی ماں کے ساتھ ملا دیا، سو اس کی ماں اس کے لیے بمنزلہ باپ اور بمنزلہ ماں ہے، یعنی اس کی ماں ہی اس کا باپ ہے اور اس کی ماں ہے، اور یہ اس حدیث کی بناء پر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور علماء کا ملاعنہ کے بیٹے کی میراث میں اختلاف ہے جیسا کہ ہم اس کا ذکر کتاب الفرائض میں کریں گے۔

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ ملاعنہ کے بیٹے کو اس کی ماں کے ساتھ صرف اس لیے ملایا جاتا ہے اور جب تک اس کا باپ اس بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی پر برقرار ہو تو اس وقت تک اس بچے کو باپ کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا، پس اگر اس نے ایک دن کے لیے بھی اقرار کر لیا کہ وہ بچہ اس کا ہے تو اس بچے کا نسب اس کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۸۸، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۴ھ)

جب مرد بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی کر دے تو بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن ۸۰۴ھ صحیح البخاری: ۵۳۱۵، کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس باب میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرد اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا اور اس مرد نے اس عورت کے بچے کی اپنی ذات سے نفی کر دی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی اور بچے کو اس عورت کے ساتھ لاحق کر دیا۔

اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ لعان کے سبب سے بچہ اپنے ماں سے منتفی نہیں ہوتا کیونکہ اس کی ماں سے وہ پیدا ہوا ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جب اس کا نسب لعان کی وجہ سے اپنے باپ سے منتفی ہو گیا تو آپ نے اس بچے کو اس عورت کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ لاحق کر دیا کیونکہ اب اس بچے کا کوئی باپ نہیں ہے، پس وہ اپنے باپ کا وارث نہیں ہو گا اور نہ اس کا باپ بچے کا وارث ہو گا اور نہ وہ اپنے باپ کے عصبات کے ساتھ لاحق ہو گا وہ صرف اپنی ماں کے عصبات کی طرف منسوب ہو گا، یعنی ماموں وغیرہ کی طرف اور تمام شہروں کے علماء اور فقہاء کا یہی موقف ہے۔

اور کہا گیا ہے بلکہ آپ نے بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دیا، اور اس بچے کی ماں کو اس کے باپ کے منزلہ میں قرار دیا اور علماء کا اختلاف ہے کہ جس عورت سے لعان کیا گیا ہو اس کے بیٹے کی وراثت کس کے پاس جائے گی۔

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے کہا ہے کہ جس عورت سے لعان کیا گیا ہے اس کا بیٹا اپنی ماں کے ساتھ ملایا جائے گا اور جب تک اس کا باپ لعان پر قائم ہو اور بچے کی اپنی ذات سے نفی کرتا ہو تو اس بچے کو اس کے باپ کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا لیکن اگر اس نے ایک دن کیلئے بھی یہ اقرار کر لیا کہ یہ میرا بیٹا ہے تو اس کا نسب اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۲۷، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

بچے کے نفی کرنے کی وجہ سے لعان کی مشروعیت اور حافظ ابن حجر کا علامہ طیبی سے مناقشہ

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی متوفی ۸۵۲ھ، صحیح البخاری: ۵۳۱۵ کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی متوفی ۷۴۳ھ نے کہا ہے: اس حدیث میں مذکور ہے "فانتفی من ولدها" یعنی مرد نے اس عورت کے بیٹے کی اپنی ذات سے نفی کر دی، علامہ الطیبی نے کہا: یہ فا سببیہ ہے یعنی ملاعنہ سبب الانتفاع ہے، پس اگر علامہ طیبی کی مراد یہ ہے کہ ملاعنہ سبب ہے نسب کے ثبوت کی نفی کا، تو ان کا کلام جید ہے اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ ملاعنہ نفی ولد کے وجود کا سبب ہے تو اس طرح نہیں ہے، کیونکہ مرد ملاعنہ میں بچے کی نفی کے درپے نہیں ہوتا، لہٰذا صرف لعان سے بچے کے نسب کی نفی نہیں ہو گی اور یہ حدیث مؤطا امام مالک میں ان الفاظ کے ساتھ ہے: وانتفی، واؤ کے ساتھ نہ کہ فا کے ساتھ، یعنی اگر فا کے ساتھ

ہوتا تو پھر یہ کہا جاسکتا کہ یہ فاسبیہ ہے، مؤطا امام مالک میں یہ حدیث واؤ کے ساتھ ہے۔
اور حافظ ابن عبد البر نے ذکر کیا ہے کہ بعض راویوں نے اس حدیث کا امام مالک کے ساتھ ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:
''وانتقل ''یعنی اس میں قاف کا لفظ ہے فا کے بجائے اور اس کے آخر میں لام ہے، تو گویا کہ یہ لفظ غلط ہے، اور اگر یہ لفظ محفوظ ہو تو اس کا معنی پہلے معنی کے قریب ہے اور یہ حدیث سورۂ نور کی تفسیر میں ایک اور سند کے ساتھ نافع سے منقول ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں کہ ایک مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی اور اس بچے کے نسب کی اپنی ذات سے نفی کر دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لعان کرنے کا حکم دیا، اس سے واضح ہو گیا کہ نفی نسب لعان کا سبب ہے اور لعان نفی ولد کا سبب نہیں ہے۔
اور اس حدیث سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ لعان کی مشروعیت بچے کی نفی کی وجہ سے ہے۔
امام احمد سے روایت ہے کہ بچے کے نسب کی نفی مجرد لعان سے ہو جائے گی خواہ مرد بچے کے نسب کی نفی کے در پے نہ ہو کیونکہ اس کا ذکر لعان میں موجود ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں اور اس میں اعتراض ہے، کیونکہ اگر اس بچے کو مرد اپنی طرف کھینچ لیتا تو وہ اس کے ساتھ مل جاتا، اور لعان کی تاثیر صرف اس میں ہے کہ لعان کی وجہ سے مرد سے حدِ قذف ساقط ہو جاتی ہے اور عورت کے زنا کا ثبوت ہو جاتا ہے، پھر عورت سے بھی حدِ زنا ساقط ہو جاتی ہے اس کے لعان کی وجہ سے۔
اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا: اگر مرد نے ملاعنہ میں بچے کی نفی کی تو بچے کا نسب منتفی ہو جائے گا اور اگر خاوند اس بچے کے نسب کی نفی کے در پے نہیں ہوا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ دوبارہ لعان کرے کیونکہ لعان منتفی ہو گیا اور عورت کے اوپر لعان کا اعادہ نہیں ہے۔ اور اگر خاوند کیلئے یہ ممکن ہو کہ وہ حاکم کے پاس اپنا مقدمہ پیش کرے اور اس حاکم نے اس کو بغیر عذر کے مؤخر کر دیا، حتیٰ کہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا تو پھر مرد کیلئے اس بچے کے نسب کی نفی کرنا ممکن نہیں ہو گا جیسا کہ الشفعاء میں ہوتا ہے۔
اور اس پر یہ استدلال کیا گیا ہے کہ حمل کی نفی کے اندر یہ شرط نہیں ہے کہ مرد یہ تصریح کرے کہ یہ بچہ زنا سے پیدا ہوا ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ وہ ایک حیض کے ساتھ استبراء کرے، اور فقہاء مالکیہ سے منقول ہے کہ اس کی شرط ہے اور جن فقہاء نے اس کی مخالفت کی ہے انہوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ اس نے حمل کی اپنی ذات سے نفی کی ہے بغیر اس کے کہ وہ لعان میں اس کے در پے ہوتا ہے، یہ لعان اس کے تہمت لگانے کی وجہ سے واقع ہوا ہے اور امام شافعی نے یہ استدلال کیا ہے کہ حاملہ عورت کو بھی حیض آ جاتا ہے، لہٰذا استبراء کی شرط کی ضرورت نہیں ہے۔
علامہ ابوبکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے کہا ہے: اس اعتراض کا کوئی ایسا جواب نہیں ہے جس پر قناعت کی جا سکے۔ (فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۸، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

حدیث مذکور سے ثابت شدہ احکام

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، صحیح البخاری: ۵۳۱۵ کی شرح میں لکھتے ہیں:
یہ حدیث تین احکام پر مشتمل ہے:

(۱) اللعان:

اوراس میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور لعان کی صحت اوراس کی مشروعیت پر اجماع ہے۔

(۲) التفرقہ:

لعان کے بعد شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق میں فقہاء کا اختلاف ہے جس کو ہم عنقریب ذکر کر چکے ہیں۔ امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ سے منقول ہے کہ نفسِ لعان سے شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ سے منقول ہے کہ جب تک حاکم ان کے درمیان تفریق نہ کر دے، اس وقت تک تفریق نہ ہوگی، کیونکہ ظاہر حدیث میں اسی طرح منقول ہے کہ اس حدیث میں ذکر ہے: ''ففرق بينهما'' یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرد اوراس کی بیوی کے درمیان تفریق کر دی، اس سے معلوم ہوا کہ حاکم کی تفریق کرنے سے تفریق واقع ہوتی ہے اور نفسِ لعان سے تفریق واقع نہیں ہوتی اور یہ حدیث مخالفین پر حجت ہے۔

(۳) بچے کو اس کی ماں کے ساتھ لاحق کر دینا:

یہ بھی ظاہر حدیث میں مذکور ہے کیونکہ اس حدیث میں ذکر ہے: ''والحق الولد بالمرأة'' یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو اس عورت کے ساتھ لاحق کر دیا، اوراس کی وجہ یہ ہے کہ جب مرد نے عورت کے ساتھ لعان کیا اوراس سے حمل کے نسب کی نفی کر دی تو بچے کا نسب اس مرد سے منتفی ہو گیا اور بچے کا نسب اس کی ماں سے ثابت ہوگا اور وہ بچہ اپنی ماں کا وارث ہوگا اوراس کی ماں اس بچے کی وارث ہوگی اوراس کی تفصیل عنقریب گزر چکی ہے۔

انتفاعِ نسب میں بعض فقہاء کا اختلاف اوراس کے متعلق جمہور فقہاء کا موقف

امام ابوجعفر احمد بن محمد الطحاوی المتوفی ۳۲۱ھ نے کہا ہے کہ ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ جب مرد عورت کے بچے کی نفی کر دے تو بچے کا نسب اس سے منتفی نہیں ہوگا اور نہ وہ اس کے ساتھ لعان کرے گا اورانہوں نے اس پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

جب حضرت سعد بن ابی وقاص نے فتح مکہ کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ عبد بن زمعہ میرا بھائی ہے، اور میرے باپ (عتبہ بن ابی وقاص) کی باندی کا بیٹا ہے، جس سے عتبہ بن ابی وقاص نے زنا کیا تھا اوراس کے نتیجے میں عبد بن زمعہ پیدا ہوا تھا، وہ میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ بن ابی وقاص سے فرمایا: وہ تمہارا بھائی ہے اے عبد بن زمعہ! پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، اور زانی کے لیے پتھر ہیں یعنی اس کو سنگسار کیا جائے گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: اے سودہ! تم عبد بن زمعہ سے پردہ میں رہا کرو، کیونکہ آپ نے عبد بن زمعہ میں عتبہ بن ابی وقاص کی مشابہت دیکھی تھی، تو حضرت سودہ نے اپنے بھائی عبد بن زمعہ کو کبھی نہیں دیکھا حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا۔

(صحیح البخاری: ۲۰۵۳ (مختصراً) صحیح البخاری: ۲۲۱۸، ۲۴۲۱، ۲۵۳۳، ۲۷۴۵، ۴۳۰۳، ۶۷۴۹، ۶۷۶۵، ۶۸۱۷، ۷۱۸۲)

۶۷۵۰: ہمیں یحییٰ بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از زہری از سعید بن المسیب از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کیلئے پتھر ہیں۔ (صحیح مسلم: ۱۴۵۸، از سند سفیان)

۵۷۵۸: ہمیں حامد بن محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسحاق رازی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک بن انس نے حدیث بیان کی (الموطاص ۵۶۷)، از الزہری از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کیلئے پتھر ہیں۔ (صحیح البخاری: ۲۲۱۸، صحیح مسلم: ۱۴۵۷، از سند زہری)

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کی امام ترمذی کے علاوہ دیگر محدثین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ فراش یہ واجب کرتا ہے کہ بچے کا نسب مرد اور عورت دونوں سے ثابت ہوگا اور مرد اور عورت کے لیے جائز نہیں ہے کہ اس کے نسب کو لعان سے خارج کر دیں یا کسی اور وجہ سے خارج کر دیں۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ:

امام طحاوی نے اپنی عبارت میں اس سے قوم مراد لی ہے، عامر الشعبی، محمد بن ابی ذئب اور بعض اہل مدینہ اور دوسروں نے ان کی مخالفت کی ہے اور وہ جمہور فقہاء ہیں، تابعین سے اور تبع تابعین سے اور ان ہی میں سے ائمہ اربعہ ہیں اور ان کے اصحاب ہیں کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی کے بچے کے نسب کی نفی کی تو لعان کیا جائے گا اور اس کا نسب مرد سے منتفی ہو جائے گا اور اس کا نسب اس کی ماں کے ساتھ لازم رہے گا، پھر اس میں ایک اور وجہ سے بھی اختلاف ہے۔

انکارِ نسب کے لیے مدت کے تعین میں فقہاء کا اختلاف

پس ہمارے اصحاب احناف نے کہا ہے کہ جب مرد بچے کے نسب کی نفی کر کے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے خواہ وہ ولادت کے وقت ہو یا ولادت کے ایک دن یا دو دن کے بعد ہو، یا اتنی مدت کے بعد ہو جتنی مدت کے اندر ولادت عادۃً مہیا ہوتی ہے تو اس کا انکارِ نسب کرنا صحیح ہے، اور اگر اس نے اس مدت کے بعد انکارِ نسب کیا تو پھر نسب منتفی نہیں ہوگا اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لیے کسی وقت اور مدت کا تعین نہیں کیا اور ان سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے سات دن کی مدت کا تعین کیا ہے اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم المتوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن الحسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ نے اس کی مدت کا تعین کیا ہے کہ وہ مدت نفاس کی مدت سے زیادہ ہو اور وہ چالیس دن ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس مدت کے اندر مرد کا انکارِ نسب کرنا معتبر ہوگا اور اس مدت کے بعد اس کا انکارِ نسب کرنا معتبر نہیں ہوگا۔

اور امام محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۰۴ھ نے علی الفور کا اعتبار کیا ہے، انہوں نے کہا: اگر مرد نے علی الفور بچے کے نسب کی نفی کر دی تو اس کا نسب منتفی ہو جائے گا ورنہ نہیں ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۵ کی شرح میں فقہاءِ اسلام کے نظریات اور حدیث سے ثابت شدہ احکام کی تفصیل

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بچہ عورت کے ساتھ لاحق کیا جاتا ہے نسباً اور میراثاً، اور یہی صحیح مذہب ہے اور ایک قول یہ ہے کہ بچے کی ماں کی ماں میراث کی وارث ہوگی اور باقی ترکہ اس کی ماں کے عصبات کے لیے ہوگا اور یہی مذہب مشہور ہے اور پہلا قول شیخ ابن تیمیہ کا مختار ہے اور وہی صحیح ہے۔

مسئلہ:

جب مرد عورت کے درمیان لعان کیا جائے اور ان دونوں سے امام یہ کہے کہ بے شک تم دونوں میں سے کوئی ایک ضرور جھوٹا ہے، پھر ان دونوں میں سے کوئی ایک رجوع کرلے تو کیا اس پر حد قائم کی جائے گی اور ان کے درمیان تفریق کی جائے گی؟

الجواب:

اگر عورت لعان سے رجوع کرلے تو اس پر حدِ زنا قائم کی جائے گی اور اگر مرد لعان سے رجوع کرلے تو اس پر حدِ قذف جاری کی جائے گی اور ان کے درمیان تفریق نہیں کی جائے گی۔

قرآن مجید اور سنت ثابتہ میں دخول کا ذکر کیا گیا ہے اور اس سے مقصود جماع ہے جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت میں ہے:

وَ رَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ﴿النساء:۲۳﴾ اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری زیر پرورش ہیں تمہاری ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کرچکے ہو۔

اور رہی خلوت تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خلوت کے اوپر بھی دخول کے احکام کو جاری کیا ہے اور کہا ہے کہ جب مرد نے عورت کے ساتھ خلوت کی اور اپنے اور لوگوں کے درمیان پردہ ڈال دیا تو عورت کے لیے مکمل مہر ثابت ہوگا کیونکہ اس نے اس عورت سے اس چیز کو حلال کردیا جس کو خاوند کے سوا اور کوئی شخص حلال نہیں کرتا۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۸۱ مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

جس انصاری صحابی نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی، اس انصاری صحابی کے متعلق تحقیق

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، صحیح البخاری: ۵۳۱۵ کی شرح میں لکھتے ہیں:

جس انصاری نے اپنی بیوی کو متہم کیا تھا وہ حضرت ہلال بن امیہ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، انہوں نے شریک بن سحماء جو انصار کے حلیف تھے کے ساتھ اپنی بیوی کو متہم کیا تھا، سحماء اس کی والدہ کا نام ہے اور اس کے والد کا نام عبد بن مغیث ہے، حافظ ابو عمر وابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ جریر بن حازم نے ایوب، عکرمہ کے ذریعہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ جب ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی کو تہمت لگائی تو ان سے کہا گیا: بخدا! جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں ۸۰ کوڑے حدِ قذف کے ماریں گے، حضرت ہلال نے کہا اللہ تعالیٰ بہت بڑا عادل اور منصف ہے، جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ جانتا ہے تو آیت ملاعنہ نازل ہوئی۔ بخاری کے ایک شارح علامہ ابن التین نے کہا صحیح تر یہ ہے کہ حضرت ہلال بن امیہ نے حضرت عویمر العجلانی سے پہلے لعان کیا تھا۔

علامہ ابوالحسین علی بن محمد بن محمد حمید ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ نے الحاوی الکبیر میں لکھا ہے کہ:

حضرت ہلال کا واقعہ حضرت عویمر العجلانی کے واقعہ سے پہلے کا ہے، ابن صباغ نے کہا: حضرت ہلال کے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کریمہ ان کے واقعہ میں نازل ہوئی اور حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ سے یہ کہا گیا ہے کہ تمہارے اور تمہاری بیوی کے بارے میں قرآن نازل ہوا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ جو کچھ ہلال کے واقعہ میں نازل ہوا تھا وہی تمہارے متعلق بھی حکم ہے، کیونکہ یہ حکم تمام لوگوں کے لیے عام ہے اور علماء اصول نے کہا ہے کہ عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوصیت سبب کا لحاظ نہیں ہوتا۔

اگر یہ سوال پوچھا جائے کہ پہلی روایت میں ہے کہ مرد و زن کے درمیان تفریق کردی اور انہیں قسمیں دیں اور اس روایت میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لعان کرایا، پھر ان میں تفریق کردی، بہ ظاہر ان دونوں حدیثوں میں تضاد ہے، اس کا جواب یہ ہے

کہ در حقیقت معنی میں کوئی فرق نہیں کیونکہ لعان تو ضروری ہے اور تفریق حاکم کی طرف سے ہے، اس میں فقہاء احناف کی دلیل ہے کہ لعان تب ہی مکمل ہوتا ہے جب زوجین کے درمیان حاکم تفریق کر دے۔ (تفہیم البخاری حصہ ہشتم ص ۱۳۸۴، بار اول، الجدہ پرنٹرز لاہور)

صحیح البخاری: ۵۳۱۵ کی شرح از شیوخ دیو بند

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ولد کو لعان کرنے والی عورت کے ساتھ لاحق کیا جائے گا، شوہر کی طرف اس کی نسبت نہیں کی جائے گی، چنانچہ روایت میں تصریح ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو عورت کے ساتھ لاحق فرما دیا تھا یعنی بچے کو صرف ماں کی طرف منسوب کر دیا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نفس لعان سے بچے کی نفی ہو جائے گی خواہ مرد نے اشارۃً بھی لعان میں اس کا ذکر نہیں کیا ہو۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۷۵) لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ بچے کی نفی کے لیے شوہر کی طرف سے وضاحت ضروری ہے کیونکہ خود لعان بچے کی نفی کے لیے مشروع نہیں ہے، لعان تو شوہر کو حدِ قذف اور بیوی کو حدِ زنا سے بچانے کے لیے ہے، شوہر بیوی پر زنا کی تہمت لگانے کے باوجود اگر بچے کو اپنا تسلیم کرتا ہے تو بچے کا نسب ثابت مانا جائے گا، اگر شوہر بچے کے نسب کی نفی کرتا ہے تو شوہر کی طرف سے بچے کی نفی ولادت کے وقت یا اس سے ایک دو دن بعد تو صحیح ہوگی لیکن اس کے بعد اس کی نفی کا اعتبار نہیں ہوگا، البتہ امام صاحب نے اس کے لیے کوئی خاص مدت متعین نہیں فرمائی، سات دن کی ایک روایت ان سے منقول ہے، امام ابو یوسف اور امام محمد نے چالیس دن کی مدت مقرر فرمائی ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فوراً نفی معتبر ہوگی ورنہ نہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۲)

(کشف الباری عمافی صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، ص ۵۴۴-۵۴۵، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی نے علامہ عینی کی پوری عبارت نقل نہیں کی بلکہ علامہ عینی کی عبارت میں جو امام طحاوی نے دوسرے فقہاء کا موقف بیان کیا تھا، جس پر علامہ عینی نے اپنا تبصرہ کیا ہے اس کو انہوں نے بالکل چھوڑ دیا، کیونکہ یہ عبارت بہت مشکل اور دقیق تھی، سلیم اللہ خان دیو بندی نے علامہ عینی کی عبارت کا آسان حصہ تو نقل کر دیا اور مشکل اور دقیق عبارت کو ترک کر دیا، ہم نے علامہ عینی کی شرح کا وہ حصہ پوری تفصیل کے ساتھ نقل کر دیا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ

۳۶۔ بَابُ: قَوْلِ الْإِمَامِ اللّٰهُمَّ بَيِّنْ — امام اور سربراہ کا یہ دعا کرنا: اے اللہ! اس معاملہ کی حقیقت بیان فرما

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام اور سربراہ کی دعا کا معنی

یہ باب لعان کے متعلق امام کی اس دعا کے متعلق ہے جس میں امام یا سربراہ یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! مجھ پر حقیقتِ حال کو منکشف فرما دے، یعنی اس پیش آمدہ مسئلہ میں جو شرعی حکم ہے، اس کو ظاہر فرما دے۔

قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی ۵۴۳ھ نے بیان کیا:

اس دعا کا یہ معنی نہیں ہے کہ امام نے اپنے قول کے صدق پر ثبوت کو طلب کیا ہے بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حقیقتِ واقعہ کو منکشف فرمادے۔

۵۳۱۶۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ حَدَّثَنِي سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْقَاسِمِ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ ذُكِرَ الْمُتَلَاعِنَانِ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَقَالَ عَاصِمُ بْنُ عَدِيٍّ فِي ذَلِكَ قَوْلًا ثُمَّ انْصَرَفَ فَأَتَاهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ فَذَكَرَ لَهُ أَنَّهُ وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا فَقَالَ عَاصِمٌ مَا ابْتُلِيتُ بِهَذَا الْأَمْرِ إِلَّا لِقَوْلِي فَذَهَبَ بِهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَخْبَرَهُ بِالَّذِي وَجَدَ عَلَيْهِ امْرَأَتَهُ وَكَانَ ذَلِكَ الرَّجُلُ مُصْفَرًّا قَلِيلَ اللَّحْمِ سَبْطَ الشَّعَرِ وَكَانَ الَّذِي وَجَدَ عِنْدَ أَهْلِهِ آدَمَ خَدْلًا كَثِيرَ اللَّحْمِ جَعْدًا قَطَطًا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اللَّهُمَّ بَيِّنْ فَوَضَعَتْ شَبِيهًا بِالرَّجُلِ الَّذِي ذَكَرَ زَوْجُهَا أَنَّهُ وَجَدَ عِنْدَهَا فَلَاعَنَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَهُمَا فَقَالَ رَجُلٌ لِابْنِ عَبَّاسٍ فِي الْمَجْلِسِ هِيَ الَّتِي قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ لَوْ رَجَمْتُ أَحَدًا بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ لَرَجَمْتُ هَذِهِ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَا تِلْكَ امْرَأَةٌ كَانَتْ تُظْهِرُ السُّوءَ فِي الْإِسْلَامِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے سلیمان بن بلال نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید، انہوں نے کہا: مجھے عبدالرحمٰن بن القاسم نے خبر دی از القاسم بن محمد از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دو والوں کا ذکر کیا گیا تو حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ نے اس کے متعلق کوئی بات کہی، پھر واپس چلے گئے، پھر ان کے پاس ان کی قوم میں سے ایک مرد آیا اور اس نے ذکر کیا کہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ ایک اجنبی مرد کو پایا ہے، تو حضرت عاصم بن عدی نے کہا: میں اس معاملہ میں صرف اپنی بات کی وجہ سے مبتلا ہوا ہوں، پھر وہ اس کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور آپ کو بتایا کہ اس شخص نے اپنی بیوی کے پاس ایک اجنبی مرد کو پایا ہے اور وہ مرد زرد رُو تھا اس کے جسم پر گوشت کم تھا، اس کے بال گھنگھریالے تھے اور سیدھے تھے، اور جس شخص کو اس نے اپنی بیوی کے پاس پایا تھا وہ گندمی رنگ کا تھا، موٹا تازہ تھا اور پُر گوشت تھا، اس کے بال سخت گھنگھریالے تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اللہ کے حضور) عرض کی: اے اللہ بیان فرما، یعنی مجھ پر اس معاملہ کی حقیقت کو منکشف فرمادے، تو اس عورت کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہوا جو اس مرد کے مشابہ تھا جس کا ذکر اس کے خاوند نے کیا تھا کہ اس نے ایسے مرد کو اس عورت کے پاس پایا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان لعان کرایا، تو اس مرد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس مجلس میں کہا: یہ وہی عورت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی ایک کو بغیر گواہوں کے رجم کرتا تو اس عورت کو رجم کر دیتا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نہیں یہ وہ عورت تھی جو اسلام لانے کے بعد برے کام کرتی تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۳۱۰، ۵۳۱۶، ۶۸۵۵، ۶۸۵۶، ۷۲۳۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۷، سنن نسائی: ۳۴۷۰، سنن ابن ماجہ: ۲۵۰۷، مسند احمد: ۳۰۹۶)

جن امور میں وحی نازل نہ ہوئی ہو، ان امور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی الشافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ لعان کا معاملہ مؤخر ہو گیا یہاں تک کہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے منقول ہے واضح ہو گیا جو حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث میں مذکور ہے، اور اس سے پہلے حضرت سہل کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ لعان ان کے درمیان میں واقع ہوا اس سے پہلے کہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہو، سو اس بناء پر حدیث میں بھی مذکور ہے ''فلاعن'' یہ بعد کا واقعہ ہے۔ اس مرد نے اس چیز کی خبر دی جس چیز پر اس نے اپنی عورت کو پایا تھا اور اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ مرد زرد رنگ کا تھا، یہ دو جملوں کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

ایک مرد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: یہ سائل حضرت عبد اللہ بن شداد بن الہاد تھے، اور وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خالہ زاد بھائی تھے۔ ان کا نام ابوزناد نے از القاسم بن محمد اس حدیث میں ذکر کیا ہے جیسا کہ عنقریب کتاب الحدود میں آئے گا۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ وہ عورت اسلام میں بے حیائی کے کام کرتی تھی لیکن نہ تو اس کے خلاف گواہ قائم ہوئے تھے اور نہ اس عورت نے گناہ کا اعتراف کیا تھا۔

علامہ داؤدی متوفی ۴۴۰ھ نے کہا ہے: اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جو برے کام کرتا ہو اس کا پس پشت عیب بیان کرنا غیبت نہیں ہے۔ اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس عورت سے یہ بات نہیں سنی، پس اگر علامہ داؤدی کی مراد ہے کسی عیب کو مبہم بیان کرنا تو اس کی گنجائش ہے اور کتاب التفسیر میں از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ روایت بیان ہو چکی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ کا حکم نازل نہ ہوتا تو میرے لیے اس عورت کے ساتھ سنگین معاملہ ہوتا یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا حکم اس سے پہلے نازل نہ ہوا ہوتا یعنی یہ حکم کہ لعان ہے عورت سے حد کو ساقط کر دیتا ہے، تو میں اس عورت پر حد کو لازم کرتا، جس ظاہری شبہ کی بناء پر اس عورت پر تہمت لگائی گئی ہے۔

اور اس سے مستفاد یہ ہوتا ہے کہ جن چیزوں کے متعلق وحی نازل نہ ہوئی ہو، ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے فیصلہ فرماتے تھے، پس جب کسی حکم کے متعلق وحی نازل ہو جاتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اجتہاد سے قطع نظر کر کے وحی کے متعلق عمل کرتے اور ظاہر کے مطابق عمل کرتے خواہ کوئی ایسا قرینہ ہو جو خلاف ظاہر کا تقاضا کرتا ہو۔

حدیث لعان کے فوائد

(۱) جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی واقعہ کے متعلق سوال کیا جائے اور آپ کو اس کا حکم معلوم نہ ہو اور آپ کو یہ امید ہو کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم نازل ہو گا تو آپ اپنے اجتہاد کی طرف سبقت نہ کریں۔

(۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیش آمدہ مسائل کا حل معلوم کرنے کیلئے سفر کرنا چاہیے کیونکہ سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ نے عراق سے مکہ کی طرف سفر کیا ملاعنہ کے مسئلہ کو معلوم کرنے کیلئے۔

(۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عالم کے پاس اس کے گھر جانا چاہیے خواہ وہ قیلولہ کر رہا ہو، جب اس کو معلوم ہو کہ آنے والا

تنگ نہیں کرے گا۔

(۴) اس میں عالم کی تعظیم ہے اور اس کی کنیت کے ساتھ اس کو خطاب کرنے کا جواز ہے۔

(۵) تعجب کے موقع پر سبحان اللہ کہنا چاہیے۔ اور اس میں سعید بن جبیر کے علم کی وسعت ہے کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ ھ پر اس مسئلہ کا حکم مخفی تھا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو سبحان اللہ کہا تھا اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو معلوم تھا کہ یہ حکم بہت مشہور ہے، تو ان کو تعجب ہوا کہ بعض لوگوں پر یہ حکم کیسے مخفی رہا۔

(۶) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تمام احکام میں سب سے پہلے سبقت کرتے تھے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: سب سے پہلے اس مسئلے کا سوال فلاں نے کیا اور حضرت انس بن مالک متوفی ۹۱ ھ نے کہا کہ یہ پہلا لعان تھا اور اس میں یہ مذکور ہے کہ کوئی شخص اپنے کلام کی وجہ سے امتحان کے اندر مبتلا ہوتا ہے۔

(۷) حاکم کسی فریق کو باطل پر اپنے موقف پر طول دینے سے منع کرے۔ اور اس سلسلے میں اس کو نصیحت کرے اور خوفِ خدا یاد دلائے اور ڈرائے اور اس کو بار بار کہے تا کہ اس کو کامل نصیحت ہو۔

(۸) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ دو فاسد کاموں میں جو زیادہ خفیف ہو اس کا ارتکاب کیا جائے اور جو ثقیل ہو اس کو ترک کر دیا جائے، کیونکہ صبر کرنے کی مصیبت اس سے کم ہے جو کسی برے کام پر غیرت کی وجہ سے اور شدت کی وجہ سے طاری ہوتی ہو۔ اور اگر غیرت کی وجہ سے مرد اپنے بیوی کو قتل کر دیتا جس کی وجہ سے اس کو قصاص دینا پڑتا تو اس کو ترک کرنا زیادہ سہل تھا۔

(۹) اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو اس پر متنبہ کیا کہ یا تو وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے یا پھر وہ لعان کرے بجائے اس کے کہ وہ غیرت میں آ کر اپنی بیوی کو قتل کرے۔

(۱۰) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جس مسئلہ کا علم نہ ہو، اس کے متعلق سوال کرنا صحابہ کا قدیم معمول ہے اور یہ بھی دلیل ہے کہ خبرِ واحد پر عمل کیا جاتا ہے جب کہ وہ خبر دینے والا ثقہ ہو۔

(۱۱) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حاکم کے لیے سنت یہ ہے کہ لعان کرنے والوں کو وعظ اور نصیحت کرے جب وہ لعان کا ارادہ کرے اور پانچویں مرتبہ زیادہ خصوصیت کے ساتھ ان کو نصیحت کرے، اور دقیق العید نے فقہاء سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے عورت کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے جب وہ غیظ و غضب کے اظہار کا ارادہ کرے۔

(۱۲) اور اس میں یہ دلیل ہے کہ ایسے سوالات کو کرنا مکروہ ہے جن سے کسی مسلمان کے عیب کی پردہ دری ہو یا جس سے کسی مسلمان کی اذیت کا سبب ہو، خواہ کوئی سبب ہو، اور امام شافعی کے کلام میں یہ اشارہ ہے کہ ایسا سوال کرنا مکروہ ہے اور یہ سوال صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مخصوص تھا تا کہ آپ پر اس مسئلہ کے متعلق وحی نازل ہو، تا کہ کسی مباح چیز کے متعلق ایسا سوال نہ کیا جائے کہ اس کے سوال کی وجہ سے کوئی تحریم کا حکم نازل ہو جائے اور صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مسلمانوں میں سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کرے جو حرام نہیں تھی، پھر اس کے سوال کی وجہ سے اس چیز کو حرام کر دیا گیا اور سلف صالحین کی جماعت کا یہ دائمی معمول رہا ہے کہ ایسی چیز کا سوال نہ کیا جائے جو واقع نہ ہوئی ہو لیکن اکثر فقہاء کا عمل اس کے خلاف ہے۔ اور ایسے مسائل بے شمار ہیں جن میں فقہاء نے مسائل کو ان کے وقوع سے پہلے دریافت کیا۔

(۱۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ صحابہ کرام اس چیز کے حکم کے متعلق سوال کرتے تھے جس کے متعلق وحی نازل نہیں ہوئی۔

(۱۴) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عالم جب کسی سوال کو مکروہ جانے تو اس کی مذمت کرے۔ اور جس شخص کو کوئی مکروہ کام کسی دوسرے کے سبب سے ملا ہو تو وہ اس کے اوپر ناراضگی کا اظہار کرے۔

(۱۵) جو شخص کسی حکم کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہو تو وہ اس معرفت کے حصول کو رد نہ کرے اس خیال سے کہ عالم اس کے سوال کو ناپسند کرے گا یا اس کے اوپر ناراض ہوگا بلکہ وہ نرمی اور عاجزی کے ساتھ اپنے سوال کو دہرائے حتیٰ کہ اس کی حاجت پوری ہو جائے۔

(۱۶) امورِ دین سے متعلق جو سوالات لازم ہیں ان سوالات کو کرنا مشروع ہے، خواہ سراً سوال کیا جائے یا جہراً یعنی پوشیدہ طور پر سوال کیا جائے یا علی الاعلان سوال کیا جائے اور اس میں سائل کے اوپر کوئی عیب نہیں ہے خواہ اس کا سوال اس چیز کے متعلق ہو جو عادتاً قوی ہے۔

(۱۷) اس حدیث میں توبہ کرنے پر ترغیب دی ہے اور پردہ پوشی کا حکم دیا ہے۔

(۱۸) جب لعان ہو جائے تو لعان کرنے والے مرد سے حدِ قذف ساقط ہو جاتی ہے اور لعان کرنے والی عورت سے حدِ زنا ساقط ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود یہ منقول نہیں ہے کہ تہمت لگانے والے پر حد لگائی گئی، علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا: امام مالک بن انس نے اس طرح نہیں کہا، کیونکہ ان تک یہ حدیث نہیں پہنچی تھی اور اگر ان تک یہ حدیث پہنچتی تو وہ ضرور اس کے مطابق کہتے۔ اور بعض فقہاء مالکیہ نے کہا کہ اس پر یعنی لعان کرنے والے پر حدِ قذف لگائی جائے گی اور فقہائے احناف نے کہا کہ جس پر تہمت لگائی گئی تھی اس نے حدِ قذف کا مطالبہ نہیں کیا تھا حالانکہ یہ اس کا حق تھا اس لیے یہ منقول نہیں ہے کہ تہمت لگانے والے پر حد لگائی گئی کیونکہ لعان کی وجہ سے حد ساقط ہو گئی۔

(۱۹) قاضی عیاض مالکی متوفی ۵۴۴ھ نے ذکر کیا ہے کہ ان کے بعض اصحاب نے یہ عذر پیش کیا ہے کہ شریک یہودی تھا اور میں بیان کر چکا ہوں کہ یہ صحیح نہیں ہے۔

(۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام اور سربراہ پر یہ لازم نہیں ہے کہ جس پر تہمت لگائی گئی ہے وہ اس کو یہ بتلائے کہ کس نے تم پر تہمت لگائی ہے۔

(۲۱) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حاملہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہونے سے پہلے لعان کیا جائے گا کیونکہ حدیث میں ہے: دیکھو اگر اس کے ہاں ایسا بچہ پیدا ہو تو اس کا یہ حکم ہے جیسا کہ حضرت سہل بن سعد اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کی حدیث میں گزر چکا ہے۔ اور امام مسلم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے روایت کی ہے کہ وہ مرد اور اس کی بیوی دونوں آئے، پس ان دونوں نے لعان کیا، پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: شاید کہ اس عورت کے ہاں سیاہ رنگ کا گھنگھریالے بالوں والا بچہ پیدا ہوگا تو اس کے ہاں سیاہ رنگ کا گھنگھریالے رنگ والا بچہ پیدا ہوا۔ اور اسی کے مطابق جمہور فقہاء کا قول ہے اور فقہاءِ احناف نے اس کے خلاف کہا ہے کہ حمل کا پیش از وقت علم نہیں ہوتا کیونکہ بعض اوقات پیٹ میں بچہ نہیں ہوتا محض پیٹ میں ہوا بھری ہوتی ہے، اور جمہور کی دلیل یہ ہے کہ لسانِ شرع مرد سے حدِ قذف دور کرنے کے لیے ہے اور عورت سے حدِ زنا کو دور کرنے کے لیے ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ عورت حاملہ ہو یا حاملہ نہ ہو، اسی وجہ سے جو عورت آیسہ ہو یعنی جس کا حیض آنا بند ہو چکا ہو اس کے لیے بھی لعان مشروع ہے

اور کم عمر لڑکی کے متعلق اختلاف ہے، پس جمہور کا موقف یہ ہے کہ جب مرد نے کسی کم عمر لڑکی پر زنا کی تہمت لگائی تو اس کے لیے لعان کرنا جائز ہے تا کہ اس مرد سے حدِ قذف ساقط ہو جائے۔

(۲۲) اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جھوٹی قسم میں کفارہ نہیں ہوتا کیونکہ اگر جھوٹی قسم میں کفارہ ہوتا تو اس قصہ کے اندر اس کا بیان کر دیا جاتا اور اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں حانث کا تعین نہیں ہے اور اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اگر جھوٹی قسم میں کفارہ واجب ہوتا تو اس کا حدیث میں بیان ہوتا، مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے: ''کہ تم میں سے جس نے بھی قسم کو توڑ دیا ہے تو وہ کفارا ادا کرے''، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو توبہ کی طرف رہنمائی کی۔

(۲۳) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تم گواہ پیش کرو، ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگائی جائے گی، اس میں یہ دلیل ہے کہ اگر تہمت لگانے والا گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو تو اس سے قسم لی جائے گی۔

(۲۴) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جب کوئی ضرورت تقاضا کرے تو اوصافِ مذمومہ کو ذکر کرنا جائز ہے اور یہ غیبتِ محرمہ نہیں ہے۔

(۲۵) اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ لعان صرف اس کے لیے مشروع کیا گیا ہے جس کے پاس گواہ نہ ہوں، لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ اگر وہ مرد اس عورت کے زنا پر گواہ پیش کرنے کی طاقت رکھتا تو اس کے لیے جائز تھا کہ وہ اس سے لعان کرتا تا کہ بچے کی اپنی ذات سے نفی کرے، کیونکہ یہ مسئلہ زنا میں منحصر نہیں ہے۔ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی اور ان کے متبعین نے اسی کے متعلق کہا ہے۔

(۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حکم کا تعلق ظاہر کے ساتھ ہوتا ہے اور پوشیدہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف مفوض ہیں، علامہ ابن التین نے کہا اور اسی سے امام شافعی نے زندیق کی توبہ کو قبول کرنے پر استدلال کیا اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ حکم ظاہر کے ساتھ اس وقت متعلق ہوتا ہے جب اس کے ساتھ باطن کا کوئی حکم متعلق نہ ہو، اور زندیق کے باطن کا حال معلوم ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کی ظاہری توبہ کو قبول نہیں کیا جائے گا اور امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بات ثابت ہوگئی کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر قادر تھے کہ آپ وحی کے ذریعے معلوم کر کے اس جھوٹے کو معین کر دیتے، لیکن آپ نے یہ خبر دی کہ فیصلہ ظاہر شرع کے مطابق ہوگا جس کا تقاضا یہ ہے کہ باطنی معاملات کا کھوج نہ لگایا جائے اور ان کو دریافت کرنے کے درپے نہ ہوا جائے۔

(۲۷) اور اس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حاکم اپنے ظن اور گمان کے مطابق عمل نہ کرے اور حدود میں اشارہ نہ کرے جب کہ حکم ظاہر کے خلاف ہو، جیسا کہ آپ نے فرمایا کہ: ''مدعیٰ علیہ کی قسم پر فیصلہ ہوگا جب مدعی انکار کرے اور اس کے پاس گواہ نہ ہوں''۔

(۲۸) اور اس حدیث سے امام شافعی نے اس پر استدلال کیا ہے کہ استحسان کا قول کرنا باطل ہے (استحسان سے مراد قیاسِ خفی ہے جس کے امام ابوحنیفہ قائل ہیں)، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر قسموں کا اعتبار نہ ہوتا تو میرے لیے اور اس عورت کے لیے (یعنی معاملہ سنگین ہوتا)''۔

(۲۹) اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حاکم کسی حکم کا فیصلہ کرنے کے لیے اپنی انتہائی کوشش کو بروئے کار لائے اور تمام شرائط کو پورا کرے اور اپنے فیصلہ کو نہ بدلے، سوائے اس صورت کے کہ اس پر یہ ظاہر ہو جائے کہ کوئی شرط نہیں پائی گئی یا کسی سبب میں کمی پائی گئی ہے۔

(۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لعان ہر عورت کے متعلق مشروع ہے، خواہ اس عورت کے ساتھ دخول کیا گیا ہو یا دخول نہ کیا گیا ہو اور علامہ ابراہیم بن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے اس کے اوپر اجماع کو نقل کیا ہے۔

(۳۱) اور اس سے معلوم ہوا کہ جو عورت غیر مدخول بھا ہو اس کو اس کا مہر ادا کیا جائے گا اس میں فقہاء حنبلیہ کا اختلاف ہے، پس اگر کسی مرد نے نکاح فاسد کیا یا کسی عورت کو طلاقِ بائن دی پھر اس کے ہاں اولاد ہوئی، پھر اس نے ارادہ کیا کہ اس اولاد کی اپنی ذات سے نفی کرے تو اس کے لیے لعان کرنا جائز ہے اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۵۰ھ نے کہا: اس صورت کے اندر بچے کا اس مرد سے نسب ثابت ہو جائے گا اور اس سے حدِ قذف ساقط نہیں ہوگی اور نہ لعان ہوگا کیونکہ وہ عورت اجنبیہ ہے، اور اسی طرح اگر اس نے کسی عورت پر زنا کی تہمت لگائی، پھر اس کو تین طلاقیں دے کر بائن کر دیا تو اس کے لیے بھی لعان ثابت ہوگا۔ اور امام ابوحنیفہ نے کہا: اس کے لیے لعان نہیں ہوگا۔ اور امام ابن ابی شیبہ نے از ہشیم از مغیرہ روایت کی ہے کہ شعبی نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، پھر اس کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا، پھر اس نے بچے کی اپنی ذات سے نفی کی تو اس کے لیے لعان کرنا جائز ہے، تو حارث نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (النور: ۶)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہوں، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے ۝

پھر کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ وہ عورت اس کی بیوی ہے، تو عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۴ھ نے کہا: میں اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتا ہوں کہ جب مجھ پر حق واضح ہو جائے تو میں اس کی طرف رجوع نہ کروں، پس اگر مرد نے تین مرتبہ لعان کر لیا اور عورت نے بھی اسی طرح تین مرتبہ لعان کیا تو حاکم ان کے درمیان تفریق کر دے گا، ایسی صورت میں جمہور کے نزدیک تفریق واقع نہیں ہوگی کیونکہ ظاہر قرآن میں یہ تصریح ہے کہ ان دونوں پر حد واجب ہوگئی اور وہ حد ساقط نہیں ہوگی، سوائے اس صورت کے جو ذکر کی گئی ہے۔
اور امام ابوحنیفہ نے کہا کہ شعبی نے سنت کو سمجھنے میں خطا کی اور ان دونوں کے درمیان تفریق واقع ہو جائے گی۔

(۳۲) اور اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ لعان سے حمل منتفی ہو جاتا ہے، اس میں امام ابوحنیفہ کا اختلاف ہے اور امام احمد کی ایک روایت بھی اسی طرح ہے، کیونکہ حدیث اس معاملے میں ظاہر ہے کہ وہ عورت حاملہ تھی اور بچے کو اس عورت کے ساتھ لاحق کر دیا گیا۔

(۳۳) اور اس میں ظنِ غالب کے مطابق حلف لینے کا جواز ہے اور اس کی دلیل اصل کے مطابق عمل کرنا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سے یہ قوی امید ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سائل کے سوال کی تصدیق کر دے گا، کیونکہ حضرت ہلال بن امیہ سے کہا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم پر حد قذف کے کوڑے مارے گا اور حضرت ہلال بن امیہ نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے یہ کوڑے نہیں مارے جائیں گے کیونکہ مجھے یہ معلوم ہے کہ میں نے اسی چیز کے مطابق سوال کیا ہے جس کو میں نے دیکھا ہے۔

(۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قسم کا اس وقت اعتبار کیا جائے گا جب وہ حاکم کی اجازت سے قسم کھائی جائے، کیونکہ حضرت ہلال بن امیہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں ضرور سچا ہوں، پھر ان سے لعان کے کلمات نہیں کہلوائے گئے۔

(۳۵) اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ قیاس کے تقاضے پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اس پر یہ اعتراض ہے کہ قیاس کا تقاضا اور قیافہ پر عمل کرنا اس وقت جائز نہیں ہوتا جب اس کے مقابلے میں کوئی شریعت کا ظاہری حکم نہ ہو اور جب اس کے مقابلے میں شریعت کا ظاہری حکم نہ ہو تو پھر قیاس اور قیافہ کے تقاضے پر عمل کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتح الباری ج ۶ ص ۵۱۹-۵۲۱، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ، فتح الباری ج ۹ ص ۴۶۱-۴۶۴، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے پاس کسی اجنبی مرد کو پائے اور وہ طیش میں آ کر اس کو قتل کر دے تو اس کے شرعی حکم کا بیان

شیخ محمد بن صالح العثیمین متوفی ۱۴۲۱ھ، صحیح بخاری ۵۳۱۶ کی شرح میں لکھتے ہیں:

مسئلہ:

اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے پاس کسی دوسرے مرد کو پائے اور وہ غضب میں آ کر اس کو قتل کر دے تو آیا اس کے اوپر قصاص لازم ہوگا؟

الجواب:

نہیں، کیونکہ جس وقت اس نے اپنی بیوی کے پاس دوسرے مرد کو پایا اور اس کو قتل کر دیا تو اس پر نہ قصاص ہوگا اور نہ دیت ہوگی اور نہ کفارہ ہوگا۔

اور جس چیز نے اس عورت کو رجم کرنے سے منع کیا ہے وہ لعان ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ (النور: ۸) اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے O

اور یہ اس وجہ سے نہیں ہے کہ اس عورت کے خلاف کوئی گواہ نہیں تھا، لیکن ایک دوسری عورت تھی جو اسلام لانے کے بعد بے حیائی کے کام کرتی تھی اور وہ عورت شبہ کا محل تھی اور اس کے خلاف قرائن زیادہ تھے لیکن گواہ کوئی نہیں تھا، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر میں کسی کو بغیر گواہ کے رجم کر دیتا تو میں اس عورت کو رجم کر دیتا۔

(صحیح مسلم: ۱۴۹۷، سنن نسائی: ۳۴۰۷، سنن ابن ماجہ: ۲۵۶۰) (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۹۲، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

حدیث: ۵۳۱۶، کے تین شرعی احکام

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث تین احکامِ شرعیہ پر مشتمل ہے:

(۱) لعان مشروع ہے۔

(۲) لعان کے بعد حاکم مرد و زن میں تفریق کر دے، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ تفریق نفسِ لعان سے ہو جاتی ہے یا لعان کے بعد حاکم تفریق کرے گا۔

امام مالک اور امام شافعی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نفسِ لعان سے تفریق ہو جاتی ہے، امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اور سفیان ثوری کہتے ہیں کہ حاکم کے تفریق کرنے سے تفریق ہوگی جیسا کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

(۳) اگر شوہر بچے کی پیدائش کے وقت اس کی نفی کر دے تو بچہ ماں سے لاحق کیا جائے گا، جمہور فقہاء، اور چاروں ائمہ کا اس میں

اتفاق ہے۔

امام ابوجعفر محمد بن محمد طحاوی متوفی ۳۲۱ھ رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ بعض علماء کہتے ہیں کہ اگر عورت کو بچے کی نفی کی تہمت لگائی تو بچہ منتفی نہیں ہوگا اور نہ ہی اس وقت لعان کیا جائے گا کیونکہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الولد للفراش وللعاھر الحجر، (بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی محروم ہے)۔

اور دوسرا اختلاف یہ ہے کہ جب بچے کی نفی بوقت ولادت کرے یا ولادت کے ایک دو روز بعد کرے، پہلی صورت میں بچے کی نفی ہو جائے گی اور دوسری صورت یعنی ایک دو روز بعد نفی کرے تو نفی نہ ہوگی۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کوئی وقت مقرر نہیں کیا اور ایک روایت ان سے ہے کہ انہوں نے اس کے لیے سات دن مقرر کیے ہیں۔

امام ابو یوسف، امام محمد اور قتادہ نے نفاس کی اکثر مدت مقرر کی ہے اور وہ چالیس روز ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بچے کی پیدائش کے فوراً بعد نفی کا اعتبار ہے ورنہ نفی نہ ہوگی۔ (تفہیم البخاری حصہ ہشتم ص ۳۸۵، الجدہ پرنٹرز، بار اول)

لعان کی تحقیق از مصنف

لعان کا لغوی اور اصطلاحی معنی

لعان کا لفظ لعن سے ماخوذ ہے، علامہ سید مرتضیٰ زبیدی لکھتے ہیں کہ لعن کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو تو اس کا معنی ہے: دھتکارنا اور خیر سے دور کرنا، اور جب اس کی نسبت مخلوق کی طرف ہو تو یہ بددعا کا کلمہ ہے اور لکھتے ہیں کہ لعان کا معنی یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے تو امام اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرائے اور مرد سے ابتداء کرے، مرد چار بار یہ کہے کہ میں اللہ کو اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ اس نے فلاں مرد کے ساتھ زنا کیا ہے اور میں اپنی اس تہمت میں صادق ہوں، جب وہ چار بار یہ قسم کھالے تو پانچویں بار یہ کہے کہ اگر وہ زنا کی اس تہمت لگانے میں جھوٹا ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، پھر عورت کو کھڑا کیا جائے اور وہ چار بار یہ کہے کہ میں اللہ کو اس بات پر گواہ بناتی ہوں کہ اس شخص نے جو مجھ پر تہمت لگائی ہے، یہ اس تہمت میں جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار یہ کہے کہ اگر یہ سچوں میں سے ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب نازل ہو، لعان کے بعد وہ عورت اس شخص سے بائنہ ہو جائے گی اور کبھی اس شخص کے لیے حلال نہیں ہوگی، اگر وہ حاملہ ہو تو بچہ اس عورت کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔ (تاج العروس ج ۹ ص ۳۳۴-۳۳۵)

لعان کے شرعی معنی میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں: کہ لعان کا شرعی معنی ہے: ایسی شہادات جو قسموں سے مؤکد ہوں اور لعنت کے ساتھ مقرون ہوں، اور امام شافعی فرماتے ہیں: یہ وہ قسمیں ہیں جو لفظ شہادت کے ساتھ مؤکد ہوں، امام شافعی کے نزدیک اس میں قسم کی اہلیت شرط ہے، اس لیے مسلمان اور اس کی کافر بیوی اور کافر اور کافرہ، غلام اور اس کی بیوی میں بھی لعان ہو جاتا ہے، امام مالک اور امام احمد فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک اس میں شہادت کی اہلیت شرط ہے، اس لیے لعان ایسے مسلمان آزاد، عاقل بالغ کے ساتھ خاص ہے جس پر حد قذف نہ لگائی گئی ہو۔ (عمدۃ القاری جز ۲۰ ص ۲۹۰)

لعان کی وجہ تسمیہ

مرد لعنت کا لفظ کہتا ہے اور عورت غضب کا لفظ کہتی ہے اور اس مسئلہ کا عنوان لعان بنایا گیا ہے، جب کہ آیت میں لعن اور غضب دونوں الفاظ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابتداء مرد سے ہوتی ہے اور وہ لعنت کا لفظ کہتا ہے اور مرد کی جانب قوی ہے، نیز لعان کرنے نہ کرنے کا مدار مرد ہی پر ہوتا ہے اور عورت کو غضب کے لفظ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے کیونکہ مرد کی نسبت عورت کا جرم بڑا ہے، مرد اگر جھوٹا ہو تو وہ حد قذف کا مستحق ہے اور اگر عورت جھوٹی ہو تو وہ سنگسار کی جانے کی مستحق ہے۔ (عمدۃ القاری جز ۲۰ ص ۲۹۰)

زانی کو ازخود قتل کرنے کا حکم

علامہ نووی لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے اور یہ متحقق ہو جائے کہ اس نے زنا کیا ہے اور وہ شخص اس سبب سے اس زانی کو قتل کر دے تو جمہور فقہاء اسلام کا یہ نظریہ ہے کہ اس پر قصاص لازم آئے گا الا یہ کہ وہ زنا کے ثبوت پر چار گواہ پیش کر دے یا مقتول کے ورثاء اس کے زنا کا اعتراف کر لیں، اور یہ شرط بھی ہے کہ وہ زانی شادی شدہ ہو، یہ دنیاوی ضابطہ ہے اور اگر وہ سچا ہے تو آخرت میں اس پر کوئی وبال نہیں ہوگا۔ بعض شوافع کا قول یہ ہے کہ جو شخص بھی سلطان کی اجازت کے بغیر کسی شادی شدہ زانی کو قتل کرے گا اس سے قصاص لیا جائے گا۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۴۸۸، کراچی)

امام ابوحنیفہ کا قول جمہور کے موافق ہے، اگر دو شخص گواہی دیں کہ اس شخص نے فلاں آدمی کو زنا کے سبب سے قتل کیا ہے تو جمہور کے نزدیک اس سے قصاص لیا جائے گا اور امام احمد کے نزدیک اس پر قصاص نہیں ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۴۹، لاہور)

جمہور کی دلیل ابن ماجہ کی روایت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے تو حضرت سعد کے جواب میں فرمایا: تلوار کافی گواہ ہے، پھر فرمایا: نہیں! مجھے خدشہ ہے کہ پھر لوگ نشہ اور غیرت میں آکر دھڑا دھڑ قتل کرنا شروع کر دیں گے۔ (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۶۰۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سبب سے قتل کرنے کی اجازت نہیں دی، البتہ جس پر چار گواہوں سے زنا ثابت ہو جائے اس کا معاملہ الگ ہے کیونکہ وہ مباح الدم ہے اس لیے اس صورت میں اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا، لیکن کسی شخص کو بھی قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے اور اس وجہ سے وہ مؤاخذہ کا مستحق ہوگا۔

لعان کے بعد تفریق میں مذاہب فقہاء

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں:

امام مالک، امام شافعی اور ان کے موافقین کا یہ نظریہ ہے کہ نفس لعان سے، لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق ہو جاتی ہے، امام مالک اور ان کے اکثر اصحاب کا قول یہ ہے کہ عورت کے لعان سے فارغ ہونے کے بعد تفریق ہو جاتی ہے اور امام شافعی اور ان کے اکثر اصحاب کا یہ قول ہے کہ مرد کے لعان سے فارغ ہوتے ہی تفریق ہو جاتی ہے، سحنون مالکی کا بھی یہی قول ہے، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب اور سفیان ثوری کا یہ قول ہے کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی بلکہ لعان کے بعد قاضی کے تفریق کرنے سے تفریق ہوتی ہے، اور امام احمد بن حنبل کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، ایک میں احناف کے ساتھ ہیں اور دوسرے میں شوافع کے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۹۵ مصر)

علامہ ابوالحسن مرداوی حنبلی لکھتے ہیں کہ وجیز میں لکھا ہے کہ امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ نفس لعان سے تفریق ہو جاتی ہے اور

محرر، نظم، رعایتین، حاوی صغیر، فروع وغیرہ کتب حنابلہ میں اسی قول کو مقدم کیا ہے، اور امام احمد بن حنبل کا دوسرا قول یہ ہے کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی جب تک کہ حاکم تفریق نہ کرے۔ خرقی (المغنی ابن قدامہ کا متن) کا یہی مختار ہے۔ قاضی، شریف، ابوالخطاب اور ابن البناء وغیرہم فقہاء حنابلہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے، ہدایہ، مذہب، مسبوک الذہب اور دوسری کتب حنابلہ میں بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے اور انتصار میں لکھا ہے کہ عام اصحاب حنابلہ کا بھی یہی مختار ہے۔ (الانصاف ج ۹ ص ۲۵۱-۲۵۲، بیروت)

فقہاء احناف کے نظریہ پر دلائل

فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت درج کی جس میں پہلے لعان کا واقعہ درج ہے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے لعان کی کاروائی بیان کرنے کے بعد فرمایا: "ثم فرق بینھما" (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹۴) "پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں کے درمیان تفریق کر دی"۔ امام بخاری نے حضرت ابن عمر کی اس روایت کو سعید بن جبیر سے بھی روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۱۱) اور نافع سے بھی، نافع سے دو روایات ذکر کی ہیں ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

عن نافع ان ابن عمر اخبرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرق بین رجل وامراتہ قذفھا واحلفھما۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۱۳)

نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والے مرد اور عورت کے درمیان تفریق کر دی۔

ان احادیث صحیحہ سے واضح ہو گیا کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعان کے بعد تفریق نہ فرماتے۔

فقہاء احناف کی دوسری دلیل یہ ہے کہ امام بخاری نے حضرت عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے واقعہ لعان میں یہ بیان کیا ہے کہ لعان کے بعد حضرت عویمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "کذبت علیھا یا رسول اللہ ان امسکتھا فطلقھا ثلاثا قبل ان یامرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" یا رسول اللہ! (لعان کے بعد) اگر اب میں اس کو اپنے نکاح میں رکھوں تو پھر میں جھوٹا قرار پاؤں گا، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ فرمانے سے پہلے ہی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں"، اس حدیث کو امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۰۸، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹۲)

ان احادیث صحیحہ سے واضح ہو گیا کہ نفس لعان سے تفریق نہیں ہوتی ورنہ حضرت عویمر اس کو تین طلاقیں نہ دیتے، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: اب تین طلاقوں کی کیا ضرورت ہے تفریق تو ہو گئی۔

علامہ نووی کے اعتراضات کے جوابات

علامہ نووی نے اس دلیل پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذھب فلا سبیل لك علیھا، "جاؤ اب اس عورت پر تمہاری ملکیت نہیں ہے"۔ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کے طلاق دینے کو رد کر دیا، یعنی اب تمہاری اس پر ملکیت نہیں ہے، اس لیے طلاق واقع نہیں ہو گی۔ (صحیح مسلم ج ا ص ۴۸۹، کراچی)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے علامہ نووی کی اس دلیل کو رد کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شرح مسلم میں علامہ نووی کی اس عبارت سے یہ

وہم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عویمر کے تین طلاقیں دینے کے بعد فرمایا: "لا سبیل لک علیہا" اور یہ کہ یہ جملہ حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت میں موجود ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، یہ جملہ حضرت ابن عمر کی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے بعد ہے: اللہ یعلم ان احد کما کاذب۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۲، ۱۴۲۱ھ، لاہور)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی اس وضاحت سے یہ معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "فلا سبیل لک علیہا" کا حضرت عویمر کی دی گئی تین طلاقوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے نہ یہ تین طلاقوں پر رد ہے، اس معاملہ میں علامہ نووی نے ایک کھلا ہوا مغالطہ کھایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: "لا سبیل لک علیہا" جس حدیث میں ہے وہ حسب ذیل ہے:

سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر سے لعان کرنے والوں کے متعلق پوچھا تو انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والوں سے فرمایا: "تمہارا حساب اللہ پر ہے، تم دونوں میں سے ایک جھوٹا ہے اور اس عورت پر اب تمہاری ملکیت نہیں ہے"۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۱۲)

اس حدیث سے نہ صرف یہ واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "لا سبیل لک علیہا" کا تعلق حضرت عویمر کے قصہ سے نہیں ہے بلکہ اس سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ لعان کرنے والوں کے درمیان نفس لعان سے تفریق نہیں ہوئی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوئی ہے۔

نفس لعان سے تفریق نہ ہونے پر ایک واضح دلیل یہ ہے کہ جب حضرت عویمر نے لعان کے بعد تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔ اگر نفس لعان سے تفریق ہو جاتی تو آپ ان تین طلاقوں کو مسترد کر دیتے، امام ابو داؤد روایت کرتے ہیں:

عن سهل بن سعد فی هذا الخبر فطلقها ثلاث تطلیقات عند رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فانفذه رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم۔ (سنن ابو داؤد رقم الحدیث: ۲۲۵۰)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ کر دیا۔

علامہ نووی نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ دوسری روایت میں ہے: ففارقها "حضرت عویمر اپنی بیوی سے علیحدہ ہو گئے"۔ لیکن یہ تین طلاقیں دینے کے بعد کا واقعہ ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ابن شہاب کی حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت سے ظاہر ہے۔ اس لیے اس روایت کا یہ لفظ بھی علامہ نووی اور شوافع کے مسلک کے لیے مفید نہیں ہے۔

(صحیح مسلم کتاب اللعان رقم الباب: ۳، رقم الحدیث بلا تکرار: ۱۴۹۲، رقم الحدیث المسلسل: ۳۶۷۵)

صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر کی بکثرت روایات مذکور ہیں۔ (رقم الباب: ۹، ۸، ۷) جن میں تصریح ہے کہ لعان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تفریق کی اور یہ موقف احناف کی واضح دلیل ہیں اور فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کے موقف پر کوئی حدیث نہیں ہے۔

لعان کی وجہ سے بچہ کے نسب کی نفی میں مذاہب فقہاء

حضرت ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک شخص نے لعان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان تفریق کر دی اور بچہ کو ماں کے ساتھ لاحق کر دیا۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۹۴)

علامہ بدرالدین عینی حنفی لکھتے ہیں کہ جمہور فقہاء تابعین اور ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ لعان کے بعد بچہ کو ماں کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا اور وہ ایک دوسرے کے وارث ہوں گے اور باپ سے اس کا نسب منتفی ہوگا۔امام طحاوی کہتے ہیں کہ عامر، شعبی محمد بن ابی ذئب اور بعض اہل مدینہ نے اس مسئلہ میں جمہور سے اختلاف کیا ہے کیونکہ بچہ اس کا ہوتا ہے جس کے بستر پر ہو،اس لیے لعان کرنے والے شخص سے ہی نسب ثابت ہوگا،لیکن ان کے خلاف یہ حدیث جمہور کی قوی دلیل ہے اور اس قاعدہ میں اس حدیث سے تخصیص کی جائے گی، البتہ ایک اور اختلاف یہ ہے کہ ماں سے نسب اس وقت منتفی ہوگا جب بچہ پیدا ہوتے ہی یا زیادہ دن گزرنے سے پہلے مرد اس کا انکار کر دے، امام ابوحنیفہ نے دن مقرر نہیں کیے۔امام ابو یوسف فرماتے ہیں سات دن کے بعد انکار معتبر نہیں ہے۔اور امام محمد فرماتے ہیں کہ چالیس دن کے بعد انکار معتبر نہیں ہے، یعنی اس سے پہلے انکار کا شرعاً اعتبار ہوگا اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر بچہ پیدا ہوتے ہی فوراً انکار کر دیا تو اس کا انکار شرعاً معتبر ہوگا ورنہ نہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۲، مصر)(تبیان القرآن ج ۸ ص ۷۹-۷۵ مطبوعہ فرید بک اسٹال لاہور)

لعان کے متعلق صدر الشریعہ کی تحقیق

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ الغنی متوفی ۱۳۶۷ھ، لعان کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّاۤ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ○ وَ یَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ○ وَ الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ○ (النور:۶-۹)

اور جو لوگ اپنی بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں اور ان کے پاس خود ان کے سوا اور کوئی گواہ نہ ہو، تو ان میں سے کسی ایک شخص کی گواہی یہ ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر یہ کہے کہ بے شک وہ ضرور سچوں میں سے ہے O اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کی لعنت ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہو O اور عورت سے حد زنا اس طرح دور ہو سکتی ہے کہ وہ چار مرتبہ اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ بے شک اس کا خاوند ضرور جھوٹوں میں سے ہے O اور پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اگر وہ (خاوند) سچوں میں سے ہو O

حدیث ا: صحیح مسلم شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) کیا کسی مرد کو اپنی بی بی کے ساتھ پاؤں تو اسے چھوؤں بھی نہیں، یہاں تک کہ چار گواہ لاؤں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! انہوں نے عرض کی: ہرگز نہیں، قسم ہے اس کی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! میں فوراً تلوار سے کام تمام کر دوں گا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ''سنو تمہارا سردار کیا کہتا ہے، بے شک وہ بڑا غیرت والا ہے اور میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں اور اللہ (عزوجل) مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے''۔ دوسری روایت میں ہے کہ ''یہ اللہ (عزوجل) کی غیرت ہی کی وجہ سے ہے کہ فواحش (بے حیائی کی باتوں) کو حرام فرما دیا ہے، خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ''۔

(صحیح مسلم، کتاب اللعان، الحدیث: ۱۶، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ص ۸۰۵)

حدیث ۲: صحیحین میں انہیں سے مروی کہ ایک اعرابی نے حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ میری عورت کے سیاہ رنگ کا لڑکا پیدا ہوا ہے اور مجھے اس کا اچنبا ہے (یعنی معلوم ہوتا ہے میرا نہیں)، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تیرے پاس اونٹ ہیں؟"، عرض کی: ہاں! فرمایا: ان کے رنگ کیا ہیں؟ عرض کی، سرخ: فرمایا "ان میں کوئی بھورا بھی ہے؟" عرض کی: چند بھورے بھی ہیں، فرمایا: "تو سرخ رنگ والوں میں یہ بھورا کہاں سے آ گیا؟" عرض کی: شاید رگ نے کھینچا ہو (یعنی اس کے باپ دادا میں کوئی ایسا ہوگا، اس کا اثر ہوگا) فرمایا: "تو یہاں بھی شاید رگ نے کھینچ لیا ہو، اتنی بات پر اسے انکار نسب کی اجازت نہ دی"۔

(صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب من شبہ اصلا معلوما، الحدیث: ۷۳۱۴، ج ۴ ص ۵۱۲)

حدیث ۳: صحیح بخاری شریف ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی، ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بی بی پر تہمت لگائی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "گواہ لاؤ، ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد لگائی جائے گی"۔ عرض کی: یارسول اللہ! (عزوجل وصلی اللہ علیہ وسلم) کوئی شخص اپنی عورت پر کسی مرد کو دیکھے تو گواہ ڈھونڈنے جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہی جواب دیا۔ پھر ہلال نے کہا: قسم ہے اس کی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! بے شک میں سچا ہوں اور خدا کوئی ایسا حکم نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ کو حد سے بچا وے۔ اس وقت جبریل علیہ السلام اترے اور (وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ) نازل ہوئی، ہلال نے حاضر ہو کر لعان کا مضمون ادا کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ عزوجل جانتا ہے کہ تم میں ایک جھوٹا ہے تو کیا تم دونوں میں کوئی توبہ کرتا ہے، پھر عورت کھڑی ہوئی، اس نے بھی لعان کیا، جب پانچویں بار کی نوبت آئی تو لوگوں نے اسے روک کر کہا، اب کہے گی تو ضرور غضب کی مستحق ہو جائے گی اور اس پر وہ کچھ رکی اور جھجکی جس سے ہم کو خیال ہوا کہ رجوع کرے گی مگر پھر کھڑی ہو کر کہنے لگی: میں تو اپنی قوم کو ہمیشہ کے لیے رسوا نہ کروں گی، پھر وہ پانچواں کلمہ بھی اس نے ادا کر دیا۔ (صحیح البخاری، کتاب التفسیر باب ویدروا عنھا العذاب۔ الحدیث: ۴۷۴۷، ج ۳ ص ۲۸۰)

حدیث ۴: صحیحین میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرد وعورت میں لعان کرایا، پھر شوہر نے عورت کے لڑکے سے انکار کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں میں تفریق کر دی اور بچہ کو عورت کی طرف منسوب کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعان کے وقت پہلے مرد کو نصیحت وتذکیر کی اور یہ خبر دی کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت آسان ہے پھر عورت کو بلا کر نصیحت وتذکیر کی اور اسے بھی یہی خبر دی۔ دوسری روایت میں ہے کہ مرد نے اپنے مال (مہر) کا مطالبہ کیا۔ ارشاد فرمایا: کہ "تم کو مال نہ ملے گا، اگر تم نے سچ کہا ہے تو جو منفعت اس سے اٹھا چکے ہو اس کے بدلے میں ہو گیا اور اگر تم نے جھوٹ کہا ہے تو یہ مطالبہ بہت بعید وبعید تر ہے"۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب النکاح، باب اللعان الحدیث: ۳۳۰۵، ۳۳۰۶، ج ۲ ص ۲۵۰)

حدیث ۵: ابن ماجہ میں بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ "چار عورتوں سے لعان نہیں ہو سکتا: (۱) نصرانیہ جو مسلمان کی زوجہ ہے اور (۲) یہودیہ جو مسلمان کی عورت ہے اور (۳) حرہ جو کسی غلام کے نکاح میں ہے اور (۴) باندی جو آزاد مرد کے نکاح میں ہے"۔ (سنن ابن ماجہ، کتاب الطلاق، باب اللعان، الحدیث: ۲۰۷۱، ج ۲ ص ۵۲۸)

لعان کے متعلق مسائل فقہیہ

مسئلہ ۱: مرد نے اپنی عورت کو زنا کی تہمت لگائی اس طرح کہ اگر اجنبیہ عورت کو لگاتا تو حدِ قذف (تہمتِ زنا کی حد) اس پر لگائی جاتی، یعنی عورت عاقلہ، بالغہ، حرہ، مسلمہ، عفیفہ (پاک دامن، پارسا عورت) ہو تو لعان کیا جائے گا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی کے

حضور پہلے شوہر قسم کے ساتھ چار مرتبہ شہادت دے یعنی کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے جو اس عورت کو زنا کی تہمت لگائی اس میں خدا کی قسم! میں سچا ہوں، پھر پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اس پر خدا کی لعنت اگر اس امر میں کہ اس کو زنا کی تہمت لگائی جھوٹ بولنے والوں سے ہو اور ہر بار لفظ ''اس'' سے عورت کی طرف اشارہ کرے، پھر عورت چار مرتبہ یہ کہے کہ میں شہادت دیتی ہوں خدا کی قسم! اس نے جو مجھے زنا کی تہمت لگائی ہے، اس بات میں جھوٹا ہے اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ اس پر اللہ (عزوجل) کا غضب ہو، اگر یہ اس بات میں سچا ہو جو مجھے زنا کی تہمت لگائی، لعان میں لفظ شہادت شرط ہے، اگر یہ کہا کہ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ سچا ہوں، لعان نہ ہوا۔ (الفتاویٰ الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج۱ ص۵۱۵، ۵۱۶)

مسئلہ ۲: لعان کے لیے چند شرطیں ہیں:

(۱) نکاح صحیح ہو، اگر اس عورت سے اس کا نکاح فاسد ہوا ہے اور تہمت لگائی تو لعان نہیں۔

(۲) زوجیت قائم ہو (یعنی عورت نکاح میں موجود ہو) خواہ دخول ہوا ہو یا نہیں، لہٰذا اگر تہمت لگانے کے بعد طلاق بائن دی تو لعان نہیں ہو سکتا، اگرچہ طلاق دینے کے بعد پھر نکاح کر لیا، یو ہیں اگر طلاق بائن دینے کے بعد تہمت لگائی یا زوجہ کے مرجانے کے بعد تو لعان نہیں اور اگر تہمت کے بعد رجعی طلاق دی یا رجعی طلاق کے بعد تہمت لگائی تو لعان ساقط نہیں۔

(۳) دونوں آزاد ہوں۔

(۴) دونوں عاقل ہوں۔

(۵) دونوں بالغ ہوں۔

(۶) دونوں مسلمان ہوں۔

(۷) دونوں ناطق ہوں، یعنی ان میں کوئی گونگا نہ ہو۔

(۸) ان میں کسی پر حد قذف نہ لگائی گئی ہو۔

(۹) مرد نے اپنے اس قول پر گواہ نہ پیش کیے ہوں۔

(۱۰) عورت زنا سے انکار کرتی ہو اور اپنے کو پارسا کہتی ہو، اصطلاحِ شرع میں پارسا اس کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وطی حرام نہ ہوئی ہو نہ وہ اس کے ساتھ متہم ہو (نہ اس پر وطی حرام کی تہمت لگی ہو)، لہٰذا طلاق بائن کی عدت میں اگر شوہر نے اس سے وطی کی اگرچہ اپنی نادانی سے یہ سمجھتا تھا کہ اس سے وطی حلال ہے تو عورت عفیفہ نہیں۔ یو ہیں اگر نکاح فاسد کر کے اس سے وطی کی تو عفت (پاکدامنی) جاتی رہی یا عورت کی اولاد ہے جس کے باپ کو یہاں کے لوگ نہ جانتے ہوں اگرچہ حقیقتاً وہ ولد الزنا (زنا سے پیدا ہونے والا بچہ) نہیں ہے، یہ صورت متہم ہونے کی ہے، اس سے بھی عفت جاتی رہتی ہے۔ اور اگر وطی حرام عارضی سبب سے ہو مثلاً حیض و نفاس وغیرہ میں جن میں وطی حرام ہے وطی کی تو اس سے عفت نہیں جاتی۔

(۱۱) صریح زنا کی تہمت لگائی ہو یا اس کی جو اولاد اس کے نکاح میں پیدا ہوئی اس کو کہتا ہو کہ یہ میری نہیں یا جو بچہ عورت کا دوسرے شوہر سے ہے، اس کو کہتا ہو کہ یہ اس کا نہیں۔

(۱۲) دار الاسلام میں یہ تہمت لگائی ہو۔

(۱۳) عورت قاضی کے پاس اس کا مطالبہ کرے۔

(۱۴) شوہر تہمت لگانے کا اقرار کرتا ہو یا دو مرد گواہوں سے ثابت ہو، لعان کے وقت عورت کا کھڑا ہونا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ۱ ص ۵۱۵، الدر المختار ورد المحتار، کتاب الطلاق، باب اللعان، ج ۵ ص ۱۵۶)

مسئلہ ۳: عورت پر چند بار تہمت لگائی تو ایک ہی بار لعان ہوگا۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ۱ ص ۵۱۴)

مسئلہ ۴: لعان میں تمادی نہیں یعنی اگر عورت نے زمانۂ دراز تک مطالبہ نہ کیا تو لعان ساقط نہ ہوگا ہر وقت مطالبہ کا اس کو اختیار باقی ہے، لعان معاف نہیں ہوسکتا یعنی اگر شوہر نے تہمت لگائی اور عورت نے اس کو معاف کر دیا اور معاف کرنے کے بعد اب قاضی کے یہاں دعویٰ کرتی ہے تو قاضی لعان کا حکم دے گا اور عورت دعویٰ نہ کرے تو قاضی خود مطالبہ نہیں کر سکتا۔ یوہیں اگر عورت نے کچھ لے کر صلح کر لی تو لعان ساقط نہ ہوا جو لیا ہے اسے واپس کر کے مطالبہ کرنے کا عورت کو حق حاصل ہے، مگر عورت کے لیے افضل یہ ہے کہ ایسی بات کو چھپائے اور حاکم کو بھی چاہیے کہ عورت کو پردہ پوشی کا حکم دے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ۱ ص ۵۶۶، الدر المختار ورد المحتار، کتاب الطلاق، باب اللعان، ج ۵ ص ۱۵۴)

مسئلہ ۵: عورت کے مر جانے کے بعد اس کو تہمت لگائی اور اس عورت کی دوسرے شوہر سے اولاد ہے جس کے نسب میں اس کی تہمت کی وجہ سے خرابی پڑتی ہے، اس نے مطالبہ کیا اور شوہر ثبوت نہ دے سکا تو حد قذف قائم کی جائے اور اگر دوسرے سے اولاد نہیں بلکہ اسی کی اولادیں ہیں تو حد قائم نہیں ہو سکتی۔ (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب اللعان، ج ۵ ص ۱۵۳)

مسئلہ ۶: مرد و عورت دونوں کافر ہوں یا عورت کافرہ یا دونوں مملوک ہوں یا ایک یا دونوں میں سے ایک مجنون ہو یا نابالغ یا کسی پر حد قذف قائم ہوئی ہے تو لعان نہیں ہو سکتا اور اگر دونوں اندھے یا فاسق ہوں یا ایک تو ہو سکتا ہے۔

(الدر المختار، ورد المحتار، کتاب الطلاق، باب اللعان ج ۵ ص ۱۵۲)

مسئلہ ۷: شوہر اگر تہمت لگانے سے انکار کرتا ہے اور عورت کے پاس دو مرد گواہ بھی نہ ہوں تو شوہر سے قسم نہ کھلائی جائے اور اگر قسم کھلائی گئی اس نے قسم کھانے سے انکار کیا تو حد قائم نہ کریں۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب اللعان، ج ۵ ص ۱۵۵)

مسئلہ ۸: شوہر نے تہمت لگائی، اور اب لعان سے انکار کرتا ہے تو قید کیا جائے گا یہاں تک کہ لعان کرے یا کہے: میں نے جھوٹ کہا تھا، اگر جھوٹ کا اقرار کرے تو اس پر حد قذف قائم کریں اور شوہر نے لعان کے الفاظ ادا کر لیے تو ضرور ہے کہ عورت بھی ادا کرے ورنہ قید کی جائے گی، یہاں تک کہ لعان کرے یا شوہر کی تصدیق کرے اور اب لعان نہیں ہو سکتا نہ آئندہ تہمت لگانے سے شوہر پر حد قذف قائم ہوگی مگر عورت پر تصدیق شوہر کی وجہ سے حد زنا بھی قائم نہ ہوگی جب کہ فقط اتنا کہا ہو کہ وہ سچا ہے اور اگر اپنے زنا کا اقرار کیا تو بشرائط اقرار زنا حد زنا قائم ہوگی۔ (الدر المختار، ورد المحتار، کتاب الطلاق، باب اللعان ج ۵ ص ۱۵۵)

مسئلہ ۹: شوہر کے ناقابل شہادت ہونے کی وجہ سے اگر لعان ساقط ہو مثلاً غلام ہے یا کافر یا اس پر حد قذف لگائی جا چکی ہے تو حد قذف قائم کی جائے بشرطیکہ عاقل بالغ ہو، اور اگر لعان کا ساقط ہونا عورت کی جانب سے ہے کہ وہ اس قابل نہیں مثلاً کافرہ ہے یا باندی یا محدودہ فی القذف یا وہ ایسی ہے کہ اس پر تہمت لگانے والے کے لیے حد قذف نہ ہو، یعنی عفیفہ نہ ہو تو شوہر پر حد قذف نہیں تعزیر ہے مگر جب کہ عفیفہ نہ ہو اور علانیہ زنا کرتی ہو تو تعزیر بھی نہیں اور اگر دونوں محدود فی القذف (یعنی دونوں کو تہمت زنا کی سزا

مل چکی ہو) ہوں تو شوہر پر حد قذف ہے۔(الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الطلاق، باب اللعان، ج ۵ ص ۱۵۵، ۱۵۷)

مسئلہ ۱۰: اگر عورت سے کہا: تو نے بچپن میں زنا کیا تھا یا حالت جنون میں اور یہ بات معلوم ہے کہ عورت کو جنون تھا تو نہ لعان ہے، نہ شوہر پر حد قذف اور اگر کہا: تو نے حالت کفر میں یا جب تو کنیز تھی اس وقت زنا کیا تھا یا کہا: چالیس (۴۰) برس ہوئے کہ تو نے زنا کیا حالانکہ عورت کی عمر اتنی نہیں تو ان صورتوں میں لعان ہے۔(الدرالمختار، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ۱ ص ۵۱۵)

مسئلہ ۱۱: عورت سے کہا: اے زانیہ یا تو نے زنا کیا یا میں نے تجھے زنا کرتے دیکھا تو یہ سب الفاظ صریح ہیں، ان میں لعان ہوگا اور اگر کہا: تو نے حرام کاری کی یا تجھ سے حرام طور پر جماع کیا گیا یا تجھ سے لواطت کی گئی تو لعان نہیں۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ۱ ص ۵۱۵)

مسئلہ ۱۲: لعان کا حکم یہ ہے کہ اس سے فارغ ہوتے ہی اس شخص کو اس عورت سے وطی حرام ہے، مگر فقط لعان سے نکاح سے خارج نہ ہوئی بلکہ لعان کے بعد حاکم اسلام تفریق کردے گا اور اب مطلقہ بائن ہوگئی، لہٰذا بعد لعان اگر قاضی نے تفریق نہ کی ہو تو طلاق دے سکتا ہے ایلاء وظہار کرسکتا ہے، دونوں میں سے کوئی مرجائے تو دوسرا اس کا ترکہ پائے گا، اور لعان کے بعد اگر وہ دونوں علیحدہ نہ ہونا چاہیں جب بھی تفریق کردی جائے گی۔(الجوہرۃ النیرہ، کتاب اللعان، الجزء الثانی ص ۹۲)

مسئلہ ۱۳: اگر لعان کی ابتداء قاضی نے عورت سے کرائی تو شوہر کے الفاظ لعان کہنے کے بعد عورت سے پھر کہلوائے اور دوبارہ عورت سے نہ کہلوائے اور تفریق کردی تو ہوگئی۔(الجوہرۃ النیرہ، کتاب اللعان، الجزء الثانی ص ۹۲)

مسئلہ ۱۴: لعان ہوجانے کے بعد ابھی تفریق نہ کی تھی کہ خود قاضی کا انتقال ہوگیا یا معزول ہوگیا اور دوسرا اس کی جگہ مقرر کیا گیا تو یہ قاضی دوم اب پھر لعان کرائے۔(الجوہرۃ النیرہ، کتاب اللعان، الجزء الثانی ص ۹۲)

مسئلہ ۱۵: تین تین بار دونوں نے الفاظ لعان کہے تھے یعنی ابھی پورا لعان نہ ہوا تھا کہ قاضی نے غلطی سے تفریق کردی تو تفریق ہوگئی مگر ایسا کرنا خلاف سنت ہے اور اگر ایک ایک یا دو دو بار کہنے کے بعد تفریق کی تو تفریق نہ ہوئی اور اگر صرف شوہر نے الفاظ لعان ادا کیے عورت نے نہیں اور قاضی غیر حنفی نے (جس کا یہ مذہب ہو کہ صرف شوہر کے لعان سے تفریق ہوجاتی ہے) تفریق کردی تو جدائی ہوئی، اور قاضی حنفی ایسا کرے گا تو اس کی قضا نافذ نہ ہوگی کہ یہ اس کے مذہب کے خلاف ہے اور خلاف مذہب حکم کرنے کا اسے حق نہیں۔(الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب اللعان ج ۵ ص ۱۶۰)

مسئلہ ۱۶: لعان کے بعد ابھی تفریق نہیں ہوئی ہے اور دونوں یا ایک کو کوئی ایسا امر لاحق ہوا کہ لعان سے پیشتر ہوتا تو لعان ہی نہ ہوتا مثلاً ایک یا دونوں گونگے یا مرتد ہوگئے یا کسی کو تہمت لگائی اور حد قذف قائم ہوئی یا ایک نے اپنی تکذیب کی یا عورت سے وطی حرام کی گئی تو لعان باطل ہوگیا، لہٰذا قاضی اب تفریق نہ کرے گا اور اگر دونوں میں سے کوئی مجنون ہوگیا تو لعان ساقط نہ ہوگا، لہٰذا تفریق کردے گا، اور اگر بوہرا ہوگیا جب بھی تفریق کردے گا اور اگر مرد نے الفاظ لعان کہہ لیے تھے اور عورت نے ابھی نہیں کہے تھے کہ بوہرا ہوگیا یا عورت بوہری ہوگئی تو تفریق نہ ہوگی نہ عورت سے لعان کرایا جائے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ۱ ص ۵۱۷)

مسئلہ ۱۷: لعان کے بعد شوہر یا عورت نے تفریق کے لیے کسی کو اپنا وکیل کیا اور غائب ہوگیا تو قاضی وکیل کے سامنے تفریق

کر دے گا، یوہیں اگر بعد لعان چل دیے پھر کسی کو وکیل بنا کر بھیجا تو قاضی اس وکیل کے سامنے تفریق کر دے گا۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ۱ ص ۵۱۷)

مسئلہ ۱۸: لعان کے بعد اگر ابھی تفریق نہ ہوئی جب بھی اس عورت سے وطی ودواعی وطی (یعنی وطی پر ابھارنے والے افعال مثلاً بوس وکنار وغیرہ) حرام ہیں اور تفریق ہوگئی تو عدت کا نفقہ وسکنیٰ یعنی رہنے کا مکان پائے گی اور عدت کے اندر جو بچہ پیدا ہوگا اسی شوہر کا ہوگا اگر دو برس کے اندر بچہ پیدا ہو۔ اور اگر عدت اس عورت کے لیے نہ ہوا ور چھ ماہ کے اندر بچہ پیدا ہو تو اسی شوہر کا قرار پائے گا۔ (الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الطلاق، باب اللعان، مطلب: فی الدعاء۔۔۔ الخ، ج ۵ ص ۱۶۰)

مسئلہ ۱۹: اگر شوہر نے اس بچہ کی نسبت جو اس کے نکاح میں پیدا ہوا ہے اور زندہ بھی ہے، یہ کہا کہ یہ میرا نہیں ہے اور لعان ہوا تو قاضی اس بچہ کا نسب شوہر سے منقطع کر دے گا اور وہ بچہ اب ماں کی طرف منتسب ہوگا، بشرطیکہ علوق (نطفہ ٹھہرنا، حمل ٹھہرنا) ایسے وقت میں ہوا کہ عورت میں صلاحیت لعان ہو، لہٰذا اگر اس وقت باندی تھی اب آزاد ہے یا اس وقت کافرہ تھی اب مسلمان ہے تو نسب منتفی نہ ہوگا (یعنی نسب منقطع نہ ہوگا) اس واسطے کہ اس صورت میں لعان ہی نہیں اور اگر وہ بچہ مر چکا ہے تو لعان ہوگا اور نسب منتفی نہیں ہوسکتا ہے۔ یوہیں اگر دو بچے ہوئے اور ایک مر چکا ہے اور ایک زندہ ہے اور دونوں سے شوہر نے انکار کر دیا یا لعان سے پہلے ایک مر گیا تو اس مردہ کا نسب منتفی نہ ہوگا۔ نسب منتفی ہونے کی چھ شرطیں ہیں:

(۱) تفریق

(۲) وقت ولادت یا اس کے ایک دن یا دو دن بعد تک ہو، دو دن کے بعد انکار نہیں کر سکتا۔

(۳) اس انکار سے پہلے اقرار نہ کر چکا ہو اگرچہ دلالۃً اقرار ہو مثلاً اس کو مبارک باد کہی گئی اور اس نے سکوت کیا یا اس کے لیے کھلونے خریدے۔

(۴) تفریق کے وقت بچہ زندہ ہو۔

(۵) تفریق کے بعد اسی حمل سے دوسرا بچہ نہ پیدا ہو یعنی چھ مہینے کے اندر۔

(۶) ثبوت نسب کا حکم شرعاً نہ ہو چکا ہو، مثلاً بچہ پیدا ہوا اور وہ کسی دودھ پیتے بچہ پر گرا اور یہ مر گیا اور یہ حکم دیا گیا کہ اس بچہ کے باپ کے عصبہ اس کی دیت ادا کریں اور اب باپ یہ کہتا ہے کہ میرا نہیں تو لعان ہوگا اور نسب منقطع نہ ہوگا۔

(الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الطلاق، باب اللعان، جز ۵ ص ۱۶۰)

مسئلہ ۲۰: لعان وتفریق کے بعد پھر اس عورت سے نکاح نہیں کر سکتا، جب تک دونوں اہلیت لعان رکھتے ہوں اور اگر لعان کی کوئی شرط دونوں یا ایک میں مفقود ہوگئی تو اب باہم دونوں نکاح کر سکتے ہیں مثلاً شوہر نے اس تہمت میں اپنے کو جھوٹا بتایا اگرچہ صراحۃً یہ کہا ہو کہ میں نے جھوٹی تہمت لگائی تھی مثلاً وہ بچہ جس کا انکار کر چکا تھا مر گیا اور اس نے مال چھوڑا ترکہ لینے کے لیے یہ کہتا ہے کہ وہ میرا بچہ تھا تو حد قذف قائم ہوگی اور اس کا نکاح اس عورت سے اب ہوسکتا ہے اور اگر حد قذف نہ لگائی گئی جب بھی نکاح ہوسکتا ہے، یوہیں اگر بعد لعان وتفریق کسی اور پر تہمت لگائی اور اس کی وجہ سے حد قذف قائم ہوئی یا عورت نے اس کی تصدیق کی یا عورت سے وطی حرام کی گئی اگرچہ زنا نہ ہو مگر تصدیق زن سے نکاح اس وقت جائز ہوگا جب کہ چار بار ہو اور حد لعان ساقط ہونے کے لیے ایک

بار تصدیق کافی ہے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج۱ ص ۵۲۰)

مسئلہ ۲۱: حمل کی نسبت اگر شوہر نے کہا کہ یہ میرا نہیں تو لعان نہیں، ہاں اگر یہ کہے کہ تو نے زنا کیا ہے اور یہ حمل اسی سے ہے تو لعان ہوگا مگر قاضی اس حمل کو شوہر سے نفی نہ کرے گا۔ (الدر المختار کتاب الطلاق، باب اللعان ج ۵ ص ۱۶۲)

مسئلہ ۲۲: کسی نے اس کی عورت پر تہمت لگائی اس نے کہا: تو نے سچ کہا وہ ویسی ہی ہے جیسا تو کہتا ہے تو لعان ہوگا اور اگر فقط اتنا ہی کہا کہ تو سچا ہے تو لعان نہیں نہ حد قذف۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج۱ ص ۵۱۷)

مسئلہ ۲۳: عورت سے کہا: تجھ پر تین طلاقیں اے زانیہ تو لعان نہیں بلکہ حد قذف ہے اور اگر کہا: اے زانیہ تجھے تین طلاقیں تو نہ لعان ہے نہ حد۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج۱ ص ۵۱۷)

مسئلہ ۲۴: عورت سے کہا: اے زانیہ، زانیہ کی بچی، تو عورت اور اس کی ماں دونوں پر تہمت لگائی، اب اگر ماں بیٹی دونوں ایک ساتھ مطالبہ کریں تو ماں کا مطالبہ مقدم قرار دے کر حد قذف قائم کریں گے اور لعان ساقط ہو جائے گا اور اگر ماں نے مطالبہ نہ کیا اور عورت نے کیا تو لعان ہوگا، پھر بعد میں اگر ماں نے مطالبہ کیا تو حد قذف قائم کریں گے اور اگر صورت مذکورہ میں عورت کی ماں مرچکی ہے اور عورت نے دونوں مطالبے کیے تو ماں کی تہمت پر حد قذف قائم کریں گے اور لعان ساقط اور اگر صرف اپنا مطالبہ کیا تو لعان ہوگا، یوہیں اگر اجنبیہ پر تہمت لگائی، پھر اس سے نکاح کر کے پھر تہمت لگائی اور عورت نے لعان و حد دونوں کا مطالبہ کیا تو حد ہوگی اور لعان ساقط اور اگر لعان کا مطالبہ کیا اور لعان ہوا، پھر حد کا مطالبہ کیا تو حد بھی قائم کریں گے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج۱ ص ۵۱۷)

مسئلہ ۲۵: اپنی عورت سے کہا: میں نے جو تجھ سے نکاح کیا اس سے پہلے تو نے زنا کیا یا نکاح سے پہلے میں نے تجھے زنا کرتے دیکھا تو یہ تہمت چونکہ اب لگائی ہے، لہٰذا لعان ہے اور اگر یہ کہا: نکاح سے پہلے میں نے تجھے زنا کی تہمت لگائی تو لعان نہیں بلکہ حد قائم ہوگی۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج۱ ص ۵۱۸)

مسئلہ ۲۶: عورت سے کہا: میں نے تجھے بکر نہ پایا تو نہ حد ہے نہ لعان۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج۱ ص ۵۱۸)

مسئلہ ۲۷: اولاد سے انکار اس وقت صحیح ہے جب مبارک بادی دیتے وقت یا ولادت کے سامان خریدنے کے وقت نفی کی ہو ورنہ سکوت (خاموش رہنا) رضا سمجھا جائے گا اب پھر نفی نہیں ہو سکتی، مگر لعان دونوں صورتوں میں ہوگا اور اگر ولادت کے وقت شوہر موجود نہ تھا تو جب اسے خبر ہوئی نفی کے لیے وہ وقت بمنزلہ ولادت کے ہے (ولادت کے قائم مقام ہے، ولادت کے درجہ میں ہے) شوہر نے اولاد سے انکار کیا اور عورت نے بھی اس کی تصدیق کی تو لعان نہیں ہو سکتا۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب اللعان ج ۵ ص ۱۶۳)

مسئلہ ۲۸: دو بچے ایک حمل سے پیدا ہوئے یعنی دونوں کے درمیان چھ ماہ سے کم کا فاصلہ ہو اور ان دونوں میں پہلے سے انکار کیا دوسرے کا اقرار تو حد لگائی جائے اور اگر پہلے کا اقرار کیا دوسرے سے انکار تو لعان ہوگا بشرطیکہ انکار سے نہ پھرے اور پھر گیا تو حد لگائی جائے مگر بہر حال دونوں ثابت النسب ہیں۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب اللعان، ج ۵ ص ۱۶۳)

مسئلہ ۲۹: جس بچے سے انکار کیا اور لعان ہوا وہ مر گیا اور اس نے اولاد چھوڑی اب لعان کرنے والے نے اس کو اپنا پوتا پوتی قرار

دیا تو وہ ثابت النسب ہے۔ (الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب اللعان، ج ۵ ص ۱۶۶)

مسئلہ ۳۰: اولاد سے انکار کیا اور ابھی لعان نہ ہوا کہ کسی اجنبی نے عورت پر تہمت لگائی اور اس بچہ کو حرامی کہا اس پر حدِ قذف قائم ہوئی تو اب اس کا نسب ثابت ہے اور کبھی منتفی نہ ہوگا۔ (الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب اللعان، ج ۵ ص ۱۶۷)

مسئلہ ۳۱: عورت کے بچہ پیدا ہوا شوہر نے کہا: یہ میرا نہیں یا یہ زنا سے ہے اور کسی وجہ سے لعان ساقط ہو گیا تو نسب منتفی نہ ہوگا حد واجب ہو یا نہیں، یوہیں اگر دونوں اہل لعان ہیں مگر لعان نہ ہوا تو نسب منتفی نہ ہوگا۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ۱ ص ۵۱۹)

مسئلہ ۳۲: نکاح کیا مگر ابھی دخول نہ ہوا بلکہ ابھی عورت کو دیکھا بھی نہیں اور عورت کے بچہ پیدا ہوا، شوہر نے اس سے انکار کیا تو لعان ہو سکتا ہے اور بعد لعان وہ بچہ ماں کے ذمہ ہوگا اور پورا مہر دینا ہوگا۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان، ج ۱ ص ۵۱۹، ۵۲۰)

مسئلہ ۳۳: لعان کے سبب جس لڑکے کا نسب عورت کے شوہر سے منقطع کر دیا گیا، بعض باتوں میں اس کے لیے نسب کے احکام ہیں مثلاً وہ اپنے باپ کے لیے گواہی دے تو مقبول نہیں، نہ باپ کی گواہی اس کے لیے مقبول، نہ وہ اپنے باپ کو زکوۃ دے سکے، نہ باپ اس کو، اور اس لڑکے کے بیٹے کا نکاح باپ کی اس لڑکی سے جو دوسری عورت سے ہے نہیں ہو سکتا یا عکس ہو جب بھی نہیں ہو سکتا اور اگر باپ نے اس کو مار ڈالا تو قصاص نہیں، اور دوسرا شخص یہ کہے کہ یہ میرا لڑکا ہے تو اس کا نہیں ہو سکتا اگرچہ یہ لڑکا بھی اپنے کو اس کا بیٹا کہے بلکہ تمام باتوں میں وہی احکام ہیں جو ثابت النسب کے ہیں، صرف دو باتوں میں فرق ہے، ایک یہ کہ ایک دوسرے کا وارث نہیں دوسرے یہ کہ ایک کا نفقہ دوسرے پر واجب نہیں۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الحادی عشر فی اللعان ج ۱ ص ۵۲۱، الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب اللعان ج ۵ ص ۱۶۷)

(بہارِ شریعت حصہ ہشتم جلد دوم، ص ۲۱۸-۲۲۷، مکتبۃ المدینہ، دعوت اسلامی ۱۴۳۰ھ)

۳۷۔ بَابٌ: إِذَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ تَزَوَّجَتْ بَعْدَ الْعِدَّةِ زَوْجًا غَيْرَهُ فَلَمْ يَمَسَّهَا

جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، پھر اس عورت نے عدت کے بعد اس کے علاوہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کر لیا، سو اس نے اس سے جماع نہیں کیا

تین طلاقوں کے بعد عورت کا دوسرے خاوند پر بغیر شرعی حلالہ کے نکاح کے لیے حلال نہ ہونا

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب لعان کرنے والے نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پھر اس نے لعان کے بعد جب اس کی عدت پوری ہو گئی تو اس نے کسی اور مرد سے نکاح کر لیا جس نے اس سے جماع نہیں کیا، امام بخاری نے اس عنوان کا جواب نہیں لکھا اور اس کا جواب محذوف ہے، اور اصل عبارت یوں ہے کہ کیا اب یہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو گی، اگر دوسرے شوہر نے اس عورت کو طلاق دے دی، اس سے پہلے کہ وہ اس کے ساتھ جماع کرتا اور وہ عبارت اس طرح ہے، کہ یہ

عورت اب پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہے مگر اس صورت میں کہ جب دوسرا شوہر اس کو طلاق دے اور وہ اس کے ساتھ جماع کر چکا ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۱۷ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ حَدَّثَنَا يَحْيَى حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ عَائِشَةَ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم ح حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ حَدَّثَنَا عَبْدَةُ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها أَنَّ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيَّ تَزَوَّجَ امْرَأَةً ثُمَّ طَلَّقَهَا فَتَزَوَّجَتْ آخَرَ فَأَتَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرَتْ لَهُ أَنَّهُ لَا يَأْتِيهَا وَأَنَّهُ لَيْسَ مَعَهُ إِلَّا مِثْلُ هُدْبَةٍ فَقَالَ لَا حَتَّى تَذُوقِي عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوقَ عُسَيْلَتَكِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن علی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے میرے والد نے حدیث بیان کی از حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا، از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ح ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے حدیث بیان کی، از ہشام از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت رفاعہ القرظی رضی اللہ عنہ نے ایک عورت (حضرت تمیمہ بنت وہب رضی اللہ عنہا) سے نکاح کیا، پھر انہوں نے اس کو (تین) طلاقیں دے دیں، پھر اس عورت نے کسی اور مرد سے نکاح کر لیا (یعنی حضرت عبد الرحمٰن بن زبیر) سے نکاح کر لیا، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے بیان کیا کہ ان کے یہ دوسرے خاوند ان سے جماع نہیں کر سکتے اور ان کے پاس تو صرف کپڑے کے ایک پلو کی مثل ہے تو آپ نے فرمایا: نہیں حتیٰ کہ تم ان کی مٹھاس چکھ لو اور وہ تمہاری مٹھاس چکھ لیں۔

صحیح البخاری: ۲۶۳۹، ۵۲۶۰، ۵۲۶۱، ۵۲۶۵، ۵۳۱۷، ۵۷۹۲، ۵۸۲۵، ۶۰۸۴، صحیح مسلم: ۱۴۳۳، سنن ترمذی ۱۱۱۸، سنن نسائی: ۳۲۸۳، سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۲، مسند احمد: ۲۳۵۷۸، سنن دارمی: ۲۲۶۷)

صحیح البخاری کی دوسری روایت کی تفصیل

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت رفاعہ القرظی کی بیوی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں، سو بیان کیا کہ میں حضرت رفاعہ کے نکاح میں تھی، انہوں نے مجھ کو تین طلاقیں دے دیں، پس میں نے حضرت عبد الرحمٰن بن الزبیر سے نکاح کر لیا اور ان کے پاس تو صرف کپڑے کے پلو کی مثل تھا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کیا تم رفاعہ کی طرف واپس جانا چاہتی ہو؟ نہیں، حتیٰ کہ تم اس کی مٹھاس کو چکھ لو اور وہ تمہاری مٹھاس کو چکھ لے، حضرت ابو بکر اس وقت وہاں بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت خالد بن سعید بن العاص دروازے پر کھڑے تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ اس عورت کے لیے کیا حکم دیا جاتا ہے، تو حضرت خالد نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا: اے ابو بکر کیا آپ نہیں سن رہے کہ یہ عورت کس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بے حیائی سے باتیں کر رہی ہے؟۔ (صحیح البخاری: ۲۶۳۹)

تین طلاقوں کا ذکر، اور یہ کہ تین طلاقوں کے بعد عورت پہلے خاوند کیلئے حلال نہیں ہے جب تک کہ دوسرا خاوند اس کے ساتھ جماع نہ کرلے

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يَّتَرَاجَعَاۤ اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۰)

پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرلے، پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس (طلاق کی عدت کے بعد) پھر باہم رجوع کرلیں، اگر ان کا یہ گمان ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود قائم رکھ سکیں گے، یہ اللہ کی حدود ہیں جن کو اللہ ان لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے جو علم والے ہیں O

اس آیت کا ظاہر معنی یہ ہے کہ جس مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، جب وہ دوسرے مرد سے نکاح کرلے اور پھر دوسرا مرد اس کو طلاق دے دے تو وہ پہلے مرد سے نکاح کر سکتی ہے، پس جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع کیا ہے کہ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب دوسرا خاوند اس عورت سے جماع کرلے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو قبول کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اطاعت کو فرض قرار دیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے استدلال کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب دوسرا شوہر اس عورت سے جماع کرلے۔

اور ہمارے علم کے مطابق تمام اہل علم نے یہ کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ جب تک دوسرا خاوند اس عورت سے جماع نہ کرے وہ عورت پہلے خاوند پر حلال نہیں ہو سکتی، اس میں صرف سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ کا اختلاف ہے، جس کا میں ان شاء اللہ آگے ذکر کروں گا۔ اور ہم نے جو ذکر کیا ہے یہ حضرتِ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما متوفی ۷۸ھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ کا قول ہے۔ اور یہی مسروق اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور اہل مدینہ کا قول ہے اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ کا قول ہے، اور امام مالک کا قول ہے۔ (امام مالک کا مذہب المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۲۱۱، کتاب النکاح میں مذکور ہے) اور فقہاءِ احناف کا مسلک (المبسوط للسرخسی ج ۶ ص ۱۰-۱۱، کتاب الطلاق میں مذکور ہے) اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا بھی یہی قول ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۳۵۷، کتاب الادب)

۲۱۷۷: از سعید بن المسیب، انہوں نے بیان کیا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ عورت پہلے خاوند پر اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ دوسرا خاوند اس کے ساتھ جماع نہ کرلے، اور رہا میں، تو میں یہ کہتا ہوں کہ جب دوسرے خاوند نے اس سے نکاح صحیح کرلیا اور وہ اس نکاح سے یہ ارادہ نہیں کرتا کہ وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس سے پہلا

خاوند نکاح کرسکتا ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۹۸۹)

اور یہ ایسا قول ہے کہ ہمارے علم کے مطابق اہلِ علم میں سے کسی نے اس قول کی موافقت نہیں کی، ہاں! اہلِ خوارج کے طائفہ نے سعید بن مسیب کے قول کی موافقت کی ہے۔

اور علامہ محمد بن ابراہیم ابوبکر النیشا پوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں کہ:

جو چیز سنت سے ثابت ہے وہ اس کے ماسوا تمام چیزوں سے مستغنی ہے۔ (الاوسط من السنن والا جماع والاختلاف ج۹ ص ۲۷۳-۲۷۵)

جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں، وہ پہلے شوہر پر اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ دوسرا شوہر اس سے جماع نہ کرلے، یہ حکم سنتِ صحیحہ سے ثابت ہے اور اس میں صرف سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ کا اختلاف ہے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، حدیث صحیح البخاری: ۵۳۱۶ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں وہ اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی حتیٰ کہ دوسرا خاوند اس سے مجامعت کرنے کے بعد اس کو طلاق دے دے، اور حدیث میں جو الفاظ ہیں کہ تم اس کی مٹھاس چکھ لو اور وہ تمہاری مٹھاس چکھ لے، تو اس سے مراد یہ ہے کہ دوسرا شوہر اس عورت سے جماع کرلے۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشا پوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ:

تمام فقہاء کی جماعت کا یہی مسلک ہے، سوائے سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ کے، انہوں نے کہا کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ وہ عورت پہلے خاوند کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ دوسرے شوہر کے ساتھ جماع نہ کرلے اور میں یہ کہتا ہوں کہ جب دوسرے مرد نے اس کے ساتھ نکاحِ صحیح کرلیا اور اس نکاح سے مراد اس عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال کرنا نہیں تھا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ اب اس عورت سے پہلا خاوند نکاح کرلے اور ہمارے علم کے مطابق سعید بن المسیب کے اس قول کی اہل علم میں سے کسی نے موافقت نہیں کی، سوائے خوارج کی ایک جماعت کے اور جو چیز سنت سے ثابت ہے وہ اس کے ماسوا سے مستغنی ہے۔

اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ میرا گمان یہ ہے کہ سعید بن مسیب کو حدیث العُسیلہ نہیں پہنچی، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم رفاعہ القرظی کی طرف رجوع نہیں کرسکتیں، حتیٰ کہ عبد الرحمٰن بن الزبیر تمہاری مٹھاس چکھ لے اور تم اس کی مٹھاس چکھ لو۔

سعید بن المسیب نے ظاہرِ قرآن کے اوپر عمل کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۗ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَنْ يَّتَرَاجَعَآ إِنْ ظَنَّآ أَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ (البقرۃ: ۲۳۰)

پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرلے پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس

(طلاق کی عدت کے بعد) پھر باہم رجوع کرلیں، اگر ان کا یہ گمان ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود قائم رکھ سکیں گے، یہ اللہ کی حدود ہیں جن کو اللہ ان لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے جو علم والے ہیں O

حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کا شاذ قول

اور قرآن مجید میں یہ ذکر نہیں ہے کہ دوسرا شوہر اس عورت کے ساتھ جماع کرے تب وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہوگی، اور سعید بن مسیب سے اس مسئلہ کے متعلق جو حدیث مروی ہے، وہ ان سے غائب رہی۔ اور اسی طرح حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کا بھی قول شاذ ہے، کیونکہ انہوں نے کہا کہ وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی حتیٰ کہ دوسرا شوہر اس کے ساتھ وطی کرلے ایسی وطی جس میں انزال بھی ہو، اور انہوں نے کہا: مٹھاس چکھنے کا معنی ہے: انزال اور باقی تمام فقہاء نے حسن بصری کی مخالفت کی ہے اور انہوں نے کہا کہ التقاء الختنین یعنی دو شرمگاہوں کا ملنا یہ سبب ہے پہلے خاوند کے لیے اس عورت کے حلال ہونے کا جس چیز سے حد واجب ہوتی ہے اور جس چیز سے غسل واجب ہوتا ہے اور جس چیز سے روزہ فاسد ہوتا ہے اور جس چیز سے پورا مہر واجب ہوتا ہے وہ مطلقہ کو حلال کر دیتا ہے اور عُسیلہ یعنی مٹھاس کو چکھنا یہ لذت سے کنایہ ہے۔

اگر عورت کی لاعلمی میں دوسرے شوہر نے اس سے جماع کیا تب بھی مٹھاس چکھنے کا تقاضا پورا نہیں ہوگا

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا:

بعض اہل علم نے کہا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ حتیٰ کہ تم اس کی مٹھاس چکھ لو اور وہ تمہاری مٹھاس چکھ لے، اس کے متعلق بعض اہل علم نے کہا ہے کہ جب دوسرا شوہر اس بیوی کے پاس گیا جب وہ بیوی سو رہی تھی یا بیوی بے ہوش تھی اور اس کو پتا نہیں تھا کہ کیا ہو رہا ہے، اس صورت کے اندر وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی، حتیٰ کہ وہ دونوں اس عمل کی مٹھاس چکھ لیں، کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ نبی ﷺ مٹھاس چکھنے کے معاملہ میں ان دونوں کو برابر قرار دیں، اور ان میں سے کوئی ایک مٹھاس چکھ لے تو وہ عورت پہلے خاوند کے اوپر حلال ہو جائے، اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، اور حضرت جابر بن عبداللہ متوفی ۷۸ھ، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفی ۵۷ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کا قول ہے، اور علماء کی ایک جماعت کا یہی قول ہے اور اس میں سعید بن المسیب کے سوا اور کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

جس وطی سے عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جاتی ہے، اس وطی کی صفت میں فقہاء کا اختلاف

جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں وہ عورت پہلے خاوند کے لیے اس وقت حلال ہوگی جب دوسرا خاوند اس کے ساتھ جماع کرلے۔ اس کے متعلق امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا: اس سے مراد وطی مباح ہے، پس اگر اس نے روزے کی حالت میں جماع کیا یا اعتکاف کی حالت میں جماع کیا یا عورت کے حیض یا نفاس کی حالت میں جماع کیا تو پھر جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں وہ اس جماع کی وجہ سے اپنے پہلے خاوند کے اوپر حلال نہیں ہوگی۔ اور نہ ان کے نزدیک ذمی عورت ذمی کی وطی سے حلال ہوگی۔ اور اگر نابالغ بچے نے جب اس عورت سے وطی کی تب بھی وہ عورت پہلے خاوند کے اوپر حلال نہیں ہوگی۔

فقہاء احناف، امام اوزاعی اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ ھ نے کہا ہے: ہر وہ مرد جس نے نکاحِ صحیح کے ساتھ اس عورت سے وطی کی جس کو تین طلاقیں دی گئی تھیں تو وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی، اور اسی طرح اگر دوسرے خاوند نے اس عورت سے اس حال میں جماع کیا جب وہ محرمہ تھی یعنی احرام میں تھی یا روزہ دار تھی یا حائضہ تھی یا کسی نابالغ بچے نے اس کے ساتھ وطی کی جو قریبِ بلوغ تھا تو ان تمام صورتوں میں وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی، اور ذمی عورت مسلمان کے لیے ذمی خاوند کے وطی کرنے کی وجہ سے حلال ہو جائے گی، اور ابن الماجشون نے ان تمام صورتوں میں کہا کہ وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔

جس مرد نے تین طلاق یافتہ عورت کو پہلے خاوند پر حلال کرنے کیلئے عقدِ نکاح کیا اس کے متعلق فقہاء کا اختلاف

امام مالک نے کہا: دوسرا خاوند تین طلاق یافتہ عورت کو پہلے خاوند کے لیے اسی وقت حلال کر سکتا ہے جب وہ از خود اپنی رغبت سے اس عورت سے نکاح کرے اور اگر اس نے اس قصد سے اس عورت سے نکاح کیا کہ وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے تو اس قصد سے وہ عورت پہلے شوہر پر حلال نہیں ہوگی خواہ اس بات کا علم شوہر اور بیوی کو ہو، یا ان کو اس کا علم نہ ہو، تو ایسی صورت میں وہ پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی اور دخول سے پہلے اور دخول کے بعد وہ نکاح فسخ ہو جائے گا، اور یہ اللیث، الثوری، الاوزاعی اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ کا قول ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ ھ اور ان کے اصحاب اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ ھ نے کہا ہے: اس صورت میں نکاح جائز ہے اور اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے اس نکاح کو برقرار رکھے اور یہی عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ ھ اور الحکم کا قول ہے۔

اور القاسم اور سالم اور عروہ اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ ھ کا قول ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ دوسرا خاوند تین طلاق یافتہ عورت سے نکاح کر لے تاکہ اس کو پہلے خاوند کے لیے حلال کر دے جب اس عورت اور اس کے خاوند کو اس کا علم نہ ہو اور اس کو اس کی نیت کی وجہ سے اجر ملے گا اور یہ ربیعہ اور یحییٰ بن سعید کا قول ہے۔

حلالہ کے عدمِ جواز پر دلائل

امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ ھ اور حضرت عقبہ بن عامر الجہنی متوفی ۵۸ ھ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ محلل اور محلل لہ پر لعنت فرماتا ہے، یعنی جو مرد کسی عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال کرتا ہے اور جس کے لیے اس عورت کو حلال کیا جاتا ہے، ان دونوں پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے۔ اور حضرت عقبہ بن عامر متوفی ۵۸ ھ کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں کیا تم کو میں یہ نہ بتاؤں کہ "التیس المستعار" کون ہے یعنی وہ بکرا جس کو بکری کو گابھن کرنے کے لیے کرایہ پر لیا گیا ہو، تو حضرت عقبہ بن عامر نے فرمایا کہ التیس المستعار المحلل ہے یعنی جو شخص تین طلاق یافتہ عورت کو پہلے خاوند پر حلال کرنے کے لیے نکاح کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو المحلل پر لعنت فرمائی ہے تو وہ صرف اس لیے فرمائی ہے کہ یہ نکاح فاسد ہے اور آپ نے ایسے نکاح کرنے سے ڈرایا ہے اور منع فرمایا ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے المحلل کے نکاح کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ یہ زنا ہے۔

تین طلاق یافتہ عورت کے نکاح کی زوجِ ثانی کی تحلیل کے جواز کے متعلق فقہاء احناف کے دلائل

فقہاء احناف نے قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ‌ؕ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَآ اَنۡ يَّتَرَاجَعَآ اِنۡ ظَنَّآ اَنۡ يُّقِيۡمَا حُدُوۡدَ اللّٰهِ‌ؕ وَتِلۡكَ حُدُوۡدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۰)

پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کر لے، پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس (طلاق کی عدت کے بعد) پھر باہم رجوع کر لیں، اگر ان کا یہ گمان ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود قائم رکھ سکیں گے، یہ اللہ کی حدود ہیں جن کو اللہ ان لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے جو علم والے ہیں O

اور یہ شرط پائی گئی جب دوسرے شوہر نے تین طلاق یافتہ عورت سے عقدِ نکاح کیا تو اب وہ تین طلاق یافتہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہوگئی اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ دوسرے شوہر نے عقدِ نکاح کے وقت تحلیل کی نیت کی یا نہ کی ہو، یعنی اس نے یہ نیت کی ہو کہ وہ اس تین طلاق یافتہ عورت کو اس کے پہلے خاوند کے لیے حلال کر رہا ہے یا اس نے یہ نیت نہ کی ہو، اس میں کوئی فرق نہیں ہے، فقہاء احناف نے کہا: کیا تم نہیں دیکھتے کہ عقدِ نکاح جماع کو مباح کر دیتا ہے اور مہر کو واجب کرتا ہے اور نفقہ یعنی بیوی کے خرچ کو واجب کرتا ہے اور طلاق کی تحلیل کو واجب کرتا ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ اس میں حلالہ کی نیت کرے یا نہ کرے۔ پس وہ یہ کہے کہ میں اس تین طلاق یافتہ عورت سے نکاح کرتا ہوں تا کہ میں اس کے ساتھ جماع کروں۔ خواہ وہ یہ نیت کرے یا نیت نہ کرے تو وہ تین طلاق یافتہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔

اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عورت کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے حقِ جماع کا مطالبہ کرے اور اس کے لیے یہ بھی جائز ہے کہ وہ فسخِ نکاح کا دعویٰ کرے اور یہ اس وقت ہوگا کہ جب وہ عورت اپنے قول سے یہ دعویٰ کرے کہ اس کا خاوند نامرد ہے اور عورت یہ ارادہ نہ کرے کہ اس نے اپنے شوہر کو صرف کپڑے کے پلو کی طرح پایا ہے۔ اس قول سے اُس عورت کی مراد یہ تھی کہ اس مرد کا آلہ کمزور ہے اور ڈھیلا ہے، اس میں سختی اور انتشار نہیں ہے حتیٰ کہ وہ دخول کر سکے اور یہ چیز از ایوب از عکرمہ کی روایت سے ظاہر ہوگئی کیونکہ اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں اس مرد کے اوپر یعنی حضرت عبد الرحمٰن بن زبیر رضی اللہ عنہ کے متعلق کسی گناہ کا دعویٰ نہیں کرتی مگر ان کے ساتھ وہ چیز نہیں ہے جس سے کسی عورت کی تسلی ہو سکے اور وہ اس چیز کے ساتھ عورت کے اندر دخول کو سرانجام دے سکے، پھر اس نے اپنے کپڑے کے پلو کو پکڑا، پھر اس نے کہا: یا رسول اللہ! یہ تو صرف ایک چمڑے کے ٹکڑے کی طرح ہے، اگر میں نے غلط کہا ہو تو میں جھوٹی ہوں۔

جب کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے اور وہ عورت اس سے جماع کا مطالبہ کرے، اس مسئلہ میں فقہاء اسلام کی آراء

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ ایک مرد کسی عورت سے نکاح کرتا ہے اور وہ عورت اس سے جماع کا مطالبہ کرتی ہے تو اکثر اہل علم کے نزدیک جب اس مرد نے اس عورت سے ایک مرتبہ جماع کر لیا تو اس کو نامردی کے علاج کی مہلت نہیں دی جائے گی، یہ قول عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۲۴ھ اور طاؤس بن یمانی متوفی ۱۰۶ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ سے منقول ہے اور یہی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ بن مخلد متوفی ۲۳۸ھ کا مذہب ہے۔ اور ابوثور نے بعض اہل الاثر سے یہ روایت کی ہے کہ جب بھی مرد اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرنے سے رک گیا تو اسے ایک سال کی مہلت دی جائے گی، کیونکہ اس عورت کے لیے اس سے زیادہ مدت کے لیے جماع کے علاج کے لیے کوئی لائق قناعت مہلت نہیں ہے۔

اور ابوثور نے کہا: جب مرد نے ایک مرتبہ عورت سے جماع کر لیا، پھر رک گیا، پھر عورت نے اس کے خلاف مقدمہ پیش کیا تو اس عورت کے لیے مرد کو ایک سال کی مہلت دی جائے گی، اس کی وجہ یہ ہے کہ نامردی میں علاج کے لیے اتنی ہی مدت کی مہلت ہوتی ہے، اور میں اس میں یہ غور نہیں کرتا کہ یہ نکاح کے اول میں ہو یا نکاح کے آخر میں ہو، علت بہر حال موجود ہوگی اور یہ جماع کے حقوق میں سے ہے۔ پس جب بھی جماع سے ممانعت کسی بیماری کی وجہ سے ہو تو اس کا حکم وہی ہوگا جو نامرد کا حکم ہوتا ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۳۸۹-۳۹۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حضرت رفاعہ القرظی رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تفصیل

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری: ۵۳۱۷ کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام محمد بن اسماعیل متوفی ۲۵۶ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدہ نے حدیث بیان کی از ہشام از والد خود از حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت رفاعہ القرظی رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے نکاح کیا، پھر اس عورت کو طلاق دے دی، پھر اس عورت نے کسی اور مرد سے نکاح کیا، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے آپ سے یہ واقعہ بیان کیا کہ اس کے دوسرے شوہر یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ، ان سے جماع کرنے پر قادر نہیں ہیں اور ان کے پاس تو صرف کپڑے کے پلو کی مثل ہے۔ تو آپ نے فرمایا: تم اپنے پہلے شوہر کی طرف نہیں جا سکتیں، حتیٰ کہ تمہارا دوسرا شوہر تمہاری مٹھاس کو چکھ لے اور تم اس کی مٹھاس کو چکھ لو۔

(صحیح البخاری: ۵۳۱۷، صحیح مسلم: ۱۴۳۳، فتح الباری ج ۹ ص ۴۶۴)

یہ حدیث صحیح البخاری: ۵۲۶۰ میں زیادہ وضاحت کے ساتھ گزر چکی ہے۔

حدیث مذکور کے مسائل

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس عورت کو تین طلاقیں دے دی گئی ہوں وہ اپنے پہلے شوہر کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ دوسرا شوہر اس سے جماع کرنے کے بعد اس کو طلاق نہ دے، جیسا کہ ابھی گزرا ہے، اور تمام محدثین اور فقہاء کا اسی

پر اتفاق ہے، سوائے سعید بن المسیب المتوفی ۹۰ ھ کے اور ہمارے علم میں نہیں ہے کہ کسی فقیہ نے سعید بن مسیب کے قول کی موافقت کی ہو اور اس کا قول قابلِ شمار ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بھی حاکم ہے، اسی کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا اور ہوسکتا ہے کہ سعید بن مسیب تک حضرت رفاعہ القرظی کی بیوی کی حدیث نہ پہنچی ہو اور اس حدیث میں جو ذکر ہے "حتیٰ کہ وہ تمہاری مٹھاس چکھ لے اور تم اس کی مٹھاس چکھ لو"، یہ لذت سے کنایہ ہے۔

تین طلاق یافتہ عورت جس جماع کے بعد پہلے شوہر پر حلال ہو جاتی ہے اس جماع کی کیفیت میں فقہاءِ اسلام کی آراء

تین طلاق یافتہ عورت جس جماع کے بعد پہلے شوہر پر حلال ہو جاتی ہے اس جماع کی صفت کے متعلق امام مالک متوفی ۱۷۹ ھ نے کہا ہے: صرف وطئ مباح اور جائز جماع ہی اس عورت کو پہلے خاوند کے لیے حلال کرسکتا ہے، پس اگر دوسرے شوہر نے روزے کی حالت میں عورت سے جماع کیا یا حالتِ اعتکاف کے اندر عورت سے جماع کیا یا دورانِ حج عورت سے جماع کیا یا عورت سے اس کی حالتِ حیض میں جماع کیا یا حالتِ نفاس میں جماع کیا تو وہ مرد اس عورت کو اس کے پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں کرسکے گا۔ اسی طرح ذمی عورت بھی ذمی کے وطی کرنے سے پہلے خاوند پر حلال نہیں ہوگی اور جو نابالغ بچہ اپنی بیوی جماع سے کرے تو وہ بھی اس عورت کو اس کے پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں کرسکے گا۔

اور فقہاءِ کوفہ اور امام اوزاعی اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ ھ نے کہا ہے کہ ہر خاوند کا جماع جب کہ وہ نکاحِ صحیح کے ساتھ ہو اس عورت کو اس کے پہلے خاوند پر حلال کردے گا اور اسی طرح اگر اس کے دوسرے خاوند نے اس عورت سے اس کی حالتِ احرام میں جماع کیا، پھر بھی اس جماع سے وہ عورت پہلے خاوند پر حلال ہو جائے گی یا وہ عورت روزے دار تھی یا کسی قریب بہ بلوغ لڑکے نے اس کے ساتھ جماع کیا جو ابھی بالغ نہیں ہوا تھا تب بھی وہ اس عورت کو اس کے پہلے خاوند کے لیے حلال کردے گا۔ اسی طرح ذمی عورت مسلمان کی وطی کرنے سے اپنے پہلے خاوند کے اوپر حلال ہو جائے گی خواہ اس کے ذمی شوہر نے اس کے ساتھ وطی کی ہو، اور ابنِ ماجشون نے بھی ان تمام اقوال کو اختیار کیا ہے۔

حلالہ کے لیے کیے ہوئے نکاح کے متعلق فقہاءِ اسلام کی آراء

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ھ نے کہا: زوجِ ثانی کے نکاح سے وہ عورت زوجِ اول پر اسی وقت حلال ہوگی جب زوجِ ثانی اپنی رغبت سے اس عورت کے ساتھ نکاح کرے اور اگر اس نے حلالہ کرنے کے قصد سے اس عورت سے نکاح کیا تو پھر وہ عورت زوجِ اول کے لیے حلال نہیں ہوگی خواہ شوہر اور بیوی دونوں کو اس بات کا علم ہو یا ان دونوں کو اس بات کا علم نہ ہو، ایسی صورت میں زوجِ ثانی کا نکاح کرنا اور اس عورت سے جماع کرنا اس عورت کو زوجِ اول کے لیے حلال نہیں کرے گا اور وہ نکاح دخول سے پہلے اور دخول کے بعد فسخ ہو جائے گا اور یہ لیث، ثوری، اوزاعی اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ کا قول ہے۔ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ ھ اور ان کے اصحاب اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ ھ نے کہا ہے کہ یہ نکاح جائز ہے اور زوجِ ثانی کے لیے جائز ہے کہ وہ اس نکاح پر برقرار رہے اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ ھ اور الحکم کا بھی یہی قول ہے۔ (التمہید ج ۱۳ ص ۲۳۰-۲۳۱)

اور قاسم، عُروہ اور عامر بن شراحیل متوفی ۱۰۳ھ نے کہا: اس میں کوئی حرج نہیں ہے اگر زوجِ ثانی اس عورت سے اس لیے عقدِ نکاح کرے تا کہ وہ اس عورت کو زوجِ اول کے لیے حلال کر دے جب کہ شوہر اور اس کی بیوی کو یہ علم نہ ہو کہ وہ ان کے نکاح کو حلال کرنے کے لیے اس عورت سے نکاح کر رہا ہے اور اس کو اس پر اجر دیا جائے گا اور یہ ربیعہ، یحییٰ بن سعید وغیرھم کا قول ہے اور اس کی پہلے اس سے زیادہ وضاحت ہو چکی ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ محلل اور محلل لہ پر لعنت کی گئی ہے یعنی جو مرد کسی عورت کو اس کے پہلے خاوند پر حلال کرنے کے لیے نکاح کرتا ہے اس پر بھی لعنت ہے اور جس کے لیے حلال کرنے کے لیے وہ نکاح کرتا ہے اس مرد پر بھی لعنت ہے، یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ متوفی ۵۸ھ سے منقول ہے۔ (صحیح ابوداؤد للالبانی: ۱۸۱۱)

امام ترمذی نے اس حدیث کی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔

(سنن ترمذی: ۱۱۲۰، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۴۹، مسند احمد ج ۱ ص ۴۴۸، ۴۵۰، سنن دارمی ج ۳ ص ۱۴۵۰)

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے اور شیخ محمد ناصر الدین البانی التوفی ۱۴۲۰ھ، نے اس حدیث کو مشکوٰۃ المصابیح: ۳۲۹۶ میں حدیث صحیح قرار دیا اور اس حدیث کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ (مسند احمد ج ۱ ص ۳۳۳)

اور حضرت عقبہ بن عامر الجہنی التوفی ۵۸ھ نے کہا ہے: کیا میں تمہاری رہنمائی اس کرائے پر لیے ہوئے بکرے پر نہ کروں جو بکری کو گابھن کرنے کے لیے اعارۃً لیا جاتا ہے اور محلل بھی وہی ہوتا ہے۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۹۳۶، المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱۷ ص ۲۹۹، سنن دارقطنی ج ۳ ص ۲۵۱، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۱۹۹)

امام حاکم متوفی ۴۰۵ھ نے کہا ہے: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے اس حدیث کی روایت نہیں کی، اور حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی متوفی ۷۴۸ھ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، اور علامہ عبدالحق نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند حسن ہے۔ (الاحکام الوسطیٰ ج ۳ ص ۱۵۷)

علامہ ابن القطان نے اس پر اعتراض کیا ہے کہ علامہ عبدالحق نے اس حدیث کو صحیح نہیں قرار دیا حسن کہا اور صحیح نہ ہونے کی وجہ بیان نہیں کی۔ (بیان الوہم ج ۳ ص ۸۰۴)

حافظ جمال الدین عبداللہ بن یوسف زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ نے کہا ہے کہ یہ حدیث امام ابن ماجہ کی سند کے ساتھ صحیح ہے۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۳۹)

اور حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ نے کہا ہے: اس حدیث کے تمام رُواۃ کی توثیق کی گئی ہے۔ (الدرایہ لتخریج احادیث الہدایہ، ج ۲ ص ۷۳)

اس حدیث میں دو علتیں بیان کی گئی ہیں:

(۱) اللیث نے مشرح سے کوئی حدیث نہیں سنی اور نہ ان سے کسی چیز کو روایت کیا ہے، یہ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر کا قول ہے جیسا کہ عللِ ابن ابی حاتم ج ۱ ص ۴۱۱ میں مذکور ہے اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ امام حاکم نے کہا ہے کہ ابوصالح کاتب اللیث نے از اللیث اس کا مشرح بن عاہان سے سماع بیان کیا ہے۔ (المستدرک ج ۲ ص ۹۸)

(۲) مشرح بن عاہان کوضعیف قرار دیا گیا ہے۔اور ابو صالح کا تب اللیث کو بھی ضعیف قرار دیا گیا ہے، یہ امام عبدالرحمٰن بن الجوزی متوفی ۵۹۷ ھ کا قول ہے۔(العلل المتناہیہ ج ۲ ص ۱۹۸)

علامہ ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی متوفی ۸۴۰ ھ نے کہا ہے کہ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ مشرح بن عاہان کی ابن معین اور دیگر محدثین نے توثیق کی ہے اور کاتب اللیث میں اختلاف کیا گیا ہے بعض محدثین نے ان کی توثیق کی ہے اور بعض نے ان پر انکار کیا ہے اور ان کی روایت لیث سے بہت زیادہ ہے اور بعض نے اس کی تضعیف کی ہے۔(زوائد ابن ماجہ ص ۲۷۷)

ابن معین نے کہا: مشرح بن عاہان کا کم سے کم حال یہ ہے کہ انہوں نے لیث سے ایک کتاب کی روایت کی اور ان کے سامنے اس کو پڑھ کے سنایا اور لیث نے ان کو اس کی اجازت دی۔

(الجرح والتعدیل ج ۵ ص ۸۶-۸۷، بیان الوہم والایہام ج ۳ ص ۵۰۵) (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۴۸۹-۴۹۱، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ ھ)

اور اس حدیث کو شیخ ناصر الدین البانی متوفی ۱۴۲۰ ھ صحیح قرار دیا ہے۔(صحیح ابن ماجہ: ۱۵۷۲)

صحیح البخاری ۵۳۱۷ کی شرح کے ضمن میں متعدد اہم امور کی تفصیل اور تحقیق

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر العسقلانی متوفی ۸۵۲ ھ صحیح البخاری: ۵۳۱۷ کی شرح میں لکھتے ہیں: وہ حدیث درج ذیل ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت رفاعہ القرظی رضی اللہ عنہ نے ایک عورت (حضرت تمیمہ بن وہب) سے نکاح کیا، پھر اس کو تین طلاقیں دے دیں، اس عورت نے دوسرے خاوند (حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر) سے نکاح کر لیا، پھر وہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ! یہ دوسرا خاوند مجھ سے جماع نہیں کرتا، اس کے پاس ہے کیا سوائے اس کپڑے کے پلو کے، آپ نے فرمایا: تم اپنے پہلے خاوند کے پاس اس وقت تک نہیں جاسکتیں جب تک تم دوسرے خاوند سے مزانہ اٹھاؤ اور وہ خاوند تجھ سے مزانہ پائے۔(صحیح البخاری: ۲۶۳۹)

اگر عورت کو اس کا دوسرا خاوند طلاق دے دے اور اس سے جماع نہ کرے تو آیا وہ پہلے خاوند کے لیے حلال ہے یا نہیں؟

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

میں صحیح بخاری کے جن نسخوں پر مطلع ہوا ہوں، ان میں امام بخاری نے کتاب اللعان سے اس حدیث کو منفصل نہیں بیان کیا اور علامہ ابن بطال نے اس حدیث کو اس باب کے قریب بیان کیا ہے اور وہ باب ہے "والتی یئسن من المحیض" (کتاب العدت) "یعنی جو عورتیں حیض سے مایوس ہو چکی ہوں ان کا حکم" اور بعض شارحین نے اس حدیث کو ابواب العدت میں بیان کیا ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ اس حدیث کا یہاں پر اثبات کیا جائے، کیونکہ اس باب کا لعان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ لعان میں جس مرد نے جس عورت سے لعان کیا ہو اس کی طرف وہ عورت نہیں لوٹائی جاتی، خواہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے، خواہ اس دوسرے

مرد نے اس سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

حضرت رفاعہ قرظی اور ان کی بیوی کا تذکرہ

اس حدیث میں حضرت رفاعہ القرظی کا ذکر ہے، ان کا نام رفاعہ القرظی بن سموال ہے، اور قرظی کا تعلق بنو قریظہ سے ہے، ان کا ذکر صحیح بخاری کے مغازی کے اول میں کیا جا چکا ہے۔

صحیح بخاری میں ذکر ہے کہ انہوں نے ایک عورت سے نکاح کیا اور عمرو بن علی نے اسماعیلی سے روایت کی ہے کہ اس عورت کا تعلق بنو قریظہ کے ساتھ تھا، اور ابن وہب اور طبرانی اور دارقطنی نے روایت کی ہے کہ اس عورت کا نام حضرت تمیمہ بنت وہب تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام سُہیمہ تھا، یہ ابونعیم کا قول ہے اور گویا کہ یہ غلط ہے اور ابن مندہ کے نزدیک ان کا نام عمیمہ تھا، اس کی ابوصالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے اور ان کے والد کا نام الحارث تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن الزَبیر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

صحیح البخاری کی اس روایت میں مذکور ہے کہ پھر حضرت رفاعہ القرظی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اور پھر حضرت عبد الرحمٰن بن الزَبیر سے نکاح کر لیا (الزَبیر میں زا پر زبر ہے) اور تمام روایات اس پر متفق ہیں کہ اس عورت کے پہلے خاوند حضرت رفاعہ تھے اور دوسرے خاوند حضرت عبدالرحمٰن بن الزَبیر تھے۔

سعید بن ابو عروبہ نے کتاب النکاح میں از قتادہ روایت کی ہے کہ حضرت تمیمہ بنت ابی عبید القرظیہ، حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، سو انہوں نے ان کو طلاق دے دی، پھر اس کے بعد انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن الزَبیر سے نکاح کر لیا۔

امام ابن اسحاق نے اپنی المغازی میں سلمہ بن الفضل سے روایت کی ہے کہ یہ عورت بنو قریظہ سے تھیں، جن کو تمیمہ کہا جاتا تھا، یہ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، سو انہوں نے ان کو طلاق دے دی، پھر انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا، پھر انہوں نے اس کو طلاق دے دی، پھر اس عورت نے ارادہ کیا کہ وہ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کی طرف لوٹ جائے، یہ حدیث مرسل ہے اور صحیح المحفوظ وہ ہے جس کے اوپر محدثین کی ایک جماعت متفق ہوئی۔

یہ واقعہ ایک اور عورت کا ہے جس کا قصہ اس کے قریب ہے، امام احمد بن شعیب النسائی متوفی ۳۰۳ھ نے سلیمان بن یسار از عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب روایت کی ہے کہ ایک عورت جس کا نام الغمیصاء تھا یا الرمیصاء تھا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور وہ اپنے خاوند کی شکایت کرتی تھی کہ خاوند اس سے جماع نہیں کر سکتا، پھر تھوڑی دیر گزری تھی کہ اس کے خاوند آئے اور انہوں نے کہا: یہ عورت جھوٹ بولتی ہے لیکن یہ عورت ارادہ کرتی ہے کہ اپنے پہلے خاوند کی طرف لوٹ جائے، آپ نے فرمایا: یہ اس عورت کے لیے جائز نہیں ہے حتیٰ کہ یہ عورت اپنے خاوند کی مٹھاس چکھ لے، اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں، لیکن اس میں سلیمان بن یسار کے متعلق اختلاف ہے، اور ہمارے شیخ نے شرح الترمذی میں لکھا ہے کہ اس حدیث پر تعاقب کیا گیا ہے اور امام ابن عساکر اور امام المنذری نے اس حدیث کا اعتراف نہیں کیا، اور الغمیصاء کے شوہر کا نام عمرو بن حزم ہے، اس کی امام سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے روایت کی ہے اور امام ابونعیم نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے اور میں اس عورت کے دوسرے خاوند کے نام پر واقف نہیں ہو سکا۔

البقرہ: ۲۳۰ کی حافظ ابن حجر عسقلانی سے تفسیر اور تحقیق

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۰)

پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کر لے، پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس (طلاق کی عدت کے بعد) پھر باہم رجوع کر لیں، اگر ان کا یہ گمان ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود قائم رکھ سکیں گے، یہ اللہ کی حدود ہیں جن کو اللہ ان لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے جو علم والے ہیں O

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت حضرت عائشہ بنت عبدالرحمٰن بن عقیل النظریہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جو ان کے چچازاد بھائی حضرت رفاعہ بن وہب بن عتیک کے نکاح میں تھیں، سو انہوں نے ان کو طلاقِ بائن دے دی، پھر اس کے بعد انہوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا، پھر انہوں نے اپنی بیوی حضرت عائشہ بنت عبدالرحمٰن کو طلاق دے دی، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں سو انہوں نے کہا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر نے مجھ کو طلاق دے دی ہے، اس سے پہلے کہ وہ مجھ سے جماع کرتے، کیا میں اپنے چچازاد بھائی جو میرے پہلے خاوند ہیں یعنی حضرت رفاعہ بن وہب بن عتیک، ان سے دوبارہ نکاح کر لوں؟ تو آپ نے فرمایا: "نہیں۔"

حضرت رفاعہ القرظی اور حضرت رفاعہ النضری دو الگ شخص ہیں اور ان کے دو الگ قصے ہیں اور جس نے ان دونوں کو ایک گمان کیا، اس کا گمان خطا ہے

حضرت رفاعہ النضری اور حضرت رفاعہ القرظی دو الگ الگ شخص ہیں اور جس نے یہ گمان کیا کہ یہ دونوں ایک ہیں، اس نے غلط گمان کیا، اس حدیث کی سند اگر محفوظ ہے تو اس کے سیاق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ دوسرا قصہ ہے، اور رفاعہ القرظی اور رفاعہ النضری دونوں کا یہ قصہ ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر ان دونوں میں سے ہر ایک نے حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا، اور حضرت عبدالرحمٰن بن زبیر نے اپنی بیوی کو اس کے ساتھ جماع کرنے سے پہلے طلاق دے دی، پس ان دونوں کے قصہ میں حکم متحد ہے اور اشخاص متغائر ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس عورت کے نام میں پانچ اقوال ہیں۔

حضرت رفاعہ القرظی کی بیوی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے جماع پر قادر نہ ہونے کی جو شکایت کی، اس کی تفصیل اور تحقیق

صحیح البخاری ۵۳۱۷ میں مذکور ہے: کہ جس عورت سے حضرت رفاعہ القرظی نے نکاح کیا تھا وہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔

امام بخاری نے از ابی معاویہ از ہشام روایت کی ہے کہ اس عورت نے کسی اور خاوند سے نکاح کیا اور وہ خاوند اس کے ساتھ اس

طرح جماع پر قادر نہیں ہوا اور از ابو عوانہ از دراوردی از ہشام روایت ہے کہ پھر اس عورت نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی الزبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ اس کے ساتھ جماع پر قادر نہ ہو سکے کیونکہ ان کو کوئی عارضہ پیش آیا ہے، جب وہ اپنی بیوی سے جماع کرنا چاہتے تھے تو کوئی جن ان پر عارض ہوا یا ان کو کوئی مرض لاحق ہوا جس کی وجہ سے وہ اپنی بیوی کے ساتھ جماع نہ کر سکے، پھر اس حدیث میں مذکور ہے کہ ابو معاویہ نے ہشام سے روایت کی ہے کہ انہوں نے میرے ساتھ بہت حقیر طریقے سے مقاربت کی اور ان کی طرف سے مجھے کوئی چیز نہیں پہنچی۔ اور اس عورت نے ذکر کیا کہ ان کے پاس تو صرف کپڑے کے پلو کی مثل ہے، اس حدیث میں ھدبہ کا لفظ ہے، یعنی جو کپڑا صحیح طریقے سے بنا ہوا نہ ہو، یہ لفظ ھدب العین سے ماخوذ ہے اور یہ پلکوں کے بالوں کو کہتے ہیں، اس عورت کی مراد یہ تھی کہ عبدالرحمٰن بن زبیر کا آلہ کپڑے کے پلو کی طرح ڈھیلا ہے اور اس کے اندر انتشار اور اکڑاؤ نہیں ہے۔

اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ زوجِ ثانی کا وطی کرنا زوجِ اول کے لیے محلل نہیں ہوتا مگر جب تک کہ وہ اس حال میں اپنی بیوی سے جماع نہ کرے کہ اس کا آلہ منتشر ہو اور اس میں اکڑاؤ ہو، پس اگر اس کا ذکر شَل ہو یا ئن ہو یا وہ شخص نامرد ہو یا بچہ ہو تو اس کا اپنی بیوی سے جماع کرنا اس کے لیے کافی نہیں ہے کہ وہ اس کی بیوی کو اس کے پہلے خاوند کے لیے حلال کر دے۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، اور اس کا ذکر عنقریب اس باب میں گزر چکا ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی سے کہا: تم مجھ پر حرام ہو اور اس مرد کے ساتھ صرف کپڑے کے پلو کی مثل آلہ تھا، اس عورت نے بیان کیا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن زَبیر نے مجھ سے بہت حقیر طریقے سے مقاربت کی اور ان کی کوئی چیز مجھ تک نہیں پہنچی، کیا میں اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہو۔۔۔۔ الحدیث۔۔

اور از زہری از عروہ، اوائل طلاق میں یہ حدیث گزری ہے کہ اس مرد کے ساتھ صرف کپڑے کے پلو کی مثل تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شاید کہ تم رفاعہ القرظی کی طرف واپس جانا چاہتی ہو۔۔ فرمایا نہیں۔ الحدیث

اور کتاب اللباس میں عنقریب از ایوب از عکرمہ یہ روایت آئے گی کہ حضرت رفاعہ القرظی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو پھر ان کی بیوی نے حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر سے طلاق لے لی، حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ وہ عورت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس سبز کپڑا اوڑھے ہوئے آئی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے شکایت کی، پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور عورتیں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا: پھر اس عورت کے خاوند یعنی حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر بھی آ گئے اور انہوں نے اپنی بیوی کی شکایت کو سنا اور حضرت عبدالرحمٰن بن زَبیر کے ساتھ ان کے دو بیٹے تھے جو اس عورت کے علاوہ کسی دوسری بیوی سے پیدا ہوئے تھے، ان کی بیوی نے کہا: اللہ کی قسم! میں حضرت عبدالرحمٰن پر کسی گناہ کو منسوب نہیں کرتی مگر یہ کہ ان کے پاس ایسی چیز نہیں ہے جو مجھے ان سے مستغنی کر سکے، اور اس نے کپڑے کا ایک پلو اٹھایا، حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر نے کہا: اللہ کی قسم! یارسول اللہ! یہ عورت جھوٹی ہے، میں نے اس عورت کو اس طرح پھاڑا ہے جس طرح چمڑے کو پھاڑتے ہیں، لیکن یہ عورت نافرمان ہے اور یہ حضرت رفاعہ القرظی کی طرف واپس جانا چاہتی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ واقعہ اسی طرح ہے تو یہ عورت حضرت رفاعہ القرظی کے لیے حلال نہیں ہے۔ الحدیث

اور اس باب کے اخیر میں ہے کہ حضرت خالد بن سعید نے اس کی یہ بات سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا آپ نہیں دیکھ رہے کہ یہ عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کس طرح بے حیائی سے باتیں کر رہی ہے۔ حضرت خالد بن سعید اس وقت دروازے سے باہر تھے اور حضرت ابوبکر صدیق اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور اس صورتِ حال کا مشاہدہ کر رہے تھے، اسی وجہ سے جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کی بات سن کر مسکرا رہے تھے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس عورت کو نہیں ڈانٹا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکرانا اور آپ کا تبسم فرمانا اس عورت کی باتوں پر تعجب کی بناء پر تھا، یا یہ اس وجہ سے کہ اس نے ایسی باتوں کو صراحتاً بیان کیا جن کو بیان کرنے سے عورتیں حیا کرتی ہیں یا اس وجہ سے کہ عورتوں کی عقل کم ہوتی ہے، کیونکہ حضرت عبدالرحمٰن بن زَبیر کی بیوی ان سے شدید بغض رکھتی تھی اور اپنے پہلے خاوند کی طرف لوٹنے سے بہت محبت کرتی تھی، اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایسی صورت کا وقوع جائز ہے۔

کتاب الشہادات میں بھی یہ حدیث گزری ہے اور اس میں حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کے کلام سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ کسی کی آواز سن کر اس پر شہادت دینا جائز ہے۔

اس حدیث میں العُسیلہ کا لفظ مذکور ہے، جس کا معنی ہے: تھوڑا سا شہد یا تھوڑی سی مٹھاس، اس کے لغوی اور عرفی معنی کی تحقیق

صحیح البخاری: ۵۳۱۷ میں مذکور ہے: '' آپ نے اس عورت کی بات سن کر فرمایا: نہیں حتیٰ کہ تم عبدالرحمٰن بن زبیر کی مٹھاس کو چکھ لو اور وہ تمہاری مٹھاس کو چکھ لے''۔ حدیث میں یہ لفظ ''عُسیلہ'' ہے، یعنی تم اس کی تھوڑی سی مٹھاس چکھ لو اور وہ تمہاری تھوڑی سی مٹھاس چکھ لیں اور دونوں جگہ پر یہ لفظ تصغیر ہے، اس کی توجیہ میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ یہ ''العَسل'' یعنی شہد کی تصغیر ہے کیونکہ عَسل کا لفظ مؤنث ہے اور قزاز نے اس کی توثیق کی ہے، پھر کہا اور میرا گمان یہ ہے کہ یہ لفظ از روئے لغت کے مذکر ہے اور الازہری نے کہا: یہ لفظ مذکر بھی ہے اور مؤنث بھی ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ عرب جب کسی چیز کی تحقیر کرتے ہیں تو اس میں ھاءِ تانیث داخل کر دیتے ہیں، اسی وجہ سے ان کا قول ہے دریہمات، انہوں نے درہم کی جمع مونث ذکر کی، جب انہوں نے درہم کی تحقیق کا ارادہ کیا، نیز انہوں نے کہا: ہند کی تصغیر میں ھنیدہ کہا جاتا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں یعنی لفظِ عُسیلہ میں تانیث اس اعتبار سے ہے کہ زوجِ اول کے لیے تحلیل کرنے کے لیے اتنا کافی تھا کہ دوسرا شوہر اپنی بیوی کے ساتھ تھوڑی سی مقدار میں جماع کر لیتا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد تھوڑا سا شہد ہے اور تصغیر تقلیل کے لیے ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ زوجِ اول کے لیے اس کی بیوی کو حلال کرنے کے لیے تھوڑی سی مقدار میں جماع کرنا کافی ہے۔

الازہری نے کہا: صحیح یہ ہے کہ العُسیلہ کا معنی ہے: جماع کی حلاوت اور جماع کی مٹھاس جو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب مرد کے آلہ کا سر عورت کی فرج میں غائب ہو جاتا ہے اور علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ نے کہا: عسیلہ کے لفظ میں تصغیر اس لیے ہے کیونکہ اس کی العسل یعنی شہد کے ساتھ بہت زیادہ مشابہت ہے اور ایک قول یہ ہے کہ العسیلہ کا معنی ہے: النطفہ، اور یہ الحسن البصری متوفی ۱۱۰ھ کے قول کے موافق ہے۔

جمہور علماء نے کہا: العسیلہ یعنی تھوڑے سے شہد کو چکھنا یہ مجامعت سے کنایہ ہے اور یہ اس وقت ہوگا جب مرد کے آلہ کا سر عورت

کی فرج میں غائب ہو جائے اور الحسن البصری نے اضافہ کیا کہ جب انزال ہو جائے۔ اور الحسن البصری کی جماع میں یہ شرط ان کا تفرد ہے، یہ بات علامہ ابراہیم بن المنذر النیشا پوری متوفی ۳۱۸ھ اور دوسرے شارحین نے کہی ہے۔

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ حسن بصری کا یہ قول شاذ ہے اور تمام فقہاء نے اس قول کی مخالفت کی ہے، انہوں نے کہا ہے: جماع کے لیے اتنی مقدار کافی ہے جتنی مقدار سے حد واجب ہو جاتی ہے اور جتنی مقدار سے عورت کا مکمل مہر واجب ہو جاتا ہے اور جتنی مقدار سے حج فاسد ہو جاتا ہے اور روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

امام ابوعبید الہروی المتوفی ۲۲۷ھ نے کہا ہے کہ العسیلہ سے مراد لذت الجماع ہے، اور عرب ہر وہ چیز جس سے لذت حاصل ہو اس کو عسل یعنی شہد کہتے ہیں اور ان کا یہ قول تشدید میں سعید بن المسیب کی رخصت کے مقابلہ میں ہے۔ اور حسن بصری کے قول کو یہ چیز رد کرتی ہے کہ اگر انزال جماع میں شرط ہوتا تو پھر انزال کا ہونا کافی تھا لیکن ایسا نہیں ہے، کیونکہ ان میں سے ہر ایک جماع کے طریقہ سے بعید ہے، مثلاً مرد کو اپنا آلہ پورا داخل کرنے سے پہلے انزال ہو گیا اور جب مرد اور عورت میں سے ہر ایک کو مکمل دخول سے پہلے انزال ہو گیا تو اس تقریر کے اوپر ہر ایک نے دوسرے کی تھوڑی سی مٹھاس نہیں چکھی، یہ اس کے خلاف ہے اگر عسیلہ کی تفسیر انزال منی یا لذتِ جماع کے ساتھ کی جائے۔

سعید بن المسیب کا حدیث العسیلہ کے خلاف یہ کہنا کہ جب نکاح صحیح ہو جائے تو پھر عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جاتی ہے اور اس کے لیے اس کی تھوڑی سی مٹھاس چکھنا شرط نہیں ہے، سو ان کا یہ قول باطل ہے اور اس کی زیادہ سے زیادہ یہ توجیح ہے کہ ان تک حدیث العسیلہ نہیں پہنچی

علامہ ابراہیم بن المنذر نے کہا ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ بیوی زوجِ اول کے لیے اس وقت حلال ہوگی جب زوجِ ثانی بیوی کے ساتھ جماع کر لے، سوا سعید بن المسیب کے، پھر انہوں نے سندِ سعید کے ساتھ یہ روایت کی کہ سعید بن المسیب یہ کہتے تھے کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ بیوی زوجِ اول کے لیے حلال نہیں ہوتی، حتیٰ کہ زوجِ ثانی اس سے جماع کر لے اور میں یہ کہتا ہوں کہ جب مرد نے عورت کے ساتھ نکاحِ صحیح کر لیا اور وہ اس سے یہ ارادہ نہیں کرتا تھا کہ وہ اس عورت کو زوجِ اول کے لیے حلال کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ زوجِ اول اس عورت سے نکاح کر لے، اسی طرح اس حدیث کی امام ابن ابی شیبہ نے اور امام سعید بن منصور نے روایت کی ہے۔ اور اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو اس حدیث کی سعید بن المسیب سے روایت کو بعید قرار دیتے ہیں۔

علامہ ابراہیم بن المنذر الشافعی متوفی ۳۱۸ھ نے کہا: سعید بن المسیب کے اس قول کی فقہاء میں سے کسی نے موافقت نہیں کی، سوائے خوارج کے ایک طائفہ کے، اور شاید کہ سعید بن المسیب کو حضرتِ رفاعہ القرظی کی بیوی کی حدیث نہیں پہنچی تو انہوں نے ظاہرِ قرآن سے استدلال کیا، حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اس میں یہ دلیل ہے کہ جو اس مسئلہ کے متعلق حدیث وارد ہے وہ ضعیف ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۱۷ کے خلاف امام نسائی کی روایت پر حافظ ابن حجر عسقلانی کا تبصرہ

امام احمد بن شعیب نسائی متوفی ۳۰۳ھ نے از شعبی از از صالح از سعید بن المسیب روایت کی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے

بیان کیا کہ ایک مرد کی ایک بیوی تھی، اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پھر اس مرد نے کسی اور عورت سے نکاح کرلیا، پھر اس کو خول سے پہلے طلاق دے دی، پس وہ عورت پہلے خاوند کی طرف واپس جانے لگی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم پہلے خاوند کے پاس نہیں جاسکتی حتیٰ کہ تم دوسرے خاوند کی تھوڑی سی مٹھاس چکھ لو۔

اور امام نسائی متوفی ۳۰۳ھ نے اس حدیث کی از سفیان ثوری از علقمہ بن مرثد روایت کی ہے کہ کہ رزیل بن سلیمان الاحمری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح روایت کی ہے، امام نسائی نے کہا: یہ روایت صحت وصواب کے زیادہ لائق ہے اور یہ انہوں نے اس لیے کہا کہ ثوری شعبہ کی روایت کو زیادہ مضبوطی سے یاد رکھنے والا ہے۔ اور پہلی روایت صحت اور ثواب کے زیادہ لائق ہے اور اس کی دو وجہیں ہیں، ایک یہ ہے کہ علقمہ کا شیخ ان دونوں کا شیخ ہے اور وہ زید بن سلیمان ہے جیسا کہ الثوری نے بیان کیا ہے نہ کہ صالح بن رزیل ہے جیسا کہ شعبہ نے کہا ہے، کیونکہ محدثین کی ایک جماعت نے علقمہ سے اسی طرح روایت کی ہے، ان میں سے ہلال بن جامع ہیں جو ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر یہ حدیث سعید بن المسیب کے نزدیک حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہوتی تو اس کو لوگوں کے کلام کی طرف منسوب نہ کرتے۔

اور ابراہیم بن المنذر کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوجعفر النحاس نے معانی القرآن میں نقل کیا ہے اور اس کی عبد الوہاب مالکی نے شرح الرسالہ میں اتباع کی ہے۔ اور سعید بن جبیر کا اس کے موافق قول کرنا ان کا وہم ہے اور اس سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ ابوحیان نے وثوق سے کہا ہے: السعید بن المسیب اور سعید بن جبیر کی کوئی سند مصنفات میں معروف نہیں ہے اور ابراہیم بن المنذر کا قول اس معاملہ میں حجت ہے، اور امام عبد الرحمٰن بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ نے از داؤد سعید بن المسیب کی اس معاملہ میں موافقت کی ہے۔

علامہ قرطبی المالکی کا امام نسائی کی روایت پر تبصرہ

علامہ ابو العباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی المتوفی ۶۵۶ھ نے کہا ہے: اس حدیث سے جمہور کے قول کے موافق یہ مستفاد ہوتا ہے کہ حکم اس کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جس پر اس کا اسم جاری ہو، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حتیٰ کہ تم اس کی تھوڑی سی مٹھاس چکھ لو، اس میں یہ خبر ہے کہ ایسا ہونا ممکن تھا لیکن اس عورت نے جب کہا کہ اس کے دوسرے خاوند کے ساتھ اس کپڑے کے پلو کی مثل ہے یہ ظاہر ہے کہ اس کا جماع کرنا مشکل تھا۔

علامہ کرمانی کی حدیث مذکور کی شرح

علامہ محمد بن یوسف الکرمانی المتوفی ۷۸۶ھ نے یہ جواب دیا ہے کہ اس عورت نے جو کپڑے کے پلو کے ساتھ اپنے دوسرے شوہر کے آلہ کی مثال دی ہے اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ اس کے دوسرے شوہر کا آلہ باریک ہے اور پتلا ہے کیونکہ وہ بہت ڈھیلا ہے اور حرکت نہیں کرتا اور اس خبر کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس عورت نے یہ شکایت کی تھی کہ اس کے شوہر کا آلہ منتشر نہیں ہوتا اور وہ اس کو اس کی فرج میں داخل کرنے پر قادر نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا کہ نہیں حتیٰ کہ تم اس کی تھوڑی سی مٹھاس چکھ لو تو اس پر دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بتایا کہ اس کے شوہر کو اس کے ساتھ جماع کرنا جائز الوقوع ہے تو گویا کہ آپ نے فرمایا کہ تم صبر کرو اور انتظار کرو حتیٰ کہ تمہارا یہ دوسرا شوہر جماع کر سکے اور اگر وہ اپنے دوسرے شوہر یعنی حضرت عبد الرحمٰن بن الزبیر سے الگ

ہو جائے تب بھی وہ اپنے پہلے شوہر کی طرف واپس نہیں جا سکتی حتیٰ کہ اس کے بعد کسی اور شوہر سے نکاح کرے اور وہ اس سے جماع کرے، پھر اس کے بعد وہ اپنی مرضی سے اس کو طلاق دے، تب وہ اپنے پہلے شوہر حضرت رفاعہ القرظی کے پاس واپس جا سکتی ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۶۴-۴۶۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۲۴، ۵۲۱، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۷ کی شرح از شیخ عثیمین

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت رفاعہ القرظی نے ایک عورت سے نکاح کیا، پھر اس عورت کو طلاق دے دی، اس عورت نے دوسرے مرد سے نکاح کر لیا، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے ذکر کیا کہ اس مرد نے اس کے ساتھ جماع نہیں کیا اور اس مرد کے پاس تو صرف اس کپڑے کے پلو کی مثل ہے تو آپ نے فرمایا: نہیں حتیٰ کہ تم اس کی تھوڑی سی مٹھاس چکھ لو اور وہ تمہاری تھوڑی سی مٹھاس چکھ لے۔ (صحیح البخاری: ۵۳۱۷، صحیح مسلم: ۱۴۳۳، سنن ترمذی: ۱۱۱۸، سنن نسائی: ۳۲۸۳)

تین طلاق یافتہ عورت کے پہلے شوہر کے حق میں حلال ہونے کی شرائط اور نکاحِ صحیح پر تفریعات

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تین طلاق یافتہ عورت کے اپنے شوہر کے لیے حلال ہونے کی یہ شرط ہے کہ اس عورت کا دوسرے مرد سے نکاحِ صحیح ہو، اور اس نے یہ نکاح اس عورت کو پہلے شوہر کے لیے حلال کرنے کی نیت سے نہ کیا ہو اور وہ مرد اس عورت سے جماع کرے۔

مسئلہ:

کیا اس میں یہ شرط ہے کہ جماع کے وقت مرد کا انزال ہو یا نہ ہو؟

الجواب:

صحیح یہ ہے کہ یہ شرط نہیں ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ کامل جماع اس وقت ہوتا ہے جب مرد کا انزال ہو جائے۔

پس اگر مرد نے اس عورت سے عقدِ نکاح کیا اور اس سے جماع کیا، پھر اس کو معلوم یہ ہوا کہ وہ عورت اس کی رضاعی بہن ہے تو وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی کیونکہ یہ نکاح صحیح نہیں ہے یا اس مرد نے اس عورت سے بغیر ولی کے نکاح کیا، پھر اس کو طلاق دے دی، تب بھی وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی کیونکہ یہ نکاح صحیح نہیں ہے اور ہم نے یہ کہا ہے کہ پہلے شوہر کے لیے عورت کے حلال ہونے کی شرط یہ ہے کہ ان کا نکاح صحیح ہو۔

حلالہ کی نیت سے نکاح کرنے والے کا لعنت کا مستحق ہونا

اگر دوسرے شوہر نے اس عورت سے اس نیت سے نکاح کیا کہ وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے اور اس کو طلاق دے دی تو اگر یہ شرائط مکمل ہو جائیں تب بھی وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی کیونکہ یہ حیلہ ہے اور حیلہ سے کسی چیز کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور یہ محلل اللہ عزوجل کی لعنت کا مستحق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ شخص اس بکرے کی مثل ہے جس کو کسی بکری کو گابھن کرنے کے لیے کرائے پر لیا جاتا ہے، وہ مرد ایک بکرا ہے جس کو بکریوں والے کرائے پر حاصل کریں تاکہ اپنی بکریوں کو اس بکرے سے ایک رات کے لیے گابھن کرائیں اور پھر وہ اس بکرے کو اجرت دے کر واپس کر دے۔

پہلے شوہر کے لیے اس عورت کے حلال ہونے کی تین شرطیں ہیں۔ اور تیسری شرط یہ ہے کہ دوسرا شوہر اس عورت کی فرج میں دخول کرے اور مرد کا آلہ منتشر ہو اور اگر مرد نے اس عورت سے فرج کے علاوہ کسی اور جگہ جماع کیا خواہ انتشار کے ساتھ جماع کیا اور انزال بھی ہوا تب بھی وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی اور اگر اس دوسرے شوہر نے اس عورت کی فرج میں جماع کیا اور اس کا آلہ منتشر نہیں تھا تب بھی وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی کیونکہ جماع کے لیے ضروری ہے کہ مرد کا ذکر منتشر ہو اور وہ عورت کی فرج میں داخل ہو۔

آیا جماع کے وقت انزال ضروری ہے یا نہیں؟

مسئلہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد تمہاری تھوڑی سی مٹھاس چکھ لے، کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے کہ جماع کے وقت انزال ضروری ہے؟

الجواب:

جماع کی تکمیل اس وقت ہوگی کہ جب انزال ہو جائے لیکن کبھی انزال کے بغیر بھی جماع کی لذت حاصل ہو جاتی ہے لیکن کامل لذت اس وقت حاصل ہوتی ہے کہ جب انزال بھی ہو۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے زوجِ ثانی کے جماع کے لیے انزال کی شرط عائد کی ہے اور بعض علماء نے اس کی شرط عائد نہیں کی۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۸۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۷ کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ نے ایک عورت سے نکاح کیا، پھر اسے طلاق دے دی، اس نے کسی اور آدمی سے نکاح کر لیا، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ عورت حاضر ہوئی اور آپ سے ذکر کیا کہ وہ مرد اس سے جماع نہیں کر سکتا ہے اور اس کے پاس صرف کپڑے کے کنارے کی مثل ہے (یعنی وہ نامرد ہے)، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم پہلے شوہر کی طرف رجوع نہیں کر سکتی حتیٰ کہ تو اس کے شہد کو چکھ لے اور وہ تمہارا شہد چکھ لے، یعنی تم ایک دوسرے سے جماع کی لذت پاؤ، (طلاقِ ثلاثہ کے باب میں اس حدیث کی تشریح ہو چکی ہے)۔ (تفہیم البخاری حصہ ہشتم: ۳۸۸، الحمد و پرنٹرز اردو بازار لاہور، بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۱۷، کی شرح از شیوخ دیو بند

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حلالہ نکاح کا مسئلہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں حلالہ کا مسئلہ بیان فرمایا ہے، اگر کسی آدمی نے اپنی بیوی کو طلاقِ مغلظہ دے دی اور اس کے بعد اس شخص کی بیوی نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا تو کیا محض نکاح شوہر اول کے حق میں حلالہ بن جائے گا اور اس کے لیے پھر پہلے شوہر سے اس نکاح کے بعد اگر طلاق ہو گئی تو عدت کے بعد نکاح جائز ہو جائے گا یا نہیں؟ اس میں تین قول ہیں:

(۱) حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ دوسرے شخص سے صرف نکاح کا ہو جانا تحلیل کے لیے کافی ہے، ابن الجوزی نے داؤد ظاہری کا قول بھی اسی کے مطابق نقل کیا ہے۔

(۲) جمہور فقہاء فرماتے ہیں کہ دوسرے شخص سے نکاح اور جماع دونوں کا ہونا تحلیل کے لیے ضروری ہیں، صرف نکاح حلالہ کے لیے کافی نہیں بلکہ وطی بھی ضروری ہے، البتہ انزال شرط نہیں۔

(۳) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دوسرے شخص سے صرف نکاح اور جماع کا ہونا تحلیل کے لیے کافی نہیں بلکہ انزال بھی اس کے لیے ضروری ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۸۵۴-۸۵۳، عمدۃ القاری، باب من اجاز طلاق الثلاث ج ۲۰ ص ۲۳۶)

جمہور کا مستدل روایت باب ہے جس میں حضرت رفاعہ قرظی کا واقعہ مذکور ہے، حضرت رفاعہ قرظی کی بیوی نے دوسرے شخص سے نکاح کیا، نکاح کے بعد وہ شوہر اول کے پاس آنا چاہ رہی تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''لا، حتی تذوقی عسیلته، ویذوق عسیلتك''، عُسَیْلَة سے مراد جماع ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس کی یہی تفسیر منقول ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۶) تو اس حدیث سے یہ بات صاف معلوم ہوئی کہ عورت جب تک دوسرے شوہر سے نکاح کے بعد جماع نہ کرلے اس وقت تک وہ شوہر اول کے لیے حلال نہیں ہو سکتی ہے۔

امرأۃ رفاعہ کا واقعہ

(۱) یہاں حدیث باب میں امرأۃ رفاعہ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، رفاعہ بن سموال (بروزن غَضَنْفَر) قرظی نے بنو قریظہ ہی کی ایک عورت سے شادی کی، اس عورت کے نام کے بارے میں اختلاف ہے، تَمِیمہ (تاء کے فتحہ کے ساتھ) تُمیمہ (تصغیر کے ساتھ) سُہیمہ، اُمیمہ مختلف نام روایات میں ملتے ہیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۸۰)، رفاعہ نے اس کو طلاقِ مغلظہ دے دی تو اس نے ایک دوسرے شخص سے شادی کی جس کا نام عبدالرحمٰن بن الزَّبیر (زاء کے فتحہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ) تھا، عبدالرحمٰن اس کے ساتھ جماع کرنے پر کسی وجہ سے قادر نہ ہو سکا تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی اور شکایت کی کہ وہ جماع پر قادر نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ شاید تو اپنے پہلے شوہر رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہے لیکن اس کے لیے تو اس وقت تک حلال نہیں ہو سکتی جب تک تو اس دوسرے شوہر کے جماع سے لطف اندوز نہ ہو جائے۔

لیس معه الامثل هُدْبَه یعنی اس کے پاس نہیں ہے مگر کپڑے کے پھندے کی طرح، ھدبہ (ہاء کے ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ) کپڑے کی طرف کو کہتے ہیں، واردات ان ذکرہ یشبه الهدبة فی الاسترخاء وعدم الانتشار حتی تذوقی عُسیله (فتح الباری: ج ۹ ص ۵۸۲) یہاں تک کہ تو اس کا شہد چکھ لے یعنی اس سے جماع کر کے لطف اندوز ہو جائے عُسیلہ، عُسَل کی تصغیر ہے، عَسَل مونث ہے، اس لیے اس کی تصغیر میں تاء تانیث ہے، عُسیلہ کی تفسیر ماقبل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے گزر چکی ہے کہ اس سے مراد جماع ہے، ازہری فرماتے ہیں ''الصواب ان معنی العسیلة حلاوة الجماع الذی یحصل بتغییب الحشفة فی الفرج''۔ (ارشاد الساری: ج ۱۲، فتح الباری: ج ۹ ص ۵۸۳)

(۲) عہد نبوی میں اس طرح کے ایک دوسرے واقعہ کا ذکر بھی روایات میں ملتا ہے، چنانچہ مقاتل بن حیان نے اپنی تفسیر قرآن کریم کی آیت ''فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره'' کی شان نزول میں ذکر کیا ہے کہ یہ آیت عائشہ بنت عبدالرحمٰن بن

عتیک کے متعلق نازل ہوئی، وہ اپنے چچازاد رفاعہ بن وہب بن عتیک کے نکاح میں تھی، رفاعہ بن وہب نے اس کو تین طلاقیں دیں تو اس نے عبد الرحمٰن بن زبیر سے شادی کی، عبد الرحمٰن نے اس کو طلاق دی تو وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور کہا کہ عبد الرحمٰن نے مجھے جماع کیے بغیر طلاق دے دی اب کیا میں اپنے پہلے شوہر کے پاس جاسکتی ہوں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں"۔

(فتح الباری: ج ۹ ص ۵۸۱ تفسیر الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ج ۱ ص ۲۸۳)

بعض حضرات نے مذکورہ دونوں واقعات کو ایک شمار کیا ہے لیکن حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ غالب یہ ہے کہ مذکورہ دونوں واقعات الگ الگ ہیں، کیونکہ پہلا واقعہ رفاعہ بن سموال کی بیوی کا ہے اور دوسرا رفاعہ بن وہب کا ہے اور ان دونوں عورتوں نے دوسری شادی عبد الرحمٰن بن زبیر سے کی۔ (فتح الباری: ج ۹ ص ۵۸۲-۵۸۱)

(۳) اس طرح کا ایک تیسرا واقعہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ غُمیصاء یا رُمیصاء نامی عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے شوہر کی شکایت کرنے لگی کہ وہ جماع پر قادر نہیں ہے، تو اس کے شوہر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہ جھوٹ بولتی ہے، در اصل یہ اپنے پہلے شوہر کے پاس جانا چاہتی ہے، اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لیس ذالك لها حتى تذوق عسيلة"۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۸۱، والدر المنثور فی التفسیر بالماثور ج ۱ ص ۲۸۴، سورۃ البقرہ)

بہر حال ان تمام روایات کے پیش نظر جمہور علماء فرماتے ہیں کہ مطلقہ مغلظہ پہلے شوہر کے لیے اسی وقت حلال ہوسکتی ہے جب دوسرا شوہر نکاح کے بعد اس سے جماع بھی کرے اور جماع کے بعد پھر طلاق دے دے تو تب عدت گزرنے کے بعد وہ شوہر اول کے لیے حلال ہوگی۔

حنفیہ کے مسلک پر ایک اشکال اور اس کا جواب

حنفیہ کے نزدیک خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادتی جائز نہیں! حنفیہ کے مسلک پر یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ حدیث باب، خبر واحد ہے، اس سے قرآن کریم کی آیت "حتى تنكح زوجا غيره" پر زیادتی جائز نہیں، آیت میں صرف نکاح کا ذکر ہے، حدیث سے جماع کی قید کا اضافہ کرنا جائز نہیں ہونا چاہیے۔

(۱) اس اشکال کا ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نکاح وطی کے معنی میں حقیقت ہے اور مذکورہ آیت کریمہ میں نکاح اسی حقیقی معنی میں مستعمل ہے، اس لیے حدیث سے اس پر زیادتی نہیں ہوئی بلکہ حدیث ظاہر قرآن کی موافق ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۵۸۵)

(۲) دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث باب خبر واحد نہیں بلکہ خبر مشہور ہے اور خبر مشہور سے زیادتی فی النص جائز ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۲۳۶ باب من اجاز طلاق الثلاث)

چنانچہ امام ابوبکر جصاص رازی متوفی ۳۷۰ھ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث مشہورہ منقول ہیں کہ عورت پہلے خاوند کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی حتیٰ کہ دوسرا خاوند اس سے مجامعت کرلے، ان احادیث میں سے از زہری، از عروہ از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت ہے کہ حضرت رفاعہ القرظی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اور یہ احادیث لوگوں نے قبول کی ہیں، اور فقہاء ان احادیث پر عمل کر رہے ہیں، اور ہمارے نزدیک یہ احادیث

بمنزلہ متواتر ہیں اور فقہاء کا اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، مگر سعید بن مسیب سے روایت ہے: انہوں نے کہا کہ وہ عورت پہلے خاوند کے لیے صرف عقدِ نکاح سے حلال ہو جاتی ہے اور اس میں مجامعت کی شرط نہیں ہے اور ہم کو یہ علم نہیں ہے کہ کسی ایک نے سعید بن مسیب کی اس مسئلہ میں متابعت کی ہے، سو یہ شاذ روایت ہے۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۳۹۰، سہیل اکیڈمی لاہور)

(کشف الباری عمانی صحیح البخاری ص ۵۴۶-۵۵۰، کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کراچی ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۷، کی شرح از غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ

شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رفاعہ قرظی نے ایک عورت (تمیمہ بنت وہب) سے نکاح کیا، پھر اس کو (تین طلاق) دے دیے، اس نے دوسرا خاوند کر لیا (عبد الرحمٰن بن زبیر) پھر وہ عورت آنحضرت کے پاس آئی اور کہنے لگی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ دوسرا خاوند مجھ سے صحبت ہی نہیں کرتا، اس کے پاس کیا ہے سوا ایک کپڑے کا پھندنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو پہلے خاوند کے پاس اس وقت تک نہیں جا سکتی جب تک دوسرے خاوند سے مزہ نہ اٹھائے اور وہ تجھ سے مزہ نہ پائے۔

تمام علماء نے اس پر اجماع کیا ہے کہ حلالہ کے لیے دوسرے خاوند کا صحبت کرنا شرط ہے یعنی حشفہ کا دخول ہو جانا اگرچہ انزال نہ ہو، اور امام حسن بصری نے انزال کو بھی شرط لکھا ہے اور سعید بن المسیب نے صرف نکاح کو حلالہ کے لیے کافی سمجھا ہے اور سعید کے سوا کوئی اس کا قائل نہیں ہوا، البتہ خوارج کا مذہب سعید کے قول کے موافق ہے، اور شاید سعید کو یہ حدیث نہ پہنچی ہوگی۔

(تیسیر الباری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۴۲-۲۴۱، نعمانی کتب خانہ، لاہور جون ۱۹۹۰ء)

صحیح البخاری: ۵۳۱۷، کی شرح از ابن حزم الظاہری الاندلسی

شیخ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

۱۹۵۰: مسئلہ:

جس مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، اس مرد کے لیے اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے مگر جب وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کر لے جو اس کی فرج میں نکاحِ صحیح کے ساتھ حالتِ عقل میں وطی کرے اور حالتِ عقل ضروری ہے، اور اس کے لیے نکاحِ فاسد میں اس سے وطی کرنا حلال نہیں ہے اور نہ اس عورت سے اس کی دبر میں وطی کرنا حلال ہے اور نہ اس صورت میں کہ وہ نکاحِ صحیح میں وطی کرے اس حالت میں کہ اس کی بیوی بے ہوش ہو یا نشہ میں ہو یا مجنون ہو، اور مرد اس طرح نہ ہو یا نیند میں اپنی بیوی سے وطی کرے اور اس کو جماع کی لذت کا ادراک نہ ہو تو جب وہ مرد مر جائے تو وہ عورت اس کے پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی، یا دوسرا مرد اس عورت کو طلاق دے دے یا نکاح فسخ ہو جائے، پھر بھی وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی۔

اور اسی طرح اگر ان کا نکاح صحیح ہو، پھر وہ اس عورت سے ایسی حالت میں وطی کرے جس حالت میں وطی کرنا جائز نہیں ہے، مثلاً اس نے فرض روزہ رکھا ہوا ہو یا عورت نے فرض روزہ رکھا ہوا ہو، یا وہ مرد احرام میں ہو یا وہ عورت احرام میں ہو، یا وہ مرد اعتکاف میں ہو یا عورت اعتکاف میں ہو، پس ان تمام صورتوں میں وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہوگی اور اس کی دلیل یہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۭ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ (البقرہ: ۲۳۰)

پھر اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے، پھر اگر وہ (دوسرا خاوند) اس کو طلاق دے دے تو پھر ان پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اس (طلاق کی عدت کے بعد) پھر باہم رجوع کر لیں، اگر ان کا یہ گمان ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود قائم رکھ سکیں گے، یہ اللہ کی حدود ہیں جن کو اللہ ان لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے جو علم والے ہیں ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر خاوند کے متعلق بر سبیل عموم فرمایا ہے کہ تین طلاقیں دینے کے بعد اس کی بیوی پہلے خاوند پر حلال نہیں ہو گی اور وہ اس کا خاوند اس وقت تک نہیں ہو گا جب تک کہ ان کا نکاح صحیح نہ ہو، اور رہا وہ شخص جس نے اس عورت سے نکاح کیا اللہ عزوجل کے حکم کے خلاف تو وہ اس کا خاوند نہیں ہے اور نہ اس کے خاوند میں شمار کیا جائے گا۔

باقی رہا یہ امر کہ اس کی وطی کا کیا معاملہ ہو گا اور جب دوسرا خاوند فوت ہو گیا پھر کیا معاملہ ہو گا اور ان کا نکاح فسخ ہو گیا تو پھر کیا معاملہ ہو گا۔

امام ابوداؤد سجستانی نے حدیث بیان کی از مسدد، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی ابی معاویہ نے از الاعمش از ابراہیم النخعی از الاسود از حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مرد کے متعلق سوال کیا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پھر اس عورت نے دوسرا نکاح کر دیا، پھر اس دوسرے مرد نے جماع کرنے سے پہلے اس کو طلاق دے دی، تو کیا وہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ عورت پہلے خاوند کے لیے حلال نہیں ہو گی، حتیٰ کہ وہ عورت اس دوسرے خاوند کا تھوڑا سا شہد چکھ لے، اور دوسرا خاوند اس عورت کا تھوڑا سا شہد یعنی اس کی مٹھاس چکھ لے۔

یہ حدیث بطور تواتر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفی ۵۷ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت انس بن مالک متوفی ۹۱ھ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ اور دیگر صحابہ سے مروی ہے اور حدیث کے الفاظ حسب ذیل ہیں کہ:

حضرت رفاعہ القرظی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، پھر ان کی بیوی نے حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا، پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، پس کہنے لگیں: یا رسول اللہ! وہ حضرت رفاعہ القرظی کے نکاح میں تھیں، انہوں نے ان کو تین طلاقیں دے دیں، پھر انہوں نے اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر رضی اللہ عنہ سے نکاح کر لیا، اور بے شک اللہ کی قسم! ان کے پاس تو صرف اس کپڑے کے پلو کی مثل تھا، اور اس نے اپنی چادر کا ایک پلو پکڑا اور اس کو پکڑ کر دکھایا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے ہوئے مسکرائے اور فرمایا کہ شاید تم حضرت رفاعہ القرظی کے پاس جانا چاہتی ہو، آپ نے فرمایا: نہیں حتیٰ کہ وہ تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لے اور تم اس کا تھوڑا سا شہد چکھ لو، یہ صحیح مسلم: ج ۴ ص ۱۵۴، کا متن ہے اور صحیح البخاری: ۵۲۶۰ کا متن ہے، اسی طرح یہ صحیح البخاری، ۵۳۱۶، ۵۳۱۷، میں مذکور ہے۔ اور عنقریب ان شاء اللہ اس حدیث کی باقی اسانید کا ذکر آئے گا اور یہ حدیث بمنزلہ متواتر

ہے، اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد کا عورت کے ساتھ وطی کرنا یہی حلال اور حرام کے درمیان حدِ فاصل ہے اور تمام صریح عبارات اسی حدیث کے موافق محمول کی جائیں گی، بلکہ اس حدیث میں حلالہ کی مشروعیت کا ذکر ہے، اور اس کے طلب کرنے کا اور اس کے لیے مساعی کرنے کا ذکر ہے، مگر یہ سب چیزیں وطی کی شرط کے ساتھ ہیں۔

شیخ ابن حزم الظاہری اندلسی لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ صرف زوجِ ثانی کی وطی سے وہ عورت زوجِ اول کے لیے حلال ہوگی اور اس کے بغیر نہیں ہوگی، پس اس میں زوجِ ثانی کی موت بھی داخل ہے، اور صحتِ نکاح کے بعد اس نکاح کا فسخ ہونا بھی داخل ہے۔

شیخ ابن حزم الظاہری اندلسی لکھتے ہیں:

اس حدیث کی مخالفت صرف سعید بن المسیب نے کی ہے، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام سعید بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں داؤد بن ابی ھند نے خبر دی از سعید بن المسیب، کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں پھر اس نے کسی سے نکاح کر لیا ہو تو سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ نے کہا لوگ یہ کہتے ہیں، کہ زوجِ اول کی بیوی اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ زوجِ ثانی اس سے جماع نہ کر لے اور میں یہ کہتا ہوں کہ جب زوجِ ثانی نے نکاحِ صحیح کے ساتھ اس عورت سے عقدِ نکاح کر لیا اور اس نے اس نکاح سے حلالہ کا قصد نہیں کیا پھر کوئی حرج نہیں ہے کہ زوجِ اول اس عورت سے نکاح کر لے۔

اس حدیث کے متعلق مصنف کی تحقیق، اور اس پر دلائل کہ تحلیل کی نیت سے دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس چیز کو اپنی شریعت میں مقرر فرما دیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ سعید بن المسیب سے جو یہ قول منقول ہے، یہ صحیح نہیں ہے اور ثابت نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے، اور اس قول کی حافظ ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ نے اپنی تفسیر میں اور انہوں نے اس کی نسبت حافظ ابن عبد البر المالکی متوفی ۴۶۳ھ کی طرف الاستذکار میں کی ہے اور انہوں نے اس پر صرف یہ تعاقب کیا ہے کہ اس حدیث کی صحت پر اعتراض ہے۔

علاوہ ازیں حافظ ابو عمرو بن عبد البر المالکی نے اس قول کی حکایت الاستذکار میں کی ہے۔ فاللہ اعلم

میں کہتا ہوں کہ اولاً یہ قول اس بات کو متضمن ہے کہ تین طلاق یافتہ عورت فقط عقدِ نکاح سے زوجِ اول کے لیے حلال ہو جائے گی بغیر اس کے کہ زوجِ ثانی اس سے وطی کرے، اور دوسری اس چیز کو متضمن ہے کہ سعید بن المسیب نے کہا کہ جب زوجِ ثانی اس عورت سے عقدِ نکاح کرے تو وہ اس سے حلالہ کا قصد نہ کرے اور ان دونوں قولوں کا خلاف ثابت ہے۔ رہا ارادہ تحلیل کی مشروعیت کا جواز تو یہ سعید ابن المسیب کی اس حدیث سے ثابت ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مرد کے متعلق فرمایا جس کی کوئی بیوی تھی، سو اس نے اس کو طلاق دے دی، پھر اس عورت سے کسی دوسرے مرد نے نکاح کر لیا اور اس مرد نے اس عورت سے دخول کرنے سے پہلے اس کو طلاق دے دی، آیا وہ عورت اپنے پہلے خاوند کی طرف واپس جا سکتی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: نہیں، حتیٰ کہ وہ مرد اس عورت کا تھوڑا سا شہد چکھ لے اور وہ عورت اس مرد کا تھوڑا سا شہد چکھ لے، پھر حلالہ کی نیت اور اس کی مشروعیت اور اس کا ارادہ بھی دوسری روایات کے اندر اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ ثابت

ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا کہ حضرت رفاعہ القرظی کی بیوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے قطعی اقوال کے ساتھ بیان کیا کہ انہوں نے عبدالرحمٰن بن الزبیر سے جو نکاح کیا تھا وہ صرف اس لیے کیا تھا کہ عبدالرحمٰن بن الزبیر ان کے لیے محلل ہو جائیں تا کہ وہ اپنے پہلے خاوند کی طرف حضرت رفاعہ القرظی کے پاس واپس جا سکیں، اور یہ بہت واضح صورت ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ حلالہ کی نیت سے بھی پہلے شوہر کی طرف رجوع کرنا جائز ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کے بعد آنے والی احادیث سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کو مقرر رکھا اور یہ بیان فرمایا کہ چونکہ دوسرے شوہر نے اس عورت کے ساتھ وطی نہیں کی تھی، اس لیے وہ اپنے پہلے شوہر یعنی حضرت رفاعہ القرظی کی طرف واپس نہیں جا سکتیں، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت رفاعہ کی بیوی کی اس نیت کو اپنے اس ارشاد سے ظاہر فرما دیا کہ شاید کہ تم رفاعہ کی طرف واپس جانا چاہتی ہو؟ لیکن جب کہ اس نیت کے ظہور کا تقاضا یہ تھا کہ اگر حلالہ کرنے کی نیت دوسرے شوہر سے نکاح کو اور پہلے شوہر کی طرف لوٹنے کو باطل کر دیتی تو حضرت رفاعہ کی بیوی کا حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر جو ان کے دوسرے شوہر تھے، ان کے ساتھ نکاح اصلاً باطل ہو جاتا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت رفاعہ کی بیوی کی اس بات پر موافقت کی کہ وہ اس سے نکلنے کا وسیلہ تلاش کرے بایں طور کہ اگر وطی متحقق ہو جائے تو پھر وہ زوجِ اول کے لیے حلال ہو جائیں گی اور آپ نے ان کے حضرت عبدالرحمٰن بن الزبیر کے ساتھ نکاح کو برقرار رکھا اور اس میں یہ قطعی دلیل ہے کہ تحلیل کی نیت سے ان کا دوسرا نکاح کرنا صحیح ہے، تا کہ وہ زوجِ اول کی طرف رجوع کر سکے بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بیان نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے رخصت اور اجازت ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم عطا فرمایا ہے اور آپ کے لیے شریعت مقرر فرمائی ہے تا کہ یہ مومنین کے لیے شریعت مقرر ہو جائے کیونکہ آپ مومنین کے لیے رؤف ورحیم ہیں۔ سعیدی غفرلہ

شیخ ابن حزم الظاہری کی طرف سے سعید بن المسیّب کے قول کے رد پر مزید دلائل

شیخ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ اپنے کلام کو جو سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ کے رد پر مشتمل ہے، اس کو جاری کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے مناسب یہ تھا کہ آپ اس کو رد کر دیتے جس طرح آپ نے عمامہ پر مسح کرنے کو رد فرما دیا تھا اور جس طرح پانچ چسکیوں سے دودھ پینے والے بچے کی تحریم نہ ہونے کو رد فرما دیا تھا، کیونکہ یہ دونوں چیزیں صریح قرآن پر زائد ہیں، پس کسی شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ اس پر عمل کرے سوائے اس کے جو بطریق تواتر ثابت ہو، اور سعید بن المسیب یہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ نے جو کہا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ عورت مرد کا تھوڑا سا شہد چکھے اور مرد تھوڑا سا شہد چکھے، یہ چیز قرآن مجید پر زائد ہے، کیونکہ یہ حدیث صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سند سے ثابت ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پانچ چسکیوں کی حدیث ثابت ہے اور اس میں کوئی فرق نہیں۔

اور یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے بھی ثابت ہے مگر یہ احادیث سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہیں۔

اسی طرح جو شخص سنت ثابتہ کے رد کرنے کا قول کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ یہ کہے کہ بیع اس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جب تک کہ خریدار اور بائع دونوں مجلس سے متفرق نہ ہو جائیں کیونکہ اس مسئلہ میں بہ کثرت لوگ مبتلا ہوتے ہیں، پس اگر سعید بن المسیب سے

یہ مسئلہ مختلف ہوتا اور اس کے متعلق حسن بصری سے یہ منقول ہے کہ انہوں نے کہا کہ دوسرے شوہر کی بیوی پہلے شوہر کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی خواہ دوسرا شوہر اس عورت سے وطی کرلے، سوائے اس کے کہ اس کا اس وطی سے انزال ہو جائے۔

اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف کہ جب کوئی مسلمان اپنی کتابیہ بیوی کو تین طلاقیں دے دے، پھر وہ کسی دوسرے سے نکاح کرلے پھر وطی کے بعد وہ مرد مر جائے تو آیا وہ عورت پہلے شوہر کی طرف واپس جا سکتی ہے یا نہیں؟

اور اس میں اختلاف ہے کہ جب مسلمان کتابیہ بیوی کو تین طلاقیں دے دے، پھر وہ عورت کسی دوسرے کتابی مرد سے نکاح کرلے اور اس سے وطی کرلے پھر وہ مرد مر جائے؟ تو حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ اور سفیان بن سعید بن المسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور ان کے اصحاب نے کہا کہ اب وہ عورت اپنے پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی۔

اور ربیعہ اور امام مالک نے کہا کہ وہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی اور ہم کو اس مسئلہ میں ان کے صرف اس قول کا علم ہے کہ اس مرد کے لیے اس کتابی عورت کو طلاق دینا جائز نہیں ہے، سو ہم کہتے ہیں کہ کون سی چیز اس صورت میں اس کی بیوی کو پہلے شوہر کے لیے حلال ہونے سے منع کرے گی، اگر وہ مر جائے یا اس کا نکاح اس عورت سے فسخ ہو جائے۔

(المحلیٰ بالآثار، ج ۹ ص ۴۱۵-۴۲۰، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۵ھ)

ایک اور غیر مقلد عالم کی صحیح البخاری: ۵۳۱۷، کی شرح اور اس کے متعلق ان کی تحقیق اور اس چیز کا بیان کہ لفظ واحد کے ساتھ تین طلاقوں کو دینا جائز ہے:

شیخ ابو الطیب نواب صدیق ابن الحسن خان بھوپالی التوفی ۱۳۰۷ھ درج ذیل حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضرت رفاعہ القرظی رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں، سو انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! رفاعہ نے مجھ کو طلاق دی ہے اور قطعی طلاق دے دی ہے اور میں نے ان کے بعد حضرت عبد الرحمٰن بن الزبیر القرظی سے نکاح کیا ہے، اور ان کے پاس تو صرف ایک کپڑے کے پلو کی مثل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: شاید کہ تم رفاعہ القرظی کے پاس واپس جانا چاہتی ہو؟ نہیں، حتیٰ کہ وہ تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لے اور تم اس کا تھوڑا سا شہد چکھ لو۔

(صحیح البخاری: ۴۹۵۸، التمہید ج ۱۵ ص ۷۹، ج ۱۹ ص ۱۴۱، ج ۲۳ ص ۸۷، شرح مسلم للنووی ج ۱۰ ص ۷۰، سبل السلام ج ۳ ص ۱۷۲، ۱۷۱، المغنی ج ۷ ص ۲۸۲، کتاب الام ج ۵ ص ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۴۷، بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۴۶، نیل الاوطار، ج ۷ ص ۱۱)

نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رفاعہ القرظی جن کا تعلق بنو قریظہ سے تھا، ان کی بیوی جن کا نام تمیمہ بنت وہب ہے اور ان کے نام میں اور بھی اقوال ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! رفاعہ نے مجھ کو طلاق دے دی ہے، اور قطعی طلاق دی ہے یعنی کلی طلاق دے دی ہے۔

اور امام بخاری نے صحیح البخاری کی کتاب الادب میں یہ حدیث ایک اور سند سے ذکر کی ہے، اس میں یہ مذکور ہے کہ رفاعہ القرظی

نے مجھے تین طلاقیں دے دی ہیں اور میں نے اس کے بعد عبد الرحمٰن بن الزبیر القرظی سے نکاح کر لیا ہے اور ان کے پاس تو صرف کپڑے کے پلو کی مثل ہے، یعنی ایسا کپڑا جو بنا ہوا نہ ہو اور یہ الفاظ اس وقت کہے جاتے ہیں جب اس مرد کو نامرد قرار دیا جائے اور ان کی مراد یہ تھی کہ یا تو ان کا آلہ بہت چھوٹا ہے یا بہت ڈھیلا ہے اور وہ اپنے آلہ کو ان کی فرج میں داخل کرنے پر قادر نہیں ہیں، یعنی وہ اپنے آلہ کے سر کو اپنی بیوی کی فرج میں داخل کرنے پر قادر نہیں ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: شاید کہ تم رفاعہ القرظی کی طرف واپس جانا چاہتی ہو؟ نہیں، تم ان کی طرف واپس نہیں جا سکتیں، حتیٰ کہ عبد الرحمٰن تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لے اور تم ان کا تھوڑا سا شہد چکھ لو، عُسیلہ کا لفظ تصغیر کے ساتھ مذکور ہے اور یہ جماع کنایہ سے ہے، اور جماع کی لذت کو شہد کی لذت کے ساتھ تشبیہ دی ہے، اور تصغیر میں مؤنث کا صیغہ لایا گیا ہے کیونکہ عَسل کا لفظ مذکر بھی ہوتا ہے اور مؤنث بھی ہوتا ہے اور اس لیے کہ وہ عسلۃ کی تصغیر ہے یعنی شہد کا ایک ٹکڑا۔

نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں کہ:

اس حدیث کے مطابق اہل علم صحابہ اور تابعین کا عمل ہے، کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو وہ اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے اور دوسرا مرد اس کے ساتھ جماع نہ کر لے۔

اور علامہ ابراہیم بن المنذر متوفی ۳۱۸ھ یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ دوسرا شوہر جب اس عورت سے جماع کر لے، اس حال میں کہ وہ عورت سوئی ہوئی ہو یا بے ہوش ہو اور اس کو لذت کا ادراک نہ ہو تو پھر وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی، کیونکہ شہد کو چکھنا اس وقت متحقق ہوگا کہ جب وہ لذت کا ادراک کرے اور عامۃ اہل العلم کے نزدیک وہ عورت اس صورت میں پہلے شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: اس پر اتفاق ہے کہ حشفہ یعنی مرد کے آلہ کے سر کا عورت کی فرج میں غائب ہو جانا خواہ انزال نہ ہو، یہ پہلے شوہر کے لیے اس عورت کے حلال ہونے کے لیے کافی ہے اور الحسن البصری متوفی ۱۱۰ھ نے اس میں انزال کی شرط عائد کی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حتیٰ کہ تم اس کا تھوڑا سا شہد چکھ لو اور وہ تمہارا تھوڑا سا شہد چکھ لے اور اس شہد سے مراد نطفہ ہے۔ اس حدیث کی باب کے ساتھ مطابقت اس جملہ میں ہے کہ حضرت رفاعہ القرظی نے مجھے قطعی طلاق دے دی، کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ انہوں نے تین طلاقیں دفعتاً واحدہ دی ہیں یا تین طلاقیں متفرق طور پر دی ہیں۔

لفظ واحد کے ساتھ دی گئی تین طلاقوں کے ایک طلاق ہونے پر نواب صدیق حسن بھوپالی کے دلائل

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دفعتاً دیں تو ایک طلاق واقع ہوگی اور یہ قول محمد بن اسحاق صاحب المغازی کا ہے، اور انہوں نے درج ذیل حدیث سے استدلال کیا ہے۔

از داؤد بن الحصین از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ بن عبید بن یزید نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں، پھر طلاق دینے کے بعد وہ اس پر بہت زیادہ غمگین ہوئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم نے ان کو کیسے طلاق دی تھی، تو انہوں نے کہا: تین طلاقیں ایک مجلس میں دی تھیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ایک طلاق ہے تم اس طلاق سے رجوع کر لو، اس حدیث کی امام احمد اور امام ابو یعلیٰ نے روایت کی ہے اور اس کو محمد بن اسحاق کی سند سے

صحیح قرار دیا ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں کہا ہے کہ یہ حدیث اس مسئلہ میں صریح نص ہے جو کسی تاویل کو قبول نہیں کرتی اور اس کے علاوہ دوسری روایات میں تاویل ہو سکتی ہے، پھر فقہاء نے اس حدیث کے چار جواب دیے ہیں:

پھر حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ چار جواب لکھے، پھر مزید آٹھ جواب لکھے، پھر کہا کہ راجح یہ ہے کہ جب لفظِ واحد کے ساتھ تین طلاقیں دی جائیں تو وہ تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس پر اجماع ہو چکا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں کسی صحابی سے یہ منقول نہیں ہے کہ اس نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس مسئلہ میں مخالفت کی ہو۔ اور ان تمام صحابہ کا اجماع اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس حدیث کا ناسخ موجود ہے۔ اگرچہ بعض صحابہ اور تابعین سے وہ ناسخ مخفی رہا، حتیٰ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں سب پر یہ ظاہر ہو گیا کہ اس حدیث پر عمل کا حکم منسوخ ہو چکا ہے۔ اور اجماع کی مخالفت معتبر نہیں ہے۔ اور جمہور کا موقف یہی ہے کہ اجماع کے بعد جو اختلاف ظاہر ہو اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

نواب صدیق حسن بھوپالی متوفی ۱۳۰۷ھ لکھتے ہیں:

یہ تمام جوابات جن کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں لکھا ہے، یہ تمام جوابات مخدوش ہیں، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ان پر رد کیا ہے اور ان کے شاگرد حافظ ابن قیم نے بھی اغاثۃ اللھفان میں ان جوابات کا رد کیا ہے اور اعلام الموقعین میں بھی رد کیا ہے اور دیگر تصانیف میں بھی۔ اور اس مسئلہ میں ہمارے شیخ اور ہماری برکت قاضی محمد بن علی شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ اور ان کے متبعین کی طرف رجوع ہے اور یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ایک ہے جس پر شیخ ابن تیمیہ الحرانی متوفی ۷۲۸ھ کے عہد میں قیامت برپا ہو گئی تھی اور بہ کثرت زلزلے آ گئے تھے، اور اس پر بہت مباحثے اور مناظرے ہوئے، تو جو اس مسئلہ میں ثابت قدم رہا، وہ ثابت قدم رہا اور جو پھسل گیا، وہ پھسل گیا اور انصاف خیر الاوصاف ہے اور مجھے کلام کے طویل ہونے کا خطرہ نہ ہوتا تو میں یہاں پر مفصل بحث کرتا اور حدیث رکانہ کے جو جوابات دیے گئے ہیں ان کا رد کرتا۔ (عون الباری لحل ادلۃ صحیح البخاری ج ۵ ص ۵۰-۴۵۱-۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۹ھ)

تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے پر غیر مقلدین کے دلائل پر مصنف کا تبصرہ

تین مجموعی طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے متعلق شیخ ابن حزم الظاہری کے دلائل

مشہور غیر مقلد شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جو اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں ان کو ایک طلاق قرار دیا جاتا ہے۔ انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے: از طاؤس از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا، تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگوں نے اس کام میں جلدی کر لی جس کام میں ان کے لیے تاخیر تھی، پس اگر ہم ان پر یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ تین طلاقیں نافذ کر دیں۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۲، مصنف عبدالرزاق: ۱۱۳۳۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۹۹، سنن نسائی: ۳۴۰۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ عبد یزید رکانہ اور اس کے بھائیوں کے والد سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم اپنی بیوی ام رکانہ سے رجوع کر لو"۔ انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں تو اس کو تین طلاقیں دے چکا ہوں، آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم اس کو تین طلاقیں دے چکے ہو تم اس سے رجوع کر لو اور آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی

عورتوں کو طلاق دو، تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو اور عدت کا شمار رکھو۔ (الطلاق:۱)

امام ابوداؤد نے کہا: نافع بن عجیر اور عبداللہ بن علی بن یزید بن رکانہ از والد خود از جد خود جو روایت ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی بیوی کو ان کی طرف لوٹا دیا، یہ حدیث زیادہ صحیح ہے کیونکہ کسی مرد کا بیٹا اور اس کی بیوی اس کے احوال سے زیادہ واقف ہوتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی، پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طلاق کو ایک طلاق قرار دیا۔ (المحلی بالآثار ج ۸ ص ۳۸۹-۳۹۰، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۵ھ)

تین مجموعی طلاقوں کے تین طلاقیں ہونے پر جمہور فقہاء کے قرآن مجید سے دلائل

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ ..... فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ (البقرۃ: ۲۳۰-۲۲۹)

دو بار طلاق دینے کے بعد یا تو دستور کے مطابق روک لینا ہے یا اس کو حسن سلوک کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔۔۔ پس اگر اس کو (تیسری) طلاق دے دی تو وہ عورت اس (تیسری طلاق) کے بعد اس پر حلال نہیں ہے، یہاں تک کہ وہ عورت اس کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کرے۔

البقرہ: ۲۳۰، کے شروع میں فرمایا ہے: فَاِنْ طَلَّقَهَا اس کے شروع میں حرف فاء ہے جو تعقیب بلا مہلت کے لیے آتا ہے اور اب قواعد عربیہ کے اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ دو رجعی طلاقیں دینے کے بعد اگر خاوند نے فوراً تیسری طلاق دے دی تو اب وہ عورت اس مرد کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ شرعی قاعدہ کے مطابق کسی اور مرد کے ساتھ نکاح نہ کر لے، اس آیت میں اگر حرف ثم ہوتا جو مہلت اور تاخیر پر دلالت کرتا ہے تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے اور دوسرے طہر میں دوسری طلاق دی جائے اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دی جائے لیکن قرآن میں ثم کی بجائے فاء کا ذکر کیا گیا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ اگر خاوند نے دو طلاقیں دینے کے بعد فوراً تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس کے لیے حلال نہیں رہے گی۔

قرآن مجید میں اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فرمایا ہے، یعنی دو مرتبہ طلاق، اور دو مرتبہ طلاق دینا اس سے عام ہے کہ ایک مجلس میں دو مرتبہ طلاق دی جائے یا دو طہروں میں دو مرتبہ طلاق دی جائے اور اس کے بعد اگر فوراً تیسری طلاق دے دی تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اگر کسی شخص نے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین بار تین طلاقیں دیں اور کہا میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی، میں نے تم کو طلاق دی تو یہ تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو جائے گی۔

تین مجموعی طلاقوں کے تین طلاقیں ہونے پر جمہور فقہاء کے احادیث صحیحہ سے دلائل

امام بخاری روایت کرتے ہیں کہ حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ، حضرت عاصم بن عدی الانصاری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، سوان سے کہا: اے عاصم! اگر تم کسی مرد کو دیکھو کہ اس کی بیوی کسی دوسرے مرد کے ساتھ ہے تو کیا تم اس کو قتل کر دو گے یا پھر وہ شخص کیا کرے؟ اے عاصم! تم میری خاطر اس کا سوال کرنا، پس حضرت عاصم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سوال کو ناپسند کیا اور اس کی مذمت کی حتیٰ کہ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ پر یہ بات بہت سخت گزری جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی تھی، پھر جب حضرت عاصم رضی اللہ عنہ اپنے گھر گئے تو ان کے پاس حضرت عویمر رضی اللہ عنہ آئے، پس انہوں نے پوچھا:

اے عاصم! تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا؟ تو حضرت عاصم نے جواب دیا: میں تمہارے پاس کوئی اچھی خبر نہیں لایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو سوال کیا تھا اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسند فرمایا، تب حضرت عویمر نے کہا: اللہ کی قسم! میں نہیں رکوں گا حتیٰ کہ میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کروں، پس حضرت عویمر اس وقت آئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے، انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ بتائیے کہ ایک مرد اپنی بیوی کے ساتھ دوسرے مرد کو دیکھے تو آیا وہ اس کو قتل کردے تو آپ لوگ اس کو قتل کر دیں گے یا پھر وہ کیا کرے؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے متعلق اور تمہاری بیوی کے متعلق حکم نازل فرما دیا ہے، پس تم جاؤ اور اپنی بیوی کو لے آؤ، حضرت سہل نے کہا: پس ہم نے ایک دوسرے پر لعان کیا، میں لوگوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھا جب وہ دونوں لعان سے فارغ ہو گئے تو حضرت عویمر نے کہا: اگر میں نے اس عورت کو اپنے پاس رکھا تو میں جھوٹا ہوں گا، پھر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں۔ (صحیح البخاری: ۵۳۰۸، صحیح مسلم: ۱۴۹۲، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۶۷)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دینے سے بیوی اسی وقت حرام ہو جاتی ہے اور تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں، اگر ایک مجلس میں تین طلاقوں سے ایک طلاق رجعی واقع ہوتی تو حضرت عویمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول عبث ہوتا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے یہ فرماتے کہ بیک وقت تین طلاقوں سے تمہاری بیوی تم سے علیحدہ نہیں ہوئی۔ نیز اس حدیث کی مزید وضاحت درج ذیل حدیث سے ہوتی ہے:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ اس حدیث میں بیان کرتے ہیں کہ حضرت عویمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تین طلاقوں کو نافذ فرما دیا۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۵۰)

اس حدیث میں یہ واضح تصریح ہے کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں اور اس میں رجوع کا اختیار نہیں ہوتا۔

سوید بن غفلہ بیان کرتے ہیں کہ عائشہ خشعمیہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کے نکاح میں تھیں، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو اس نے حضرت حسن سے کہا کہ آپ کو خلافت مبارک ہو تو حضرت حسن نے کہا: تم حضرت علی کی شہادت پر خوشی کا اظہار کر رہی ہو، جاؤ میں نے تم کو تین طلاقیں دیں، اس نے اپنے کپڑے اٹھائے اور بیٹھ گئی حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو گئی۔ حضرت حسن نے اس کی طرف اس کا بقیہ مہر اور دس ہزار درہم صدقہ بھیجا تو اس نے کہا: مجھے اپنے جدا ہونے والے محبوب سے یہ تھوڑا سا سامان ملا ہے، جب حضرت حسن تک یہ بات پہنچی تو انہوں نے آب دیدہ ہو کر فرمایا: اگر میں نے اپنے نانا سے یہ حدیث نہ سنی ہوتی کہ آپ نے فرمایا: جس شخص نے بھی اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں خواہ الگ الگ طہروں میں یا بہ یک وقت تو وہ عورت اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک کہ وہ کسی اور خاوند سے نکاح نہ کر لے (اگر آپ کا یہ ارشاد نہ ہوتا) تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۳۶ نشر السنہ ملتان، سنن دارقطنی ج ۴ ص ۳۰-۳۱ نشر السنہ ملتان، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۹ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ)

اس حدیث کی امام طبرانی نے دو سندوں کے ساتھ روایت کی ہے، اس کے متعلق حافظ نور الدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں، ان دونوں حدیثوں کی امام طبرانی نے روایت کی ہے اور پہلی حدیث کے راوی حدیث صحیح کے راوی ہیں۔

(مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۹، دار الکتاب العربی بیروت ۱۴۰۲ھ)

اس حدیث میں انتہائی وضاحت کے ساتھ یہ تصریح ہے کہ یہ یک وقت دی گئی تین طلاقوں سے تین طلاقیں ہی واقع ہوتی ہیں، خواہ وہ تین طلاقیں مجموعی طور پر دی جائیں یا متفرق طور پر۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ میں کھڑے ہو کر فرمایا: کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں، پھر ایک مرد نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! کیا میں اس کو قتل نہ کر دوں! (سنن نسائی: ۳۳۹۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر اکٹھی تین طلاقیں دی جائیں تو وہ تین طلاقیں ہی شمار ہوتی ہیں کیونکہ اگر اکٹھی تین طلاقوں سے ایک طلاق مراد ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: اس طلاق سے رجوع کر لو اور اس پر ناراض نہ ہوتے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا ناجائز اور گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی حد سے تجاوز کرنا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی، پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: تین طلاقیں دینے کے بعد تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو جائے گی اور تمہارا اپنی بیوی کو تین طلاقیں دینا گناہ ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۶، بیروت، ۱۴۰۲ھ)

حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس حدیث کی امام طبرانی نے روایت کی ہے، اس میں ایک راوی علی بن سعید ہے، امام دار قطنی نے کہا: وہ قوی نہیں ہے اور دوسروں نے کہا: وہ بہت عظیم راوی ہے، اور اس حدیث کے باقی تمام راوی ثقہ ہیں۔

اکٹھی تین طلاقوں کے متعلق آثار صحابہ اور اقوال تابعین

امام عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی المتوفی ۲۱۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

سالم نے بیان کیا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ نافذ ہو جائیں گی اور اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۳۹۵، مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۳ھ، مصنف عبد الرزاق: ۱۱۳۸۸، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے کہا: اے ابو عباس! میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، حضرت ابن عباس نے (طنزاً) فرمایا: یا ابا عباس! پھر فرمایا: تم میں سے کوئی شخص حماقت سے تین طلاقیں دیتا ہے، پھر کہتا ہے: اے ابو عباس! تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو گئی۔ (مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۳۹۷، ۱۱۳۹۶ مجلس علمی بیروت ۱۴۲۱ھ)

امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ المتوفی ۲۳۵ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

واقع بن سحبان بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں؟ حضرت عمران بن حصین نے کہا: اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱، ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۸۷، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین

طلاقیں دی ہوں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اس کو دردناک مار، مارتے اور ان کے درمیان تفریق کر دیتے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱، ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۸۹، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کہنا غلط ہے کہ وہ تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے تھے ورنہ وہ تین طلاقیں دینے والے کو دردناک طریقہ سے نہ مارتے اور اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان تفریق کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی اور وہ جو صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا، اس کے بالتفصیل جوابات ان شاء اللہ عنقریب ہدیہ قارئین ہوں گے۔

زہری نے اس شخص کے متعلق کہا جس نے اپنی بیوی کو تین اکٹھی طلاقیں دے دیں، انہوں نے کہا اس شخص نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور اس کی بیوی اس سے الگ ہو گئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۹۲، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

علقمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دے دیں۔ حضرت ابن مسعود نے جواب دیا کہ تین طلاقوں سے اس کی بیوی اس سے علیحدہ ہو گئی اور باقی ستانوے (۹۷) طلاقیں حد سے تجاوز ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۰۹۷، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

حبیب بیان کرتے ہیں کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا: میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں، تو مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تمہاری بیوی تین طلاقوں سے علیحدہ ہو گئی باقی طلاقیں دوسری بیویوں میں تقسیم کر دو۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۱، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

معاویہ بن ابی یحییٰ بیان کرتے ہیں: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے آ کر کہا: یا امیر المومنین! میں نے اپنی بیوی کو سو (۱۰۰) طلاقیں دی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تین طلاقوں سے تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو گئی اور باقی ستانوے طلاقیں حد سے تجاوز ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۴، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے کسی مرد نے سوال کیا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک سو (۱۰۰) طلاقیں دے دی ہیں، حضرت مغیرہ نے جواب دیا کہ تین طلاقوں نے اس کی بیوی کو اس پر حرام کر دیا اور باقی ستانوے (۹۷) طلاقیں حد سے تجاوز ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۳-۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۵، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

شعبی بیان کرتے ہیں کہ قاضی شریح سے سوال کیا گیا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دے دی ہیں، انہوں نے کہا: تین طلاقوں سے تمہاری بیوی علیحدہ ہو گئی اور باقی طلاقیں اسراف اور معصیت ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۷، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

حسن بصری کے پاس ایک مرد آیا، سو اس نے کہا: میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دے دی ہیں تو انہوں نے کہا: تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو گئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۰۸، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ ایک شخص نے دخول سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: اس کی بیوی اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہوگی

جب تک دوسرا شخص اس سے دخول نہ کر لے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۵۶، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

حضرت ابوہریرہ، حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص نے دخول سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں تو ان سب نے جواب دیا: اس کی بیوی اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک اس کی بیوی کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۳، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۵۹، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب کسی شخص نے دخول سے پہلے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں تو اس کی بیوی اس پر اس وقت تک حلال نہیں ہوگی جب تک وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کر لے اور اگر اس نے اپنی بیوی کو الگ الگ تین طلاقیں دیں تو اس کی بیوی پہلی طلاق کے ساتھ اس سے علیحدہ ہو جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۵، مصنف ابن ابی شیبہ ۱۸۱۷۶، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

البقرہ: ۲۲۹-۲۳۰، سے واضح ہو گیا کہ تین طلاقیں دینے کے بعد بغیر شرعی حلالہ کے عورت مرد پر حلال نہیں ہوتی خواہ وہ تین طلاقیں اکٹھی دی جائیں یا الگ الگ، اسی طرح احادیث صحیحہ، آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے بھی واضح ہو گیا کہ اگر ایک مجلس میں اکٹھی تین طلاقیں دے دی جائیں تو مرد پر اس کی بیوی حرام ہو کر اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے اور تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کرنے کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے اور شیخ ابن حزم الظاہری، شیخ شوکانی اور دیگر غیر مقلدین نے صحیح مسلم کی از طاؤس از حضرت ابن عباس روایت سے جو استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان تین طلاقوں کو تین طلاق ہی قرار دے دیا، سو اب ہم اس روایت کے مفصل جوابات پیش کر رہے ہیں۔ فنقول وباللہ التوفیق

اکٹھی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے ثبوت میں شیخ ابن حزم الظاہری کی پیش کردہ روایت کے مفصل اور متعدد جوابات

صحیح مسلم کی یہ روایت، شاذ، معلل، مردود ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ طاؤس نے اس حدیث کی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ فتویٰ دیتے تھے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں، اور اگر اس لیے وہ طلاقیں متفرق دی ہیں تو اس کی بیوی پہلی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۱۷۶، مجلس علمی بیروت ۱۴۲۷ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں: کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ متصور نہیں ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک حدیث روایت کریں اور خود اس کے خلاف فتویٰ دیں، اس لیے یہ روایت شاذ ہے اور حضرت ابن عباس کی طرف اس روایت کو منسوب کرنے میں طاؤس کو وہم ہوا ہے۔

(فتح الباری ج ۶ ص ۴۴۱، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ، فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۳، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کے جواب کی وضاحت امام بیہقی کی اس عبارت سے ہوتی ہے:

امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی البیہقی المتوفی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں:

یہ حدیث ان احادیث میں سے ہے جن میں امام بخاری اور امام مالک کا اختلاف ہے، امام مسلم نے اس حدیث کی روایت کی ہے اور امام بخاری نے اس حدیث کو ترک کر دیا اور میرا گمان یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی باقی روایات کے خلاف ہے۔

امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ عکرمہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: پہلے انسان تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کر لیتا تھا، پھر البقرہ: ۲۲۹، الطلاق مرتٰن نے اس کو منسوخ کر دیا۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں وہ اس پر حرام ہو گئی۔

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ تم تین طلاقیں لے لو اور ستانوے طلاقوں کو چھوڑ دو۔

مجاہد بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ اس نے اپنی بیوی کو ایک سو طلاقیں دی ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: تم نے اپنی بیوی کی نافرمانی کی، سو تمہاری بیوی تم سے علیحدہ ہو گئی تم نے اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں کیا، سو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کوئی راستہ نہیں رکھا۔

طاؤس کے علاوہ عطاء، عمرو بن دینار اور مالک بن حارث وغیرہم جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے تلامذہ ہیں، ان سب نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت کی ہے کہ بہ یک وقت دی گئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں، ان کے برخلاف صرف طاؤس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ عہد رسالت اور عہد ابوبکر میں تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیا جاتا تھا۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷۲، مصنف عبدالرزاق: ۱۱۳۳۷، سنن ابوداؤد: ۲۱۹۹، سنن نسائی: ۳۴۰۶)

سو یہ روایت طاؤس کا وہم ہے اور شاذ اور معلل ہے، صحیح نہیں ہے۔ (السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۳۳۷ نشر السنہ ملتان)

قاضی محمد بن علی بن محمد شوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل نے فرمایا: حضرت ابن عباس کے تمام شاگردوں نے حضرت ابن عباس سے طاؤس کے خلاف روایت کی ہے، سعید بن جبیر، مجاہد اور نافع نے حضرت ابن عباس سے اس کے خلاف روایت کی ہے۔
(نیل الاوطار ج ۸ ص ۲۲، مکتبۃ الکلیات الازہریہ قاہرہ، ۱۳۹۸ھ)

طاؤس کی روایت کے غلط اور شاذ ہونے پر مزید دلائل

خود طاؤس کا فتویٰ بھی اپنی روایت کے خلاف تھا، طاؤس یہ کہتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دخول سے پہلے تین طلاقیں دے دے تو وہ ایک طلاق شمار ہو گی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۶، ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

طاؤس کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ وہ مطلقاً تین طلاقوں کو ایک طلاق نہیں قرار دیتے تھے بلکہ جب کوئی مرد دخول سے پہلے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دے تو پھر اس کی تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہو گی۔

علامہ علاؤ الدین بن علی بن عثمان ماردینی متوفی ۸۴۵ھ لکھتے ہیں:

حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے لکھا ہے کہ طاؤس کی یہ روایت وہم اور غلط ہے اور علماء میں سے کسی ایک نے بھی ان روایت کو قبول نہیں کیا، کیونکہ ثقہ راویوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف روایت کی ہے۔ (الجوہر النقی علی ہامش

السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۳۳۸-۳۳۷، نشر السنہ ملتان)

طاؤس کی روایت کا صحیح محمل

جمہور محدثین اور فقہاء اسلام نے اس حدیث کو اس کے فنی سقم کی وجہ سے مسترد کر دیا ہے، تاہم بر سبیل تنزل اس حدیث سے یہ تاویل کی کہ عہد رسالت اور دور صحابہ میں مسلمان تاکید کی نیت سے تین بار طلاق دیتے تھے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بعض مسلمانوں نے تین طلاق دینے کی نیت سے تین بار طلاق دینا شروع کر دیا۔ اس لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی نیات کے اعتبار سے ان تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی حکم کو نہیں بدلا بلکہ اس چیز کو نافذ کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہے، حدیث میں ہے:

امام ترمذی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

عبد اللہ بن یزید بن رکانہ از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، پس میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دے دی ہے، آپ نے دریافت فرمایا: تم نے اس سے کیا ارادہ کیا تھا، میں نے عرض کیا، میں نے اس سے ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا، آپ نے پوچھا: اللہ کی قسم! میں نے کہا: اللہ کی قسم! آپ نے فرمایا: پس یہ وہی طلاق ہے جس کا تم نے ارادہ کیا تھا۔ (سنن ترمذی: ۱۱۷۷)

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے تین سندوں کے ساتھ روایت کی ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۲۰۶، ۲۲۰۷، ۲۲۰۸)

اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ مجلس واحد میں لفظ واحد سے تین طلاقوں کا ارادہ کرنا جائز ہے کیونکہ اگر یہ ناجائز ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت رکانہ سے یہ استفسار نہ فرماتے کہ تم نے طلاق البتہ سے کیا مراد لیا ہے، اور ان کی مراد پر قسم طلب نہ فرماتے، بلکہ صاف فرما دیتے کہ ایک مجلس میں ایک لفظ سے صرف ایک طلاق واقع ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت رکانہ سے ان کی طلاق کی تعداد کو دریافت کرنا اور ان کی مراد پر قسم لینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مجلس واحد میں لفظ واحد میں دی ہوئی تین طلاقیں نافذ ہو جاتی ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اس حدیث کے مطابق تھا، اور جمہور فقہاء اسلام کا نظریہ بھی اسی حدیث کے مطابق ہے۔

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے ثبوت میں سنن ابوداؤد کی روایت کا جواب

اس جگہ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ امام ابوداؤد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد یزید ابو رکانہ سے فرمایا: تم اپنی بیوی کو طلاق دو، سو انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پھر آپ نے فرمایا: تم اپنی بیوی ام رکانہ سے رجوع کر لو، انہوں نے کہا: میں تو اس کو تین طلاقیں دے چکا ہوں، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے تم اس سے رجوع کر لو۔ الحدیث (سنن ابوداؤد: ۲۱۹۶)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقیں دینے کے بعد بھی رجوع کرنا صحیح ہے کیونکہ ابو رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تین طلاقوں سے رجوع کرنے کا حکم دیا۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ امام ابوداؤد حدیث: ۲۱۹۶، کو روایت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

ابوداؤد نے کہا: نافع بن عجیر اور عبد اللہ بن علی بن یزید بن رکانہ از والد خود از جد خود روایت کرتے ہیں: کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ

نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دے دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی ان کی طرف واپس کر دی، امام ابوداؤد نے کہا: یہ حدیث زیادہ صحیح ہے کیونکہ کسی مرد کا بیٹا اور اس کے گھر والے اس کے احوال سے زیادہ واقف ہوتے ہیں کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو صرف طلاق البتہ دی تھی، سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک طلاق قرار دیا۔

امام ابوداؤد نے اپنی جس روایت کا حوالہ دیا ہے وہ درج ذیل ہے:

از نافع بن عجیر بن عبد یزید بن رکانہ روایت ہے کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سہیمہ کو طلاق البتہ دی، پھر انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور کہا اللہ کی قسم! میں نے اس سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا، تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! تم نے اس سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا؟ تو حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے اس سے صرف ایک طلاق کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بیوی ان کی طرف واپس کر دی، پھر انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اپنی بیوی کو دوسری طلاق دی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں انہوں نے اپنی بیوی کو تیسری طلاق دی۔

(سنن ابوداؤد: ۲۲۰۶، سنن ترمذی: ۱۱۷۷، سنن ابن ماجہ: ۲۰۵۱)

ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دینے کے ثبوت میں مسند احمد کی روایت کا مفصل اور محقق جواب

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت رکانہ بن یزید نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں، پھر وہ اس پر بہت زیادہ غمگین ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: تم نے اپنی بیوی کو کیسے طلاق دی تھی؟ انہوں نے بتایا: میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں، آپ نے پوچھا: ایک مجلس میں؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: یہ تین طلاقیں ایک طلاق ہے۔ اگر تم چاہو تو اس طلاق سے رجوع کر لو، حضرت ابن عباس نے بتایا کہ پھر حضرت رکانہ نے اس طلاق سے رجوع کر لیا۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۶۵، مسند احمد: ۲۳۸۷، موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۲۰ھ)

شیخ شعیب الارنؤوط اور دیگر محققین اس حدیث کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند ضعیف ہے، کیونکہ اس کی سند میں داؤد بن الحصین کی عکرمہ سے روایت ہے، علی بن المدینی نے کہا کہ داؤد بن الحصین نے عکرمہ سے جو حدیث روایت کی ہے سو وہ منکر ہے، اور امام ابوداؤد نے کہا کہ عکرمہ سے اس کی روایات مناکیر ہیں اور علامہ ذہبی نے اپنی کتاب میں کہا کہ اس کی روایات غرائب مستنکرہ ہیں، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے "تقریب التہذیب" میں کہا ہے کہ یہ عکرمہ کے سوا دوسری روایات میں ثقہ ہیں۔

امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے کہا ہے: اس حدیث سے حجت قائم نہیں ہوتی جب کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے آٹھ (۸) شاگرد اس روایت کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں، علاوہ ازیں حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کی اولاد نے یہ روایت کی ہے کہ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو صرف ایک طلاق دی تھی۔ (سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۹)

امام ابویعلیٰ اور امام عبدالرزاق اور امام ابوداؤد نے از ابن جریج از بعض بنی ابورافع از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کی ہے کہ ابورکانہ نے ام رکانہ کو طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "تم اپنی بیوی سے رجوع کر لو" انہوں نے کہا: یا رسول اللہ! میں نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں، آپ نے فرمایا: "مجھے معلوم ہے تم ان سے رجوع کر لو"۔ (مسند ابویعلیٰ:

۲۵۰۰ ، مصنف عبدالرزاق : ۱۱۳۳۴ ، سنن ابوداؤد : ۲۱۹۶)

علامہ حمد بن محمد خطابی شافعی متوفی ۳۸۸ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں :

اس حدیث کی سند پر اعتراض ہے کیونکہ ابن جریج نے اس حدیث کی ابورافع کے بعض بیٹوں سے روایت کی ہے اور ان کا نام ذکر نہیں کیا اور سند مجہول حجت نہیں ہوتی ۔ (معالم السنن ج ۳ ص ۲۳۶)

نیز علامہ خطابی نے کہا ہے کہ امام احمد بن حنبل اس حدیث کی تمام سندوں کو ضعیف قرار دیتے ہیں اور علامہ ابن قدامہ حنبلی نے بھی یہ تصریح کی ہے کہ امام احمد بن حنبل نے حضرت رکانہ کی اس حدیث کی سند کو ضعیف قرار دیا ہے اور اس کو ترک کر دیا ہے ۔

(المغنی لابن قدامہ ج ۱۰ ص ۳۶۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ ھ لکھتے ہیں :

حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں نہیں دی تھیں ، بلکہ طلاق البتہ دی تھی ، امام ابوداؤد نے اس کو ترجیح دی ہے ۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۳۶۳ طبع لاہور ، فتح الباری ج ۶ ص ۴۴۱ ، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ ھ) ۔ (حاشیہ مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۲۱۵-۲۱۷ ، موسسۃ الرسالہ بیروت ، ۱۴۲۰ ھ)

اکٹھی تین طلاقوں کو ایک قرار دینے کی مبحث کا خلاصہ

شیخ ابن حزم الظاہری اور دیگر غیر مقلدین ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار دیتے ہیں ، اس کے برخلاف ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء اور محدثین ان تین طلاقوں کو تین طلاقیں ہی قرار دیتے ہیں ، ہم نے اس مبحث میں پہلے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ اور آثار صحابہ اور اقوال تابعین سے بیان کیا ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ، تین طلاقیں ہی ہوتی ہیں ، ایک طلاق نہیں ہوتی ۔ اس کے بعد شیخ ابن حزم الظاہری اور غیر مقلدین نے جن احادیث سے اپنے اس موقف پر استدلال کیا ہے کہ ایک مجلس میں دی گئی تین طلاقیں ایک طلاق ہوتی ہے ، اس کا تفصیلی دلائل سے رد کیا ہے اور حق کو واضح تر کر دیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور اس کو موافقین کے لیے موجب استقامت اور مخالفین کے لیے ذریعہ ہدایت بنائے اور میرے گناہوں کو معاف فرمادے ۔ آمین یارب العالمین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

٦٩ - كِتَابُ الْعِدَّةِ

عدت کا بیان

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

یہ باب احکام العدۃ کے بیان میں ہے، اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح میں اس عنوان میں لفظ کتاب لکھا ہوا ہے اور یہی صحیح ہے، اور عدت کا معنی ہے کہ عورت اپنے شوہر کی وفات کے بعد کچھ مدت تک دوسرا نکاح کرنے سے ٹھہری رہے یا شوہر کی طلاق لینے کے بعد کچھ مدت تک دوسرا نکاح کرنے سے ٹھہری رہے اور یہ عدت یا تو اس عورت کے ہاں بچہ پیدا ہونے سے ختم ہوگی، یا تین حیض گزرنے سے یہ عدت ختم ہوگی اور اگر اس عورت کو حیض نہ آتا ہو تو پھر تین ماہ گزرنے سے یہ عدت ختم ہوگی۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

میں کہتا ہوں: عدت کا لفظ عد یعد کا مصدر ہے، کہا جاتا ہے: عددت الشیء، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب تم کسی چیز کا شمار کرو، اور اس کا شرعی معنی ہے اس مدت تک انتظار کرنا جس مدت کے بعد عورت کے نکاح کا زوال ہو جاتا ہے یا نکاح کی شبہ کا زوال ہو جاتا ہے، اور آزاد عورت کی عدت طلاق سے یا بغیر طلاق سے فسخ نکاح سے یا مثلاً خیارِ عتق سے اور خیارِ بلوغ سے یا زوجین میں سے کسی ایک کی ملکیت اپنے صاحب سے یا ارتداد سے یا عدمِ کفر سے تین حیض ہوتی ہے، اگر وہ عورت ''ذوات الحیض'' سے ہو، اور اگر اس کو کم عمر ہونے کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو تو پھر اس کی عدت تین ماہ ہوتی ہے اور اگر عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوتی ہے خواہ وہ عورت مسلمان ہو یا کتابیہ ہو یا کسی مسلمان مرد کے نکاح میں ہو، کم عمر ہو یا بڑی عمر کی ہو، دخول سے پہلے یا دخول کے بعد اور باندی کی عدت دو حیض ہیں عدتِ طلاق میں اگر وہ عورت ان عورتوں میں سے ہو جن کو حیض آتا ہو، اور اگر وہ عورت ان عورتوں میں سے ہو جن کو حیض نہیں آتا ان کے کم عمر ہونے کی وجہ سے یا ان کے بہت بڑھاپے کی وجہ سے یا اس کا خاوند فوت ہو گیا ہو تو اس کی عدت طلاق ڈیڑھ ماہ ہے دخول کے بعد، اور دو مہینے اور پانچ دن اس کی عدتِ وفات ہے۔ اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ عورت محض باندی ہو یا ام الولد ہو یا مدبرہ ہو یا مکاتبہ ہو یا اس عورت کا بعض حصہ آزاد کیا گیا ہو، یہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ علیہ متوفی ۱۵۰ھ کے نزدیک ہے۔

اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے، یعنی اس کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے۔ عام ازیں کہ وہ آزاد عورت ہو یا باندی ہو اور عام ازیں کہ وہ عدت طلاق سے ہو یا وفات سے ہو یا اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے ہو، اور عدت الفار ابعد الاجلین ہے، یعنی عدت الوفات اور عدت الطلاق میں سے جس کی مدت زیادہ ہو، وہ اس کی عدت ہے، یہ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۷۹ھ کے نزدیک ہے اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ کے نزدیک اس کی عدت، عدت وفات ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۳۸۔ باب: قول اللہ تعالیٰ: وَالّٰٓئِیْ یَئِسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآئِکُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ (الطلاق: ۴)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں، اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو۔

الطلاق: ۴ کی تفسیر از علامہ ازہری

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری المتوفی ۱۹۹۸ھ، اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وہ مطلقہ جس کو حیض آتا ہو، اور وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو، ان کی عدت کے احکام سورہ بقرہ میں آپ پڑھ چکے ہیں، یہاں ان عورتوں کی عدت بیان کی جارہی ہے جنہیں حیض نہ آتا ہو، ان کی تین قسمیں ہیں: (۱) وہ عورتیں جو سنِ ایاس کو پہنچ چکی ہوں، جن کو حیض آنے کی قطعاً امید نہ ہو۔ بعض علماء نے پچپن سال اور بعض نے تریسٹھ سال کی عمر کو سن ایاس کہا ہے، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ جس عمر میں حیض کا آنا یقیناً بند ہو جائے۔ (۲) وہ عورتیں جو ابھی نابالغ ہوں یا جن کو حیض تو نہیں آیا لیکن وہ عمر کے اعتبار سے بالغ ہو گئی ہوں۔ (۳) جو حاملہ ہوں۔

پہلی دو قسموں کی عدت تین ماہ ہے، آیسہ طلاق کے بعد تین ماہ گزارے، اسی طرح نابالغہ۔

حاملہ کی عدت کا ذکر بعد میں آرہا ہے۔

وہ عورتیں جن کا حیض کسی عارضہ کی وجہ سے بند ہو گیا، ان کی عدت کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ حضرت عثمان، حضرت علی، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی رائے یہ ہے کہ یہ عورت انتظار کرے، یہاں تک کہ سنِ ایاس کو پہنچ جائے اور اس کے بعد تین ماہ عدت گزارے۔ اگر اس عورت کو پھر حیض شروع ہو جائے تو پھر تین حیض عدت گزارے۔ احناف نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ امام ثوری، لیث اور امام شافعی کا بھی یہی مسلک ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ عورت نو ماہ انتظار کرے، اگر اس اثناء میں اسے حیض نہ آئے تو تین ماہ عدت گزارے اور اگر نو ماہ میں حمل کے آثار ہوں تو پھر اس کی عدت وضعِ حمل ہو گی۔ حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک کا یہی مسلک ہے۔

امام اوزاعی کہتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے اپنی جوان بیوی کو طلاق دی اور اسے حیض آنا بند ہو گیا تو پورا سال عدت گزارے۔

امام حسن بصری کہتے ہیں کہ وہ سال بھر انتظار کرے۔ اگر اس عرصہ میں حیض نہ آئے تو پھر تین ماہ عدت گزارے، یہاں تین ماہ سے مراد قمری مہینے ہیں۔ اگر پہلی تاریخ کو طلاق ہوئی تو تین چاند شمار ہوں گے، انتیس کے ہوں یا تیس کے۔ اور اگر درمیان میں طلاق ہوئی تو پھر اس تاریخ سے نوے دن گنے جائیں گے۔ صاحبین کے نزدیک وہ مہینہ تیس کا شمار ہو گا، اس کے بعد دو مہینے چاند کے حساب سے شمار ہوں گے۔

یہ حکم مطلقہ کے لیے ہے، لیکن جس کا خاوند فوت ہو جائے تو اس کی عدت کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ حاملہ نہ ہو تو پھر ہر حال میں چار ماہ دس دن عدت گزارے گی خواہ وہ صغیرہ ہو، آیسہ ہو یا جوان ہو۔

یہ آیت اگرچہ عام ہے مطلقہ اور بیوہ دونوں کو شامل ہے لیکن اجماع سے اس عموم کی تخصیص ہو گئی۔ (تفسیرات احمدیہ، ملا جیون،

احکام القرآن للجصاص)

اب حاملہ عورت کی عدت بیان کی جارہی ہے، اس میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر مطلقہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ اگر بیوہ حاملہ ہو تو اس کی عدت کیا ہوگی؟ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کی ایک آیت میں مطلق بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کی گئی ہے اور یہاں مطلق حاملہ کی عدت وضعِ حمل بتائی گئی ہے، اگر بیوہ غیر حاملہ ہو تو اس کی عدت بالاتفاق چار ماہ دس دن ہوگی اور اگر مطلقہ حاملہ ہو تو اس کی عدت بالاتفاق وضعِ حمل ہوگی لیکن اگر بیوہ ہو اور حاملہ بھی ہو تو اس کی عدت میں اختلاف ہے۔ حضرت سیدنا علی، حضرت ابن عباس کے نزدیک دونوں آیتوں پر عمل کرتے ہوئے ابعد الاجلین عدت ہوگی، یعنی اگر خاوند کی وفات کے فوراً بعد بچہ پیدا ہوا تو چار ماہ دس دن عدت گزارے گی اور اگر مدتِ حمل چار ماہ دس دن سے تجاوز کر گئی تو پھر وضعِ حمل کے وقت اس کی عدت ختم ہوگی۔

لیکن حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ یہ آیت سورہ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے، اس لیے یہ آیت پہلی آیت کی مخصص ہوگی، گویا چار ماہ دس دن اس عورت کی عدت ہوگی جو حاملہ نہ ہو، اور جو حاملہ ہو خواہ مطلقہ ہو یا بیوہ، اس کی عدت وضعِ حمل تک ہوگی، اس قول کی تائید متعدد صحیح احادیث سے ہوتی ہے۔ امام مالک نے اپنے موطا میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک دفعہ اس مسئلہ پر حضرت ابنِ عباس اور عبدالرحمٰن بن عوف کے صاحبزادے ابوسلمہ کے درمیان گفتگو ہوئی۔ ابنِ عباس ابعد الاجلین کے قائل تھے اور ابوسلمہ وضعِ حمل کو عدت کی انتہا کہتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ میں اس مسئلہ میں اپنے بھتیجے ابوسلمہ کی تائید کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس کے غلام کریب کو حضرت ام المومنین ام سلمہ کی خدمت میں بھیجا گیا۔ ام المومنین نے بتایا کہ سبیعہ اسلمیہ کا خاوند فوت ہوا، وہ حاملہ تھیں، چند روز کے بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ سبیعہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنی عدت کے بارے میں پوچھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اب تو حلال ہوگئی، جس سے چاہے نکاح کر سکتی ہے۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہی حدیث سبیعہ اسلمیہ کی زبانی روایت کی ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں سعد بن خولہ کی بیوی تھی، حجۃ الوداع کے موقع پر انہوں نے وفات پائی۔ میں اس وقت حاملہ تھی، ابھی چند روز ہی گزرے تھے کہ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا، مجھے ایک آدمی نے بتایا کہ تمہیں چار ماہ دس دن عدت پوری کرنی ہوگی تب تم نکاح کر سکتی ہو، میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئی اور اپنا ماجرا بیان کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم آزاد ہو، اگر کسی سے نکاح کرنا چاہو تو کر سکتی ہو۔

صحابہ کرام کی کثیر تعداد کا یہی مسلک ہے، ائمہ اربعہ نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے۔

مسئلہ: اگر پیٹ میں ایک سے زیادہ بچے ہوں تو عدت آخری بچے کی پیدائش کے وقت ختم ہوگی۔

مسئلہ: اگر حمل ساقط ہو جائے اور یہ یقین ہو کہ جو چیز نکلی ہے وہ حمل ہی ہے تو اس وقت بھی عدت ختم ہو جائے گی۔

(تفسیر ضیاء القرآن جلد پنجم ص ۲۸۰-۲۸۲، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

الطلاق: ۴ کی تفسیر از مصنف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہوں اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے، اور وہ

عورتیں جن کو حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے کاموں کو آسان کردے گا۔ (الطلاق: ۴)

جن بوڑھی عورتوں کو حیض نہیں آتا، ان کی عدت میں شک ہونے کے محامل

جن عورتوں کو حیض آتا ہے ان کی عدت اللہ تعالیٰ اس آیت میں بیان فرماچکا ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ۔ طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

(البقرہ: ۲۲۸)

اور اس آیت میں بتایا ہے کہ جن عورتوں کو نابالغہ ہونے کی وجہ سے یا بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہیں آتا، ان کی عدت تین ماہ ہے، پھر اس آیت میں جو فرمایا ہے: اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو، اس کے تین محمل ہیں:

(۱) مجاہد نے کہا: اگر تم کو معلوم نہ ہو جو عورت، حیض سے رک گئی ہے یا جس کا حیض شروع نہیں ہوا تو اس کی عدت تین ماہ ہے، زہری نے کہا: جو عورت بوڑھی ہے اور اس کو حیض میں شک ہے تو وہ تین ماہ عدت گزارے گی۔ اگر جوان عورت کو حیض نہ آئے تو دیکھا جائے گا وہ حاملہ ہے یا غیر حاملہ۔ اگر متعین ہو جائے کہ وہ حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے، نہیں تو انتظار کیا جائے حتیٰ کہ حمل کا معاملہ صاف ہو جائے اور انتظار کی مدت ایک سال ہے۔

ابن زید نے کہا: اگر عورت یا مرد کو حیض کے آنے میں شک ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے اور اگر حمل کا انتظار ہو تو اس کی عدت نو ماہ ہے۔

(۲) ابن ابی کعب نے کہا: یارسول اللہ! قرآن مجید میں بوڑھی عورت، نابالغہ اور حاملہ کی عدت بیان نہیں کی گئی تو یہ آیت نازل ہوگئی۔

(۳) عکرمہ نے کہا: اگر عورت کو مہینہ میں بار بار خون آتا ہے اور کئی مہینہ خون آتا رہتا ہے اور اس کو شک ہے اور یہ متعین نہیں ہوتا کہ یہ حیض کا خون ہے یا استحاضہ کا، یعنی یہ خون رحم سے آیا ہے یا بیماری کی وجہ سے کسی رگ سے آیا ہے تو پھر اس کی عدت تین ماہ ہے۔

علامہ ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے اسی آخری قول کو ترجیح دی ہے۔

(جامع البیان جز ۲۸ ص ۱۷۹-۱۸۰، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

نیز فرمایا: اور حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔ علامہ ابن جریر طبری نے فرمایا: اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے۔

بیوہ حاملہ کی عدت میں اختلاف صحابہ

اس میں اختلاف ہے کہ جس حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے یا اس کی عدت وضع حمل ہے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مختار یہ ہے کہ اس کی عدت وضع حمل ہے، وہ کہتے تھے: جو چاہے میں اس سے اس مسئلہ پر مباہلہ کرنے کے لیے تیار ہوں کہ الطلاق: ۴ میں فرمایا: حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے، البقرہ: ۲۳۴ کے بعد نازل ہوئی ہے جس میں فرمایا ہے کہ بیوہ عورت کی عدت چار ماہ دس دن ہے اور وہ قسم کھا کر فرماتے: النساء القصریٰ (الطلاق) النساء الطولیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے اور حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم یہ کہتے تھے کہ اس کی عدت زیادہ لمبی مدت ہے، یعنی اگر وضع حمل کی مدت

چار ماہ سے زیادہ ہو تو وہ اس کی عدت ہے اور اگر چار ماہ دس دن کی مدت وضع حمل کے عرصہ سے زیادہ ہو تو وہ اس کی عدت ہے۔
(جامع البیان جز ۲۸ ص ۱۸۴، ۱۸۳، دارالفکر بیروت، ۱۴۱۵ھ)

ہم سورۃ الطلاق کے تعارف میں اس اختلاف کو تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔

نابالغہ، بوڑھی اور حاملہ عورتوں کی عدت کے متعلق فقہاء احناف کی تصریحات

علامہ علاؤ الدین محمد بن علی بن محمد حصکفی متوفی ۱۰۸۸ھ لکھتے ہیں:

جس عورت کو کم عمر ہونے کی وجہ سے حیض نہیں آتا بایں طور کہ اس کی عمر نو سال سے کم ہو، اس کی عدت تین ماہ ہے یا جو عورت بوڑھی ہو اور سن ایاس کو پہنچ چکی ہو، اس کی عدت بھی تین ماہ ہے، یا جو عورت بالغہ ہو چکی ہو اور بار بار حیض آنے کے بعد اس کا طہر دائم ہو اور بوڑھی ہونے تک اس کو دوبارہ حیض نہ آیا ہو اس کی عدت بھی تین ماہ ہے اور مہینوں کا اعتبار چاند کی تاریخوں کے حساب سے ہوگا۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۴۶-۱۴۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۱۹ھ)

اور عدت وفات چاند کی تاریخوں کے اعتبار سے چار ماہ دس دن ہے اور حاملہ عورت کی عدت مطلقاً وضع حمل ہے، خواہ وہ عدت طلاق گزار رہی ہو یا عدتِ وفات۔ (الدر المختار مع رد المحتار ج ۵ ص ۱۵۱، دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی الحنفی المتوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں:

رہی عدتِ حمل تو اس کی مقدار اتنی ہی ہے جتنی مدت وضع حمل میں رہ گئی ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ حتیٰ کہ عدت واجب کے ایک دن یا ایک گھنٹہ بعد بھی ولادت ہو جائے تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔
(الطلاق: ۴)

اور کتاب الاصل میں مذکور ہے کہ اگر میت تختِ غسل پر ہو اور اس کی بیوی کے ہاں ولادت ہو جائے تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی، پھر لکھتے ہیں: عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔
(الطلاق: ۴)

تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ آیت مطلقہ کی عدت کے بارے میں ہے یا بیوہ کی عدت کے بارے میں؟ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دونوں کے بارے میں ہے، اور سبیعہ بنت الحارث نے روایت کیا ہے کہ ان کے شوہر کی موت کے بیس اور کچھ دنوں کے بعد ان کو نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۴۹۰۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۵، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۱۹۴)

نیز عدت سے مقصود یہ ہے کہ براءت رحم واضح ہو جائے اور تین حیض گزر جانے سے بھی براءت رحم واضح ہو جاتی ہے اور وضع حمل سے اس سے بھی زیادہ براءت رحم واضح ہو جاتی ہے، پس وضع حمل سے عدت کا پورا ہونا، مہینوں کی بہ نسبت زیادہ واضح ہے اور قرآن مجید کی اس آیت میں عموم ہے۔ (بدائع الصنائع ج ۴ ص ۴۳۰-۴۳۲، ملخصاً، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۸ھ)

(تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۸۱-۷۹، فرید بک اسٹال لاہور)

اس کا بیان کہ نابالغہ عورتوں اور بہت بوڑھی عورتوں کی عدت تین ماہ ہے

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء الحنفی المتوفی ۲۰۷ھ نے اپنی کتاب معانی القرآن میں لکھا ہے:

محدثین نے ذکر کیا ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۸ھ نے سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، پس عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے اس عورت کی عدت کو جان لیا جس کو حیض آتا ہے، سو جو بہت بوڑھی عورت ہو، جو حیض کے آنے سے مایوس ہوچکی ہو، اس کی عدت کتنی ہوگی، تب یہ آیت نازل ہوئی:

وَ الّٰٓئِیْ یَىٕسْنَ مِنَ الْمَحِیْضِ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ۔ (الطلاق:۴) اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہوچکی ہیں اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

پھر ایک مرد کھڑا ہوا اور اس نے پوچھا: پھر اس عورت کی عدت کا کیا حکم ہے جس کو حیض اس کی کم عمر ہونے اور نابالغ ہونے کی وجہ سے نہ آتا ہو؟ تو آپ نے فرمایا: جن عورتوں کو حیض نہ آتا ہو، وہ بوڑھی عورتوں کے حکم میں ہیں، جو اپنی عدت سے مایوس ہوچکی ہیں۔ ان کی عدت بھی تین ماہ ہے، پھر ایک اور مرد کھڑا ہوا، اور جو حاملہ عورتیں ہیں، یارسول اللہ! ان کی عدت کتنی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: جو حاملہ عورتیں ہیں ان کی عدت ان کا وضع حمل ہے یعنی جب ان کے ہاں بچہ ہوجائے گا تو ان کی عدت پوری ہوجائے گی:

وَ الّٰٓئِیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا۝ (الطلاق:۴) اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے کام میں آسانی کردے گا O

پس جب حاملہ عورت کے ہاں بچہ پیدا ہوجائے تو اس کی عدت پوری ہوجائے گی اور اس کا کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا جائز ہوگا، خواہ اس کے شوہر کی میت ابھی غسل کے تخت پر ہو اور اس کی تدفین نہ کی گئی ہو، اور امام عبد بن حمید نے اپنی تفسیر میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی متوفی ۴۶۸ھ، نے حضرت ابوعثمان عمرو بن صالح سے روایت کی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ جب سورۃ البقرہ میں عورتوں کی عدت کا حکم نازل ہوا تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۲ھ نے کہا: یارسول اللہ! اہل مدینہ کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عورتوں کی عدت کا حکم باقی ہے، جس کا ذکر اس سورت کی آیت میں نہیں ہے، آپ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا: کم عمر عورتیں اور بوڑھی عورتوں اور حاملہ عورتوں کی عدت کا تو بیان ہے، تو پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوگئی اور تفسیر مقاتل میں مذکور ہے کہ خلاد انصاری نے کہا: یارسول اللہ! جس عورت کو حیض نہ آتا ہو اس کی عدت کتنی ہے، تو پھر یہ آیت نازل ہوگئی یعنی الطلاق: ۴۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۲، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس باب کی حدیث میں امام بخاری کی تعلیق

قَالَ مُجَاهِدٌ اِنْ لَمْ تَعْلَمُوا یَحِضْنَ اَوْ لَا یَحِضْنَ وَاللَّائِی قَعَدْنَ عَنِ الْمَحِیضِ وَاللَّائِی لَمْ یَحِضْنَ مجاہد نے کہا: اگر تم کو یہ علم نہ ہو کہ ان عورتوں کو حیض آتا ہے یا حیض نہیں آتا اور وہ عورتیں جو حیض سے مایوس ہوکر بیٹھ گئی ہیں اور وہ عورتیں جن

فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ (تفسیر ابن جریر ج ۱۲ ص ۱۳۲) کو ابھی حیض آنا شروع نہیں ہوا تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

تعلیق مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابوالحجاج مجاہد بن جبر القرشی المخزومی المتوفی ۱۰۴ھ نے اپنی تفسیر میں کہا:

الطلاق: ۴ میں مذکور ہے: ''اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے کام میں آسانی کردے گا''۔

امام عبد بن حمید نے از شبابہ از غرقہ از ابن ابی نجیم اس تعلیق کی روایت سند موصول کے ساتھ کی ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے کہ جو عورت حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہو، اس کی عدت تین ماہ ہے اور رہی حاملہ عورتیں تو ان کے متعلق اسماعیل بن اسحاق نے کہا ہے کہ اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے اور جس کے اوپر عمل متواتر ہے وہ یہ ہے کہ جب حاملہ عورت کا وضع حمل ہو جائے اور اس کے ہاں بچہ ہو جائے تو اس کی عدت پوری ہو گئی اور اس مسئلہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ کا اختلاف ہے، ان دونوں صحابہ نے یہ کہا کہ اس عورت کی عدت آخر الاجلین ہے یعنی عدت وفات چار ماہ دس دن اور وضع حمل کی مدت، ان میں سے جس کی مدت زیادہ ہو وہ اس حاملہ عورت کی عدت ہے، اگر چار ماہ دس دن کی مدت زیادہ ہے تو پھر وہ عدت ہے اور اگر وضع حمل کی مدت چار ماہ دس دن سے زیادہ ہے تو پھر وہ اس کی عدت ہے۔ سحنون مالکی سے بھی اس طرح روایت ہے، اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس موقف سے رجوع کر لیا تھا اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اصحاب عطاء بن ابی رباح، اور عکرمہ اور جابر بن زید رحمہم اللہ، ان سب نے جمہور فقہاء کے قول کی مثل کہا اور حماد بن ابی سلیمان استاذ امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ متوفی ۱۲۰ھ نے کہا کہ وہ حاملہ عورت اس وقت تک اپنی عدت سے نہیں نکلے گی حتیٰ کہ اس کا نفاس مکمل ہو جائے اور وہ نفاس کے بعد غسل کر لے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۴۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

مشہور غیر مقلد عالم نواب وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ کی شرح

نواب وحید الزمان لکھتے ہیں:

اب جس عورت کو حیض آتا ہو لیکن بند ہو گیا ہو اس کی عدت میں اختلاف ہے، اکثر فقہاء کا یہ قول ہے کہ وہ حیض کی منتظر رہے یہاں تک کہ اس عمر کو پہنچے جس میں حیض موقوف ہو جاتا ہے اور اس وقت نو مہینے عدت کرے لیکن یہ قول باعث جرح اور آسان امام مالک اور اوزاعی کا قول ہے کہ ایسی عورت نو مہینے تک انتظار کرے یعنی اگر حیض آئے تو فبہا ورنہ تین مہینے عدت کر کے دوسرا نکاح کرے، اور بعضوں نے کہا ان ارتبتم کا معنی یہ ہے کہ باسٹھ سال کی عمر میں خون آئے اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ یہ خون حیض کا ہے یا استحاضہ کا تو ایسی عورت کی عدت تین مہینے ہوگی۔ (تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۴۲ نعمانی کتب خانہ، جون ۱۹۹۰ء)

عدت کے متعلق احکام از علامہ رضوی

شیخ الحدیث علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ لکھتے ہیں:

کتاب العدۃ: عدت کا لغوی معنی شمار کرنا ہے اور شریعت میں عورت کا ایک مدت تک انتظار کرنا ہے جو اس پر نکاح زائل ہونے کے بعد لازم ہے۔

باب: تمہاری عورتیں جو حیض سے ناامید ہو جائیں اگر تم اس کے وجود میں تردد کرو

اس کی تفسیر میں مجاہد نے کہا: اگر تمہیں معلوم نہ ہو کہ انہیں حیض آتا ہے یا نہیں آتا اور وہ عورتیں جو حیض سے بیٹھ گئی ہیں (بوڑھی ہوگئی ہیں) اور وہ عورتیں جنہیں حیض نہیں آیا (وہ کمسن ہیں) ان کی عدت تین ماہ ہے۔

تشریح: آزاد عورت کو اگر طلاق ہو جائے یا طلاق کے بغیر نکاح فسخ ہو جائے جیسے خیارِ بلوغ میں ہے اگر حیض آتا ہے اور دخول کے بعد طلاق ہوئی ہے تو اس کی عدت تین حیض ہے۔ اگر وہ کم سن یا بوڑھی ہے تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ اگر اس کا شوہر فوت ہو جائے اور وہ حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، اگرچہ وہ کتابیہ مسلم کی بیوی ہو کم سن ہو یا بوڑھی ہو، اس سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اگر لونڈی ہو تو اس کی عدت طلاق دو حیض ہیں۔ اگر کم سن یا بوڑھی ہونے کے سبب اسے حیض نہ آتا ہو یا اس کا شوہر فوت ہو جائے تو اس کی عدت جماع کے بعد طلاق کی صورت میں ڈیڑھ ماہ اور وفاتِ شوہر کی تقدیر پر دو ماہ پانچ دن ہے۔ اس میں قِنہ، ام ولد، مدبرہ، مکاتبہ اور معتقۃ البعض سب مساوی ہیں۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب یہی ہے، اگر وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے اس میں آزاد اور لونڈی دونوں برابر ہیں۔

فراء نے کتاب معانی القرآن میں ذکر کیا ہے کہ لوگوں نے کہا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: یارسول اللہ (جن عورتوں کو حیض آتا ہے) ان کی عدت تو ہمیں معلوم ہوگئی ہے جو عورتیں بوڑھی ہوگئی ہوں اور حیض سے ناامید ہو چکی ہوں ان کی عدت کیا ہے، تو یہ آیت کریمہ فعدتھن ثلاثۃ اشھر، نازل ہوئی کہ ان کی عدت تین ماہ ہے، پھر ایک آدمی نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ کم سن سے حیض نہ آتا ہو اس کی عدت کیا ہے؟ فرمایا: ان کی عدت وہی ہے جو بوڑھی عورتیں حیض سے ناامید ہو چکی ہوں یعنی تین ماہ، پھر ایک شخص کھڑا ہو گیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم حاملہ عورتوں کی عدت کیا ہے؟ فرمایا: "واولات الاحمال ان یضعن حملھن" یعنی ان کی عدت وضع حمل ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اگرچہ اسے غسل دیا جا رہا ہو اور ابھی دفن نہ کیا گیا ہو اور اس کی بیوی حاملہ وضع حمل کر دے تو اس کی عدت ختم ہو جاتی ہے۔ البتہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عدت الوفات ابعد الاجلین ہے، عبداللہ بن مسعود نے کہا: جو چاہے میں اس سے مباہلہ کے لئے تیار ہوں کہ سورۂ طلاق قصریٰ جس میں عدت الوفات وضع حمل ہے، سورۂ طلاق کبریٰ (نساء) جس میں عدت الوفات چار ماہ دس دن ہے کے بعد نازل ہوئی یعنی سورۂ نساء میں چار ماہ دس دن ان عورتوں کی عدت ہے جو حاملہ نہ ہوں اور جو حاملہ ہوں ان کی عدت وضع حمل ہے جیسے سورۂ طلاق میں ہے۔ واللہ اعلم

(تفہیم البخاری حصہ ہشتم ص ۳۷۲، ۳۷۳، جدہ پرنٹرز بار اول)

نابالغہ اور آیسہ کی عدت کے متعلق شرعی احکام

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کی تعلیق میں جو ابوالحجاج مجاہد بن جبر القرشی المخذومی کا اثر ہے، اس کی الفریابی نے سند موصول کے ساتھ روایت کی

ہے اور سورۃ الطلاق کی تفسیر میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔

اور امام عبدالرحمن محمد بن ادریس بن حاتم رازی شافعی متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی سند کے ساتھ از یونس از الزہری کہا ہے: اللہ ہی کو معلوم ہے کہ اس آیت میں ارتیاب کا کیا معنی ہے اور جس عورت کو اپنے بیٹھنے کے متعلق شک تھا اور اپنے بچے کے متعلق شک تھا اور اپنے حیض کے متعلق شک تھا، آیا اس کو حیض آیا ہے یا نہیں، اور اس کو شک تھا کہ اس کا حیض ابھی تک منقطع ہوا ہے یا ابھی اس کا حیض جاری ہے اور جس عورت کے کم سن ہونے کی وجہ سے اس کو یہ شک تھا کہ آیا وہ حیض آنے کی عمر کو پہنچ گئی ہے یا نہیں؟ اور جس کو یہ شک تھا کہ آیا وہ حاملہ ہوگئی ہے یا نہیں، پس جس کو ان تمام صورتوں میں شک ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے، اور یہ وہ ہے جس پر ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے جزم اور وثوق کیا ہے، اور اس میں اختلاف ہے کہ جس کا حیض منقطع ہوگیا جب کہ پہلے اس کا حیض جاری تھا تو اکثر شہروں کے فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ وہ حیض کا انتظار کرے یہاں تک کہ وہ اس عمر کو پہنچ جائے جس عمر میں حیض نہیں آتا، پھر وہ اس وقت نو ماہ عدت گزارے گی۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور الاوزاعی سے روایت ہے کہ وہ نو مہینے انتظار کرے گی، پس اگر اس کو حیض آگیا تو فبہا ورنہ وہ تین ماہ عدت گزارے گی اور امام اوزاعی سے روایت ہے کہ اگر وہ نوجوان عورت ہے تو اس کے لیے بھی یہی سنت ہے، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور جمہور کی حجت ظاہر قرآن ہے، کیونکہ ظاہر قرآن میں آیسہ یعنی وہ عورت جو حیض سے ناامید ہوچکی ہے اور جو عورت نابالغہ ہو ان کے متعلق قرآن مجید میں یہ تصریح ہے کہ وہ تین ماہ عدت گزارے گی لیکن امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا ایک قول یہ ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کا بھی یہی قول ہے اور جمہور فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب تم کو اس حکم کے متعلق شک ہو نہ کہ اس عورت کے حیض سے ناامید ہونے کے متعلق شک ہو۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۷۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۲۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

کتاب العدۃ

جس عورت کا خاوند فوت ہوگیا ہو، اس کی عدت کا بیان

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِىٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ (البقرہ: ۲۳۴)

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں، اور جب وہ اپنی عدت پوری کرلیں، تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لیے کریں، اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے O

اور یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الفریعہ بنت مالک بن سنان کے متعلق فرمایا اور ان کے خاوند فوت ہوچکے تھے، آپ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے گھر میں ٹھہری رہو حتیٰ کہ کتاب اپنی مدت کو پہنچ جائے۔

اور تمام اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ آزاد مسلمان عورت جو کہ اپنے خاوند کی وفات سے حاملہ نہ ہو، اس کی عدت چار مہینے دس دن ہے خواہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا ہو، خواہ صغیرہ ہو نابالغہ خواہ بالغہ ہو چکی ہو۔ (الا جماع لابن المنذر: ۴۴۱، الاقناع: ۲۳۹۰)

۹۷۷۷: ہمیں محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن وہب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں مالک بن انس نے خبر دی (الموطاج ۲ ص ۶۱-۴۶۲ ۴، مسند الشافعی: ۲۴۲، ۲۴۱) اور سعید بن عبد الرحمٰن اور یحییٰ بن عبد اللہ بن سالم اور ابن لهیعہ وغیرہ نے بیان کیا کہ سعد بن اسحاق بن کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہم نے ان کو حدیث بیان کی از ان کی پھوپھی حضرت زینب بنت کعب بن عجرہ، کہ الفریعہ بنت مالک بن سنان نے کہا اور یہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ متوفی ۷۴ ھ، کی بہن ہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس یہ پوچھنے کے لیے آئیں کہ وہ اپنے گھر والوں کے پاس بنوخدرہ میں چلی جائیں اور ان کے خاوند اپنے ان بھاگے ہوئے غلاموں کی تلاش میں گئے ہوئے تھے حتیٰ کہ جب وہ طرف القدوم پر پہنچے تو انہوں نے ان غلاموں کو پالیا اور ان غلاموں نے ان کے شوہر کو قتل کر دیا۔ (صحیح ابن حبان ج ۱۰ ص ۱۲۹ رقم الحدیث: ۴۲۹۲، طرف القدوم یہ حجاز کی ایک جگہ ہے اور یہ وہی جگہ ہے جس کے متعلق بعض احادیث میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طرف القدوم کے اندر ختنہ ہوا تھا)، تو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ اجازت دیں کہ وہ اپنے گھر والوں یعنی بنوخدرہ کی طرف لوٹ جائیں، ان کے خاوند نے ان کے لیے کوئی گھر نہیں چھوڑا جس کے وہ مالک ہوں، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ جاؤں، آپ نے فرمایا: ہاں، پس وہ وہاں سے نکل کر ایک حجرہ میں گئیں یا مسجد میں گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بلایا یا بلانے کا حکم دیا: پھر آپ نے فرمایا: میں نے تم سے کیا کہا تھا تو میں نے آپ کے سامنے وہ قصہ دہرایا جو میرے شوہر کے متعلق تھا تو آپ نے فرمایا: تم اپنے گھر میں ٹھہرو حتیٰ کہ کتاب اپنی مدت کو پہنچ جائے حتیٰ کہ تمہاری عدت پوری ہو جائے، حضرت الفریعہ نے کہا: سو میں نے چار ماہ دس دن عدت گزاری، پھر جب حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ ھ کا دورِ خلافت آیا تو انہوں نے مجھے بلوایا اور مجھ سے سوال کیا تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم کی اتباع کی اور اس کے مطابق فیصلہ کیا۔

(سنن ابوداؤد: ۲۲۹۴، سنن ترمذی: ۱۲۰۴، سنن نسائی: ۳۵۲۲، سنن ابن ماجہ: ۲۰۳۱، مسند احمد ج ۶ ص ۳۷۰)، یہ تمام روایات از سعد بن اسحاق مروی ہیں اور امام ترمذی نے کہا ہے: یہ حدیث حسن صحیح ہے)۔

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

حضرت الفریعہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے وہ اسی جگہ عدت گزارے گی جہاں پر وہ سکونت رکھتی تھی حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے خواہ وہ مسکن کسی غیر کی ملکیت ہو، اور اس حدیث میں یہ اجازت ہے کہ مسکن کی اضافت مساکین کی طرف کی جائے اگرچہ وہ اس کا مالک نہ ہو، اور یہ حدیث اس کے خلاف حجت ہے جس کا یہ زعم ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا وہ جہاں چاہے عدت گزارے اور اس میں دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ حکم بیان کیا ہے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان کے اوپر اس حکم کو بیان کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس کے اوپر یہ واجب کیا ہے کہ وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے گی اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے یہ حکم واجب کیا ہے کہ جس مقام

میں وہ رہتی تھی وہیں پر عدت گزارے گی اور اس کے اوپر سوگ کرنے کو لازم کیا ہے۔ اور اس کی نظیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں زانی کے اوپر حد نازل کی ہے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس کو شہر بدر کرنے کا حکم نازل کیا ہے۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۵۰۳-۵۰۵، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ کس جگہ عدت گزارے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے الفریعہ بنت مالک سے فرمایا: کہ تم اپنے گھر میں سکونت رکھو حتیٰ کہ کتاب اپنی مدت کو پہنچ جائے اور ہم بھی اسی کے مطابق کہتے ہیں، اور اہل علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ اپنے گھر میں ٹھہرے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے، کیونکہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ نے جن عورتوں کے خاوند فوت ہو گئے تھے ان کو ذوالحلیفہ سے لوٹایا جب کہ وہ حج کرنے کے لیے یا عمرہ کرنے کے لیے گئی ہوئی تھیں۔

(موطا امام مالک ج ۲ ص ۵۹۱، مصنف عبد الرزاق: ۱۲۰۷۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ج ۴ ص ۱۳۰، سنن سعید بن منصور: ۱۳۴۳، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۳۵)

اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ سے روایت ہے کہ ان کی صاحبزادی کے خاوند فوت ہو گئے تو انہوں نے حکم دیا کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں لوٹ جائیں اور وہاں پر عدت گزاریں۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۲۰۷۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے حکم دیا کہ جن عورتوں کے شوہر فوت ہو گئے ہیں جب رات کا وقت ہو تو ہر عورت اپنے گھر میں لوٹ آئے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۲۰۶۸، ۱۲۰۶۹، سنن سعید بن منصور: ۱۳۴۲، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۳۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۳۶)

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ یہ فرماتے تھے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ اپنے خاوند کے گھر سے نہ نکلے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔ (موطا امام مالک ج ۲ ص ۵۹۲، مصنف عبد الرزاق: ۱۲۰۶۳)

حضرت ام سلمہ زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے متعلق فرمایا جس کا خاوند فوت ہو گیا تھا کہ تم رات کے دو حصوں میں سے کوئی ایک حصہ اپنے گھر میں گزارو۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۲۰۷۰، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۳۱، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۳۶)

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ یہ کہتے تھے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ اپنے رشتہ داروں کی زیارت کرے اور پھر اپنے گھر میں لوٹ آئے۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۴۲)

اور یہ اللیث بن سعد اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری المتوفی ۱۶۱ھ کا قول ہے اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا مذہب ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۳۲۸، بحث مقام المتوفی عنہا زوجہا والمطلقۃ فی بیتہا)

اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا ہے کہ وہ عورت رات کا اکثر حصہ اپنے گھر میں گزارے گی۔ (مسائل احمد: ۱۱۵۵)

اور امام ابوحنیفہ النعمان بن ثابت المتوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ وہ عورت نہ رات کو گھر سے باہر نکلے گی اور نہ دن کو گھر سے باہر نکلے

گی یعنی جس عورت کو طلاق دی گئی ہو اور وہ عدت گزار رہی ہو یا جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اور وہ عدت گزار رہی ہو تو وہ دن میں باہر نکل سکتی ہے لیکن رات بہر حال اپنے گھر میں گزارے گی۔ (المبسوط للسرخسی ج ٦ ص ٣٧ بحث باب العدۃ و خروج المراۃ من بیتھا)

اور امام محمد بن حسن الشیبانی المتوفی ١٨٩ھ نے کہا ہے: جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں یا ایک طلاقِ بائن دی گئی ہو یا ایک رجعی طلاق دی گئی ہو، اس عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ رات یا دن میں اپنے گھر سے باہر نکلے حتیٰ کہ اس کی عدت مکمل ہو جائے اور انہوں نے کہا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اور وہ عدت وفات گزار رہی ہو اور مطلقہ عورت یہ دونوں عدت کے دوران گھر سے باہر نہیں نکلیں گی۔

اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ جہاں چاہے عدت گزارے، یہ قول حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ٤٠ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ٦٨ھ اور حضرت جابر بن عبد اللہ متوفی ٧٨ھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ٥٧ھ سے منقول ہے۔

اور عطاء بن ابی رباح متوفی ١١٤ھ اور جابر بن زید اور حسن بصری متوفی ١١٠ھ کا بھی یہی قول ہے۔

٧٧٨٠: ہم کو الربیع بن سلیمان نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہم کو امام شافعی نے خبر دی (کتاب الام ج ٥ ص ٢٣٥) انہوں نے کہا: ہمیں عبد المجید نے خبر دی، از ابن جریج، انہوں نے کہا: ہمیں ابو الزبیر نے خبر دی، از حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما متوفی ٧٨ھ، انہوں نے کہا: میری خالہ کو طلاق دی گئی تو انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ اپنے باغات کی کھجوروں کو کاٹنے کے لیے نکلیں تو ان کو ایک مرد نے گھر سے باہر نکلنے کے لیے منع کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے باغ کی کھجوروں کو کاٹو، شاید کہ تم ان کھجوروں کا صدقہ کرو گی اور نیک کام کرو گی۔ (صحیح مسلم: ١٤٨٣ از طریق ابن جریج)

امام محمد بن ادریس الشافعی نے کہا ہے کہ انصار کے کھجوروں کے باغات ان کے گھروں کے قریب تھے اور درختوں سے کھجوروں کا اتارنا دن کے اوقات میں ہوتا تھا۔ (کتاب الام ج ٥ ص ٢٣٩-٢٤٠، بحث سکنی المطلقات و نفقتھن)

علامہ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ٣١٨ھ لکھتے ہیں:

انصار کی کھجوروں کے باغات جیسا کہ امام شافعی نے ذکر کیا ہے ان کے گھروں کے قریب ہیں اور اس حدیث میں یہ اجازت نہیں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو رات کے وقت اپنے گھر سے باہر نکلنے کا حکم دیا ہو، اور نہ اس میں یہ مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے گھر سے باہر رات گزاری اور جو عورت عدت گزار رہی ہو اس کے لیے اپنی ضروریات کو حاصل کرنے کے لیے دن کے وقت میں گھر سے باہر نکلنا جائز ہے جب کہ رات کو وہ اپنے گھر لوٹ آئے۔

اور امام ابو عبید الہروی المتوفی ٢٢٧ھ یہ کہتے تھے کہ بعض احادیث میں رات کے وقت کھیتوں کی فصل کاٹنے سے ممانعت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ارشاد فرمایا ہے کہ شاید تم اپنے باغ کے پھلوں کو صدقہ کرو گی اور نیکی کرو گی۔

اس میں یہ دلیل ہے کہ دن کے وقت میں عدت گزارنے والی عورت کا اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلنا جائز ہے۔ اور جب کہ مساکین باغوں سے پھل اتارنے کے لیے دن کے وقت میں حاضر ہوتے تھے اور وہ یہ کام رات کے اوقات میں نہیں کرتے تھے۔ (الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ٩ ص ٥٠٥-٥٠٨، دار الفلاح ریاض، ١٤٣٠ھ)

عدت گزارنے والی عورت کا حج یا عمرہ کے لیے گھر سے باہر نکلنا

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ کوئی عدت گزارنے والی عورت حج یا عمرہ کے لیے گھر سے باہر نکلے۔

سو فقہاء کی ایک جماعت نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اور اس سے منع کیا ہے، پس جن فقہاء نے ان عورتوں کو جو حج کے لیے جانے والی ہوں یا عمرہ کے لیے جانے والی ہوں اور ان کے خاوند فوت ہو چکے ہوں تو جنہوں نے ان کو گھر سے باہر نکلنے سے منع کیا وہ حضرت عمر بن الخطاب متوفی ۲۴ھ ہیں اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ ہیں اور القاسم بن محمد اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ کا بھی یہی قول ہے۔ (المحلیٰ بالآثار ج ۱۰ ص ۲۸۶ دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا جب تک اس نے احرام نہیں باندھا اس کو واپس بلا یا جائے گا۔

(المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۴۲، بحث باب فی خروج المطلقۃ فی النھار والمتوفی عنھا زوجھا وسفرھا)

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا: جب تک اس کی عدت پوری نہ ہو جائے وہ حج نہ کرے۔

(کتاب الام ج ۵ ص ۳۳۰، بحث باب مقام المتوفی عنھا والمطلقۃ فی بیتھا)

فقہاء احناف نے کہا ہے: جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں، یا اس کا خاوند فوت ہو گیا ہو تو اس کو حج کرنے کے لیے روانہ نہیں ہونا چاہیے اور وہ ذی محرم کے ساتھ سفر نہ کرے اور نہ غیر ذی محرم کے ساتھ سفر کرے۔

(المبسوط للسرخسی ج ۶ ص ۴۱، بحث باب العدۃ وخروج المراۃ من بیتھا)

اور امام ابوعبید الہروی نے اس قول کی سفیان بن سعید بن مسروق الثوری المتوفی ۱۶۱ھ سے روایت کی ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ سے روایت کی اور فقہاء احناف سے روایت کی ہے۔

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ فرماتے ہیں: ہمارا بھی اسی طرح قول ہے

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے: اس عورت کے لیے عدت کے دوران حج کے لیے روانہ ہونا جائز ہے۔

یہ قول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے کہا ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں اور جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو، یہ دونوں جب تک چاہیں عدت گزاریں اور عدت کے دوران حج کے لیے روانہ ہوں اگر وہ دونوں چاہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اثر کی امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ نے روایت کی ہے۔

(المصنف: ۱۲۰۵۴، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۳۶)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اثر کی امام عبد الرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ نے روایت کی ہے)۔ (المصنف: ۱۲۰۵۲، ۱۲۰۵۱)

اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور طاؤس بن کیسان الیمانی متوفی ۱۰۶ھ نے کہا ہے: جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ حج کے لیے بھی روانہ ہو اور عمرہ کے لیے بھی روانہ ہو۔ (مصنف عبد الرزاق: ۱۲۰۶۰) اور الحسن البصری متوفی ۱۱۰ھ نے کہا ہے کہ وہ عدت کے دوران حج کے لیے روانہ ہو، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا ہے: اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ عورت طلاق کی

عدت میں حج کے لیے روانہ ہو۔ (مسائل احمد و اسحاق: ۱۱۴۱) اسی طرح اسحاق بن ابراہیم بن مخلد ابن راہویہ متوفی ۲۳۸ ھ نے کہا ہے کہ جب اس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں تو وہ حج کے لیے روانہ ہو سکتی ہے۔

علامہ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ ھ لکھتے ہیں: کہ ہم پہلے قول کے مطابق کہتے ہیں اور اسی قول کو اختیار کرتے ہیں۔ (الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۵۰۸ دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ ھ)

جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو، اس کے پاس اس کے فوت ہونے کی خبر اس وقت آئے جب وہ اپنے خاوند کے گھر میں نہ ہو

علامہ ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ ھ لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ جس عورت کے پاس اس کے خاوند کی وفات کی خبر آئی اور وہ اس گھر میں سکونت پذیر نہ ہو جس گھر میں وہ رہتی تھی۔

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ھ نے کہا ہے کہ وہ اپنے مسکن کی طرف واپس آجائے اور وہیں پر ٹھہرے جب تک کہ وہ کسی ایسے گھر میں آکر نہ ٹھہرے جہاں پر وہ رہائش کا ارادہ رکھتی ہو۔

(المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۴۴، بحث فی رجوع المطلقۃ والمتوفی عنھن ازواجھن الی بیوتھن یعتددن فیھا)

اور ربیعہ یہ کہتے تھے کہ وہ اپنے گھر کی طرف لوٹ آئے سوائے اس صورت کے کہ جس گھر میں اس کا خاوند فوت ہوا ہے، وہ گھر اس جگہ سے بہت دور ہو اور درمیان میں کافی فاصلہ ہو۔ (المدونۃ الکبریٰ ج ۲ ص ۴۵)

اور حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفۃ المسلمین المتوفی ۱۰۱ ھ سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک عورت کو حکم دیا جس کا خاوند شام میں فوت ہو گیا تھا کہ وہ مصر کی طرف سفر کرے، اس سے پہلے کہ اس کی عدت پوری ہو جائے اور وہ اپنی عدت مصر کے گھر میں پوری کرے اور یحییٰ بن سعید انصاری یہ کہتے تھے کہ جو مرد الاسکندریہ میں فوت ہو گیا اور اس کے ساتھ اس کی بیوی ہے اور وہاں اس کا گھر ہے اور فسطاط میں بھی اس کا گھر ہے، اگر وہ چاہے تو وہاں عدت گزارے جہاں اس کا خاوند فوت ہوا ہے اور اگر وہ چاہے تو اپنے خاوند کے گھر کی طرف واپس آجائے اور فسطاط میں ٹھہرے اور وہیں عدت گزارے حتیٰ کہ واپس آجائے۔

اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ ھ سے منقول ہے، انہوں نے کہا: اگر اس عورت کے پاس اس کے خاوند کی وفات کی خبر آئے اور وہ پہاڑ کی چوٹی پر ہو تو وہاں سے نہ نکلے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔

اور سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس عورت کے متعلق سوال کیا گیا جس کا خاوند ایک شہر کی طرف نکلا اور پھر وہیں فوت ہو گیا، آیا وہ اپنے گھر کی طرف لوٹ آئے یا اپنے گھر والوں کے گھر کی طرف لوٹ آئے؟ تو سالم نے جواب دیا: وہ وہیں عدت گزارے جہاں اس کا خاوند فوت ہوا ہے یا وہ اپنے خاوند کے گھر کی طرف لوٹ آئے۔ (المحلی بالآثار ج ۱۰ ص ۲۸۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ ھ)

اور فقہاء احناف نے کہا ہے: جب کسی عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دی اور وہ اس وقت اپنے گھر والوں کے گھر میں تھی یا کسی اور گھر میں ملاقات اور زیارت کے لیے گئی ہوئی تھی تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں واپس آجائے حتیٰ کہ وہیں عدت گزارے۔ (المبسوط للسرخسی ج ۶ ص ۳۹، بحث باب العدۃ وخروج المراۃ من بیتھا)

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشا پوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

میں امام مالک کے قول کے مطابق کہتا ہوں کہ وہ عورت اپنے گھر کی طرف لوٹ آئے، سو وہیں عدت گزارے، سوائے اس صورت کے کہ اس گھر کے درمیان مسافتِ بعیدہ ہو یا وہ عورت حج کا احرام باندھ چکی ہو یا عمرہ کا احرام باندھ چکی ہو تو پھر وہ حج یا عمرہ کے لیے روانہ ہو حتیٰ کہ حج اور عمرہ کے مناسک کو ادا کرلے، اور اگر اس کی عدت کا کچھ وقت باقی ہو تو وہیں پر عدت گزارے۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۵۰۹-۵۱۱، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد الفراء الحنفی المتوفی ۲۰۷ھ نے معانی القرآن مطبوعہ بیروت میں لکھا ہے:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۸ھ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا، پس عرض کیا: یارسول اللہ! ہم نے اس عورت کی عدت کو جان لیا کہ جس کو حیض آتا ہے، پس اس بوڑھی عورت کی عدت کتنی ہے جو حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہے تو الطلاق: ۴ نازل ہوئی، پھر ایک مرد نے پوچھا: اس نابالغ لڑکی کی عدت کتنی ہوئی تو آپ نے فرمایا: وہ عورتیں جن کو حیض نہیں آیا وہ اس بوڑھی عورت کے حکم میں ہیں جو حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہیں اور ان دونوں کی عدت تین ماہ ہے، پھر ایک اور مرد کھڑا ہوا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! اور حاملہ عورتوں کی عدت کتنی ہے تو پھر یہ آیت نازل ہوئی:

وَّ الّٰٓیۡٔ لَمۡ یَحِضۡنَ ؕ وَ اُولَاتُ الۡاَحۡمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنۡ یَّضَعۡنَ حَمۡلَهُنَّ ؕ وَ مَنۡ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجۡعَلۡ لَّهٗ مِنۡ اَمۡرِهٖ یُسۡرًا ۝ (الطلاق: ۴)

اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے کام میں آسانی کر دے گا۝

پس جب اس عورت کا حمل وضع ہو جائے تو وہ اپنے خاوند کے لیے حلال ہو جائے گی خواہ اس کا خاوند مر چکا ہو اور وہ غسل کے لیے تخت پر ہو اور ابھی تک اس کی تدفین نہ کی گئی ہو۔ (معانی القرآن ج ۳ ص ۱۶۳، مطبوعہ بیروت)

اور امام عبد بن حمید نے بھی اپنی تفسیر میں اس اثر کا ذکر حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے اسی طرح ذکر کیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۱۸ ص ۱۶۲، مطبوعہ بیروت)

علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشا پوری شافعی متوفی ۴۶۸ھ نے بھی اس حدیث کی ابوعثمان عمرو بن سالم سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جب سورۃ البقرہ میں عورتوں کی عدت کے متعلق احکام نازل ہوئے تو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۲ھ نے کہا: یارسول اللہ! اہل مدینہ کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عورتوں کی عدت کے کچھ احکام باقی ہیں جن کا اس سورت میں ذکر نہیں کیا گیا، آپ نے پوچھا: وہ کیا ہیں، تو انہوں نے کہا: نابالغ لڑکیاں، بوڑھی عورتیں اور حاملہ عورتیں، تو الطلاق: ۴ نازل ہو گئی۔

(اسباب النزول ص ۴۵۸)

اور مقاتل نے اپنی تفسیر میں از حضرت خلاد انصاری رضی اللہ عنہ یہ روایت کی ہے: یارسول اللہ! ان عورتوں کی عدت کتنی ہوگی جن کو ابھی تک حیض نہیں آیا تو یہ آیت یعنی الطلاق: ۴ نازل ہو گئی۔ (تفسیر عبد بن حمید بحوالہ السیوطی ج ۶ ص ۳۵۸، دار الفکر بیروت)

اور زجاج نے کہا ہے کہ امام مالک کا جو مذہب ہے اور جس پر لغت دلالت کرتی ہے وہ یہ ہے کہ ان ارتبتم کا معنی ہے: اگر

تمہیں کسی عورت کے حیض آنے یا نہ آنے کے متعلق شک ہو اور اس کا حیض منقطع ہو چکا ہو اور وہ عورت ان عورتوں میں سے ہو جن کی مثل کو حیض آتا ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے۔ اور یہ اس وقت ہوگا جب اس کو نو ماہ کی مقدار چھوڑ دیا جائے جو حمل کی مدت ہے، پھر حمل کی مدت گزارنے کے بعد وہ تین ماہ عدت گزارے، پس اگر اس کو ان تین مہینوں میں حیض آ جائے تو اس کے تین حیض پورے ہو جائیں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کا حیض متاخر ہو جائے۔ پھر جب بھی وہ ان تین مہینوں کے قریب پہنچے گی اور اس کو حیض آ جائے گا تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی اور یہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے بھی منقول ہے۔

اور اہل عراق نے یہ کہا ہے کہ اس عورت کو چھوڑ دیا جائے گا خواہ اس کو تیس مہینوں سے زیادہ گزر جائیں اور اگر اس کے اوپر ستر مہینے گزر گئے حتیٰ کہ وہ اتنی عمر کو پہنچ گئی جتنی عمر میں حیض نہیں آتا۔

(مختصر اختلاف العلماء للامام ابی بکر احمد بن علی الجصاص الرازی المتوفی ۳۷۰ھ، ج ۲ ص ۳۸۲، دار البشائر الاسلامیہ ۱۴۱۷ھ)

انہوں نے کہا: اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس عورت کو اس سے زیادہ مدت کے لیے مبتلا کر دیتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَّ الّٰٓـِٔیْ لَمْ یَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَ مَنْ یَّتَّقِ اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ یُسْرًا ○ (الطلاق: ۴)

اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے کام میں آسانی کر دے گا ○

امام مالک متوفی ۱۷۹ھ کے نزدیک اس کا معنی یہ ہے کہ اگر تمہیں ان کی عدت کے متعلق شک ہو تو ان کی عدت تین ماہ ہے، لیکن بہت بوڑھی عورت جس کی مثل کو حیض نہیں آتا اور وہ نابالغ لڑکی جس کے متعلق کوئی شک نہیں ہے کہ اس کی مثل کو حیض نہیں آتا تو امام مالک کے نزدیک اس کی طلاق میں کوئی عدت نہیں ہے۔ اور امام مالک اور دوسرے فقہاء کے نزدیک اس پر اجماع ہے کہ جو عورت حیض سے مایوس ہو چکی ہو اور تین ماہ کی مدت گزرنے کے بعد اس کو حیض نہ آئے اور قرآن عظیم میں اس کے متعلق کوئی نص صریح نہیں ہے، تو اس کی عدت بھی تین ماہ ہے۔ (النوادر والزیادات، ج ۵ ص ۲۴)

رہی وہ نابالغ لڑکی جس کی مثل کے ساتھ وطی نہیں کی جاتی، پس اگر اس کے خاوند نے اس کے ساتھ دخول کیا اور اس کے ساتھ وطی کر لی پس گویا کہ اس نے اس کو زخمی کر دیا اور امام مالک کے نزدیک اس پر عدت نہیں ہے، سوائے اس صورت کے کہ اس کی مثل وطی کی صورت کے اندر سلامت رہتی ہو، اور قرآن مجید میں مذکور ہے کہ وہ عورت جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو اور اس میں کوئی شک نہ ہو تو واجب ہے کہ وہ تین ماہ عدت گزارے۔ اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے بھی اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ جو عورت حیض سے مایوس ہو چکی ہو زیادہ بوڑھی ہونے کی وجہ سے اس کی عدت تین ماہ ہے، اور اسی طرح سے وہ نابالغ لڑکی جس کو ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، اس کی عدت بھی تین ماہ ہے۔ (الموطا امام مالک ص ۳۶۰)

اور علامہ ابن القاسم مالکی نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ وہ اس دن سے عدت گزارے گی جس دن اس کا حیض مرتفع ہوا ہو، نہ اس دن سے عدت گزارے گی جس دن اس کو طلاق دی گئی ہو، وہ نو ماہ تک انتظار کرے گی اور اس کو حیض نہ آیا تو پھر وہ تین ماہ مزید عدت گزارے گی اور اگر اس کو اس سے پہلے حیض آ گیا کہ وہ یہ مدت مکمل کرتی تو امام اوزاعی نے کہا کہ جب مرد نے اپنی اس بیوی کو طلاق دی اور وہ جوان تھی اور اس کا حیض مرتفع ہو گیا اور اس نے تین ماہ تک کوئی چیز نہیں دیکھی تو وہ ایک سال عدت گزارے

گی۔ (مختصر اختلاف العلماء للامام ابی بکر احمد بن علی الجصاص رازی الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ ج ۲ ص ۳۸۲، دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۱۷ھ)

(الاستذکار للعلامہ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، ج ۱۸ ص ۹۵-۹۶، موسستہ الرسالہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور اللیث اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے: جس عورت کا حیض مرتفع ہو جائے اور وہ عورت غیر آیسہ ہو یعنی وہ حیض آنے سے مایوس نہ ہوئی ہو تو اس کی عدت ہمیشہ حیض ہے، اور اگر دو حیضوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو حتیٰ کہ وہ عورت اس عمر میں داخل ہو جائے جس عمر میں اس کی مثل کو حیض نہیں آتا تو اس کی عدت دوبارہ وہ شروع ہو گی جو حیض سے مایوس عورت کی عدت ہوتی ہے یعنی تین ماہ اور یہ مذہب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت زید بن ثابت متوفی ۴۵ھ سے منقول ہے۔ اور امام مالک نے اس مسئلہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کے قول سے استدلال کیا ہے اور اسی قول کے مطابق انہوں نے بھی فتویٰ دیا ہے اور اہلِ مدینہ نے بھی اس پر عمل کیا ہے۔ (مختصر اختلاف العلماء للامام ابی بکر احمد بن علی الجصاص رازی الحنفی المتوفی ۳۷۰ھ ج ۲ ص ۳۸۲، دار البشائر الاسلامیہ، ۱۴۱۷ھ)

(الاستذکار للعلامہ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ، ج ۱۸ ص ۹۵، موسستہ الرسالہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

فقہاء احناف نے ظاہر قرآن پر عمل کیا ہے اور ظاہر قرآن میں حیض والی عورتوں کی عدت وہ نہیں ہے جو حیض سے مایوس عورت کی عدت ہے اور جو نابالغہ کی عدت ہے، سو جو عورت ان میں سے نہ ہو تو اس کی عدت تین حیض ہے، خواہ وہ حیض ایک دوسرے سے کتنے ہی فاصلہ پر کیوں نہ ہو۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح: ج ۲۵ ص ۴۹۷-۵۵۰، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

احکام العدۃ

شیخ ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ احکام عدت کے متعلق لکھتے ہیں:

۱۹۸۴۔ مسئلہ: عدت کی تین قسمیں ہیں:

(۱) جس شخص نے نکاح کے بعد ایک مرتبہ یا زیادہ مرتبہ وطی کی اور پھر اس نے طلاق دی۔

(۲) عدتِ وفات، خواہ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ وطی کی ہو یا نہ کی ہو۔

(۳) جس عورت کو آزاد کر دیا گیا ہو، جب اس نے اپنے نفس کو اختیار کر لیا ہو اور اپنے خاوند سے علیحدگی کو اختیار کر لیا ہو، سو یہ اسی عورت کے ساتھ خاص ہے نہ کہ فسخ کی باقی صورتوں کے ساتھ، اس کی عدت وہی ہے جو مطلقہ کی عدت ہوتی ہے برابر برابر۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ عدتِ طلاق اور عدتِ وفات قرآن مجید میں مذکور ہے، اور اسی طرح جس عورت کو طلاق دی گئی اور اس عورت کے ساتھ طلاق دینے والے نے اس نکاح میں وطی نہیں کی تو اس کی عدت ساقط ہے۔

رہی وہ عورت جس کو آزاد کیا گیا ہے اور اس نے اپنے نکاح کے فسخ کو اختیار کر لیا، اسی طرح ہم نے اس حدیث کی روایت کی ہے از ابو داؤد، انہوں نے کہا: ہمیں عثمان بن ابی شیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عفان بن مسلم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ہمام بن یحییٰ نے حدیث بیان کی از قتادہ از عکرمہ از حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کے خاوند ایک سیاہ فام غلام تھے جن کا نام مغیث تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بریرہ کو خیار دیا اور حکم دیا کہ وہ عدت گزاریں۔

شیخ ابو محمد ابن حزم الظاہری اندلسی نے کہا: اگر اس عورت کی عدت اس کے سوا ہو جو قرآن مجید میں مذکور ہے تو اس کو ضرور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقینی طور پر بیان فرماتے اور ہم نے کہا: یہ عدت طلاق ہے کیونکہ یہ زندہ کی عدت ہے نہ کہ مردہ کی عدت، پس جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر سے علیحدہ ہو کر عدت گزارے اور اس کا شوہر زندہ ہے تو یہ وہ عدت ہے جو زندہ سے مفارقت کی یقینی طور پر عدت ہے۔

رہی فسخ کی وجوہ کی باقی صورتیں، عام ازیں کہ وہ نکاحِ صحیح سے ہو یا عقدِ فاسد سے ہو ان میں سے کسی کی بھی عدت نہیں ہے، کیونکہ اس عدت کو نہ قرآن نے واجب کیا ہے نہ سنت نے واجب کیا ہے اور قرآن و سنت کے علاوہ اور کوئی چیز حجت نہیں ہے، اور طلاق صرف نکاح صحیح میں ہوتی ہے۔

اسی طرح اس کی بھی عدت وفات نہیں ہے جس کے نکاح کا عقد صحیح نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نہ عدتِ طلاق کو واجب کیا ہے نہ عدتِ وفات کو واجب کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے صرف اسی کی عدت کو واجب کیا ہے جس کا اپنے شوہر سے عقدِ صحیح ہو اور جس کا عقد فاسد ہے وہ اس کا خاوند نہیں ہے، سو نہ اس کی طلاق ہے اور نہ اس کے لیے مفارقت کے بعد عدت طلاق ہے اور نہ اس کے خاوند کی وفات کے بعد اس کے لیے عدتِ وفات ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ (الطلاق:۱) اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

پس اگر وہ یہ کہے کہ ہم ہر فسخ کو المعتقہ پر قیاس کرتے ہیں جو اپنے خاوند سے فراق کو اختیار کرتی ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ یہ پورا قیاس باطل ہے، پھر اگر یہ برحق ہوتا تو یہ عینِ باطل ہوتا، کیونکہ فسخ نکاح کی تمام صورتوں میں نکاح کو فسخ کرنے والے کے لیے کوئی اختیار نہیں ہوتا سوائے المعتقہ کے، اور اس پر بلا خلاف اجماع ہے، اور جو عدتِ واجبہ ہے یہ اللہ تعالیٰ کا امر اور اس کا حکم ہے۔ اور ان میں سے کوئی چیز استبراء رحم کی وجہ سے نہیں ہے۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ہمارے مخالفین مخالفت نہیں کرتے، کہ وہ کم عمر لڑکی جس سے وطی کی گئی ہو جو حاملہ نہیں ہو سکتی، اور وہ بوڑھی عورت جو حاملہ نہیں ہوتی تو ان کی عدت طلاق میں اور وفات میں تین ماہ ہے۔ اور اگر وہ عدتِ طلاق میں کم سن لڑکی سے متعلق ہماری مخالفت کریں تو ہمارے قول کی صحت اور ان کے قول کے بطلان پر دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

وَالّٰٓـئِىْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّالّٰٓـئِىْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۝ (الطلاق:۴)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں، اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے اور جو اللہ سے ڈرے، اللہ اس کے کام میں آسانی کر دے گا ۝

اسی طرح ان کا اس میں بھی اختلاف نہیں ہے، وہ خصی جس کا اتنا ذکر باقی ہو جس سے وہ دخول کر سکے تو اس کی عورت پر بھی عدت ہے تو یقینی طور پر اس کا بچہ کبھی بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ان کا اس میں بھی اختلاف نہیں ہے کہ جس نے اپنی عورت سے ایک مرتبہ وطی کی، پھر وہ اس سے دس سال تک غائب رہا، پھر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس کی بیوی پر کوئی عدت نہیں ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس صورت میں بھی اس کی بیوی حاملہ نہیں ہوگی اور اگر عدت حمل کے خوف کی وجہ سے ہوتی تو

اس کے لیے ایک حیض کافی تھا۔ (المحلی بالآثار ج ۱۰ ص ۲۶-۲۸، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۵ھ)

نابالغ لڑکیوں اور بوڑھی عورتوں کی عدت

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سورہ طلاق کی آیت کریمہ ذکر فرمائی ہے جس میں دو قسم کی عورتوں کی عدت بیان کی گئی ہے، ایک وہ عورتیں جو سن یاس کو پہنچ جائیں اور ان کو حیض آنا بند ہو جائے اور دوسری وہ بچیاں جن کو حیض آنا ابھی شروع نہیں ہوا، ان دونوں قسم کی عورتوں کی عدت تین ماہ ہے۔ آیتِ کریمہ میں ''ان ارتبتم'' کی تفسیر میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے ان لم تعلموا یحضن یعنی ''ان ارتبتم'' کے معنی یہ ہیں کہ تم کو معلوم نہ ہو کہ ان عورتوں کو ابھی حیض آئے گا یا نہیں، جن عورتوں کے حیض آنے اور نہ آنے کے متعلق تم کو شک اور ارتیاب ہو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ میں ''ارتیاب فی اتیان الحیض وفی عدم اتیان الحیض'' مراد نہیں یعنی حیض آنے نہ آنے میں شک وارتیاب مراد نہیں بلکہ ارتیاب فی الحکم مراد ہے یعنی مذکورہ دونوں قسم کی عورتوں کے حکم میں اگر تم کو شک اور ارتیاب ہے کہ ان کی عدت کا قانون کیا ہونا چاہیے اور ان کے لیے شریعت کا کیا فیصلہ ہے تو ان کی عدت تین ماہ بتادی گئی ہے۔

چنانچہ واحدی نے اس آیت کریمہ کی شان نزول میں روایت نقل کی ہے کہ سورہ بقرہ میں جب عدت کی آیات نازل ہوئیں تو حضرت ابی بن کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ بعض عورتیں ایسی باقی رہ گئی ہیں کہ ان کی عدت کا حکم نازل نہیں ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: وہ کونسی عورتیں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا الصغار والکبار وذوا الحمل، یعنی بچیاں اور سن یاس تک پہنچ جانے والی بوڑھی عورتیں اور حاملہ عورتیں، تو اس پر مذکورہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ان عورتوں کی عدت کا حکم بیان کیا گیا ہے (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۳) مجاہد کی تعلیقِ باب کو فریابی نے موصولاً نقل کیا ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۹۳)

(کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق ص ۵۵۱-۵۵۰، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

۳۹۔ بابٌ: وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط (الطلاق: ۴)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضعِ حمل ہے

یہ باب الطلاق: ۴ کی تفسیر سے متعلق ہے۔

۵۳۱۸۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ جَعْفَرِ بْنِ رَبِيعَةَ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ هُرْمُزَ الْأَعْرَجِ قَالَ أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ أَنَّ زَيْنَبَ بِنْتَ أَبِي سَلَمَةَ أَخْبَرَتْهُ عَنْ أُمِّهَا أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم أَنَّ امْرَأَةً مِنْ أَسْلَمَ يُقَالُ لَهَا سُبَيْعَةُ كَانَتْ تَحْتَ زَوْجِهَا تُوُفِّيَ عَنْهَا وَهِيَ حُبْلَى فَخَطَبَهَا أَبُو

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از جعفر بن ربیعہ از عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج، انہوں نے کہا: مجھے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے خبر دی کہ زینب ابنۃ ابی سلمہ نے ان کو خبر دی از ام خود، حضرت ام سلمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ قبیلہ اسلم کی ایک عورت جس کو سبیعہ کہا جاتا تھا، وہ

السَّنَابِلِ بْنُ بَعْكَكٍ فَأَبَتْ أَنْ تَنْكِحَهُ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَا يَصْلُحُ أَنْ تَنْكِحِيهِ حَتّٰى تَعْتَدِّي آخِرَ الْأَجَلَيْنِ فَمَكُثَتْ قَرِيبًا مِنْ عَشْرِ لَيَالٍ ثُمَّ جَاءَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ انْكِحِي۔

اپنے خاوند کے نکاح میں تھیں جو فوت ہو گیا تھا اور اس وقت یہ حاملہ تھیں، پس سُبیعہ کو ابوالسنابل بن بعکک نے نکاح کا پیغام دیا، سو اس نے انکار کیا کہ وہ اس سے نکاح کرے، تو ابو سنابل نے کہا: اللہ کی قسم! تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اس سے نکاح کرو حتیٰ کہ تم دو عدتوں میں سے جس کی مدت زیادہ ہے وہ عدت گزار لو، وہ تقریباً دس راتیں ٹھہری رہیں، اور پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نکاح کر لو۔

امام بخاری نے اس حدیث کی ایک اور سند کے ساتھ روایت کی ہے، اس میں مذکور ہے، امام بخاری روایت کرتے ہیں:

ہمیں سعد بن حفص نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شیبان نے حدیث بیان کی از یحییٰ، انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ نے خبر دی، انہوں نے بتایا کہ ایک مرد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس نے کہا: مجھے اس عورت کے متعلق فتویٰ دیں جس کے ہاں اپنے خاوند کی وفات کے چالیس راتوں کے بعد بچہ پیدا ہو گیا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اس کی عدت وہ ہے جس کی مدت دو عدتوں میں سب سے زیادہ ہے، تو میں نے کہا یعنی حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ط اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

(الطلاق: ۴)

حضرت ابو ہریرہ نے کہا: میں اپنے بھتیجے یعنی ابوسلمہ کے ساتھ تھا، تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام کریب کو حضرت ام سلمہ کی طرف بھیجا اور ان سے اس کے متعلق سوال کیا، تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضرت سُبیعہ الاسلمیہ کے خاوند شہید ہو گئے اور وہ اس وقت حاملہ تھیں، پھر ان کی شہادت کے چالیس راتوں کے بعد ان کو نکاح کا پیغام دیا گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح کر دیا اور ابو سنابل بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس کو نکاح کا پیغام دیا تھا۔

(صحیح البخاری: ۴۹۰۹، ۵۳۱۸، صحیح مسلم: ۱۴۸۵، سنن ترمذی: ۱۱۹۴، سنن نسائی: ۳۵۱۱، مسند احمد: ۲۶۱۱۸، موطا امام مالک: ۱۲۵۳، سنن داری: ۲۲۷۹)

ابو سنابل کا سُبیعہ کو غلط مسئلہ بتلانا تا کہ وہ کسی اپنی پسند کے جوان آدمی کے رشتہ کو ترک کر کے اس جیسے بوڑھے آدمی کے رشتہ پر راضی ہو جائے

نواب وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کہ ابو سنابل بوڑھا شخص تھا، پھر ابو بشر بن حارث نے جو جوان شخص تھا، اس کو نکاح کا پیغام بھیجا، وہ عورت راضی ہو گئی اور بناؤ سنگھار کرنے لگی، تو ابو سنابل نے کہا کہ تم اس سے نکاح نہیں کر سکتیں جب تک کہ دو مدتوں میں سے جو مدت زیادہ لمبی ہے وہ پوری نہ ہو جائے، ابو سنابل نے اس عورت کو یہ غلط مسئلہ بتایا تھا، اس لیے اس کو تھڑکایا یعنی گمراہ کیا تا کہ وہ عورت بالفعل اپنا نکاح ملتوی کر دے، اس عورت کے عزیز و اقارب اس وقت موجود نہ تھے۔ اس کا خیال تھا کہ جب اس عورت کے عزیز و اقارب آ جائیں گے

تو وہ اس کو سمجھا کر مجھ سے نکاح کرنے پر راضی کر لیں گے۔ (تیسیر الباری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۴۴۳ نعمانی کتب خانہ جون ۱۹۹۰ء)

۵۳۱۹۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ عَنِ اللَّيْثِ عَنْ يَزِيدَ أَنَّ ابْنَ شِهَابٍ كَتَبَ إِلَيْهِ أَنَّ عُبَيْدَ اللهِ بْنَ عَبْدِ اللهِ أَخْبَرَهُ عَنْ أَبِيهِ أَنَّهُ كَتَبَ إِلَى ابْنِ الْأَرْقَمِ أَنْ يَسْأَلَ سُبَيْعَةَ الْأَسْلَمِيَّةَ كَيْفَ أَفْتَاهَا النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَتْ أَفْتَانِي إِذَا وَضَعْتُ أَنْ أَنْكِحَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی از اللیث از یزید کہ ابن شہاب نے ان کی طرف مکتوب لکھا کہ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ نے ان کو اپنے والد رضی اللہ عنہ سے یہ خبر دی، کہ انہوں نے زید بن ارقم کی طرف مکتوب لکھا اور ان سے سُبیعہ اسلمیہ کے متعلق دریافت کیا کہ نبی ﷺ نے ان کے متعلق کیا فتویٰ دیا تھا، تو سُبیعہ اسلمیہ نے بتایا کہ مجھے نبی ﷺ نے فرمایا تھا کہ جب میرے ہاں بچہ ہو جائے تو میں نکاح کر سکتی ہوں۔

امام بخاری نے اس حدیث کی درج ذیل دوسری روایت کی ہے:

اور اللیث نے کہا: مجھے یونس نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ نے حدیث بیان کی کہ ان کے والد نے حضرت عمر بن عبد اللہ بن ارقم الزہری کی طرف مکتوب لکھا، اس میں یہ حکم دیا کہ وہ سُبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ کے پاس جائیں اور ان سے ان کی حدیث کے متعلق سوال کریں اور یہ کہ جب انہوں نے نبی ﷺ سے اپنے نکاح کے متعلق سوال کیا تو نبی ﷺ نے ان کو کیا جواب دیا، پھر عمر بن عبد اللہ بن الارقم نے عبد اللہ بن عتبہ کی طرف مکتوب لکھا اور اس میں یہ خبر دی کہ سُبیعہ بنت الحارث نے ان کو خبر دی کہ وہ حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور ان کا تعلق بنو عامر سے تھا اور یہ ان صحابہ میں سے تھے جو غزوہ بدر میں حاضر تھے، پس وہ حجۃ الوداع میں فوت ہو گئے اور اس وقت وہ حاملہ تھیں، پس وہ چند دن ٹھہریں یہاں تک کہ ان کے ہاں ان کی شوہر کی وفات کے بعد بچہ ہو گیا، پھر جب وہ نفاس سے فارغ ہو گئیں تو انہوں نے نکاح کا پیغام دینے والوں کے لیے بناؤ سنگھار کیا، تو ان کے پاس ابو سنابل بن بعکک داخل ہوئے، یہ بنو عبد الدار سے تعلق رکھنے والے ایک مرد تھے، اس نے ان سے کہا: کیا وجہ ہے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم نے نکاح کا پیغام دینے والوں کے لیے بناؤ سنگھار کیا ہے، کیا تم نکاح کی توقع رکھتی ہو؟ پس بیشک اللہ کی قسم! تم اس وقت تک نکاح نہیں کر سکتیں حتیٰ کہ تمہارے اوپر چار مہینے دس دن کی مدت نہ گزر جائے۔ سُبیعہ نے کہا: جب ابو سنابل نے مجھ سے کہا تو میں نے اپنے کپڑے اکٹھے کیے حتیٰ کہ میں شام کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور میں نے آپ سے اس معاملہ کے متعلق سوال کیا تو آپ نے مجھے یہ جواب دیا کہ جب میرا وضع حمل ہو گیا اور میرے ہاں بچہ ہو گیا تو میری عدت پوری ہو گئی اور آپ نے مجھے حکم دیا کہ میں جس کو پسند کروں اس سے نکاح کر لوں۔

(صحیح البخاری: ۳۹۹۱، ۵۳۱۹، صحیح مسلم: ۱۴۸۴، سنن نسائی: ۳۵۱۸، سنن ابو داؤد: ۲۳۰۶، سنن ابن ماجہ: ۲۰۲۸، مسند احمد: ۲۶۸۸۹)

نواب وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ نے کہا ہے کہ آیت مبارکہ:

وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ (الطلاق: ۴)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

اس آیت کی مخصص ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (البقرہ: ۲۳۴)

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں، اور جب وہ اپنی عدت پوری کرلیں، تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لیے کریں، اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے O

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ سے منقول ہے کہ اس عورت کی عدت ابعد الاجلین ہے یعنی دو مدتوں میں سے جس کی مدت زیادہ ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ کا بھی یہی قول ہے، لیکن باقی تمام صحابہ اس کے خلاف ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس قول سے رجوع بھی منقول ہے، اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ یہ کہتے تھے کہ جو چاہے میں اس سے مباہلہ کرنے پر حاضر ہوں کہ سورہ طلاق آخر میں اتری ہے اور اس سے یہ آیت "وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ (البقرہ: ۲۳۴)" منسوخ ہوگئی ہے۔ (تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۴۳، نعمانی کتب خانہ لاہور جون ۱۹۹۰ء)

۵۳۲۰۔ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ قَزَعَةَ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ أَنَّ سُبَيْعَةَ الْأَسْلَمِيَّةَ نُفِسَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِلَيَالٍ فَجَاءَتِ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاسْتَأْذَنَتْهُ أَنْ تَنْكِحَ فَأَذِنَ لَهَا فَنَكَحَتْ۔

(سنن نسائی: ۳۵۰۶، سنن ابن ماجہ: ۲۰۲۹، مسند احمد: ۱۸۴۳۸، موطا امام مالک: ۱۲۵۴)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، ہمیں یحییٰ بن قزعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از ہشام بن عروہ از والد خود از حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ، کہ سبیعہ اسلمیہ کے خاوند کی وفات ہوگئی اور اس کی چند راتوں کے بعد انہوں نے بچے کو جنم دیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے اجازت طلب کی کہ وہ کسی اور سے نکاح کرلیں تو آپ نے ان کو اجازت دے دی اور انہوں نے نکاح کرلیا۔

عدتِ طلاق اور عدتِ وفات کی انواع

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ (الطلاق: ۴)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

پس اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ ہر حاملہ مطلقہ کی عدت جس سے اس کا خاوند رجوع کا مالک ہو یا رجوع کا مالک نہ ہو خواہ وہ عورت آزاد ہو یا باندی ہو یا مدبرہ ہو یا مکاتبہ ہو تو اس کی عدت یہ ہے کہ اس کا وضع حمل ہو جائے، اور اس کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے۔ (الاجماع: ۴۴۵، الموطا امام مالک: ۸۴، مصنف عبدالرزاق: ۱۱۷۱۹، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۳۰)

ان تینوں نے از نافع از حضرت عبداللہ بن عمر روایت کی ہے کہ ان سے سوال کیا گیا اس عورت سے متعلق جس کا خاوند فوت ہو گیا

اور وہ حاملہ تھی؟ تو حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: جب اس کا وضع حمل ہو گیا تو وہ دوسرے شوہر سے نکاح کے لیے حلال ہو گئی، پھر انصار کے ایک مرد نے ان کو خبر دی کہ وہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کے پاس تھے، انہوں نے اس کا اسی طرح ذکر کیا۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۸ ص ۱۱۷)

اور اس میں اختلاف ہے کہ جس حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو گیا اس کی عدت کتنی ہو گی، تو اکثر اہل علم نے کہا ہے کہ اس کی عدت یہ ہے کہ اس کا حمل وضع ہو جائے، خواہ اپنے خاوند کی وفات کے ایک دن بعد اس کا وضع حمل ہو جائے یا ایک گھنٹہ بعد اس کا وضع حمل ہو جائے، یہ حدیث حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ اگر اس کا وضع حمل ہوا اور اس کا خاوند میت کے غسل کے تختہ پر تھا تب بھی وہ حلال ہو جائے گی۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۱۷۱۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۳۰، موطا امام مالک ج ۲ ص ۵۸۹)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ، کا بھی یہی قول ہے۔ اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ اور الزہری متوفی ۱۵۲ھ اور قتادہ بن دعامہ بن عزیز البصری متوفی ۱۱۷ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور سفیان بن سعید بن المسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور امام اوزاعی اور الحارث العکلی اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام ابوعبید الہروی متوفی ۲۲۷ھ اور ابوثور اور فقہاء احناف کا بھی یہی قول ہے۔

(شرح زرقانی ج ۳ ص ۲۸۶، کتاب الام ج ۵ ص ۳۸۲، بحث عدۃ الوفات، المبسوط للسرخسی ج ۶ ص ۳۵، بحث باب العدۃ وخروج المرأۃ من بیتھا)

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ فرماتے ہیں:

ہم بھی یہی کہتے ہیں کیونکہ یہ اقوال اور مذاہب قرآن مجید کی ظاہر آیت کے موافق ہیں:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

(الطلاق: ۴)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت سبیعہ کو نکاح کرنے کی اجازت دی۔ (صحیح البخاری: ۳۹۹۱، صحیح مسلم: ۱۴۸۴)

۴۹۰۹ [۸۳۷۷]: ہمیں ابراہیم بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں یزید بن ہارون نے خبر دی، از یحییٰ بن سعید از سلیمان بن یسار، ان کو ابوسلمہ نے خبر دی، انہوں نے بیان کیا کہ ابوسلمہ اور حضرت ابن عباس حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کے پاس جمع ہوئے اور انہوں نے آپس میں یہ ذکر کیا کہ ایک مرد اپنی بیوی سے فوت ہو گیا اور اس کی موت کی چند راتوں کے بعد بچہ پیدا ہوا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اس کی عدت آخر الاجلین، یعنی دو عدتوں میں سے جس کی مدت سب سے زیادہ ہو، وہ اس کی عدت ہے، تو ابوسلمہ نے ان سے کہا کہ جب اس کا بچہ پیدا ہو گیا تو وہ عورت نکاح کرنے کے لیے حلال ہو گئی، پھر حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے آپس میں بحث کی، تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنے بھتیجے یعنی حضرت ابوسلمہ کے ساتھ ہوں، پھر انہوں نے حضرت ابن عباس کے آزاد شدہ غلام کریب کو حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجا تو حضرت ام سلمہ نے کہا کہ حضرت سبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ کے خاوند فوت ہو گئے، اس کی چند راتوں کے بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور بنو عبدالدار کے ایک مرد نے ان کو نکاح کا پیغام دیا اور ان کو یہ خبر دی کہ وہ حلال ہو چکی ہیں، پس انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح کر لیں تو ان سے ابوسنابل نے کہا کہ تم حلال نہیں ہو، پھر حضرت سبیعہ نے اس بات کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان

کو حکم دیا کہ وہ نکاح کر لیں۔ (صحیح مسلم: ۱۴۸۵، صحیح البخاری: ۴۹۰۹)

اور اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی عدت آخر الاجلین ہے یعنی دو عدتوں میں سے جس کی مدت زیادہ ہو وہ اس کی عدت ہے، یہ قول حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ سے منقول ہے۔

(سنن سعید بن منصور: ۱۵۱۶، مصنف عبد الرزاق: ۱۱۷۱۴، سنن سعید بن منصور: ۱۵۱۸، مصنف عبد الرزاق: ۱۱۷۱۲)

حسن بصری متوفی ۱۱۰ ھ اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ ھ نے اس قول کو مکروہ قرار دیا ہے۔ (سنن سعید بن منصور: ۱۵۲۳)

اور حماد بن ابی سلیمان استاذ امام ابوحنیفہ المتوفی ۱۲۰ ھ نے کہا ہے کہ وہ عورت اس وقت تک نکاح نہ کرے حتیٰ کہ غسل کر لے اور باقی اہل علم نے اس کو حالتِ نفاس میں بھی نکاح کی اجازت دی ہے اور علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ ھ لکھتے ہیں: اور ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں کیونکہ یہ قول ظاہر کتاب اور سنت کے موافق ہے۔

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۵۲۹، ۵۲۷، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ ھ)

جس حاملہ عورت کے پیٹ میں دو بچے ہوں اس کی عدت ختم ہونے کا بیان

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ ھ لکھتے ہیں:

اکثر اہل علم نے یہ کہا ہے کہ اس عورت کی عدت ختم نہیں ہو گی حتیٰ کہ اس کے پیٹ میں جو کچھ بھی ہے اس کا وضع حمل ہو جائے۔ یہ قول حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب متوفی ۴۰ ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ سے منقول ہے اور اسی قول کے مطابق عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ ھ اور سعید ابن المسیب متوفی ۹۰ ھ اور سلیمان بن یسار اور ابن شہاب الزہری متوفی ۱۵۲ ھ اور ربیعہ بن ابی عبد الرحمٰن وغیرہم کے اقوال ہیں۔

ابوزناد عبد اللہ بن ذکوان متوفی ۲۴۲ ھ نے اس قول کی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ھ سے روایت کی ہے۔

(المدونۃ ج ۲ ص ۲۳۳، بحث کتاب الرجعت)

اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ ھ کا بھی یہی قول ہے۔

(کتاب الام ج ۵ ص ۳۱۹، بحث عدۃ الحامل)

اور فقہاءِ احناف کا بھی یہی قول ہے۔ (المبسوط للسرخسی ج ۲ ص ۳۴، بحث باب المستحاضہ)

اور اسی طرح امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ ھ اور ابوثور کا قول ہے۔ (مسائل احمد واسحاق: ۹۴۴)

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ ھ لکھتے ہیں:

ہم بھی اس قولِ اول کے مطابق کہتے ہیں، کیونکہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ

اور اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو اجرت دو۔

(الطلاق: ۶)

اور وہ عورت جس کے پیٹ میں بچہ غیر واضح ہو اور وہ نماز کو نہ چھوڑتی ہو اور اس کے لیے نفاس کا حکم صرف آخر اولاد سے ہو، پس

اگر اس کے شوہر نے اس کو طلاقِ رجعی دی اور بچہ کا بعض حصہ پیٹ سے باہر آ گیا تو اس کے لیے اس سے رجوع کرنا جائز ہے حتیٰ کہ بچہ ظاہر ہو جائے، کیونکہ بچے کا بعض حصے کا حمل غیر واضح ہے، اور یہ قول عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ سے منقول ہے۔ اور یہ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کے قول پر مبنی ہے اور امام احمد بن حنبل اور اسحاق کے اقوال پر مبنی ہے۔

(کتاب الام ج ۵ ص ۳۱۹ بحث عدۃ الحامل) (الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۵۲۹-۵۳۰، دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

ناتمام بچے کی عدت پوری ہونے کا بیان

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

وہ تمام اہل علم جن کے اقوال محفوظ ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ جو عورت مطلقہ ہو اس کا جب ناتمام بچہ پیدا ہو جائے اور یہ معلوم ہو کہ یہ اس کی اولاد ہے تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔ (الاجماع: ۴۴۶)

اسی طرح حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور محمد بن سیرین اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی المتوفی ۹۶ھ کا قول ہے۔ اور اسی طرح حضرت شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ کا قول ہے۔ اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ کا قول ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ کا قول ہے۔ (المدونہ ج ۲ ص ۲۳۷، بحث دعوی المرأۃ القضاء عدتھا)

امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا قول ہے۔ (مسائل احمد واسحاق: ۹۴۴)

(الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۵۳۰، دار الفلاح ریاض، ۱۴۳۰ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۸ میں امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از جعفر بن ربیعہ از عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج انہوں نے کہا: مجھے ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن نے خبر دی کہ زینب ابنۃ ابی سلمہ نے ان کو خبر دی از ام خود، حضرت ام سلمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ قبیلہ اسلم کی ایک عورت جس کو سُبیعہ کہا جاتا تھا، وہ اپنے خاوند کے نکاح میں تھیں جو فوت ہو گیا تھا اور اس وقت یہ حاملہ تھیں، پس سُبیعہ کو ابو السنابل بن بعکک نے نکاح کا پیغام دیا، سو اس نے انکار کیا کہ وہ اس سے نکاح کرے، تو ابو سنابل نے کہا: اللہ کی قسم! تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم مجھ سے نکاح کر و حتیٰ کہ تم دو عدتوں میں سے جس کی مدت زیادہ ہے وہ عدت گزار لو، وہ تقریباً دس راتیں ٹھہری رہیں، اور پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نکاح کر لو۔

صحیح البخاری: ۵۳۱۹ میں امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی از اللیث از یزید کہ ابن شہاب نے ان کی طرف مکتوب لکھا کہ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ نے ان کو اپنے والد رضی اللہ عنہ سے یہ خبر دی، کہ انہوں نے زید بن ارقم کی طرف مکتوب لکھا اور ان سے سُبیعہ اسلمیہ کے متعلق دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق کیا فتویٰ دیا تھا، تو سبیعہ اسلمیہ نے بتایا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب میرے ہاں بچہ ہو جائے تو میں نکاح کر سکتی ہوں۔

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، ان حدیثوں کی شرح میں لکھتے ہیں:

علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو عورت اپنے بڑھاپے کی وجہ سے حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہو، اس کی عدت تین ماہ ہے اور جن

عورت کو ابھی حیض نہ آیا ہو تو کم عمر ہونے کی وجہ سے اس کی عدت بھی تین ماہ ہے۔

جس نو جوان عورت کا حیض مرتفع ہو گیا ہو اور اس عورت کی مثل سے حیض آنا ممکن ہو، اس کی عدت کے متعلق فقہاء کے اقوال

اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب کسی جوان عورت کا حیض نہ آئے جب کہ اس کی مثل عورت کا حیض آنا ممکن ہو تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس عورت کو بھی طلاق دی گئی پھر اس کو ایک حیض آیا یا دو حیض آ گئے، پھر اس کا حیض مرتفع ہو گیا تو وہ نو مہینے تک انتظار کرے، پھر اگر اس کا حمل ظاہر ہو گیا تو فبہا ورنہ وہ نو مہینے کے بعد تین مہینے انتظار کرے۔ پھر وہ عدت سے حلال ہو جائے گی اور اسی کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ جس عورت کی عدت میں شک ہو تو حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ سے مروی ہے اور یہی امام مالک اور امام اوزاعی کا قول ہے کہ اس کی عدت ایک سال ہے۔

اور ابن القاسم مالکی نے کہا کہ وہ اس دن سے عدت گزارے گی جس دن اس کا حیض مرتفع ہو گیا نہ اس دن سے جس دن اس کو طلاق دی گئی، وہ نو مہینے انتظار کرے گی، پس اگر اس کو ان ایام میں حیض نہیں آیا تو وہ تین ماہ عدت گزارے گی اور اگر اس کو تین ماہ مکمل ہونے سے پہلے حیض آ گیا تو از سر نو حیض کا شمار ہو گا اور امام اوزاعی نے کہا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور وہ نو جوان عورت تھی، پھر اس کا حیض مرتفع ہو گیا اور اس نے کوئی چیز نہیں دیکھی تو وہ ایک سال تک عدت گزارے گی۔

جو عورت نہ حیض سے مایوس ہو اور نہ وہ عورت نابالغہ ہو، اس کی عدت کے متعلق امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے مسالک

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور اللیث اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا: جس عورت کا حیض مرتفع ہو جائے اور وہ حیض آنے سے مایوس نہ ہو تو اس کی عدت ہمیشہ حیض ہے، اور اگر دو حیضوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو حتیٰ کہ وہ عورت اس عمر میں داخل ہو جائے جس عمر میں اس کی مثل عورتوں سے حیض نہیں آتا تو وہ اس عورت کی عدت دوبارہ گزارے گی جو حیض سے مایوس ہو چکی ہو اور وہ عدت تین ماہ ہے۔ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت زید بن ثابت متوفی ۴۵ھ کا مذہب ہے۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے اس مسئلہ میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کے قول پر عمل کیا ہے، اور ان کا گمان ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے، اور اہلِ مدینہ کے علماء کا عمل ہے۔ اور فقہاء احناف نے ظاہر قرآن پر عمل کیا ہے اور ظاہر قرآن میں جس عورت کو حیض آتا ہو اس کی عدت میں مہینوں کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اور مہینوں کا دخل صرف اس عورت کے متعلق ہے جو حیض آنے سے مایوس ہو چکی ہو اور اس نابالغہ سے متعلق ہے جس کو ابھی حیض آنا شروع نہ ہوا ہو، پس جو عورت نہ حیض سے مایوس ہو اور نہ بالغہ ہو تو اس کی عدت تین حیض ہے خواہ تین حیضوں کے درمیان کتنا ہی فاصلہ کیوں نہ ہو۔

امام مالک کے دلائل

اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ جس عورت کو اپنی عدت کے مہینوں کے متعلق شک ہو، تو یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کا حمل نو مہینے تک

مستمر رہے، کیونکہ نو مہینے کی مدت کے اندر حمل ہر حال میں ظاہر ہو جاتا ہے، پس جب یہ یقین ہو گیا کہ اس مدت میں اس کو حمل نہیں ٹھہرا تو ایک قول یہ ہے کہ ہم نے جان لیا کہ وہ عورت ان عورتوں میں سے نہیں ہے جس کو اپنی عدت کے مہینوں کے متعلق شک ہو اور نہ وہ عورت ان عورتوں میں سے ہے جن کو حیض آتا ہو تو وہ دوبارہ تین ماہ عدت گزارے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کے متعلق فرمایا جن کو حیض نہیں آتا، اس کا قیاس ان کی عدت پر ہے جن کی عدت مہینوں سے شمار ہوتی ہے، اس کا قیاس اس عورت پر ہے جو کم سن ہو اور اس کو تین مہینوں سے پہلے حیض آ جائے تو معلوم ہو گیا کہ وہ ان عورتوں میں سے ہے جنہیں حیض آتا ہے تو اس سے کہا جائے گا کہ وہ دوبارہ تین حیض کو شمار کرے۔ رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

(الطلاق: ۴)

کیونکہ اسماعیل بن اسحاق نے کہا ہے کہ اکثر علماء اس پر متفق ہیں اور اسی کے اوپر عمل جاری ہے، کہ جب حاملہ عورت کا وضع حمل ہو گیا تو اس کی عدت پوری ہو گئی اور ان کا مذہب یہ ہے کہ یہ آیت ہر عدت گزارنے والی عورت کے متعلق عام ہے، خواہ وہ عدتِ طلاق ہو یا عدتِ وفات ہو، کیونکہ یہ آیت مجمل ہے اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ بالخصوص مطلقہ کے لیے ہے اور نہ اس میں یہ ذکر ہے کہ یہ بالخصوص اس عورت کے لیے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو، پس یہ ہر عدت گزارنے والی عورت کے حق میں عام ہے، تو واجب ہے کہ اس کی عدت حیض سے ہو اور تین مہینے کی مدت مطلقہ کے لیے اس وقت ہے جب وہ حاملہ نہ ہو جیسا کہ اس کے متعلق نص صریح وارد ہے اور واجب ہے کہ اس کی عدت چار مہینے دس دن ہو جو کہ اس عورت کی عدت ہوتی ہے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو جب کہ وہ حاملہ نہ ہو اور واجب ہے کہ ہر وہ عورت جو حاملہ ہو اور اس کا خاوند فوت ہو چکا ہو یا اس کے خاوند نے اس کو طلاق دے دی ہو تو اس کی عدت یہ ہے کہ اس کا حمل وضع ہو جائے اور اس کے ہاں بچہ ہو جائے۔

مسئلہ مذکورہ کے متعلق دوسرے فقہاء کا نظریہ

دوسرے علماء نے کہا: حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا کی حدیث اس قول کی صحت پر شاہد ہے اور اسی پر علماء حجاز اور علماء عراق اور علماء شام کا عمل ہے اور میرے علم میں سلف صالحین میں سے کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا، سوائے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ کے، اور ایک روایت حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی بھی ہے، ان دونوں نے یہ کہا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس کی عدت ابعد الاجلین ہے، یعنی چار ماہ دس دن اور وضع حمل، ان میں سے جس کی مدت بھی زیادہ ہو وہ اس عورت کی عدت ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ نے کہا کہ جب ان کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ قول پہنچا تو انہوں نے کہا: جو شخص چاہے مجھ سے اس بات کے اوپر مباہلہ کر لے کہ یہ آیت جو سورۃ النساء القصریٰ یعنی سورہ طلاق میں ہے یعنی:

وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

(الطلاق: ۴)

یہ آیت اس آیت کے بعد نازل ہوئی ہے جو سورۃ البقرہ کی درج ذیل آیت ہے:

وَ الَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ

بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ (البقرہ: ۲۳۴)

جائیں، تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں، اور جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں، تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لیے کریں، اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے O

اگر حضرت سُبیعہ کی حدیث نہ ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دو آیتوں کے متعلق بیان نہ ہوتا تو اس میں حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول معتبر ہوتا، اس لیے کہ یہ دو عدتیں جمع ہو گئی ہیں تو ان دو عدتوں میں سے کوئی ایک عدت بھی بغیر یقین کے خارج نہیں ہو گی، اور یقین ابعد الاجلین کے اندر ہے یعنی وضع حمل اور چار ماہ دس دن ان میں سے جس کی مدت زیادہ ہو وہی اس عورت کی عدت ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ فقہاء حجاز اور فقہاء عراق نے ام الولد کے متعلق کہا: جس کا خاوند فوت ہو گیا اور اس کا مالک بھی فوت ہو گیا اور یہ پتا نہیں چل سکا کہ ان میں سے کون پہلے فوت ہوا ہے تو انہوں نے کہا: اس کے اوپر دو عدتیں ہیں، چار ماہ دس دن اور امام شافعی کے نزدیک ایک حیض، اور یہی اس کے لیے ابعد الاجلین ہے۔

صورتِ مذکورہ میں فقہاءِ احناف کا مذہب

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت نے کہا: اس صورت میں کوئی حیض نہیں ہے، یعنی اس صورت میں ایک حیض کی عدت نہیں ہے، اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ نے کہا: اس عورت کی عدت تین حیض ہے، مگر سنت اس طرح وارد ہے کہ جس حاملہ کا خاوند فوت ہو گیا ہو تو وہ عدت پوری ہونے کے بعد کسی سے نکاح کر سکتی ہے، جیسا کہ حضرت سبیعہ کے متعلق حدیث میں ذکر ہے، اگر یہ حدیث حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو پہنچ جاتی تو وہ اس حدیث کو ترک نہ کرتے اور رہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو ان سے مروی ہے کہ انہوں نے بحث اور مناظرہ کے بعد حضرت سبیعہ کی حدیث کی طرف رجوع کر لیا اور ان کے اصحاب میں سے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور عکرمہ بن البربری متوفی ۱۰۵ھ اور جابر بن زید یہ کہتے تھے کہ جب حاملہ عورت کا حمل وضع ہو جائے تو وہ عورت دوسرے مرد سے نکاح کرنے کے لیے حلال ہو جاتی ہے خواہ وہ اپنے خاوند کی موت کے ایک گھنٹہ کے بعد اس کا وضع حمل ہو جائے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۹۲-۴۹۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

حاملہ عورتوں کی عدت کا بیان

حافظ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ صحیح البخاری کی درج ذیل احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

۵۳۱۸: امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از جعفر بن ربیعہ از عبد الرحمٰن بن ہرمز الاعرج انہوں نے کہا: مجھے ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن نے خبر دی کہ زینب ابنۃ ابی سلمہ نے ان کو خبر دی از ام خود، حضرت ام سلمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ قبیلہ اسلم کی ایک عورت جس کو سُبیعہ کہا جاتا تھا، وہ اپنے خاوند کے نکاح میں تھیں جو فوت ہو گیا تھا اور اس وقت یہ حاملہ تھیں، پس سُبیعہ کو ابو السنابل بن بعکک نے نکاح کا پیغام دیا، سو اس نے انکار کیا کہ وہ اس سے نکاح کرے، تو ابو سنابل نے کہا: اللہ کی قسم! تمہارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ تم مجھ سے

نکاح کرو حتیٰ کہ تم دو عدتوں میں سے جس کی مدت زیادہ ہے وہ عدت گزار لو، وہ تقریباً دس راتیں ٹھہری رہیں، اور پھر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نکاح کرلو۔

۵۳۱۹: امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی از اللیث از یزید کہ ابن شہاب نے ان کی طرف مکتوب لکھا کہ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ نے ان کو اپنے والد رضی اللہ عنہ سے یہ خبر دی، کہ انہوں نے زید بن ارقم کی طرف مکتوب لکھا اور ان سے سُبیعہ اسلمیہ کے متعلق دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق کیا فتویٰ دیا تھا، تو سبیعہ اسلمیہ نے بتایا کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب میرے ہاں بچہ ہو جائے تو میں نکاح کر سکتی ہوں۔

۵۳۲۰: امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، ہمیں یحییٰ بن قضاعہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از ہشام از عروہ از والد خود از حضرت المسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ، کہ سبیعہ اسلمیہ کے خاوند کی وفات ہوگئی اور اس کی چند راتوں کے بعد وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے اجازت طلب کی کہ وہ کسی اور سے نکاح کرلیں تو آپ نے ان کو اجازت دے دی اور انہوں نے نکاح کرلیا۔

علامہ ابن الملقن لکھتے ہیں کہ:

حضرت سبیعہ کی حدیث کی شرح کتاب التفسیر میں گزر چکی ہے۔

اور لیث نے کہا ہے کہ مجھے یزید نے حدیث بیان کی از ابن شہاب اور وہ یزید بن ابی حبیب ہے جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کا اطراف میں ذکر کیا اور اس کی امام ابونعیم اور امام طبرانی نے تصریح کی ہے۔ (المعجم الکبیر: ۷۸۴، ج ۲۴ ص ۲۹۴)

اور امام نسائی نے اس کی روایت یزید بن ابی انیسہ از یزید بن ابی حبیب از محمد بن مسلم۔ (سنن نسائی ج ۶ ص ۱۹۵)

اور رہے علامہ الدمیاطی تو انہوں نے کہا: یہ یزید بن عبد اللہ بن اسامہ بن الہاد ہے۔

اور حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی ایک اور بھی سند ہے جس کو امام احمد نے اپنی مسند میں از اسحاق بن عیسیٰ روایت کیا ہے انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی ابن لہیعہ نے از بکیر از بسر از ابی بن کعب کہ ان کی بیوی ام طفیل نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ سے کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سُبیعہ کو یہ حکم دیا تھا کہ جب ان کا حمل وضع ہو جائے تو وہ دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۳۷۵)

مسئلہ زیر بحث کے متعلق فقہاء اسلام کی آراء

قاضی اسماعیل نے کہا: کہ اکثر علماء کا اس پر اتفاق ہے اور اسی کے اوپر اکثر علماء کا عمل ہے کہ جب کسی عورت کا حمل وضع ہو جائے تو اس کی عدت پوری ہو جاتی ہے اور ان کا مذہب یہ ہے کہ الطلاق: ۴، ہر عدت گزارنے والی کے حق میں عام ہے خواہ وہ عدتِ طلاق ہو یا عدتِ وفات ہو، کیونکہ یہ آیت مجمل ہے، پس اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ یہ آیت بالخصوص مطلقہ کے متعلق ہے اور نہ بالخصوص یہ ذکر ہے کہ یہ اس عورت کے متعلق ہے جس کا خاوند فوت ہو چکا ہو، سو یہ آیت ہر عدت گزارنے والی عورت کے حق میں عام ہے، پس واجب یہ ہے کہ یہ عدت حیض کے ساتھ ہو اور مطلقہ کیلئے تین مہینوں کے ساتھ ہو۔

جیسا کہ صریح نص میں مذکور ہے، پس واجب ہے کہ چار مہینے دس دن تو اس عورت کی عدت ہے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو جب

کہ وہ حاملہ نہ ہو اور واجب ہے کہ یہ آیت ہر حاملہ عورت کے متعلق ہو جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو یا جس خاوند نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پس اس کی عدت یہ ہے کہ اس کا حمل وضع ہو جائے۔ اور اس باب کی حدیث اس پر شاہد ہے اور اسی کے مطابق علماء حجاز اور علماء عراق اور علماء شام کا عمل ہے، انہی میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ ہیں اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ ہیں اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ متوفی ۵۷ھ ہیں اور میرے علم کے مطابق سلف صالحین میں سے اس مسئلہ میں کسی نے اختلاف نہیں کیا سوائے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے، اور ایک روایت حضرت علی کی ہے، سو ان دونوں نے کہا: اس عورت کی عدت ابعد الاجلین ہے، اگر عدت چار مہینے دس دن زیادہ ہو تو وہ عدت ہے اور اگر وضع حمل کی مدت زیادہ ہو تو وہ اس کی عدت ہے۔

اور نیز سحنون مالکی سے روایت ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا اور ان کے اصحاب میں سے عطاء بن ابی رباح اور عکرمہ اور جابر بن زید نے حضرت ابن عباس کے رجوع کی تصدیق کی ہے اور انہوں نے جمہور کے قول کے مطابق کہا ہے۔ اور حماد بن ابی سلیمان استاذ امام ابوحنیفہ متوفی ۱۲۰ھ نے کہا ہے کہ وہ عورت عدت سے باہر نہیں آئے گی حتیٰ کہ اس کا نفاس ختم ہو جائے اور وہ نفاس کے بعد غسل کر لے اور یہ قول حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور ابراہیم النخعی متوفی ۹۶ھ اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ سے منقول ہے۔ (النوادر والزیادات ج ۵ ص ۲۵، الاستذکار ج ۱۸ ص ۱۷۷-۱۷۸)

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کے مذہب کی تائید

ابن القصار مالکی نے کہا: اور یہی امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ کے قول کا قیاس ہے، کیونکہ وہ یہ کہتے ہیں: الاقراء کا معنی حیض ہے، پس جب تین حیض گزر جائیں گے تو عورت عدت سے نہیں نکلے گی حتیٰ کہ وہ غسل کر لے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ، نے اس مسئلہ میں حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ، کے متعلق کہا: جو چاہے میں اس سے مباہلہ کرنے پر تیار ہوں کہ یہ آیت جو سورۃ النساء القصریٰ یعنی سورۃ الطلاق میں ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ (الطلاق: ۴)

اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

سورۃ البقرہ کی اس آیت کے بعد نازل ہوئی ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (البقرہ: ۲۳۴)

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں، اور جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں، تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لیے کریں، اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے ۝

اور اگر حضرت سبیعہ کی حدیث نہ ہوتی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دو آیتوں کے متعلق بیان نہ ہوتا، تو پھر وہی قول معتبر ہوتا جو حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے، کیونکہ یہ دو عدتیں جمع ہو گئی ہیں، پس ان میں سے کوئی عدت یقین کے بغیر خارج

نہیں ہوگی اور یقین اس مسئلہ میں آخر الاجلین ہے یعنی وہ عدت جس کی مدت دونوں میں سب سے زیادہ ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ فقہاءِ حجاز اور فقہاءِ عراق کا اس ام الولد کے متعلق یہ قول ہے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو اور اس کا مالک بھی فوت ہو گیا ہو اور یہ معلوم نہ ہو سکا ہو کہ ان میں سے کون پہلے فوت ہوا ہے، تو اس صورت میں اس پر دو عدتیں ہیں۔ چارہ ماہ دس دن اور امام شافعی کے نزدیک ایک حیض اور یہ اس کے لیے آخر الاجلین ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس میں کوئی حیض نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی کے نزدیک اس میں عدت تین حیض ہے، مگر سنت اس مسئلہ میں وارد ہے کہ جس حاملہ عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو تو وہ عدت کے بعد نکاح کر سکتی ہے جیسا کہ حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ تک یہ حدیث پہنچ جاتی تو وہ اس حدیث کو ترک نہ کرتے اور رہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو ان سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت سبیعہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی طرف بحث اور مناظرہ کے بعد رجوع کر لیا تھا۔

حضرت سُبیعہ رضی اللہ عنہا اور حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

حضرت سُبیعہ بنت الحارث الاسلمیہ رضی اللہ عنہا، ان کے خاوند حضرت سعد بن خولہ تھے جو بنو عامر بن لوی کے آزاد شدہ غلام تھے اور ان کا تعلق یمن سے تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کا تعلق عجم فارس سے تھا، انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی اور غزوہ بدر میں حاضر ہوئے اور اس کے بعد کے غزوات میں بھی حاضر ہوئے اور مکہ میں حجۃ الوداع کے بعد فوت ہو گئے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ یہ مکہ میں فوت ہو گئے اور ان کی وفات کے بعد ان کی بیوی حضرت سُبیعہ کا ان کی چند راتوں کے بعد وضع حمل ہو گیا، اور ایک قول یہ ہے کہ پچیس راتوں کے بعد اور ایک قول ہے کہ اس سے بھی کم راتوں کے بعد وضع حمل ہو گیا۔

(الاستیعاب ج ۴ ص ۱۱۴، اسد الغابہ ج ۷ ص ۱۳۷، تہذیب الکمال ج ۳۵ ص ۱۹۳)

حضرت ابو سنابل بن بعکک رضی اللہ عنہ کا تذکرہ

حضرت ابو سنابل بن بعکک ابن الحارث بن الصباغ بن عبد الدار بن قصی بن کلاب بن مرہ رضی اللہ عنہ ہیں، ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام حبہ ہے، اور ایک قول اس کے علاوہ ہے، یہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے اور یہ شاعر تھے اور یہ مکہ میں فوت ہوئے اور غزوہ بدر میں ان کو قید کیا گیا تھا۔

(الاستیعاب ج ۴ ص ۲۴۶، اسد الغابہ ج ۶ ص ۱۵۶، تہذیب الکمال ج ۳۳ ص ۳۸۵، رقم: ۷۳۱۶، الاصابہ: ج ۴ ص ۹۵، رقم: ۵۷۰)

ابن الارقم کا تذکرہ

حضرت ابن الارقم ان کا نام عبد اللہ بن الارقم بن عبد یغوث بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ رضی اللہ عنہ ہے، یہ فتح مکہ کے ساتھ اسلام لائے تھے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے، پھر یہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ متوفی ۱۳ھ کے کاتب تھے، پھر یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کے کاتب تھے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ نے ان کو دو سال بیت المال کا عامل بنایا تھا، پھر انہوں نے استعفیٰ دیا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کا استعفیٰ قبول کر لیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق کہا کہ میں نے ان سے زیادہ کوئی اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والا نہیں دیکھا۔

(الاستیعاب ج ۳ ص ۳، رقم: ۱۴۷۷، اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۷۱، تہذیب الکمال: ج ۱۴ ص ۳۰۱، رقم: ۳۱۹۰، سیر اعلام النبلاء: ج ۲ ص ۴۸۲، رقم: ۹۸)

حضرت سُبیعہ کی عدت پوری ہونے کے بعد ان کو نکاح کرنے کی رخصت عطا فرمانا

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت سُبیعہ نے کہا کہ میں وضع حمل کے بعد تقریباً دس راتیں ٹھہری اور المؤطا میں مذکور ہے کہ ان کے شوہر کی وفات کے پندرہ دن بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوگیا، پھر ان کو دو مردوں نے نکاح کا پیغام دیا، ایک مرد نوجوان تھا اور دوسرا مرد ادھیڑ عمر کا تھا، حضرت سُبیعہ نوجوان کی طرف مائل ہوئیں تو ادھیڑ عمر مرد نے کہا: تم کیوں بناؤ سنگھار کر رہی ہو، اور ان کے گھر والے اس وقت موجود نہیں تھے، اس ادھیڑ عمر (ابو سنابل) کو یہ امید تھی کہ جب حضرت سُبیعہ کے گھر والے آئیں گے تو وہ ان کو حضرت ابو سنابل کی طرف مائل کر لیں گے، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، آپ کے سامنے یہ معاملہ پیش کیا تو آپ نے فرمایا: تم جس سے چاہو نکاح کر لو۔ (الموطا بروایۃ یحییٰ ص ۳۶۴)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۰۲-۵۰۶، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۸، ۵۳۱۹، ۵۳۲۰، کی شرح از حافظ علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ

صحیح البخاری: ۵۳۱۸، میں مذکور ہے کہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ نے ان کو خبر دی یعنی ابن عبد الاسد المخزومی کو اور یہ حدیث کتاب الطلاق کی تفسیر میں گزر چکی ہے، جس میں ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے از کریب از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کی ہے، اس روایت میں مذکور ہے کہ پس حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ زوجہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور الاعرج کی سند کے ساتھ مذکور ہے کہ مجھے حضرت ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے خبر دی کہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ نے ان کو خبر دی از والد خود از حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، اسی طرح اعرج نے حضرت ابو سلمہ سے روایت کی اور یحییٰ بن ابی کثیر نے از حضرت ابو سلمہ از کریب از حضرت ام سلمہ روایت کی ہے جیسا کہ سورۃ الطلاق کی تفسیر میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔

اور امام مسلم نے سلیمان بن یسار کی سند سے یہ حدیث ذکر کی ہے کہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابو سلمہ دونوں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوئے، پس انہوں نے کریب کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجا اور ان سے اس کے متعلق سوال کیا، پس حضرت ام سلمہ نے ایک قصہ کا ذکر کیا اور کریب اعرج کی روایت کے موقع پر حاضر تھے۔

اور امام مالک نے المؤطا میں از عبد ربہ بن سعید از ابو سلمہ روایت کی ہے کہ میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوا، اور امام نسائی نے داؤد بن ابی عاصم کی سند سے روایت کی ہے کہ حضرت ابو سلمہ نے ان کو خبر دی، پھر حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ کا جوان کے ساتھ قصہ تھا، وہ ذکر کیا اور کہا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک مرد نے مجھے خبر دی، اور امام احمد بن حنبل نے ابن اسحاق کی سند سے ذکر کیا کہ مجھے محمد بن ابراہیم التیمی نے حدیث بیان کی از حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت سُبیعہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا اور یہ اختلاف اس حدیث کی صحت میں کوئی طعن پیدا نہیں کرتا، کیونکہ حضرت ابو سلمہ کا اس قصہ میں اعتبار ہے جب ان کا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا آپس میں تنازع ہوا، پس گویا کہ جب ان کو کریب سے حضرت ام سلمہ کی یہ حدیث پہنچی تو انہوں نے اس پر قناعت نہیں کی حتیٰ کہ وہ خود حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہوئے اور پھر حضرت سُبیعہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے جن کا یہ قصہ ہے، پھر انہوں نے اس حدیث کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک مرد سے حاصل کیا اور یہ مرد ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت المسور بن مخرمہ ہوں، جیسا اس حدیث کی تیسری سند میں آئے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مرد حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہوں، جیسا کہ امام

نسائی کی حدیث کے آخر میں آئے گا، پس حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس قصہ پر شاہد تھا تو ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو سلمہ نے اس قصہ کو مبہم رکھا ہو، جب انہوں نے یہ کہا تھا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب میں سے ایک مرد نے اس قصہ کی خبر دی تھی۔

اور رہا یہ کہ امام عبد بن حمید نے صالح بن ابی حسان کی روایت سے یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کے اجتماع کا قصہ بیان کیا، انہوں نے مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف بھیجا، پس حضرت عائشہ نے حضرت سبیعہ کی حدیث کا ذکر کیا، سو یہ روایت شاذ ہے اور صالح بن ابی حسان مختلف فیہ ہیں اور شاید کہ یہی اس وہم کا سبب ہے جس کی امام حمیدی نے از حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ حکایت کی ہے اور اس کا ذکر سورۃ الطلاق کی تفسیر میں ہو چکا ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۷۶-۴۷۰، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۰-۵۲۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: ان تین حدیثوں کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی کی اسی طرح کی غیر محصل اور طول طویل عبارات ہیں، انہوں نے متعدد اسانید کے ساتھ روایات ذکر کی ہیں اور کوئی روایت پوری ذکر نہیں کی اور ہر روایت کا ایک حصہ ذکر کر کے اس کو چھوڑ دیا اور بعد میں دوسری روایت کو ذکر کر دیا اور ان کی شرح کا کوئی معنی حاصل نہیں ہوتا، اس لیے ان کی اس شرح کو چھوڑنے میں ہی ہماری اور قارئین کی عافیت ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۱۸، کے مشکل الفاظ کے معانی اور مبہم عبارات کے محامل اور اسمائے رواۃ کا تذکرہ

علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے:

من اسلم: یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے اور یہ قبیلہ اسلم بن افصی بن حارثہ بن عمرو کی طرف نسبت ہے۔

سُبیعہ: یہ سبعہ کی تصغیر ہے، سبعہ جوستہ کے بعد ہوتا ہے، یہ بنت الحارث ہیں اور ان کے خاوند حضرت سعد بن خولہ ہیں جن کا تعلق بنو عامر بن لوی سے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ان کے حلیف تھے، یہ مکہ میں حجۃ الوداع میں فوت ہو گئے تھے اور یہی صحیح ہے۔

وھی حبلی: اس میں واؤ حال کے لیے ہے یعنی اس وقت حضرت سُبیعہ حاملہ تھیں۔

ابو السنابل: السنابل سُنبلۃ کی جمع ہے، (جس کا معنی خوشہ یا گچھا ہے) ان کا نام عمرو ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام حبہ بن بعکک الحجاج بن حارث ابن السباق بن عبد الدار بن قصی القرشی العبدری ہے، یہ ان لوگوں میں سے تھے جو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے تھے اور یہ شاعر تھے اور مکہ میں فوت ہو گئے تھے۔

حضرت سُبیعہ نے ان کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کیا: تو حضرت ابو سنابل نے کہا کہ تم لمبی مدت گزارو گی یعنی جو عدت وفات چار ماہ دس دن ہے اور جو وضع حمل کی عدت ہے ان میں سے جو زیادہ طویل مدت ہو گی وہ تمہاری عدت ہے۔

انکحی: یعنی جب ان کی عدت پوری ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم جس سے چاہو نکاح کر لو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ یَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

(الطلاق:۴)

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں یہ بتایا کہ الطلاق:۴ میں سورۃ البقرہ کی اس آیت کی تخصیص کر دی۔

وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَیَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا یَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا فَعَلْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝ (البقرہ:۲۳۴)

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں، اور جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں، تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لیے کریں، اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے O

اور اس حدیث کے مطابق علماء حجاز اور علماء عراق اور علماء شام کا عمل ہے اور اس میں ان کا کوئی مخالف نہیں ہے سوائے اس کے جو حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے مروی ہے وہ یہ کہتے تھے کہ اس عورت کی عدت ابعد الاجلین ہے، بعد میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تک یہ حدیث نہیں پہنچی تھی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۳-۴۳۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۹، کی شرح از علامہ عینی اور ابن الارقم کا تذکرہ

علامہ بدرالدین ابی محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ اس حدیث کی دوسری سند ہے، جو ازیحیٰی بن بکیر از یزید امام بخاری نے ذکر کی ہے۔

اس حدیث میں ابن الارقم کا ذکر ہے، ان کا نام عبداللہ بن الارقم ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں اس کی تصریح ہے، اور اس کی عبارت اس طرح ہے: از ابن شہاب انہوں نے کہا: مجھے عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود نے حدیث بیان کی کہ ان کے والد نے حضرت عمر بن عبداللہ بن الارقم کی طرف مکتوب لکھا اور تمام شارحین نے وثوق سے کہا ہے کہ یہ عبداللہ بن ارقم ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ صحیح بخاری کے پہلے شارح کو اس میں وہم ہوا ہے اور پھر بعد کے تمام شارحین نے اس وہم کی اتباع کی اور عبداللہ کا پورا نام اس طرح ہے: وہ عبداللہ بن الارقم بن عبد یغوث بن وہب بن عبد زہرہ ہیں، وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائے تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے، پھر حضرت ابوبکر کے کاتب ہوئے اور پھر حضرت عمر کے کاتب ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو دو سال بیت المال پر عامل رکھا اور پھر وہ مستعفی ہو گئے اور خلیفہ بن خیاط نے کہا ہے کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پوری مدت خلافت میں بیت المال کے اوپر عامل رہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بیت المال کے عامل رہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے متعلق کہا کہ میں نے کسی کو بھی ان سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا نہیں پایا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۲۰، کی شرح از علامہ عینی، اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سُبیعہ کے خاوند کی وفات کے کتنے دنوں کے بعد ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور اس مسئلہ میں مختلف روایات ہیں جن میں تطبیق مشکل ہے

یہ اس حدیث کی ایک اور سند ہے جو از یحیٰی بن قزعہ، امام بخاری نے ذکر کی ہے، اس حدیث میں مذکور ہے:

نفست: یہ لفظ نفاس سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ولادت ہیں، یعنی بچہ جننا۔

بلیال: یعنی خاوند کی وفات کے چند راتوں بعد، ایک روایت میں ہے کہ پچیس راتیں تھیں، ایک روایت میں ہے کہ اس سے کم تھیں اور زہری کی روایت میں ہے کہ خاوند کی وفات کے چند دنوں بعد، اور امام احمد کی روایت میں ہے کہ میں اپنے خاوند کی وفات کے بعد دو ماہ ٹھہری تھی حتیٰ کہ میرے ہاں بچہ ہو گیا اور سورۃ الطلاق کی تفسیر مین گزرا ہے کہ خاوند کی وفات کے چالیس راتوں بعد، اور امام نسائی کی روایت میں ہے: بیس راتوں کے بعد، اور امام ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے: پندرہ یا بیس دنوں کے بعد، اور امام ترمذی اور امام نسائی کی روایت میں ہے: تیئس دن کے بعد یا پچیس دن کے بعد اور سنن ابن ماجہ کی روایت مین ہے: بیس دن کے بعد، اور ان روایات کے درمیان تطبیق دینا بہت مشکل ہے کیونکہ یہ قصہ ایک ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ اس مدت کو مبہم رکھا گیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۴-۴۳۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

(۱۰۱) باب عدۃ المطلقۃ والمختلعۃ

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابن باز الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۰ھ لکھتے ہیں:

سوال: جب کسی عورت کو اس کی نافرمانی کی وجہ سے طلاق دی گئی اور اس کی مدت ایک سال یا دو سال تک طویل ہو گئی یا اس سے کم ہو گئی اور استبراءِ رحم کی مدت گزر گئی تو کیا اس عورت کو عدت لازم ہو گی یا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کر لے اور اس پر کوئی عدت نہیں ہے، کیونکہ اس کو یہ علم ہے کہ اس کے شوہر نے اس کو کسی عوض پر طلاق دی تھی اور وہ اس عورت سے رجوع کرنے میں رغبت نہیں رکھتا۔ (۲۹ ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ)

الجواب: جب کسی ایسی عورت کو طلاق دی گئی جس کے اوپر طلاق کے بعد عدت واجب ہے خواہ اس پر مدتِ بعیدہ گزر چکی ہو تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی اور اس پر عدت لازم ہو گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۔ اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد ثانی) سے روکے رکھیں۔ (البقرہ: ۲۲۸)

اور اس لیے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی نے جب ان سے خلع کر لیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ خلع کے بعد ایک حیض عدت گزاریں اور صحیح یہ ہے کہ جس عورت نے خلع کیا ہو اس کی عدت کے لیے ایک حیض تک طلاق کے بعد اپنے آپ کو روکے رکھنا کافی ہے، اس حدیث شریف کی بناء پر اور یہ حدیث البقرہ: ۲۲۸ کے لیے مخصص ہے، پس اگر خلع کرنے والی عورت نے عدت گزاری اور اس کو مال کے عوض طلاق دی گئی تھی اور اس کے تین حیض گزر گئے تو یہ زیادہ کامل ہے اور اس میں زیادہ احتیاط ہے تاکہ بعض اہل علم کے اختلاف سے نکلا جائے جو کہتے ہیں کہ اس صورت میں تین حیض عدت لازم آئے گی، کیونکہ آیتِ مذکورہ یعنی البقرہ: ۲۲۸ میں عموم ہے۔ (مجموع الفتاویٰ ومقالات متنوعہ ج ۲۲ ص ۱۷۴-۱۷۶، مکتبۃ المورد، الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۲۷ھ)

شیخ عبداللہ بن باز کے فتویٰ پر مصنف کا تعاقب

میں کہتا ہوں: شیخ عبداللہ بن باز متوفی ۱۴۲۰ھ کا یہ فتویٰ غلط ہے، کیونکہ یہ قاعدہ مقرر ہے کہ جب قرآن مجید کی نص صریح اور جو آیت بالعموم ہو اس کا خبرِ واحد سے تعارض ہو تو قرآن مجید کی آیہ مبارکہ کو ترجیح دی جاتی ہے اور خبرِ واحد میں اتنی صلاحیت نہیں ہے

کہ وہ قرآن مجید کے عموم کے مزاحم ہو سکے، لہٰذا عبداللہ بن باز نجدی حنبلی متوفی ۱۴۲۰ھ کا یہ فتویٰ صراحتاً غلط ہے اور جس عورت نے خلع کیا ہو تو اس کی عدت بھی تین حیض ہے، صرف ایک حیض اس کی عدت نہیں ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

(۱۰۲) جو شوہر اپنی بیوی سے بیس سال تک غائب رہا ہو، پھر اس نے اس کو طلاق دی ہو

شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن ابن باز الحنبلی النجدی ۱۴۲۰ھ لکھتے ہیں:

سوال: ایک مرد سفر میں گیا اور ایک لمبی مدت تک اپنی بیوی سے غائب رہا حتیٰ کہ بیس سال گزر گئے، پھر اس مدت کے بعد اس نے اپنی بیوی کو طلاق بالخلع بھیجی طلاقِ صحیح اور اس کی بیوی یہ ارادہ کرتی ہے کہ وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح کرلے تو کیا اس کے اوپر عدت واجب ہے؟ جب کہ اس کے شوہر کو سفر پر گئے ہوئے بیس سال گزر چکے ہیں اور اس مرد نے اس عورت کے ساتھ جماع نہیں کیا کیا یہ عدت استبراءِ رحم کے لیے ہوگی یا کسی اور وجہ سے؟ (۲۸ صفر ۱۳۹۲ھ)

الجواب: اگر یہ واقعہ اسی طرح ہے جس طرح تم نے ذکر کیا ہے تو اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس عورت کے اوپر عدت ہے، کیونکہ عدت صرف طلاق کے بعد ہوتی ہے، خواہ شوہر کا مطلقہ سے غائب ہونا کافی مدت کے لیے ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ (البقرہ:۲۲۸) اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد ثانی) سے روکے رکھیں۔

اور اس میں حکمت یہ ہے جیسا کہ شیخ ابن قیم نے اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں ذکر کیا اور اس موضوع پر نفیس بحث کی ہے، انہوں نے لکھا ہے کہ یہ مسئلہ صرف استبراءِ رحم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہاں پر اور حکمتیں بھی ہیں، اسی لیے جس عورت کا شوہر وفات پا جائے اس کے اوپر عدت واجب ہوتی ہے، اگرچہ اس شوہر نے اس عورت کے ساتھ دخول نہ کیا ہو، اور اگر اس کی بیوی صغیرہ اور کم سن ہو اور یہ گمان نہ ہو کہ اس عورت کو حمل ہو سکتا ہے اور اسی طرح جو عورت حیض سے مایوس ہو چکی ہو اس کے اوپر بھی عدت واجب ہوتی ہے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ اللہ سبحانہٗ نے عدت میں استبراءِ رحم کے علاوہ اور بھی بہت حکمتیں رکھی ہیں، لیکن جب کہ وہ عورت اس طرح ہے جس طرح تم نے ذکر کیا ہے کہ اس نے اپنا مال خرچ کر کے طلاق حاصل کی ہے تو اس وجہ سے وہ خلع کرنے والی عورت ہوگئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جو عورت خلع کرے اس کے لیے ایک حیض عدت گزارنا کافی ہے، اور اسی کے ساتھ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اور سلف اور خلف کی ایک جماعت نے فتویٰ دیا ہے اور شیخ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد شیخ ابن قیم کا بھی یہی مختار ہے اور یہی صحیح ہے ان شاء اللہ، خاص طور پر کہ جب اس کی ضرورت پیش آئے اور یہ خدشہ ہو کہ کفو کا رشتہ نہیں ملے گا، یعنی اگر تین حیض گزرنے یا تین ماہ گزرنے تک انتظار کیا جائے تو کفو کا رشتہ نہیں ملے گا، اور میں اللہ عزوجل سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اور تم کو اور ہمارے تمام بھائیوں کو دین کی فقہ سمجھنے کی اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ (مجموع الفتاویٰ ومقالات متنوعہ ج ۲۲ ص ۱۷۴-۱۷۶، مکتبۃ المورد، الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۲۷ھ)

شیخ ابن باز کے دوسرے فتویٰ کا بھی غلط ہونا

میں کہتا ہوں کہ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن باز الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۰ھ کا یہ فتویٰ بھی پہلے فتویٰ کی طرح غلط ہے، کیونکہ جب قرآن مجید کی صریح آیت میں یہ تصریح ہے کہ مطلقہ عورت تین حیض تک اپنے آپ کو دوسرے نکاح سے روکے

رکھے گی، تو شیخ ابن باز حنبلی النجدی کا خبرِ واحد اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اثر سے یہ فتویٰ دینا کہ ایک حیض گزرنے کے بعد اس کی عدت پوری ہو جائے گی، یہ محض غلط ہے اور خبرِ واحد اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اثر میں یہ طاقت نہیں ہے کہ قرآن مجید کی نصِ صریح سے متصادم اور متعارض ہو سکے، لہٰذا اس صورت میں امام ابوحنیفہ اور دیگر فقہاء کا یہ قول صحیح ہے کہ اس صورت میں بھی اس عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسری جگہ نکاح کرنے سے تین حیض کی مدت تک روکے رکھے۔ سعیدی غفرلہٗ

(۱۰۳) جو عورت خلع کا مطالبہ کرے اس کی عدت کا بیان

سوال: یہاں ایک عورت ہے جس کے شوہر نے اس وقت سفر کیا جب وہ عورت حاملہ تھی، اور اس کے ہاں بچہ پیدا ہو گیا اور وہ شوہر اس عورت سے غائب تھا اور اپنے سفر کے اندر وہ بیمار تھا، اور عورت اس دوران خرچ کی استطاعت نہیں رکھتی تھی اور ایک طویل مدت کے بعد اس نے خلع بالطلاق کا مطالبہ کیا اور شوہر غائب تھا اور اس نے اپنی بیوی کو بچہ پیدا ہونے کے بعد جماع کرنے سے پہلے طلاق دے دی، کیا اس عورت پر عدت گزارنا لازم ہے یا اس سے عدت ساقط ہو جائے گی کیونکہ اس کے اور اس کے شوہر کے درمیان بچہ پیدا ہونے کے بعد جماع نہیں ہوا۔ (۲۸ شعبان ۱۴۱۹ھ)

الجواب: جن عورتوں کو طلاق دی جائے، ان کے اوپر عدت گزارنا لازم ہے خواہ ان کے شوہر نے ان کو ایک مدتِ طویلہ تک چھوڑے رکھا ہو اور حاملہ ہونے اور بچہ پیدا ہونے کے بعد ان سے جماع نہ کیا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ۔ اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد ثانی) سے روکے رکھیں۔

(البقرہ: ۲۲۸)

اور قرآن مجید کا یہ حکم تمام مطلقات کیلئے عام ہے خواہ وہ مدخول بھا ہوں یا نہ ہوں، پس ہر وہ عورت جس کے ساتھ اس کے خاوند نے دخول کیا، پھر اس کو طلاق دے دی تو اس پر عدت لازم ہے، خواہ وہ طلاق بچے کی ولادت کے بعد بھی ہو، اور خواہ اس اثناء میں شوہر نے اپنی بیوی کے ساتھ جماع نہ کیا ہو تو وہ عورت عدت گزارے گی کیونکہ اس آیت کریمہ میں عام حکم دیا گیا ہے۔

لیکن علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جس عورت سے خلع کیا گیا ہے، آیا وہ تین حیض تک عدت گزارے گی یا ایک حیض عدت گزارے گی، یہ خلع شدہ عورت ہے جب کہ اس نے طلاق کے عوض مال مقرر دیا ہو تو صحیح یہ ہے کہ اس کے لیے ایک حیض عدت گزارنا کافی ہے، کیونکہ حدیث میں ہے: کہ جب حضرت ربیع بنت معوذ نے اپنے شوہر سے خلع کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ وہ ایک حیض عدت گزاریں، اسی طرح حضرت ثابت بن قیس کی بیوی بھی، پس مقصود یہ ہے کہ جو خلع شدہ عورت ہو اور اس کو اس کے خاوند نے مال کے عوض طلاق دی ہو، اگر اس نے تین حیض عدت گزاری تو یہ افضل اور احوط ہے، اور اگر اس نے ایک حیض عدت گزاری تو یہ اس کے لیے کافی ہے، جیسا کہ اہل علم کا صحیح قول ہے۔ واللہ ولی التوفیق

(مجموع الفتاویٰ و مقالاتِ متنوعہ، ج ۲۲ ص ۱۷۶-۱۷۷، مکتبۃ المورد، الطبعۃ الرابعۃ ۱۴۲۷ھ)

مصنف کا شیخ ابن باز الحنبلی النجدی کے فتاویٰ پر تبصرہ اور تعاقب

میں کہتا ہوں کہ شیخ ابن باز کا یہ فتویٰ بھی ان کے پہلے دو فتووں کی طرح غلط ہے، کیونکہ جب قرآن مجید کی صریح آیت ہے اور اس میں بالعموم یہ حکم ہے کہ ہر مطلقہ عورت تین حیض تک عدت گزارے گی اور اپنے اس فتویٰ میں شیخ ابن باز حنبلی نے بھی یہ تسلیم کیا

ہے کہ اس آیت کا یہ حکم عام ہے اور ہر مطلقہ پر لازم ہے کہ وہ تین حیض تک عدت گزارے، اس کے باوجود شیخ ابن باز کا خبر واحد کی بناء پر یہ فتویٰ دینا کہ جس عورت کو خلع کی صورت میں طلاق دی گئی ہو اس کے لیے ایک حیض عدت گزارنا کافی ہے، ان کا یہ فتویٰ صراحتاً خلافِ قرآن ہے اور تمام فقہاءِ امت کے مذاہب کے خلاف ہے اور ان کا یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ افضل اور احوط یہ ہے کہ وہ تین حیض عدت گزارے بلکہ ان کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ اس عورت پر واجب یہ ہے کہ وہ تین حیض عدت گزارے، کیونکہ قرآن نے یہ حکم دیا ہے کہ جس عورت کو طلاق دی گئی ہو تو وہ تین حیض تک عدت گزارے گی جیسا کہ شیخ ابن باز کو بھی یہ تسلیم ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت کا حکم ہر مطلقہ کو عام ہے، لہٰذا تمام دلائل سے واضح ہو گیا کہ شیخ ابن باز کا یہ فتویٰ قرآن کے خلاف ہے اور تصریحاتِ مذاہبِ فقہاء کے خلاف ہے۔ سعیدی غفرلہٗ

صحیح البخاری: ۵۳۱۸، ۵۳۱۹، ۵۳۲۰، کی شرح از شیخ عثیمین الحنبلی النجدی

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی التوفی ۱۴۲۱ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حاملہ عورت کی عدت خواہ وہ عدتِ وفات ہو یا عدتِ طلاق ہو یا فسخِ نکاح کی عدت، تو اس کی عدت وضعِ حمل ہے، پس اگر کسی عورت کا خاوند وضعِ حمل کے بعد فوت ہو جائے اور ایک دن گزرا ہو تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی، اور اس عورت کے اوپر سوگ کرنا لازم ہوگا، کیونکہ خاوند کی وفات پر سوگ کرنا عدت کے تابع ہے، کیونکہ قرآن مجید کا یہ حکم عام ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۔ اور حاملہ عورتوں کی عدت وضعِ حمل ہے۔

(الطلاق: ۴)

اس آیت میں لفظِ مفرد کو حمل کی طرف مضاف کیا گیا ہے اور یہ حمل کی تمام انواع اور اقسام کے لیے عام ہے، پس اگر عورت کے ہاں دو بچے اکٹھے پیدا ہوئے تو جب تک دوسرا بچہ پیدا نہ ہو جائے اس عورت کی عدت مکمل نہیں ہوگی۔

سوال: اگر اس میں اشتباہ ہو جائے کہ کون سا بچہ پہلے پیدا ہوا ہے یا کون سا بچہ پہلے مرا ہے تو پھر کیا ہوگا؟

الجواب: اس صورت میں ہم احتیاط پر عمل کریں گے، پس اس پر لازم ہے کہ وہ چار مہینے دس دن عدت گزارے۔

(شرح صحیح البخاری: ج ۵ ص ۸۴-۸۵، مکتبۃ الطبری للنشر والتوزیع، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۱۸، ۵۳۱۹، ۵۳۲۰، کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

۵۳۱۸: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے کہا کہ زینب بنت ابوسلمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد ابوسلمہ سے اور انہوں ام المومنین ام سلمہ زوجۂ محترمہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خبر دی کہ قبیلہ اسلم کی ایک عورت جس کو سُبیعہ کہا جاتا ہے کا شوہر فوت ہو گیا جب کہ وہ حاملہ تھی، اسے ابوالسنابل نے منگنی کا پیغام بھیجا۔ اس نے اس کے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کر دیا، ابوالسنابل بن بعکک نے کہا: بخدا! تو نکاح نہیں کر سکتی حتیٰ کہ دو عدتوں (چار ماہ دس دن اور وضعِ حمل) میں سے لمبی عدت نہ پوری کرے۔ وہ تقریباً دس (۱۰) روز ٹھہری، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو نکاح کر سکتی ہے۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ عدت الوفات چار ماہ دس دن ہے، اس سے ان عورتوں کی عدت مُستثنیٰ ہے جن کے شوہر فوت

ہو جائیں حالانکہ وہ حاملہ ہوں کیونکہ ان کی عدت وضع حمل ہے۔

۵۳۱۹: یزید سے روایت ہے کہ انہیں ابن شہاب نے خط لکھا کہ عبید اللہ بن عبد اللہ نے انہیں اپنے والد سے خبر دی کہ انہوں نے ابن ارقم کو خط لکھا کہ وہ سبیعہ اسلمیہ سے دریافت کریں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کیا فتویٰ دیا تھا؟ فاطمہ نے کہا: مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ جب حمل وضع کرے تو نکاح کرے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ روایت بالمکاتبہ جائز ہے، ابن ارقم کا نام عمر بن عبد اللہ بن ارقم بن عبد یغوث بن وہب بن عبد مناف زہرہ ہے، وہ فتح مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب رہے، پھر ابوبکر صدیق اور ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے کاتب رہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کئی سال بیت المال پر مقرر کیا، پھر وہ مستعفی ہو گئے، خلیفہ بن خیاط نے کہا عبد اللہ بن ارقم عمر فاروق کے پورے عہد خلافت میں بیت المال پر قائم رہے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں دو سال بیت المال پر حاکم رہے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے ان سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا کوئی نہیں دیکھا، رضی اللہ عنہ۔

۵۳۲۰: مسور بن مخرمہ سے روایت ہے کہ سبیعہ اسلمیہ نے اپنے شوہر کی وفات کے چند روز بعد بچہ کو جنم دیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر نکاح کی اجازت چاہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دیدی، پھر اس نے نکاح کر لیا۔

اس حدیث میں مدتِ ولادت مبہم ذکر کی ہے، مناسب بھی یہی ہے، کیونکہ اس مدت میں مختلف اقوال ہیں، بعض پچیس روز اور بعض اس سے کم ذکر کرتے ہیں، بعض دو ماہ اور بعض چالیس روز ذکر کرتے ہیں، حالانکہ واقعہ ایک ہی ہے، لہٰذا اس میں ابہام ہی موزوں ہے۔ (تفہیم البخاری حصہ ہشتم ص ۵۹۰-۵۹۳، الجدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۱۸، ۵۳۱۹، ۵۳۲۰، کی شرح شیوخ دیو بند سے

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حاملہ عورتوں کی عدت

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں حاملہ عورتوں کی عدت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ ان کی عدت وضع حمل ہے جیسا کہ قرآن کریم کی آیت میں ہے اور یہی جمہور علماء اور ائمہ اربعہ کا مسلک ہے، البتہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس سے منقول ہے کہ حاملہ عورتوں کی عدت ابعد الاجلین ہوگی یعنی اگر وضع حمل چار ماہ دس دن سے پہلے ہو جاتا ہے تو عدت چار ماہ دس دن ہوگی اور اگر وضع حمل چار ماہ دس دن کے بعد ہوتا ہے تو عدت وضع حمل ہوگی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مذہب جمہور کی طرف رجوع بھی منقول ہے (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۴)، روایت باب جمہور کا مستدل ہے کہ اس میں وضع حمل کو عدت قرار دیا گیا ہے، کتاب التفسیر میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

حضرت سُبیعہ کا واقعہ

باب کی روایات میں سُبیعہ بنت حارث کا واقعہ نقل کیا گیا ہے، ان کے شوہر حضرت سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا، جیسا کہ

کتاب المغازی کی روایت میں ہے (کشف الباری، کتاب المغازی باب فضل من شهد بدرا: ۱۴۵) وضع حمل کے بعد ابوالسنابل نے ان کے پاس پیغام نکاح بھیجا تو انہوں نے انکار کیا، موطا کی روایت میں ہے کہ ان کو دو آدمیوں نے پیغام نکاح دیا تھا جن میں ایک جوان اور دوسرا ادھیڑ عمر تھا (فتح الباری ج ۹ ص ۵۹۰) جو جوان تھا اس کا نام ابوالبشر بن حارث تھا (فتح الباری ج ۹ ص ۵۹۰) اور ابوالسنابل ادھیڑ عمر تھا اس لیے سبیعہ نے جوان کے پیغامِ نکاح کو قبول کرنا چاہا، اس پر ابوالسنابل نے کہا کہ جب تک چار ماہ دس دن نہ گزر جائیں اس وقت تک تمہارے لیے کسی سے نکاح کرنا حلال نہیں، ان کا وضع حمل شوہر کی وفات کے دو تین ماہ بعد ہوا تھا، بعض روایات میں دو ماہ، بعض میں چالیس دن، بعض میں پچیس دن کا ذکر ہے (فتح الباری ج ۹ ص ۵۹۲)، بہرحال چار ماہ دس دن ابھی نہیں گزرے تھے، ابوالسنابل نے یہ اس لیے کہا کہ اس وقت سبیعہ کے دوسرے رشتہ دار موجود نہیں تھے، ان کا خیال تھا کہ تب تک ان کے رشتہ دار آ جائیں گے اور ان سے بات ہوگی تو شاید یہ میرے ساتھ نکاح پر آمادہ ہو جائیں (الموطا للامام مالک، کتاب الطلاق، باب عدۃ المتوفی عنها زوجها اذا کانت حاملا، ج ۲ ص ۵۸۹) سبیعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا کہ میرا وضع حمل ہو گیا ہے، کیا میں اب نکاح کر سکتی ہوں؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تو نکاح کر سکتی ہے۔

ابوسنابل نے کہا: اللہ کی قسم! تم اس سے نکاح نہیں کر سکتیں

صحیح بخاری کے کئی نسخوں میں ''فقال'' کے بجائے ''فقالت'' ہے لیکن صحیح ''فقال'' مذکر کا صیغہ ہے، ضمیر ابوالسنابل کی طرف راجع ہے ''ان تنکحیه'' میں ''ان'' مصدریہ ہے اور بتاویل مصدر ہو کر یہ جملہ ''یصلح'' کا فاعل ہے، ابوالسنابل کے مختلف نام روایات میں آتے ہیں، عمرو، عامر، اصرم، عبداللہ۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۹۰)

باب کی دوسری روایت کتاب المغازی میں تفصیل سے گزر چکی ہے۔

(دیکھیے کشف الباری، کتاب المغازی باب من شهد بدرا ص ۱۴۵)، تیسری روایت میں ''ان سبیعة نفست'' (نون کے ضمہ اور فاء کے کسرہ کے ساتھ) بمعنی ولدت۔

مطلقات کی عدت قرآن کریم کی مذکورہ آیت میں تین قروء بتائی گئی ہے، اس پر تو سب کا اتفاق ہے لیکن ''قرء'' کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

حضرات حنفیہ کے نزدیک ''قرء'' یہاں حیض کے معنی میں ہے اور یہی امام احمد بن حنبل کا صحیح قول ہے، حضرات صحابہ میں سے حضرت عمر بن عبدالخطاب، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے بھی یہی قول منقول ہے، بلکہ اثرم نے امام احمد سے نقل کیا ہے کہ اکابر صحابہ کا یہی قول ہے۔

امام شافعی، امام مالک فرماتے ہیں کہ ''قرء'' ''طهر'' کے معنی میں ہے، حضرات صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے یہی قول منقول ہے، امام احمد کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔

امام بخاری کا رجحان

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب میں حضرت ابراہیم نخعی کا جو اثر نقل کیا ہے، اس میں اگرچہ ایک دوسرا مسئلہ بیان ہوا ہے لیکن اس اثر کے ذکر کرنے سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان اور میلان اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک ''قرء'' حیض کے معنی میں ہے اور

وہ اس مسئلہ میں حضرات حنفیہ کی موافقت کر رہے ہیں، کیونکہ اس اثر میں مطلقہ کی عدت حیض سے شمار کی گئی ہے، طہر سے نہیں۔

حضرت ابراہیم نخعی کے اثر کا حاصل

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے اثر کا حاصل یہ ہے کہ ایک مطلقہ عورت نے عدت کے اندر دوسری شادی کر لی، مثلاً ابھی تک اس کی عدت کا ایک ہی حیض گزر را تھا کہ اس نے دوسرا نکاح کر لیا، نکاح کے بعد دوسرے شوہر نے بھی طلاق دیدی، اب پہلے شوہر کی عدت بھی اس پر لازم ہے اور دوسرے شوہر کی عدت بھی اس پر لازم ہے، پہلے شوہر کی عدت ختم ہونے کے لیے دو حیض اور دوسرے شوہر کی عدت کے لیے تین حیض باقی ہیں، تو اب جو دو حیض آئیں گے ان کو دوسرے شوہر کی عدت میں بھی شمار کیا جائے گا یا نہیں؟ ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ یہ دو حیض دوسرے شوہر کی عدت میں شمار نہیں ہوں گے بلکہ صرف پہلے شوہر کی عدت میں شمار ہوں گے، اور دوسرے شوہر کی عدت کے لیے اس کے بعد مستقل تین مزید حیض اس کو گزارنے ہوں گے لیکن امام زہری فرماتے ہیں کہ یہ دو حیض دوسرے شوہر کی عدت کے لیے بھی شمار ہوں گے، آگے دوسری عدت پوری ہونے کے لیے صرف ایک حیض کی ضرورت ہوگی، اس طرح کل چار حیض سے دونوں شوہروں کی عدت گزر جائے گی، زہری کے اس قول کو سفیان نے بھی پسندیدہ قرار دیا اور حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے، امام مالک کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔ (الابواب والتراجم ج ۲ ص ۸۳، فتح الباری ج ۹ ص ۵۹۵، ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۹۶) حضرت ابراہیم نخعی کی اس تعلیق کو ابن ابی شیبہ نے موصولاً نقل کیا ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۹۶)

''اقرأت'' کے لفظ کے دو معانی

ابوعبیدہ معمر بن مثنی فرماتے ہیں کہ ''اقرات'' کا استعمال اس وقت بھی ہوتا ہے جب حیض کا زمانہ قریب آجائے اور اس وقت بھی ہوتا ہے جب زمانہ طہر قریب آجائے، حاصل یہ ہے کہ مذکورہ لفظ حیض اور طہر دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

بانجھ عورت کے لیے ''اقرات'' کے لفظ کا استعمال

ماقرأت بسلاقط: اس وقت کہا جاتا ہے جب عورت بانجھ ہو اور وہ پیٹ میں بچے کو جمع نہ کر سکے، معلوم ہوا قرء کے معنی جمع کرنے کے آتے ہیں، حیض کو قرء اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں جمع شدہ خون کا خروج ہوتا ہے، اور طہر کو قرء اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں رحم کے اندر خون جمع ہوا کرتا ہے، کتاب التفسیر میں سورہ نور کے تحت بھی یہ جملہ گزر چکا ہے۔ (کشف الباری کتاب التفسیر: ۴۹۴)

(کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، ص ۵۵۲-۵۵۶، مکتبہ فاروقیہ، کراچی)

۴۰۔ بَابٌ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ (البقرہ: ۲۲۸)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد ثانی) سے روکے رکھیں۔

علامہ بدر الدین محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں اس آیت کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔

آیا ہر مطلقہ کی عدت تین حیض ہے خواہ وہ آزاد عورت ہو یا باندی، یا اس عموم سے باندیاں مستثنیٰ ہیں اور باندیوں کی عدت دو حیض ہے؟

المطلقات: سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کے ساتھ دخول کیا گیا ہو اور ان کو حیض آتا ہو، یتربصن: کا معنی ہے: وہ انتظار کریں، یعنی تین حیض تک وہ دوسرا نکاح کرنے کے لیے انتظار کریں، اور یہ خبر کا صیغہ ہے اور یہ امر کے معنی میں ہے یعنی ان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ تین حیض تک دوسری جگہ نکاح کرنے سے رکی رہیں، یعنی جب ان کا خاوند ان کو طلاق دے دے اور تین حیض تک وہ رکی رہیں، پھر اگر وہ چاہیں تو دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہیں۔

اور ائمہ اربعہ نے اس آیت کے عموم سے باندی کو خارج کیا ہے کیونکہ جب اس کو طلاق دی جائے تو اس کی عدت آزاد عورت کی نصف ہوتی ہے، اور حیض کی تجزی اور تقسیم نہیں ہوتی، تو پھر باندی کی عدت مکمل دو حیض ہیں۔ اور چونکہ ابن جریج نے مظاہر بن اسلم المخزومی المدنی سے روایت کی ہے از القاسم از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ باندی کی طلاق دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت دو حیض ہیں، اس حدیث کی امام ابوداؤد اور امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے روایت کی ہے۔

حافظ ابن کثیر نے کہا ہے: لیکن اس کا ظاہر یہ ہے کہ اس حدیث کی سند میں الکلبیہ ہے اور وہ ضعیف راوی ہے، امام دارقطنی متوفی ۳۸۵ھ اور ان کے علاوہ دوسروں نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ خود القاسم بن محمد کا قول ہے اور اس کی امام ابن ماجہ نے عطیہ العوفی کی سند سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت کی ہے اور امام دارقطنی نے کہا کہ صحیح وہ ہے جس کی روایت سالم اور نافع نے از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کی ہے، اور اسی طرح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، انہوں نے کہا کہ صحابہ کرام کے درمیان اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور بعض مقدمین نے کہا: بلکہ باندی کی عدت بھی وہی ہے جو آزاد عورت کی عدت ہے، کیونکہ اس آیت میں ہر سبیل العموم یہ فرمایا ہے کہ ہر مطلقہ اپنے نفس کو تین حیض تک دوسروں سے نکاح سے روکے رکھے اور اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ یہ امر جبلی اور فطری ہے، سو اس میں آزاد عورتیں اور باندیاں دونوں برابر ہیں، اور اس قول کی حکایت ابوعمر نے ابن سیرین سے کی، اور بعض اہل الظاہر نے اس اثر کو ضعیف قرار دیا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی پہلی تعلیق

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ فِيمَنْ تَزَوَّجَ فِي الْعِدَّةِ فَحَاضَتْ عِنْدَهُ ثَلَاثَ حِيَضٍ بَانَتْ مِنَ الْأَوَّلِ وَلَا تَحْتَسِبُ بِهِ لِمَنْ بَعْدَهُ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۵۷)

اور ابراہیم نے کہا جس مرد نے عدت کے دوران کسی عورت سے نکاح کیا، پس اس عورت کو اس کے پاس تین حیض آ گئے، سو وہ پہلے حیض سے بائنہ ہو جائے گی، اور اس کے بعد کے حیضوں کا شمار نہیں کیا جائے گا۔

باب مذکور کی پہلی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ، اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس تعلیق کے شروع میں مذکور ہے: ابراہیم نے کہا۔

ابراہیم کا تعارف

ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ ھ، یہ حماد بن ابی سلیمان متوفی ۱۲۰ ھ کے استاذ ہیں، اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ ھ کے استاذ الاستاذ ہیں۔

''اجتماع العدتین'' کی تفسیر

اس مسئلہ کا تعلق اجتماع العدتین سے ہے۔

پس ہم اولاً یہ کہتے ہیں کہ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جس نے عدت کے دوران نکاح کیا، اس کا نکاح فسخ کر دیا جائے گا اور شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، پس جب اس نے عدت میں نکاح کیا اور اس عورت کو اس کے پاس تین حیض آ گئے تو وہ عورت پہلے حیض سے بائنہ ہو جائے گی، کیونکہ اس کی عدت اسی حیض سے ہے۔

پھر اس تعلیق میں امام بخاری نے کہا: اور اس عورت کے اس حیض کا شمار نہیں کیا جائے گا، یعنی اس عورت کو اس حیض کے سبب سے اس کے پہلے خاوند کے بعد شمار نہیں کیا جائے گا بلکہ دوسرے شوہر کے لیے اس کو ایک اور عدت گزارنی ہوگی، یہ ابراہیم نخعی کا قول ہے جس کی امام ابن ابی شیبہ نے از عبدہ بن ابی سلیمان از اسماعیل بن ابی خالد روایت کی ہے۔

اور مدنیون نے امام مالک متوفی ۱۷۹ ھ سے روایت کی ہے: اگر اس عورت کو اس کے پاس ایک حیض آ گیا یا دو حیض آ گئے، پہلے خاوند سے تو وہ اپنی بقیہ عدت کو پوری کرے گی، پھر دوسرے شوہر کے لیے از سر نو عدت گزارے گی، جس طرح حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ سے مروی ہے اور یہی لیث اور امام محمد بن ادریس الشافعی المتوفی ۲۰۴ ھ کا قول ہے۔ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ کا قول ہے، اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ ھ کا قول ہے۔

اور ابن القاسم مالکی نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ ان میں سے ایک کی عدت دونوں کی عدت ہو جائے گی، یعنی زوجِ اول کی عدت بھی ہو جائے گی اور زوجِ ثانی کی عدت بھی ہو جائے گی، اور یہی قول اوزاعی کا ہے اور ثوری کا ہے اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ ھ اور ان کے اصحاب کا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ ھ)

باب مذکور کی دوسری تعلیق

قَالَ الزُّهْرِيُّ تَحْتَسِبُ وَهٰذَا أَحَبُّ إِلَى سُفْيَانَ يَعْنِي قَوْلَ الزُّهْرِيِّ۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۵۷)

اور زہری نے کہا اس کا شمار کیا جائے گا، اور یہ قول سفیان کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، یعنی زہری کا قول۔

باب مذکور کی دوسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس دوسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

جن فقہاء نے یہ کہا کہ یہ حیض دونوں شوہروں کی عدت ہے اور جنہوں نے یہ کہا کہ یہ صرف پہلے شوہر کی عدت ہے، اس مسئلہ میں طرفین کے دلائل

یعنی محمد بن مسلم بن شہاب الزہری متوفی ۱۵۲ ھ نے کہا: اس حیض کا شمار کیا جائے گا، پس یہ حیض دونوں شوہروں کی عدت

ہوجائے گا جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اور یہ زہری کا قول سفیان ثوری کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، اور ابن شہاب زہری اوران کے متبعین کی دلیل یہ ہے کہ اس پر فقہاء کا اجماع ہے کہ پہلا شوہر اس عورت سے دوسرے شوہر کی بقیہ عدت میں نکاح نہیں کرے گا، سو اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ دوسرے شوہر کی عدت ہے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ اس عورت سے اس کی عدت میں نکاح کر لیتا، اور اولین کی دلیل یہ ہے کہ یہ دو حق ہیں اور یہ دونوں اس عورت پر واجب ہیں اس کے دونوں شوہروں کے لیے جیسا کہ باقی حقوق ہیں اور ایک کا حق دوسرے کے حق میں داخل نہیں ہوگا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۶، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی تیسری تعلیق

وَقَالَ مَعْمَرٌ: يُقَالُ: أَقْرَأَتِ الْمَرْأَةُ: إِذَا دَنَا حَيْضُهَا وَأَقْرَأَتْ: إِذَا دَنَا طُهْرُهَا، وَيُقَالُ: مَا قَرَأَتْ بِسَلًى قَطُّ: إِذَا لَمْ تَجْمَعْ وَلَدًا فِي بَطْنِهَا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۵۷)

اور معمر نے کہا: کہا جاتا ہے: ''اقرأت المراۃ''، جب اس کا حیض قریب آجائے'' اور ''اقرأت'' کہا جاتا ہے جب اس کا طہر قریب آجائے اور کہا جاتا ہے: ما قرأت بسلی قط: یعنی جب عورت کے پیٹ میں بچہ جمع نہ ہو۔ (تغلیق التعلیق ج ۴ ص ۴۷۷)

باب مذکور کی تیسری تعلیق کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ، اس تیسری تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

معمر کا تعارف

معمر: کے اسم میں دونوں میموں پر زبر ہے اور عین پر جزم ہے، امام ابو عبیدہ بن المثنیٰ نے کہا: معمر ۲۱۰ھ میں فوت ہو گئے تھے۔

''قرء'' کا لفظ حیض اور طہر دونوں معنی میں مستعمل ہوتا ہے، اس سلسلے میں فقہاء کے اقوال اور ان کے مآخذ

اس حدیث میں مذکور ہے، کہا جاتا ہے: ''اقرأت المرأۃ'' اس سے امام بخاری کی غرض یہ ہے کہ ''قرء'' کا لفظ حیض اور طہر دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی یہ لفظ لغتِ اضداد میں سے ہے، اور فقہاء کا اختلاف ہے کہ ''اقراء'' کا لفظ جب عورت کو طلاق دی جائے تو وہ کس معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

ضحاک، الاوزاعی، ثوری، نخعی، سعید بن المسیب، علقمہ، اسود، مجاہد، عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر، عکرمہ، محمد بن سیرین، حسن بصری، قتادہ اور الشعبی، الربیع، مقاتل بن حیان، السدی، مکحول اور عطاء الخراسانی نے کہا کہ ''الاقراء'' الحیض ہے اور امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے، اور امام احمد بن حنبل کی دو روایتوں میں سے جو زیادہ صحیح روایت ہے اس میں بھی یہی مذکور ہے اور اسحاق بن راہویہ کا بھی یہی قول ہے اور اسی طرح حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابو الدرداء، حضرت عبادہ بن الصامت، حضرت انس بن مالک، حضرت ابن مسعود، حضرت عباس، حضرت معاذ، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔

اور سالم اور قاسم، اور عروہ اور سلمان بن یسار، ابن عثمان، زہری اور باقی امام مالک، امام شافعی، امام ابو ثور، داؤد ظاہری اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت میں یہ قول ہے کہ ''الاقراء'' کا ''معنی الاطہار'' ہے، اور یہ قول حضرت ابن عباس، حضرت زید بن ثابت

رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، اور ابو عمر حافظ ابن عبد البر نے کہا: یہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا قول ہے، پس ان کے نزدیک مطلقہ عورت نکاح کے لیے حلال ہو جاتی ہے، جب وہ تیسرے حیض کے خون میں داخل ہو، عام ازیں کہ اس طہر کا کچھ حصہ باقی رہے جس میں اس عورت کو طلاق دی گئی تھی، ایک دن ہو یا زیادہ ہو یا ایک گھنٹہ ہو یا زیادہ ہو، سو اس طہر کا شمار کیا جائے گا۔

اور فقہاء کی پہلی جماعت نے کہا کہ مطلقہ عورت نکاح کے لیے حلال نہیں ہوتی حتیٰ کہ وہ تیسرے حیض کے بعد غسل کر لے۔

جن فقہاء نے یہ کہا کہ ''الاقرء'' کے معنی میں توقف ہے، ان کا بیان

اور فقہاء کی ایک اور جماعت نے الاقرء کے معنی میں توقف کیا، آیا یہ حیض ہے یا طہر ہے، اور یہ فقہاء سلیمان بن یسار ہیں اور فضالہ بن عبید ہیں اور ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل ہیں۔

''ما قرأت بسلا'' کے لغوی معنی کی تحقیق اور اس میں ارباب لغت کے اقوال

اس کے بعد امام بخاری نے کہا: ''ما قرأت بسلی'' اس میں سین کے نیچے زیر ہے اور یاء مقصورہ ہے اور سلی اس باریک کھال کو کہتے ہیں جس میں مویشیوں میں سے کسی مویشی مادہ کا بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ اس کا رحم بچے کے ساتھ ملا نہیں ہے۔

امام بخاری نے اس سے یہ اشارہ کیا ہے کہ قرء کا لفظ جمع اور ملنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔

الاصمعی نے کہا ہے: ''القرء'' (قاف پر پیش) اور ابوزید نے کہا: ''القرء'' (قاف پر زبر) واقرأت المراۃ، جب منی عورت کے رحم میں ٹھہر جائے اور قعدت المرأۃ ایام اقرائها، یہ اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب عورت حیض کے ایام میں بیٹھ جائے اور ابو عمر حافظ ابن عبد البر نے کہا: ''القرء'' کا لفظ اصل لغت کے اندر ''الوقت'' ہے اور ''الطهر'' ہے اور ''الحمل'' ہے اور ''الجمع'' ہے۔

ثعلب نے کہا: ''القرء'' کا معنی ہے: ''الاوقات'' اور اس کا واحد قرء ہے، اور اس کا معنی ہے: وقت، اور کبھی یہ لفظ حیض کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی یہ لفظ طہر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

آیا ''قرء'' کا لفظ حیض اور طہر، دو معنی میں مشترک ہے، یا ایک میں حقیقت ہے اور دوسرے میں مجاز ہے

اور قطرب نے کہا: عرب کہتے ہیں: ''ما اقرأت الناقة سلا قط'' یعنی اونٹنی نے اپنے رحم کی جھلی کو نہیں گرایا۔ اور کہا جاتا ہے: ''اقرأت الناقة قرء'' اور یہ اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب نر اونٹ مادہ کے پاس بار بار جائے۔ نیز انہوں نے کہا: کہا جاتا ہے: ''قرأت المرأة قرء'' جب عورت کو حیض آئے یا جب عورت حیض سے پاک ہو جائے۔ اور ''قرأت'' کہا جاتا ہے جب عورت حاملہ ہو جائے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ اسماء مشترکہ میں سے ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ لفظ حیض میں حقیقت ہے اور طہر میں مجاز ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳۶-۴۳۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

البقرہ: ۲۳۱ کی تفسیر از علامہ ازہری سے

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری المتوفی ۱۹۹۸ھ، اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

طلاق سے یہاں مراد طلاق رجعی ہے، یعنی جب تک تم نے طلاق مغلظہ نہیں دی اس وقت تک تمہیں اختیار ہے، چاہے تو رجوع

کرلو اور اسے اپنے گھر بسالو اور اس کے ساتھ حُسنِ سلوک کرو، اور اگر رجوع کا ارادہ نہیں تو پھر اسے عمدگی اور شائستگی سے علیحدہ کر دو، جو صورت بھی اختیار کرو اس میں نیک نیتی ملحوظ ہو، عورت کو ضرر دینا اور اسے تنگ کرنا ہر گز مقصود نہیں ہونا چاہیے۔

گھریلو زندگی کی اہمیت کے پیش نظر ان قوانین کو غلط استعمال کرنے والوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ اگر تم نے ان قواعد کی تعمیل میں تاویل سے کام لینا شروع کیا تو یاد رکھو تمہارا یہ جرم نظر انداز نہیں کیا جائے گا، کیونکہ تم آیاتِ خداوندی کا مذاق اڑا رہے ہو، اور یہ بڑا سنگین جرم ہے، اس کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گا۔

پہلے جملے میں سرزنش کی گئی تھی۔ اب ملاطفت و شفقت سے ان قوانین کے اتباع کی ترغیب دی جارہی ہے کہ دیکھو قرآن ایسی کتاب ہدایت تمہیں عطا فرمائی گئی ہے، تمہیں اس نعمتِ عظمیٰ کا پاس ہمیشہ رہنا چاہیے، تبھی تو تم اس احسانِ عظیم کی شکر گزاری کا حق ادا کر سکتے ہو، ترغیب و ترہیب کی کیا حسین آمیزش ہے۔ (تفسیر ضیاء القرآن، ص ۱۵۹-۱۶۰، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، جولائی ۲۰۱۱ء)

البقرہ: ۲۳۱ کی تفسیر از مصنف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰیٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ (البقرہ: ۲۳۱)

اور جب تم عورتوں کو (رجعی) طلاق دو، پھر وہ اپنی عدت (کی میعاد) کو پہنچیں تو انہیں دستور کے مطابق (اپنے نکاح میں) روک لو یا ان کو حسنِ سلوک کے ساتھ چھوڑ دو، اور ان کو ضرر پہنچانے کیلئے نہ روکے رکھو تاکہ تم ان پر زیادتی کرو، اور جس نے ایسا کیا تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، اور اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ۔

جس عورت کو خاوند خرچ نہ دے اس کی گلو خلاصی میں آراء ائمہ

ائمہ ثلاثہ نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے کہ کسی شخص کا اپنی منکوحہ کو بہ طور ظلم اور زیادتی کے نکاح میں روکے رکھنا جائز نہیں ہے، بایں طور کہ اس کو نہ کھانے، پینے، کپڑوں اور رہائش کے اخراجات دے اور نہ اس کو اپنے نکاح کی قید سے آزاد کرے۔ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس صورت کا حکم یہ ہے کہ قاضی ان کا نکاح فسخ کر دے اور عدت کے بعد وہ عورت نکاح ثانی کے لیے آزاد ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک اس صورت میں قاضی کو تفریق کا حق نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ کہتے ہیں کہ جب خاوند نامرد ہو تو فقہاء احناف کے نزدیک بھی قاضی کو تفریق کا حق ہے، جب کہ خاوند کے مرد ہونے سے عورت کو شہوانی تسکین ہوتی ہے اور کھانے پینے کے خرچ نہ ہونے سے اس کی زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی اس لیے اس صورت میں قاضی تفریق کرنے کا زیادہ مستحق ہے، فقہاء احناف نے اس آیت کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ استدلال اس آیت کے شانِ نزول کے خلاف ہے، علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

بعض علماء نے اس آیت کو بہ طور ظلم عورت کو نکاح میں روکنے کی ممانعت اور حسن معاشرت کے ساتھ عورت کے ہمراہ رہنے کے حکم پر محمول کیا ہے، لیکن یہ تقریر اس آیت کے شانِ نزول کے خلاف ہے کیونکہ امام ابن جریر، امام ابن المنذر وغیرہ نے سدی سے روایت کیا ہے کہ ثابت بن یسار انصاری نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور جب اس کی عدت ختم ہونے میں دو یا تین دن رہ گئے تو اس سے رجوع کر لیا اور اس کو پھر طلاق دے دی اور جب دوبارہ اس کی عدت ختم ہونے میں دو یا تین دن رہ گئے تو اس سے پھر

رجوع کر لیا اور سہ بارہ اسی طرح کیا حتیٰ کہ اس عورت کی عدت نو ماہ ہو گئی، تب یہ آیت نازل ہوئی کہ اپنی عورتوں کو ضرر پہنچانے کے لیے (عدت میں) نہ روکے رکھو۔ (روح المعانی ج ۲ ص ۱۴۲-۱۴۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی، بیروت)

علامہ آلوسی کا یہ جواب صحیح نہیں ہے، کیونکہ خصوصیت مرد کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ عموم الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانی ہمدردی، قوت استدلال اور عدل وانصاف اور ہمہ گیری اور ہمہ جہتی کے لحاظ سے ائمہ ثلاثہ کا مسلک راجح ہے، اور علماء احناف کو اس خالص انسانی مسئلہ میں ائمہ ثلاثہ کے مسلک پر فتویٰ دینا چاہیے، جب کہ فقہاء احناف نے یہ تصریح کی ہے کہ ضرورت کے وقت مذہب غیر پر فتویٰ دینا جائز ہے۔ میں نے ''شرح صحیح مسلم'' جلد ثالث کے اخیر میں اس مسئلہ پر بہت تفصیل اور تحقیق سے گفتگو کی ہے۔

خرچ سے محروم عورت کی گلو خلاصی پر جمہور فقہاء کے دلائل

علامہ قرطبی مالکی لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دستور کے مطابق عورتوں کو نکاح میں رکھنے کا حکم دیا ہے اور دستور کے مطابق رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ خاوند اس کو کھانے پینے کا خرچ دے اور اگر یہ نہیں دے سکتا تو پھر اس کو طلاق دے دے، اور اگر وہ اس کو پھر بھی طلاق نہیں دیتا تو وہ عورت کو دستور کے مطابق رکھنے کے حکم سے خارج ہو گیا، اب حاکم اس عورت پر طلاق واقع کر دے گا تا کہ شوہر کی طرف سے نفقہ نہ ملنے کی وجہ سے عورت کو ضرر نہ لاحق ہو، کیونکہ بھوک اور پیاس پر کوئی صبر نہیں کر سکتا (اس کے برعکس شہوانی خواہش پوری نہ ہونے پر صبر ہو سکتا ہے)۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، اسحاق، ابوثور، ابوعبید، یحییٰ قطان اور عبد الرحمٰن بن مہدی کا یہی مذہب ہے، صحابہ میں سے حضرت عمر، حضرت علی اور حضرت ابوہریرہ کا یہی مذہب ہے اور تابعین میں سے سعید بن المسیب کا یہی مذہب ہے اور انہوں نے کہا: یہی سنت ہے اور اس کو حضرت ابوہریرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ اس کے برعکس امام ابوحنیفہ، ثوری اور زہری کا قول یہ ہے کہ جب شوہر خرچ نہ دے تو عورت پر صبر لازم ہے اور حاکم کے حکم سے یہ نفقہ شوہر کے ذمہ ہو گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ (البقرہ: ۲۸۰) اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو اس کو فراخ دستی تک مہلت دو۔

(قرض لے کر بیوی کو کھلانا اس وقت متصور ہو گا جب اس کی نیت بیوی کو تنگ کرنا اور ضرر پہنچانا نہ ہو، اور مفروضہ صورت میں شوہر دانستہ بیوی کو خرچ نہیں دیتا)، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ اَنْكِحُوا الْاَیَامٰى مِنْكُمْ وَ الصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىِٕكُمْ ؕ اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ (النور: ۳۲) اور تم اپنے بے نکاح (آزاد) مردوں اور عورتوں کا نکاح کر دو اور اپنے نیک غلاموں اور باندیوں کا نکاح کر دو، اگر وہ فقراء ہیں تو اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فقراء کا نکاح کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے فقر علیحدگی کا سبب نہیں بن سکتا (کسی شخص کا فقر کی وجہ سے نفقہ دینے پر قادر نہ ہونا اور بات ہے وہ قرض لے کر بھی بیوی کو کھلا سکتا ہے اور کسی شخص کا قدرت کے باوجود عورت کو محض تنگ کرنے کے لیے نفقہ نہ دینا اور چیز ہے اور ہماری بحث اسی میں ہے اور زیر بحث آیت میں بھی عورت کو ضرر پہنچانے کی نیت سے نکاح میں روکے رکھنے سے منع کیا ہے۔ سعیدی غفرلہ)

نیز شوہر اور بیوی کے درمیان اجماعاً نکاح منعقد ہو گیا، اب یہ نکاح اجماع سے منسوخ ہوگا، یا رسول اللہ ﷺ کی سنت سے جس کا کوئی معارض نہیں ہے۔ ائمہ ثلاثہ کی رائے کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے: امام بخاری حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوشحالی ہو، اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے، اپنے عیال سے خرچ کی ابتداء کرو، عورت کہے گی: یا مجھے کھلاؤ یا مجھے طلاق دو، غلام کہے گا: مجھے کھلاؤ اور مجھ سے کام لو، بیٹا کہے گا: مجھے کھلاؤ، مجھے کس پر چھوڑتے ہو؟ (صحیح البخاری ج ۲ ص ۸۰۶، مسند احمد ج ۲ ص ۲۵۲-۵۲۴-۵۲۷)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ بیوی کو یا خرچ دیا جائے ورنہ اس کو طلاق دے دی جائے اور یہ ائمہ ثلاثہ کے موقف پر قوی دلیل ہے بلکہ اس اختلاف میں بہ منزلہ حکم ہے۔ نفقہ نہ دینے کی وجہ سے قاضی جو تفریق کرے گا وہ امام شافعی کے نزدیک طلاق بائنہ ہے اور امام مالک کے نزدیک طلاق رجعی کے قائم مقام ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج ۳ ص ۱۵۵-۱۵۶، مطبوعہ انتشارات ناصر خسرو، ایران، ۱۳۸۷ھ)

مذاق میں دی ہوئی طلاق کا نافذ ہونا

حافظ جلال الدین سیوطی بیان کرتے ہیں: امام ابن المنذر اور امام ابن ابی حاتم نے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ کے عہد میں ایک آدمی کسی شخص سے کہتا: میں نے تم سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا، پھر کہتا: میں تو تم سے مذاق کر رہا تھا اور کوئی شخص کہتا: میں نے غلام آزاد کر دیا اور پھر کہتا: میں تو مذاق کر رہا تھا، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ ''اللہ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ'' اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ کوئی شخص ان کو مذاق سے کہے یا بغیر مذاق کے، وہ نافذ ہو جائیں گی، طلاق، عتاق (غلام آزاد کرنا) اور نکاح۔

امام ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص بغیر ارادۂ طلاق کے مذاق سے طلاق دے دیتا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ ''اللہ کی آیتوں کو مذاق نہ بناؤ'' اور رسول اللہ ﷺ نے طلاق کو لازم کر دیا۔

امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام ابن ماجہ، امام حاکم اور امام بیہقی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی سنجیدگی بھی سنجیدگی ہے اور مذاق بھی سنجیدگی ہے: نکاح، طلاق اور رجوع کرنا۔ (الدر المنثور ج ۱ ص ۲۸۶، مطبوعہ مکتبہ آیۃ اللہ العظمی، ایران)

احکام شرعیہ کو مذاق بنا لینا حرام ہے اور ان کا مذاق اڑانا کفر ہے، مذاق میں طلاق دینا حرام ہے اور یہ طلاق نافذ ہو جائے گی۔ اسی طرح عمل گناہ کرتے رہنا اور زبان سے توبہ کرتے رہنا بھی احکام شرعیہ کو مذاق بنانا ہے۔

(تبیان القرآن ج ۱ ص ۸۳۹-۸۴۱، فرید بک اسٹال لاہور)

جس طلاق کے بعد رجوع کیا جائے، پھر طلاق دی جائے

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشا پوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ، اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ (البقرہ: ۲۳۱)

اور جب تم عورتوں کو (رجعی) طلاق دو، پھر وہ اپنی عدت (کی میعاد) کو پہنچیں تو انہیں دستور کے مطابق (اپنے نکاح میں) روک لو یا ان کو حسنِ سلوک کے ساتھ چھوڑ دو، اور ان کو ضرر پہنچانے کے لیے نہ روکے رکھو تا کہ تم ان پر زیادتی کرو، اور جس نے ایسا کیا تو بے شک اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے بیان کیا کہ ایک مرد اپنی بیوی کو طلاق دیتا تھا، تو اس طلاق سے رجوع کر لیتا تھا، پھر اس کو دوبارہ طلاق دیتا تھا، پھر رجوع کر لیتا تھا، اور اس کو یوں ہی ضرر پہنچاتا رہتا تھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا۔ اور یہ قول مجاہد سے اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ سے اور ذہاب سے اور عامر بن شراحیل متوفی ۲۰۳ھ سے اور قتادہ بن دعامہ بن عزیز البصری متوفی ۱۱۷ھ سے مروی ہے۔

(تفسیر طبری ج ۲ ص ۴۹۷، تفسیر الدر المنثور ج ۱ ص ۶۸۱)

جو مرد اپنی بیوی کو ضرر پہنچانے کے لیے بار بار طلاق دے اور پھر اس طلاق سے رجوع کر لے اس کے متعلق فقہاءِ اسلام کی آراء

اور اس میں فقہاء کا اختلاف ہے جو شخص اپنی بیوی کو ضرر پہنچانے کے لیے بار بار ایسا کرے تو اس کا کیا حکم ہے، اور اس کی عدت کب پوری ہوگی، جب اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر رجوع کیا، پھر طلاق دی، تو اکثر اہل علم نے یہ کہا ہے کہ اس کی آخری طلاق کے بعد اس کی عدت شروع ہو جائے گی۔

اور ابوقلابہ نے کہا: جب اس نے زبان سے رجوع کر لیا تو یہ رجوع ہے، پس اگر اس نے جماع سے پہلے طلاق دی تو عدت دوبارہ شروع کی جائے گی اور یہ رجوع عدتِ اولیٰ کا ہے، اسی طرح حماد بن ابی سلیمان متوفی ۱۲۰ھ کا قول ہے۔

(مصنف عبد الرزاق: ۱۰۹۴۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری المتوفی ۱۶۱ھ نے کہا: ہمارے نزدیک اس پر فقہاء کا اجماع ہے۔

اور الزہری نے کہا: جب اس نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا تو وہ آخری طلاق سے عدت گزارے گی اور جب اس نے رجوع نہیں کیا تو پہلی طلاق سے عدت گزارے گی۔

اور جابر بن زید نے کہا: جس دن اس نے طلاق دی ہے، اس دن سے عدت گزارے گی۔

ابن جریج نے کہا: اور عمرو نے اور عبد الکریم نے اور الحسن بن مسلم نے اور دوسروں نے اور طاؤس نے کہا کہ امام مالک بن انس نے کہا ہے کہ وہ اس دن سے عدت گزارے گی جس دن اس کے شوہر نے اس کو آخری طلاق دی۔ (المدونہ ج ۲ ص ۴، بحث طلاق السنہ)

اور ابن جابر اور سعید بن عبد العزیز اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور امام ابوعبید متوفی ۲۲۷ھ اور ابوثور اور فقہاءِ احناف کا بھی یہی قول ہے۔ (المبسوط للسرخسی ج ۶ ص ۳۲، بحث باب الرجعت)

اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ وہ آخری طلاق سے عدت گزارے گی، اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ پہلی طلاق سے عدت گزارے گی، اور مزنی امام شافعی کے پہلے قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، امام شافعی کے دوسرے قول کو ترجیح دیتے تھے، اور وہ یہ ہے کہ جب اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی، اور اس نے کچھ عدت گزاری، پھر رجوع کر لیا اور انہوں نے اس آیت کی تلاوت کی:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَیْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ﴿۴۹﴾ (الاحزاب: ۴۹)

اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو، تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے، جس کا تم شمار کرو، سو تم ان کو کچھ ان کے فائدہ کی چیزیں دے کر حسنِ سلوک سے ان کو رخصت کر دو O

علامہ ابوبکر محمد ابن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ کا جو قول ہے، وہی قیاس کا تقاضا ہے، اور وہی اس آیت کے مطابق ہے کہ اس کے اوپر کوئی عدت نہیں ہے، اور میں نے بعض فقہاء سے سنا جنہوں نے اس کے خلاف کہا اور ان دو قولوں میں پہلا قول زیادہ اولیٰ ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۵۳۱-۵۳۲، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ھ)

جو عورت غائب ہو اور اس کے پاس اس کے خاوند کی وفات کی خبر آ جائے یا خاوند کے طلاق دینے کی خبر آ جائے

علامہ ابوبکر محمد ابن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اہلِ علم کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جس عورت کے پاس اس کے خاوند کی وفات کی خبر پہنچی یا اس کی طلاق کی خبر پہنچی تو اس کا کیا حکم ہے؟ پس ایک جماعت نے کہا: عدتِ طلاق اور عدتِ وفات اس دن سے شروع ہو گی جس دن اس کے خاوند کی وفات ہوئی یا جس دن اس کے خاوند نے اس کو طلاق دی۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۲۷-۳۳۱، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۴۲۵)

اور سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور مجاہد بن جبر القرشی المخدومی متوفی ۱۰۴ھ اور طاؤس بن کیسان الیمانی متوفی ۱۰۶ھ اور عکرمہ البربری المتوفی ۱۰۵ھ اور سلیمان بن یسار، اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی المتوفی ۹۶ھ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور ابوالعلیاء اور نافع مولیٰ ابن عمر متوفی ۱۱۷ھ نے بھی اسی طرح کہا ہے اور اسی طرح امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا قول ہے۔ (المدونہ ج ۲ ص ۱۲، بحث عدۃ المتوفی عنھا زوجھا)

اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی المتوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ (مسائل احمد واسحاق: ۴۷۴) اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور امام ابوعبید الہروی المتوفی ۲۲۷ھ اور ابوثور اور فقہاءِ احناف کا مذہب ہے۔ (المبسوط للسرخسی ج ۶ ص ۳۶، بحث باب العدۃ وخروج المرأۃ من بیتھا)

اور اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ اس عورت کی عدت اس دن سے شروع ہو گی جس دن اس کو کسی نے خبر پہنچائی ہے، یہ قول حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ کا ہے اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور قتادہ بن دعامہ بن عزیز البصری متوفی ۱۱۷ھ اور عطاء الخراسانی متوفی ۱۵۳ھ اور خلاس بن عمرو کا بھی یہی قول ہے۔

اور اس مسئلہ میں تیسرا قول یہ ہے کہ اس کی عدت اس وقت شروع ہوگی جب اس پر گواہ قائم ہو جائیں کہ فلاں دن اس کا شوہر فوت ہوا تھا یا فلاں دن اس کے شوہر نے طلاق دی تھی، اور اگر گواہ قائم نہ ہوں تو اس کی عدت اس دن سے شروع ہوگی جس دن اس کو خبر پہنچی ہے اور یہ سعید بن المسیب متوفی ۹۰ ھ اور عمر بن عبد العزیز خلیفۃ المسلمین متوفی ۱۰۱ ھ کا قول ہے۔

علامہ ابوبکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشا پوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ ھ نے کہا:

میں پہلے قول کے مطابق کہتا ہوں، اور عدت طلاق سے یا وفات سے واجب ہوگی، کیونکہ کوئی عورت اس سے خالی نہیں ہے کہ اس کا شوہر جب فوت ہو گیا ہو یا اس نے طلاق دی ہو، اور یہ کہ اس کی بیوی عدت گزارے گی، پس جب فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ وہ عورت فی الحال اس کی بیوی نہیں ہے اور اگر اس کا شوہر تین طلاق دینے کے بعد فوت ہو گیا تو وہ اس بناء پر اپنے شوہر کی وارث نہیں ہوگی کہ وہ معتدہ ہے یعنی عدت گزارے گی، اور ان کا اس پر اجماع ہے کہ اگر وہ شوہر کی طلاق کے وقت حاملہ ہوتی اور اس کو طلاق کا علم نہ ہوتا حتیٰ کہ اس کے ہاں بچہ ہو جاتا تو وضع حمل کے ساتھ اس کی عدت پوری ہو جاتی، سو واجب ہے کہ دوسری عدت کا بھی یہی حکم ہو۔ (الاجماع: ۷۴۴، الاقناع: ۲۴۰۳)، (الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف ج ۹ ص ۵۳۳-۵۳۴، دار الفلاح ریاض ۱۴۳۰ ھ)

باب:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ (البقرۃ: ۲۲۸)

طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

امام بخاری اس باب کی تعلیقات میں لکھتے ہیں:

(۱) اور ابراہیم نے کہا: جس مرد نے عدت کے دوران کسی عورت سے نکاح کیا، پس اس عورت کو اس کے پاس تین حیض آ گئے، سو وہ پہلے حیض سے بائنہ ہو جائے گی، اور اس کے بعد کے حیضوں کا شمار نہیں کیا جائے گا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۵۷)

(۲) اور زہری نے کہا: اس کا شمار کیا جائے گا، اور یہ قول سفیان کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے، یعنی زہری کا قول۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۵۷)

(۳) اور معمر نے کہا: کہا جاتا ہے: "اقرأت المراۃ"، جب اس کا حیض قریب آ جائے" اور "اقرأت" کہا جاتا ہے جب اس کا طہر قریب آ جائے اور کہا جاتا ہے: ماقرأت بسلی قط: یعنی جب عورت کے پیٹ میں بچہ جمع نہ ہو۔ (تغلیق التعلیق ج ۴ ص ۴۷۷)

اس مسئلہ میں فقہاء اسلام کے اقوال کہ مرد کو طلاق سے رجوع کرنے کا حق ہوتا ہے

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، ان تعلیقات کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ جب عورت کو طلاق دی جائے تو اس کے اوپر "الاقرء" واجب ہوتے ہیں، ان اقراء کا کیا معنی ہے، اور وہ کون سا وقت ہے جس وقت میں بیوی اپنے شوہر سے بائنہ ہو جاتی ہے حتیٰ کہ مرد اپنی بیوی سے رجوع نہیں کر سکتا۔

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ مرد عورت سے رجوع کرنے کا زیادہ حق دار ہے حتیٰ کہ وہ تیسرے حیض سے غسل کر لے۔ اور یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ ھ اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ ھ کا قول ہے اور یہ قول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ متوفی ۱۳ ھ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ ھ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ

متوفی ۵۲ھ اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ متوفی ۳۴ھ، حضرت ابو الدرداء متوفی ۳۲ھ کا قول ہے اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ابو عبید متوفی ۲۲۷ھ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اس مسئلہ میں فقہاء کے اقوال کہ ''الاقراء'' کا معنی حیض ہے یا طہر

اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ مرد کو رجوع کا اس وقت تک حق ہے جب تک وہ عورت حیض میں ہو، یہ طاؤس بن کیسان الیمانی متوفی ۱۰۶ھ اور سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ کا قول ہے اور یہ قول ان فقہاء کے مذہب پر مبنی ہے جو کہتے ہیں کہ ''الاقراء'' کا معنی حیض ہے، اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ ''الاقراء'' کا معنی الاطہار ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ مرد اس وقت طلاق سے رجوع کر سکتا ہے جب تک کہ تیسرے حیض کا پہلا قطرہ نہ ہو، اور جب مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور وہ طاہر تھی اور یہ امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام شافعی اور ابوثور کا قول ہے اور جن فقہاء نے کہا: ''الاقراء'' کا معنی ''الاطہار'' ہے، وہ سلف صالحین میں سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ ہیں اور حضرت عبد اللہ بن عمر متوفی ۷۳ھ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ اور قاسم اور سالم ہیں۔

اور ابوبکر بن عبد الرحمٰن نے کہا: میں نے جن فقہاء کو بھی پایا وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق کہتے تھے، اور اہل لغت کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ عرب حیض کو ''قرء'' کہتے ہیں، اور طہر کو بھی ''قرء'' کہتے ہیں اور جس وقت میں حیض اور طہر جمع ہو اس کو بھی ''قرء'' کہتے ہیں، پس جب کہ یہ لفظ از روئے لغت کے ان معانی کا متحمل ہے تو قرآن مجید کی آیت مبارکہ میں الاقراء کے معنی کو دیکھنا ہوگا:

فقہاءِ مالکیہ اور فقہاءِ شافعیہ کے اس پر دلائل کہ الاقراء کا معنی ''الاطہار'' ہے

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

(البقرہ:۲۲۸)

اس آیت میں ''قرء'' کا کیا معنی ہے، تو ہم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قول سے یہ دلیل پائی کہ ''الاقراء'' ''الاطہار'' ہیں، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ طہر میں طلاق دیں، اور آپ نے اس طہر کو عدت قرار دیا اور آپ نے ارشاد فرمایا: یہ وہ مدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ عورتوں کو اس مدت میں طلاق دی جائے۔ اور آپ نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو حیض میں طلاق دینے سے منع فرمادیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ''الاقراء'' کا معنی ''الاطہار'' ہے۔

پس اگر فقہاءِ احناف یہ کہیں کہ ''الاقراء'' کا معنی ''الحیض'' ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اقعدی ایام اقرائک'' یعنی تم اپنے حیض کے ایام میں ٹھہری رہو، یعنی تم ان ایام میں نماز نہ پڑھو، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایامِ طہر میں نماز پڑھنے سے منع نہیں فرما سکتے۔

اس کے جواب میں ان سے یہ کہا جائے گا: اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ ''القرء'' کا لفظ حیض کی بھی صلاحیت رکھتا ہے جس طرح طہر کی صلاحیت رکھتا ہے اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے، ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ ہم اس قول کو ترجیح دیتے ہیں کہ حیض کا معنی طہر ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد ہے ''دعی الصلوۃ ایام اقرائک'' اس کا محمل یہ ہے کہ آپ کا یہ خطاب مستحاضہ کے لیے تھا، کہ جب وہ حیض کا خون دیکھ لے تو نماز کو ترک کر دے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث

میں ''الاقراء'' کا معنی طہر ہے، وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ الاقرء کا اعتبار طہر میں کیا گیا ہے۔ اور مُستحاضہ جب خون کو آتا ہوا دیکھ لے تو وہ نماز کو ترک کر دے گی، یہ ہم کو مُضر نہیں ہے، کیونکہ یہ دو مسئلے الگ الگ ہیں، ایک مسئلہ عدت کا ہے اور ایک مسئلہ نماز کا ہے۔

اگر فقہاء احناف یہ کہیں کہ قرء کے اسم کا اطلاق حیض پر بھی ہوتا ہے کیونکہ جب کسی عورت کو حیض آ جائے تو اس کو ذوات الاقرء کہا جاتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرء کا اسم طہر کے لیے وضع کیا گیا ہے اور یہ حیض کی طرف منتقل ہوتا ہے، اور ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ طہر محض کا اسم ہے، ہم صرف یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ حیض والی عورتوں کے لیے وضع کیا گیا ہے جن کو ذوات الاقرء کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ وہ طہر ہے جس کے بعد حیض نہیں آتا، پس جب اس کے بعد حیض آ جائے تو طہر پایا گیا جس کے بعد حیض آیا۔

بحث مذکور کا حاصل

اور صحابہ کرام کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے، پس لائق ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ ھ کے قول کو مقدم رکھا جائے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حیض کے حال کو زیادہ جاننے والی ہیں، کیونکہ حیض کی حالت عورتوں کے ساتھ خاص ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت قُرب حاصل تھا، اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہت قرب حاصل تھا اور انہوں نے جان لیا تھا کہ حیض کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی اور جس مصیبت میں وہ مبتلا ہو چکے تو اس کو دوسروں کو بہ نسبت زیادہ جاننے والے تھے۔

رہا ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی المتوفی ۹۶ ھ کا یہ قول کہ جس نے کسی عورت سے عدت میں نکاح کیا اور اس کے پاس اس عورت کو تین حیض آ گئے تو وہ پہلے حیض سے بائنہ ہو جائے گی اور اس حیض کا شمار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ عدت میں جو نکاح کیا جاتا ہے وہ نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور اس مرد اور عورت کے درمیان تفریق کی جاتی ہے اور یہ اجماع العدتین کا مسئلہ ہے۔

اور فقہاء کا اس میں اختلاف ہے، پس اہلِ مدینہ کے فقہاء نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ اگر عورت کو ایک حیض آیا یا دو حیض آئے تو وہ اپنی عدت کے باقی ایام پورے کرے گی اور پھر دوبارہ دوسری عدت گزارے گی، اسی طرح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ سے مروی ہے، اور یہی اللیث، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ ھ کا قول ہے۔

اور ابن القاسم مالکی نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ ان دو عدتوں میں سے ایک عدت دونوں کی عدت ہو جائے گی، برابر ہے کہ یہاں پر عدت حمل کے ساتھ ہو یا حیض کے ساتھ ہو یا مہینوں کے ساتھ ہو، اور یہی امام اوزاعی، الثوری، امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت اور ان کے اصحاب کا قول ہے۔ اور ابن القاسم کی جو امام مالک سے روایت ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کا اس پر اجماع ہے کہ پہلا مرد اس عورت سے بقیہ عدت کے اندر دوسرے مرد سے پہلے نکاح نہیں کرے گا، اس میں یہ دلیل ہے کہ یہ دوسرے مرد کی عدت ہے اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو وہ مرد اس کی عدت میں اس عورت سے نکاح کر سکتا تھا۔ اور دوسری روایت کی وجہ یہ ہے کہ یہ دو حق ہیں جو دونوں واجب ہیں، اس عورت کے دونوں شوہروں کے لیے، جیسا کہ اس کے باقی حقوق ہیں اور ایک کا حق دوسرے

کے حق میں داخل نہیں ہوگا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج۹ ص ۳۹۳-۳۹۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

نوٹ: حافظ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن التوفی ۸۰۴ھ نے تعلیقاتِ مذکورہ کی شرح میں وہی لکھا ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح سے نقل کر چکے ہیں، تاہم انہوں نے ابن القاسم مالکی کے قول کا یہ حوالہ ذکر کیا ہے۔

(مختصر اختلاف العلماء للامام ابوبکر جصاص رازی متوفی ۳۷۰ھ ج ۲ ص ۳۰۰، دارالبشائر الاسلامیہ ۱۴۱۷ھ، الاستذکار للحافظ ابوعمر بن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ ج ۱۷ ص ۱۹، موسسۃ الرسالہ بیروت ۱۴۱۳ھ)

قرء کے لغوی معنی کی تحقیق اور ''قرء'' کے مصداق میں مذاہب فقہاء

امام ابوعبیدہ اللغوی التوفی ۲۲۴ھ نے کہا ہے: ''الاقراء'' قرء کی جمع ہے، اور ''القرء'' کے معنی ہیں: اوقات، کبھی یہ وقت طہر کے لیے ہوتا ہے اور کبھی یہ وقت حیض کے لیے ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے: ''القرء'' کا معنی طہر ہے۔ اسی طرح جو عورت طاہرہ ہو اس کے لیے بھی اس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے، اور قرء کا لفظ کبھی ہمزہ کے ساتھ ہوتا ہے اور کبھی بغیر ہمزہ کے۔

اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ جو ''اقراء'' عورت پر واجب ہوتے ہیں، جب اس کو طلاق دی جائے تو ان اقراء کا کیا مصداق ہے، فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ جب تک کوئی عورت تیسرے حیض سے غسل نہ کرلے اس وقت تک اس کا شوہر اس سے رجوع کرنے کا زیادہ حق دار ہوتا ہے اور یہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما متوفی ۳۲ھ کا قول ہے۔ (مجمل اللغت ج ۲ ص ۷۵۰، مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۳۱۵-۳۱۶، الاستذکار ج ۱۸ ص ۳۴)

اور یہ مذہب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ متوفی ۱۳ھ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ متوفی ۵۲ھ اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ متوفی ۳۴ھ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ کا قول ہے۔ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری التوفی ۱۶۱ھ اور اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور امام ابوعبید الہروی متوفی ۲۲۴ھ کا بھی یہی مذہب ہے۔

فقہاءِ شافعیہ اور فقہاءِ احناف کے اس پر دلائل کہ قرء کا لفظ حیض کے لیے وضع کیا گیا ہے یا طہر کے لیے وضع کیا گیا ہے؟

اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن نے کہا: میں نے جن فقہاء کو پایا، وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ کے قول کے مطابق کہتے تھے کہ الاقراء کا معنی الطہر ہے اور اس میں اہل لغت کا اختلاف نہیں ہے کہ عرب حیض اور طہر دونوں کو قرء کہتے ہیں اور جس وقت میں حیض اور طہر جمع ہو اس کو بھی قرء کہتے ہیں، پس جب لفظ از روئے لغت ان معانی کا محتمل ہے تو واجب ہے کہ ہم اس پر دلیل کو طلب کریں کہ اس آیت یعنی البقرہ: ۲۲۸ھ میں ثلاثۃ قروء کا لفظ جو مذکور ہے اس میں قرء کا کیا معنی ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: یہی وہ مدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم فرمایا ہے یعنی طہر میں۔ (صحیح البخاری: ۴۹۰۸)

اور امام مالک اور امام شافعی کے مخالف یعنی فقہاءِ احناف نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''دعی الصلوٰۃ ایام اقرائك'' یعنی تم حیض کے ایام میں نماز کو چھوڑ دو، اس حدیث میں اقراء کا اطلاق حیض پر کیا گیا ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایامِ طہر میں نماز کو چھوڑنے کا حکم نہیں دیں گے، اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ قرء کا اطلاق

حیض پر بھی کیا جاتا ہے اور ہم اس کا انکار نہیں کرتے۔

پس اگر تم یہ اعتراض کرو کہ قرء کا اطلاق حیض پر کیا جاتا ہے کیونکہ جب عورت کو حیض آ جائے تو اس کو ذوات الاقرء کہا جاتا ہے، تو ہم کہیں گے کہ اس کا جواب یہ ہے کہ قرء کا اسم اس طہر کے لیے ہے جو حیض سے منتقل ہوتا ہے اور ہم یہ نہیں کہتے کہ اس لفظ کو طہر کے لیے وضع کیا گیا ہے۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۰۸-۵۱۱ ملخصا، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

قرء کا اطلاق حیض پر ہوتا ہے یا طہر پر، اس پر فریقین کے دلائل

شیخ ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الاندلسی المتوفی ۴۵۶ھ لکھتے ہیں:

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن مسعود نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابو عاصم نے از ابن جریج حدیث بیان کی از مظاہر بن اسلم، از القاسم بن محمد از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: باندی کی طلاق دو طلاقیں ہیں، اور اس کی عدت دو حیض ہیں، اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ باندی کی عدت دو حیض ہے، اس سے معلوم ہوا کہ البقرہ: ۲۲۸، میں جو ثلٰثۃ قروء کا لفظ ہے اس میں قرء کا معنی حیض ہے نہ کہ طہر۔

شیخ ابومحمد کہتے ہیں: کہ یہ دونوں حدیثیں ساقط ہیں، ان سے استدلال کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ مظاہر بن اسلم ضعیف راوی ہیں، اسی طرح عمر بن شبیب بھی ضعیف راوی ہیں، اور عطیہ بھی ضعیف ہیں، ان سے استدلال نہیں کیا جا سکتا اور اگر ان میں سے کسی ایک کی روایت صحیح ہوتی یا دونوں کی صحیح ہوتی تو ہم اس کی مخالفت نہ کرتے۔

ابن حزم الظاہری کی دلیل پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: امام ابوداؤد کی کتاب صحاحِ ستہ میں شمار کی جاتی ہے، اور جس حدیث کے اوپر امام ابوداؤد سکوت فرمائیں وہ حدیث ان کے نزدیک حجت ہوتی ہے اور جو حدیث امام ابوداؤد کے نزدیک حجت ہے اس پر ابن حزم الظاہری کی جرح کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ سعیدی غفرلہٗ

فقہاءِ احناف کی دوسری دلیل یہ حدیث ہے: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے مستحاضہ کے لیے فرمایا: "اذا اتاك قرئك فلا تصلی" یعنی جب تمہارے پاس تمہارا قرء یعنی حیض آ جائے تو تم نماز نہ پڑھنا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: واذا مر القرء تطهری، جب وہ حیض گزر جائے تو تم غسل کرنا، پھر تم نماز پڑھنا ایک حیض سے دوسرے حیض تک، اور یہ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے مستحاضہ کو یہ حکم دیا کہ وہ نماز کو اتنے ایام میں ترک کردے جتنے ایام میں وہ حیض کے دوران نماز کو ترک کرتی تھی۔

شیخ ابن حزم الظاہری اس حدیث کے جواب میں لکھتے ہیں: کہ ہم اس کا انکار نہیں کرتے کہ حیض کو قرء بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ تم اس کا انکار نہیں کرتے کہ طہر کو بھی قرء کہا جاتا ہے، ہمارا اختلاف اس بات میں ہے کہ البقرہ: ۲۲۸، میں جو ثلٰثۃ قروء کا لفظ ہے اس میں قرء سے مراد آیا حیض ہے یا طہر ہے؟۔

شیخ ابن حزم الظاہری کی جرح پر مصنف کا تبصرہ

شیخ ابن حزم الظاہری نے یہ تو تسلیم کرلیا کہ حیض پر بھی قرء کا اطلاق ہوتا ہے، رہا یہ کہ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ البقرہ: ۲۲۸، میں قرء سے

مرادآیا حیض ہے یا طہر ہے؟ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے ثَلٰثَةَ کا لفظ فرمایا ہے یعنی تین قروء، اگر حیض کا معنی اس آیت میں طہر ہو تو جس طہر میں طلاق دی گئی ہے اگر اس کو شمار کیا جائے تو یہ اڑھائی طہر ہوں گے تین طہر نہیں ہوں گے اور جس طہر میں طلاق دی گئی ہے اس طہر کو شمار نہ کیا جائے تو پھر یہ ساڑھے تین طہر ہوں گے، مکمل تین طہر کسی صورت میں بھی نہیں ہوں گے، تو ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ لفظ خاص ہے اور اس سے مراد خاص تین قروء ہیں، اور یہ تین قروء مکمل اسی وقت ہو سکتے ہیں جب قروء سے مراد حیض لیا جائے اور اگر اس سے مراد طہر ہو تو پھر یہ اڑھائی قروء ہوں گے یا ساڑھے تین قروء ہوں گے اور تین قروء اسی وقت ہو سکتے ہیں جب اس سے مراد حیض ہو۔ سعیدی غفرلہ

نیز شیخ ابن حزم الظاہری کہتے ہیں کہ طلاق کے بعد عدت بلا مہلت گزارنا فرض ہے اور طلاق طہر میں دی جاتی ہے، پس معلوم ہوا کہ جو طہر طلاق کے ساتھ متصل ہے، اسی سے عدت شمار ہوگی، نہ کہ حیض کے ساتھ جو کہ طلاق کے ساتھ متصل نہیں ہے اور اگر قرء کا معنی حیض ہو تو ان کے قاعدے کے مطابق یہ واجب ہوگا کہ جس مرد نے عورت کو حالتِ حیض میں طلاق دی، وہ اسی حیض کو قرء قرار دے کر اس کو عدت شمار کرے۔

شیخ ابن حزم الظاہری کی دلیل کا جواب

میں کہتا ہوں کہ ابن حزم الظاہری کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق اس طلاق سے رجوع کرنا واجب ہے، اور اس طلاق کا شمار نہیں کیا جائے گا، لہٰذا شیخ ابن حزم الظاہری کی یہ دلیل احناف کے خلاف حجت نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ (المحلی بالآثار ج ۱۰ ص ۳۵-۳۷ ملخصاً، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۵ھ)

علامہ السمرقندی الحنفی کی طرف سے ''قرء'' کی تحقیق

امام ابواللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم السمرقندی الحنفی المتوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں:

امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا: عدت میں القرء کا معنی ہے: ''الطہر''۔

اور ہمارے نزدیک القرء کا معنی ہے: الحیض۔

(المبسوط للسرخسی ج ۶ ص ۱۳، البدائع الصنائع للکاسانی ج ۴ ص ۲۰۰۳، البنایہ شرح الہدایہ للعینی ج ۴ ص ۷۷۱، مغنی المحتاج للشربینی ج ۳ ص ۳۸۵، کتاب الام للامام الشافعی ج ۵ ص ۲۰۹، الشرح الصغیر للمالکیہ ج ۱ ص ۴۶۲، المغنی لابن قدامہ الحنبلی ج ۷ ص ۴۵۲)

علامہ سمرقندی لکھتے ہیں:

قرء کا لفظ طہر اور حیض دونوں میں حقیقت ہے، کیونکہ یہ لفظ حیض اور طہر دونوں میں شرعاً مستعمل ہوتا ہے اور لغۃً، لغت پر دلیل شاعر کا یہ شعر ہے، اور لغت میں قرء کا معنی حیض ہونے پر یہ شعر دلیل ہے:

یا رب ذی ضغن وضب فارض   له قرء کقرء الحائض

ترجمہ: اے میرے رب! میل کچیل والی اور بوڑھی گوہ   اس کا حیض، حائض عورت کے حیض کی طرح ہے

اور لغت میں قرء کے معنی طہر ہونے پر یہ شعر دلیل ہے:

مورثة مال وفی الحی رفعه   لما ضاع فیها من قرء نسائکا

ترجمہ: وہ مال کی وارث کرنے والی ہے اور قبیلہ میں مال کو اٹھانے والی ہے جب کہ اس عورت کا طہر ضائع ہو گیا۔ یعنی جب اس عورت کے رحم میں تمہاری بیویوں کا طہر ضائع ہو گیا، اس شعر میں شاعر نے قرء سے مراد طہر لیا ہے۔

(المبسوط ج ۶ ص ۱۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

اور شریعت میں قرء کا معنی حیض ہے، اس پر دلیل درج ذیل حدیث ہے۔

عن ابو امامة الباهلی عن النبی ﷺ: اقل الحیض الجاریة البکر والثیب ثلاثة ایام ولیالیها واکثرها عشرة ایام۔

حضرت ابو امامہ باہلی متوفی ۸۶ھ اپنی سند کے ساتھ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: کہ کنواری لڑکی ہو یا شادی شدہ ہو، اس کے حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور راتیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ مدت دس ایام ہیں۔

(سنن دار قطنی عن علقمہ عن عبد اللہ، رقم: ۱۹، وعن انس: رقم ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۵، وعن سفیان: رقم: ۲۴، وعن عثمان بن ابی العاص، رقم: ۲۹، ۳۰، کتاب الحیض ج ۱ ص ۲۰۹، ۲۱۰، والطبرانی عن ابی امامہ کنز العمال وابن الجوزی عن ابی سعید الخدری فی العلل المتناہیہ، وعن عائشہ فی التحقیق، وایضاً ابن عدی عن انس، ورواہ الطبرانی البنایہ شرح الہدایہ للعینی ج ۱ ص ۶۱۷، ۶۱۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ یہ احادیث ضعیفہ ہیں (الدرایہ لتخریج احادیث الہدایہ ج ۱ ص ۸۴) اور علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۷ھ نے کہا ہے: رہی حدیث واثلہ اور حدیث امامہ اور حدیث انس، پس یہ تمام احادیث ضعیف ہیں اور محدثین کے نزدیک ان کے ضعف پر اتفاق ہے، اور ان کے ضعف کی وضاحت امام دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ، اور امام بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے کتاب الخلافیات میں ذکر میں کی ہے اور پھر انہوں نے اس کا ذکر السنن الکبیر میں کیا ہے۔ (المجموع شرح المہذب ج ۲ ص ۳۶۰)

اور حضرت واثلہ بن الاسقع کی حدیث سے مراد یہ حدیث ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

اقل الحیض ثلاثة ایام واکثرها عشرة ایام، یعنی حیض کی کم سے کم مقدار تین دن ہیں اور زیادہ سے زیادہ مقدار دس دن ہیں، اور رہی حضرت انس کی حدیث، تو انہوں نے کہا: حیض کی مدت تین دن ہے، چار دن ہے، پانچ دن ہے، چھ دن ہے، سات دن ہے آٹھ دن ہے اور نو دن ہے، اور رہی حدیث واثلہ، تو اس کی امام الدار قطنی نے روایت کی ہے اور رہی حدیث حضرت انس کی تو اس کی روایت امام ابن عدی نے الکامل فی ضعفاء میں کی ہے۔

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث روایت کرتے ہیں:

''دعی الصلوٰة قدر الایام التی تحیضین فیها'' اور دوسری روایت میں ہے ''دعی الصلوٰة یوم قرئك''۔

(صحیح البخاری: ۳۲۵، بحث کتاب الحیض)

اس حدیث میں قرء کا اطلاق حیض پر ہے، اور اس میں قلیل اور کثیر کا فرق نہیں بیان کیا گیا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کہ جن ایام میں تم کو استحاضہ آ رہا ہے، ان ایام میں تم اتنے دن نماز کو چھوڑ دو، جتنے دن تم حیض کے ایام میں نماز کو چھوڑتی ہو۔

اورامام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ، نے اس حدیث کی ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

تمکثی قدر ما کانت تحبسک حیضتک ثم اغتسلی وصلی۔ (صحیح مسلم:۶۵۶، کتاب الحیض باب المستحاضہ) یعنی تم اتنے دنوں تک ٹھہری رہو جتنے دنوں تک تم کو حیض ٹھہراتا تھا، پھر تم غسل کرنا اور نماز پڑھنا۔

اورامام ابوداؤد سلیمان بن اشعث السجستانی المتوفی ۲۷۵ھ، نے اس حدیث کی ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

فامرها ان تدع الصلوٰة ایام اقرائها۔ (سنن ابوداؤد:۲۸۱، کتاب الطھارۃ، باب المرأۃ تستحاض) یعنی آپ نے حضرت فاطمہ بنت ابی حبیش کو یہ حکم دیا کہ وہ ایام اقراء میں نماز کو چھوڑ دیں۔

اور چونکہ ایام طہر میں نماز کو نہیں چھوڑا جاتا اس لیے اس حدیث میں اقراء سے مراد ایامِ حیض ہیں۔

اورامام احمد بن شعیب النسائی متوفی ۳۰۳ھ نے اس حدیث کی ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

تترک الصلوٰة قدر اقرائها وحیضها وتغتسل وتصلی۔ یعنی ایام اقراء اور ایام حیض میں تم نماز کو چھوڑ دو، اور پھر غسل کرو اور نماز پڑھو۔

اور اس روایت کے دوسرے الفاظ ہیں:

واذا اتاك قرئك فلا تصلی واذا مر قرئك فلتطهری، یعنی جب تمہارے پاس تمہارا حیض آجائے تو تم نماز نہ پڑھنا، اور جب تمہارا حیض گزر جائے، پھر تم غسل کرنا۔ (سنن نسائی: ج ا ص ۱۸۴-۱۸۳، بحث کتاب الحیض والاستحاضہ باب ذکر الاقراء)

اورامام محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ نے اس حدیث کی ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

اذا اتاقرئك فلا تصلی، یعنی جب تمہارے پاس تمہارا حیض آجائے تو تم نماز نہ پڑھنا (سنن ابن ماجہ: رقم: ۶۲۰،) اور دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں: دعی قدر الایام ولیالی التی کنت تحیضین، تم اتنے دن اور اتنی راتوں میں حیض آنے کی صورت میں نماز چھوڑ دیتی ہو، اتنے دن نماز کو چھوڑ دینا۔ (سنن ابن ماجہ: رقم: ۶۲۳)

اور ان الفاظ کے ساتھ بھی روایت ہے۔

درج ذیل حدیث ہے کہ:

حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ (ان کو ابن وہب بھی کہا جاتا ہے اور ان کو ابن عمر بن وہب بن عریب بن وہب بن رباح الباہلی ابوامامہ بھی کہا جاتا ہے، یہ ۸۶ھ میں فوت ہو گئے تھے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

تدع الصلوٰة ایام اقرائها۔ تم ایامِ حیض کے اندر نماز کو چھوڑ دو۔

(سنن ابن ماجہ رقم: ۶۲۵، کتاب الطھارۃ، باب ماجاء فی المستحاضة قد عدت ایام اقرائها)

اورامام احمد نے کتاب الحیض والنفاس باب المستحاضہ میں اس حدیث کی انہی الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔ (الفتح الربانی ج ۲ ص ۱۷۲، رقم الحدیث: ۳۹)

اورامام احمد بن حسین بیہقی الشافعی متوفی ۴۵۸ھ نے اس حدیث کی ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

امکثی قدر ما کانت تحبسك حیضتك، ثم اغتسلی۔

اوران الفاظ کے ساتھ بھی روایت کی ہے:

ان اتاك قرئك فلا تصلی۔

یعنی جب تمہارے پاس تمہارا قرء یعنی حیض آجائے تو تم نماز نہ پڑھنا اور اتنے دنوں تک نماز نہ پڑھنا جتنے دنوں تک تمہارا حیض تمہیں نماز پڑھنے سے روکے رکھتا ہے، پھر تم غسل کر کے نماز پڑھنا۔ (سنن بیہقی: ج ا ص ۴۳۲،۴۳۱)

امام دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سنت میں سے یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو ہر قرء میں ایک طلاق دے۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۸۴، مجمع الزوائد ج ۴ ص ۳۳۶)

اس حدیث میں قرء سے مراد طہر ہے اور یہ اس لیے ہے کہ قرء کا لفظ وقت کے لیے ہے اور ہر طلاق کے لیے الگ الگ وقت ہے، پس قرء کا لفظ حیض اور طہر دونوں میں حقیقت ہے، مگر ہمارے اصحاب احناف نے باب العدة کے اندر حیض کو ترجیح دی ہے، اور امام شافعی نے باب العدة میں طہر کو ترجیح دی ہے۔

(فتاویٰ ابو اللیث السمر قندی المسامۃ بختلف الروایہ، ج ۲ ص ۱۰۴۶-۱۰۴۷، مکتبہ محمدیہ، سلام کتب مارکیٹ گرومندر کراچی)

قرء کے لغوی معنی کی تحقیق

الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

الاصمعی نے کہا ہے: القرء (قاف پر پیش ہے اور ابو زید نے کہا قاف: پر زبر ہے) ''اقرأت المراۃ'' یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب عورت کے رحم میں نطفہ مستقر ہو جائے اور کہا جاتا ہے: ''قعدت المرأۃ ایام اقرائها'' یعنی عورت ایامِ حیض میں بیٹھ گئی، اور ثعلب نے کہا: القرء کا معنی ہے: الوقت، اور یہ لفظ کبھی حیض میں استعمال ہوتا ہے اور کبھی طہر میں، نیز انہوں نے کہا: قرأت المرأۃ قرءا، یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب عورت کو حیض آئے اور وہ حیض سے پاک ہو جائے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ لفظ اسمائے مشترکہ میں سے ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ القرء حیض میں حقیقت ہے اور طہر میں مجاز ہے۔

ان صحابہ کے اسماء گرامی جنہوں نے کہا کہ قرء کا معنی حیض ہے

اور جن صحابہ کرام نے یہ کہا کہ قرء کا معنی حیض ہے، وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ متوفی ۱۳ھ ہیں، اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ متوفی ۳۵ھ اور حضرت مولیٰ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ، اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ، اور حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ متوفی ۳۴ھ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی ۹۱ھ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۸ھ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۲ھ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ متوفی ۵۲ھ۔

ان فقہاء اور تبع تابعین کے اسماء جنہوں نے کہا قرء کے معنی حیض ہے

اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن مسیب متوفی ۹۰ھ، اور علقمہ اور الاسود، اور ابو الحجاج مجاہد بن جبر القرشی مخزومی متوفی ۱۰۴ھ

اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ اور عکرمہ البربری متوفی ۱۰۵ھ اور محمد بن سیرین اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور قتادہ بن دعامہ متوفی ۱۱۷ھ اور عامر بن شراحیل الشعبی متوفی ۱۰۳ھ اور مکحول اور عطاء بن ابی مسلم الخراسانی متوفی ۱۵۳ھ۔

اور تابعین میں سے ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی (استاذ حماد) متوفی ۹۶ھ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور امام اوزاعی۔ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا بھی زیادہ صحیح قول یہی ہے۔ (الفقہ الحنفی وادلتہ، ج ۲ ص ۲۴۳-۲۴۴، دار الکلم الطیب، دمشق بیروت ۱۴۲۰ھ)

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی الشافعی متوفی ۸۵۲ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

قرآن مجید میں ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ (البقرہ:۲۲۸) طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

اس آیت میں المطلقات سے مراد ذوات الحیض ہیں، یعنی جن عورتوں کو حیض آتا ہو، جیسا کہ سورۃ الطلاق میں مذکور ہے اور تربص کا معنی ہے: انتظار اور یہ صیغہ خبر کا ہے اور معنی میں امر ہے، یعنی عورتوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب ان کو طلاق دی جائے تو وہ تین حیض تک اپنے آپ کو دوسروں کے ساتھ نکاح سے روکے رکھیں۔

حافظ ابو عمر بن عبد البر مالکی نے کہا ہے: میرے علم میں ایسا کوئی فقیہ نہیں ہے جس نے کہا ہو الاقراء کا معنی الاطہار ہے۔ اور یہ زہری کے علاوہ کسی نے کہا ہے۔ اور اس قول پر یہ لازم آتا ہے کہ جو عورت عدت گزار رہی ہے وہ اس وقت تک حلال نہیں ہوگی حتیٰ کہ وہ چوتھے حیض میں داخل ہو جائے۔ اور علماءِ مدینہ کا صحابہ اور تابعین میں سے اس پر اتفاق ہے اور اسی طرح امام شافعی کا اور امام مالک کا اور امام احمد کا اور ان کے متبعین کا، کہ جب کوئی عورت تیسرے حیض میں ہو تو وہ پاک ہو جائے گی، اس شرط کے ساتھ کہ اس کو طہر میں طلاق دی گئی، لیکن اگر اس کو حیض میں طلاق دی گئی ہے تو اس حیض کا شمار نہیں کیا جائے گا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جس عورت کے اوپر دو عدتیں جمع ہو جائیں تو وہ دونوں عدتیں گزارے گی۔ اور فقہاءِ احناف سے روایت ہے اور امام مالک سے بھی ایک روایت ہے کہ اس کے لیے ایک عدت کو گزارنا کافی ہے، اسی طرح الزہری کا قول ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۷۶، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، پاکستان ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۰-۵۳۱، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ یُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝ (البقرہ:۲۲۸)

طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقدِ ثانی سے) روکے رکھیں، اور اگر وہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں (بچہ دانیوں) میں پیدا کیا ہے، اور ان (طلاقِ رجعی پانے والیوں) کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں، بشرطیکہ ان کا ارادہ حسن سلوک کے

ساتھ رہنے کا ہو، اور عورتوں کے لیے دستور کے مطابق مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O

البقرہ: ۲۲۸ کی شرح از مصنف، قرء کے معنی کی تحقیق اور شوہر اور بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق

حضرت اسماء بنت یزید بن السکن انصاریہ بیان کرتی ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں طلاق دی گئی، اس وقت مطلقہ کے لیے کوئی عدت نہیں ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے طلاق کی عدت کو بیان فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ (الدرالمنثور ج ۱ ص ۲۷۴)

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کی عدت تین قروء بیان فرمائی ہے اور قروء کا معنی حیض ہے، اس کی ایک اور جمع اقراء بھی آتی ہے۔ (الصحاح ج ۱ ص ۶۴) قروء کے معنی حیض ہونے پر یہ حدیث واضح دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے استحاضہ کے متعلق فرمایا: تم اپنے ایام اقراء (''قرء'' کی جمع ہے) میں نماز کو چھوڑ دو، جن میں تم کو حیض آتا ہے، پھر تم غسل کرو اور ہر نماز کے لیے وضو کرو، نماز پڑھو اور روزہ رکھو۔ (جامع ترمذی ص ۴۴، سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۴۷)

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عدت والی عورت کو بہ وقتِ ضرورت اپنا حیض یا اپنا حمل نہیں چھپانا چاہیے ورنہ وہ سخت ترین گناہ گار ہوگی۔

عورتوں کے مردوں پر یہ حقوق ہیں: (۱) مرد عورتوں کے ساتھ زبردستی نکاح نہ کریں (۲) کھانے پینے، بات چیت کرنے اور دیگر عائلی اور خانگی معاملات میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کے ساتھ رہیں (۳) اسی طرح عورت کی صورت یا سیرت ناپسند ہونے پر بھی اس سے ازدواج کے ناطے کو نہ توڑیں اور صبر و شکر کے ساتھ اس کے ہمراہ زندگی بسر کریں۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عورت سے ایسی اولاد عطا کرے جس کو دیکھ کر اس کی بری عادات مرد کو بھول جائیں یا کسی اور وجہ سے اللہ تعالیٰ اس نکاح میں ڈھیروں برکتیں نازل فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے اور ان کو جسمانی اور عقلی قوت زیادہ عطا کی ہے۔ دوسری فضیلت یہ ہے کہ مردوں کو عورتوں کے اخراجات کا کفیل بنایا ہے اور ان کے گھر کا منتظم بنایا ہے تیسری فضیلت یہ ہے کہ مرد کو عورت پر حاکم بنایا اور عورت کو مرد کی فرمانبرداری کا پابند کیا ہے۔ چوتھی فضیلت یہ ہے کہ مرد کو عورت پر فضیلت دی کہ وہ اس کو اس کی نافرمانی پر تادیباً مار سکتا ہے اور پانچویں فضیلت یہ دی کہ عورت کو اس کا پابند کیا کہ وہ مرد کی غیر حاضری میں اس کی عزت کی حفاظت کرے اور اپنی پارسائی کو مجروح نہ کرے اور اس کے مال کی بھی حفاظت کرے، غرضیکہ جسمانی قویٰ، کھانے پینے، رہائش اور لباس کے اخراجات اور شوہر کے احکام کی تعمیل اور اس کے مال اور اپنی عفت کی حفاظت، ہر اعتبار سے عورت کو مرد کا تابع اور محکوم قرار دیا ہے "بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ" (البقرہ: ۲۳۷) نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے، اس آیت میں یہ بتایا کہ نکاح کی گرہ کو قائم رکھنے یا طلاق کے ذریعہ اس کو توڑنے کا اختیار اللہ تعالیٰ نے مرد کے ہاتھ میں رکھا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مرد و عورت میں سے ہر فریق دوسرے کے حقوق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے، بیوی خاوند کی اطاعت کرے اور خاوند اس کے جملہ حقوق کا خیال رکھے اور ہر ایک دوسرے کے لیے بن سنور کر رہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں اپنی بیوی کے لیے بن سنور کر رہتا ہوں،

جیسے وہ میرے لیے بن ٹھن کر رہتی ہے، ضرورت کے وقت ہر فریق دوسرے کے کام آئے اور بیماری میں ہر فریق دوسرے کا علاج اور خدمت کرے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۵۶، فرید بک اسٹال لاہور)

صحیح البخاری کی تعلیقات کی شرح از العثیمین، شیخ عثیمین کا شیخ ابن تیمیہ پر تعاقب

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، ان تعلیقات کی شرح میں لکھتے ہیں:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ حنبلی المتوفی ۷۲۸ھ نے کہا ہے کہ البقرہ: ۲۲۸، میں المطلقات سے مراد ہے: طلاق یافتہ رجعیہ جو تین حیض عدت گزاریں گی اور باقی عورتیں ایک حیض عدت گزاریں گی، لیکن اس آیت کو عموم پر محمول کرنا زیادہ اولیٰ اور احوط ہے، کیونکہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا قول شاذ ہے، اور گویا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اپنے شذوذ پر مطلع نہیں ہوئے۔

جس مرد نے عدت کے دوران نکاح کیا اس کے نکاح کا فساد

ہر حال میں مسئلہ یہ ہے کہ جس مرد نے کسی عورت سے دورانِ عدت نکاح کیا اور پھر اس سے جماع کر لیا تو اس کا نکاح فاسد ہے، کیونکہ عدت کے دوران نکاح کرنا جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَ لٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ (البقرہ: ۲۳۵)

اور تم پر اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ تم (عدت والی عورتوں کو) اشارہ، کنایہ سے نکاح کا پیغام دو یا تم اپنے دلوں میں چھپاؤ، اللہ کو علم ہے کہ (عدت کے بعد) عنقریب تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے، لیکن تم (عدت سے پہلے) ان سے کوئی خفیہ وعدہ نہ کرو، البتہ شریعت کے موافق ان سے بات کرو، اور جب تک عدت پوری نہ ہو جائے (ان سے) عقد نکاح کا عزم نہ کرو، اور یقین رکھو کہ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں کو جانتا ہے، سو اس سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ بہت بخشنے والا، نہایت حلم والا ہے O

عدت کے دوران پیغام نکاح دینے کی ممانعت کی تفصیل اور عدت کے احکام شرعیہ اور عزم کا معنی

عدت خواہ کوئی بھی ہو، اس کے احکام شرعیہ یہ ہیں:

مسلمان منکوحہ بالغہ عورت جب طلاقِ ثلاثہ مغلظہ کی عدت گزارے یا عدت وفات گزارے تو انقطاع نکاح پر افسوس کے اظہار کے لیے زینت کو ترک کر دے، زیورات اور ریشمی کپڑے نہ پہنے، باریک دندانوں کی کنگھی سے بال نہ سنوارے، خوشبو اور تیل نہ لگائے، سرمہ اور مہندی نہ لگائے، زعفران اور سرخ یا زرد رنگ کے کپڑے پہن سکتی ہے، ہاں! عذر کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کر سکتی ہے۔ (در مختار علی ھامش الرد ج ۱ ص ۲۱۶-۲۱۷)

ہر قسم کی عدت گزارنے والی کو نکاح کا پیغام دینا حرام ہے، البتہ اشارہ کنایہ سے اپنا مدعا ظاہر کرنا جائز ہے، مثلاً کہے: مجھے امید ہے کہ ہم اکٹھے رہیں گے، یا آپ بہت خوبصورت ہیں یا نیک ہیں، بہ شرطیکہ وہ عورت عدتِ وفات گزار رہی ہو اور عدتِ طلاق میں

ایسا کہنا مطلقاً جائز نہیں ہے کیونکہ اس سے اس کے شوہر کے ساتھ عداوت پیدا ہوگی۔ (درمختار علی هامش الردج ۲ ص ۲۱۷-۲۱۸)

اس آیت میں طلاق یا وفات کی عدت گزارنے والی عورت سے نکاح کرنے کے ارادہ سے بھی منع فرمایا ہے اور دورانِ عدت اس سے نکاح کا عزم (پکا ارادہ) کرنا حرام ہے اور حرام کا ارتکاب گناہ کبیرہ ہے۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب دو مسلمان تلواروں سے لڑیں تو قاتل ومقتول دونوں جہنمی ہیں، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ تو قاتل ہے، مقتول کے جہنمی ہونے کی کیا وجہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی اپنے حریف کے قتل پر حریص تھا۔ (صحیح البخاری: ج ا ص ۹)

اس حدیث میں یہ تصریح ہے کہ اگر کسی شخص نے قتل نہ کیا ہو بلکہ صرف قتل کا عزم کیا ہو، وہ پھر بھی جہنمی ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ فعل حرام کا عزم اور پکا ارادہ بھی حرام اور گناہ کبیرہ ہے اور اس پر استحقاق عذاب ہے، البتہ ''ھَم'' پر مواخذہ نہیں ہوتا ''ھَم'' اور ''عزم'' میں فرق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص راجح اور غالب طور پر کسی کام کو کرنا چاہے اور مرجوح اور مغلوب طور پر کام نہ کرنا چاہے تو یہ ''ھَم'' ہے اور جب سو فیصد کام کا پختہ ارادہ ہو تو یہ ''عزم'' ہے۔ (انوار تبیان القرآن ص ۶۰-۵۹، فرید بک اسٹال لاہور)

عدت کے دوران کیے ہوئے نکاح کے متعلق فقہاءِ اسلام کی آراء

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں فقہاء تابعین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان اختلاف ہے، پس ابراہیم نخعی متوفی ۹۶ھ کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں پہلی عدت مکمل ہونے کے بعد دوبارہ عدت کو شروع کیا جائے گا، پس اس عورت کے ۹ یا ۶ حیض ہوں گے، تین حیض پہلی عدت کے ہوں گے اور تین حیض دوسری عدت کے، اور ابراہیم نخعی المتوفی ۹۶ھ، اور محمد بن عبد اللہ بن مسلم بن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ کی رائے یہ ہے کہ وہ تین حیض دونوں عدتوں کے لیے شمار کیے جائیں گے اور ایک عدت دوسری عدت میں داخل ہو جائے گی، اور اس پر لازم ہے کہ وہ تین حیض عدت گزارے اور ان میں سے ہر ایک کے قول کی توجیہ ہے۔

رہے ابراہیم النخعی تو ان کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ یہ دونوں عدتیں دو شخصوں کی ہیں، ان میں سے ہر ایک کا حق ہے، اور ایک کا حق دوسرے کے حق میں داخل نہیں ہوگا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر پہلا شخص یہ ارادہ کرے کہ وہ اس عورت سے رجوع کرلے تو اس کے لیے تیسرے حیض کی ابتداء میں رجوع کرنا جائز ہے اور اگر یہ عدت دوسرے کی ہوتی تو یہ رجوع نہ کر سکتا۔

اور رہے زہری تو ان کے قول کی توجیہ یہ ہے کہ عدت سے یہ مراد ہے کہ عورت کے رحم سے بری ہونے کا علم ہو جائے، اور یہ عدت کی سب سے بڑی وجہ ہے اور اس سے حقوق کی اور ازواج کی حفاظت ہوتی ہے اور اس کے لیے تین حیض کی عدت کافی ہے، عام ازیں کہ یہ عدت ایک مرد کی ہو یا متعدد مردوں کی ہو۔ امام شافعی، امام احمد اور امام مالک کا مشہور مذہب پہلا ہے جیسا کہ ابراہیم نخعی کا قول ہے، اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا مذہب وہ ہے جو زہری کا قول ہے، اور ایک روایت کے مطابق امام مالک کا مذہب بھی یہی ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۸۶، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

باب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: طلاق دی ہوئی عورتیں تین حیض انتظار کریں

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

ان مطلقات سے مراد وہ عورتیں ہیں جنہیں حیض آتا ہو اور ان کے شوہروں نے ان سے جماع کیا ہو، ان کے شوہر اگر انہیں

طلاق دیں تو تین حیض عدت پوری کرنے کے بعد وہ نکاح کر سکتی ہیں، اس عموم سے منکوحہ لونڈی جسے طلاق دی جائے مستثنیٰ ہے، وہ دو حیض عدت پوری کرے گی، کیونکہ لونڈی منکوحہ کی عدت آزاد عورت کی عدت سے نصف ہے، اور تین حیض کا نصف ڈیڑھ حیض ہے، چونکہ حیض متجزی نہیں ہے، اس لئے دوسرا حیض بھی مکمل شمار ہوگا، اس میں چاروں اماموں کا اتفاق ہے اور یہ کہنا ضعیف ہے کہ اس میں آزاد اور لونڈی برابر ہیں۔

ابراہیم نخعی نے اس شخص کے بارے میں جو عدت میں نکاح کرے اور اس کے پاس عورت کو تین حیض آئیں، کہا کہ وہ پہلے حیض سے بائنہ ہو جائے گی اور اس حیض کو بعد والے شوہر کے لیے شمار نہ کرے گی۔

اس صورت میں دو عدتوں کا اجتماع ہے۔ علماء کا اس میں اتفاق ہے کہ جس شخص نے عدت میں نکاح کر لیا اس کا نکاح فسخ کیا جائے گا اور ان میں تفریق کر دی جائے گی، پس اگر کسی نے عدت میں نکاح کیا اور اس کے پاس عورت کو تین حیض آئے تو وہ پہلے حیض سے بائن ہو جائے گی، کیونکہ اس شوہر سے اس عورت کی یہی عدت ہے اور یہ عورت پہلے شوہر کے بعد اس حیض کو شمار نہ کرے گی بلکہ دوسرے شوہر کے لئے دوسری عدت پوری کرے گی۔ مدینہ منورہ والے امام مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر اسے پہلے شوہر کے پاس ایک یا دو حیض آئے تو اس کی وہ باقی عدت بھی پوری کرے، پھر دوسرے شوہر کے لئے مستقل عدت پوری کرے، امام شافعی، امام احمد اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالک سے ابن قاسم کی روایت کے مطابق ایک عدت دونوں کے لئے شمار ہوگی، اوزاعی، سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے تلامذہ کا یہی مذہب ہے، کذا فی الہدایہ۔

زہری نے کہا: یہ عورت اس حیض کو پہلے شوہر کے بعد شمار کرے گی، زہری کا قول سفیان ثوری کو بہت پسند ہے۔ یعنی پہلا حیض دونوں عدتوں میں شمار ہوگا اور وہ اس میں متداخل ہوں گے اور دوسرے دو حیض دوسرے کے لئے ہوں گے، لہٰذا متداخل سمیت اور دو حیض پورے کر کے شوہر ثانی سے نکاح کر سکتی ہے۔

معمر نے کہا: جب عورت کا حیض قریب آ جائے تو کہا جاتا ہے: ''اقرأت المرء ۃ''۔

اور جب طہر قریب آ جائے تو اقراءت کہا جاتا ہے اور جب عورت کے پیٹ میں بچہ کی صورت پیدا نہ ہو سکے تو کہا جاتا ہے: ''ما قرأت بسلی قط''۔ اس سے امام کا مقصد یہ ہے کہ لفظ قُرء حیض اور طہر دونوں میں مستعمل ہے اور یہ اضداد میں سے ہے کہ ایک لفظ دو ضدوں میں استعمال ہو، علماء کی ایک جماعت نے کہا: قرء بمعنی حیض ہے امام ابوحنیفہ اور ان کے تلامذہ اور صحیح تر روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل بھی یہی کہتے ہیں، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان و علی اور دیگر صحابہ کرام سے بھی یہی منقول ہے۔

امام مالک، شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کہتے ہیں کہ قرء بمعنی طہر ہے۔ یہ ابن عباس اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ان حضرات کے نزدیک مطلقہ جب تیسرے حیض کے خون میں داخل ہوگی تو عورت اس حیض کو شمار کرے گی اگرچہ اس طہر میں جس میں طلاق واقع ہوئی تھی کے ایک دو دن باقی ہوں، اور پہلے حضرات کے نزدیک مطلقہ کسی شخص کے لئے حلال نہ ہوگی، حتیٰ کہ تیسرے حیض کے بعد غسل کرے۔ کتب فقہ میں اس مسئلہ کی تفصیل مذکور ہے۔ (تفہیم البخاری ج ۸ ص ۹۴-۳۹۳، ۳، جدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

۴۱۔ بَابٌ: قِصَّةِ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ — حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا قصہ

وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، تم ان کو (دورانِ عدت)

يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ○ (الطلاق:١)

ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے ○

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ؕ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّآ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَآ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ○ (الطلاق:٦،٧)

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو، اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کرلو، اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی ○ صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا ○

الطلاق:١ کی تفسیر از علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری المتوفی ١٩٩٨ھ، مذکورہ آیات کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

عدت کے ساتھ بہت سے فقہی مسائل وابستہ ہیں، ایام عدت میں عورت کا نفقہ اور سکنیٰ مرد کے ذمہ ہے، ایام عدت میں اگر زوجین میں سے کوئی ایک فوت ہو جائے تو دوسرا متوفی کا وارث ہوتا ہے، عدت گزارنے سے پہلے عورت کسی کے ساتھ نکاح نہیں کر سکتی۔ عدت گزر جانے کے بعد عورت آزاد ہے، جس سے چاہے نکاح کرے، پہلا خاوند یا اس کے رشتہ دار اس کو روک نہیں سکتے، اس کے علاوہ کئی دیگر مسائل کا عدت سے گہرا تعلق ہے، اگر اس کو معمولی سی بات سمجھ لیا گیا، اس کی ابتداء اور انتہاء کا پوری طرح خیال نہ کیا گیا تو طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا ہو جائیں گی، عدالت بھی اس وقت تک کوئی فیصلہ صادر نہ کر سکے گی، جب تک عدت کی ابتداء اور انتہاء کا صحیح طریقہ نہ ہو جائے۔ اس لیے حکم دیا کہ عدت کو پوری احتیاط کے ساتھ شمار کرو، یہ حکم صرف مردوں کے لیے ہی نہیں، عورتیں بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ دونوں کے متنوع قسم کے مفادات کا اس پر دارومدار ہے، کیونکہ ان مسائل کا تعلق مرد اور عورت کی پرائیویٹ زندگی سے ہے، ان کا صحیح علم انہی کو حاصل ہے، دوسرے لوگ ان حالات پر آگاہ نہیں ہو سکتے، اس لیے یہاں خاص طور پر فریقین کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔

مردوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ طلاق دینے کے فوراً بعد وہ اپنی بیوی کو اس کی رہائش گاہ سے باہر نہ نکال دیں، اس کو یوں بے سہارا اور بے آسرا کر کے گھر سے نکال دینا بڑی سنگ دلی ہے، جب تک وہ عدت گزار رہی ہے اس کا نفقہ اور اس کی رہائش کا انتظام مرد

کے ذمہ ہے، اسی طرح عورت کو بھی حکم دیا کہ وہ طلاق مل جانے کے بعد اپنے اس پہلے گھر سے فوراً نہ نکل جائے بلکہ ایام عدت وہاں ہی پورے کرے، اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری مرد پر عائد کر دی گئی ہے اور اس کی رہائش کا انتظام بھی مرد کے ذمہ ہی ہے۔ اس کی حکمت آیت کے آخری جملہ لا تدری لعل اللہ الآیہ میں بیان کی گئی ہے کہ طلاقِ رجعی کی صورت میں اگر وہ ایک جگہ رہیں گے تو عین ممکن ہے کہ خاوند کے دل میں اس کے بارے میں جو نفرت پیدا ہو گئی ہے وہ محبت سے بدل جائے، وقتی جوش میں آ کر اس نے جو اقدام کیا ہے اس پر وہ نظر ثانی کرے یا عورت اپنی کوتاہیوں پر نادم ہو کر اپنے خاوند کو راضی کر لے اور اس طرح ایک اجڑا ہوا گھر پھر آباد ہو جائے۔

آپ نے دیکھا اسلام آخری وقت میں بھی دلوں کو جوڑنے کی کس طرح کوشش کرتا ہے، بگڑے ہوئے حالات کو سنوارنے کا آخری موقع بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ (یہاں چند فقہی مسائل کا ذکر کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا):

(۱) وہ عورت جسے خاوند نے رجعی یا بائن طلاق دے دی ہو وہ اپنے گھر سے نہ دن کو نکل سکتی ہے نہ رات کو، البتہ بیوہ عورت کو ضروری کام کے لیے دن میں نکلنے کی اجازت ہے لیکن رات وہ اپنے گھر میں آ کر بسر کرے۔

(۲) اگر طلاق رجعی ہے تو پھر مرد اور عورت کے درمیان کسی حجاب کی ضرورت نہیں، بلکہ عورت کے لیے مستحسن ہے کہ وہ بناؤ سنگھار کرے تا کہ دلوں کی کدورت دور ہو۔

(۳) اگر طلاقِ بائن ہے تو پھر عورت کو مرد سے پردہ کرنا چاہیے، بہتر ہے کہ کوئی ایسی ثقہ عورت ان کے پاس رہے جس کی موجودگی میں یہ کوئی غیر شرعی حرکت نہ کر سکیں۔

(۴) اگر خاوند فاسق ہے یا مکان بہت تنگ ہے تو پھر مرد کو کہا جائے گا کہ وہ اس گھر سے نکل جائے۔

ہاں عورت اگر حرام کاری کا ارتکاب کرتی ہے یا چوری چکاری سے باز نہیں آتی، یا بڑی بدزبان ہے اور اپنے خاوند کے ماں باپ، بھائی بہن سے گالی گلوچ کرتی اور برا بھلا کہتی رہتی ہے یا اب بھی خاوند کے سامنے سرکشی اور نافرمانی کا مظاہرہ کرتی ہے تو ان تمام صورتوں میں خاوند اپنے گھر سے نکال سکتا ہے، یہ مختلف اقوال نقل کرنے کے بعد علامہ جصاص لکھتے ہیں:

ھٰذہ المعانی کلھا یحتملھا اللفظ وجائز ان یکون جمیعھا مرادا، آیت کے الفاظ ان تمام معانی کا احتمال رکھتے ہیں اور جائز ہے کہ آیت سے یہ تمام معانی مراد ہوں۔ (احکام القرآن للجصاص) تنبیہ فرما دی کہ یہ مسائل ایسے نہیں ہیں جن پر عمل کرنا یا نہ کرنا تمہاری مرضی پر موقوف ہو، بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں جو سراپا حکمت ہیں، تمہارے لیے اطمینان وسکون کا باعث ہیں جو شخص ان کی پابندی سے گریز کرے گا، وہ اپنے آپ پر ظلم توڑے گا، اس کی زندگی سکون اور اطمینان سے محروم ہو جائے گی، اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا بھی وہ حقدار بن جائے گا۔ (تفسیر ضیاء القرآن ج ۵ ص ۲۷۵-۲۷۶، ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

الطلاق: ۱، ۶، ۷، کی تفسیر از مصنف

دورانِ عدت عورتوں کو گھروں سے نکالنے یا ان کے از خود نکلنے کی ممانعت

علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

اس آیت میں شوہروں کو اس سے منع کیا ہے کہ وہ دورانِ عدت اپنی بیویوں کو گھروں سے نکالیں، اور عورتوں کو بھی از خود نکلنے

سے منع فرمایا ہے اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ دورانِ عدت عورتوں کو رہائش فراہم کرنا واجب ہے، کیونکہ جن گھروں سے عورتوں کے نکالنے کو منع فرمایا ہے یہ وہ گھر ہیں جن میں عورتیں طلاق سے پہلے رہتی تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ عورتوں کو انہی گھروں میں رکھا جائے، ہمارے اصحاب نے یہ کہا ہے کہ شوہر کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مطلقہ عورت کو اپنے ساتھ لے کر سفر پر جائے حتیٰ کہ وہ اس سے رجوع کرے اور رجوع پر گواہ قائم کرے، اور انہوں نے مطلقہ عورت کو عدت کے دوران سفر کرنے سے منع کیا ہے۔

اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ شوہر پر واجب ہے کہ وہ طلاق رجعی میں بیوی کو کھانے پینے کا خرچ اور رہائش مہیا کرے اور اس کو اپنے گھر سے نہ نکالے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۴۵۴)

کھلی بے حیائی کی متعدد تفاسیر

کھلی بے حیائی کی حسب ذیل تفسیریں ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: عدت پوری ہونے سے پہلے عورت کا گھر سے نکلنا کھلی بے حیائی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب عورت دورانِ عدت اپنے خاوند سے بدزبانی اور بدکلامی کرے تو خاوند کا اس کو گھر سے نکالنا جائز ہے۔

ضحاک نے کہا: اس آیت میں کھلی بے حیائی سے مراد یہ ہے کہ مطلقہ عورت خاوند کی نافرمانی کرے۔

حسن بصری اور زید بن اسلم نے کہا: کھلی بے حیائی سے مراد ہے وہ زنا کرے، پھر اجرائے حد کے لیے اس کو گھر سے باہر جانا پڑے گا۔

علامہ ابوبکر رازی نے کہا: کھلی بے حیائی کی تفسیر میں یہ تمام معانی درست ہیں۔

پھر فرمایا: اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۴۵۴، سہیل اکیڈمی، لاہور)

ایک طہر میں تین طلاق دینے کی تحریم

اس آیت میں یہ دلیل ہے جس نے خلاف سنت طلاق دی اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، کیونکہ اس سے پہلے فرمایا ہے: جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو، تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو، سو جس نے اس کے خلاف کیا یعنی حیض میں طلاق دی یا اس طہر میں طلاق دی جس میں وہ اس سے جماع کر چکا تھا تو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، نیز سنت طریقہ یہ ہے کہ ایک طہر میں ایک طلاق دی جائے، سو جس نے ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں اس نے بھی اپنی جان پر ظلم کیا۔

ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دینے کی اباحت پر امام شافعی کے دلائل

امام شافعی اور ابن حزم ظاہری کے نزدیک تین طلاقیں دینا مباح ہے، ان کی دلیل حسب ذیل احادیث ہیں:

سلمہ بن ابی سلمہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی ام سلمہ کو ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دیں اور ہم کو یہ خبر نہیں پہنچی کہ ان کے اصحاب میں سے کسی نے ان پر مذمت کی۔ (سنن دارقطنی رقم الحدیث: ۳۸۵۷)

سلمہ بن ابی سلمہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حفص بن مغیرہ نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

عہد میں کلمہ واحدہ کے ساتھ تین طلاقیں دیں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ان کے شوہر سے الگ کر دیا اور ہم کو یہ خبر نہیں پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ان کی مذمت کی۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۸۵۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۲۹)

کلمہ واحدہ کے ساتھ تین طلاق دینے کی تحریم کے متعلق احادیث اور ان کی وجہ ترجیح

کلمہ واحدہ کے ساتھ تین طلاقیں دینے کی تحریم پر امام دار قطنی اور امام بیہقی کو حدیث نہیں پہنچی، لیکن ہمارے پاس بہ کثرت احادیث موجود ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کلمہ کے ساتھ تین طلاقیں دینے پر ناراضی کا اظہار فرمایا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب اباحت کی احادیث اور تحریم کی احادیث میں تعارض ہو تو تحریم کی احادیث کو ترجیح دی جاتی ہے۔

حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دے دیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غضب میں آ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا: میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور اللہ کی کتاب کے ساتھ کھیل کیا جاتا ہے، حتیٰ کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا: یا رسول اللہ! میں اس کو قتل نہ کر دوں؟ (سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۳۹۸)

حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حالت حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی، پھر یہ ارادہ کیا کہ ان کو دو طہروں میں مزید دو طلاقیں دیں، جب یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا: اے ابن عمر! اللہ تعالیٰ نے اس طرح نہیں فرمایا، تم نے سنت طلاق (طریقہ طلاق) میں خطا کی، سنت یہ ہے کہ تم طہر کا استقبال کرو اور ہر طہر میں طلاق دو۔ حضرت ابن عمر کہتے ہیں: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تو میں نے اس طلاق سے رجوع کر لیا، پھر آپ نے فرمایا: جب وہ پاک ہو جائے تو پھر تم اس طہر میں خواہ اس کو طلاق دو، خواہ اپنے پاس رکھو، پس میں نے کہا: یا رسول اللہ! یہ بتائیں اگر میں اس کو تین طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لیے جائز ہوتا کہ میں اس سے رجوع کر لیتا؟ آپ نے فرمایا: نہیں! وہ تم سے الگ ہو جاتی اور تمہارا یہ فعل معصیت ہوتا۔ (سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۹۰۸، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۳۴)

فی نفسہ طلاق کے ناپسندیدہ ہونے کے متعلق احادیث

تین طلاقیں دینا سنت کیسے ہو سکتا ہے جب کہ فی نفسہ طلاق دینا ناپسندیدہ عمل ہے، اور بہ کثرت احادیث میں طلاق دینے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے، طلاق دینا صرف شدید ضرورت کی بناء پر مشروع کیا گیا ہے جب شوہر اور بیوی کے درمیان مزاج کی ہم آہنگی نہ ہو اور کسی طرح بھی ان میں موافقت نہ ہو سکے یا بیوی بدچلن اور آوارہ ہو اور سمجھانے سے باز نہ آئے اور جب کوئی ایسی ناگزیر وجہ نہ ہو تو طلاق دینا سخت ناپسندیدہ عمل ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال کاموں میں جو کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ موجب غضب ہے وہ طلاق دینا ہے۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۷۸)

حضرت محارب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کسی ایسی چیز کو حلال نہیں کیا جو اس کے نزدیک طلاق سے زیادہ موجب بغض ہو۔ (سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۱۷۷، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۱۸)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی عیب کے بغیر عورتوں کو طلاق مت دو، کیونکہ اللہ عزوجل چکھنے والے مردوں اور چکھنے والی عورتوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ (مسند البزار رقم الحدیث: ۱۴۹۷-۱۴۹۸)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے معاذ! اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہو اور اس نے روئے زمین پر کوئی ایسی چیز پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک طلاق دینے سے زیادہ مبغوض ہو اور جب کسی شخص نے اپنے غلام سے کہا: تو ان شاء اللہ آزاد ہے تو وہ اسی وقت آزاد ہو جائے گا اور ان شاء اللہ کہنے کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور جب کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا: ان شاء اللہ تجھے طلاق ہے تو اس پر طلاق نہیں پڑے گی اور وہ استثناء کر سکتا ہے۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۱۹۱۸، مصنف عبدالرزاق رقم الحدیث: ۱۱۳۳۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۳۶۱، المطالب العالیہ رقم الحدیث: ۱۶۴۳)

عکرمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے: طلاق کی چار قسمیں ہیں۔ دو حلال ہیں اور دو حرام ہیں، جو دو طلاقیں حلال ہیں وہ یہ ہیں: (۱) کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دے جس میں اس نے جماع نہ کیا ہو (۲) وہ اپنی حاملہ بیوی کو طلاق دے جب اس کا حمل ظاہر ہو چکا ہو، اور جو دو طلاقیں حرام ہیں، وہ یہ ہیں: (۱) کوئی شخص اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے (۲) کوئی شخص جماع کرتے وقت اپنی بیوی کو طلاق دے اور اس کو اس کا پتا نہ ہو کہ اس کا نطفہ رحم میں پہنچ گیا ہے یا نہیں۔

(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۹۴۴)

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نکاح کرو اور (بلا عذر) طلاق نہ دو، کیونکہ طلاق دینے سے عرش کانپنے لگتا ہے۔ (تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۱۹۱، الکامل لابن عدی ج ۵ ص ۱۱۲، علامہ سیوطی نے کہا: اس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے، اللآلی المصنوعۃ ج ۲ ص ۱۵۱، تنزیہ الشریعہ ج ۲ ص ۲۰۲، الاحادیث الضعیفہ رقم الحدیث: ۱۴۳۷، اس حدیث کی سند ضعیف ہے)۔

عدت طلاق کے دوران عورت کے گھر سے باہر نکلنے پر ایک حدیث سے جواز کا استدلال

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ (الطلاق: ۱) تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔

اس آیت کی تفسیر میں ہم نے لکھا ہے کہ فقہاءِ احناف کا مذہب یہ ہے کہ عدتِ طلاق کے دوران عورت کا گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے، اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ درج ذیل حدیث اس کے خلاف ہے:

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ کو طلاق دی گئی، انہوں نے اپنی کھجوریں درخت سے اتارنے کا ارادہ کیا تو ایک شخص نے ان کو گھر سے نکلنے سے منع کیا، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں، آپ نے فرمایا: کیوں نہیں! تم اپنے درخت سے کھجوریں اتارو کیونکہ ہو سکتا ہے تم ان کھجوروں کو صدقہ کرو یا کوئی اور نیک کام کرو۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۳)

اس حدیث کی بناء پر علامہ قرطبی مالکی کا مذہب احناف کو رد کرنا

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث میں امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل کے اس قول پر دلیل ہے کہ جو عورت عدت طلاق میں ہو، وہ اپنی ضروریات کے لیے دن میں گھر سے باہر جا سکتی ہے اور رات میں اس پر لازم ہے کہ وہ گھر آ جائے، امام مالک فرماتے ہیں: خواہ اس کو طلاق رجعی دی گئی ہو یا طلاق بائن دی گئی ہو، امام شافعی فرماتے ہیں کہ طلاق رجعی میں وہ رات اور دن کے کسی وقت

میں گھر سے باہر نہ نکلے اور جس کو طلاقِ بائنہ دی گئی ہو وہ دن میں گھر سے باہر جا سکتی ہے، امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جو عورت عدتِ وفات گزار رہی ہو وہ صرف دن میں گھر سے باہر جا سکتی ہے اور جو عورت عدتِ طلاق گزار رہی ہو وہ رات اور دن کے کسی وقت میں گھر سے باہر نہ نکلے اور یہ حدیث ان کے مذہب کا رد کرتی ہے۔(الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۴۴، دارالفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

مصنف کی طرف سے علامہ قرطبی کے اعتراض کا جواب

میں کہتا ہوں: ہمارا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَلَا یَخْرُجْنَ (الطلاق:۱) تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں۔

اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت کو دورانِ عدت بغیر کسی استثناء یا قید کے مطلقاً گھر سے باہر نکلنے سے منع فرمایا ہے اور قرآن مجید حضرت جابر کی خالہ کی حدیث پر مقدم ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ نے جو حضرت جابر کی خالہ کو دورانِ عدت گھر سے نکلنے کی اجازت دی تھی، ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ اس آیت کے نزول سے پہلے کا ہو، تیسرا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں نکلنے کی ممانعت کا حکم عام ہے اور حضرت جابر کی حدیث میں ان کی خالہ کے لیے نکلنے کا حکم خاص ہے اور عام خاص پر مقدم ہوتا ہے، چوتھا جواب یہ ہے کہ حضرت جابر کی حدیث میں دورانِ عدت ان کی خالہ کے لیے گھر سے باہر نکلنے کی اباحت ہے اور اس آیت میں مطلقہ کے لیے دوران عدت گھر سے باہر نکلنے کی تحریم ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب تحریم اور اباحت کے دلائل میں تعارض ہو تو تحریم کے دلائل کی اباحت کے دلائل پر ترجیح ہوتی ہے، پانچواں جواب یہ ہے کہ مطلقہ عورت کا دورانِ عدت گھر سے باہر نکلنا مطلقاً ممنوع ہے، لیکن آپ نے اپنے خصوصی اختیار سے حضرت جابر کی خالہ کو دورانِ عدت گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی، اس حدیث میں آپ نے مخصوص مطلقہ کو دورانِ عدت ضرورت کی وجہ سے گھر سے نکلنے کی اجازت دی ہے، بالعموم یہ نہیں فرمایا کہ ہر مطلقہ دورانِ عدت اپنی ضرورت کی وجہ سے دن میں باہر نکل سکتی ہے، اس لیے اس خاص جزئیہ سے حکم عام پر استدلال کرنا درست نہیں ہے اور اس کی بہت نظائر ہیں، دیکھیے میت پر نوحہ کرنا مطلقاً ممنوع ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کو مخصوص میت پر نوحہ کرنے کی اجازت دی، جب یہ آیت نازل ہوئی:

یُبَایِعْنَكَ عَلٰۤى اَنْ لَّا یُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَیْــٴًـا (الی قولہ تعالیٰ) وَلَا یَعْصِیْنَكَ فِیْ مَعْرُوْفٍ (الممتحنہ:۱۲) ہجرت کر کے آنے والی خواتین آپ سے اس پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو بالکل شریک نہیں کریں گی۔۔۔۔ اور کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہیں کریں گی۔

حضرت ام عطیہ نے کہا: ان احکام میں میت پر نوحہ کرنے سے ممانعت بھی تھی، پس میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! آلِ فلاں پر نوحہ کرنے کی اجازت دے دیں، کیونکہ انہوں نے زمانہ جاہلیت میں نوحہ میں میری موافقت کی تھی، سو میرے لیے بھی ان کی موافقت کرنا ضروری ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ماسوا آلِ فلاں کے۔(صحیح مسلم رقم الحدیث:۹۳۷، السنن الکبریٰ رقم الحدیث:۱۱۵۸۷)

حضرت ام عطیہ کو آلِ فلاں پر نوحہ کرنے کی اجازت دینے سے یہ لازم نہیں آیا کہ مطلقاً میت پر نوحہ کرنا جائز ہے۔

اسی طرح چھ ماہ کی بکری کی قربانی کرنا بالعموم جائز نہیں ہے لیکن آپ نے حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ کو چھ ماہ کی بکری کی قربانی

کرنے کی اجازت دے دی۔ آپ نے ان سے فرمایا: تم اس کی قربانی کرلو اور تمہارے علاوہ یہ کسی اور کے لیے جائز نہیں ہے۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۵۵۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۸۰۰، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۵۰۸، سنن نسائی رقم الحدیث: ۱۵۶۲)

آپ نے مکہ کے درختوں کو کاٹنے سے مطلقاً منع فرمایا لیکن قریش کے ایک شخص نے اذخر (گھاس) کاٹنے کی اجازت طلب کی تو آپ نے اذخر کاٹنے کی اجازت دے دی۔ (صحیح البخاری رقم الحدیث: ۱۱۲)

قرآن مجید میں اڑھائی سال کے بعد بچہ کو دودھ پلانے کی ممانعت ہے لیکن آپ نے حضرت سالم کو بلوغت کے بعد جوانی میں سہلہ بنت سہیل نامی ایک صحابیہ کا دودھ پینے کی اجازت دے دی اور حضرت سہلہ رضی اللہ عنہا کو ان کی رضاعی ماں بنا دیا۔
(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۵۳، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۳۲۰، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۱۹۴۳)

ریشم پہننا مردوں کو مطلقاً ممنوع ہے لیکن آپ نے حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن کو خارش کی وجہ سے ریشم پہننے کی اجازت دے دی۔
(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۸۳۹، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۰۷۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۴۰۵۶، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۳۵۹۲، سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۳۱۰)

ان احادیث سے واضح ہو گیا کہ جو کام مطلقاً ممنوع ہو، اگر آپ کسی شخص کو اس کام کرنے کی اجازت دے دیں تو اس اجازت کی وجہ سے وہ کام بالعموم جائز نہیں ہو جاتا اور وہ اجازت صرف اس کی حد تک رہتی ہے، سو آپ نے حضرت جابر کی خالہ کو عدت طلاق میں کھجوریں اتارنے کے لیے گھر سے باہر جانے کی جو اجازت دی تھی یہ اجازت صرف ان کی حد تک ہے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عدتِ طلاق میں دن کے وقت عورتوں کو گھر سے باہر نکلنا بالعموم جائز ہو جائے، لہٰذا اس حدیث کی بناء پر مذہب احناف کا مردود ہونا لازم نہیں آتا۔ مولانا مفتی محمد اسماعیل نورانی زید علمہٗ نے اس مسودہ کو دیکھ کر مجھ سے کہا: آپ شرح صحیح مسلم کے جواب کو بھی یہاں لکھ دیں، سو وہ جواب یہ ہے:

ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب

حضرت جابر کی روایت کا ایک جواب یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت جابر کی خالہ نے اپنے شوہر سے خلع کیا ہو اور خلع میں عدت کا نفقہ معاف کر دیا ہو، اس وجہ سے وہ تلاشِ معاش میں باہر گئی ہوں اور اس قسم کے مسائل میں احناف کے نزدیک بھی رخصت ہے۔ ''ہدایہ'' اور ''فتح القدیر'' میں اس کی تصریح ہے۔ دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہو اور اب منسوخ ہو چکا ہو، اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جابر جو اس حدیث کے راوی ہیں خود یہ فتویٰ دیتے تھے کہ مطلقہ کو گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔ امام طحاوی اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ ابوالزبیر نے حضرت جابر سے پوچھا: کیا مطلقہ اور بیوہ اپنے گھر سے باہر نکل سکتی ہیں؟ حضرت جابر نے کہا: نہیں۔ الحدیث۔ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ حضرت جابر اپنی خالہ کے دورانِ عدت گھر سے باہر نکلنے کا واقعہ بیان کرتے ہیں اور خود اس کے خلاف فتویٰ دیتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث ان کے نزدیک منسوخ ہے۔ (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۴۶، کراچی) نیز امام بیہقی اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے ایک شخص نے سوال کیا کہ اس نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دے دی ہیں اور وہ گھر سے جانا چاہتی ہے۔ آپ نے فرمایا: اس کو روکو! اس نے

کہا: میں نہیں روک سکتا، فرمایا: اس کو قید کر لو، کہا: اس کے بھائی بہت طاقتور ہیں، فرمایا: امیر سے مدد طلب کرو۔ (سنن کبریٰ ج ۷ ص ۴۳۱) اور امام ابن ابی شیبہ اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور عثمان حج اور عمرہ سے عورتوں کو روکتے تھے تاوقتیکہ وہ عدت پوری کر لیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۸۲، ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ)

علامہ قرطبی کا حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے امام ابوحنیفہ پر رد اور اس کے جوابات

علامہ قرطبی مالکی نے امام ابوحنیفہ پر دوسرا رد اس حدیث سے کیا ہے:

ابوسلمہ بیان کرتے ہیں کہ ابوحفص بن المغیرہ المخزومی نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو تین طلاقیں دے دیں، اور وہ خود یمن چلے گئے اور ان کے گھر والوں نے حضرت فاطمہ بن قیس سے کہا: تمہارا نفقہ ہمارے ذمہ نہیں ہے، پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ساتھ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ حضرت میمونہ کے گھر تھے، انہوں نے بتایا کہ ابوحفص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی ہیں، کیا اس کا نفقہ ہے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کا نفقہ نہیں ہے اور اس پر عدت ہے اور حضرت فاطمہ بنت قیس کو یہ پیغام بھیجا کہ تم خود کہیں نہ جانا اور ان کو یہ حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر چلی جائیں، پھر ان کو یہ پیغام بھیجا کہ ام شریک کے گھر تو مہاجرین اولین آتے ہیں، وہ ابن مکتوم جو نابینا ہیں ان کے گھر چلی جائیں، کیونکہ جب تم اپنا دوپٹا اتارو گی تو وہ تم کو نہیں دیکھیں گے، پس وہ ان کے گھر چلی گئیں اور جب ان کی عدت پوری ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے ان کا نکاح کر دیا۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۴۸۰، الرقم المسلسل: ۳۶۳۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۸۴، سنن نسائی رقم الحدیث: ۳۵۴۶، السنن الکبریٰ رقم الحدیث: ۵۳۵۳)

علامہ قرطبی مالکی نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس عدتِ طلاق میں تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو عدت کے ایام شوہر کے گھر کے بجائے حضرت ابن ام مکتوم کے گھر گزارنے کا حکم دیا، اس سے معلوم ہوا کہ عورت عدتِ طلاق میں شوہر کے گھر سے نکل سکتی ہے۔ (الجامع لاحکام القرآن جز ۱۷ ص ۱۴۵، دار الفکر، بیروت ۱۴۱۵ھ)

اس حدیث کے بھی وہی پانچ جوابات ہیں جو ہم اس سے پہلے حضرت جابر کی خالہ کی حدیث کے سلسلے میں بیان کر چکے ہیں اور مزید چھٹا جواب یہ ہے کہ جمہور صحابہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی اس روایت کو رد کر دیا ہے۔

امام مسلم نے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد بیان کیا کہ:

اسود بن یزید نے حضرت عمر کے سامنے یہ حدیث بیان کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اللہ کی کتاب کو اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے ترک نہیں کریں گے، شاید اس کو یاد رہا، یا بھول گئی، مطلقہ عورت کے لیے شوہر کی طرف سے رہائش بھی ہوگی اور اس کے ذمہ اس کا خرچ بھی ہوگا، اللہ عزوجل فرماتا ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (الطلاق: ۱)

تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

(صحیح مسلم الرقم المسلسل: ۳۶۴۴، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۹۱، سنن ابن ماجہ رقم الحدیث: ۲۰۳۶)

امام دارقطنی نے اس قصہ کو روایت کرنے کے بعد لکھا ہے: عروہ نے کہا کہ حضرت عائشہ، فاطمہ بنت قیس پر رد کرتی تھیں اور

دورانِ عدت مطلقہ کے گھر سے نکلنے کا انکار کرتی تھیں اور فرماتی تھیں کہ عدت پوری ہونے سے پہلے مطلقہ اپنے گھر سے نہ نکلے۔
(سنن دار قطنی رقم الحدیث: ۳۹۰۴، مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۶، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۲۸۹، سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۷۲)

تین طلاقوں کی ممانعت پر دلیل

نیز فرمایا: تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ کوئی نئی صورت پیدا کر دے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمام بنو آدم کے قلوب رحمن کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ایک قلب کی طرح ہیں، وہ جس طرح چاہتا ہے قلب کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔ الحدیث۔ (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۲۶۵۴، السنن الکبریٰ للنسائی رقم الحدیث: ۷۸۶۱، مسند احمد ج ۲ ص ۱۶۸)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ کثرت یہ دعا کرتے تھے: اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین اور اپنی اطاعت پر قائم رکھ، آپ سے عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! آپ بہت زیادہ یہ دعا کرتے ہیں، اے دلوں کو پلٹنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر اور اپنی اطاعت پر قائم رکھ، آپ نے فرمایا: مجھے کون مامون رکھ سکتا ہے، بندوں کے دل رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں، جب وہ کسی بندے کا دل پلٹنا چاہتا ہے تو پلٹ دیتا ہے۔
(مسند احمد ج ۶ ص ۲۵۱ طبع قدیم، مسند احمد ج ۴۳ ص ۲۳۰، رقم الحدیث: ۲۶۱۳۳، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۲۱ھ، مسند ابو یعلیٰ، رقم الحدیث: ۴۶۶۹، کتاب الدعا للطبرانی رقم الحدیث: ۱۲۵۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۰ ص ۲۱۰، ج ۱۱ ص ۳۷، المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۵۵۳، اس حدیث کی سند صحیح لغیرہ ہے، کیونکہ اس کی سند کا ایک راوی علی بن زید ابن جدعان ضعیف ہے، باقی رجال ثقہ ہیں)۔

جب احادیث سے یہ واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے دل پلٹتا اور بدلتا رہتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ شوہر آج اپنی بیوی سے ناراض ہے کل راضی ہو جائے، آج اس کو بیوی سے نفرت ہے اور کل وہ نفرت محبت سے بدل جائے اور وہ بیوی کو طلاق دینے پر نادم ہو اور اس طلاق سے رجوع کر لے، اس لیے فرمایا: تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ شوہر پر لازم ہے کہ وہ یک بار تین طلاقیں نہ دے بلکہ ہر طہر میں ایک طلاق دے شاید کہ ایک حیض یا ایک ماہ گزرنے کے بعد حالات بدل جائیں اور اس کا دل پلٹ جائے اور جس وجہ سے وہ بیوی کو طلاق دے رہا تھا وہ وجہ زائل ہو جائے، اور وہ پہلے طہر میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کر لے اور اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ تین طلاقیں دینا ممنوع اور مذموم ہے ورنہ اس آیت کا پھر کیا محمل ہوگا اور اس آیت میں امام شافعی اور ابن حزم ظاہری کا رد ہے جنہوں نے کہا ہے کہ تین طلاقیں دینا سنت ہے۔

ہمارے زمانہ میں لوگ وثیقہ نویس یا وکیل سے طلاق نامہ لکھواتے ہیں اور عموماً وہ اس طرح کی عبارت لکھتا ہے کہ میں بہ قائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ اپنی فلاں منکوحہ کو تین طلاقیں دے کر اپنے اوپر حرام کرتا ہوں اور اپنے نکاح سے خارج کرتا ہوں اور بعض لکھتے ہیں کہ میں اپنی منکوحہ کو طلاق ثلثہ مثلثہ مغلظہ دے کر اپنے اوپر حرام کرتا ہوں اور شوہر اس پر دستخط کر دیتا ہے اور اس طلاق کے بعد رجوع کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، بعد میں جب غصہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ شوہر کا دل بدل دیتا ہے، پھر شوہر نادم اور پریشان ہوتا ہے اس کو خیال آتا ہے اب بچوں کا کیا ہوگا، پھر مفتیوں کے پاس جاتا ہے، کبھی حلالہ کرانے کا سوچتا ہے کبھی اپنا مذہب بدل کر غیر مقلد مولویوں کے پاس جا کر یہ باطل فتویٰ حاصل کرتا ہے کہ تین طلاقیں ایک بارگی واقع نہیں ہوتیں، یہ

ایک طلاق ہے اور یہ ساری مصیبت اس وجہ سے آئی کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑا، اللہ تعالیٰ کے برحق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حد رکھی تھی کہ وہ ایک طہر میں جس میں جماع نہ کیا ہو صرف ایک طلاق دے لیکن اس نے غصہ میں بے قابو ہو کر اللہ کی حدود کو توڑا اور اب پچھتا تا پھر رہا ہے، ہونا یہ چاہیے کہ جب انسان اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کرے تو کسی عالم یا مفتی کے پاس جائے وہ اس کو بتائے گا کہ جس طہر میں تم نے مباشرت نہ کی ہو اس میں صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دو، اگر بعد میں ناراضگی ختم ہو جائے تو رجوع کر لینا اور اگر تین حیض گزر گئے اور تم نے رجوع نہیں کیا تو تمہاری بیوی بائنہ ہو کر تم سے الگ ہو جائے گی، پھر بھی یہ گنجائش ہوگی کہ عدت کے بعد باہمی رضا مندی سے تم پھر اس سے دوسری بار نکاح کر لو۔ میں ۳۸ سال سے فتاویٰ لکھ رہا ہوں، میرے پاس جب بھی کوئی آیا، وثیقہ نویس یا وکیل سے تین پکی طلاقیں لکھوا کر اس پر دستخط کر کے اپنا گھر اجاڑ کر آیا اور اب مجھ سے یہ چاہتا ہے کہ میں اس کے اجڑے ہوئے گھر کو پھر بسا دوں، طلاق دینے سے پہلے طلاق دینے کا طریقہ معلوم کرنے کوئی نہیں آتا، وائے افسوس!

اللہ کے بندو! اللہ کی حدود کو نہ توڑو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۚ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝ (الطلاق:۱)

اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے ۝

فاطمہ بنتِ قیس کی وہ روایت جس سے ائمہ ثلاثہ نے مطلقہ کے خرچ کے عدم وجوب پر استدلال کیا ہے

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے خاوند نے مجھ کو تین طلاقیں دے دیں، میں نے گھر سے نکلنے کا ارادہ کیا، میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اپنے عم زاد عمرو بن ام مکتوم کے پاس جاؤ اور ان کے پاس عدت گزارو۔
(صحیح مسلم، کتاب الطلاق باب ۶ رقم الحدیث: ۴۵)

شعبی نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث بیان کر کے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے رہائش اور خرچ مقرر نہیں کیا تھا، پھر اسود نے ایک مٹھی میں کنکریاں لے کر ان کو ماریں اور کہا: تم پر افسوس ہے، تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا: ہم اللہ کی کتاب کو اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بناء پر ترک نہیں کریں گے، اس کو اصل حدیث یاد ہے یا شاید وہ بھول گئی ہو، اس کے لیے رہائش بھی ہوگی اور خرچ بھی ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ (الطلاق:۱)

تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

طلاقِ ثلاثہ کے بعد نفقہ اور سکنیٰ کے استحقاق میں مذاہب

امام ابوحنیفہ کے نزدیک مطلقہ ثلاثہ کے لیے شوہر پر ہر حال میں نفقہ اور سکنیٰ (کھانے اور رہائش کا خرچ) لازم ہے، خواہ مطلقہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ مطلقہ ثلاثہ اگر حاملہ ہو تو اس کے لیے نفقہ اور سکنیٰ لازم ہے ورنہ کچھ نہیں، امام شافعی اور امام مالک کہتے ہیں کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنیٰ ہر حال میں لازم ہے اور نفقہ صرف اس صورت میں جب وہ حاملہ ہو۔

علامہ بدر الدین عینی حنفی متوفی ۸۵۵ ھ لکھتے ہیں کہ حسن بصری، عمرو بن دینار، طاؤس، عطاء بن ابی رباح، عکرمہ، شعبی، امام احمد بن حنبل، اسحاق اور غیر مقلدین کے نزدیک جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں اگر وہ حاملہ ہے تو اس کے لیے نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے ورنہ اس کے لیے نفقہ واجب ہے نہ سکنیٰ، اور حماد، شریح، نخعی، ثوری، ابن ابی لیلیٰ، ابن شبرمہ، حسن بن صالح، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، اور امام محمد کے نزدیک مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، حضرت عمر اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا بھی یہی مسلک ہے اور عبدالرحمٰن بن مہدی، ابوعبیدہ، امام مالک اور امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنیٰ تو ہر حال میں لازم ہے اور نفقہ اس وقت لازم ہوگا جب وہ حاملہ ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۷-۳۰۸، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ، مصر، ۱۳۴۸ھ)

مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ کے بارے میں ائمہ ثلاثہ کے دلائل

علامہ نووی شافعی متوفی ۶۷۶ ھ لکھتے ہیں کہ جنہوں نے مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ دونوں کو واجب کیا ہے، وہ قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں: ''اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ'' (الطلاق:۶)، ''مطلقہ عورتوں کو اپنے مقدور کے موافق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو''۔ اس آیت میں سکنیٰ کا امر ہے اور نفقہ اس لیے واجب ہے کہ وہ اس کے پاس مقید ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے، پتا نہیں وہ مسئلہ سے ناواقف ہے یا بھول گئی۔ (مالکی اور شافعی) علماء نے کہا کہ کتاب اللہ میں فقط سکنیٰ کا ذکر ہے، امام دارقطنی نے کہا کہ حضرت عمر کے قول میں ''ہمارے نبی کی سنت'' کے الفاظ ایسی زیادتی ہے جو غیر محفوظ ہے۔ ثقہ راویوں نے اس کا ذکر نہیں کیا اور فقہاء حنبلیہ کا استدلال، حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ نہیں ہے اور فقہاء مالکیہ اور شافعیہ کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے: ''اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ'' (الطلاق:۶) اس آیت میں صرف سکنیٰ کو واجب کیا ہے نفقہ کو واجب نہیں کیا اور حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے بھی نفقہ کا عدم وجوب ثابت ہوتا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ'' (الطلاق:۶) اگر مطلقہ عورتیں حاملہ ہوں تو ان کو نفقہ دو تا وقتیکہ حمل وضع ہو جائے، اس آیت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو مطلقہ غیر حاملہ ہو اس کا نفقہ واجب نہیں ہے۔

(شرح مسلم ج ۱ ص ۴۸۳، اصح المطابع کراچی ۱۳۷۵ھ)

مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ کے وجوب پر فقہاء احناف کے قرآن مجید سے دلائل

ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو اس کے لیے نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے، اسی طرح اس پر بھی اتفاق ہے کہ مطلقہ ثلاثہ حاملہ کے لیے بھی نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے، اختلاف اس مطلقہ ثلاثہ میں ہے جو غیر حاملہ ہو، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک اس کے لیے سکنیٰ واجب ہے نفقہ واجب نہیں ہے، امام احمد بن حنبل اور غیر مقلدین کے نزدیک اس کے لیے نفقہ واجب ہے نہ سکنیٰ، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کے لیے نفقہ اور سکنیٰ دونوں واجب ہے، فقہاء احناف قرآن مجید کی حسب ذیل آیات سے استدلال کرتے ہیں:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ○ اور مطلقہ عورتوں کے لیے (اختتام عدت تک) دستور کے مطابق

(البقرہ:۲۴۱) نان ونفقہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے O

امام فخر الدین رازی شافعی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(والقول الثانی) ان المراد بهذه المتعة النفقة والنفقة قد تسمی متاعا واذا حملنا هذه المتاع علی النفقة اندفع التکرار۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس آیت میں متعہ سے مراد نفقہ ہے اور نفقہ کو متاع بھی کہا جاتا ہے اور جب ہم متاع کو نفقہ پر محمول کریں گے تو تکرار نہیں رہے گا۔

ایک آیت میں ہے:

وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (البقرہ:۲۳۶)

اور مطلقہ عورتوں کو کچھ برتنے کے لیے دو (یعنی کم از کم کپڑوں کا ایک جوڑا) خوشحال اپنی حیثیت کے مطابق دے اور تنگ دست اپنی حیثیت کے مطابق دے، یہ نیکی کرنے والوں پر واجب ہے O

سورۂ بقرہ کی آیت:۲۳۶ میں مطلقہ عورتوں کے لیے اپنی حیثیت کے مطابق متاع دینے کو اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے اور یہاں متاع سے مراد بالاتفاق ایسی چیز ہے جس سے وقتی طور پر نفع اٹھایا جاسکے جیسے کپڑوں کا جوڑا، خادم یا کچھ نقد رقم وغیرہ، پس اگر بقرہ کی آیت:۲۴۱ میں بھی متاع سے مراد یہی ہو (جیسا کہ ائمہ ثلاثہ نے سمجھا ہے) تو تکرار لازم آئے گا، اس تکرار سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ دوسری آیت میں متاع کو نفقہ پر محمول کیا جائے جب کہ از روئے لغت متاع کا اطلاق نفقہ پر بھی ہوتا ہے اور قرآن مجید میں بھی متاع کا اطلاق نفقہ پر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ (البقرہ:۲۴۰)

اور تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، وہ اپنی بیویوں کو ایک سال تک نان اور نفقہ ادا کرنے کی وصیت کریں اور اس مدت میں ان عورتوں کو گھر سے نہ نکالا جائے۔

اس آیت میں متاع سے بالاتفاق اور بالاجماع نفقہ مراد ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مطلقہ عورتوں کے لیے البقرہ:۲۳۶، میں متاع دینے کا حکم کیا ہے اور اس سے بالاتفاق وقتی نفع کی چیز مثلاً جوڑا وغیرہ مراد ہے، اس کے بعد البقرہ:۲۴۱ میں پھر مطلقہ عورتوں کے لیے متاع دینے کا حکم دیا گیا ہے، اب اگر اس سے پھر وہی وقتی نفع کی چیز مراد لی جائے تو تکرار ہوگا، اس لیے امام رازی فرماتے ہیں کہ تکرار سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ اس میں متاع سے مراد نفقہ لیا جائے جبکہ لغت اور قرآن مجید سے متاع پر نفقہ کا اطلاق ثابت ہے، امام رازی کی تفسیر کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ان دونوں آیتوں میں متاع کا لفظ نکرہ ہے اور اصول عرب یہ ہے کہ نکرہ جب مکرر ہو تو ثانی پہلے کا غیر ہوتا ہے اور جب پہلے متاع سے مراد وقتی نفع کی چیز ہے تو ضروری ہوا کہ دوسرے متاع سے مراد نان ونفقہ ہو اور اس آیت میں مطلقات کا لفظ عام ہے اور تمام مطلقات کو شامل ہے، وہ حاملہ ہوں یا غیر حاملہ، اور امام رازی کی تفسیر اور اصول عرب سے ثابت ہوا کہ ہر مطلقہ عورت کے لیے دورانِ عدت نفقہ واجب ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ اور یہی احناف کا مذہب ہے۔

فقہاء احناف کی دوسری دلیل یہ آیت کریمہ ہے:

أَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۚ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ (الطلاق:٦)

ان مطلقہ عورتوں کو اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو اور ان پر تنگی کرنے کے لیے ان کو ضرر نہ پہنچاؤ اور اگر یہ مطلقہ عورتیں حاملہ ہوں تو وضع حمل ہونے تک ان پر خرچ کرو۔

علامہ ابوبکر الجصاص اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں: مطلقہ ثلاثہ کے نفقہ کے وجوب پر اس آیت میں تین دلیلیں ہیں: (۱) سکنیٰ مالیات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مطلقہ کے لیے مال میں حق واجب کیا ہے، خواہ مطلقہ رجعیہ ہو یا مطلقہ ثلاثہ ہو اور سکنیٰ بھی نفقہ کا ایک حصہ ہے (۲) اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت کو ضرر پہنچانے سے منع کیا (وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ) اور مطلقہ عورت کو نان ونفقہ نہ دینا بھی ضرر ہے (۳) اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورت پر تنگی کرنے سے منع کیا ہے (لتضیقوا علیھن) یعنی نہ سکنیٰ میں تنگی کرو نہ نان ونفقہ میں تنگی کرو، یہ نہی دونوں کو شامل ہے، اس کے بعد علامہ ابوبکر جصاص فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ'' اگر وہ مطلقہ عورتیں حاملہ ہیں تو ان پر خرچ کرو، اس میں مطلقہ سے مراد ہے عام، خواہ مطلقہ رجعیہ ہو یا مطلقہ ثلاثہ، کیونکہ اس پر اتفاق ہے کہ اگر مطلقہ ثلاثہ حاملہ ہو تو اس کا نفقہ بھی واجب ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ نفقہ کا وجوب حاملہ ہونے کی وجہ سے ہے یا اس وجہ سے ہے کہ وہ دورانِ عدت اس کے گھر رہے گی اور جب کہ اس پر اتفاق ہے کہ رجعیہ کا نفقہ بھی اس آیت سے ثابت ہے اور وہ حمل کی وجہ سے نہیں بلکہ دورانِ عدت اس کے گھر رہے گی اور جب کہ اس پر اتفاق ہے کہ رجعیہ کا نفقہ بھی اس آیت سے ثابت ہے اور وہ حمل کی وجہ سے نہیں بلکہ دورانِ عدت اس کے گھر رہنے کی وجہ سے ہے کیونکہ رجعیہ اگر غیر حاملہ ہو پھر بھی اس کا نفقہ واجب ہے تو پھر مطلقہ ثلاثہ کا نفقہ بھی اس وجہ سے واجب ہوگا کہ وہ دوران عدت خاوند کے گھر رہے گی۔

(احکام القرآن ج ۳ ص ۴۶۰، ۴۵۹، سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۴۰۰ھ)

اور یہ بھی واضح رہے کہ جب مطلقہ ثلاثہ کے لیے امام شافعی اور امام مالک اس آیت سے سکنیٰ کا وجوب مانتے ہیں تو نفقہ کا وجوب بطریق اولیٰ ثابت ہوگا کیونکہ نان ونفقہ سکنیٰ سے زیادہ اہم ہے۔

مطلقہ ثلاثہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ کے وجوب پر احادیث سے دلائل

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

عن حرب بن ابی العالیۃ عن ابی الزبیر عن جابر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم المطلقۃ ثلاثا لھا السکنٰی والنفقہ۔

(سنن دارقطنی ج ۴ ص ۲۰)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنیٰ بھی ہے اور نفقہ بھی۔

علامہ زیلعی لکھتے ہیں: عبد الحق نے احکام میں لکھا ہے کہ ابو الزبیر عن جابر کی روایت اس وقت صحیح ہوتی ہے جب اس میں سماع کی تصریح ہو یا عن اللیث عن ابی الزبیر ہو (یعنی لیث کے علاوہ کوئی اور راوی عن ابی الزبیر عن جابر روایت کرے تو صحیح نہیں ہے) اور حرب بن ابی العالیہ سے بھی استدلال نہیں ہوتا، کیونکہ یحییٰ بن معین نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اس لیے اقرب یہ ہے کہ یہ حدیث حضرت جابر پر موقوف ہے۔ (نصب الرایہ ج ۳ ص ۲۷۴، مجلس علمی، ہند)

عبد الحق کے پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ امام مسلم نے صحیح مسلم میں متعدد احادیث عن ابی الزبیر عن جابر کی سند سے بیان کی

ہیں اور اس سند میں لیث نہیں ہے، مثلاً کتاب الحج کے "باب جواز دخول مكة بغير احرام" میں ہے "نامعاویه بن عمار الدهنی عن ابی الزبیرعن جابر" نیز اسی باب میں ہے: "فی روایة قتیبة قال نا ابو الزبیرعن جابر"۔ ان اسانید میں نہ لیث ہے نہ حضرت جابر سے ابوالزبیر کے سماع کی تصریح ہے، پس واضح ہو گیا کہ عبدالحق کا بیان کردہ قاعدہ امام مسلم کے نزدیک مسلم نہیں ہے، ورنہ امام مسلم ان اسانید کے ساتھ روایات کو اپنی صحیح میں مندرج نہ کرتے اور جب یہ سند حدیث کی صحت کے منافی نہیں تو دارقطنی کی مذکورہ روایت کی صحت کے لیے بھی موجب طعن نہیں ہے۔

اور دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ ہر چند کہ حرب بن ابی العالیہ کو یحییٰ بن معین نے ضعیف قرار دیا ہے تاہم ان کی ثقاہت کی بھی تصریح ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ حرب بن ابی العالیہ کا امام حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے اور امام مسلم اور امام نسائی ان کی روایات سے استدلال کرتے ہیں، پس ثابت ہو گیا کہ حرب بن ابی العالیہ رجال صحیح میں سے ہیں۔

فقہاء احناف کی دوسری دلیل صحیح مسلم کی حسب ذیل روایت ہے:

قال عمر لا نترك كتاب الله وسنة رسوله لقول امرأة لاندری لعلها حفظت اونسيت لها السكنى والنفقة قال الله عزوجل لا تخرجوهن من بيوتهن الا ان ياتين بفاحشة مبينة۔

حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت سن کر حضرت عمر نے فرمایا: ہم اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے، پتا نہیں اس نے حدیث کو یاد رکھا یا بھول گئی، مطلقہ ثلاثہ کے لیے سکنیٰ بھی ہے اور نفقہ بھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مطلقہ عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو الا یہ کہ وہ کھلی بدکاری کریں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے واضح ہو گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یہ تھی کہ مطلقہ ثلاثہ کا سکنیٰ اور نفقہ واجب ہے، باقی اس پر علامہ نووی نے جو یہ اعتراض کیا ہے کہ دارقطنی کے نزدیک "نہ سنت رسول کو ترک کریں گے" یہ زیادتی غیر محفوظ ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ زیادتی امام مسلم کے نزدیک ثابت ہے اور امام مسلم کی تصحیح اور ان کی روایت دارقطنی کی جرح سے زیادہ قوی ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ اس زیادتی کے متعدد متابع ہیں، نیز امام مسلم نے متعدد اسانید سے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت پر حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کا انکار بھی روایت کیا ہے، ان کے شوہر حضرت اسامہ بھی اس روایت کا انکار کرتے تھے۔

نفقہ کے عدم وجوب پر ائمہ ثلاثہ کی دلیل کا جواب

امام احمد بن حنبل نے مطلقہ ثلاثہ سے نفقہ اور سکنیٰ کے وجوب کی نفی پر حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت سے استدلال کیا ہے اور امام مالک اور امام شافعی نے مطلقہ ثلاثہ سے نفقہ کے وجوب کی نفی پر اسی روایت سے استدلال کیا ہے، جیسا کہ ہم علامہ نووی کے حوالے سے نقل کر چکے ہیں۔ علامہ سرخسی حنفی اس استدلال کے جواب میں لکھتے ہیں:

حضرت فاطمہ بنت قیس کے شوہر حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جب بھی حضرت فاطمہ سے اس روایت کو سنتے تو پوری قوت سے اس روایت کا رد کرتے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں: یہ عورت اس روایت سے دنیا میں ایک فتنہ پیدا کر رہی ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: ہم اللہ کی کتاب اور اپنے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے، پتا نہیں وہ سچی ہے یا

جھوٹی؟ اس کو مسئلہ یاد ہے یا بھول گئی، میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: مطلقہ ثلاثہ کے لیے دوران عدت نفقہ اور سکنیٰ ہے۔

علامہ سرخسی فرماتے ہیں: اگر بالفرض یہ حدیث ثابت ہو تو اس کی دو تاویلیں ہیں، پہلی تاویل یہ ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کے شوہر غائب تھے، مدینہ سے یمن کی طرف گئے ہوئے تھے، انہوں نے اپنے بھائی کو جو کا آٹا بہ طور نفقہ دینے کا وکیل بنایا، انہوں نے اسے لینے سے انکار کر دیا اور ان کا خاوند وہاں موجود نہیں تھا، جو اس کے بدلہ میں کوئی اور چیز ادا کرتا، دوسری تاویل یہ ہے کہ روایات کے مطابق حضرت فاطمہ بنت قیس بہت زبان دراز تھیں اور اپنے دیوروں (خاوند کے بھائیوں) کو بہت تنگ کرتی تھیں، اس وجہ سے ان لوگوں نے ان کو گھر سے نکال دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا، جس وجہ سے انہوں نے یہ گمان کیا کہ ان کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفقہ اور سکنیٰ مقرر نہیں فرمایا۔

(المبسوط ج ۵ ص ۲۰۱-۲۰۲، دار المعرفہ بیروت)

اس کے بعد فرمایا: اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کر لو اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی O

دودھ پلانے کی اجرت لینے کا جواز

علامہ ابوبکر احمد بن علی الجصاص حنفی متوفی ۳۷۰ھ لکھتے ہیں:

یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اگر بچہ کی ماں اس بچہ کو دودھ پلانے پر راضی ہو (خواہ وہ مطلقہ ہو یا نہ ہو) تو باپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ بچہ کو دودھ پلانے کے لیے کوئی اور دایہ مقرر کرے، اور بچہ کے باپ پر یہ لازم ہے کہ وہ بچہ کی ماں کو دودھ پلانے کی اجرت ادا کرے، بہ شرطیکہ بچہ کی ماں رواج اور دستور کے مطابق دودھ پلانے کی اجرت طلب کرے۔ (واضح رہے کہ دنیا کے تمام مذاہب میں سے صرف مذہب اسلام نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ دودھ پلانے کی اجرت کا اس کے باپ سے مطالبہ کر سکتی ہے) اور اگر بچہ کی ماں دودھ پلانے کی اجرت رواج اور دستور سے زیادہ کا مطالبہ کرے تو پھر فریقین باہمی مشاورت سے کسی اور دایہ کو دودھ پلانے کے لیے مقرر کر سکتے ہیں۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۶۳۴-۶۳۳، سہیل اکیڈمی، لاہور)

شوہر پر اس کی بیوی اور بچوں کے خرچ دینے کا وجوب

الطلاق: ۷ میں فرمایا: صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا O

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ مطلقہ کا خرچ شوہر کی حیثیت کے مطابق اس پر واجب ہے، جو خوش حال ہو اور اپنی وسعت کے مطابق خرچ دے اور جو تنگ دست ہو وہ اپنی گنجائش کے مطابق خرچ دے۔

اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا اور اگر کوئی شخص تنگ دست ہے تو وہ یہ امید رکھے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو خوش حال کر دے گا۔

شوہر پر بیوی کا خرچ واجب ہے، اس سلسلہ میں یہ آیت بھی ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۔ (البقرہ: ۲۳۳) جن کے بچے ہیں ان کے ذمہ ان کی ماؤں کا روٹی اور کپڑا ہے جو دستور اور رواج کے مطابق ہو۔

شوہر پر واجب ہے کہ وہ رواج اور دستور کے مطابق بیوی اور بچوں کا خرچ دے اور اگر شوہر پورا خرچ نہ دے تو بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ شوہر کے پیسوں میں سے اپنی ضرورت کے مطابق رقم نکال لے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کنجوس آدمی ہیں، وہ مجھے اتنا خرچ نہیں دیتے جو مجھے اور میری اولاد کو کافی ہو، سوا اس کے کہ میں ان کی لاعلمی میں ان کے پیسے نکال لوں، آپ نے فرمایا: تم دستور کے مطابق اتنے پیسے لو جو تمہارے اور تمہاری اولاد کے لیے کافی ہوں۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۶۴۔۲۲۱۱، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۳۵۳۲، سنن نسائی رقم الحدیث: ۵۴۳۴، مسند احمد ج ٦ ص ۴۰۔۳۹)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنونضیر کے اموال اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہ طور فے عطا فرمائے تھے، ان کے حصول کے لیے مسلمانوں نے اپنے گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے تھے، سو وہ اموال خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اموال میں سے اپنی ازواج مطہرات کو ایک سال کا خرچ دیا کرتے تھے اور اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے ہتھیاروں اور سواریوں پر خرچ کرتے تھے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۲۹۰۴، صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۷۵۷، سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۲۹۶۵، سنن ترمذی رقم الحدیث: ۱۷۱۹)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: افضل صدقہ وہ ہے جس کے بعد خوش حالی رہے، تمہاری بیوی کہے گی: مجھے کھانا کھلاؤ ورنہ مجھے طلاق دو، اور تمہارا خادم کہے گا: مجھے کھانا کھلاؤ ورنہ مجھے بیچ دو، اور تمہاری اولاد کہے گی: تم مجھے کس پر چھوڑ رہے ہو۔ (مسند احمد رقم الحدیث: ۷۴۳۳، دار الفکر بیروت، صحیح البخاری رقم الحدیث: ۵۳۵۵)

اور امام نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صدقہ کرو، ایک شخص نے کہا: یا رسول اللہ! میرے پاس ایک دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنے نفس پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنی بیوی پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنی اولاد پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو، اس نے کہا: میرے پاس ایک اور دینار ہے، آپ نے فرمایا: تم اس کے مصرف کو خود بہتر جانتے ہو۔

(سنن النسائی رقم الحدیث: ۲۵۳۴، صحیح ابن حبان رقم الحدیث: ۴۲۳۵، اس حدیث کی سند حسن ہے)

امام ابن حبان نے اس حدیث کو اسی طرح روایت کیا ہے اور امام ابوداؤد اور حاکم نے اولاد کو بیوی پر مقدم کیا ہے۔

(سنن ابوداؤد رقم الحدیث: ۱۶۹۱، المستدرک ج ۱ ص ۴۱۵ قدیم، المستدرک رقم الحدیث: ۱۵۱۴ جدید، تلخیص الحبیر رقم الحدیث: ۱۶۶۶)

علامہ خطابی نے کہا ہے کہ جب تم اس ترتیب پر غور کرو گے تو جان لو گے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الاولیٰ فالاولیٰ اور الاقرب فالاقرب کو مقدم کیا ہے، اور آپ نے یہ حکم دیا ہے کہ انسان پہلے اپنے اوپر خرچ کرے، پھر اپنی اولاد پر کیونکہ اولاد اسی کے جز کی طرح ہے

اور جب وہ اس پر خرچ نہ کرے اور کوئی اور بھی ان پر خرچ کرنے میں اس کے قائم مقام نہ ہو تو وہ ہلاک ہو جائیں گے، پھر تیسرے درجہ میں بیوی کا ذکر فرمایا اور اس کو اولاد سے کم درجہ میں رکھا، کیونکہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو خرچ نہیں دے گا تو ان میں تفریق کر دی جائے گی اور اس کو اس کے شوہر کی طرف سے یا اس کے محرم کی طرف سے اس کا خرچ دیا جائے گا، چوتھے درجہ میں اس کے خادم کا ذکر کیا، کیونکہ اگر وہ اس کو خرچ نہیں دے گا تو اس کو فروخت کر دیا جائے گا، (یہ غلام ہونے کی صورت میں ہے اور اگر وہ آزاد ہو تو کہیں اور نوکری کر لے گا) علامہ خطابی کا کلام ختم ہوا۔

ہمارے شیخ زین الدین نے کہا: ہمارے اصحاب کا یہی مختار ہے کہ نابالغ اولاد کا خرچ بیوی کے خرچ پر مقدم ہے، علامہ نووی شافعی نے بیوی کے خرچ کو اولاد کے خرچ پر مقدم کیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اولاد اس کا جز اور اس کا حصہ ہے اور بیوی اجنبیہ ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۴۲۵۔ ۴۲۴، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بچوں اور بیوی کے بعد ماں باپ اور اجداد کا خرچ بھی واجب ہے، بہ شرطیکہ وہ محتاج ہوں۔ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا (لقمان: ۱۵) اور دنیا میں ان کے ساتھ نیکی سے رہنا۔ (ہدایہ اولین ص ۴۴۵)، (تبیان القرآن ج ۱۲ ص ۸۷-۹۰، فرید بک اسٹال لاہور)

۵۳۲۱، ۵۳۲۲۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ حَدَّثَنَا مَالِكٌ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ وَسُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ أَنَّهُ سَمِعَهُمَا يَذْكُرَانِ أَنَّ يَحْيَى بْنَ سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ طَلَّقَ بِنْتَ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَكَمِ فَانْتَقَلَهَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَأَرْسَلَتْ عَائِشَةُ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ إِلَى مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ وَهُوَ أَمِيرُ الْمَدِينَةِ اتَّقِ اللّٰهَ وَارْدُدْهَا إِلَى بَيْتِهَا قَالَ مَرْوَانُ فِي حَدِيثِ سُلَيْمَانَ إِنَّ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنَ الْحَكَمِ غَلَبَنِي وَقَالَ الْقَاسِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ أَوَمَا بَلَغَكِ شَأْنُ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَيْسٍ قَالَتْ لَا يَضُرُّكَ أَنْ لَا تَذْكُرَ حَدِيثَ فَاطِمَةَ فَقَالَ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ إِنْ كَانَ بِكِ شَرٌّ فَحَسْبُكِ مَا بَيْنَ هَذَيْنِ مِنَ الشَّرِّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں اسماعیل نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے حدیث بیان کی از یحییٰ بن سعید از القاسم بن محمد و سلیمان بن یسار، انہوں نے ان دونوں سے سنا، وہ دونوں ذکر کرتے تھے کہ یحییٰ بن سعید بن العاص نے حضرت عبد الرحمٰن بن الحکم کی بیٹی (عمرہ) کو طلاق دے دی، تو اس کے والد عبد الرحمٰن اپنی بیٹی کو وہاں سے اٹھا کر لے آئے، یہ خبر سن کر حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے مروان (لڑکی کے چچا) جو ان دنوں (حضرت معاویہ کی طرف سے) مدینہ کے گورنر تھے کو بلا بھیجا اور ان سے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اس لڑکی کو اس کے گھر کی طرف بھیج دو جہاں اسے طلاق دی گئی ہے، سلیمان کی حدیث میں ہے کہ مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ جواب دیا کہ عبد الرحمٰن بن الحکم (لڑکی کے والد) نے مجھ کو مجبور کر دیا (میرا کہنا نہیں مانا) اور نقصان ہے، پس مروان نے کہا: اگر فاطمہ کے گھر سے نکلنے کا سبب یہ تھا کہ اس میں اور اس کے خاوند کے عزیزوں میں آئے دن جھگڑا رہتا تھا تو یہاں یہی میاں بیوی میں جو جھگڑا ہے وہ مکان سے نکلنے کے لیے کافی ہے، یعنی آپ کے لیے وہ خرابی کافی ہے جو ان دونوں خرابیوں کے درمیان ہے۔

قاسم بن محمد یہ کہتے ہیں کہ مروان نے کہا: کیا آپ کو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث نہیں پہنچی؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اگر تم فاطمہ کا قصہ نہ بیان کرو تو کیا ہو۔

(صحیح البخاری: ۵۳۲۴، ۵۳۲۶، ۵۳۲۸، صحیح مسلم: ۱۴۸۱، سنن ابوداؤد: ۲۲۹۵، موطا امام مالک: ۱۲۳۰)

شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت فاطمہ بنت قیس کا تذکرہ اور حدیث مذکور کے مطالب

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا ضحاک کی بہن تھیں جو یزید پلید کی طرف سے عراق کے حاکم مقرر ہوئے تھے، حضرت فاطمہ بنت قیس عمر میں ضحاک سے بہت بڑی اور بہت حسین اور سمجھدار عورت تھیں، ان کے خاوند ابوعمرو بن حفص حضرت خالد بن ولید کے چچازاد بھائی تھے، انہوں نے یمن سے ان کو تیسری طلاق بھجوادی، حضرت فاطمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکان اور خرچ نہ ملنے کی شکایت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ تم کو مکان ملے گا نہ خرچ۔ امام احمد اور اہل حدیث نے اسی حدیث کے مطابق یہ کہا ہے کہ تیسری طلاق کے بعد عورت کا مسکن اور خرچ خاوند پر لازم نہیں ہوگا۔ اور فقہائے احناف کے نزدیک تیسری طلاق کے بعد بھی عورت کے لیے مسکن اور خرچ لازم ہوگا۔

سعید بن عاص نے عبد الرحمٰن بن حکم کی بیٹی عمرہ کو طلاق دی تو اس کے والد اپنی بیٹی کو وہاں سے اٹھا کر لے آئے یعنی جہاں اس کو طلاق دی گئی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مروان سے کہا: خدا سے ڈرو اور اس لڑکی کو اسی گھر میں بھیج دو جہاں اس کو طلاق دی گئی ہے اور عدت پوری ہونے تک اس کو وہیں رکھو۔ مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ جواب دیا کہ کیا آپ کو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث نہیں پہنچی؟ یعنی وہ بھی اپنے خاوند کے گھر سے چلی گئی تھیں اور انہوں نے دوسری جگہ اپنی عدت پوری کی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے مروان سے فرمایا: اگر تم فاطمہ بنت قیس کا قصہ نہ بھی بیان کرو تو اس میں تمہارا کیا حرج ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مطلب یہ ہے کہ تم حضرت فاطمہ بنتِ قیس کی حدیث سے کیوں استدلال کرتے ہو؟

حضرت فاطمہ کا اس گھر سے نکلنا ایک قدرتی وجہ سے تھا، اس عذر میں اختلاف ہے، کوئی کہتا ہے کہ وہ گھر خوفناک تھا، کوئی کہتا ہے کہ حضرت فاطمہ بدزبان عورت تھیں۔

مروان نے کہا: اگر حضرت فاطمہ کے نکلنے کا سبب یہ تھا کہ ان میں اور ان کے خاوند کے عزیزوں کے درمیان آئے دن جھگڑا رہتا تھا تو یہی وجہ یہاں بھی ہے، یعنی عمرہ اور اس کے خاوند یحییٰ بن سعید کے درمیان بھی آئے دن جھگڑا رہتا تھا اور وہ اس کے لیے کافی ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر سے نکل جائیں اور کہیں اور عدت گزاریں۔

(تیسیر الباری شرح صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۴۴-۲۴۵ نعمانی کتب خانہ، جون ۱۹۹۰ء)

۵۳۲۳، ۵۳۲۴۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ مَا لِفَاطِمَةَ أَلَا تَتَّقِي اللهَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن بشار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں غندر نے حدیث بیان کی انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از عبد الرحمٰن

يَعْنِي فِي قَوْلِهَا لَا سُكْنَى وَلَا نَفَقَةَ

بن القاسم از والد خود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، انہوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس سے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتیں؟ یعنی تم جو یہ کہتی ہو کہ مطلقہ کے لیے نہ رہائش ہوگی اور نہ اس کو خرچ ملے گا، تو کیا تم اس بات میں اللہ سے نہیں ڈرتیں؟

(صحیح البخاری: ۵۳۲۴، ۵۳۲۶، ۵۳۲۸، صحیح مسلم: ۱۴۸۱، سنن ابوداؤد: ۲۲۹۵، موطا امام مالک: ۱۲۳۰)

حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کے مطالب اور اس کے متعلق فقہاءِ اسلام کی آراء

شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

لیکن جس عورت کو طلاقِ رجعی دی جائے اس کے لیے سب کے نزدیک اس کی رہائش اور اس کا خرچ خاوند پر لازم ہے، یعنی عدت پوری ہونے تک خواہ وہ حاملہ نہ ہو اور جس مطلقہ کو طلاقِ بائن دی گئی ہو تو بعض متقدمین نے اس کے لیے رہائش کو واجب قرار دیا ہے ان کا استدلال اس آیت سے ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ (الطلاق:۶)

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو۔

اور چونکہ اس آیت میں مطلقہ بائنہ کے لیے صرف رہائش کا ذکر ہے اور نفقہ اور خرچ کا ذکر نہیں ہے، اس لیے بعض متقدمین نے مطلقہ بائنہ کے لیے صرف رہائش کو خاوند کے ذمہ لازم کیا ہے اور اس کے خرچ کو خاوند کے ذمہ لازم نہیں کیا، تاہم جو عورت حاملہ ہو تو انہوں نے وضعِ حمل تک اس کے خرچ کو بھی لازم کیا ہے۔

فقہاءِ احناف نے مطلقہ بائنہ کے لئے بھی رہائش اور نفقہ کو واجب قرار دیا ہے، کیونکہ الطلاق: ۶ کی آیت میں حکم عام ہے، نیز ان کا استدلال حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کے اس اثر سے بھی ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کو رد کر دیا تھا اور ان سے فرمایا تھا کہ ہم اللہ کی کتاب کے حکم اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو صرف ایک عورت کے کہنے پر ترک نہیں کر سکتے، معلوم نہیں اس نے یاد رکھا یا بھول گئی، حالانکہ حضرت عمر نے مطلقہ بائنہ کے لیے صرف رہائش کو لازم قرار دیا تھا نہ کہ نفقہ کو۔ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ قول ثابت نہیں ہے، اور شیخ شوکانی نے اہل حدیث کا یہ مذہب قرار دیا ہے کہ نفقہ اور سکنہ صرف مطلقہ رجعیہ کے لیے واجب ہے مطلقہ بائنہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ واجب نہیں ہے، ہاں اگر وہ حاملہ ہو تو اس کے لیے بھی وضع حمل تک نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے۔ (تیسیر الباری شرح صحیح بخاری ج ۵ ص ۲۴۶-۲۴۷ نعمانی کتب خانہ، لاہور جون ۱۹۹۰ء)

۵۳۲۵، ۵۳۲۶ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَبَّاسٍ حَدَّثَنَا ابْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ الْقَاسِمِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ لِعَائِشَةَ أَلَمْ تَرَىْ إِلَى فُلَانَةَ بِنْتِ الْحَكَمِ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا الْبَتَّةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن عباس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابن مہدی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عبد الرحمن بن قاسم از والد خود، کہ عروہ بن زبیر نے حضرت

فَخَرَجَتْ فَقَالَتْ بِئْسَ مَا صَنَعَتْ قَالَ أَلَمْ تَسْمَعِي فِي قَوْلِ فَاطِمَةَ قَالَتْ أَمَا إِنَّهُ لَيْسَ لَهَا خَيْرٌ فِي ذِكْرِ هَذَا الْحَدِيثِ. وَزَادَ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ هِشَامٍ عَنْ أَبِيهِ عَابَتْ عَائِشَةُ أَشَدَّ الْعَيْبِ وَقَالَتْ إِنَّ فَاطِمَةَ كَانَتْ فِي مَكَانٍ وَحْشٍ فَخِيفَ عَلَى نَاحِيَتِهَا فَلِذَلِكَ أَرْخَصَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ.

عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا آپ فلانہ بنت الحکم کی طرف نہیں دیکھتیں جن کو ان کے خاوند نے تین طلاقیں دے دی تھیں، پھر وہ گھر سے نکل گئیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس نے بہت برا کام کیا، انہوں نے کہا: کیا آپ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی بات نہیں سنی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ فاطمہ بنت قیس کے لیے اس حدیث کو بیان کرنا اچھا نہیں ہے، (کیونکہ اس حدیث سے دوسرے لوگ بھی مطلقہ کا گھر سے نکل جانا جائز سمجھیں گی حالانکہ یہ اجازت صرف حضرت فاطمہ بنت قیس کے ساتھ مخصوص تھی)۔ اور عبد الرحمٰن بن ابی زناد نے ہشام سے، انہوں نے اپنے والد عروہ سے اس حدیث میں یہ اضافہ کیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ بنت قیس پر بہت بڑا عیب لگایا تھا (کہ وہ یہ حدیث بیان کرتی پھرتی ہیں کہ مطلقہ بائنہ کے لیے نہ رہائش ہوگی نہ خرچ ہوگا)۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت فاطمہ (طلاق کے وقت) ایک غیر آباد مکان میں رہتی تھیں، انہیں یہ ڈر ہوا کہ کہیں بدکار لوگ انہیں پریشان نہ کریں، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو اس مکان سے نکلنے کی اجازت دے دی تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۳۲۴، ۵۳۲۶، ۵۳۲۸، صحیح مسلم: ۱۴۸۱، سنن ابوداؤد: ۲۲۹۵، موطا امام مالک: ۱۲۳۰)

حضرت فاطمہ بنت قیس اور حضرت ضحاک بن قیس رضی اللہ عنہما کا تذکرہ

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

حضرت فاطمہ بنت قیس بن خالد الاکبر بن وہب بن ثعلبہ بن عمرو بن شیبان بن محارب بن فہر القرشیہ الفہریہ یہ ضحاک بن قیس کی بہن تھیں، کہا جاتا ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس عمر میں ان سے دس سال بڑی تھیں، اور وہ مہاجرات اول میں سے تھیں (یعنی جن خواتین نے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی تھی) یہ بہت حسین و جمیل اور بہت عقل اور کمال والی تھیں، اور انہی کے گھر میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ کی شہادت کے بعد اصحاب شوریٰ کا اجتماع ہوا تھا، اور انہوں نے اپنا مشہور خطبہ دیا تھا۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ بہت حسین اور ذہین خاتون تھیں۔

ابو عمرو حافظ ابن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ان سے الشعبی اور ابو سلمہ نے احادیث کی روایت کی ہے اور رہے الضحاک بن قیس تو وہ کم عمر صحابہ میں سے تھے۔ اور حافظ ابو عمر نے کہا: کہ کہا جاتا ہے: یہ نبی ﷺ کی وفات سے تقریباً سات سال پہلے پیدا

ہوئے تھے اور محدثین ان کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سماع کی نفی کرتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو زیاد کے بعد کوفہ کا عامل بنا دیا تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو ترپین (۵۳) ھ کے اندر کوفہ کا حاکم بنا دیا تھا اور ستاون (۵۷) ھ میں ان کو معزول کر دیا تھا اور ان کی جگہ عبدالرحمٰن بن ام الحکم کو عامل بنا دیا تھا اور ان کو شام کی طرف، اور پھر وہ حضرت معاویہ کے ساتھ ہی رہے یہاں تک کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی اور انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھا اور خلافت میں ان کے قائم مقام ہو گئے حتیٰ کہ یزید بن معاویہ آ گیا، پھر وہ یزید کے ساتھ رہے یہاں تک کہ یزید مر گیا اور اس کے بعد اس کا بیٹا معاویہ بن یزید، اور مروان بن الحکم نے بعض اہل شام پر حملہ کیا اور مروان کی بیعت کی گئی، پس حضرت ضحاک نے عبد اللہ بن زبیر کی بیعت کر لی، اور اکثر اہل شام حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، مروان نے ان پر حملہ کیا اور ان کے ساتھ لڑائی کی، پس حضرت الضحاک بن قیس مرج کے اندر شہید کر دیے گئے، یہ ۱۵ ذی الحجہ ۶۴ ھ کا واقعہ ہے، ضحاک بن قیس سے حسن بصری اور تمیم بن طرفہ اور سماک بن حرب نے احادیث کی روایت کی ہیں۔

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا قصہ

حضرت فاطمہ بنت قیس کا قصہ اسانید صحیحہ متواترہ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

امام مسلم نے یہ باب قائم کیا ہے ''المطلقة ثلاثا لا نفقة لها'' (تین طلاق یافتہ عورت کے لیے کوئی نفقہ نہیں ہوگا)۔
پھر انہوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس کے قصہ کو متعدد اسانید کے ساتھ روایت کیا ہے، ان میں سے پہلی حدیث یہ ہے: ہمیں یحییٰ بن یحییٰ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے اس حدیث کی امام مالک پر قراءت کی از عبد اللہ بن یزید مولیٰ الاسود از سلمہ بن عبدالرحمٰن از حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا، کہ حضرت ابو عمرو بن حفص نے ان کو تین طلاقیں دے دیں، اور وہ کہیں غائب تھے، تو ان کے وکیل نے حضرت فاطمہ بنت قیس کے پاس نفقہ کے طور پر کچھ جو بھیجے، تو حضرت فاطمہ بنت قیس ناراض ہوئیں تو وکیل نے کہا: اللہ کی قسم! تمہارے لیے ہم پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، پھر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور آپ سے اس بات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: تمہارے لیے اپنے خاوند کے اوپر کوئی نفقہ واجب نہیں ہے اور آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ حضرت ام شریک کے گھر میں عدت گذاریں، پھر فرمایا: کہ یہ وہ خاتون ہیں کہ جن کے گھر کو میرے اصحاب نے ڈھانپ رکھا ہے، تم ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزارو، کیونکہ وہ ایک نابینا مرد ہیں، تم اپنے کپڑے اتار کر رکھو گی تو وہ دیکھ نہیں سکیں گے، پس جب تمہاری عدت پوری ہو جائے گی تو مجھے اطلاع دینا، حضرت فاطمہ بنت قیس نے کہا: جب میری عدت پوری ہو گئی تو میں نے آپ سے ذکر کیا کہ حضرت معاویہ بن ابو سفیان نے اور حضرت ابو جہم نے ان کو نکاح کا پیغام بھیجا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رہے ابو جہم تو وہ تو اپنے کاندھے سے لاٹھی نہیں اتارتے، رہے معاویہ تو وہ مفلس ہیں، ان کے پاس مال نہیں ہے، تم اسامہ بن زید سے نکاح کر لو، میں نے ان کو ناپسند کیا، آپ نے پھر فرمایا: کہ تم اسامہ سے نکاح کر لو تو میں نے اسامہ سے نکاح کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بہت خیر رکھی اور مجھ پر رشک کیا گیا، امام مسلم کی اس روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے فرمایا کہ تمہارے لیے نہ نفقہ ہے اور نہ سکنیٰ ہے، یعنی نہ تم کو خرچ ملے گا اور نہ تم کو رہائش ملے گی اور دوسری روایت میں ہے کہ تمہارے لیے نفقہ نہیں ہے، پس تم کہیں اور منتقل ہو جاؤ اور ابن ام مکتوم کے گھر چلی جاؤ اور وہیں پر رہو، اور ابو بکر بن ابی جہم کی روایت میں ہے بیان کرتے ہیں کہ میں نے سنا، حضرت فاطمہ بنت

قیس رضی اللہ عنہا یہ کہتی تھیں کہ میرے خاوند ابو عمر بن حفص ابو مغیرہ نے مجھے طلاق دے دی، اور اس کے ساتھ مجھے پانچ صاع (۲۰ کلو گرام) کھجوریں اور پانچ صاع جو یعنی (۲۰ کلوگرام) جو بھیجے، تو میں نے کہا: کیا میرے لیے صرف یہی نفقہ ہے اور میں تمہارے گھر میں عدت نہیں گزاروں گی، تو اس نے کہا: نہیں، حضرت فاطمہ بنت قیس نے بتایا کہ پھر میں نے اپنے کپڑے باندھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ نے پوچھا: تمہیں کتنی طلاقیں دی، میں نے کہا: تین، آپ نے فرمایا: تمہارے لیے کوئی نفقہ نہیں، تم اپنے چچا کے بیٹے ابن ام مکتوم کے گھر عدت گزارو۔

اور امام احمد بن محمد طحاوی الحنفی المتوفی ۳۲۱ھ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی اس حدیث کو سولہ (۱۶) صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ان میں سے ایک حدیث یہ ہے:

- ہمیں محمد بن عبداللہ بن میمون نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا ہمیں الولید بن مسلم نے حدیث بیان کی از الاوزاعی از یحییٰ، انہوں نے کہا ہمیں ابو سلمہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا مجھے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی ابو عمرو بن حفص المخزومی نے ان کو تین طلاقیں دے دیں، پھر انہوں نے میرے لیے نفقہ کا حکم دیا جس کو میں نے کم سمجھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کی طرف بھیجا تھا، پھر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بنو مخزوم کے چند لوگوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس وقت آپ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے، انہوں نے بتایا یا رسول اللہ! ابو عمرو بن حفص نے اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کو تین طلاقیں دے دیں، کیا اس کے لیے کوئی نفقہ ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہ اس کے لیے نفقہ ہے اور نہ سکنیٰ ہے، یعنی نہ اس کو خرچ ملے گا اور نہ رہائش ہوگی، اور آپ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی طرف یہ پیغام بھیجا کہ وہ حضرت ام شریک کے گھر کی طرف منتقل ہو جائیں، پھر ان کی طرف پیغام بھیجا کہ ام شریک کے گھر میں تو مہاجرین اولین بہت آتے ہیں، تو تم ابن ام مکتوم کے گھر کی طرف منتقل ہو جاؤ، کیونکہ جب تم اپنے کپڑے اتار کر رکھو گی تو وہ تم کو نہیں دیکھ سکیں گے۔

تین طلاق یافتہ خاتون کے لیے نفقہ اور سکنیٰ نہ ہونے کے متعلق فقہاءِ اسلام کی آراء

فقہاءِ اسلام کے ایک گروہ نے یہ کہا ہے: جس خاتون کو تین طلاقیں دی گئیں، اس کے لیے کوئی نفقہ اور سکنیٰ واجب نہیں ہے جب کہ وہ خاتون غیر حاملہ ہو، اور ان کا استدلال ان احادیث سے ہے جن کو ابھی ذکر کیا گیا ہے اور یہ فقہاء حسن بصری ۱۱۰ھ ہیں اور عمرو بن دینار ہیں اور طاؤس بن کیسان الیمانی المتوفی ۱۰۶ھ ہیں اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ ہیں اور عکرمہ البربری متوفی ۱۰۵ھ ہیں اور عامر بن شراحیل الشعبی متوفی ۱۰۳ھ ہیں اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ ہیں اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ ہیں، اور اہل ظاہر یعنی غیر مقلدین سے بھی یہی روایت ہے۔

اور فقہاء کے دوسرے گروہ نے یہ کہا ہے کہ تین طلاق یافتہ عورت کے لیے نفقہ بھی واجب ہوگا اور سکنیٰ بھی واجب ہوگا خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو، اور یہ فقہاء حماد بن ابی سلیمان (استاذ امام اعظم) المتوفی ۱۲۰ھ ہیں اور حضرت شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ ہیں، اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ ہیں، سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ ہیں۔ اور ابن ابی لیلیٰ ہیں اور ابن شبرمہ ہیں اور الحسن بن صالح ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ ہیں اور قاضی ابو یوسف بن ابراہیم المتوفی ۱۸۳ھ ہیں، اور امام محمد بن الحسن الشیبانی المتوفی ۱۸۹ھ ہیں۔ اور یہی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ کا مذہب ہے۔

فقہاء کے تیسرے گروہ نے یہ کہا ہے کہ تین طلاق یافتہ خاتون کے لیے ہر حال میں نفقہ ہوگا، جب کہ وہ حاملہ ہو اور یہ فقہاء عبدالرحمٰن بن مہدی ہیں اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ ہیں اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ ہیں۔

ہمارے اصحابِ احناف نے اپنے مذہب کا اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما متوفی ۵۸ھ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو مسترد کر دیا ہے اور ان کا انکار کیا ہے۔ اور ان کا عمل اس پر تھا جس کی روایت الاعمش نے از ابراہیم از الاسود از حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے، آپ نے فرمایا: ہم اپنے رب کی کتاب کو اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بناء پر ترک نہیں کریں گے، اس کو وہم ہو گیا یا وہ بھول گئی، اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ تین طلاق یافتہ عورت کے لیے نفقہ بھی واجب کرتے تھے اور سکنیٰ بھی واجب کرتے تھے۔

امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری متوفی ۲۶۱ھ نے روایت کی ہے: ہمیں ابواحمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں ابوعمار نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں الاسود بن یزید کے ساتھ مسجدِ اعظم میں بیٹھا ہوا تھا اور ہمارے ساتھ الشعبی بھی تھے، اور الشعبی نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے نہ سکنیٰ واجب کیا نہ نفقہ، پھر اسود نے اپنے ہاتھ سے کنکریاں اٹھا کر پھینکیں اور کہا: تم پر افسوس ہے کہ تم جیسا شخص یہ حدیث بیان کرتا ہے، حضرت عمر رضی نے کہا: ہم اللہ کی کتاب کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بناء پر ترک نہیں کریں گے۔ تین طلاق یافتہ عورت کے لیے سکنیٰ بھی واجب ہوگا اور نفقہ بھی واجب ہوگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (الطلاق: ۱)

تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں

اور امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نہیں جانتے کہ اس عورت نے اس بات کو یاد رکھا یا نہیں رکھا۔

اور امام احمد بن شعیب النسائی متوفی ۳۰۳ھ نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر فاطمہ بنت قیس دو گواہ لے کر آئیں تو ہم ان کی بات کو سن لیں گے، جو یہ گواہی دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح فرمایا تھا، ورنہ ہم ایک عورت کے قول کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی کتاب کو ترک نہیں کریں گے۔

تین طلاق یافتہ خاتون کے اپنے گھر سے نکلنے کے متعلق فقہاءِ اسلام کی آراء

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ سے روایت ہے اور اسی کے مطابق سعید بن المسیب، القاسم، سالم، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، خارجہ بن زید اور سلیمان بن یسار، ان سب کا یہی قول ہے، انہوں نے کہا کہ تین طلاق یافتہ عورت اپنے خاوند کے گھر میں عدت گزارے گی جہاں اس نے اس کو طلاق دی ہے، اور امام ابوعبید نے بھی اس قول کی روایت امام مالک سے، ثوری سے اور فقہاءِ احناف سے کی ہے، اور ان سب کی رائے یہ ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں یا جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا وہ صرف اپنے گھر میں عدت گزارے گی۔

اور یہاں پر ایک دوسرا قول بھی ہے، وہ یہ ہے کہ تین طلاق یافتہ عورت جہاں چاہے عدت گزارے، اور یہ موقف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ، اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما متوفی ۷۸ ھ، اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ ھ اور طاؤس بن کیسان متوفی ۱۰۶ ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ ھ اور عکرمہ البربری متوفی ۱۰۵ ھ کا قول ہے۔

اور امام مالک متوفی ۱۷۹ ھ یہ کہتے تھے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے وہ اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کے لیے جائے گی اور عشاء کے بعد تک ان کے پاس ٹھہرے گی پھر اپنے گھر لوٹ آئے گی اور یہی اللیث اور امام محمد بن ادریس الشافعی اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ ھ کا قول ہے۔ اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ ھ نے کہا: جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے وہ دن میں تو باہر نکل سکتی ہے لیکن رات صرف اپنے گھر میں گزارے گی اور جو عورت مطلقہ ہے وہ رات اور دن کے کسی وقت میں بھی گھر سے باہر نہیں نکلے گی اور امام محمد بن حسن شیبانی المتوفی ۱۸۹ ھ نے کہا: تین طلاق یافتہ عورت اور جس عورت کا خاوند فوت ہو چکا ہے وہ عدت کے دوران رات اور دن کے کسی وقت میں بھی گھر سے باہر نہیں نکلے گی۔

اور اس پر اجماع قائم ہو گیا کہ جس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہے، وہ رہائش کی بھی مستحق ہو گی اور خرچ کی بھی مستحق ہو گی، کیونکہ جس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہے اس کا حکم وہی ہے جو تمام معاملات میں بیویوں کا حکم ہوتا ہے۔

تین طلاق یافتہ عورتوں کے متعلق قرآن مجید کی آیات

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝ (الطلاق:۱)

اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے ۝

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولٰتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَ اْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَ اِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ۝ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق:۶،۷)

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو، اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کر لو، اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی ۝ صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا ۝

آیاتِ مذکورہ کی تفسیر از علامہ عینی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ (الطلاق:۱)۔الآیہ۔یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو تمہارا رب ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور اپنی بیویوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو یعنی جن گھروں میں وہ بیویاں رہتی ہیں اور یہ ان کے شوہروں کے گھر ہیں، ان گھروں کی اضافت بیویوں کی طرف کی گئی ہے، کیونکہ رہائش کے اعتبار سے وہ عورتیں ان گھروں کے ساتھ مخصوص ہیں، الآیہ۔۔کا معنی ہے یعنی یہ آیت آخر تک پڑھو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ (الطلاق:۱) یعنی وہ مطلقہ عورتیں اپنے گھروں سے نہ نکلیں، سوائے اس صورت کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں۔

کھلی بے حیائی کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد زنا ہے، پھر وہ عورتیں گھروں سے نکلیں گی تا کہ ان پر حد قائم کی جائے، دوسرا قول یہ ہے کہ کھلی بے حیائی سے مراد ہے شوہر کی نافرمانی، اور اس آیت کا معنی یہ ہے: سوائے اس صورت کہ ان عورتوں کو نافرمانی کی بناء پر طلاق دی جائے، پھر وہ عورتیں گھر سے نکلیں گی، کیونکہ شوہر کی نافرمانی ان کا گھروں میں جو رہنے کا حق ہے اس کو ساقط کر دے گی، تیسرا قول یہ ہے کہ کھلی بے حیائی سے مراد یہ ہے کہ وہ زبان درازی اور بدزبانی کریں اور فحش کلام کریں یعنی ایسی باتیں کریں جو بے حیائی کے امور پر مشتمل ہوں۔

''تلك حدود الله، ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه'': یعنی جن احکام کا ذکر کیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کیا، اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی سزا کا مستحق ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لا تدری، اس کا معنی ہے: کوئی شخص نہیں جانتا، دوسرا قول یہ ہے: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بھی از خود نہیں جانتے، تیسرا قول یہ ہے کہ اے طلاق والے! تم بھی نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''لعل الله يحدث بعد ذالك'': یعنی ایک طلاق دینے کے بعد یا دو طلاقیں دینے کے بعد اللہ تعالیٰ کیا نئی صورت پیدا کر دے گا، ''امرا'': یعنی جب تک وہ عورت عدت میں ہے تو اس کے شوہر کو اللہ تعالیٰ طلاق سے رجوع کی توفیق دے گا۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ (الطلاق:۶): یعنی تم نے اپنی جن عورتوں کو طلاق دی ہے ان کو وہیں پر رکھو جہاں پر تم خود رہتے ہو، اور اس آیت میں من تبعیض کے لیے ہے، یعنی اپنے رہائشی مکانوں میں سے کسی مکان میں رکھو، اور قتادہ سے منقول ہے کہ اگر اس مرد کا صرف ایک گھر ہو تو وہ اس کو اپنے گھر کے بعض حصوں میں رکھے گا۔

مِّنْ وُّجْدِكُمْ: یعنی تم اپنی بیوی کو وہاں رکھو جہاں رکھنے کی تم کو طاقت ہے اور تمہاری گنجائش ہے اور تمہاری وسعت ہے حتیٰ کہ عورتیں وہاں پر عدت گزار لیں۔ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ: یعنی ان کو ان گھروں میں ایذا نہ پہنچاؤ تا کہ وہ ان گھروں سے نکل جائیں۔

وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ: یعنی اگر وہ عورتیں حاملہ ہوں تو تم ان پر خرچ کرو حتیٰ کہ ان کا حمل وضع ہو جائے، پھر وہ عدت سے نکل جائیں۔

''فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ'': یعنی اگر وہ تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو انہیں دودھ پلانے کی اجرت دو ان کی مرضی اور اپنی وسعت کے مطابق۔

ضرورت کے وقت انتقالِ خون کا جواز اور اس کی شرائط اور احکام

عورت جو اپنے بچے کو دودھ پلائے، اس کو دودھ پلانے کی اجرت کا حکم صرف اسلام نے دیا ہے، اور کسی مذہب میں عورت کا یہ استحقاق نہیں ہے کہ وہ بچے کو دودھ پلانے کی اجرت کا خاوند سے تقاضا کرے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اسلام نے عورتوں کو کتنے وسیع حقوق عطا فرمائے ہیں اور اس میں اجرت کا بھی ثبوت ہے اور اس میں یہ ثبوت بھی ہے کہ ضرورت کی وجہ سے عورت اپنے جسم کا کوئی حصہ دوسرے کو دی سکتی ہے، کیونکہ عورت جو دودھ پلاتی ہے وہ اس کے جسم کا حصہ ہوتا ہے اور بچے کی نشوونما کی ضرورت کی وجہ سے عورت کے لیے جائز قرار دیا کہ وہ بچے کو دودھ پلائے اور اپنے جسم کا حصہ اس کو عطا کرے۔ اور اسی سے یہ مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے کہ ضرورتِ علاج کی وجہ سے انتقالِ خون جائز ہے کیونکہ جس طریقہ سے دودھ جسم کا حصہ ہے خون بھی جسم کا حصہ ہے اور جب ضرورتِ نشوونما کی وجہ سے بچے کو دودھ پلانا جائز ہے تو ضرورتِ علاج کی وجہ سے کسی مریض کو کوئی شخص اپنا خون بھی دے سکتا ہے، جو شخص بلڈ کینسر کا مریض ہو اس کا علاج صرف اسی صورت میں ہوتا ہے کہ اس کے جسم کا سارا خون تبدیل کر دیا جائے اور کسی صحت مند جسم کا خون اس کے جسم میں منتقل کر دیا جائے، اسی طرح بعض صورتوں میں کوئی بڑی سرجری ہوتی ہے یا کوئی بڑا حادثہ ہو جاتا ہے اور کسی انسان کے جسم کا بہت زیادہ خون نکل جاتا ہے اور اس کے جسم میں جب تک متبادل خون منتقل نہ کیا جائے اس کا جانبر ہونا انتہائی مشکل اور دشوار ہوتا ہے، اس لیے اس ضرورت کی بناء پر کسی انسان کے جسم میں دوسرے انسان کا خون کا منتقل کرنا جائز ہے۔

ہمارے زمانے میں بعض متاخرین فقہاء انتقالِ خون کو مطلقاً ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن جس انسان کا انتقالِ خون کے بغیر جانبر ہونا مشکل اور دشوار ہو یا بعض صورتوں میں ناممکن ہو اگر اس کو خون نہ دیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ اسلام میں تمہیں خون دینے کی اجازت نہیں ہے، دوسرے لفظوں میں اسلام میں تمہیں زندہ رکھنے کی اجازت نہیں ہے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ شخص اسلام سے متنفر ہو جائے کہ جو مذہب میری حیات پر راضی نہیں ہے میں اس مذہب پر کیسے راضی ہوں۔

امام طحاوی کی جب پیدائش قریب تھی تو ان کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا اور فقہاء شافعیہ کے قول کے مطابق ماں کا پیٹ چیر کر مردہ ماں کے پیٹ سے بچے کو نکالنا جائز نہیں ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک جائز ہے، جب امام طحاوی اپنے ماموں سے فقہ پڑھ رہے تھے، تب انہیں اس مسئلے کا علم ہوا کہ اگر فقہ حنفی پر عمل نہ کیا جاتا تو ان کو اپنی مردہ ماں کے پیٹ میں ہی زندہ دفن کر دیا جاتا، تو انہوں نے بے ساختہ کہا: میں اس مذہب پر راضی نہیں ہوں جو میری موت پر راضی ہو اور وہ فقہ شافعی کو چھوڑ کر فقہ حنفی کی طرف منتقل ہو گئے، تو جس مسلمان مرد کو یہ بتایا جائے کہ اسلام میں خون دینا جائز نہیں ہے اور بغیر خون دیے اس کی حیات عادۃً متصور نہ ہو تو یہ خطرہ ہے کہ وہ بھی امام طحاوی کی طرح اپنے مذہب کو تبدیل کر لے گا، اس لیے اس خطرہ سے بچنے کے لیے یہ کہنا ضروری ہے کہ ضرورت کے وقت انتقالِ خون جائز ہے، تاہم ہم یہ کہتے ہیں کہ مطلقاً خون کی خرید و فروخت کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ خون کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور بغیر اضطرار کے کسی حرام کے ساتھ حلال کا معاملہ نہیں کیا جاتا لیکن جب مسلمان ماہر ڈاکٹر اور سرجن یہ کہیں کہ اس شخص کو خون دینا ضروری ہے ورنہ اس کی زندگی کا بچنا محال ہے تو اس ضرورت کی بناء پر اس کو کسی ایسے انسان کا خون دیا جا سکتا ہے

جس کے خون کا گروپ اس انسان کے خون کے گروپ سے ملتا ہو اور ڈاکٹر یہ بھی چھان بین کر لیں کہ اس خون کے اندر کوئی اور مہلک بیماری مثلاً ایڈز یا کینسر اور ہیپا ٹائٹس وغیرہ کے جراثیم نہیں ہیں اور اس چھان بین کے بعد اس کو خون دینا جائز ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

پیوند کاری کے عدمِ جواز پر دلائل اور یہ کہ اس کا انتقالِ خون پر قیاس کرنا غلط ہے

بعض لوگ انتقالِ خون کے جواز کے اوپر اعضاء کی پیوند کاری کو قیاس کرتے ہیں، لیکن ان کا یہ قیاس درست نہیں ہے، کیونکہ خون سیال (مائع) مادہ ہے، جس کا کوئی ٹھوس اور متشخص جسم نہیں ہے، اس کے برخلاف اعضاء کا ٹھوس اور متشخص جسم ہوتا ہے، لہٰذا خون کے اوپر اعضاء کو قیاس کرنا جائز نہیں ہے۔ نیز کسی جسم سے بقدرِ ضرورت خون نکال لیا جائے تو اس شخص کے تشخص میں اور اس کی صحت میں اور اس کی توانائی میں کوئی فرق نہیں پڑتا اور جتنا خون نکالا گیا ہو، چند دنوں بعد اتنا ہی خون اس کے جسم میں پھر پیدا ہو جاتا ہے، اس کے برخلاف اعضاء کا ایک ٹھوس اور متشخص وجود ہے، مثلاً کسی کی آنکھ نکال لی جائے، یا کسی کی ناک نکال لی جائے یا کسی کا گردہ نکال لیا جائے یا کسی کا کوئی اور عضو نکال لیا جائے تو اس کے جسم کا تشخص تبدیل ہو جائے گا اور کوئی ایسی صورت نہیں ہے کہ اس کا متبادل عضو بن جائے، نیز انتقالِ خون اس وقت جائز ہے کہ جب کسی ضرورت مند مریض کی جان کو خطرہ ہو اور اگر اس کو خون نہ دیا جائے تو ڈاکٹر یہ کہیں کہ یہ شخص مر جائے گا تو اس صورت میں علاج کی وجہ سے اس کو خون دینا جائز ہے، اس کے برخلاف اعضاء کی پیوند کاری جو کی جاتی ہے، اس میں اگر کسی کا گردہ تبدیل نہ کیا جائے یا کسی کی پتلی کی پیوند کاری نہ کی جائے تو اس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا، اور آنکھ کی پتلی کی صورت میں تو بالکل ظاہر ہے، اور جہاں تک گردے کا تعلق ہے تو ایک گردے کے ساتھ بھی انسان زندہ رہتا ہے اور اگر کسی کے دونوں گردے فیل ہو جائیں تب بھی جدید میڈیکل سائنس نے ڈائی لیسس کے ذریعے ایسا حل پیش کر دیا ہے کہ وہ ناکارہ گردوں کے ساتھ بھی طویل عرصہ تک صحت مند انسان کی طرح زندگی گزار سکتا ہے اور ہمارے علم میں اور ہمارے مشاہدے میں ایسی بہت مثالیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو کسی بڑی آزمائش سے محفوظ رکھے، ہم جو یہ کہتے ہیں کہ اعضاء کی پیوند کاری جائز نہیں ہے وہ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ انسان نہ اپنے پورے جسم کا مالک ہے نہ جسم کے کسی ایک حصہ کا مالک ہے، جس طرح انسان اپنے پورے جسم کو ہلاک نہیں کر سکتا، قرآن کریم میں ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرہ:۱۹۵) اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا (النساء:۲۹) اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو، بے شک اللہ تم پر بہت رحم فرمانے والا ہے O

سو قرآن کریم کی اس آیت کے اعتبار سے خودکشی کرنا اور اپنے پورے جسم کو ہلاک کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اس کی عقلی وجہ یہ ہے کہ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں ہے، انسان کے جسم کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر انسان نہ اپنے پورے جسم کو ہلاک کر سکتا ہے اور نہ اپنے جسم کے کسی ایک حصہ کو ہلاک کر سکتا ہے، اس وجہ سے خودکشی کرنا بھی جائز نہیں ہے اور اعضاء کی پیوند کاری کرنا بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔

نیز حدیث میں ہے:

امام ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیشاپوری المتوفی ۲۶۱ھ اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں:

ہمیں ابوبکر بن ابی شیبہ اور اسحاق بن ابراہیم دونوں نے حدیث بیان کی از سلیمان، اور ابوبکر نے کہا: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی از حجاج الصواف، از ابوزبیر از حضرت جابر رضی اللہ عنہ، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت طفیل بن عمر الدوسی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہا: یارسول اللہ! کیا آپ مجھے ایک مضبوط قلعہ میں جانے کی اجازت دیتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ قبیلہ دوس کا زمانہ جاہلیت میں ایک قلعہ تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار فرمایا، کیونکہ اس گھر کا اللہ تعالیٰ نے انصار کے لیے ذخیرہ کرلیا تھا، پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینے کی طرف ہجرت کی تو حضرت طفیل بن عمرو نے بھی آپ کی طرف ہجرت کی اور آپ کے ساتھ ان کی قوم کے ایک فرد نے بھی ہجرت کی، ان کو مدینہ راس نہیں آیا اور وہ بیمار ہو گئے، اور انہوں نے بے صبری کی اور چھری لی اور اپنی انگلیوں کے ایک جوڑ کو کاٹ ڈالا اور ان سے بہت زیادہ خون بہنے لگا جس کی وجہ سے وہ انتقال کر گئے، پھر حضرت طفیل بن عمرو نے اس مرد کو خواب میں دیکھا کہ وہ اچھی حالت میں ہے اور دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں پٹی بندھی ہوئی ہے، انہوں نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو ہجرت کی تھی اس کے سبب سے اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی، حضرت طفیل نے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ میں تمہارے ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی دیکھ رہا ہوں، انہوں نے کہا کہ مجھ سے کہا گیا: جس عضو کو تمہاری طرف سے فاسد کیا گیا ہے ہم اس کو ٹھیک نہیں کریں گے۔ پھر حضرت عمرو الطفیل الدوسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ قصہ بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا کی: اے اللہ! اس کے ہاتھوں کی بھی مغفرت فرمادے۔ (صحیح مسلم: ۱۱۶، الرقم المسلسل: ۳۱۲، مسند احمد: ۱۴۹۸۶)

اس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کے سبب سے اس مرد کی مغفرت فرمادی لیکن اس نے جو چھری سے اپنے ہاتھوں کے جوڑوں کی رگوں کو کاٹ دیا اس کی اللہ تعالیٰ نے اصلاح نہیں فرمائی اور فرمایا کہ جس عضو کو تم نے اپنے ہاتھوں سے فاسد کیا ہے، ہم اس کی ہرگز اصلاح نہیں کریں گے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کے ہاتھوں کی بھی اصلاح فرمادی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی انسان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے جسم کے کسی عضو کو تلف کردے یا ضائع کردے یا اس کی منفعت کو ختم کردے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ جس عضو کو تم نے فاسد کیا ہے ہم اس کی اصلاح نہیں کریں گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اعضاء کی پیوند کاری کی وجہ سے کسی عضو کو تلف کرنا جائز نہیں ہے۔

قرآن مجید اور اس حدیث صحیحہ کی بناء پر ہم نے یہی سمجھا ہے کہ اعضاء کی پیوند کاری جائز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں کسی آزمائش سے محفوظ رکھے اور جو مسلمان اس عارضہ میں مبتلا ہو گئے ہیں ان کو اعضاء کی پیوند کاری کے بغیر شفا عطا فرمائے، تاہم ہو سکتا ہے کہ بعد میں ایسے دلائل ظاہر ہوں جن پر ہماری نظر نہیں ہے اور ان کی رُو سے اعضاء کی پیوند کاری بھی جائز ہو جائے تو ہم یہی کہیں گے: ''لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا''، یعنی اب تک تو ہم نے یہی سمجھا ہے کہ اعضاء کی پیوند کاری جائز نہیں ہے، لیکن ہو سکتا ہے جو دلائل ہم پر منکشف نہیں ہوئے ہوں، ان میں سے کسی دلیل کی وجہ سے اعضاء کی پیوند کاری جائز ہو جائے، جب تک ہمارے علم میں کوئی ایسی دلیل نہ آئے اس وقت تک ہم اعضاء کی پیوند کاری کے جواز کا قول نہیں کر سکتے۔

میں کہتا ہوں: اس ضمن میں انتقال خون اور اعضاء کی پیوند کاری کا مسئلہ آ گیا، اب اس کے بعد ہم پھر الطلاق کی آیات کی جو

علامہ عینی نے تفسیر کی ہے، اس کی طرف رجوع کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاْتَمِرُوْا بَیْنَکُمْ بِمَعْرُوْفٍ: اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کرلو، یعنی تم میں سے مسلمان ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں جب وہ ان کو بھلائی اور نیکی کا حکم دیں، الفراء نے کہا: جب وہ ارادہ کرلیں اور الکسائی نے کہا: جب وہ مشورہ کریں اور اس کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے: اگر تمہاری یہ مطلقہ بیویاں تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو ان کو اس دودھ پلانے کی بھی اجرت عطا کرو، اور امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب کے نزدیک اگر وہ بچہ خود اس عورت کا ہے تو اس کے لیے دودھ پلانے کی اجرت خاوند سے لینا جائز نہیں ہے اور امام شافعی کے نزدیک جائز ہے۔

وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ: ''اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو''، یعنی اگر دودھ پلانے میں تم کو دشواری محسوس ہو اور شوہر بیوی کو دودھ پلانے کی اجرت دینے سے انکار کرے اور اس کی ماں اس کو بغیر اجرت کے دودھ پلانے سے انکار کرے تو شوہر کے لیے اپنی بیوی کو دودھ پلانے پر مجبور کرنا جائز نہیں ہے۔

فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰی: ''تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی''، یعنی پھر تمہیں بچے کی ماں کے علاوہ کوئی اور دوسری عورت دودھ پلانے کے لیے مل جائے گی۔

لِیُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ: ''صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے''۔ یعنی شوہر کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی وسعت اور گنجائش دی ہے، اس کے مطابق خرچ کرے اور جس کے اوپر رزق تنگ ہے تو جتنا اس کو میسر ہے اتنا اس کو خرچ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔

سَیَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ یُّسْرًا: ''اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا''۔ یعنی عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی معیشت کے بعد آسانی پیدا فرمادے گا اور وسعت اور گنجائش پیدا فرمادے گا۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے تنگ دست شوہروں کے لیے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اوپر رزق کے ابواب کشادہ فرمادے گا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۳-۴۴۰۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۲۲، ۵۳۲۱، کے رجال کا تذکرہ

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں اسماعیل کا ذکر ہے، ان کا نام اسماعیل بن ابی اویس ہے، اور اس حدیث کی سند میں یحییٰ بن سعید کا ذکر ہے، یہ الانصاری ہیں، اور اس حدیث کی سند میں القاسم بن محمد کا ذکر ہے، یہ ابن محمد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور اس حدیث کی سند میں سلیمان بن یسار کا ذکر ہے، یہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے آزاد شدہ غلام ہیں۔ اور ان کے والد مدینہ میں حضرت معاویہ کی طرف سے گورنر تھے، اور یحییٰ وہ عمرو بن سعید کے بھائی ہیں جو الاشدق کے نام سے معروف تھے۔

اس حدیث کی امام ابوداؤد نے بھی کتاب الطلاق میں از القعنبی از مالک روایت کی ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور مبہم عبارات کی توضیح

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فانتقلها''، یعنی حضرت عمرہ کو عبد الرحمن بن الحکم نے جو ان کے والد تھے، اس مسکن سے منتقل کیا

جس میں ان کو طلاق دی گئی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: فارسلت العائشة: اس میں کچھ عبارت محذوف ہے، یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا کہ عبد الرحمٰن بن الحکم اپنی بیٹی کو اس مسکن سے منتقل کر رہے ہیں جس میں ان کو ان کے خاوند نے طلاق دی تھی، جن کا نام یحییٰ بن سعید ہے، حضرت عائشہ نے مروان بن الحکم کی طرف پیغام بھیجا اور وہ اس وقت مدینہ کا امیر تھا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: اتق اللہ وارددھا، یعنی اس مطلقہ مذکورہ کو واپس بلاؤ، اور اس کو یہ حکم دو کہ وہ اس گھر کی طرف لوٹ جائے جس میں اس کو طلاق دی گئی تھی۔ تو مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ جواب دیا کہ عبد الرحمٰن بن الحکم جو کہ عمرہ کے والد ہیں، وہ مجھ پر غالب آگئے ہیں اور میں اس پر قادر نہیں ہوا کہ ان کو ان کے مکان سے منتقل کروں (یہ سلیمان بن یسار کی روایت ہے۔)

اور القاسم بن محمد کی روایت میں مذکور ہے کہ مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا آپ کو فاطمہ بنت قیس کے قصہ کی خبر نہیں پہنچی؟ اور وہ قصہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے خاوند کے گھر میں عدت نہیں گزاری بلکہ دوسرے گھر میں منتقل ہو گئیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: کہ حضرت عائشہ نے کہا: تمہیں کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ یعنی حضرت عائشہ نے مروان سے کہا کہ اگر تم فاطمہ بنت قیس کی حدیث کا ذکر نہ کرتے تو تم پر کوئی نقصان نہیں تھا۔ حضرت عائشہ کی مراد یہ تھی کہ تم اس سے استدلال نہ کرو کہ تم نے عمرہ کو ان کے شوہر کے گھر منتقل ہونے سے حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کی وجہ سے چھوڑ دیا، کیونکہ حضرت فاطمہ بنت قیس جو اپنے شوہر کے گھر سے منتقل ہوئی تھیں تو وہ ایک خاص سبب کی وجہ سے تھا اور وہ سبب یہ تھا کہ ان کا مکان بالکل الگ تھا اور اس میں ان کو وحشت ہوتی تھی اور اس میں ان کو خوف ہوتا تھا، کہا گیا ہے کہ اس میں ایک اور سبب بھی تھا اور وہ یہ ہے کہ وہ کمزور تھیں، اور اپنے گھر کا سارا سامان دوسری جگہ منتقل نہیں کر سکتی تھیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فقال مروان'' یعنی مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر آپ کے نزدیک فاطمہ بنت قیس کے مکان میں کوئی خرابی تھی یا کوئی خاص سبب تھا جس سے وہ دوسرے گھر منتقل ہوئیں تو یہ عذر آپ کے لیے کافی ہے کہ مطلقہ کو اگر ایسا کوئی عذر درپیش ہو تو وہ اپنے خاوند کے گھر کو چھوڑ کر دوسرے گھر میں منتقل ہو سکتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ خطاب مروان کی بھتیجی کے لیے تھا جس کو طلاق دی گئی تھی کہ اگر تمہارے ساتھ بھی کوئی خرابی ہو تو تمہارے لیے ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونے کے لیے یہ عذر کافی ہے کہ تم اپنے خاوند کے گھر کو چھوڑ کر اپنے والد کے گھر منتقل ہو جاؤ۔

اور علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے مروان کے اس قول کی شرح میں لکھا ہے:

اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس نے جو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا حکم دیا تھا، یہ اس خرابی کی وجہ سے تھا جو عمرہ اور ان لوگوں کے درمیان واقع ہو گئی۔

<u>تمام صحابہ کا اس پر اجماع کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی جو یہ روایت ہے کہ مطلقہ کیلئے نفقہ اور سکنیٰ نہیں ہوگا، یہ روایت غلط ہے</u>

علامہ عینی فرماتے ہیں:

خلاصہ بحث یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت پر عمل نہیں کیا اور اس روایت کا انکار کیا، اسی

طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کا انکار کرتے تھے اور اسی طرح حضرت اسامہ اور سعید بن مسیب اور دوسرے صحابہ اور تابعین بھی حضرت فاطمہ بنت قیس کی اس روایت کا انکار کرتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کا انکار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کی ایک جماعت کے سامنے کیا اور کسی نے بھی حضرت عمر کے اوپر اعتراض یا انکار نہیں کیا، اس میں یہ دلیل ہے کہ تمام صحابہ کا اس مسئلہ میں وہی موقف تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۴۱-۴۴۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۲۴، ۵۳۲۳، کی مبہم عبارات کی توضیح

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: حدثنی محمد بن بشار: الحافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف مزی شافعی متوفی ۷۴۲ھ نے لکھا ہے کہ امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ نے اس حدیث کی روایت محمد سے کی ہے اور ان کو کسی کی طرف منسوب نہیں کیا اور یہ دراصل محمد بن بشار ہیں، اسی طرح ابومسعود نے ان کو اس طرف منسوب کیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ما لفاطمة؟: یعنی حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو کیا ہوا، اور جو کچھ وہ اس قصہ میں بیان کرتی ہیں، کیا وہ اس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتی نہیں ہیں، یعنی حضرت فاطمہ بنت قیس نے جو یہ حدیث بیان کی ہے کہ مطلقہ کے لیے نہ نفقہ ہوگا اور نہ سکنیٰ ہوگا، یعنی مطلقہ کے زوج کے اوپر مطلقہ کے لیے نہ خرچ واجب ہوگا اور نہ اس کے لیے رہائش واجب ہوگی۔ اور حال یہ ہے کہ ان کے قصہ سے یقینی طور پر یہ معلوم ہوگیا کہ انہوں نے جو اپنے خاوند کے گھر سے اپنے والد کے گھر منتقل ہونے کا حکم دیا تھا تو وہ ایک خاص سبب کی وجہ سے تھا۔

المہلب نے کہا ہے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے جو حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کا انکار کیا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ شارع علیہ السلام نے ان کے لیے خاوند کے گھر سے منتقل ہونے اور خاوند کے گھر کو چھوڑنے کو مباح فرمادیا تھا، اور شارع علیہ السلام کو اس سبب کی خبر نہیں دی گئی تھی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۴۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۲۶-۵۳۲۵، کے مشکل الفاظ اور مبہم عبارات کی توضیح

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: ''عن ابیه'' اس سے مراد القاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''الم ترین الی فلانة بنت الحکم'': اس حدیث میں حضرت فاطمہ بنت قیس کی نسبت ان کے دادا کی طرف کی گئی ہے اور وہ درحقیقت عبدالرحمٰن بن الحکم کی بیٹی ہیں، جیسا کہ پہلی حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''البتة'' یعنی ان کے شوہر نے ان کو طلاقِ مغلظہ دے دی اور وہ اپنے شوہر سے بائنہ ہوگئیں، اور ان کی طلاق رجعی نہیں تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''فخرجت'': یعنی جس گھر میں ان کو طلاق دی گئی تھی، وہ اس گھر سے نکل گئیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''بئس ما صنعت'': اور الکشمیہنی کی روایت میں مذکور ہے، بئس ما صنعت، یعنی ان کے خاوند

نے جوان کو طلاق دے کر گھر سے نکلنے کا موقع دیا، یہ انہوں نے اچھا نہیں کیا، یا عمرہ کے والد نے جوان کو اس گھر سے منتقل ہونے کا موقع دیا، یہ اچھا نہیں کیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے "لیس لھا خیر فی ذکر ھذا الحدیث": یعنی حضرت فاطمہ بنت قیس نے جو اس حدیث کا ذکر کیا ہے، اس میں ان کے لیے کوئی خیر نہیں ہے۔ کیونکہ کسی شخص کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ کسی ایسی چیز کا ذکر کرے جس پر انکار کیا جا سکتا ہو۔

حدیث مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی

اور ابن ابی الزناد نے اضافہ کیا، یعنی عبد الرحمٰن بن ابی زناد جن کا نام عبد اللہ ابو محمد المدنی ہے، انہوں نے یہ اضافہ کیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں:

ابن ابی الزناد کی روایت میں بحث ہے، امام نسائی نے کہا: ان کی حدیث سے استدلال نہیں کیا جائے گا، اور امام ابن عدی نے کہا: ان کی بعض روایات میں ان کا کوئی متابع نہیں ہے، اور یعقوب بن شیبہ نے کہا کہ ثقہ اور صدوق ہیں اور ان کی بعض احادیث میں ضعف ہے اور یحییٰ بن معین نے کہا: یہ ہشام بن عروہ کی روایات میں تمام لوگوں سے زیادہ ثابت ہیں، امام بخاری نے ان کی روایات کے ساتھ اپنی صحیح میں استدلال کیا ہے، اور امام مسلم نے بھی اپنی کتاب کے مقدمہ میں ان کی روایت سے استدلال کیا ہے اور امام ابو داؤد، امام نسائی، امام ترمذی اور امام ابن ماجہ نے بھی ان کی روایات کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور ابو داؤد نے سلیمان بن ابو داؤد سے اس حدیث معلق کی سند موصول ذکر کی ہے۔

"عابت عائشۃ" یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی سخت مذمت کی۔

"فلذالك" یعنی کیونکہ حضرت فاطمہ بنت قیس کو اس مکان میں وحشت ہوتی تھی تو ان کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ اس مکان سے منتقل ہو جائیں، اور ابن حزم ظاہری نے کہا ہے کہ یہ حدیث باطل ہے، کیونکہ یہ ابن ابی زناد کی روایت ہے اور وہ سخت ضعیف راوی ہیں، اور ابن حزم ظاہری کے اس قول کو رد کیا گیا ہے، خصوصاً یحییٰ بن معین نے کہا کہ ہشام بن عروہ کی روایت میں جو سب سے زیادہ ثابت ہیں۔

احادیث مذکورہ کا خلاصہ

علامہ عینی فرماتے ہیں: ان احادیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ ام المومنین رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو مسترد کر دیا، اور یہ ثابت کیا ہے کہ مطلقہ بائنہ کے لیے عدت کا خرچ بھی ہوتا ہے اور دورانِ عدت اس کی رہائش بھی اس کے شوہر پر ثابت ہوتی ہے۔

اور صاحب ہدایہ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی متوفی ۵۹۳ھ نے کہا ہے: کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسترد کر دیا تھا کیونکہ حضرت عمر نے فرمایا تھا: ہم اپنے رب کی کتاب کو اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بناء پر ترک نہیں کر سکتے، ہمیں معلوم نہیں کہ اس عورت نے سچ کہا ہے یا جھوٹ کہا ہے اور اس عورت کو وہ حدیث یاد رہی ہے یا وہ بھول گئی ہے، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تین طلاق یافتہ عورت کے لیے اس کے شوہر کے اوپر عدت کے دوران کا خرچ بھی لازم ہوتا ہے اور اس کی رہائش بھی لازم ہوتی ہے جب کہ وہ عدت کے اندر ہو۔ اور حضرت زید بن

ثابت اور حضرت اسامہ بن زید اور حضرت جابر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم نے بھی ان کی اس حدیث کو رد کر دیا۔

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے اس حدیث کی شرح میں فقہاء احناف پر اعتراض کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی پوری عبارت اس طرح ہے:

اور بعض فقہاء احناف نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا کہ انہوں نے فرمایا: تین طلاق یافتہ عورتوں کے لیے اس کے شوہر کے ذمہ عدت کے دوران رہائش بھی ہوتی ہے اور خرچ بھی ہوتا ہے۔ اور ابن السمعانی نے اس کا رد کر دیا ہے کہ یہ بعض مجازفین کا قول ہے یعنی یہ ان لوگوں کا قول ہے جو بے تکی باتیں کرتے ہیں اور اٹکل پچو سے کام لیتے ہیں، لہٰذا اس روایت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اور امام احمد بن حنبل نے کہا ہے: اس روایت کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اصلاً ثبوت نہیں ہے۔ اور شاید کہ ان کا ارادہ یہ ہے کہ جو ابراہیم نخعی کی حضرت عمر سے روایت ہے کیونکہ ابراہیم نخعی کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۸۱، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، لکھتے ہیں:

المجازف وہی ہے جس نے بغیر کسی ثبوت کے علماء کی طرف مجازفت کی نسبت کی ہے یعنی جس نے بغیر کسی ثبوت کے علماء کی طرف بے تکی باتیں کرنے کی نسبت کی ہے، درحقیقت وہی بے تکی باتیں کرنے والا ہے۔ اگر اس کی مراد یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثبوت کا انکار کیا ہے تو یہ اس کو مفید نہیں ہے، کیونکہ جنہوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثبوت ہے، اور مثبت نافی سے اولیٰ ہوتا ہے، کیونکہ جو کسی چیز کو ثابت کرتا ہے اس کے پاس اس کی بہ نسبت زیادہ علم ہوتا ہے جو اس کی نفی کرتا ہے۔

اور امام طحاوی نے کہا ہے جو اس فن کے بہت بڑے امام ہیں، کہ جب حضرت فاطمہ بنت قیس آئیں اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ روایت کی کہ آپ نے ان سے فرمایا: کہ رہائش اور خرچ شوہر کے ذمہ اس کے لیے ہے جس کو طلاق رجعی دی گئی ہے، اور حضرت فاطمہ بنت قیس نے اس روایت میں کتاب اللہ کی نصِ صریح کی مخالفت کی کہ کتاب اللہ میں جو عورت کو طلاقِ بائن دی گئی ہو، اس کے لئے شوہر کے ذمہ ثابت کیا ہے اور حضرت فاطمہ بنت قیس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی مخالفت کی ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کے خلاف روایت کی ہے، لہٰذا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ بنت قیس کی اس روایت کا انکار کرنا انکارِ صحیح ہے اور حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت باطل ہے، لہٰذا اس کے اوپر اصلاً عمل واجب نہیں ہے۔

اور اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں اس کے لیے اس کے شوہر کے ذمہ رہائش بھی ہے اور خرچ بھی ہے۔

اور امام دارقطنی نے حرب بن ابی العالیہ سے از ابی الزبیر از جابر رضی اللہ عنہ از نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی روایت ذکر کی ہے۔

امام طحاوی اور امام دارقطنی کی روایات پر ایک اشکال کا جواب

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام عبد الحق نے اپنی کتاب ''الاحکام'' میں یہ لکھا ہے کہ حرب بن ابی العالیہ کی روایات سے استدلال نہیں

کیا جاتا اور ان کو یحییٰ بن معین نے دراوردی کی روایات میں ضعیف قرار دیا ہے اور ابن ابی خیثمہ کی روایات میں بھی ضعیف قرار دیا ہے، اور اشبہ کی روایت یہ ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث موقوف ہے۔

میں کہتا ہوں کہ حرب بن ابی العالیہ کی یہ حدیث صحیح مسلم کی احادیث میں درج ہے اور ان کی احادیث کی امام حاکم نے بھی مستدرک میں روایات کو درج کیا ہے اور حرب بن ابی العالیہ کی روایات کی توثیق کے لیے امام مسلم کا ان کی روایات سے استدلال کرنا کافی ہے۔ اور امام طحاوی نے بھی شعبی سے روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس نے یہ خبر دی کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہ نے یہ حدیث بیان کی کہ ان کے خاوند نے ان کو تین طلاقیں دیں، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے تمہارے شوہر کے ذمہ عدت کے درمیان نہ خرچہ ہے اور نہ رہائش ہے، سو اس حدیث کی انہوں نے ابراہیم نخعی کو خبر دی، تو ابراہیم نخعی نے کہا: حضرت عمر نے بتایا: کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: آپ نے فرمایا: تین طلاق یافتہ عورت کے لیے شوہر کے ذمہ رہائش بھی ہوتی ہے اور خرچ بھی ہوتا ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ ابراہیم نخعی نے تو حضرت عمر کو نہیں پایا تھا، کیونکہ ابراہیم نخعی حضرت عمر کی وفات کے دو سال بعد پیدا ہوئے تو میں کہوں گا کہ اس کا ہمیں کوئی ضرر نہیں ہے، کیونکہ ابراہیم نخعی کی مرسل روایات سے استدلال کیا جاتا ہے، خاص طور پر وہ احادیث جو ہمارے قواعد کے موافق ہوں۔ فافہم

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۴۲-۴۴۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

جو عورت مطلقہ بائنہ ہو، اس کے عدت کے دوران گھر سے نکلنے کے متعلق فقہاءِ اسلام کی آراء

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ محمد بن ابراہیم المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ لکھتے ہیں:

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ جس عورت کو طلاقِ بائنہ دی گئی ہو وہ عدت کے دوران اپنے گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں؟ پس حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ نے اس سے منع کیا ہے۔

اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ اور القاسم اور سالم اور ابوبکر بن عبد الرحمٰن اور خارجہ بن زید اور سلیمان بن یسار کی رائے یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں عدت پوری کرے گی جس گھر میں اس کے خاوند نے اس کو طلاق دی ہے۔ اور امام ابوعبید الہروی المتوفی ۲۲۷ھ نے کہا ہے کہ امام مالک المتوفی ۱۷۹ھ اور فقہاءِ کوفہ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری المتوفی ۱۶۱ھ ان سب کی رائے یہ ہے کہ جس عورت کو طلاقِ بائنہ دی گئی ہو یا جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ صرف اپنے خاوند کے گھر میں عدت پوری کرے گی۔

اور اس مسئلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں، وہ جہاں چاہے عدت گزارے، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت جابر بن عبد اللہ متوفی رضی اللہ عنہ ۷۸ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور طاؤس بن کیسان الیمانی متوفی ۱۰۶ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور عکرمہ البربری متوفی ۱۰۵ھ کا قول ہے۔

اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہیں وہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کے مطابق گھر سے نکلے گی اور اس کے شوہر کے ذمہ نہ اس کی رہائش ہوگی اور نہ اس کی عدت کے دوران کا خرچ ہوگا۔

علامہ ابن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے: اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا تین طلاق یافتہ عورت عدت کے دوران گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں؟ اور جس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو تو وہ گھر سے نکل سکتی ہے، اور ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (الطلاق:۱) یعنی وہ مطلقہ عورتیں اپنے گھروں سے نہ نکلیں، سوائے اس صورت کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں

جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو اس کی عدت کے دوران گھر سے نکلنے کے متعلق فقہاءِ اسلام کی آراء

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا: جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ عدت کے دوران دن کے وقت میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور رات صرف اپنے خاوند کے گھر میں گزارے گی اور جس عورت کو طلاق دی گئی ہے وہ عدت کے دوران نہ رات میں گھر سے باہر نکلے گی اور نہ دن میں، اور انہوں نے ان دونوں مسئلوں میں یہ فرق کیا ہے کہ جس عورت کو طلاق دی گئی ہے، ہمارے نزدیک اس کی رہائش شوہر پر لازم ہے اور اس کی عدت کے دوران اس کا خرچ بھی شوہر پر لازم ہے، اور چونکہ اس کے شوہر پر رہائش اور خرچ اس کی عدت کے دوران لازم ہے تو یہ اس کو گھر سے باہر نکلنے سے مستغنی کر دیتا ہے، اور جس عورت کا خاوند فوت ہو چکا ہے تو اس کا نہ کوئی خرچ شوہر پر لازم ہے کیونکہ وہ فوت ہو چکا ہے، اسی لیے وہ اپنے معاش کی تلاش کے لیے دن کے وقت گھر سے باہر نکل سکتی ہے اور دن کے اوقات میں وہ اپنے معاش کی ضروریات کے لیے تگ و دو کرے گی۔

اور امام محمد بن الحسن شیبانی المتوفی ۱۸۹ھ نے کہا ہے کہ خواہ مطلقہ ہو خواہ وہ عورت جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو، وہ عدت کے دوران نہ دن کو باہر نکل سکتی ہے اور نہ رات کو گھر سے باہر نکل سکتی ہے۔

اور فقہاء کی ایک اور جماعت نے کہا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے وہ جہاں چاہے عدت گزارے۔ یہ قول حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما متوفی ۷۸ھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کی طرف منسوب ہے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے وہ چار ماہ دس دن عدت گزارے اور یہ قید نہیں لگائی کہ وہ اپنے خاوند کے گھر عدت گزارے، پس وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جس عورت کو رجعی طلاق دی گئی ہے تو اس کا شوہر اس سے رجوع کر سکتا ہے، اور اس کے شوہر کے ذمہ اس کی عدت کے دوران اس کا خرچہ بھی ہے اور اس کی رہائش بھی ہے اور اس کا حکم وہی ہے جو بیویوں کا تمام امور میں ہوتا ہے۔

اور اس میں اختلاف ہے کہ تین طلاق یافتہ عورت کے لیے شوہر کے ذمہ خرچ اور رہائش واجب ہے یا نہیں؟

سو حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۸ھ نے یہ کہا ہے کہ

جو تین طلاق یافتہ عورت حاملہ نہ ہو تو اس کی رہائش اور اس کا خرچ شوہر کے ذمہ نہیں ہے اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ابوثور کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور فقہاء کی ایک جماعت نے کہا:

جس عورت کو طلاقِ بائنہ دی گئی ہے اس کی رہائش تو شوہر کے ذمہ ہے اور اس کا خرچ شوہر کے ذمہ نہیں ہے، یہ سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ اور سلیمان بن یسار اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور عامر بن شراحیل الشعبی متوفی ۱۰۳ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کا قول ہے۔ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور ابن ابی لیلیٰ اور لیث اور اوزاعی اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے: کہ ہر مطلقہ کے لیے اس کے شوہر پر رہائش اور خرچ لازم ہوتا ہے جب کہ وہ عورت عدت کے اندر ہو خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو، خواہ اس کو طلاقِ بائنہ دی گئی ہو یا طلاقِ رجعی دی گئی ہو، یہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ کا قول ہے اور فقہاء کوفہ کا قول ہے، اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ کا بھی یہی قول ہے۔

اور فقہاء احناف نے اس سے استدلال کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما متوفی ۵۸ھ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو مسترد کر دیا تھا اور ان پر انکار کیا تھا اور انہوں نے اس مسئلہ پر از ابراہیم از الاسود از حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے رب کی کتاب کو اور اس کے نبی کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بناء پر نہیں چھوڑ سکتے، معلوم نہیں وہ بھول گئی ہے یا اس کو یاد نہیں رہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کو مسترد کرنا اور مطلقہ بائنہ کے لیے عدت کے دوران رہائش اور خرچ کو واجب قرار دینا

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مطلقہ بائنہ کے لیے اس کے شوہر کے ذمہ خرچ اور عدت کے دوران رہائش کو لازم کرتے تھے، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝ (الطلاق:۱)

اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو، اور عدت کا شمار رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے ۝

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ،

حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ۝ لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق: ۷،۶)

اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو، اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کرلو، اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی O صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کردے گا O

پس جب حضرت فاطمہ بنت قیس آئیں اور انہوں نے یہ روایت کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ شوہر کے ذمہ رہائش اور عدت کے دوران کا خرچ اس عورت کے لیے ہوتا ہے جس کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو تو انہوں نے اپنی اس روایت سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی نص صریح سے مخالفت کی، عدت کو لازم کیا ہے، جس کو طلاق رجعی نہ دی گئی ہے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی بھی مخالفت کی ہے کیونکہ حضرت عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ بنت قیس کے خلاف حدیث روایت کی ہے۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا موقف صحیح حدیث سے ثابت ہو گیا اور حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت باطل ہو گئی، لہٰذا اس کے موافق عمل واجب نہیں ہے۔

مطلقہ بائنہ کی عدت کے دوران رہائش اور خرچ کے متعلق فقہاءِ احناف اور فقہاءِ مالکیہ کے نظریات

اور فقہاءِ احناف نے یہ کہا ہے کہ رہائش خرچ کے تابع ہوتی ہے اور رہائش خرچ کے وجوب کے ساتھ واجب ہوتی ہے اور رہائش خرچ کے سقوط کے ساتھ ساقط ہوتی ہے۔ ان سے اصحابِ مالک نے یہ کہا کہ رہائش اس وقت لازم ہوتی ہے جب وہ اپنے شوہر کے نکاح میں ہو اور اس وقت نفقہ بھی اس کے تابع ہوتا ہے کیونکہ اس کا شوہر اس سے نفع اٹھانے پر قادر ہوتا ہے، اس صورت میں یہ جائز نہیں ہے کہ ایک کے سقوط سے دوسرے کا سقوط ہو جائے، اور طلاقِ بائن کے بعد اللہ کا حق، پس اس صورت کے اندر عدت کے دوران کا خرچ رہائش کے تابع نہیں ہوگا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ شوہر اور بیوی اگر دونوں اس پر متفق ہو جائیں کہ وہ رہائش کو ساقط کر دیں تو اس عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ شوہر کے اس گھر کے علاوہ جس گھر میں اس نے طلاق دی ہے کہیں اور عدت گزارے، اور جس حال میں شوہر بیوی کے نکاح میں ہو تو اس وقت اس کے لیے جائز ہے کہ جس گھر میں چاہے منتقل ہو جائے اور طلاق کا حکم اس طرح نہیں ہے۔

جن فقہاء نے رہائش سے منع کیا ہے، ان کے دلائل

اور جن فقہاء نے شوہر کے ذمہ رہائش اور عدت کے دوران خرچ سے منع کیا ہے انہوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث سے استدلال کیا ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان پر یہ اس لیے انکار کیا تھا کہ ان کے نزدیک حضرت فاطمہ بنت قیس نے کتاب اللہ کی مخالفت کی تھی یعنی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ (الطلاق: ۶)

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم

خود رہتے ہو۔

انہوں نے کہا: اس آیت کا حکم مطلقہ رجعیہ کے متعلق ہے اور حضرت فاطمہ بنت قیس مطلقہ بائنہ تھیں، اور ان کے لیے ان کے شوہر پر رجوع کا حق نہیں تھا اور حضرت فاطمہ بنت قیس نے یہ کہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ عدت کے دوران کا خرچ اور رہائش اس شوہر کے ذمہ ہوتی ہے جس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو اور حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو طلاقِ رجعی نہیں دی گئی تھی، پس انہوں نے اس مسئلہ میں جو روایت کی ہے وہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف نہیں ہے۔

پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما متوفی ۵۸ھ نے جو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کا انکار کیا اور اس روایت کے خلاف کہا۔

اور حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کی متابعت حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ نے کی ہے اور عامر بن شراحیل الشعبی متوفی ۱۰۳ھ کی روایت میں اس کی زیادہ تفصیل ہے۔

ہشیم نے روایت کی ہے: ہمیں مغیرہ، حصین، اور اسماعیل بن ابی خالد نے اور مجالد نے از شعبی روایت کی ہے کہ میں حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، پس ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فیصلہ کے متعلق پوچھا جو عدت کے دوران رہائش اور خرچ کے متعلق ہے تو حضرت فاطمہ بنت قیس نے بیان کیا: کہ مجھے میرے خاوند نے قطعی طلاق دے دی تو میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس کا مقدمہ پیش کیا، تو انہوں نے میرے لیے رہائش اور خرچ کو نہیں چھوڑا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے لیے عدت کے دوران رہائش اور عدت کے دوران خرچ کو لازم نہیں کیا، اور مجھے حکم دیا کہ میں حضرت ابن ام مکتوم کے گھر میں عدت گزاروں اور مجالد نے اپنی حدیث میں یہ ذکر کیا کہ رہائش اور نفقہ یعنی عدت کے دوران رہائش اور عدت کے دوران خرچ اس عورت کے لیے لازم ہوتا ہے جس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو۔

جن فقہاء نے رہائش کو واجب کیا ہے اور خرچ کو واجب نہیں کیا ہے ان کے دلائل

اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ جس عورت کو طلاقِ بائنہ دی گئی ہو اس کے شوہر پر رہائش تو لازم ہے لیکن عدت کے دوران کا خرچ لازم نہیں ہے، انہوں نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک شعبی کی یہ روایت غلط ہے، کیونکہ شعبی سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے جس عورت کو طلاقِ بائنہ دی گئی ہو اس کے لیے رہائش کو لازم کیا ہے اور بعض فقہاء نے یہ کہا کہ اس کے شوہر کے اوپر رہائش بھی لازم ہے اور عدت کے دوران کا خرچ بھی لازم ہے۔

اور اسماعیل بن اسحاق نے کہا ہے: ہمیں امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے بیان کیا: ہمیں حمید نے حدیث بیان کی از حسین بن صالح از سُدی از ابراہیم النخعی، انہوں نے تین طلاق یافتہ عورت کے متعلق کہا کہ اس کے لیے عدت کے دوران رہائش بھی لازم ہے اور عدت کے دوران کا خرچ بھی لازم ہے اور یہ حدیث الشعبی کی روایت کو ضعیف قرار دیتی ہے۔

اور امام ابن اسحاق نے کہا: کہ میں اسود بن یزید کے ساتھ جامع مسجد میں تھا اور ہمارے ساتھ الشعبی بھی تھے تو انہوں نے ہمیں حضرت فاطمہ بنت قیس کی حدیث بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے شوہر کے ذمہ رہائش کو اور عدت کے دوران خرچ کو لازم نہیں کیا تھا، تو اسود بن یزید نے کنکریاں اٹھا کر ان کو ماریں اور کہا: تم پر افسوس ہے کہ تم یہ روایت بیان کرتے ہو، اسماعیل نے کہا: پس

شاید کہ الشعبی نے اس کے خلاف فتویٰ دیا جو حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت ہے کیونکہ تمام لوگ اس روایت کا انکار کرتے تھے۔
اور ابو عوانہ نے از منصور از ابراہیم تین طلاق یافتہ عورت کے متعلق یہ حدیث روایت کی ہے کہ اس کے شوہر کے ذمہ عدت کے دوران رہائش بھی ہے اور عدت کے دوران خرچ بھی لازم ہے اور اس کو خرچ دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔
اسماعیل نے کہا: پس منصور نے اس روایت کی تلخیص کی جو اس کے ضبط پر دلالت کرتی ہے اور یہ بیان کیا کہ ابراہیم کی مراد یہ تھی کہ تین طلاق یافتہ عورت کے لیے رہائش لازم ہے اور خرچ لازم نہیں ہے، اور رہائش کا ساقط کرنا حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت میں ہے جس پر انکار کیا گیا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس کا انکار کیا ہے اور اس سبب کو مخفی رکھا جس سبب کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو اپنے شوہر کے گھر سے باہر نکلنے کی اجازت دی تھی، حضرت عائشہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس سے فرمایا: تم اللہ سے ڈرو اور اس راز کو نہ چھپاؤ جس راز کی وجہ سے تمہیں اپنے شوہر کے گھر سے نکلنے کی اجازت دی گئی تھی اور وہ راز یہ تھا کہ حضرت فاطمہ بنت قیس بہت منہ پھٹ تھیں اور زبان دراز تھیں اور اپنے شوہر کے خلاف بدزبانی کرتی تھیں، تو ان کے شوہر کے گھر والے ان کو عدت کے دوران اپنے گھر میں رہنا برداشت نہیں کرتے تھے اس وجہ سے وہ اس گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہوئیں نہ کہ اس وجہ سے کہ مطلقہ بائنہ کے لیے اس کے شوہر پر نہ کوئی رہائش لازم ہوتی ہے اور نہ خرچ۔ اور ہمارے نزدیک جب کسی عورت کو اس کے شوہر کے گھر والے اس کی اذیت رسانی کی وجہ سے اس کے گھر میں رہنے سے منع کریں تو پھر اس عورت کے لیے کسی اور گھر کی طرف منتقل ہونا جائز ہے، اور اس میں یہ دلیل ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جانتی تھیں کہ کس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو اس گھر سے دوسرے گھر منتقل ہونے کی اجازت دی تھی، اور حضرت فاطمہ بنت قیس نے اس سلسلہ میں جو حدیث روایت کی ہے، وہ محض اپنی رائے سے روایت کی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور مروان کے درمیان مباحثہ

کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ نے مروان سے کہا: تم فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو چھوڑ دو، کیونکہ ان کا ایک الگ قصہ ہے۔ اور فرمایا کہ فاطمہ بنت قیس کیا اللہ سے نہیں ڈرتیں اور وہ یقینی طور پر اصل صورت حال کو جانتی تھیں اور مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اگر فاطمہ بنت قیس کے معاملہ میں کوئی شر ہے تو آپ کو ان دو شر کے درمیان اختیار ہے، مروان کے اس قول میں یہ دلیل ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کو اپنے شوہر کے گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونے کا حکم دیا گیا تھا تو وہ کسی شر کی وجہ سے تھا جو حضرت فاطمہ بنت قیس اور ان کے گھر والوں کے درمیان تھا، اور جب شر اور شقاق زوجین کے درمیان واقع ہو تو حاکم کے لیے جائز ہے کہ دو منصفوں کو بھیجے اور وہ ان کو جمع کرنے کا حکم دے یا الگ الگ ہونے کا حکم دے، پس معتدہ (عدت والی) کا اپنے خاوند کے گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونا اس شر کی وجہ سے تھا۔

حضرت فاطمہ بنت قیس کی اپنے گھر سے نکل کر دوسرے گھر میں عدت گزارنے کی توجیہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (الطلاق:۱)

تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

اس آیت میں جس کھلی بے حیائی کا ذکر ہے اس کی کئی تفسیریں کی گئی ہیں۔

بعض علماء نے کہا: کھلی بے حیائی سے مراد بدزبانی اور بدخلقی ہے۔ اور یہ مروان کے اس قول کے مشابہ ہے کہ اگر اس میں کوئی شر ہے تو آپ کے لیے وہ شر کافی ہے جو ان دو شر کے درمیان ہے۔ اور اس کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں جو اس باب کے بعد ان شاء اللہ ذکر کیے جائیں گے۔ علامہ المھلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو حضرت فاطمہ بنت قیس پر انکار کیا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے خاوند کے گھر سے نکلنے اور دوسرے گھر میں عدت گزارنے کی جو اجازت دی تھی وہ ایک خاص سبب کی وجہ سے تھی اور حضرت فاطمہ بنت قیس نے اس سبب کا ذکر نہیں کیا تھا۔

حدیث مذکور کی فقہ

اس حدیث کی فقہ یہ ہے کہ جو مرد عالم ہو جب اسے کسی مسئلہ کا علم نہ ہو تو اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ جب اس سے اس مسئلہ کے متعلق سوال کیا جائے تو وہ اس کا جواب دے، جیسا کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو اس وجہ کا علم نہیں تھا جس کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہونے کی اجازت دی تھی، پس انہوں نے یہ وہم کیا کہ مطلقہ بائنہ کے لیے شوہر کے ذمہ رہائش نہیں ہوتی۔ اور جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ شوہر کے ذمہ رہائش واجب ہوتی ہے اور نفقہ باطل نہیں ہوتا، انہوں نے اللہ عزوجل کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۖ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ ۖ وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرَىٰ ۝ (الطلاق:۶)

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو، اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کرلو، اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی O

پس اگر عدت کے دوران خرچ واجب ہوتا جیسا کہ عدت کے دوران رہائش واجب ہے تو پھر حاملہ عورت کے لیے عدت کے دوران خرچ کی تخصیص کی کوئی وجہ نہ ہوتی۔ پس جب تخصیص واقع ہوئی تو واجب ہے کہ مطلقہ کے لیے اس کے خاوند پر کوئی خرچ واجب نہ ہو جب کہ وہ حاملہ نہ ہو، اور نیز یہ بھی واجب ہے کہ یہ عورت وہ نہیں ہے جس کا خاوند اس سے رجوع کرنے کا حق رکھتا ہے، کیونکہ جس عورت سے اس کا خاوند رجوع کرنے کا حق رکھے، اس کا حق خاوند پر واجب ہوتا ہے خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ۔

جن فقہاء نے یہ کہا ہے کہ اس عورت کی رہائش اس کے خاوند پر واجب ہے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے:

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ ۚ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَإِنْ

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو، اور اگر وہ تمہارے

اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ۝ (الطلاق:۶)

لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کرلو، اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلادے گی O

کیونکہ جو عورت بائنہ ہے اس کی طلاق پائی گئی ہے، اور وہ بیویوں کے کل احکام سے خارج نہیں ہوئی، خواہ وراثت کے احکام ہوں خواہ دوسرے احکام ہوں، پس اس کی رہائش کا ذکر دوبارہ کیا گیا تا کہ جب تک وہ عدت کے اندر ہو، اس کی حفاظت رہے، اور جو عدت سے پہلے اس کے احکام تھے وہی احکام ثابت رہیں، اور اس سے عدت کے دوران کا خرچ ساقط کر دیا گیا ہے جو کہ اس عورت کے اپنے شوہر سے بائنہ ہونے سے پہلے ثابت تھا اور وہ خرچ اس کی عدت کے دوران نہیں مقرر کیا گیا، سوائے اس صورت کے کہ وہ عورت حاملہ ہو۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۹ ص ۳۹۷-۴۰۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

مطلقہ بائنہ کے عدت کے دوران گھر سے نکلنے کے متعلق فقہاءِ اسلام کے نظریات

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابوعمر بن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ حضرت فاطمہ کی یہ حدیث متعدد سنداتِ صحیحہ متواترہ سے مروی ہے۔

(التمہید ج ۱۹ ص ۱۵۵)

علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے جیسا کہ علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ مطلقہ بائنہ کی عدت کے دوران گھر سے نکلنے کے متعلق علماء کا اختلاف ہے، پس علماء کے ایک گروہ نے اس سے منع کیا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ کا یہی موقف ہے۔

اور فقہاء تابعین میں سے سعید بن المسیب اور قاسم اور سالم اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن اور خارجہ بن زید اور سلیمان بن یسار کا موقف یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں عدت گزارے گی جہاں اس کے خاوند نے اس کو طلاق دی تھی، اور امام ابوعبید نے اس قول کی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور فقہاءِ احناف سے روایت کی ہے۔ ان سب کی رائے یہ ہے کہ مطلقہ بائنہ اور جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو، وہ رات صرف اپنے خاوند کے گھر میں گزارے گی۔

اور اس مسئلہ میں ایک دوسرا قول یہ ہے کہ مطلقہ بائنہ جہاں چاہے عدت گزارے گی، یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور طاؤس بن کیسان الیمانی متوفی ۱۰۶ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور عکرمہ البربری متوفی ۱۰۵ھ سے مروی ہے۔

اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے: جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں، وہ اپنے خاوند کے گھر سے نکل کر کہیں اور عدت گزارے گی اور نہ اس کے لیے اس کے خاوند پر رہائش لازم ہوگی اور نہ عدت کے دوران کا خرچ لازم ہوگا، جیسا کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت ہے۔

علامہ ابن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ علماء کا اختلاف صرف تین طلاق یافتہ عورت کے دورانِ عدت گھر سے نکلنے کے متعلق ہے، یا اس مطلقہ کے متعلق یہ اختلاف ہے جو مطلقہ بائنہ ہو اور خاوند کے لیے اس کی عدت کا کوئی حق نہ ہو، لیکن جس عورت کو

طلاقِ رجعی دی گئی ہو وہ بیویوں کے حکم میں ہے اور تمام اہل علم نے یہ کہا ہے کہ خاوند کے لیے اس کے گھر سے نکلنے سے منع کرنے کا حق ہے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَ لَا یَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍؕ (الطلاق:۱) تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، یہ کہتے تھے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو چکا ہو، وہ اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کے لیے عدت کے دوران گھر سے باہر جائے گی اور عشاء کے بعد اپنے گھر واپس آ جائے گی۔ (المدونہ ج ۲ ص ۱۰۴-۱۰۵)

اور یہی اللیث اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا موقف ہے۔ (الاستذکار ج ۱۸ ص ۱۸۱)

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے: جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو، وہ عدت کے دوران دن کے وقت میں گھر سے باہر نکلے گی اور رات صرف اپنے خاوند کے گھر میں گزارے گی اور جو عورت مطلقہ ہو وہ عدت کے دوران نہ رات میں گھر سے باہر نکلے گی اور نہ دن میں گھر سے باہر نکلے گی۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۳۹۴-۳۹۵)

اور فقہاء احناف نے اس فرق کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ مطلقہ کے لیے ہمارے نزدیک عدت کے دوران رہائش اور خرچ لازم ہوتا ہے اور یہ اس کو گھر سے باہر نکلنے سے مستغنی کرتا ہے اور جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو، اس کا کوئی نفقہ کا کفیل نہیں ہوتا، پس اس کے لیے جائز ہے کہ وہ دن کی روشنی میں گھر سے باہر نکلے اور اپنے رب کے فضل کو تلاش کرے تاکہ اپنی کفالت کر سکے۔

(شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۸۱، مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۳۹۴-۳۹۵)

اور امام محمد بن حسن شیبانی نے کہا کہ عدت کے دوران مطلقہ گھر سے باہر نکلے اور نہ وہ عورت گھر سے باہر نکلے جس کا خاوند فوت ہو گیا ہو، نہ رات میں اور نہ دن میں۔ (شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۸۱، مختصر اختلاف العلماء ص ۳۹۳-۳۹۵، المبسوط للسرخسی ج ۶ ص ۳۲)

جن فقہاء کے نزدیک جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ، حضرت جابر رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ اور فقہاء تابعین میں سے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ نے یہ کہا ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے صرف یہ فرمایا ہے کہ وہ عورت چار ماہ دس دن عدت گزارے اور یہ نہیں فرمایا کہ وہ اپنے خاوند کے گھر میں عدت گزارے، سو وہ جہاں چاہے عدت گزار سکتی ہے۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۷ ص ۳۰-۲۹، مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۰ھ)

اور اس پر اجماع ہے کہ جس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو وہ رہائش اور عدت کے دوران خرچ کی مستحق ہوتی ہے کیونکہ اس کا حکم تمام معاملات میں بیویوں کا حکم ہے۔

اور جو عورت تین طلاق یافتہ ہو اس کے متعلق رہائش کے استحقاق کے وجوب میں اختلاف ہے جب کہ وہ حاملہ نہ ہو، سوا ایک گروہ نے یہ کہا ہے اس باب میں کوئی نص صریح نہیں ہے اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی

۶۸ھ اور یہی امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ابوثور کا قول ہے۔

مطلقہ بائنہ کے عدت کے دوران خرچ کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات

اور ابراہیم نخعی کی ایک روایت ہے کہ جو مطلقہ بائنہ ہو اس کے لیے نفقہ ثابت نہیں، اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، اور عکرمہ البربری متوفی ۱۰۵ھ اور سعید بن جبیر متوفی ۹۵ھ اور عُروہ بن زبیر نے اس کو ذکر کیا ہے اور اس کے متعلق امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ نے اس کو اسانید جیدہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۴۲، رقم الحدیث: ۱۸۶۶۴، ۱۸۶۶۱)

اور اس مسئلے میں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما متوفی ۷۸ھ اور حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ اور حضرت قاضی شریح بن ہانی رضی اللہ عنہ متوفی ۷۸ھ اور حکم اور حماد بن ابی سلیمان متوفی ۱۲۰ھ اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ نے اختلاف کیا ہے۔ اور امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ اس کے متعلق بھی اپنی سند کے ساتھ روایات کو ذکر کیا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۴۱)

اور فقہاء کے تیسرے گروہ نے یہ کہا ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے رہائش اور عدت کے دوران کا خرچ واجب ہے جب تک کہ وہ عدت میں ہو خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو، خواہ اس کو طلاقِ بائن دی گئی ہو یا طلاقِ رجعی دی گئی ہو، یہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ کا قول ہے اور فقہاء احناف کا قول ہے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۳۹۹، الاستذکار ج ۱۸ ص ۵۳-۵۴)

اور یہ قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے بھی منقول ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۴۲)

اور فقہاء احناف نے اس پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا متوفاۃ ۵۷ھ اور حضرت اسامہ بن زید متوفی ۵۸ھ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت کو رد کر دیا تھا اور اس پر انکار کیا تھا اور انہوں نے کہا کہ الاعمش نے از ابراہیم از الاسود از حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم اپنے رب کی کتاب کو اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بناء پر ترک نہیں کریں گے، اس کو وہم ہو گیا یا وہ بھول گئی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس عورت (یعنی مطلقہ بائنہ) کے لیے عدت کے دوران کے خرچ اور رہائش کو واجب کرتے تھے۔ (صحیح مسلم: ۱۴۸۰، کتاب الطلاق، باب المطلقۃ الثلاثۃ لانفقۃ لھا)

اور ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ نے کہا: ہم اپنے دین میں کسی عورت کی شہادت کا اعتبار نہیں کریں گے اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ نے از اعمش از ابراہیم از اسود از حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث موصول کے ساتھ روایت کی ہے۔ (المحلی ج ۱۰ ص ۲۹۵)

اور امام دار قطنی متوفی ۳۸۵ھ نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اگر تم اس پر دو گواہ لے آئیں جو یہ گواہی دیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح سنا ہے، تو ٹھیک ورنہ ہم ایک عورت کے قول کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو ترک نہیں کریں گے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (الطلاق: ۱)

تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

اور اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت عمر نے یہ کہا کہ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ایک عورت کے قول کی بناء پر ترک نہیں کریں گے اور یہ حدیث زیادہ صحیح ہے۔

اور احمد بن شعیب النسائی نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے اور اس میں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں کہ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک نہیں کریں گے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝ (الطلاق:۱)

اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے!) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو، اور عدت کا شمار رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں اور یہ اللہ کی حدود ہیں اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا، تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے ۝

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ۝ (الطلاق:۶)

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو، اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کر لو، اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی ۝

(سنن نسائی ج ۶ ص ۲۰۹)(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۱۳-۵۱۷، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ:

علامہ ابن الملقن شافعی نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث کی بہت زیادہ طویل شرح کی ہے، ہم نے اس میں سے کچھ حصہ پیش کیا ہے اور باقی شرح کو ہم ترک کر رہے ہیں، کیونکہ اس شرح کا اکثر حصہ وہی ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ کی شرح سے نقل کر چکے ہیں۔

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے قصہ میں سورۃ الطلاق کی آیات کی تفسیر از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ لکھتے ہیں:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ (الطلاق:۱): ''اور تم اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے''۔

اس آیت میں وہ احکام بیان کیے گئے ہیں جو شوہر اور بیوی سے متعلق ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توجہ کا اس سے پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کے ساتھ شروع کیا، سو فرمایا:

''یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ'' اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو، اور عدت کا شمار رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ '' یعنی اے ایمان والو! جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دو'' اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کا بہت اہتمام فرمایا ہے اور بہت توجہ فرمائی ہے۔

پھر فرمایا: ''جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو، اور عدت کا شمار رکھو'':

اس آیت میں لام توقیت کے لئے ہے، یعنی جس وقت میں عدت شروع ہوگی، اور وہ وقت یہ ہے کہ عورت حاملہ ہو یا وہ بغیر جماع کے طاہرہ ہو، اور یہی وہ وقت ہے جس میں عدت شروع ہوتی ہے، کیونکہ جب عورت کو اس حال میں طلاق دی گئی کہ وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت فوراً شروع ہو جائے گی اور جب اس کو طلاق دی گئی اس حال میں کہ وہ بغیر جماع کے طاہرہ تھی، تب بھی عدت شروع ہو جائے گی جو کہ عدتِ معلومہ ہے اور وہ تین حیض ہے، لیکن جب عورت کو اس حال میں طلاق دی گئی ہے کہ وہ عورت حائضہ تھی تو عدت شروع نہیں ہوگی کیونکہ جس حیض میں عورت کو طلاق دی جائے، اس کو عدت میں شمار نہیں کیا جاتا، اسی طرح جب عورت کو اس حال میں طلاق دی گئی کہ وہ جماع سے طاہرہ تھی، تب بھی عدت کو شمار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ہوسکتا ہے اس جماع کی وجہ سے وہ عورت حاملہ ہوگئی ہو یا حاملہ نہ ہوئی ہو، سو اس صورت کے اندر عدت معلوم نہیں ہوگی، سو ضروری ہے کہ عدت اس حال میں شروع کی جائے جب وہ حاملہ ہو یا اس حال میں طلاق دی جائے کہ وہ طاہرہ ہو بغیر جماع کے۔

''وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ'' ''اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے''۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا ہے، کیونکہ یہ سب سے اہم موضوع ہے۔

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُیُوْتِهِنَّ وَ لَا یَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ؕ (الطلاق:1) تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

اس آیت میں عورت کے شوہر کو خطاب ہے اور عورت کو بھی خطاب ہے، کہ نہ تو تم اپنی بیویوں کو اپنے گھروں سے نکالو اور نہ وہ بیویاں از خود گھروں سے نکلیں، پس اس آیت میں شوہر اور بیوی دونوں کے لئے ممانعت ہے۔

اس کے بعد فرمایا: ''سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں''۔

اس آیت میں ''الفاحشة المبینة'' کے الفاظ ہیں، ان کی تفسیر میں اختلاف ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد فحش گفتاری ہے اور بدزبانی ہے، یعنی عورت اپنی بدزبانی کی وجہ سے اپنے پڑوسیوں کو ایذاء پہنچائے۔ اور جب وہ اپنی بدزبانی کی وجہ سے اپنے شوہر کے گھر والوں کو بھی ایذاء پہنچائے، خاص طور پر جب اس کا شوہر اس کو طلاق دے، تو پھر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ عورت گھر سے نکل جائے، اسی طرح اگر وہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی بدزبانی سے ایذاء پہنچائے تب بھی اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر سے نکل جائے۔

وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ۔ اور یہ اللہ کی حدود ہیں۔

اس میں اشارہ ان احکام کی طرف ہے جن کا پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ عورتوں کو ان کی عدت کے وقت میں طلاق دی جائے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا وجوب اور عورتوں کو اپنے گھروں سے نکالنے کی ممانعت اور عورتوں کے ازخود اپنے گھر سے نکلنے کی ممانعت اور عدت کا شمار کرنا بایں طور کہ عدت کے ایام کو لکھ کر محفوظ کر لیا جائے، سو یہ تمام احکام اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں۔

اس کے بعد فرمایا: ''وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ'' اور جس نے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اس نے اپنی جان پر ظلم کیا''۔

کیونکہ تمہاری جان تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے، تو جب تم اللہ تعالیٰ کے محارم کی پردہ دری کرو گے تو تم اپنی جان کے لیے ظلم کرنے والے ہو اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے پاس جو امانت رکھی تھی، اس میں خیانت کرنے والے ہو۔

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ (الاحزاب: ۷۲)

بے شک ہم نے آسمانوں اور زمینوں پر اور پہاڑوں پر (اپنے احکام کی) امانت پیش کی تو انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی، بے شک وہ بہت ظلم کرنے والا بڑا جاہل ہے ۝

''فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ'' (الطلاق: ۱) کی مناسبت سے الاحزاب: ۷۲ کی تفسیر از مصنف

اکثر مترجمین نے اس آیت میں ''حمل'' کا معنی اٹھانا کیا ہے، ان مترجمین کے ترجمہ پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں کو اللہ تعالیٰ نے بااختیار نہیں بنایا کہ وہ اللہ کے احکام پر عمل کریں یا نہ کریں، بااختیار اللہ نے صرف انسانوں اور جنات کو بنایا ہے، اس لیے آسمانوں اور زمینوں کا اس امانت کو اٹھانے سے انکار کرنا محل اعتراض ہے۔ ہم نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے: ''انہوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا''۔ اور اب اس آیت پر یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کہ آسمان اور زمین وغیرہ بااختیار نہیں ہیں۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ ''وحملها الانسان'' کا ترجمہ اکثر مترجمین نے کیا ہے: ''اور انسان نے اس امانت کو اٹھالیا، بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے''، اور اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی جس امانت کو اٹھانے سے آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں نے انکار کر دیا تھا اور انسان نے اس امانت کو اٹھالیا تو انسان کو باعث تحسین و آفرین ہونا چاہیے تھا، اس کو اللہ تعالیٰ نے بہت ظالم اور بہت جاہل کیوں فرمایا؟ اور ہم نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے: ''اور انسان نے اس امانت میں خیانت کی، بے شک وہ بہت ظلم کرنے والا بڑا جاہل ہے''، کیونکہ ''حمل'' کا معنی جس طرح اٹھانا ہے اسی طرح ''حمل'' کا معنی خیانت کرنا بھی ہے۔ علامہ جمال الدین افریقی لکھتے ہیں: الزجاج نے کہا ''یحملنها'' کا معنی ہے ''یخنها'' یعنی آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں نے اس امانت میں خیانت کرنے سے انکار کر دیا اور اس میں خیانت کرنے سے ڈرے، اور جو شخص کسی امانت میں خیانت کرے، وہ اس کے بوجھ کو اٹھاتا ہے، اسی طرح جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے، وہ اس گناہ کو اٹھاتا ہے، حسن نے کہا: یہی معنی صحیح ہے۔

(لسان العرب ج ۱۱ ص ۱۷۵، القاموس المحیط ج ۳ ص ۵۲۹) (انوار تبیان القرآن ص ۲۸۲، فرید بک اسٹال لاہور)

نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا تَدْرِیْ لَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا۝ (الطلاق:۱) تم کو معلوم نہیں شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے O

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں، پہلے ارشاد کی علت بیان کی گئی ہے کہ تم عورتوں کو ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ عورتیں از خود نکلیں۔ یعنی تم نہیں جانتے کہ جب تم اپنی بیوی کو طلاق دو گے تو شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی ایسی صورت حال پیدا کرے کہ تم طلاق دینے کے بعد اس عورت سے رجوع کرنے میں رغبت کرو۔ اور جب تم اس طلاق سے رجوع کر لو گے تو گویا کہ تم نے پہلے وہ طلاق نہیں دی، کیونکہ لوگ اس چیز کو نہیں جانتے، پھر جب وہ عورت گھر سے باہر نہیں نکلے گی اور گھر میں رہے گی تو اس کو طلاق دینے کے بعد رجوع کرنا زیادہ آسان ہوگا، بہ نسبت اس کے کہ وہ تمہارا گھر چھوڑ کر اپنے میکے چلی جائے، کیونکہ جب وہ عورت اپنے گھر والوں کے پاس چلی جائے گی تو اس عورت اور اس کے شوہر کے درمیان جدائی ظاہر ہو جائے گی، اور ہو سکتا ہے پھر اس کے گھر والے اس کو شوہر کی طرف واپس جانے سے منع کریں اور شوہر کو بھی رجوع کرنے سے منع کریں لیکن جب وہ عورت گھر میں ہوگی تو پھر شوہر کا اس سے رجوع کرنا آسان ہوگا۔

اَسْکِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِکُمْ (الطلاق:٦) ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو۔

اَسْکِنُوْهُنَّ میں ضمیر مطلقات کی طرف راجع ہے، اور مِنْ حَیْثُ سَکَنْتُمْ کا معنی ہے یعنی جس مکان میں تم رہتے ہو، مِّنْ وُّجْدِکُمْ کا معنی ہے یعنی تمہاری فراخی اور تنگی کے اعتبار سے جو تمہاری رہائش ہے، اس میں اپنی بیویوں کو رکھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتا۔

وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَیِّقُوْا عَلَیْهِنَّ (الطلاق:٦) ''اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ''۔

بسا اوقات شوہر اپنی بیوی کو تنگ کرنے کے لئے ضرر پہنچاتا ہے، یعنی اس کو کھانے اور پینے کی چیزیں اپنے وقت پر مہیا نہیں کرتا یا اس کے حال کے مناسب اس کو کھانا پینا مہیا نہیں کرتا تو پھر وہ عورت اپنی ضرورت کے مطابق گھر سے باہر نکلنے کے لیے مجبور ہوتی ہے، اس لیے فرمایا کہ تم ان کو تنگ کرنے کے لیے تکلیف نہ پہنچاؤ۔

وَاِنْ کُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَیْهِنَّ حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ (الطلاق:٦) ''اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو''۔

یعنی اگر مطلقہ عورتیں حاملہ ہوں، تو ان پر اس وقت تک خرچ کرتے رہو، یہاں تک کہ ان کا وضع حمل ہو جائے، اور رہائش ہر مطلقہ کے لیے واجب ہے اور خرچ صرف حاملہ کے لیے واجب ہے، اور اس آیت کریمہ کا ظاہر یہ ہے کہ غیر حاملہ کے لیے خرچ واجب نہیں ہوتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرو حتیٰ کہ وضع حمل ہو جائے، لیکن اہل علم نے اس حکم کے ساتھ مطلقہ بائنہ کو بھی خاص کر لیا اور کہا ہے کہ جو مطلقہ غیر بائنہ ہے، یعنی مطلقہ رجعی ہے، اس پر تو خرچ کرنا مطلقاً لازم ہے، عام ازیں کہ وہ حاملہ ہو یا حاملہ نہ ہو۔ اور فرمایا حتیٰ کہ ان کا وضع حمل ہو جائے، یعنی ضروری ہے کہ اس وقت تک ان پر خرچ کیا جائے یہاں تک کہ ان حاملہ عورتوں کے ہاں بچہ پیدا ہو جائے، اور اگر حمل اس کے پیٹ میں دو سال رہے یا تین سال رہے یا چار سال رہے تو اسے اس پوری مدت حمل تک خرچ کرنا ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حتیٰ کہ ان کا وضع حمل ہو جائے۔

فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ (الطلاق:٦) ''اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو''۔ یعنی مطلقہ بائنہ، کیونکہ وہ بیوی نہیں ہے، پس اس کا حکم اجنبی عورت کا حکم ہے، تو جب وہ اپنے شوہر کے بچے کو دودھ پلائے تو اس کو اجرت دینا ضروری ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ، اس میں یہ دلیل ہے کہ دودھ پلانے کا خرچہ شوہر کے اوپر واجب ہے، اس لیے یہ نہیں فرمایا کہ اگر وہ عورتیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں، بلکہ یہ فرمایا کہ اگر وہ عورتیں تمہارے بچوں کو دودھ پلائیں، کیونکہ جو مسئول ہے وہ شوہر ہے اور بچے کا باپ ہے، نیز اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ اگر اس کی بیوی یہ اختیار کرے کہ وہ اس کے بچے کو دودھ پلائے گی اور اس کے شوہر کو ایسی عورت مل جائے جو مفت میں اس کے بچے کو دودھ پلائے، تو بچے کو اس کی ماں دودھ پلائے گی کیونکہ وہ زیادہ حق دار ہے اور اس لیے کہ بچے کی ماں کا دودھ بچے کے لیے زیادہ نفع آور ہے اور اس لیے کہ دوسری عورت کی بہ نسبت ماں بچے پر زیادہ شفیق ہے، اور اس لیے کہ دودھ پلانے والی کے اخلاق میں کوئی ایسی چیز ہو جو اس بچے کے اوپر اثر ڈالے، اسی لیے انسان کو یہ منع کیا گیا ہے کہ وہ کسی بیوقوف عورت سے اپنے بچے کو دودھ پلوائے، کیونکہ اس کی حماقت بچے کی طبیعت میں اثر انداز ہوگی۔

وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ (الطلاق:٦) ''اور رواج کے مطابق آپس میں مشورہ کرلو''۔

اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ تعلیم دی ہے کہ تم دودھ پلانے کے متعلق آپس میں مشورہ کرلو، کہ کتنے زمانے تک دودھ پلایا جائے گا اور جو امور دودھ پلانے سے متعلق ہوتے ہیں، ان کے متعلق باہم مشورہ کرلیا جائے گا۔

یہ معاملہ عورت کی طرف مفوض کیا گیا ہے نہ کہ باپ کی طرف، کیونکہ بعض عورتوں کے مزاج میں سختی اور درشتی ہوتی ہے اور وہ اس کی پرواہ نہیں کرتیں کہ بچہ بھوکا ہے یا اس کا پیٹ بھرا ہوا ہے، اسی طرح بعض مردوں کے مزاج اور ان کی طبیعت میں بھی سختی اور غلظت ہوتی ہے اور وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے کہ اس کا بیٹا بھوکا ہے یا ان کا پیٹ بھرا ہوا ہے، پس جب ان کا باہمی مشورہ ہوگا اور وہ ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں گے تو پھر خیر کا حصول ہوگا۔

وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى (الطلاق:٦) ''اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی''۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے، یعنی تم یہ گمان نہ کرو کہ اگر تم اپنی غربت اور مفلسی کی وجہ سے بچہ کو دودھ پلانے کی اجرت نہ دے سکو، پس باپ یہ چاہے کہ اس کو کم اجرت دے، اور ماں یہ چاہے کہ اس کو زیادہ اجرت ملے، تو تم یہ گمان نہ کرو کہ بچہ ضائع ہو جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ عنقریب اس کے لیے اس عورت کو میسر کردے گا جو اس کو دودھ پلائے گی۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا (الطلاق:٧) ''صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے''۔

یعنی جو شخص صاحب حیثیت ہے اور مالدار ہے اور خوشحال ہے تو وہ فراخ دستی کے ساتھ خرچ کرے اور جس کے اوپر اس کی معیشت کو تنگ کردیا گیا ہے، حتیٰ کہ وہ مفلس اور تنگدست ہے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کو جتنا عطا کیا ہے اس کی حیثیت کے مطابق وہ اس پر خرچ کرے، اگر اس کے پاس مال قلیل ہے تو وہ کم مال کو خرچ کرے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی علت بیان فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا، یعنی کسی شخص کو اتنا مال ادا کرنے کا مکلف نہیں کرتا جتنا مال اس کو عطا نہیں کیا، سو جس کے پاس بالکل مال نہیں ہے، اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے اور جو مفلس ہے اس کے اوپر حج فرض نہیں ہے اور نہ اس پر یہ فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں پر اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کو بھی اتنا مکلف نہیں کرتا جتنی اس کے پاس طاقت نہیں ہے۔ وہ کہے گا: میں کہاں سے خرچ کروں، کیا میں پہاڑ کھود کر مال نکالوں، اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیسیر ہے اور آسانی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی شخص کو تنگی رزق میں مبتلا کرتا ہے تو اس سے شرعی احکام میں تخفیف کر دیتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق:۷) ''عنقریب اللہ تعالیٰ مشکل کے بعد آسانی کر دے گا''۔ پس تم کشادگی کا انتظار کرو، پس عنقریب اللہ تعالیٰ تنگی اور مفلسی کے بعد آسانی اور کشادگی کو پیدا کر دے گا، اور کبھی بھی ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں ہوگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ (الم نشرح:۵،۶) پس بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے ۝ بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے ۝

اس آیت میں ''الْعُسْرِ'' معرفہ ہے اور ''يُسْرًا'' نکرہ ہے اور العسر اور یسر دونوں کو دوبارہ ذکر کیا گیا ہے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جب معرفہ مکرر ہو تو ثانی عینِ اول ہوتا ہے اور جب نکرہ مکرر ہو تو ثانی غیرِ اول ہوتا ہے، اس کا معنی یہ ہوا کہ مشکل تو ایک ہی ہے اور اس کے ساتھ آسانیاں دو ہیں، شاعر کا شعر ہے:

اذا اشتدت بك البلویٰ ففكر فی الم نشرح فعسر بين يسرين اذا قراته فافرح

ترجمہ: جب تم پر کوئی مصیبت بھاری ہو تو سورہ الم نشرح میں غور کرو، پس ایک مشکل دو آسانیوں کے درمیان میں ہے، جب تم اس کو پڑھو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔

یعنی جب تمہیں کوئی مشکل درپیش ہو تو پھر آسانی کا انتظار کرو اور تنگی کے بعد کشادگی کے منتظر رہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا اور ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی، اور ایک مشکل دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو مکرر بیان فرمایا ہے۔

نیز اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الانفال:۷۰)

اے نبی! ان قیدیوں سے کہیے جو آپ کے قبضہ میں ہیں: اگر اللہ تمہارے دلوں کی کسی نیکی کو ظاہر فرمائے گا تو وہ تم کو اس سے بہت زیادہ دے گا جو (بہ طور فدیہ) تم سے لیا گیا ہے، اور اللہ تم کو بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے ۝

الانفال: ۷۰ کی تفسیر از مصنف

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں مشورہ کیا تو حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ اپنی قوم کا خیال فرمائیں، ان سے فدیہ لے لیں۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: ان کو قتل کر دیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قول پر عمل کیا۔ تب اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی۔
(المعجم الکبیر ج ۱۱ ص ۳۴۸)

بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں ان صحابہ کو ملامت کی گئی ہے جنہوں نے فدیہ لے کر قیدی آزاد کرنے کا مشورہ دیا تھا، لیکن حقیقتاً یہ خطاب ان تمام صحابہ کرام کی طرف متوجہ نہیں ہے بلکہ اس آیت کا روئے سخن ان بعض مسلمانوں کی طرف ہے، جنہوں نے نیا نیا اسلام قبول کیا تھا اور مال دنیا کی طمع میں فدیہ لینے کی خواہش کی تھی، ورنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مالِ دنیا کی طمع سے بری ہیں، ان کا مشورہ اس وجہ سے تھا کہ ہوسکتا ہے ان میں سے کچھ لوگ اسلام لے آئیں اور اسلام کی نشر و اشاعت میں اضافہ ہو اور مسلمانوں کو شوکت اور غلبہ حاصل ہو، سو حضرت ابوبکر نے جو فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کرنے کا مشورہ دیا تھا، وہ آخرت کی بناء پر ہی تھا اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مشورہ کو قبول فرمایا، لہٰذا یہ آیت قیدیوں کو رہا کرنے کے خلاف نہیں ہے۔

اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ فدیہ لینے کی وجہ سے تم عذاب کے مستحق تھے، کیونکہ اس سے پہلے فدیہ لینے سے ممانعت نہیں کی گئی تھی، پھر فدیہ لینا عذاب کا سبب کیسے ہوسکتا ہے، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ پہلی شریعتوں میں مالِ غنیمت لینا حرام تھا اور ابھی اس کے حلال ہونے کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اور جب بلا اجازت مسلمانوں نے کافروں کا مالِ غنیمت لوٹ لیا تو یہ آیت نازل ہوئی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلے بنی آدم میں سے کسی کے لیے بھی مالِ غنیمت حلال نہیں کیا گیا، اور جب جنگ بدر ہوئی تو مالِ غنیمت کی حلت کا حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمانوں نے مالِ غنیمت لوٹنا شروع کر دیا، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ (سنن ترمذی: ۳۰۹۶)، اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سورۃ الانفال کی ان آیات میں قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں رہا کرنے کی مذمت نہیں کی گئی بلکہ بلا اجازت مالِ غنیمت لینے پر ملامت کی گئی ہے اور اگر بالفرض ان آیات کا ربط قیدیوں کو فدیہ لے کر آزاد کرنے سے ہی جوڑا جائے تو اس ملامت کی وجہ یہ ہے کہ ابتداءِ اسلام میں کفار کی بیخ کنی ہی مطلوب تھی، اس وجہ سے کفار کو قتل نہ کرنے اور گرفتار کرنے کو ناپسندیدہ قرار دیا لیکن بعد میں جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت اور غلبہ عطا فرمایا اور مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تو پھر یہی حکم نازل ہوا کہ میدانِ جنگ میں کافروں کی گردنیں اڑا دو، پھر ان کو گرفتار کرلو اور گرفتار کرنے کے بعد ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دو یا بلا فدیہ رہا کر دو۔

جو لوگ بدر میں قید ہو کر آئے، ان میں حضرت عباس بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر قیدیوں کی طرح حضرت عباس سے فرمایا: اے عباس! تم اپنا بھی فدیہ دو اور اپنے بھتیجے عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن الحارث اور اپنے خلیفہ عتبہ بن مجدم کا فدیہ بھی دو، حضرت عباس نے ان کا فدیہ دینے سے انکار کیا اور کہا: میں اس غزوہ سے پہلے اسلام قبول کر چکا تھا، یہ لوگ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہارے معاملہ کو خوب جاننے والا ہے، اگر تمہارا دعویٰ برحق ہے تو اللہ تم کو اس کی جزا دے گا، لیکن تمہارا ظاہر حال یہ ہے کہ تم ہم پر حملہ آور ہوئے ہو، سو تم اپنا فدیہ ادا کرو، حضرت عباس نے کہا: مجھ سے آپ نے بہ طورِ غنیمت جو بیس اوقیہ سونا وصول کیا ہے، اس کو فدیہ میں کاٹ لیں، میرے پاس اور مال نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مال کہاں ہے جو تم نے مکہ سے روانگی کے وقت ام الفضل کے پاس رکھا تھا اور اس وقت تم دونوں کے پاس اور کوئی نہیں تھا اور تم نے یہ کہا

تھا کہ اگر میں اس مہم میں کام آ گیا تو اس مال میں سے اتنا فضل کو دینا، اتنا قثم کو دینا اور اتنا عبد اللہ کو دینا، تب عباس نے کہا: اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے! میرے اور ام الفضل کے سوا اس کو اور کوئی نہیں جانتا اور اب مجھے یقین ہو گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ (مسند احمد بن حنبل: ۳۳۱۰، ج ا مجمع الزوائد ج ۶ ص ۸۶، المستدرک ج ۳ ص ۳۲۴)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کا ثبوت ہے اور یہ علمِ غیب آپ کو اللہ عزوجل کی عطاء سے حاصل ہوا تھا، میں نے اس حدیث کو ۳۶ مستند حوالہ جات کے ساتھ ذکر کیا ہے تا کہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ہر مکتبہ فکر کے قدیم وجدید علماء کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب مسلّم اور غیر نزاعی ہے، اور یہ آیت حضرت عباس ہی کے متعلق نازل ہوئی۔ (المعجم الاوسط ج ۹ ص ۴۹)

(انوار تبیان القرآن ص ۲۹۶-۲۹۵، فرید بک اسٹال لاہور)

شیخ عثیمین نے لکھا ہے:

اسی طرح غزوہ بدر کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ تم نے بدر کے قیدیوں سے فدیہ نہیں لینا تو بہ ظاہر مسلمانوں کو یہ حکم دشوار لگا، لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے اجازت دے دی، تو یہ بھی مشکل کے بعد آسانی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر مشکل کے بعد آسانی پیدا فرماتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کرتا ہے، تنگی کے بعد فراخی پیدا کرتا ہے، مصیبت کے بعد راحت پیدا کرتا ہے اور جب بندہ مایوس ہو جاتا ہے تو اچانک اللہ تعالیٰ اس کے اوپر اپنی رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اور جو مشکل کے بعد آسانی کو بعید سمجھے تو اس کے لیے مشکل کے بعد آسانی نہیں ہوتی۔ العیاذ باللہ

(شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۸۷-۸۹، موضحا و مخرجا، مکتبۃ الطبری، القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۲۱، ۵۳۲۲، ۵۳۲۳، ۵۳۲۴، ۵۳۲۵، ۵۳۲۶، کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب: فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا واقعہ

فاطمہ بنت قیس قرشیہ فہریہ ضحاک بن قیس کی ہمشیرہ ہیں، وہ اس سے دس سال بڑی تھیں اور مہاجرات اول سے ہیں، وہ بہت خوبصورت اور عقلمند تھیں اور نہایت ہی با کمال تھیں۔ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو ان کے گھر میں ہی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا تھا، ابو عمرو نے کہا: ان سے شعبی اور ابو سلمہ نے روایت کی ہے۔ ان کے بھائی ضحاک بن قیس ان صحابہ کرام میں سے ہیں جو کمسن تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے سات سال قبل پیدا ہوئے، کہا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سماع ثابت نہیں، وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے زیاد کے بعد کوفہ کے حاکم رہے جب کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کو ترپن (۵۳) ہجری میں حاکم مقرر کیا تھا۔ پھر ستاون (۵۷) ہجری میں انہیں معزول کر کے ان کی جگہ عبد الرحمٰن بن عوف بن حکم کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا اور انہیں شام بلا لیا، وہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات تک شام میں رہے اور ان کی نمازِ جنازہ پڑھی، جب یزید بن معاویہ فوت ہوا تو مروان نے شام کے بعض علاقہ پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے لوگوں نے اس کی بیعت کی، جب کہ ضحاک بن قیس اور اکثر اہلِ شام نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، وہ چونسٹھ ہجری کو ذوالحجہ کے مہینہ میں مرج راہط میں شہید ہو گئے، حسن بصری، تمیم بن طرفہ، محمد بن سوید فہری، میمون بن مہران اور سماک بن حرب نے ان سے روایت کی ہے۔

فاطمہ بنت قیس کا واقعہ یہ ہے کہ ان کے شوہر ابو عمرو بن حفص نے انہیں تین طلاقیں دیں جب کہ وہ غائب تھے اور اپنے وکیل کو کچھ جو دے کر اس کے پاس بھیجا تو وہ اس سے ناراض ہوگئیں۔ اس نے کہا: تمہارے لئے ہمارے ذمہ کچھ نہیں۔ وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور سارا واقعہ عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے ذمہ تمہارا خرچہ وغیرہ نہیں ہے اور اسے حکم دیا کہ وہ ام شریک کے گھر میں عدت پوری کرے، پھر فرمایا: وہ عورت بہت مہمان نواز ہے، وہاں مہمان بہت آتے جاتے ہیں، تم ابن ام مکتوم کے گھر عدت پوری کرو کہ وہ نابینا شخص ہے تم اپنے کپڑے بھی کبھی اتار سکو گی۔ جب عدت پوری ہو جائے تو مجھے اطلاع کرو، فاطمہ نے کہا: جب میری عدت پوری ہوگئی تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! معاویہ بن ابو سفیان اور ابو جہم نے اسے منگنی کے پیغام بھیجے ہیں، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو جہم اپنے کندھے سے لاٹھی نہیں اتارتے ہیں (عورتوں کو بہت مارتے ہیں) اور معاویہ بن ابو سفیان غریب آدمی ہے، تو اسامہ بن زید سے نکاح کر لے، پہلے پہلے تو میں نے اچھا نہ جانا، جب میرا اسامہ سے نکاح ہوگیا تو عورتیں مجھ پر رشک کرتی تھیں اور اس میں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے خیر ہی خیر کی۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ سے فرمایا: تیرے لئے نہ تو خرچہ ہے اور نہ رہنے کا مکان ہے۔ اس سے بعض علماء نے استدلال کیا کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں اس کے لئے نفقہ اور سکنیٰ نہیں ہے، جب کہ وہ حاملہ نہ ہو، لیکن بعض علماء نے کہا: مطلقہ ثلاث کے لئے نفقہ اور سکنیٰ ہے حاملہ ہو یا غیر حاملہ ہو۔ امام ابو حنیفہ اور آپ کے تلامذہ کا یہی مذہب ہے۔ امام مالک اور امام شافعی نے کہا: اس کے لئے ہر حال میں سکنیٰ ہے اور اگر حاملہ ہو تو وہ نفقہ کی مستحق ہے ورنہ نہیں۔

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم مسلک حضرات اور حضرت عمر فاروق ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اور اسامہ بن زید نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کا انکار کیا ہے، انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قول سے استدلال کیا کہ ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ایک عورت کے کہنے پر نہیں چھوڑ سکتے، کیا معلوم اس نے وہم کیا ہے یا بھول گئی ہے۔ مطلقہ ثلاث کے لئے نفقہ اور سکنیٰ دونوں واجب ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ (الطلاق:۱) تم ان کو (دورانِ عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں، وہ عدت میں اپنے گھر سے باہر نہیں جا سکتی۔ عبد اللہ بن مسعود اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہی روایت کیا گیا ہے کہ وہ اپنے گھر میں جہاں اسے طلاق ہوئی ہے عدت پوری کرے۔ ابن عباس، جابر، عطاء، طاؤس اور حسن بصری نے کہا: جہاں چاہے عدت پوری کرے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ نے کہا: جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے وہ عشاء کے بعد لوگوں کے سونے تک باہر جا سکتی ہے، پھر واپس آجائے۔ ہمارے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: وہ دن کو باہر جا سکتی ہے اور رات اپنے گھر میں ہی رہے گی۔ اور جس عورت کو طلاق دی گئی ہو وہ نہ رات کو اور نہ دن میں باہر نکل سکتی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مطلقہ اور جس کا شوہر فوت ہوگیا وہ نہ رات نہ دن کے وقت عدت میں باہر نکل سکتی ہے اور جس عورت کو طلاق رجعی دی گئی ہو اس میں تمام علماء کا اتفاق اور اجماع ہے کہ وہ سکنیٰ اور نفقہ کی مستحق ہے، جیسے منکوحہ عورت مستحق ہوتی ہے، وہ تمام امور میں زوجات کے حکم میں ہے۔ (عینی)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''اور اللہ سے ڈرو جو تمہارا پروردگار ہے'':

عورتوں کو ان کے گھروں سے باہر نہ نکالو اور عورتیں باہر نہ نکلیں مگر یہ کہ بدکاری کریں۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں جو کوئی اللہ کی حدوں سے آگے گزرے گا۔ وہ اپنے نفس پر ظلم کرے گا، اے طلاق دینے والے تو نہیں جانتا کہ شاید اللہ تعالیٰ طلاق کے بعد کوئی شے ظاہر کر دے اور مطلقہ عورتوں کو ٹھہراؤ جہاں خود رہتے ہو اپنی طاقت کے مطابق' ان کو تنگی نہ پہنچاؤ نہ ان پر مسکن تنگ کرو، اگر وہ حاملہ ہوں تو ان کو خرچہ دو، یہاں تک کہ وہ اپنے حمل وضع کریں۔

''بعد عسر یسرا'': یعنی جن عورتوں کو ایک طلاق، یا دو طلاقیں ہوں یا وہ خلع کے سبب بائن ہوں یا تین طلاقیں ہوں وہ حاملہ ہوں یا نہ ہوں، جس گھر میں وہ رہی ہوں اور وہاں عدت گزارنے بیٹھی ہوں تو ان کو وہاں سے مت نکالو!

اس اعتبار سے بیوت کی نسبت ان کی طرف کی گئی ہے، ہاں اگر وہ بدکاری یعنی زناء کریں تو حد قائم کرنے کے لئے انہیں باہر نکالو۔ بعض نے کہا: فاحشہ سے مراد نشوز (نافرمانی) ہے اور نشوز سے سکنیٰ کا حق ساقط ہو جاتا ہے، لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا، یعنی شاید اللہ تعالیٰ ایک بار یا دو بار طلاق دینے کے بعد کوئی شے ظاہر کر دے اور طلاق کے بعد پریشان اور نادم ہو اور اس کے دل میں عورت کی محبت ظاہر ہو اور وہ رجوع کر لے، واللہ تعالیٰ و رسولہ الاعلیٰ اعلم!

۵۳۲۱، ۵۳۲۲: یحییٰ بن سعید نے قاسم بن محمد اور سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہما کو یہ ذکر کرتے ہوئے سنا کہ یحییٰ بن سعید بن عاص نے عبد الرحمٰن بن حکم کی بیٹی کو طلاق دے دی تو عبد الرحمٰن اس کو وہاں سے لے گیا۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے مروان بن حکم (برادر عبد الرحمٰن بن حکم) کو پیغام بھیجا جب کہ مروان مدینہ منورہ کا حاکم تھا کہ اللہ سے ڈرو اور لڑکی کو اپنے گھر واپس کرو، سلیمان کی حدیث میں ہے کہ (مائی صاحبہ کے جواب میں) مروان نے کہا: عبد الرحمٰن بن حکم مجھ پر غالب آ گیا ہے (میری بات تسلیم نہیں کرتا) اپنی روایت میں قاسم بن محمد نے کہا (کہ مروان نے جواب میں کہا:) کیا آپ کو فاطمہ بنت قیس کی خبر نہیں پہنچی؟ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تجھے یہ بات تکلیف نہ دے کہ فاطمہ کا قصہ ذکر نہ کرو (اس کے جواب میں) مروان نے کہا: اگر آپ کے نزدیک کوئی شر ہے تو آپ کو ان دونوں کے درمیان شر کافی ہے۔

یعنی ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے مروان کو پیغام بھیجا کہ اپنے بھائی عبد الرحمٰن سے کہو کہ وہ اپنی مطلقہ بیٹی کو وہاں چھوڑ دے جہاں اسے طلاق ہوئی ہے، اس کو وہاں سے باہر لانا مناسب نہیں، مروان نے کہا: میرا بھائی مجھ پر غالب ہے، وہ میری بات کو قبول نہیں کرتا۔ قاسم بن محمد نے اپنی روایت میں کہا کہ مروان نے مائی صاحبہ کو جواب دیا کہ یا ام المومنین! فاطمہ بنت قیس کا قصہ معروف ہے کہ ان کو تین طلاقیں دی گئی تھیں، اس کو نان ونفقہ اور مسکن وغیرہ نہ دیا گیا اور اس نے اپنے شوہر کے گھر میں عدت پوری نہ کی تھی، بریں قیاس اگر عبد الرحمٰن کی بیٹی بھی اپنے شوہر کے گھر میں عدت پوری نہ کرے تو حرج نہیں ہونا چاہیے۔ اس کے جواب میں ام المومنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اگر تو فاطمہ کا قصہ ذکر نہ کرے تو تجھے تکلیف نہیں ہونی چاہیے یعنی فاطمہ پر قیاس نہ کرو، کیونکہ فاطمہ جہاں رہتی تھی، وہ جگہ خطرناک تھی اس لئے وہ وہاں سے منتقل ہو گئی تھی، وہ سبب عبد الرحمٰن کی بیٹی کے لئے نہیں ہے۔ اس کے جواب میں مروان نے کہا: اگر فاطمہ اور اس کی رہائش میں کوئی شر تھی جو شوہر کے گھر سے باہر آنے کا سبب تھی تو ایسا سبب یہاں بھی ہے کہ ان دونوں یعنی عبد الرحمٰن کی بیٹی اور اس کے شوہر میں باہم ناراضگی ہے جس کے سبب طلاق واقع ہوئی ہے۔ لہٰذا اس کے مسکن

سے باہر جانے کا یہ سبب کافی ہے۔

۵۳۲۳، ۵۳۲۴: ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: فاطمہ کا کیا حال ہے، کیا وہ اللہ سے نہیں ڈرتی ہے، یعنی اپنی بات میں کہ مطلقہ ثلاث کے لیے نفقہ اور سکنیٰ نہیں ہے۔ (یعنی فاطمہ بنت قیس کا شوہر کے مسکن سے نکلنا کسی سبب سے تھا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے لئے سکنیٰ و نفقہ ہی نہیں)۔(تفہیم البخاری ج ۸ ص ۴۰۰-۳۹۵، جدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۲۱، ۵۳۲۲، ۵۳۲۳، ۵۳۲۴، ۵۳۲۵، ۵۳۲۶، کی شرح شیوخ دیو بند سے

شیخ سلیم اللہ خاں دیو بندی، مہتمم جامعہ فاروقیہ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے فاطمہ بنت قیس کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیا ہے، اس لیے کہ ان کے قصے کی روایات امام بخاری کی شرط کے مطابق نہیں ہیں، البتہ امام مسلم اور امام ابوداؤد نے ان کا قصہ تفصیل سے بیان کیا ہے، امام بخاری نے اس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا واقعہ

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا صاحب عقل و جمال عورت تھیں، ابو عمرو بن حفص نے ان سے نکاح کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یمن بھیجا تو ابو عمرو بھی ان کے ساتھ گئے اور وہیں سے انہوں نے اپنی بیوی فاطمہ کو تیسری طلاق بھیجی اور اپنے چچازاد بھائی حارث بن ہشام کو کہلا بھیجا کہ فاطمہ کو کچھ کھجوریں اور جَو دیدیں، فاطمہ کو وہ کم معلوم ہوئے، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر شکایت کی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''لیس لک سکنیٰ ولا نفقۃ'' (فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۷) اور انہیں حکم دیا کہ ''تم ام شریک کے گھر میں عدت پوری کرو'' پھر فرمایا کہ ام شریک کے پاس ہمارے اصحاب بکثرت آتے جاتے ہیں اس لیے وہاں کے بجائے تم عبد اللہ ابن ام مکتوم کے گھر عدت پوری کرو، اس لیے کہ وہ نابینا آدمی ہیں، وہاں تم آزادی اور بے تکلفی کے ساتھ رہ سکوگی، جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو مجھے اطلاع دے دینا، چنانچہ عدت پوری ہونے پر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع دی اور کہا کہ مجھے معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم نے نکاح کا پیغام بھیجا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابوجہم تو اپنی لاٹھی کندھے سے نہیں اتارتا (بہت سخت گیر ہیں) اور معاویہ مفلس آدمی ہیں، اس کے پاس مال نہیں ہے، تم اسامہ بن زید سے نکاح کرلو، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہنے پر فاطمہ نے اسامہ سے نکاح کرلیا، فرماتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں ایسی خیر عطا فرمائی کہ عورتیں مجھ پر رشک کرنے لگیں۔ (صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب المطلقۃ البائن لا نفقۃ لھا، ج ۲ ص ۱۱۱۴، رقم الحدیث: ۱۴۸۰)

معتدہ مبتوتہ کے نفقہ اور سکنیٰ کا حکم

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں دراصل معتدہ مبتوتہ کے نفقہ اور سکنیٰ کا مسئلہ بیان کیا ہے یعنی وہ عورت جس کو طلاق بائن دی گئی اور وہ غیر حاملہ ہے تو دورانِ عدت اس کو شوہر کی طرف سے نفقہ اور سکنیٰ ملے گا کہ نہیں، اس میں اختلاف ہے:

مطلقہ رجعیہ کو تو بالاتفاق دوران عدت نفقہ اور سکنی ملے گا، مطلقہ مبتوتہ اگر حاملہ ہے تو اس کو بھی بالاتفاق دورانِ عدت نفقہ اور سکنی ملے گا، اختلاف مطلقہ مبتوتہ غیر حاملہ میں ہے۔

(۱) امام احمد، امام اسحاق، حسن بصری اور ظاہریہ کے نزدیک معتدہ مبتوتہ غیر حاملہ کو دورانِ عدت نہ نفقہ ملے گا، نہ سکنیٰ۔

(۲) امام ابوحنیفہ، سفیان ثوری، ابراہیم نخعی کے نزدیک اس کو دورانِ عدت نفقہ اور سکنیٰ دونوں ملیں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی قول منقول ہے۔

(۳) امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک اس کو دوران عدت سکنیٰ ملے گا، البتہ نفقہ نہیں ملے گا۔

(الابواب والتراجم، ج ۲ ص ۸۳، عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۷، فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۰، بدایۃ المجتہد، کتاب الطلاق، بیان احکام العدد: ج ۲ ص ۹۵)

اور امام بخاری کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے باب میں جو آیت ذکر فرمائی اس سے سکنیٰ ثابت ہوتا ہے اور نفقہ کے وجوب کے متعلق کوئی دلیل انہوں نے ذکر نہیں کی، فاطمہ بنت قیس کے واقعہ کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تردید والی روایت ذکر فرمائی۔

امام احمد، امام اسحاق، حضرت فاطمہ بنت قیس کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''لا نفقة لك ولا سكنى'' تمہارے لیے نہ نفقہ ہے، نہ سکنیٰ ہے۔

امام مالک اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مستدل قرآن کریم کی آیت ہے جو امام بخاری نے یہاں ترجمۃ الباب میں ذکر فرمائی ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ (الطلاق: ٦)

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سکنیٰ کا حکم تو مطلق دیا ہے اور نفقہ کا حکم حاملہ ہونے کے ساتھ مقید کیا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چونکہ مفہوم مخالف حجت ہے اور اس کا اعتبار نہیں ہوتا ہے اس لیے وہ اس آیت کریمہ سے ثابت کرتے ہیں کہ اگر عورت حاملہ نہ ہو تو اس کو نفقہ نہیں ملے گا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۰)

حضرت فاطمہ بنت قیس کے قصے سے بھی وہ اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ اس میں دو حکم ہیں: لا نفقة لك ولا سكنى، سکنیٰ کا حکم چونکہ قرآن کریم کی آیت ''اسکنوھن'' سے معارض ہے اس لیے اس کا اعتبار نہیں ہوگا، البتہ نفقہ کا حکم چونکہ کسی آیت کے معارض نہیں اس لیے اس کا اعتبار ہوگا۔

دلائل احناف

حضرات حنفیہ بھی اپنے مسلک کے لیے قرآن وحدیث و آثار سے دلائل پیش کرتے ہیں:

(۱) سورۃ البقرہ میں ہے ''وللمطلقات متاع بالمعروف حقا على المتقين''، اس آیت میں ''مطلقات'' کا لفظ رجعیہ اور مبتوتہ دونوں کو شامل ہے، اسی طرح ''متاع'' کا لفظ نفقہ اور کسوہ سب کو شامل ہے۔

(تفسیر ابن جریر طبری ج ۲ ص ۳۴۲، کذا فی التکملۃ ج ۱ ص ۲۰۲)

(۲) ایک دوسری روایت میں مطلقات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ''وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف'' یعنی والد کے ذمہ ان عورتوں کا کھانا اور لباس دستور کے ہے، یہاں بھی مبتوتہ اور رجعیہ میں کوئی فرق نہیں کیا گیا۔

(۳) دار قطنی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''المطلقة ثلاثا، لها السكنى والنفقة''

(سنن دار قطنی: کتاب الطلاق: ج ۴ ص ۲۱، وانظر للتفصیل اعلاء السنن، باب ان المطلقة المبتوتة لها السكنى والنفقة ج ۱۱ ص ۱۰۴)

جہاں تک تعلق ہے حضرت فاطمہ بنت قیس کے واقعہ کا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ کی حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت اسامہ بن زید نے رد کر دیا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۰۸)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب وہ حدیث پیش کی گئی تو انہوں نے فرمایا:

''لا نترك كتاب الله وسنة نبينا بقول امراة، لا ندرى حفظت او نسيت لها السكنى والنفقة'' (صحیح مسلم (مع تکملہ فتح الملہم) کتاب الطلاق: باب المطلقة البائن لا نفقة لها: ج ۱ ص ۲۱۳) یعنی کتاب اللہ اور اپنے نبی کی سنت کو ہم کسی عورت کے قول کی وجہ سے نہیں چھوڑ سکتے، معلوم نہیں اس کو بات صحیح یاد بھی رہی ہے یا نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مجوتہ کے لیے سکنیٰ اور نفقہ دونوں ہیں، کتاب اللہ میں سکنیٰ کا حکم تو صراحتاً موجود ہے، ارشاد ہے ''اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ'' تاہم حنفیہ نے اس آیت کریمہ سے نفقہ کے وجوب پر بھی چار طریقے سے استدلال کیا ہے:

(۱) سکنیٰ ایک مالی حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے تصریح کے ساتھ شوہر کے ذمہ واجب فرمایا ہے اور یہ حق مجتوتہ اور رجعیہ دونوں کے لیے ثابت ہیں، حق سکنیٰ کا واجب ہونا وجوب نفقہ کا بھی تقاضہ کرتا ہے کیونکہ سکنیٰ ایک مالی حق ہونے کی بناء پر نفقہ ہی کا ایک حصہ ہے تو جب سکنیٰ واجب ہے تو نفقہ بھی واجب ہونا چاہیے۔

(۲) اس آیت کریمہ میں ہے ''وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ'' یعنی ان مطلقہ عورتوں کو ضرر اور تکلیف نہ دو اور نفقہ نہ دینے میں بھی ضرر اور تکلیف ہے۔

(۳) اس جملے کے آگے کا جملہ ہے ''لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ'' اور تنگی و تضییق جس طرح سکنیٰ میں ہو سکتی ہے، اسی طرح ترک نفقہ بھی تنگی میں داخل ہے۔

امام جصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ سے نفقہ کے وجوب پر مذکورہ تین طریقوں سے استدلال کیا ہے۔

(احکام القرآن للجصاص، سورۃ الطلاق: ج ۳ ص ۵۶۵)

بعض حضرات نے اس آیت کریمہ سے نفقہ کے ثبوت پر اس طرح استدلال کیا ہے کہ لفظ ''اَسْكِنُوْهُنَّ'' سے سکنیٰ اور نفقہ دونوں ثابت ہوتے ہیں ''سکنیٰ'' تو واضح ہے کہ وہ اس لفظ کا منطوق ہے اور نفقہ اس طرح ثابت ہوتا ہے کہ معتدہ، حق زوج کے لیے دورانِ عدت شوہر کے گھر میں محبوس رہتی ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شخص جس کے لیے محبوس رہتا ہے، اس کا نفقہ اسی کے ذمہ لازم ہوا کرتا ہے، جیسے قاضی عامۃ المسلمین کے لیے محبوس ہوتا ہے تو اس کا نفقہ اور وظیفہ عامۃ المسلمین کے بیت المال سے ادا کیا جاتا ہے، اس قاعدہ کے پیش نظر معتدہ کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہونا چاہیے۔

حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم میں ''اَسْكِنُوْهُنَّ'' سے صراحتاً سکنیٰ کا وجوب ثابت ہوا تو مذکورہ قاعدہ جس سے نفقہ از خود واجب ہو گیا، اس طرح گویا کتاب اللہ سے نفقہ اور سکنیٰ دونوں کا ثبوت ہو گیا۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۵۶۵)

(۴) پھر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ''فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ'' کا اضافہ ہے، ان کی قراءت ہے ''اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ وَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ مِّنْ وُّجْدِكُمْ'' (روح المعانی ج ۲۸ ص ۱۳۹ سورۃ الطلاق) اس قراءت میں سکنیٰ کے حکم کی طرح نفقہ کا حکم بھی صراحت کے ساتھ ہے، ممکن ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بھی یہی قراءت ہو، تب ہی تو انہوں نے ''لا ندع کتاب ربنا'' کہا کہ ہمارے رب کی کتاب میں نفقہ اور سکنیٰ دونوں کا ذکر ہے۔

اب رہا ''وسنة نبينا'' کہ سنت سے نفقہ کا ثبوت کیسے ہو سکتا ہے، وہ اس طرح ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح معانی الآثار میں یہی روایت حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، اس کے آخر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ''سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول: لها السكنى والنفقة'' (شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۳۵) اس مرفوع حدیث میں صراحت کے ساتھ مبتوتہ کے لیے سکنیٰ اور نفقہ دونوں کے وجوب کا ذکر ہے۔

ابراہیم نخعی کی مراسیل حجت ہیں

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت پر اشکال کیا گیا کہ یہ منقطع ہے، کیونکہ ابراہیم نخعی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں اور انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ابراہیم نخعی کی یہ روایت زیادہ سے زیادہ مرسل کہلائے گی اور ابراہیم نخعی کی مراسیل کو حضرات محدثین نے معتبر اور صحیح قرار دیا ہے۔

امام جرح وتعدیل یحییٰ بن معین فرماتے ہیں: ''مراسيل ابراهيم احب الى من مراسيل الشعبى''۔

(تہذیب الکمال: ج ۲ ص ۲۳۸، تہذیب التہذیب ج ۱ ص ۱۷۷، سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۵۲۲)

اور شعبی کی مراسیل کے متعلق عجلی فرماتے ہیں: ''ومرسل الشعبى صحيح'' (خلاصۃ الخزرجی: ۱۸۴)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے شعبی کی مراسیل بالاتفاق صحیح ہیں، انہوں نے خود اپنا معمول اور اصول بیان کیا ہے کہ جب کوئی روایت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مجھے ایک استاد سے ملتی ہے تو میں اس استاذ کا نام لے کر اس روایت کو بیان کرتا ہوں اور جب کئی اساتذہ سے پہنچی ہوتی ہے تو میں ان اساتذہ کے نام نہیں لیتا بلکہ براہ راست اس کو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرسل بیان کرتا ہوں۔ (کتاب العلل للترمذی ج ۲ ص ۷۰۲۳، فی آخر سننہ) اس لیے حافظ ابن رجب نے فرمایا: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ابراہیم نخعی کی مراسیل ان کی اسانید سے زیادہ قوی اور صحیح ہوتی ہیں۔ (تعلیقات تہذیب الکمال ج ۲ ص ۲۳۹)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی ان کی تمام مراسیل درست ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن عبد البر نے ''التمہید'' میں اس بات کی تصریح کی ہے۔ (التمہید لابن عبد البر باب بیان التدلیس ومن یقبل نقلہ ویقبل مرزوج ۱ ص ۳۷، ۳۸) اور مذکورہ روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے۔

اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت ابراہیم نخعی کی یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے حجت نہیں تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ جملہ ''لا ندع كتابنا وسنة نبينا'' کی صحت میں تو بہر حال کسی کو شک نہیں اور اصول حدیث کا قاعدہ ہے کہ کسی صحابی کا ''السنة كذا'' کہنا حدیث مرفوع کے درجے میں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۳۱۱)

بیہقی نے اس پر اشکال کیا ہے کہ ''سنة نبینا'' کے الفاظ ابو احمد زبیری کا تفرد ہے کیونکہ ابو احمد کے شیخ عمار بن زریق سے یحییٰ بن آدم نے بھی یہ روایت نقل کی ہے لیکن انہوں نے ''وسنة نبینا'' کے الفاظ نہیں کہے اور یحییٰ بن آدم زبیری سے احفظ ہیں۔

لیکن ماردینی نے اس کا جواب دیا کہ یحییٰ اور زبیری کی روایت میں تعارض نہیں، کیونکہ زبیری نے یحییٰ کی مخالفت نہیں کی بلکہ ایک اضافہ کیا ہے جس سے یحییٰ کی روایت خالی ہے اور زبیری ثقہ ہیں، ثقہ کی زیادتی اور اضافہ قبول کیا جاتا ہے، پھر زبیری اس اضافہ میں منفرد بھی نہیں ہیں بلکہ مصنف ابن ابی شیبہ میں اس کے شواہد اور متابعات بھی ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۱۴۷)

حضرت فاطمہ بنت قیس کے واقعہ کا جواب

جہاں تک تعلق ہے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے واقع کا تو اس کا جواب یہ ہے کہ انہیں سکنیٰ اور نفقہ ان کی مخصوص حالت کی وجہ سے نہیں دیا گیا، سکنیٰ ایک تو اس وجہ سے نہیں دیا گیا کہ ان کے شوہر کا گھر ویرانے میں تھا اور وہاں ان کا عدت گزارنا مناسب نہیں تھا، دوسرے وہ زبان کی قدرے تیز تھیں، جس کی وجہ سے سسرال والوں سے نہیں بنتی تھی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کریم کی آیت ''وَ لَا یَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ'' پر عمل کرتے ہوئے انہیں دوسری جگہ منتقل کر دیا، آیت کریمہ میں ''فاحشہ'' کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بدگوئی اور زبان درازی منقول ہے۔

(مصنف عبد الرزاق، کتاب الانکاح، باب الا ان یاتین بفاحشة مبینة، ج ۶ ص ۳۲۳، رقم الحدیث: ۱۱۰۲۲)

باقی رہا نفقہ تو اس کا آسان جواب یہ ہے کہ جب انہیں سکنیٰ نہیں دیا گیا تو نفقہ کی بھی وہ مستحق نہیں رہیں، کیونکہ نفقہ تو احتباس کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، جب احتباس نہ رہا تو نفقہ بھی نہ رہا۔

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کے شوہر نے اپنے وکیل کے ذریعہ بطور نفقہ ان کے لیے کچھ کھجوریں اور جو بھیجے تھے لیکن انہوں نے وہ اپنے حق سے کم سمجھ کر واپس کر دیے تھے تو ممکن ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول ''لانفقة لك'' میں زائد نفقہ کی نفی ہے جس کا وہ مطالبہ کر رہی تھی، مطلقاً نفقہ کی نفی نہیں۔ (احکام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۵۶۸)

باقی ''وَاِنْ کُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ'' کے مفہوم مخالف سے حضرات شوافع نے جو استدلال کیا ہے، اس کا جواب حضرات حنفیہ کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ مفہوم مخالف ہمارے نزدیک نصوص میں حجت نہیں اور ''اُولَاتِ حَمْلٍ'' کی یہ قید، قید احترازی نہیں بلکہ حاملہ عورتوں کو بطور خاص اس لیے ذکر فرمایا کہ بسا اوقات مدت حمل طویل ہو جاتی ہے، اس لیے متنبہ فرمایا کہ اگر بالفرض مدت حمل طویل ہو جائے تو بھی وضع حمل تک نان نفقہ سابقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

دلیل یہ ہے کہ مذکورہ آیت مطلقہ رجعیہ اور مبتوتہ دونوں کو شامل ہے اور مطلقہ رجعیہ پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ غیر حاملہ ہو تو بھی اس کو نفقہ ملے گا، جس سے معلوم ہوا کہ مطلقہ رجعیہ کے حق میں ''وَاِنْ کُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ'' کے مفہوم مخالف کا اعتبار کوئی بھی نہیں کرتا، لہٰذا مبتوتہ کے حق میں بھی اس کا اعتبار نہیں ہونا چاہیے۔ (احکام القرآن ج ۳ ص ۵۶۵)

۵۳۲۱، ۵۳۲۲: یحییٰ بن سعید یہ روایت قاسم بن محمد اور سلیمان بن یسار دونوں سے نقل کرتے ہیں کہ ان دونوں حضرات کو انہوں نے یہ تذکرہ کرتے ہوئے سنا کہ یحییٰ بن سعید بن العاص نے عبد الرحمٰن بن الحکم کی بیٹی (جس کا نام عمرہ تھا) کو طلاق دی (یہ مشہور گورنر مروان بن الحکم کی بھتیجی تھی) عبد الرحمٰن نے اپنی بیٹی شوہر کے گھر سے منتقل کر دی، اس پر ام المومنین حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا نے مدینہ کے امیر اور لڑکی کے چچا، مروان بن الحکم کے پاس کہلا بھیجا کہ اللہ سے ڈریں اور لڑکی کو شوہر کے گھر لوٹا دیں (تا کہ وہ وہاں عدت گزارے) مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بات کا کیا جواب دیا؟ یہ روایت قاسم اور سلیمان دو حضرات سے ہے اور ان دونوں کی روایت میں مروان کا جواب مختلف ہے:

سلیمان بن یسار کی روایت میں ہے کہ مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اس سلسلہ میں مجھ پر (میرے بھائی) عبد الرحمٰن غالب آ گئے اور (انہوں نے اپنی بیٹی شوہر کے گھر سے منتقل کر دی) اور قاسم کی روایت میں ہے کہ مروان نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ کیا آپ کو فاطمہ بنت قیس کا واقعہ نہیں معلوم؟ (کہ وہ شوہر کے گھر سے منتقل ہو گئی تھی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''تمہارا کوئی حرج نہیں ہوگا اگر تم فاطمہ کی حدیث ذکر نہ کرو'' (مطلب یہ ہے کہ وہ واقعہ آپ کے لیے حجت نہیں کیونکہ فاطمہ زبان دراز تھی اور ان کا ہر وقت سسرال سے جھگڑا رہتا تھا، انہیں ان کی مخصوص حالت کی وجہ سے الگ کیا گیا تھا، اس لیے وہ واقعہ آپ کے لیے حجت نہیں) مروان بن الحکم نے کہا: ''ان کان بك شر فحسبك مابين هذا لشر'' (فتح الباری ج ۹ ص ۵۹۸) اس میں ''بک''، ''عند'' کے معنی میں ہے یعنی اگر آپ کے نزدیک وہاں شر تھا تو ان دونوں کے درمیان بھی شر ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ وہاں ان کا نباہ نہیں ہو سکتا تھا، شوہر کے گھر میں وہ شر اور نزاع کی وجہ سے نہیں رہ سکتی تھی، اس لیے انہیں منتقل کیا گیا تھا، تو یہاں بھی میاں بیوی کے درمیان شدید اختلاف اور نزاع ہے جس کی وجہ سے عبد الرحمٰن کی بیٹی کو یحییٰ بن سعید کے گھر سے منتقل کیا گیا ہے، وہاں خروج اور انتقال کا سبب اگر نزاع اور شر تھا تو وہ سبب یہاں بھی ہے۔

۵۳۲۳، ۵۳۲۴: باب کی دوسری روایت میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''فاطمہ کو کیا ہو گیا ہے، کیا وہ اللہ سے نہیں ڈرتی کہ کہتی ہے: مطلقہ کو نہ نفقہ ملے گا اور نہ سکنیٰ''۔

۵۳۲۵، ۵۳۲۶: تیسری روایت میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ''کیا آپ نے حکم کی فلاں پوتی کو نہیں دیکھا کہ اس کے شوہر نے اس کو طلاق بائنہ دے دی ہے اور وہ گھر سے نکل گئی ہے''، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ''اس نے برا کیا''، ''عروہ نے کہا: ''کیا آپ نے فاطمہ کا قول نہیں سنا کہ (لا سکنی ولا نفقة)، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اس حدیث کو بیان کرنے میں فاطمہ کے لیے کوئی بھلائی نہیں''۔

عبد الرحمٰن بن ابی زناد کی روایت میں اضافہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فاطمہ کو سخت سست کہا اور بہت معیوب سمجھا اور کہا کہ فاطمہ ایک ویران مکان میں رہتی تھی جس کے اطراف میں ہمیشہ ڈر لگا رہتا تھا، اس وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو رخصت دے دی تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ایک مخصوص واقعہ ہے اور ایک خاص سبب کی وجہ سے اسے شوہر کے گھر سے نکلنے کی اجازت دی گئی تھی، اس کو عام قانون قرار دے کر استدلال میں پیش کرنا درست نہیں۔

وزاد ابن ابی الزناد عن هشام عن ابيه۔۔۔

امام ابوداؤد نے اس کو موصولاً نقل کیا ہے، مکان وحش (واؤ فتحہ کے ساتھ) بمعنی ویران، ابن حزم نے اعتراض کیا ہے کہ عبد الرحمٰن بن ابی زناد انتہائی ضعیف راوی ہیں اور ان کی یہ روایت باطل ہے لیکن ان کی یہ بات درست نہیں، بے شک ابوالزناد پر

بعض ائمہ نے جرح کی ہے لیکن وہ متروک الحدیث نہیں بلکہ یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''انه ثبت الناس فی هشام بن عروة'' (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۰) اور ان کی یہ روایت ہشام ہی سے ہے ''فلله در البخاری ما اکثر استحضاره واحسن تصرفه فی الحدیث والفقه''۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۰، طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۳۲۴)

۴۲۔ بَابُ: اَلْمُطَلَّقَةِ إِذَا خُشِيَ عَلَيْهَا فِي مَسْكَنِ زَوْجِهَا أَنْ يُقْتَحَمَ عَلَيْهَا أَوْ تَبْذُوَ عَلَى أَهْلِهَا بِفَاحِشَةٍ

جب مطلقہ عورت کے متعلق یہ خطرہ ہو کہ اگر وہ اپنے خاوند کے گھر میں رہے گی تو اس کے گھر میں کوئی اجنبی داخل ہو جائے گا یا وہ عورت اپنے خاوند کے گھر والوں سے بے حیائی اور بدزبانی سے گفتگو کرے گی (تو اس وقت وہ خاوند کے گھر کے علاوہ کہیں اور عدت گزارے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے)

مطلقہ بائنہ کی صورت میں اپنے خاوند کے گھر سے باہر عدت گزار سکتی ہے

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب اس مطلقہ عورت کے حکم کے بیان میں ہے کہ جب وہ اپنے خاوند کے گھر میں عدت گزارے تو اس کو یہ خطرہ ہو کہ کوئی اجنبی مرد اس کے گھر میں اچانک داخل ہو جائے گا، جس سے اس کی ناموس کو خطرہ ہوگا، یا وہ عورت بدکلام اور بدزبان ہو اور وہ اپنے شوہر کے گھر والوں کے ساتھ بدکلامی اور بے حیائی کے ساتھ پیش آتی ہو۔

سو یہ باب دو چیزوں پر مشتمل ہے:

(۱) اس کا خطرہ ہو کہ اس کے خاوند کے گھر میں اچانک کوئی اجنبی آ جائے گا۔

(۲) وہ عورت بدزبان ہو، ان دونوں عنوانوں کے درمیان جو علتِ جامعہ ہے اور سبب مشترک ہے، وہ ہے مصلحت کی رعایت اور شدید ضرورت کے وقت ایسی چیز سے احتراز کرنا جو مصلحت کے خلاف ہو، اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرتِ فاطمہ بنت قیس سے فرمایا: کہ تم کو تمہارے گھر سے تمہاری بدزبانی نے نکالا ہے، امام بخاری نے ان دونوں عنوانوں کا جواب ذکر نہیں کیا، جیسا کہ امام بخاری کی عادت ہے اور وہ جواب یہ ہے کہ ایسی صورت میں مطلقہ بائنہ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کو چھوڑ کر کسی اور گھر کے اندر منتقل ہو جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۴۴، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۲۷، ۵۳۲۸۔ حَدَّثَنِي حِبَّانُ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ عُرْوَةَ أَنَّ عَائِشَةَ أَنْكَرَتْ ذٰلِكَ عَلَى فَاطِمَةَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حبان نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد اللہ نے خبر دی: انہوں نے کہا: ہمیں ابن جریج نے خبر دی از ابن شہاب از عروہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے حضرت فاطمہ

بنت قیس کے قول پر انکار کیا۔

(صحیح البخاری: ۵۳۲۲، صحیح مسلم: ۱۴۸۱، سنن ابوداؤد: ۲۲۹۵، موطا امام مالک: ۱۲۳۰)

حدیث مذکور کی تخریج

امام بخاری نے اس حدیث کی مختصراً از حبان بن موسیٰ المروزی از عبداللہ بن المبارک المروزی از عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج از محمد بن مسلم بن شہاب از زہری از عروہ بن الزبیر روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے اس قول پر انکار کیا کہ مطلقہ بائنہ کے لیے رہائش نہیں ہے، پس امام بخاری نے اس حدیث کی از ابن جریج از ابن شہاب مختصراً روایت کی ہے۔

اور امام مسلم بن حجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ھ نے اس حدیث کی از صالح بن کیسان از ابن شہاب روایت کی ہے کہ ان کو ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف نے خبر دی کہ حضرت فاطمہ بنت قیس نے ان کو خبر دی کہ وہ حضرت ابوعمرو بن حفص بن المغیرہ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں، تو انہوں نے ان کو تین طلاقیں دے دیں، پس انہوں نے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور یہ سوال کیا کہ وہ اپنے خاوند کے گھر سے کسی اور کے گھر منتقل ہو کر وہاں عدت گزارے، تو آپ نے ان کو یہ حکم دیا کہ وہ ابن ام مکتوم کے گھر میں منتقل ہو جائیں جو کہ نابینا صحابی ہیں، پس مروان بن الحکم نے اس کا انکار کیا کہ مطلقہ اپنے خاوند کے گھر سے نکل سکتی ہے اور عروہ نے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی اس حدیث پر انکار کیا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۴۴-۴۴۵، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

فاحشہ مبینہ کی متعدد تفاسیر

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ صحیح البخاری: ۵۳۲۷، کی شرح میں لکھتے ہیں:

ابوالزناد کی حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا اپنے گھر سے نکلنا اور اس میں عدت نہ گزارنا اس وجہ سے تھا کہ ان کا گھر ایسی جگہ میں تھا جس میں وحشت تھی تو ان کو وہاں رہنے سے خوف دامن گیر ہوا۔

اور امام بخاری نے اس حدیث کے عنوان کے اندر حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی فحش گفتاری کا سبب نہیں بیان کیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس سے کہا: تم کو اس گھر سے تمہاری زبان نے نکالا ہے، اس حدیث کا ذکر اسماعیل نے کیا از محمد بن ابراہیم از محمد بن اسحاق از حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔

اور اس حدیث کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے بھی مروی ہے، انہوں نے کہا: ''الفاحشة المبينه'' سے مراد ہے شوہر کی نافرمانی اور بدخلقی اور ان پر زبان دراز کرنا، پس اگر مطلقہ عورت اپنے خاوند کے گھر والوں کے ساتھ زبان درازی کرے اور فحش گفتاری کرے تو ان کے لیے جائز ہے کہ اس کو اپنے گھر سے نکال دیں۔

اور عکرمہ البربری متوفی ۱۰۵ھ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس، حضرت ابی بن کعب کی قراءت میں ''اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ'' (الطلاق: ۱) کو اس طرح پڑھتے تھے ''الا ان تفحش عليكم''، یعنی وہ عورتیں گھر سے نہ نکلیں نہ ان کو نکالا

جائے، بجز اس صورت میں کہ وہ تم سے فحش کلام کریں اور زبان درازی کریں۔

اور الحارث بن ابی سلمہ نے از یزید بن ہارون از عمر بن میمون بن مہران از والد خود از سعید بن المسیب روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا اپنے دیوروں کے ساتھ زبان درازی کرتی تھیں اور اپنی زبان سے ان کو ایذاء پہنچاتی تھیں۔

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے مروی ہے، انہوں نے بیان کیا کہ مطلقہ عورتوں کا گھر سے نکلنا فاحشہ ہے یعنی بے حیائی کا سبب ہے، اور یہی عامر بن شراحیل الشعبی متوفی ۱۰۳ھ کا قول ہے جس کو انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ قرآن مجید میں ہے:

اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ (الطلاق: ۱) سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

انہوں نے کہا: اس آیت میں ''فاحشہ مبینہ'' سے مراد زنا ہے، انہوں نے کہا کہ جب کوئی مطلقہ عورت زنا کرے تو اسے گھر سے نکال دیا جائے گا اور اس پر حد جاری کی جائے گی اور یہی زید بن اسلم کا قول ہے۔

اسماعیل بن اسحاق نے کہا: ان میں سے ہر ایک نے اپنے صاحب کے مذہب کے خلاف کہا، سوائے اس کے کہ جب ''فاحشہ مبینہ'' کا لفظ کہا جائے تو وہ اس کی دلیل ہے کہ بعض چیزیں دوسری بعض چیزوں سے زیادہ واضح ہوتی ہیں اور رہا زنا وغیرہ تو وہ حدود میں سے ہے، کیونکہ یہ حد ہے جو محدود ہے اور جب انسان اس حد پر پہنچ جائے تو وہ زانی ہوگا، اس کے علاوہ اگر کوئی اور جرم ہو تو یہ وہ شر ہے جو مرد اور عورت کے درمیان واقع ہوتا ہے، اور اس میں کوئی شر دوسرے شر سے زیادہ ہوتا ہے اور ہم کو اس میں اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر وہ ایسا شر ہو کہ شوہر اور بیوی کے درمیان اس کی اصلاح کی امید نہ ہو تو عورت شوہر کے گھر سے کسی دوسرے کے گھر کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ رہا زنا تو اس میں اجتہاد اور رائے کا دخل نہیں ہے۔

اور جنہوں نے کہا کہ مطلقہ عورت کا گھر سے نکلنا فاحشہ ہے تو یہ کلام عرب میں جائز ہے، سوا اس کے کہ زیادہ ظاہر یہ ہے کہ مطلقہ عورت کا گھر سے نکلنا فاحشہ کے علاوہ کسی اور سبب سے بھی ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

اور کسی انسان کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ کسی قول کو واجب کرے اور اس کا یہ زعم ہو کہ یہی قول صحیح ہے اور دوسرا قول صحیح نہیں ہے۔ اور وہ جو حضرت ابی بن کعب کی قراءت ہے جس میں ''اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ'' کی جگہ ''الا ان تفحش علیکم''، یعنی سوائے اس صورت کے کہ تم سے بدکلامی کریں تو یہ حجت قویہ ہے۔

اور وہ جو امام بخاری نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کا گھر ایسی جگہ میں تھا جہاں پر وحشت تھی، تنہائی تھی تو ان کو یہ خطرہ ہوا کہ کوئی ان کی عصمت اور آبرو پر ڈاکہ ڈالے گا تو یہ امام مالک کے اس قول کے مشابہ ہے کہ جو دیہاتی عورت عدت گزار رہی ہو وہ اپنے خاوند کے ساتھ جہاں چاہے عدت گزارے۔

علامہ المہلب مالکی نے کہا: اگر یہ روایت صحیح ہو کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کو ان کی بدکلامی یا بد خلقی کی وجہ سے گھر سے نکال دیا گیا تو اس میں یہ دلیل ہے کہ جو مرد فحش گفتار ہو اور بدکلامی کرتا ہو اور اپنے پڑوسیوں کو ایذاء دیتا ہو تو اس کے گھر کو فروخت کر دیا جائے گا اور اس کی رہائش کو وہاں سے ساقط کر دیا جائے گا۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۰۱-۴۰۲، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور اس حدیث کی مؤید دیگر روایات

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کے بعض طرق میں مذکور ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کا گھر ایک مکانِ وحش میں تھا، الوَحش اس جگہ کو کہتے ہیں جو ویران ہو، جہاں پر کوئی رہنے والا نہ ہو، اور اس حدیث میں تبذو کا لفظ ہے، یہ لفظ البذاءت سے ماخوذ ہے، علامہ ابن التین شارح بخاری نے کہا ہے: جو شخص بدزبان اور بدخُلق ہو اس کو بذیء اللسان کہا جاتا ہے، اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی زبان میں ایذاء رسانی تھی۔

حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا متوفی ۵۷ھ بیان کرتی ہیں کہ انہوں نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے فرمایا: تم کو اس گھر سے تمہاری زبان نے نکالا ہے، اور اس کا ذکر اسماعیل نے از ابن اسحاق از محمد بن ابراہیم از حضرت عائشہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کیا ہے۔

(المحلی لابن حزم ظاہری ج ۱۰ ص ۲۹۳)

اور اس کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے منقول ہے، انہوں نے فرمایا: الفاحشة المبينه، شوہر کی نافرمانی اور بدخلقی ہے اور یہ کہ عورت شوہر کے گھر والوں کے خلاف زبان درازی کرے، پس جب عورت اس طرح کی زبان درازی کرے تو اس کے گھر والوں کے لیے اس کو اپنے گھر سے نکالنا جائز ہے۔

اس حدیث کی روایت امام ابن ابی حاتم متوفی ۳۲۷ھ نے اپنی تفسیر میں کی ہے۔

(تفسیر ابن ابی حاتم ج ۳ ص ۹۰۴، رقم الحدیث: ۵۰۴۰)

اور حارث بن ابی امہ نے از یزید بن ہارون، از عمرو بن میمون بن مہران از والد خود از سعید بن مسیب روایت کی ہے کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا اپنے دیوروں کے خلاف زبان درازی کرتی تھیں اور ان کو اپنی زبان سے ایذاء پہنچاتی تھیں۔

امام احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اس حدیث کی روایت کی ہے (سنن بیہقی ج ۷ ص ۴۳۳ نشر السنہ ملتان)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ عورتوں کا اپنے گھر سے نکلنا فاحشہ ہے، اور اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ یہ عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ کا قول ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۹۵، رقم الحدیث: ۱۹۲۰۰)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۳۴-۵۳۵، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن نے اس شرح کے بعد جو عبارت ذکر کی ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جو علامہ ابن بطال مالکی کی شرح میں درج ہے، جس کو ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

بعض مشکل الفاظ کے معانی اور اس حدیث کی مؤید دیگر روایات

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب کے عنوان میں امام بخاری نے یہ لفظ ذکر کیا ہے ''ان یقتحم علیك''۔

یقتحم، اقتحام سے ماخوذ ہے اور اقتحام کے معنی ہیں کسی شخص کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہو جانا اور امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں ''تبذو'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور بذاء کا معنی القول الفاحش یعنی فحش گفتاری یا بدکلامی ہے۔

امام ابوالحسین مسلم بن حجاج القشیری المتوفی ۲۶۱ ھ نے اس حدیث کو صالح بن کیسان از ابن شہاب روایت کیا ہے، کہ ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے ان کو خبر دی کہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے ان کو خبر دی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنے شوہر کے گھر کو چھوڑ کر کسی اور کے گھر میں عدت کے ایام گزاریں، تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ابن ام مکتوم جو نابینا صحابی ہیں ان کے گھر میں منتقل ہو جائیں، سو مروان نے اس روایت کا انکار کیا اور کہا کہ مطلقہ بائنہ کا اپنے گھر سے نکلنا جائز نہیں ہے اور عروہ نے بیان کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی اس روایت کا انکار کیا تھا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۸۱، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

مطلقہ عورت کی اقسام اور ان کے احکام

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ ھ حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

مطلقہ کی دو قسمیں ہیں، ایک مطلقہ رجعی ہے اور دوسری مطلقہ بائن ہے۔ پس جو مطلقہ رجعی ہے اس کے لیے نفقہ بھی ہوتا ہے اور کسوہ بھی ہوتا ہے یعنی عدت کے دوران اس کا خرچ بھی دیا جائے گا اور اس کا لباس بھی دیا جائے گا اور اس کو رہائش بھی ہر حال میں دی جائے گی، کیونکہ مطلقہ رجعی جو ہے وہ بیویوں کے حکم میں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (البقرہ: ۲۲۸)

اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد ثانی) سے روکے رکھیں، اور اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں (بچہ دانیوں) میں پیدا کیا ہے اور ان (طلاق رجعی پانے والیوں) کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں بشرطیکہ ان کا ارادہ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کا ہو۔ اور عورتوں کے لیے بھی دستور کے مطابق مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جس طرح مردوں کے ان پر ہیں اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے اور اللہ بہت غالب، بڑی حکمت والا ہے ۝

طلاق کا لغوی و اصطلاحی معنی

میں کہتا ہوں: عورت کی طلاق کے دو معنی ہیں:

(۱) نکاح کی گرہ کو کھول دینا (۲) ترک کر دینا، چھوڑ دینا (تاج العروس ج ۶ ص ۴۲۵)

فقہی اصطلاح میں الفاظ مخصوصہ کے ساتھ فی الفور یا از روئے مآل نکاح کی قید کو اٹھا دینا طلاق ہے، الفاظِ مخصوصہ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو مادہ طلاق پر صراحۃً یا کنایۃً مشتمل ہوں، اس میں خلع بھی شامل ہے۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۵)۔ (سعیدی غفرلہٗ)

شیخ عثیمین نے لکھا ہے کہ:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زوجِ مطلق کو شوہر فرمایا ہے، اور یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ طلاقِ رجعی کے بعد بھی

زوجیت کے احکام باقی رہتے ہیں۔

رہی طلاق بائن جو فسخِ نکاح کی وجہ سے ہو، یا طلاق کی وجہ سے ہو یا شوہر فوت ہو گیا ہو تو ایسی عورت کے لئے نہ عدت کے دوران کا خرچہ ہوگا، نہ لباس ہوگا، نہ رہائش ہوگی، سوائے اس کے کہ وہ عورت حاملہ ہو اور اس بناء پر ہم کہتے ہیں کہ مطلقہ بائنہ کی دو قسمیں ہیں (۱) حامل (۲) حائل

رہی حاملہ تو اس کے لیے نفقہ ہے اور رہی حائلہ تو اس کے لئے کچھ بھی نہیں۔

سوال: کیا مطلقہ پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں رہے؟

جواب: نہیں! اس کے برخلاف جس عورت کا شوہر فوت ہو گیا ہو، کیونکہ مطلقہ رجعیہ کے متعلق صحیح یہ ہے کہ اس کے لیے گھر میں رہنا ضروری نہیں ہے، اس معنی پر کہ وہ گھر سے باہر نہیں جائے گی، جیسا کہ اس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو تو وہ گھر سے باہر نہیں جاتی۔ رہا گھر میں رہائش کا معاملہ تو وہ گھر میں رہائش رکھے گی، لیکن اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کے لئے، یا اپنی سہیلیوں کے لئے یا اپنے اور رشتہ داروں سے ملنے کے لیے گھر سے باہر جا سکتی ہے۔

سوال: جو بائن حائل ہو تو کیا اس کو بھی متعہ دیا جائے گا (چند کپڑے)؟

جواب: ہم کہتے ہیں کہ جو عورت دخول سے پہلے مطلقہ ہو اور اس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو تو اس کو المتعہ یعنی چند کپڑے دینا واجب ہے اور جب اس کا مہر مقرر کیا گیا ہو تو پھر اس کو نصف مہر دینا کافی ہے اور جس عورت کے ساتھ دخول ہو چکا ہو، اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے کہ کیا اس کے لئے بھی المتعہ واجب ہے یا نہیں؟

پس بعض علماء کا مذہب یہ ہے کہ یہ وجوب مطلقا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ اور مطلقہ عورتوں کے لیے (اختتام عدت تک) دستور کے مطابق نان ونفقہ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے O (البقرہ: ۲۴۱)

اور بعض علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ حکم بہ طور استحباب ہے اور قرآن مجید کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم بہ طور وجوب ہے۔

سوال: جب کسی عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی تو کیا وہ اپنے گھر والوں کے پاس جا سکتی ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب: یہ خطا ہے، اور طلباءِ علم پر واجب ہے کہ وہ اس چیز کو لوگوں کے سامنے بیان کریں۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۹۱-۹۲، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۲۸، ۵۳۲۷ کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عروہ بن زبیر نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا: کیا آپ نے فلانہ بنت الحکم کو نہیں دیکھا کہ اس کے شوہر نے اس کو تین طلاقیں دیں تو وہ گھر سے باہر چلی گئی، ام المومنین نے فرمایا: اس نے برا کیا ہے، عروہ نے کہا: یا ام المومنین! آپ نے فاطمہ بنت قیس کا کلام نہیں سنا؟ مائی صاحبہ نے فرمایا: اس حدیث کے ذکر کرنے میں فاطمہ کی خیریت نہیں ہے۔ ابن ابی زناد نے ہشام سے، انہوں نے اپنے والد سے روایت کی کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے سخت معیوب جانا اور فرمایا کہ فاطمہ وحشت مکان میں تھی، اس کو

اس کی جانب سے خطرہ لاحق تھا یعنی فاطمہ بنت قیس وحشت ناک مکان میں رہتی تھی جہاں کوئی انیس نہ تھا اور اسے ہر طرف سے خطرہ تھا، اس لئے وہاں سے انتقال کی رخصت دی گئی، اسی لئے ام المومنین فرمایا کرتی تھیں کہ جہاں فاطمہ یہ کہتی ہے کہ مطلقہ ثلاث کے لئے نفقہ سکنیٰ نہیں، وہاں اسے اس کا سبب بھی ظاہر کرنا چاہیے، اور علت بیان کئے بغیر اسے یہ نہیں ذکر کرنا چاہیے تھا، مطلقہ ثلاث کے لئے نفقہ اور سکنیٰ دونوں ہیں، اور فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مسترد کر دیا تھا، جب کہ انہوں نے فرمایا: ہم اپنے رب کی کتاب اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ایک عورت کے کہنے پر ترک نہیں کر سکتے۔ ہمیں معلوم نہیں وہ اس بات میں سچی ہے یا جھوٹی ہے، اس کو یاد رہا ہے یا بھول گئی ہے، میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے مطلقہ ثلاث کے لئے عدت میں نفقہ اور سکنیٰ ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم! (تفہیم البخاری ج ۸ ص ۴۰۰-۳۹۹، جدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۲۸، ۵۳۲۷، کی شرح از شیوخ دیوبند

شیخ سلیم اللہ خاں دیوبندی، مہتمم جامعہ فاروقیہ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ماقبل باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے بتایا تھا کہ معتدہ بائنہ کے لیے سکنیٰ ہوگا، اب یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی عذر پیش آ جائے جس کی وجہ سے وہ شوہر کے گھر سے دورانِ عدت منتقل ہونا چاہے تو وہ منتقل ہو سکتی ہے۔

عذر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مکان ایسی جگہ واقع ہے کہ وہاں کسی اجنبی آدمی یا طلاق دینے والے سابقہ شوہر کے گھس آنے کا خطرہ ہو جو عورت کے لیے ضرر کا باعث بن سکتا ہے اور عذر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عورت زبان دراز ہے شوہر اور اس کے رشتہ داروں کے ساتھ ہر وقت لڑتی جھگڑتی ہے اور اس نے جینا دوبھر کر دیا ہے۔

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ دونوں باتیں نقل کی گئی ہیں کہ ان کا گھر ویران جگہ میں تھا، جہاں کسی آدمی کے آنے کا خطرہ تھا، امام ابوداؤد نے اس کا ذکر موصولاً اور امام بخاری نے تعلیقاً کیا ہے جیسا کہ پہلے باب میں گزر چکا اور حضرت سعید بن المسیب سے امام نسائی کی روایت میں دوسری بات کا بھی ذکر ہے، اس میں حضرت فاطمہ بنت قیس کے متعلق ہے ''انها كانت لسنة'' یعنی وہ زبان دراز تھیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۵۹۸)

ترجمۃ الباب میں ہے ''المطلقة اذا خشي عليها'' ''خُشِيَ'' مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا نائب فاعل ''ان يقتحم عليها'' ہے یعنی جب اس پر کسی کے گھس آنے کا خوف ہو، اقتحام کے معنی ہیں ''الهجوم على الشخص بغير اذن: بغیر اجازت کے کسی پر داخل ہونا، تبذو: بذاء سے ہے جس کے معنی بدگوئی اور زبان درازی کے آتے ہیں، بعض نسخوں میں ''على اهله'' ہے ای علی اهل المطلق اس صورت میں ''اهله'' کی ضمیر طلاق دینے والے کی طرف راجع ہوگی۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۱، ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۰۰)

''اذا خُشِيَ عليها اوتبذو على اهلها'' شرط ہے، جزاء محذوف ہے، تقدیر ہوگی ''تنتقل الى مسكن غير مسكن الطلاق'' (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۰۰) یعنی وہ کہیں اور منتقل ہو سکتی ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب کے تحت حضرت عروہ رضی اللہ عنہ کی جو روایت نقل کی ہے، اس میں ہے ''ان عائشة انكرت ذالك على فاطمه'' یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ بنت قیس پر اس کے قول کے متعلق نکیر کی ''ذالك'' کا مشار الیہ فاطمہ بنت قیس کا قول ''لانفقة ولا سكنى'' ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۰۱)

حضرت عُروہ کی یہ حدیث پہلے باب کے آخر میں ذرا تفصیل سے گزر چکی ہے، اس کے آخر میں ہے "ان فاطمة كانت فی مکان وحش فخيف على ناحيها فلذالك ارخص لها النبی ﷺ" اور نسائی کی روایت بھی گزر چکی ہے جس میں "انها كانت لَسِنة" کے الفاظ ہیں، امام بخاری نے ان روایات کے مجموعے سے ترجمۃ الباب ثابت کیا ہے اور نسائی والی روایت چونکہ امام بخاری کی شرط پر نہ تھی اس لیے اس کو باب میں ذکر نہیں کیا۔

مطلب یہ ہے کہ امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں معتدہ کے جواز خروج کے لیے دو علتیں بیان کی ہیں، ایک الخوف علیھا یعنی اس پر کسی کے گھس آنے کا خدشہ ہو تو نکل سکتی ہے، دوم الخوف منھا، یعنی اس کی زبان درازی سے خوف ہو تو بھی نکل سکتی ہے لیکن روایت میں صرف پہلی علت کا ذکر ہے، دوسری علت کا ذکر نہیں، روایت باب میں اگرچہ پہلی علت کا ذکر بھی نہیں کیونکہ وہ یہاں بہت مختصر ہے البتہ اس سے ماقبل والے باب کے آخر میں مذکورہ علت کا ذکر اسی روایت میں ہے۔

اور دوسری علت آپ قیاس سے ثابت کر سکتے ہیں کہ جب اس پر کسی کے گھس آنے کا خوف طلاق دینے والے شوہر کے گھر سے نکلنے کا سبب بن سکتا ہے تو اس کی زبان درازی سے خوف بھی خروج کے جواز کا سبب بننا چاہیے، اور بعض روایات میں اس دوسری علت کی تصریح بھی ہے لیکن وہ روایات امام بخاری کی شرط پر نہیں، اس لیے انہیں ذکر نہیں کیا۔

معتدہ مطلقہ کے گھر سے نکلنے کا حکم

معتدہ مطلقہ کے گھر سے نکلنے کے بارے میں حضرات ائمہ کا اختلاف ہے:

(۱) امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک مطلقہ عورت دن کے وقت ضرورت کی بناء پر دوران عدت گھر سے باہر نکل سکتی ہے

(۲) حضراتِ حنفیہ کے نزدیک معتدہ مطلقہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتی۔

(الابواب والتراجم، ج ۱۲ ص ۸۳، وتکملة فتح الملہم کتاب الطلاق وباب جواز خروج البائن)

ائمہ ثلاثہ کا استدلال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے جس کو امام مسلم اور امام ابوداؤد نے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری خالہ کو طلاق ہوگئی تو انہوں نے (دورانِ عدت) میں چاہا کہ اپنے باغ کا پھل کاٹ لیں، انہیں ایک شخص نے گھر سے باہر نکلنے سے منع کیا، تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم نکل کر اپنے باغ کا پھل کاٹ سکتی ہو، بہت ممکن ہے کہ تم اسے صدقہ کرو یا دوسری بھلائی میں خرچ کرو۔

ائمہ ثلاثہ اس حدیث سے استدلال کر کے فرماتے ہیں کہ مطلقہ عورت دوران عدت گھر سے باہر نکل سکتی ہے، جیسا کہ اس روایت میں ہے۔ حضرات حنفیہ قرآن کریم کی آیت سے استدلال کرتے ہیں، اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے:

"وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ" یعنی وہ مطلقہ عورتیں گھر سے نہیں نکل سکتیں مگر یہ کہ وہ کسی واضح برائی کا ارتکاب کرلیں۔ اس آیت کریمہ کے عموم سے استدلال کر کے فرماتے ہیں کہ اس میں تمام مطلقات کو صراحتاً عدت ختم ہونے تک گھر سے باہر نکلنے سے منع کیا گیا ہے، لہٰذا معتدہ مطلقہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتی۔

باقی رہی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے کتاب اللہ کی تخصیص یا تقیید جائز

نہیں، اور اس حدیث کی یہ تاویل بھی کر سکتے ہیں کہ وہ احکام عدت کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہو۔

اس پر دلیل یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا اپنا فتویٰ اس حدیث کے خلاف ہے۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے، ان سے پوچھا گیا کہ معتدہ مطلقہ اور معتدہ وفات دوران عدت گھر سے باہر نکل سکتی ہے، تو انہوں نے فرمایا: نہیں نکل سکتیں۔ (شرح معانی الآثار، کتاب الطلاق ۲)

معتدۃ الوفاۃ کے نفقہ اور سکنیٰ کا حکم

یہ ساری تفصیل معتدہ مطلقہ کے متعلق تھی، جہاں تک تعلق ہے معتدۃ الوفات کے نفقہ اور سکنیٰ کا تو اس کی تفصیل کتاب التفسیر میں گزر چکی ہے، معتدۃ الوفات دن کے وقت اپنے گھر سے باہر نکل سکتی ہے، اور احناف کے نزدیک معتدۃ الوفات (بیوہ) کے لیے نہ نفقہ ہے، نہ سکنیٰ ہے۔ حاملہ ہو یا غیر حاملہ چونکہ زوج کے انتقال کے بعد اس کے اموال ورثہ کو منقول ہو گئے، للہٰذا ورثہ کے مال سے نہ نفقہ ادا کیا جائے گا نہ سکنیٰ۔ (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۲۱۱، اوجز المسالک ج ۱۰ ص ۱۸۵)

علامہ نووی کے مطابق شوافع کے یہاں نفقہ تو واجب نہیں خواہ وہ حاملہ ہو یا غیر حاملہ، البتہ سکنیٰ کے لیے نووی فرماتے ہیں: ''والاصح عندنا وجوب السکنی'' (الصحیح لمسلم مع شرحہ الکامل للنووی ج ۱ ص ۴۸۳) گویا دوسری روایت میں ان کے یہاں اس کے لیے سکنیٰ نہیں ہے۔ حنابلہ کے یہاں اگر وہ غیر حاملہ ہے تو نہ نفقہ ہے نہ سکنیٰ اور اگر حاملہ ہو تو دو روایتیں ہیں، ایک روایت میں حاملہ کے لیے بھی نفقہ اور سکنیٰ نہیں، اور دوسری روایت میں حاملہ کے لیے نفقہ اور سکنیٰ ہے، کذا قال الموفق (اوجز المسالک ج ۱۰ ص ۱۸۵)

مالکیہ کے نزدیک متوفی عنہا زوجہا کے لیے نفقہ نہیں، حاملہ ہو یا غیر حاملہ، البتہ سکنیٰ اس صورت میں ہے جب گھر زوج کی ملکیت ہو یا کرایہ کا ہو اور شوہر نے وفات سے قبل کرایہ ادا کر دیا ہو، ورنہ نہیں۔ کذا قال الباجی۔

(اوجز المسالک ج ۱۰ ص ۱۸۵، الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص ۶۵۹)

(کشف الباری عما فی صحیح البخاری، کتاب فضائل القرآن، کتاب الطلاق، کتاب النکاح ص ۵۷۱-۵۶۶، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

۴۳۔ بَابُ: قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰی ﴿وَ لَا یَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ یَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْۤ اَرْحَامِهِنَّ﴾ (البقرہ: ۲۲۸) مِنَ الْحَيْضِ وَالْحَبَلِ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد: اور ان عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں (بچہ دانیوں) میں پیدا کیا ہے، یعنی وہ اپنے حیض کو چھپائیں یا اپنے حمل کو چھپائیں۔

عورتوں کا اپنے رحموں میں مستور حیض اور حمل کے اوپر امین ہونا

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں حیض یا حمل کو جو پیدا کیا ہے وہ اس کو چھپائیں، امام بخاری نے جو اس باب میں ''الحیض والحبل'' لکھا ہے، یہ اس آیت کے ماقبل کی تفسیر ہے، اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور مجاہد بن جبر مخزومی متوفی ۱۰۴ھ اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ اور الحکم

بن عیینہ اور ربیع بن انس اور ضحاک اور متعدد صحابہ اور تابعین کا قول ہے۔

اس حدیث میں ''الحمل'' کا لفظ ہے اور بعض روایات میں ''الحبل'' کا لفظ ہے۔

علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ لکھتے ہیں:

جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں بچے کو پیدا کیا ہے یا حیض کا خون پیدا کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب عورت اپنے خاوند سے الگ ہونے کا ارادہ کرے تو اپنے حیض کو چھپا لیتی ہے، تاکہ وہ طلاق کا انتظار نہ کرے یا وضع حمل کا انتظار نہ کرے یا تاکہ اس کے اوپر بچے کی پیدائش دشوار ہو اور خاوند اس کو چھوڑ دے، یا وہ اپنے حیض کو چھپا لیتی ہے اور وہ کہتی ہے کہ میں حائضہ تھی اب طاہرہ ہو چکی ہوں، تاکہ اس کو جلدی طلاق مل جائے (علامہ زمخشری کی عبارت ختم ہوئی)۔

اس کے بعد فرمایا: ''فی ارحامھن'' اور امام بخاری نے بیان کیا کہ جو ان کے رحموں میں حیض یا حمل ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر کا ارادہ کیا ہے اور اس آیت کی قراءت کا ارادہ نہیں کیا۔

اور اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ جب عدت کا معاملہ حیض اور طہر کے درمیان دائر ہو اور اس پر اطلاع غالباً عورتوں کی جہت سے ہوتی ہے تو اس معاملہ میں عورت کو امین بنایا گیا ہے۔ اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۲ھ نے کہا ہے کہ عورت کو جس طرح اس کی شرمگاہ پر امینہ بنایا گیا ہے، اسی طرح حیض اور حمل کے معاملہ پر بھی امینہ بنایا گیا ہے۔

اور اسماعیل نے کہا ہے: یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو عورت عدت میں ہو وہ بھی اپنے رحم میں حیض اور حمل کے اوپر امینہ ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ مجھے حیض آ گیا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اگر وہ یہ کہے کہ اس کے ہاں بچہ ہو گیا ہے تب بھی اس کی تصدیق کی جائے گی، سوائے اس صورت کے کہ کسی دلیل سے اس کا جھوٹ ظاہر ہو جائے۔ اسی طرح ہر امین کے قول کا اعتبار کیا جاتا ہے جب تک کہ اس کا جھوٹ کسی دلیل سے ظاہر نہ ہو۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۵۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۲۹۔ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْحَكَمِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ لَمَّا أَرَادَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْ يَنْفِرَ إِذَا صَفِيَّةُ عَلَى بَابِ خِبَائِهَا كَئِيبَةً فَقَالَ لَهَا عَقْرَى أَوْ حَلْقَى إِنَّكِ لَحَابِسَتُنَا أَكُنْتِ أَفَضْتِ يَوْمَ النَّحْرِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ فَانْفِرِي إِذًا۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں سلیمان بن حرب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی از الحکم از ابراہیم از الاسود از حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف کوچ کا ارادہ فرمایا (ارکانِ حج سے فارغ ہونے کے بعد) تو اس وقت حضرت صفیہ ام المومنین رضی اللہ عنہا خیمہ کے دروازے کے اوپر رنجیدہ صورت میں کھڑی ہوئی تھیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تمہارا حلق زخمی ہو گیا ہے یا تمہارا سر مونڈ دیا گیا ہے، کیا تم ہم کو روانگی سے روکنے والی ہو، کیا تم نے دس ذوالحج کو قربانی کے دن طوافِ زیارت کر لیا تھا؟ حضرت صفیہ نے بتایا: جی ہاں، آپ نے فرمایا: پھر تم ہمارے ساتھ روانہ ہو۔

(صحیح بخاری: ۲۹۳، ۳۰۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۹، ۳۲۸، ۱۵۱۲، ۱۵۱۸، ۱۵۵۶، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۶۳۸، ۱۶۵۰، ۱۷۰۹، ۱۷۲۰، ۱۷۳۳، ۱۷۵۷، ۱۷۶۲، ۱۷۸۳، ۱۷۸۶، ۱۷۸۸، ۲۹۵۲، ۴۴۰۱، ۵۳۳۸، صحیح مسلم: ۱۲۱۱، سنن نسائی: ۲۲۹۰، سنن ابو داؤد: ۱۷۸۲، سنن ابن ماجہ: ۲۹۶۳، مسند احمد: ۲۵۳۱۰)

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی متوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ عورتیں اپنے رحم میں حیض یا حمل کے متعلق جو دعویٰ کریں، ان کے اس دعویٰ کی تصدیق کی جائے گی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے یہ پوچھا کہ کیا تم نے دس ذی الحجہ کو طوافِ زیارت کر لیا تھا، انہوں نے کہا: جی ہاں! تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس قول کے اوپر کسی دلیل کو طلب نہیں کیا گویا کہ ان کے دعویٰ کی تصدیق کر دی۔ تو اسی طرح عورت جو اپنے رحم میں حیض یا حمل کی خبر دے، ان کی اس خبر کی بھی تصدیق کی جائے گی اور ان سے اس پر کسی دلیل کو طلب نہیں کیا جائے گا، سو یہ اس حدیث کی باب کے عنوان کے ساتھ مناسبت ہے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور مہمل عبارات کے محامل

اس حدیث میں مذکور ہے: ''ان ینفر'' یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے بعد روانگی کا ارادہ فرمایا، اور حج میں دو روانگیاں ہیں، ایک روانگی ایام تشریق کے دوسرے دن ہے اور دوسری روانگی ایام تشریق کے تیسرے دن ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''اذا'' یعنی آپ نے اچانک حضرت صفیہ بنت حیی ام المومنین کو دیکھا۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے ''کئیبة'' یعنی آپ نے ان کو رنجیدہ اور غمزدہ پایا۔

اور اس میں مذکور ہے: ''عقری'' اس کا معنی ہے، کہ اللہ تعالیٰ اس میں کوئی بیماری پیدا کر دے یا اس کے حلق میں درد ہو جائے اور ایک قول یہ ہے کہ عقری، دعویٰ کی طرح مصدر ہے اور ایک قول یہ ہے کہ یہ عقیر کی جمع ہے، اصمعی اور ابو عمرو نے کہا ہے: یہ اس عورت کے متعلق کہا جاتا ہے جو ایذاء پہنچانے والی ہو۔ اور یہ بد دعا کا کلمہ ہے لیکن عرب جب یہ لفظ بولتے ہیں تو ان کا مقصد بد دعا نہیں ہوتا بلکہ یہ الفاظ ان کی زبان پر بد دعا کے قصد کے بغیر جاری ہو جاتے ہیں۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''او حلقی''، اس میں راوی کو شک ہے کہ آپ نے عقریٰ فرمایا تھا یا حلقیٰ فرمایا تھا اور حلق کے معنی سر مونڈنے کے ہیں، اور یہ بھی بد دعائیہ کلمہ ہے یعنی تم زخمی ہو جاؤ، تمہارے حلق میں زخم ہو جائے، یا تم بیمار ہو جاؤ یا تمہارا سر مونڈ دیا جائے، اور ان الفاظ کو بغیر بد دعا کے قصد کے اہل عرب کہتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: جیسے ہمارے عرف میں مائیں بچوں کو کہتی ہیں: تم مر جاؤ، تمہیں ہیضہ ہو جائے، تمہیں چیچک نکل آئے، اور ان کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ فی الواقع وہ اپنے بچوں کو بد دعائیں دے رہی ہیں بلکہ وہ محض اپنے غصہ کے اظہار کے لیے بچوں کے متعلق یہ الفاظ کہتی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صفیہ کو یہ الفاظ کہنا اس بات کی دلیل ہے کہ اگر ماں یا باپ یا کوئی بڑا اپنے چھوٹوں کو ایسے الفاظ کہے جن کا بہ ظاہر معنی بد دعا ہو اور اس کا قصد بد دعا نہ ہو بلکہ محض اپنے غصہ کا اظہار ہو تو ان الفاظ کا کہنا جائز ہے اور شریعت میں اس کی گنجائش ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

اس حدیث میں مذکور ہے: "لحابستنا" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روکنے کی نسبت حضرت صفیہ کی طرف فرمائی، کیونکہ اگر انہوں نے طوافِ زیارت نہ کیا ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف کوچ نہیں فرما سکتے تھے، تو آپ نے فرمایا: کیا یہ ہم کو روکنے والی ہیں، "افضت": اس کا معنی ہے: کیا تم نے طوافِ زیارت کرلیا تھا؟ پھر فرمایا: "انفری" یعنی اب تم روانہ ہوسکتی ہو، کیونکہ جس عورت نے طوافِ زیارت کرلیا ہو اور وہ حائضہ ہو تو اس سے طوافِ وداع ساقط ہو جاتا ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۴۵-۴۴۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کی شرح میں فقہاءِ اسلام کے اقوال

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس آیت (البقرہ: ۲۲۸) کی تفسیر میں علماء کے کئی اقوال ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۲ھ نے کہا کہ امانت میں سے یہ ہے کہ عورت اپنی شرمگاہ پر امین ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ نے کہا کہ عورتوں کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اگر وہ حاملہ ہوں تو اپنے حمل کو چھپائیں اور نہ ان کے لیے یہ جائز ہے کہ اگر وہ حائضہ ہوں تو وہ اپنے حیض کو چھپائیں، یعنی جو عورتیں مطلقہ ہوں۔ ابن شہاب نے کہا: تاکہ عدت پوری ہو جائے، اور اس کا خاوند رجوع کرنے کا مالک نہ رہے، جب کہ اس کے لیے رجوع کا حق ہو، اور مجاہد نے کہا: یہ اس صورت میں ہے کہ جب عورت اپنے خاوند سے بغض رکھتی ہو یا اپنے خاوند سے محبت رکھتی ہو۔ یعنی بغض کی وجہ سے وہ چاہے گی کہ اس کا خاوند اس کو جلدی طلاق دے دے اور محبت کی وجہ سے یہ چاہے گی کہ اس کا خاوند اس کو طلاق نہ دے۔

اور قتادہ نے کہا کہ عورت اپنے حمل کو چھپاتی تھی، اور دوسری مدت تک چلی جاتی تھی، اس خوف سے کہ اس کا خاوند اس سے رجوع کرلے گا، تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔

اور اسماعیل بن اسحٰق نے کہا: کہ یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ جو عورت عدت میں ہے وہ اپنے رحم میں جو حیض ہے یا حمل ہے اس کے اوپر امین ہے، اگر وہ یہ کہے کہ مجھے حیض آ گیا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اگر وہ یہ کہے کہ اس کے ہاں بچہ ہو گیا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی، سوائے اس صورت کے کہ کوئی ایسی دلیل پائی جائے جس سے اس عورت کا جھوٹ ظاہر ہو جائے، اور اسی طرح ہر امین کے متعلق یہ حکم ہے کہ اس کے دعویٰ کی تصدیق کی جائے گی جب تک کہ اس کے دعویٰ کے متعلق کوئی چیز ظاہر نہ ہو، اور اس کی نظیر درج ذیل آیت میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـــًٔا ۭ (البقرہ: ۲۸۲)

اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت تک آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو، اور تمہارے درمیان کسی کاتب کو عدل کے ساتھ دستاویز لکھنی چاہیے اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے لکھنا سکھایا ہو اس کو لکھنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے، اور جس شخص پر قرض ہو لکھوانا اس کی ذمہ داری ہے اور اس کو اللہ سے ڈرنا چاہیے، جو اس کا رب ہے اور اس (قرض سے) کچھ کم نہ کرے۔

جس طرح کاتب کو اللہ تعالیٰ نے یہ وصیت کی ہے کہ جو حق ثابت ہے، اس کو وہ من وعن لکھے، اس میں کوئی کمی نہ کرے، اسی طرح عورتوں کو وصیت کی ہے کہ ان کے پیٹ میں جو کچھ ہے اس کو نہ چھپائیں، اگر حیض ہے تو بتادیں کہ ان کو حیض ہے، اور اگر حمل ہے تو بتادیں کہ ان کو حمل ہے، اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی تفسیر بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔

اور سلیمان بن یسار نے کہا: اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو اس کا مکلف نہیں کیا کہ وہ اپنی فرج کو کھول کر دکھائیں تاکہ معلوم ہو کہ ان کے پیٹ میں حیض ہے یا طہر، لیکن جب وہ عورتیں مومنہ ہیں تو یہ تمام معاملات ان کے اقوال اور ان کے دعاوی کی طرف مفوض کر دیے۔

المہلب مالکی التوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ عورتیں اپنے حیض اور حمل کے بارے میں جو دعویٰ کریں، اس کی تصدیق کی جائے گی، اور عورتوں کی دائیوں (لیڈی ڈاکٹر) سے اس کی تصدیق طلب نہیں کی جائے گی، کیا تم نہیں دیکھتے کہ جب حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے یہ بتایا کہ وہ حائضہ ہیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا: کہ تمام مسلمانوں کو روانگی سے روک لیں، اور آپ نے اس معاملے میں حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا امتحان نہیں لیا اور نہ ان کو جھوٹا قرار دیا، سو اسی طرح کوئی عورت اپنے رحم میں حیض یا حمل کی جو خبر دے تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور اس کا امتحان نہیں لیا جائے گا۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۰۲-۴۰۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

تنبیہ: علامہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ نے صحیح البخاری: ۵۳۲۹ کی وہی شرح کی ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ ابن بطال کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۳۷-۵۳۹)

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی صحیح البخاری: ۵۳۲۹ کی تقریباً وہی شرح کی ہے جو ہم اس سے پہلے علامہ عینی اور علامہ ابن بطال سے نقل کر چکے ہیں، تاہم ان کی شرح کا خلاصہ یہ ہے:

صحیح البخاری: ۵۳۲۹ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ

امام حاکم نے المستدرک میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۲ھ کی یہ روایت ذکر کی ہے کہ عورت کو اس کی شرمگاہ پر امین بنایا جاتا ہے، اسی طرح اس کے رحم پر بھی امین بنایا جاتا ہے، اور اس کی شرح سورۃ الاحزاب کی تفسیر میں گزر چکی ہے اور حاکم کی روایت کے رجال صحیح ہیں، پھر امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو ذکر کیا ہے، جب کہ حضرت صفیہ ام المومنین رضی اللہ عنہا ایام منیٰ میں حائضہ ہو گئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک تم ہم کو مکہ سے مدینہ روانہ ہونے سے روکنے والی ہو اور اس کی شرح کتاب الحج میں گزر چکی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جو عورت طواف زیارت کر چکی ہو، پھر اس کو طواف وداع کرنے سے پہلے حیض آجائے تو اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ طواف وداع کرنے کے لئے ٹھہری رہے، وہ قافلے کے ساتھ روانہ ہو سکتی ہے۔

علامہ ابن المنیر نے کہا ہے: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے اس قول پر بناء کی کہ وہ حائض ہیں، اپنا سفر موخر کر دیا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں عورت کی تصدیق کی جائے گی جب وہ یہ بتائے کہ اس کو حیض آگیا ہے یا اس کو حمل ہو گیا ہے تو اس میں صرف عورت کے بیان کو قبول کیا جائے گا۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۸۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

بعض طبی حیلوں سے حیض کو یا حمل کو روکنے کی ممانعت اور کن صورتوں میں عورت کے دعویٰ کی تصدیق کی جائے گی اور کن صورتوں میں اس کے دعویٰ کی تصدیق نہیں کی جائے گی

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے عورت کے رحم میں جو حیض کو پیدا کیا ہے یا حمل کو پیدا کیا ہے، عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس حیض کو یا حمل کو چھپائے اور اس کو چھپانا بہت بری بات ہے، اور سب سے بری بات یہ ہے کہ بعض عورتیں العیاذ باللہ، جب انہیں حمل کی ابتداء میں طلاق دی جائے تو وہ اسقاطِ حمل کراتی ہیں، تا کہ ان کے اوپر عدت لازم نہ ہو، سو یہ امر جائز نہیں ہے، اسی طرح بعض عورتیں ایسی دوائیں کھالیتی ہیں جس سے مقررہ وقت پر حیض نہیں آسکتا تو جب مرد ان کو طلاق دے تو وہ عدت کو طول دینے کے لیے ایسی گولیاں کھالیتی ہیں جس سے حیض نہ آئے۔

رہا اسقاطِ حمل کا عدمِ جواز تو اس کی وجہ یہ ہے کہ استقرارِ حمل خاوند کا حق ہے اور رہا دوسری صورت کا عدمِ جواز تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں خاوند کو ظلم میں مبتلا کرنا ہے کیونکہ عورت جب تک عدت میں ہوگی اور اس عورت کو طلاقِ رجعی دی گئی ہو تو اس کے خاوند کے اوپر اس کا خرچ واجب ہوگا۔

اور علماء نے کہا ہے کہ جب عورت یہ دعویٰ کرے کہ اس کی عدت پوری ہو چکی ہے تو اس کی تین حالتیں ہیں:

ایک حالت میں اس کے دعویٰ کا صحیح ہونا ممکن نہیں ہے اور دوسری حالت میں بعض نادر صورتوں میں اس کے دعویٰ کا صحیح ہونا ممکن ہے اور تیسری صورت میں اس کے دعویٰ کا صحیح ہونا عادت کے مطابق ہے۔

(۱) پہلی حالت میں اس کے دعویٰ کو بالکل نہیں سنا جائے گا مثلاً وہ یہ کہے کہ اس کی عدت حیض کے ساتھ ہے اور بیس دن کے بعد وہ آئے اور کہے کہ اس کی عدت مکمل ہوگئی ہے تو ہم اس کے دعویٰ کو بالکل نہیں سنیں گے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے کہ بیس دنوں میں تین حیض آکر گزر جائیں۔

(۲) جب وہ عورت بیس دن کے بعد یہ دعویٰ کرے کہ اس کے تین حیض مکمل ہوگئے ہیں تو اس کے اس دعویٰ کو بغیر گواہوں کے قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ بہت نادر ہے کہ تیس دنوں میں تین حیض آکر گزر جائیں۔

(۳) جب عورت یہ دعویٰ کرے کہ تین مہینوں میں یا دو مہینوں میں اس کی عدت پوری ہوگئی ہے تو اس کا یہ دعویٰ قبول کیا جائے گا اور اس سے کسی گواہ کو طلب نہیں کیا جائے گا، کیونکہ یہ امر عادتاً ممکن اور واقع ہے کہ اتنی عدت میں تین حیض پورے ہو جاتے ہیں۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۹۳-۹۴، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۲۹ کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''عورتوں کے لیے حلال نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو ان کے پیٹوں میں حیض اور حمل پیدا کیا ہے اسے پوشیدہ رکھیں''۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج سے واپسی کا ارادہ کیا تو اچانک ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ وہ اپنے خیمہ کے دروازہ پر غمناک کھڑی ہیں، حضور نے ان سے عقریٰ یا حلقی فرمایا کہ تو ہمیں مکہ میں روکنے والی ہے، کیا تو نے نحر کے روز طواف زیارت کیا تھا؟ عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: اس وقت چلو (کوئی حرج نہیں)۔

یعنی جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کا ارادہ کیا تو طواف سے پہلے ام المومنین صفیہ رضی اللہ عنہا کو حیض آ گیا، اس لئے وہ اندوہ ناک اور غمگین ہوئیں، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ کلمہ عقریٰ، حلقی فرمایا، اس کے معنی میں کئی اقوال ہیں، ابوعبیدہ نے کہا: اس کے معنی یہ ہیں کہ ''اللہ اس کے جسم کو زخمی کرے اور اس کے حلق میں درد ہو، صاحب محکم نے کہا: اس کے معنی یہ ہیں کہ ''اللہ اس کو ہلاک کرے اور اس کے بال حلق کرے''، بعض نے یہ کہا کہ وہ اپنی قوم کو ہلاک کرے اور ان کا حلق کرے کہ وہ منحوس ہے، بعض یوں کہتے ہیں: عقری بانجھ ہو اور ''حلقی'' منحوس ہو، بہر حال اس کے معنی جو بھی ہوں اس کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے جیسے ''تربت یداہ'' کا حقیقی معنی مراد نہیں اسی طرح ''قاتلہ اللہ'' کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ یہ آپ نے بہ طور شفقت فرمایا ہے۔

(تفہیم البخاری، ج۸ ص ۴۰۲، جدہ پرنٹرز لاہور بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۲۹ کی شرح از شیوخ دیوبند

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عدت کا تعلق حیض اور حمل سے ہے، اس لیے عورت کو حیض اور حمل کے کتمان کی اجازت نہیں ہے، اس سلسلے میں وہ امین ہے، امام حاکم نے مستدرک میں روایت نقل کی ہے ''ان من الامانة ان اءتمنت المراة علی فرجها'' (فتح الباری ج۹ ص ۶۰۲) لہٰذا اگر عورت حیض اور حمل کے متعلق کوئی بات پیش کرے گی تو اسے تسلیم کیا جائے گا، ہاں معتدہ اگر کوئی ایسی بات کہتی ہے جو عقل سے بالکل باہر ہے اور جس کا کھلا کذب ہونا معلوم ہے تو اس کو معتبر نہیں قرار دیا جائے گا۔ (فتح الباری ج۹ ص ۶۰۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب (حجۃ الوداع) میں واپس جانے کا ارادہ کیا تو حضرت صفیہ اپنے خیمہ کے دروازے کے پاس غمگین کھڑی تھیں (کیونکہ انہیں منیٰ میں طواف زیارت کرنے کے بعد معذوری کے ایام شروع ہو گئے تھے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: ''کیا تو ہمیں روک کے رکھے گی، کیا تو نے نحر کے دن یعنی دسویں ذوالحجہ کو طواف زیارت کر لیا ہے'' انہوں نے کہا ''جی ہاں'' تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تو، پھر تو چل کوئی حرج نہیں'' (کیونکہ طواف وداع حائضہ کے لئے ضروری نہیں)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حیض وغیرہ کے سلسلہ میں عورت کے قول کا اعتبار ہوتا ہے کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہ کے ایام بیماری شروع ہونے کی وجہ سے سفر کو مؤخر کرنے کا ارادہ فرما لیا تھا اور ان سے کوئی تحقیق نہیں کی کہ واقعتاً بیماری کے ایام شروع ہوئے کہ نہیں، ان کی تکذیب نہیں فرمائی، معلوم ہوا اس بارے میں عورت کا قول معتبر ہوتا ہے۔ (فتح الباری ج۹ ص ۶۰۲) یہ حدیث کتاب الحج میں ''باب التمتع'' کے تحت گزر چکی ہے۔ (ارشاد الساری ج۱۲ ص ۱۰۲)

فقال لها عقری او حلقی انك لحابستنا: اس جملہ کی ترکیب اور لغوی تشریح میں مختلف قول ہیں:

(۱) ابوعبید اور امام سیبویہ کے نزدیک ''عقرًا، حلقًا'' تنوین کے ساتھ ہیں اور یہ دونوں عَقَرَ اور حَلَقَ کے مصدر ہیں، ترکیب میں

یہ مفعول مطلق واقع ہورہے ہیں، جیسے سقیا، رعیا اور جدعًا کے الفاظ مفعول مطلق واقع ہوتے ہیں۔ تقدیر عبارت ہے: عقرک اللہ عقرا (اللہ تجھے بانجھ کردے) وحلقك الله حلقا (اللہ تیرے گلے کو خراب کردے، اللہ کرے تیرے حلق میں تکلیف ہو)۔

(النہایہ لابن الاثیرج ۳ص ۲۷۳)

(۲) علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ "عقری" اور "حلقی" الف کے ساتھ ہیں اور ترکیب میں خبر واقع ہورہے ہیں، مبتدا محذوف ہے ای ھی عقری یا انت عقری۔ (مجمع بحار الانوار ج ۳ص ۶۴۰)

(۳) بعضوں کے نزدیک عقری اور حلقی (الف کے ساتھ) فعلی کے وزن پر مصدر ہیں بمعنی العقر والحلق، جس طرح شکوی شکو کے معنی میں مصدر ہے۔ (النہایہ ج ۳ص ۲۷۳)

یہ اگرچہ لغوی اعتبار سے بددعائیہ کلمات ہیں لیکن عام استعمال میں اس کے لغوی معنی مراد نہیں لیے جاتے بلکہ بطور تعجب اور تحیر کے یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں (مجمع بحار الانوار ج ۳ص ۴۰)، یہاں پر بھی بطور تعجب اور تحیر کے استعمال کئے گئے ہیں۔

(کشف الباری عمافی صحیح البخاری ص ۵۷۳-۵۷۱، کتاب فضائل القرآن، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

۴۴۔ بَابٌ: ﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ﴾ (البقرہ:۲۲۸) فِي الْعِدَّةِ وَكَيْفَ يُرَاجِعُ الْمَرْأَةَ إِذَا طَلَّقَهَا وَاحِدَةً أَوْ ثِنْتَيْنِ، وقوله ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ﴾ (البقرہ:۲۳۲)

اور ان (طلاقِ رجعی پانے والیوں) کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں۔ (البقرہ ۲۲۸) اور عدت کے دوران مرد اپنی بیوی سے کس طرح رجوع کرے جب وہ اس کو ایک یا دو طلاقیں دے چکا ہو، اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "انہیں ان کے (انہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو"۔ (البقرہ:۲۳۲)

۵۳۳۰۔ حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا يُوْنُسُ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ زَوَّجَ مَعْقِلٌ أُخْتَهُ فَطَلَّقَهَا تَطْلِيقَةً۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبد الوہاب نے خبر دی، انہوں نے کہا: ہمیں یونس نے خبر دی از الحسن انہوں نے کہا: حضرت معقل بن یسار نے اپنی بہن کا نکاح کیا، پھر اس کے خاوند نے اس کو ایک طلاق دے دی۔

(صحیح البخاری: ۴۵۲۹، ۵۱۳۰، ۵۳۳۰، ۵۳۳۱، سنن ترمذی: ۲۹۸۱، سنن ابوداؤد: ۲۰۸۷)

۵۳۳۱۔ وحَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى حَدَّثَنَا سَعِيدٌ عَنْ قَتَادَةَ حَدَّثَنَا الْحَسَنُ أَنَّ مَعْقِلَ بْنَ يَسَارٍ كَانَتْ أُخْتُهُ تَحْتَ رَجُلٍ فَطَلَّقَهَا ثُمَّ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: اور مجھے محمد بن المثنی نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی عبد الاعلی نے، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی سعید نے از

خَلّٰى عَنْهَا حَتّٰى انْقَضَتْ عِدَّتُهَا ثُمَّ خَطَبَهَا فَحَمِيَ مَعْقِلٌ مِنْ ذٰلِكَ أَنَفًا فَقَالَ خَلّٰى عَنْهَا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهَا ثُمَّ يَخْطُبُهَا فَحَالَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ (البقرہ:۲۳۲) فَدَعَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَرَأَ عَلَيْهِ فَتَرَكَ الْحَمِيَّةَ وَاسْتَقَادَ لِأَمْرِ اللّٰهِ

قتادہ، انہوں نے کہا: ہمیں حدیث بیان کی الحسن نے کہ حضرت معقل ابن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن ایک مرد کے نکاح میں تھیں، اس مرد نے انکو طلاق دے دی، پھر ان سے الگ ہو گیا حتیٰ کہ ان کی عدت پوری ہو گئی، پھر ان کو نکاح کا پیغام دیا تو حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کو اس پر غصہ اور غیرت آئی، انہوں نے کہا: یہ مرد اپنی بیوی سے علیحدہ ہو گیا ہے حالانکہ وہ عدت کے دوران اس سے رجوع کرنے پر قادر تھا اور اب اس کو نکاح کا پیغام دے رہا ہے، پس حضرت معقل بن یسار اس مرد اور اس کی بیوی کے نکاح کے درمیان حائل ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (انہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں،، اس حکم کے ساتھ ہر اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو، یہ (حکم) تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے، اور اللہ (ہی) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے O پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان پر اس آیت کی تلاوت فرمائی، تو انہوں نے اپنے غصے اور غیرت کو ترک کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننے اور اس پر عمل کرنے کے لیے جھک گئے۔

باب مذکور کے عنوان کی شرح از علامہ عینی اور البقرہ: ۲۲۸ کی تفسیر

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی یہ باب البقرہ: ۲۲۸ کی تفسیر کے بیان میں ہے، اس عنوان میں البعولة کا لفظ ہے، یہ لفظ بعل کی جمع ہے اور اس کا معنی ہے خاوند، مفسرین نے کہا ہے: جس خاوند نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے، وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ جب تک اس کی بیوی عدت کے دوران ہے، وہ اس بیوی کو دی ہوئی طلاق سے رجوع کر لے اور یہی معنی ہے امام بخاری کے اس قول کا کہ عدت کے دوران، اور یہ قید اس لیے لگائی ہے کہ جب اس کی عدت پوری ہو گئی تو اب وہ خاوند کے رجوع کرنے کا محل نہیں رہے گی اور اس میں اجازت طلب کرنے کی ضرورت ہو گی اور گواہوں کی ضرورت ہو گی اور عقد جدید کی ضرورت ہو گی۔

امام بخاری نے لکھا ہے: ''فی العدۃ'' یہ آیت کا جز نہیں ہے، اسی لئے ابوذر نے اس کو فاصلے کے ساتھ بیان کیا ہے، یعنی عدت

کے دوران رجوع کرنے کے متعلق، اور یہ بتایا ہے کہ مراد یہ ہے کہ رجوع کرنے کا حق عدت کے دوران ہے، اور یہی جمہور علماء کا قول ہے، اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے: ان عورتوں کے شوہر عدت کے دوران رجوع کرنے کے زیادہ حق دار ہیں اور یہ زیادہ واضح ہے، اس میں کسی اور چیز کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اور صحیح بخاری کے بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ تم عورتوں کو عدت میں اس سے منع نہ کرو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کریں۔

رجوع کے معتبر ہونے میں فقہاءِ اسلام کی مختلف عبارات

اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کس صورت میں مرد عورت سے رجوع کرنے والا ہوگا، ایک جماعت نے کہا کہ جب مرد نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو اس نے رجوع کر لیا، یہ قول سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ، اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور طاؤس بن کیسان الیمانی متوفی ۱۰۶ھ اور امام اوزاعی سے منقول ہے۔

اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ ان دونوں نے کہا ہے کہ جب اس نے اپنی بیوی کو چھوا یا اس کی شرمگاہ کی طرف شہوت سے دیکھا رجوع کے قصد کے بغیر تب بھی یہ رجوع ہے اور مناسب یہ ہے کہ اس پر گواہ قائم کر لیں اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے کہ جب اس نے عدت کے دوران اپنی بیوی سے وطی کر لی، اور وہ رجوع کا ارادہ رکھتا تھا اور اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ گواہ بنائے، تب بھی یہ رجوع ہے، اور عورت کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اس کو وطی کرنے سے منع کرے حتیٰ کہ وہ اس بات پر گواہ بنالے کہ وہ رجوع کر رہا ہے۔

اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا: جب اس نے رجوع کر لیا اور گواہ نہیں بنایا تب بھی رجوع کرنا صحیح ہوگا اور ہمارے اصحاب احناف کا بھی یہی قول ہے اور گواہ بنانا مستحب ہے۔

اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا کہ رجوع صرف کلام کے ساتھ ہوتا ہے، اگر اس نے رجوع کی نیت سے جماع کر لیا تو یہ رجوع نہیں ہے۔ اور اس عورت کے لیے مہر مثل واجب ہوگا لیکن اس پر یہ اشکال ہے کہ وہ عورت تو اس کی بیویوں کے حکم میں ہے اور زید نے کہا کہ جب اس نے اپنے دل میں رجوع کر لیا تو یہ لغو ہے۔

امام بخاری کے اس قول کی شرح کہ مرد اپنی بیوی سے کس طرح رجوع کرے

امام بخاری نے اس مسئلہ کا جواب نہیں لکھا، یا تو اس وجہ سے کہ ان کی عادت ہے کہ حدیث پڑھنے والا خود غور کر کے سمجھ لے گا کہ اس کا کیا جواب ہے یا اس وجہ سے کہ اس باب کی احادیث کے مطالعہ کے بعد اس کا جواب واضح ہو جائے گا۔

(عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۴۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی صحیح البخاری: ۵۳۳۱ کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ کے معانی اور مبہم عبارات کے محامل

''حمی'': اس کا معنی ہے: جب کسی شخص کو کسی کام کے کرنے سے عار محسوس ہو، اور اس کو اس کام کے کرنے پر غصہ اور غیرت آئے۔ اس حدیث میں مذکور ہے ''انفا''، اور اس کا معنی ہے: غیظ اور تکبر، یعنی حضرت معقل بن یسار کو اس بات پر غصہ آیا کہ ان کی بہن

کے شوہر نے عدت کے دوران ان کی بہن سے رجوع نہیں کیا اور جب ان کی بہن کی عدت پوری ہوگئی تو اب وہ ان کو نکاح کا پیغام دے رہا ہے، اس وجہ سے ان کو غیرت آئی اور انہوں نے اپنی بہن کو اپنے شوہر سے نکاح کرنے سے منع کیا۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے: ''واستقاد'' یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کیا اور اپنی غیرت اور غصے کو ترک کر دیا اور نکاح کی اجازت دے دی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۴۴۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

البقرہ: ۲۳۲: کی تفسیر از علامہ ازہری

حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری المتوفی ۱۹۹۸ھ، البقرہ: ۲۳۲، کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی مطلقہ عورت جب اپنی عدت پوری کر لے اور اپنے پہلے خاوند کے ساتھ نکاح کرنا چاہے تو عورت کے ولی اسے منع نہ کریں، اس کا دوسرا مطلب یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایسی عورت اگر اپنے تجویز کردہ خاوند کے ساتھ عدت گزرنے کے بعد نکاح کرنا چاہے تو پہلا خاوند اسے نہ روکے اور یہ کوشش نہ کرے کہ جب میں نے اسے طلاق دے دی ہے تو کوئی دوسرا بھی اس سے نکاح نہ کرے۔

(تفسیر ضیاء القرآن ج ۱ ص ۱۶۰، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

البقرہ: ۲۳۲: کی تفسیر از مصنف

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (ان ہی پہلے خاوندوں کے) ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں۔ (البقرہ: ۲۳۲)

بغیر ولی کے عورت کے کیے ہوئے نکاح کے متعلق مذاہب اربعہ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: حسن بیان کرتے ہیں کہ حضرت معقل بن یسار کی بہن کو ان کے خاوند نے طلاق دے دی اور ان کو چھوڑے رکھا حتیٰ کہ ان کی عدت پوری ہوگئی، پھر ان کی بہن کے خاوند نے دوبارہ نکاح کا پیغام دیا تو حضرت معقل نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۹، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر عورت کا از خود نکاح جائز نہیں ہے، وہ اس آیت سے اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ اگر بغیر ولی کی اجازت کے عورت کا از خود نکاح کرنا جائز ہوتا تو حضرت معقل کی بہن از خود اپنا نکاح اپنے پچھلے خاوند سے کر لیتیں اور ان کے خاوند کو یہ ضرورت نہ پڑتی کہ وہ ان کے بھائی سے رشتہ مانگیں، اور نہ ان کے بھائی کے منع کرنے کی کوئی وجہ ہوتی، اسی لیے امام شافعی نے کہا ہے کہ بغیر ولی کے عورت کے نکاح کے عدم جواز پر یہ آیت قوی دلیل ہے، نیز ائمہ ثلاثہ کی دلیل یہ حدیث ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ حدیث بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس عورت نے اپنے اولیاء کی اجازت کے بغیر نکاح کیا، اس کا نکاح باطل ہے، یہ تین بار فرمایا، نیز فرمایا: جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۸۴، مطبوعہ مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور ۱۴۰۵ھ)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ جائز ہے کہ بالغہ عورت اپنا نکاح خود کر لے، ان کا استدلال بھی اسی آیت سے ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں نکاح کا اسناد عورتوں کی طرف کیا گیا ہے، اور ان کو نکاح سے روکنے سے منع فرمایا ہے اور اس لیے بھی کہ یہ خاص ان کا حق ہے کیونکہ وہی اہل مباشرت ہیں اس لیے ان کا یہ تصرف صحیح ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کا یہ جواب دیتے ہیں کہ

وہ نابالغہ اور مجنونہ پر محمول ہے۔

بغیر ولی کے عورت کے کیے ہوئے نکاح کے جواز کے متعلق احادیث اور آثار

امام ابوحنیفہ کا استدلال حسب ذیل احادیث سے ہے:

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: غیر شادی شدہ لڑکی (خواہ کنواری ہو یا بیوہ) ولی کی بہ نسبت اپنے نکاح کی زیادہ حق دار ہے۔ (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۵۵، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۷۵ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: غیر شادی شدہ لڑکی کا نکاح اس کے مشورے کے بغیر نہ کیا جائے اور کنواری کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے، عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! اس کی اجازت کیسے ہوگی؟ فرمایا: اس کی خاموشی۔ (صحیح البخاری ج ۱ ص ۷۷۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، ۱۳۸۱ھ)

حضرت خنساء بن حزام انصاریہ بیان کرتی ہیں کہ ان کے باپ نے ان کا نکاح کر دیا درآں حالیکہ وہ بیوہ تھیں اور ان کو یہ نکاح ناپسند تھا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۷۷۴-۷۸۴، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں: حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر ایک عورت نے عرض کیا: یا رسول اللہ میرے بیٹے کے چچا (دیور) نے میرے نکاح کا پیغام دیا، اور میرے باپ نے اس نکاح کو مسترد کر دیا اور میرا نکاح وہاں کر دیا جہاں مجھے پسند نہیں تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے والد کو بلایا اور اس سے یہ معاملہ دریافت فرمایا، اس کے باپ نے کہا: میں نے اس کے نکاح میں کسی خیر کو ترک نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ نکاح نہیں ہوا، (اور عورت سے فرمایا:) جاؤ جس سے چاہو نکاح کر لو۔ (المصنف ج ۲ ر ۴ ص ۱۳۲-۱۳۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی، ۱۴۰۶ھ)

قاسم بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کی بیٹی حفصہ کا نکاح منذر بن الزبیر سے کر دیا۔ اس وقت حضرت عبدالرحمٰن موجود نہیں تھے، جب وہ آئے تو انہوں نے ناراض ہو کر کہا: اے خدا کے بندو! کیا مجھ ایسے شخص کی بیٹی کا نکاح اس کے مشورہ کے بغیر کیا جا سکتا ہے؟ حضرت عائشہ ناراض ہوئیں اور فرمایا: کیا تم منذر کو ناپسند کرتے ہو؟

(المصنف ج ۲ ر ۴، مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی ۱۴۰۶ھ)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے ولی کے بغیر ایک عورت کے نکاح کو جائز قرار دیا، اس عورت کی مرضی سے اس کی ماں نے اس کا نکاح کر دیا تھا۔ (المصنف ج ۲ ر ۴ ص ۱۳۳، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی ۱۴۰۶ھ)

(تبیان القرآن ج ۱ ص ۸۴۱-۸۴۳، فرید بک اسٹال لاہور)

۵۳۳۲ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ حَدَّثَنَا اللَّيْثُ عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضى الله عنهما طَلَّقَ امْرَأَةً لَهُ وَهِيَ حَائِضٌ تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً فَأَمَرَهُ رَسُولُ اللهِ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی از نافع کہ حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو

ﷺ أَنْ يُرَاجِعَهَا ثُمَّ يُمْسِكَهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيضَ عِنْدَهُ حَيْضَةً أُخْرٰى ثُمَّ يُمْهِلَهَا حَتّٰى تَطْهُرَ مِنْ حَيْضِهَا فَإِنْ أَرَادَ أَنْ يُطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا حِينَ تَطْهُرُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُجَامِعَهَا فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِي أَمَرَ اللهُ أَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ وَكَانَ عَبْدُ اللهِ إِذَا سُئِلَ عَنْ ذٰلِكَ قَالَ لِأَحَدِهِمْ إِنْ كُنْتَ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْكَ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ وَزَادَ فِيهِ غَيْرُهُ عَنِ اللَّيْثِ حَدَّثَنِي نَافِعٌ قَالَ ابْنُ عُمَرَ لَوْ طَلَّقْتَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ فَإِنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَمَرَنِي بِهٰذَا

طلاق دے دی جبکہ وہ حائضہ تھیں اور انہیں ایک طلاق دی، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرلیں، پھر ٹھہرے رہیں حتیٰ کہ ان کی بیوی اس حیض سے پاک ہوجائے، پھر اس کو ان کے پاس دوبارہ حیض آئے، پھر اس کو مہلت دیں، حتیٰ کہ وہ اس حیض سے پاک ہوجائے، پس اگر وہ اس کو طلاق دینے کا ارادہ کریں تو ان کو اس طہر میں طلاق دیں جس طہر میں انہوں نے اپنی بیوی سے جماع نہ کیا ہو، پس یہ وہ عدت یا مدت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہی کہ عورتوں کو طلاق دی جائے اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب اس کے متعلق سوال کیا جاتا تو وہ کسی سے کہتے کہ اگر تم نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں تو وہ تم پر حرام ہوگئی ہے، حتیٰ کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرلے۔ اور دوسروں نے اس حدیث میں از اللیث یہ اضافہ کیا ہے کہ مجھے نافع نے حدیث بیان کی، انہوں نے بتایا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب تم نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی یا دو طلاقیں دیں تو نبی ﷺ نے مجھے اس کے متعلق حکم دیا۔

(صحیح البخاری: ۴۹۰۸، ۵۲۵۱، ۵۲۵۲، ۵۲۵۳، ۵۲۵۸، ۵۲۶۴، ۵۳۳۲، ۵۳۳۳، ۷۱۶۰، صحیح مسلم: ۱۴۷۱، سنن نسائی: ۳۳۹۱، سنن ابوداؤد: ۲۱۷۹، مسند احمد: ۶۱۰۶، موطا امام مالک: ۱۲۲۰، سنن دارمی: ۲۲۶۲)

صحیح البخاری: ۵۳۳۲-۵۳۳۰، کی شرح از علامہ ابن بطال

طلاقِ رجعی کے بعد رجوع کی کیفیت اور تین طلاقوں کے بعد رجوع کا عدم جواز اور عقدِ جدید کے ساتھ دوبارہ نکاح کا ضروری ہونا

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ (البقرہ: ۲۲۸)

اور ان (طلاقِ رجعی پانے والیوں) کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں۔

اہل تفسیر نے اس آیت کے متعلق یہ کہا ہے کہ طلاق رجعی یافتہ عورتوں سے ان کے شوہر عدت کے دوران ان سے رجوع کے زیادہ حق دار ہیں۔

رہا امام بخاری کا یہ قول کہ عورت کس طرح رجوع کرے گی، جب اس کو اس کے شوہر نے ایک طلاق دی یا دو طلاقیں دیں، سو

مراجعت کی دو قسمیں ہیں، ایک تو عدت کے دوران مراجعت ہے، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما۔ اور ایک عدت کے بعد مراجعت ہے جیسا کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ، اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ آزاد مرد نے جب اپنی آزاد بیوی کو طلاق دی اور وہ مدخول بہا تھی خواہ ایک طلاق دی یا دو طلاقیں دی تو وہ اس سے رجوع کرنے کا حق دار ہے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہو جائے، خواہ وہ عورت کو ناپسند کرے، اسی طرح مفسرین نے درج ذیل آیت کی تفسیر میں کہا ہے:

لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ۝ (الطلاق:۱) شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کر دے ۝

مفسرین نے کہا ہے: اس سے مراد رجوع کرنا ہے، اسی لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ یہ کہتے تھے کہ اگر تم نے ایک مرتبہ طلاق دی یا دو مرتبہ طلاق دی اس خوف سے کہ اس کا رجوع کرنا میرے لیے ظاہر ہوگا، اور اگر اسے طلاقِ مغلظہ دے دی یعنی تین طلاقیں دے دیں تو اب اس کے لیے اس سے رجوع کرنا جائز نہیں ہے۔ پس اگر طلاق دینے والے نے اپنی بیوی سے سنت کے مطابق رجوع نہیں کیا حتیٰ کہ اس عورت کی عدت پوری ہو گئی تو وہ عورت اپنے نفس کی خود زیادہ مختار ہے، اور وہ عورت اپنے شوہر کے لیے اجنبیہ ہو جائے گی، اور بغیر اس کے کہ وہ عورت کو دوبارہ نکاح کا پیغام دے اور دوبارہ نکاح کریں ولی اور گواہوں کی موجودگی میں تو یہ رجوع کی سنت کے مطابق نہیں ہے یعنی اس طلاق کے بعد رجوع نہیں ہوگا بلکہ نکاحِ جدید کرنا ہوگا اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قصہ کی تفصیل

علامہ المہلب مالکی متوفی ۴۳۵ھ وغیرہ نے یہ کہا ہے: اسی تفصیل کے مطابق حضرت معقل بن یسار کا قصہ ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ ان کی بہن کا شوہر اگر عدت کے دوران ان کی طلاق یافتہ بہن سے رجوع کر لیتا تو وہ اس کا زیادہ مالک ہوتا، پس جب حضرت معقل کی بہن کی عدت پوری ہو گئی اور وہ اپنے شوہر کے لیے اجنبی عورت ہو گئی، اب ان کے شوہر نے ان سے رجوع کرنے کو پسند کیا، تو ان کے بھائی نے ان کو اس سے منع کیا اور دوبارہ ان سے نکاح کرنے سے روکا اور یہ ممانعت جائز نہیں تھی، سوائے اس کے کہ پہلے یہ مباح تھی، اور ان کے شوہر کے لیے یہ جائز نہیں تھا کہ وہ حضرت معقل کی بہن کو واپس بلائیں، سوائے نکاحِ جدید کے اور مہر جدید کے اور سوائے گواہوں کے، سو اس باب میں حضرت معقل بن یسار کا جو قصہ ہے اس کا یہی معنی ہے۔

رہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث تو اس کے معنی میں اختلاف ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن عمر کو یہ حکم دیا تھا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی ہے، وہ اس طلاق سے رجوع کر لیں، اور اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو مہر دینے کی ضرورت تھی اور نہ یہ ذکر ہے کہ ان کو اس معاملے میں اپنی بیوی کے ولی کی ضرورت تھی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا تھا جو انہوں نے حیض کی حالت میں دی تھی تو اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ وہ عورت اس پر راضی تھی یا اس کا ولی اس پر راضی تھا، اور اگر مہر دینے کی اور ولی کی ضرورت ہوتی تو صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو حکم نہ دیا جاتا بلکہ عورت اور اس کے ولی کو بھی حکم دیا جاتا اور یہی حکم ہے ہر اس شخص کا جو عدت کے دوران طلاق سے رجوع کرے گا، کہ اس کو نکاح کے احکام میں سے کوئی چیز لازم نہیں ہوگی سوائے رجوع کرنے پر شہادت کے۔ اور یہ علماء کا اجماع ہے اور اس کو نکاح کے فرائض میں سے کوئی چیز لازم نہیں ہوگی اس لیے کہ جو شخص سنت کے مطابق طلاق دیتا ہے وہ اس نکاح میں کسی ایسی چیز کو داخل نہیں کرتا جو نکاح کے منافی ہو۔

طلاقِ رجعی میں رجوع کے وقت گواہوں کے قائم کرنے کا حکم

اور اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ رجوع کرنے میں سنت یہ ہے کہ اس رجوع پر گواہ قائم کیے جائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رجوع کرنے میں بھی گواہی کا ذکر فرمایا ہے، اور اس کا نکاح میں اور طلاق میں ذکر نہیں فرمایا جیسا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ۔ (الطلاق:۲)

پھر جب وہ تکمیل عدت کو پہنچنے لگیں تو ان کو اچھائی کے ساتھ روک لو یا ان کو دستور کے مطابق جدا کر دو، اور اپنے دو نیک آدمیوں کو گواہ بنا لو، اور اللہ کے لیے گواہی دو۔

جب مرد اپنی بیوی سے عدت کے دوران رجوع کرے تو اس کی کیفیت میں فقہاءِ اسلام کے اقوال

اور اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ جب کسی مرد نے ایک رجعی طلاق یا دو رجعی طلاق کے بعد رجوع کیا تو اس رجوع کی کیا کیفیت ہوگی؟

سعید بن المسیب المتوفی ۹۰ھ، عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور طاؤس بن کیسان الیمانی متوفی ۱۰۶ھ نے یہ کہا ہے کہ اس صورت میں جب مرد نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو اس کا رجوع متحقق ہو گیا۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ، نے کہا ہے: جب مرد نے اپنی بیوی سے عدت کے دوران جماع کیا اور وہ رجوع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، اور وہ اس سے ناواقف تھا کہ رجوع کرنے میں گواہوں کا بنانا ضروری ہے تو عورت کو چاہیے کہ اس کو جماع کرنے سے روک دے حتیٰ کہ مرد اپنے رجوع کے اوپر گواہ بنائے اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا ہے کہ جب اس نے رجوع کر لیا اور گواہ نہیں بنائے تب بھی اس کا رجوع کرنا صحیح ہے۔

اور فقہاءِ احناف اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ نے کہا ہے: اگر اس نے اپنی بیوی کو شہوت کے ساتھ مس کیا یعنی چھوا یا شہوت کے ساتھ اس کی شرمگاہ کو دیکھا تو یہ بھی اس کا رجوع ہے اور اس کو چاہیے کہ اس رجوع پر گواہ بنائے۔

اور امام محمد بن ادریس الشافعی نے کہا ہے: رجوع بغیر کلام کے متحقق نہیں ہوگا، بایں طور کہ وہ کہے کہ میں نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا اور یہی ابوثور کا قول ہے اور امام شافعی نے کہا: اگر اس نے رجوع کی نیت سے اپنی بیوی کے ساتھ جماع کر لیا یا رجوع کی نیت نہیں تھی تو یہ اس کا رجوع نہیں ہے اور عورت کے لیے مرد کے اوپر مہرِ مثل واجب ہے لیکن امام شافعی کا یہ قول درست نہیں ہے کیونکہ وہ عورت اس کی بیویوں کے حکم میں ہے اور اس کی وارث ہوگی اور وہ مرد اس کا وارث ہوگا، پس اگر وہ اپنی بیوی کے ساتھ جماع کرتا ہے تو اس کے اوپر مہر کس طرح واجب ہوگا۔

حائضہ سے رجوع کرنے سے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

علامہ ابراہیم بن المنذر المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ حائضہ سے رجوع کرنے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، پس امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا: جس مرد نے اپنی بیوی کو طلاق اس حالت میں دی کہ وہ حیض میں تھی یا نفاس میں تھی تو اس کو اس

طلاق سے رجوع کرنے پر مجبور کیا جائے گا، اور فقہاء احناف نے کہا ہے: اس مرد کے لیے مناسب ہے کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرلے اور یہی ابوثور کا قول ہے اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ اس کو رجوع کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ علامہ ابن المنذر نے کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ابن عمر کو حکم دو کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرلے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرنا فرض ہے اور یہی ان فقہاء کی دلیل ہے جو کہتے ہیں: جس نے حالتِ حیض یا نفاس میں اپنی بیوی کو طلاق دی، اس کو اس طلاق سے رجوع کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

بغیر ولی کے نکاح کے جواز میں فقہاء کا اختلاف

علامہ المہلب المالکی المتوفی ۴۳۵ھ نے کہا ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے، اور جب کسی عورت کو اس کا ولی کسی سے نکاح کرنے سے منع کرے تو پھر سلطان یا سربراہِ ملک کو یہ چاہیے کہ وہ کس وجہ سے اس عورت کو نکاح کرنے سے منع کر رہا ہے، کیا تم نہیں دیکھتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معقل بن یسار کو منع کیا جب انہوں نے اپنی بہن کو ان کے شوہر سے عدت کے بعد نکاح کرنے سے منع کیا تھا، سو اس میں جمہور فقہاء کی یہ دلیل ہے کہ ولی شرطِ نکاح سے ہے۔

میں کہتا ہوں:

فقہاء احناف کے نزدیک عاقلہ بالغہ عورت اپنے مرضی سے کسی مرد سے نکاح کرسکتی ہے، اور مناسب یہ ہے کہ وہ کفو میں نکاح کرے، لیکن اگر اس نے اپنے ولی یا سرپرست کی اجازت کے بغیر کسی مرد سے نکاح کرلیا تو فقہاء احناف کے نزدیک یہ نکاح منعقد ہو جائے گا اور ان کی دلیل یہی حدیث ہے کہ جب حضرت معقل بن یسار نے اپنی بہن کو اس سے منع کیا کہ وہ اس مرد سے نکاح کریں جو ان کو طلاق دے چکا ہے اور عدت گزر چکی ہے اور وہ عورت بائنہ ہو چکی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معقل بن یسار کو اس سے منع فرمایا حالانکہ وہ اپنی بہن کے ولی تھے اور اس میں یہ دلیل ہے کہ آزاد عاقلہ بالغہ عورت کسی مرد سے اپنی مرضی سے نکاح کرے تو ولی کو اس نکاح سے منع کرنے کا حق نہیں ہے اور آزاد عاقلہ بالغہ کا اپنی مرضی سے کسی مرد سے نکاح کرنا جائز ہے اور مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے کفو میں نکاح کرے۔

ہمارے زمانے میں اکثر و بیشتر ایسے واقعات پیش آتے ہیں کہ عورتیں اپنے والدین کی اجازت اور مرضی کے بغیر اپنی پسند سے نکاح کرلیتی ہیں، اور ان عورتوں کے سرپرست اس نکاح کے خلاف عدالت میں مقدمہ پیش کرتے ہیں اور عدالتیں عورت کے حق میں فیصلہ کر دیتی ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ فقہاء احناف کا موقف درست ہے۔

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۰۴-۴۰۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

تنبیہ: (صحیح البخاری ۵۳۳۲-۵۳۳۰ کی شرح علامہ ابن ملقن نے کتاب الطلاق میں نہیں کی بلکہ اس کی شرح انہوں نے کتاب التفسیر میں کی ہے، اب ہم اس شرح کو وہاں سے نقل کر رہے ہیں)۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو ان کے شوہر کا طلاق دینا اور عدت کے بعد دوبارہ نکاح کی پیشکش کرنا اور حضرت معقل بن یسار کا اس نکاح سے منع کرنا

علامہ ابوالحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ حدیث مذکور کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۵۲۹۰ میں مذکور ہے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میری بہن تھی، جن کی طرف نکاح کا پیغام دیا گیا، اور دوسری سند سے مذکور ہے کہ حضرت معقل بن یسار کی بہن کو ان کے خاوند نے طلاق دے دی پھر ان کو چھوڑے رکھا حتیٰ کہ ان کی عدت پوری ہوگئی، پھر ان کو دوبارہ نکاح کا پیغام دیا تو حضرت معقل بن یسار نے اپنی بہن کا ان کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کیا، تب یہ آیت نازل ہوئی:

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾ (البقرہ: ۲۳۲)

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (انہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں، اس حکم کے ساتھ ہر اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو، یہ (حکم) تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے، اور اللہ (ہی) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○

حضرت معقل بن یسار کی بہن کا نام اور البقرہ: ۲۳۲ کے شان نزول میں مختلف اقوال

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ نے روایت کی ہے کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کا نام جُمیل بنت یسار تھا (جُمیل اسم تصغیر ہے اور جیم پر پیش ہے)، (الاکمال لابن ماکولا ج ۲ ص ۱۲۵)۔ یہ ابوالبداح کے نکاح میں تھیں اور امام ابن اسحاق کی روایت ہے کہ ان کا نام فاطمہ بنت یسار ہے، اور ابن فتحون نے بیان کیا ہے کہ ان کا نام جمیلہ تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام جمیل تھا اور علامہ ابراہیم المنذری متوفی ۳۱۸ھ نے ان کا نام لیلیٰ ذکر کیا ہے۔

ایک قول یہ ہے کہ البقرہ: ۲۳۲ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما متوفی ۷۸ھ کے متعلق نازل ہوئی ہے، ان کی ایک چچازاد بہن تھی جن کو ان کے شوہر نے طلاق دے دی، پھر ان کی عدت پوری ہوگئی، پھر ان کے شوہر نے ارادہ کیا کہ وہ ان سے رجوع کرلیں تو حضرت جابر نے اس سے منع کیا تو یہ آیت نازل ہوئی، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت اس مرد کے متعلق نازل ہوئی ہے جس نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر جب اس کی عدت پوری ہوگئی تو اس نے اپنی بیوی کو اس سے منع کیا کہ وہ کسی اور سے نکاح کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا۔ (تفسیر الطبری ج ۲ ص ۴۹۸-۵۰۰)

آیت مذکورہ میں ''لا تعضلوا'' کا معنی

لا تعضلوا کا مصدر العضل ہے، اس کا معنی ہے منع کرنا، یعنی تم ان کو دوسری جگہ نکاح کرنے سے منع کر کے ان پر تنگی نہ کرو، اور یہ لفظ ضاد کے کسرہ کے ساتھ لا تعضِلوا بھی پڑھا گیا ہے اور ضاد کے زبر کے ساتھ لا تعضَلوا بھی پڑھا گیا ہے اور مشہور قراءت پیش

کے ساتھ ہے یعنی لا تعضلوا، کہا جاتا ہے: ''عضلت الناقة فهى معضل'' جب کسی اونٹنی کا بچہ اس کے پیٹ میں روک دیا جائے۔

ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کے عدم جواز پر فقہاء شافعیہ کی دلیل

امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ البقرہ: ۲۳۲ سے ثابت ہوتا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر کوئی عورت اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی، کیونکہ اگر عورت اپنا نکاح خود کرنے کی مالک ہوتی اور اس میں ولی کی اجازت کی ضرورت نہ ہوتی تو حضرت معقل بن یسار کی بہن از خود اپنا نکاح کر لیتی اور حضرت معقل بن یسار کے منع کرنے پر البقرہ: ۲۳۲ نازل نہ ہوتی۔ سو اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی عورت کے نکاح کرنے کا معاملہ اس کے ولی کی طرف مفوض ہے۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۱۴۹)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۲، ۱۰۱-۱۰۲، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

امام شافعی کی دلیل پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں:

اس کے برعکس اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ آزاد عاقلہ بالغہ عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے، جب ہی تو جب حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن نے اپنے پہلے شوہر سے نکاح کا ارادہ کیا اور اس پر حضرت معقل بن یسار نے ان کو منع کیا تو قرآن کریم نے حضرت معقل بن یسار کے منع کرنے کے رد پر البقرہ: ۲۳۲ نازل فرمائی اور یہ ظاہر فرمادیا کہ اگر آزاد عاقلہ بالغہ عورت اپنا نکاح از خود کہیں کرنا چاہے تو اس کے شوہر کو اس کو منع کرنے کا حق نہیں ہے۔ اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کے اس حکم کو تسلیم کر لیا۔ سو واضح ہو گیا کہ آزاد عاقلہ بالغہ عورت اپنا نکاح از خود کہیں کر سکتی ہے اور اس کے ولی اور سرپرست کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ اس کو اس نکاح کرنے سے روکے اور منع کرے اور یہی فقہاء احناف کا موقف ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو از خود نکاح سے روکنے اور اس پر البقرہ ۲۳۲ نازل ہونے کے متعلق

حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ صحیح البخاری کی ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے اس حدیث کی جو شرح لکھی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رجوع کی دو قسمیں ہیں:

(۱) یا تو رجوع عدت میں ہوگا، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ وہ اس طلاق سے رجوع کر لیں اور اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ انہیں اس رجوع میں عقد جدید کی ضرورت ہے۔ اور یا رجوع عدت کے بعد ہوگا جیسا کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں مذکور ہے اور اس پر اجماع ہے کہ آزاد مرد جب آزاد عورت کو دخول کے بعد ایک طلاق دے یا دو طلاقیں دے تو وہ اس سے رجوع کرنے کا زیادہ حق دار ہے خواہ اس کی بیوی اس رجوع کو ناپسند کرتی ہے، پس اگر اس نے رجوع نہیں کیا حتیٰ کہ عدت پوری ہوگئی تو پھر اس کی بیوی اس کے لئے اجنبی عورت کی طرح ہو جائے گی، اور اب وہ بیوی اس کے لئے حلال نہیں ہوگی حتیٰ کہ اس کے ساتھ وہ دوبارہ نکاح کرے اور سلف صالحین کا اس میں اختلاف ہے کہ مرد کس صورت میں اپنی بیوی سے رجوع کرنے والا ہوتا ہے۔

امام اوزاعی نے کہا: جب مرد نے اپنی بیوی سے جماع کر لیا تو اس نے اس کو دی ہوئی طلاق سے رجوع کر لیا اور بعض تابعین سے بھی اسی طرح منقول ہے اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا بھی یہی قول ہے اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ کا بھی یہی قول ہے بشرطیکہ وہ اس جماع میں رجوع کی نیت کرے۔

اور فقہاء احناف نے امام اوزاعی کی مثل کہا ہے اور اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ اگر اس نے اپنی بیوی کو شہوت کے ساتھ چھوا یا اس کی شرمگاہ کی طرف شہوت کے ساتھ دیکھا تب بھی رجوع ہو گیا اور امام شافعی نے کہا ہے کہ رجوع صرف کلام کرنے سے متحقق ہوگا۔ اور اس اختلاف پر یہ مسئلہ مبنی ہے کہ اس صورت میں مرد کا بیوی کے ساتھ جماع کرنا جائز ہوگا یا حرام ہوگا اور امام شافعی جرالٹیعیہ کی دلیل یہ ہے کہ طلاق نکاح کو زائل کر دیتی ہے اور اس کے زیادہ قریب یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس رجوع کے بعد مرد کا عورت کے ساتھ جماع کرنا جائز ہوگا یا نہیں ہوگا، جیسا کہ مشرکین میں سے کوئی فریق اسلام لے آیا، اور دوسرا فریق عدت میں اسلام لایا، اور جب کہ جماع کا جواز روزے اور احرام اور حیض سے اٹھ جاتا ہے، پھر جب یہ معانی زائل ہو جائیں تو اس کا جماع کرنا جائز ہو جاتا ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۸۳-۴۸۴، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۲، دار المعرفہ بیروت ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۳۰-۵۳۳۲ کی شرح از شیخ عثیمین، اصلاح کی نیت سے رجوع کرنے کا جواز اور بیوی کو ضرر پہنچانے کے لیے رجوع کرنے کا عدم جواز

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بعض ناواقف لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب ایک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر اس کی عدت پوری ہو گئی اور عدت پوری ہونے کے بعد اس کے شوہر نے پھر اس کو نکاح کا پیغام دیا تو وہ کہتے ہیں: تم نے ہماری بیٹی کو طلاق دے دی اور آج تم پھر اسے نکاح کا پیغام دے رہے ہو، ہم اس سے نکاح نہیں کریں گے، تو اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۲)

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (انہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں، اس حکم کے ساتھ ہر اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو، یہ (حکم) تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے، اور اللہ (ہی) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے O

خلاصہ یہ ہے کہ کسی انسان کے لیے جائز نہیں ہے کہ جو عورت اس کے زیر ولایت اور زیر سرپرستی ہو خواہ اس کی بہن ہو یا اس کی بیٹی ہو اور وہ از خود اپنے سابق شوہر سے نکاح کرنا چاہے تو وہ اس کو اس کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کرے۔

رہا یہ کہ وہ عورت جب تک عدت میں ہے اور اس کو طلاقِ رجعی دی گئی ہے تو اس کے شوہر کے لیے جائز ہے کہ وہ اس سے رجوع کر لے خواہ وہ عورت چاہے یا انکار کرے، یا اس عورت کے گھر والے چاہیں یا انکار کریں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْۤا اِصْلَاحًا ؕ (البقرہ:۲۲۸) اوران (طلاقِ رجعی پانے والیوں) کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں، بشرطیکہ ان کا ارادہ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کا ہو۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس رجوع کے لیے شرط عائد کی ہے کہ ان کا ارادہ اصلاح کا ہو لیکن جب ان کا ارادہ ضرر پہنچانے کا ہو تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک شوہر رجوع کرنے کا حقدار نہیں ہے۔ اگرچہ دنیا میں اس کو رجوع کرنے کا حق ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کو یہ حق نہیں ہے کہ جب وہ اصلاح کا ارادہ نہ کرتا ہو تو پھر بیوی کو دی ہوئی طلاق سے رجوع کرے جب کہ وہ بیوی کو ضرر پہنچانے کا ارادہ کرتا ہو کہ وہ اس کو دی ہوئی طلاق سے رجوع کر لے اور پھر اس کو دوبارہ طلاق دے تا کہ اس کی عدت طویل ہوتی جائے اور پھر وہ رجوع کرتا جائے، جس طرح اس زمانے میں بعض لوگ ایسا کرتے ہیں۔

سوال: اگر کوئی مطلقہ عورت طلاقِ رجعی کے بعد اپنے شوہر کے گھر میں رہے تو کیا اس میں کوئی فتنہ ہوگا یعنی اس کا شوہر اس مطلقہ رجعیہ سے جماع کرے گا؟

جواب: اس میں کوئی فتنہ نہیں ہے، کیونکہ جب مرد مطلقہ رجعیہ سے جماع کر لے گا تو اس کا رجوع متحقق ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے مطلقہ رجعیہ کے لیے یہ حکم دیا ہے کہ ان کو گھر سے نکالا نہ جائے بلکہ گھر میں رکھا جائے تو جب عورت خاوند کے گھر مین رہے گی تو خاوند کے لیے جائز ہوگا کہ اس کے ساتھ جماع کر لے اور جب وہ اس کے ساتھ جماع کر لے گا تو اس کی دی ہوئی طلاق سے رجوع ہو جائے گا، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ جب بیوی اس کے گھر میں رہے گی تو وہ بیوی کو دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے میں رغبت کرے گا۔

سوال: جب مرد مطلقہ عورت سے جماع کرے تو کیا اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ رجوع کی نیت کرے؟

جواب: مذہب مختار یہ ہے کہ جب وہ مطلقہ رجعیہ سے جماع کرے گا تو اس کا رجوع متحقق ہو جائے گا خواہ اس میں وہ رجوع کی نیت نہ کرے۔

اور صحیح یہ ہے کہ جب مرد نے مطلقہ رجعیہ سے جماع کیا تو یا تو وہ رجوع کی نیت نہیں کرے گا یا رجوع کی نیت کرے گا یا اس کے دل میں کوئی نیت نہیں ہوگی۔ پس اگر اس نے رجوع کی نیت نہیں کی تو یہ رجوع نہیں ہے، اور اس کو اس فعل پر تعزیر دی جائے گی، اور اگر اس نے رجوع کی نیت کی ہے تو پھر معاملہ واضح ہے اور اگر اس نے کوئی نیت نہیں کی، اس کے دل میں کوئی بات نہیں تھی تب بھی معتمد قول یہ ہے کہ یہ رجوع متحقق ہو گیا کیونکہ اس نے طلاق رجعی دی تھی اور وہ اس کی بیوی تھی اور جب اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا تو اس کا یہ فعل جائز ہے۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۹۵، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۳۲-۵۳۳۰ کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب: مطلقہ عورتوں کے شوہر عدت میں رجوع کرنے کے زیادہ حق دار ہیں

جب بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دیں تو اس سے رجوع کس طرح کرے گا، اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: عورتوں کو منع نہ کرو

۵۳۳۰: بعولۃ بعل کی جمع ہے بمعنی شوہر، مفسرین نے کہا: جس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی، جب تک اس کی عدت ختم نہ ہو وہ اس کو واپس لانے کا مستحق ہے اور اگر عدت ختم ہو جائے تو وہ بائنہ ہو جائے گی اور رجعت کا محل نہ رہے گی، اب اسے اجازتِ نکاح حاصل کرنا ہوگی اور شروطِ نکاح کے ساتھ عقدِ جدید کرے گا۔

مراجعت کی صورت میں بعض علماء نے کہا: جب اس سے جماع کرے گا تو رجوع ہو جائے گا، سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہما کا یہی مذہب ہے۔ نیز انہوں نے کہا: اگر اس کو مس کیا یا قصدِ رجعت کے بغیر اس کی شرمگاہ کو بنظرِ شہوت دیکھ لیا تو رجوع ثابت ہو جائے گا۔ اس پر گواہ بنانا مناسب ہے، امام مالک اور اسحاق نے فرمایا: جب رجعت کے ارادہ سے عدت میں جماع کیا اور گواہ قائم کرنے سے جاہل تھا تو رجوع ثابت ہوگا اور جب تک رجعت پر گواہ قائم نہ کرے، بیوی اس کو جماع کرنے سے روک سکتی ہے۔ ابن ابی لیلیٰ نے کہا: جب رجوع کیا اور گواہ نہ بنائے تو رجوع صحیح ہے۔ احناف بھی یہی کہتے ہیں، البتہ گواہ قائم کرنا مستحب ہے، امام شافعی نے فرمایا: رجوع صرف کلام سے ہوتا ہے اور اگر رجعت کے ارادے سے جماع کیا تو رجوع نہ ہوگا اور اس کو مہر مثل ادا کرے گا، لیکن اس میں اشکال ہے کہ وہ عورت بیوی کے حکم میں ہے، لہٰذا یہ وطی موجب مہر مثل نہیں۔ امام مالک نے فرمایا: جب اس کو حالتِ حیض یا نفاس میں طلاق دی تو اسے رجوع پر مجبور کیا جائے گا۔ ابن ابی شیبہ نے جابر بن زید سے روایت کی کہ جب دل میں رجوع کیا تو یہ رجوع نہ ہوگا۔

۵۳۳۱: حسن بصری نے کہا: معقل بن یسار کی ہمشیرہ ایک آدمی کی بیوی تھی، اس نے اسے طلاق دے دی، پھر اس سے علیحدہ رہا حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہوگئی پھر اسے منگنی کا پیغام بھیجا تو معقل بن یسار نے غصہ سے اس کا انکار کر دیا اور کہا: وہ اس سے علیحدہ رہا حالانکہ وہ اس پر قادر تھا پھر اب منگنی کا پیغام دیتا ہے اور اپنی ہمشیرہ اور اس کے شوہر کے درمیان حائل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ "جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو انہیں اپنے سابق شوہر سے نکاح سے منع نہ کرو" نازل ہوئی۔ پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معقل کو بلایا اور اس کے سامنے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی تو اس نے غصہ ترک کیا اور اللہ کے حکم کے تابع ہوا"۔ (ایک روایت میں ہے کہ معقل نے سابق شوہر کو بلایا اور اس سے اپنی ہمشیرہ کا نکاح کر دیا)۔

۵۳۳۲: نافع سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی، حالانکہ وہ حالتِ حیض میں تھی، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ رجوع کرے، پھر اس کو روک رکھے حتیٰ کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے، پھر اس کے پاس دوسری بار حیض آئے، پھر اس کو روک رکھے حتیٰ کہ وہ حیض سے پاک ہو جائے، پھر اس کے پاس تیسری بار حیض آئے، پھر اس کو مہلت دے حتیٰ کہ حیض سے پاک ہو جائے، اب اگر اس کو طلاق دینے کا ارادہ ہو تو جس وقت پاک ہو جائے جماع کرنے سے پہلے طلاق دے، یہی وہ عدت ہے جس میں عورتوں کو طلاق دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے، جب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق پوچھا جاتا تو ان میں سے کسی سے کہتے تھے: اگر تو نے بیوی کو تین طلاقیں دیں تو وہ تیرے اوپر حرام ہوگئی یہاں تک کہ وہ

تیرے سوا کسی اور شخص سے نکاح کرے، اس حدیث میں قتیبہ کے غیر نے لیث سے روایت میں اضافہ کیا کہ مجھے نافع نے خبر دی کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر تو ایک یا دو طلاق دے تو بہتر ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہی حکم فرمایا تھا۔
(تفہیم البخاری حصہ ہشتم ص ۴۰۵-۴۰۲، جدہ پرنٹرز لاہور بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۳۲ کی شرح شیوخ دیوبند سے

شیخ سلیم اللہ خاں دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

طلاق سے رجوع کا مسئلہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں رجوع عن الطلاق کا مسئلہ بیان فرمایا ہے، اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دے دی تو عدت کے اندر اگر وہ رجوع کرے تو نئے نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر عدت گزر گئی تب وہ رجوع کرنا چاہے تو اس صورت میں عقدِ جدید اور نئے نکاح کی ضرورت ہوگی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کے اندر حضرت عبداللہ بن عمر کی جو حدیث ذکر فرمائی ہے اس میں رجوع کی پہلی صورت پائی جاتی ہے، یعنی رجوع فی العدت، اور حضرت معقل بن یسار کی جو حدیث ذکر فرمائی ہے اس میں رجوع کی دوسری صورت پائی جاتی ہے، یعنی رجوع بعد العدت۔

علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ شوہر طلاق رجعی دینے کے بعد عدت کے اندر رجوع کا حق رکھتا ہے، اگرچہ عورت کو ناپسند ہو اور وہ اس کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہو۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۰۴)

طلاق سے کیسے رجوع کیا جائے گا

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب میں آگے فرماتے ہیں: ''وکیف یراجع المراۃ اذا طلقھا۔ یعنی طلاق سے رجوع کا طریقہ کیا ہوگا؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک رجوع بالکلام ہوگا، شوہر کہے کہ میں نے طلاق سے رجوع کرلیا۔ امام اوزاعی اور امام مالک کے نزدیک رجوع بالجماع ہوگا، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نیت کی شرط بھی لگاتے ہیں کہ شوہر رجوع عن الطلاق کی نیت سے جماع اور صحبت کرے تب رجوع صحیح ہوگا، حنفیہ کے نزدیک رجوع قول اور عمل دونوں سے ہوسکتا ہے، جماع، مس بالشہوۃ، نظر الی فرجھا بالشہوۃ، سے رجوع ہو جائے گا اگرچہ اس نے رجوع کا قصد نہ کیا ہو۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۰۴، الابواب والتراجم ج ۲ ص ۸۴)

امام احمد سے ایک قول امام شافعی کے موافق اور دوسرا قول امام اوزاعی کے موافق منقول ہے۔

باب کے تحت امام بخاری نے جو روایات ذکر فرمائی ہیں، یہ پہلے گزر چکی ہیں، پہلی روایت میں ہے فحمی معقل من ذالک انفا، یعنی حضرت معقل (بفتح المیم، وسکون العین وکسر القاف) خودداری کی وجہ سے اس سے رکا اور انہوں نے دوبارہ اپنی بہن کو اس شوہر کے ساتھ نکاح کی اجازت نہیں دی، حمی از باب سمع من حمی عن الشیئی، رکنا، حمایت کرنا، انفا (ہمزہ اور نون کے فتحہ کے ساتھ) خودداری (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۰۳) ''واستقاد لامر اللہ''، یعنی اس نے اللہ کے حکم کی اطاعت کی۔
(کشف الباری عمانی صحیح البخاری، ص ۵۷۵-۵۷۴، کتاب الطلاق، کتاب النکاح، کتاب فضائل القرآن، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

۴۵- بَابٌ: مُرَاجَعَةِ الْحَائِضِ — حیض والی عورت کو دی ہوئی طلاق سے رجوع کا بیان

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی تو آیا اس طلاق کا شمار ہوگا یا نہیں؟

۵۳۳۳- حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِيرِينَ حَدَّثَنِي يُونُسُ بْنُ جُبَيْرٍ سَأَلْتُ ابْنَ عُمَرَ فَقَالَ طَلَّقَ ابْنُ عُمَرَ امْرَأَتَهُ وَهِيَ حَائِضٌ فَسَأَلَ عُمَرُ النَّبِيَّ ﷺ فَأَمَرَهُ أَنْ يُرَاجِعَهَا ثُمَّ يُطَلِّقَ مِنْ قَبْلِ عِدَّتِهَا قُلْتُ فَتَعْتَدُّ بِتِلْكَ التَّطْلِيقَةِ قَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ عَجَزَ وَاسْتَحْمَقَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں حجاج نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں یزید بن ابراہیم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں محمد بن سیرین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے یونس بن جبیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا، پس انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اس طلاق سے رجوع کر لیں، پھر عدت پوری ہونے سے پہلے اس کو طلاق دے دیں، میں نے پوچھا: کیا اس طلاق کا شمار کیا جائے گا؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ اگر وہ احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے سے عاجز ہو اور بیوقوف ہو (یعنی تب وہ ایسا کرے گا اور جو احکامِ شرعیہ پر عامل ہو اور صاحب عقل ہو تو وہ ایسا نہیں کرے گا، یعنی اس طلاق کا شمار ہوگا)۔

امام بخاری نے اس حدیث کو کتاب الطلاق کے اوائل میں ذکر کیا ہے اور اس کا متن درج ذیل ہے:

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں یحییٰ بن بکیر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اللیث نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عقیل نے حدیث بیان کی از ابن شہاب، انہوں نے کہا: مجھے سالم نے خبر دی کہ ان کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی، پھر حضرت عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا ذکر کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے، پھر آپ نے فرمایا: ابن عمر کو حکم دو کہ وہ اس دی ہوئی طلاق سے رجوع کرلے، پھر وہ اس کو اپنے پاس رکھے حتیٰ کہ وہ اس حیض سے پاک ہو جائے، پھر اس کو حیض آئے، پھر اس حیض سے پاک ہو جائے، پھر اگر اس پر یہ منکشف ہو کہ وہ اس کو طلاق دے، تو وہ اس کو اس طہر میں طلاق دے جس میں جماع نہ کیا ہو، پس یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

(صحیح البخاری: ۴۹۰۸، ۵۲۵۱، ۵۲۵۲، ۵۲۵۳، ۵۲۵۸، ۵۲۶۴، ۵۳۳۲، ۵۳۳۳، ۷۱۶۰، صحیح مسلم: ۱۴۷۱، سنن نسائی: ۳۳۹۱، سنن ابوداؤد: ۲۱۷۹، مسند احمد: ۶۱۰۶، موطا امام مالک: ۱۲۲۰، سنن دارمی: ۲۲۶۲)

حدیث مذکور کی باب کے ساتھ مطابقت، اس کے مطالب اور مبہم عبارات کی وضاحت

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری: ۵۳۳۳، کی باب کے ساتھ مطابقت واضح ہے، کیونکہ باب کے عنوان میں حیض والی عورت سے رجوع کرنے کا ذکر ہے، اور حدیث میں یہ بیان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اس طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا۔

اس حدیث کی سند میں حجاج کا لفظ ہے، جو فعال کے وزن پر ہے، اور حجاج میں جیم پر تشدید ہے، ان کا پورا نام ہے حجاج بن منہال، اور اس حدیث میں یزید کا ذکر ہے جس کا مصدر زیادت ہے، اور ان کا نام ہے یزید بن ابراہیم التستری۔

اس حدیث میں مذکور ہے کہ یونس بن جبیر نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر سے سوال کیا، یعنی یہ سوال کیا کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی ہو اس کا کیا حکم ہے؟ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے جواب میں کہا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی، اس جملہ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے آپ کو صیغۂ غائب سے تعبیر کیا ہے، بہ ظاہر یوں کہنا چاہیے تھا کہ میں نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی تھی، لیکن اس کے بجائے انہوں نے یوں کہا کہ ابن عمر نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دی تھی۔

پس حضرت عمر نے سوال کیا یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس مسئلہ سے متعلق دریافت کیا تو آپ نے حکم دیا کہ ابن عمر سے کہو کہ وہ اس طلاق سے رجوع کر لے اور عدت کے اندر اس کو دوبارہ طلاق دے۔

میں نے کہا: کیا اس طلاق کا شمار کیا جائے گا؟ یہ کہنے والے یونس بن جبیر ہیں تو انہوں نے حضرت ابن عمر سے یہ سوال کیا تو حضرت ابن عمر نے یہ جواب دیا کہ یہ بتاؤ کہ ابن عمر احکامِ شرعیہ پر عمل کرنے سے عاجز ہو یا بیوقوف ہو تو کیا وہ ایسا کرے گا، یعنی حضرت ابن عمر کو اس طلاق کے شمار کرنے سے کیا چیز منع کرے گی؟ یا تو جہالت منع کرے گی، یا حماقت منع کرے گی اور یہ دونوں چیزیں نہیں ہیں، تو پھر اس طلاق کا شمار کیا جائے گا۔

علامہ ابن التین کی شرح پر علامہ عینی کا تعاقب

علامہ ابن التین نے کہا ہے: اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ "الاقراء" سے مراد "الاطہار" ہے، اور اس میں امام ابوحنیفہ کے خلاف حجت ہے جو یہ کہتے ہیں کہ الاقراء سے مراد حیض ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں: سبحان اللہ! اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ کی تخصیص کی کیا دلیل ہے اور امام ابوحنیفہ اس قول میں منفرد نہیں ہیں لیکن جب آدمی ان کی طبیعت میں باطل تعصب ہو تو وہ اس کو اس قسم کی باتوں پر برانگیختہ کرتا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

قرء کے معنی حیض ہونے پر مصنف کی طرف سے دلیل

امام ابوحنیفہ کا موقف یہ ہے کہ قرء کا معنی حیض ہے، اور اس سے پہلے اس پر بہت دلائل ذکر کیے جا چکے ہیں، ان میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک روکے رکھیں۔

(البقرہ:۲۲۸)

اس آیت میں طلاق یافتہ عورت کی عدت تین قروء بیان کی گئی ہے، اگر طلاق کا معنی حیض کیا جائے تو پھر تین حیض متصور ہوں گے اور اگر قروء کا معنی طہر کیا جائے تو جس طہر میں طلاق دی جائے گی اگر اس کو شمار کیا جائے تو پھر یہ ڈھائی طہر ہوں گے اور اگر اس کو شمار نہ کیا جائے تو پھر یہ ساڑھے تین طہر ہوں گے اور ثلاثۃ کے لفظ پر عمل نہیں ہوگا، اور ثلاثۃ ایک لفظ خاص ہے جس کا معنی ہے مکمل تین عدد، اور مکمل تین عدد صرف حیض میں ہوں گے طہر میں مکمل تین عدد نہیں ہوسکتے، اس لیے امام ابوحنیفہ کا مذہب قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہے۔ (سعیدی غفرلہ)

رجوع کے شرعی معنی کی تحقیق

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

رجوع سے مراد ہے عدت کے اندر رجوع کرنا، جیسا کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں مذکور ہے، اور رجوع کا ایک معنی ہے عدت کے بعد رجوع کرنا (عدت کے بعد عورت بائنہ ہوجاتی ہے اور اس کے ساتھ نکاح باقی نہیں رہتا، اب اس کی طرف رجوع کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس سے دوبارہ نکاح کیا جائے، دوبارہ مہر رکھا جائے، دوبارہ گواہ قائم کیے جائیں۔ سعیدی غفرلہ)

عدت کے بعد رجوع کرنے کی مثال وہ ہے جس کا ذکر حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کے معاملہ میں گذر چکا ہے اور اس پر اجماع قائم ہے کہ مرد جب اپنی آزاد عورت کو طلاق دے دے اور وہ اس سے دخول کرچکا ہو اور اس نے اس کو ایک طلاق دی ہو یا دو طلاقیں دی ہوں تو وہ اس طلاق سے رجوع کرنے کا زیادہ حق دار ہے حتیٰ کہ اس کی عدت پوری ہوجائے، خواہ عورت اس کو ناپسند کرتی ہو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ (البقرہ:۲۲۸) اور ان (طلاقِ رجعی پانے والیوں) کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں، بشرطیکہ ان کا ارادہ حسن سلوک کے ساتھ رہنے کا ہو۔

مفسرین نے کہا ہے کہ اس آیت مذکورہ میں رجوع کا بیان ہے، اسی لیے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ اگر میں نے اپنی بیوی کو ایک طلاق دی یا دو طلاقیں دیں، پھر مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ میں اس طلاق سے رجوع کرلوں، اور حضرت ابن عمر طلاقِ مغلظہ دے چکے تھے تو ان کو اس سے رجوع کرنا میسر نہ ہوا۔

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح

اگر طلاق دینے والے نے سنت کے مطابق طلاق نہیں دی حتیٰ کہ مطلقہ کی عدت پوری ہوگئی تو وہ خود اپنے نفس کی زیادہ حق دار ہے، پس عدت کے بعد وہ مطلقہ اپنے خاوند کے لیے اجنبی عورت کی طرح ہوجائے گی اور وہ اپنے خاوند کے لیے بغیر نکاح کے پیغام دینے اور دوبارہ نکاح کرنے جو ولی اور گواہوں کے ساتھ ہو، حلال نہیں ہوگی، اور یہ رجوع کے طریقے پر نہیں ہے اور اس پر اجماع ہے۔

اسی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کا نکاح کیا، اگر ان کا شوہر عدت کے دوران رجوع کر لیتا تو وہ اس کا مالک تھا، لیکن جب ان کی بیوی کی عدت مکمل ہو گئی اور وہ اپنے شوہر کے لیے اجنبیہ ہو گئیں تو اب انہوں نے پسند کیا کہ وہ دوبارہ ان سے رجوع کریں تو ان کی بیوی کے بھائیوں نے منع کیا اور ان کے ساتھ دوبارہ نکاح سے بھی منع کیا اور ان کا منع کرنا جائز نہیں تھا، اگر چہ یہ پہلے مباح تھا اور بغیر نکاح جدید کے اور مہر کے اور گواہوں کے ان کا حضرت معقل بن یسار کی بہن سے دوبارہ نکاح کرنا جائز نہیں تھا اور یہی حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی شرح

رہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث، سو وہ اس شرح کے خلاف ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ انہوں نے حیض میں جو طلاق دی ہے، وہ اس طلاق سے رجوع کر لیں اور اس حدیث میں آپ نے یہ ذکر نہیں فرمایا کہ اس رجوع میں ان کو دوبارہ مہر مقرر کرنے یا دوبارہ ولی کی اجازت کی ضرورت ہوگی، کیونکہ جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے کا حکم دیا تو آپ نے یہ ذکر نہیں فرمایا کہ ان کی بیوی بھی اس پر راضی ہو اور نہ یہ ذکر فرمایا کہ ان کا ولی اس پر راضی ہو اور اگر اس کی ضرورت ہوتی تو صرف حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اس کا ذکر نہ کیا جاتا بلکہ ان کی عورت کو بھی حکم دیا جاتا اور عورت کے ولی کو بھی حکم دیا جاتا، سو ہر وہ شخص جو عدت کے دوران دی ہوئی طلاق سے رجوع کرے تو اس کا یہی حکم ہے کہ اس پر احکامِ نکاح میں سے کوئی حکم لازم نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ اس رجوع کے اوپر گواہ قائم کر لے اور اس پر علماء کا اجماع ہے اور اس پر نکاح کے فرائض میں سے کوئی فرض اس لیے لازم نہیں ہے کہ وہ سنت کے مطابق طلاق دینے والا ہے اور اس نکاح میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو اس نکاح کے منافی ہو۔

اور اس معنی کی تائید قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ سے ہوتی ہے:

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِیْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۲۸ (البقرہ: ۲۲۸)

طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقدِ ثانی سے) روکے رکھیں، اور اگر وہ اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں (بچہ دانیوں) میں پیدا کیا ہے، اور ان (طلاقِ رجعی پانے والیوں) کے خاوند اس مدت میں انہیں لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں، بشرطیکہ ان کا ارادہ حسنِ سلوک کے ساتھ رہنے کا ہو، اور عورتوں کے لیے دستور کے مطابق مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں جس طرح مردوں کے عورتوں پر حقوق ہیں اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O

یعنی عورتوں کے شوہر عدت کے دوران رجوع کرنے کے زیادہ حق دار ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ لازم کیا ہے کہ وہ رجوع

کرلیں یہ لازم نہیں کیا کہ وہ عورتوں سے اجازت طلب کریں اور نہ نکاح کے فرائض میں سے اور کسی فرض کو لازم کیا ہے۔

اور طلاقِ سنت میں علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب وہ رجوع کریں تو اس پر گواہ قائم کرلیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ (الطلاق:٦)، ''مطلقہ عورتوں کو اپنے مقدور کے موافق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورتوں کو اپنے پاس رکھنے کا حکم دیا ہے اور یہ ذکر نہیں فرمایا کہ تم ان پر گواہ بناؤ اور نہ نکاح میں گواہ بنانے کا ذکر کیا ہے اور نہ طلاق میں گواہ بنانے کا ذکر کیا ہے، لیکن رجوع کرنے میں گواہ بنانے کا حکم دیا ہے:

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَىْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ (الطلاق:٢)

پھر جب وہ تکمیل عدت کو پہنچنے لگیں تو ان کو اچھائی کے ساتھ روک لو یا ان کو دستور کے مطابق جدا کردو، اور اپنے دو نیک آدمیوں کو گواہ بنالو، اور اللہ کے لیے گواہی دو۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ جب مرد اپنی بیوی سے رجوع کرے تو وہ اس پر گواہ قائم کرلے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کس صورت میں اس کا رجوع متحقق ہوگا۔ سعید بن المسیب المتوفی ۹۰ ھ، عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ ھ اور طاؤس بن کیسان الیمانی متوفی ۱۰۶ ھ نے کہا ہے کہ جب مرد نے مطلقہ رجعیہ سے جماع کرلیا تو اس کا رجوع متحقق ہوگیا۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ ھ نے کہا ہے: جب اس نے اپنی بیوی کے ساتھ عدت کے دوران جماع کیا اور وہ رجوع کرنے کا ارادہ رکھتا تھا اور وہ اس سے ناواقف تھا کہ وہ اس رجوع کے لیے گواہ قائم کرلے تو عورت کو چاہیے کہ اس کو جماع کرنے سے منع کرے حتیٰ کہ وہ رجوع کے اوپر گواہ قائم کرلے اور ابن ابی لیلیٰ نے کہا: جب اس نے رجوع کیا اور گواہ نہیں بنایا تو اس کا رجوع صحیح ہے، اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ ھ نے کہا کہ رجوع صرف کلام کے ساتھ صحیح ہوتا ہے بایں طور کہ وہ اپنی بیوی سے کہے: میں نے تم سے رجوع کرلیا اور یہی ابوثور کا قول ہے، پس اگر اس نے رجوع کی نیت سے اپنی بیوی کے ساتھ جماع کیا یا اس کے بغیر جماع کیا تو اس کا رجوع صحیح نہیں ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو مہرِ مثل ادا کرے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۳۸۸-۳۸۹، الاشراف ج ۱ ص ۲۷۶-۲۷۷)

امام شافعی کے مذہب پر یہ اشکال ہے کہ مطلقہ رجعیہ بیویوں کے حکم میں ہوتی ہے تو اگر وہ مطلقہ رجعیہ سے جماع کرے گا تو اس پر مہرِ مثل کیونکر واجب ہوگا؟ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ ھ، اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ ھ کے نزدیک اگر اس نے اپنی بیوی کو چھوا یا اس کی شرمگاہ کی طرف شہوت سے دیکھا اور اس کا رجوع کرنے کا قصد نہیں تھا تب بھی اس کا رجوع متحقق ہوگیا اور مناسب یہ ہے کہ وہ اس کے اوپر گواہ قائم کرلے۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۳۸۸)

حائضہ سے رجوع کرنے کے متعلق فقہاءِ اسلام کا اختلاف

علامہ ابراہیم بن المنذر متوفی ۳۱۸ ھ نے کہا ہے: حائضہ سے رجوع کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہے، پس امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ھ نے کہا: جس نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں یا حالتِ نفاس میں طلاق دی تو اس کو اس طلاق سے رجوع کرنے پر مجبور

کیا جائے گا اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ حیض یا نفاس میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرلے اور یہی ابوثور کا قول ہے۔

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے: اس صورت میں یعنی حیض یا نفاس میں دی ہوئی طلاق میں اس کو رجوع کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: جو فقہاء یہ کہتے ہیں کہ حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کرنے پر مرد کو مجبور کیا جائے گا ان کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا تھا کہ تم ابن عمر کو حکم دو کہ اس نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں جو طلاق دی ہے اس سے رجوع کرلے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر عمل کرنا فرض ہے۔ (الاشراف ج ۱ ص ۲۸۱)

طلاقِ رجعی میں جماع کرنے کا حکم

علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک طلاق رجعی میں اپنی بیوی سے جماع کرنا حرام ہے اور اس میں فقہاء نے مخالفت کی ہے اور جس عورت کو طلاقِ بائنہ دی گئی ہو وہ عدت کے دوران اور عدت کے بعد دوسرا نکاح کرسکتی ہے، نہ وہ عورت جس کو تین طلاقیں دی گئی ہیں، مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ کسی دوسرے شوہر سے نکاح کرے اور وہ اس کو اپنی مرضی سے طلاق دے، پھر وہ اس طلاق کی عدت گزارے تو پھر وہ پہلے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے، اگر کسی مرد نے اپنی بیوی سے اس کی دُبر (سرین) میں وطی کی تو یہ رجوع نہیں ہے اور فتویٰ اس پر ہے کہ یہ بھی رجوع ہے۔

دل میں رجوع کرنے کا حکم

امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں جابر بن زید سے روایت کی ہے کہ جب کسی مرد نے اپنے دل میں رجوع کی نیت کی تو اس کا یہ نیت کرنا لغو ہے، انہوں نے کہا: اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر اس نے اپنی بیوی کو رجوع کرنے کی خبر نہیں دی حتیٰ کہ اس کی عدت مکمل ہوگئی اور اس عورت نے دوسرے مرد سے نکاح کرلیا اور دوسرے مرد نے اس کے ساتھ دخول کرلیا تو اس مرد کے لیے کوئی چیز ثابت نہیں ہوگی۔

اور حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ نے فرمایا: جب کسی مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور اس سے رجوع کرنے پر گواہ قائم کر لیے تو وہ اس کی بدستور بیوی ہے، خواہ اس نے اس کو اس کی خبر دی ہو یا نہ دی ہو اور دوسرے شوہر نے اس کے ساتھ دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ نے فرمایا: اگر اس نے اپنی بیوی کو دوسرا نکاح کرنے سے پہلے پالیا تو وہ اس کا زیادہ حق دار ہے اور دوسری روایت میں ہے: جب تک کہ دوسرے مرد نے اس کے ساتھ دخول نہ کیا ہو، اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ سے روایت ہے کہ ایک مرد نے اپنی بیوی کو طلاق دی، پھر اپنی بیوی کے پاس اس نے پیغام بھیجا کہ اس نے رجوع کرلیا ہے، اور اس کی بیوی تک یہ پیغام نہ پہنچا ہوحتیٰ کہ اس نے نکاح کرلیا تو انہوں نے کہا: وہ عورت اس سے بائنہ ہوجائے گی، اور اگر اس عورت تک اس سے پہلے رجوع کا پیغام پہنچ گیا کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرتی، تو وہ اس کی بدستور بیوی رہے گی۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۶۴-۱۶۵، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۶ھ)

ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی المتوفی ۹۶ھ نے کہا: جب کسی مرد نے عدت پوری ہونے کے بعد اپنے رجوع کرنے کا دعویٰ کیا تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس دعویٰ کے اوپر گواہ پیش کرے اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے کہا ہے کہ اس صورت میں

اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی خواہ وہ گواہ پیش کرے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ نے کہا: اگر مرد نے عدت پوری ہونے کے بعد یہ دعویٰ کیا کہ میں تم سے رجوع کر چکا تھا تو اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ اور ابراہیم نخعی نے کہا: اگر اس نے چپکے سے طلاق دی ہے تو وہ چپکے سے رجوع کرلے، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ ھ نے کہا کہ یہ رجوع ہے اور اگر اس نے اپنی بیوی سے جماع کرلیا تو کوئی حرج نہیں ہے اور اگر اس نے کھلم کھلا طلاق دی تھی اور رجوع کرلیا تو وہ اپنے رجوع کے اوپر گواہ قائم کرے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۹۵-۱۹۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ ھ)

بغیر ولی اور سرپرست کی اجازت کے نکاح کے جواز میں فقہاء اسلام کا اختلاف

علامہ ابن ملقن شافعی متوفی ۸۰۴ ھ کہتے ہیں کہ حضرت معقل بن یسار کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ کسی عورت کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے، اور جب ولی اس کو نکاح کرنے سے روکے تو سلطان یا سربراہ کے لیے جائز ہے کہ اس سے یہ پوچھے کہ وہ کس وجہ سے اس عورت کو نکاح سے منع کر رہا ہے، سو اس حدیث میں جمہور کی یہ دلیل ہے کہ نکاح کی شرط ولی کی اجازت ہے، اور امام ابوعبید الہروی المتوفی ۲۳۸ ھ نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت معقل بن یسار کے قصہ میں نازل ہوئی ہے اور ہمارے نزدیک یہ نکاح میں ولی کی اجازت کے لیے اصل ہے۔

میں کہتا ہوں: اس مسئلہ میں فقہاء احناف کا موقف یہ ہے کہ آزاد، عاقلہ، بالغہ از خود اپنی مرضی سے کسی جگہ نکاح کرسکتی ہے۔ اور حدیث میں ارشاد ہے کہ جو کنواری لڑکی بالغہ ہو اس کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جائے گا، اور اس کی اجازت کے بغیر اس کا کہیں نکاح نہیں کیا جائے گا، اور حضرت معقل بن یسار کی حدیث میں فقہاء احناف کی دلیل ہے کیونکہ جب حضرت معقل بن یسار نے اپنی بہن کو ان کے سابق شوہر کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَیْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ یُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرۃ: ۲۳۲)

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (انہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہوجائیں، اس حکم کے ساتھ ہر اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور یومِ آخر پر ایمان رکھتا ہو، یہ (حکم) تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے، اور اللہ (ہی) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے O

سو اس آیت کے نزول کے بعد حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ جو پہلے اپنی بہن کو ان کے سابق شوہر کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کر رہے تھے، انہوں نے اپنے منع کرنے سے رجوع کرلیا اور بہن کو اجازت دے دی کہ وہ سابق شوہر سے نکاح کرسکتی ہیں، تو جس طرح حضرت معقل بن یسار نے اس آیت کے نزول کے بعد اپنا سرِ تسلیم خم کردیا اور یہ مان لیا کہ آزاد عاقلہ بالغہ عورت اپنی مرضی سے جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے، کاش! فقہاء شافعیہ بھی اس آیت کے سامنے اپنا سرِ تسلیم خم کردیتے اور یہ مان لیتے کہ آزاد عاقلہ

بالغہ عورت جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے اور مناسب یہ ہے کہ وہ کفو کے اندر نکاح کرے۔ (سعیدی غفرلہ)

ہوائے نفس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو ترجیح دینا

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کو اس بات پر غصہ تھا کہ جب ان کے بہنوئی نے عدت کے دوران ان کی بہن کو دی ہوئی طلاق سے رجوع نہیں کیا، اب وہ عدت گزرنے کے بعد جب ان کی بہن بائنہ ہو چکی ہے تو وہ اس سے کیوں دوبارہ نکاح کرنا چاہتے ہیں، ان کو اس پر غیرت آئی اور انہوں نے اپنی بہن کو ان کے نکاح میں دوبارہ دینا اپنے لیے باعث عار سمجھا لیکن جب البقرہ: ۲۳۲ نازل ہوئی اور اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ تم عورتوں کو نکاح کرنے سے منع نہ کرو تو انہوں نے اپنا غصہ تھوک دیا اور اپنے عار اور اپنی غیرت کو پس پشت ڈال دیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اپنی بہن کو اپنے بہنوئی کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے سے منع نہیں کیا، سو معلوم ہوا کہ جب انسان ہوائے نفس میں مبتلا ہو اور اس کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہو تو وہ ہوائے نفس کو ترک کر دے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرے۔

فقہاء کا اس میں اختلاف کہ قرء کا معنی طہر ہے یا حیض

علامہ ابن ملقن متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں: کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں یہ دلیل ہے کہ قرء کا معنی طہر ہے، اس کو علامہ ابن التین شارح بخاری نے ذکر کیا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ حیض میں دی ہوئی طلاق سے رجوع کریں، پھر ان کو دوبارہ طلاق دیں ان کی عدت پوری ہونے سے پہلے، یعنی طہر میں طلاق دیں، اور اس کا امام بخاری نے اس طرح ذکر نہیں کیا۔

پھر علامہ ابن التین نے ذکر کیا ہے کہ اس میں امام ابوحنیفہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ قرء کا معنی حیض ہے۔ (ہم اس سے پہلے بتا چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ جو کہتے ہیں کہ قرء کا معنی حیض ہے اس پر ان کے کیا دلائل ہیں۔ سعیدی غفرلہ)۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۴۲-۵۴۷، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر، ۱۴۲۹ھ)

حالتِ حیض میں دی ہوئی طلاق کے متعلق فقہاء اسلام کا اختلاف

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، صحیح البخاری: ۵۳۳۲ کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، اکثر اہل علم یہ کہتے ہیں کہ حالتِ حیض میں دی ہوئی طلاق، طلاقِ رجعی ہے اور وہ یہ کہتے ہیں کہ حیض میں دی ہوئی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اور شیخ ابن تیمیہ کا موقف یہ ہے کہ حالتِ حیض میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی اور ان کے شاگرد ابنِ قیم نے بھی اس مسئلہ میں ان کی موافقت کی ہے اور انہوں نے اپنی کتاب زاد المعاد میں اس پر بہت زیادہ دلائل قائم کیے ہیں، جو ان کا مطالعہ کرے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ یہی قولِ راجح ہے کہ حالت حیض میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، کیونکہ قاعدہ عظیمہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے امر کے موافق نہیں ہے تو اس کا وہ عمل مردود ہے، کیونکہ حالتِ حیض میں طلاق دینا ایسا عمل ہے جس کے موافق اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا امر نہیں ہے، پس جب اس کے موافق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا امر نہیں ہے، تو وہ عمل مردود ہے اور وہ عمل مقبول نہیں ہے اور وہ طلاق واقع نہیں ہوگی۔ اور جو احادیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس قصہ کے متعلق وارد

ہیں، وہ مختلف ہیں، بعض احادیث میں ہے: اس پر اعتماد کیا جائے گا، اور بعض احادیث میں ہے کہ آپ نے اس کا بالکل اعتبار نہیں کیا، کیونکہ یہ طلاق ایسی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کے بغیر واقع ہوئی ہے۔

اور جب دلائل میں تعارض ہو اور ان میں سے کوئی ایک دلیل دوسری دلیل سے زیادہ واضح نہیں ہے تو واجب ہے کہ اس حکم کو اس طرح لوٹایا جائے جس طرح راسخین فی العلم متشابہ کو محکم کی طرف لوٹاتے ہیں اور محکم یہ ہے کہ حالتِ حیض میں طلاق واقع نہیں ہوتی، اس حدیث کی بناء پر جس کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے کہ جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے دین میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے (صحیح البخاری: ۲۶۹۷، صحیح مسلم: ۱۷۱۸) اور اس لیے کہ اگر ہم حالتِ حیض میں دی ہوئی طلاق کو واقع کر دیں تو یہ اللہ عزوجل کے حکم کے خلاف ہے۔

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو حکم دیا تھا کہ وہ اس طلاق سے رجوع کر لیں اور یہ تفصیل نہیں کی تھی کہ یہ پہلی طلاق ہے یا تیسری طلاق ہے اور اس میں دلیل ہے کہ یہ طلاق واقع نہیں ہوئی اور اس کا شمار نہیں کیا گیا، کیونکہ اگر یہ طلاق واقع ہوتی تو حضرت عبد اللہ بن عمر پوچھتے کہ کیا یہ پہلی طلاق ہے یا تیسری طلاق ہے، اور اس لیے کہ اگر یہ تیسری طلاق ہوتی تو پھر رجوع کرنا ممکن نہیں تھا۔

اور صحیح مسلم میں یہ دلیل ہے کہ یہ پہلی طلاق ہے اور اس سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ طلاق واقع ہو گئی ہے۔

پس میرے نزدیک راجح قول وہ ہے جس کی طرف شیخ ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ حالتِ حیض میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی اور نہ اس طہر میں دی ہوئی طلاق واقع ہوتی ہے جس میں مرد اپنی بیوی سے جماع کر چکا ہو، حتیٰ کہ اس کا عمل ظاہر ہو جائے۔ اگر مرد نے اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دی جس میں وہ جماع کر چکا ہے تو اس کی وہ طلاق لغو ہے، کیونکہ جب یہ معلوم ہو جائے کہ اس کی عورت حاملہ ہے تو اس پر طلاق واقع ہو جائے گی اور اس کی عدت وضع حمل ہو گی۔ (شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۹۶-۹۷، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

شیخ عثیمین کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ میں شیخ عثیمین کا شیخ ابن تیمیہ اور شیخ ابن قیم کے ساتھ تخصیص کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ جمہور فقہاء اسلام کے نزدیک حالتِ حیض میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اور اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق دے دی تو اس پر واجب ہے کہ وہ اس طلاق سے رجوع کرے اور اس طلاق کا شمار نہیں کیا جائے گا، جیسا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی احادیث سے واضح ہے اور شیخ عثیمین پر حیرت ہے کہ جب اس باب میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی صریح حدیث موجود ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کہ تم عبد اللہ بن عمر سے کہو کہ اس طلاق سے رجوع کر لے اور اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ حالتِ حیض میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی تو پھر اس صریح حدیث کے ہوتے ہوئے شیخ عثیمین نے اس مسئلہ پر اس عمومی حدیث سے استدلال کیا ہے: ''جس شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جو ہمارے دین میں نہیں ہے تو وہ مردود ہے''، سو جب صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس خاص مسئلہ کے متعلق صریح حدیث موجود ہے تو پھر اس عمومی حدیث سے استدلال کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ (سعیدی غفرلہ)

تنبیہ: مولانا غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ نے صحیح البخاری: ۵۳۳۳ کی شرح نہیں کی ہے اور صرف ترجمہ کیا ہے جو کہ درج ذیل ہے۔

باب: حائضہ مطلقہ سے رجوع کرنا

۵۳۳۳: یونس بن جبیر نے کہا: میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو انہوں نے کہا: عبداللہ بن عمر نے طلاق دی جب کہ ان کی بیوی حالتِ حیض میں تھی، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اس کے متعلق) سوال عرض کیا تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ کہو: اس سے رجوع کرے، پھر جب عدت کا وقت آئے تو اس کو طلاق دے (طہر میں طلاق دے)، یونس نے کہا: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ اس طلاق کو شمار کیا جائے گا (جو حالتِ حیض میں دی گئی تھی) تو انہوں نے کہا: مجھے خبر دو اگر عبداللہ عاجز آ گیا ہو اور حماقت کی وجہ سے طلاق دے دی تو طلاق واقع نہ ہو گی؟ (تفہیم البخاری ج ۸ ص ۴۰۶-۴۰۵، جدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۳۳، کی شرح از شیوخ دیوبند

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر کسی آدمی نے زمانہ حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسکو رجوع کر لینا چاہیے، اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے، البتہ اس رجوع کی شرعی حیثیت میں اختلاف ہے، امام مالک، داؤد ظاہری کے نزدیک رجوع واجب ہے، امام احمد کی بھی ایک روایت اسی کے مطابق ہے، اور حنفیہ کا مذہب مختار بھی یہی ہے، امام شافعی کے نزدیک رجوع مستحب ہے، امام احمد کا ظاہر مذہب بھی اسی کے مطابق ہے اور حنفیہ میں قدوری نے اسی کو مختار قرار دیا ہے، دلائل کی تفصیل کتاب الطلاق کے شروع میں گزر چکی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ''باب مراجعة الحائض'' کا ترجمہ تو قائم کیا ہے لیکن وجوب اور عدم وجوب پر انہوں نے کوئی بحث نہیں کی۔ (کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب الطلاق، ص ۴۷۵، مکتبہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی کراچی)

۴۶۔ بَابٌ: تُحِدُّ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا

جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے، وہ چار ماہ دس دن سوگ کرے

باب مذکور کی تعلیق

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ لَا أَرَى أَنْ تَقْرَبَ الصَّبِيَّةُ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا الطِّيبَ لِأَنَّ عَلَيْهَا الْعِدَّةَ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ أَخْبَرَنَا مَالِكٌ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ عَنْ حُمَيْدِ بْنِ نَافِعٍ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ أَنَّهَا أَخْبَرَتْهُ هٰذِهِ الْأَحَادِيثَ الثَّلَاثَةَ

(مصنف عبدالرزاق: ۱۲۱۱۷)

اور زہری نے کہا: کہ میری رائے یہ نہیں ہے کہ جس بچی کا شوہر فوت ہو گیا ہو تو وہ خوشبو کے قریب جائے، کیونکہ اس پر بھی عدت واجب ہے، ہمیں عبداللہ بن یوسف نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں امام مالک نے خبر دی از عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم از حمید بن نافع از زینب بنت ابی سلمہ، انہوں نے ان تین حدیثوں کی خبر دی۔

احداد کا صیغہ اور اس کے لغوی اور اصطلاحی معنی کا بیان

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، حدیث مذکور کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

''تحد'' اس میں پہلے حرف پر پیش ہے اور دوسرے حرف پر زیر ہے اور یہ رباعی سے ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ پہلے حرف پر زبر ہو اور دوسرے حرف پر پیش ہو ثلاثی سے۔

اہلِ لغت نے کہا ہے: ''الاحداد'' کا اصل معنی ہے منع کرنا، اسی وجہ سے دربان کو حداد کہا جاتا ہے کیونکہ وہ آنے والے کو گھر میں داخل ہونے سے منع کرتا ہے، اور اسی وجہ سے ''العقوبت'' یعنی سزا کو حد کہا جاتا ہے، کیونکہ سزا بھی انسان کو گناہ کے کرنے سے روکتی ہے اور ابن درستویہ نے کہا ہے کہ احداد کا معنی ہے جو عورت عدت گزار رہی ہو، اس کو زینت اختیار کرنے سے منع کرنا اور اس کو اپنے بدن پر خوشبو لگانے سے منع کرنا اور جو لوگ اس عورت کو نکاح کا پیغام دینا چاہیں ان کو منع کرنا، اور جو لوگ اس سے نکاح میں رغبت کرنا چاہیں ان کو منع کرنا، جیسا کہ حد معصیت سے منع کرتی ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۸۵، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۷، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ اور اس باب کے عنوان کی شرح

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے کہ تحد کے صیغہ میں پہلے حرف پر ضمہ ہے اور دوسرے حرف پر زیر ہے اور یہ رباعی سے ہے، علامہ عینی اس پر رد فرماتے ہیں کہ یہ اہلِ صرف کی اصطلاح نہیں ہے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ثلاثی مزید سے ہے، اور اس کا باب احداد ہے۔ ثعلب نے کہا: جب کوئی عورت اپنے خاوند کی وفات کے سوگ میں زینت کو ترک کردے تو کہا جاتا ہے ''حدت المرأة علی زوجها تحد حدادا''۔

اور ابن درستویہ نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے نفس اور بدن پر زینت کو منع کرتی ہے، اور اس عورت کو نکاح کا پیغام دینے والوں کو بھی منع کرتی ہے کہ وہ اس کو نکاح کا پیغام دیں یا اس سے نکاح میں رغبت کریں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۳-۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

باب مذکور کی تعلیق کی شرح از علامہ عینی، بچی پر سوگ کے وجوب میں ائمہ اربعہ کا اختلاف

یعنی محمد بن مسلم الزہری متوفی ۱۵۲ھ نے کہا کہ میری رائے یہ ہے کہ جس بچی کا خاوند فوت ہو گیا ہو، یعنی جو نابالغہ ہو وہ بھی خوشبو لگانے کے قریب نہ جائے کیونکہ اس پر بھی عدت واجب ہے۔

ابن شہاب زہری نے بچی کا ذکر کیا ہے کیونکہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، پس امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ کے نزدیک بچی پر سوگ واجب نہیں ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد متوفی ۲۴۱ھ اور امام ابوعبید متوفی ۲۳۸ھ اور ابوثور کے نزدیک بچی پر سوگ واجب ہے۔

ابن شہاب زہری نے کہا: کیونکہ بچی پر بھی سوگ واجب ہے، اس میں انہوں نے یہ اشارہ کیا ہے کہ عدت کے وجوب میں بچی بھی بالغہ کی مثل ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری نے اس باب میں تین احادیث کا ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہیں:

۵۳۳۴۔ قَالَتْ زَيْنَبُ دَخَلْتُ عَلَى أُمِّ حَبِيبَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ ﷺ حِينَ تُوُفِّيَ أَبُوهَا أَبُو سُفْيَانَ بْنُ حَرْبٍ فَدَعَتْ أُمُّ حَبِيبَةَ بِطِيبٍ فِيهِ صُفْرَةٌ خَلُوقٌ أَوْ غَيْرُهُ فَدَهَنَتْ مِنْهُ جَارِيَةً ثُمَّ مَسَّتْ بِعَارِضَيْهَا ثُمَّ قَالَتْ وَاللَّهِ مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔

حضرت زینب نے کہا: میں حضرت ام حبیبہ نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ ام المومنین کے پاس گئی، جب ان کے والد ابوسفیان بن حرب فوت ہو گئے تھے تو حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ایک کریم کی مثل زرد رنگ کی خوشبو منگوائی جو جسم پر لگانے والی تھی، پھر ان کی ایک باندی نے اس خوشبودار کریم کو ان کے رخساروں پر ملا، پھر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اللہ کی قسم! مجھے اب خوشبو لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لیکن میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو عورت اللہ پر اور آخرت پر یقین رکھتی ہو، اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی میت کے اوپر تین راتوں سے زیادہ سوگ کرے، سوا اپنے خاوند کے جس پر وہ چار مہینے دس دن سوگ کرے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۵۳۳۴، ۵۳۳۹، ۵۳۴۵، صحیح مسلم: ۱۴۸۶، سنن ترمذی: ۱۱۹۵، سنن نسائی: ۳۵۰۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۹۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۶، مسند احمد: ۲۵۹۱۴، موطا امام مالک: ۱۲۶۸، سنن دارمی: ۲۲۸۴)

بیوہ عورت کے سوگ کے متعلق فقہاء کے نظریات

مشہور غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

سوگ کی تعریف یہ ہے کہ بیوہ عورت زیب و زینت نہ کرے، رنگی پوشاک زینت کی نیت سے نہ پہنے، سرمہ اور خوشبو نہ لگائے، نہ زعفران یا مہندی لگائے، اسی طرح جو زیورات زینت کے لیے پہنے جاتے ہیں وہ نہ پہنے، بس ہماری شریعت میں صرف خاوند کے لیے اس کی بیوہ کو چار مہینے اور دس دن سوگ منانے کا حکم ہے، اور دوسرے مردوں کی مرگ پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حرام اور ناجائز ہے۔

ائمہ ثلاثہ اور اہل حدیث (غیر مقلدین) کا یہی قول ہے اور فقہاء احناف نے اس کے خلاف کہا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ نابالغ لڑکی پر عدت واجب نہیں ہے۔

ہمارے زمانے میں نصاریٰ نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ جب ان کا کوئی رئیس یا بادشاہ مر جاتا ہے تو مہینوں تک سوگ کرتے ہیں اور اپنی رعیت کو بھی سوگ کا حکم دیتے ہیں، مسلمانوں کو ان کی پیروی ہرگز نہ کرنا چاہیے، بس تین دن سوگ کافی ہے۔ اور شیعوں نے اس صحیح حدیث کے خلاف یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ ہر محرم میں دس دن تک امام حسین علیہ السلام پر سوگ کیا کرتے ہیں، پان وغیرہ نہیں کھاتے، ان کی عورتیں زیور اتار ڈالتی ہیں، بعض عورتیں گوشت وغیرہ نہیں کھاتیں، یہ سب نادانی اور جہالت کے کام ہیں، افسوس ہے کہ مسلمان تیرہ سو سال گزرنے کے بعد کے واقعات پر تو سوگ کرتے ہیں اور اب جو ان کی آنکھوں کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کی خرابی ہو رہی ہے، اس کو دیکھ کر ایک آنسو بھی نہیں نکالتے، نہ اپنی قوم کی اصلاح اور فلاح کی کوئی تدبیر کرتے ہیں، ہاتھ

پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہنا، کھانا پینا، چین اڑانا، آپ خوش تو سارا جہان خوش، یہ مسلمانوں کا شیوہ ہو گیا ہے، یہ مسلمان محنت اور مشقت سے ایسا جی چراتے ہیں کہ کچھ نہ پوچھو، خالی عیش کرنے، اوقات ضائع کرنے، باوجود اس کے کہ مسلمانوں میں بہت سے انگریزی خواں اور مالدار بھی ہیں، مگر کسی ایک کو یہ توفیق نہیں ہوتی کہ قرآن شریف اور احادیث کی صحیح کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کر کے انگلستان اور امریکہ بھیجیں تا کہ وہاں کے مسلمان ان کتابوں سے فائدہ اٹھائیں، دو تین انگریزوں نے قرآن کریم کا ترجمہ کیا ہے مگر وہ کس کام کا؟ اول تو ترجمہ غلط، دوسرے مخالفانہ نظر سے انہوں نے قرآن شریف کے مضامین پر چوٹ کی ہے، خیر یہ تو ہوا۔ رونا اس پر آتا ہے کہ اگر کوئی دوسرا بندۂ خدا حدیث یا قرآن کا ترجمہ پھیلائے تو اس کو روکتے ہیں، مناع للخیر بن کر اپنے آپ کو دوزخ کا کندھا بناتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

اس حدیث کی رو سے بعض علماء نے علاج کی غرض سے سوگ کرنے والی عورت کے لیے سرمہ لگانے کو جائز قرار دیا ہے، لیکن موطا امام مالک کی روایت میں اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رات کو سرمہ لگا لے اور صبح کو پونچھ ڈالے، اس سے بعض علماء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر ضرورت ہو تو بیوہ عورت رات کو سرمہ لگا سکتی ہے لیکن دن کو پونچھ ڈالے۔

(تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۵۰-۲۵۲، نعمانی کتب خانہ، جون ۱۹۹۰ء)

احداد کی تعریف

علامہ عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

احداد کا لغوی معنی ہے سوگ، اس سے مراد یہ ہے کہ بیوہ عورت زینت کی تمام انواع اور اقسام کو ترک کر دے، نہ رنگین لباس پہنے، نہ خوشبو لگائے، نہ زیورات پہنے اور جب تک عدت کے اندر ہے تو سرمہ نہ لگائے، اور اس کی پوری تفصیل کتب فقہ میں موجود ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت کا زیب و زینت کرنا اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ اس سے نکاح کیا جائے، اور عدت کے دوران نکاح کرنا یا نکاح کا پیغام دینا ممنوع ہے تو اس لیے عدت کے دوران سوگ کرنا واجب ہے، اور بیوہ عورت کو زیب و زینت کرنے سے منع کر دیا گیا ہے تا کہ اس کے نکاح کرنے کا سدِ باب ہو اور اللہ تعالیٰ کی حدود محفوظ رہیں۔

کہا جاتا ہے "امرأۃ حاد و محد" اور احداد کا لغوی معنی ہے منع کرنا، اسی وجہ سے دربان کو حداد کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ گھر میں داخل ہونے والوں کو روکتا ہے اور شرعی سزا کو حد کہا جاتا ہے، کیونکہ شرعی سزا بھی انسان کو گناہوں کے ارتکاب سے روکتی ہے۔

القزاز نے کہا ہے: بیوہ عورت کے لئے حاد کا لفظ آتا ہے، حادۃ نہیں آتا، (کیونکہ یہ لفظ مرد کے لئے مستعمل نہیں ہوتا، مرد سوگ نہیں کرتا، صرف عورت ہی سوگ کرتی ہے جیسے حیض والی عورت کے لئے حائض کا لفظ آتا ہے، حائضہ کا لفظ نہیں آتا، کیونکہ حیض بھی عورت کے ساتھ خاص ہے مرد کو حیض نہیں آتا، نیز کہا جاتا ہے امراۃ حامل، اور یوں نہیں کہا جاتا امراۃ حاملۃ، کیونکہ بچہ کا حمل ہونا عورت کے ساتھ مخصوص ہے، مرد کو بچہ کا حمل نہیں ہوتا، اسی لیے امراۃ حامل کہا جاتا ہے، کیونکہ مرد حامل نہیں ہوتا، اسی طرح سوگ بھی عورت کے ساتھ خاص ہے مرد سوگ نہیں کرتا، اس لیے امراۃ حاد کہا جاتا ہے اور امراۃ حادۃ نہیں کہا جاتا۔ سعیدی غفرلہٗ)۔

ابن درستویہ نے کہا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ بیوہ عورت کو اپنی زینت کرنے سے اور اپنے بدن پر خوشبو لگانے سے منع کیا ہے تا کہ جو لوگ اسے نکاح کا پیغام دینا چاہتے ہوں اور نکاح کا پیغام دینے میں رغبت رکھتے ہوں، وہ رک جائیں۔

امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے حضرت عبداللہ بن شداد رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے تو مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تم تین دن سوگ کروں، پھر تم جو چاہو کرنا۔ (السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۴۳۸)

امام بیہقی نے کہا ہے کہ عبداللہ بن شداد کا حضرت اسماء بن عمیس سے سماع ثابت نہیں ہے، سو یہ حدیث مرسل ہے۔

علامہ ابن الملقن لکھتے ہیں: یہ حدیث دوسری احادیث کے مخالف ہے، جیسا کہ فقہاء کے نزدیک ثابت ہے اور شیخ ابن حزم ظاہری نے از ابن ارطاۃ از الحسن بن سعید از عبداللہ بن شداد روایت کی ہے اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن کے بعد حضرت اسماء کو یہ پیغام بھیجا کہ وہ غسل کر لیں اور سرمہ لگائیں۔ (المحلی ج ۱۰ ص ۲۸۰)

اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کی روایت میں اس طرح مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس دن کے بعد پھر تم سوگ نہ کرنا''۔ (مسند احمد ج ۶ ص ۳۶۹)

میں کہتا ہوں کہ امام بیہقی کی روایت میں اور ابن حزم ظاہری اور امام احمد بن حنبل کی حدیثوں میں کوئی تعارض اور مخالفت نہیں ہے، کیونکہ امام بیہقی کی روایت میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین دن سوگ کرنے کا حکم دیا اور ابن حزم ظاہری کی روایت میں مذکور ہے کہ آپ نے فرمایا: تم تین دن کے بعد غسل کر لینا اور سرمہ لگا لینا اور امام احمد کی روایت میں ہے: تم اس دن کے بعد سوگ نہ کرنا، اور ان سب کا مآل (خلاصہ) یہی ہے کہ خاوند کے علاوہ اور کسی کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے، جب کہ حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا اپنے خاوند کی شہادت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرنا ان کی خصوصیت ہے۔
(سعیدی غفرلہ)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے مسائل اور فوائد

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ حضرت ام حبیبہ کی حدیث متعدد معانی پر دلالت کرتی ہے، جن کا بیان درج ذیل ہے:

(۱) مسلمان عورتوں پر یہ حرام کیا گیا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کے علاوہ کسی کی موت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کریں، اور ان کے لیے اپنے شوہروں کے علاوہ کسی کی موت پر تین دن تک سوگ کرنا جائز قرار دیا گیا ہے۔

(۲) مسلمان بیوی کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ اپنے شوہر کے علاوہ کسی کی موت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کریں، اگر کسی مسلمان کی بیوی یہودیہ ہو یا نصرانیہ ہو تو اس کے لیے یہ حکم نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت اللہ پر ایمان رکھتی ہو اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو، تو وہ اپنے شوہر کے علاوہ کسی اور کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے، اور ذمی عورت اس خطاب میں داخل نہیں ہے۔ (الاشراف ج ۱ ص ۲۷۰)

(۳) اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ جن بیویوں کو اپنے شوہروں کے علاوہ کسی اور کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع فرمایا ہے یہ ان عورتوں سے متعلق ہے جن کی عدت مہینوں کے ساتھ ہے، نہ کہ ان عورتوں سے متعلق جو حاملہ ہوں۔

(۴) اس حدیث میں یہ دلیل بھی ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں، اس کے اوپر سوگ لازم نہیں ہوتا، اور اس پر ظاہر

حدیث دلالت کرتی ہے۔(الاشراف ج ا ص ۲۶۷)

(۵) اس مسئلہ میں اجماع نہیں ہے، کیونکہ حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ سوگ کے قائل نہیں ہیں اور ان کا قول شاذ اور غریب ہے۔(الاشراف ج ا ص ۲۶۹)

(۶) امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ، اور فقہاء احناف اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ اگر باندی کا خاوند فوت ہو جائے تو اس پر بھی سوگ کرنا لازم ہے، کیونکہ باندی بھی تمام ازواج میں داخل ہے اور میرے علم کے مطابق اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے سوائے حسن بصری کے، کیونکہ وہ سوگ کے قائل نہیں ہیں۔

(۷) اس پر اجماع ہے کہ جب ام ولد کا مالک فوت ہو جائے تو اس پر سوگ لازم نہیں ہے، کیونکہ سوگ کرنے کا حکم شوہر کی موت سے متعلق ہے نہ کہ مالک کی موت کے ساتھ، اور ام ولد بیوی نہیں ہے۔(الاشراف ج ا ص ۲۶۲-۲۷۰)

میں کہتا ہوں کہ النیشاپوری کا یہ کہنا غلط ہے کہ اس پر اجماع ہے کیونکہ حضرت عمرو بن العاص کی حدیث میں یہ حکم ہے کہ ام ولد کی عدت بھی آزاد مسلمان عورت کی مثل ہے۔(سنن ابوداؤد: ۲۳۰۸)

تنبیہ: علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ کے ذکر کردہ فوائد ختم ہوئے۔

یہودیہ اور عیسائیہ کا شوہر فوت ہو جائے تو آیا اس پر بھی سوگ کرنا لازم ہے یا نہیں؟

اگر کتابیہ (یعنی یہودیہ یا عیسائیہ) کا مسلمان شوہر فوت ہو جائے تو امام مالک کے نزدیک اس میں اختلاف ہے کہ آیا اس کے اوپر اپنے شوہر کا سوگ کرنا لازم ہے یا نہیں ہے؟ پس اشعب مالکی نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ اس کے اوپر سوگ لازم نہیں ہے، اور یہی ابن نافع اور فقہاء احناف کا قول ہے۔(الاستذکار لابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ ج ۱۸ ص ۲۱۹، موسسۃ الرسالہ بیروت)

فقہاء احناف نے کہا ہے کہ یہودیہ یا عیسائیہ کے اوپر اپنے شوہر کی وفات کے سبب سے سوگ کیسے لازم ہوگا جب کہ وہ شرک کرتی ہے اور جو فرائض کو ترک کرتی ہے وہ بھی بہت سنگین بات ہے۔

اور امام مالک سے دوسری روایت ہے کہ اس یہودیہ یا عیسائیہ پر بھی سوگ کرنا لازم ہے اور یہی اللیث، اور امام شافعی اور ابوثور اور ابن حیی کا قول ہے۔(الاستذکار لابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ ج ۱۸ ص ۲۱۹، موسسۃ الرسالہ بیروت)

اور امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ سوگ کرنا اس کے خاوند کا حق ہے اور وہ نسب کی حفاظت کرتا ہے جیسے عدت اس کا حق ہے، اور کافرہ عورت بھی اس حکم میں داخل ہے۔

امام بخاری نے روایت کی ہے کوئی شخص اپنے بھائی کی بیع کے اوپر بیع نہ کرے۔(صحیح البخاری: ۲۷۲، صحیح مسلم)

کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغامِ نکاح کے اوپر نکاح کا پیغام نہ دے حتیٰ کہ اس کا بھائی اس کو اجازت دے دے، یا اپنے پیغامِ نکاح کو ترک کر دے۔ سو جس طرح کافر کی بیع کے اوپر بیع کرنا جائز نہیں ہے اور کافر کے پیغامِ نکاح کے اوپر نکاح کا پیغام دینا جائز نہیں ہے، سو اسی طرح سے خاوند کی وفات کے اوپر سوگ کرنا بھی خاوند کا حق ہے، خواہ اس کی بیوی کافرہ ہو۔

نیز اس پر یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ اگرچہ حدیث میں یہ خطاب مومنات کے ساتھ ہے، لیکن ذمی عورت بھی اس میں داخل ہے، کیونکہ وہ بھی زوجیت میں داخل ہے، کیونکہ ذمی عورت کے لیے بھی نفقہ لازم ہوتا ہے رہائش لازم ہوتی ہے اور عدت لازم ہوتی ہے اور

ان تمام احکام میں وہ مسلمان عورت کی طرح ہے، اسی طرح شوہر کی وفات پر سوگ کرنے میں بھی وہ مسلمان عورتوں کی طرح ہے۔

کم سن نابالغہ کا شوہر فوت ہو جائے تو آیا اس پر بھی سوگ لازم ہے یا نہیں؟

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام ابوعبید الہروی متوفی ۲۳۸ھ اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ، اور ان کے اصحاب نے کہا ہے: نابالغہ عورت کا شوہر فوت ہو جائے تو اس کے اوپر اپنے شوہر کی موت پر سوگ کرنا لازم نہیں ہے۔

(الاستذکار لابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ ج ۱۸ ص ۲۱۹-۲۲۰، موسسۃ الرسالہ بیروت)

ان فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے خاوند کی موت کے علاوہ کسی اور کی موت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ حکم بالغہ عورت کے ساتھ مخصوص ہے اور جو نابالغہ ہے وہ اس حکم میں داخل نہیں ہے، اس پر صرف عدت لازم ہے۔ علامہ ابن التین نے لکھا ہے کہ داؤد ظاہری کا اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہے۔

جن فقہاء نے کہا ہے کہ نابالغہ پر بھی لازم ہے کہ جب اس کا شوہر فوت ہو جائے تو وہ اس پر سوگ کرے کیونکہ جب نابالغہ کا نکاح ہر نکاح کرنے والے کے ساتھ جائز ہے جیسا کہ بالغہ عورت کا نکاح ہر نکاح کرنے والے کے ساتھ جائز ہوتا ہے تو واجب ہے کہ سوگ کرنے کا مسئلہ بھی اسی طرح ہو اور اس پر اجماع ہے کہ نابالغہ پر عدت وفات لازم ہے تو اسی طرح اس پر سوگ بھی لازم ہوگا۔

تین طلاق یافتہ عورت کا شوہر اگر فوت ہو جائے تو آیا اس پر بھی شوہر کی موت پر سوگ کرنا لازم ہے یا نہیں؟

سعید بن المسیب التوفی ۹۰ھ اور سلیمان بن یسار اور ابن سیرین اور حکم نے کہا: اس پر بھی اپنے شوہر کی موت پر سوگ کرنا لازم ہے، اور فقہاء احناف اور ابوثور اور امام ابوعبید الہروی کا بھی یہی قول ہے۔

(الاستذکار لابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ ج ۱۸ ص ۲۲۲، موسسۃ الرسالہ بیروت)

امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۶۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ تین طلاق یافتہ عورت بھی زینت کو ترک کر دے، اور ابراہیم بن یزید بن قیس الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ سے بھی اسی قول کی حکایت ہے۔ (الاستذکار لابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ ج ۱۸ ص ۲۲۲، موسسۃ الرسالہ بیروت، المفہم ج ۴ ص ۲۸۴)

عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ تین طلاق یافتہ عورت پر اس کے شوہر کی موت کے سبب سے اس پر سوگ کرنا لازم نہیں ہے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ ''حضرت ام حبیبہ نے ایک خوشبو منگوائی، جس میں زرد رنگ کا خلوق تھا (یعنی زرد رنگ کی کریم تھی) اور خلوق کا معنی ہے ایسی خوشبو جو کریم میں ملی ہوئی ہو''۔

اور اس حدیث میں مذکور ہے: پھر حضرت ام حبیبہ نے اس خوشبودار کریم کو اپنے عارضین پر ملا، اس حدیث میں عارضین سے مراد ہے دو رخسار، اور علامہ قرطبی نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ العوارض کی اصل الاسنان ہے یعنی دانت۔ اور رخساروں کو عوارض اس

لیے کہا گیا ہے کہ اس میں کسی چیز پر اس کے مجاور کا اطلاق ہے۔ (المفہم ج ۴ ص ۲۸۲-۲۸۳، دار ابن کثیر بیروت)

صاحب الموعب نے کہا ہے: العارض کا معنی ہے ''رُخسار'' کہا جاتا ہے: ''اخذ من عارضیه''، یعنی جب کوئی شخص اپنے رخساروں سے بال چنے، تو اس طرح کہا جاتا ہے۔ الازہری نے اپنی تہذیب میں کہا ہے العارض کا معنی ہے الخد، یعنی رخسار، کہا جاتا ہے ''اخذ الشعر من عارضیه''، یعنی اس نے اپنے رخساروں سے بال چن لیے۔ (تہذیب اللغت ج ۳ ص ۲۴۰۲)

یہ قول صاحب الموعب کے قول کی مثل ہے اور اللحیانی نے کہا ہے ''عارضا الوجه وعرضاھا'' اس کا معنی ہے چہرے کی دو جانبیں۔ اور ابن سیدہ نے کہا ہے العارضان کا معنی ہے داڑھی یا جبڑے کی دو جانبیں، اور عارض کا معنی ہے رُخسار۔ (المحکم ج ۱ ص ۲۴۷)

علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی المتوفی ۳۹۸ھ نے کہا ہے کہ ''عارضة الانسان'' کا معنی ہے: اس کے رُخسار کے دو صفحے اور عرب کہتے ہیں ''فلان خفیف العارضین'' اور اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کے رخساروں پر بال کم ہیں۔

(الصحاح ج ۳ ص ۱۰۸۶، دار العلم بیروت ۱۴۰۴ھ)

اور ابن فارس نے کہا ہے: بسا اوقات عرب لوگ عوارض سے اسنان یعنی دانتوں کا ارادہ کرتے ہیں۔ (مجمل اللغت ج ۲ ص ۶۶۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی مرد کی سعادت اس میں ہے کہ اس کے عارضین خفیف ہوں یعنی اس کے رخساروں پر بال کم ہوں، کیونکہ جب وہ وضو کرے گا تو وہ پانی کو بالوں کی جڑوں تک پہنچانے کا محتاج نہیں ہوگا اور نہ غسل میں اپنے رُخساروں کے بالوں کو دھونے میں مبالغہ کرنے کا محتاج ہوگا۔

(المعجم الکبیر ج ۱۲ ص ۲۱۱، الکامل لابن عدی ج ۸ ص ۵۰۶، تاریخ بغداد ج ۴ ص ۲۹۷)

خطیب بغدادی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں سکین راوی مجہول اور منکر الحدیث ہے اور دوسرا راوی مغیرہ بن سوید بھی مجہول ہے اور یہ حدیث صحیح نہیں ہے اور اس کی سند میں یوسف بن الغرق ہے، وہ بھی منکر الحدیث ہے۔

علامہ نور الدین الہیثمی المتوفی ۸۰۷ھ نے کہا ہے: اس حدیث میں یوسف بن الغرق ہے، العضدی نے اس کے متعلق کہا کہ وہ کذاب ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۵ ص ۱۶۱-۱۶۵)

شیخ البانی نے کہا کہ یہ حدیث موضوع ہے۔ (ضعیف الجامع: ۳۰۵۳)، اسی طرح شیخ البانی نے الاحادیث الضعیفه ۱۹۳ھ میں بھی اسی طرح کہا ہے۔

نیز اس حدیث میں ارشاد ہے: کہ جو عورت اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے وہ تین راتوں سے زیادہ اپنے خاوند کے علاوہ کسی کی موت کے اوپر سوگ نہ کرے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ تین دنوں سے زیادہ سوگ نہ کرے اور ایک اور روایت میں ہے: تین سے زیادہ سوگ نہ کرے اور اس سے مراد راتیں ہیں۔ اسی وجہ سے المعدود کو مونث کا صیغہ لایا گیا ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ ایام سے مراد ان کی راتوں کے ساتھ ہے۔ اس کی علامہ قرطبی نے حکایت کی ہے اور پہلا قول علامہ اوزاعی کا ہے۔

(المفہم ج ۴ ص ۲۸۴، دار ابن کثیر بیروت)

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا مذہب یہ ہے کہ جب حاملہ عورت کے ہاں چار مہینے دس دن سے پہلے بچہ ہو جائے تو وہ چار مہینے دس دن عدت پوری کرے گی۔ اس حدیث میں مذکور ہے کہ کوئی عورت اپنے خاوند کی موت کے سوا کسی کی موت پر تین دن

سے زیادہ سوگ نہیں کرے گی، اس حدیث میں خاوند سے مراد ہر خاوند ہے، عام ازیں کہ دخول کے بعد ہو یا دخول سے پہلے ہو، اسی طرح ہر عورت سے مراد عام ہے وہ نابالغہ ہو یا بالغہ ہو یا باندی ہو یا آزاد ہو۔

نابالغہ کو اس حدیث میں داخل کرنے پر اعتراض ہے اور یہودیہ یا نصرانیہ بھی اس میں داخل نہیں ہیں۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۴۹-۵۶۰، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۳۳۵۔ قَالَتْ زَيْنَبُ فَدَخَلْتُ عَلَى زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ حِينَ تُوُفِّيَ أَخُوهَا فَدَعَتْ بِطِيبٍ فَمَسَّتْ مِنْهُ ثُمَّ قَالَتْ أَمَا وَاللهِ مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ غَيْرَ أَنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ عَلَى الْمِنْبَرِ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے کہا: پس میں حضرت زینب بنت جحش ام المومنین کے پاس گئی، جب ان کے بھائی کی وفات ہو گئی تھی تو انہوں نے ایک خوشبودار کریم منگوائی اور اس سے کچھ کریم لگائی، پھر انہوں نے کہا: سنو اللہ کی قسم! مجھے خوشبو لگانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، سوائے اس کے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ منبر پر فرما رہے تھے کہ جو عورت اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی فوت شدہ شخص کے اوپر تین راتوں سے زیادہ سوگ کرے، سوائے اپنے شوہر کے اس پر چار ماہ اور دس دن سوگ کرے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۵۳۳۴، ۵۳۳۹، ۵۳۴۵، صحیح مسلم: ۱۴۸۶، سنن ترمذی: ۱۱۹۵، سنن نسائی: ۳۵۰۴، سنن ابوداؤد: ۲۹۹۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۶، مسند احمد: ۲۵۹۱۴، موطا امام مالک: ۱۲۶۸، سنن دارمی: ۲۲۸۴)

اس کی توجیہ کہ عدتِ وفات گزارنے والی عورت کو بناؤ سنگھار کرنے سے منع کیا گیا ہے اور عدتِ طلاق گزارنے والی عورت کو بناؤ سنگھار کرنے سے منع نہیں کیا گیا

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ المازری نے کہا ہے کہ عدتِ وفات گزارنے والی عورت کو زینت اور بناؤ سنگھار سے منع کیا گیا ہے اور عدتِ طلاق گزارنے والی عورت کو زینت اختیار کرنے سے منع نہیں کیا گیا، کیونکہ زیب و زینت کرنا اور خوشبو لگانا نکاح کی دعوت دیتا ہے اور نکاح میں واقع کرتا ہے تو اس لیے اس سے منع کیا گیا ہے تاکہ زیب و زینت سے منع کرنا نکاح سے روکنے کے لیے زیادہ موثر ہو۔ اور جب کہ عدتِ وفات میں عدت گزارنے والی عورت کا شوہر موجود نہیں ہوتا اور وہ اپنی بیوی کو کسی غلط کام سے روک نہیں سکتا، اس کے برخلاف طلاق دینے والا زندہ ہوتا ہے اور وہ اپنی مطلقہ بیوی کی حفاظت کرتا ہے، کیونکہ اس کا نسب اس کی وجہ سے ثابت ہوتا ہے، لہٰذا مطلقہ کے شوہر کے ہوتے ہوئے کسی اور روکنے والے کی ضرورت نہیں ہے۔ (المعلم ج ۱ ص ۴۶۵، مطبوعہ بیروت)

مفقود (جس عورت کا شوہر غائب ہو اور اس کی خبر معلوم نہ ہو) کی بیوی کی عدت کے متعلق فقہائے اسلام کی آراء

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ مفقود کی بیوی عدت کے دوران سوگ کرے گی، اور ابن الماجشون نے کہا: اس پر کوئی عدت نہیں ہے۔ (الاستذکار ج ۱۸ ص ۲۲۱، موسسۃ الرسالہ بیروت)

ام ولد کی عدت کا مسئلہ

شیخ ابن حزم ظاہری متوفی ۴۵۶ھ نے کہا ہے کہ یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ ام ولد کی عدت نہیں ہوتی، خواہ اس کو آزاد کر دیا جائے اور اس کا مالک فوت ہو چکا ہو، اور نہ کسی اور باندی کی عدت ہوتی ہے جس کا مالک فوت ہو چکا ہو یا اس کو آزاد کر چکا ہو، کیونکہ کتاب اور سنت میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے اور ان کے لیے جائز ہے کہ وہ جب چاہیں نکاح کر لیں۔

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ اپنی سند کے ساتھ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: تم ہمارے اوپر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو مشتبہ نہ کرو، جب ام ولد کا مالک فوت ہو جائے تو اس کی وہی عدت ہوتی ہے جو آزاد عورت کی عدت ہوتی ہے، اور وہ عدت چار ماہ دس دن ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۳۰۸)

اس حدیث کی تصریح کے مطابق ابن حزم ظاہری کا یہ کہنا غلط ہے کہ ام ولد کی کوئی عدت نہیں ہوتی۔

بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کرنے کی توجیہ

بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن اس لیے ہوتی ہے کہ چار ماہ کے دوران حمل کا پتا چل جاتا ہے، کیونکہ نطفہ رحم میں چالیس دن باقی رہتا ہے، پھر وہ نطفہ علقہ بن جاتا ہے یعنی جما ہوا خون، پھر وہ علقہ مضغہ بن جاتا ہے یعنی گوشت بن جاتا ہے، پھر چالیس دن کے بعد اس میں روح پھونک دی جاتی ہے، جیسا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے۔ (صحیح البخاری: ۳۲۰۸)

پھر جب یہ تین چالیس دن گزر گئے تو یہ چار ماہ کی مدت ہے، اس میں مزید دس دن کا اضافہ ہے تاکہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ اس عورت کو حمل ٹھہرا ہے یا نہیں، اس لیے بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کی گئی ہے کہ اگر اس کو حمل نہیں ٹھہرا تو پھر اس کی یہی عدت ہے اور اگر اس مدت کے دوران اس کا حمل ظاہر ہو گیا تو پھر اس کی عدت وضع حمل ہو گی۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۵ ص ۵۶۲-۵۶۵ ملخصاً وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

۵۳۳۶۔ قَالَتْ زَيْنَبُ وَسَمِعْتُ أُمَّ سَلَمَةَ تَقُولُ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ ابْنَتِي تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنَهَا أَفَتَكْحُلُهَا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا كُلَّ ذٰلِكَ يَقُولُ لَا ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّمَا هِيَ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ وَقَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِي بِالْبَعَرَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ۔

حضرت زینب نے کہا: اور میں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سنا، وہ بیان کرتی تھیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور اس نے کہا: یا رسول اللہ! بے شک میری بیٹی کا خاوند فوت ہو گیا ہے، اور اس کی آنکھ میں تکلیف ہے، کیا وہ اپنی آنکھ میں سرمہ لگا لے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! دو مرتبہ یا تین مرتبہ اس نے پوچھا تو آپ نے ہر مرتبہ فرمایا: نہیں، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کی عدت تو چار ماہ دس دن ہے اور تم میں سے کوئی ایک عورت زمانہ جاہلیت کے اندر ایک سال کے بعد اونٹ کی مینگنی کو پھینک دیتی تھی۔

(صحیح البخاری: ۵۳۳۸، ۵۷۰۶، صحیح مسلم: ۱۴۸۹، سنن ترمذی: ۱۱۹۷، سنن نسائی: ۲۵۳۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۴، موطا امام مالک: ۱۲۷۰)

۵۳۳۷ـ قَالَ حُمَيْدٌ فَقُلْتُ لِزَيْنَبَ وَمَا تَرْمِي بِالْبَعْرَةِ عَلَى رَأْسِ الْحَوْلِ فَقَالَتْ زَيْنَبُ كَانَتِ الْمَرْأَةُ إِذَا تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا دَخَلَتْ حِفْشًا وَلَبِسَتْ شَرَّ ثِيَابِهَا وَلَمْ تَمَسَّ طِيبًا حَتّٰى تَمُرَّ بِهَا سَنَةٌ ثُمَّ تُؤْتَى بِدَابَّةٍ حِمَارٍ أَوْ شَاةٍ أَوْ طَائِرٍ فَتَفْتَضُّ بِهِ فَقَلَّمَا تَفْتَضُّ بِشَيْءٍ إِلَّا مَاتَ ثُمَّ تَخْرُجُ فَتُعْطٰى بَعَرَةً فَتَرْمِي ثُمَّ تُرَاجِعُ بَعْدُ مَا شَاءَتْ مِنْ طِيبٍ أَوْ غَيْرِهِ سُئِلَ مَالِكٌ مَا تَفْتَضُّ بِهِ قَالَ تَمْسَحُ بِهِ جِلْدَهَا۔

(موطا امام مالک:۱۲۷۰)

حُمید نے کہا: میں نے حضرت زینب سے پوچھا: وہ ایک سال کے بعد اونٹ کی مینگنی کو کس طرح پھینکتی تھیں، تو حضرت زینب نے بتایا کہ جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تو وہ کسی جھونپڑی میں داخل ہو جاتی اور بہت خراب کپڑے پہن لیتی، اور خوشبو نہ لگاتی حتیٰ کہ ایک سال گزر جاتا، پھر کسی جانور کو لایا جاتا، گدھے کو یا بکری کو یا پرندے کو، وہ اس کے ساتھ اپنے آپ کو رگڑتی، بعض اوقات جب وہ اپنا جسم اس کے ساتھ رگڑتی تو وہ جانور مر جاتا، پھر وہ عورت جھونپڑی سے نکلتی، سو اس کو اونٹ کی مینگنی دی جاتی، وہ اس اونٹ کی مینگنی کو پھینک دیتی، پھر اس کے بعد وہ جس طرح چاہتی خوشبو لگاتی اور زیب وزینت اختیار کرتی (یعنی وہ ایک سال کی مدت اس حالت میں گزارتی اور ایک سال کے بعد کسی جانور سے اپنا جسم رگڑنے کے بعد اونٹ کی مینگنی کو پھینک دیتی تو اس کی عدت ختم ہو جاتی اور پھر وہ زیب وزینت اور خوشبو کو اختیار کر لیتی۔ سعیدی غفرلہ) امام مالک سے سوال کیا گیا: وہ جانور سے کس طرح اپنے آپ کو رگڑتی تھی تو انہوں نے بتایا کہ وہ اس جانور کے ساتھ اپنی کھال کو رگڑتی تھی۔

زمانہ جاہلیت کی عدت کا طریقہ

غیر مقلد عالم شیخ وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی وہ عورت بھوتنی کی صورت میں ہوتی، بال اور ناخن بڑھے ہوئے، میلی کچیلی غلیظ۔ وہ نہ نہاتی تھی، نہ کپڑے بدلتی تھی، اور نہ ناخن کاٹتی تھی، کم بخت سال بھر اس پورے حال میں رہنے کی وجہ سے وہ عورت کیا معلوم ہوتی، بھوتنی معلوم ہوتی، اس کے بدن پر تمام زہریلا مادہ میل کچیل جم جاتا، اور یہی وجہ تھی کہ جانور پر اپنا بدن رگڑنے کے بعد وہ بیچارہ جانور مر جاتا۔ واہ رے جہالت، اپنی جان کو بھی تکلیف دی، اوپر سے ایک بے چارے جانور کی بھی جان لی۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ جانور کے ساتھ اپنی شرمگاہ کو رگڑتی اور بعض علماء نے کہا ہے کہ وہ دوڑ کر اپنے ماں باپ کے گھر میں چلی جاتی، کیونکہ اس کو اپنا حال دیکھ کر شرم آتی، کہیں دوسرے لوگ دیکھیں گے، اور بعض نے کہا ہے کہ وہ اپنا سوگ اس جانور سے توڑتی، اور بعض نے کہا ہے کہ وہ غسل کر کے پاک صاف ہوتی۔ ان علماء نے یہ حدیث میں مذکور "تفتض" کی شرح میں بیان کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم چار ماہ دس دن کی عدت کو اپنے اوپر بوجھ سمجھ رہی ہو، اور زمانہ جہالت کی عدت کی تکلیفوں کو بھول گئیں، اول تو اس میں سال بھر تک انتظار کرنا، ثانی کسی دوسرے ایسے خراب جھونپڑے میں ایک سال تک

اور ایسے پھٹے پرانے بدبودار کپڑوں کے ساتھ رہنا، یہ کتنی شدید مصیبت تھی، اور اسلام کے زمانہ میں جو تم کو آسانی حاصل ہوئی ہے، اس کی تم قدر نہیں کرتیں، اب چار مہینے دس دن بھی تم سے صبر نہیں کیا جاتا۔ اتنے دن اسی حال میں بھی گزر جائیں، اگر سرمہ نہ لگاؤ گی تو کیا مر جاؤ گی۔ (تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۵۲، نعمانی کتب خانہ لاہور جون ۱۹۹۰ء)

بیوہ عورت کو عدت کے دوران سرمہ لگانے کی ممانعت کے متعلق علماء کے نظریات

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے: اس حدیث میں بیوہ عورت کو عدت کے دوران جو سرمہ لگانے سے منع فرمایا ہے، یہ ممانعت بہ طور تحریم نہیں ہے، یعنی یہ نہی تحریمی نہیں ہے بلکہ نہی تنزیہی ہے اور اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ یہ نہی تحریم کے لیے ہے تو یہ اس وقت ہے کہ جب سرمہ لگانے کی ضرورت نہ ہو، لیکن جب سرمہ لگانے کی ضرورت ہو تو پھر بیوہ عورت سرمہ لگا سکتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دین میں آسانی ہے، مشکل نہیں ہے۔ یعنی جب شدید ضرورت اور احتیاج نہ ہو تو پھر بیوہ عورت کو عدت کے دوران سرمہ لگانے کی ممانعت ہے اور جب شدید ضرورت اور احتیاج ہو تو پھر اس کو سرمہ لگانے کی رخصت ہے۔ یعنی اس کے لیے سرمہ لگانا بہ طور زینت کے ممنوع ہے اور بہ طور علاج معالجہ کے ممنوع نہیں ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے، اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ بیوہ عورت کو حالتِ سوگ میں سرمہ لگانے سے منع کیا گیا ہے، خواہ اس کو سرمہ لگانے کی ضرورت ہو یا نہ ہو، لیکن علامہ نووی کی اس عبارت پر یہ رد کیا گیا ہے کہ احکامِ شرعیہ میں ضرورت مستثنیٰ ہوتی ہے۔

اس دور میں سرمہ لگانے کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ آنکھ بہت نازک عضو ہے، اس کی بہت حفاظت کرنا چاہیے اور سرمہ لگانے سے پہلے کسی آنکھوں کے ماہر ڈاکٹر سے مشورہ کرنا چاہیے کہ آیا سرمہ لگانے سے اس کی آنکھوں میں کوئی ضرر تو نہیں ہوگا، اگر کوئی آنکھوں کا اسپیشلسٹ سرمہ لگانے سے منع کرے تو پھر سرمہ نہیں لگانا چاہیے کیونکہ اس دور میں ویسے بھی جو حکیمانہ دوائیاں اور میک اپ کا سامان بنایا جاتا ہے، اس میں احتیاط کے تقاضوں کو پیشِ نظر نہیں رکھا جاتا اور ان چیزوں کے استعمال سے اکثر انسان نقصانات سے دوچار ہوتا ہے، لہٰذا کسی ماہر ڈاکٹر کی اجازت کے بغیر بہتر ہے کہ آنکھوں میں سرمہ لگانے سے احتراز کیا جائے۔ (سعیدی غفرلہ)

بیوہ عورت کے لیے سرمہ لگانے کی دو متعارض حدیثوں میں تطبیق

موطا امام مالک میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ تم رات کو سرمہ لگاؤ اور دن میں اس کو پونچھ کر صاف کردو۔ اور حدیثِ مذکور میں مطلقاً بیوہ عورت کو سرمہ لگانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، ان دو حدیثوں میں اس طرح تطبیق دی گئی ہے کہ جب اسے سرمہ لگانے کی ضرورت نہ ہو یعنی کسی بیماری کے علاج کے لیے اسے سرمہ لگانے کی ضرورت نہ ہو تو پھر اس کے لیے سرمہ لگانا جائز نہیں ہے اور اگر کسی بیماری کے علاج کے لیے اسے سرمہ لگانے کی ضرورت ہے تو دن میں اس کے لیے سرمہ لگانا جائز نہیں ہے اور رات میں وہ سرمہ لگا سکتی ہے۔

دوسری تطبیق یہ ہے کہ صحیح بخاری کی اس حدیث میں جو بیوہ عورت کو سرمہ لگانے سے منع کیا ہے، اس کا محمل یہ ہے کہ جب اس کی آنکھوں میں کوئی خوف نہ ہو، لیکن اس توجیہ کا رد کیا گیا ہے کہ شعبی کی روایت میں ہے کہ اس عورت کے گھر والوں کو اس کی آنکھوں پر خطرہ تھا اور ابن مندہ کی روایت میں ہے: اس کی آنکھوں میں سخت تکلیف تھی اور اس کی بینائی میں خطرہ تھا، پھر بھی آپ نے دو مرتبہ یا تین مرتبہ اس کو سرمہ لگانے سے منع فرمایا۔

اور ایک قول یہ ہے کہ سرمہ لگانا جائز ہے خواہ اس میں خوشبو ہو اور انہوں نے کہا کہ اس حدیث میں نہی تنزیہی ہے۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ عورت کو عدت کے دوران مخصوص سرمہ لگانے سے منع فرمایا ہے جس سرمہ سے عورتیں زینت حاصل کرتی ہیں۔

چار ماہ دس دن کے تعین کی توجیہ

شریعت میں بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کی گئی ہے، کہا گیا ہے کہ اس کی حکمت یہ ہے کہ ایک سو بیس (۱۲۰) دن کے بعد بچہ کی خلقت مکمل ہوتی ہے اور پھر اس میں روح پھونک دی جاتی ہے۔ اور کبھی چاند کم و بیش دن کا ہوتا ہے تو بطریقِ احتیاط عدت چار ماہ دس دن مقرر کی گئی ہے اور عشر کا لفظ مونث ہے، اس سے مراد راتیں ہیں اور راتوں کے ساتھ دن کا بھی شمار ہے۔ پس عورت عدت سے اس وقت تک باہر نہیں آئے گی جب تک کہ گیارہویں رات شروع نہ ہو جائے۔

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ اور مبہم عبارات کی شرح

اس حدیث میں مذکور ہے "قال حُمید:"، اس حدیث کے راوی کا نام ہے حُمید بن رافع۔

"فقلت لزینب": اس سے مراد ہے حضرت زینب بنت ام سلمہ۔

"وما ترمی بالبعرۃ": یعنی مجھے بتائیں کہ اس حدیث میں عورت سے خطاب کر کے کہا گیا ہے کہ تم اونٹ کی مینگنی مارتی تھیں۔

"حفشا": امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث متوفی ۲۷۵ھ نے امام مالک کی سند سے روایت کی ہے کہ اس سے مراد ہے بیت صغیر، یعنی کوٹھڑی۔ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ، نے کہا ہے کہ حفش سے مراد ہے بیت ذلیل، یعنی اس سے مراد وہ جھونپڑی ہے جس میں عدت گزارنے والی اپنا سامان وغیرہ رکھتی ہے، ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے بیت صغیر حقیر، دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد ہے بیت صغیر ضیق، یعنی اتنا تنگ اور چھوٹا گھر جس میں کوئی انسان کروٹ بھی نہ بدل سکے۔ علامہ حمد بن محمد خطابی نے کہا ہے کہ جھونپڑی کو حفش اس لیے کہا ہے کہ یہ تنگ ہوتا ہے اور اس کی دیواریں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہوتی ہیں۔

اس کے بعد حدیث میں ہے "ثم تؤتی بدابۃ": یعنی اس عورت کے پاس پھر ایک جانور کو لایا جاتا ہے جو گدھا ہوتا ہے یا بکری ہوتی ہے یا پرندہ ہوتا ہے، اس میں او کا لفظ تنویع کے لئے ہے، اور جانوروں پر دابۃ کا اطلاق لغوی اعتبار سے ہے عرفی اعتبار سے نہیں ہے۔

"فتفتض بہ": علامہ خطابی نے کہا ہے: یہ لفظ فضضت الشیء سے ماخوذ ہے، یعنی جب تم کسی چیز کو توڑ ڈالو اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو، یعنی وہ معتدہ اپنے جسم کو اس جانور کے ساتھ رگڑ کر عدت کو توڑ ڈالتی ہے اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی ہے۔

علامہ القتبی نے کہا ہے: میں نے علماء حجاز سے اس لفظ کے معنی کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا: عدت گزارنے والی عورت

غسل نہیں کرتی تھی اور پانی کو نہیں چھوتی تھی اور نہ اپنے ناخن کاٹتی تھی اور ایک سال کے بعد انتہائی قبیح منظر کے ساتھ اس جھونپڑی سے باہر آتی تھی، پھر وہ پرندے کو اپنی فرج کے ساتھ رگڑتی جس سے وہ زندہ نہیں رہتا تھا، اور ابن وہب نے کہا: وہ اپنے ہاتھ کو اس کی پشت پر رگڑتی، پھر اس کے بعد صاف پانی سے نہاتی حتیٰ کہ صاف وشفاف ہو جاتی اور الخلیل نے کہا ہے: ''الفضض'' کا معنی ہے: میٹھا پانی، کہا جاتا ہے ''افتضضت بہ'' یعنی میں نے میٹھے پانی کے ساتھ غسل کیا۔

''فتعطی بعرۃ فترمی بھا'': یعنی اس عدت گزارنے والی عورت کو اونٹ کی مینگنی دی جاتی اور وہ اس مینگنی کو پھینکتی۔

ابن الماجشون نے امام مالک سے روایت کی ہے کہ عورت بکری کی مینگنی پھینکتی یا اونٹنی کی مینگنی پھینکتی اور اس کو اپنے سامنے ڈالتی، اور یہ اس کی علامت ہوتی کہ اس کی عدت پوری ہوگئی ہے اور ابن وہب کی روایت ہے کہ وہ بکری کی مینگنی اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینکتی، ایک قول یہ ہے کہ اونٹنی یا بکری کی مینگنی کو پھینکنے میں یہ اشارہ ہے کہ اس نے جو اتنے دن مشقت اٹھا کر صبر کیا اور عدت گزاری تو اونٹنی کی مینگنی پھینک کر اس نے اس عدت کو ختم کرنے کا استخفاف کیا اور استحقار کیا اور اپنے خاوند کے حق کی تعظیم کی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اس لیے اونٹنی کی مینگنی کو پھینکتی ہے تاکہ اس میں یہ شگون ہو کہ وہ دوبارہ اس مصیبت میں مبتلا نہیں ہوگی۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵-۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

بیوہ عورت کے سرمہ لگانے کے متعلق فقہاءِ اسلام کی آراء

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میری بیٹی کا شوہر فوت ہو گیا ہے اور اس کی آنکھوں میں تکلیف ہے تو کیا وہ سرمہ لگا لے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ فرمایا: نہیں۔ (صحیح البخاری: ۵۳۳۶)

ابراہیم نخعی اور عطاء اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی اور امام مالک نے کہا ہے کہ اگر کوئی عورت مرض کی وجہ سے مجبور ہو تو وہ رات کے اندر سرمہ لگا لے اور دن کے اندر سرمہ کو پونچھ لے، اور ان کا استدلال حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث مذکور سے ہے۔

(المنتقی للباجی مالکی ج ۴ ص ۱۴۵)

اور بعض فقہاء نے کہا ہے کہ اضطرار کی صورت میں بیوہ عورت کے لیے سرمہ لگانا جائز ہے، خواہ اس میں خوشبو بھی ہو اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ رات کے وقت اس سرمہ کو لگانا جائز ہے جس میں خوشبو نہ ہو۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو بیوہ عورت کو حالتِ سوگ میں سرمہ لگانے سے منع فرمایا ہے، تو ہو سکتا ہے کہ یہ ممانعت تنزیہہ کے لیے ہو، علاوہ ازیں اس وقت اس کی آنکھوں کے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

بیوہ عورت کی عدت کے متعلق قرآن مجید کی دو آیات

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (البقرہ: ۲۴۰)

اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور (گھر سے) نہ نکالا جائے، پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر (ان کے) اس کام میں کوئی گناہ نہیں ہے، جو انہوں نے دستور

کے مطابق کیا ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O

اس آیت میں فرمایا کہ جو لوگ موت کی آہٹ کو محسوس کریں یا قریب المرگ ہوں، وہ اپنی بیویوں کے لیے یہ وصیت کریں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالا جائے، جمہور فقہاء اور مفسرین کے نزدیک یہ آیت سورہ بقرہ کی اس آیت سے منسوخ ہے جس میں فرمایا ہے: تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں وہ (عورتیں) اپنے آپ کو چار ماہ دس دن تک (عقد ثانی) سے روکے رکھیں۔ (البقرہ: ۲۳۴) اور وہ آیت درج ذیل ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (البقرہ: ۲۳۴)

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں، اور جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں، تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لیے کریں، اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے O

اس آیت میں غیر حاملہ کے لیے عدتِ وفات چار ماہ دس دن بیان کی گئی ہے۔ عدت خواہ کوئی بھی ہو اس کے احکام شرعیہ یہ ہیں: مسلمان منکوحہ بالغہ عورت جب طلاقِ ثلاثہ مغلظہ کی عدت گزارے یا عدت وفات گزارے تو انقطاع نکاح پر افسوس کے اظہار کے لیے زینت ترک کر دے، زیورات اور ریشمی کپڑے نہ پہنے، باریک دندانوں کی کنگھی سے بال نہ سنوارے، خوشبو اور تیل نہ لگائے، سرمہ اور مہندی نہ لگائے، زعفران اور سرخ یا زرد رنگ کے کپڑے پہن سکتی ہے، ہاں! عذر کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک چیز کو اختیار کر سکتی ہے۔ (درمختار علی هامش الردج ا ص ۲۱۶-۲۱۷)

ان آیات کی تفسیر اور ان کی شرح مصنف نے ربط قائم کرنے کے لئے کی ہے۔

علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں: صحیح البخاری: ۵۳۳۶ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: عدت صرف چار ماہ دس دن ہے، اس ارشاد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت کو کم کر دیا ہے، اور عورتوں کو عدت گزارنے میں صبر کی تلقین کی ہے، اور اس حصر کا فائدہ یہ ہے کہ حاملہ کی عدت بھی اس مدت سے زیادہ نہیں ہے، اور اس میں امام مالک متوفی ۱۷۹ھ کا اختلاف ہے۔ نیز اس ارشاد میں یہ تصریح ہے کہ پہلے جو ایک سال تک عدت گزارنے کا حکم دیا تھا وہ حکم اب منسوخ ہو گیا ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایک پہلے زمانہ جاہلیت کے اندر سال پورا ہونے کے بعد اونٹ کی مینگنی پھینک دیتی تھی۔ (صحیح البخاری: ۵۳۳۸، ۵۷۰۶، صحیح مسلم: ۱۴۸۸)، سو اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرما دیا کہ پہلے عورتیں ایک سال تک عدت گزارتی تھیں، اور اب اللہ تعالیٰ نے تخفیف کر دی ہے اور ان کی عدت صرف چار ماہ دس دن مقرر فرما دی ہے۔

حافظ ابن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے: یہ دو آیتیں، ناسخ اور منسوخ میں سے ہیں، جن کے متعلق علماء کا اختلاف نہیں ہے اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔ سورۃ البقرہ: ۲۴۰ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ (البقرہ: ۲۴۰)

اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک خرچ

دیا جائے اور (گھر سے) نہ نکالا جائے۔

اس پر اجماع کہ ایک سال تک عدت گزارنے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے

یہ آیت جمہور کے نزدیک منسوخ ہے، اور اب یہ حکم نہیں ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی کے لیے ایک سال تک رہائش کی وصیت کرے، مگر ایک روایتِ شاذہ ہے از ابن ابی نجیح از مجاہد اور اس روایت کا کوئی متابع نہیں ہے اور کسی نے اس روایت کے متابع یہ قول نہیں کیا اور کسی نے یہ نہیں کہا کہ اب عدت چار ماہ دس دن سے زائد ہے نہ صحابہ میں سے، اور نہ تابعین میں سے اور نہ بعد کے فقہاء میں سے۔ پس اس پر اجماع ہو گیا اور اب خلاف مرتفع ہو گیا اور ایک سال تک عدت کا حکم چار ماہ دس دن کی عدت کے حکم سے اتفاقاً منسوخ ہو گیا۔

اور رہا رہائش اور خرچ کی وصیت کرنے کا حکم تو فقہاء نے کہا ہے: یہ وصیت کے احکام سے منسوخ ہو گیا، اور یہ فقہاء اکثر اہل حجاز ہیں اور رہے اہلِ عراق تو ان کے نزدیک یہ سنت سے منسوخ ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لا وصیۃ لوارث'' سو ان دو وجہوں میں سے جو وجہ بھی ہو، بہر حال اس پر اجماع ہے کہ ایک سال تک عدت گزارنے کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔

صحیح البخاری اور صحیح مسلم کی روایتوں میں تعارض اور صحیح مسلم کی روایت کو ترجیح

اس حدیث میں مذکور ہے کہ حضرت زینب نے کہا: میں حضرت ام حبیبہ کے پاس گئی، جب ان کے والد ابوسفیان فوت ہو گئے تھے اور صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت ام سلمہ کی بیٹی نے کہا کہ حضرت ام سلمہ کے بھائی فوت ہو گئے تھے۔

(صحیح مسلم: ۱۴۸۶، کتاب الطلاق باب وجوب الاحداد فی عدۃ الوفاۃ)

اسی طرح الجلودی وغیرہ کی روایت بھی ہے اور یہی درست ہے۔ اور ابن الحذاء کی روایت میں ہے کہ حضرت ام سلمہ کے بھائی فوت ہو گئے، یعنی حضرت ام حبیبہ کی جگہ حضرت ام سلمہ کے بھائی کا ذکر ہے، یعنی حضرت ام سلمہ کے بھائی فوت ہوئے تھے نہ کہ ام حبیبہ کے بھائی۔

اور اس حدیث کی امام ابوداؤد نے اپنی مراسیل میں روایت کی ہے، از عمرہ بن شعیب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہے، اور عمرو بن شعیب تابعی نہیں ہیں، لہٰذا اس حدیث کا مراسیل میں ذکر صحیح نہیں ہے۔

صحیح یہ ہے کہ عمرو بن شعیب تابعی ہیں اور انہوں نے حضرت ربیع بنت معوذ اور حضرت زینب بنت ام سلمہ سے رضی اللہ عنہا سے سماع کیا ہے۔ اور علامہ ابن ملقن نے یہ کلام علوم ابن الصلاح سے استفادہ کیا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، لہٰذا عمرو بن شعیب تابعی ہیں، اور انہوں نے بہ کثرت صحابہ سے سماع کیا ہے۔

حضرت زینب بنت ام سلمہ کا تذکرہ

حضرت زینب بنت ام سلمہ نے ان تینوں احادیث کی روایت کی ہے (یعنی صحیح البخاری، ۵۳۳۴، ۵۳۳۵، ۵۳۳۶)۔

ان کے والد ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد ہیں، یہ مخزومیہ ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ ہیں، یعنی آپ کی لے پالک ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کا نام برہ ہے اور یہ صحابیہ ہیں، ان سے حضرت عبداللہ بن زمعہ بن الاسود نے نکاح کیا تھا، پھر ان کے دو بیٹے یوم

الحرہ میں شہید کر دیے گئے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث روایت کی ہیں اور اپنی والدہ سے اور متعدد صحابہ سے، اور ان سے عروہ، اور ابو سلمہ نے احادیث کی روایت کی ہے۔ یہ تہتر (۷۳ھ) میں فوت ہو گئی تھیں۔

(معجم الصحابہ ج ٦ ص ۳۳۳۷، الاستیعاب ج ۴ ص ۴۴۱۰، اسد الغابہ ج ۷ ص ۱۳۱)

شارح بخاری علامہ ابن التین نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ حضرت زینب بنت سلمہ رضی اللہ عنہا کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت نہیں ہے، اور ان کے بھائی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، علامہ ابن التین کی یہ عبارت بہت عجیب ہے، اس سے اجتناب کرو۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ام المومنین ہیں، ان کا نام رملہ بنت ابوسفیان ہے، انہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، پھر ان کے خاوند وہاں فوت ہو گئے تھے، پھر حبشہ کے بادشاہ النجاشی نے ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر دیا۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مکتوب کے ذریعے سے حضرت نجاشی کو یہ اجازت دی تھی کہ وہ حضرت رملہ کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیں، اس سے یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ مرد ایک شہر میں ہو اور عورت دوسرے شہر میں ہو تو ان کے درمیان اس طرح نکاح ہو سکتا ہے کہ مرد دوسرے شہر میں کسی کو اپنا وکیل بنا دے خواہ خط کے ذریعے بنائے یا پیغام بھیج کر بنائے تو ان کا نکاح ہو سکتا ہے، آج کل جو طریقہ مروج ہے کہ مرد ایک شہر میں ہو اور عورت دوسرے شہر میں ہو تو ٹیلی فون کے ذریعے ان کے درمیان میں نکاح کر دیا جاتا ہے، یہ طریقہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ ضروری ہے کہ مجلسِ نکاح کے اندر دو گواہ موجود ہوں یا تو شوہر خود موجود ہو، یا اس کا وکیل موجود ہو، جب حضرت ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان کا نکاح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہاں موجود نہیں تھے لیکن آپ کے وکیل حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ وہاں موجود تھے اور انہوں نے آپ کا نکاح حضرت رملہ بنت ابی سفیان سے کر دیا۔ سعیدی غفرلہٗ)

حضرت ام حبیبہ کی والدہ کا نام صفیہ بنت ابی العاص بن امیہ ہے، اور حضرت ام حبیبہ سے ان کے بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور عنبسہ اور عروہ نے روایت کی ہے، اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا چوالیس (۴۴ھ) میں فوت ہو گئی تھیں۔

(الاستیعاب ج ۴ ص ۴۸۳، معرفۃ الصحابہ ج ٦ ص ۳۲۱٦، ۳۲۱۸، اسد الغابہ ج ۷ ص ۳۱۵، ۱۱۵)

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے:

عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّجْعَلَ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ عَادَیْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَ اللّٰهُ قَدِیْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

عنقریب اللہ تمہارے درمیان اور تمہارے دشمنوں کے درمیان محبت پیدا فرما دے گا، اور اللہ بہت قادر ہے اور اللہ بہت بخشنے والا، بے حد رحم کرنے والا ہے ○ (الممتحنۃ: ۷)

اس کی امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے۔

(الطبقات الکبریٰ ج ۸ ص ۹۹، الکامل الضعفاء لابن عدی ج ۳ ص ۴۹۸)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵٦۵، ۵٦۹ ملخصاً، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۳۴، ۵۳۳۵، ۵۳۳۶، ۵۳۳۷، کی شرح از علامہ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

تنبیہ: میں کہتا ہوں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح کا اکثر حصہ علامہ بدر الدین عینی حنفی اور علامہ ابن الملقن شافعی کی شرح میں آچکا ہے، تاہم جو بعض زائد امور ہیں، ان کو ہم لکھ رہے ہیں:

نابالغہ کے سوگ نہ کرنے پر فقہاء احناف کا استدلال اور حافظ ابن حجر عسقلانی کا جواب

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ان کے والد حضرت ابوسفیان بن حرب کی وفات ہوگئی تو حضرت ام حبیبہ نے ایک زرد رنگ کی خوشبودار کریم منگوائی اور ایک لڑکی نے ان کے رخساروں پر اس کو لگایا، پھر حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ اللہ کی قسم! مجھے خوشبو لگانے کی اب کوئی ضرورت تو نہیں ہے لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو عورت بھی اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لیے کسی میت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے، سوائے اپنے خاوند کہ جس پر وہ چار ماہ دس دن سوگ کرے گی۔ (صحیح البخاری: ۵۳۳۴)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

فقہاء احناف نے اس حدیث کے مفہوم مخالف سے استدلال کیا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اس عورت کو سوگ کرنے کی اجازت دی ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہو۔ اور عورت کا لفظ جو فرمایا ہے، اس سے نابالغ لڑکی نکل گئی، نیز فرمایا کہ وہ اللہ اور رسول پر ایمان رکھتی ہو یعنی مکلفہ ہو، اس قید سے بھی نابالغ لڑکی نکل گئی تو معلوم ہوا کہ سوگ کرنا صرف اس عورت پر واجب ہے جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہو اور نابالغہ کے لیے سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔

اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ نابالغہ لڑکی پر بھی اپنے شوہر کی موت کے اوپر سوگ کرنا واجب ہے، جس طرح نابالغہ لڑکی پر اس کے شوہر کی موت کی وجہ سے اس پر عدت واجب ہے اور انہوں نے کہا: اس حدیث میں عورت کی جو قید لگائی ہے یہ باعتبار اکثر اور غالب کے ہے اور غیر مکلفہ ہونے کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں نابالغہ لڑکی کا ولی مخاطب ہے، کیونکہ وہی اس کو عدت میں بیٹھنے کا بھی حکم دے گا اور سوگ کرنے کا بھی حکم دے گا اور آپ نے جو فرمایا کہ ہر وہ عورت جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتی ہو اس کے عموم میں مدخول بہا اور غیر مدخول بہا اور آزاد یا باندی یا جس کا بعض حصہ آزاد ہو یا جو مکاتب ہو یا جو ام ولد ہو وہ سب داخل ہیں، کیونکہ جب کسی باندی یا ام ولد کا مالک فوت ہو جائے تو اس کے اوپر بھی عدت کرنا واجب ہے اور اس کی موت پر سوگ کرنا واجب ہے، اور فقہاء احناف نے یہ کہا ہے کہ اس حدیث میں خاوند کی قید ہے کہ وہ صرف اپنے خاوند کی موت پر چار ماہ دس دن سوگ کرے گی تو اس سے معلوم ہوا کہ باندی کا مالک فوت ہو جائے یا ام ولد کا مالک فوت ہو جائے تو اس کے اوپر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔

ذمیہ کے خاوند پر سوگ کرنے کے وجوب میں فقہاء اسلام کا اختلاف

حدیث مذکور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ''ہر وہ عورت جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو''، اس سے فقہاء احناف نے یہ استدلال کیا ہے کہ ذمیہ عورت کا خاوند اگر فوت ہو جائے تو اس پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں ایمان کی

قید ہے اور بعض مالکیہ اور ابوثور کا بھی یہی قول ہے اور اسی کے موافق امام نسائی نے باب قائم کیا ہے اور جمہور فقہاء نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ مبالغہ میں تاکید کے لیے فرمایا ہے اور اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔ اور نیز سوگ کرنا خاوند کا حق ہے اور یہ عدت کے ساتھ ملا ہوا ہے، لہٰذا کافرہ بھی اس معنی میں داخل ہے جیسا کہ کافر اس ممانعت میں داخل ہے کہ وہ اپنے بھائی کی بیع پر بیع نہ کرے، اور علامہ سبکی نے اپنے فتاویٰ میں بعض فقہاء سے نقل کیا ہے کہ ذمیہ بھی اس حدیث میں داخل ہے کہ اللہ پر ایمان لائے اور آخرت پر ایمان لائے۔ نیز اس حدیث میں ارشاد ہے" کہ عورت کسی میت پر سوگ نہ کرے سوائے اپنے خاوند کے"، اس حدیث میں میت کی قید سے مفقود الخبر نکل گیا ہے کیونکہ مفقود الخبر کی موت متحقق نہیں ہے، لہٰذا مفقود الخبر پر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۸۵-۴۸۶، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۳۸-۵۳۹، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

میں کہتا ہوں کہ نابالغہ پر سوگ کے واجب نہ ہونے پر علامہ کورانی نے دلائل پیش کیے ہیں، جن کا ہم نے ان کی شرح میں تفصیل سے ذکر کر دیا ہے، سو احناف کے موقف پر دلائل علامہ کورانی حنفی کی شرح میں ملاحظہ فرمائیں جو عنقریب آئے گی۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صغیرہ نابالغہ کے سوگ پر دلائل

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس مسئلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

زہری نے کہا: میری یہ رائے نہیں ہے کہ جس کم سن لڑکی کا خاوند فوت ہو گیا ہو، وہ خوشبو لگائے، کیونکہ اس پر عدت واجب ہے، شیخ عثیمین نے کہا: زہری کے اس قول میں یہ دلیل ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو، خواہ وہ کم سن ہو اور پالنے اور پنگوڑہ میں ہو یعنی مہد میں ہو، اس پر بھی عدت واجب ہے اور سوگ کرنا واجب ہے۔ پس اگر کوئی انسان کسی بچی سے اس کے پالنے میں نکاح کرے اور وہ فوت ہو جائے تو اس بچی کے اوپر عدت بھی واجب ہے اور اس پر سوگ بھی واجب ہے اور وہ کسی زینت کو اختیار نہیں کرے گی اور نہ خوشبو کے قریب جائے گی، کیونکہ اس پر عدتِ وفات اور سوگ کرنا واجب ہے۔ اور اگر اس کا خاوند اس کو طلاق دے دے تو اس کے اوپر عدت واجب نہیں ہے حتیٰ کہ اس کا خاوند اس کے ساتھ خلوت کرے، اگر اس کے خاوند نے اس کو پکڑا اور وہ پالنے میں بچی تھی اور اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھا اور اس سے کھیلنے لگا تو اس پر عدت نہیں ہے۔ اور اگر اس نے اس کو طلاق دے دی تو اس خلوت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، کیونکہ خلوت اسی کے ساتھ معتبر ہوتی ہے کہ جس کے ساتھ وطی کی جا سکے لیکن عدتِ وفات میں اس کم سنی کے باوجود عدت واجب ہوتی ہے، تو اس بچی کا ولی اس کو حکم دے گا کہ وہ بناؤ سنگھار کی ان چیزوں سے اجتناب کرے جن سے سوگ کرنے والی عورت اجتناب کرتی ہے۔

سوال: کیا جو لڑکی سات سال سے کم عمر کی ہو اس کا عقدِ نکاح کرنا صحیح ہے؟

جواب: ہاں! اس کا نکاح صحیح ہے، کیونکہ اس کا قبول کرنا اس کے باپ کی طرف سے ہوگا، لیکن جو باپ کا غیر ہو، اس کے لیے اس کا نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

باپ یا بھائی اور دیگر رشتہ داروں پر سوگ کرنے کا جواز

صحیح البخاری: ۵۳۳۴، سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ کسی عورت کے لیے جائز ہے کہ جب اس کا کوئی قریبی رشتہ دار باپ یا بھائی یا اس کی مثل فوت ہو جائے تو اس پر تین دن سوگ کر سکتی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خاوند کے سوا کسی پر بھی تین دن سے زیادہ سوگ

کرنے سے منع فرمایا ہے اور خاوند کے اوپر چار ماہ دس دن سوگ کرنے کو لازم فرمایا ہے۔

سوال: اس حدیث میں یہ قید ہے کہ وہ عورت اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو، تو وہی اپنے خاوند کی موت پر چار ماہ دس دن سوگ کرے گی، اور خاوند کے علاوہ کسی کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہیں کرے گی، تو کیا اس میں یہ دلیل ہے کہ کافرہ اپنے کسی عزیز اور رشتہ دار کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کر سکتی ہے؟

جواب: نہیں! کیونکہ یہ وصف برانگیختہ کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے، یعنی اگر وہ حقیقتاً ایمان رکھتی ہے تو وہ ایسا نہیں کرے گی، اور یہ اس پر دلیل ہے کہ اپنے کسی رشتہ دار کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا گناہِ کبیرہ ہے، کیونکہ ایسا کرنے والے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی نفی کی ہے۔

سوال: کیا اسی طرح مرد کے لیے بھی جائز ہے کہ وہ اپنے کسی رشتہ دار کی موت پر تین دن سوگ کرے؟

جواب: علماء نے کہا ہے کہ ہاں مرد بھی اپنے کسی رشتہ دار کی موت پر تین دن یا اس سے کم سوگ کر سکتا ہے، کیونکہ جب عورت کے لیے اجازت دی گئی ہے تو یہ اجازت مرد کو بھی شامل ہے، کیونکہ انسان کو اپنے کسی رشتہ دار کی موت سے غم ہوتا ہے اور وہ اپنے کسی رشتہ دار کی موت کے اوپر مجلس میں اسی طرح ہنسی خوشی نہیں رہے گا جس طرح اس کی زندگی میں ہنسی خوشی کے ساتھ رہتا تھا، لیکن تین دن سے زیادہ اس کا اپنے کسی رشتہ دار کی موت کے اوپر غم کرنا اور لوگوں سے ہنسی خوشی کے ساتھ نہ ملنا یہ جائز نہیں ہے۔

جاہلوں کی بعض رسموں پر شیخ عثیمین کا رد اور ابطال

بعض جاہل لوگ یہ کرتے ہیں کہ جب ان کا کوئی رشتہ دار فوت ہو جاتا ہے تو وہ اس پر چالیس دن تک یا اس سے زیادہ مدت تک ماتم کرتے ہیں، اور یہ عقلی طور پر جہالت ہے اور دین میں گمراہی ہے، کیونکہ اس سے نہ میت کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے اور نہ زندہ کو، کیونکہ اگر وہ اپنے غم میں صادق ہو، تو اس سے اس کا غم اور تازہ ہوتا ہے، اسی وجہ سے کبھی کبھی شیطان اس کے پاس میت کی صورت میں آتا ہے، تاکہ اس کا غم تازہ ہو جائے اور وہ اس سے پوچھتا ہے: کیا تم نے میرے باپ کو دیکھا یا میرے چچا کو دیکھا یا میرے بھائی کو دیکھا، میں اس کے لیے کیا کروں، کیا میں اس کے لیے صدقہ کروں یا اس کے لیے نماز پڑھوں یا کیا کروں؟ ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسا کچھ نہ کریں کیونکہ یہ صرف شیطان اس میت کے غم کو تازہ کرنے کے لیے ایسا کرتا ہے۔

شیخ عثیمین کی عبارت پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ کسی فوت شدہ انسان پر غم ہونا فطری بات ہے، اور وہ اپنے کسی فوت شدہ عزیز کے لیے صدقہ اور خیرات کرے اور ایصالِ ثواب کرے تو ان چیزوں کا ثبوت قرآن اور سنت میں موجود ہے۔

کسی عزیز کی موت پر غم کا ثبوت

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو سیف لوہار کے پاس گئے، جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دایہ کے شوہر تھے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم کو اٹھایا ان کو بوسہ دیا، ان کو سونگھا، پھر وہ اس کے بعد داخل ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی جان اللہ کو سپرد کر رہے تھے، تو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، تو ان سے عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ بھی؟، آپ نے فرمایا: اے ابن عوف! یہ آنسو رحمت ہیں، پھر آپ نے فرمایا کہ آنکھ سے آنسو نکلتے ہیں اور دل غمزدہ ہوتا ہے اور ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی ہو، اور اے ابراہیم! ہم تمہارے فراق پر غمزدہ ہیں۔

(صحیح البخاری: ۱۳۰۳، صحیح مسلم: ۲۳۱۵، سنن ابوداؤد: ۳۱۲۶، سنن ابن ماجہ: ۱۵۸۹، مسند احمد: ۱۲۶۰۲)

قرآن مجید سے ایصال ثواب کا ثبوت

اللہ تعالیٰ والدین کے لیے دعا کرنے کا حکم دیتا ہے:

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿٢٤﴾ (اسراء: ۲۴) اور کہو کہ اے میرے رب میرے والدین پر رحم فرما، جس طرح انہوں نے میرے بچپن میں میری پرورش کی ہے O

جس طرح اولاد کی دعا سے والدین کو نفع پہنچتا ہے، اسی طرح اولاد کے ایصال ثواب سے بھی والدین کو نفع پہنچتا ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ۔ اے ہمارے رب! ہماری بخشش فرما اور ہمارے ان مسلمان بھائیوں کی جو ہم سے پہلے فوت ہو چکے ہیں۔ (حشر: ۱۰)

اس آیت میں مسلمانوں کے فوت شدہ بھائیوں کے لیے دعا کا ذکر ہے، اور جس طرح مسلمانوں کی دعا سے مسلمان میت کو فائدہ پہنچتا ہے، اسی طرح مسلمانوں کے دیگر نیک اعمال سے بھی مسلمان میت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اور قرآن مجید کی وہ تمام آیات جن میں دوسروں کے لئے شفاعت کا ذکر ہے، ایصال ثواب کی واضح دلیل ہیں۔

احادیث اور آثار سے ایصال ثواب کا ثبوت

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میری ماں اچانک فوت ہو گئیں اور میرا گمان یہی ہے کہ اگر وہ کچھ بات کر سکتیں تو صدقہ کرتیں، اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کردوں تو کیا ان کو اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

نیز امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی والدہ فوت ہو گئیں اور وہ موجود نہ تھے، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں غائب تھا اور میری والدہ فوت ہو گئیں، اگر میں ان کی طرف سے کچھ صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں! انہوں نے کہا کہ میں آپ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے اپنا پھلوں والا باغ اپنی والدہ کی طرف صدقہ کر دیا۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی ۱۳۸۱ھ)

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

حضرت سعد بن عبادہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: یارسول اللہ! سعد کی والدہ فوت ہو گئیں، پس کس چیز کا صدقہ کرنا سب سے افضل ہے، آپ نے فرمایا: پانی کا، انہوں نے کنواں کھودا اور کہا: یہ سعد کی ماں کے لئے ہے۔ (سنن ابوداؤد ج ۱ ص ۲۳۶، مطبوعہ

مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت سعد بن عبادہ نے اپنی ماں کی طرف سے باغ بھی صدقہ کیا اور کنواں بھی صدقہ کر دیا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قربانی کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو سینگوں والے سرمئی خصی مینڈھے ذبح کیے، جب آپ نے ان کو قبلہ کے رخ گرایا تو آپ نے یہ دعا پڑھی:

انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین، ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین لا شریك له وبذالك امرت وانا من المسلمین، اللهم منك ولك عن محمد وامته بسم الله والله اکبر، اس کے بعد آپ نے ذبح کیا۔ (سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

امام ابوداؤد کی ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں:

"اے اللہ! محمد، آل محمد اور امت محمد کی طرف سے اس کو قبول فرما۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

حنش کہتے ہیں: میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو مینڈھے ذبح کرتے ہوئے دیکھا، میں نے کہا: یہ کیا ہیں؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت کی تھی کہ میں آپ کی طرف سے قربانی کیا کروں، پس میں آپ کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۹-۳۰، مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور، ۱۴۰۵ھ)

امام دارقطنی روایت کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص فوت ہو جائے اور اس پر روزے ہوں، اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھے، یہ اسناد صحیح ہے (یعنی روزوں کا فدیہ دے)۔

(سنن دارقطنی ج ۲ ص ۱۹۵، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت نے آ کر کہا: میری بہن فوت ہو گئی اور اس پر روزے ہیں، آپ نے فرمایا: اگر اس پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتیں؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا قرض ادائیگی کا زیادہ حق دار ہے۔ (سنن دارقطنی ج ۲ ص ۱۹۵، مطبوعہ نشر السنہ ملتان)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا: میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی، اور وہ حج کرنے سے پہلے فوت ہو گئی، کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ آپ نے فرمایا: ہاں اس کی طرف سے حج کرو، یہ بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر قرض ہوتا تو کیا تم ادا کرتیں؟ اس نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: پھر اللہ کا قرض ادا کرو، کیونکہ وہ ادا کیے جانے کا زیادہ حق دار ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۸۸، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع کراچی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۸۱ھ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: یا رسول اللہ! میری والدہ فوت ہو گئیں اور انہوں نے کوئی وصیت نہیں کی، اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں تو کیا ان کو نفع پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا: ہاں، اور تم پانی کا صدقہ کرو، اس کو طبرانی نے روایت کیا اور اس کی سند صحیح ہے۔ (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۸، مطبوعہ دار الکتاب العربی، ۱۴۰۲ھ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص نفلی صدقہ کرے اور اس کو اپنے والدین کی طرف سے کردے تو اس کے والدین کو اس کا اجر ملتا ہے اور اس کے اجر سے کچھ کمی نہیں ہوتی، اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کی سند میں خارجہ بن مصعب ضعیف راوی ہے۔

(مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۳۸-۱۳۹، مطبوعہ دار الکتاب العربی، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۲ھ)

امام بخاری روایت کرتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ موت کے بعد میت کے لیے ایک درجہ بلند کیا جائے گا، وہ کہے گا: اے رب! یہ کیا ہے؟ پس کہا جائے گا: تیرے بیٹے نے تیرے لیے بخشش کی دعا کی ہے! (الادب المفرد ص ۲۰-۲۱، مطبوعہ المکتبۃ الاثریہ، سانگلہ ہل)

ایصالِ ثواب کے متعلق علماء غیر مقلدین کا نظریہ

نواب صدیق حسن خان بھوپالی کہتے ہیں:

زندہ انسان، نماز، روزہ، تلاوت قرآن، حج اور دیگر عبادات کا جو ثواب میت کو ہدیہ کرتا ہے وہ میت کو پہنچتا ہے، اور زندہ انسان کا اپنے فوت شدہ بھائی کے لیے یہ عمل نیکی، احسان اور صلہ رحمی کے قبیل سے ہے، اور تمام مخلوقات میں جس کو نیکی اور احسان کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، وہ میت ہے جو تحت الثریٰ میں رہتے ہیں، اور اب نیک اعمال کرنے سے عاجز ہے، پھر اپنے فوت شدہ بھائی کے لیے عبادات کا ہدیہ پیش کرنا ایک نیکی ہے اور ہر نیکی کا دس گنا اجر ملتا ہے، سو جو شخص میت کے لیے ایک دن کے روزے یا قرآن مجید کے ایک پارے کی تلاوت کا ہدیہ پیش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو دس روزوں اور دس پاروں کا اجر عطا فرمائے گا۔

اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ اپنی عبادات کو دوسروں کے لیے ہدیۃً پیش کرنا اس سے بہتر ہے کہ انسان ان عبادات کا اپنے لیے ذخیرہ کرے، یہی وجہ ہے کہ جس صحابی نے کہا تھا کہ میں اپنی دعا کا تمام وقت آپ پر صلوٰۃ پڑھنے میں صرف کروں گا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ تمہارے لیے کافی ہے! یہ وہ صحابی ہیں جو بعد کے تمام لوگوں سے افضل ہیں، پھر اس قول کا کیا جواز ہے کہ سلف صالحین نے فوت شدہ لوگوں کے لیے ایصالِ ثواب نہیں کیا! کیونکہ اس قسم کے ایصالِ ثواب کے لیے لوگوں کی شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ سلف صالحین نے ایصالِ ثواب نہیں کیا تھا تو اس سے ایصالِ ثواب میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ یہ مستحب ہے، واجب نہیں ہے اور ہمارے لیے ایصالِ ثواب کے جواز کی دلیل موجود ہے خواہ ہم سے پہلے کسی نے ایصالِ ثواب کیا ہو یا نہ!

شیخ ابن قیم نے ایصالِ ثواب کے دلائل میں سے دعاء، استغفار اور نمازِ جنازہ کو پیش کیا ہے اور ان تمام کاموں کو سلف صالحین نے کیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ کے لیے اذان کے بعد فضیلت اور وسیلہ (بلند درجہ) کی دعا کی جائے، اور آپ پر صلوٰۃ پڑھی جائے، اور یہ قیامت تک مشروع ہے، اور ہم نے اپنے مشائخ اور قرابت داروں کو دعاء، تلاوتِ قرآن اور صدقات کا ثواب پہنچایا اور ہم نے خواب میں دیکھا کہ انہوں نے اس پر ہمارا شکریہ ادا کیا اور ہمیں معلوم ہو گیا کہ ان تک ہمارا نفع پہنچا ہے، عبدالحق نے روایت کیا کہ حضرت ابن عمر نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر سورۂ بقرہ پڑھی جائے، امام احمد پہلے ایصالِ ثواب کا انکار کرتے تھے، جب انہیں حضرت ابن عمر کے اس قول کا علم ہوا تو انہوں نے اس انکار سے رجوع کر لیا۔ امام ابن ابی شیبہ نے حجاج

بن دینار سے مرفوعاً روایت کیا ہے: تم اپنی نمازوں کے ساتھ ماں باپ کی طرف سے نماز پڑھو، اور اپنے روزوں کے ساتھ ان کی طرف سے روزے رکھو اور اپنے صدقہ کے ساتھ ان کی طرف سے صدقہ کرو، حدیث میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے مردوں پر یٰسین پڑھو"، اس کا ایک احتمال یہ ہے کہ انسان کی موت کے وقت پڑھو اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کی قبر پر پڑھو، علامہ سیوطی نے کہا: جمہور نے پہلی صورت کو اختیار کیا ہے اور شیخ ابن قیم نے کئی دلائل سے دوسری صورت کو ترجیح دی ہے، عبد الواحد مقدسی نے کہا: یہ احادیث مرفوعہ اور صالحین کی خواب میں بشارتیں ایصال ثواب کے جواز پر اور میت کو اس سے نفع پہنچنے پر دلالت کرتی ہیں، شیخ نے کہا: ہر چند کہ سلف صالحین کی بشارات دلیل نہیں بن سکتیں، لیکن بکثرت بشارات اس کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: تمہارے خوابوں سے اس کی موافقت ہوتی ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ میں ہے۔

(السراج الوہاج ج ۲ ص ۵۵، مطبوعہ مطبع صدیقی بھوپال، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۳۰۲ھ)

ایصال ثواب کے متعلق علماء دیوبند کا نظریہ

شیخ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

میت کی طرف سے قرضوں کو ادا کرنا، صدقات کرنا اور دیگر تمام عبادات معتبر ہیں۔

(فیض الباری ج ۳ ص ۱۳۴، مطبوعہ مطبع حجازی مصر، الطبعۃ الاولیٰ ۱۳۵۷ھ)

شیخ شبیر احمد عثمانی نے متعدد کتب حدیث کے حوالوں سے ایصال ثواب کے ثبوت میں احادیث بیان کیں، اور اس کے بعد لکھا: ان احادیث اور آثار کے علاوہ بکثرت احادیث اور آثار ہیں جو حد تواتر تک پہنچتے ہیں، اور ان سے ایصال ثواب ثابت ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جو شخص اپنی عبادات کا ثواب دوسروں کو پہنچاتا ہے اس سے دوسروں کو نفع ہوتا ہے اور یہ چیز تواتر سے ثابت ہے۔

(فتح الملہم ج ۳ ص ۳۹، مطبوعہ مکتبۃ الحجاز کراچی)

ایصال ثواب کے متعلق اعلیٰ حضرت کا نظریہ

فاتحہ دلاتے وقت کھانا سامنے رکھنے کے بارے میں اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اور وقت فاتحہ کھانے کے قاری کے پیش نظر ہونا اگر چہ بے کار بات ہے مگر اس کے سبب سے وصولی ثواب یا جواز فاتحہ میں کچھ خلل نہیں، جو اسے ناجائز و ناروا کہے، ثبوت اس کا دلیل شرعی سے دے، ورنہ اپنی طرف سے بحکم خدا اور سول کسی چیز کو ناجائز و ناروا کہہ دینا خدا اور سول پر افتراء کرنا ہے، ہاں اگر کسی شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ جب تک کھانا سامنے نہ کیا جائے گا ثواب نہ پہنچے گا تو یہ گمان اس کا محض غلط ہے لیکن نفس فاتحہ میں اس اعتقاد سے کچھ بھی حرف نہیں آتا۔

(فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۱۹۵، مطبوعہ سنی دار الاشاعت فیصل آباد، ۱۳۹۴ھ)

ایصال ثواب کی تفصیل اور غنی کے کھانے کی تحقیق بیان کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

طعام تین قسم کا ہے، ایک وہ کہ عوام ایام موت میں بطور دعوت کرتے ہیں یہ ناجائز و ممنوع ہے، لان الدعوۃ انما شرعت فی السرور لا فی الشرور کما فی فتح القدیر وغیرہ من کتب الصدور، اغنیاء کو اس کا کھانا جائز نہیں، دوسرے وہ طعام کہ اپنے اموات کو ایصال ثواب کے لیے بہ نیت تصدق کیا جاتا ہے، فقراء اس کے لیے احق ہیں، اغنیاء کو نہ چاہیے، تیسرے وہ طعام کہ نذر

ارواح طیبہ (اس نذر سے مراد ایصالِ ثواب کی نذر ہے، یہ نذر عرفی ہے، شرعی اور فقہی نذر مراد نہیں ہے کیونکہ وہ نذر عبادت ہے اور غیر اللہ کے لیے حرام ہے، اس نذر عرفی کی مزید وضاحت عنقریب اعلیٰ حضرت کی دیگر عبارات سے پیش کی جائے گی۔ سعیدی غفرلہ)، حضرات انبیاء واولیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کیا جاتا ہے اور فقراء واغنیاء سب کو بطور تبرک دیا جاتا ہے، یہ سب کو بلا تکلف روا ہے اور وہ ضرور باعث برکت ہے۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۴ ص ۲۱۴، مطبوعہ سنی دارالاشاعت فیصل آباد، ۱۳۹۴ھ)

(شرح صحیح مسلم ج ۴ ص ۵۰۹-۵۰۰، مطبوعہ مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات انڈیا، ۱۴۲۳ھ)

زمانہ جاہلیت اور زمانہ اسلام کی عدت کا فرق

شیخ عثیمین لکھتے ہیں:

اسلام میں عورت چار ماہ دس دن عدت گزارے گی، اور عدت کے دوران اس کو غسل کرنے سے منع نہیں کیا جائے گا اور نہ لوگوں کے ساتھ مجلس سے منع کیا جائے گا، اور جب وہ حیض سے پاک ہو جائے گی، تو وہ خوشبو لگائے گی تا کہ حیض کی بدبو زائل ہو جائے اور جیسے کپڑے چاہے گی وہ پہنے گی، لیکن وہ زینت کو اختیار نہیں کرے گی، اور کوئی شک نہیں کہ یہ اسلام اور جاہلیت میں فرق ہے۔

اور جاہلیت میں جب کسی عورت کا خاوند مر جائے تو اس کی بیوی کسی کے ساتھ نہیں بیٹھتی اور نہ خوشبو لگاتی ہے اور وہ اپنے میلے کچیلے کپڑوں اور بدبو کے ساتھ ہمیشہ رہتی ہے اور اپنے حیض میں بھی اسی طرح رہتی ہے اور پورے ایک سال تک وہ پانی کو نہیں چھوتی، اور جب سال گزر جاتا ہے تو اس کے لیے گدھا لایا جاتا ہے یا کوئی اور جانور لایا جاتا ہے یا پرندہ لایا جاتا ہے، پھر وہ اس کے ساتھ اپنے آپ کو رگڑتی ہے اور اس کی سخت بدبو کی وجہ سے وہ جانور مر جاتا ہے، پھر وہ اونٹ کی ایک مینگنی اٹھا کر مارتی ہے اور اونٹ کی مینگنی اٹھا کر مارنا اس بات کی علامت ہے کہ اس کی عدت ختم ہو گئی ہے۔ اور یہ بہت بڑی جہالت ہے اور سخت حماقت ہے۔ اور یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام ایک مکمل مذہب ہے جس نے یہ ہدایت دی کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے وہ صرف چار ماہ دس دن عدت گزارے گی اور یہ اس کے خاوند کا اس پر حق ہے۔

خلاصہ بحث

جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا، خواہ وہ عورت کم سن ہو یا بالغہ ہو اس کے ساتھ دخول کیا گیا ہو یا دخول نہ کیا گیا ہو، اس پر واجب ہے کہ وہ اس عدت کی مدت کے اندر سوگ کرے، لیکن جب وہ عورت حاملہ ہو تو وہ وضع حمل تک عدت گزارے، اور اگر وہ غیر حاملہ ہو تو پھر اس کی عدت چار ماہ دس دن ہے، حتیٰ کہ جب اس مدت کے اندر اس کو صرف ایک مرتبہ حیض آئے تو اس پر کچھ واجب نہیں ہے اور اگر کبھی حیض نہ آئے تو جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے اس کے اوپر کوئی عدت نہیں ہے۔

سوال: جو عورت تین دن حیض گزار رہی ہے، اگر اس کا خاوند اس کو جماع کے لیے بلائے تو کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کو منع کرے؟

جواب: نہیں یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ عورت کسی کے حق کو ضائع نہیں کر سکتی، لیکن اس کے خاوند کو چاہیے کہ وہ اس کے سوگ کی رعایت کرے اور سوگ کے ایام میں اس کو مباشرت کے لیے نہ بلائے۔

(شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۰۰-۱۰۲، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

''الاحداد'' کا معنی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، سوگ کے متعلق لکھتے ہیں:

''الاحداد'' کا معنی ہے: زینت کو ترک کرنا اور عمدہ کپڑے اور زیورات کو نہ پہننا، یہ لفظ حد سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ''المنع''، کہا جاتا ہے ''حدت المراۃ واحدت''، جب عورت سوگ کرے، اور امام ترمذی نے حکایت کی ہے کہ یہ لفظ تحد کے بجائے تجد ہے اور جد سے ماخوذ ہے جس کے معنی ''قطع'' ہے، مطلب یہ ہے کہ عورت اپنے خاوند کی وفات کے ایام میں اچھے کپڑوں اور زیورات سے منقطع ہو جاتی ہے۔

نابالغہ اور کافرہ کے سوگ کے متعلق فقہاء اسلام کے نظریات اور فقہاء احناف کی دلیل

ابن شہاب زہری نے کہا ہے: میری رائے یہ ہے کہ نابالغہ لڑکی بھی خوشبو کے قریب نہ جائے، اور زہری کے اسی قول کے موافق امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا مذہب ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ سوگ کرنا خاوند کا حق ہے، خواہ اس کی بیوی مکلفہ ہو یا غیر مکلفہ ہو، مسلمان ہو یا کافر ہو، اور حدیث میں جو ارشاد ہے ''کہ وہ عورت اللہ پر ایمان رکھتی ہو اور آخرت پر''، یہ ارشاد باعتبار اکثر اور غالب کے ہے، اور امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ کافرہ اور نابالغہ کو احکام شرعیہ کا خطاب نہیں ہوتا، لہٰذا جو عورت نابالغہ ہے یا کافرہ ہے اس کو سوگ کے اس حکم کے ساتھ مخاطب نہیں کیا گیا، لہٰذا نابالغہ اور کافرہ کا خاوند اگر فوت ہو جائے تو اس کے اوپر اپنے خاوند کی موت کے اوپر سوگ کرنا واجب نہیں ہے۔

کفار کے فروع کے مکلف ہونے میں علماء بخارا اور علماء شافعیہ کا اختلاف اور صحیح موقف کا بیان

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ کفار فروع (مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ وغیرہ) کے مکلف فقط اعتقاد میں ہیں، یا اداء اور اعتقاد دونوں کے مکلف ہیں، بخارا کے علماء احناف کا مسلک یہ ہے کہ وہ صرف حق اعتقاد میں مکلف ہیں، یعنی کفار پر یہ ضروری ہے کہ وہ نماز، روزہ وغیرہ کی فرضیت کا اعتقاد رکھیں اور جب تک وہ ایمان نہ لائیں ان پر ان عبادات کا ادا کرنا فرض نہیں ہے، اور عراق کے علماء احناف اور علماء شافعیہ کا یہ مسلک ہے کہ کفار نماز، روزہ وغیرہ کی فرضیت پر ایمان لانے اور ان کو ادا کرنے دونوں کے مکلف ہیں اور ان کو ادا نہ کرنے کی وجہ سے ان کو عذاب ہوگا، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب نے ان میں سے کسی جانب تصریح نہیں کی، البتہ امام محمد کی بعض عبارات سے عراقی علماء کے نظریہ کی تائید ہوتی ہے اور قرآن مجید کی ان آیات کا بھی بہ ظاہر یہی تقاضا ہے:

وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَھُمْ بِالْاٰخِرَۃِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ ۝ (حم السجدہ: ۶) اور عذاب ہے مشرکوں کے لیے ۝ جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اور وہی آخرت کے منکر ہیں ۝

علماء بخارا اس آیت کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ مشرکین کو زکوٰۃ کی فرضیت کا اعتقاد نہ رکھنے کی وجہ سے عذاب ہوگا، فریقین کے اس اختلاف کا بہ غور مطالعہ کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علماء بخارا کا نظریہ صحیح ہے، کیونکہ اگر کفار اپنے کفر کے زمانہ میں نماز اور روزہ وغیرہ کے ادا کرنے کے مکلف ہوں تو اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر نمازوں اور روزوں کی قضاء لازم ہونی چاہیے، حالانکہ عہد رسالت میں اس کی کوئی نظیر نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو اسلام قبول کرنے کے بعد زمانہ کفر میں چھوڑی ہوئی

نمازوں اور روزوں کا مکلف کیا ہو۔

علامہ شامی نے لکھا ہے کہ عراقیوں کا قول ہی معتمد ہے جو کہتے ہیں کہ کفار اعتقاد اور اداء دونوں کے مخاطب ہیں۔

(ردالمحتار ج ۳ ص ۲۲۳، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

(تبیان القرآن ج ۱ ص ۳۰۴-۳۰۵، فرید بک اسٹال لاہور)

صحیح البخاری: ۵۳۳۴ میں مذکور ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا! یا رسول اللہ! میری بیٹی کا خاوند فوت ہو گیا ہے اور اس کی آنکھیں دکھ رہی ہیں تو کیا وہ سرمہ لگا لے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ فرمایا: نہیں!، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ عدت تو صرف چار ماہ دس دن ہے اور اس سے پہلے تم زمانہ جاہلیت کے اندر اونٹ کی ایک مینگنی ایک سال کے بعد پھینکتی تھیں۔

سوگ کرنے والی عورت کو سرمہ سے منع کرنے کی تحقیق

علامہ احمد بن اسماعیل کورانی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ منع فرمایا، یہ آپ نے ممانعت میں مبالغہ اور جھڑکنے کے لیے منع فرمایا ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ اور امام نسائی متوفی ۱۷۹ھ نے روایت کی ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کسی عورت کی دکھتی ہوئی آنکھوں میں سرمہ لگانے کی اجازت طلب کی تو آپ نے رات میں سرمہ لگانے کی اجازت دی۔

(سنن نسائی: ۳۵۳۷، کتاب الطلاق، باب رخصۃ للحادۃ، سنن ابوداؤد: ۲۳۰۵، فی ما تجتنبہ المعتدۃ فی عدتھا)

میں کہتا ہوں: اس کا جواب یہ ہے کہ سرمہ لگانا یا تو زینت کی وجہ سے ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ اس عورت کو سرمہ لگانے کی اپنے مرض کی وجہ سے ضرورت ہے، اس لیے آپ نے اجازت دی۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ تم میں سے کوئی ایک زمانہ جاہلیت میں ایک سال کے بعد اونٹ کی ایک مینگنی پھینک دیتی تھی۔

یعنی زمانہ جاہلیت میں عدت اس طرح ہوتی تھی۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ اونٹ کی مینگنی پھینکنے سے ان کا کیا ارادہ ہوتا، تو میں کہوں گا کہ بیوہ عورت کا عدت گزارنا اور سوگ کرنا اس اونٹنی کی مینگنی کے پھینکنے سے زیادہ آسان ہے اور اس میں یہ کنایہ ہے کہ اس کے خاوند کی موت کا معاملہ بہت سنگین ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں ایک سال تک سوگ کرنے والی عورت کے اپنے جسم کو کسی جانور کے ساتھ رگڑنے کی توجیہ

پھر اس حدیث میں مذکور ہے کہ پھر کسی چوپائے یا گدھے یا بکری یا پرندے کو لایا جاتا ہے اور وہ عورت اس کے ساتھ اپنے جسم کو رگڑتی ہے۔ یعنی وہ اس کے ساتھ اپنی فرج کو رگڑتی ہے اور اتنا عرصہ حیض کے خون کو نہ دھونے کی وجہ سے اس کی فرج میں سخت بدبو ہوتی ہے اور وہ جانور اس سخت بدبو کی وجہ سے مر جاتا ہے اور عرب یہ معاملہ کر کے یہ تجربہ کرتے تھے کہ آیا اس عورت نے اس ایک سال کے اندر حیض آنے کے بعد اپنی فرج کو دھویا یا نہیں، کیونکہ اگر وہ اپنی فرج کو دھو لیتی تو اس سے اتنی سخت بدبو نہ آتی، اور جب سخت بدبو آئی اور وہ جانور اس بدبو کی وجہ سے مر گیا تو عرب کے لوگوں کو یہ تسکین اور تسلی ہو گئی کہ اس عرصہ میں اس عورت نے غسل نہیں کیا اور وہ اسی طرح میلی کچیلی اور بدبو کی حالت میں زندگی گزارتی رہی۔

عدت وفات میں سوگ کرنے کی توجیہ

علامہ مازری وغیرہ نے لکھا ہے کہ زینت اور خوش بو نکاح کی محرک ہوتی ہیں اور خاوند معدوم ہے، اور زینت نکاح کے تابع ہے، لیکن یہ توجیہ لغو ہے کیونکہ خاوند وفات اور طلاق دونوں میں معدوم ہوتا ہے، بلکہ سوگ کو عدتِ وفات کے ساتھ اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ سوگ کی حکمت یہ ہے کہ خاوند کے فوت ہونے کی وجہ سے مصیبت کا اظہار کیا جائے اور عدتِ طلاق کے اندر خاوند کی کوئی حرمت نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی رعایت ہے کیونکہ خاوند ہی نے طلاق دے کر بیوی کو ایذاء پہنچائی ہے، علاوہ ازیں امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ جس عورت کو طلاقِ بائن دی گئی ہے وہ سوگ کرے گی اور امام احمد بن حنبل سے بھی یہی ایک روایت ہے اور امام شافعی نے بھی کہا ہے کہ اس کے لیے سوگ کرنا مستحب ہے۔ (الکوثر الجاری، ج ۹ ص ۵۹-۶۱، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۳۵، ۵۳۳۶، ۵۳۳۷ کی شرح از علامہ رضوی

باب: ''جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے وہ چار ماہ دس دن سوگ کرے''

دراصل ''احداد'' بمعنی منع ہے اور اس سے مراد وہ عورت ہے جو اپنے آپ کو زینت اور خوشبو وغیرہ سے دور رکھے، اور منگنی کرنے والوں اور اس میں طمع کرنے سے منع کرے۔

''زہری نے کہا: میں نہیں جانتا کہ کم سن لڑکی جس کا شوہر فوت ہو جائے وہ خوشبو کے قریب جائے، کیونکہ اس پر عدت ہے''۔

کمسن لڑکی جس کا شوہر فوت ہو جائے اس کے زینت ترک کرنے میں اختلافِ رائے پایا جاتا ہے، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس پر ترکِ زینت واجب نہیں اور دوسرے تینوں ائمہ کرام کے نزدیک واجب ہے، ظاہر یہ ہے کہ زہری نے یہ اجتہاد سے کہا ہے، اس میں کوئی روایت ذکر نہیں کی، اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد ان کے خلاف ہے، اور دوسرے ائمہ کا اجتہاد ان کے موافق ہے، اور یہ معلوم نہیں کہ کم سن لڑکی موطوءَہ ہے یا غیر موطوءَہ ہے۔

حمید بن نافع نے زینب بنت ام سلمہ سے روایت کی کہ انہوں نے اسے تینوں حدیثوں کی خبر دی (ان میں سے ایک یہ ہے)، زینب نے کہا: میں ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا زوجہ محترمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئی جب کہ ان کے والد ابوسفیان بن حرب فوت ہو گئے، ام حبیبہ نے خوشبو منگائی جس میں خلوق وغیرہ کی زردی تھی، انہوں نے اس سے کم سن بچی کو خوشبو لگائی، پھر اپنے رخساروں کو لگائی، پھر فرمایا: اللہ کی قسم! مجھے خوشبو کی حاجت تو نہیں لیکن میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ کسی عورت، جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے، کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے، مگر شوہر پر چار ماہ دس دن سوگ منائے، زینب نے کہا: میں ام المومنین زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کے پاس گئی جس وقت ان کا بھائی فوت ہوا تھا تو انہوں نے خوشبو منگائی اور اس سے کچھ خوشبو لگائی: پھر فرمایا، بخدا! مجھے خوشبو کی حاجت نہیں، لیکن میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر شریف پر یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی عورت کے لئے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے حلال نہیں کہ میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے مگر شوہر پر چار ماہ دس دن سوگ منائے، زینب نے کہا: میں نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک عورت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری بیٹی کا شوہر

فوت ہو گیا ہے اور اس کی آنکھوں میں درد ہے، کیا میں اس کی آنکھوں میں سرمہ لگا سکتی ہوں؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سرمہ مت لگاؤ! دو یا تین بار فرمایا، ہر بار فرماتے: سرمہ مت لگاؤ، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو صرف چار ماہ دس دن ہیں، حالانکہ تم میں کوئی عورت جاہلیت کے زمانہ میں ایک سال کے بعد مینگنی پھینکتی تھی، حمید نے کہا: میں نے زینب سے کہا: اس کے معنی کیا ہیں کہ وہ سال کے بعد مینگنی پھینکتی تھی، زینب نے کہا: جس عورت کا شوہر فوت ہو جاتا تھا وہ چھوٹے سے کمرہ میں داخل ہو جاتی اور بدترین کپڑے پہن لیتی اور خوشبو وغیرہ نہ لگاتی حتیٰ کہ اس پر ایک سال گزر جاتا، پھر کوئی جانور گدھا یا بکری یا پرندہ لایا جاتا تو وہ اس کے چمڑے پر ہاتھ پھیرتی تو بہت کم ایسا ہوتا کہ جس پر وہ ہاتھ پھیرتی مگر وہ مر جاتا تھا، پھر وہ باہر نکلتی تو اس کو مینگنی دی جاتی اس کو وہ پس پشت پھینکتی، پھر اس کے بعد خوشبو وغیرہ لگاتی تھی، امام مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: تفتض کے معنی کیا ہیں؟ انہوں نے فرمایا: اس سے اپنی کھال ملتی تھی۔

جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اس کی بیوہ کو چار ماہ دس دن عدت وفات پوری کرنے میں حکمت یہ ہے کہ عورت کے پیٹ میں بچے کی کمالِ تخلیق اور اس میں نفخ روح ایک سو بیس دن کے بعد ہوتا ہے، چونکہ چاند کی کمی بیشی سے فرق پڑ جاتا ہے اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے اس عدد پر احتیاطاً دس روز کا اضافہ کیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ شوہر کے سوا اور کسی پر تین دن سے زیادہ سوگ جائز نہیں۔ جس عورت نے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال عرض کیا تھا اس کا نام عاتکہ بنت نعیم بن عبداللہ بن نحام ہے، بعض نے کہا: عورت کا نام عاتکہ ہے اور اس کی ماں کا نام معلوم نہیں، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں دو تین بار فرمایا کہ وہ سرمہ مت لگائے، لیکن موطا وغیرہ میں ہے کہ حضور نے فرمایا: رات کو لگا لیا کرو اور دن کو صاف کر دیا کرو، یعنی جب سرمہ لگانے کی ضرورت نہ ہو تو جائز نہیں اور جب اس کی احتیاج ہو تو رات کو جائز ہے دن میں جائز نہیں، بہتر یہ ہے کہ سرمہ ہرگز نہ لگائے اگر لگایا ہو تو دن کو پونچھ دے، لیکن متن کی حدیث میں یہ تصریح ہے کہ عدت کے ایام میں سرمہ کرنا حرام ہے اگرچہ اس کی احتیاج ہو، لہٰذا ان دونوں حدیثوں میں تعارض ہے، بعض نے کہا: حدیث میں نہی تنزیہہ کے لیے ہے، بعض نے مخصوص سرمہ پر محمول کیا ہے اور وہ سرمہ ہے جس سے زینت کی جاتی ہے۔

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قد كانت احداكن فی الجاهلية اس میں یہ اشارہ ہے کہ اسلام میں اس کے خلاف حکم ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وصية لازواجهم متاعا الى الحول، پھر یہ حکم اس سے پہلی آیت سے منسوخ ہو گیا اور وہ یہ کہ ''يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا''، یہ ناسخ تلاوت کے اعتبار سے مقدم اور نزول کے اعتبار سے متاخر ہے۔

قوله خفشا، بکسر الخاء وسکون الفاء اور اس کے بعد شین ہے، اس کا معنی ہے: چھوٹا سا کمرہ، امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ ذلیل اور پرانا کمرہ ہے۔

قوله فتفتض به، ابن قتیبہ نے کہا: میں نے اہل حجاز سے افتضاض کے متعلق پوچھا تو انہوں نے ذکر کیا: معتدہ عورت نہ تو پانی کو ہاتھ لگاتی، نہ ناخن ترشواتی اور نہ بال اترواتی تھی، اور سال کے بعد بری حالت میں باہر نکلتی، پھر وہ عدت کو پرندہ سے توڑتی اور اس کو اپنی شرمگاہ سے مس کر کے پھینک دیتی، اس کے بعد وہ زندہ نہیں رہتا تھا۔

خطابی نے کہا: یہ ''فضضت الشئی'' سے ہے جب کہ اس کو توڑے اور جدا جدا کر دے، یعنی وہ سوگ کو اس پرندے سے توڑتی

تھی، اخفش نے کہا: یہ فضہ سے ماخوذ ہے، صفائی اور سفیدی میں چاندی سے تشبیہ دی گئی ہے، یعنی وہ جانور کو مس کر کے غسل کرتی حتیٰ کہ چاندی کی طرح سفید ہو جاتی۔ خلیل نے کہا: الفغفض کے معنی خوش ذائقہ پانی ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: افتضضته به یعنی اس کے ساتھ غسل کیا۔

قولہ فترمی، یعنی اس مینگنے کو اپنے آگے پھینکتی تو یہ اس کو چھوٹے سے ذلیل اور برے کمرہ سے نکلنے کو حلال کرتا تھا، اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ عدت کو ایسے پھینکتی جیسے مینگنا پھینکا جاتا ہے، بعض نے کہا: اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ جس مصیبت پر صبر اور انتظار کرتی رہی جس میں مبتلا تھی، جب وہ ختم ہوگئی تو وہ اس کے نزدیک مینگنے کی مانند ہے جس کو حقارت سے پھینکا جاتا ہے، اس میں حقِ زوج کی تعظیم مقصود ہے۔

قولہ سُئِل مالك، یعنی امام مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: تفتض کے معنی کیا ہیں؟ انہوں نے فرمایا: وہ اپنے چمڑے سے مینگنے کو مس کرتی لیکن ہم نے اس سے پہلے جو ابن قتیبہ سے ابھی ابھی نقل کیا ہے کہ وہ اپنی شرمگاہ کو مس کر کے پھینک دیتی کے منافی نہیں، لیکن اس سے خاص ہے، کیونکہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے مطلق جلد ذکر کی ہے اور جو ابن قتیبہ سے منقول ہے وہ شرمگاہ کی جلد ہے، بات ایک ہی ہے۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے تقبص بالصاد ہے، اور قبص کے معنی انگلیوں کے کناروں سے پکڑنا ہے اور یہ جلدی سے کنایہ ہے یعنی وہ برے منظر سے کثرت حیاء اور نکاح کے شوق کے باعث دوڑتی ہوئی تیزی سے اپنے والدین کے گھر جاتی تھی (قسطلانی) واللہ تعالیٰ و رسولہ الاعلیٰ اعلم! (تفہیم البخاری ج ہشتم ص ۴۰۶-۴۱۰، جدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۳۵، ۵۳۳۶، ۵۳۳۷ کی شرح از شیوخ دیوبند

تُحد، احداد سے ہے، احداد کے معنی ترک زینت اور سوگ کرنے کے آتے ہیں، احداد لغت میں منع کرنے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں معتدہ کا دورانِ عدت اپنے آپ کو زینت مثلاً خوشبو وغیرہ سامان زیبائش سے روکنے کو کہتے ہیں، بیوہ دوران عدت چار ماہ دس دن تک زینت سے احتراز کرے گی اور یہ سوگ کرنا اس پر واجب ہے، حضرت حسن بصری اور شعبی کے نزدیک واجب نہیں لیکن ان کا قول شاذ ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۷)

وقال الزهري: لا اری ان تقرب الصبیة الطیب، لان علیها العدة۔

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ کم سن لڑکی (جس کا شوہر مر جائے) خوش بو کے قریب جائے اور خوش بو لگائے اس لیے کہ اس پر بھی عدت ہے۔

اگر کمسن لڑکی اور نابالغ لڑکی کا شوہر مر جائے تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس پر بھی سوگ منانا واجب ہے، حضرات حنفیہ کے نزدیک اس پر سوگ واجب نہیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۶، الابواب والتراجم ج ۲ ص ۸۴)

امام بخاری نے حضرت زہری رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیق ذکر کر کے ائمہ ثلاثہ کی تائید فرمائی ہے، ''لان علیها العدة'' سے جو علت ذکر فرمائی یہ امام زہری کے قول کا حصہ نہیں بلکہ امام بخاری نے ذکر فرمائی ہے کیونکہ ابن وہب نے اس کو موصولاً نقل کیا ہے اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۶) حاصل یہ ہے کہ چونکہ کم سن نابالغ لڑکی پر بھی عدت گزارنا واجب ہے اس لیے سوگ منانا

بھی اس پر واجب ہونا چاہیے۔

حضرات حنفیہ روایت باب سے استدلال کرتے ہیں، جس میں ہے ''لا یحل لامرأة تومن باللہ والیوم الآخر'' اس میں امرأة کا لفظ بولا گیا ہے جس کا اطلاق بالغہ پر ہوتا ہے نابالغ لڑکی کو ''امرأة'' نہیں کہتے، اس لیے نابالغ بچی کو سوگ منانے کا پابند نہیں بنایا جائے گا۔

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: کہ فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ کمسن لڑکی یعنی نابالغہ اور کافرہ احکامِ شرع کی مکلف نہیں ہیں، احکامِ شرع کے مکلف مسلمان بالغ افراد ہیں، لہٰذا نابالغہ لڑکی پر ایامِ عدت میں شوہر کی موت پر سوگ کرنا جائز نہیں ہے۔ یہ فقہاء احناف کی بہت زبردست دلیل ہے، شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کو اس اہم دلیل کا بھی ذکر کرنا چاہیے تھا لیکن انہوں نے اپنے مطالعہ کی کمی کی وجہ سے فقہاء احناف کی اس اہم دلیل کا ذکر نہیں کیا۔ (سعیدی غفرلہ)

سوگ کی مدت

اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب میں حضرت حمید بن نافع کے واسطے سے حضرت زینب بن ابی سلمہ سے تین روایات نقل کی ہیں، ایک روایت میں حضرت ام حبیبہ، دوسری روایت میں حضرت زینب بنت جحش اور تیسری روایت میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ نقل کیا گیا ہے، زینب بنت ابی سلمہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ربیبہ اور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی (شوہر اول سے) بیٹی ہیں۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۶)

وہ فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت ام حبیبہ کے پاس اس وقت گئی، جب ان کے والد حضرت ابوسفیان کا انتقال ہوگیا، حضرت ام حبیبہ نے خوشبو منگوائی جس میں خَلُوق یا کسی اور چیز کی زردی تھی، اور ایک لڑکی کو لگائی، پھر وہ ہاتھ اپنے رخسار پر پھیر لیے اور کہا کہ بخدا! مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں لیکن میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو عورت اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتی ہو اس کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مرنے والے پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے، بجز شوہر کے کہ اس کا سوگ چار ماہ دس دن تک منائے۔

زینب فرماتی ہیں کہ میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس گئی جب ان کے بھائی فوت ہوئے، انہوں نے بھی خوشبو منگوا کر اسے استعمال کیا اور فرمایا کہ بخدا! مجھے خوشبو کی ضرورت نہیں مگر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ کسی عورت کے لیے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہو حلال نہیں کہ میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منائے بجز شوہر کے کہ اس کا سوگ چار ماہ دس دن تک منائے۔

زینب بنت ابی سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے (اپنی والدہ) ام سلمہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ایک عورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میری بیٹی کا شوہر مر گیا ہے اور اس کی آنکھ میں تکلیف ہے، تو کیا ہم اس کو سرمہ لگا سکتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو یا تین بار فرمایا: ''نہیں نہیں''۔

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیوہ عورت کے لیے ایام عدت اور ایام سوگ میں سرمہ لگانا مطلقاً ممنوع ہے، جب کہ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے اس بحث میں لکھا ہے کہ فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کے نزدیک بیوہ عورت رات اور دن میں ضرورت کے وقت سرمہ لگا سکتی ہے اور انہوں نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔ سعیدی غفرلہ

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تو عدت کی مدت چار ماہ دس دن ہے جب کہ زمانۂ جاہلیت میں تم میں سے ایک عورت سال پورا ہونے پر مینگنی پھینکا کرتی تھی (اس کے بعد عدت سے باہر ہوتی تھی)۔

زمانہ جاہلیت کی عدت

راوئ حدیث حضرت حمید کہتے ہیں: میں نے زینب بنت ابی سلمہ سے پوچھا کہ سال پورا ہونے پر مینگنی پھینکنے کا کیا مطلب ہے؟ تو زینب نے فرمایا: جب کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہو جاتا تو وہ ایک تنگ کوٹھری میں داخل ہو جاتی، خراب قسم کا کپڑا پہن لیتی اور کسی قسم کی خوشبو نہیں لگاتی، یہاں تک کہ ایک سال گزر جاتا، اس کے بعد اس کے پاس ایک چوپایہ (گدھا، بکری یا کوئی پرندہ) لایا جاتا اور وہ اس پر اپنا جسم اور کھال پھیرتی، بہت کم ایسا ہوتا کہ جس پر وہ جسم پھیرے اور وہ مر نہ جائے، پھر وہ باہر نکل آتی، اس کو ایک مینگنی دی جاتی، وہ اسے پھینکتی، پھر وہ واپس ہو جاتی اور خوش بو وغیرہ جو چاہتی لگاتی (اس طرح اس کی عدت مکمل ہو جاتی)۔

امام مالک سے کسی نے پوچھا کہ ”تفتض بہ“ سے کیا مراد ہے، تو انہوں نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ عورت اس (جانور) سے اپنی کھال ملتی تھی۔

انها اخبرته هذه الاحاديث الثلاثة۔

حضرت زینب بنت ابی سلمہ نے حمید بن نافع کو تین احادیث سنائیں، ان تین میں سے ابتدائی دو روایات کتاب الجنائز میں گزر چکی ہیں۔ (صحیح البخاری کتاب الجنائز، باب احداد المرأة علی غیر زوجها، رقم الحدیث: ۱۲۸۰، ۱۲۸۲، ج۱ ص۲۵۱)۔

البتہ آخری روایت یہاں پہلی بار ذکر فرمائی۔

حنفیہ اور مالکیہ اس سے استدلال کر کے فرماتے ہیں کہ سوگ مومنہ پر واجب ہے، ذمیہ پر نہیں، کیونکہ یہ حکم صرف مومنہ کو شامل ہے، ذمیہ سے خاموش ہے اور اشیاء میں چونکہ اصل اباحت ہے، للہٰذا ذمیہ پر سوگ واجب نہیں، شوافع کے نزدیک ذمیہ پر بھی سوگ واجب ہے۔ (فتح الباری ج۹ ص۶۰۷) مالکیہ کے نزدیک مفقود الخبر کی بیوی بھی سوگ منائے گی، جمہور کے نزدیک نہیں، جمہور اس لفظ سے استدلال کرتے ہیں کیونکہ مفقود الخبر کی وفات محقق اور یقینی نہیں۔ (فتح الباری ج۹ ص۶۰۷)

شوہر کے علاوہ کسی دوسرے رشتہ دار پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا درست نہیں، امام ابوداؤد نے ”مراسیل“ میں عمرو بن شعیب کی روایت نقل کی ہے کہ باپ پر سات دن تک سوگ کیا جا سکتا ہے لیکن وہ روایت مرسل ہے۔ (فتح الباری ج۹ ص۶۰۸)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ مراسیل ابوداؤد کی یہ روایت کہ باپ کی وفات پر بھی سات دن تک سوگ کیا جا سکتا ہے بالکل صحیح نہیں ہے اور

جب کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دیگر کتب صحاح کی احادیث مستندہ میں یہ تصریح ہے کہ شوہر کی مرگ کے علاوہ اور کسی کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ نہیں کیا جاسکتا، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ باپ کی موت کے اوپر سات دن تک سوگ کی اجازت دی جائے، شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کو چاہیے تھا کہ ابو داؤد کی اس مرسل روایت کو رد کر دیتے اور کہتے کہ مستندہ روایات کے خلاف یہ مرسل روایت ہے، اس لیے اس روایت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اور شوہر کی موت کے علاوہ اور کسی کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے، چہ جائیکہ باپ کی موت پر سات دن سوگ کرنے کی اجازت ہو جب کہ سیدتنا ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے جو سوگ تین دن کے بعد کریم لگا کر توڑا تھا تو وہ ان کے والد سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے انتقال پر ہی تو تھا، اور وہ سب سے زیادہ قرآن و حدیث کو جاننے والی ہیں۔ (سعیدی غفرلہٗ)

بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے، اس میں حکمت یہ ہے کہ بچہ کی کامل تخلیق اور نفخ روح کا مرحلہ ایک سو بیس دن گزرنے کے بعد مکمل ہوتا ہے، چار ماہ میں سے ہر ماہ اگر تیس دن کا ہو تو چار مہینوں کے ایک سو بیس دن بنتے ہیں لیکن چونکہ مہینہ انتیس کا بھی ہوتا ہے اس لیے دس دن احتیاطاً بڑھائے دیئے گئے ہیں اور چار ماہ دس دن مقرر کیے گئے ہیں۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۰۶)

ایک اشکال اور اس کے جوابات

اس پر امام احمد کی ایک روایت سے اشکال ہو سکتا ہے جو حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوی حضرت اسماء بنت عمیس سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: حضرت جعفر کی شہادت کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیسرے دن میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ آج کے بعد تم نے سوگ نہیں منانا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۸)

اس سے سوگ منانے کی مدت تین دن معلوم ہوتی ہے، اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں:

(۱) یہ حدیث شاذ ہے، کیونکہ یہ باب کی صحیح احادیث کی مخالف ہے، اس لیے معتبر نہیں۔

(۲) امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ حکم پہلے تھا بعد میں احادیث باب سے منسوخ ہو گیا۔

(۳) اس میں جس سوگ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا وہ عام سوگ نہیں تھا بلکہ حضرت اسماء نے معروف سوگ سے ہٹ کر بہت زیادہ مبالغہ کے ساتھ سوگ منایا جس سے منع کیا گیا۔

(۴) بعضوں نے کہا کہ حضرت اسماء حاملہ تھیں، تین دن کے بعد وضع حمل ہو گیا تھا اور وضع حمل سے عدت پوری ہو جاتی ہے، اس لیے سوگ سے انہیں منع کیا گیا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۹)

جاءت امراۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس عورت کا نام جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئی تھی، ابن وہب کی روایت میں عاتکہ بنت نعیم آیا ہے، البتہ اس کی بیٹی کا نام معلوم نہ ہو سکا، اس کی بیٹی کے شوہر کا نام اسی روایت میں مغیرہ مخزومی مذکورہ ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۹، ۹۰۱)

اشتکت عینها:

''عینها''، ''اشتکت'' کے لیے فاعل بھی بن سکتا ہے، اس کی آنکھ شکایت کر رہی تھی، شکایت کی نسبت اس صورت میں ''عین'' کی طرف مجازاً ہوگی، اور ''عینها'' کو مفعول بہ بھی بنایا جا سکتا ہے، ''اشتکت'' میں ضمیر فاعل ہوگی یعنی وہ لڑکی اپنی آنکھ کی

شکایت کررہی تھی، منذری رحمۃ اللہ علیہ نے اس دوسری صورت کو راجح قرار دیا اور علامہ حریری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو درست کہا، چنانچہ وہ ''درۃ الغواص'' میں فرماتے ہیں: ''لا یقال: اشتکت عین فلان، والصواب ان یقال: اشتکی فلان عینه لانه هو المشتکی لاھی''۔(ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۰۸)

افنکحلھا:

نکحل نون کے ضمہ کے ساتھ باب افعال سے ہے، بمعنی سرمہ لگانا یعنی کیا ہم اس کو سرمہ لگا سکتے ہیں۔

کانت المرأۃ اذا توفی عنھا زوجھا دخلت حفشا۔

حفش (حاء کے کسرہ، فاء کے سکون کے ساتھ) چھوٹے گھر، تنگ کوٹھری کو کہتے ہیں۔(فتح الباری ج ۹ ص ۱۱۱) بعرۃ: مینگنی کو کہتے ہیں۔

فقلما تفتض بشئی الا مات:

یہاں ''تفتض بہ'' کا جو لفظ استعمال ہوا ہے، اس کے مختلف معانی بیان کیے گئے ہیں۔

(۱) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے حدیث کے آخر میں گزر چکا کہ اس کے معنی ہیں تمسح به جلدھا۔
یعنی وہ عورت اس جانور کے ساتھ اپنا جسم مل لیتی تھی۔

(۲) ابن قتیبہ نے اسی کے قریب قریب ''افتضاض'' کی تشریح کی، وہ فرماتے ہیں: میں نے حجازیین سے افتضاض کے معنی پوچھے ہیں، تو انہوں نے کہا: معتدہ نہ پانی کو ہاتھ لگاتی تھی، نہ ناخن کاٹتی، نہ بالوں کو صاف کرتی، ایک سال کے بعد وہ تنگ کوٹھری سے بہت بری صورت میں نکلتی، اور عدت کی پابندیوں کو ایک پرندے کے ذریعہ ختم کر ڈالتی، اس طرح کہ اس پرندے سے اپنی شرمگاہ کو پونچھتی اور پھر اس کو پھینک دیتی، وہ پرندہ افتضاض کے اس عمل کے بعد عموماً زندہ نہیں رہتا تھا۔

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے افتضاض ''فضفضت الشئی'' سے ماخوذ ہے جس کے معنی توڑنے کے آتے ہیں، چونکہ پرندے کے ساتھ مذکورہ عمل کے بعد معتدہ عورت عدت کی پابندیوں کو توڑ دیتی اور ختم کر دیتی، اس لیے اس کو افتضاض کہتے ہیں (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۰۹)، ''تفتض بہ'' میں باء سببیہ ہے۔

(۳) بعضوں نے کہا: ''افتضاض'' کے معنی میٹھے پانی سے غسل کرنے کے آتے ہیں، تفتض کے معنی ہیں: وہ میٹھے پانی سے غسل کر کے فِضّۃ (چاندی) کی طرح صاف ہو کر چمک جاتی، چنانچہ امام اخفش نے فرمایا کہ ''افتضاض'' فضۃ سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی پاک ہونے اور نظافت حاصل کرنے کے ہیں، اور امام خلیل فرماتے ہیں: فضفض، میٹھے پانی کو کہتے ہیں اور افتضاض غسل کرنے کو کہتے ہیں۔(ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۰۹)

جس جانور کے ساتھ معتدہ عورت اپنا جسم ملتی وہ جانور اکثر مر جاتا، ممکن ہے یہ شیطان اور جنات کا اثر ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ گندگی کی وجہ سے اس کے جسم سے ایسے جراثیم پیدا ہو جاتے ہوں جن سے جانور مر جاتے ہوں، یا سال بھر اس طرح رہنے کی وجہ سے اس کے جسم میں ایسی حرارت اور گرمی پیدا ہو جاتی کہ جانور اس سے مر جاتا تھا۔ واللہ اعلم

فتعطى بعرة:

تعطی: اعطاء سے مضارع مجہول کا صیغہ ہے، ضمیر اس کے اندر نائب فاعل ہے اور بعرۃ مفعول بہ ہے، معتدہ کو مینگنی دی جاتی وہ اس کو پھینکتی، اس کا مقصد یا تو اس طرف اشارہ کرنا ہوتا تھا کہ اس نے مینگنی کی طرح عدت کی اس کیفیت کو بھی اب پھینک دیا ہے اور یا اس طرف اشارہ ہوتا تھا کہ مشقت اور تکلیف کی یہ حالت اس کے لیے شوہر کے حق کی تعظیم کی وجہ سے باعث بوجھ نہیں تھی بلکہ مینگنی کی طرح ہلکی حقیر تھی، اور ایک قول یہ بھی ہے کہ معتدہ تفاولاً مینگنی پھینکتی تھی کہ یہ حالت دوبارہ کبھی اس کی طرف لوٹ کر نہ آئے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۱۲)

فدخلت على زينب ابنة جحش حين توفي اخوها:

یہ باب کی دوسری روایت میں ہے، زینب بنت ابی سلمہ فرماتی ہیں کہ میں ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کے پاس آئی، جب ان کے بھائی کا انتقال ہوا، حضرت زینب بنت جحش کے تین بھائی تھے، ایک عبداللہ بن جحش، دوسرے عبیداللہ بن جحش اور تیسرے عبد بن جحش، جن کی کنیت ابو احمد الاعمیٰ تھی۔

عبداللہ بن جحش تو یہاں مراد نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ جنگ احد میں شہید ہوئے تھے، اور زینب بنت ابی سلمہ اس وقت بچی تھیں، وہ اس حالت میں حضرت زینب بنت جحش کے پاس تعزیت کے لیے کیسے آسکتی تھیں۔

عبیداللہ بن جحش بھی مراد نہیں لے سکتے، اس لیے کہ اس نے مرتد ہو کر نصرانی مذہب قبول کر لیا تھا، اور ۵ ھ یا ۶ ھ میں حبشہ میں نصرانی ہونے کی حالت میں اس کا انتقال ہوا۔

عبد بن جحش بھی مراد نہیں لے سکتے اس لیے کہ ان کا انتقال اپنی بہن حضرت زینب بنت جحش کے بعد ہوا ہے (اگرچہ بعض حضرات نے انہیں کو مراد لیا ہے اور کہا ہے کہ ان کا انتقال پہلے ہوا ہے۔)

بعض علماء نے اس اشکال کا یہ جواب دیا کہ بھائی سے یہاں عبیداللہ بن جحش ہی مراد ہیں، وہ اگرچہ مرتد ہو گیا تھا تاہم چونکہ بھائی تھا، اس لیے حضرت زینب کو اس کا غم تھا خاص کر نصرانیت کی حالت میں انتقال تو اور زیادہ باعث غم تھا اس لیے حضرت زینب نے سوگ منایا، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بھائی سے ان کا کوئی علاتی یا رضاعی بھائی مراد ہو۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۰۶)

(کشف الباری عمانی صحیح البخاری کتاب الطلاق، ص ۵۷۷-۵۸۴ مکتبہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی، کراچی)

عدت کے متعلق صدر الشریعہ کی تحقیق

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ الغنی متوفی ۱۳۶۷ ھ، عدت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ (الطلاق: ۱)

اے نبی مکرم! (مومنوں سے کہیے:) جب تم (اپنی) عورتوں کو طلاق دو تو ان کی عدت کے وقت (طہر بلا مباشرت) میں ان کو طلاق دو، اور عدت کا شمار رکھو، اور اللہ سے ڈرتے رہو جو تمہارا رب ہے، تم ان کو (دوران عدت) ان کے گھروں سے نہ نکالو اور

نہ وہ خود نکلیں، سوا اس کے کہ وہ کھلی بے حیائی کریں۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَ لَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ (البقرہ:۲۲۸)

طلاق یافتہ عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک (عقد ثانی سے) روکے رکھیں، اور اگر وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو چھپائیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں (بچہ دانیوں) میں پیدا کیا ہے۔

وَ الّٰٓـِٔيْ يَىِٕسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓـِٔيْ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ (الطلاق:۴)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے مایوس ہو چکی ہیں، اگر تم کو ان کی عدت میں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے، اور وہ عورتیں جن کا حیض ابھی نہیں آیا (ان کی بھی یہی عدت ہے) اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ (البقرہ:۲۳۴)

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں، اور جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں، تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لیے کریں، اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے ۝

حدیث ۱: صحیح بخاری شریف میں مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی کہ سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کی وفات کے چند دن بعد بچہ پیدا ہوا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر نکاح کی اجازت طلب کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی۔ (صحیح البخاری، کتاب الطلاق، الحدیث: ۵۳۲۰، ج ۴ ص ۴۶۰)، نیز اس میں ہے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورۂ طلاق (جس میں حمل کی عدت کا بیان ہے) سورۂ بقرہ (کہ اس میں عدت وفات چار مہینے دس دن ہے) کے بعد نازل ہوئی، (صحیح البخاری، کتاب التفسیر، الحدیث: ۴۵۳۲، ج ۳ ص ۱۸۳)، یعنی حمل والی کی عدت چار ماہ دس دن نہیں بلکہ وضع حمل ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ میں اس پر مباہلہ کر سکتا ہوں کہ وہ اس کے بعد نازل ہوئی۔ (سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق، باب فی عدۃ الحامل، الحدیث: ۲۳۰۷، ج ۲ ص ۳۲۷)

حدیث ۲: امام مالک و شافعی و بیہقی حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے راوی کہ وفات کے بعد اگر بچہ پیدا ہو گیا اور ہنوز مردہ چارپائی پر ہو تو عدت پوری ہو گئی۔ (الموطا امام مالک، کتاب الطلاق، باب عدۃ المتوفی عنہا، الحدیث: ۱۲۸۴، ج ۲ ص ۱۳۲)

عدت کے متعلق مسائل فقہیہ

مسئلہ ۱: نکاح زائل ہونے یا شبہ نکاح کے بعد عورت کا نکاح سے ممنوع ہونا اور ایک زمانہ تک انتظار کرنا عدت ہے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، ج ۱ ص ۵۲۶)

مسئلہ ۲: نکاح زائل ہونے کے بعد اس وقت عدت ہے کہ شوہر کا انتقال ہوا ہو یا خلوت صحیحہ ہوئی ہو، زانیہ کے لیے عدت نہیں، اگر چہ حاملہ ہو اور یہ نکاح کر سکتی ہے مگر جس کے زنا سے حمل ہے اس کے سوا دوسرے سے نکاح کرے تو جب تک بچہ پیدا نہ ہو وطی

جائز نہیں۔ نکاح فاسد میں دخول سے قبل تفریق ہوئی تو عدت نہیں اور دخول کے بعد ہوئی تو ہے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، ج ۱ ص ۵۲۶)

مسئلہ ۳: جس عورت کا مقام بند ہے، اس سے خلوت ہوئی تو طلاق کے بعد عدت نہیں۔

(الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ج ۵ ص ۱۸۳)

مسئلہ ۴: عورت کو طلاق دی، بائن یا رجعی یا کسی طرح نکاح فسخ (یعنی ختم) ہو گیا، اگرچہ یوں کہ شوہر کے بیٹے کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا اور ان صورتوں میں دخول ہو چکا ہو یا خلوت ہوئی ہو اور اس وقت حمل نہ ہو اور عورت کو حیض آتا ہے تو عدت پورے تین حیض ہے جب کہ عورت آزاد ہو اور باندی ہو تو دو حیض اور اگر عورت ام ولد ہے اس کے مولیٰ کا انتقال ہو گیا یا اس نے آزاد کر دیا تو اس کی عدت بھی تین حیض ہے۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ج ۵ ص ۱۹۱)

مسئلہ ۵: ان صورتوں میں اگر عورت کو حیض نہیں آتا ہے کہ ابھی ایسے سن کو نہیں پہنچی یا سن ایاس کو پہنچ چکی ہے یا عمر کے حساب سے بالغہ ہو چکی ہے مگر ابھی حیض نہیں آیا ہے تو عدت تین مہینے ہے اور باندی ہے تو ڈیڑھ ماہ۔

(الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ج ۵ ص ۱۹۲-۱۸۶)

مسئلہ ۶: اگر طلاق یا فسخ پہلی تاریخ کو ہوا اگرچہ عصر کے وقت تو چاند کے حساب سے تین مہینے ورنہ ہر مہینہ تیس دن کا قرار دیا جائے یعنی عدت کے کل دن نوے ہوں گے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، ج ۱ ص ۵۲۷، الجوہرۃ النیرہ، کتاب العدۃ، الجزء الثانی ص ۹۶)

مسئلہ ۷: عورت کو حیض آچکا ہے مگر اب نہیں آتا اور ابھی سن ایاس کو بھی نہیں پہنچی ہے اس کی عدت بھی حیض سے ہے، جب تک تین حیض نہ آلیں یا سن ایاس کو نہ پہنچے اس کی عدت ختم نہیں ہو سکتی اور اگر حیض آیا ہی نہ تھا اور مہینوں سے عدت گزار رہی تھی کہ اثنائے عدت میں حیض آ گیا تو اب حیض سے عدت گزارے یعنی جب تک تین حیض نہ آلیں، عدت پوری نہ ہوگی۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، ج ۱ ص ۵۲۷)

مسئلہ ۸: حیض کی حالت میں طلاق دی تو یہ حیض عدت میں شمار نہ کیا جائے بلکہ اس کے بعد پورے تین حیض ختم ہونے پر عدت پوری ہوگی۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، ج ۱ ص ۵۲۷)

مسئلہ ۹: جس عورت سے نکاح فاسد ہوا اور دخول ہو چکا ہو یا جس عورت سے شبہۂ وطی ہوئی اس کی عدت فرقت و موت دونوں میں حیض سے ہے اور حیض نہ آتا ہو تو تین مہینے، اور وہ عورت کسی کی باندی ہو تو عدت ڈیڑھ ماہ۔

(الجوہرۃ النیرہ، کتاب العدۃ، الجزء الثانی ص ۹۵، ۹۶، الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ ج ۱ ص ۵۲۷)

مسئلہ ۱۰: اس کی عورت کسی کی کنیز ہے اس نے خود خرید لی تو نکاح جاتا رہا، مگر عدت نہیں یعنی اس کو وطی کرنا جائز مگر دوسرے سے اس کا نکاح نہیں ہو سکتا، جب تک دو حیض نہ گزار لیں۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ ج ۱ ص ۵۲۷)

مسئلہ ۱۱: اپنی عورت کو جو کنیز تھی خریدا اور ایک حیض آنے کے بعد آزاد کر دیا تو اس حیض کے بعد دو حیض اور عدت میں رہے اور حرہ (آزاد عورت) کا سا سوگ کرے، اور اگر ایک بائن طلاق دے کر خریدی تو ملکِ یمین (لونڈی کا مالک ہونے) کی وجہ سے وطی

کرسکتا ہے اور دو طلاقیں دیں تو بغیر حلالہ وطی نہیں کرسکتا اور اگر دو حیض کے بعد آزاد کردی تو نکاح کی وجہ سے عدت نہیں، ہاں عتق (آزاد ہونے) کی وجہ سے عدت گزارے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، ج ۱ ص ۵۲۷)

مسئلہ ۱۲: جس عورت سے نابالغ نے شبہۃً یا نکاح فاسد میں وطی کی، اس پر بھی یہی عدت ہے، یوہیں اگر نابالغی میں خلوت ہوئی اور بالغ ہونے کے بعد طلاق دی جب بھی یہی عدت ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ج ۵ ص ۱۹۰)

مسئلہ ۱۳: نکاح فاسد میں تفریق یا متارکہ کے وقت سے عدت شمار کی جائے گی، متارکہ یہ کہ مرد نے یہ کہا کہ میں نے اسے چھوڑا یا اس سے وطی ترک کی یا اسی قسم کے اور الفاظ کہے جب تک متارکہ یا تفریق نہ ہو کتنا ہی زمانہ گزر جائے عدت نہیں، اگرچہ دل میں ارادہ کرلیا کہ وطی نہ کرے گا، اور اگر عورت کے سامنے نکاح سے انکار کرتا ہے تو یہ متارکہ ہے ورنہ نہیں، لہٰذا اس کا اعتبار نہیں۔

(الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ج ۵ ص ۲۰۸، ۲۰۹، الجوہرۃ النیرہ، کتاب العدۃ، الجزء الثانی، ص ۱۰۲)

مسئلہ ۱۴: طلاق کی عدت وقتِ طلاق سے ہے اگرچہ عورت کو اس کی اطلاع نہ ہو کہ شوہر نے اسے طلاق دی ہے اور تین حیض آنے کے بعد معلوم ہوا تو عدت ختم ہو چکی اور اگر شوہر یہ کہتا ہے کہ میں نے اس کو اتنے زمانہ سے طلاق دی ہے تو عورت اس کی تصدیق کرے یا تکذیب، عدت وقت اقرار سے شمار ہوگی۔ (الجوہرۃ النیرہ، کتاب العدۃ، الجزء الثانی، ص ۱۰۱، ۱۰۲)

مسئلہ ۱۵: عورت کو کسی نے خبر دی کہ اس کے شوہر نے تین طلاقیں دے دیں یا شوہر کا خط آیا اور اس میں اسے طلاق لکھی ہے، اگر عورت کا غالب گمان ہے کہ وہ سچ کہتا ہے یا یہ خط اسی کا ہے تو عدت گزار کر نکاح کرسکتی ہے۔

(الجوہرۃ النیرہ، کتاب العدۃ، الجزء الثانی، ص ۱۰۲)

مسئلہ ۱۶: عورت کو تین طلاقیں دے دیں مگر لوگوں پر ظاہر نہ کیا اور دو حیض آنے کے بعد عورت سے وطی کی اور حمل رہ گیا اب اس نے لوگوں سے طلاق دینا بیان کیا تو عدت وضع حمل ہے اور وضع حمل تک نفقہ اس پر واجب۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، ج ۱ ص ۵۳۲)

مسئلہ ۱۷: طلاق دے کر مکر گیا، عورت نے قاضی کے پاس دعویٰ کیا اور گواہ سے طلاق دینا ثابت کردیا اور قاضی نے تفریق کا حکم دیا تو عدت وقت طلاق سے ہے، اس وقت سے نہیں۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، ج ۱ ص ۵۳۲)

مسئلہ ۱۸: پچھلا حیض اگر پورے دس دن پر ختم ہوا ہے تو ختم ہوتے ہی عدت ختم ہوگئی اگرچہ ابھی تک غسل نہ کیا بلکہ اگرچہ اتنا وقت بھی ابھی نہیں گزرا ہے کہ اس میں غسل کرسکتی اور طلاق رجعی تھی تو شوہر اب رجعت نہیں کرسکتا اور اب یہ عورت نکاح کرسکتی ہے اور اگر دس دن سے کم میں ختم ہوا ہے تو جب تک نہا نہ لے یا ایک نماز کا پورا وقت نہ گزر لے عدت ختم نہ ہوگی یہ حکم مسلمان عورت کے ہیں، اور کتابیہ ہو تو بہرحال حیض ختم ہوتے ہی عدت پوری ہو جائے گی۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، ج ۱ ص ۵۲۸)

مسئلہ ۱۹: وطی بالشبہ کی چند صورتیں ہیں:

(۱) عورت عدت میں تھی اور شوہر کے سوا کسی اور کے پاس بھیج دی گئی اور یہ ظاہر کیا گیا کہ تیری عورت ہے اس نے وطی کی بعد کو حال کھلا۔

(۲) عورت کو تین طلاقیں دے کر بغیر حلالہ اس سے نکاح کرلیا اور وطی کی۔

(۳) عورت کو تین طلاقیں دے کر عدت میں وطی کی اور کہتا ہے: میرا گمان یہ تھا کہ اس سے وطی حلال ہے۔

(۴) مال کے عوض یالفظ کنایہ سے طلاق دی اور عدت میں وطی کی۔

(۵) خاوند والی عورت تھی اور شبہۃً اس سے کسی اور نے وطی کی، پھر شوہر نے اس کو طلاق دے دی ان سب صورتوں میں عورت پر دو عدتیں ہیں اور بعد تفریق دوسری عدت پہلی عدت میں داخل ہو جائے گی، یعنی اب جو حیض آئے گا دونوں عدتوں میں شمار ہوگا۔

(الجوہرۃ النیرہ، کتاب العدۃ، الجزء الثانی ص ۱۰۱)

مسئلہ ۲۰: مطلقہ نے ایک حیض کے بعد دوسرے سے نکاح کیا اور اس دوسرے نے اس سے وطی کی، پھر دونوں میں تفریق کر دی گئی اور تفریق کے بعد دو حیض آئے تو پہلی عدت ختم ہو گئی مگر ابھی دوسری ختم نہ ہوئی، لہٰذا یہ شخص اس سے نکاح کر سکتا ہے کوئی اور نہیں کر سکتا جب تک بعد تفریق تین حیض نہ آلیں اور تین حیض آنے پر دونوں عدتیں ختم ہو گئیں۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، ج ا ص ۵۳۲)

مسئلہ ۲۱: عورت کو طلاق بائن دی تھی ایک یا دو، اور عدت کے اندر وطی کی اور جانتا تھا کہ وطی حرام ہے اور حرام ہونے کا اقرار بھی کرتا ہے تو ہر بار کی وطی پر عدت ہے مگر سب متداخل ہوں گی اور تین طلاقیں دے چکا ہے اور عدت میں وطی کی اور جانتا ہے کہ وطی حرام ہے اور مقر (اقرار کرنے والا) بھی ہے تو اس وطی کے لیے عدت نہیں ہے بلکہ مرد کو رجم کا حکم ہے اور عورت بھی اقرار کرتی ہے تو اس پر بھی۔ (الفتاوی الھندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، ج ا ص ۵۳۲)

مسئلہ ۲۲: موت کی عدت چار مہینے دس دن ہے یعنی دسویں رات بھی گزر لے بشرطیکہ نکاح صحیح ہو دخول ہوا ہو یا نہیں دونوں کا ایک حکم ہے، اگرچہ شوہر نابالغ ہو یا زوجہ نابالغہ ہو، یوہیں اگر شوہر مسلمان تھا اور عورت کتابیہ تو اس کی بھی یہی عدت ہے مگر اس عدت میں شرط یہ ہے کہ عورت کو حمل نہ ہو۔ (الجوہرۃ النیرہ، کتاب العدۃ، الجزء الثانی، ص ۹۷، وغیرھا)

مسئلہ ۲۳: عورت کنیز ہے تو اس کی عدت دو مہینے پانچ دن ہے شوہر آزاد ہو یا غلام کہ عدت میں شوہر کے حال کا لحاظ نہیں بلکہ عورت کے اعتبار سے ہے، پھر موت پہلی تاریخ کو ہو تو چاند سے مہینے لیے جائیں ورنہ حرہ کے لیے ایک سو تیس دن اور باندی کے لیے پینسٹھ دن۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ج ۵ ص ۱۹۲-۱۹۰)

مسئلہ ۲۴: عورت حاملہ ہے تو عدت وضع حمل ہے عورت حرہ ہو یا کنیز مسلمہ ہو یا کتابیہ عدت طلاق کی ہو یا وفات کی یا متارکہ یا وطی بالشبہ کی حمل ثابت النسب ہو یا زنا کا مثلاً زانیہ حاملہ سے نکاح کیا اور شوہر مر گیا یا وطی کے بعد طلاق دی تو عدت وضعِ حمل ہے۔

(الدر المختار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ج ۵ ص ۱۹۲، الفتاوی الھندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ ج ا ص ۵۲۸، وغیرھا)

مسئلہ ۲۵: وضعِ حمل سے عدت پوری ہونے کے لیے کوئی خاص مدت مقرر نہیں موت یا طلاق کے بعد جس وقت بچہ پیدا ہو عدت ختم ہو جائے گی اگرچہ ایک منٹ بعد حمل ساقط ہو گیا اور اعضاء بن چکے ہیں، عدت پوری ہو گئی ورنہ نہیں اور اگر دو یا تین بچے ایک حمل سے ہوئے تو پچھلے کے پیدا ہونے سے عدت پوری ہوگی۔ (الجوہرۃ النیرہ، کتاب العدۃ، الجزء الثانی، ص ۹۶)

مسئلہ ۲۶: بچہ کا اکثر حصہ باہر آ چکا تو رجعت نہیں کر سکتا مگر دوسرے سے نکاح اس وقت حلال ہوگا کہ پورا بچہ پیدا ہو لے۔

(ردالمحتار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، مطلب فی عدۃ الموت، ج ۵ ص ۱۹۳)

مسئلہ ۲۷: موت کے بعد اگر حمل قرار پایا تو عدت وضعِ حمل سے نہ ہوگی بلکہ دنوں سے۔(الجوہرۃ النیرہ، کتاب العدۃ، الجزء الثانی ص ۱۰۰)

مسئلہ ۲۸: بارہ برس سے کم عمر والے کا انتقال ہوا اور اس کی عورت کے چھ مہینے سے کم کے اندر بچہ پیدا ہوا تو عدت وضعِ حمل ہے اور چھ مہینے یا زائد میں ہوا تو چار مہینے دس دن اور نسب بہرحال ثابت نہ ہوگا، اور اگر شوہر مراہق ہو تو دونوں صورتوں میں وضعِ حمل سے عدت پوری ہوگی، اور بچہ ثابت النسب ہے۔(الجوہرۃ النیرہ، کتاب العدۃ، الجزء الثانی ص ۱۰۰، الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ج ۵ ص ۱۹۳)

مسئلہ ۲۹: جو شخص خصی تھا اس کا انتقال ہوا اور اس کی عورت حاملہ ہے یا مرنے کے بعد حاملہ ہونا معلوم ہوا تو عدت وضعِ حمل ہے اور بچہ ثابت النسب ہے۔ (الجوہرۃ النیرہ، کتاب العدۃ، الجزء الثانی، ص ۱۰۰)

مسئلہ ۳۰: عورت کو طلاقِ رجعی دی تھی اور عدت میں مر گیا تو عورت موت کی عدت پوری کرے اور طلاق کی عدت جاتی رہی خواہ صحت کی حالت میں طلاق دی ہو یا مرض میں، اور اگر بائن طلاق دی تھی یا تین تو طلاق کی عدت پوری کرلے جب کہ صحت میں طلاق دی ہو اور اگر مرض میں دی ہو تو دونوں عدتیں پوری کرے یعنی اگر چار مہینے دس دن میں تین حیض پورے ہو چکے تو عدت پوری ہو چکی اور اگر تین حیض پورے ہو چکے ہیں مگر چار مہینے دس دن پورے نہ ہوئے تو ان کو پورا کرے اور اگر یہ دن پورے ہو گئے مگر ابھی تین حیض پورے نہ ہوئے تو ان کے پورے ہونے کا انتظار کرے۔(الفتاوی الھندیہ، کتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدۃ، ج ۱ ص ۵۳۰)

مسئلہ ۳۱: عورت کنیز تھی، اسے رجعی طلاق دی اور عدت کے اندر آزاد ہوگئی تو حرہ کی عدت پوری کرے یعنی تین حیض یا تین مہینے اور طلاقِ بائن یا موت کی عدت میں آزاد ہوئی تو باندی کی عدت یعنی دو حیض یا ڈیڑھ مہینہ یا دو مہینے پانچ دن۔

(الدرالمختار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ج ۵ ص ۱۹۶)

مسئلہ ۳۲: عورت کہتی ہے کہ عدت پوری ہو چکی اگر اتنا زمانہ گزرا ہے کہ پوری ہو سکتی ہے تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے اور اگر اتنا زمانہ نہیں گزرا تو نہیں۔ مہینوں سے عدت ہو جب تو ظاہر ہے کہ اتنے دن گزرنے پر عدت ہو چکی اور حیض سے ہو تو آزاد عورت کے لیے کم از کم ساٹھ دن ہیں اور لونڈی کے لیے چالیس بلکہ ایک روایت میں حرہ کے لیے انتالیس دن کہ تین حیض کی اقل (کم سے کم) مدت نو دن ہے اور دو طہر کی تیس دن اور باندی کے لیے اکیس دن کہ دو حیض کے چھ دن اور ایک طہر درمیان کا پندرہ دن۔

(الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ج ۵ ص ۲۱۰)

مسئلہ ۳۳: مطلقہ کہتی ہے کہ عدت پوری ہوگئی کہ حمل تھا ساقط ہو گیا اگر حمل کی مدت اتنی تھی کہ اعضاء بن چکے تھے تو مان لیا جائے گا ورنہ نہیں، مثلاً نکاح سے ایک مہینے بعد طلاق دی اور طلاق کے ایک ماہ بعد حمل ساقط ہونا بتاتی ہے تو عدت پوری نہ ہوئی کہ بچے کے اعضاء چار ماہ میں بنتے ہیں۔(الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ج ۵ ص ۲۱۱)

مسئلہ ۳۴: اپنی عورت مطلقہ سے عدت میں نکاح کیا اور قبل وطی طلاق دے دی تو پورا مہر واجب ہوگا اور سرے سے عدت بیٹھے، یوہیں اگر پہلا نکاح فاسد تھا اور دخول کے بعد تفریق ہوئی اور عدت کے اندر نکاح صحیح کر کے طلاق دے دی یا دخول کے بعد کفو نہ ہونے کی وجہ سے تفریق ہوئی، پھر نکاح کر کے طلاق دی یا نابالغہ سے نکاح کر کے وطی کی، پھر طلاق دی اور عدت کے اندر نکاح کیا اب وہ لڑکی بالغہ ہوئی اور اپنے نفس کو اختیار کیا یا نابالغہ سے نکاح کر کے وطی کی، پھر لڑکی نے بالغہ ہو کر اپنے کو اختیار کیا اور عدت کے اندر پھر اس سے نکاح کیا اور قبلِ دخول طلاق دے دی ان سب صورتوں میں دوسرے نکاح کا پورا مہر اور طلاق کے بعد عدت

واجب ہے، اگرچہ دوسرے نکاح کے بعد وطی نہیں ہوئی کہ نکاح اول کی وطی نکاح ثانی میں بھی وطی قرار دی جائے گی۔

(الدر المختار ورد المحتار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ج ۵ ص ۲۱۴)

مسئلہ ۳۵: بچہ پیدا ہونے کے بعد عورت کو طلاق دی تو جب تک اسے تین حیض نہ آلیں دوسرے سے نکاح نہیں کرسکتی یا سن ایاس کو پہنچ کر مہینوں سے عدت پوری کرے اگرچہ بچہ پیدا ہونے سے قبل اسے حیض نہ آیا ہو۔

(الدر المختار ورد المحتار، کتاب الطلاق، باب العدۃ، ج ۵ ص ۲۱۷)

(بہارِ شریعت، حصہ ہشتم، جلد دوم، ص ۲۴۰-۲۴۲، مکتبۃ المدینہ (دعوتِ اسلامی) ۱۴۳۰ھ)

۴۷۔ بَابُ: الْكُحْلِ لِلْحَادَّةِ سوگ کرنے والے کے لیے سرمہ لگانا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آیا سوگ کرنے والی بیوہ کے لیے سرمہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟

۵۳۳۸۔ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ نَافِعٍ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّهَا أَنَّ امْرَأَةً تُوُفِّيَ زَوْجُهَا فَخَشُوا عَلَى عَيْنَيْهَا فَأَتَوْا رَسُولَ اللهِ ﷺ فَاسْتَأْذَنُوهُ فِي الْكُحْلِ فَقَالَ لَا تَكَحَّلْ قَدْ كَانَتْ إِحْدَاكُنَّ تَمْكُثُ فِي شَرِّ أَحْلَاسِهَا أَوْ شَرِّ بَيْتِهَا فَإِذَا كَانَ حَوْلٌ فَمَرَّ كَلْبٌ رَمَتْ بِبَعَرَةٍ فَلَا حَتَّى تَمْضِيَ أَرْبَعَةُ أَشْهُرٍ وَعَشْرٌ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم بن ابی ایاس نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حمید بن نافع نے حدیث بیان کی از زینب ابنۃ ام سلمہ از مادرِ خود، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا تو لوگوں کو اس کی آنکھوں کے اوپر خطرہ محسوس ہوا (کہ کہیں وہ اندھی نہ ہو جائے) تو وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور انہوں نے نبی ﷺ سے اس کے لیے سرمہ لگانے کی اجازت طلب کی، تو آپ نے فرمایا کہ وہ سرمہ نہ لگائے، (اس سے پہلے) تم میں سے کوئی ایک عورت بہت خراب چادروں میں اور بہت خراب گھر میں ایک سال تک رہتی تھی، پھر جب سال کے بعد کتا گزرتا تو وہ اونٹ کی مینگنی پھینک دیتی، پھر گھر سے نہیں نکلتی، تو اب تم عدت گزارو حتیٰ کہ چار ماہ دس دن گزر جائیں۔

(صحیح البخاری: ۵۳۳۶، صحیح مسلم: ۱۴۸۹، سنن ترمذی: ۱۱۹۷، سنن نسائی: ۳۵۳۲، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۴، موطا امام مالک: ۱۲۷۰)

۵۳۳۹۔ وَسَمِعْتُ زَيْنَبَ بِنْتَ أُمِّ سَلَمَةَ تُحَدِّثُ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ مُسْلِمَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ إِلَّا عَلَى زَوْجِهَا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا

اور میں نے زینب ابنۃ ام سلمہ رضی اللہ عنہا ام المومنین سے سنا، وہ بیان کرتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا ام المومنین نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان عورت اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتی ہے، اس کے لیے کسی کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں ہے، سوا اپنے خاوند کی موت کے، اس کا چار ماہ دس دن تک سوگ کرے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۵۳۳۴، ۵۳۳۹، ۵۳۴۵، صحیح مسلم: ۱۴۸۶، سنن ترمذی: ۱۱۹۵، سنن نسائی: ۳۵۰۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۹۹، سنن ابن

ماجہ:۲۰۸۶،مسند احمد:۲۵۱۴،موطاامام مالک:۱۲۶۸،سنن داری:۲۲۸۴)

۵۳۴۰۔حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ حَدَّثَنَا بِشْرٌ حَدَّثَنَا سَلَمَةُ بْنُ عَلْقَمَةَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَتْ أُمُّ عَطِيَّةَ نُهِينَا أَنْ نُحِدَّ أَكْثَرَ مِنْ ثَلَاثٍ إِلَّا بِزَوْجٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں مسدد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں بشر نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سلمہ بن علقمہ نے حدیث بیان کی از محمد بن سیرین، انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ ہمیں خاوند کے سوا کسی کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

(صحیح البخاری:۳۱۳،۱۲۷۸،۱۲۷۹،۵۳۴۰،۵۳۴۱،۵۳۴۲،۵۳۴۳،صحیح مسلم:۹۳۸،سنن نسائی:۳۵۳۴،سنن ابوداؤد:۲۳۰۲،سنن ابن ماجہ:۲۰۸۷،مسند احمد:۲۰۲۷۰،سنن داری:۲۲۸۶)

جو وصف مونث کے ساتھ مخصوص ہو،اس کے صیغہ میں تاء نہ لگانے کی بحث

امام بخاری نے ان احادیث کا عنوان قائم کیا ہے:''الکحل للحادة''یعنی سوگ کرنے والی عورت کے لئے سرمہ لگانا۔

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ،اس عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ صیغہ ثلاثی مجرد کا ہے اور اگر یہ رباعی (یعنی ثلاثی مزید) کا ہوتا تو المحدة کہا جاتا۔علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ الحاد کہا جائے،بغیر تاء کے،کیونکہ یہ مونث کی صفت ہے جیسا کہ طالق اور حائض،(حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں:)حادة کہنا یہ غلط نہیں ہے اگرچہ حاد کہنا راجح ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۰،دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور،۱۴۰۱ھ،فتح الباری ج ۶ ص ۵۴۲،دار المعرفہ بیروت،۱۴۲۶ھ)

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی سے مناقشہ

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی التوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ الحادة کے بجائے الحاد لکھا جائے،کیونکہ یہ مونث کی صفت ہے جیسے طالق اور حائض، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے کہا ہے: لیکن یہ جائز ہے خطا نہیں ہے،یعنی الحادہ لکھنا بھی جائز ہے۔علامہ عینی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اگر طالق کے صیغہ میں طالقة کہا جاتا اور حائض کے صیغہ میں حائضة کہا جاتا تو پھر حادة کہنا بھی جائز ہے اور اگر طالقة اور حائضة نہیں کہا جاتا تو پھر حادة بھی نہیں کہا جائے گا،اور صحیح وہ ہے جو علامہ ابن التین نے کہا اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے جو کہا ہے کہ حادة کہنا بھی جائز ہے،تو یہ صحیح نہیں ہے۔(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۷،دار الکتب العلمیہ،۱۴۲۱ھ)

حادة اور حاد کے صیغہ کی بحث میں محاکمہ

قاضی بدر الدین الدمامینی مالکی التوفی ۸۲۷ھ اس بحث میں لکھتے ہیں:

السفاقسی نے کہا ہے کہ صحیح لفظ الحاد ہے،جیسے طالق اور حائض ہے،کیونکہ یہ صرف مونث کی صفت ہے اور اس میں مذکر شریک نہیں ہوتا۔(التنقیح ج ۳ ص ۱۰۷۵)

(علامہ دمامینی فرماتے ہیں): علامہ زمخشری وغیرہ نے یہ تصریح کی ہے کہ اگر ان صفات سے حدوث کا معنی مراد لیا جائے (یعنی یہ قصد کیا جائے کہ اس وقت اس کو بالفعل حیض آ رہا ہے)، تو پھر اس صیغہ کے ساتھ تاء لانا لازم ہے جیسے کہا جاتا ہے "حاضت فھی حائضۃ"، یعنی اس عورت کو حیض آ گیا اور وہ حائضہ ہو گئی، اس صورت میں اس صیغہ کے ساتھ تاء لانا لازم ہے اور کہا جاتا ہے: "طلقت فھی طالقۃ" یعنی اس عورت کو اس وقت طلاق دی گئی تو وہ طلاق یافتہ ہو گئی، اور اگر اس کے ساتھ حدوث کے معنی کا قصد نہ کیا جائے جیسے مرضعۃ اور حاملۃ تو پھر اس کے ساتھ تاء نہیں لگائی جائے گی، یعنی دودھ پلانے والی عورت اور حاملہ عورت، اور اس صورت میں "مرضع اور حامل" کہا جائے گا، اور ہو سکتا ہے کہ امام بخاری نے جو الکحل للحادہ کہا ہے تو ان کی مراد بھی یہ ہو کہ جس عورت میں سوگ حادث ہوا ہے یعنی حادۃ۔ (مصابیح الجامع ج ۹ ص ۹۸، دار النوادر دمشق، ۱۴۳۱ھ)

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس بحث میں لکھتے ہیں:

صحیح الفاظ یہ ہیں "الکحل للحاد" اور شرح ابن بطال میں مذکور ہے "الکحل للحادۃ" اور صحیح الفاظ پہلے ہیں، کیونکہ جو صفت مونث کے ساتھ مخصوص ہو اور مذکر اس میں شریک نہ ہو تو اس کے صیغہ میں تاء نہیں لائی جاتی جیسے طالق (طلاق یافتہ) طامث (حیض والی)، حائض (اس کا معنی بھی ہے: حیض والی)۔

میں کہتا ہوں: اسی طرح مرضع ہے یعنی دودھ پلانے والی، کیونکہ مرد بچہ کو دودھ نہیں پلاتا، اور اسی طرح حامل ہے یعنی جس عورت کو بچہ کا حمل ہو، کیونکہ مرد کو بچہ کا حمل نہیں ہوتا، تو یہ صیغے بھی مونث کے ساتھ مخصوص ہیں، اس لیے ان کے ساتھ تاء نہیں لگائی جاتی۔ (سعیدی غفرلہ)۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۵ ص ۱۷۵، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۳۸، ۵۳۳۹، ۵۳۴۰ کے مباحث کی شرح از علامہ ابن ملقن

احلاس کا معنی:

صحیح البخاری: ۵۳۳۸، میں مذکور ہے: "قد کانت احداکن تمکث فی شر احلاسھا"۔

اس حدیث میں "احلاس" کا لفظ ہے، یہ حلس کی جمع ہے، حلس اس چادر کو کہتے ہیں جس کو بچھا کر اس پر بیٹھا جاتا ہے، حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم اس سے پہلے بہت بری چادر پر بیٹھتی تھیں، اور اس پر وقت گزارتی تھیں۔

سوگ کرنے والی عورت کے لیے سرمہ لگانے کے متعلق مباحث

نیز اس حدیث میں مذکور ہے: "فخشوا علی عینیھا" یعنی لوگوں کو اس کی آنکھوں پر خطرہ محسوس ہوا، اور انہوں نے اس کی آنکھوں میں سرمہ لگانے کی اجازت طلب کی۔

علامہ ابن ملقن کہتے ہیں کہ اس سے پہلے باب میں سوگ کرنے والی عورت کے لیے سرمہ لگانے کا حکم بیان کیا جا چکا ہے، اور علامہ ابن التین نے بعض علماء سے یہ نقل کیا ہے کہ یہ عورت اس حالت کو نہیں پہنچی تھی کہ سرمہ نہ لگانے سے اس کو ایذاء پہنچتی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اجازت دی تھی کہ وہ رات میں سرمہ لگا لے اور دن میں اس کو نکال لے، علامہ ابن التین نے کہا: امام مالک متوفی ۱۷۹ھ کا مذہب یہ ہے کہ اگر سوگ کرنے والی عورت مجبور ہو کہ سرمہ نہیں لگائے گی تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو وہ

سرمہ لگاسکتی ہے، خواہ اس سرمہ میں خوشبو بھی ہو۔

علامہ ابن الجلاب نے کہا ہے کہ جب سوگ کرنے والی عورت مرض سے مجبور ہو تو رات میں سرمہ لگا لے اور دن میں اس کو صاف کر لے۔

اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس داخل ہوئے اور وہ ابوسلمہ پر سوگ کر رہی تھیں، اور انہوں نے اپنی آنکھوں میں صبر (ایلواء، ایک قسم کی دوائی) لگائی ہوئی تھی، تو آپ نے فرمایا: اے ام سلمہ! یہ کیا ہے؟ تو میں نے کہا: یہ صبر (یعنی ایلوا) ہے یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: تم اس کو رات میں لگا لیا کرو اور دن میں اس کو پونچھ دیا کرو۔ (الموطا: ۱۷۰۳)

اور ابن ابی صفرہ نے کہا ہے کہ سوگ کرنے والی عورت کو سرمہ لگانے کی ممانعت قطع ذرائع کے لیے ہے، یعنی سد باب کے لئے ہے، کیونکہ سرمہ لگانا نکاح کے محرکات میں سے ہے، سو جو عورت عدت گزار رہی ہے اس کو سرمہ لگانے سے منع کیا گیا ہے تاکہ کوئی اس کے ساتھ نکاح کا ارادہ نہ کرے، اور اس میں میت کے لیے احتیاط ہے، لیکن جب لوگوں کو سرمہ نہ لگانے سے مشقت ہوئی ہو تو ان سے اس حکم میں تخفیف کی گئی ہے اور رات میں سرمہ لگانے کی اجازت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ سوگ کرنے والی عورت کو سرمہ لگانے کی ممانعت تحریم کے لئے نہیں ہے، تنزیہہ کے لئے ہے۔ پس جو چاہے تو اپنے نفس پر شدت کو اختیار کرے، جیسا کہ حضرت صفیہ بنت ابی عبید نے سرمہ لگانے کو بالکل ترک کر دیا، حتیٰ کہ ان کی آنکھیں جلنے لگیں اور جو چاہے رخصت پر عمل کرے یعنی رات کو سرمہ لگا لے اور دن میں آنکھوں کو دھو ڈالے تو اس کی بعض سلف نے اجازت دی ہے۔

اور امام مالک نے ذکر کیا ہے کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے کہ سالم بن عبداللہ اور سلیمان بن یسار نے یہ خبر دی کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کو سرمہ لگانے کی اجازت دی جو اپنے خاوند کی موت کے اوپر سوگ کر رہی ہو، جب کہ اس عورت کو اپنی آنکھوں پر خطرہ ہو اور اس کی آنکھوں میں مرض ہو جو سرمہ لگانے یا دوا لگانے سے زائل ہو جائے خواہ اس میں خوش بو ہو، امام مالک نے کہا: کیونکہ یہ ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ کے دین میں آسانی ہے۔ (الموطا ص ۴۰۷)

امام محمد بن ادریس الشافعی نے کہا ہے: ہر وہ سرمہ جس میں آنکھوں کی زینت ہو جیسے الاثمد اور اس کے مشابہ سرمے، ایسے سرموں کو لگانے میں کوئی خیر نہیں ہے، لیکن جو فارسی سرمہ ہو تو اس کو ضرورت کے وقت لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وہ زینت نہیں ہے بلکہ اس کے لگانے سے آنکھ زیادہ بدنما ہو جاتی ہے اور جس کو مرض کی وجہ سے ایسے سرمہ لگانے کی ضرورت ہو جس میں زینت ہے تو وہ اس سرمہ کو رات میں لگا لے اور دن میں اس سرمہ کو صاف کر دے۔ اور انہوں نے امام مالک کی حدیث مذکور سے استدلال کیا ہے جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے۔

امام شافعی نے کہا کہ ایلواء لگانے سے آنکھ زرد ہو جاتی ہے تو اس میں زینت ہے اور خوشبو نہیں ہے، تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کو رات میں ایلواء لگانے کی اجازت دی، کیونکہ رات میں وہ دکھائی نہیں دیتا۔ (کتاب الام ج ۵ ص ۲۱۳)

علامہ ابن المنذر شافعی نے کہا ہے کہ تمام فقہاء نے ضرورت کے وقت سوگ کرنے والی عورت کے لئے سرمہ لگانے کی اجازت دی ہے، جیسے عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور ابراہیم نخعی متوفی ۹۶ھ اور یہی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور فقہاء احناف کا

قول ہے۔انہوں نے کہا کہ سیاہ سرمہ لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے جب کہ سوگ کرنے والی عورت کی آنکھوں میں مرض ہو۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۷۱-۵۷۳، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

سوگ کرنے والی عورت کے سرمہ لگانے کے متعلق فقہاءِ حنبلیہ کا مسلک

شیخ محمد صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ لکھتے ہیں:
خاوند کے اوپر سوگ کرنے والی عورت کے اوپر ایامِ سوگ میں سرمہ لگانا حرام ہے، خواہ آنکھ میں تکلیف کی وجہ سے اس کو سرمہ لگانے کی ضرورت ہو، لیکن اگر سرمہ کے علاوہ کوئی اور دوا مثلاً قطرات ڈالنے سے اس کو شفا ہو تو رات میں وہ آنکھ میں قطرات ڈالنا جائز ہے اور دن میں ان کو پونچھ ڈالے لیکن سرمہ لگانے سے منع کیا جائے گا، کیونکہ اس میں آنکھ کی خوبصورتی ہے، سو اس کو منع کیا جائے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۰۲، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

احادیثِ مذکورہ کی شرح از علامہ کورانی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، لکھتے ہیں:
اس باب میں اس عورت کی حدیث کو بیان کیا گیا ہے جس نے اپنی بیٹی کے لئے سرمہ لگانے کا سوال کیا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمادیا، جیسا کہ اس سے پہلے باب میں گزر چکا ہے۔
صحیح البخاری: ۵۳۳۹، میں احلاس کا لفظ ہے، یہ حِلس کی جمع ہے، اس میں حاء پر زیر ہے یعنی حِلس ہے، اس کا معنی ہے: باریک چادر۔ حضرت ام عطیہ نے بیان کیا کہ ہمیں منع کیا گیا ہے کہ ہم خاوند کی موت کے علاوہ کسی اور کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کریں۔(الکوثر الجاری ج ۹ ص ۶۱-۶۲، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

احادیثِ مذکورہ کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
حادہ، ثلاثی مجرد حد یحد سے ہے اور محدہ احداد سے افعال ہے، سفاقسی نے کہا: صحیح حاد ہے ہا کے بغیر، جیسے طالق اور حائض ہا کے بغیر ہیں، کیونکہ یہ عورت کی ایسی صفت ہے جس میں مرد شریک نہیں۔ شیخ ابن حجر نے اس کا تعاقب کرتے ہوئے کہا کہ یہ جائز ہے خطا نہیں اگر چہ دوسرا زیادہ راجح ہے۔ علامہ عینی نے کہا: اگر طالق میں طالقۃ اور حائض میں حائضۃ کہا جاتا ہے تو حادہ بھی کہا جاسکتا ہے اور اگر طالقہ اور حائضہ نہیں کہا جاتا تو حادہ بھی نہیں کہا جائے گا، لیکن درست وہی ہے جو سفاقسی نے کہا ہے اور شیخ ابن حجر کا اس میں جواز کا دعویٰ کرنا نظر سے خالی نہیں جو غیر مخفی ہے۔
صاحب مصابیح نے زمخشری سے نقل کیا کہ اگر ان صفات میں حدوث کا معنی مقصود ہو تو تاء لانا ضروری ہے جیسے حاضت فھی حائضۃ و طلقت فھی طلقۃ، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدوث کا معنی مقصود نہیں ہوتا پھر بھی تاء لاحق کر دیتے ہیں جیسے مُرضِعۃ وحاملۃ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ تعالیٰ کا کلام اسی نہج پر ہے۔
زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اپنی والدہ ام المومنین سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ ایک عورت کا شوہر فوت ہو گیا تو لوگوں نے اس کی

دونوں آنکھوں پر خوف محسوس کیا، وہ جناب رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ سے آنکھوں میں سرمہ لگانے کی اجازت چاہی تو فرمایا: سرمہ نہ لگائے، آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی عورت (جاہلیت کے زمانہ میں) خراب قسم کے گھر اور گندے کپڑوں میں رہتی تھی، جب سال گزر جاتا اور کوئی کتا وہاں سے گزرتا تو اس کی طرف مینگنیاں پھینکتی اور عدت سے باہر ہوتی۔ میں سرمہ کی اجازت نہیں دیتا یہاں تک کہ چار ماہ دس دن گزر جائیں (نافع نے کہا:) میں نے زینب بنت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے سنا، وہ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے بیان کرتی تھیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان عورت جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے کے لئے حلال نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ سوگ منائے مگر اپنے شوہر پر چار ماہ دس دن سوگ منائے۔ (ام حبیبہ ام المومنین زوجۂ محترمہ جناب رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوسفیان کی بیٹی اور حضرت امیر معاویہ کی ہمشیرہ ہیں، ان کا نام رملہ ہے)۔

محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا: ہم کو شوہر پر سوگ منانے کے علاوہ تین دن سے زیادہ سوگ منانے سے منع کیا گیا۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ ایک روایت کے مطابق جناب رسول اللہ ﷺ نے عورت کو رخصت دی کہ وہ عدت ختم ہونے تک اپنے شوہر پر سوگ مناتی رہے اور اپنے والد پر سات روز سوگ منائے اور ان کے سوا دوسروں پر تین تین دن سوگ منائے، اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ جب ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے والد ابوسفیان رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو انہوں نے تین دن سوگ منانے کے بعد خوشبو استعمال کی اور سائل نے جو حدیث ذکر کی ہے، وہ ابوداؤد نے مراسیل میں عمرو بن شعیب کے ذریعے معضل ذکر کی ہے۔ علامہ عینی نے کہا: ابوداؤد کا اس حدیث کو مراسیل میں ذکر کرنا یہ کوئی توجیہ نہیں، لیکن اگر ارسال سے انقطاع مراد لیا جائے تو توجیہ ہوسکتی ہے کیونکہ عمرو تابعی نہیں۔ واللہ ورسولہ اعلم! (تفہیم البخاری ج ۸ ص ۴۱۱-۴۱۲، جدہ پرنٹرز لاہور بار اول)

احادیثِ مذکورہ کی شرح از شیوخ دیوبند

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حادۃ، سوگ والی عورت کو کہتے ہیں، باب کی پہلی روایت میں ہے کہ ایک عورت کا شوہر مر گیا، لوگوں کو اس کی آنکھ کے متعلق خطرہ محسوس ہوا تو وہ لوگ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں آئے اور سرمہ لگانے کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سرمہ نہ لگاؤ''۔ (زمانہ جاہلیت میں عدت گزارنے کا طریقہ تو یہ تھا کہ) تم میں سے ایک عورت خراب قسم کی کوٹھری میں رہتی، جب سال گزر جاتا، پھر ایک کتا گزرتا جس پر معتدہ مینگنی پھینکتی تھی (تب عدت ختم ہوتی تھی اب اسلام میں تو سہولت دے دی گئی ہے) لہٰذا جب تک چار مہینے دس دن نہ گزر جائیں اس وقت تک سرمہ نہ لگائے۔ یہ حدیث اس سے پہلے باب میں بھی گزر چکی ہے۔ احلاس: حِلس (حاء کے کسرہ اور لام کے سکون کے ساتھ) کی جمع ہے، کپڑے اور باریک چادر کو کہتے ہیں، او شر بیتھا: راوی کو شک ہے کہ شر احلاسھا کہا یا شر بیتھا، کہا تھا، کپڑے اور مکان دونوں کی صفت کو اس نے بیان کیا، فلا حتی تمضی: ای فلا تکتحل حتی تمضی اربعۃ اشھر وعشرۃ ایام۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۵)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

شیخ سلیم اللہ کو چاہیے تھا کہ یہ بیان کرتے کہ امام بخاری نے اس حدیث کے عنوان میں حادۃ کا لفظ کہا، جب کہ صحیح لفظ حاد ہے،

کیوں کہ جو صفت مونث کے ساتھ مخصوص ہو اور مذکر کے لیے وہ صفت نہ آتی ہو، تو اس میں مونث کے صیغہ میں تاء نہیں لائی جاتی جیسا کہ حیض مونث کے ساتھ مخصوص ہے تو مونث کی صفت میں حائض کہا جاتا ہے حائضۃ نہیں کہا جاتا، کیونکہ مرد کو حیض نہیں آتا، اسی طرح حمل مونث کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ مردوں کو حمل نہیں ہوتا، اس لیے مونث کے لیے حامل کہا جاتا ہے، حاملۃ نہیں کہا جاتا، اسی طرح دودھ پلانے والی عورت کے لیے مُرضع کہا جاتا ہے کیونکہ مرد اپنا دودھ نہیں پلاتا، اس لیے مونث کے لیے مرضعۃ نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح طامث کہا جاتا ہے طامثۃ نہیں کہا جاتا۔ (سعیدی غفرلہٗ)۔

سوگ منانے والی عورت کے سرمہ لگانے کا حکم

شیخ سلیم اللہ خان لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں سوگ والی عورت کے سرمہ لگانے کا مسئلہ بیان فرمایا ہے، اس پر تو ائمہ کا اتفاق ہے کہ سوگ والی عورت کے لیے بغیر ضرورت اور حاجت کے سرمہ لگانا جائز نہیں، البتہ ضرورت کی صورت میں بھی سرمہ لگا سکتی ہے کہ نہیں، اس میں اختلاف ہے۔

(۱) ظاہریہ کے نزدیک ضرورت کے وقت بھی سوگ والی عورت سرمہ نہیں لگا سکتی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے باب میں جو حدیث بیان کی ہے وہ ظاہریہ کا مستدل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھ میں تکلیف کے باوجود اس سوگ والی معتدہ عورت کو سرمہ لگانے کی اجازت نہیں دی۔

(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ضرورت کے وقت سوگ والی عورت رات کو سرمہ لگا سکتی ہے، دن کو نہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے، ان کا استدلال حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے ہے جس کو امام مالک، امام احمد اور امام ابو داؤد نے ذکر کیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک معتدہ نے سرمہ لگانے کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا: ''لا تکتحلی به الا من امر لابد منه يشتد عليك فتكتحلين بالليل وتمسحينه بالنهار'' اور پھر فرمایا کہ میں نے بھی اپنے شوہر ابو سلمہ کی وفات پر اس طرح کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ''فلا تجعليه الا بالليل، وتنزعيه بالنهار'' اور موطا کی روایت میں ہے ''اجعليه بالليل وامسحيه بالنهار''۔

(۳) حضرات حنفیہ کے نزدیک ضرورت کے وقت سوگ والی عورت دن کو بھی سرمہ لگا سکتی ہے، اور رات کو بھی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح روایت بھی اسی کے مطابق ہے، لان الضرورات تبيح المحظورات۔

حدیث باب کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمہ لگانے سے اس لیے منع فرمایا کہ آپ کے نزدیک ضرورت متحقق نہیں تھی، یا تو اس لیے کہ وہ بیماری ہلکی تھی اور یا اس لیے کہ اس کا علاج سرمہ کے علاوہ دوسری چیز سے ممکن تھا۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۶۱۰) (کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب الطلاق ص ۵۸۵-۵۶۸، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

شیخ سلیم اللہ دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

شیخ سلیم اللہ خان نے لکھا ہے: حضرات حنفیہ کے نزدیک ضرورت کے وقت سوگ والی عورت دن کو بھی سرمہ لگا سکتی ہے اور رات کو بھی، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے صحیح روایت بھی اسی کے متعلق ہے۔ (کشف الباری عمانی صحیح البخاری ص ۵۸۶)

میں کہتا ہوں کہ شیخ سلیم اللہ خان نے فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کا جو مسلک نقل کیا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ دونوں کے نزدیک جب خاوند کی موت پر سوگ کرنے والی عورت کی آنکھ میں ضرر ہو اور اس کے مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہو تو اس صورت میں اس کو رات میں سرمہ لگانے کی اجازت ہے اور ان فقہاء نے تصریح کی ہے کہ دن کے وقت میں وہ اس سرمہ کو پونچھ ڈالے، جب کہ شیخ سلیم اللہ خان نے اس کے برخلاف دن میں بھی سرمہ لگانے کو فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کی طرف منسوب کیا ہے، بلکہ بہتر یہ ہے کہ سرمہ لگانے کی بجائے آنکھ کی دوائی کے جو قطرات ہوتے ہیں وہ رات کو آنکھ میں ڈال لیے جائیں اور دن میں پونچھ لیے جائیں، کیونکہ سرمہ لگانا بہر حال آنکھ کی خوبصورتی اور زینت کا سبب ہے، جب کہ سوگ کے ایام میں زیب و زینت سے احتراز کرنا ضروری ہے، ہم اس سے پہلے علامہ عینی حنفی اور علامہ کورانی حنفی اور علامہ ابن ملقن کی شرح سے فقہاء مالکیہ کا مسلک نقل کر چکے ہیں، ان میں سے کسی نے بھی خاوند کی موت پر صبر کرنے والی عورت کو دن میں سرمہ لگانے کی اجازت نہیں دی، شیخ سلیم اللہ خان کو چاہیے تھا کہ وہ یہ شرح لکھنے سے پہلے فقہاء احناف اور فقہاء مالکیہ کی عبارات پر اچھی طرح غور و فکر کر لیتے۔ (سعیدی غفرلہ)

جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو ایام عدت میں اس کے سرمہ لگانے کے متعلق فقہاء مالکیہ کا مذہب

صحیح البخاری: ۵۳۳۸ میں مذکور ہے کہ حضرت زینب بنت ام سلمہ نے اپنی والدہ سے روایت کی کہ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا تو لوگوں کو اس کی آنکھوں پر خطرہ محسوس ہوا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور اس کو سرمہ لگانے سے متعلق اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ وہ سرمہ نہ لگائے۔ الحدیث۔

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے روایت کی ہے کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور وہ ان کے خاوند ابوسلمہ کی وفات پر سوگ میں تھیں اور انہوں نے اپنی آنکھوں پر صبر (ایلواء، ایک قسم کی دوائی) لگایا ہوا تھا، آپ نے پوچھا: اے ام سلمہ! یہ کیا ہے، انہوں نے کہا: یہ صبر ہے یا رسول اللہ! (یعنی ایلواء) تو آپ نے فرمایا: اس کو رات میں لگایا کرو اور دن میں اس کو دھو ڈالو، اور یہ حدیث اس باب کی حدیث کے مخالف ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہ کی بیٹی کو جب ان کا خاوند فوت ہو گیا تو سرمہ لگانے کی اجازت نہیں دی نہ رات میں اور نہ دن میں۔

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کے غلط حوالہ پر ایک اور رد، از مصنف

میں کہتا ہوں: علامہ ابن بطال مالکی کی اس عبارت میں سلیم اللہ خان دیوبندی کا رد ہے، کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ فقہاء مالکیہ نے ضرورت کی وجہ سے رات اور دن دونوں میں سرمہ لگانے کی اجازت دی ہے، حالانکہ علامہ ابن بطال مالکی نے حضرت ام سلمہ کی حدیث سے یہ بتایا ہے کہ وہ رات میں تو ایلواء لگا سکتی ہیں دن میں نہیں۔ اور صحیح البخاری: ۵۳۳۸ میں یہ تصریح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ عورت کو ایام عدت میں نہ رات میں سرمہ لگانے کی اجازت دی ہے اور نہ دن میں، اور اس حدیث کو بھی علامہ ابن بطال مالکی نے نقل کیا ہے، پس بغیر تحقیق کے شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے فقہاء احناف اور مالکیہ کی طرف یہ کیسے منسوب کر دیا کہ وہ ضرورت کے وقت بیوہ عورت کو ایام عدت کے اندر دن اور رات دونوں میں سرمہ لگانے کی اجازت دیتے ہیں۔ (سعیدی غفرلہ)

صحیح البخاری: ۵۳۳۸ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں تطبیق

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: ابوعبد اللہ بن ابی صفرہ نے کہا: ان دونوں حدیثوں میں تطبیق اس طرح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایامِ عدت میں خوشبودار کریم لگانے اور زینت سے منع کیا تا کہ عدت کے دوران زیب و زینت کا سد باب ہو، کیونکہ زیب و زینت کرنا نکاح کے محرکات میں سے ہے، جس سے بیوہ کو منع کیا گیا ہے حتیٰ کہ وہ عدت سے نکل جائے اور اس میں میت کے حق کی حفاظت ہے، لیکن جب لوگوں کے اوپر اس سے مشقت ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو سرمہ لگانے کی اجازت دے دی، اور دوسری حدیث میں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً بیوہ عورت کو ایامِ عدت میں سرمہ لگانے سے منع فرمایا ہے تو یہ ممانعت تحریم کے لئے نہیں ہے، یہ ممانعت کراہیت کے لیے ہے اور یہ ممانعت تنزیہی ہے، پس جو چاہے تو وہ اپنے نفس پر شدت کرے، جیسا کہ حضرت صفیہ بنت ابی عبید نے سرمہ لگانے کو بالکل ترک کر دیا تھا حتیٰ کہ ان کی آنکھیں جلنے لگیں، سو جو چاہے وہ رخصت پر عمل کرے اور جو چاہے وہ عزیمت پر عمل کرے۔ (عزیمت کا معنی ہے: حکمِ شرعی پر اصل کے مطابق عمل کرنا اور رخصت کا معنی ہے کہ اگر اصل حکم پر عمل کرنے میں کوئی دشواری اور مشقت ہو تو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی رخصت پر عمل کیا جائے۔ سعیدی غفرلہٗ)

مسئلہ مذکورہ میں فقہاءِ مالکیہ کی تصریحات

امام مالک نے الموطا میں ذکر کیا ہے کہ ان کو یہ حدیث پہنچی ہے از سالم بن عبد اللہ اور سلیمان بن یسار، ان دونوں نے یہ اجازت دی کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو، جب اس کو اپنی بینائی پر خطرہ ہو کہ اس بیماری کی وجہ سے اس کی بینائی زائل ہو جائے گی تو وہ سرمہ لگا لے۔ اور دوا استعمال کرے جس میں خوشبو ہو، امام مالک نے کہا کہ جب اس کی ضرورت ہو تو کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دین میں آسانی ہے۔

سرمہ لگانے کے متعلق مصنف کی تحقیق

میں کہتا ہوں کہ جدید طبی تحقیق سے یہ ثابت ہے کہ سرمہ لگانے سے بینائی کا خطرہ زائل نہیں ہوتا، ہوسکتا ہے کہ قدیم زمانہ میں ایسا ہوتا ہو، لیکن اب ایسی دوائیں ایجاد ہوگئی ہیں اور ایسے قطرات ایجاد ہو گئے ہیں کہ ان قطرات کو ڈالنے سے انسان کی نظر محفوظ رہتی ہے اور ایسی دوائیں بھی ایجاد ہو گئی ہیں جن کے کھانے سے انسان کی نظر برقرار رہتی ہے، میرا اپنا تجربہ ہے کہ جب میں ۶ رجولائی ۱۹۸۵ء کو کراچی آیا تھا، اس وقت میری نظر کا نمبر ساڑھے چار تھا اور میں بغیر چشمہ کے لکھ اور پڑھ نہیں سکتا تھا، اور میری نظر بہت کمزور تھی، لیکن مسلسل جدید طبی دواؤں کے استعمال کرنے اور قطرات کو آنکھوں میں ڈالنے سے الحمد للہ! اب میری نظر بہت بہتر ہو گئی ہے اور بغیر چشمہ کے لکھنے اور پڑھنے کا کام کر لیتا ہوں اور اس وقت جو میں نعم الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۰ کو لکھوا رہا ہوں جس کی میرے عزیز حافظ محمد جمشید سلمہ اللہ العزیز و زید حبہ لیپ ٹاپ پر کمپوزنگ کر رہے ہیں اور میں لیپ ٹاپ کی اسکرین پر اس کو پڑھ رہا ہوں تو بغیر کسی چشمہ کے اس کو پڑھ رہا ہوں اور میں سرمہ بالکل نہیں لگاتا، تو ہوسکتا ہے کہ قدیم زمانہ میں ایسا ہو کہ سرمہ لگانے سے بینائی کے جانے کا خطرہ ٹل جاتا ہو لیکن اب جدید میڈیکل سائنس نے ایسی دوائیں اور ڈراپس ایجاد کر دیے ہیں کہ جن کی وجہ سے انسان کی نظر اور بینائی محفوظ رہتی ہے اور مستند ڈاکٹر سرمہ لگانے سے منع کرتے ہیں، کیونکہ اول تو سرمہ بنانے والے اتنی احتیاط

نہیں کرتے اور نہ جانے کیا کیا چیزیں پیس کر سرمہ بنا دیتے ہیں جن سے انسان کی نظر کو اور اس کی بینائی کو نقصان پہنچتا ہے، اس لیے حتی الامکان سرمہ لگانے سے اجتناب کرنا چاہیے اور جو مستند، ماہر آنکھوں کے ڈاکٹر (Eye Secialist) دوائیں بتائیں اور قطرات بتائیں ان کو استعمال کرنا چاہیے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں: المختصر الصغیر میں بیان کیا ہے کہ بیوہ عورت بغیر شدید ضرورت کے سرمہ نہ لگائے اور ایسا سرمہ لگائے جس میں خوشبو نہ ہو، اور امام شافعی نے کہا ہے کہ ہر وہ سرمہ جس میں آنکھوں کی زینت ہو، مثلاً اثمد اور اس کے مشابہ سرمہ جات، ان میں کوئی خیر نہیں ہے اور رہا فارسی اور اس کے مشابہ سرمہ جات، تو ضرورت کے وقت ان کے لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ وہ زینت نہیں ہے بلکہ اس سے آنکھوں میں بدصورتی پیدا ہوتی ہے، اور اگر شدید ضرورت ہو تو ایسا سرمہ جس میں زینت ہو تو اسے رات کو لگانا جائز ہے اور دن میں اسے پونچھ ڈالے اور امام مالک نے اس پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

امام شافعی نے کہا: ''الصبر'' (ایلوہ) آنکھوں کو زرد کر دیتا ہے، اس میں زینت ہے اور خوشبو نہیں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رات میں اس کو لگانے کی اجازت دی ہے حتیٰ کہ دکھائی نہ دے، اسی طرح اس کے مشابہ اور جو چیزیں ہیں، اور علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ، نے کہا ہے کہ ضرورت کے وقت عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور ابراہیم نخعی متوفی ۹۶ھ اور امام مالک اور فقہاء احناف نے کہا ہے کہ سیاہ سرمہ لگانے کے اندر بھی ضرورت کے وقت کوئی حرج نہیں ہے جب آنکھوں میں کوئی مرض یا بیماری ہو۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۱۰-۴۱۱، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

آیا جو بیوہ عورت عدتِ وفات گزار رہی ہو، اس کے لیے سرمہ لگانا جائز ہے یا نہیں؟

صحیح البخاری: ۵۳۳۸ میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ بیان کرتی ہیں کہ ایک عورت کا خاوند فوت ہو گیا، تو لوگوں کو اس کی آنکھوں پر خطرہ محسوس ہوا، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ سے اس کے لیے سرمہ لگانے کی اجازت طلب کی، تو آپ نے فرمایا: وہ سرمہ نہ لگائے، تم میں سے ایک عورت بری چادروں میں رہتی تھی یا برے مکان میں رہتی تھی، پھر جب ایک سال گزر جاتا تو کوئی کتا گزرتا اور وہ اونٹ کی مینگنی پھینکتی، تو اب وہ چار ماہ دس دن تک نہیں ٹھہر سکتی؟۔

الشیخ محمد علی صابونی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں مذکور ہے: ''اشتکت عینہا'' یعنی اس کی آنکھوں میں کوئی مرض پیدا ہو گیا۔

اس حدیث میں مذکور ہے: ''شر احلاسہا'': احلاس حِلس کی جمع ہے اور یہ اس چیز کو کہتے ہیں جو کپڑا کسی سواری کی پشت پر بچھایا جاتا ہے، اور یہاں اس سے مراد ہے کہ بیوہ عورت ایام عدت کے اندر جو خراب اور میلے کچیلے کپڑے پہنتی تھی۔

اس حدیث میں مذکور ہے ''رمت ببعرۃ'' یعنی وہ اونٹ کی مینگنی پھینک دیتی، اس میں اشارہ ہے کہ اس کی عدت ختم ہو گئی ہے اور یہ زمانہ جاہلیت کی عادات میں سے تھا، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا۔

حدیث مذکور کی شرح

اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں جب کسی عورت کا خاوند فوت ہو جاتا تو وہ ایک سال تک ٹھہری رہتی، اور انتہائی میلے کچیلے اور

خراب کپڑوں کے اندر عدت گزارتی، کسی ایسے مکان میں جو تنگ ہوتا اور وحشت ناک ہوتا اس مکان میں وہ اپنے خاوند کے اوپر سوگ کرتی، اور جب ایک سال گزر جاتا تو وہ عدت سے نکل آتی، پھر وہ کسی بکری یا اونٹ کی مینگنی لیتی اور جب اس کے پاس سے کوئی کتا یا گدھا گزرتا تو وہ مینگنی اس کتے یا گدھے کے اوپر پھینکتی اور یہ اشارہ کرتی کہ اس کی یہ مدت ختم ہوگئی ہے اور اب اس کا خاوند کی موت کے اوپر سوگ ختم ہو چکا ہے۔

اور حضرت عاتکہ بنت نعیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور یہ سوال کیا کہ ان کی بیٹی کا خاوند فوت ہو گیا ہے اور اس کی آنکھ میں مرض پیدا ہو گیا ہے اور خطرہ ہے کہ اس کا مرض بڑھ جائے گا تو کیا وہ سرمہ لگا لے؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ وہ سرمہ نہ لگائے، کیونکہ سرمہ لگانا زینت کے لیے ہوتا ہے اور جو عورت ایام سوگ میں ہو، اس کے لیے زینت کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ وہ سرمہ کے علاوہ کسی اور دوا سے اپنا علاج کرے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ زمانہ جاہلیت میں عورت اپنے خاوند کی وفات پر پورا ایک سال سوگ کرتی تھی اور شریعت اسلامیہ نے سہولت دی اور عدت چار مہینہ دس دن مقرر کر دی اور بیوہ عورت کو یہ حکم دیا کہ وہ اس مدت کے اندر زینت کو ترک کر دے اور زمانہ جاہلیت کے اندر جو مشکل احکام تھے ان کی تخفیف کر دی، اور بیوہ عورت کو یہ اجازت دی کہ وہ ایام عدت میں غسل کر سکتی ہے اور جو کپڑے عام طور پر پہنتی ہے وہ پہن سکتی ہے اور جب اس کو دوا اور علاج کی ضرورت ہو تو وہ دوا اور علاج کر سکتی ہے، بغیر اس کے کہ اس دوا کے اندر کوئی زینت ہو۔

(الشرح المیسر لصحیح البخاری المسمی الدرر واللآلی بشرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۳۵-۱۳۶، مکتبۃ العصریہ، مکہ مکرمہ ۱۴۳۲ھ)

۴۸۔ بَابٌ: اَلْقُسْطِ لِلْحَادَّةِ عِنْدَ الطُّهْرِ سوگ کرنے والی عورت کے لیے غسل کے وقت ''قسط'' (ایک قسم کی خوشبو) کو استعمال کرنا

اس باب میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب سوگ کرنے والی عورت حیض ختم ہونے کے بعد غسل کرے، جب وہ عورت ایسی ہو جس کو حیض آتا ہو تو وہ غسل کے وقت قسط کو استعمال کرے۔ اور قسط ایک قسم کی خوشبو ہے جو کافور کی طرح ہوتی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ قسط لوبان کی طرح ایک چیز ہوتی ہے جس کو سلگانے سے اس کے دھوئیں سے خوشبو آتی ہے۔

۵۳۴۱۔ حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ كُنَّا نُنْهَى أَنْ نُحِدَّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَلَا نَكْتَحِلَ وَلَا نَتَطَيَّبَ وَلَا نَلْبَسَ ثَوْبًا مَصْبُوغًا إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَقَدْ رُخِّصَ لَنَا عِنْدَ الطُّهْرِ إِذَا اغْتَسَلَتْ إِحْدَانَا مِنْ مَحِيضِهَا فِي نُبْذَةٍ مِنْ كُسْتِ أَظْفَارٍ وَكُنَّا نُنْهَى عَنِ اتِّبَاعِ الْجَنَائِزِ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے عبد اللہ بن عبد الوہاب نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حماد بن زید نے حدیث بیان کی، از ایوب از حفصہ از حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا، وہ بیان کرتی ہیں کہ ہم کو اس سے منع کیا جاتا کہ ہم کسی کی موت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کریں سوائے خاوند کے، اس کے اوپر چار مہینے دس دن سوگ کیا جاتا ہے اور ہم نہ سرمہ لگائیں اور نہ خوشبو لگائیں اور نہ رنگے ہوئے کپڑے پہنیں، ہاں یمن کا دھاری دار رنگین کپڑا پہن سکتی ہیں، اور ہم کو یہ رخصت دی

گئی کہ غسل کے وقت جب کوئی عورت حیض سے غسل کرے تو
تھوڑا سا قسط اظفار (یعنی ایک قسم کی خوشبو اپنی فرج پر ملے جس
سے حیض کی بدبو زائل ہو جائے) لگالے۔ اور ہم کو جنازوں کے
پیچھے جانے سے منع کیا جاتا تھا۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۵۳۴۰، ۵۳۴۱، ۵۳۴۲، ۵۳۴۳، صحیح مسلم: ۹۳۸، سنن نسائی: ۳۵۳۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۰۲، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۷، مسند احمد: ۲۰۲۷۰، سنن دارمی: ۲۲۸۶)

حدیث کے بعض مشکل الفاظ کے معانی از نواب وحید الزماں متوفی ۱۳۲۸ھ

قسط: یہ لفظ کاف اور تاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی کست، اور قاف اور طاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی قُسط۔

اس حدیث میں ثوب عصب کا لفظ ہے، عصب اس کو اس لیے کہتے ہیں کہ اس کا دھاگا باندھ کر رنگا جاتا ہے، پھر بنایا جاتا ہے، پھر بندھا ہوا مقام سفید رہتا ہے باقی رنگین رہتا ہے، اس کپڑے پر اس چھینٹ کو بھی قیاس کر سکتے ہیں جس کا رنگ پختہ ہوتا ہے۔

اور حدیث میں اظفار کا لفظ ہے، یہ عدنان کے ساحل پر ایک جگہ ہے۔ (تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۵۴ نعمانی کتب خانہ لاہور، جون ۱۹۹۰ء)

حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی از علامہ عینی (قُسط، اظفار اور ثوب عصب کے معانی)

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کے مشکل الفاظ کے معانی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قُسط: یہ لفظ اصل میں کُست ہے، پس کاف کو قاف سے بدل دیا گیا اور تاء کو طاء سے بدل دیا گیا۔ اس کی تفسیر "کتاب الحیض باب الطیب للمرأۃ عند غسلھا من الحیض" میں گزر چکی ہے۔

ثوب عصب: یہ یمن کا دھاری دھار کپڑا ہے، جس کو پہلے بنا جاتا ہے، پھر رنگا جاتا ہے۔

نبذۃ: اس کا معنی ہے: تھوڑی سی چیز۔

قسط اظفار: اظفار عدن کے ساحل پر ایک جگہ ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ ظفار ہے۔

علامہ نووی نے کہا ہے کہ "القسط والاظفار" یہ بخور کی دو معروف قسمیں ہیں، یعنی بخور کو سلگا کر اس کے دھوئیں سے حیض کی بدبو کو زائل کیا جاتا ہے، اس سے مقصود خوشبو لگانا نہیں ہوتا۔

امام ابو عبد اللہ البخاری نے کہا ہے کہ القُسط اور الکُست، یہ الکافور اور القافور کی مثل ہیں: اور نُبذَۃ کا معنی ہے: ایک ٹکڑا۔

علامہ عینی لکھتے ہیں: امام بخاری نے اس عبارت سے یہ اشارہ کیا ہے کہ قُسط میں قاف، کاف سے تبدیل کیا ہوا ہے، جیسے الکافور میں کاف، قاف سے تبدیل کیا ہوا ہے اور القُسط میں طاء، تاء سے تبدیل کی ہوئی ہے کیونکہ یہ دونوں قریب المخرج ہیں۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

لفظ "قُسط" اور "اظفار" کی تحقیق

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

"قُسط" کا لفظ قاف کے ساتھ بھی تلفظ کیا جاتا ہے اور کاف کے ساتھ بھی تلفظ کیا جاتا ہے یعنی قُسط اور کُست، اور بخور کا معنی

معلوم ہے، اور یہ ہندی میں لوبان کو کہتے ہیں۔ (المجمل ج ۲ ص ۷۵۲)
اسی طرح الاظفار ہے اور یہ تھوڑا سا عطر ہے جو ناخن کی مقدار کے مشابہ ہے۔ اور قُسط اظفار کا لفظ صحیح نہیں ہے اور نہ جزع اظفار کا لفظ صحیح ہے اور قُسط ظفار کہا جاتا ہے اور جزع ظفار کہا جاتا ہے، یہ یمن کے ایک شہر کی طرف مشہور ہے جس کو ظفار کہا جاتا ہے۔
النُبذۃ: نَبَذَ کا معنی ہے: کسی چیز کو پھینکنا، یعنی تھوڑا سا بخور یا لوبان جو آگ میں پھینک دیا جائے یا ڈال دیا جائے جس سے دھواں نکلے، اور ''نُبذۃ'' کا معنی ہے: تھوڑی سی چیز، اور علامہ داؤدی نے کہا ہے کہ لوبان کو پیسا جاتا ہے، پھر اس کو پانی میں ڈال دیا جاتا ہے، اور اس پانی کے ساتھ حیض والی عورت اپنی شرمگاہ کو دھوتی ہے تا کہ اس سے حیض کی بدبو زائل ہو جائے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۷۵-۵۷۶، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

''العصب'' کی تحقیق:

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، صحیح البخاری: ۵۳۴۱ کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس حدیث میں ''ثوب عصب'' کا لفظ ہے، یہ یمن کی چادریں ہیں جن کو بُنا جاتا ہے، پھر باندھا جاتا ہے، پھر رنگا جاتا ہے، اور اس سے سفید رنگ کا کپڑا ابنتا ہے جو رنگا ہوا نہیں ہوتا۔
صاحب منتہیٰ نے کہا ہے ''العصب'' کا معنی ہے: یمن کی بُنی ہوئی چادریں، اور بعض اہل یمن سے مروی ہے کہ العصب ایک سمندری جانور ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ فرعون کی گھوڑی ہے، اس سے سیپیاں وغیرہ بنائی جاتی ہیں، اور یہ سفید رنگ کا ہوتا ہے اور یہ بہت عجیب وغریب معنی ہے، اور اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب معنی وہ ہے جو علامہ سہیلی نے بیان کیا ہے کہ العصب ایک گھاس ہے، جو صرف یمن میں پیدا ہوتی ہے اور انہوں نے اس قول کو ابوحنیفہ الدینوری کی طرف منسوب کیا ہے اور اس سے بھی زیادہ عجیب وغریب قول علامہ داؤدی کا ہے، انہوں نے کہا ہے کہ العصب کا معنی ہے: سبز رنگ کا دھاری دار کپڑا، اور سلف صالحین کے اندر عصب کی تفسیر میں سبز رنگ کا ذکر نہیں ہے۔

سوگ کرنے والی عورت کے رنگ دار کپڑے پہننے، ریشمی کپڑے پہننے اور زیورات پہننے کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

علامہ ابن المنذر نے کہا ہے: علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ سوگ کرنے والی عورت کے لیے زرد رنگ کے یا اور کسی رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے پہننا جائز نہیں ہے، سوائے اس کے کہ جو کالے کپڑے ہیں، اس کی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے اجازت دی ہے، کیونکہ سیاہ کپڑے زینت کے لیے نہیں بنائے جاتے بلکہ یہ غم کا لباس ہے، اور عروہ نے اسود غالب کپڑوں کے پہننے کو بھی مکروہ قرار دیا اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے موٹے کپڑے پہننے کو مکروہ قرار دیا، علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: ہمارے نزدیک یہ کپڑے پہننا مطلقاً حرام ہے اور یہ حدیث ان کے خلاف حجت ہے جنہوں نے اس کی اجازت دی۔
اور ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ اس حدیث کے مفہوم سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جن کپڑوں کو رنگا نہ گیا ہو اور وہ سفید کپڑے

ہوں، ان کو سوگ والی عورت کے لیے پہننا جائز ہے، اور بعض فقہاء مالکیہ نے کہا ہے کہ جن کپڑوں کو زینت کے لیے بنایا جاتا ہے، ان کا پہننا منع ہے، اسی طرح اگر سیاہ کپڑے بھی زینت کے لیے بنائے جاتے ہوں تو ان کا استعمال کرنا بھی منع ہے اور علامہ نووی شافعی نے کہا ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے اجازت دی ہے کہ جن کپڑوں کو زینت کے لیے نہ پہنا جائے، ان کا پہننا سوگ والی عورت کے لیے جائز ہے خواہ وہ کپڑے رنگے ہوئے ہوں اور ریشمی کپڑے پہننے میں اختلاف ہے، اور فقہاء شافعیہ کے نزدیک یہ مطلقاً ممنوع ہے، خواہ وہ کپڑے رنگے ہوئے ہوں یا غیر رنگے ہوئے ہوں، کیونکہ ریشمی کپڑے عورتوں کے لیے بطور زینت کے پہننا مباح ہے اور جو عورت سوگ کر رہی ہو تو اس کو زینت کرنے سے منع کیا جاتا ہے تو جس طرح مردوں کو ریشمی کپڑا پہننا منع ہے اسی طرح جو عورت ایامِ سوگ میں ہو اس کو بھی ریشمی کپڑا پہننا منع ہے اور سونے اور چاندی اور موتیوں کے زیورات پہننے میں دو قول ہیں اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ یہ کہنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ سوگ کرنے والی عورتوں کے لیے مقصود تو زینت کو ترک کرنا ہے اور زیورات پہننے میں زینت ہوتی ہے۔

''قسطِ اظفار'' کی تحقیق

علامہ نووی نے کہا ہے ''القسط والاظفار''، یہ البخور کی دو معروف قسمیں ہیں اور ان سے خوشبو مقصود نہیں ہوتی اور حیض والی عورت کے لیے غسل کے وقت اس کی اجازت دی گئی ہے تاکہ حیض کی بدبو کو اس کے دھوئیں سے زائل کیا جائے نہ کہ اس سے خوشبو کا حصول ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ ان کے ساتھ خوشبو لگانے سے مقصود یہ ہے کہ ان کے ساتھ دوسرے اجزاء ملا لیے جائیں، پھر ان کو پیسا جائے تو ایک خاص خوشبو بن جائے اور اس سے مقصود یہ ہو کہ حیض کے خون کے اثر کو زائل کیا جائے اور اس کی بدبو کو دور کیا جائے نہ کہ اس سے خوشبو کو حاصل کیا جائے اور علامہ داؤدی کا یہ الزام ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قسط کو پیسا جائے اور اس کو پانی میں ڈالا جائے، پھر اس پانی سے عورت اپنی شرمگاہ کو دھوئے، تاکہ حیض کی بدبو زائل ہو جائے۔ قاضی عیاض نے اس معنی کا رد کیا ہے، کیونکہ حدیث کا ظاہر اس معنی کا انکار کرتا ہے، اور حدیث کا ظاہر یہ ہے کہ قسط یعنی بخور کے دھوئیں سے بدبو زائل ہو جائے اور اس پر بھی اعتراض ہے، اور اس حدیث سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جس چیز میں منفعت کو اس کا استعمال کرنا سوگ والی عورت کیلئے جائز ہے جب کہ اس میں نہ زینت ہو اور نہ خوشبو ہو جیسا کہ زیتون کا تیل سر میں لگایا جائے یا کوئی غیر خوشبو دار تیل سر میں لگایا جائے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۱-۴۹۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ بیروت، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۴۲-۵۴۳، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح بخاری: ۵۳۴۱ کی شرح از علامہ ابن بطال

علامہ ابو الحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایامِ سوگ والی عورت کے لیے حیض سے غسل کے وقت لوبان کے دھویں کے استعمال کا جواز

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کے سوا سب کا اس پر اجماع

ہے کہ جو عورت سوگ میں ہو، اس کے لیے خوشبو کو اور زینت کو استعمال کرنا ممنوع ہے، سوائے اس کے جو حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں مذکور ہے کہ ان کو اجازت دی گئی کہ جب وہ حیض سے غسل کریں، تھوڑا سا قسط (یعنی لوبان کا دھواں) لگالیں، کیونکہ قسط اس خوشبو میں سے نہیں ہے جس سے سوگ والی عورت کو منع کیا گیا ہے اور قسط بطور منفعت کے استعمال کیا جاتا ہے، اور بدبو کو زائل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور صفائی، ستھرائی اور پاکیزگی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور حیض والی عورت کو ایسا تیل لگانے کی بھی اجازت دی گئی ہے جس میں خوشبو نہ ہو اور یہ عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور ابو ثور کا قول ہے۔

ایام سوگ والی عورت کیلئے تیل، مہندی اور خضاب وغیرہ استعمال کرنے کا مسئلہ اور اس میں فقہاء اسلام کی عبارات

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ بیوہ عورت ایسا تیل استعمال کر سکتی ہے جس میں خوشبو نہ ہو، امام مالک نے بیان کیا: مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا یہ فرماتی تھیں کہ سوگ والی عورت اپنے بالوں میں کنگھی کرے اور زیتون کا تیل لگائے کیونکہ اس میں خوشبو نہیں ہے۔

اور عطاء بن رباح متوفی ۱۱۴ھ نے کہا کہ سوگ والی عورت مہندی، اور سیاہ خضاب کو ملا کر اپنے بالوں کو رنگ سکتی ہے۔ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا کہ سوگ والی عورت مہندی اور خضاب کے ساتھ اپنے بالوں میں کنگھی نہ کرے، وہ اپنے بالوں کو صرف بیری کے پتوں سے دھوئے، ایسی چیز کے ساتھ جس سے اس کے بالوں میں رنگ اور خوشبو نہ آئے اور انہوں نے کنگھی کرنے سے بھی منع کیا، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور عروہ اور سعید بن المسیب، ان سب نے سوگ والی عورت کو خضاب لگانے سے منع کیا ہے۔

علامہ ابراہیم بن المنذر متوفی ۳۱۸ھ نے کہا: تمام اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ خضاب لگانا زینت میں داخل ہے اور یہ ممنوع ہے۔

سوگ کرنے والی بیوہ عورت کے لباس پہننے کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات

نیز علامہ ابراہیم بن المنذر نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ سوگ والی عورت رنگ دار لباس اور زرد لباس نہ پہنے مگر سیاہ کپڑوں میں رنگے ہوئے لباس کو پہن سکتی ہے اور عروہ بن زبیر اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے سوگ کرنے والی بیوہ عورت کے لیے سیاہ کپڑے پہننے کی اجازت دی ہے اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے کہا ہے کہ سیاہ لباس پہننا مکروہ ہے اور عروہ یہ کہتے تھے کہ سوگ کرنے والی بیوہ عورت سرخ لباس نہ پہنے مگر یمن کا دھاری دار لباس پہن سکتی ہے اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ نے کہا ہے کہ رنگ دار لباس کو صاف کرلے مگر یمن کا دھاری دار لباس پہن سکتی ہے اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے کہا ہے کہ یمن کا دھاری دار لباس بھی نہ پہنے اور ان کا یہ قول اس حدیث کے خلاف ہے۔

امام محمد بن ادریس الشافعی المتوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے: ہر وہ رنگ جس میں زینت ہو اور کپڑے میں نقش و نگار ہو یا دھاری دار کپڑوں میں نقش و نگار ہو تو سوگ کرنے والی بیوہ ایسے کپڑوں کو نہ پہنے خواہ وہ کپڑے باریک ہوں یا موٹے ہوں۔

اور علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے امام مالک متوفی ۱۷۹ھ سے نقل کیا ہے کہ سوگ کرنے والی

عورت مہندی سے اور رنگ دار کپڑوں سے اجتناب کرے، سوا سیاہ کپڑوں کے ان کو وہ پہن سکتی ہے خواہ وہ ریشمی ہوں اور رنگ دار کپڑے خواہ اونی ہوں یا غیر اونی ہوں ان کو نہ پہنے اور نہ سبز رنگ کے کپڑے پہنے۔ اور المدونہ میں مذکور ہے کہ اگر اس کو کوئی اور کپڑے نہ ملیں تو وہ پہن سکتی ہے، نیز المدونہ میں مذکور ہے کہ باریک کپڑے نہ پہنے اور نہ یمن کے دھاری دار کپڑے پہنے اور موٹے کپڑے پہننے کے لیے انہوں نے گنجائش رکھی ہے، اور سفید کپڑے باریک پہن سکتی ہے اور ریشم کے موٹے کپڑے پہن سکتی ہے اور سوتی کپڑے پہن سکتی ہے۔

بیوہ عورت کے بناؤ سنگھار کے متعلق حسن بصری کا شاذ قول جو احادیث صحیحہ کے خلاف ہے

علامہ ابراہیم بن المنذر شافعی النیشا پوری التوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ تمام اہل علم کے برخلاف سوگ کرنے کی رائے نہیں دیتے تھے۔ انہوں نے کہا: جو عورت بھی طلاق یافتہ ہو اور جو عورت بیوہ ہو وہ دونوں سرمہ بھی لگائیں اور کنگھی بھی کریں اور جوتی بھی پہنیں، بالوں کو رنگیں، خوشبو لگائیں اور جو چاہیں کریں۔

علامہ ابراہیم بن المنذر نے کہا ہے: جب کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ بیوہ عورت پر سوگ کرنا لازم ہے، اور جس شخص کو بھی یہ احادیث پہنچی ہوں اس کے لیے لازم ہے کہ وہ ان احادیث کو تسلیم کریں اور ہو سکتا ہے کہ حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ تک یہ احادیث نہ پہنچی ہوں، یا انہوں نے ان احادیث میں وہ تاویل کی ہو جو حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے، حماد بن سلمہ نے از حجاج از حسن بن سعد از عبد اللہ بن شداد از حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا روایت کی ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ اپنے شوہر حضرت جعفر بن ابی طالب پر روئیں تو آپ نے انہیں تین دن تک رونے کی اجازت دی، پھر آپ نے ان کی طرف پیغام بھیجا کہ تم تین دن کے بعد غسل کر لینا اور سرمہ لگا لینا۔

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشا پوری الشافعی متوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ اہل علم نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو کئی وجوہ سے مسترد کر دیا اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، یہ کہتے تھے کہ یہ حدیث شاذ ہے اس کے اوپر عمل نہیں کیا جائے گا، اور امام ابو عبید الہروی التوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے کہ امہات المومنین رضی اللہ عنہن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف روایت کی ہے، پھر حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے تفصیل سے بیان کیا ہے کہ بیوہ عورت سوگ کے ایام میں ان چیزوں سے اجتناب کرے گی یعنی بناؤ سنگھار کی چیزوں سے اور تمام سلف صالحین کا اس پر عمل ہے۔ (شرح ابن بطال ج ۷ ص ۴۱۱-۴۱۳، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

امام بخاری نے اس حدیث کے عنوان میں جو ''الحادۃ'' کا لفظ لکھا ہے، اس پر علامہ کورانی کا اعتراض اور اس کا جواب

صحیح البخاری: ۵۳۴۱ کا امام بخاری نے یہ عنوان قائم کیا ہے: ''القسط للحادۃ عند الطھر''۔

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی التوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی متوفی ۶۰۶ھ، نے کہا ہے کہ امام بخاری کا ''الحادۃ'' لکھنا غلط ہے، کیونکہ سوگوار بیوہ کے لیے الحاد بغیر تاء کے لکھا جاتا ہے، کہا جاتا ہے: ''احدت وحدت فھی محد وحاد''، لیکن انہوں نے باب الحیض میں کہا ہے: حائض

وحائضۃ، پس اس قیاس پر حادۃ کہنا بھی جائز ہے۔

بیوہ عورت کے لباس کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اس حدیث میں ''ثوب عصب'' کا لفظ ہے، کہا گیا ہے کہ یہ وہ کپڑا ہے جس کو رنگنے کے بعد بُنا جائے، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے بیوہ عورت کے لیے سیاہ کپڑوں کے پہننے کو بھی جائز قرار دیا ہے، کیونکہ اس سے زینت کا قصد نہیں کیا جاتا، لیکن اس پر اعتراض ہے، کیونکہ بعض اوقات سیاہ لباس کے اندر دوسرے رنگ دار لباس کی بہ نسبت زیادہ زینت ہوتی ہے، اور مختلف شہروں کے اعتبار سے اس کا حکم مختلف ہوتا ہے۔

''کست اظفار'' کا معنی اور اس کا حکم

اس کے بعد حدیث میں ''کست اظفار'' کا لفظ ہے، اس کو القسط بھی کہا جاتا ہے اور امام بخاری نے عنوان میں القُسط ہی لکھا ہے، علامہ ابن اثیر الجزری متوفی ۶۰۶ھ نے کہا ہے کہ قُسط کا معنی ہے: عمدہ گھاس، اور اظفار، ظُفر کی جمع ہے اور یہ خوشبو کی ایک قسم ہے، اور قسط کی اضافت اظفار کی طرف اس لیے ہے کہ یہ بھی اس کا ایک جز ہے اور ایک روایت میں قسط اور اظفار کا لفظ ہے، اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس قسم کی خوشبو کی بقدرِ ضرورت اجازت ہے۔ (الکوثر الجاری ج ۹ ص ۶۲، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۱، کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

۵۳۴۱: ام عطیہ نے کہا: ہم کو میت پر تین دن سے زیادہ سوگ سے منع کیا جاتا تھا، مگر شوہر پر چار ماہ دس دن تک اور ہم سرمہ نہ لگاتی تھیں، نہ خوشبو لگاتی تھیں اور نہ ہی رنگے ہوئے کپڑے پہنتی تھیں، مگر وہ کپڑا جو پہلے سے رنگا ہوا ہو اور جب کوئی ہم سے حیض سے پاک ہو اور غسل کرے تو تھوڑا سا قسط ظفار کے استعمال کی رخصت دی جاتی ہے اور ہم کو جنازوں کے پیچھے چلنے سے منع کیا جاتا تھا۔

ابو عبداللہ بخاری نے کہا: ''قسط'' اور ''کست'' کافور قافور کی طرح ہے، نُبذَۃ بمعنی قطعہ ہے۔

عصب یمنی چادریں ہیں: ان کو بننے سے پہلے ان کے دھاگے رنگ دیئے جاتے تھے۔ ظفار میں ہمزہ پڑھنا خطا ہے، ظفار عدن کے ساحل کے کنارے ایک موضع ہے۔ (تفہیم البخاری ج ۸ ص ۱۳۴، جدہ پرنٹرز لاہور بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۴۱، کی شرح از شیوخ دیوبند

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سوگ والی عورت کے حیض سے پاک ہونے کے وقت قسط خوشبو کے استعمال کرنے کو بیان کیا ہے، حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں کہ ہم لوگوں کو کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ منانے سے منع کیا جاتا تھا، مگر شوہر پر چار مہینے دس دن تک (سوگ مناتے تھے)، ہم نہ سرمہ لگاتے تھے، نہ خوشبو لگاتے تھے، نہ رنگا ہوا کپڑا پہنتے تھے، البتہ ثوب عَصب کی اجازت تھی (ثوب عصب کی تفصیل آگے آرہی ہے)، جب ہم میں سے کوئی عورت حیض سے غسل کر کے پاک ہوتی تو تھوڑے سے قُسط اظفار (کے استعمال کرنے کی) ہمیں اجازت دی جاتی اور ہم لوگوں کو جنازے کے پیچھے چلنے سے منع کیا جاتا تھا۔

نُنْهِی: مضارع مجہول جمع متکلم کا صیغہ ہے، نون اول کے ضمہ اور ھاء کے فتح کے ساتھ رُخِصَ (بضم الراء وکسر الخاء) ماضی مجہول کا صیغہ ہے، نُبْذَۃٌ بمعنی شئی قلیل، کست اظفار: اظفار جگہ کا نام ہے، صنعانی نے فرمایا کہ صحیح لفظ ظفار ہے جو عدن کے ساحل پر ایک جگہ کا نام ہے۔ (ارشاد الساری ج ۱۱ ص ۱۱۲)

قال ابوعبد الله: القسط والکست، مثل الکافور والقافور، نُبذة: قطعة۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قسط کا لفظ قاف کے ساتھ بھی ہے اور کاف کے ساتھ بھی ہے جس طرح کافور کاف اور قاف دونوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے، نبذۃ بمعنی ٹکڑا، تھوڑا سا حصہ۔ (کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب الطلاق ص ۵۸۷، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی نے صحیح البخاری: ۵۳۴۱ کی شرح کی، اس حدیث میں قُسطِ اظفار کا لفظ ہے اور امام بخاری کے عنوان میں ''القُسط'' کا لفظ ہے، شیخ سلیم اللہ خان کو یہ چاہیے تھا کہ ''القُسط'' اور ''الکُست'' کے معنی کا بیان کرتے جو انہوں نے نہیں کیا، جب کہ اس حدیث کی شرح میں قُسط اور کُست کے معنی کو بیان کرنا ضروری تھا، پھر امام بخاری نے اس باب کے عنوان میں ''القُسط'' کا لفظ لکھا ہے اور حدیث میں ''کست اظفار'' لکھا ہے، سو انہیں چاہیے تھا کہ وہ یہ بیان کرتے کہ عنوان میں اور حدیث میں کیا مناسبت ہے اور یہ کہ اس حدیث میں جن چیزوں کی شرح ضروری تھی، ان کی شیخ سلیم اللہ خان نے شرح نہیں کی۔

۴۹۔ بَابٌ: تَلْبَسُ الْحَادَّةُ ثِيَابَ الْعَصْبِ سوگ کرنے والی بیوہ یمن کے دھاری دار کپڑے پہنے

باب مذکور کے عنوان کی شرح

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی اس باب میں یہ ذکر کیا جائے گا کہ سوگ کرنے والی بیوہ ''ثیاب العصب'' پہنے اور ہم عنقریب ذکر کر چکے ہیں کہ عَصَب کا معنی ہے: یمن کی چادریں، جن کو پہلے بُنا جاتا ہے، پھر رنگ کیا جاتا ہے، پھر بُنا جاتا ہے، پھر اس کے کناروں پر نقش ونگار بنائے جاتے ہیں، تاکہ سفید رنگ باقی رہے، اور کہا جاتا ہے: بردعصب اور برود عصب، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ دھاری دار چادریں ہیں۔

علامہ ابن الاثیر الجزری المتوفی ۶۰۶ھ نے کہا ہے کہ عدت گزارنے والی عورت کو ان کپڑوں کے پہننے سے منع کیا گیا ہے جنہیں بُننے کے بعد رنگ کیا جائے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۹، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۴۲۔ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ دُكَيْنٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ السَّلَامِ بْنُ حَرْبٍ عَنْ هِشَامٍ عَنْ حَفْصَةَ عَنْ أُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ قَالَ لِي النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ فَإِنَّهَا لَا تَكْتَحِلُ وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوغًا إِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں الفضیل بن دکین نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عبدالسلام بن حرب نے حدیث بیان کی، از ام ہشام از عطیہ، وہ بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو عورت اللہ پر ایمان رکھتی ہو اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو، اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کی موت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، سوائے اپنے

خاوند کے، کیونکہ نہ وہ سرمہ لگائے گی اور نہ وہ رنگین کپڑے پہنے گی، مگر دھاری دار یمن کے کپڑے پہن سکتی ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۵۳۴۰، ۵۳۴۱، ۵۳۴۲، ۵۳۴۳، صحیح مسلم: ۹۳۸، سنن نسائی: ۳۵۳۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۰۲، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۷، مسند احمد: ۲۰۲۷۰، سنن دارمی: ۲۲۸۶)

۵۳۴۳ـ وَقَالَ الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا هِشَامٌ حَدَّثَتْنَا حَفْصَةُ حَدَّثَتْنِي أُمُّ عَطِيَّةَ نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَا تَمَسَّ طِيبًا إِلَّا أَدْنَى طُهْرِهَا إِذَا طَهُرَتْ نُبْذَةً مِنْ قُسْطٍ وَأَظْفَارٍ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ الْقُسْطُ وَالْكُسْتُ مِثْلُ الْكَافُورِ وَالْقَافُورِ۔

اور انصاری نے کہا: ہمیں ہشام نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں حفصہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: مجھے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے حدیث بیان کی، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشبو لگانے سے منع فرمایا، مگر جس وقت عورت اپنے حیض سے غسل کرے، اس وقت تھوڑا سا قسط اور اظفار لگالے، مگر لوبان کے دھوئیں سے حیض کی بدبو کو زائل کرے، امام عبد اللہ بخاری نے کہا ہے قسط اور کست، کافور اور قافور کی مثل ہے یعنی ایک قسم کی خوشبو ہے۔

(صحیح البخاری: ۳۱۳، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۵۳۴۰، ۵۳۴۱، ۵۳۴۲، ۵۳۴۳، صحیح مسلم: ۹۳۸، سنن نسائی: ۳۵۳۴، سنن ابوداؤد: ۲۳۰۲، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۷، مسند احمد: ۲۰۲۷۰، سنن دارمی: ۲۲۸۶)

صحیح البخاری: ۵۳۴۲، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال

اس حدیث کی سند میں ہشام کا ذکر ہے، اس سے مراد ھشام بن حسان القردوسی ہیں (قاف کے پیش اور راء کے سکون کے ساتھ)۔

علامہ عینی کا حافظ ابن حجر عسقلانی کے ساتھ مناقشہ

حافظ ابن حجر عسقلانی نے لکھا ہے کہ ہشام سے مراد ہشام الدستوائی ہیں، جن کا اس سے پہلے حدیث میں ذکر ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور ۱۴۲۱ ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۴۳، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ ھ)

علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی کا ان کو ہشام الدستوائی لکھنا غلط ہے، صحیح یہ ہے کہ یہ ہشام بن حسان ہیں۔ اسی طرح الحافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف بن مزی شافعی متوفی ۷۴۲ ھ نے کہا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰)

نیز اس حدیث میں حفصہ کا ذکر ہے، اس سے مراد حفصہ بنت سیرین ہیں جو محمد بن سیرین کی بہن ہیں، اور امام بخاری نے حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو یہاں پر صراحۃً مرفوعاً بیان کیا ہے۔

سوگ کرنے والی بیوہ کے لباس پہننے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

علامہ ابراہیم بن منذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ ھ نے کہا ہے کہ اس پر اجماع ہے کہ جو بیوہ سوگ کے ایام گزار رہی ہو، اس کے لیے رنگ دار کپڑے پہننا اور زرد کپڑے پہننا جائز نہیں ہے، مگر ان کپڑوں کو پہننا جائز ہے جن کو سیاہ رنگ کے ساتھ رنگا گیا

ہو، اور عُروہ بن زبیر اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے بیوہ عورت کے لیے سیاہ رنگ کے کپڑے پہننے کی اجازت دی ہے اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، اور عُروہ یہ کہتے تھے کہ بیوہ عورت سرخ رنگ کے کپڑے نہ پہنے مگر یمن کی دھاری دار چادریں پہن سکتی ہے اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ نے کہا ہے کہ بیوہ عورت رنگ دار کپڑے پہننے سے بچے، مگر یمن کی دھاری دار چادریں پہن سکتی ہے، اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے کہا کہ بیوہ عورت یمن کی دھاری دار چادریں نہ پہنے اور زُہری کا یہ قول حدیث مذکور کے خلاف ہے۔

اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے کہ ہر وہ رنگا ہوا کپڑا جس میں زینت ہو یا وہ کپڑا دھاری دار ہو یا اس کے کناروں پر نقش و نگار ہو تو بیوہ عورت ان کپڑوں کو نہ پہنے خواہ وہ کپڑے موٹے ہوں یا باریک ہوں۔ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ بیوہ عورت مہندی لگانے سے اور رنگ کرنے سے اجتناب کرے، البتہ سیاہ رنگ کے کپڑے پہن سکتی ہے، بشرطیکہ وہ کپڑے ریشمی نہ ہوں اور اون کے رنگین کپڑے نہ پہنے اور المدونہ میں مذکور ہے کہ اگر اسے کوئی اور کپڑا نہ ملے تو پھر وہ پہن سکتی ہے اور وہ باریک کپڑے نہ پہنے اور یمن کے دھاری دار کپڑے نہ پہنے اور موٹے کپڑوں میں گنجائش ہے اور سفید باریک کپڑے پہن سکتی ہے اور موٹے ریشمی کپڑے بھی پہن سکتی ہے اور سُوتی کپڑے بھی پہن سکتی ہے۔

علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے: بیوہ عورت کے اوپر سونے اور چاندی کے زیورات کو پہننا حرام ہے، اسی طرح موتیوں کا پہننا بھی حرام ہے، اور موتیوں کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ وہ جائز ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰، بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۳، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں امام بخاری نے کہا ہے: ''الانصاری'': اس سے مراد ہیں: محمد بن عبداللہ بن المثنیٰ بن عبداللہ بن انس بن مالک، جو بصرہ کے قاضی ہیں اور امام بخاری کے شیخ ہیں، امام بخاری نے ان سے اکثر احادیث روایت کی ہیں بالواسطہ بھی اور بلاواسطہ بھی، اور شاید کہ امام بخاری نے اس حدیث کی ان سے مذاکرۃً روایت کی ہے، اس لیے انہوں نے یہ نہیں کہا کہ ہمیں انصاری نے حدیث بیان کی۔

اور اس حدیث کی سند میں ہشام بن حسان ہے، ان کا تذکرہ عنقریب ہو چکا ہے۔

اور امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے اس حدیث کو امام ابوحاتم رازی متوفی ۳۲۷ھ سے سند موصول کے ساتھ صرف لفظِ انصاری کے ساتھ روایت کیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ عورت کو کسی کی موت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کرنے سے منع فرمایا ہے، سوائے اس کے خاوند کے، کیونکہ وہ اس کے اوپر چار مہینے دس دن سوگ کرے اور نہ کوئی رنگین کپڑے پہنے، سوائے یمن کے دھاری دار کپڑوں کے، اور نہ سرمہ لگائے اور نہ خوشبو لگائے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

حدیث مذکور کے مشکل الفاظ اور مُبہم عبارات کے معانی

اس حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشبو لگانے سے منع فرمایا ہے، یہاں عبارت محذوف ہے، یعنی بیوہ عورت خوشبو نہ لگائے مگر جس وقت وہ اپنے حیض سے غسل کرے تو اس وقت وہ خوشبو لگا سکتی ہے۔

اس حدیث میں مذکور ہے نُبذَۃ یعنی وہ لوبان کا تھوڑا سا دھواں سُلگائے اور اس سے حیض کی بدبو کو زائل کرے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۰، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۳، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حیض کی بدبو زائل کرنے کے لیے خوشبو اور لوبان کے دھویں کو استعمال کرنے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کے سوا تمام علماء کا اس پر اجماع ہے، کہ سوگ کرنے والی بیوہ کے لیے خوش بو لگانا اور زینت کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے، لیکن حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ جب سوگ کرنے والی عورت حیض کا غسل کرے تو حیض کی بدبو زائل کرنے کے لیے تھوڑا سا لوبان کا دھواں استعمال کر سکتی ہے، کیونکہ لوبان کا دھواں وہ خوشبو نہیں ہے جس سے سوگ کرنے والی بیوہ کو منع کیا جائے، اور لوبان کا دھواں صرف منفعت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور بدبوؤں کو زائل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور صفائی اور پاکیزگی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور سوگ کرنے والی بیوہ کے لیے اس تیل کو بھی استعمال کرنے کی اجازت دی گئی ہے جس میں خوشبو نہ ہو اور یہ عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ کا قول ہے اور امام مالک بن انس نے کہا ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہو، وہ زیتون کا تیل لگائے اور اس کے مشابہ جو غیر خوشبودار تیل ہو اس کا استعمال کرے۔

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت ام سلمہ ام المومنین رضی اللہ عنہا یہ بیان کرتی ہیں کہ سوگ کرنے والی بیوہ اپنے اوپر زیتون کا تیل لگائے کیونکہ اس میں خوشبو نہیں ہے۔ (الموطا ص ۳۰-۲۷۱)

اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ نے کہا کہ وہ مہندی کے ساتھ کنگھی کرے جس میں خضاب ملا ہوا ہو۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۴۶، رقم الحدیث: ۱۲۱۲۲)

اور امام مالک بن انس نے کہا کہ وہ کسی ایسی چیز کے ساتھ کنگھی نہ کرے جس میں خضاب ہو، وہ اپنا سر بیری کے پتوں سے دھوئے اور انہوں نے بیوہ عورت کو کنگھی کرنے سے منع کیا ہے۔ (الموطا ص ۲۷۰)

اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور عروہ اور سعید بن المسیب متوفی ۹۰ھ نے بیوہ عورت کو خضاب لگانے سے منع کیا ہے، علامہ ابراہیم بن المنذر نے کہا ہے: تمام اہل علم کا اس مسئلہ کے اندر کوئی اختلاف منقول نہیں ہے۔

بیوہ عورت کس قسم کے کپڑے پہن سکتی ہے؟ اس مسئلہ کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات

اور خضاب زینت کی ان اقسام میں داخل ہے جن سے بیوہ عورت کو منع کیا گیا ہے، اور اس پر اجماع ہے کہ بیوہ عورت رنگین کپڑے نہ پہنے اور زرد کپڑے نہ پہنے، ہاں جو سیاہ رنگ کے ساتھ کپڑے رنگے ہوئے ہوں، وہ پہن سکتی ہے اور عُروہ بن زبیر اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے سیاہ کپڑے پہننے کی رخصت دی ہے۔ اور ابن شہاب زہری نے بیوہ عورت کو سیاہ کپڑے پہننے سے منع کیا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۴۴)

اور عُروہ کہتے تھے کہ بیوہ عورت سرخ کپڑے نہ پہنے مگر یمن کے دھاری دار کپڑے پہن سکتی ہے، اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ نے کہا ہے کہ بیوہ عورت رنگ دار کپڑے پہننے سے اجتناب کرے، سوائے یمن کے دھاری دار کپڑوں کے۔

اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے کہا ہے کہ بیوہ عورت یمن کے دھاری دار کپڑے نہ پہنے، اور زہری کا یہ قول حدیث مذکور کے خلاف ہے اور امام شافعی یہ کہتے تھے کہ ہر وہ رنگین کپڑا جس میں زینت ہو اور جس کپڑے میں نقش و نگار ہو، یا جو دھاری دار کپڑے ہوں اور اس میں نقش و نگار ہوں تو بیوہ عورت ان کو نہ پہنے، خواہ وہ کپڑے موٹے ہوں یا باریک ہوں۔

(کتاب الام ج ۵ ص ۲۱۴، دارالفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ)

اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ بیوہ عورت مہندی لگانے سے اور بالوں کو رنگنے سے اجتناب کرے، سوائے سیاہ کپڑوں کے پہننے سے، کیونکہ اس کے لیے سیاہ کپڑے پہننا جائز ہے خواہ وہ ریشمی کپڑے ہوں، اور اون کے رنگین کپڑے نہ پہنے اور نہ سبز رنگ کے کپڑے پہنے، اور المدونہ میں مذکور ہے کہ اگر اس کو ان کے سوا کوئی اور کپڑا نہ ملے تو پھر اس کے لیے ان کا پہننا جائز ہے اور امام مالک نے کہا کہ وہ باریک کپڑے نہ پہنے، اور نہ یمن کے دھاری دار کپڑے پہنے، یعنی باریک اور موٹے کپڑے پہننے کی انہوں نے اجازت دی ہے، اور انہوں نے کہا کہ وہ سفید کپڑے باریک پہن سکتی ہے اور ریشمی موٹے کپڑے پہن سکتی ہے، اور سوتی کپڑے پہن سکتی ہے اور اونی کپڑے پہن سکتی ہے۔ (المدونہ ج ۲ ص ۷۷، دار احیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک زیادہ صحیح یہ ہے کہ ریشمی کپڑے پہننا حرام نہیں ہے۔

(روضۃ الطالبین ج ۸ ص ۴۰۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ)

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ، نے کہا ہے کہ تمام علماء نے کہا ہے کہ بیوہ عورت سفید کپڑے پہن سکتی ہے۔ علامہ الابہری نے کہا ہے: جن کپڑوں کا پہننا بیوہ عورت کے لیے مباح کیا گیا ہے، ان میں زینت نہیں ہے، کیونکہ بیوہ عورت کو زینت والے کپڑے پہننے اور خوشبو لگانے سے منع کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے کپڑے وہ پہن سکتی ہے۔

علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک ان کپڑوں کا پہننا حرام نہیں ہے جن کپڑوں کو بُنا گیا ہو جیسے چادریں، (الوسیط ج ۳ ص ۱۸۱) اور انہوں نے حدیث میں جو یمن کے دھاری دار کپڑوں کا استثناء ذکر کیا گیا ہے، اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اس سے مراد یمن کے وہ دھاری دار کپڑے ہیں جن کو رنگا نہ گیا ہو۔ اسی طرح امام بیہقی نے روایت کی ہے۔

(معرفۃ السنن والآثار ج ۱۱ ص ۲۲۲)

بیوہ عورت کے متعلق زیورات پہننے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

ہمارے نزدیک بیوہ عورت کے لیے سونے اور چاندی کے زیورات کو پہننا منع ہے، کیونکہ سنن ابوداؤد میں اس کی تصریح ہے۔
(سنن ابوداؤد: ۲۳۰۴) اسی طرح سنن نسائی میں بھی سند حسن کے ساتھ اس کی تصریح کی ہے۔ (سنن نسائی ج ۶ ص ۲۰۳)

اسی طرح علامہ یحییٰ بن شرف نووی متوفی ۶۷۶ھ نے کہا ہے کہ: ہمارے نزدیک بیوہ عورت کے لیے موتیوں والا لباس پہننا بھی صحیح مذہب میں ممنوع ہے۔ (روضۃ الطالبین ج ۸ ص ۴۰۶، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۲ھ)

اور اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کی رائے یہ تھی کہ بیوہ عورت کے لیے سوگ کرنا ضروری نہیں ہے۔
(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۲۰۵، رقم الحدیث: ۱۹۲۸۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ)

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا ہے کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوہ عورت کو سوگ کرنے کا حکم دیا ہے اور کسی شخص کے لیے یہ جائز نہیں ہے جس تک یہ احادیث پہنچ گئی ہوں کہ وہ ان احادیث کو تسلیم نہ کرے، اور ہو سکتا ہے کہ حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ کو یہ احادیث نہ پہنچی ہوں، یا یہ احادیث ان کو پہنچی ہوں لیکن انہوں نے ان احادیث میں تاویل کی ہوں، جیسا کہ حضرت اسماء بنت عمیس کی حدیث ہے کہ حماد بن سلمہ نے از حجاج از الحسن بن سعد روایت کی ہے۔ اور اہل علم نے اس حدیث کو مسترد کر دیا ہے، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، یہ کہتے تھے کہ یہ حدیث شاذ ہے اور اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔

اور امام ابوعبید الہروی نے کہا کہ تمام امہات المومنین جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیوہ عورت کے سوگ کے متعلق احادیث روایت کی ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو زیادہ جاننے والی تھیں، پھر حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ بیوہ عورت عدت کے دوران سوگ کرے اور زینت والے لباس سے اجتناب کرے۔

بیوہ عورتوں کے جنائز کے ساتھ جانے کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اس سے پہلے یہ حکم کتاب الجنائز میں گزر چکا ہے، علامہ ابن التین شارح بخاری نے از ابن القرطبی روایت کی ہے کہ عورتوں کے جنازہ کے ساتھ جانے میں کوئی حرج نہیں ہے اور المدونہ میں مذکور ہے کہ اگر نوجوان عورتیں بھی جنائز کے ساتھ جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے، پس وہ خاوند کے جنازے میں اور بھائی کے جنازے میں اور بیٹے کے جنازے میں اور والد کے جنازے میں جاسکتی ہیں اور ان کے علاوہ کسی اور کے جنازے میں ان کا جانا مکروہ ہے۔ (المدونہ ج ۱ ص ۱۶۹-۱۷۰)

اور علامہ ابن حبیب مالکی نے اس حدیث کی بناء پر تمام عورتوں کو جنازوں کے ساتھ جانے سے منع کیا ہے۔
(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۷۶-۵۷۹، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۲، ۵۳۴۳ کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

ایام سوگ کے مسائل

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری نے صحیح البخاری: ۵۳۴۲، میں حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی روایت کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تصریح ہے کہ جو عورت اللہ اور آخرت پر یقین رکھتی ہے، وہ کسی کی موت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے، سوائے اپنے خاوند کی موت کے، پس وہ نہ سرمہ لگائے اور نہ رنگین کپڑے پہنے مگر یمن کے دھاری دار کپڑے۔

یہ حدیث حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے مثل ہے جو اس سے پہلے گزر چکی ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ نہ وہ سرمہ لگائے اور نہ وہ رنگین کپڑے پہنے مگر دھاری دار یمن کے کپڑے اور اس سے پہلے اس کی شرح گزر چکی ہے۔ اور اس میں یہ ذکر ہے کہ تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے اور اس سے پہلی روایت میں تین راتوں کا ذکر ہے، اور ان دونوں حدیثوں میں اس طرح تطبیق ہے کہ راتوں سے مراد دنوں کے ساتھ راتیں ہیں، اور مطلق مقید کے اوپر محمول ہے اور اوزاعی کا مذہب یہ ہے کہ وہ صرف تین راتیں سوگ کرے۔

اور صحیح البخاری: ۵۳۴۳، میں مذکور ہے کہ انصاری نے کہا: اس سے مراد محمد بن عبد اللہ بن المثنیٰ ہیں جو امام بخاری کے شیخ ہیں، اور امام بخاری نے ان کی احادیث کو بہ کثرت روایت کیا ہے، بالواسطہ بھی اور بلا واسطہ بھی۔ اور اس حدیث کی سند میں ہشام کا ذکر ہے، اس سے مراد ہشام الدستوائی ہیں جو اس سے پہلی حدیث میں مذکور ہیں۔

نیز اس حدیث میں مذکور ہے کہ نہ وہ خوشبو لگائے، یہاں امام بخاری نے اس کو اختصار سے روایت کیا ہے، اور امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ نے امام ابو حاتم رازی متوفی ۲۷۷ھ کی سند سے یہ حدیث اس طرح روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ کوئی عورت تین دن سے زیادہ کسی کی مرگ پر سوگ نہ کرے، سوائے خاوند کی موت کے، کیونکہ اس کی موت پر وہ چار مہینے دس دن سوگ کرے گی، اور نہ وہ رنگین کپڑے پہنے مگر یمن کے دھاری دار کپڑے پہن سکتی ہے اور نہ وہ سرمہ لگائے اور نہ خوشبو لگائے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۲، دار نشر الکتب الاسلامیہ، لاہور، فتح الباری ج ۶ ص ۵۴۳، دار المعرفہ بیروت)

صحیح البخاری: ۵۳۴۲، ۵۳۴۳، کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی الشافعی المتوفی ۹۱۱ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں برود یمنیہ کا ذکر ہے، جس میں سفید اور کالی دھاریاں ہوتی ہیں، اور عصب بمعنی معصوب ہے، اور ثیاب کی اضافت عصب کی طرف، موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے۔

حدیث مذکور کی سند کی شرح

علامہ قسطلانی اس حدیث کی سند کے متعلق لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں الفضل بن دُکین کا ذکر ہے (دال پر پیش ہے اور کاف پر زبر ہے)، اس کے بعد اس سند میں عبد السلام بن حرب کا ذکر ہے، یہ ابو بکر النہدی الکوفی ہیں، اس کے بعد ہشام کا ذکر ہے، یہ ابن حسان القردوسی ہیں (قاف پر پیش) حافظ ابن حجر نے کہا ہے یہ الدستوائی ہیں۔ از حفصہ، یہ بنت سیرین ہیں، از ام عطیہ: یہ نسیبۃ ہیں۔

ثوب عصب کی شرح

اس قید سے رنگین کپڑے اور ریشمی کپڑے نکل گئے، جن میں نقش و نگار کی زینت ہے، لیکن جو کپڑے رنگین ہوں اور زینت

کے لیے نہ ہوں بلکہ مصیبت کے لیے ہوں یا کالے کپڑے ہوں تا کہ میل کچیل سے بچے رہیں، ان کے پہننے میں حرج نہیں۔

(ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۱۳۰-۱۳۱، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

اس حدیث کی باقی شرح وہی ہے جو حافظ ابن حجر عسقلانی ان حدیثوں کی شرح کر چکے ہیں۔

تنبیہ: شیخ عثیمین نے اپنی شرح میں فتح الباری کی شرح کا خلاصہ لکھا ہے۔

ماتم کرنے کی ممانعت

شیخ محمد داؤد راز میواتی غیر مقلد عالم ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کسی بھی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا منع ہے، مگر خاوند کے لیے چار مہینے دس دن کے سوگ کی اجازت ہے، اب وہ لوگ خود غور کرلیں، جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر ہر سال محرم میں سوگ کرتے ہیں، سیاہ کپڑے پہنتے ہیں اور ماتم کرتے ہوئے اپنی چھاتی کو کوٹتے ہیں، یہ لوگ یقیناً اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان ہیں، اللہ ان کو ہدایت فرمائے۔ آمین

اس سلسلہ میں سنی حضرات کو ضرور غور کرنا چاہیے کہ وہ اہل سنت کے مسلک کے خلاف حرکت کر کے سخت گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ (شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۹۳، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۴ء)

صحیح البخاری: ۵۳۴۲، ۵۳۴۳، کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

باب: سوگ والی عورت بُننے سے پہلے رنگے ہوئے کپڑے پہنے

۵۳۴۲: ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی عورت کے لئے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہے، شوہر پر سوگ کے علاوہ تین دن سے زیادہ سوگ منانا حلال نہیں۔ وہ نہ تو سرمہ استعمال کرے اور نہ رنگے ہوئے کپڑے پہنے مگر وہ کپڑے پہن سکتی ہے جو بُننے سے پہلے ان کے دھاگے رنگے ہوئے ہوں۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن المنذر سے نقل کیا کہ علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ سوگ منانے والی عورت کے لئے رنگے ہوئے کپڑے اور زرد رنگ والے کپڑے پہننے جائز نہیں لیکن سیاہ رنگ کے کپڑے پہن سکتی ہے۔ اس کی عروہ بن زبیر، امام مالک، اور امام شافعی نے بھی رخصت دی ہے۔ زہری نے سیاہ رنگ والے کپڑوں کو مکروہ کہا ہے۔ عروہ بن زبیر کہتے ہیں: بُننے سے پہلے رنگے ہوئے کپڑے جائز ہیں۔ سفیان ثوری نے کہا: رنگے ہوئے کپڑوں سے اجتناب کرے، البتہ بُننے سے پہلے رنگے ہوئے کپڑے جائز ہیں۔ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جس رنگ میں زینت ہو کپڑا باریک ہو یا موٹا ہو وہ نہ پہنے۔

۵۳۴۳: انصاری نے کہا: ہمیں ہشام نے خبر دی، انہوں نے حفصہ اور ام عطیہ کے ذریعہ روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سوگ منانے والی عورت خوشبو استعمال نہ کرے، لیکن جب طہر کا وقت قریب ہو جب کہ وہ پاک ہو جائے تو تھوڑا سا قسط ظفار استعمال کرے۔

حدیث میں کچھ عبارت مقدر ہے۔ دراصل عبارت یہ ہے: "نهى النبى صلى الله عليه وسلم وقال ولا تمس طيبا" یعنی نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، چنانچہ فرمایا خوشبو نہ ملے۔

قولہ ادنیٰ بمعنی قریب ہے۔قولہ ''نبذۃ'' طِیْبًا سے بدل واقع ہے، یا فعل مقدر کا مفعول ہے یعنی وتمس طیبا من قسط واظفار، اظفار خوشبو کی قسم ہے، بعض حواشی میں ہے کہ قسط واظفار بخور کی دو قسمیں ہیں، کہ جو عورت حیض سے پاک ہو کر غسل کرے، تو بد بو دور کرنے کے لئے خون کے اثرات پر خوشبو ملے تا کہ خون کا تعفن جاتا رہے۔یہ خوشبو کے استعمال کی رخصت نہیں۔

یعنی قسط ظفار کا ٹکڑا ملے تا کہ بُو جاتی رہے۔(تفہیم البخاری، ج ۸ ص ۴۱۴-۴۱۵، جدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۴۲، ۵۳۴۳، کی شرح از شیوخ دیو بند

شیخ سلیم اللہ خان دیو بندی ان احادیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے سوگ والی عورت کے لیے ثیاب عَصب کے استعمال کی اجازت کو بیان فرمایا ہے کہ سوگ والی عورت ثیاب عصب استعمال کر سکتی ہے۔

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: عصب ایک گھاس کا نام ہے جو یمن میں ہوتی ہے، جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں، ان کپڑوں کو جو اس گھاس میں رنگے جاتے ہیں، ثیاب عَصب کہا جاتا ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس تشریح کو غریب قرار دیا۔(فتح الباری ج ۹ ص ۶۱۴)

مشہور یہ ہے کہ سوت کاتنے کے بعد اسے باندھ کر رنگ میں ڈالا جاتا ہے، اس کے بعد پھر اس کو کھولتے اور بُنتے ہیں، جہاں جہاں اس سوت کے اندر بندش ہوتی ہے وہاں رنگ نہیں پہنچتا، اس سے جو کپڑا بُنا جاتا ہے اس میں زینت نہیں ہوتی، اس لیے سوگ اور احداد کے زمانے میں اس کے پہننے کی اجازت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سوگ والی عورت کو رنگین کپڑے اور ثوب مصبوغ پہننے سے منع کیا گیا ہے لیکن یہ ممانعت ثیاب عصب کو شامل نہیں بلکہ ممانعت ان کپڑوں کے استعمال سے ہے جو بُننے کے بعد رنگے جاتے ہیں، جب کہ ثیاب بُننے سے پہلے رنگ میں ڈالے جاتے ہیں۔

دوسری روایت میں ''قال الانصاری'' سے محمد بن عبد اللہ بن المثنیٰ مراد ہیں جو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں۔

شیخ سلیم اللہ خان لکھتے ہیں:

یعنی سوگ والی عورت خوشبو استعمال نہیں کر سکتی، البتہ زمانہ طہر کے قریب تھوڑا سا قسطِ ظفار استعمال کر سکتی ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۱۵)

سوگ والی عورت کے لیے ثیاب عصب کا حکم

سوگ والی عورت کے لیے ثیاب عصب کے استعمال میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے، اس پر تو اتفاق ہے کہ معتدہ رنگین، خوبصورت اور زینت والے کپڑے استعمال نہیں کر سکتی، ثیاب عصب کے متعلق امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا صحیح قول یہ ہے کہ معتدۃ الوفات کے لیے اس کا استعمال حرام ہے اور یہی مسلک حضرات حنفیہ کا ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ کپڑا موٹا ہے، ملائم اور پتلا نہیں ہے تو پھر جائز ہے لیکن اگر وہ ملائم اور رقیق و باریک ہے

تو پھر اس کا استعمال ناجائز ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے جواز اور عدم جواز دونوں قسم کی روایات منقول ہیں، لیکن ان کی اصح روایت عدم جواز کی ہے۔

(الابواب والتراجم ج ۲ ص ۸۴، فتح الباری ج ۹ ص ۶۱۴)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عراق اور کوفہ وغیرہ میں ثوب عصب کی ترقی یافتہ شکل تیار ہو گئی تھی اور زینت کے مواقع میں اس کا استعمال کیا جاتا تھا اس لیے ہمارے فقہاء نے اپنے زمانے اور علاقے کے عرف کے مطابق معتدہ کے لیے اس کا استعمال ممنوع قرار دیا، حدیث میں ثوب عصب کی اجازت دی گئی ہے کہ اس وقت وہ ایک سادہ کپڑا شمار ہوتا تھا اور زینت کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا تھا۔

(کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب الطلاق، ص-۵۸۹، ۵۸۷، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

۵۰۔ باب: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

(البقرہ: ۲۳۴)

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، تو وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں، اور جب وہ اپنی عدت پوری کر لیں، تو وہ دستور کے موافق جو کام اپنے لیے کریں، اس میں تم پر کوئی حرج نہیں ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس کی خوب خبر رکھنے والا ہے O

۵۳۴۴۔ حَدَّثَنِي إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ أَخْبَرَنَا رَوْحُ بْنُ عُبَادَةَ حَدَّثَنَا شِبْلٌ عَنِ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ عَنْ مُجَاهِدٍ ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا﴾ قَالَ كَانَتْ هٰذِهِ الْعِدَّةُ تَعْتَدُّ عِنْدَ أَهْلِ زَوْجِهَا وَاجِبًا فَأَنْزَلَ اللّٰهُ ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ أَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْ أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ﴾ (البقرہ: ۲۴۰) قَالَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهَا تَمَامَ السَّنَةِ سَبْعَةَ أَشْهُرٍ وَعِشْرِيْنَ لَيْلَةً وَصِيَّةً إِنْ شَاءَتْ سَكَنَتْ فِي وَصِيَّتِهَا وَإِنْ شَاءَتْ خَرَجَتْ وَهُوَ قَوْلُ اللّٰهِ تَعَالَى ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ (البقرہ: ۲۴۰)

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: مجھے اسحاق بن منصور نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں روح بن عبادہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شبل نے حدیث بیان کی از ابن ابی نجیح از مجاہد، کہ قرآن مجید میں ہے: اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں۔ مجاہد نے کہا: یہ وہ عدت ہے جس میں بیوہ کو خاوند کے گھر والوں کے پاس عدت کے ایام میں رہنا واجب ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور (گھر سے) نہ نکالا جائے، پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر (ان کے) اس کام میں کوئی گناہ نہیں ہے، جو انہوں نے دستور کے مطابق کیا ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے۔ مجاہد نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بیوہ کی عدت میں

سال پورا کر کے سات مہینے بیس دن بڑھا دیے، یعنی خاوند کے مرنے کے بعد عورت کو اختیار ہے خواہ وہ ایک سال تک عدت گزارے اس وصیت کے مطابق، اور اگر چاہے تو وہ گھر سے نکل جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اور (گھر سے) نہ نکالا جائے، پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر (ان کے) اس کام میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

فَالْعِدَّةُ كَمَا هِيَ وَاجِبٌ عَلَيْهَا زَعَمَ ذَٰلِكَ عَنْ مُجَاهِدٍ وَقَالَ عَطَاءٌ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ نَسَخَتْ هَٰذِهِ الْآيَةُ عِدَّتَهَا عِنْدَ أَهْلِهَا فَتَعْتَدُّ حَيْثُ شَاءَتْ وَقَوْلُ اللّٰهِ تَعَالَىٰ ﴿غَيْرَ إِخْرَاجٍ﴾

پس یہ عدت اس طرح بیوہ عورت پر گزارنا واجب ہے، یہ مجاہد کا زعم ہے، اور عطاء نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ اس آیت نے اس عدت کو منسوخ کر دیا ہے کہ عورت پر واجب تھا کہ وہ خاوند کے گھر والوں کے پاس رہے، اب وہ عورت جہاں چاہے عدت گزارے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا: اور (گھر سے) نہ نکالا جائے۔

وَقَالَ عَطَاءٌ إِنْ شَاءَتْ اعْتَدَّتْ عِنْدَ أَهْلِهَا وَسَكَنَتْ فِي وَصِيَّتِهَا وَإِنْ شَاءَتْ خَرَجَتْ لِقَوْلِ اللّٰهِ

تو عطاء بن ابی رباح نے اس کی تفسیر میں کہا کہ اگر بیوہ عورت چاہے تو خاوند کے گھر والوں کے پاس عدت گزارے اور اس وصیت کے مطابق وہاں رہے، اور اگر چاہے تو ان کے گھر سے نکل جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ﴾ (البقرہ: ۲۴۰) قَالَ عَطَاءٌ ثُمَّ جَاءَ الْمِيرَاثُ فَنَسَخَ السُّكْنَىٰ فَتَعْتَدُّ حَيْثُ شَاءَتْ وَلَا سُكْنَىٰ لَهَا۔

تو تم پر (ان کے) اس کام میں کوئی گناہ نہیں ہے، جو انہوں نے دستور کے مطابق کیا ہے۔ عطاء نے کہا: پھر میراث کی آیت نازل ہوئی، اور اس نے خاوند کے گھر میں رہائش کو منسوخ کر دیا، اب بیوہ عورت جہاں چاہے عدت گزارے اور اس کے لیے رہائش نہیں ہوگی۔

(صحیح البخاری: ۴۵۳۱، ۵۳۴۴، سنن نسائی: ۳۵۳۱، سنن ابوداؤد: ۲۳۰۱)

شیخ وحید الزمان غیر مقلد متوفی ۱۳۲۸ھ صحیح البخاری: ۵۳۴۴ کی شرح میں لکھتے ہیں:

البقرہ: ۲۳۴ اور البقرہ: ۲۴۰ میں سے کون سی آیت منسوخ ہے؟

اگر عورت سات مہینے بیس دن یعنی ایک سال پورا ہونے تک اپنے سسرال میں رہنا چاہے تو سسرال والے اس کو نکال نہیں سکتے، غیر اخراج کا یہی مطلب ہے، یہ مذہب خاص مجاہد کا ہے، انہوں نے یہ خیال کیا کہ ایک سال کی عدت کا حکم بعد میں نازل ہوا ہے اور چار مہینے دس دن کی عدت کا حکم پہلے نازل ہوا ہے، اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ناسخ منسوخ سے پہلے نازل ہوا ہو، اس لیے انہوں

نے دونوں آیتوں میں اس طرح تطبیق دی، باقی تمام مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ایک سال کی عدت کی آیت منسوخ ہے اور چار مہینے دس دن کی آیت اس کی ناسخ ہے، اور پہلے ایک سال کی مدت کا حکم نازل ہوا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو کم کر کے چار مہینے دس دن کی عدت مقرر فرمائی اور دوسری آیت نازل فرمائی۔ (تیسیر الباری شرح صحیح بخاری، ج ۵ ص ۲۵۵، نعمانی کتب خانہ)

دوسرے غیر مقلد عالم شیخ محمد داؤد راز میواتی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

عام مفسرین کا یہ قول ہے کہ ایک سال کی مدت کی آیت منسوخ ہے، اور چار مہینے دس دن کی آیت اس کی ناسخ ہے، اور پہلے ایک سال کی عدت کا حکم نازل ہوا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے کم کر کے چار مہینے اور دس دن کی عدت مقرر کر کے دوسری آیت نازل فرمائی، اگر وہ عورت سات مہینے بیس دن یا ایک سال پورا ہونے تک اپنے سسرال میں رہنا چاہے تو سسرال والے اسے نکال نہیں سکتے، غیر اخراج کی یہی تفسیر ہے۔ یہ مذہب خاص مجاہد کا ہے، ان کی رائے یہ ہے کہ ایک سال کی عدت کا حکم بعد میں نازل ہوا ہے اور چار مہینے دس دن کا حکم پہلے نازل ہوا ہے، اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ناسخ منسوخ سے پہلے نازل ہوا ہو، اس لیے انہوں نے ان دونوں آیتوں میں اس طرح تطبیق دی، تاہم باقی مفسرین کا یہ قول ہے کہ ایک سال کی عدت کی آیت منسوخ ہے اور چار مہینے دس دن کی عدت کی آیت اس کی ناسخ ہے۔ اور پہلے ایک سال کی عدت کا حکم نازل ہوا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو کم کر کے چار مہینے دس دن کی عدت کا حکم نازل فرمایا اور دوسری آیت نازل فرمائی یعنی اربعة اشهر وعشرا، اب عورت خواہ سسرال میں رہے، خواہ اپنے میکے میں رہے، اسی طرح تین طلاق کے بعد خاوند کے گھر میں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، خاوند کے گھر میں عدت پوری کرنا اس وقت عورت پر واجب ہے جب طلاق رجعی ہو کیونکہ خاوند کے رجوع کرنے کی امید ہوتی ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۹۴-۹۵، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۴ء)

شیخ داؤد راز کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

شیخ داؤد راز نے یہ غلط لکھا ہے کہ تین طلاق یافتہ عورت پر خاوند کے گھر میں عدت پوری کرنا واجب نہیں ہے، کیونکہ حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا نے یہ کہا تھا کہ ان کے خاوند نے ان کو تین طلاقیں دے دیں، اور ان کے لیے نہ رہائش مہیا کی اور نہ ان کو خرچ دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے لیے نہ رہائش ہے نہ خرچ ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کی اس روایت کو مسترد کر دیا، اور فرمایا کہ ہم ایک عورت کے قول کی بناء پر کتاب اللہ کے حکم کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو نہیں ترک کریں گے، پتا نہیں اس عورت نے اس حدیث کو یاد رکھا یا بھول گئی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مطلقہ کے لیے رہائش کو واجب کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَ لَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَ اِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَ اْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ

ان (مطلقہ) عورتوں کو اپنی وسعت کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہتے ہو، اور ان کو تنگ کرنے کے لیے ان کو تکلیف نہ پہنچاؤ، اگر وہ حاملہ ہوں تو وضع حمل تک ان کو خرچ دو، اور اگر وہ تمہارے لیے (بچہ کو) دودھ پلائیں تو ان کو ان کی اجرت دو، اور رواج کے

بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ؕ مطابق آپس میں مشورہ کرلو، اور اگر تم دونوں دشواری محسوس کرو تو کوئی دوسری عورت دودھ پلا دے گی O (الطلاق:۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مطلقاً مطلقہ کے لیے رہائش اور عدت کے دوران خرچ کو واجب فرمایا ہے، اور اس کی طلاقِ رجعی کے ساتھ کوئی تخصیص نہیں فرمائی، لہٰذا شیخ داؤد راز کا رہائش کو طلاقِ رجعی کے ساتھ خاص کرنا قطعاً باطل ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ نے بھی حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی اس روایت کو مسترد کر دیا تھا۔ (سعیدی غفرلہٗ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۴، کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں:

اس حدیث کی سند میں شبل کا ذکر ہے (شین پر زیر ہے اور باء پر جزم ہے) یہ شبل بن عباد ہیں، (عین پر زبر اور باء پر تشدید) یہ مکی ہیں، یہ عبد اللہ بن ابی نجیح سے روایت کرتے ہیں، اور ان کا نام یسار ہے جو یمین کی ضد ہے، اور یہ حدیث اسی سند اور متن کے ساتھ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے۔ (صحیح البخاری: ۴۵۳۱)

حدیث مذکور کے بعض مبہم الفاظ کی شرح اور مشکل الفاظ کے معانی

مجاہد نے کہا کہ بیوہ عورت کے اوپر یہ عدت واجب ہے: علامہ عینی لکھتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ عبارت یوں ہوتی ''کہ بیوہ عورت پر یہ عدت واجبۃ ہے'' اور تانیث کا صیغہ ہوتا، لیکن اس کی توجیہ یوں ہے کہ بیوہ عورت کے لیے یہ امر واجب ہے، یا یہ کہا جائے کہ واجب سے مراد وہ ہے کہ جس کے تارک کی مذمت کی جائے، اور اس کی وصفیت سے قطع نظر کی جائے۔

مجاہد کے کلام کا حاصل

مجاہد کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ بیوہ کی عدت چار مہینے دس دن ہے، اور بیوہ کے گھر والوں پر یہ واجب کیا ہے کہ وہ اس کو سات مہینے بیس دن تک اپنے گھر میں رہنے دیں تا کہ سال پورا ہو جائے۔

علامہ ابن بطال مالکی نے کہا ہے: یہ قول مفسرین میں سے کسی کا بھی نہیں ہے، اور نہ بعد کے فقہاء تابعین کا یہ قول ہے، بلکہ سب کا اس پر اجماع ہے کہ ایک سال عدت گزارنے کی آیت منسوخ ہو چکی ہے اور رہائش عدت کے تابع ہے، پس جب ایک سال کی عدت کا حکم منسوخ ہو گیا، چار مہینے دس دن کی آیت سے، تو ایک سال تک شوہر کے گھر میں رہنے کا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔

علامہ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ اس میں علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ ایک سال کی عدت کا حکم چار مہینے دس دن کی عدت کے حکم سے منسوخ ہو گیا، اور علماء کا غیر اخراج کی تفسیر میں اختلاف ہے، سو جمہور کا موقف یہ ہے کہ یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا ہے۔

امام بخاری نے کہا: یہ مجاہد کا زعم ہے، یعنی ابن ابی نجیح نے کہا: مجاہد سے منقول ہے کہ عدت چار مہینے دس دن واجب تھی، اور پورا سال کرنا وصیت کے ازواج سے بیوہ کے لیے اختیار تھا، اگر وہ چاہے تو وصیت کو قبول کرے اور پورا سال عدت گزارے اور اگر چاہے تو عدت واجبہ پر کفایت کر لے، اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہو کہ عدت پورا سال تک مکمل

کرنا واجب ہے لیکن رہائش خاوند کے گھر والوں کے پاس چار مہینے دس دن تک واجب ہے اور سال پورا کرنے میں بیوہ کو اختیار ہے، خلاصہ یہ ہے کہ مجاہد نسخ کے قول کا اعتبار نہیں کرتے۔ واللہ اعلم

امام بخاری نے لکھا ہے: اور عطاء نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس آیت نے بیوہ عورت کی عدت کو کے گھر والوں کے پاس رہنے کے لزوم کو منسوخ کر دیا، اب وہ جہاں چاہے عدت گزارے۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا معنی ہے: ''غَيْرَ إِخْرَاجٍ''۔

یعنی عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ نے از حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے یہ روایت کی ہے اور اس کی تفسیر سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔

اور امام بخاری نے کہا کہ عطاء نے کہا: اگر بیوہ عورت چاہے اپنے خاوند کے گھر والوں کے پاس عدت گزارے اور وصیت کے مطابق وہاں رہائش رکھے، اور اگر چاہے تو ان کے گھر سے چلی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَعْرُوفٍ تو تم پر (ان کے) اس کام میں کوئی گناہ نہیں ہے، جو انہوں نے دستور کے مطابق کیا ہے۔ (البقرہ: ۲۴۰)

عطاء نے کہا: پھر میراث کی آیت نازل ہوئی اور رہائش کے حکم کو منسوخ کر دیا گیا، اب بیوہ عورت جہاں چاہے عدت گزارے اور اس کے اوپر خاوند کے گھر میں رہائش لازم نہیں ہے۔

علامہ عینی فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا یہی قول ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو گیا ہے، اس کے لیے خاوند کے اوپر رہائش لازم نہیں ہے، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے کہ جس طرح اس پر نفقہ واجب نہیں ہے، رہائش بھی لازم نہیں ہے، اور امام شافعی کا زیادہ ظاہر قول یہ ہے کہ واجب ہے، اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ کا قول یہ ہے کہ بیوہ عورت کے لیے رہائش لازم ہے، جب کہ گھر میت کی ملکیت میں ہو۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱-۱۲، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۴ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابو حفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی سند کے بعض رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں شبل کا ذکر ہے، یہ شبل بن عباد المکی ہیں، امام بخاری ان سے روایت میں منفرد ہیں اور اس حدیث کی سند میں ابن ابی نجیح کا ذکر ہے، یہ عبداللہ بن یسار ہیں۔

اس حدیث میں ''النعیّ'' کا لفظ ہے (عین کے نیچے زیر اور یا مشدد) اس کا معنی ہے: موت کی خبر۔

حدیث مذکور کا خلاصہ

مجاہد نے جو کہا ہے کہ بیوہ عورت کے اوپر ایک سال پورا کرنے کی عدت لازم ہے، یہ غریب قول ہے، اور حضرت ابن الزبیر

رضی اللہ عنہما نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ نے اس آیت یعنی البقرہ: ۲۴۰ کو کیوں ثابت رکھا ہے، حالانکہ اس کو دوسری آیت یعنی البقرہ: ۲۳۴ منسوخ کر چکی ہے، تو انہوں نے کہا: اے میرے بھتیجے! میں کسی چیز کو اس کی جگہ سے متغیر نہیں کرتا۔
(صحیح البخاری: ۴۵۳۰)

حضرت ابن الزبیر رضی اللہ عنہما کی مراد یہ تھی کہ البقرہ: ۲۴۰ کو جس میں ایک سال تک عدت گزارنے کا حکم ہے، اس کو البقرہ: ۲۳۴ نے منسوخ کر دیا جس میں چار مہینے دس دن عدت گزارنے کا ذکر ہے، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے، اس آیت نے بیوہ عورت کے لیے اس حکم کو منسوخ کر دیا کہ وہ ایک سال تک شوہر کے گھر والوں کے پاس عدت گزارے، تو وہ جہاں چاہے عدت گزارے۔

اور دوسرے علماء نے یہ کہا ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہوئی ہے، اور اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورتوں کو اس حکم کے ساتھ خاص کیا ہے کہ وہ ایک سال تک عدت گزاریں۔

اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ کا قول یہ ہے کہ پھر میراث کی آیت نازل ہوئی تو اس نے بیوہ عورت کے لیے رہائش کے حکم کو منسوخ کر دیا، پس وہ جہاں چاہے عدت گزارے، اور اس کے لیے رہائش نہیں ہوگی۔ (صحیح البخاری: ۴۵۳۱)

بیوہ عورت کے لیے رہائش کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

اور یہی امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا قول ہے کہ بیوہ عورت کے لیے رہائش لازم نہیں ہے اور امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ کے دو قولوں میں سے بھی ایک قول یہی ہے کہ جس طرح اس کے لیے خرچ واجب نہیں ہے، اسی طرح رہائش بھی واجب نہیں ہے اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کے لیے رہائش بھی واجب ہے اور خرچ بھی واجب ہے، کیونکہ حضرت الفریعہ کی حدیث اس کے متعلق درج ذیل کتب حدیث میں ہے۔ (سنن ابوداؤد: ۲۳۰۰، سنن ترمذی: ۱۲۰۴، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۹۹-۲۰۰)

اور امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ بیوہ عورت کے لیے رہائش لازم ہے، اگر وہ گھر میت کی ملکیت میں ہو یا وہ اس کو کرائے پر لے کر دے۔ (المنتقی للباجی ج ۴ ص ۱۳۴)

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس آیت کا حکم میراث کی آیت سے منسوخ ہو گیا، اور ایک سال عدت گزارنے کا حکم منسوخ ہو گیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورت کی عدت چار مہینے دس دن مقرر کر دی ہے، اور حضرت الفریعہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: تم اپنے گھر میں عدت گزارو حتیٰ کہ کتاب کا حکم اپنی مدت کو پہنچ جائے۔

امام مالک سے ایک روایت ہے کہ بیوہ عورت کے لیے رہائش ہے، اور دوسری روایت ہے کہ اس کے لیے رہائش نہیں ہے، امام مالک نے کہا: میت کی زوجہ کرایہ ادا کرنے کے بعد زیادہ حق دار ہے، یعنی جب وہ ماہانہ کرایہ دے یا سالانہ کرایہ دے، اور اگر اس نے سالانہ کرایہ نقد دیا تو وہ رہائش کی زیادہ حق دار ہے۔

اگر بیوہ عورت سفر کے لیے دو دن یا زیادہ دن کی مسافت کے لیے جائے اور واپس آ جائے تو اس پر یہ واجب نہیں ہے کہ وہ وہاں رات گزارے جیسا کہ اس کے اوپر واجب ہے کہ اپنے خاوند کے گھر رات گزارے اور اصبغ مالکی نے کہا ہے کہ وہ اگلے دن لوٹ آئے، اگر وہ اس پر قادر ہو۔ (التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۵ ص ۵۸۱-۵۸۲، وزارۃ الاوقاف والشؤن الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۴ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مجاہد کے مذہب کا بیان

مجاہد کا مذہب یہ ہے کہ جس آیت میں مذکور ہے:

يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (البقرہ: ۲۳۴) وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں۔

وہ کہتے ہیں یہ آیت درج ذیل آیت سے پہلے نازل ہوئی ہے:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (البقرہ: ۲۴۰)

اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور اپنی بیویاں چھوڑ جائیں، وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور (گھر سے) نہ نکالا جائے، پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر (ان کے) اس کام میں کوئی گناہ نہیں ہے، جو انہوں نے دستور کے مطابق کیا ہے، اور اللہ بہت غالب بڑی حکمت والا ہے O

مجاہد کے مذہب پر ایک اشکال

اور انہوں نے ایک سال کی عدت والی آیت کو چار ماہ دس دن کی عدت والی آیت سے منسوخ نہیں قرار دیا، اور ان پر یہ اشکال ہوا کہ منسوخ کا ناسخ کے ساتھ استعمال کرنا ممکن نہیں ہے، اور مجاہد کی رائے یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں کو استعمال کرنا ممکن ہے، کیونکہ ان دونوں کے حکم میں کوئی تعارض نہیں ہے، اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیوہ عورت کے اوپر چار ماہ دس دن کی عدت لازم کی ہو، تو اس کے اوپر فرض ہے کہ وہ چار ماہ دس دن تک اپنے گھر سے نہ نکلے، اور اس کے گھر والوں کو یہ حکم دیا کہ وہ اس کو سات ماہ اور بیس راتوں تک مزید رہنے دیں تا کہ سال مکمل ہو جائے، اگر وہ عورت چاہے، یا وہ نکلنا چاہے تب بھی اس پر کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ (البقرہ: ۲۴۰) وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور (گھر سے) نہ نکالا جائے۔

مجاہد کی رائے یہ ہے کہ کتاب اللہ کے کسی حکم کو ساقط نہ کیا جائے جس کا استعمال کرنا ممکن ہو اور جس کا منسوخ ہونا ظاہر نہ ہوا ہو، لیکن مجاہد کا یہ قول وہ ہے کہ جس کو مفسرین قرآن میں سے ان کے علاوہ کسی نے بھی نہیں کہا اور نہ فقہاء امت کے تابعین میں سے کسی نے کہا ہے، بلکہ جماعتِ مفسرین اور تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ البقرہ: ۲۴۰ جس میں ایک سال تک عدت گزارنے کا حکم ہے، وہ درج ذیل آیت سے منسوخ ہو گیا ہے:

مجاہد کے مذہب کا رد

يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ　وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں۔ (البقرہ: ۲۳۴)

اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے ایک عورت پہلے ایک سال کے بعد اونٹ کی مینگنی پھینکتی تھی اور ایک سال عدت گزارتی تھی تو اب تم پر چار ماہ دس دن عدت گزارنا کیوں مشکل ہے؟۔

مجاہد کے قول کے غلط ہونے پر مزید دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بیوہ عورت کے لیے چار ماہ دس دن کی عدت کو لازم کیا ہے، پس امت کا اس پر اتفاق ہے کہ اس عدت کے بعد وہ عورت اپنے شوہر کے لیے اجنبی ہو جائے گی اور نہ اس کے لیے رہائش ہوگی اور نہ کچھ اور ہوگا، وہ عورت چاہے یا نہ چاہے، اور یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ عدت کے بعد اپنے شوہر کے گھر میں رہے جبکہ وہ اب اس کی بیوی نہیں ہے اور نہ اس کے پیٹ میں حمل ہے جو اس بات کو واجب کرے کہ وضع حمل تک وہ اپنے شوہر کے گھر میں رہے۔ اور نیز جب اللہ تعالیٰ نے ایک سال کی عدت کو منسوخ کر دیا اور رہائش عدت کے ساتھ مربوط تھی اور جب اللہ تعالیٰ نے چار سال کی عدت کا حکم نازل فرما دیا، تو محال ہے کہ عدت کے غیر میں اس کے لیے رہائش ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی وضاحت

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے کہ بیوہ عورت جہاں چاہے عدت گزارے، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عائشہ، اور حضرت جابر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی قول ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ رہائش کا حکم مطلقہ کے لیے واجب ہے، اور یہ قرآن مجید کی نص صریح سے ثابت ہے اور قرآن مجید میں مطلقہ کو رہائش دینے کا حکم ہے، اور احکام صرف قرآن مجید کی نص صریح سے یا سنت سے یا اجماع سے ثابت ہوتے ہیں اور اس سے پہلے اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف گزر چکا ہے جو حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی حدیث میں گزر چکا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس عورت کو تین طلاقیں دی گئی ہوں، اس کے لیے تو کتاب اور سنت سے رہائش لازم ہے، لیکن بیوہ عورت کے لیے چار ماہ دس دن کے بعد ایک سال تک رہائش قرآن وسنت میں واجب نہیں ہے۔

(شرح ابن بطال، ج ۷ ص ۴۱۵-۴۱۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۴، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

علامہ ابن بطال مالکی متوفی ۴۴۹ھ نے کہا ہے کہ مجاہد کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ　وہ (عورتیں) اپنے آپ کو (عقد ثانی سے) چار ماہ دس دن روکے رکھیں۔ (البقرہ: ۲۳۴)

یہ آیت، درج ذیل آیت سے پہلے نازل ہوئی:

وَصِيَّةً لِأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ (البقرہ:۲۴۰) وہ اپنی بیویوں کے لیے وصیت کر جائیں کہ انہیں ایک سال تک خرچ دیا جائے اور (گھر سے) نہ نکالا جائے۔

جیسا کہ البقرہ: ۲۳۴ تلاوت میں پہلے ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو یہ اشکال تھا کہ ناسخ منسوخ سے پہلے ہے، ان کی رائے یہ تھی کہ اس کا استعمال ممکن ہے، اور متعارض نہیں ہے، کیونکہ یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیوہ پر چار ماہ دس دن عدت واجب کی ہو اور اس کے گھر والوں پر یہ واجب کیا ہو کہ ان کے پاس سات مہینے اور بیس راتیں رہے تا کہ سال پورا ہو جائے۔ اور یہ وہ قول ہے کہ مفسرین میں سے مجاہد کے علاوہ اور کسی نے بھی نہیں کہا، اور نہ فقہاء اسلام میں سے کسی نے مجاہد کی متابعت کی ہے اور تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ ایک سال تک عدت گزارنے کی آیت جو ہے یہ منسوخ ہوگئی ہے، اور رہائش بھی عدت کے تابع ہے، پس جب چار مہینے دس دن کی عدت سے ایک سال کی عدت منسوخ ہوگئی تو ایک سال کی رہائش بھی منسوخ ہوگئی۔

حافظ ابن عبد البر مالکی نے کہا ہے کہ اس میں علماء کا اختلاف نہیں ہے کہ ایک سال کی عدت چار مہینے دس دن کی عدت سے منسوخ ہوگئی ہے، اور گھر سے نہ نکالنے کا حکم بھی منسوخ ہو گیا ہے اور صحابہ اور تابعین اور علماء اسلام میں سے کسی نے بھی مجاہد کی موافقت نہیں کی ہے۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۹۳ ۴-۹۴ ۴، دار نشر الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۴۴، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۴ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

ایک سال کی عدت گزارنے کی حکمت اور سوگ کرنے والی بیوہ کے لیے ضرورت کے اوقات میں گھر سے نکلنے کی اجازت

یہ حکم شوہر کے متعلق اس اعتبار سے ہے کہ اس کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ یہ وصیت کرے کہ اس کی بیوہ اس کے گھر میں پورا ایک سال عدت گزارے لیکن اگر وہ چاہے تو گھر سے باہر نکل سکتی ہے، اور اگر چاہے تو وہ گھر میں باقی رہے، پس وہ آزاد ہے، یعنی چار ماہ دس دن عدت گزارنے کے بعد وہ آزاد ہے، اور اس میں حکمت یہ ہے کہ خاوند کے حق کی حفاظت کی جائے، اور عدت کے دوران نکاح کا پیغام دینے والے اس مدت کے دوران اس کو نکاح کا پیغام نہ دیں، سو وہ گھر سے نہ نکلے، مگر اہلِ علم نے کہا ہے کہ جائز ہے کہ وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے دن میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے، مثلاً بیوہ عورت کے پاس کوئی ایسا شخص نہ ہو جو اس کو کھانے پینے کی چیزیں لا دے، پس وہ گھر سے باہر جائے تا کہ وہ روٹی اور طعام یا اس کے مشابہ چیزیں خرید لے، اور اگر وہ پڑھانے والی ہے تو تدریس کے لیے جائے، کیونکہ پڑھانا بھی اس کی ضروریات میں سے ہے، اسی طرح طالبہ کو امتحان کے ایام میں گھر سے باہر نکلنے کی ضرورت ہوتی ہے، پس اگر وہ طالبہ سوگ کے ایام میں ہو تو وہ دن میں امتحان دینے کے لیے جا سکتی ہے لیکن رات میں بغیر شدید ضرورت کے نہ جائے، مثلاً اس کو یہ خطرہ ہو کہ اس کے گھر کی چھت بارش کی وجہ سے گر جائے گی یا اس کے گھر کو آگ لگ جائے گی، تو اس صورت میں وہ گھر سے باہر نکل سکتی ہے، یا اس کو یہ خطرہ ہو کہ گھر کی دیوار گر جائے گی تو ایسی ناگزیر

صورتوں میں سوگ میں عدت گزارنے والی عورت کے لیے رات کو بھی گھر سے باہر نکلنا جائز ہے۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۰۶، مکتبۃ الطبری القاہرہ، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۴، کی شرح از علامہ کورانی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

احادیث کی روشنی میں مجاہد اور عطاء بن ابی رباح کے قول اور ان کے رد کا حکم

اگر تم یہ سوال کرو کہ مجاہد کے کلام کا خلاصہ کیا ہے؟ تو میں کہوں گا کہ مجاہد نے یہ زعم کیا کہ البقرہ: ۲۳۴ پہلے نازل ہوئی ہے اور البقرہ: ۲۴۰ بعد میں نازل ہوئی ہے، لیکن عدت گزارنے والی عورت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو پورا سال عدت گزارے اور اگر وہ چاہے تو سال پورا ہونے سے پہلے گھر سے نکل جائے اور مجاہد کا یہ قول ایسا ہے کہ اس سے پہلے کسی نے بھی یہ بات نہیں کہی، کیونکہ امام ابوداؤد اور نسائی نے یہ روایت کی ہے کہ ایک سال کی عدت چار ماہ دس دن کی عدت سے منسوخ ہو گئی ہے۔

(سنن ابوداؤد: ۲۲۹۸، کتاب الطلاق، باب نسخ المتوفی عنہا زوجھا)

اور عطاء نے کہا: پھر میراث کی آیت نازل ہوئی تو بیوہ کے لیے رہائش کے حکم کو منسوخ کر دیا اور اس کے لیے رہائش نہیں ہوگی۔

علامہ کورانی فرماتے ہیں: عطاء کے اس قول کے موافق ائمہ میں سے کسی کا بھی مذہب نہیں ہے، کیونکہ امام احمد نے روایت کی ہے کہ حضرت فریعہ بنت مالک بن سنان نے بیان کیا کہ میرے خاوند شاسعہ کے گھر میں شہید کر دیے گئے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ وہ کسی اور گھر میں منتقل ہو کر عدت گزاریں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اسی گھر میں عدت گزارو، جس گھر میں تمہارے خاوند کی موت کی خبر پہنچی ہے حتیٰ کہ کتاب اپنی مدت کو پہنچ جائے۔

(سنن ترمذی: ۱۲۰۴، سنن نسائی: ۳۵۳۲، سنن ابوداؤد: ۲۳۲۰، سنن ابن ماجہ: ۲۰۳۱، مسند احمد: ۷ ۲۶۵۴)

صحیح البخاری: ۵۳۴۴، کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

مجاہد کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ معتدہ (عدت گزارنے والی عورت) چار ماہ دس دن تک انتظار کرے اور اس کے گھر والوں پر واجب کیا گیا کہ وہ ان کے پاس باقی سات مہینے اور بیس دن یعنی پورا سال مکمل کرے۔ ابن بطال نے: کہا کسی مفسر نے یہ تفسیر نہیں کی اور نہ ہی کسی فقیہ نے یہ کہا ہے بلکہ انہوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ سال والی آیت منسوخ ہے اور سکنیٰ سال کی عدت کے تابع ہے۔ جب چار ماہ دس دن عدت سے سال بھر کی عدت منسوخ ہو گئی تو سکنیٰ بھی منسوخ ہو گیا، چنانچہ ابن عبدالبر نے کہا کہ علماء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ چار ماہ دس دن عدت نے سال بھر کی عدت کو منسوخ کر دیا ہے، البتہ اختلاف صرف ''غیر اخراج'' میں ہے۔ جمہور علماء نے کہا: یہ بھی منسوخ ہے۔

ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ جو عدت واجب ہے وہ صرف چار ماہ دس دن ہے اور سال بھر عدت میں رہنا یعنی سات ماہ بیس روز زیادہ عدت گزارنا وصیت کے اعتبار سے اس کے اختیار میں ہے۔ اگر وہ چاہے تو وصیت کو قبول کرے اور پورا

سال عدت گزارے اور اگر چاہے تو صرف واجب پر اکتفاء کرے جو چار ماہ دس دن ہے۔ بعض نے یہ معنی بیان کیا ہے کہ پورا سال عدت واجب ہے اور شوہر کے گھر والوں کے پاس سکونت چار ماہ دس دن واجب ہے اور باقی سات ماہ بیس دن اسے اختیار ہے اور ''فالعدۃ کما ھی واجب علیھا'' اس احتمال کی تائید کرتا ہے یعنی یہ نسخ کا قول نہیں کرتے۔

(تفہیم البخاری ج ۸ ص ۴۱۷-۴۱۸، جدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۴۴ کی شرح از شیوخ دیوبند

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے متوفی عنہا زوجہا کی عدت کا مسئلہ بیان کیا ہے۔ متوفی عنہا زوجہا کی عدت کے بارے میں دو آیتیں نازل ہوئیں۔ ایک آیت ہے ''وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا'' اور دوسری آیت ہے ''وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ''۔

ان دونوں آیتوں میں دو باتوں کے اندر اختلاف ہے، اول تو یہ کہ عدت شوہر کے گھر گزاری جائے گی کہ نہیں، دوم یہ کہ مدت عدت چار ماہ دس دن ہے یا ایک سال ہے؟

پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عدت شوہر کے گھر میں گزاری جائے گی ''يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ'' میں تربص سے تربص فی بیت الزوج مراد ہے اور مدت عدت اس میں چار ماہ دس دن ہے اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تربص ایک سال تک کرنا ہوگا اور اگر نکلنا چاہے تو نکل بھی سکتی ہے۔

جمہور علماء جن میں ائمہ اربعہ بھی داخل ہیں، کی رائے یہ ہے کہ ''يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ'' والی آیت ناسخ ہے اور ''وصیۃ لازواجھم متاعا الی الحول'' والی آیت منسوخ ہے، اگرچہ تلاوت میں ناسخ مقدم اور منسوخ موخر ہے۔

مجاہد اور عطاء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے خلاف نقل کیا ہے کہ آیت الحول منسوخ نہیں، وصیت کا حکم آیت الحول میں چار ماہ دس دن کی عدت کے مقرر ہونے کے بعد آیا ہے، پھر زوجات کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہیں تو اس وصیت سے استفادہ کریں یا ان کی مرضی استفادہ کرنے کی نہ ہو تو نہ کریں، اب یہ سمجھیے کہ یہاں تین چیزیں ہیں:

(۱) متوفی عنہا زوجہا کے لیے چار ماہ دس دن کی عدت کا واجب ہونا۔

(۲) متوفی عنہا زوجہا کی سکونت کا بیت زوج میں لازم ہونا۔

(۳) ازواج پر وصیت کا واجب ہونا۔

امام بخاری نے ایک قول حضرت مجاہد کا نقل کیا اور ایک قول عطاء کا، اور یہ دونوں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں، تو گویا انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے پیش کی ہے، حضرت مجاہد نے یہ کہا ہے کہ ''وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ'' کا چار ماہ دس دن کی عدت سے کوئی تعلق نہیں، آیت الحول کے نازل ہونے کے بعد چار ماہ دس دن کی عدت اسی طرح واجب ہے جس طرح پہلے واجب تھی، آیت الحول میں ازواج کو اسی کا پابند کیا گیا ہے کہ وہ زوجات کے لیے

مزید سات ماہ اور بیس دن کی وصیت کریں، متاع اور سکنیٰ کے لیے تاکہ سال پورا ہو جائے اور زوجات کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اس وصیت کے مطابق بیتِ زوج میں رہنا پسند کریں تو رہیں اور اگر رہنا پسند نہ کریں تو نہ رہیں۔

عطاء کہتے ہیں کہ "وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ" والی آیت الحول میں امور ثلثہ میں سے امرِ ثانی کو منسوخ کیا گیا ہے اور عورت کے لیے بیتِ زوج میں عدت گزارنا ضروری نہیں رہا، عطاء کہتے ہیں کہ نہ چار ماہ دس دن کی عدت میں شوہر کے گھر رہنا ضروری ہے اور نہ مدت وصیت میں بیت زوج میں سکونت اختیار کرنا ضروری ہے، عطاء کے نزدیک چار ماہ دس دن کی عدت کا حکم اپنی جگہ باقی ہے، آیت الحول کے نازل ہونے سے سکونت فی بیت الزوج کا وجوب ختم ہو گیا، نہ مدت عدت چار ماہ دس دن میں یہ وجوب باقی رہا، نہ مدت وصیت سات ماہ بیس دن میں۔

مجاہد نے مدتِ وصیت میں تو عورت کے اختیار کا ذکر کیا ہے لیکن عدت کی مدت یعنی چار ماہ دس دن کے بارے میں مجاہد نے سکوت کیا ہے، لیکن ظاہر یہ ہے کہ مجاہد کے نزدیک بھی جس طرح مدتِ وصیت میں عورت کے لیے بیت زوج میں سکونت واجب نہیں اسی طرح عدت کی مدت چار ماہ دس دن میں بھی سکونت فی بیت الزوج واجب نہیں، اگرچہ انہوں نے اس کا ذکر نہیں کیا، اس لیے کہ جب مدتِ وصیت میں جو بڑی مدت ہے سکونت فی بیت الزوج ضروری نہیں تو مدتِ عدت چار ماہ دس دن میں جو کہ چھوٹی مدت ہے یہ سکونت ضروری نہ ہوگی، لہٰذا اگر یہ مان لیا جائے کہ مجاہد بھی سکونت فی بیت الزوج کو نہ مدتِ وصیت میں ضروری سمجھتے ہیں نہ مدتِ عدت میں تو پھر عطاء اور مجاہد میں اختلاف باقی نہیں رہتا۔

اس کے بعد عطاء نے فرمایا ہے کہ آیتِ میراث کے نزول کے بعد عورت کے لیے بیتِ زوج میں رہنے کا اختیار ختم ہو گیا، نہ وہ چار ماہ دس دن مدت عدت میں وہاں رہ سکتی ہے اور نہ مدتِ وصیت سات ماہ بیس دن میں وہاں رہ سکتی ہے، اگر رہے گی تو کرایہ دینا ہوگا، میراث اس کو مل گئی، پیسے اس کے پاس ہیں اور رہنا چاہتی ہے تو کرایہ دے بلکہ آیتِ میراث کے بعد تو یہ وصیت بھی جائز نہیں کیونکہ آیتِ میراث نے آیت الحول کو منسوخ کر دیا، آیت تربص سے وہ منسوخ نہیں ہوئی تھی کیونکہ آیت تربص نزول میں مقدم تھی اور آیت الحول موخر تھی، مگر آیت المیراث اس سے بھی مؤخر ہے، لہٰذا وہ آیت الحول کے لیے ناسخ ہے۔

اس تیسرے مسئلہ میں بھی کہ آیت الحول آیت المیراث سے منسوخ ہو گئی، عطاء اور مجاہد کا اختلاف نہیں دونوں اس نسخ کے قائل ہیں۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مجاہد اور عطاء کے بیان میں ابن عباس کا مذہب بیان کرنے میں اختلاف نہیں ہے لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایات میں اختلاف واقع ہوا ہے، بعض روایات سے عدمِ نسخ معلوم ہوتا ہے جیسا کہ امام بخاری نے نقل کیا ہے اور اس کی تفصیل آپ کے سامنے پیش کی گئی اور بعض روایات سے نسخ معلوم ہوتا ہے۔

(کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب الطلاق ص ۵۹۰-۵۹۲، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

۵۳۴۵ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ عَنْ سُفْيَانَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَمْرِو بْنِ حَزْمٍ حَدَّثَنِي حُمَيْدُ بْنُ نَافِعٍ عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أُمِّ سَلَمَةَ عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ بِنْتِ أَبِي سُفْيَانَ لَمَّا جَاءَهَا نَعْيُ أَبِيهَا دَعَتْ بِطِيبٍ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں محمد بن کثیر نے حدیث بیان کی از سفیان از عبد اللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم، انہوں نے کہا: مجھے حمید بن نافع نے حدیث بیان کی از زینب ابنۃ ام سلمہ از حضرت ام حبیبہ ابنۃ ابی سفیان رضی اللہ عنہا، جب حضرت ام

فَمَسَحَتْ ذِرَاعَيْهَا وَقَالَتْ مَا لِي بِالطِّيبِ مِنْ حَاجَةٍ لَوْلَا أَنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ تُحِدُّ عَلَى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ إِلَّا عَلَى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔

المومنین ام حبیبہ کے پاس ان کے والد کی وفات کی خبر آئی تو انہوں نے خوشبو دار کریم منگائی اور اس کو اپنے رخساروں پر لگایا اور کہا: مجھے اب خوشبو لگانے کی کوئی ضرورت تو نہیں ہے، اگر میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو عورت اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہے، اس کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کی موت کے اوپر تین دن سے زیادہ سوگ کرے، سوائے اپنے خاوند کی موت کے کہ اس اوپر چار ماہ دس دن سوگ کرے۔

(صحیح البخاری: ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۵۳۳۴، ۵۳۳۹، ۵۳۴۵، صحیح مسلم: ۱۴۸۶، سنن ترمذی: ۱۱۹۵، سنن نسائی: ۳۵۰۴، سنن ابوداؤد: ۲۲۹۹، سنن ابن ماجہ: ۲۰۸۶، مسند احمد: ۲۵۹۱۴، موطا امام مالک: ۱۲۶۸، سنن دارمی: ۲۲۸۴)

تنبیہ:

اس حدیث کی شرح نعم الباری میں متعدد مرتبہ کی جا چکی ہے اور تمام شارحین نے اس کی شرح کو ترک کر دیا ہے۔ سعیدی غفرلہٗ

یہاں تک ہم نے عدت گزارنے والی بیوہ کے سوگ کے متعلق احادیث اور ان کی شروح کو شارحین کی عبارت سے بیان کیا ہے، اب ہم اس مسئلہ کے متعلق اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور صدر الشریعہ کے فتاویٰ کو نقل کر رہے ہیں:

سوگ کے متعلق اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے فتاویٰ جات

اعلیٰ حضرت، مجدد دین وملت، امام احمد رضا فاضل بریلی متوفی ۱۳۴۰ھ سوگ کے مسائل کے متعلق فتاویٰ تحریر فرماتے ہیں:

مسئلہ (۹۶): مسئولہ محمد عنایت اللہ، ۶ ربیع الاول شریف، ۱۳۰۸ھ

حضرت مولوی تسلیم عرض، وہ لڑکی کہ بیوہ ہوگئی ہے میں اسے شاہجہان پور لے جانا چاہتا ہوں، اس میں کیا حکم ہے؟ اور ایام عدت وفات میں عورت بضرورت بھی دوسرے مکان یا دوسری جگہ جا سکتی ہے یا نہیں؟ والسلام۔ محمد عنایت اللہ

الجواب: تاختم عدت عورت پر اسی مکان میں رہنا واجب ہے، شاہجہانپور خواہ کسی جگہ لے جانا جائز نہیں، ہاں جس کے پاس کھانے پہننے کو نہیں اور اسے ان چیزوں کی تحصیل میں باہر نکلنے کی ضرورت ہے کہ بغیر اس کے خورد ونوش کا سامان گھر میں بیٹھے نہیں کر سکتی، تو وہ صبح وشام باہر نکلے اور شب اسی مکان میں بسر کرے دوسرے مکان میں چلے جانا ہرگز جائز نہیں، مگر یہ مکان اس کا نہ تھا مالکانِ مکان نے جبراً نکال دیا، یا کرایہ پر رہتی تھی اب کرایہ دینے کی طاقت نہیں یا مکان گر پڑا یا گرنے کو ہے یا اور کسی طرح اپنی جان یا مال کا اندیشہ ہے، غرض اسی طرح کی ضرورتیں ہوں تو وہاں سے نکل کر جو مکان اس کے مکان سے قریب تر ہو، اس میں چلی جائے ورنہ ہرگز نہیں، درمختار میں ہے:

موت کی عدت والی عورت ضرورت پر دن میں اور رات میں گھر سے باہر نکل سکتی ہے، اور رات کا اکثر حصہ اپنے گھر میں ہی رہے کیونکہ اس نے اپنا خرچہ خود پورا کرنا ہے اس لئے وہ باہر نکلنے کی محتاج ہے حتیٰ کہ اگر اپنی کفایت اور ضرورت کے لئے اس کے پاس نفقہ ہو تو یہ مطلقہ عورت کی طرح ہے اس کو باہر نکلنا حلال نہیں ہے۔ (درمختار، باب الحداد ج ۱ ص ۲۶۰، مطبع مجتبائی دہلی)

میں کہتا ہوں: یونہی اگر وہ گھر میں رہ کر کوئی محنت کر کے اپنا خرچہ بنا سکتی ہے تو نکلنا حلال نہ ہوگا کیونکہ اس کا باہر نکلنا ضرورت کی بناء پر جائز ہوا ہے اور جب ضرورت نہیں تو جواز بھی نہیں، اور یہ بات بالکل واضح ہے۔

اسی میں ہے:

موت اور طلاق کی عدت والی عورتیں اسی گھر میں عدت گزاریں جس میں عدت واجب ہوئی اور وہاں سے باہر نہ نکلیں، الا یہ کہ ان کو جبراً نکالا جائے یا وہ مکان گر جائے یا گرنے کا خطرہ ہو، یا وہاں مال کے نقصان کا خطرہ ہو یا مکان کرایہ پر تھا عورت میں کرایہ دینے کی طاقت نہ ہو یا اور اس قسم کی ضروریات ہوں تو قریب ترین مکان میں منتقل ہو جائے، اور طلاق والی کو یہ حکم ہے کہ جہاں پر خاوند اسے سکونت دے وہاں رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (درمختار، باب الحداد ج ۱ ص ۲۶۰، مطبع مجتبائی دہلی)

مسئلہ (۹۷): از بریلی محلہ شاہ آباد متصل چاہ کنکر مسئولہ سید منصور علی صاحب، ۱۵ شوال ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عورت جس کا خاوند مر گیا وہ ایام عدت میں اپنے کسی استحقاق وراثت کے استحکام کے واسطے باہر گھر سے جا سکتی ہے یا نہیں اور اگر باہر جائے تو کس قدر عرصہ تک اور اس کے باہر جانے سے اس کے کسی حقوق میں فرق تو نہ آئے گا؟ بینوا توجروا

الجواب: سائل نے ظاہر کیا کہ عورت مسکینہ ہے پانچ روپے کی ایک معاش کہ اس کے شوہر نے اسے لکھ دی تھی صرف وہی پاس رکھتی ہے، اور اہلکار کچہری کو کمیشن دے کر بلانے کی استطاعت اصلاً نہیں، اور اگر نہ جائے تو وہ جائداد اس کے نام نہ ہوگی اور وہ جگہ جہاں جانا چاہتی ہے اس کے مکان عدت سے صرف چھ میل دور ہے، دن ہی دن میں جانا اور مکان میں واپس آنا ہو جائے گا، رات یہیں آکر بسر کرے گی، اگر بات یونہی ہے تو صورت مذکورہ میں اسے جانا اور دن کے وقت واپس آکر رات مکانِ عدت میں ہی بسر کرنے کی اجازت ہے۔ درمختار میں ہے:

موت کی عدت والی عورت ضرورت پر دن میں اور رات میں گھر سے نکلے اور رات کا اکثر حصہ واپس اپنے مکان ہی میں بسر کرے، کیونکہ اس کا اپنا خرچہ خود اس کے ذمہ ہے اس لئے وہ محتاج ہے کہ باہر نکلے، حتیٰ کہ اگر اس کے پاس کفایت کے مطابق خرچہ موجود ہے تو پھر یہ مطلقہ عورت کی طرح ہے اس کو باہر جانا جائز نہیں ہے، فتح اور قنیہ میں اسے اپنی ضروری اشیاء کی اصلاح کے لئے نکلنا جائز قرار دیا ہے، مثلاً زراعت کی نگرانی کرنی ہے اور اس کا کوئی وکیل نہ ہو۔ (درمختار، باب الحداد ج ۱ ص ۲۶۰، مطبع مجتبائی دہلی)

ردالمحتار میں ہے:

نہر میں کہا ہے یہاں یہ قید ضروری ہے کہ رات کو خاوند والے گھر واپس آئے اور وہاں رات گزارے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(ردالمحتار، باب الحداد، ج ۲ ص ۶۲۰، دار احیاء التراث العربی بیروت)

مسئلہ (۹۸): از شہر روہیلی ٹولہ بریلی مسئولہ مسیت خاں، ۱۹ رجب المرجب ۱۳۳۶ھ

زید فوت ہوا، اس کی زوجہ کوئی ذریعہ معاش نہیں رکھتی اور نہ کوئی شخص ورثاء و متعلقین متوفی سے اس کے نان ونفقہ کا متکفل ہو بلکہ اشخاص مذکور کی جانب سے چور شارب الخمر تارک الصلوٰۃ قمار باز ہیں، ونیز دیگر امور خلاف شریعت کے مرتکب رہتے ہیں، نسبت مسماۃ مذکور کے انعدام عصمت واتلاف مال ودیگر قسم کے فسادات کا اندیشہ کامل وقوی ہے، ایسی صورت میں مسماۃ مذکورہ کو

مکان مسکونہ اپنا چھوڑ کر کسی دوسری جگہ پر ایام گزاری عدت جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: عدتِ موت کا نفقہ کسی پر نہیں ہوتا، خود اپنے پاس سے کھائے، پاس نہ ہو تو دن کو محنت ومزدوری کے لئے باہر جا سکتی ہے، چار مہینے دس دن وہیں گزارنا فرض ہے، اللہ عزوجل کے ادائے فرض میں حیلے نہ کئے جائیں،" واللہ یعلم المفسد من المصلح" (اللہ تعالیٰ مفسد اور مصلح کو جانتا ہے) اگر اندیشہ واقعی وصحیح ہے بذریعہ حکومت بندوبست کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۹۹): از پرانا شہر روہیلی ٹولہ بریلی مرسلہ احمد اللہ خاں صاحب

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ قوم حجام سے ہے اور ہمیشہ سے بوجہ پیشہ حجامی باہر نکلتی ہے، ایسی صورت میں اس کو بایامِ عدت دن میں اور شب میں باہر نکلنا جائز ہے یا نہیں؟ اور قیامِ شب دوسرے مکان پر کر سکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: سائل کے بیان سے معلوم ہوا کہ یہ عدت موت کی ہے، پس اگر عورت کے پاس اتنا مال ہے کہ چار ماہ دس دن گھر بیٹھ کر کھائے جب تو اسے نکلنا بالکل جائز نہیں ورنہ جتنے دنوں کھانے کا سامان پاس رکھتی ہے اتنے دنوں اسے گھر بیٹھ کر کھانا لازم، اور پھر نکلنا جائز، رات اپنے گھر میں گزارے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۰۰): از شہر بریلی ۳۰ رمضان ۱۳۳۶ھ

زید فوت ہوا، ایک زوجہ حاملہ اور ایک لڑکا اور دو لڑکیاں نابالغ چھوڑیں، وہ ایک غریب آدمی تھا جس کے رہنے کو مکان بھی نہ تھا کرایہ کا مکان تھا، مکان والے کا دو مہینہ کا کرایہ چاہئے، وہ کہتا ہے کہ کرایہ دو یا مکان خالی کرو، زوجۂ زید کے پاس نہ کھانے پینے کو کچھ ہے اور نہ کرایۂ مکان ادا کرنے کو، ایسی حالت میں زوجۂ زید اندر میعادِ عدت کے وہ مکان جس میں زید فوت ہوا چھوڑ کر اپنی ماں کے گھر جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: جہاں سے ممکن ہو کرایہ ادا کرے اور عدت کے دن وہیں گزارے۔

جس کا خاوند فوت ہو گیا تھا یہ بات میں نے اس کی ماں سے کہی وہی سائلہ تھی تو اس بات پر وہ راضی ہو گئی تو میں نے معلوم کر لیا کہ عورت کرایہ اور نفقہ پر قادر ہے، اور یہ بیان منتقل ہونے کا ایک بہانہ تھا، اس کا تجربہ بارہا ہم کر چکے ہیں۔

ردالمحتار میں ہے:

اگر موت کی عدت والی کسی کرایہ کے مکان میں ہو اور کرایہ دینے پر قادر ہو تو اس کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں بلکہ کرایہ ادا کرے۔ (ردالمحتار، باب الحداد، ج ۲ ص ۶۲۰، داراحیاء التراث العربی بیروت)

درمختار میں ہے:

موت اور طلاق کی عدت والی عورتوں کو گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے اسی مکان میں عدت بسر کریں جہاں عدت واجب ہوئی ہے الا یہ کہ ان کو جبراً نکالا جائے یا وہ مکان گر جائے یا گرنے کا خطرہ ہو یا وہاں مال کے نقصان کا خطرہ ہو، یا مکان کرایہ پر تھا، عورت کرایہ دینے کی طاقت نہ رکھتی ہو، یا اور اس قسم کی ضروریات ہوں جن سے مجبور ہو تو قریب ترین موضع میں منتقل ہو جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (درمختار، باب الحداد ج ۱ ص ۲۶۰، مطبع مجتبائی دہلی)

مسئلہ (۱۰۱): یہ چند مسائل محمد میر خاں صاحب پیلی بھیت کو ارسال فرمائے گئے، بتاریخ ۴ شعبان المعظم

عدت میں عورت کو یہ چیزیں منع ہیں، ہر قسم کا گہنا، یہاں تک کہ انگوٹھی چھلا بھی، مہندی، سرمہ، عطر، ریشمی کپڑا، ہار، پھول، بدن یا کپڑے میں کسی قسم کی خوشبو، سر میں کنگھی کرنا، اور اگر مجبوری ہو تو موٹے دندانوں کی کنگھی کرے جس سے فقط بال سلجھالے پٹی نہ جھکالے، پھلیل، میٹھا تیل، کُسم، کیسر کے رنگے کپڑے، یونہی ہر رنگ جس سے زینت ہوتی ہوا گر چہ پڑیا گیرو کا، چوڑیاں اگر چہ کانچ کی، غرض ہر قسم کا سنگار ختم عدت تک منع ہے۔ چار پائی پر سونا، بچھونا سونے یا بیٹھنے میں بچھانا منع نہیں۔

مسئلہ (۱۰۲): از میونڈی ڈاک خانہ شاہی ضلع بریلی مرسلہ سید امیر عالم حسن صاحب، ۱۶ شوال ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں کہ درمیان عدت کے عورت سے واسطے کرنے نکاح کے دریافت کرنا کیسا ہے؟

الجواب: عدت میں نکاح کا پیغام دینا بھی حرام ہے اور اگر پیام نہیں، مثلاً اس کے گھر والے دریافت کریں کہ نکاح ثانی کا ارادہ ہے یا کیا، تو حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۰۳): از شہر متصل جامع مسجد پیارے میاں، معرفت عنایت خاں، ۴ محرم الحرام ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ باہر تھی اور خبر انتقال شوہر سن کر آئی اور ایک مکان میں قیام کیا جس میں بیٹھک ہے اور ایک دروازہ صدر ہے، لہٰذا ایام عدت میں بیٹھک سے مکان میں جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: سائل نے بیان کیا کہ عورت گوالیار میں تھی اور وہاں سے آئی، شوہر کا مکان گاؤں میں، یہ وہاں نہ گئی بلکہ شہر میں ایک غیر شخص کے یہاں ٹھہری، اس کی بیٹھک اور زنانخانہ کا کیا پوچھنا اسے سفر کر کے آنا حرام تھا اور غیر شخص کے یہاں ٹھہرنا حرام تھا، بیٹھک ہو یا زنانخانہ اسے حکم ہے کہ شوہر کے مکان میں عدت پورے کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۰۴): ۱۳ صفر ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مر گیا حالتِ نابالغی میں، عمر ۱۴ یا ۱۵ برس کی تھی، زوجہ اس کی ہندہ ۱۳ سال کی، کوئی علامت بلوغت نہ تھی، بعد مرنے زید کے تین روز کے بعد زید کا باپ زید کی زوجہ کو اپنے مکان کو لے گیا، موضع سواڑ میں، اور وہاں لے جا کر ہندہ سے اسٹامپ لکھایا معافی مہر کا، دو چار روز رہ کر پھر اسی مکان پر آ گیا جہاں زید کا انتقال ہوا تھا وہ مکان زید کی نانی کا تھا، اب زید کا باپ ہندہ کے باپ کو ہندہ کو دیکھنے نہیں دیتا، کہتا ہے بعد عدت یا عدت کے اندر میں ہندہ کا نکاح اپنی رائے سے کر دوں گا، اور ہندہ بیمار ہے جاڑا بخار آتا ہے، ہندہ کے باپ کو صدمہ ہوتا ہے کہ میں اس کا علاج کروں لیکن زید کا باپ نہیں بھیجتا نہ دیکھنے دے، ہندہ کے کسی رشتہ دار کو نہیں دیکھنے دیتا، ہندہ کا باپ کہتا ہے کہ شریعتِ محمد ﷺ میں بدلنے مکان کے وہی قید باقی رہی، ہندہ کے ذمہ یا بدل گئی کیونکہ زید کا باپ ہندہ کو اس مکان سے اور مکان میں لے گیا دو چار روز رکھا اب ہندہ کا باپ چاہتا ہے کہ شریعت اجازت دے تو میں ہندہ کو اپنے مکان پر لے آؤں اس وجہ سے کہ ہندہ کو زید کے سامنے تکلیف پہنچا تا تھا اب تو اور بھی زیادہ تکلیف پہنچتی ہے ہندہ کو، لہٰذا سوال کا جواب عنایت فرمایا جائے، زید کی نانی کے مکان سے زید کے باپ کا مکان چار کوس ہے۔

الجواب: عدت کے اندر اسے دوسری جگہ لے جانا حرام تھا اور جب تک وہاں رکھا یہ بھی حرام ہوگا مگر اس سے عدت جاتی نہ رہی، موت سے چار مہینے دس دن تک شوہر ہی کے مکان میں رہنا پڑے گا، اگر وہ نابالغہ ہے تو اس کے معاف کئے سے مہر معاف نہیں ہو سکتا اور

عدت کے اندر تو کوئی اس کا نکاح نہیں کر سکتا جو کرے گا باطل محض ہوگا، عدت کے بعد ہندہ کے باپ کو اس کے نکاح کا اختیار ہے، پدرِ زید کو کچھ اختیار نہیں، اگر یہ کر دے گا، پدرِ ہندہ کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر وہ رد کر دے فوراً رد ہو جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ (۱۰۵): کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور وہ غیر شہر میں جس مکان میں اس کا شوہر سکونت رکھتا تھا، عدت میں ہے لیکن بسبب نادانی اور غیر محرم کے وحشت ناک ہو کر چاہتی ہے کہ والدین کے مکان میں جا کر رہوں، آیا اس کو شرع اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: اولاً یہاں شرعاً واقعی عذر سچی مجبوری دیکھی جاتی ہے، "واللہ یعلم المفسد من المصلح" (اللہ تعالیٰ مفسد اور مصلح کو جانتا ہے) خدا ہر ایک کا نہاں وعیاں سب جانتا ہے، اگر ایامِ عدت تک وہاں رہنے میں کوئی خوف صحیح و اندیشۂ واقعہ ہندہ کے مال یا جان یا ناموس پر نہیں، کوئی ضرر صحیح وہاں اتنے دن گزارنے میں نہیں یا ہے تو اس کا علاج اسے ممکن ہے مثلاً اس کے بعض اعزہ محارم اس کے پاس رہ سکتے ہیں، یا قابلِ اعتماد عورات کو سات کے لئے رکھ سکتی ہے اگر چہ اجرت دے کر، تو اسے ہرگز اجازت نہیں ہو سکتی، خوف میں شاید اور عجب نہیں کا لحاظ نہیں ہوتا بلکہ خوف صحیح منشاء صحیح سے ناشی ہونا چاہیے نہ اس وحشت کا کچھ اعتبار جو کم عمری کا لازمہ ہے، خصوصاً ایسے غم کی حالت میں جب تک وہ ایسی شدت پر نہ ہو جس سے نقصان صریح عقل وغیرہ پر پہنچنے کا خطرہ ہو۔

ثانیاً اور اگر واقعہ حالتِ مجبوری ہے تو یہ دیکھا جائے گا کہ اس مکان سکونت سے قریب تک کون سا مکان ایسا ہے جس میں وہ اندیشۂ وخطرہ نہ ہو، اگر اسی شہر میں کوئی دوسرا مکان قابلِ اطمینان اپنے کسی عزیز کا ہو تو وہاں چلی جائے، شہر سے باہر جانے کی اجازت نہیں، بلکہ وہیں دو محلوں میں دو مکان قابلِ اطمینان ہوں ایک دور ایک پاس، تو دور والے میں جانے کی اجازت نہیں، اور اگر اس شہر میں نہ ہو مگر دوسرے شہر کی بہ نسبت شہر والدین اور اس شہر سکونت سے قریب تر ہے میں کوئی مکان قابلِ اطمینان ہے تو وہیں جائے، ہاں اگر سب صورتیں معدوم ہوں تو البتہ بحالتِ ضرر صریح و مجبوری محض اجازت ہے۔ درمختار میں ہے:

موت اور طلاق کی عدت والی عورتیں اسی مکان میں عدت گزاریں جس میں عدت واجب ہوئی ہو، اور وہاں سے منتقل نہ ہوں الا یہ کہ ان کو جبراً نکالا جائے یا وہ مکان گر جائے یا گرنے کا خطرہ ہو یا مال کے نقصان کا خطرہ ہو یا مکان کرایہ پر ہو اور عورت کرایہ نہ پائے اور دیگر ایسی ضروریات کی وجہ سے مجبور ہو تو قریب ترین مکان میں منتقل ہو جائے، اور طلاق والی عورت کو یہ حکم ہے کہ جہاں خاوند انتظام کرے وہاں رہے۔ (درمختار، باب الحداد، ج ۱ ص ۲۶۰، مطبع مجتبائی دہلی)

عالمگیریہ میں ہے:

عدت والی عورت جب کسی ایسے مکان میں ہو کہ وہاں اس کے ساتھ کوئی نہ رہتا ہو اور چوروں یا پڑوسیوں سے خائف نہ ہو لیکن وہ عورت رات کو ڈرتی ہو، اگر یہ ڈر شدید نہ ہو تو عورت کو وہاں سے منتقل ہونا جائز نہیں، اور اگر یہ ڈر شدید ہو تو پھر منتقل ہونا جائز ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ایسے ہی مذکور ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (فتاویٰ ہندیہ، ج ۱ ص ۵۳۵، الباب الرابع عشر فی الحداد، نورانی کتب خانہ پشاور)

(فتاویٰ رضویہ ج ۱۳ ص ۳۲۷-۳۳۴، مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور پاکستان ۱۴۱۸ھ)

سوگ کے متعلق صدر الشریعہ کی تحقیق

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ الغنی متوفی ۱۳۶۷ھ، سوگ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

حدیث (۱): صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک عورت نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میری بیٹی کے شوہر کی وفات ہوگئی (یعنی وہ عدت میں ہے) اور اس کی آنکھیں دکھتی ہیں، کیا اسے سرمہ لگائیں؟ ارشاد فرمایا: نہیں، دو یا تین بار یہی فرمایا کہ نہیں، پھر فرمایا: کہ "یہ تو یہی چار مہینے دس دن ہیں اور جاہلیت میں تو ایک سال گزرنے پر مینگنی پھینکا کرتی تھی"۔ (یہ جاہلیت کی رسم تھی کہ سال بھر کی عدت ایک جھونپڑے میں گزارتی اور نہایت میلے کچیلے کپڑے پہنتی، جب سال پورا ہوتا تو وہاں سے مینگنی پھینکتی ہوئی نکلتی اور اب عدت پوری ہوتی)۔

(صحیح البخاری، کتاب الطلاق باب تحد المتوفی عنہا، رقم الحدیث: ۵۳۳۶، ج ۳ ص ۵۰۶)

حدیث (۲): صحیحین میں ام المومنین ام حبیبہ وام المومنین زینب بن جحش رضی اللہ عنہما سے مروی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو عورت اللہ (عزوجل) اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتی ہے، اسے یہ حلال نہیں کہ کسی میت پر تین راتوں سے زیادہ سوگ کرے، مگر شوہر پر کہ چار مہینے دس دن سوگ کرے۔

(صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب حد المراۃ علی غیر زوجہا، حدیث: ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ج ۱ ص ۴۳۳)

حدیث (۳): ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے، مگر شوہر پر چار مہینے دس دن سوگ کرے اور رنگا ہوا کپڑا نہ پہنے، مگر وہ کپڑا کہ بننے سے پہلے اس کا سوت جگہ جگہ باندھ کر رنگتے ہیں، اور سرمہ نہ لگائے اور نہ خوشبو چھوئے، مگر جب حیض سے پاک ہو تو تھوڑا سا عود استعمال کر سکتی ہے" اور ابوداؤد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ مہندی نہ لگائے۔

(صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب وجوب الاحداد فی عدۃ الوفاۃ۔ الحدیث ۱۴۹۱، ص ۷۹۹، سنن ابوداؤد کتاب الطلاق باب فیما تجتنبہ المعتدۃ فی عدتہا. الحدیث: ۲۳۰۲، ج ۲ ص ۴۵۲)

حدیث (۴): ابوداؤد ونسائی نے ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس عورت کا شوہر مر گیا ہے وہ نہ کسم کا رنگا ہوا کپڑا پہنے اور نہ گیرو کا رنگا ہوا اور نہ زیور پہنے اور نہ مہندی لگائے اور نہ سرمہ"۔

(سنن ابوداؤد، کتاب الطلاق باب فیما تجتنبہ المعتدۃ فی عدتہا، الحدیث: ۲۳۰۴، ج ۲ ص ۴۵۲)

حدیث (۵): ابوداؤد ونسائی، انہیں سے راوی کہ جب میرے شوہر ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میں نے مصبر (ایلوہ) لگا رکھا تھا، فرمایا: "ام سلمہ یہ کیا ہے؟"، میں نے عرض کی، یہ ایلوہ ہے اس میں خوشبو نہیں، فرمایا: "اس سے چہرہ میں خوبصورتی پیدا ہوتی ہے، اگر لگانا ہی ہے تو رات میں لگا لیا کرو، اور دن میں صاف کر ڈالا کرو اور خوشبو اور مہندی سے بال نہ سنوارو"، میں نے عرض کی: کنگھا کرنے کے لیے کیا چیز سر پر لگاؤں؟ فرمایا: کہ "بیری کے پتے سر پر تھوپ لیا کرو پھر کنگھا کرو"۔ (سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق باب فیما تجتنبہ المعتدۃ فی عدتہا، الحدیث: ۲۳۰۵، ج ۲ ص ۴۵۲)

حدیث (۶): حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن کے شوہر کو ان کے غلاموں نے قتل کر ڈالا تھا، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں کہ مجھے میکے میں عدت گزارنے کی اجازت دی جائے کہ میرے شوہر نے کوئی اپنا مکان نہیں چھوڑا اور نہ خرچ چھوڑا، اجازت دے دی پھر بلا کر فرمایا: "اسی گھر میں رہو جس میں رہتی ہو، جب تک عدت پوری نہ ہو"۔ لہٰذا انہوں نے چار

ماہ دس دن اسی مکان میں پورے کیے۔ (جامع الترمذی، ابواب الطلاق، باب ماجاء این تعتد المتوفی عنھا زوجھا الحدیث: ۱۲۰۸، ج۲ص۴۱۱)

سوگ کے متعلق مسائل فقہیہ

مسئلہ(۱): سوگ کے یہ معنی ہیں کہ زینت کو ترک کرے یعنی ہر قسم کے زیور چاندی سونے جواہر وغیرہا کے اور ہر قسم اور ہر رنگ کے ریشم کے کپڑے اگر چہ سیاہ ہوں نہ پہنے اور خوشبو کا بدن یا کپڑوں میں استعمال نہ کرے اور نہ تیل کا استعمال کرے اگر چہ اس میں خوشبو نہ ہو جیسے روغن زیتون اور کنگھا کرنا اور سیاہ سرمہ لگانا، یوہیں سفید خوشبودار سرمہ لگانا اور مہندی لگانا اور زعفران یا کسم یا گیرو کا رنگا ہوا یا سرخ رنگ کا کپڑا پہننا منع ہے، ان سب چیزوں کا ترک واجب ہے۔ یوہیں پڑیا کا رنگ گلابی، دھانی، چمپئی اور طرح طرح کے رنگ جن میں تزین (یعنی بناؤ سنگھار) ہوتا ہے سب کو ترک کرے۔

(الدر المختار، کتاب الطلاق فصل فی الحداد ج۵ ص ۲۲۱، الفتاوی الھندیہ کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد ج۱ ص ۵۳۳، الجوھرۃ النیرہ، کتاب العدۃ، الجزء الثانی ص ۱۰۲)

مسئلہ(۲): جس کپڑے کا رنگ پرانا ہو گیا کہ اب اس کا پہننا زینت نہیں اسے پہن سکتی ہے، یوہیں سیاہ رنگ کے کپڑے میں بھی حرج نہیں جب کہ ریشم کے نہ ہوں۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد ج۱ ص ۵۳۳)۔

مسئلہ(۳): عذر کی وجہ سے ان چیزوں کا استعمال کر سکتی ہے مگر اس حال میں اس کا استعمال زینت کے قصد (یعنی ارادہ) سے نہ ہو مثلاً درد سر کی وجہ سے تیل لگا سکتی ہے، یا تیل لگانے کی عادی ہے جانتی ہے کہ نہ لگانے میں درد سر ہو جائے گا تو لگانا جائز ہے، یا درد سر کے وقت کنگھا کر سکتی ہے مگر اس طرف سے جدھر کے دندانے موٹے ہیں ادھر سے نہیں جدھر باریک ہوں کہ یہ بال سنوارنے کے لیے ہوتے ہیں اور یہ ممنوع ہے، یا سرمہ لگانے کی ضرورت ہے کہ آنکھوں میں درد ہے، یا خارشت (ایک جلدی بیماری جس میں بدن پر پھنسیاں نکل آتی ہیں اور کھجلی ہوتی ہے) ہے تو ریشمی کپڑے پہن سکتی ہے۔ یا اس کے پاس اور کپڑا نہیں ہے تو یہی ریشمی یا رنگا ہوا پہنے مگر یہ ضرور ہے کہ ان کی اجازت ضرورت کے وقت ہے، لہٰذا بقدر ضرورت اجازت ہے، ضرورت سے زیادہ ممنوع مثلاً آنکھ کی بیماری میں سرمہ لگانے کی ضرورت ہو تو یہ لحاظ ضروری ہے کہ سیاہ سرمہ اس وقت لگا سکتی ہے جب سفید سرمہ سے کام نہ چلے اور اگر صرف رات میں لگانا کافی ہے تو دن میں لگانے کی اجازت نہیں۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، ج۱ ص ۵۳۳، الدر المختار ورد المحتار کتاب الطلاق فصل فی الحداد ج۵ ص ۲۲۲)

مسئلہ(۴): سوگ اس پر ہے جو عاقلہ بالغہ مسلمان ہو اور موت یا طلاق بائن کی عدت ہو اگر چہ عورت باندی ہو، شوہر کے عنین ہونے یا عضو تناسل کے کٹے ہونے کی وجہ سے فرقت ہوئی تو اس کی عدت میں بھی سوگ واجب ہے۔

(الدر المختار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج۵ ص ۲۲۱، الفتاوی الھندیہ، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد ج۱ ص ۵۳۴)

مسئلہ(۵): طلاق دینے والا سوگ کرنے سے منع کرتا ہے یا شوہر نے مرنے سے پہلے کہہ دیا تھا کہ سوگ نہ کرنا جب بھی سوگ کرنا واجب ہے۔ (الدر المختار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد ج۵ ص ۲۲۱)

مسئلہ(۶): نابالغہ و مجنونہ و کافرہ پر سوگ نہیں۔ ہاں اگر اثنائے عدت میں نابالغہ، بالغہ ہوئی مجنونہ کا جنون جاتا رہا اور کافرہ مسلمان ہو گئی تو جو دن باقی رہ گئے ہیں ان میں سوگ کرے۔ (رد المحتار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج۵ ص ۲۲۳)

مسئلہ(۷): ام ولد کو اس کے مولیٰ نے آزاد کر دیا یا مولیٰ کا انتقال ہو گیا تو عدت بیٹھے گی مگر اس عدت میں سوگ واجب نہیں، یوہیں نکاح فاسد اور وطی بالشبہ اور طلاق رجعی کی عدت میں سوگ نہیں۔

(الجوہرۃ النیرہ، کتاب العدۃ، الجزء الثانی ص ۱۰۳، الفتاوی الھندیہ، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، ج ۱ ص ۵۳۴)

مسئلہ(۸): کسی قریب کے مرجانے پر عورت کو تین دن تک سوگ کرنے کی اجازت ہے اس سے زائد کی نہیں اور عورت شوہر والی ہو تو شوہر اس سے بھی منع کر سکتا ہے۔ (ردالمحتار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۲۳)

مسئلہ(۹): کسی کے مرنے کے غم میں سیاہ کپڑے پہننا جائز نہیں مگر عورت کو تین دن تک شوہر کے مرنے پر غم کی وجہ سے سیاہ کپڑے پہننا جائز ہے اور سیاہ کپڑے غم ظاہر کرنے کے لیے نہ ہوں تو مطلقاً جائز ہیں۔

(الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۲۴)

مسئلہ(۱۰): عدت کے اندر چار پائی پر سو سکتی ہے کہ یہ زینت میں داخل نہیں ہے۔

مسئلہ(۱۱): جو عورت عدت میں ہو اس کے پاس صراحۃً نکاح کا پیغام دینا حرام ہے اگرچہ نکاح فاسد یا عتق کی عدت میں ہو اور موت کی عدت ہو تو اشارۃً کہہ سکتے ہیں اور طلاق رجعی یا بائن یا فسخ کی عدت میں اشارۃً بھی نہیں کہہ سکتے اور وطی بالشبہ یا نکاح فاسد کی عدت میں اشارۃً کہہ سکتے ہیں اشارۃً کہنے کی صورت یہ ہے کہ کہے میں نکاح کرنا چاہتا ہوں مگر یہ نہ کہے کہ تجھ سے، ورنہ صراحت ہو جائے گی یا کہے میں ایسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہوں جس میں یہ یہ وصف ہوں اور وہ اوصاف بیان کرے جو اس عورت میں ہیں یا مجھے تجھ جیسی کہاں ملے گی۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، ج ۱ ص ۵۳۴، الدرالمختار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد ج ۵ ص ۲۲۵)

مسئلہ(۱۲): جو عورت طلاق رجعی یا بائن کی عدت میں ہے یا کسی وجہ سے فرقت ہوئی اگرچہ شوہر کے بیٹے کا بوسہ لینے سے اور اس کی عدت میں ہو یا خلع کی عدت میں ہو اگرچہ نفقۂ عدت پر خلع ہوا ہو یا اس پر خلع ہوا کہ عدت میں شوہر کے مکان میں نہ رہے گی تو ان عورتوں کو گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں نہ دن میں نہ رات میں جب کہ آزاد ہوں یا لونڈی ہو جو شوہر کے پاس رہتی ہے اور عاقلہ، بالغہ، مسلمہ ہو اگرچہ شوہر نے اسے باہر نکلنے کی اجازت بھی دی ہو اور نابالغہ لڑکی طلاقِ رجعی کی عدت میں شوہر کی اجازت سے باہر جاسکتی ہے اور بغیر اجازت نہیں اور نابالغہ بائن طلاق کی عدت میں اجازت و بے اجازت دونوں صورت میں جا سکتی ہے، ہاں اگر قریب البلوغ (بالغ ہونے کے قریب) ہے تو بغیر اجازت نہیں جاسکتی اور عورت پگلی یا بوہری یا کتابیہ ہے تو جا سکتی ہے مگر شوہر کو منع کرنے کا حق ہے۔ مرد و عورت مجوسی (آگ کی پوجا کرنے والے) تھے، شوہر مسلمان ہو گیا اور عورت نے اسلام لانے سے انکار کیا اور فرقت ہو گئی اور مدخولہ تھی لہٰذا عدت بھی واجب ہوئی تو عدت کے اندر اس کا شوہر نکلنے سے منع کر سکتا ہے۔ مولیٰ نے ام ولد کو آزاد کیا تو اس عدت میں باہر جاسکتی ہے اور نکاحِ فاسد کی عدت میں نکلنے کی اجازت ہے مگر شوہر منع کر سکتا ہے۔

(الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، ج ۱ ص ۵۳۴، الدرالمختار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد ج ۵ ص ۲۲۷)

مسئلہ(۱۳): چند مکان کا ایک صحن ہو اور وہ سب مکان شوہر کے ہوں تو صحن میں آ سکتی ہے اوروں کے ہوں تو نہیں۔

(الدرالمختار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۲۷)

مسئلہ (۱۴): اگر کرایہ کے مکان میں رہتی تھی جب بھی مکان بدلنے کی اجازت نہیں، شوہر کے ذمہ زمانہ عدت کا کرایہ ہے اور اگر شوہر غائب ہے اور عورت خود کرایہ دے سکتی ہے جب بھی اسی میں رہے۔

(ردالمحتار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد مطلب الحق ان علی المفتی۔ ج ۵ ص ۲۲۸)

مسئلہ (۱۵): موت کی عدت میں اگر باہر جانے کی حاجت ہو کہ عورت کے پاس بقدر کفایت مال نہیں اور باہر جا کر محنت مزدوری کر کے لائے گی تو کام چلے گا تو اسے اجازت ہے کہ دن میں اور رات کے کچھ حصے میں باہر جائے اور رات کا اکثر حصہ اپنے مکان میں گزارے مگر حاجت سے زیادہ باہر ٹھہرنے کی اجازت نہیں۔ اور اگر بقدر کفایت اس کے پاس خرچ موجود ہے تو اسے بھی گھر سے نکلنا مطلقاً منع ہے اور اگر خرچ موجود ہے مگر باہر نہ جائے تو کوئی نقصان پہنچے گا مثلاً زراعت کا کوئی دیکھنے بھالنے والا نہیں اور کوئی ایسا نہیں جسے اس کام پر مقرر کرے تو اس کے لیے بھی جا سکتی ہے مگر رات کو اسی گھر میں رہنا ہوگا۔

(الدرالمختار وردالمحتار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، مطلب: الحق ان علی المفتی ج ۵ ص ۲۲۸)

مسئلہ (۱۶): موت یا فرقت (علیحدگی) کے وقت جس مکان میں عورت کی سکونت (رہائش) تھی، اسی مکان میں عدت پوری کرے اور یہ جو کہا گیا ہے کہ گھر سے باہر نہیں جا سکتی اس سے مراد یہی گھر ہے اور اس گھر کو چھوڑ کر دوسرے مکان میں بھی سکونت نہیں کر سکتی، مگر بضرورت اور ضرورت کی صورتیں ہم آگے لکھیں گے آج کل معمولی باتوں کو جس کی کچھ حاجت نہ ہو محض طبیعت کی خواہش کو ضرورت بولا کرتے ہیں وہ یہاں مراد نہیں بلکہ ضرورت وہ ہے کہ اس کے بغیر چارہ نہ ہو۔

مسئلہ (۱۷): عورت اپنے میکے گئی تھی یا کسی کام کے لیے کہیں اور گئی تھی اس وقت شوہر نے طلاق دی یا مر گیا تو فوراً بلا توقف وہاں سے واپس آئے۔ (الفتاوی الہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، ج ۱ ص ۵۳۵)

مسئلہ (۱۸): جس مکان میں عدت گزارنا واجب ہے اس کو چھوڑ نہیں سکتی مگر اس وقت کہ اسے کوئی نکال دے مثلاً طلاق کی عدت میں شوہر نے گھر میں سے اس کو نکال دیا، یا کرایہ کا مکان ہے اور عدت عدتِ وفات ہے، مالک مکان کہتا ہے کہ کرایہ دے یا مکان خالی کر اور اس کے پاس کرایہ نہیں یا وہ مکان شوہر کا ہے مگر اس کے حصہ میں جتنا پہنچا وہ قابل سکونت نہیں اور ورثا اپنے حصہ میں اسے رہنے نہیں دیتے یا کرایہ مانگتے ہیں اور پاس کرایہ نہیں یا مکان ڈھ رہا ہو (گر رہا ہو) یا ڈھنے کا خوف ہو یا چوروں کا خوف ہو، مال تلف (ضائع) ہو جانے کا اندیشہ ہے یا آبادی کے کنارے مکان ہے اور مال وغیرہ کا اندیشہ ہے تو ان صورتوں میں مکان بدل سکتی ہے، اور اگر کرایہ کا مکان ہو اور کرایہ دے سکتی ہے یا ورثہ کو کرایہ دے کر رہ سکتی ہے تو اسی میں رہنا لازم ہے۔ اور اگر حصہ اتنا ملا کہ اس کے رہنے کے لیے کافی ہے تو اسی میں رہے اور دیگر ورثہ شوہر جن سے پردہ فرض ہے ان سے پردہ کرے اور اگر اس مکان میں نہ چور کا خوف ہے نہ پڑوسیوں کا، مگر اس میں کوئی اور نہیں ہے اور تنہا رہتے خوف کرتی ہے تو اگر خوف زیادہ ہو مکان بدلنے کی اجازت ہے ورنہ نہیں اور طلاق بائن کی عدت ہے اور شوہر فاسق ہے اور کوئی وہاں ایسا نہیں کہ اگر اس کی نیت بد ہو تو روک سکے، ایسی حالت میں مکان بدل لے۔ (فتاوی ہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، ج ۱ ص ۵۳۵، ردالمحتار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۲۹)

مسئلہ (۱۹): وفات کی عدت میں اگر مکان بدلنا پڑے تو اس مکان سے جہاں تک قریب کا میسر آ سکے اسے لے اور عدت طلاق کی ہو تو جس مکان میں شوہر اسے رکھنا چاہے اور اگر شوہر غائب ہے تو عورت کو اختیار ہے۔ (فتاوی عالمگیری، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر

فی الحداد، ج ۱ ص ۵۳۵)

مسئلہ (۲۰): جب مکان بدلا تو دوسرے مکان کا وہی حکم ہے جو پہلے کا تھا یعنی اب اس مکان سے باہر جانے کی اجازت نہیں، مگر عدتِ وفات میں بوقتِ حاجت بقدرِ حاجت جس کا ذکر پہلے ہو چکا۔ (فتاویٰ عالمگیری، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، ج ۱ ص ۵۳۵)

مسئلہ (۲۱): طلاقِ بائن کی عدت میں یہ ضروری ہے کہ شوہر و عورت میں پردہ ہو یعنی کسی چیز سے آڑ کر دی جائے کہ ایک طرف شوہر رہے اور دوسری طرف عورت، عورت کا اس کے سامنے اپنا بدن چھپانا کافی نہیں اس واسطے کہ عورت اب اجنبیہ ہے اور اجنبیہ سے خلوت جائز نہیں بلکہ یہاں فتنہ کا زیادہ اندیشہ ہے اور اگر مکان میں تنگی ہو اتنا نہیں کہ دونوں الگ الگ رہ سکیں تو شوہر اتنے دنوں تک مکان چھوڑ دے، یہ نہ کرے کہ عورت کو دوسرے مکان میں بھیج دے اور خود اس میں رہے کہ عورت کو مکان بدلنے کی بغیر ضرورت اجازت نہیں اور اگر شوہر فاسق ہو تو اسے حکماً اس مکان سے علیحدہ کر دیا جائے اور اگر نہ نکلے تو اس مکان میں کوئی ثقہ (معتبر، قابلِ اعتماد) عورت رکھ دی جائے جو فتنہ کے روکنے پر قادر ہو اور اگر رجعی کی عدت ہو تو پردہ کی کچھ حاجت نہیں اگرچہ شوہر فاسق ہو کہ یہ نکاح سے باہر نہ ہوئی۔ (الدر المختار ورد المحتار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، مطلب: الحق ان علی المفتی۔ ج ۵ ص ۲۳۰)

مسئلہ (۲۲): تین طلاق کی عدت کا بھی وہی حکم ہے جو طلاق بائن کی عدت کا ہے، زن و شو اگر بڑھیا بوڑھے ہوں اور فرقت واقع ہوئی اور ان کی اولادیں جن کی مفارقت گوارا نہ ہو تو دونوں ایک مکان میں رہ سکتے ہیں جب کہ زن و شو کی طرح نہ رہتے ہوں۔

(الدر المختار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۳۱)

مسئلہ (۲۳): سفر میں شوہر نے طلاق بائن دی یا اس کا انتقال ہوا اب وہ جگہ شہر ہے یا نہیں اور وہاں سے جہاں جانا ہے مدتِ سفر ہے یا نہیں اور بہر صورت مکان مدتِ سفر ہے یا نہیں، اگر کسی طرف مسافت سفر نہ ہو تو عورت کو اختیار ہے وہاں جائے یا گھر واپس آئے اس کے ساتھ محرم ہو یا نہ ہو، مگر بہتر یہ ہے کہ گھر واپس آئے اور اگر ایک طرف مسافتِ سفر ہے اور دوسری طرف نہیں تو جدھر مسافت سفر نہ ہو اس کو اختیار کرے اور اگر دونوں طرف مسافتِ سفر ہے اور وہاں آبادی نہ ہو تو اختیار ہے جائے یا واپس آئے، ساتھ میں محرم ہو یا نہ ہو اور بہتر گھر واپس آنا ہے اور اگر اس وقت شہر میں ہے تو وہیں عدت پوری کرے، محرم یا بغیر محرم نہ ادھر آ سکتی ہے نہ ادھر جا سکتی اور اگر اس وقت جنگل میں ہے مگر راستہ میں گاؤں یا شہر ملے گا اور وہاں ٹھہر سکتی ہے کہ مال یا آبرو کا اندیشہ نہیں اور ضرورت کی چیزیں وہاں ملتی ہوں تو وہیں عدت پوری کرے پھر محرم کے ساتھ وہاں سے سفر کرے۔

(الدر المختار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۳۲، فتاویٰ ہندیہ، کتاب الطلاق، الباب الرابع عشر فی الحداد، ج ۱ ص ۵۳۵)

مسئلہ (۲۴): عورت کو عدت میں شوہر سفر میں نہیں لے جا سکتا، اگرچہ وہ رجعی کی عدت ہو۔

(الدر المختار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۳۳)

مسئلہ (۲۵): رجعی کی عدت کے وہی احکام ہیں جو بائن کے ہیں، مگر اس کے لیے سوگ نہیں اور سفر میں رجعی طلاق دی تو شوہر کے ہی ساتھ رہے اور کسی طرف مسافت سفر (یعنی ساڑھے ستاون میل (تقریباً ۹۲ کلومیٹر) کی راہ) ہے تو ادھر نہیں جا سکتی۔

(در مختار، کتاب الطلاق، فصل فی الحداد، ج ۵ ص ۲۳۳)

(بہارِ شریعت، ج ۲ ص ۲۴۰-۲۴۴ مجلس المدینۃ العلمیہ، دعوت اسلامی)

۵۱۔ بَابُ: مَهْرِ الْبَغِيِّ وَالنِّكَاحِ الْفَاسِدِ

طوائف کا معاوضہ اور نکاح فاسد کا بیان

وَقَالَ الْحَسَنُ إِذَا تَزَوَّجَ مُحَرَّمَةً وَهُوَ لَا يَشْعُرُ فُرِّقَ بَيْنَهُمَا وَلَهَا مَا أَخَذَتْ وَلَيْسَ لَهَا غَيْرُهُ ثُمَّ قَالَ بَعْدُ لَهَا صَدَاقُهَا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۱۶)

اور حسن بصری نے کہا: اگر کسی شخص نے عمداً کسی عورت سے نکاح کرلیا جو اس پر حرام تھی، تو اس عورت کو اس کے خاوند سے الگ کر دیں گے، اگر عورت مہر میں سے کچھ لے چکی ہے تو اس کو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ملے گا، پھر اس کے بعد حسن بصری نے کہا: اس کو مہرِ مثل ملے گا۔

تنبیہ:

یہ امام بخاری کی اس باب میں تعلیق ہے۔

جس مرد نے کسی مُحَرَّمہ سے دانستہ نکاح کیا، یا بے خبری میں نکاح کیا، اس کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

علامہ بدرالدین ابومحمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ، اس تعلیق کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ، نے کہا کہ جب کسی مرد نے مُحَرَّمہ (میم پر پیش ہے اور راء پر تشدید ہے) سے نکاح کرلیا، یعنی جس عورت سے نکاح کرنا اس پر حرام تھا، اور المستملی کی روایت میں یہ لفظ مَحْرَمہ ہے (میم پر زبر اور حاء پر جزم اور راء پر زبر)، اور علامہ ابن التین نے کہا: اس سے مراد وہ عورت ہے جو محرم ہے، اور اس مرد نے اس عورت سے اس حال میں نکاح کیا کہ اس کو پتا نہیں تھا کہ یہ عورت اس کے اوپر حرام ہے تو ان دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے گی، اور وہ عورت اپنے شوہر سے جو مہر وصول کر چکی ہے اس کو وہی ملے گا اس کے علاوہ اس کو کچھ نہیں ملے گا، یہ امام مالک کا مشہور قول ہے۔

پھر حسن بصری نے اس قول کے بعد کہا: اس کو مہرِ مثل ملے گا، اور فقہاء کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ اس کو مہرِ مثل ملے گا اور دوسرے گروہ نے کہا ہے: اس کو وہ مہر ملے گا جو اس کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

لیکن کسی مرد نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا اس پر حرام تھا، اور اس کو یہ علم تھا کہ اس سے نکاح کرنا حرام ہے، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ، اور امام محمد حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا: اس مرد پر حد لازم ہوگی اور اس عورت کا کوئی مہر نہیں ہوگا۔

اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ نے کہا اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا کہ اس پر حد نہیں ہے، خواہ اس کو یہ علم ہو کہ اس عورت سے نکاح کرنا حرام ہے، اس پر تعزیر لگائی جائے گی۔

اور امام ابوحنیفہ نے کہا یہ تعزیر چالیس کوڑوں سے کم ہوگی۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۳، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۴۶۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ رضی الله عنه قَالَ نَهَى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ

امام بخاری روایت کرتے ہیں: ہمیں علی بن عبداللہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از الزہری از ابوبکر بن عبدالرحمٰن از حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ، وہ بیان

ثَمَنِ الْكَلْبِ وَحُلْوَانِ الْكَاهِنِ وَمَهْرِ الْبَغِيِّ۔ کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے اور کاہن (غیب کی باتیں بتانے والا) کی مٹھائی سے اور طوائف کے معاوضہ سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۳۷، ۲۲۸۲، ۵۳۴۶، ۵۷۶۱، صحیح مسلم: ۱۵۶۷، سنن ترمذی: ۱۱۳۳، سنن نسائی: ۴۲۹۲، سنن ابو داؤد: ۳۴۸۱، سنن ابن ماجہ: ۲۱۵۹، مسند احمد: ۱۶۶۲۲، موطا امام مالک ۱۳۶۳، سنن دارمی: ۲۵۶۸)

شیخ وحید الزماں غیر مقلد متوفی ۱۳۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کاہن اور کتے کی بیع اور طوائف کی آمدنی کا حرام ہونا اور طوائفوں کی آمدنی سے دعوتیں کھانے کا حرام ہونا

کاہن سے مراد ہے جو غیب کی باتیں بتا کر مال کمائے، یہ سب کمائیاں حرام ہیں، بعضوں نے شکاری کتے کی بیع جائز قرار دی ہے، جو مولوی مشائخ رنڈیوں کی دعوتیں کھاتے ہیں یا فال تعویذ گنڈے کر کے رنڈیوں سے پیسے لیتے ہیں، وہ مولوی مشائخ کہاں ہیں، اچھے خاصے حرام خور ہیں۔ (تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۵۷، نعمانی کتب خانہ کراچی جون ۱۹۹۰ء)

شیخ وحید الزمان کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

یہ درست ہے کہ طوائفوں کی آمدنی حرام ہے، اور ان کی آمدنی سے دعوتوں کا کھانا بھی حرام ہے، لیکن شیخ وحید الزمان نے کس دلیل کی بناء پر یہ کہا کہ علماء اور مشائخ طوائفوں کی آمدنی سے دعوتیں کھاتے ہیں، یہ محض ان کی بدگمانی ہے اور علماء اور مشائخ پر تہمت ہے، اور عوام کو علماء اور مشائخ سے بدظن کرنا ہے، قرآن مجید میں ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝ (الحجرات: ۱۲)

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، بے شک بعض گمان گناہ ہیں، اور نہ تم (کسی کے متعلق) تجسس کرو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو، کیا تم میں سے کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، سو تم اس کو ناپسند کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا، بے حد رحم فرمانے والا ہے O

علماء اور مشائخ عوام کو احکام شرعیہ بیان کرتے ہیں اور وعظ اور نصیحت کرتے ہیں اور جب آپ ان پر بہتان باندھ کر اور تہمت لگا کر عوام کو ان سے متنفر کریں گے تو پھر عوام کو احکام شرعیہ کون بیان کرے گا اور وعظ و نصیحت کرن کرے گا، کاش! شیخ وحید الزمان اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور علماء اور مشائخ پر بہتان نہ باندھتے۔ سعیدی غفرلہ

دوسرے غیر مقلد عالم شیخ محمد داؤد راز میواتی نے بھی اس حدیث کی شرح میں شیخ وحید الزمان کی عبارت نقل کر دی ہے۔ اور ان کی شرح پر بھی وہی تبصرہ ہے جو ہم شیخ وحید الزمان پر تبصرہ کر چکے ہیں۔ (شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۹۶، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۴ء)

صحیح البخاری: ۵۳۴۶، کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے بعض رجال

اس حدیث کی سند میں علی بن عبد اللہ کا ذکر ہے، جو ابن المدینی کے نام سے معروف ہیں۔ اور اس کی سند میں سفیان کا ذکر ہے، تو وہ سفیان بن عیینہ ہیں، اور ابوبکر بن عبد الرحمٰن کا ذکر ہے، وہ ابن الحارث بن ہشام المخزومی ہیں۔ اور حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، وہ عقبہ بن عمرو الانصاری البدری ہیں۔

کتے کی قیمت کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

حسن بصری، ربیعہ، حماد بن ابی سلیمان، الاوزاعی، امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ، اور داؤد ظاہری متوفی ۲۷۰ھ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ، کے نزدیک کتے کی قیمت حرام ہے، اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔

اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ، اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن الشیبانی متوفی ۱۸۹ھ اور سحنون مالکیہ کے نزدیک جس کتے سے کوئی نفع حاصل ہو (مثلاً شکار کا کتا، یا کھیتوں کی حفاظت کا کتا، یا گھروں کی حفاظت کا کتا) تو اس کی بیع اور اس کی قیمت کو لینا جائز ہے، اور ان مذکور فقہاء نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں کتوں کی بیع سے اس وقت منع فرمایا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلقاً کتوں کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا اور جب آپ نے شکار کرنے کے لیے کتوں کو رکھنے کی اجازت دی اور مطلقاً کتوں کو قتل کرنے سے منع فرمادیا تو اس حدیث کے اندر کتوں کی قیمت کی ممانعت کا جو حکم ہے، وہ منسوخ ہو گیا۔

کاہن کی اجرت اور طوائف کی آمدنی کا حکم

رہی کاہن کی شیرینی یا اس کی آمدنی تو یہ رشوت ہے، جس کو کاہن لیتا ہے اور یہ باطل ہے۔ (کاہن وہ شخص ہے جس سے زمانہ جاہلیت میں لوگ پوچھتے تھے کہ بارش کب ہوگی یا پوچھتے تھے کہ وہ کاشت کاری کر رہے ہیں اس میں انہیں فائدہ ہوگا یا نقصان، یا وہ سفر پر جا رہے ہیں، یا تجارت کے لیے جا رہے ہیں، اس میں ان کو فائدہ ہوگا یا نقصان، تو کاہن انکل پچو سے ان کو غیب کی باتیں بتاتا تھا، اگر وہ کہتا کہ سفر میں فائدہ ہوگا تو وہ سفر پر چلے جاتے اور اگر وہ کہتا کہ سفر میں نقصان ہوگا، تو وہ سفر پر نہیں جاتے، اس زمانہ میں جو سڑکوں پر بیٹھے ہوئے نجومی ہیں، ان کا بھی یہی حکم ہے یا جو ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر غیب کی باتیں بتاتے ہیں، ان کا بھی یہی حکم ہے، یا جو اخباروں میں ہر ہفتے چھپتا ہے کہ آپ کا یہ ہفتہ کیسا گزرے گا اور غیب کی باتیں بتاتے ہیں کہ آپ کو فلاں کام میں فائدہ ہوگا یا نقصان ہوگا، تو یہ سب کاہن کے حکم میں ہیں، ان سے پوچھنا بھی حرام ہے، ان کا بتانا بھی حرام ہے اور ان کی آمدنی بھی حرام ہے۔ (سعیدی غفرلہٗ)

رہا طوائف کا معاوضہ تو یہ وہ ہے جو اس نکاح پر دیا جاتا ہے جو حرام ہے، سو یہ حرام ہے، اور قاضی نے کہا ہے کہ علماء کا اس میں

اختلاف نہیں ہے کہ طوائف کی آمدنی اور اس کی اجرت اور اس کا معاوضہ حرام ہے، اور اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے گانے والے کی اور ماتم کرنے والے کی اجرت کو حرام قرار دیا ہے اور اس کے بطلان پر فقہاء کا اجماع ہے۔

(عمدة القاری ج ۲۱ ص ۱۳-۱۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۶، کی شرح از علامہ ابن ملقن شافعی

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کتوں کی قیمت کی ممانعت کی تفصیل

اس حدیث میں کتے کی قیمت سے جو منع فرمایا ہے یہ ممانعت ہر قسم کے کتے کو شامل ہے۔

علامہ ابن التین شارح بخاری نے کہا ہے کہ کتے کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم ہے گھروں کا کتا اور دوسری قسم ہے کھیتوں کی حفاظت کا کتا اور مویشیوں کی حفاظت کا کتا، سو پہلی قسم کے کتوں کی قیمت کو لینا اور ان کی بیع حرام ہے، کیونکہ یہ کتے لوگوں کو خوف زدہ کرتے ہیں اور ان کو ایذاء پہنچاتے ہیں، لہٰذا ان کی قیمت حرام ہے۔

اور شکاری کتوں اور مویشیوں کی حفاظت کے کتوں کی خرید و فروخت میں اختلاف ہے، اور اگر کوئی ان کتوں کو قتل کردے تو اس کے معاوضہ میں قیمت کو لینے میں بھی اختلاف ہے۔

کاہن کی مٹھائی کی قیمت کی تفصیل

کاہن کی مٹھائی سے مراد وہ چیز ہے جو کاہن کو اُجرت دی جاتی ہے، کہا جاتا ہے ''حلوتہ'' یعنی میں نے اس کو مٹھائی دی، اور ''الحُلوان'' رشوت ہے، اور اس کی اصل حلاوت یعنی مٹھاس سے ہے اور اس کو کسی میٹھی چیز سے تشبیہ دی گئی ہے، کہا جاتا ہے ''حلوتُ فلانا'' جب تم نے اس کو مٹھائی کھلائی، جیسے کہا جاتا ہے ''عسلتہٗ'' میں نے اس کو شہد کھلایا اور ''تمرتہٗ'' میں نے اس کو کھجور کھلائی۔

علامہ ابن ملقن کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: کہ علامہ ابن الملقن نے کاہن کی تعریف ذکر نہیں کی، کاہن وہ شخص ہے جس سے زمانہ جاہلیت میں لوگ مستقبل میں پیش آمدہ مسائل کے متعلق سوالات کرتے تھے، اور ان کے جوابات کے مطابق اپنے آئندہ کا لائحہ عمل تیار کرتے تھے۔ مثلاً وہ کاہن سے پوچھتے کہ بارش کب ہوگی؟ سفر میں فائدہ ہوگا یا نقصان ہوگا؟ جنات فرشتوں کی باتیں سن کر ان کے کانوں میں کوئی بات ڈال دیتے تھے اور وہ ایک بات کے ساتھ اپنے طرف سے سو باتیں ملا کر بیان کر دیتے تھے، کاہن کے پاس جانا اور اس سے غیب کی باتیں دریافت کرنا جائز نہیں ہے، صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ جو شخص کاہن کے پاس گیا اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی۔

علمِ غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے لیکن اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی علمِ غیب پر مطلع فرماتا ہے اور اسی طرح اولیاءِ کرام کو بھی علمِ غیب پر مطلع فرماتا ہے، اور ان دونوں کے علمِ غیب میں فرق ہے

اس زمانہ میں جو لوگ نجومیوں کے پاس جاتے ہیں، یا اخبارات میں پیش گوئیاں پڑھ کر ان کے مطابق عمل کرتے ہیں ان کا

بھی یہی حکم ہے، ان سب چیزوں سے اجتناب کرنا لازم ہے۔ علامہ عینی کی شرح میں ہم اس کو مزید تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں۔ غیب کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اللہ تعالیٰ نے بہت ساری چیزیں انسان کو نہیں بتائیں مثلاً وہ کب مرے گا، کہاں مرے گا، قیامت کب آئے گی، ان تمام چیزوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے، اور ان کے متعلق تجسس کرنا اور ان کی تحقیق میں پڑنا جائز نہیں ہے، البتہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو اور بعض برگزیدہ اولیاء کرام کو بعض غیب کی باتوں پر مطلع فرما دیتا ہے، معتزلہ کراماتِ اولیاء کے منکر ہیں، اس لیے وہ اولیاء کرام کے لیے علمِ غیب کے قائل نہیں ہیں، لیکن علماءِ اہلسنت دلائلِ شرعیہ کی روشنی میں اولیاء کرام کے لیے بھی علمِ غیب کے قائل ہیں، اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو بھی علمِ غیب عطا فرماتا ہے، لیکن ان کا علم وحی سے حاصل ہوتا ہے اور وہ قطعی ہوتا ہے اور اولیاء کرام کو جو علمِ غیب حاصل ہوتا ہے وہ الہام کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے اور وہ ظنی ہے۔ سعیدی غفرلہٗ

فاحشہ یا طوائف کے معاوضہ اور اس کی آمدنی کی تفصیل

طوائف کا مہر زنا کی قیمت ہے، اور ''البغی'' کے لفظ میں باء پر زبر ہے اور غین پر زیر ہے اور یا پر تشدید ہے، اس حدیث کی بناء پر فقہاء نے کہا ہے کہ جو شخص کسی عورت کو زنا پر مجبور کرے، اس کا مہر نہیں ہوتا۔

علامہ داؤدی متوفی ۴۰۲ھ شارح بخاری نے کہا ہے اس طرح نہیں ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی شخص کے ناحق قتل کی ممانعت فرمائی ہے، اور اس پر اجماع ہے کہ جس نے کسی غلام کو قتل کیا تو اس پر اس کی قیمت کا ادا کرنا لازم ہے، اور جس نے کسی آزاد کو قتل کیا تو اس پر اس کی دیت کا ادا کرنا لازم ہے۔

کتے کی قیمت اور فاحشہ کے مہر اور کاہن کی مٹھائی کا حدیث میں ایک ساتھ ذکر اس کو مستلزم نہیں ہے کہ ان سب کا حکم بھی ایک ہو

اس حدیث میں کتے کی قیمت کا ذکر ہے اور وہ مکروہ ہے اور فاحشہ کے مہر کا ذکر ہے اور کاہن کی مٹھائی کا ذکر ہے اور یہ دونوں حرام ہیں، اور ان کو جمع کرنا ان کے درمیان حکم میں مساوات کو واجب نہیں کرتا، کیونکہ بعض اوقات واجب اور مستحب کو ایک آیت میں جمع کر دیا جاتا ہے، جیسے قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل:۹۰) بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ عدل اور احسان (نیک کام) کرو۔

عدل اور احسان کا فرق از مصنف

احسان کا درجہ عدل سے بڑھ کر ہے، کیونکہ عدل یہ ہے کہ انسان کسی کو اتنا دے جتنا دینا اس پر واجب ہے اور اس سے اتنا لے جتنا لینے کا اس کا حق ہے اور احسان یہ ہے کہ جتنا اس پر واجب ہے اس سے زیادہ دے اور جتنا اس کا حق ہے اس سے کم لے۔ اسی طرح عدل یہ ہے کہ کسی نے اس کو جتنی ایذاء پہنچائی تھی، وہ اس کو اتنی ہی ایذاء پہنچائے اور احسان یہ ہے کہ وہ اس کی زیادتی کو معاف کر دے، اور اس کے ساتھ نیکی کرے، قرآن مجید میں ہے: ''وَجَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ'' (الشوریٰ:۴۰) 'برائی کا بدلہ اتنی ہی برائی ہے، پھر جس نے معاف کر دیا اور نیکی کی تو اس کا اجر اللہ (کے ذمہ کرم) پر ہے اور حدیث میں ہے:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے سب سے افضل عمل

بتایئے، آپ نے فرمایا: اے عقبہ! جو تم سے قطع تعلق کرے، اس سے تعلق جوڑو، جو تم کو محروم کرے اس کو عطا کرو اور جو تم پر ظلم کرے اس سے اعراض کرو (اور ایک روایت میں ہے کہ اس کو معاف کردو)۔ (مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۸) (سعیدی غفرلہٗ)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ عدل کرنا واجب ہے اور احسان کرنا مستحب ہے، اسی لیے علامہ ابن الملقن نے فرمایا کہ اس آیت میں عدل اور احسان دونوں کا حکم دیا ہے، حالانکہ عدل واجب ہے اور احسان مستحب ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ ایک آیت میں واجب اور مستحب دونوں کا ذکر ہوتا ہے، اسی طرح اس حدیث میں کتے کی قیمت جو مکروہ ہے اور کاہن کی مٹھائی اور فاحشہ کے مہر کو ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ یہ دونوں حرام ہیں، اسی لیے ان تینوں کا حدیث میں ایک ساتھ ذکر کرنا اس کو واجب نہیں کرتا کہ ان تینوں کا شرعی حکم بھی ایک ہو، جس طرح عدل اور احسان کا النحل: ۹۰، میں ایک ساتھ ذکر کرنا اس کو واجب نہیں کرتا کہ دونوں کا حکم ایک ہو۔

اور اس پر اجماع ہے کہ فاحشہ عورت کو مہر دینا حرام ہے، اور اس سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔

نکاحِ فاسد کی تفصیل اور نکاحِ فاسد کی دو قسمیں، یا عقدِ نکاح میں فساد ہو اور یا مہر میں فساد ہو

علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ ھ لکھتے ہیں:

نکاحِ فاسد میں فساد یا تو عقدِ نکاح میں ہوتا ہے یا اس میں فساد مہر میں ہوتا ہے، جو فساد عقدِ نکاح میں ہو تو اکثر امت کے نزدیک وہ نکاح منعقد نہیں ہوتا، اور ان میں سے بعض فقہاء کے نزدیک منعقد ہو جاتے ہیں۔ سو جو نکاح بناء سے پہلے فسخ ہو جائے یہ اس قبیل سے ہے جو عقدِ نکاح میں فساد کی وجہ سے ہوا ہے، اس میں مہر نہیں ہوتا، اور اگر عورت نے کوئی مہر لیا ہے، تو واپس کیا جائے گا، اور جو نکاح بناء کے بعد فسخ ہوا ہے تو اس میں وہ مہر دیا جائے گا جو مقرر ہو چکا ہے۔

اور جو نکاح مہر میں فساد کی وجہ سے فاسد ہوا ہے جیسا کہ خرید و فروخت میں قیمت کے فساد کی وجہ سے بیع فاسد ہوتی ہے، تو یہ نکاح دخول سے پہلے فسخ کر دیا جائے گا، اور اگر مرد دخول کے بعد فوت ہو گیا ہو تو مہر ادا کیا جائے گا۔

عقدِ نکاح میں فساد کی اقسام

اور علامہ ابن القاسم مالکی کا قول ہے کہ ہر وہ نکاح جس کے متعلق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریح ہے کہ وہ حرام ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں کیا جائے گا، سو وہ نکاح بغیر طلاق کے فسخ کر دیا جائے گا، اور اگر اس نے طلاق دی تو وہ لازم نہیں ہوگی اور شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے جیسا کہ کوئی مرد چار بیویوں کے بعد پانچویں عورت سے نکاح کر لے یا جیسے کوئی مرد اپنی رضاعی بہن سے نکاح کر لے یا اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی پھوپھی سے نکاح کر لے یا اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے اس کی خالہ سے نکاح کر لے یا عدت کے دوران عدت والی عورت سے نکاح کر لے۔

جو نکاح حرام ہو اور اس کی حرمت میں اختلاف ہو تو وہ نکاح منعقد ہو جاتا ہے

نیز علامہ ابن القاسم مالکی نے کہا: ہر وہ نکاح جس کی اجازت یا اس کے فسخ میں علماء کا اختلاف ہے تو اس نکاح میں فسخ طلاق نہیں ہے، اور اس کے اندر وراثت بھی جاری ہوگی اور طلاق بھی جاری ہوگی اور خلع بھی جاری ہوگا، جب تک کہ اس نکاح کو فسخ نہ کر دیا جائے، جیسا کہ کوئی عورت از خود اپنا نکاح کر لے یا بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کر لے (میں کہتا ہوں: کہ یہ نکاح ائمہ ثلاثہ

کے نزدیک ناجائز ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک کسی عاقلہ بالغہ عورت کا اپنے اختیار سے از خود نکاح کرنا یا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا جائز ہے۔سعیدی غفرلہٗ)، یا کوئی باندی اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرے یا مہر میں دھوکہ دے، کیونکہ اگر قاضی نے اس کے متعلق فیصلہ کر دیا تو اس کا فیصلہ نہیں توڑا جائے گا، اسی طرح جو نکاح حرام ہو یا جو نکاحِ شغار ہو (نکاحِ شغار کا مطلب یہ ہے کہ ادلہ بدلہ کا نکاح، مثلاً کوئی مرد یہ کہے کہ تم اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کر دو اس کے بدلہ میں میں اپنی بیٹی کا نکاح تم سے کر دوں گا، اس میں طرفین سے مہر مقرر کیا جائے تو اس نکاح کے جواز میں کوئی شک نہیں ہے، لیکن اگر مہر مقرر نہ کیا جائے اور صرف یہی مہر ہو کہ تم اپنی بیٹی کا مجھ سے نکاح کر دو، میں اپنی بیٹی کا تم سے نکاح کر دوں گا تو یہ نکاح باطل ہے، لیکن اس صورت میں بھی مہرِ مثل لازم ہوگا۔سعیدی غفرلہٗ)، علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں کیونکہ اس قسم کے نکاحوں میں فقہاء کا اختلاف ہے، جیسا کہ ہم نے بتایا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرنا یا نکاحِ شغار۔

جس نے دانستہ یا نادانستہ نکاحِ حرام کیا، اس کے شرعی احکام

علامہ ابن الملقن الشافعی متوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

جس نے ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا، اور اس کو یہ علم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے تو شوہر اور بیوی کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور ان پر حد لازم نہیں ہوگی۔اور اس کے مہر میں علماء کے دو قول ہیں، حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ نے یہ کہا کہ جو اس کا مہر مقرر ہو چکا ہے وہ اس مہر کو وصول کرے گی، اور ان کا دوسرا قول ہے کہ اس کے لیے مہرِ مثل لازم ہوگا اور باقی فقہاء بھی انہی دو قولوں پر متفق ہیں، بعض فقہاء نے کہا کہ اس کے لیے مہرِ مثل ہوگا اور بعض فقہاء نے کہا کہ اس کے لیے مقرر شدہ مہر ہوگا۔

اور جس نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا اور اس کو علم تھا کہ یہ نکاح حرام ہے تو امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے: اس پر حد لازم ہوگی اور اس کا مہر نہیں دیا جائے گا۔(شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۱۴۹)

اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے: اس پر حد نہیں ہے اور اگر اس کو تحریم کا علم ہو تو اس کو تعزیر لگائی جائے گی اور امام ابو حنیفہ نے کہا: یہ تعزیر چالیس کوڑوں سے زیادہ نہیں ہوگی۔

بعض مالکیوں کا باندیوں کے ساتھ وطی حرام اور عورت کے ساتھ نکاحِ حرام کرنے میں حد لازم ہونے یا حد لازم نہ ہونے کا فرق کرنا اور فقہاء احناف کا ان صورتوں میں حد کو لازم نہ کرنا، اس مسئلہ میں فقہاء احناف کے دلائل

ابن القاسم مالکی نے باندیوں کے ساتھ وطی حرام کے اوپر اور آزاد عورتوں کے ساتھ وطی حرام میں فرق کیا ہے۔انہوں نے کہا کہ جب مرد نے کسی عورت کے ساتھ نکاحِ حرام کیا اور اس کو معلوم تھا کہ یہ نکاح حرام ہے تو اس پر حد واجب ہوگی۔اور جب کسی مرد نے کسی باندی کو خریدا اور اس سے حرام وطی کی اور اس کو معلوم تھا کہ یہ وطی حرام ہے تو اس پر حد نہیں ہوگی۔

اور فقہاء احناف کے سوا باقی فقہاء نکاح میں اور باندی کے ساتھ وطی کرنے میں کوئی فرق نہیں کرتے، اور ان دونوں صورتوں

میں حد کو واجب کرتے ہیں۔

اور امام ابوحنیفہ جو ان صورتوں میں حد کو واجب نہیں کرتے تو ان کی دلیل یہ ہے کہ عقد کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا ہے خواہ وہ شبہ فاسد ہو، اور شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، جیسا کہ کسی مرد نے اس باندی کے ساتھ وطی کی جو اس کے اور اس کے شریک کے درمیان مشترک تھی تو یہ وطی بالاتفاق حرام ہے، لیکن اس پر حد نہیں ہوگی، کیونکہ شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے گی، ہاں ان دونوں صورتوں میں تعزیر ہوگی۔

اسی طرح جو نکاح فاسد ہیں، جیسے معتوعہ عورت سے نکاح کرنا یا بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کرنا، یا بغیر گواہوں کے نکاح کرنا یا حائض سے وطی کرنا یا معتکفہ سے وطی کرنا، تو یہ تمام صورتیں حرام ہیں، اور ان تمام صورتوں میں وطی حرام ہے اور اس پر اور مرد پر حد نہیں ہوگی۔

امام مالک ابن انس متوفی ۱۷۹ھ، جو حد واجب کرتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝ (النساء:۱۵)

اور تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں تو ان کے خلاف اپنے چار (مسلمان) مردوں کی گواہی طلب کرو، پس اگر وہ گواہی دے دیں تو ان (عورتوں) کو گھروں میں مقید رکھو حتیٰ کہ انہیں موت آ جائے، یا اللہ ان کے لیے کوئی (اور) راہ پیدا کر دے گا ۝

علامہ ابن الملقن متوفی ۸۰۴ھ فرماتے ہیں کہ یہ فاحشہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ ان کے لیے کوئی اور راہ پیدا کر دے گا، اور وہ اللہ تعالیٰ نے راہ پیدا کر دی ہے کہ جو عورتیں بدکاری کریں ان کو رجم کر دیا جائے، یعنی پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا جائے اور اس پر اجماع قائم ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی ماں سے عقدِ نکاح کر لے اور اپنی بہن سے عقدِ نکاح کر لے تو یہ نکاح جائز نہیں ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے اور وہ شخص صرف زانی ہے، زنا کا قصد کرتا ہے اور نکاح کی وجہ سے خود سے حد کو ساقط کر رہا ہے۔

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵، ۵۸۷-۵۹۰، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

علامہ ابن الملقن کی شرح پر مصنف کا تبصرہ اور امام ابوحنیفہ کے موقف پر دلیل

علامہ ابن الملقن شافعی متوفی ۸۰۴ھ نے اپنی اس عبارت میں امام ابوحنیفہ کے موقف پر اعتراض کیا ہے، کیونکہ ائمہ ثلاثہ اور غیر مقلدین کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنی ماں یا بہن یا دیگر محرمات کے ساتھ عقدِ نکاح کر کے وطی کر لے تو اس پر حد واجب ہوتی ہے اور اس کو رجم کر دیا جائے گا، اس کے برخلاف امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس نے عقدِ نکاح کر لیا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن بھائی کے ساتھ نکاح کرنا جائز تھا، تو ہو سکتا ہے اس کے ذہن میں یہ شبہ ہو کہ جب پچھلی شریعتوں میں محرمات کے ساتھ نکاح جائز تھا، تو اب بھی محرمات کے ساتھ نکاح جائز ہوگا، ہرچند کہ یہ شبہ فاسد ہے، لیکن شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، اس لیے اگر کسی شخص نے محرمات سے عقدِ نکاح کر لیا تو اس پر حد لازم نہیں ہوگی بلکہ تعزیر ہوگی۔

صحیح البخاری: ۵۳۴۶ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال البکری القرطبی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

نکاحِ فاسد کی دو قسمیں اور ان کے احکام کی تفصیل

فاحشہ عورت یا طوائف کا مہر یا اس کا معاوضہ اجماعِ امت سے حرام ہے اور اس سے نسب ثابت نہیں ہوتا، رہا نکاحِ فاسد تو اس کی دو قسمیں ہیں، کبھی عقدِ نکاح میں فساد ہوتا ہے اور کبھی مہر میں فساد ہوتا ہے، جو عقدِ نکاح میں فساد ہو تو اکثر ائمہ کے نزدیک وہ نکاح منعقد نہیں ہوتا، اور جو نکاح مہر کے فساد کی وجہ سے فاسد ہو جیسے خرید و فروخت کے اندر قیمت میں فساد ہوتا ہے تو وہ نکاح دخول سے پہلے فسخ ہو جائے گا اور وہ نکاح باقی رہے گا جب وہ مرد دخول کے بعد فوت ہو جائے۔

اور ابن القاسم مالکی کا آخری قول یہ ہے کہ جس نکاح کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریم پر صریح نص کر دی ہے، اس کے حرام ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ وہ نکاح بغیر طلاق کے فسخ ہو جائے گا اور اگر اس نے طلاق دی تو وہ لازم نہیں ہوگی اور شوہر اور بیوی ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے، جیسا کہ کوئی مرد چار بیویوں سے نکاح کرنے کے بعد پانچویں عورت سے نکاح کرلے، یا اپنی رضاعی بہن کے ساتھ نکاح کرلے، یا اپنی بیوی کی پھوپھی کے اوپر نکاح کرلے، یا اپنی بہن کی خالہ پر نکاح کرلے یا عدت کے اندر نکاح کرلے تو یہ تمام نکاح قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی تصریحات سے حرام ہیں۔

اور ہر وہ نکاح جس کے انعقاد کے جواز میں اور اس کے فسخ میں علماء کا اختلاف ہو، تو اس میں طلاق کے ساتھ نکاح فسخ ہو جاتا ہے اور اس میں وراثت بھی جاری ہوتی ہے اور طلاق اور خلع کے احکام بھی جاری ہوتے ہیں جب تک نکاح فسخ نہ ہو، جیسا کہ کوئی عورت از خود اپنا نکاح کرلے یا کوئی عورت بغیر ولی کے نکاح کرلے یا کوئی باندی اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے یا مہر میں دھوکہ ہو، یا نکاح شغار ہو تو کیونکہ اس قسم کے نکاحوں کے جواز اور عدمِ جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے، سو یہ نکاح دیگر فقہاء کے نزدیک منعقد ہو جائیں گے۔

علامہ ابن بطال کی شرح پر مصنف کا تبصرہ اور بغیر ولی کے نکاح کے جواز پر فقہاء احناف کے دلائل

میں کہتا ہوں: ہم متعدد بار بیان کر چکے ہیں کہ عاقلہ بالغہ آزاد عورت کا از خود نکاح کرنا جائز ہے، ہر چند کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ نکاح جائز نہیں ہے لیکن تحقیق یہی ہے کہ یہ نکاح جائز ہے، قرآن مجید میں ہے:

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ (البقرہ:۲۳۲)

اور جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو انہیں ان کے (انہی پہلے) خاوندوں کے ساتھ نکاح کرنے سے نہ روکو، جب وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے سے راضی ہو جائیں، اس حکم کے ساتھ ہر اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتا ہو، یہ (حکم) تمہارے لیے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے، اور اللہ (ہی) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے O

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن کو ان کے خاوند نے طلاق دے دی، حتیٰ کہ عدت گزر گئی اور وہ بائنہ ہو گئیں، پھر ان کی بہن کے خاوند نے ان کو دوبارہ نکاح کا پیغام دیا لیکن حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنی حمیت اور عار کی وجہ سے اپنی بہن کو ان کے سابق خاوند کے ساتھ نکاح کرنے سے روکا اور منع کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جب طلاق کے بعد عورتوں کی عدت

پوری ہو جائے اور وہ سابق خاوند سے نکاح کرنا چاہیں تو تم ان کو نکاح کرنے سے نہ روکو، سو جب یہ آیت نازل ہوگئی تو حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنی حمیت اور عار پر خاک ڈالی اور اپنی بہن کو اجازت دے دی کہ وہ اپنے سابق خاوند سے نکاح کر لیں، اسی طرح صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں حدیث ہے "لاتجبر البکر البالغة"، "بالغہ عورت کو نکاح پر مجبور نہیں کیا جائے گا"، اس سے معلوم ہوا کہ آزاد عاقلہ بالغہ عورت اپنی مرضی سے کسی جگہ نکاح کر سکتی ہے اور بہتر یہ ہے کہ وہ کفو کے اندر نکاح کرے تاکہ اس کے خاندان والوں کو غیر کفو میں نکاح کرنے کی وجہ سے عار محسوس نہ ہو۔ (سعیدی غفرلہ)

جس شخص نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا، جس سے نکاح کرنا حرام تھا تو آیا اس پر حد لازم ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء اسلام کا اختلاف

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں:

جس مرد نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا اور مرد اور عورت دونوں کو یہ علم نہیں تھا کہ یہ نکاح حرام ہے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی اور ان دونوں پر حد نہیں ہوگی، اور علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ اس عورت کا مہر لازم ہوگا یا نہیں؟۔

حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ نے کہا ہے: اس عورت نے جو مقرر شدہ مہر لے لیا سو وہ اس کا ہے، پھر ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو مہر مثل ملے گا اور باقی فقہاء کے بھی یہی دو قول ہیں۔

اور جس مرد نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا اور اس کو علم تھا کہ یہ نکاح حرام ہے، تو امام مالک متوفی ۱۷۹ھ اور امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۳ھ اور امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے اس مرد پر حد زنا لازم ہوگی، اور اس عورت کے لیے کوئی ملک ثابت نہیں ہوگا اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ اس مرد پر حد لازم نہیں ہوگی، خواہ اس کو تحریم کا علم ہو، اس پر تعزیر لگائی جائے گی، (کیونکہ عقد نکاح کی وجہ سے اس نکاح میں شبہ پیدا ہو گیا اور شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ سعیدی غفرلہ)۔ امام ابو حنیفہ نے کہا: اس کی تعزیر میں چالیس کوڑوں سے کم کوڑے لگائے جائیں گے۔

میں کہتا ہوں: کیونکہ اسی کوڑے آزاد مرد کے لیے حدِ قذف ہیں اور چالیس کوڑے غلام کے لیے حد قذف ہیں اور تعزیر حد سے کم ہوتی ہے، اس وجہ سے اس کو چالیس کوڑوں سے کم کوڑے لگائے جائیں گے۔ (سعیدی غفرلہ)

(شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۱۷، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن ابو بکر بن عمر القریشی المخزومی الاسکندری المالکی المتوفی ۸۲۷ھ نے اس حدیث کی شرح میں صرف "محرمة" کی لفظی تحقیق کی ہے کہ یہ لفظ مُحرمۃ ہے یعنی میم پر زبر ہے حاء پر جزم ہے اور راء پر زبر ہے اور آخیر میں تاء پر پیش ہے اور اس سے مراد ہے: "جس سے نکاح کرنا حرام ہو" اور بعض شارحین نے اس کو اسم مفعول قرار دیا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ حاء پر زبر ہے راء پر تشدید ہے۔ (مصابیح الجامع شرح الجامع الصحیح للبخاری ج ۹ ص ۹۹، دار النوادر، دمشق ۱۴۳۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۶، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی

حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
اس باب کی پہلی حدیث حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری سے مروی ہے جس میں کتوں کی قیمت اور کاہن کی مٹھائی اور فاحشہ عورت کے مہر سے منع فرمایا ہے۔

علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ جمہور نے کہا ہے جس نے اس عورت سے نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا اور اس کو علم تھا کہ یہ نکاح حرام ہے تو اس پر حد واجب ہو جائے گی، کیونکہ اس نکاح کی تحریم پر اجماع ہے تو یہاں کوئی ایسا شبہ نہیں ہے جس سے حد ساقط ہو جائے اور امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ نے کہا ہے کہ عقدِ نکاح شبہ ہے اور ان کا استدلال اس سے ہے کہ اگر کسی مرد نے ایسی باندی سے وطی کی جس میں اس کا کوئی شریک تھا تو یہ نکاح بالاتفاق حرام ہے اور شبہ کی وجہ سے اس سے حد ساقط ہو جائے گی اور اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اس مرد کا اس باندی کی ملکیت میں جو حصہ ہے وہ حصولِ شبہ کا تقاضا کرتا ہے بخلاف اس نکاح کے جو حرام ہو، اس میں اس کی ملکیت اصلاً نہیں ہے، للہٰذا دونوں مسئلوں میں فرق ہے، اور ابن القاسم مالکی نے کہا ہے کہ آزاد عورت سے وطی کرنے میں حد ہے اور مملوکہ سے وطی کرنے میں حد نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۴-۴۹۵، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۴۵، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

امام ابو حنیفہ پر اعتراض کا جواب از مصنف

میں کہتا ہوں: کہ امام ابو حنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ جس مرد نے کسی ایسی عورت سے عمداً نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا، تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی، صرف تعزیر ہوگی، اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ اس پر حد لازم ہوگی، امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے جو اس نکاحِ حرام میں عقد کیا تھا تو وہ عقد اس شبہ کو پیدا کرتا ہے کہ شاید اس عقد کی وجہ سے وہ نکاح حلال ہو، اور شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، جیسا کہ محرمات کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے لیکن اگر کوئی مرد اپنی ماں یا بہن سے عقدِ نکاح کرلے اور اس کو یہ شبہ ہو کہ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بھائی اور بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز تھا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ محرمات کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز ہے، ہر چند کہ یہ شبہ باطل ہے لیکن شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، للہٰذا اس صورت میں بھی حد ساقط ہو جائے گی اور صرف تعزیر لازم ہوگی۔ سعیدی غفرلہٗ۔

صحیح البخاری: ۵۳۴۶ کی شرح، از علامہ قسطلانی

علامہ ابو العباس شہاب الدین احمد القسطلانی متوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:
حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمرو الانصاری البدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا ہے، خواہ وہ کتا سدھایا ہوا ہو یا نہ ہو، کیونکہ کتا نجس ہے اور فقہاء احناف اور سحنون مالکی نے کہا ہے کہ جن کتوں سے نفع حاصل ہوتا ہے، ان کی بیع جائز ہے (جیسے گھر کی حفاظت کا کتا یا کھیتوں کی حفاظت کا کتا یا مویشیوں کی حفاظت کا کتا۔ وضاحت از سعیدی غفرلہٗ)
اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حدیث میں کاہن کی مٹھائی سے بھی منع فرمایا ہے، کاہن وہ شخص ہے جو کسی جن کے واسطہ سے علم غیب کا دعویٰ کرتا ہے اور لوگوں کو غیب کی خبریں بتاتا ہے اور اس پر معاوضہ لیتا ہے، یعنی جنات فرشتوں کی مستقبل کے متعلق باتیں سنتے

ہیں اور کوئی بات سن کر کاہن کے کان میں پھونک دیتے ہیں اور کاہن اس ایک بات کے ساتھ اپنی طرف سے کئی باتیں ملا کر لوگوں کو بتاتا ہے۔

علامہ ابوالحسین علی بن محمد حبیب ماوردی شافعی متوفی ۴۵۰ھ نے الحاوی الکبیر میں لکھا ہے کہ جو مرد کہانت کا کسب کرتا ہے اور لہو ولعب کرتا ہے اس کو منع کیا جائے گا اور وہ جو اس کا معاوضہ لیتا ہے تو اس کو اور دینے والے کو تادیباً سزا دی جائے گی۔

اور اس حدیث میں فاحشہ کے مہر سے بھی منع کیا گیا ہے، یعنی جو زانیہ عورت زنا پر اجرت لیتی ہے اور اس کا نام مہر رکھتی ہے، اس کو مہر تشبیہاً کہا گیا ہے یا اس پر معنی لغوی کے اعتبار سے مہر کا اطلاق کیا گیا ہے اور یہ حدیث اس سے پہلے کتاب البیع میں گزر چکی ہے۔

(ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری ج ۱۲ ص ۴۳۴، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۶ کی شرح، از علامہ کورانی

محارم کے ساتھ نکاح کا باطل ہونا اور اس میں دانستہ اور نادانستہ نکاح کرنے کے احکام کا فرق

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

محارم کے ساتھ نکاح کرنا باطل ہے اور علماء کے نزدیک اس نکاح میں مہر واجب نہیں ہوتا، اگر اس کو اس نکاح کے حرام ہونے کا علم ہو اور اس پر جمہور کے نزدیک حد لازم ہے، اور اگر اس نے کسی عورت سے نکاحِ حرام کیا اور اس کو اس نکاح کے حرام ہونے کا علم نہیں تھا تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، انہوں نے کہا: دخول سے پہلے اس میں کوئی چیز لازم نہیں ہے اور دخول کے بعد بعض نے کہا: مہر مقرر لازم ہے اور بعض نے کہا کہ مہرِ مثل لازم ہوگا۔

کتوں کی قیمت اور کاہن کی مٹھائی کے متعلق فقہاءِ اسلام کی عبارات

علامہ کورانی حنفی لکھتے ہیں کہ حضرت ابو مسعود عقبہ بدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کتوں کی قیمت سے منع فرمایا ہے، اور اس حدیث میں امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کی یہ دلیل ہے کہ کتوں کی بیع جائز نہیں ہے، اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ سے بھی یہی روایت ہے اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے الموطا میں کہا ہے کہ میں اس بیع کو مکروہ قرار دیتا ہوں۔

''کاہن'' اور ''العراف'' کا فرق

حلوان الکاھن: اس لفظ میں حاء پر پیش ہے، یعنی کسی کاہن کو کہانت کی جو اجرت دی جاتی ہے، علامہ ابن الاثیر الجزری الشافعی متوفی ۶۰۶ھ نے کہا ہے: کاہن وہ شخص ہے جو امورِ مستقبلہ کی خبر دیتا ہے، اور اس کا یہ زعم ہوتا ہے کہ ایک جن اس کو آ کر غیب کی خبریں بتاتا ہے، اور جو شخص قیافہ سے غیب کی خبر بیان کرتا ہے تو اس کو ''العراف'' کہا جاتا ہے، اس کا یہ حکم نہیں ہے۔

(الکوثر الجاری شرح صحیح البخاری، ج ۹ ص ۶۴-۶۵، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

علامہ کورانی کی شرح پر مصنف کا اضافہ، بدلتے ہوئے موسم کی پیش گوئی کرنا، سورج اور چاند گرہن کی پیش گوئی کرنا اور دواؤں کے متعلق پیش گوئی کرنا، کہانت کے حکم میں نہیں ہے

میں کہتا ہوں: جو سائنسدان آلات کے ذریعہ موسم کی خبر دیتے ہیں اور پورے ایک ہفتہ کا موسم بیان کر دیتے ہیں کہ فلاں دن

استادرجہ حرارت ہوگا اور فلاں دن اتنا درجہ حرارت ہوگا اور فلاں دن بارش ہوگی اور فلاں دن بارش نہیں ہوگی، یا آلات کے ذریعہ یہ بیان کرتے ہیں کہ فلاں سال فلاں مہینے اور فلاں دن سورج گرہن ہوگا یا چاند گرہن ہوگا اور وقت بھی معین کر دیتے ہیں اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ ایسا ہی ہوتا ہے، سو یہ بھی کاہن کے حکم میں نہیں ہے بلکہ عراف کے حکم میں ہے، کیونکہ یہ سائنسدان غیب کا دعویٰ نہیں کرتے بلکہ سورج اور زمین کی حرکت اور ان کے درمیان زمین کے حائل ہونے یا نہ ہونے کی وجہ سے اور دیگر علامات کی وجہ سے یہ پیش گوئی کرتے ہیں اور یہ غیب کا دعویٰ نہیں کرتے اور ان کی دی ہوئی خبر قطعی اور یقینی نہیں ہوتی بلکہ ظنی ہوتی ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ جیسا کہ ایلو پیتھک دواؤں کے اوپر ایکسپائر ڈیٹ لکھی ہوتی ہے کہ یہ دوا فلاں تاریخ تک قابل استعمال ہے، اس کے بعد یہ دوا قابل استعمال نہیں ہے، تو میڈیکل سائنٹسٹ اپنے تجربات سے یہ پیشگوئی کرتے ہیں اور ان کی یہ پیشگوئی تقریباً سو فیصد ثابت ہوتی ہے اور جس طرح مختلف ایلو پیتھک دواؤں کے متعلق ڈاکٹرز بتاتے ہیں کہ اس دوا سے سر درد کو آرام آئے گا، اس دوا سے بخار اتر جائے گا، اس دوا سے نمونیہ میں فائدہ ہوگا، سو ان کے یہ اقوال بھی غیب کی خبر پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ تجربات پر مبنی ہوتے ہیں، تو جس طرح ان کے مطابق عمل کرنا کاہن کی اٹکل پچو سے دی ہوئی غیب کی خبروں کے حکم میں نہیں ہے بلکہ عراف کے حکم میں ہے، اس لیے موسمی علامات اور سورج گرہن وغیرہ اور دواؤں کے متعلق ان کی خبروں پر عمل کرنا بھی کاہن کی خبروں پر عمل کرنے کے حکم میں نہیں ہے۔ سعیدی غفرلہ

صحیح البخاری: ۵۳۴۶، کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یعنی حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ پہلے تو یہ کہتے تھے کہ اگر کسی نے ایسی عورت سے نکاح کیا جو اس پر حرام ہے اور اس کو تحریم کا علم نہ تھا تو ان کو علیحدہ علیحدہ کر دیا جائے اور نکاح کے وقت جو مہر مقرر کیا تھا وہ عورت وہی لے گی اس کے علاوہ کسی شے کی مستحق نہیں، اس کے بعد حسن بصری نے یہ فتویٰ دیا کہ اس کے لئے مہر مثل ہے۔ ان ہی دونوں اقوال پر فقہاء کے اقوال ہیں، بعض مہر مثل کے قائل ہیں اور بعض نکاح کے وقت مقرر شدہ مہر کے قائل ہیں، اور جس نے مُحرمہ سے نکاح کیا حالانکہ اسے معلوم تھا کہ یہ عورت مجھ پر حرام ہے تو امام مالک، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی کے نزدیک اس پر حد واجب ہے، اور مہر وغیرہ کچھ نہیں۔ سفیان ثوری اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہما نے کہا: اس پر حد نہیں تعزیر ہے، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تعزیر چالیس کوڑوں سے کم ہوگی۔

اس حدیث سے حسن بصری، ربیعہ، حماد بن ابی سلیمان، اوزاعی، شافعی، احمد اور ایک روایت کے مطابق امام مالک رضی اللہ عنہم نے استدلال کیا ہے کہ کتے کی قیمت حرام ہے، عطاء، ابراہیم نخعی، امام ابوحنیفہ اور امام محمد رضی اللہ عنہم نے کہا: جن کتوں سے نفع حاصل ہو سکتا ہے ان کی بیع جائز ہے، اور قیمت مباح ہے، انہوں نے اس حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ ان کی قیمت کی ممانعت اس وقت تھی جب کتوں کو قتل کرنے کا حکم تھا، جب شکار وغیرہ کے لئے ان سے انتفاع مباح ہوا تو ان کی قیمت بھی مباح ہو گئی اور ان کو قتل کرنے کی نہی منسوخ ہو گئی، ہاں جن کتوں سے انتفاع جائز نہیں ان کی قیمت حرام ہے۔

کاہن لوگوں کو باطل باتیں بتا کر ان سے رشوت وصول کرتے ہیں، یہ حرام ہے، امام طحاوی نے ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تین اشیاء حرام ہیں اور صحیح کی حدیث ایسی روایت ذکر کی۔ (تفہیم البخاری ج ۸ ص ۴۲۰-۴۲۱، جلد

پرنٹرز لاہور، بار اول)

صحیح البخاری: ۵۳۴۶، کی شرح از شیوخ دیوبند

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

بغی (باء کے فتحہ، غین کے کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ) بروزن فعیل، زانیہ کو کہتے ہیں، یہ صفت کا صیغہ ہے اور بِغاء سے مشتق ہے، جس کے معنی زنا کے آتے ہیں، مذکر اور مونث دونوں کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس کا وزن فعول ہے، اصل میں بَغُوئٌ تھا، واؤ کو یاء سے بدل دیا اور یاء کی مناسبت سے غین کو کسرہ دے کر یاء کا یاء میں ادغام کر دیا گیا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۱۷، عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۱)

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ درحقیقت نکاح فاسد میں مہر کا مسئلہ بیان فرمانا چاہتے ہیں، لیکن نکاح فاسد کے سلسلہ میں چونکہ ان کے پاس کوئی روایت موجود نہیں ہے، اس لیے انہوں نے مَہرِ بغی کی روایت سے استدلال کیا ہے اور ترجمہ میں ''مهر بغی'' کا اضافہ کر دیا ہے چونکہ نکاح فاسد میں جو وطی ہوتی ہے وہ بھی ایک قسم کا بغاء اور زنا ہے۔

نکاح فاسد کی کئی صورتیں ہیں مثلاً: گواہوں کے بغیر نکاح، زمانۂ عدت میں نکاح، نکاح موقت، یہ نکاح فاسد کی صورتیں ہیں۔
(عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۱)

مُحرمه: (میم کے ضمہ اور راء کی تشدید کے ساتھ) ای امراۃ محرمة علیه، مُستملی کی روایت میں مَحرمۃ (میم کے فتحہ، حاء کے سکون اور راء کے فتحہ کے ساتھ) ای ذا محرمة یعنی ذی رحم محرم خاتون۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۱)

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی ذی رحم محرم خاتون کے ساتھ نکاح کر لیا اور اس کو معلوم نہیں تھا تو معلوم ہونے کے بعد دونوں کے درمیان تفریق اور جدائی کر دی جائے گی۔

اب رہا یہ کہ اس عورت کو کچھ ملے گا یا نہیں تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے دو قول ہیں، ایک قول تو یہ ہے کہ اس کو صداق مسمّی ملے گا یعنی نکاح میں جو مہر طے ہو گیا تھا وہی اس کو ملے گا۔ ''ولها ما اخذت'' سے یہی مراد ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس کو مہر مثل ملے گا: ''لها صداقها''، یعنی ''صداق مثلها''، یہی دونوں قول جمہور کی طرف منسوب ہیں، بعضوں نے کہا: صداق مسمّی ملے گا اور بعض فرماتے ہیں: مہر مثل ملے گا، ابن بطال نے اس کو اکثر علماء کا قول قرار دیا۔ (فتح الباری ج ۹ ص ۶۱۸)

محرم سے نکاح کرنے والے کا حکم

یہ صورت تو اس وقت ہے جب کسی آدمی نے بے خبری میں کسی محرمہ سے نکاح کر لیا ہو، لیکن اگر کسی نے دیدہ و دانستہ اس شنیع حرکت کا ارتکاب کیا تو ایسے شخص کے حکم میں اختلاف فقہاء ہے:

(۱) امام مالک، امام شافعی، حضرت حسن بصری اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ایسے شخص پر حد زنا جاری کی جائے گی۔ (المحلی لابن حزم، کتاب الحدود، حکم القتل فیمن اعرس بامراۃ ابیہ، ج ۱۲ ص ۲۰۰)

(۲) امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق کے نزدیک ذی رحم محرم خاتون سے شادی کرنے والے کو قتل کیا جائے گا اور اس کا مال ضبط کر لیا جائے گا۔ (بذل المجہود، کتاب الحدود، باب فی الرجل یزنی بحریمۃ ج ۱۷ ص ۴۲۳)

(۳) ابن حزم ظاہری کے نزدیک باپ کی بیوی سے نکاح کرنے والے کو توقتل کیا جائے گا لیکن باقی محارم سے نکاح کرنے والے پر حدزنا جاری کی جائے گی۔ (المحلی لابن حزم ج ۱۲ ص ۲۰۴)

(۴) امام ابوحنیفہ اور حضرت سفیان ثوری کے نزدیک اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی بلکہ تعزیراً اس کو سزا دی جائے گی۔

(بذل المجہود ص ۱۷ ص ۴۲۳)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ''الحدود تندری بالشبھات'' حدود کے لیے قاعدہ یہ ہے کہ وہ شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں اور یہاں شبہۃ العقد ہے اس لیے حد شرعی جاری نہیں کی جائے گی، البتہ سخت سزا دی جائے گی۔ (بذل المجہود ج ۱۲ ص ۴۲۲)

شیخ سلیم اللہ خان کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں: کہ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ جس مرد نے کسی ایسی عورت سے عمداً نکاح کیا جس سے نکاح کرنا حرام تھا، تو اس پر حد واجب نہیں ہوگی، صرف تعزیر ہوگی، اور دوسرے فقہاء نے کہا ہے کہ اس پر حد لازم ہوگی، امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اس نے جو اس نکاحِ حرام میں عقد کیا تھا تو وہ عقد اس شبہ کو پیدا کرتا ہے کہ شاید اس عقد کی وجہ سے وہ نکاح حلال ہو، اور شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، جیسا کہ محرمات کے ساتھ نکاح کرنا حرام ہے لیکن اگر کوئی مرد اپنی ماں یا بہن سے عقدِ نکاح کر لے اور اس کو یہ شبہ ہو کہ چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت میں بھائی اور بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز تھا تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ محرمات کے ساتھ نکاح کرنا بھی جائز ہے، ہر چند کہ یہ شبہ باطل ہے لیکن شبہات کی وجہ سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، لہٰذا اس صورت میں بھی حد ساقط ہو جائے گی اور صرف تعزیر لازم ہوگی۔ سعیدی غفرلہٗ

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سنن ابی داؤد کی روایت سے استدلال کرتے ہیں، حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میرے اپنے چچا (ابو بردہ بن نیار) سے ملاقات ہوئی، ان کے پاس جھنڈا تھا، میں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے تو وہ کہنے لگے: ''بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی رجل نکح امراۃ ابیہ فامرنی ان اضرب عنقہ وآخذ مالہ'' (سنن ابوداؤد، کتاب الحدود ج ۴ ص ۴۵۵، رقم الحدیث: ۴۴۵۷)

حافظ ابن حجر نے ''الاصابۃ'' میں فرمایا کہ نکاح کرنے والے اس شخص کا نام منظور بن زبان اور عورت کا نام ملیکہ بنت خارجہ تھا، لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ منظور بن زبان تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی زندہ رہا جب کہ حدیث میں ہے کہ مذکورہ شخص کی گردن مارنے کا حکم دے دیا گیا تھا۔ (تعلیقات بذل المجہود ج ۱۲ ص ۴۲۲)

بہر حال اس روایت سے استدلال کر کے امام احمد فرماتے ہیں کہ ذی رحم محرم سے نکاح کرنے والے کو قتل کیا جائے گا۔

علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے قتل کے اس حکم کو مورِدِ حدیث کے ساتھ خاص کر دیا ہے کہ امراۃ الاب سے نکاح کرنے کی صورت میں تو قتل کیا جائے گا لیکن دوسری محارم میں قتل نہیں بلکہ حدزنا جاری کی جائے گی۔ (المحلی لابن حزم ج ۱۲ ص ۲۰۵)

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ ''القول الجازم فی سقوط الحد بنکاح المحارم'' کے نام سے تحریر فرمایا ہے اور حضرات حنفیہ کے مسلک کو اس میں مدلل بیان کیا ہے۔

باب کی پہلی روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت، کاہن کی اجرت اور زنا کار عورت کی کمائی کے کھانے سے منع فرمایا۔

یہ حدیث کتاب البیوع میں "باب ثمن الکلب" کے تحت گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۱)

کتا فروخت کر کے اس کی قیمت لینا حضرت حسن بصری، امام شافعی، امام احمد کے نزدیک حرام ہے۔

حدیث باب ان حضرات کا مستدل ہے۔

ابراہیم نخعی، سحنون مالکی اور حضرات حنفیہ کے نزدیک ثمن الکلب جائز ہے۔ حدیث میں جو نہی وارد ہے یہ ان حضرات کے نزدیک منسوخ ہو چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۱)

دوسری روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واشمة (گودنے والی) اور مستوشمة (گدوانے والی) پر اور سود کھانے اور کھلانے والے پر لعنت کی ہے اور کتے کی قیمت اور زنا کار کی کمائی سے منع فرمایا ہے اور تصویر بنانے والوں پر لعنت کی ہے۔

یہ حدیث بھی کتاب البیوع میں باب ثمن الکلب کے تحت گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۲۱)

تیسری روایت میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسب اماء (باندیوں کی کمائی) سے منع فرمایا، یعنی لونڈیوں نے زنا کر کے جو رقم حاصل کی ہو اس سے منع فرمایا۔ یہ حدیث بھی کتاب البیوع کے آخر میں گزر چکی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۱۰ ص ۲۱)

(کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب الطلاق ص ۵۹۳-۵۹۶، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

۵۳۴۷- حَدَّثَنَا آدَمُ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ حَدَّثَنَا عَوْنُ بْنُ أَبِي جُحَيْفَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ لَعَنَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم الْوَاشِمَةَ وَالْمُسْتَوْشِمَةَ وَآكِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَنَهَى عَنْ ثَمَنِ الْكَلْبِ وَكَسْبِ الْبَغِيِّ وَلَعَنَ الْمُصَوِّرِينَ

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں آدم نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں عون بن ابی جُحیفہ نے حدیث بیان کی از والد خود، انہوں نے بیان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے "الواشمہ" (گودنے والی) اور "المستوشمہ" (گودوانے والی) اور سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے پر لعنت فرمائی ہے اور کتے کی قیمت سے اور طوائف کی کمائی سے منع فرمایا اور تصویر بنانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۰۸۶، ۲۲۳۸، ۵۳۴۷، ۵۹۴۵، ۵۹۶۲، صحیح مسلم: ۱۵۹۷، سنن ترمذی: ۱۲۰۶، سنن نسائی: ۲۴۱۶، سنن ابوداؤد: ۳۴۸۳، سنن ابن ماجہ: ۲۰۷۷، مسند احمد: ۱۸۲۸۱، سنن دارمی: ۲۵۳۵)

صحیح البخاری: ۵۳۴۷ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کے رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند کے تیسرے راوی ہیں عون بن ابی جُحیفہ، اس اسم میں جیم پر پیش ہے اور ان کا نام ہے وہب بن عبد اللہ السوائی، انہوں نے کوفہ میں رہائش اختیار کی اور وہیں مکان بنا لیا تھا۔

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب البیوع میں گزر چکی ہے۔ اور کتے کی قیمت کے متعلق اس سے پہلے باب میں تفصیل سے ذکر کیا جا چکا ہے۔

اس حدیث میں ''الواشمہ'' کا لفظ ہے، یہ الوشم سے ماخوذ ہے، اردو میں الوشم کو گودنا کہتے ہیں، اس کا معنی ہے: سوئی سے کھال میں سوراخ کرنا، پھر ان سوراخوں میں سرمہ یا نیل بھر دیا جاتا ہے، (کبھی ان سوراخوں کے ذریعہ گودوانے والے کا نام لکھا جاتا ہے اور کبھی کوئی شخص اپنی کلائی پر اپنے محبوب یا کسی عزیز دوست کا نام لکھ دیتا ہے اور کبھی کسی جانور کی تصویر بنائی جاتی ہے سعیدی غفرلہ)

اور ''المستوشمہ'' کا معنی ہے: جو عورت کسی عورت سے اپنی کلائی پر یہ کام کراتی ہے۔

اس حدیث میں ''آکل الربوا'' اور ''موکل الربوا'' کا ذکر ہے، ''آکل الربوا'' کا معنی ہے سود کھانے والا اور ''موکل الربوا'' کا معنی ہے سود کھلانے والا۔ ان دونوں کو گناہ میں مساوی قرار دیا گیا ہے، اگرچہ ایک میں فائدہ ہے اور دوسرے میں نقصان ہے، یعنی سود کھانے میں فائدہ ہے اور سود کھلانے میں نقصان ہے، اس لیے کہ یہ دونوں فعل حرام ہیں اور دونوں گناہ میں شریک ہیں اور ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

علامہ عینی کی شرح پر مصنف کا اضافہ، سود کھانے والے اور سود کھلانے والے کی مذمت کی توجیہ

ہمارے زمانہ میں سود کا کاروبار بہت عام ہے، اور بعض نام نہاد ترقی پسند لوگ کہتے ہیں کہ زمانۂ اسلام میں سود کی ممانعت اور حرمت اس وجہ سے تھی کہ سود کے ذریعہ غریبوں کا استحصال ہوتا تھا، کوئی غریب شخص اپنی کسی مجبوری میں کسی امیر شخص سے قرض لیتا تو وہ اس سے کہتا کہ اگر تم نے مثلاً ایک ماہ کے بعد میری رقم واپس نہیں کی تو تم کو اس پر اتنا زیادہ سود ادا کرنا ہوگا، یعنی اصل رقم سے زائد دینی ہوگی، پھر اگر ایک ماہ کے بعد وہ اصل رقم اور سود کو ادا نہ کر سکے تو اس مجموعی رقم کے اوپر مزید سود لگا دیا جاتا ہے اور یوں ہر مہینے سود در سود کا اضافہ ہوتا رہتا ہے اور وہ غریب شخص قرض میں بال بال ڈوب جاتا ہے، کبھی ایسا ہوتا کہ ادائیگی کی مدت ایک ماہ کی بجائے ایک سال ہوتی، لیکن اس صورت میں بھی غریب قرض میں بال بال ڈوب جاتا اور امیر کو بغیر کسی محنت کے اور بغیر کسی ذہنی مشقت کے اپنے سرمایہ کو بڑھانے کا موقع ملتا اور یوں امیر امیر تر ہو جاتا اور غریب غریب تر ہو جاتا تو اس وجہ سے اسلام میں سود کی ممانعت کر دی اور سود کو حرام قرار دے دیا، لیکن اس زمانہ میں ایسا نہیں ہے، اس زمانہ میں لوگ کاروبار کرنے کے لیے بینک سے قرض لیتے ہیں اور ان کو جو قرض حاصل ہوتا ہے اس سے وہ تجارت کرتے ہیں اور کارخانے بناتے ہیں، ملز اور فیکٹریاں بناتے ہیں اور پھر اس میں ان کو بے اندازہ نفع حاصل ہوتا ہے اور سال کے بعد وہ بینک کو چھ فیصد مارک اپ ادا کر دیتے ہیں، تو اب ایسا نہیں ہے کہ سود کی وجہ سے غریبوں کا استحصال ہوتا ہو بلکہ سود کی وجہ سے معیشت میں ترقی ہوتی ہے، جب فیکٹریاں بنتی ہیں اور کارخانے قائم ہوتے ہیں تو لوگوں کو روزگار کے مواقع حاصل ہوتے ہیں، اس لیے اس زمانہ میں سود کو جائز قرار دینا چاہیے۔

ہم کہتے ہیں کہ اول تو جو شخص اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہے اس کو اللہ اور رسول کے احکام پر عمل کرنا چاہیے، جب اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر دیا ہے تو خواہ معیشت میں ترقی ہو یا نہ ہو سود سے اجتناب کرنا لازم ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ کاروبار اور تجارت میں اضافہ کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ سود سے رقم حاصل کی جائے، بلکہ اسلام نے اس کا متبادل حل یہ پیش کیا ہے کہ مضاربت کی بنیاد پر ایک فریق رقم مہیا کرے اور دوسرا فریق کاروبار کرے اور ایک مدت خواہ وہ ایک سال ہو کے بعد جو نفع حاصل ہو اس میں رقم لگانے والے اور کاروبار کرنے والے دونوں کو پہلے سے طے شدہ اصول کے مطابق منافع تقسیم کر دیا جائے، اس صورت میں کاروبار کرنے والے کو مضارب کہا جائے گا اور رقم لگانے والے کو رب المال کہا جائے گا، خواہ وہ رب المال بینک ہو یا کوئی اور ادارہ ہو اور

آج ہمارے ملک میں بلکہ پوری اسلامی دنیا میں مُضاربت کی بنیاد پر اسلامی بینکنگ ہو رہی ہے، لہٰذا یہ عذر صحیح نہیں ہے کہ اگر سود کو ختم کر دیا جائے تو کاروبار اور معیشت تباہ ہو جائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں سود کھلانے والے پر بھی لعنت فرمائی گئی ہے، بعض لوگ بینک سے سود لیتے ہیں اور وہ سودی رقم غریبوں اور ضرورت مندوں کو دے دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو سود نہیں کھاتے، ہم لوگوں کو کھلا دیتے ہیں، ظاہر ہے یہ بھی ناجائز ہے، اگر آپ نے غریبوں کی مدد کرنی ہے تو آپ سود کی حرام رقم سے غریب کی مدد کیوں کرتے ہیں، آپ اپنی حلال کمائی سے اور جائز آمدنی سے غریبوں کی مدد کریں اور لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر ہم بینک سے سود نہیں لیں گے تو بینک والے وہ سود کی رقم عیسائی مشنریوں کو دے دیں گے اور عیسائی مشنریاں اس رقم کو اسلام کے خلاف تبلیغ پر خرچ کریں گے، تو ہم اس کا سدِ باب اور سدِ ذرائع کرنے کے لیے بینک سے سود لے کر غریبوں کو دے دیتے ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ دلیل بھی غلط ہے، کیونکہ بینک کے پاس جو سود کی رقم ہے اس کا بینک مالک ہے، وہ جو چاہے اس رقم کا کرے، آپ سے اس کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا، آپ سے یہ سوال کیا جائے گا کہ جب سود لینا منع تھا تو آپ نے بینک سے سود کیوں لیا اور جب سود کی رقم کھلانا ممنوع تھا تو آپ نے سود کی رقم غریبوں کو کیوں کھلائی؟ فقہاء نے کہا ہے کہ اگر کسی شخص نے مالِ حرام سے صدقہ کیا اور ثواب کی توقع رکھی تو وہ کافر ہو گیا اور اگر لینے والے نے دینے والے کو دعا دی تو وہ بھی کافر ہو گیا، کیونکہ مالِ حرام سے صدقہ کرنا جب کہ اس کی حرمت قطعی ہو جیسے سود کی حرمت قطعی ہے، اس حرام کو حلال کرنے کے مترادف ہے، اسی طرح جب لینے والا سود کی رقم لے کر دینے والے کو دعا دے گا تو وہ بھی اس حرام کو حلال کرنے کے مترادف ہے، اور حرامِ قطعی کو حلال قرار دینا کفر ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ مالِ حرام سے کسی صدقہ کو قبول نہیں فرماتا، اور نہ مالِ حرام سے کسی عبادت کو قبول فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ (البقرہ: ۲۶۷)

اے ایمان والو! (اللہ کی راہ میں) اپنی کمائی سے پاک چیزوں کو خرچ کرو، اور ان چیزوں میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہیں۔

حلال کمائی کی مدح

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام احمد نے حضرت ابو بردہ بن نیار رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ سب سے اچھا کسب (کمائی) کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: جائز تجارت اور اپنے ہاتھ سے کام کرنا۔

امام عبد بن حمید نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے، حضرت عائشہ نے کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اپنی پاکیزہ کمائی سے کھاؤ، اور تمہاری اولاد تمہاری پاکیزہ کمائی ہے، تمہاری اولاد اور ان کے اموال تمہاری ملکیت ہیں۔

امام احمد، امام عبد بن حمید، امام نسائی اور امام ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے عمدہ کھانا وہ ہے جس کو انسان اپنی کمائی سے کھائے اور انسان کی اولاد بھی اس کی کمائی ہے۔

حرام مال سے صدقہ کرنے کا وبال

حافظ سیوطی بیان کرتے ہیں:

امام طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جس کی کمائی حرام ہے اس سے زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔

امام طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی شخص اپنی حلال کمائی سے حج کے لیے جاتا ہے اور سواری پر بیٹھ کر ندا کرتا ہے ''اللھم لبیک'' تو آسمان سے فرشتہ ندا کرتا ہے ''لبیک وسعدیک'' تمہارا زادِ راہ حلال ہے اور تمہاری سواری حلال ہے، تمہارا حج مبرور ہے، اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، اور جب کوئی شخص حرام کمائی سے حج کے لیے جاتا ہے اور سواری پر بیٹھتا ہے اور ''لبیک اللھم لبیک'' کہتا ہے تو آسمان سے فرشتہ ندا کرتا ہے: تمہارا ''لبیک'' کہنا مقبول نہیں، تمہارا سفر خرچ حرام ہے، تمہارا حج غیر مبرور ہے اور مقبول نہیں ہے۔

امام اصبہانی نے ''الترغیب'' میں حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے حرام مال سے حج کیا اور ''لبیک اللھم لبیک'' کہا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تمہارا ''لبیک'' کہنا مردود ہے، تمہارا حج مردود ہے۔

(الدر المنثور ج ۱ ص ۳۴۷، مطبوعہ مکتبہ آیت اللہ العظمی، ایران)

امام ترمذی روایت کرتے ہیں:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں کرتا اور چوری کے مال سے صدقہ قبول نہیں کرتا۔ (جامع ترمذی ص ۲۶، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع، کراچی)

اگر کسی شخص کے پاس ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ مال ہو اور اب اس سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مال اصل مالکوں کو واپس کر دے، اگر وہ فوت ہو چکے ہوں تو ان کے وارثوں کو واپس کر دے، اور اگر ان کا پتا نہ چلے تو اس مال کو ان مالکوں کی طرف سے صدقہ کر دے اور یہ بہر حال جائز نہیں ہے کہ وہ مال حرام سے زکوٰۃ ادا کرے، صدقات و خیرات اور حج وعمرہ کرے، علامہ شامی لکھتے ہیں:

جس شخص نے کسی فقیر کو مالِ حرام سے کوئی چیز دی اور اس میں ثواب کی امید رکھی تو وہ کافر ہو جائے گا، اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ اس کو مالِ حرام سے دیا ہے اور اس نے دینے والے کو دعا دی اور دینے والے نے آمین کہی تو دونوں کافر ہو جائیں گے، لیکن تکفیر اس وقت ہوگی جب اس مال حرام کی حرمت قطعی ہو مثلاً سود، یا خمر اور زنا کی آمدنی۔

(ردالمحتار ج ۲ ص ۲۶، مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۰۷ھ)

ہمارے زمانہ میں لوگ اسمگلنگ کر کے سرمایہ جمع کرتے ہیں، رشوت کے ذریعہ سرمایہ جمع کرتے ہیں، سود کے ذریعہ اور ناجائز لوٹ کھسوٹ کے ذریعہ سرمایہ جمع کرتے ہیں اور متعدد ناجائز طریقوں سے سرمایہ جمع کرتے ہیں، پھر اس سرمایہ سے حج کرتے ہیں، عمرہ کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور خیرات وصدقات کرتے ہیں، ان کو اس مذکور تفصیل پر غور کرنا چاہیے اور اپنے طریقہ کار کو اسلامی طریقہ کے مطابق ڈھالنا چاہیے۔ وما علینا الا البلاغ۔ سعیدی غفرلہ

تصویر بنانے والوں کی تحقیق

اس حدیث میں مصورین پر بھی لعنت فرمائی گئی ہے، بعض ترقی پسند علماء یہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ تصویریں ہیں جو ہاتھ سے کسی کپڑے یا کاغذ پر بنائی جاتی تھیں، جیسے پینٹنگ کے ذریعہ تصویریں بنائی جاتی ہیں، اور کیمرہ کے ذریعہ جو تصویر کھینچی جائے وہ اس ممانعت میں داخل نہیں ہے، لیکن ان کی یہ دلیل صحیح نہیں ہے، کیونکہ حدیث کے اندر تصویر بنانے والے کی حرمت کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ تصویر بنانے والا اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے ساتھ مشابہت کرتا ہے تو اگر کیمرہ کے ساتھ تصویر بنائی جائے خواہ وہ عام کیمرہ ہو یا ویڈیو کیمرہ ہو تو اس سے جو تصویر حاصل ہوگی تو بہر حال وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کے مشابہ ہوگی، اس لیے وہ بھی ممانعت اور حرمت میں داخل ہے، تاہم ضرورت کی بناء پر بقدر ضرورت کسی حرام کام کے ارتکاب کی گنجائش ہوتی ہے جیسے مردار، خنزیر اور شراب حرام ہے، لیکن اگر کوئی آدمی مر رہا ہو اور اس کو کوئی حلال چیز کھانے کے لیے میسر نہ ہو تو اس کے لیے اتنی مقدار میں حرام چیز کو کھانا جائز ہے جس سے اس کی جان بچ جائے، اسی اصول کی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ تصاویر بنانا ممنوع ہے لیکن اس زمانہ میں بعض معاشی ضروریات، کاروباری ضروریات، تعلیمی ضروریات کی وجہ سے تصویر بنانے کی اجازت دی جائے گی، مثلاً شناختی کارڈ بنانا ضروری ہے، اگر شناختی کارڈ نہ بنایا جائے تو آدمی بینک کے اندر اپنا اکاؤنٹ نہیں کھول سکتا، اگر شناختی کارڈ نہ ہو تو آدمی حج یا عمرہ کے لیے سفر نہیں کرسکتا، اگر شناختی کارڈ نہ ہو تو راستہ میں اس کو پولیس تنگ کرتی ہے، اسی طرح ڈرائیونگ لائسنس کے لیے بھی تصویر کا ہونا ضروری ہے، اسی طرح اسکول اور کالج کے اندر داخلہ کے لیے اور امتحانات کے لیے بھی آئیڈنٹی کارڈ پر تصویر ضروری ہے، اور یہ سب قانونی ضروریات ہیں، اور کوئی آدمی اس زمانہ میں تصویر کے بغیر نہ تعلیم حاصل کرسکتا ہے، نہ کاروبار کرسکتا ہے، نہ سفر کرسکتا ہے، تاہم یہ تصویر اتنی بنائی چاہیے جو پاسپورٹ سائز کی ہو اور پورے جسم کی تصویر نہیں ہونی چاہیے اور شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں اور پکنک وغیرہ میں جو لوگ تفریحاً تصویریں کھینچتے ہیں، ان کی کوئی معاشی ضرورت نہیں ہے، اسی طرح اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دینی مدارس کی سالانہ تقسیم اسناد کے جلسوں میں جو تصویریں بنائی جاتی ہیں، ان کی بھی کوئی معاشی ضرورت نہیں ہے، وہ محض تفریحاً بنائی جاتی ہیں یا شوقیہ بنائی جاتی ہیں، لہٰذا ان کی اجازت نہیں دی جائے گی، باقی جو ملکی قانون کی وجہ سے تصویر کھینچنا لازمی ہے، اس میں عام لوگ مسئول نہیں ہوں گے، اس میں مسئول حکومت ہوگی۔ سعیدی غفرلہ

صحیح البخاری: ۵۳۴۷ کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

''واشمہ'' وشم سے ہے وہ یہ ہے کہ سوئی کے ساتھ جلد کو چیرا جاتا ہے، پھر اس میں سرمہ بھرا جاتا ہے، ''مستوشمہ'' وہ عورت ہے جس کو اس کام کے لئے بلایا جاتا ہے، سود کھانے والے اور کھلانے والے میں اگرچہ ایک کو خسارہ ہوتا ہے لیکن وہ دونوں حرام فعل ہیں، ایک دوسرے کے معاون اور شریک ہیں۔ (تفہیم البخاری ج ۸ ص ۴۲۱، جدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

۵۳۴۸ - حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُحَادَةَ عَنْ أَبِي حَازِمٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ نَهَى

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، ہمیں علی بن الجعد نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں شعبہ نے خبر دی از

النَّبِيُّ ﷺ عَنْ كَسْبِ الْإِمَاءِ۔ محمد بن جُحادہ از ابی حازم از حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے باندیوں کی کمائی سے منع فرمایا ہے۔

(صحیح البخاری: ۲۲۸۳، ۵۳۴۸، سنن ابوداؤد: ۳۴۲۵، مسند احمد: ۹۸۶۹، سنن دارمی: ۲۶۲۰)

شیخ وحید الزمان اہل حدیث متوفی ۱۳۲۸ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حافظ نے کہا: اگر عمداً کوئی محرم عورت مثلاً ماں، بہن بیٹی وغیرہ سے اس کو حرام جان کر نکاح کرے تو اس پر حد پڑے گی ائمہ ثلاثہ اور اہل حدیث کا یہی قول ہے اور امام ابوحنیفہ نے ایک عجیب بات کہی ہے کہ محرم عورت سے نکاح کرنے میں حد ساقط ہو جائے گی۔

(تیسیر الباری ج ۵ ص ۲۵۸، نعمانی کتب خانہ لاہور جون ۱۹۹۰ء)

شیخ وحید الزمان کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

شیخ وحید الزمان نے اس حدیث کی شرح میں جو کچھ لکھا ہے اس کا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس حدیث میں تو باندیوں کی کمائی سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور اس حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ محارم سے نکاح کرنا ممنوع ہے، رہا یہ کہ شیخ وحید الزمان نے حافظ ابن حجر عسقلانی کی جو عبارت نقل کی ہے اور امام ابوحنیفہ پر جو اعتراض کیا ہے، اس کی تفصیل ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ امام ابوحنیفہ یہ فرماتے ہیں کہ نکاح کی وجہ سے شبہ پیدا ہو گیا اور شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں۔ سعیدی غفرلہ

دوسرے اہل حدیث عالم شیخ محمد داؤد راز میواتی نے بھی شیخ وحید الزمان کی شرح من وعن نقل کر دی ہے۔

(شرح صحیح بخاری ج ۷ ص ۹۶، مکتبہ قدوسیہ لاہور، ۲۰۰۴ء)

شیخ میواتی کی اس شرح پر بھی وہی تبصرہ ہے جو ہم اس سے پہلے شیخ وحید الزمان کی شرح پر کر چکے ہیں۔

صحیح البخاری: ۵۳۴۸ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

حدیث مذکور کی باب کے عنوان کے ساتھ مطابقت

اس باب کے عنوان میں ''مھر البغی'' کا ذکر ہے، اور اس حدیث میں باندیوں کی کمائی کا ذکر ہے تو اس کی باب کے ساتھ مطابقت اس طرح ہے کہ باندیوں کی کمائی سے مراد وہ ہے جو باندیاں زنا کرنے کے بعد اس کی اجرت لیتی ہیں تو یہ اجرت بھی ''مھر البغی'' میں داخل ہے۔

حدیث مذکور کے رجال کا تذکرہ

اس حدیث کی سند میں محمد بن جُحادہ (جیم پر پیش) کا ذکر ہے، اور اس حدیث کے ایک اور راوی ابو حازم ہیں ان کا نام سلیمان اشجعی ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

تنبیہ

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ نے اس باب کی مؤخر الذکر دو حدیثوں کی شرح نہیں لکھی، اسی طرح علامہ ابن بطال

مالکی نے بھی ان مؤخر الذکر حدیثوں کی شرح نہیں لکھی۔

اسی طرح علامہ کورانی نے بھی اس حدیث کی شرح میں صرف یہی لکھا ہے کہ ''علی بن الجعد'' میں جیم پر زبر ہے اور عین پر جزم ہے اور بُجادہ میں جیم پر پیش ہے اور حاء پر زبر ہے اور ان کا نام سلیمان انجعی ہے)۔

(الکوثر الجاری ج۹ ص ۶۵، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۸ کی شرح از علامہ رضوی

علامہ غلام رسول رضوی متوفی ۱۴۲۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

کسب اماء سے مراد یہ ہے کہ ان سے بدکاری کرا کر مال وصول کیا جائے، یہ حرام ہے اور یہ بدکار عورت کی کمائی میں داخل ہے۔

(تفہیم البخاری ج ۸ ص ۴۲۱، جدہ پرنٹرز لاہور، بار اول)

۵۲۔ بَابُ: الْمَهْرِ لِلْمَدْخُولِ عَلَيْهَا وَكَيْفَ الدُّخُولُ أَوْ طَلَّقَهَا قَبْلَ الدُّخُولِ وَالْمَسِيسِ

جس عورت سے دخول کیا ہو اس کے پورے مہر کا واجب ہونا، اور دخول سے کیا مراد ہے اور دخول اور مساس (یعنی عورت کو چھونا اور اس سے چھیڑ چھاڑ کرنا) سے پہلے طلاق دینے کا کیا حکم ہے؟

شیخ وحید الزمان اہل حدیث متوفی ۱۳۲۸ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

جماع کرنا یا خلوت ہو جانا امام ابوحنیفہ، امام محمد اور امام اوزاعی اور اہل کوفہ کا مذہب ہے کہ جب عورت مرد میں خلوت ہو جائے دروازہ بند کر لیں پردہ ڈال لیں تو بس پورا مہر واجب ہو گیا، بشرطیکہ مرد عورت میں کوئی جماع کا مانع نہ ہو مثلاً بیماری یا روزہ یا حیض وغیرہ، اور امام شافعی کا قول یہ ہے کہ پورا مہر اسی وقت واجب ہوگا جب شوہر بیوی سے جماع کر لے۔

(تیسیر الباری شرح بخاری ج ۵ ص ۲۵۸ نعمانی کتب خانہ، جون ۱۹۹۰ء)

باب مذکور کے عنوان کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدر الدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کے عنوان کی شرح میں لکھتے ہیں:

اگر صرف خلوت ہو اور جماع نہ ہو تو اس صورت میں مہر کے وجوب کے متعلق فقہاء اسلام کے اقوال

یعنی اس باب میں عورت مدخول بھا کے مہر کا حکم بیان کیا گیا ہے، اور کیف الدخول کا مطلب یہ ہے کہ جب مرد نے دروازہ بند کر دیا اور عورت کے اوپر پردہ ڈال دیا تو اس پر مکمل مہر واجب ہو جائے گا اور اس عورت کے لیے عدت بھی ثابت ہوگی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ، حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ، اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۸ھ، اور حضرت عبد اللہ بن عمر متوفی ۷۳ھ، رضی اللہ عنہم سے اسی طرح منقول ہے۔ اور یہی فقہاء احناف کا قول ہے اور لیث اور الاوزاعی اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور فقہاء کے دوسرے گروہ نے یہ کہا ہے کہ مہر صرف مسیس سے یعنی جماع کرنے سے واجب ہوتا ہے، اور یہ قول حضرت

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ متوفی ۶۸ھ سے منقول ہے، اسی کے موافق شریح نے اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ کا قول ہے اور یہی امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا اور ابو ثور کا مذہب ہے۔

امام بخاری نے کہا: ''او طلقها قبل الدخول والمسيس'' یعنی جب مرد نے دخول سے اور جماع سے پہلے عورت کو طلاق دے دی، امام بخاری نے دو لفظ کہے ہیں، دخول اور مسیس، اس میں دو مذہبوں کی طرف اشارہ ہے، ایک مذہب یہ ہے کہ خلوت پر کفایت کی جائے گی اور جماع کی ضرورت ہوگی، اور لفظ مسیس صرف نسفی کی روایت میں ہے۔

(عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۴-۱۵، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۴۹ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ أَخْبَرَنَا إِسْمَاعِيلُ عَنْ أَيُّوبَ عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ قَالَ قُلْتُ لِابْنِ عُمَرَ رَجُلٌ قَذَفَ امْرَأَتَهُ فَقَالَ فَرَّقَ نَبِيُّ اللهِ صلى الله عليه وسلم بَيْنَ أَخَوَيْ بَنِي الْعَجْلَانِ وَقَالَ اللهُ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ فَأَبَيَا فَقَالَ اللهُ يَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ فَأَبَيَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا قَالَ أَيُّوبُ فَقَالَ لِي عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ فِي الْحَدِيثِ شَيْءٌ لَا أَرَاكَ تُحَدِّثُهُ قَالَ قَالَ الرَّجُلُ مَالِي قَالَ لَا مَالَ لَكَ إِنْ كُنْتَ صَادِقًا فَقَدْ دَخَلْتَ بِهَا وَإِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَهُوَ أَبْعَدُ مِنْكَ۔

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں عمرو بن زرارہ نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں اسماعیل نے خبر دی از ایوب از سعید بن جبیر، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا ایک مرد نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو العجلان کے بھائیوں (یعنی دو فریقوں) کے درمیان تفریق کردی تھی، اور آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ بے شک تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، پس کیا تم میں سے کوئی توبہ کرنے والا ہے، تو ان دونوں نے انکار کیا، تو آپ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کردی۔ ایوب نے کہا: پس مجھ سے عمرو بن دینار نے کہا: اس حدیث میں کوئی چیز ہے اور میرا گمان ہے کہ تم نے اس کو بیان نہیں کیا، انہوں نے بیان کیا کہ مرد نے کہا: میرے مال کا کیا ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا: تمہارے لیے کوئی مال نہیں ہے اگر تم سچے ہو تو تم اس عورت کے ساتھ دخول کر چکے ہو اور اگر تم جھوٹے ہو تو پھر تم اس سے زیادہ بعید ہو۔

(صحیح البخاری: ۵۳۱۱، ۵۳۱۲، ۵۳۴۹، ۵۳۵۰، صحیح مسلم: ۱۴۹۳، سنن نسائی: ۳۴۷۵، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۸، مسند احمد: ۴۴۶۳)

علامہ عینی متوفی ۸۵۵ھ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ حدیث ''صداق الملاعنه'' کے باب میں گزر چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح ہو چکی ہے۔

صحیح البخاری: ۵۳۴۹، کی شرح از حافظ ابن حجر عسقلانی

حافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی شافعی متوفی ۸۵۲ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دخول اور خلوتِ صحیحہ میں فقہاءِ اسلام کے اقوال

جس مرد نے اپنی بیوی کے اوپر دروازہ کو بند کر دیا اور عورت کے اوپر پردہ ڈال دیا تو عورت کے لیے مہر واجب ہو گیا اور عورت پر عدت بھی ثابت ہو گئی، فقہاء میں سے اللیث، الاوزاعی اور فقہاءِ احناف اور امام احمد بن حنبل کا یہی مذہب ہے اور حضرت عمر اور حضرت علی اور حضرت زید بن ثابت اور حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم کا بھی یہی مذہب ہے۔

اور فقہاءِ احناف نے کہا ہے کہ خلوتِ صحیحہ سے مکمل مہر واجب ہو جاتا ہے، خواہ مرد نے بیوی سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو، سوا اس کے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک مریض ہو یا روزہ دار ہو یا محرم ہو یا عورت حائض ہو تو اس صورت میں اس پر عدت ہو گی اور احناف کی دلیل یہ ہے کہ غالب یہ ہے کہ جب دروازہ بند کر دیا جاتا ہے اور عورت پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے تو جماع واقع ہو جاتا ہے تو یہ فعل جماع کے قائم مقام ہے، کیونکہ لوگوں کی فطرت ہے کہ اس حالت میں جماع کرنے سے صبر نہیں کرتے کیونکہ ان پر شہوت کا غلبہ ہوتا ہے اور جماع کے محرک بہت ہوتے ہیں۔ اور امام شافعی اور فقہاء کی دوسری جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مہر اس وقت واجب ہوتا ہے جب بیوی کے ساتھ جماع کر لیا جائے اور ان کا استدلال قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے ہے:

وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّاۤ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾ (البقرہ: ۲۳۷)

اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی، درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے، البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے)، اور تمہارا زیادہ ادا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم ایک دوسرے پر نیکی کو فراموش نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو دیکھنے والا ہے ○

(فتح الباری ج ۹ ص ۴۹۵، دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور، ۱۴۰۱ھ، فتح الباری ج ۶ ص ۵۴۶، دار المعرفہ بیروت، ۱۴۲۶ھ)

حافظ ابن حجر عسقلانی کی شرح پر مصنف کا تبصرہ

میں کہتا ہوں کہ اس آیت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ خلوتِ صحیحہ سے مہر واجب نہیں ہوتا، صرف جماع سے مہر واجب ہوتا ہے، اس آیت میں جو فرمایا ہے "اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی" تو یہ قرآن کے اسلوب کے مطابق جماع سے کنایہ ہے۔ سعیدی غفرلہٗ

البقرہ: ۲۳۷ کی تفسیر از مصنف

غیر مدخولہ کے مہر اور متاع کی ادائیگی کا بیان

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے عورت کی عدت کے مفصل احکام بیان فرمائے تھے اور اس کے ضمن میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ مردوں کے حقوق عورتوں سے زیادہ ہیں اور عدت طلاق ہو یا عدت وفات اس کے نتیجے میں عورت کے مہر کی ادائیگی مرد پر

واجب ہوجاتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیتوں میں مہر کے بعض احکام بیان فرمائے، جس عورت کو مباشرت سے پہلے طلاق دے دی گئی اس کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ ہے جس کا نکاح کے وقت کوئی مہر مقرر نہیں کیا گیا اور دوسری وہ ہے جس کا نکاح کے وقت مہر مقرر کیا گیا ہو، اول الذکر کو شوہر اپنی حیثیت کے مطابق کچھ استعمال کی چیزیں دے دے اور ثانی الذکر کو نصف مہر ادا کرنا لازم ہے الا یہ کہ عورت نصف مہر سے کچھ رقم معاف کر دے یا شوہر نصف مہر سے زائد ادا کرے اور شوہر کا نصف مہر سے زائد ادا کرنا مکارمِ اخلاق کے زیادہ قریب ہے۔ غیر مدخولہ کو استعمال کی کچھ چیزیں یا نصف مہر ادا کرنے کا حکم اس لیے دیا گیا ہے کہ مباشرت سے پہلے فوراً اس کو طلاق دینے سے اس کے مستقبل پر برا اثر پڑے گا اور اس قدر جلد طلاق ہونے سے چہ میگوئیاں ہوں گی اور اس کے لیے جو نکاح کے مزید پیغام آنے ہیں ان میں کمی ہوگی تو اس کی اشک شوئی اور تلافی کے لیے اس کے واسطے نصف مہر کو لازم کیا گیا ہے، اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نکاح سے پہلے مہر کو مقرر نہ کیا جائے تو نکاح پھر بھی صحیح ہے، تاہم اس صورت میں مہر مثل ادا کرنا لازم ہوتا ہے یعنی اس جیسی لڑکی یا اس لڑکے کے خاندان میں جتنے مہر کو مقرر کرنے کا رواج ہو اتنا مہر ادا کیا جائے۔

(تبیان القرآن ج ۱ ص ۸۵۰-۸۵۱، فرید بک اسٹال لاہور)

صحیح البخاری: ۵۳۴۹، کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک ابن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

خلوتِ صحیحہ کی وجہ سے مہر اور عدت کے وجوب میں فقہاءِ اسلام کا اختلاف

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے: جب شوہر نے دروازہ بند کر دیا اور اپنے بیوی کے اوپر پردہ ڈال دیا تو اس کا مہر اور اس کی عدت واجب ہوگئی۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کا یہی مذہب ہے اور یہی فقہاء احناف، ثوری، لیث، الاوزاعی اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا مذہب ہے۔ ان کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عُویمر العجلانی رضی اللہ عنہ سے فرمایا جنہوں نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور پھر مہر کا مطالبہ کیا تھا تو آپ نے فرمایا: ''اگر تم سچے ہو تو تم اس کے ساتھ دخول کر چکے ہو''، فقہاء نے کہا ہے: پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیوی کے ساتھ دخول کو جماع کی دلیل قرار دیا ہے اگر چہ کبھی دخول کے ساتھ جماع نہیں ہوتا لیکن چونکہ اکثر دخول کے ساتھ جماع ہوجاتا ہے، لہٰذا دخول کو جماع پر محمول فرمایا اور کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں عورتوں کی شہوت مرکوب رکھی ہے۔

فقہاءِ احناف کے دلائل

فقہاءِ احناف نے کہا ہے کہ خلوتِ صحیحہ کے ساتھ طلاق کے بعد پورا مہر واجب ہوتا ہے خواہ اس نے اپنی بیوی سے مباشرت کی ہو یا نہ کی ہو، خواہ اس کی بیوی نے مباشرت کا دعویٰ کیا ہو یا نہ کیا ہو، سوا اس صورت کے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک مُحرم نہ ہو، یا مریض ہو یا روزہ دار ہو یا عورت حائضہ ہو، پس اگر خلوت اس حال میں ہو پھر خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس کے اوپر صرف نصف مہر واجب ہوگا اور اس کی بیوی پر ان کے نزدیک عدت بھی ہوگی ان تمام صورتوں میں۔

دوسرے فقہاء کے دلائل

دوسرے فقہاء نے یہ کہا ہے کہ مہر صرف مسیس (یعنی جماع سے) واجب ہوتا ہے، حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ سے اسی طرح مروی ہے، اور یہی قاضی شریح بن ھانی متوفی ۷۸ھ اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ اور ابن سیرین کا مذہب ہے اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ اور ابوثور کا بھی یہی مذہب ہے اور ان کا استدلال قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَ اَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (البقرہ:۲۳۷)

اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی، درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے، البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے)، اور تمہارا زیادہ ادا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم ایک دوسرے پر نیکی کو فراموش نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو دیکھنے والا ہے ○

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ (الاحزاب:۴۹)

پھر عمل زوجیت سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو تو تمہارے لیے ان پر کسی قسم کی عدت نہیں ہے، جس کا تم شمار کرو۔

الاحزاب:۴۹ کی تفسیر از مصنف

اس آیت میں بیوی کو ہاتھ نہ لگانے کا ذکر ہے اور فقہاء احناف کے نزدیک خلوت صحیحہ بیوی کو ہاتھ لگانے (عمل زوجیت) کے قائم مقام ہے اور خلوتِ صحیحہ کی تعریف یہ ہے کہ خاوند کی بیوی کے ساتھ خلوت میں عمل زوجیت سے کوئی شرعی مانع نہ ہو مثلاً دونوں میں سے کسی نے احرام باندھا ہو، یا کسی کا روزہ ہو یا بیوی کو حیض ہو اور نہ کوئی حسی مانع ہو مثلاً بیوی کو ایسی بیماری ہو جو اس عمل سے مانع ہو، اور نہ کوئی عقلی مانع ہو مثلاً وہاں کوئی ایسا شخص ہو جس کی وجہ سے خاوند اس عمل سے حیاء کرے، اگر اس طریقہ سے خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہو، پھر خاوند نے اس عمل سے پہلے بیوی کو طلاق دے دی تو خاوند پر مکمل مہر واجب ہوگا اور اس عورت پر احتیاطاً عدت واجب ہوگی اور اگر اس طرح خلوت نہ ہوئی ہو اور نہ خاوند نے عمل تزویج کیا ہو تو اس پر نصف مہر واجب ہوگا اور عورت پر عدت واجب نہیں ہوگی۔ (حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۶ ص ۶۴۷)۔ (سعیدی غفرلہ)

علامہ ابن بطال مالکی لکھتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ خبر دی ہے کہ عورت طلاق کی وجہ سے جماع سے پہلے نصف مہر کی مستحق ہوگی اور جماع کی وجہ سے اس پر عدت واجب ہوگی اور بغیر جماع کے خلوت معروف نہیں ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان کرنے والے شخص یعنی حضرت عویمر العجلانی رضی اللہ عنہ سے یہ فرمایا تھا کہ اگر تو سچا ہے تو تو نے جو اپنی بیوی کی فرج کو حلال قرار دیا تھا، اس وجہ سے تو

اپنے مہر کو وصول کر چکا ہے، اس حدیث کو امام بخاری نے متلاعنین کے باب میں ذکر کیا ہے۔

صورتِ مذکورہ میں تیسرا قول

سعید بن المسیب متوفی ۹۰ ھ نے کہا ہے: جب کسی مرد نے اپنے گھر میں عورت کے ساتھ دخول کیا تو اس کی تصدیق کی جائے گی اور جب عورت نے مرد کے گھر میں دخول کیا تب بھی اس کی تصدیق کی جائے گی اور یہی امام مالک کا قول ہے اور امام مالک کے اصحاب نے اس پر یہ استدلال کیا ہے کہ عورت کے دعویٰ کی خاوند کے گھر میں تصدیق کی جائے گی کیونکہ گھر مرد کا گھر ہے جو شب باشی کے لیے بنایا گیا ہے اور مرد پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو اس گھر میں رکھے، پس لوگوں نے اس عورت کو مرد کے گھر میں داخل کر دیا اور یہ اس کے گھر میں بسانے کے لیے ہے، اور یہ جو کہا ہے کہ عورت کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ مرد کے گھر میں داخل ہوئی، اس سے مراد یہ ہے کہ جب مرد نے عورت سے اس کے گھر میں ملاقات کی اس کے گھر والوں کے ساتھ یا تنہا اور اس کے ساتھ دخول نہیں کیا اور عورت نے یہ دعویٰ کیا کہ مرد نے اس کو چھوا ہے یا اس کے ساتھ جماع کیا ہے اور مرد نے انکار کیا تو مرد کے قول کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ مرد مدعیٰ علیہ ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ مدعی اپنے دعویٰ پر ثبوت پیش کرے ورنہ مدعیٰ علیہ کے انکار پر فیصلہ کیا جائے گا۔

بیوی کے لیے نصف مہر ثابت ہونے پر امام مالک کے دلائل

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ ھ نے کہا ہے: پس جب مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ دخول کیا سو اس کو بوسہ دیا اور اس کے کپڑے اتارے اور دونوں اس پر متفق ہیں کہ مرد نے بیوی کے ساتھ جماع نہیں کیا تو بیوی کے لیے نصف مہر ہوگا، اگر زمانہ قریب میں یہ واقعہ ہوا اور اگر اس میں مدت طویل ہوگئی، پھر مرد نے بیوی کو طلاق دی تو پھر بیوی کے لیے مکمل مہر ہوگا اور اس پر دائماً عدت ثابت ہوگی۔ اس قول کو ابن وہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔

امام شافعی کی دلیل

اور علامہ ابن القصار نے امام شافعی سے نقل کیا ہے کہ جب مرد نے عورت کے ساتھ دخول کیا پس، جب یہ کہا گیا کہ اس نے بیوی کے ساتھ وطی نہیں کی اور عورت کہتی ہے: اس نے میرے ساتھ وطی کی ہے تو پھر مرد کے قول کا اعتبار ہوگا، کیونکہ خلوت اس جماع کی غیر ہے جو مہر کو واجب کرتا ہے۔

فقہاء احناف کی دلیل

اور ابن عُیَیہ نے از عوف از زُرارۃ بن اوفی سے روایت کی ہے کہ خلفاء راشدین مھدیین کا اسی پر عمل ہے کہ جس نے اپنا دروازہ بند کر دیا، یا پردہ ڈال دیا تو اس پر مہر واجب ہو جائے گا اور عدت بھی واجب ہو جائے گی اور اسی اثر کے ساتھ فقہاء احناف نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ معلوم ہے کہ عموماً پردہ اسی وقت ڈالا جاتا ہے جب مرد نے بیوی کے ساتھ وطی کی ہو، تو پردہ ڈالنا وطی سے کنایہ ہے۔ (شرح ابن بطال علی صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۱۸-۴۱۹، دار الکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۹، کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

صحیح البخاری کی حدیث مذکور کتاب اللعان میں گزر چکی ہے اور یہ درج ذیل کتب حدیث میں بھی مذکور ہے۔

(صحیح مسلم: ۱۴۹۳، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۸، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۷۷)

یہ حدیث اس مسئلہ میں ظاہر ہے کہ مہر دخول کے ساتھ واجب ہوتا ہے اور دخول کا معنی یہ ہے کہ مرد کے آلہ کا سر عورت کی اندام نہانی میں داخل ہو جائے۔

دخول فی الفرج کے علاوہ دیگر صورتوں کے فقہی مسائل

علامہ ابن الملقن لکھتے ہیں:

اس میں اختلاف ہے کہ جب کسی مرد نے دبر میں وطی کی اور جب اس نے اپنی انگلی کی پور کو اپنی بیوی کی دبر میں داخل کر دیا تو علامہ ابن القاسم مالکی نے کہا ہے کہ اس کے لیے پورا مہر ثابت ہوگا (ہمارے نزدیک یہ فعلِ مذموم ہے اور یہ جماع نہیں ہے بلکہ اس فعل پر وعید ہے اور اس سے مہر ثابت نہیں ہوگا۔ سعیدی غفرلہ)

اور جس مرد کا آلہ کٹا ہوا ہو یا جو نامرد ہو اور جو اس کی مثل ہو اس میں بھی اختلاف ہے، پس مغیرہ نے کہا کہ جب مدت طویل ہو جائے تو عورت مہر کی مستحق ہوگی، دوسرا قول یہ ہے کہ اس کے لیے مہر کامل ہوگا، خواہ مدت طویل نہ ہو کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ان عورتوں کا کیا قصور ہے جب کہ عجز تمہاری طرف سے آیا ہو۔ (مصنف عبدالرزاق: ۱۰۸۷۳)

خلوتِ صحیحہ کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ھ، حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ کا قول یہ ہے کہ جب مرد نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور اپنی بیوی کے اوپر پردہ ڈال دیا تو اس پر مہر واجب ہو گیا اور عدت ثابت ہو گئی۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۲۸۵-۲۸۶، السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۲۵۵)

اور یہی فقہاءِ احناف، ثوری، لیث اور اوزاعی اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کا قول ہے۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۹۱، الاستذکار ج ۱۶ ص ۱۳۰-۱۳۳)

اور ان فقہاءِ کرام کی دلیل یہ ہے کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عُویمر العجلانی سے فرمایا: "اگر تم سچے ہو تو تم اپنی بیوی کے ساتھ دخول کر چکے ہو"۔

سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دخول کو جماع کی دلیل قرار دیا، ہر چند کہ بعض اوقات دخول کے باوجود جماع نہیں ہوتا لیکن چونکہ اکثر دخول کے ساتھ جماع ہو جاتا ہے، اس لیے آپ نے اس کو اکثر پر محمول کیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں عورتوں کی شہوت کو رکھا ہوا ہے۔

فقہاءِ احناف کا مذہب

فقہاءِ احناف نے کہا ہے کہ خلوتِ صحیحہ کے ساتھ طلاق کے بعد مکمل مہر واجب ہو جاتا ہے، خواہ شوہر نے اپنی بیوی کے ساتھ وطی کی ہو یا وطی نہ کی ہو یا بیوی نے اس کے وطی کرنے کا دعویٰ کیا ہو یا نہ کیا ہو، سوا اس صورت کے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک محرم

ہو یا بیمار ہو یا روزہ دار ہو، یا عورت حائضہ ہو۔ پس اگر خلوت اس حال میں ہو اور پھر مرد اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو اس پر صرف نصف مہر واجب ہوگا اور عورت پر عدت ثابت ہوگی ان تمام صورتوں میں۔ (الاستذکار ج ۱۶ ص ۱۳۰-۱۳۱)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح، ج ۲۵ ص ۵۹۱-۵۹۳ ملخصاً وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ قطر ۱۴۲۹ھ)

تنبیہ: اس کے بعد علامہ ابن ملقن نے وہی اقوال بیان کیے ہیں جن کو ہم علامہ ابن بطال کی شرح میں ذکر کر چکے ہیں:

صحیح البخاری: ۵۳۴۹ کی شرح از علامہ کورانی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی متوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

اس حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی عورت کو دخول سے پہلے طلاق دے دی جائے تو اس کے لیے نصف مہر واجب ہوتا ہے اور امام ابوحنیفہ نے خلوتِ صحیحہ کو وطی کے قائم مقام قرار دیا ہے۔ اور امام مالک نے کہا: اگر مرد بیوی کے پاس داخل ہوا اور مدت طویل گذر گئی تو اس پر مکمل مہر واجب ہوگا۔

پھر امام بخاری نے اس باب میں حضرت عُویمر کے لعان کی حدیث ذکر کی ہے، اور استدلال کا مقام یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عُویمر سے اس وقت فرمایا جب انہوں نے اپنی بیوی کو دیے ہوئے مہر کا مطالبہ کیا، تو آپ نے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو تم اس کے ساتھ دخول کر چکے ہو، اور اس حدیث میں دخول کو مکمل مہر کا سبب قرار دیا گیا ہے اور اس میں ان فقہاء کا رد ہے جنہوں نے خلوت کو دخول کے ساتھ ملایا ہے اور اس دلیل پر اعتراض ہے، کیونکہ یہ اس حادثہ کا جواب ہے اور کسی اور امر کی وجہ سے یہ خلوتِ صحیحہ کے سبب سے مہر کے وجوب کے منافی نہیں ہے۔ (الکوثر الجاری ج ۹ ص ۶۵-۶۶، داراحیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۹ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی المتوفی ۱۴۲۱ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

دخول اور خلوت کے بعد مہر کے ثبوت اور مہر کے سقوط کی تفصیل

قاعدہ عامہ یہ ہے کہ جب دخول اور خلوت کے بعد تفریق ہو تو ہر حال میں مہر ثابت ہوتا ہے اور اس مہر کا ساقط کرنا ممکن نہیں ہے، لیکن فرض کیا جائے کہ عورت میں کوئی عیب ہے جس کا مرد کو کوئی علم نہیں تھا تو وہ دھوکہ کھانے کی وجہ سے اس مہر کی رقم کو واپس لے گا۔ اور جب دخول اور خلوت سے پہلے تفریق ہو تو عورت کو کچھ نہیں ملے گا، اور اگر دخول کے بعد تفریق ہو تو اس کو نصف مہر ملے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (البقرہ: ۲۳۷)

اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی، درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے۔

دخول یا خلوت سے پہلے تفریق ہو تو عورت کو مکمل مہر ملے گا یا نصف مہر ملے گا؟

رہا یہ کہ جب تفریق دخول سے پہلے ہو یا خلوت سے پہلے ہو یا ان کے بعد ہو، اگر تفریق دخول اور خلوت سے پہلے ہو تو اس کی

تفصیل یہ ہے: اگر تفریق عورت کی جہت سے ہو تو اسے کچھ نہیں ملے گا، اور اگر تفریق مرد کی جہت سے ہو تو اس کو نصف مہر ملے گا الا یہ کہ عورتیں اپنا حق معاف کر دیں اور جب تفریق دخول کے بعد ہو یا خلوت کے بعد ہو تو عورت مکمل مہر کی مستحق ہوگی، کیونکہ مہر دخول کے ساتھ موکد ہو جاتا ہے اور ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح موت کے سبب سے بھی، پس دو فریقوں میں سے اگر ایک فریق مر جائے خواہ دخول سے پہلے تو مکمل مہر ثابت ہوگا کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے اس مرد کے متعلق فیصلہ کیا جس نے ایک عورت سے عقد کیا اور پھر وہ فوت ہو گیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فتویٰ دیا کہ اس عورت کو وراثت بھی ملے گی اور مہر بھی ملے گا اور اس پر عدت بھی ہوگی، تو ایک مرد نے کھڑے ہو کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بروع بنت واشق جو ہماری ایک عورت تھی، اس کے متعلق ایسا ہی فیصلہ فرمایا تھا جس طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا ہے، تو حضرت مسعود رضی اللہ عنہ اس سے خوش ہوئے۔

خلوتِ صحیحہ سے مہر کے وجوب کے متعلق فقہاءِ اسلام کی عبارات

لیث، اوزاعی اور فقہاءِ احناف اور امام احمد نے یہ کہا ہے کہ جس مرد نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر دیا اور اپنے بیوی پر پردہ ڈال دیا تو اس کے لیے مہر واجب ہو جائے گا اور اس عورت پر عدت ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ متوفی ۲۴ ھ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ ھ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ ھ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ متوفی ۱۸ ھ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ ھ کا بھی یہی موقف ہے۔

اور فقہاءِ احناف نے کہا ہے کہ خلوتِ صحیحہ سے مکمل مہر واجب ہوتا ہے، خواہ مرد نے عورت کے ساتھ مباشرت کی ہو یا نہ کی ہو، سوا اس صورت کے کہ دونوں میں سے کوئی ایک مریض ہو یا روزہ دار ہو یا محرم ہو، یا عورت حائضہ ہو تو اس کے لیے نصف مہر ہوگا اور اس پر مکمل عدت ہوگی اور ان کا استدلال اس سے ہے کہ غالب اور اکثر یہ ہے کہ جب دروازہ بند کر دیا جاتا ہے اور عورت پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے تو پھر جماع کا وقوع ہوتا ہے، تو گمانِ غالب یہ ہے کہ کمرہ بند کرنا اور عورت پر پردہ ڈالنا جماع سے کنایہ ہے، کیونکہ مردوں کی طبیعت میں یہ چیز رکھی گئی ہے کہ وہ جماع سے صبر نہیں کر سکتے کیونکہ ان پر شہوت غالب ہوتی ہے اور شہوت پورا کرنے کے محرکات بکثرت ہوتے ہیں۔

اور فقہاءِ شافعیہ اور دوسرے گروہ نے یہ کہا ہے کہ مکمل مہر صرف جماع سے واجب ہوتا ہے اور ان کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ (البقرہ: ۲۳۷) اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی، درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے۔

اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ ھ اور شریح ھانی ۷۸ ھ اور عامر بن شراحیل ۱۰۳ ھ سے بھی اس قسم کا اثر مروی ہے۔

اور اس باب کی حدیث کا جواب یہ ہے کہ دوسری حدیث میں مذکور ہے کہ جب حضرت عویمر نے لعان کے بعد یہ کہا کہ میرے دیئے ہوئے مال کا کیا ہوگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ مال اس کے عوض میں ہے جو تم نے اپنی بیوی کی فرج کو حلال کیا تھا۔

(شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۱۱۱۱-۱۱۱۰، مکتبۃ الطبری، القاہرہ ۱۴۲۹ ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۴۹ کی شرح از شیوخ دیوبند

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ مدخول بہا کے لیے مہر واجب ہے، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ جو عورت مدخول بہا ہے، اس کے لیے مہر واجب ہے، اگر مہر مسمی ہے اور پہلے سے مقرر ہے تو مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

وکیف الدخول:

دخول کی کیفیت اور اس کی حقیقت شرعیہ کی تفصیل میں حضرات فقہاء کا اختلاف ہے۔

حضرات حنفیہ، امام احمد اور ایک روایت میں امام مالک فرماتے ہیں کہ دخول حقیقت میں خلوت صحیحہ ہے، اگر عورت کے ساتھ مرد کی خلوت ہو جائے، اس طرح کہ کوئی شرعی یا حسی مانع موجود نہ ہو تو ایسی خلوت کو دخول قرار دیا جائے گا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دخول سے مراد جماع ہے، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔

(فتح الباری ج ۹ ص ۶۱۹)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر دخول شوہر کے گھر میں ہوا ہے تو وہاں عورت کا قول معتبر ہوگا یعنی اختلاف کی صورت میں شوہر کو بینہ اور گواہوں کے ذریعہ ثابت کرنا پڑے گا اور اگر ثابت نہ کر سکے تو عورت کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

اور اگر بیوی کے گھر میں دخول ہوا ہے تو وہاں زوج کا قول معتبر ہوگا۔ یعنی اگر اختلاف ہو جائے تو عورت کو بینہ سے ثابت کرنا پڑے گا، نہیں تو مرد کا قول مع الیمین معتبر ہوگا اور بینہ سے ثابت کرنا کوئی مشکل بات نہیں اس لیے کہ ان کے ہاں دخول سے مراد خلوت ہے اور اس کا علم لوگوں کو ہو جاتا ہے۔

او طلقها قبل الدخول والمسیس

یعنی اگر کسی آدمی نے دخول اور مسیس سے پہلے طلاق دے دی تو اس کا کیا حکم ہے؟ یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دخول کے بعد "مسیس" کا لفظ ذکر کیا ہے اور یہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ دخول، مسیس، مس اور جماع ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دخول کے بعد مسیس کا لفظ لا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ وہ امام شافعی کی تائید فرما رہے ہیں کیونکہ ان کے یہاں دخول جماع کے معنی میں ہے۔

باب کے تحت امام نے جو حدیث نقل فرمائی ہے، اس کے آخر میں ہے "ان کنت صادقا فقد دخلت بها" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدخول بہا مہر کی حق دار ہوتی ہے۔ (کشف الباری عمانی صحیح البخاری، کتاب الطلاق، ص ۵۹۷-۵۹۸، مکتبہ فاروقیہ کراچی)

۵۳۔ بَابُ: الْمُتْعَةِ لِلَّتِي لَمْ يُفْرَضْ لَهَا

جب عورت کا مہر مقرر نہ کیا ہو تو اس کے ساتھ حسنِ سلوک کے لیے اسے کچھ چیزیں (کپڑے، زیور، یا نقد روپیہ) دینا

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

(البقرہ:۲۳۶-۲۳۷)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے ○ اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی، درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے، البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے)، اور تمہارا زیادہ ادا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم ایک دوسرے پر نیکی کو فراموش نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو دیکھنے والا ہے ○

نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾

(البقرہ:۲۴۱-۲۴۲)

اور مطلقہ عورتوں کے لیے (اختتام عدت تک) دستور کے مطابق نان ونفقہ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے ○ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات کو بیان فرماتا ہے تا کہ تم سمجھو ○

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ملاعنہ میں لعان والی عورت کو کچھ دینے کو واجب نہیں کیا، جب اس کے شوہر نے اس کو طلاق دے دی۔

باب مذکور کی شرح از نواب وحید الزمان غیر مقلد

غیر مقلد عالم نواب وحید الزمان متوفی ۱۳۲۸ھ لکھتے ہیں:

مطلقہ عورت کو حسنِ سلوک کے لیے جو چیزیں دی جاتی ہیں، اس کو اصطلاح میں مُتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کہتے ہیں، اس کے متعلق حنفیہ اور عطاء اور شعبی اور نخعی کا یہ قول ہے کہ یہ مُتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) اس عورت کے لیے واجب ہے جس کا مہر مقرر نہ ہوا ہو، اور صحبت سے پہلے اس کو طلاق دے دی جائے، بعضوں نے کہا: کسی کے لیے متعہ واجب نہیں ہے، امام مالک سے یہی منقول ہے، امام بخاری کا میلان دوسرے قول کی طرف معلوم ہوتا ہے، یہ متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) مہر کے علاوہ ہے، اس کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے، جتنا ہو سکے دے سکتے ہیں کم از کم بیس درہم کی مالیت دے اور نصف مہر سے زیادہ نہ دے، اور حسن بصری نے کہا کہ بیس درہم متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) میں دیے جائیں۔ (تیسیر الباری شرح صحیح البخاری ج ۵ ص ۲۵۹ نعمانی کتب خانہ لاہور، جون ۱۹۹۰ء)

باب مذکور کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس باب کی شرح میں لکھتے ہیں:

المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کے ثبوت میں فقہاءِ اسلام کے اقوال

یعنی یہ باب اس مطلقہ کے المتعہ کے حکم کے بیان میں ہے، جس کے ساتھ دخول نہ کیا گیا ہو اور اس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو۔

المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) میں اختلاف ہے، فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) ہر مطلقہ کے لیے واجب ہے خواہ اس کے ساتھ دخول نہ کیا گیا ہو، اور اس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، یہ قول حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے منقول ہے، اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ کا بھی یہی قول ہے۔ اور فقہاءِ احناف کا بھی یہی مذہب ہے۔ اور المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کے ساتھ مہر جمع نہیں ہوتا۔

اور حافظ ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ اور شریح بن ھانی متوفی ۷۸ھ اور حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔

اور فقہاءِ احناف نے کہا ہے: اگر مرد نے عورت کے ساتھ دخول کیا، پھر اس کو طلاق دے دی تو وہ اس کو المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) پیش کرے گا، اور اس پر جبر نہیں کیا جائے گا اور یہ سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور الاوزاعی کا قول ہے۔ مگر الاوزاعی نے کہا: اگر زوجین میں سے کوئی ایک غلام ہو تو پھر المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) واجب نہیں ہے۔ اور حافظ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ امام شافعی سے بھی امام ابوحنیفہ کے قول کے مثل منقول ہے۔

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے: ہر مطلقہ عورت کے لیے المتعہ ہے، خواہ وہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا ہو۔ جب اس کو طلاق دے دی جائے اور اس کا مقرر شدہ مہر اس کو نہ دیا گیا ہو، اور اس کو دخول سے پہلے طلاق دی اور یہی امام شافعی اور ابوثور کا قول ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ سے روایت ہے کہ ہر مطلقہ عورت کے لیے مُتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) ہے، اور اسی کی مثل حسن بصری، سعید بن جُبیر اور ابوقلابہ سے منقول ہے۔

فقہاء کی ایک اور جماعت نے کہا ہے کہ المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کسی جگہ پر بھی واجب نہیں ہے، اور یہ ابنِ ابی لیلیٰ، ربیعہ، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور لیث اور ابن ابی اسامہ کا قول ہے۔

امام بخاری نے اس عنوان پر درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

امام بخاری کا اپنے موقف پر البقرہ ۲۳۶-۲۳۷، سے استدلال

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّاۤ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾ (البقرہ:۲۳۶-۲۳۷)

موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے O اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی، درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے، البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے)، اور تمہارا زیادہ ادا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم ایک دوسرے پر نیکی کو فراموش نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو دیکھنے والا ہے O

امام بخاری کے استدلال کی تقریر از علامہ عینی اور اس آیت کا شانِ نزول

امام بخاری کے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے مُطلقاً مُتعہ (یعنی بہ طورِ حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) واجب ہے، اور یہ سعید بن جُبیرہ وغیرہ کا قول ہے اور امام محمد بن جریر طبری کا بھی یہی مختار ہے۔ اس آیت میں فرمایا ہے: ''متعوھن'' اس میں المُتعہ (یعنی بہ طورِ حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) دینے کا امر ہے، اور یہ اس کا معاوضہ ہے کہ جو شوہر سے فوت ہو گیا یارہ گیا وہ یہ معاوضہ اپنی حیثیت کے مطابق دے، جو خوش حال ہو وہ اپنی وسعت کے مطابق دے اور جو تنگدست ہو وہ اپنی گنجائش کے مطابق دے۔

یہ آیت انصار کے ایک مرد کے متعلق نازل ہوئی جس نے بنو حنیفہ کی ایک عورت سے نکاح کیا تھا اور اس کا مہر مقرر نہیں کیا تھا، پھر دخول سے پہلے اس کو طلاق دے دی، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو المُتعہ دو، خواہ ایک ٹوپی دو''۔

المتعہ (یعنی بہ طورِ حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزوں) کے وجوب کے متعلق فقہاءِ احناف کا مذہب

اور ہمارے اصحاب نے کہا ہے کہ صرف اسی عورت کے لیے متعہ واجب ہے اور باقی مطلقات کے لیے مُتعہ مستحب ہے۔ نیز اس آیت میں فرمایا: ''متاعا'' یعنی شریعت میں یہ حسن سلوک کرنا مستحسن ہے، اور محسنین کے اوپر یہ واجب ہے کہ وہ مطلقات کے ساتھ حسن سلوک کریں اور ان کو المُتعہ (یعنی کچھ چیزیں) دیں۔ اس کے بعد امام بخاری نے درج ذیل آیات پیش کیں:

وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ (البقرہ:۲۴۱-۲۴۲)

اور مطلقہ عورتوں کے لیے (اختتام عدت تک) دستور کے مطابق نان ونفقہ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے O اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات کو بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو O

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''وَ لِلْمُطَلَّقٰتِ''، امام بخاری نے اس آیت کے عموم سے یہ استدلال کیا ہے کہ ہر مطلقہ مطلقاً کے لیے متعہ (یعنی بہ طورِ حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) دینا واجب ہے، اور علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۳۸ھ نے کہا ہے کہ اس آیت میں ''المطلقات'' کا بہ طور عموم ذکر فرمایا ہے اور ان کے لیے المُتعہ کو (یعنی بہ طورِ حسنِ سلوک کے استعمال کی

چند چیزیں) واجب قرار دیا ہے، جب کہ ان میں سے کسی ایک کے لیے متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کو دینا واجب ہے اور یہ وہ مطلقہ ہے جو غیر مدخول بھا ہو۔

البقرہ: ۲۴۱ کا البقرہ ۲۳۶ سے منسوخ ہونا اور اس پر یہ اشکال کہ پہلی آیت بعد والی آیت سے کیسے منسوخ ہوگئی اور اس کا علامہ زمخشری کی طرف سے جواب

اور البقرہ: ۲۴۱ میں فرمایا ''حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ''، اور البقرہ: ۲۳۶ میں فرمایا ''حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ''، اور یہ آیت درج ذیل آیت سے منسوخ ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے O

اگر تم یہ سوال کرو کہ آیتِ متقدمہ آیتِ متاخرہ سے کیسے منسوخ ہوگئی تو میں کہوں گا: کبھی آیت تلاوت میں متقدم ہوتی ہے اور تنزیل میں متاخر ہوتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تلاوت میں مقدم ہونے اور تنزیل میں مؤخر ہونے کی نظیر

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ (البقرہ: ۱۴۲)

عنقریب بے وقوف لوگ کہیں گے کہ ان (مسلمانوں) کو ان کے اس قبلہ (بیت المقدس) سے کس نے پھیر دیا جس پر وہ (پہلے) تھے، آپ کہیے کہ مشرق اور مغرب اللہ ہی کے ہیں۔

یہ آیت تلاوت میں مقدم ہے اور اس کے ساتھ دوسری آیت یہ ہے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرہ: ۱۴۴)

بے شک ہم آپ کے چہرے کا آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ضرور پھیر دیں گے جس پر آپ راضی ہیں، پس آپ اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں، اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا چہرہ اسی کی طرف پھیر لو، اور بے شک اہل کتاب کو علم ہے کہ یہ (حکم) ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں، اللہ اس سے غافل نہیں ہے O

سو پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تحویلِ قبلہ کا حکم دیا گیا، اور جب تحویلِ قبلہ ہوگئی، اس پر یہودیوں نے اعتراض کیا، لیکن تلاوت میں یہودیوں کے اعتراض کا پہلے ذکر ہے اور تحویلِ قبلہ کا بعد میں ذکر ہے، تو اس طرح بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تلاوت میں ایک چیز کا

حکم پہلے ہوتا ہے اور اس کے متعلق آیت بعد میں نازل ہوتی ہے۔

المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزوں) کی مقدار کے متعین نہ ہونے اور اس کی مقدار کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

اور حافظ ابوعمر ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف نہیں ہے کہ قرآن مجید میں جس المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کا ذکر ہے اس کی کوئی مقدار متعین نہیں ہے، نہ اس کی کوئی حد متعین ہے۔ اور امام مالک بن انس سے مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی تو ان کو متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) میں ایک باندی پیش کی، اور ابن سیرین متعہ میں خادم کو اور نفقہ کو اور لباس کو پیش کرتے تھے، اور حسن بن علی اپنی بیوی کو دس ہزار درہم بہ طور متعہ دیتے تھے، تو ان کی بیوی نے کہا: یہ جدا ہونے والے دوست کی طرف سے متاعِ قلیل ہے۔ اور قاضی شریح پانچ سو درہم بطور متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) دیتے تھے اور اسود بن یزید تین سو درہم بہ طور متعہ دیتے تھے، اور عروہ ایک خادم کو پیش کرتے تھے، اور قتادہ نے کہا: المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) ایک چادر ہے ایک دوپٹہ ہے اور ایک قمیص ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے اور انہوں نے کہا: یہ متعہ ہر آزاد عورت کے لیے ہے یا باندی کے لیے ہے اور کتابیہ کے لیے ہے جو خاوند کی جہت سے ہو اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے منقول ہے کہ المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) تیس درہم ہے اور ایک روایت میں ہے کہ وہ ایک باندی کو متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) میں دیتے تھے۔

احادیث لعان میں لعان شدہ عورت کے لیے المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزوں) کا ذکر نہ ہونے کی بحث

اس کے بعد امام بخاری نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملاعنہ میں متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کا ذکر نہیں کیا جب لعان والی عورت کو اس کے خاوند نے طلاق دی۔

علامہ عینی لکھتے ہیں کہ امام بخاری نے اس کلام سے یہ ارادہ کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لعان کے متعلق جو احادیث روایت کی گئی ہیں ان میں المتعہ کا ذکر نہیں ہے۔ اور گویا کہ امام بخاری نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ جس عورت سے لعان کیا گیا ہو اس کے لیے المتعہ ثابت نہیں ہوتا۔

علامہ محمد یوسف کرمانی متوفی ۷۸۶ھ نے کہا ہے کہ امام بخاری کے کلام کا مفہوم یہ ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) ثابت ہوتا ہے، اور جس عورت سے لعان کیا گیا ہو، وہ مطلقات میں داخل نہیں ہے، پھر انہوں نے کہا کہ امام بخاری نے جو ''طلقھا'' کا لفظ کہا ہے اس میں یہ تصریح ہے کہ لعان شدہ عورت بھی مطلقہ ہے، پھر علامہ کرمانی نے یہ جواب دیا کہ نفسِ لعان سے فراق حاصل ہو جاتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عویمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: تمہارے لیے اس عورت پر کوئی سبیل نہیں ہے۔ اور حضرت عویمر نے جو اپنی بیوی کو طلاق دی تھی تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے طلاق نہیں دی تھی بلکہ

یہ کلام زائد ہے جوان سے صادر ہوا تھا۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۵-۱۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

۵۳۵۰۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَمْرٍو عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ لِلْمُتَلَاعِنَيْنِ حِسَابُكُمَا عَلَى اللهِ أَحَدُكُمَا كَاذِبٌ لَا سَبِيلَ لَكَ عَلَيْهَا قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ مَالِي قَالَ لَا مَالَ لَكَ إِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا وَإِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَاكَ أَبْعَدُ وَأَبْعَدُ لَكَ مِنْهَا

امام بخاری اپنی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں: ہمیں قتیبہ بن سعید نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا: ہمیں سفیان نے حدیث بیان کی از عمرو از سعید بن جبیر از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہ نبی ﷺ نے لعان کرنے والے دو فریقوں سے کہا: تمہارا حساب اللہ تعالیٰ پر ہے، تم دونوں میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے، اور مرد سے فرمایا: تمہاری اس عورت کے اوپر کوئی سبیل نہیں ہے، تو اس مرد نے: کہا یا رسول اللہ! اور میرے مال کا کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: تمہارے لیے کوئی مال نہیں ہے، اگر تم صادق ہو تو تم نے جو اپنی بیوی کی فرج کو حلال کیا ہے تو وہ مال اس کا معاوضہ ہے اور اگر تم جھوٹے ہو تو پھر تم زیادہ بعید ہو اور تمہارا مال اس عورت سے زیادہ بعید ہے۔

(صحیح البخاری: ۵۳۱۱، ۵۳۱۲، ۵۳۴۹، ۵۳۵۰، صحیح مسلم: ۱۴۹۳، سنن نسائی: ۳۴۷۵، سنن ابوداؤد: ۲۲۵۸، مسند احمد: ۴۴۶۳)

صحیح البخاری: ۵۳۵۰ کی شرح از علامہ عینی

علامہ بدرالدین ابو محمد محمود بن احمد العینی الحنفی المتوفی ۸۵۵ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث عنقریب گزر چکی ہے، امام بخاری نے اس حدیث کو اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس حدیث میں نبی ﷺ نے اس عورت کے لیے المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کا ذکر نہیں کیا جس کے ساتھ ان کے شوہر نے لعان کیا تھا، کیونکہ اس میں متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کے ساتھ تعارض نہیں کیا گیا، اور نبی ﷺ نے فرمایا: کہ تم اس سے زیادہ بعید ہو، یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے، یعنی جب تم اس سے مباشرت کر چکے ہو تو تمہارا اس سے مطالبہ کرنا یہ بہت زیادہ بعید ہے اور اس کو آپ نے تاکید کے لیے دوبارہ ذکر فرمایا ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۰ کی شرح از علامہ ابن ملقن

علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بابن الملقن المتوفی ۸۰۴ھ لکھتے ہیں:

المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزوں) کے ثبوت کے متعلق فقہاءِ اسلام کے اقوال

المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کے ثبوت میں فقہاءِ اسلام کا اختلاف ہے، فقہاء کی ایک جماعت نے کہا کہ المتعہ دینا اس مطلقہ کے لیے واجب ہے جس کے ساتھ دخول نہ کیا گیا ہو اور اس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کا مذہب ہے، اور عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ اور عامر بن شراحیل الشعبی متوفی ۱۰۳ھ اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ کا بھی یہی قول

ہے اور فقہاء احناف کا بھی یہی مذہب ہے، اور مہر کو المتعہ (یعنی بہ طورِ حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کے ساتھ جمع نہیں کیا جائے گا۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۲۶۵)

(یہ تمام آثار امام ابوبکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی متوفی ۲۳۵ھ نے ذکر کیے ہیں: مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۴۵، دار الکتب العلمیہ ۱۴۱۶ھ)

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ قاضی شریح بن ھانی متوفی ۷۸ھ اور حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا بھی یہی قول ہے۔ (الاستذکار ج ۱۷ ص ۲۸۰-۲۸۱، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

فقہاء احناف نے کہا ہے: اگر مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ دخول کیا، پھر اس کو طلاق دے دی تو وہ اس کو المتعہ (یعنی بہ طورِ حسن سلوک کے چند چیزیں، مثلاً کچھ کپڑے، کچھ زیور یا کچھ نقد روپیہ یا غلام یا باندی) دے گا، اور مرد کو اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا اور یہ الثوری، اور ابن حی اور الاوزاعی کا قول ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر زوجین میں سے کوئی ایک غلام ہو تو پھر اس پر المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) دینا واجب نہیں ہے، خواہ اس نے دخول سے پہلے طلاق دی ہو اور اس کے لیے مہر مقرر نہ کیا ہو۔ (مختصر اختلاف العلماء ج ۲ ص ۲۶۵-۲۶۶)

حافظ ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا ہے کہ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ سے امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کے قول کی مثل منقول ہے۔ اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے: ہر مطلقہ کے لیے المتعہ ہوتا ہے (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) خواہ وہ عورت مدخول بھا ہو یا غیر مدخول بہا، جب جدائی مرد کی جانب سے ہو یا نکاح مرد کی جانب سے مکمل نہ ہوا ہو، سوا اس عورت کے جس کا مہر مقرر کیا گیا ہو اور اس کو دخول سے پہلے طلاق دے دی ہو، اسی طرح نامرد کی بیوی، اور یہ امام شافعی اور ابو ثور کا قول ہے۔

اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے متعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) ہوتا ہے اور اسی کی مثل حسن بصری، سعید بن جبیر، ابوقلابہ اور فقہاء کی ایک جماعت سے منقول ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ ﴿۲۴۱﴾ اور مطلقہ عورتوں کے لیے (اختتام عدت تک) دستور کے مطابق نان ونفقہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے ○ (البقرہ: ۲۴۱)

اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کوئی تخصیص نہیں فرمائی کہ وہ مدخول بھا ہو یا غیر مدخول بھا ہو۔

(الاستذکار للحافظ ابن عبد البر متوفی ۴۶۳ھ ج ۱۷ ص ۲۸۵، ۲۸۳، ۲۸۲، ۲۸۰، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) کسی جگہ بھی واجب نہیں ہے اور یہ ابن ابی لیلیٰ اور ربیعہ کا قول ہے، اور یہی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور اللیث اور ابن ابی سلمہ کا قول ہے۔

اور امام شافعی کی دلیل وہ ہے جس کو امام مالک نے از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کی ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے مُتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) ہے، سوا اس عورت کے کہ جس کا مہر مقرر کیا گیا ہو اور اس کو طلاق دی گئی ہو اور اس کے شوہر نے اس کے ساتھ دخول نہ کیا ہو تو اس کے لیے نصف مہر ہوگا۔ (الموطا ص ۳۵۴)

امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا ہے: میرا گمان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے

استدلال کیا ہے:

وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّاۤ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِیْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾ (البقرہ: ۲۳۷)

اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی، درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے، البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے)، اور تمہارا زیادہ ادا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم ایک دوسرے پر نیکی کو فراموش نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو دیکھنے والا ہے O

سو انہوں نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا کہ اس عورت کا حکم تمام مطلقات کے حکم سے خالی ہے، اور شاید کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ مطلقہ نے شوہر سے طلاق کے وقت جو بھی فائدہ اٹھایا ہے وہ اس کو لے لے، پس جب کہ مدخول بہا کوئی چیز لے لیتی ہے اور غیر مدخول بہا بھی کچھ لے لیتی ہے تو جب اس کے لیے مہر فرض نہیں کیا گیا اور یہ عورت غیر مدخول بہا تھی اور اس کے لیے فرض کیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے حکم سے نصف مہر لے اور نصف مہر جو ہے وہ المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) سے زائد ہے۔ اور اس نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تو اس کے لیے المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) واجب نہیں ہوگا۔ (کتاب الام ج ۷ ص ۲۲۸، دار الفکر بیروت، ۱۴۰۳ھ)

فقہاء احناف کے دلائل

فقہاء احناف کی دلیل وہ ہے جس کو امام ابوعبید الهروی متوفی ۲۲۴ھ نے بیان کیا ہے، کہ ہم نے دیکھا کہ عورتوں کی المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) میں تین قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جس میں دو قسموں کے لیے متعین کو ذکر کیا گیا ہے، اور یہ وہ عورتیں ہیں جنہیں دخول کے بعد طلاق دی گئی ہو، خواہ ان کے لیے مہر مقرر کیا گیا ہو یا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، اور دوسری قسم وہ مطلقات ہیں جن کو دخول سے پہلے طلاق دی گئی ہو اور ان کا مہر مقرر کیا گیا ہو، پس ان عورتوں کے لیے کامل مقرر شدہ مہر ہوگا، پس جب یہ دو حق ان کے لیے واجب ہو گئے تو اب ان کو المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) دینا محض اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وجہ سے ہوگا اور واجب نہیں ہوگا۔ اور ہم نے دو واجب پائے اور اس وقت المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وجہ سے غیر واجب ہے اور ہم نے اس آیت کو پایا جس میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ خوش حال کے لیے اس کی حیثیت کے مطابق المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) ہے اور تنگ دست کے لیے اس کی گنجائش کے مطابق المتعہ (یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں) ہے۔ اور یہی تیسری قسم ہے اور یہ وہ مطلقات ہیں جن کے ساتھ دخول نہیں کیا گیا اور نہ ان کے لیے مہر فرض کیا گیا ہے اور وہ آیت یہ ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور

قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (البقرہ:۲۳۶) تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے O

پس اس صورت میں المتعہ دینا حتمی اور واجب ہے، اور اگر یہ متعہ نہ ہوتا تو اس وقت عقدِ نکاح باطل ہو جاتا، اس وجہ سے کہ وہ ان عورتوں کے ساتھ جماع نہیں ہوتا تا کہ وہ صدقات کی مستحق ہوں اور ان کے لیے مہر فرض نہیں کیا جاتا تا کہ وہ صدقات کی مستحق ہوں، اس لیے ہر حال میں ان کو متعہ دینا واجب ہے۔

جو فقہاء المتعہ کو واجب قرار نہیں دیتے، ان کے دلائل

اور جن فقہاء نے متعہ کو اصلاً واجب نہیں قرار دیا، ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

''ومتعوھن''، ''اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو''۔ اس آیت کا ظاہر یہ ہے کہ اس حکم پر عمل کرنا واجب ہے لیکن اس کے ساتھ وہ چیز نہیں ہے جو اس حکم کے اثبات پر دلیل ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کے ساتھ خوش حال اور تنگدست کو ملا کر ذکر کیا ہے۔

اور نکاح میں واجبات کی دو قسمیں ہیں یا تو نکاح منکوحات کے حال کے اعتبار سے ہوگا جیسے مہر جو مہر مثل کو واجب کرتا ہے۔ یا زوجین کے حال کے اعتبار سے ہوگا جیسا کہ نفقات اور متعہ (یعنی بہ طور حسن سلوک کے چند چیزیں) ان دونوں قسموں سے خالی ہے، کیونکہ اس میں صرف مرد کی حالت کا اعتبار کیا گیا ہے، بایں طور کہ خوشحال زیادہ متعہ دے گا اور تنگ دست کم متعہ دے گا۔

نیز المتعہ (یعنی بہ طور حسن سلوک کے چند چیزیں) اگر فرض ہوتا، تو اس کی ایک مقدار معلوم ہوتی جیسا کہ دیگر مالی فرائض کی مقدار معلوم ہوتی ہے، مثلاً زکوٰۃ اور فطرہ کی، اور ہم نے نہیں دیکھا کہ مال میں کوئی فرض اور واجب ہو اور اس کی مقدار غیر معلوم ہو، اور جب اس طرح سے نہیں ہے، تو پھر المتعہ (یعنی بہ طور حسن سلوک کے چند چیزیں) فرض کی حد سے نکل کر استحباب اور ارشاد کی طرف نکل گیا، اور اس میں جو احادیث ہیں وہ صلۂ رحم اور ہدیہ کے طور پر ہیں۔

نیز جب اللہ تعالیٰ نے المتعہ کو مخصوص عورتوں کے متعلق ثابت کیا ہے یعنی جن عورتوں کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور ان کو جماع سے پہلے طلاق دے دی گئی ہو تو ان کے لیے المتعہ یعنی بہ طور حسن سلوک استعمال کی چند چیزوں کے دینے کو ثابت فرمایا ہے، تو اس میں یہ دلیل ہے کہ متعہ غیر واجب ہے، کیونکہ واجبات وہ ہوتے ہیں جو لوگوں پر عموماً لازم ہوتے ہیں جیسے نماز، روزہ اور حج و زکوٰۃ وغیرہ، پھر جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ'' (البقرہ:۲۳۶) اور فرمایا ''عَلَى الْمُتَّقِيْنَ'' (البقرہ:۲۴۱)

اسی طرح شریح بن حانی نے تاویل کی ہے انہوں نے ایک مرد سے کہا اگر تم محسنین میں سے ہو تو متعہ (یعنی بہ طور حسن سلوک کے چند چیزیں) دو، اور اگر تم متقی ہو تب بھی المتعہ دو۔ اور ان سے ایک روایت یہ ہے کہ المتعہ واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وعلی المتقین'' (البقرہ: اور علیٰ وجوب کے لیے آتا ہے، اور ''عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ'' (البقرہ:۲۳۶) میں اس کو مستحب قرار دیا ہے۔

فقہاء مالکیہ کا مسلک اور ان کے دلائل

حافظ ابوعمر ابن عبد البر مالکی متوفی ۴۶۳ھ نے کہا: یہ وہ تفسیر ہے، جس سے ہمارے اصحاب نے استدلال کیا ہے اور اس کا یہ

جواب دیا گیا ہے کہ اس کو ترک کرنے میں کوئی ایسی تحدید نہیں ہے جو اس کے وجوب کو ساقط کر دے جیسے اولاد کا اور بیویوں کا نفقہ، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ (البقرہ:۲۳۳) جس کا بچہ ہے، اس کے ذمہ دستور کے موافق ان (ماؤں) کا کھانا اور پہننا ہے۔

اور ہم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بچے کے باپ کے اوپر بچے کی ماؤں کے لیے کوئی معین مقدار واجب کی ہو، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۝ (الطلاق:۷) صاحب حیثیت کو چاہیے کہ وہ اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جو تنگ دست ہو تو اس کو جو اللہ نے (مال) دیا ہے اس میں سے خرچ کرے، اللہ کسی شخص کو اتنا ہی مکلف کرتا ہے جتنا اس کو (مال) دیا ہے، اور عنقریب اللہ مشکل کے بعد آسانی پیدا کر دے گا O

المتعہ کی مقدار معین نہ ہونے پر دلائل

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ہند زوجہ ابوسفیان رضی اللہ عنہما سے فرمایا: تم (ابوسفیان کے مال سے) اتنی مقدار خرچ لے لو جو تمہارے لیے اور تمہاری اولاد کے لیے دستور کے مطابق کافی ہو (صحیح البخاری:۲۲۱۱) اور اس حدیث میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خرچ کی کسی مقدار کو معین نہیں فرمایا۔

امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ نے روایت کی ہے کہ انہیں یہ حدیث پہنچی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے اپنی بیوی کو طلاق دی اور ان کو متعہ (یعنی بہ طور حسن سلوک کے چند چیزیں) میں ایک باندی دی۔ (الموطا امام مالک ص ۳۵۴)

اور محمد بن سیرین المتعہ (بہ طور حسن سلوک کے چند چیزیں) میں خادم اور نفقہ اور لباس دیتے تھے۔ اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو متعہ میں دس ہزار درہم دیے، تو انہوں نے یہ کہا کہ متاع قلیل ہے جو جدا ہونے والے دوست سے پہنچی ہے۔ اور شریح بن ہانی متوفی ۷۸ھ نے متعہ میں پانچ سو درہم دیے، اور اسود بن یزید نے متعہ میں تین سو درہم دیے، اور عروہ نے متعہ میں ایک خادم دیا، اور قتادہ نے کہا: المتعہ میں ایک چادر ہے، ایک قمیص ہے اور دوپٹہ ہے۔

یہ تمام آثار امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ نے المصنف عبدالرزاق میں روایت کیے ہیں۔

(ج ۷ ص ۷۳-۷۵ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ)

نیز یہ آثار امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی متوفی ۲۲۷ھ نے بھی روایت کیے ہیں۔

(سنن سعید بن منصور ج ۲ ص ۳-۵ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ کا بھی یہی مذہب ہے، انہوں نے کہا: یہ متعہ ہر آزاد عورت کے لیے ہے، یا باندی اور کتابیہ کے لیے ہے جب مرد کی جہت سے اس کو طلاق واقع ہو، اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ نے کہا ہے کہ مجھے یہ حدیث پہنچی ہے کہ طلاق دینے والا المتعہ میں خادم دے اور خلّہ (ایک نوع کی دو چادریں) یا نفقہ دے، اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ

سے مروی ہے کہ وہ المتعہ میں تیس درہم دے۔ ان آثار کو امام عبدالرزاق بن ہمام متوفی ۲۱۱ھ نے روایت کیے ہیں۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۷۳-۷۴، دارالکتب العلمیہ بیروت)

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے المتعہ میں ایک باندی دی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۸۷۰۷، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۱۶ھ، الاستذکار ج ۱۷ ص ۲۷۵، موسسۃ الرسالہ بیروت، ۱۴۱۳ھ)

امام بخاری کے قول سے ان کے استدلال کی شرح اور لعان کرنے والی عورت کے لیے المتعہ کا عدم وجوب اور اسی طرح خلع کرنے والی عورت کے لیے بھی المتعہ کا عدم وجوب

امام بخاری نے یہ کہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان میں المتعہ کا ذکر نہیں کیا، جب لعان والی عورت کو ان کے خاوند نے طلاق دی، یہ حدیث ان کی دلیل ہے جنہوں نے کہا ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے متعہ ہوتا ہے، اور لعان مطلقات میں داخل نہیں ہے، لہٰذا اس کے لیے متعہ نہیں ہوگا، امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ کا یہی مذہب ہے اور ابن القاسم مالکی نے کہا: ہر فسخ شدہ نکاح کے اندر متعہ نہیں ہے۔

اور لعان فقہاء کے نزدیک فسخ کی مثل ہے، کیونکہ لعان کرنے والے دو فریق نکاح پر برقرار نہیں رہتے، پس یہ ارتداد کے مشابہ ہے، اور ہر فرقہ میں عورت کی طرف سے بناء سے پہلے اور بناء کے بعد اس کے لیے متعہ نہیں ہوتا، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے خلع کرنے والی عورت کے لیے متعہ کو واجب کیا ہے، اور امام مالک کے اصحاب نے کہا کہ فدیہ دینے والی عورت کے لیے کیسے متعہ واجب ہوگا؟ فدیہ دینے والی عورت تو طلاق کے حصول کے لیے کچھ مال دیتی ہے، تو وہ متعہ (بہ طور حسن سلوک کے چند چیزیں) کیسے حاصل کرے گی؟۔

اگر شوہر فوت ہو جائے اور اس نے بیوی کے لیے مہر مقرر نہ کیا ہو تو اس بیوی کے مہر، اس کی وراثت اور اس کی عدت کے متعلق فقہاء اسلام کی عبارات اور اس سلسلہ میں احادیث

علامہ ابراہیم بن المنذر النیشاپوری الشافعی المتوفی ۳۱۸ھ نے کہا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے ○

اس آیت میں یہ دلیل ہے کہ عورت کے لیے نکاح کرنا مباح ہے اور اس کے لیے مہر کو فرض نہیں کیا گیا ہے، پھر اگر اس کا شوہر دخول کے بعد فوت ہو گیا تو اس کے بعد مہرِ مثل لازم ہوگا اور اس میں اختلاف ہے کہ اگر اس کا شوہر مر گیا اور اس نے اس کے لیے مہر مقرر نہیں کیا تو فقہاء کی ایک جماعت نے کہا: اس کے لیے مہرِ مثل ہوگا اور اس کے لیے میراث بھی ہوگی اور اس پر عدت بھی ہوگی،

یہ قول حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ متوفی ۳۲ھ سے منقول ہے، اور اسی کے مطابق امام ابن ابی لیلیٰ اور سفیان بن سعید بن مسروق الثوری متوفی ۱۶۱ھ اور فقہاء احناف اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ اور امام اسحاق بن راہویہ متوفی ۲۳۸ھ اور ابوثور کا قول ہے۔

اور فقہاء کی دوسری جماعت نے کہا ہے کہ اس عورت کے لیے میراث بھی ہوگی اور اس پر عدت بھی ہوگی اور اس کے لیے مہر نہیں ہوگا۔ یہ مذہب حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ متوفی ۴۵ھ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ سے منقول ہے۔ اور امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ اور امام اوزاعی کا بھی یہی قول ہے، اور امام محمد بن ادریس الشافعی متوفی ۲۰۴ھ کے اس مسئلہ میں دو قول ہیں، زیادہ ظاہر پہلا قول ہے۔

جو مرد کسی عورت سے نکاح کرے اور فوت ہو جائے اور اس نے اس کے ساتھ دخول نہ کیا ہو اور نہ مہر مقرر کیا ہو تو اس کا شرعی حکم

اور امام مالک متوفی ۱۷۹ھ نے کہا ہے کہ وہ عورت اس میں داخل نہیں ہوگی حتیٰ کہ اس کو پہلے کوئی چیز پیش کر دی جائے جو کم از کم چوتھائی دینار ہے، نیز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے، کہ ایک مرد نے ایک عورت سے نکاح کیا، پھر وہ فوت ہو گیا اور اس نے اس کے ساتھ دخول نہیں کیا تھا اور نہ اس کے لیے کوئی مہر مقرر کیا تھا، تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کو مکمل مہر ملے گا اور اس کے لیے عدت ثابت ہوگی اور اس کے لیے وراثت بھی ہوگی۔

(سنن ابوداؤد: ۲۱۱۴، سنن ترمذی: ۱۱۴۵، سنن نسائی ج ۶ ص ۱۲۱، سنن ابن ماجہ: ۱۸۹۱)

اور حضرت معقل بن سنان نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نے حضرت بروع بنت واشق کے متعلق اسی طرح فیصلہ فرمایا تھا۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، نیز اس حدیث کو امام ابن حبان، امام حاکم، امام بیہقی اور ابن حزم ظاہری وغیرہم نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ (سنن ترمذی: ۱۱۴۵، صحیح ابن حبان ج ۹ ص ۴۰۸، المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۱۸۱، سنن بیہقی ج ۷ ص ۲۴۵)

(التوضیح لشرح الجامع الصحیح ج ۲۵ ص ۵۹۶-۶۰۱، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیہ، قطر ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۰ کی شرح از علامہ ابن بطال مالکی

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک بن بطال البکری القرطبی المالکی المتوفی ۴۴۹ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فقہاء کا المتعہ (بہ طور حسن سلوک چند چیزیں مطلقہ کو دینے) کے متعلق فقہاء کا اختلاف

فقہاء کی ایک جماعت نے کہا ہے کہ جس مطلقہ کے ساتھ دخول نہیں کیا گیا اور اس کا مہر مقرر نہیں کیا گیا اس کو المتعہ (بہ طور حسن سلوک چند چیزیں) دینے کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما متوفی ۷۳ھ کا موقف یہ ہے کہ اس کو المتعہ (بہ طور حسن سلوک چند چیزیں) دینا واجب ہے۔ اور یہی عطاء بن ابی رباح متوفی ۱۱۴ھ، عامر بن شراحیل شعبی متوفی ۱۰۳ھ، اور ابراہیم بن یزید بن قیس بن الاسود النخعی متوفی ۹۶ھ اور ابن شہاب زہری متوفی ۱۵۲ھ کا قول ہے، اور یہی فقہاء احناف کا مذہب ہے اور مہر کو المتعہ کے ساتھ جمع نہیں کیا جائے گا۔

اور فقہاء کی دوسری جماعتوں نے کہا ہے کہ ہر مطلقہ کو متعہ (بہ طور حسن سلوک چند چیزیں) دینا واجب ہے خواہ وہ مطلقہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا ہو، جب کہ جدائی شوہر کی جانب سے ہو اور شوہر نے اس کا مہر مقرر نہ کیا ہو اور دخول سے پہلے طلاق دے دی ہو، اور یہ امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور ابوثور کا قول ہے۔

اور حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ متوفی ۴۰ھ سے روایت ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے المتعہ دینا ثابت ہے اور اسی کی مثل حسن بصری متوفی ۱۱۰ھ اور ابوقلابہ اور فقہاء کی ایک جماعت کا مذہب ہے، ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے:

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝ (البقرہ: ۲۴۱)

اور مطلقہ عورتوں کے لیے (اختتام عدت تک) دستور کے مطابق نان ونفقہ دینا پرہیز گاروں پر لازم ہے O

کیونکہ اس آیت میں کسی مطلقہ کی تخصیص نہیں کی گئی۔

فقہاء کی تیسری جماعت نے یہ کہا ہے کہ المتعہ دینا کسی جگہ بھی واجب نہیں ہے، اور یہ ابن ابی لیلیٰ اور ابوزناد اور ربیعہ کا قول ہے اور یہی امام مالک بن انس متوفی ۱۷۹ھ کا مذہب ہے اور لیث اور ابن ابی سلمہ کا بھی یہی قول ہے۔

امام شافعی کے دلائل

امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ امام مالک نے از نافع از حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ روایت کی ہے کہ ہر مطلقہ کے لیے متعہ ثابت ہے، سوا اس کے کہ جس کا مہر مقرر کیا گیا ہو اور اس کو طلاق دی گئی ہو اور اس کے ساتھ دخول نہ کیا گیا ہو تو اس کو نصف مہر دینا کافی ہے، اور امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ نے کہا کہ میرا گمان ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے:

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (البقرہ: ۲۳۷)

اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی، درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے، البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے)، اور تمہارا زیادہ ادا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم ایک دوسرے پر نیکی کو فراموش نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو دیکھنے والا ہے O

پس حضرت ابن عمر نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا کہ یہ عورت تمام مطلقات کے حکم سے خارج ہے۔

اور شاید حضرت ابن عمر کی رائے یہ ہے کہ اس آیت سے یہ مراد ہے کہ مطلقہ اپنے زوج سے طلاق کے وقت کچھ نہ کچھ متاع حاصل کر لیتی ہے، پس جب کہ مدخول بہا بھی کچھ چیزیں لے لیتی ہے اور غیر مدخول بہا بھی کچھ چیزیں لے لیتی ہے تو جب اس کے لیے مہر مقرر نہیں کیا گیا ہو اور اس کے ساتھ دخول نہ کیا گیا ہو، اور اس کا مہر مقرر کیا گیا ہو، تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نصف مہر لے گی اور نصف مہر جو ہے وہ المتعہ یعنی بہ طور حسنِ سلوک استعمال کی چند چیزوں سے زیادہ ہے، لہٰذا اس کے لیے المتعہ یعنی استعمال کی چند چیزیں واجب نہیں ہیں۔

فقہاء احناف کے دلائل

امام ابوعبید الہروی المتوفی ۲۳۸ھ نے کہا ہے کہ فقہاء احناف کی دلیل یہ ہے کہ ہم نے المتعہ کے ثبوت میں عورتوں کی تین قسمیں دیکھی ہیں۔ پس یہ آیت جس میں المتعہ کا ذکر کیا گیا ہے، تو اس میں ان مطلقات کی دو قسمیں ہیں جن کو دخول کے بعد طلاق دی گئی ہے، خواہ ان کے لیے مہر مقرر کیا گیا ہو یا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، اور جو مطلقات دخول سے پہلے ہیں، اور ان کا مہر مقرر کیا گیا ہے، پس ان عورتوں کے لیے جماع کے ساتھ مکمل مہر ہوگا اور پہلی عورتوں کے ساتھ یعنی جن کے ساتھ دخول نہیں کیا گیا، ان کے لیے مقرر شدہ مہر کا نصف ہوگا، پس جب یہ دونوں حق واجب ہیں تو پھر المتعہ یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے چند چیزیں دینا محض اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وجہ سے ہے اور واجب نہیں ہے، اور ہم نے اس آیت کو دیکھا جس میں خوش حال اور تنگ دست کا ذکر کیا گیا ہے، اور تیسری قسم ان مطلقات کی ہے جن کے ساتھ دخول نہیں کیا گیا اور نہ ان کے لیے مہر فرض کیا گیا ہے، ان کے متعلق قرآن مجید میں یہ آیت ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ (البقرہ:۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے O

اس آیت سے واضح ہوا کہ متعہ یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں دینا حتمی اور واجب ہے اور اگر یہ متعہ نہ ہو، تو پھر عقدِ نکاح باطل ہو جائے گا کیونکہ ان عورتوں کے ساتھ جماع نہیں ہوگا تو وہ صدقات کی مستحق ہوتیں اور نہ ان کے لیے مہر مقرر کیا گیا ہے، پس ضروری ہے کہ ان کے لیے ہر حال کے اندر المتعہ یعنی بہ طورِ حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں ثابت ہوں۔

ان فقہاء کے دلائل جنہوں نے کہا کہ المتعہ یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزوں کو دینا بالکل واجب نہیں ہے، ان کا استدلال اس آیت سے ہے:

وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ (البقرہ:۲۳۶)

اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے O

چونکہ اس آیت میں فرمایا ہے: ''مَتِّعُوْهُنَّ''، یعنی ان عورتوں کو المتعہ دو، اور یہ امر کا صیغہ ہے، اور اس کا ظاہر وجوب ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان عورتوں کو المتعہ دینا واجب ہے، لیکن اس حکم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو ملایا ہے جو اس حکم کے استحباب پر دلالت کرتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: خوش حال کے اوپر اس کی حیثیت کے مطابق المتعہ دینا ہے اور تنگ دست کے اوپر اس کی گنجائش کے مطابق متعہ دینا ہے، اس سے معلوم یہ ہوا کہ المتعہ واجب نہیں ہے۔

اور نکاح میں واجبات کی دو قسمیں ہیں، یا تو وہ منکوحات کے حال کے اعتبار سے ہوتے ہیں جیسے مہر جو پہلے مقرر کیا گیا ہو ورنہ مہر مثل ہوگا، اور اسی طرح نفقات کا ادا کرنا بھی واجب ہوتا ہے اور المتعہ یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں دینا ان

دونوں کے معنی سے فارغ ہے، کیونکہ المتعہ میں صرف مرد کے حال کا اعتبار کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ خوش حال کے او پر متعہ زیادہ ہے بہ نسبت تنگ دست کے، نیز اگر المتعہ فرض ہوتا تو اس کی مقدار معلوم اور متعین ہوتی جیسے دیگر مالی فرائض کی مقدار معلوم اور معین ہے اور ہم نے کوئی مالی فرض ایسا نہیں دیکھا جس کی مالی مقدار معلوم اور معین نہ ہو، پس جب کہ المتعہ اس طرح نہیں ہے یعنی اس کی مقدار معلوم اور معین نہیں ہے تو پھر المتعہ کا ادا کرنا فرائض کی حد سے نکل کر استحباب کی حد میں داخل ہو گیا ہے، اور المتعہ یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں دینا، ایسا ہے جیسے رشتہ داروں کو حسنِ سلوک کے اعتبار سے چند چیزیں دینا۔

نیز اللہ تعالیٰ نے المتعہ کو ایک خاص قوم پر واجب کیا ہے، یعنی جس مرد نے اپنی بیوی کو جماع سے پہلے طلاق دی ہو اور اس کے لیے مہر مقرر نہ کیا ہو تو اس کے لیے المتعہ کو واجب کیا ہے۔ اور ہر مطلقہ پر واجب نہیں کیا اور واجبات وہ ہوتے ہیں جو بالعموم واجب ہوتے ہیں جیسے نماز ہے، روزہ ہے اور حج ہے اور زکوٰۃ ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ المتعہ واجب نہیں ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ'' (البقرہ: ۲۳۶)، یعنی المتعہ کو دینا احسان کرنے والوں پر حق ہے اور فرمایا ''حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ'' (البقرہ: ۲۴۱) یعنی اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے المتعہ کو دینا ثابت ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ مطلقاً مطلقہ عورت کو المتعہ یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں دینا واجب نہیں ہے۔

(شرح ابن بطال علیٰ صحیح البخاری ج ۷ ص ۴۲۰-۴۲۱، دارالکتب العلمیہ بیروت، ۱۴۲۴ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۰ کی شرح از علامہ قسطلانی

علامہ ابوالعباس شہاب الدین احمد القسطلانی المتوفی ۹۱۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المتعہ یعنی بہ طور حسن سلوک مطلقہ کو استعمال کی چند چیزیں دینے کے مسائل

المتعہ: یہ وہ مال ہے جو کو خاوند اس مطلقہ کو دیتا ہے جس کے لیے نصف مہر واجب نہیں ہوا، اور نہ اس کے لیے مہر مقرر کیا گیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے ○

پس تم مطلقہ کو بہ طور فضل جو چیزیں دو گے اس میں اللہ تعالیٰ تم کو جزا دے گا کیونکہ جس عورت نے اپنا نفس تمہارے سپرد کر دیا اور اس کو کوئی چیز حاصل نہیں ہوئی تو اس کو المتعہ یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے چند چیزوں کا دینا واجب ہے تاکہ اس کو وحشت نہ ہو اور اس لیے کہ مہر تو بیوی کی فرج سے منفعت حاصل کرنے کے عوض میں ہوتا ہے جس کو شوہر حاصل کر چکا ہوتا ہے اور جب ایسا نہیں ہوا تو پھر واجب ہے کہ اس کو المتعہ یعنی بہ طور حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں دی جائیں لیکن جس مطلقہ کے لیے نصف مہر واجب ہو گیا ہے تو اس کے لیے متعہ نہیں ہوگا۔ اور اس کے لیے نصف مہر کو لینا کافی ہے تاکہ اسے وحشت نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نصف مہر

کے سوا اس کے لیے کسی چیز کو واجب نہیں کیا جیسا کہ اس آیت میں ہے:

وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾ (البقرہ: ۲۳۷)

اور اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے انہیں طلاق دے دی، درآں حالیکہ تم ان کا مہر مقرر کر چکے تھے تو تمہارے مقرر کیے ہوئے مہر کا نصف (ادا کرنا واجب) ہے، البتہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں، یا جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ کچھ زیادہ دے دے (تو درست ہے)، اور تمہارا زیادہ ادا کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم ایک دوسرے پر نیکی کو فراموش نہ کرو، بے شک اللہ تمہارے کیے ہوئے کاموں کو دیکھنے والا ہے O

اور سنت یہ ہے کہ المتعہ تیس درہم سے کم نہ ہو، اور نصف مہر تک نہ پہنچے اور ایک جماعت نے یہ کہا ہے کہ وہ ایک خادم سے زیادہ نہ ہو، اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے کم ہو جس سے مالداری کا حصول ہو اور حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو دس ہزار درہم متعہ میں دیے اور ان کی بیوی نے کہا: یہ متاع قلیل ہے جو جدا ہونے والے محبوب کی طرف سے مجھے ملی ہے۔

اور فقہاء مالکیہ نے یہ کہا ہے کہ المتعہ بالکل واجب نہیں، اور بعض فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ متعہ کی مقدار معلوم اور معین نہیں ہے، اور واجب کی مقدار معلوم اور معین ہوتی ہے اور اس دلیل کا یہ جواب دیا گیا ہے، کہ مقدار کا معلوم اور معین نہ ہونا وجوب کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ رشتہ دار کو خرچ دینا بھی واجب ہے اور اس کی مقدار معلوم نہیں ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی ۱۵۰ھ سے روایت ہے کہ المتعہ اس مطلقہ کے ساتھ مخصوص ہے جس کو دخول سے پہلے طلاق دی گئی ہو، اور اس کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو۔ (ارشاد الساری ج ۱۲ ص ۱۳۷-۱۳۸، دار الفکر بیروت، ۱۴۲۱ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۰ کی شرح از شیخ عثیمین

شیخ محمد بن صالح العثیمین النجدی الحنبلی المتوفی ۱۴۲۱ھ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المتعہ (یعنی بہ طورِ حسنِ سلوک مطلقہ کو استعمال کی چند چیزیں دینے) کی تحقیق

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ (البقرہ: ۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے O

یعنی تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم جماع سے پہلے اپنی بیویوں کو طلاق دے دو اور ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے مثلاً ایک مرد نے کسی عورت سے عقدِ نکاح کیا اور مہر مقرر نہیں کیا، پھر مرد نے اس عورت کو اس کے ساتھ دخول سے پہلے طلاق دے دی تو اس

میں اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں اس لیے گناہ کی نفی کی ہے، تا کہ یہ وہم نہ ہو کہ وہ اس حال میں گناہ گار ہوگا کیونکہ عنقریب لوگ سوال کریں گے کہ جب کسی مرد نے دخول سے پہلے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور اس سے پہلے کہ وہ اس کی طرف دیکھتا تو اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں گناہ کی نفی فرما دی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ المتعه یعنی بہ طورِ حسنِ سلوک کے استعمال کی چند چیزیں دینا ہر شخص پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے، اس سے معلوم یہ ہوا کہ فی نفسہ المتعه دینا واجب نہیں ہے۔

(شرح صحیح البخاری، ج ۵ ص ۱۱۲-۱۱۳، مکتبۃ الطبری القاہرہ ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۰ کی شرح از علامہ کورانی

علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الحنفی المتوفی ۸۹۳ھ، اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

المتعه یعنی (بہ طورِ حسنِ سلوک کے مطلقہ کو چند چیزیں دینا) پر دلائل اور المتعه کے متعلق ائمہ اربعہ کے مذاہب کا خلاصہ

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَ مَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (البقرہ: ۲۳۶)

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے، اگر تم عورتوں کو اس وقت طلاق دے دو جب تم نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو یا تم نے ان کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اور تم انہیں استعمال کے لیے کوئی چیز دے دو، خوشحال پر اس کے موافق ہے اور تنگ دست پر اس کے لائق، دستور کے مطابق انہیں فائدہ پہنچانا نیکی کرنے والوں پر (ان کا) حق ہے ○

امام شافعی نے کہا: جس عورت کا مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، تو اس کو المتعه دینا واجب ہے، اور امام مالک نے کہا ہے کہ ہر طلاق یافتہ عورت کے لیے متعہ دینا مستحب ہے، اور امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ جس عورت کے ساتھ دخول نہ کیا ہو اور اس کا مہر مقرر نہ کیا ہو، اس کے لیے متعہ دینا مستحب ہے، اور امام احمد بن حنبل کا مذہب امام شافعی کے قول کی مثل ہے، سوا دخول بہا کے۔

(الکوثر الجاری الی ریاض احادیث البخاری، ج ۹ ص ٦٦، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۴۲۹ھ)

صحیح البخاری: ۵۳۵۰ کی شرح از شیوخ دیوبند

شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی مہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

یہ حدیث بعینہٖ اسی متن اور سند کے ساتھ کتاب التفسیر میں گزر چکی ہے، اور وہاں اس کی تشریح بھی گزر چکی ہے۔

(کشف الباری، کتاب التفسیر: ۷۹، ۸۰)

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مطلقہ کے لیے متعہ کا مسئلہ بیان فرمایا ہے، متعہ مطلقہ عورت کو رخصت کرتے ہوئے کچھ دینے کو کہتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متعہ کے طور پر دوپٹہ، اوڑھنی اور کپڑا دینا چاہیے۔ (عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱)

اس مسئلہ میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے۔

(۱) امام مالک اور امام احمد کے نزدیک متعہ مطلقاً واجب نہیں، چاہے عورت مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا ہو، مہر مقرر کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔

(۲) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متعہ ہر مطلقہ کے لیے واجب ہے، خواہ وہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا، مہر طے شدہ ہو یا نہ۔

(۳) حضرات حنفیہ کے نزدیک متعہ صرف اس مطلقہ کے لیے واجب ہے جو غیر مدخول بہا ہو اور اس کے لیے مہر مقرر نہ کیا گیا ہو، "ولا یجمع المهر مع المتعة"۔ (الابواب والتراجم، ج ۲ ص ۸۴، ۸۵، عمدۃ القاری ج ۲۱ ص ۱۱)

چنانچہ ترجمۃ الباب کی آیت میں یہ دونوں قید ہیں "مالم تمسوهن او تفرضوا لهن فريضة"، اس میں دونوں باتیں مذکور ہیں کہ وہ مدخول بہا بھی نہ ہو اور اس کے لیے مہر کا تسمیہ بھی نہ ہوا ہو۔

اس کے بعد فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعان میں لعان کرنے والی عورت کے لیے متعہ کا کوئی تذکرہ نہیں فرمایا، یہاں تک کہ اس کے شوہر نے اسے طلاق دے دی، حالانکہ وہ ملاعنہ مدخول بہا تھی، معلوم ہوا کہ متعہ صرف اس مطلقہ کے لیے ہے جو غیر مدخول بہا ہو۔ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک ملاعنہ (لعان والی عورت) مطلقہ کے حکم میں ہے "فتجب في ماتجب للمطلقة"، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک ملاعنہ کے لیے متعہ نہیں۔ (الابواب والتراجم ج ۲ ص ۸۵) (کشف الباری عمافی صحیح البخاری، کتاب الطلاق ص ۶۰۰)

کتاب العدت کا اختتام اور خاتمہ

کتاب الطلاق اور اس کے توابع یعنی لعان اور ظہار وغیرہ میں ایک سو آٹھ (۱۰۸) احادیث مرفوعہ ہیں، ان میں سے چھبیس (۲۶) تعلیقات ہیں اور باقی احادیث موصولہ ہیں، اور ان میں مکرر احادیث کی تعداد بیانوے (۹۲) ہے، اور خالص احادیث کی تعداد بیس (۲۰) ہے۔

"نعم الباری" جلد عاشر (۱۰) کی تکمیل

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری جلد عاشر کا افتتاح ۲۴ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ/18 مارچ 2012ء، بروز اتوار کو ہوا تھا اور اب اس کی تکمیل ۲۴ شعبان ۱۴۳۳ھ/15 جولائی 2012ء، کو ہو گئی ہے۔ الحمد لله على ذالك حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه كما يحب ربنا ويرضى والصلوة والسلام على سيدنا محمد وعلى اله واصحابه اجمعين۔

اس جلد میں سڑسٹھ (۶۷) احادیث کی شرح نہایت تفصیل کے ساتھ آ گئی ہے، پہلے میں نے اس جلد کے تقریباً نصف صفحات کو مولانا وقار الحسن سے قلم سے املاء کرایا تھا، بعد ازاں میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے لیپ ٹاپ خرید لیا اور میرے نہایت عزیز شاگرد مولانا حافظ محمد جمشید ہاشمی سلمہ اللہ تعالیٰ وزید علمہ وفضلہ نے اس جلد کے بقیہ حصہ کو کمپوز کرنا شروع کیا، پھر بعد ازاں جو قلم سے لکھا گیا تھا اس کو بھی کمپوز کر دیا، اب یہ جلد عاشر مکمل کمپوزنگ کے ساتھ ہے اور ہمارے معتزز اور مکرم عزیز سید عمیر الحسن البرنی زید حبہ، نے نہایت عرق ریزی سے پڑھ بھی لیا ہے، اس لیے توقع ہے کہ اس میں کمپوزنگ کی اغلاط بہت کم ہوں گی یا برائے نام ہوں گی۔

یہ جلد اس لیے جلد مکمل ہو گئی ہے کہ اس کا نصف میں پہلے لکھوا چکا تھا اور بعد میں اسی کی کمپوزنگ کی گئی ہے، اور یہ درمیانی عرصہ دار العلوم نعیمیہ کی تعلیمی تعطیلات کا تھا، اس وجہ سے زیادہ سرعت کے ساتھ کام ہو گیا اور نعم الباری کی بقیہ جلدیں اتنی سرعت کے ساتھ تو نہیں ہوں گی، لیکن پھر بھی پہلے کی بہ نسبت ان شاء اللہ العزیز جلد ان کی تکمیل ہو جائے گی۔

جلد عاشر باب الخلع سے شروع ہوئی ہے اور اس کا اختتام کتاب العدۃ پر ہوا ہے اور جلد حادی عشر (۱۱) ان شاء اللہ کتاب النفقات سے شروع ہوگی۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور نعم الباری کو اپنی بارگاہ میں مقبول اور مشکور فرمائے۔

پہلے بخاری شریف کی شرح نعمۃ الباری کے نام سے چھپتی رہی ہے لیکن اب آٹھویں (۸) جلد سے میں نے اس کا نام بدل کر ''نعم الباری'' رکھ دیا ہے۔

میں اس جلد کی تکمیل میں اپنے تمام معاونین کا صمیم قلب سے شکر گزار ہوں اور ان کے لیے دعا گو ہوں۔ خصوصاً مفتی پاکستان علامہ منیب الرحمٰن زید حبہم و لطفہم و صاحبزادہ حبیب الرحمٰن محبوبی مدظلہ و محترم حفیظ البرکات شاہ صاحب شکر اللہ سعیہم اور حافظ محمد اکرم ساجد صاحب مدظلہ اور مولانا مختار احمد صاحب اور اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک کے تمام معاونین کے لیے دعا گو ہوں۔ خصوصاً حافظ سلیم اکبر قادری سلمہ، کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے مجھے دعوتِ اسلامی کی (مجلس المدینۃ العلمیہ) کی تخریج کے ساتھ شائع شدہ بہارِ شریعت مہیا کی جس سے میں نے نویں جلد میں بھی استفادہ کیا ہے اور دسویں جلد میں بھی استفادہ کیا ہے اور نعم الباری کی باقی مجلدات میں بھی ان شاء اللہ استفادہ ہوتا رہے گا اور خصوصاً حافظ محمد جمشید ہاشمی سلمہ اللہ تعالیٰ کے لیے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کے علم و عمل میں ترقی عطا فرمائے اور ان کو صحت و توانائی کے ساتھ تادیر قائم رکھے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحت اور توانائی کے ساتھ اسلام پر قائم رکھے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے ہماری مغفرت فرمائے، ہمیں بڑھاپے کے عوارض سے، سکرات الموت سے، قیامت کی ہولناکیوں سے اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ اور مامون فرمائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے ہم کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور نعم الباری کی تمام مجلدات کو تا قیامت برقرار اور فیض آفریں رکھے۔ آمین یا رب العالمین بجاہ حبیبک سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہ وعلیٰ اصحابہ وازواجہ وذریتہ الف الف صلوات وتسلیمات دائما ابدا۔

نعم الباری فی شرح صحیح البخاری، جلد عاشر (۱۰) کی ڈائری

افتتاح: 24 ربیع الثانی 1433ھ / 18 مارچ 2012ء بروز اتوار

تقویم میلادی	تقویم ہجری	دن	ایک ماہ کے صفحات	کل صفحات	تعدادِ حدیث
18/مارچ 2012ء	۲۴ ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ	اتوار	۵۸	۵۸	۵۲۸۳
یکم اپریل 2012ء	جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ	اتوار	۹۲	۱۵۰	۵۲۸۹
یکم مئی 2012ء	جمادی الاخریٰ ۱۴۳۳ھ	منگل	۱۵۵	۳۰۵	۵۲۹۳
یکم جون 2012ء	رجب ۱۴۳۳ھ	جمعہ	۱۱۵	۴۲۰	۵۳۰۸
یکم جولائی 2012	شعبان ۱۴۳۳ھ	اتوار	۳۲۵	۷۵۰	۵۳۳۲
15 جولائی 2012ء	۲۴ شعبان ۱۴۳۳ھ	اتوار	۲۲۰	۹۷۰	۵۳۵۰

مصادر التحقیق فی نعم الباری

کتب سماویہ

۱۔ قرآن مجید

۲۔ تورات

۳۔ زبور

۴۔ انجیل

کتب احادیث

۵۔ امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت متوفی 150ھ، مسند امام اعظم، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز کراچی، المکتبۃ الامدادیہ، مکہ مکرمہ ۱۴۳۱ھ

۶۔ امام مالک بن انس اصبحی، متوفی 179ھ، موطا امام مالک، مطبوعہ: دارالفکر بیروت، 1409ھ، المکتبۃ التوفیقیہ، دارالمعرفہ بیروت، 1420ھ

۷۔ امام عبداللہ بن مبارک حنفی، متوفی 181ھ، کتاب الزہد، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۸۔ امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم حنفی، متوفی 183ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل

۹۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، موطا امام محمد، مطبوعہ: نور محمد، کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۱۰۔ امام محمد بن حسن شیبانی حنفی، متوفی 189ھ، کتاب الآثار، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1407ھ

۱۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، المسند، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1400ھ

۱۲۔ امام سلیمان بن داؤد الجارود شافعی، متوفی 204ھ، مسند ابوداؤد الطیالسی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1425ھ

۱۳۔ امام محمد بن عمر بن واقد شافعی، متوفی 207ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت، 1404ھ

۱۴۔ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی شیعی، متوفی 211ھ، مصنف عبدالرزاق، مطبوعہ: مکتب اسلامی بیروت 1390ھ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۵۔ الامام الجلیل ابوعوانہ یعقوب بن اسحاق الاسفرائنی، متوفی 216ھ، مسند ابوعوانہ، دارالمعرفہ بیروت

۱۶۔ امام عبداللہ بن الزبیر حمیدی شافعی، متوفی 219ھ، المسند، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت

۱۷۔ امام سعید بن منصور خراسانی مکی شافعی، متوفی 227ھ، سنن سعید بن منصور، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، دارالصمیعی 1428ھ

۱۸۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، المصنف، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1406ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۱۹۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۰۔ امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ شافعی، متوفی 235ھ، مصنف ابن ابی شیبہ، مطبوعہ: مجلس علمی، بیروت 1427ھ

۲۱۔ امام احمد بن حنبل، متوفی 241ھ، المسند، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت، 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دار الفکر، بیروت 1415ھ، موسسۃ الرسالہ، بیروت 1420ھ، عالم الکتب، بیروت 1419ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ

۲۲۔ امام ابو عبد اللہ بن عبد الرحمٰن دارمی شافعی، متوفی 255ھ، سنن دارمی، مطبوعہ: دار الکتاب العربی 1407ھ، دار المعرفہ، بیروت 1420ھ

۲۳۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، صحیح بخاری، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1430ھ، دار ارقم، بیروت، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1431ھ، دار الفکر بیروت 1421ھ، موسسۃ الرسالہ 1431ھ، دار المعرفہ، بیروت 1425ھ، دار العلم الحدیث، 1426ھ

۲۴۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفی 256ھ، الادب المفرد، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ

۲۵۔ امام ابو الحسین مسلم بن حجاج قشیری شافعی، متوفی 261ھ، صحیح مسلم، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ، دار الفکر، بیروت 1424ھ

۲۶۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ شافعی، متوفی 273ھ، سنن ابن ماجہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1415ھ، دار الجیل، بیروت، دار الفکر، بیروت 1421ھ

۲۷۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، سنن ابو داؤد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ، دار الفکر بیروت، 1421ھ

۲۸۔ امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، متوفی 275ھ، مراسیل ابو داؤد، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی

۲۹۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279، سنن ترمذی، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1422ھ، دار الجیل، بیروت 1998ء، دار المعرفہ بیروت 1423ھ

۳۰۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی شافعی، متوفی 279ھ، شمائل محمدیہ، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، مکہ مکرمہ، 1415ھ

۳۱۔ حافظ ابو بکر عمرو بن ضحاک بن مخلد الشیبانی، متوفی، 287ھ، کتاب السنہ، المکتب الاسلامی 1400ھ

۳۲۔ امام ابن ابی عاصم شافعی، متوفی 287ھ، الاحاد والمثانی، مطبوعہ: دار الرایہ، ریاض، 1411ھ

۳۳۔ امام احمد عمرو بن عبد الخالق بزار شافعی، متوفی 292ھ، البحر الزخار المعروف بہ مسند البزار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت

۳۴۔ امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن نسائی، مطبوعہ: دار المعرفہ، بیروت 1412ھ، دار الفکر،

بیروت، 1421ھ

۳۵۔ امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت 1408ھ

۳۶۔ امام ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفی 303ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1411ھ موسسۃ الرسالہ 1421ھ

۳۷۔ امام ابو بکر محمد بن ہارون الرویانی شافعی، متوفی 307ھ، مسند الصحابہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۸۔ امام احمد بن عالی المثنی التمیمی شافعی، متوفی 307ھ، مسند ابو یعلی موصلی، مطبوعہ: دار المامون التراث، بیروت 1404ھ

۳۹۔ امام عبد اللہ بن علی بن جارود نیشاپوری شافعی، متوفی 307ھ، المنتقی، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۴۰۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ شافعی، متوفی 311ھ، صحیح ابن خزیمہ، مطبوعہ: مکتب اسلامی، بیروت 1395ھ

۴۱۔ امام ابو عوانہ یعقوب بن اسحاق شافعی، متوفی 316ھ، مسند ابو عوانہ، مطبوعہ: دار الباز، مکہ مکرمہ

۴۲۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، تحفۃ الاخیار، مطبوعہ: دار بلنسیہ، ریاض 1420ھ

۴۳۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، مشکل الآثار، مطبوعہ: مکتبہ دار الباز 1415ھ

۴۴۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح معانی الآثار، مطبوعہ: مطبع مجتبائی، پاکستان لاہور، 1404ھ، قدیمی کتب خانہ کراچی

۴۵۔ امام ابو جعفر احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ، شرح مشکل الآثار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1427ھ

۴۶۔ امام ابو جعفر محمد احمد بن محمد طحاوی حنفی، متوفی 321ھ مسند الطحاوی، مطبوعہ: مکتبۃ الحرمین، دبئی 1426ھ

۴۷۔ امام ابو جعفر محمد بن عمرو العقیلی شافعی، متوفی 322ھ، کتاب الضعفاء الکبیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۴۸۔ امام ابو بکر احمد بن مروان بن محمد الدینوری القاضی المالکی، متوفی 333ھ، المجالسۃ وجواہر العلم، دار ابن حزم بیروت، 1419ھ

۴۹۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1407ھ

۵۰۔ امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی شافعی، متوفی 354ھ، الاحسان فی تقریب صحیح ابن حبان، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1425ھ

۵۱۔ امام ابو بکر محمد بن الحسین بن عبد اللہ الآجری الشافعی، متوفی 360ھ، کتاب الشریعہ، مطبوعہ: موسسۃ الریان 1429ھ

۵۲۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم صغیر، مطبوعہ: مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ 1388ھ، مکتبہ اسلامی، بیروت 1405ھ

۵۳۔ امام ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم کبیر، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

۵۴۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، معجم اوسط، مطبوعہ: مکتبۃ المعارف، ریاض 1405ھ، دارالفکر بیروت، 1420ھ

۵۵۔ امام ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی شافعی، متوفی 360ھ، مسند الشامیین، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1409ھ

۵۶۔ حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق الدینوری المعروف بابن السنی، شافعی، متوفی 364ھ، کتاب عمل الیوم واللیلہ، مطبوعہ: موسسۃ الکتب الثقافیہ، 1408ھ

۵۷۔ امام عبد اللہ بن عدی الجرجانی شافعی، متوفی 365ھ، الکامل فی ضعفاء الرجال، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۵۸۔ امام ابوحفظ عمر بن احمد المعروف بابن شاہین شافعی، متوفی 385ھ، الناسخ والمنسوخ من الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۵۹۔ امام الحافظ علی بن عمر الدارقطنی، متوفی 385ھ، سنن الدارقطنی، مطبوعہ: دارالمعرفہ بیروت، لبنان 1422ھ

۶۰۔ امام عبداللہ بن محمد بن جعفر المعروف بابی الشیخ شافعی، متوفی 396ھ، کتاب العظمۃ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۶۱۔ امام ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری شافعی، متوفی 405ھ، المستدرک، مطبوعہ: دارالباز، مکہ مکرمہ، دارالمعرفہ بیروت، 1427ھ، المکتبۃ العصریہ، بیروت 1420ھ

۶۲۔ امام ابوعبداللہ محمد بن عمر واقد الواقدی شافعی، متوفی 407ھ، کتاب المغازی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۶۳۔ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، حلیۃ الاولیاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ، دارالکتب العربی 1407ھ

۶۴۔ امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی شافعی، متوفی 430ھ، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دارالنفائس، بیروت

۶۵۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، سنن کبریٰ، مطبوعہ: نشرالسنہ، ملتان

۶۶۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب الاسماء والصفات، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۶۷۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، معرفۃ السنن والآثار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۶۸۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ،، دلائل النبوۃ، مطبوعہ: دارلکتب العلمیہ، بیروت، 1423ھ

۶۹۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ،، کتاب الآداب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۰۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، کتاب فضائل الاوقات، مطبوعہ: مکتبۃ المینارہ، مکہ مکرمہ 1410ھ

۷۱۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ

۷۲۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، الجامع لشعب الایمان، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1423ھ

۷۳۔ امام ابوبکر احمد بن حسین بیہقی شافعی، متوفی 458ھ، البعث والنشور، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ

۷۴۔ امام ابوعمر یوسف ابن عبدالبر قرطبی مالکی، متوفی 463ھ، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۷۵۔ حافظ ابی بکر عبداللہ بن محمد بن عبید بن سفیان القرشی المعروف بابن ابی الدنیا، متوفی 184ھ، موسوعہ الامام ابن ابی الدنیا، مطبوعہ: مکتبۃ العصریہ، بیروت

۷۶۔ امام محمد بن فتوح الحمیدی شافعی، متوفی 488ھ، الجمع بین الصحیحین، مطبوعہ: دارابن حزم 1423ھ

۷۷۔ امام ابوشجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ الدیلمی شافعی، متوفی 509ھ، الفردوس بماثور الخطاب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1406ھ

۷۸۔ امام حسین بن مسعود بغوی شافعی، متوفی 516ھ، شرح السنہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۷۹۔ علامہ عمر بن عبدالعزیز ابن مازہ البخاری الحنفی الملقب بالصدر الشہید المتوفی 536ھ، شرح الجامع الصغیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ بیروت 1427ھ

۸۰۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تاریخ دمشق الکبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ

۸۱۔ امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر شافعی، متوفی 571ھ، تہذیب تاریخ دمشق، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1407ھ

۸۲۔ امام ابوالفرج عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، جامع المسانید، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

۸۳۔ امام مجدالدین بن محمد الشیبانی المعروف بابن الاثیر الجزری شافعی، متوفی 606ھ، جامع الاصول، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ، دارابن کثیر، بیروت 1432ھ

۸۴۔ امام زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی المنذری شافعی، متوفی 656ھ، الترغیب والترہیب، مطبوعہ: دارالحدیث، قاہرہ 1407ھ، دارابن کثیر، بیروت 1414ھ

۸۵۔ امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفی 668ھ، التذکرہ فی امور الآخرہ، مطبوعہ: دارالبخاری، مدینہ منورہ

۸۶۔ امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی شافعی، متوفی 676ھ، الاذکار من کلام سیدالابرار، مطبوعہ: مکتبۂ نزار مصطفی الباز 1417ھ

۸۷۔ امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الشافعی، متوفی 676ھ، ریاض الصالحین، قدیمی کتب خانہ، کراچی

۸۸۔ امام ابومحمد علی بن زکریا المنبجی الحنفی، متوفی 686ھ، اللباب فی الجمع بین السنۃ والکتاب، دارخضر، بیروت 1419ھ

۸۹۔ امام محی الدین تبریزی شافعی، متوفی 742ھ، مشکوۃ، مطبوعہ: اصح المطابع، دہلی، دارارقم، بیروت، دارابن حزم 1423ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت

۹۰۔ امام علی بن عبدالکافی تقی الدین سبکی الشافعی، متوفی 746ھ، شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام، مطبوعہ: الدائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد، دکن

۹۱۔ تاج الدین علی بن عبد اللہ بن الحسن الارذدیلی التبریزی الشافعی، متوفی 746ھ، المعیار فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعۃ التی استشھد بھا الفقہاء، دار الاصلاح 2009ء

۹۲۔ امام شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر المعروف بابن قیم الجوزیہ حنبلی، متوفی 751ھ، جلاء الافہام فی فضل الصلوٰۃ والسلام علی محمد خیر الانام، مطبوعہ: دار الکتاب العربی، بیروت 1417ھ، دار الطباعۃ المحمدیہ 1388ھ

۹۳۔ حافظ جمال الدین عبد اللہ بن یوسف زیلعی حنفی، متوفی 762ھ، نصب الرایہ، مطبوعہ: مجلس علمی سورۃ ہند، 1357ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۹۴۔ حافظ ابوالفرج زین الدین عبد الرحمٰن بن احمد بن رجب الحنبلی البغدادی الدمشقی، متوفی 795ھ، احوال القبور واحوال اھلھا الی النشور، دار الکتب العربی، بیروت 1418ھ

۹۵۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، مجمع الزوائد، مطبوعہ: دار الکتاب العربی، بیروت 1402ھ، دار الفکر، بیروت 1414ھ

۹۶۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، کشف الاستار، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ، بیروت 1404ھ

۹۷۔ حافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی الشافعی، متوفی 807ھ، تقریب البغیہ بترتیب احادیث الحلیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1420ھ

۹۸۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، اتحاف الخیریۃ المہرۃ بزوائد المسانید العشرہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1442ھ

۹۹۔ امام ابوالعباس احمد بن ابوبکر بوصیری شافعی، متوفی 840ھ، زوائد ابن ماجہ علی الکتب الخمسہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1414ھ،

۱۰۰۔ حافظ علاؤ الدین بن علی بن عثمان ماردینی ترکمانی حنفی، متوفی 845ھ، الجوہر النقی، مطبوعہ: نشر السنہ ملتان

۱۰۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 848ھ، تلخیص المستدرک، مطبوعہ: مکتبہ دار الباز، مکہ مکرمہ

۱۰۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، المطالب العالیہ، مطبوعہ: مکتبۃ دار الباز، مکہ مکرمہ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۰۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی احادیث الاذکار، مطبوعہ: دار ابن کثیر، 1421ھ

۱۰۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی، شافعی، متوفی 852ھ، تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث رافعی الکبیر، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، 1417ھ

۱۰۵۔ امام زین الدین ابوالعباس احمد بن عبد اللطیف الزبیری حنفی متوفی 893ھ، التجرید الصریح لاحادیث الجامع الصحیح، مطبوعہ موسسۃ الرسالہ بیروت، 1430ھ

۱۰۶۔ امام عبدالرحمٰن بن عبدالسلام بن عبدالرحمٰن بن عثمان الصفوری الشافعی، متوفی 894ھ، نزہۃ المجالس ومنتخب النفائس، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۰۷۔ حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی الشافعی، متوفی 902ھ، القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع، مطبوعہ: مکتبۃ المؤید، دمشق 1408ھ

۱۰۸۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ

۱۰۹۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جامع الاحادیث الکبیر، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1414ھ

۱۱۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جمع الجوامع، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ

۱۱۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، البدور السافرہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ، دارابن حزم، بیروت 1414ھ

۱۱۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۱۱۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الخصائص الکبریٰ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۱۱۴۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، الصواعق المحرقہ فی الرد علی اہل البدع والزندقہ، مطبوعہ: مکتبۃ القاہرہ، مصر 1385ھ

۱۱۵۔ علامہ علی متقی بن حسام الدین ہندی برہان پوری حنفی، متوفی 975ھ، کنز العمال، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت

۱۱۶۔ حافظ عبدالرؤف بن علی بن زین العابدین المناوی الشافعی، متوفی 1031ھ، کنوز الحقائق من حدیث خیر الخلائق، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۱۱۷۔ امام محمد بن سلیمان المغربی المالکی، متوفی 1094ھ، جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد، مطبوعہ: مکتبہ ابن کثیر 1418ھ

۱۱۸۔ امام ابوعبداللہ محمد بن درویش الحوت البیرونی الحنفی، متوفی 1276ھ، اسنی المطالب فی احادیث مختلف المراتب، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1412ھ

۱۱۹۔ الحافظ ابوالفیض احمد بن محمد بن الصدیق الغماری الحسنی الشافعی، متوفی 1380ھ، المداوی لعلل الجامع الصغیر وشرح المناوی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1996ھ

۱۲۰۔ علامہ محمد ناصر الدین البانی الحنفی المتوفی 1420ھ، سلسلۃ الاحادیث صحیحہ، مطبوعہ: انصار السنہ پبلی کیشنز لاہور، مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع 1420ھ

۱۲۱۔ مولانا صالح بن عبداللہ بن حمید، نضرۃ النعیم فی مکارم اخلاق الرسول الکریم، مطبوعہ: دارالوسیلہ، للنشر والتوزیع

1425ھ

۱۲۲۔ مولانا عبدالسلام بن محمد بن عمر علوش، کتاب الجامع فی الاحادیث القدسیہ، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامی، 1426ھ

کتب تفاسیر

۱۲۳۔ امام ابوزکریا یحییٰ بن زیاد فراء حنفی، متوفّٰی 207ھ، معانی القرآن، مطبوعہ: بیروت

۱۲۴۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفّٰی 310ھ، جامع البیان، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت 1409ھ، دارالفکر بیروت

۱۲۵۔ امام عبدالرحمٰن بن محمد بن ادریس بن ابی حاتم رازی شافعی، متوفّٰی 327ھ، تفسیر القرآن العظیم، مطبوعہ: نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1417ھ

۱۲۶۔ امام ابومنصور محمد بن محمد ماتریدی حنفی، متوفّٰی 333ھ، تاویلات اہل السنہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۲۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی، متوفّٰی 370ھ، احکام القرآن، مطبوعہ سہیل اکیڈمی، لاہور، 1400ھ

۱۲۸۔ امام ابواسحاق احمد بن محمد بن ابراہیم الثعلبی، متوفّٰی 427ھ، تفسیر الثعلبی، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1422ھ

۱۲۹۔ امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن بن عبدالملک القشیری الشافعی، متوفّٰی 465ھ، تفسیر القشیری المسمّٰی لطائف الاسرار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۳۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری شافعی، متوفی 468ھ، الوسیط، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۳۱۔ امام شیخ الاسلام ابوالمظفر السمعانی الشافعی، متوفّٰی 489ھ، تفسیر القرآن، مطبوعہ: دارالوطن، ریاض 1418ھ

۱۳۲۔ علامہ محمود بن عمر زمخشری معتزلی، متوفّٰی 538ھ، الکشاف، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ،

۱۳۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المالکی المتوفّٰی 543ھ، احکام القرآن، مطبوعہ: دارالفکر بیروت

۱۳۴۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفّٰی 606ھ تفسیر کبیر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ

۱۳۵۔ امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی شافعی، متوفّٰی 606ھ، اسرار التنزیل وانوار التاویل، مطبوعہ: دارالکتب الوثاق، بغداد، عراق 1990ء

۱۳۶۔ علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی، متوفّٰی 668ھ، الجامع لاحکام القرآن، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1415ھ

۱۳۷۔ قاضی ابوالخیر عبد اللہ بن عمر بیضاوی شیرازی شافعی، متوفّٰی 685ھ، انوار التنزیل واسرار التاویل، مطبوعہ: دارفراس للنشر والتوزیع، مصر

۱۳۸۔ علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی حنفی، متوفّٰی 710ھ، مدارک التنزیل، مطبوعہ: دارالکتب العربیہ، پشاور

۱۳۹۔ علامہ عبد الرحمٰن بن محمد بن مخلوف ثعالبی، متوفی 857ھ، تفسیر الثعالبی، مطبوعہ: موسسۃ العالمی للمطبوعات، بیروت

۱۴۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، جلالین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۱۴۱۔ علامہ اسماعیل حقی حنفی، متوفی 1137ھ، روح البیان، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ

۱۴۲۔ علامہ احمد بن محمد صاوی مالکی، متوفی 1223ھ، تفسیر صاوی، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1421ھ

۱۴۳۔ علامہ السید عبد اللہ سبز، متوفی 1242ھ، تفسیر القرآن الکریم، مطبوعہ: دار الاسوۃ للطباعۃ والنشر، 1421ھ

۱۴۴۔ علامہ ابو الفضل سید محمود آلوسی حنفی، متوفی 1270ھ، روح المعانی، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت، دار الفکر بیروت 1417ھ

۱۴۵۔ نواب صدیق حسن بھوپالی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، فتح البیان، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۱۴۶۔ شیخ محمود الحسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، حاشیۃ القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور

۱۴۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، بیان القرآن، مطبوعہ: تاج کمپنی لمیٹڈ، لاہور

۱۴۸۔ علامہ سید محمد نعیم الدین مراد آبادی بریلوی، متوفی 1367ھ، خزائن العرفان

۱۴۹۔ مفتی احمد یار خان نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1391ھ، نور العرفان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، گجرات

۱۵۰۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، تفہیم القرآن، مطبوعہ: ادارہ ترجمان القرآن، لاہور

۱۵۱۔ غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی بریلوی، متوفی 1406ھ، التبیان العظیم فی تفسیر سورۃ التحریم، مطبوعہ: مکتبہ فانوس پبلی کیشنز، پاکستان 2003ء

۱۵۲۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری حنفی بریلوی، متوفی 1418ھ، ضیاء القرآن، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

۱۵۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ

۱۵۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، انوار تبیان القرآن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1431ھ

۱۵۵۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، ترجمہ وتحقیق وتخریج تفسیر خازن، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور 1427ھ

۱۵۶۔ مولانا حافظ محمد واحد بخش غوثوی مہاروی حنفی بریلوی غفرلہ، برکات القرآن، ترجمہ تفسیر مدارک التنزیل، فرید بک اسٹال لاہور 1430ھ

شروح احادیث

۱۵۷۔ امام ابو بکر محمد بن ابراہیم بن المنذر النیشاپوری المتوفی 318ھ، الاوسط من السنن والاجماع والاختلاف، مطبوعہ: دار الفلاح 1430ھ

۱۵۸۔ الامام ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، معالم السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۵۹۔ الامام ابو سلیمان حمد بن محمد الخطابی الشافعی، متوفی 388ھ، اعلام السنن، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۱۶۰۔ علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبدالملک ابن بطال مالکی، متوفی 449ھ، شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد، ریاض 1420ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۱۶۱۔ حافظ ابوعمرو ابن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستذکار (شرح الموطا)، مطبوعہ: موسسۃ الرسالہ بیروت، 1413ھ

۱۶۲۔ حافظ ابوعمرو بن عبد البر مالکی، متوفی 463ھ، التمہید، مطبوعہ: مکتبۃ القدوسیہ، لاہور 1404ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۳۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، القبس فی شرح موطا بن انس، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۶۴۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ ابن العربی اندلسی مالکی متوفی 543ھ، عارضۃ الاحوذی بشرح صحیح الترمذی، دارالکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ

۱۶۵۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، اکمال المعلم بفوائد مسلم، مطبوعہ: دارالوفاء بیروت 1419ھ

۱۶۶۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی بن محمد جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، کشف المشکل علیٰ صحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1444ھ

۱۶۷۔ امام ابومحمد عبدالجلیل بن موسیٰ اندلسی مالکی، متوفی 608ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1416ھ

۱۶۸۔ امام عبدالعظیم بن عبدالقوی منذری شافعی، متوفی 656ھ، مختصر سنن ابوداؤد، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت

۱۶۹۔ علامہ ابوالعباس احمد بن عمر ابراہیم القرطبی المالکی، متوفی 656ھ، المفہم، مطبوعہ: دارابن کثیر، بیروت 1417ھ

۱۷۰۔ علامہ ابوعبداللہ فضل اللہ بن الحسن التورپشتی الشافعی، متوفی 661ھ، کتاب المیسر فی شرح مصابیح السنہ، مکتبہ نزار مصطفی 1422ھ

۱۷۱۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، شرح مسلم، مطبوعہ: نور محمد اصح المطابع، کراچی 1375ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز 1417ھ

۱۷۲۔ امام ابومحمد عبداللہ بن ابی حمزہ الاندلسی المالکی، متوفی 699ھ، بہجۃ النفوس، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1428ھ

۱۷۳۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، فتح الباری مطبوعہ: دارابن الجوزی، ریاض 1417ھ

۱۷۴۔ علامہ ابن رجب حنبلی، متوفی 736ھ، الاحادیث والآثار، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1429ھ

۱۷۵۔ علامہ شرف الدین حسین بن محمد الطیبی الشافعی، متوفی 743ھ، شرح الطیبی، ادارۃ القرآن 1413ھ

۱۷۶۔ حافظ علاء الدین مغلطائی ابن قلیج بن عبد اللہ الحنفی المتوفی 762ھ، شرح ابن ماجہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1424ھ

۱۷۷۔ علامہ محمد بن یوسف کرمانی شافعی، متوفی 786ھ، تحقیق الکواکب الدراری شرح البخاری، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ

۱۷۸۔ علامہ محمد بن بہادر الزرکشی التوفی 794ھ، التنقیح لالفاظ الجامع الصحیح، دارالکتب العلمیہ بیروت 1424ھ

۱۷۹۔ علامہ ابوحفص عمر بن علی بن احمد الانصاری الشافعی المعروف بہ ابن الملقن، متوفی 804ھ، التوضیح لشرح الجامع الصحیح، مطبوعہ: وزارۃ الاوقاف، قطر 1429ھ

۱۸۰۔ امام قاضی بدرالدین الدمامینی المالکی، متوفی 827ھ، مصابیح الجامع، مطبوعہ: دارالنور 1431ھ

۱۸۱۔ علامہ ابوعبد اللہ محمد بن خلیفہ وشتانی مالکی، متوفی 828ھ، اکمال اکمال المعلم، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۸۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، تغلیق التعلیق علی صحیح البخاری، المکتب الاسلامی بیروت 1420ھ

۱۸۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، فتح الباری، مطبوعہ: دارنشر الکتب الاسلامیہ، لاہور 1401ھ، بیروت 1420ھ، دارالمعرفہ، بیروت 1426ھ

۱۸۴۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، انتقاض الاعتراض فی الرد علی العینی فی شرح البخاری، مکتبۃ الرشد، ریاض 1418ھ

۱۸۵۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار، مطبوعہ: دارابن کثیر، بیروت

۱۸۶۔ حافظ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، عمدۃ القاری، مطبوعہ: ادارۃ الطباعہ المنیریہ، مصر 1348ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۱۸۷۔ حافظ بدرالدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، شرح سنن ابوداؤد، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد للنشر والتوزیع 1420ھ

۱۸۸۔ علامہ محمد بن محمد سنوسی مالکی، متوفی 895ھ، مکمل اکمال المعلم، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۱۸۹۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، ارشاد الساری، مطبوعہ: مطبع میمنہ مصر 1306ھ

۱۹۰۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، التوشیح علی الجامع الصحیح، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ بیروت 1420ھ

۱۹۱۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الدیباج علی صحیح مسلم بن الحجاج، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1412ھ

۱۹۲۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، تنویر الحوالک شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، بیروت 1418ھ

۱۹۳۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، الرسائل العشر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1409ھ

۱۹۴۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، تحفۃ الباری فی شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ،

بیروت 1425ھ

۱۹۵۔ علامہ ابویحییٰ زکریا بن محمد انصاری شافعی، متوفی 926ھ، منحۃ الباری بشرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1426ھ

۱۹۶۔ علامہ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، اشرف الوسائل الی فہم الشمائل، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۱۹۷۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، فیض القدیر، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1391ھ، مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ

۱۹۸۔ علامہ عبدالرؤف مناوی شافعی، متوفی 1003ھ، شرح الشمائل، مطبوعہ: اصح المطابع، کراچی

۱۹۹۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح الشفاء، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۲۰۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، شرح مسند ابی حنیفہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۲۰۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، مرقات، مطبوعہ: مکتبہ امدادیہ، ملتان 1390ھ

۲۰۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، اسرار المرفوعہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۲۰۳۔ شیخ محمد بن علی بن محمد شوکانی غیر مقلد، متوفی 1025ھ، تحفۃ الذاکرین، مطبوعہ: مطبع مصطفی البابی، مصر 1350ھ

۲۰۴۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، اشعۃ اللمعات، مطبوعہ: مطبع تیج کمار لکھنو، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲۰۵۔ علامہ شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر الخفاجی المصری الحنفی، متوفی 1069ھ، نسیم الریاض فی شرح الشفاء قاضی عیاض، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۲۰۶۔ شیخ نور الحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1073ھ، تیسیر القاری فی شرح صحیح بخاری، مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

۲۰۷۔ امام محمد بن عبدالباقی بن یوسف الزرقانی المصری المالکی، متوفی 1122ھ، شرح الزرقانی (شرح موطا امام مالک)، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1417ھ

۲۰۸۔ شیخ ابوالطیب صدیق بن حسن الحسینی القنوجی غیر مقلد، متوفی 1307ھ، عون الباری لحل ادلۃ الصحیح البخاری، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1429ھ

۲۰۹۔ امام محمد الفضیل بن الفاطمی الشبیہی الزرہونی المالکی، متوفی 1398ھ، الفجر الساطع علی الصحیح الجامع، مطبوعہ: مکتبۃ الرشد 1430ھ

۲۱۰۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، لامع الدراری علی جامع البخاری، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی

۲۱۱۔ شیخ عبدالرحمٰن مبارک پوری غیر مقلد، متوفی 1325ھ، تحفۃ الاحوذی، مطبوعہ: نشر السنہ، ملتان، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۲۱۲۔ شیخ وحید الزمان غیر مقلد، متوفی 1328ھ، تیسیر الباری ترجمہ وتشریح صحیح بخاری، مطبوعہ: نعمانی کتب خانہ، لاہور 1990ھ

۲۱۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفّٰی 1340ھ، جامع الاحادیث، مطبوعہ: مکتبہ مرکز اہلسنت برکات رضا، گجرات 1422ھ

۲۱۴۔ شیخ انور شاہ کشمیری دیوبندی، متوفّٰی 1352ھ، فیض الباری، مطبوعہ: مطبع حجازی، مصر 1375ھ

۲۱۵۔ شیخ شبیر احمد عثمانی دیوبندی، متوفّٰی 1369ھ، فتح الملھم، مطبوعہ: مکتبۃ الحجاز، کراچی

۲۱۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی الحنفی، متوفّٰی 1414ھ، شعب الایمان، مطبوعہ: دار الکلم الطیب، بیروت 1430ھ

۲۱۷۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین الحنبلی النجدی، متوفّٰی 1421ھ، شرح صحیح بخاری، مکتبۃ الطبری، 1429ھ

۲۱۸۔ شیخ محمد بن زکریا بن محمد کاندھلوی دیوبندی، اوجز المسالک الی موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۲۱۹۔ شیخ محمد تقی عثمانی دیوبندی، انعام الباری شرح صحیح البخاری، مطبوعہ: مکتبۃ الحراء

۲۲۰۔ شیخ سلیم اللہ خان دیوبندی، کشف الباری، مطبوعہ: مکتبہ فاروقیہ، کراچی

۲۲۱۔ ابو محمد عبد اللہ بن مانع الروقی، الحلل الابریزیہ من التعلیقات البازیہ علی صحیح البخاری، دار التدمریہ، ریاض 1428ھ

کتب اصول احادیث

۲۲۲۔ علامہ ابو بکر محمد بن موسیٰ بن عثمان بن حازم الحازمی الھمدانی المتوفّٰی 584ھ، کتاب الفیصل فی علم الحدیث، مکتبۃ الرشد، ریاض 1428ھ

۲۲۳۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفّٰی 676ھ، تقریب النواوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ

۲۲۴۔ علامہ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفّٰی 911ھ، تدریب الراوی، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مدینہ منورہ 1392ھ

۲۲۵۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفّٰی 1014ھ، شرح نخبۃ الفکر، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ

کتب اسماء الرجال

۲۲۶۔ امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری شافعی، متوفّٰی 256ھ، التاریخ الکبیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ

۲۲۷۔ امام احمد بن شعیب نسائی شافعی، متوفّٰی 303ھ، منہج الامام النسائی فی الجرح والتعدیل، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1424ھ

۲۲۸۔ امام ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادی شافعی، متوفّٰی 436ھ، تاریخ بغداد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۲۲۹۔ حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف مزی شافعی، متوفّٰی 742ھ، تہذیب الکمال، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1414ھ

۲۳۰۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفّٰی 748ھ، میزان الاعتدال، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۳۱۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفّٰی 748ھ، الکاشف، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1418ھ

۲۳۲۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفّٰی 852ھ، تہذیب التہذیب، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۳۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ تقریب التہذیب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۳۴۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ اللآلی المصنوعہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ
۲۳۵۔ حافظ جلال الدین سیوطی شافعی، متوفی 911ھ، طبقات الحفاظ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۲۳۶۔ حافظ صفی الدین احمد بن عبد اللہ الخزرجی الشافعی، متوفی 923ھ، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال فی اسماء الرجال، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1422ھ
۲۳۷۔ علامہ محمد بن طولون شافعی، متوفی 953ھ، الشذرہ فی الاحادیث المشتہرہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1413ھ
۲۳۸۔ علامہ ابوالحسن علی بن محمد بن عراق الکنانی شافعی، متوفی 963ھ، تنزیہہ الشریعہ المرفوعہ عن الاخبار الشریعہ الموضوعہ
۲۳۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، تذکرۃ الموضوعات، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1401ھ
۲۴۰۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، موضوعات کبیر، مطبوعہ: مکتبہ مجتبائی دہلی
۲۴۱۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، الاسرار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ، مطبوعہ: دارالباز للنشر والتوزیع 1405ھ
۲۴۲۔ علامہ علی بن سلطان محمد القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، المصنوع فی معرفۃ الحدیث الموضوع، مطبوعہ: مکتبہ المطبوعات الاسلامیہ، حلب 1389ھ
۲۴۳۔ علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی، متوفی 1164ھ، کشف الخفاء ومزیل الالباس، مطبوعہ: مکتبہ الغزالی، دمشق
۲۴۴۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز 1415ھ
۲۴۵۔ یوسف عبد الرحمٰن المرعشلی معجم المعاجم والمشیخات، مکتبۃ الرشد، ریاض 1426ھ

کتب لغت

۲۴۶۔ امام اللغۃ خلیل بن احمد فراہیدی، متوفی 175ھ، کتاب العین، مطبوعہ: انتشارات اسوہ، ایران 1414ھ
۲۴۷۔ امام ابوعبید القاسم بن سلام الھروی الشافعی، متوفی 224ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۲۴۸۔ امام ابومحمد عبد اللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری، متوفی 276ھ، غریب الحدیث، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1408ھ
۲۴۹۔ علامہ اسماعیل بن حماد الجوہری الشافعی، متوفی 398ھ، الصحاح، مطبوعہ: دارالعلم، بیروت 1404ھ
۲۵۰۔ علامہ حسین بن محمد راغب اصفہانی شافعی، متوفی 502ھ، المفردات، مطبوعہ: مکتبہ نزار مصطفی الباز، مکہ مکرمہ 1418ھ

۲۵۱۔ علامہ نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد النسفی الحنفی، متوفی 537ھ، طلبۃ الطلبہ فی الاصلاحات الفقہیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۵۲۔ امام ابونصر احمد بن محمد سمرقندی حنفی، متوفی 550ھ، انیس الفقہاء فی تعریفات الالفاظ المتداولۃ بین الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ،

۲۵۳۔ علامہ محمد بن اثیر الجزری الشافعی، متوفی 606ھ، نہایہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۵۴۔ علامہ محمد بن ابوبکر بن عبدالقادر رازی حنفی، متوفی 660ھ، مختار الصحاح، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۲۵۵۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی شافعی، متوفی 676ھ، تہذیب الاسماء واللغات، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۵۶۔ علامہ جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، متوفی 711ھ، لسان العرب، مطبوعہ: نشر ادب الحوزہ، قم ایران، دار صادر، بیروت 2003ء

۲۵۷۔ علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی الحنفی، متوفی 816ھ، کتاب التعریفات، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت

۲۵۸۔ علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی، متوفی 817ھ، القاموس المحیط، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت

۲۵۹۔ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی، متوفی 986ھ، مجمع بحار الانوار، مطبوعہ: مکتبہ دار الایمان، مدینہ منورہ 1415ھ

۲۶۰۔ علامہ سید محمد مرتضیٰ حسینی زبیدی حنفی، متوفی 1205ھ، تاج العروس، مطبوعہ: المطبعۃ الخیریہ، مصر

۲۶۱۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد، مطبوعۃ المطبع الفاتولیکہ، بیروت 1927ء

۲۶۲۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد مترجم، مطبوعہ: دار الاشاعت، کراچی

۲۶۳۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی الاعلام، مطبوعہ: دار المشرق، بیروت 1976ء

۲۶۴۔ لوئیس معلوف الیسوعی، متوفی 1867ء، المنجد فی اللغت، مطبوعہ: انتشارات اسلام 1379ء

۲۶۵۔ مولانا محمد غیاث الدین، غیاث اللغات (فارسی)، مطبوعہ: مطبع ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۲۶۶۔ الحاج مولوی فیروز الدین، فیروز اللغات (اردو)، مطبوعہ، مطبع فیروز سنز لمیٹڈ

۲۶۷۔ سعدی الوجیب، القاموس الفقہی لغۃ واصطلاحا، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، پاکستان

۲۶۸۔ غلام احمد پرویز، متوفی 1985، لغات القرآن، ادارہ طلوع اسلام گلبرگ لاہور 1984ء

۲۶۹۔ قاضی عبدالنبی بن عبدالرسول احمد نگری حنفی، دستور العلماء، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، بیروت 1421ھ

۲۷۰۔ ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندھری، قائد اللغات، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور

کتب تاریخ، سیرت وفضائل

۲۷۱۔ امام ابومحمد عبدالملک بن ہشام المعافری، متوفی 218ھ، السیرۃ النبویہ، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1415ھ

۲۷۲۔ امام محمد بن سعد، متوفی 230ھ، الطبقات الکبریٰ، مطبوعہ: دارصادر، بیروت 1388ھ، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1418ھ

۲۷۳۔ امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری شافعی، متوفی 310ھ، تاریخ الامم والملوک، مطبوعہ: دارالقلم، بیروت

۲۷۴۔ امام ابوبکر محمد بن جعفر بن محمد بن سہل السامری الخرائطی، متوفی 327ھ، مکارم الاخلاق ومعالیہا ومحمود طرائقہا ومرضیہا، مطبوعہ: مطبع المدنی، موسستہ السعودیہ، 1411ھ

۲۷۵۔ امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی الشافعی، متوفی 405ھ، اعلام النبوۃ، داراحیاء العلوم، بیروت 1408ھ

۲۷۶۔ امام ابوسعید عبدالملک بن ابی عثمان نیشاپوری شافعی، متوفی 406ھ، شرف المصطفیٰ، مطبوعہ: دارالبشائر الاسلامیہ، مکہ مکرمہ 1424ھ

۲۷۷۔ امام ابوبکر احمد بن علی الخطیب البغدادی، متوفی 463ھ، تاریخ بغداد، دارالفکر بیروت، 1424ھ

۲۷۸۔ حافظ ابوعمرو یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر مالکی، متوفی 463ھ، الاستیعاب، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۲۷۹۔ امام محی السنہ الحسین بن مسعود بن محمد الفراء البغوی الشافعی، متوفی 510ھ، الانوار فی شمائل النبی المختار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1426ھ

۲۸۰۔ قاضی عیاض بن موسیٰ مالکی، متوفی 544ھ، الشفاء، مطبوعہ: عبدالتواب اکیڈمی، ملتان، دارالفکر بیروت 1415ھ

۲۸۱۔ امام ابوالقاسم عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن احمد الخثعمی السہیلی، متوفی 581ھ، الروض الانف فی تفسیر سیرۃ النبویہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۲۸۲۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، الوفاء، مطبوعہ: مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد

۲۸۳۔ علامہ عبدالرحمٰن بن علی جوزی حنبلی، متوفی 597ھ، مولد العروس الشہیر بابن الجوزی، مطبوعہ: المکتبۃ الثقافیہ، بیروت

۲۸۴۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر شافعی، متوفی 630ھ، اسد الغابہ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت، دارالفکر بیروت

۲۸۵۔ علامہ ابوالحسن علی بن ابی الکرم الشیبانی المعروف بابن الاثیر، متوفی 630ھ، الکامل فی التاریخ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت

۲۸۶۔ علامہ شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان شافعی، متوفی 681ھ، وفیات الاعیان، مطبوعہ: منشورات الشریف الرضی، ایران

۲۸۷۔ امام ابوجعفر احمد الشہیر بالمحب الطبری، متوفی 694ھ، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت

۲۸۸۔ حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی شافعی، متوفی 748ھ، سیر اعلام النبلاء، مطبوعہ: دارالفکر، بیروت 1417ھ

۲۸۹۔ شیخ ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ الحنبلی، متوفی 751ھ، زادالمعاد، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1419ھ

۲۹۰۔ حافظ علاؤالدین ابوعبداللہ مغلطائی بن قلیج، متوفی 762ھ، الاشارۃ الی سیرۃ المصطفیٰ وتاریخ من بعدہ من الخلفاء،

مطبوعہ: دار القلم، دمشق 1416ھ

۲۹۱۔ علامہ تاج الدین ابو نصر عبد الوہاب سبکی شافعی، متوفی 771ھ، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1420ھ

۲۹۲۔ حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر شافعی، متوفی 774ھ، البدایہ والنہایہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1418ھ

۲۹۳۔ حافظ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر عسقلانی شافعی، متوفی 852ھ، الاصابہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت

۲۹۴۔ شیخ عبد الرحمٰن الثعلبی، متوفی 875ھ، الانوار فی آیات النبی المختار، مطبوعہ: دار ابن حزم 1426ھ

۲۹۵۔ علامہ نور الدین علی بن احمد سمہودی شافعی، متوفی 911ھ، وفاء الوفاء، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1401ھ

۲۹۶۔ علامہ احمد قسطلانی شافعی، متوفی 911ھ، المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1416ھ

۲۹۷۔ علامہ محمد بن یوسف الصالحی الشامی، متوفی 942ھ، سبل الہدیٰ والرشاد، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ

۲۹۸۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی حنفی، متوفی 1052ھ، مدارج النبوۃ، مکتبہ نوریہ، سکھر پاکستان 1397ھ

۲۹۹۔ علامہ محمد عبد الباقی زرقانی مالکی، متوفی 1124ھ، شرح المواہب اللدنیہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت 1393ھ

۳۰۰۔ شیخ عبد اللہ بن الشیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی، متوفی 1242ھ مختصر سیرۃ الرسول، مطبوعہ: المکتبۃ السلفیہ 1399ھ

کتب فقہ حنفی

۳۰۱۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (کتاب الاصل) مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی

۳۰۲۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، مبسوط (شرح الکافی)، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، 1398ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۳۰۳۔ امام محمد بن حسن الشیبانی، متوفی 189ھ، الجامع الصغیر، مطبوعہ: مصطفائی ہند 1291ھ

۳۰۴۔ امام محمد محمد بن الشہیر الحاکم الشہید البلخی الحنفی، متوفی 344ھ، الکافی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1421ھ

۳۰۵۔ امام ابو بکر الرازی الجصاص المتوفی 370ھ، شرح مختصر الطحاوی، فتاویٰ فی الفقہ الحنفی، مکتبۃ الکریمیہ کانسی روڈ کوئٹہ

۳۰۶۔ ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ اسلامیہ، کوئٹہ، امجد اکیڈمی، لاہور 1397ھ

۳۰۷۔ امام ابو اللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی المتوفی 373ھ، فتاویٰ ابو اللیث سمر قندی، المیاۃ بمختلف الروایۃ، مکتبہ محمدیہ 1423ھ

۳۰۸۔ امام ابو اللیث نصر بن محمد ابراہیم السمر قندی، متوفی 373ھ، خزانۃ الفقہ، المکتبۃ الغفوریہ العاصمیہ، کراچی

۳۰۹۔ شیخ الاسلام قاضی القضاۃ ابو الحفص علی بن الحسن بن محمد السعدی الحنفی المتوفی 461ھ، النتف فی الفتاویٰ، مکتبہ عثمانیہ، کوئٹہ

۳۱۰۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، المبسوط، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت 1398ھ

۳۱۱۔ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی، متوفی 483ھ، شرح سیر کبیر، مطبوعہ: المکتبۃ الاسلامیہ، افغانستان 1405ھ

۳۱۲۔ علامہ علاؤ الدین محمد السمر قندی، متوفی 539ھ، تحفۃ الفقہاء، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1405ھ

۳۱۳۔ الامام اکمل الفقیہ الامجد طاہر بن عبد الرشید البخاری، متوفی 542ھ، خلاصۃ الفتاویٰ مطبوعہ: مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ

۳۱۴۔ الوزیر عون الدین ابو المظفر یحییٰ بن محمد ہبیرہ، متوفی 560ھ، الافصاح عن معانی الصحاح، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۱۵۔ علامہ ابو بکر بن مسعود کاسانی، متوفی 587ھ، بدائع الصنائع، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۱۶۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ، فتاویٰ قاضی خان، مطبوعہ: کبریٰ بولاق، مصر 1310ھ

۳۱۷۔ علامہ حسین بن منصور اوز جندی، متوفی 592ھ، شرح الزیادات، دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۱۸۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، ہدایہ اولین وآخرین، مطبوعہ: شرکت علمیہ، ملتان

۳۱۹۔ علامہ ابو الحسن علی بن ابی بکر مرغینانی، متوفی 593ھ، کتاب التجنیس والمزید، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ 1424ھ

۳۲۰۔ علامہ برہان الدین محمود بن صدر الشریعہ ابن مازہ البخاری، متوفی 616ھ، المحیط البرہانی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی 1424ھ

۳۲۱۔ علامہ عبد اللہ بن محمود بن مودود حنفی، متوفی 683ھ، الاختیار لتعلیل المختار، مطبوعہ: دار فراس للنشر والتوزیع

۳۲۲۔ امام فخر الدین عثمان بن علی، متوفی 743ھ، تبیین الحقائق، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی 1421ھ

۳۲۳۔ علامہ محمد بن محمود بابرتی، متوفی 786ھ، عنایہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ بیروت 1415ھ

۳۲۴۔ علامہ عالم بن العلاء انصاری دہلوی، متوفی 786ھ، فتاویٰ تاتارخانیہ، مطبوعہ: ادارۃ القرآن کراچی 1411ھ

۳۲۵۔ علامہ بدر الدین محمود بن احمد عینی حنفی، متوفی 855ھ، بنایہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت، 1411ھ

۳۲۶۔ علامہ کمال الدین بن ہمام، متوفی 861ھ، فتح القدیر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1415ھ

۳۲۷۔ علامہ ابراہیم بن محمد حلبی، متوفی 956ھ، غنیۃ المستملی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور 1412ھ

۳۲۸۔ امام شمس الدین محمد الخراسانی القہستانی، متوفی 962ھ، جامع الرموز، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی

۳۲۹۔ علامہ زین الدین بن نجیم، متوفی 970ھ، البحر الرائق، مطبوعہ: علمیہ، مصر 1311ھ

۳۴۰۔ امام شہاب الدین احمد محمد بن علی بن حجر الہیتمی، متوفی 974ھ، الفتاوی الکبری الفقہیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1417ھ

۳۴۱۔ امام سراج الدین عمر بن ابراہیم بن نجیم الحنفی، متوفی 1005ھ، النہر الفائق، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی

۳۴۲۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، فتح باب العنایہ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۳۔ ملا علی بن سلطان محمد القاری، متوفی 1014ھ، مناسک ملا علی قاری، مطبوعہ: ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ 1417ھ

۳۴۴۔ ملا نظام الدین، متوفی 1061ھ، فتاویٰ عالمگیری، مطبوعہ: مطبع کبریٰ امیریہ بولاق مصر، 1310ھ

۳۴۵۔ علامہ ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی الفقیہ العصری الحنفی، متوفی 1069ھ، امداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجات الارواح، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1421ھ

۳۴۶۔ علامہ محمد سلیمان داماد آفندی، متوفی 1078ھ، مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، مطبوعہ: المکتبۃ الغفاریہ، کوئٹہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت 1419ھ

۳۴۷۔ علامہ خیر الدین رملی، متوفی 1081ھ، جامع الفصولین، مکتبۃ القدس، کوئٹہ 1300ھ

۳۴۸۔ علامہ علاؤالدین محمد بن علی بن محمد حصکفی، متوفی 1088ھ، الدر المختار، داراحیاء التراث العربی، بیروت 1426ھ

۳۴۹۔ علامہ السید اسعد بن ابی بکر آفندی الحنفی التوفی 110ھ، الفتاوی الاسعدیہ فی الفقہ الحنفیہ، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ

۳۵۰۔ علامہ شاہ عبدالعزیز محمد دہلوی، متوفی 1229ھ، فتاویٰ عزیزی، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1390ھ

۳۵۱۔ علامہ احمد بن محمد طحطاوی، متوفی 1231ھ، حاشیۃ الطحطاوی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ

۳۵۲۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، منحۃ الخالق، مطبوعہ: مکتبہ علمیہ، مصر 1311ھ

۳۵۳۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ، مطبوعہ: دارالاشاعۃ العربی، کوئٹہ

۳۵۴۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، رسائل ابن عابدین شامی، مطبوعہ: سہیل اکیڈمی، لاہور

۳۵۵۔ علامہ سید محمد امین ابن عابدین شامی، متوفی 1252ھ، ردالمحتار، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1419ھ

۳۵۶۔ علامہ شاہ محمد مسعود محدث دہلوی، متوفی 1309ھ، فتاویٰ مسعودی، سرہند پبلی کیشنز 1407ھ

۳۵۷۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ: محمد سعید اینڈ سنز، کراچی

۳۵۸۔ شیخ رشید احمد گنگوہی دیوبندی، متوفی 1323ھ، احسن الفتاویٰ، مطبوعہ: ایچ ایم سعید کمپنی 1425ھ

۳۵۹۔ امام احمد رضا خان بریلوی، متوفی 1340ھ، العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ، رضا فاؤنڈیشن لاہور 1427ھ

۳۶۰۔ علامہ سید پیر مہر علی شاہ، متوفی 1356ھ، فتاویٰ مہریہ، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹر، لاہور 1418ھ

۳۶۱۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، بہار شریعت، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1416ھ

۳۶۲۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی حنفی بریلوی، متوفی 1367ھ، فتاویٰ امجدیہ، مطبوعہ: مکتبہ رضویہ 1419ھ

۳۶۳۔ شیخ محمد شفیع دیوبندی، متوفی 1396ھ، جواہر الفقہ، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی 1395ھ

۳۶۴۔ مولانا نوراللہ نعیمی بصیر پوری حنفی بریلوی، متوفی 1403ھ، فتاویٰ نوریہ، مطبوعہ: کمبائن پرنٹرز، لاہور 1983ھ

۳۶۵۔ مولانا وقار الدین حنفی بریلوی، متوفی 1413ھ، وقار الفتاویٰ، مطبوعہ: بزم وقار الدین 1997ء

۳۶۶۔ الشیخ اسعد محمد سعید الصاگرجی الحنفی التوفی 1414ھ، الفقہ الحنفی وادلتہ، دارالکلم الطیب، بیروت 1420ھ

۳۶۷۔ مولانا محمد عبداللہ نعیمی حنفی بریلوی، متوفی 1982ھ، فتاویٰ مجددیہ نعیمیہ، ناشر: مفتی اعظم سندھ اکیڈمی 1411ھ

۳۶۸۔ شیخ الاسلام علامہ الشیخ عبد الغنی النابلسی الحنفی النقشبندی المتوفی 1123ھ، فتاوی النابلسی المسماۃ بنھایۃ المراد فی شرح ہدایہ، ابن العماد، مکتبہ حقانیہ کوئٹہ 1429ھ

۳۶۹۔ مفتی اہلسنت علامہ سید شجاعت علی قادری حنفی بریلوی، متوفی 1993ء، فقہ اہلسنت، مطبوعہ: مدینہ پبلی کیشنز، کراچی 1978ء

۳۷۰۔ مفتی اعظم پاکستان علامہ مفتی منیب الرحمٰن حنفی بریلوی غفرلہ، تفہیم المسائل، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، 1407ھ

۳۷۱۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی، انوار الفتاویٰ، مطبوعہ: فرید بک اسٹال، لاہور 1428ھ

۳۷۲۔ شیخ سعید بن علی السمر قندی الحنفی الفتاوی فی الحیل والمخارج المسمی بجنۃ الاحکام وجنۃ الخصام، المکتبۃ الحقانیہ، کوئٹہ 1431ھ

۳۷۳۔ شیخ عبد الحمید محمود طہمار، الفقہ الحنفی فی ثوبہ الجدید، المکتبۃ الحقانیہ کوئٹہ 1418ھ

کتب فقہ شافعیہ

۳۷۴۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الام، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1403ھ

۳۷۵۔ علامہ ابو الحسین علی بن محمد حبیب الماوردی شافعی، متوفی 450ھ، الحاوی الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، 1414ھ

۳۷۶۔ علامہ ابو اسحاق شیرازی، متوفی 455ھ، المہذب، مطبوعہ: دار المعرفہ بیروت، 1393ھ

۳۷۷۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، شرح المہذب، مطبوعہ: دار الفکر بیروت، دار الکتب العلمیہ بیروت 1423ھ

۳۷۸۔ علامہ یحییٰ بن شرف نووی، متوفی 676ھ، روضۃ الطالبین، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1412ھ

۳۷۹۔ شیخ الاسلام احمد بن محمد بن علی بن حجر الہیتمی الشافعی، متوفی 974ھ، الفتاویٰ الحدیثیہ، 1419ھ

کتب فقہ مالکیہ

۳۸۰۔ امام سحنون بن سعید تنوخی مالکی، متوفی 256ھ، المدونۃ الکبریٰ، مطبوعہ: دار احیاء التراث العربی، بیروت

۳۸۱۔ امام ابو الولید سلیمان بن خلف الباجی المالکی، متوفی 494ھ، المنتقیٰ شرح موطا امام مالک، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1331ھ

۳۸۲۔ قاضی عبد الولید محمد بن احمد بن رشد مالکی اندلسی، متوفی 595ھ، بدایۃ المجتہد، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۳۸۳۔ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن الحطاب المغربی، متوفی 954ھ، مواہب الجلیل لشرح مختصر خلیل، مطبوعہ: مکتبۃ النجاح، لیبیا

۳۸۴۔ علامہ علی بن عبد اللہ بن الخرشی، متوفی 1101ھ، الخرشی علی مختصر خلیل، مطبوعہ: دار صادر، بیروت

۳۸۵۔ علامہ ابو البرکات، احمد دردیر مالکی، متوفی 1197ھ، الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

۳۸۶۔ علامہ شمس الدین محمد بن عرفہ دسوقی، متوفی 1219ھ، حاشیۃ الدسوقی علی الشرح الکبیر، مطبوعہ: دار الفکر بیروت

کتب فقہ حنبلی

۳۸۷۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، المغنی، مطبوعہ: دارالحدیث قاہرہ، 1425ھ
۳۸۸۔ علامہ موفق الدین عبداللہ بن احمد بن قدامہ، متوفی 620ھ، الکافی، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1414ھ
۳۸۹۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، مجموعۃ الفتاویٰ، مطبوعہ: ریاض، دارالجیل، بیروت 1418ھ
۳۹۰۔ شیخ ابوالعباس تقی الدین بن تیمیہ، متوفی 728ھ، اقتضاء الصراط المستقیم مخالفۃ اصحاب الجحیم، مطبوعہ: دارالفکر بیروت 1424ھ، دارالکتب العلمیہ بیروت 1426ھ
۳۹۱۔ علامہ شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن فتاح مقدسی، متوفی 763ھ، کتاب الفروع، مطبوعہ: عالم الکتب، بیروت
۳۹۲۔ علامہ ابوالحسین علی بن سلیمان مرداوی، متوفی 885ھ، الانصاف، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1387ھ
۳۹۳۔ علامہ موسیٰ بن احمد صالحی، متوفی 960ھ، الاقناع، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ بیروت، 1418ھ
۳۹۴۔ شیخ منصور بن یونس البھوتی الحنبلی، متوفی 1015ھ، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۳۹۵۔ شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن عبدالرحمن ابن باز حنبلی، متوفی 1420ھ، 1999ء، مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعہ، مکتبۃ المورد، ریاض 1427ھ

کتب فقہ غیر مقلدین

۳۹۶۔ شیخ علی بن احمد بن حزم اندلسی، متوفی 456ھ، المحلیٰ بالآثار، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ
۳۹۷۔ شیخ محمد بن علی شوکانی، متوفی 1250ھ، نیل الاوطار، مکتبۃ الکلیات الازہریہ، مصر 1398ھ، دارالوفاء، 1421ھ
۳۹۸۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری، متوفی 1367ھ، فتاویٰ ثنائیہ، مطبوعہ: النور اکیڈمی، مکتبہ ثنائیہ سرگودھا
۳۹۹۔ مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، متوفی 1805ھ، فتاویٰ نذیریہ، مکتبۃ المعارف الاسلامیہ، پاکستان 1333ھ
۴۰۰۔ شیخ حافظ عبداللہ محدث روپڑی، متوفی 1920ھ، فتاویٰ اہلحدیث، مطبوعہ: داراحیاء السنۃ النبویہ، پاکستان 1404ھ

کتب اصول فقہ

۴۰۱۔ امام محمد بن ادریس شافعی، متوفی 204ھ، الرسالہ، مطبوعہ: مطبع امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1312ھ
۴۰۲۔ فخر الاسلام علی بن محمد بزدوی حنفی، متوفی 482ھ، اصول بزدوی، مطبوعہ: نور محمد کارخانہ تجارت کتب، کراچی
۴۰۳۔ علامہ ابوبکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی، متوفی 483ھ، اصول السرخسی، مطبوعہ: دارالمعرفہ، بیروت
۴۰۴۔ امام ابوحامد محمد بن محمد غزالی شافعی، متوفی 505ھ، مستصفیٰ، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ
۴۰۵۔ علامہ علاؤ الدین عبدالعزیز بن احمد البخاری الحنفی، متوفی 730ھ، کشف الاسرار، مطبوعہ: دارالکتاب العربی 1411ھ
۴۰۶۔ علامہ جمال الدین اسنوی، متوفی 772ھ، شرح المنہاج، مطبوعہ: دارالکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ
۴۰۷۔ علامہ کمال الدین ابن ہمام حنفی، متوفی 861ھ، تحریر، مطبوعہ: داراحیاء التراث العربی، بیروت 1403ھ

۴۰۸۔ علامہ ابن امیر الحاج حنفی، متوفی 879ھ، التقریر والتحریر، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1403ھ
۴۰۹۔ بحر العلوم عبد العلی بن نظام الدین حنفی، متوفی 1225ھ، فواتح الرحموت، مطبوعہ: مطبعہ امیریہ کبریٰ، بولاق مصر 1294ھ
۴۱۰۔ شیخ محمد بن علی شوکانی غیر مقلد، متوفی 1250ھ، ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول، مطبوعہ: مکتبہ اثریہ، سانگلہ ہل
۴۱۱۔ علامہ محمد امین بن عمر بن عابدین شامی حنفی، متوفی 1252ھ، شرح شرح المنار للعلامۃ الشامی، مطبوعہ: ادارۃ القرآن، کراچی

مذاہب اربعہ

۴۱۲۔ امام ابو بکر احمد بن علی الجصاص الرازی المتوفی 370ھ مختصر اختلاف العلماء، دار البشاء الاسلامیہ، 1417ھ
۴۱۳۔ علامہ عبد الوہاب شعرانی حنفی، متوفی 973ھ، میزان الشریعۃ الکبریٰ، مطبوعہ: مطبع مصطفی البابی واولادہ، مصر 1359ھ، دار الکتب العلمیہ، بیروت 1418ھ
۴۱۴۔ علامہ عبد الرحمٰن الجزیری، الفقہ علی مذاہب الاربعہ، مطبوعہ: دار الفکر، بیروت
۴۱۵۔ الفتاوی الاسلامیہ من دار الافتاء المصریہ القاہرہ، 1400ھ
۴۱۶۔ ڈاکٹر وھبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، مطبوعہ: دار الفکر بیروت 1405ھ
۴۱۷۔ موسوعۃ الفقہ الاسلامی، مطبوعہ: القاہرہ 1410ھ

کتب شیعہ

۴۱۸۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الاصول من الکافی، دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۴۱۹۔ شیخ ابوجعفر محمد یعقوب کلینی، متوفی 329ھ، الفروع من الکافی، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۴۲۰۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، تہذیب الاحکام، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۴۲۱۔ شیخ ابوجعفر محمد بن حسن طوسی، متوفی 460ھ، الاستبصار، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، تہران
۴۲۲۔ نہج البلاغہ (مع فارسی)، مطبوعہ: انتشارات زرین، ایران
۴۲۳۔ نہج البلاغہ (مع اردو)، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز
۴۲۴۔ شیخ عز الدین عبد الحمید بن ابی الحدید، متوفی 656ھ، شرح نہج البلاغہ، مطبوعہ: موسسۃ مطبوعاتی اسماعیلیان ایران
۴۲۵۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، بحار الانوار، مطبوعۃ المطبعہ الاسلامیہ، تہران 1392ھ
۴۲۶۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حق الیقین، مطبوعہ: خیابان ناصر خسرو، ایران 1347ھ
۴۲۷۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، جلاء العیون (مترجم)، مطبوعہ: انصاف پریس، لاہور
۴۲۸۔ ملا باقر بن محمد تقی مجلسی، متوفی 1110ھ، حیات القلوب (مترجم) مطبوعہ: حمایت اہل بیت وقف، لاہور
۴۲۹۔ شیخ محمد بن حسین طباطبائی، متوفی 1293ھ، المیزان، مطبوعہ: دار الکتب الاسلامیہ، ایران 1302ھ

کتب متفرقات

۴۳۰۔ ابو المعالی عبدالملک الجوینی الشہیر بامام الحرمین الشافعی، متوفی 478ھ، مغیث الخلق فی ترجیح القول الحق، مطبوعہ: مکتبہ قدوسیہ، لاہور 1400ھ

۴۳۱۔ امام ابوالفتح ظہیر الدین الولوالجیہ حنفی، متوفی 540ھ، الفتاوی الولوالجیہ، مطبوعہ: دار الکتب العلمیہ، بیروت 1424ھ

۴۳۲۔ ابو عبداللہ شمس الدین محمد بن ابوبکر الدمشقی المعروف بابن قیم حنبلی، متوفی 751ھ، الداء والدواء، مطبوعہ: المکتبۃ التجاریہ، 1410ھ

۴۳۳۔ علامہ علی بن سلطان القاری الحنفی، متوفی 1014ھ، القائلین بوحدۃ الوجود، مطبوعہ: دار المامون للتراث 1415ھ

۴۳۴۔ میر عبدالواحد بلگرامی حنفی، متوفی 1016ھ، سبع سنابل، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1402ھ

۴۳۵۔ ملا باقر مجلسی شیعی، متوفی 1110ھ، ضیاء العیون، مطبوعہ: ایرانی کتب خانہ

۴۳۶۔ شیخ سید محمد اسماعیل دہلوی دیوبندی، متوفی 1246ھ، تقویۃ الایمان، مطبوعہ: مطبع علیمی، اندرون لاہور

۴۳۷۔ مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حنفی، متوفی 1258ھ، شمائم امدادیہ، مطبوعہ: مدنی کتب خانہ، ملتان 1405ھ

۴۳۸۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، آب حیات، ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان 1413ھ

۴۳۹۔ شیخ محمد قاسم نانوتوی دیوبندی، متوفی 1297ھ، تحذیر الناس، دار الاشاعت، کراچی

۴۴۰۔ ابوالحسنات محمد عبدالحی لکھنوی حنفی، متوفی 1304ھ، سباحۃ الفکر فی الجہر بالذکر، دار البشائر الاسلامیہ، بیروت 1408ھ

۴۴۱۔ شیخ محمود بن حسن دیوبندی، متوفی 1339ھ، الجہد المقل فی تنزیہہ المعز و المذل، مکتبہ مدینہ، لاہور 1409ھ

۴۴۲۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، ملفوظات، حامد اینڈ کمپنی، لاہور

۴۴۳۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، حامد اینڈ کمپنی، لاہور، 1401ھ

۴۴۴۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، احکام شریعت، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2002ء

۴۴۵۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الامن والعلیٰ، شبیر برادرز، لاہور 1396ھ

۴۴۶۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیۃ، صدیقی پبلشرز 2009ء

۴۴۷۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ، مطبوعہ: موسسۃ رضا الجامعہ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ

۴۴۸۔ امام احمد رضا خان قادری بریلوی، متوفی 1340ھ، انباء الحی، موسسۃ رضا الجامعہ النظامیہ الرضویہ، لاہور پاکستان 1422ھ

۴۴۹۔ شیخ خلیل احمد انبیٹھوی دیوبندی، متوفی 1346ھ، البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ، مطبوعہ: مطبع بلالی، ڈھونڈ

۴۵۰۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تحقیق الحق فی کلمۃ الحق، گولڑہ شریف، اسلام آباد 1421ھ

۴۵۱۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، ملفوظات مہریہ، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لمیٹڈ، لاہور 1406ھ

۴۵۲۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، اعلاء کلمۃ اللہ فی بیان وما اھل بہ لغیر اللہ، گولڑہ شریف، کتب خانہ درگاہ غوثیہ 1421ھ

۴۵۳۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، شمس الہدایہ فی اثبات حیات المسیح، مطبوعہ: پاکستان انٹرنیشنل پرنٹرز لاہور، 1406ھ

۴۵۴۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، پاکستان انٹرنیشنل پرنٹر 1415ھ

۴۵۵۔ حضرت سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی حنفی، متوفی 1356ھ، تصفیہ مابین السنی والشیعہ، پاکستان انٹرنیشنل، لاہور 1399ھ

۴۵۷۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، حفظ الایمان مع بسط البنان وتغیر العنوان، مکتبہ تھانوی، کراچی

۴۵۸۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، امداد المشتاق الی اشرف الاخلاق

۴۵۹۔ شیخ اشرف علی تھانوی دیوبندی، متوفی 1364ھ، جمال الاولیاء

۴۶۰۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی دیوبندی، متوفی 1399ھ، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور 1975ھ

۴۶۱۔ مولانا محمد عبد اللہ معمار امرتسری غیر مقلد، محمدیہ پاکٹ بک بجواب احمدیہ پاکٹ بک، المکتبۃ السلفیہ، لاہور 1391ھ

۴۶۲۔ ابوالحسنات علامہ محمد اشرف سیالوی حنفی بریلوی، انبیاء سابقین اور بشارات سید المرسلین، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور 1998ء

۴۶۳۔ شیخ عبدالحی الکتانی، نظام الحکومت النبویہ، دارالکتب العلمیہ، بیروت

۴۶۴۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق، متوفی 1985ء، دو اسلام، مطبوعہ: شیخ غلام علی اینڈ سنز، کراچی

۴۶۵۔ ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، انشورنس اسلامی معیشت میں، مطبوعہ: اسلامی پبلی کیشنز لمیٹڈ، لاہور 1982ء

۴۶۶۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ: دانش گاہ پنجاب، لاہور

۴۶۷۔ میر عبدالواحد بلگرامی، سبع سنابل، حامد اینڈ کمپنی، لاہور

۴۶۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، صحیفہ ہمام بن منبہ، اکیڈمی آف لائف اینڈ لیٹرز

۴۶۹۔ عقیدہ ختم نبوت، الادارہ لتحفظ العقائد الاسلامیہ، پاکستان

۴۷۰۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، دیوبندی، متوفی 1346ھ، المھند علی المفند، ادارہ اسلامیات 1404ھ

۴۷۱۔ شیخ خلیل احمد سہارنپوری، حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، منظور نعمانی، عقائد علماء دیوبند اور حسام الحرمین، دارالاشاعت، کراچی

۴۷۲۔ شیخ حسین احمد دیوبندی، متوفی 1377ھ، الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب، میر محمد کتب خانہ، کراچی

۴۷۳۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور، ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ 1407ھ

۴۷۴۔ شیخ محمد سرفراز خان صفدر دیوبندی، متوفی 2009ء، عبارات اکابر، مکتبہ صفدریہ، گوجرانوالہ

۴۷۵۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، تحفۂ قادیانیت، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت، ملتان 2001ء

۴۷۶۔ شیخ محمد یوسف لدھیانوی دیوبندی، متوفی 2000ء، اختلاف امت اور صراطِ مستقیم، مکتبۂ بینات بنوری ٹاؤن، کراچی 1399ھ

۴۷۷۔ مخدوم محمد ہاشم سندھی، متوفی 1174ھ، ذریعۃ الوصول الیٰ جناب الرسول، مکتبہ لدھیانوی، کراچی 1995ء

۴۷۸۔ محمد الیاس برنی، قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت 2001ء

۴۷۹۔ مولانا سید محمد دیدار علی شاہ الوری بریلوی، متوفی 1354ھ، فتاویٰ دیداریہ، مطبوعہ: مکتبۃ العصر، گجرات

۴۸۰۔ مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی حنفی بریلوی، متوفی 2003ء، مقالاتِ مفتیٔ اعظم، مطبوعہ: بزمِ رضا، لاہور 1428ھ

۴۸۱۔ مولانا محمد منشاء تابش قصوری حنفی بریلوی غفرلہ، دعوتِ فکر، مطبوعہ: مکتبہ اشرفیہ، مرید کے شیخوپورہ 1403ھ

۴۸۲۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، حیاتِ استاذ العلماء، مطبوعہ: دارالاسلام لاہور 1433ھ

۴۸۳۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، توضیح البیان، مطبوعہ: حامد اینڈ کمپنی، لاہور 1422ھ

۴۸۴۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، ذکر بالجہر، مطبوعہ فرید بک اسٹال، لاہور 1427ھ

۴۸۵۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تذکرۃ المحدثین، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ

۴۸۶۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقالاتِ سعیدی، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1428ھ

۴۸۷۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، مقامِ ولایت ونبوت، مطبوعہ: فرید بک اسٹال لاہور، 1426ھ

۴۸۸۔ علامہ غلام رسول سعیدی حنفی بریلوی غفرلہ، تاریخ نجد وحجاز، مطبوعہ: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور 2004ء

۴۸۹۔ مفتی محمد اسماعیل حسین نورانی حنفی بریلوی غفرلہ، حقائق شرح صحیح مسلم ودقائق تبیان القرآن، فرید بک اسٹال لاہور، 1425ھ

۴۹۰۔ مولانا غلام نصیر الدین گولڑوی حنفی بریلوی، غفرلہ سفر آخرت کی منازل، فرید بک اسٹال لاہور، 1427ھ

ضروری یادداشت

پروفیسر مفتی مُنیب الرحمٰن

کی زیورِ طبع سے آراستہ ہونے والی مؤثر تصنیف

تفہیم المسائل

قرآن وحدیث کی روشنی میں
فقہی مسائل کا
مؤثر انداز میں نچوڑ

تفسیر سورۃ النسآء

دورِ جدید کی منفرد جامع اور عام فہم تفسیر، اندازِ بیان مؤثر و دلکش قدیم وجدید اہم تفاسیر کا نچوڑ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کے تفاسیری کارنامے

تفسیر ضیاء القرآن ۵ جلد
فہم قرآن کا بہترین ذریعہ
اہل دل کیلئے ایک نایاب تحفہ

جمال القرآن فی ترجمۃ القرآن
قرآن پاک کا انتہائی خوبصورت ترجمہ جس کے
پڑھنے سے اعجاز قرآن کا حسن نظر آتا ہے

تفسیرات احمدیہ
ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر ابن کثیر جلد
علامہ ابو الفداء عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر نور العرفان
حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر خزائن العرفان
مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر احکام القرآن جلد
مولانا جلال الدین قادری مدظلہ

تفسیر الحسنات جلد
ابوالحسنات سید محمد احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر مظہری ۱۰ جلد
عارف باللہ حضرت قاضی
ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر در منثور ۶ جلد
علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ

تفسیر قرطبی ۱۰ جلد
امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

یا ایہا الذین آمنوا
مفتی عنایت علی قادری مدظلہ

تفسیر سورۃ النساء

شہرہ آفاق، عالمگیر اور متداول
مجموعہ ہائے حدیث

صحاح ستہ

کا نیا ایمان افروز
اور
روح پرور ترجمہ

ادارہ ضیاء المصنفین کی زیر نگرانی
بھیرہ شریف

مرکزی دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف کے علماء کی نئی کاوش

بخاری شریف مترجم
3 جلد

صحیح مسلم شریف مترجم
3 جلد

سنن ابی داؤد مترجم
3 جلد

سنن نسائی مترجم
3 جلد

سنن ترمذی شریف مترجم
2 جلد

سنن ابن ماجہ مترجم
2 جلد

زیور طباعت سے آراستہ ہو کر
منظر عام پر آچکی ہیں

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ضیاء القرآن پبلی کیشنز کی سیرت طیبہ پر جامع اور مستند کتب

- ضیاء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۷ جلد — حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
- شرح سیرت ابن ہشام (الروض الانف) — امام عبدالرحمٰن سہیلی رحمۃ اللہ علیہ ۴ جلد
- مدارج النبوت ۲ جلد — شاہ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
- جان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — علامہ سید سعادت قادری رحمۃ اللہ علیہ
- الخصائص الکبریٰ — امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ
- حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین — امام محمد یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ
- سعادت الدارین — علامہ محمد یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ
- دلائل النبوۃ — امام ابونعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ
- فضائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ترجمہ جواہر البحار ۴ جلد) — امام محمد یوسف نبہانی رحمۃ اللہ علیہ
- مقام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — مفتی منظور احمد فیضی
- شان حبیب کبریا — صحاح ستہ کی روشنی میں — علامہ عبدالرسول ارشد
- النبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — مترجم: مولانا ملک محمد بوستان
- الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — مترجم: مولانا مختار احمد رومی
- سیرت رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ
- عشق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — نواز رومانی
- ذکر جمیل — مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ
- جان رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — پروفیسر محمد یعقوب
- محمد اول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — علامہ سراج احمد سعیدی
- النبی الاطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — امام عبدالرحمٰن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ
- فضائل محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — مترجم: علامہ مختار احمد رومی
- سیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمۃ اللہ علیہ
- اللہ کے شہکار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — علامہ محمد عبدالحق ظفر چشتی رحمۃ اللہ علیہ
- المصطفیٰ والمرتضیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم — علامہ سید انور حسین سیالوی
- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت پیغمبر عدل وامن — ڈاکٹر ظہور احمد اظہر